نزہۃ القاری

شرح

صحیح البخاری

تصنیف

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگاری کرے تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔ (القرآن ۲۴/۵۲)

نزھۃ القاری

شرح

صحیح البخاری

فقیہ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمہ اللہ تعالےٰ

سابق صدر شعبہ افتاء جامعہ اشرفیہ مبارکپور (انڈیا)

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)

۳۸۔ اردو بازار لاہور

اشاعت اول: ربیع الاول ۱۴۲۱ھ / جون ۲۰۰۰ء
اشاعت ثانی: رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ / اکتوبر ۲۰۰۷ء
[illegible]
قیمت: ۲۰۰/۰۰ روپے (مکمل سیٹ)

Farid Book Stall®
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال (پرائیویٹ) لمیٹڈ ۳۸ اردو بازار لاہور
[illegible]
[illegible]
info@faridbookstall.com
www.faridbookstall.com

فہرست مضامین

نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری (جلد اول)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقیہ اعظم ہند مولانا مفتی شریف الحق امجدی مدظلہ العالی کی خدمت میں

شرح بخاری کی تکمیل پر ہدیہ تبریک[1]

زندگی اللہ تعالیٰ کا وہ عظیم عطیہ ہے کہ اگر اس کا ایک ایک لمحہ رب کریم کا شکر ادا کرنے کے لیے صرف کر دیا جائے اور ہر بن مو صد ہزار زبانوں میں تبدیل ہو کر رب کریم کی حمد اور سپاس گزاری میں محو ہو جائے تو یکے از ہزار بھی ادا نہ ہو سکے۔

اس جہان رنگ و بو میں ہزاروں افراد پیدائش کے مرحلے سے گزرتے ہیں اور ہزاروں موت کی مہیب وادیوں میں اتر جاتے ہیں۔ ان میں سے کتنے ہیں جو مقصد زندگی کو سمجھتے ہیں اور اسے پورا کرنے کے لیے اپنی سی جدوجہد کرتے ہیں؟ کہنے والے نے سچ کہا ہے۔

عمر ہا باید کہ تا یک مرد حق پیدا شود
بایزید اندر خراسان یا اویس اندر قرن

سرزمین پاک و ہند وہ مردم خیز خطہ ہے جہاں سے ہزاروں ایسے افراد پیدا ہوئے جو نہ صرف خود صراط مستقیم پر گامزن تھے۔ بلکہ ان گنت بندگان خدا کے لیے اقوال و نقوش پائے مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) روشن کر گئے اور بقول شیخ سعدی "ویں جہدی کند کہ بگیرد غریق را"[2] کا مصداق ثابت ہوئے۔

ایسی ہی ایک شخصیت فقیہ اعظم ہند' حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ العالی ہیں' جو بلاشبہ نادر روزگار فقیہ اور پاک و ہند کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ اشرفیہ' مبارک پور کے ناظم تعلیمات اور شعبہ افتاء کے صدر نشین ہیں۔ ان کے ماتحت متبحر فضلاء کی ایک جماعت ہے جو امت مسلمہ کو پیش آنے والے مسائل میں قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں راہنمائی فراہم کرتی ہے۔

(1) یہ مقالہ حضرت فقیہ اعظم ہند کی حیات میں لکھا گیا تھا' حضرت نے ملاحظہ بھی فرمایا اور ایک مکتوب میں پسندیدگی کا اظہار بھی فرمایا' افسوس کہ ۶ صفر مطابق ۱۱ مئی ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ء بروز جمعرات صبح کی نماز کے بعد رحلت فرما گئے' رحمہ اللہ تعالیٰ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی موجودہ دور کے پاک و ہند کے علماء اہل سنت و جماعت کی صف اول کے ممتاز ترین عالم اور جامع الصفات شخصیت ہیں۔ وہ بیک وقت فقیہ بھی ہیں اور محدث بھی ' مدرس بھی ہیں اور مناظر بھی۔ وہ خطیب بھی ہیں اور ادیب بھی۔ معقولات کے متبحر فاضل بھی ہیں اور منقولات کے بحر مواج بھی۔ غیرت ملی کا پیکر بھی ہیں اور عشق خدا اور رسول (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا مجسمہ بھی۔ انہیں بجا طور پر امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کے پیر خانے کے موجودہ سجادہ نشین حضرت پروفیسر ڈاکٹر سید امین میاں مدظلہ العالی نے "فقیہ اعظم ہند" ایسے پر شکوہ لقب سے نوازا ہے۔ جس پر ہندوستان کے اکابر علماء اہل سنت نے مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ اس عظمت و جلالت کے ساتھ وہ اخلاق جمیلہ کا بہترین نمونہ ہیں۔ ان میں اسلاف کی سادگی اور اصاغر نوازی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء کو مردم خیز قصبہ گھوسی ' ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ (صاحب بہار شریعت) کے ساتھ جاملتا ہے۔ آپ کی ارجمندی ہے کہ آپ کو اس وقت کے متحدہ پاک و ہند کے اساطین علم و فضل اور مقتدایان رشد و ہدایت سے اکتساب فیض کا موقع ملا۔ ابتدائی عربی کتب سے لے کر صدرا ' حمد اللہ ' ہدایہ اور ترمذی شریف تک کتب درس نظامی دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ ' مصباح العلوم ' مبارک پور (جو اس وقت جامعہ اشرفیہ ' مبارک پور کے نام سے شہرہ آفاق ہے) میں پڑھنے کا موقع ملا اور جلالۃ العلم ' حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز مراد آبادی کے فیض علم سے بہرہ ور ہوئے۔ شوال المکرم ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء میں مدرسہ منظر اسلام ' مسجد بی بی جی ' بریلی شریف میں محدث اعظم پاکستان مولانا ابو الفضل محمد سردار احمد چشتی قادری کے پاس صحاح ستہ پڑھ کر دورہ حدیث کی تکمیل کی۔ حضرت صدر الشریعہ کے یہ دو شاگرد ' حافظ ملت اور محدث اعظم پاکستان وہ ہیں جن کا علمی اور روحانی فیض نہ صرف پاک و ہند کے گوشے گوشے میں پہنچا ہوا ہے ' بلکہ دنیا کے دیگر ممالک میں بھی جلوہ گر ہے۔ مفتی صاحب ان دونوں کے فیض و برکت کے جامع ہیں۔ ان کے علاوہ بھی متعدد اکابر کے فیض یافتہ ہیں۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ امجدیہ میں عارف باللہ حضرت صدر الشریعہ ' بدر الطریقہ مولانا محمد امجد علی اعظمی کے مرید ہیں بلکہ ان کے خلیفہ مجاز بھی ہیں۔ حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی اور احسن العلماء حضرت سید شاہ حسن حیدر میاں ' سابق سجادہ نشین مارہرہ شریف نے بھی انہیں اجازت و خلافت سے نوازا۔ مختصر یہ کہ اکابر عصر کی عنایات اور نوازشات کا ایک ایسا مجموعہ تیار ہوا ہے آج دنیا شارح بخاری اور فقیہ اعظم ہند کے محترم القاب سے جانتی اور پہچانتی ہے۔

حضرت شارح بخاری کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی سے درس بخاری شریف لیا اور چودہ سال ان کی خدمت میں رہ کر کار افتاء کا تجربہ حاصل کیا۔ گیارہ سال دار العلوم منظر اسلام ' بریلی شریف میں مدرس بھی رہے اور حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں کی راہنمائی میں فتوے بھی لکھتے رہے۔ اس دور میں تقریباً پچیس ہزار فتوے آپ کے قلم سے لکھے گئے ہوں گے۔ افسوس کہ وہ فتوے محفوظ نہیں رہ سکے۔ اس کے علاوہ

متعدد مدارس میں معقولات و منقولات کی آخری کتابیں اور دورۂ حدیث بھی پڑھاتے رہے۔ ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء سے شہرستان علم و فن الجامعۃ الاشرفیہ' مبارک پور میں تشریف فرما ہیں اور اس وقت صدر مفتی بھی ہیں اور ناظم تعلیمات بھی' جدید مسائل کی تحقیق کے لیے قائم "مجلس شرعی" کے سرپرست بھی ہیں۔

حضرت فقیہ اعظم ہند نے تصانیف کا بھی اچھا ذخیرہ تیار کیا ہے۔ ان میں سرفہرست نزہۃ القاری شرح بخاری ان کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ جس پر وہ بلاشبہ ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں۔ الحمد للہ! یہ شرح نو جلدوں میں مکمل ہو گئی ہے اور چھپ بھی گئی ہے۔ اس شرح کا آغاز مولانا علامہ یٰسین اختر مصباحی (دہلی) اور مولانا افتخار احمد قادری (مدینہ منورہ) کی تحریک پر ہوا۔ اختصار کے پیش نظر مکرر احادیث کا ذکر صرف ایک دفعہ کیا ہے اور بخاری شریف کے ابواب ذکر نہیں کیے ورنہ احادیث کو مکرر لانا ضروری ہوتا۔ البتہ اہم تراجم ابواب پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے اور ابواب کے ذکر کا فائدہ "احکام مستخرجہ" کا عنوان قائم کر کے پورا کر دیا گیا ہے۔ ہر حدیث کا نمبر لگا دیا گیا ہے اور اس کے اہم مضمون کو سامنے رکھ کر عنوان بھی قائم کر دیا ہے۔ یہ حوالہ بھی دے دیا گیا ہے کہ حدیث بخاری شریف اور صحاح ستہ کی دیگر کتب میں کہاں کہاں واقع ہے؟

مقدمہ میں دیگر ضروری معلومات کے علاوہ خاص طور پر تین عنوانوں پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ (۱) مسامحات بخاری (۲) امام اعظم کی مختصر سوانح اور (۳) فقہ حنفی کا تعارف۔ شرح بخاری میں حدیث کا صحیح ترجمہ اور صحیح مطلب بیان کرنے کے ساتھ ہی حضرات حنفیہ اور شافعیہ کے اختلاف کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اور دلائل سے بتایا ہے کہ مذہب حنفی کو کیوں ترجیح ہے؟ اسی طرح اعتقادی مباحث میں مسلک اہل سنت و جماعت کی حقانیت اور برتری اس طرح بیان کی ہے کہ تسلیم کے بغیر چارہ نہیں رہتا۔

مختصر یہ کہ موجودہ دور میں اردو میں لکھی گئی یہ مکمل اور بہترین شرح ہے۔ جو علماء' وکلاء' مدرسین' طلبہ اور عوام و خواص کے لیے یکساں مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت شارح بخاری کو دنیا اور آخرت میں اس کا بہترین اجر عطا فرمائے اور اس شرح کو ملت اسلامیہ کے لیے مفید اور مقبول بنائے۔

۱۹۹۶ء میں شارح بخاری نے حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں سجادہ نشین مارہرہ شریف کے ہمراہ زامبیا' زمبابوے' حرمین شریفین اور پاکستان کا سفر کیا۔ ۲۸/ اگست کو حضرت شارح بخاری' جناب حاجی ابو بکر (کراچی) کے ہمراہ جامعہ نظامیہ رضویہ' لاہور تشریف لائے۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی مدظلہ' راقم الحروف اور دیگر اساتذہ و طلبہ نے ان کا پرتپاک استقبال کیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ تصویر کو جائز قرار نہیں دیتے تو آپ کا پاسپورٹ کس طرح بن گیا؟ انہوں نے فرمایا: ہمارے ایک شاگرد نے ہمیں ناشتے کی دعوت دی۔ ان کے ہاں گئے تو ہماری تصویر بنائی گئی۔ فلیش کی چمک دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا کیا؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ کو بیرونی دورے پر بھجوانے کے لیے پاسپورٹ بنوانا ہے' اس کے لیے آپ کی تصویر لی گئی ہے۔

روانہ ہونے لگے تو مجھے فرمایا کہ آپ کے پاس وقت ہو تو ہمارے ساتھ چلیں۔ مجھے کیا انکار ہو سکتا تھا؟ حاجی ابو بکر صاحب گاڑی چلا رہے تھے۔ پہلے حضرت پیر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار پر حاضری دی' پھر حضرت میراں حسین زنجانی کے

مزار پر حاضری کے لیے روانہ ہوئے۔ دو موریہ پل کے پاس پہنچے تو بارشوں کی وجہ سے جل تھل کا سماں تھا۔ گاڑی وہیں چھوڑی اور تانگے پر سوار ہو کر حضرت میراں حسین زنجانی کے مزار پر پہنچے۔ مغرب کی نماز ادا کی۔ واپسی پر ڈیفنس کی ایک کوٹھی پر لے گئے جہاں کھانا بھی کھایا اور حضرت شارح بخاری سے گھڑی کے چین کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ حضرت سٹیل کے چین کو جائز قرار دیتے ہیں۔ رات گئے واپسی ہوئی۔

۳۱ راگست کو راقم الحروف کراچی میں حضرت سید محمد شاہ دولہا بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کھارادر، کراچی کے عرس میں شریک ہوا۔ رات کے بارہ بجے راقم بعنوان "کرامات اولیاء اور بعد از وصال استمداد" مقالہ پیش کر رہا تھا کہ حضرت شارح بخاری، لاہور سے فیصل آباد اور ملتان ہوتے ہوئے کراچی تشریف لائے اور اسی وقت عرس کی محفل میں پہنچ گئے۔ راقم کے بعد حضرت نے پر مغز خطاب فرمایا اور ابتدا میں چند کلمات راقم کے بارے میں فرمائے۔ اگرچہ راقم اپنے آپ کو ان کا اہل نہیں سمجھتا، تاہم حضرت کے اخلاق کریمانہ اور اصاغر نوازی کی جھلک دکھانے کے لیے ذیل میں نقل کر رہا ہوں۔ حضرت نے فرمایا:

> مجھ سے پہلے رئیس القلم مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری تقریر کر رہے تھے، وہ تقریر کے بھی بادشاہ ہیں، تحریر کے بھی بادشاہ ہیں، تدریس کے بھی بادشاہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے چاہا تو روحانیت کے بھی بادشاہ ہوں گے۔ (او کما قال)

ایسے کلمات اپنے سے کم درجہ شخص کے لیے وہی کہہ سکتا ہے جس کے سینے میں سمندر کی وسعت ہو۔

راقم مقالہ پڑھ کر اپنی قیام گاہ پر چلا گیا۔ رات ڈیڑھ بجے کا وقت ہوگا کہ حضرت شارح بخاری نے ٹیلی فون کے ذریعے حکم دیا کہ میری قیام گاہ، حاجی انور صاحب برکاتی کی کوٹھی پر آجاؤ۔ چنانچہ راقم رات کے دو بجے ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور رات وہیں گزاری۔

۱۹۹۸ء میں راقم انڈیا گیا تو ممبئی، دہلی، بریلی شریف سے ہوتا ہوا اناؤ میر کو ٹرین (کاشی) کے ذریعے چھ بجے صبح بنارس پہنچا۔ سربراہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور عزیز ملت حضرت مولانا عبدالحفیظ مدظلہ العالی کے صاحبزادے مولانا نعیم الدین اور مولانا نفیس احمد استقبال کے لیے اسٹیشن پر موجود تھے۔ یہ حضرات اس فقیر کو لے کر گاڑی پر روانہ ہوئے۔ نو بجے صبح کا وقت ہوگا، جب ہم اہل سنت و جماعت کے ہندوستان میں سب سے بڑے ادارے الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور پہنچے اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ طلباء راستے کے دونوں طرف قطاریں بنا کر کھڑے ہیں۔ گاڑی سیدھی دارالحدیث کے عظیم الشان گنبد کے پاس جا کر کھڑی ہوئی، باہر نکلا تو سب سے پہلے حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں ممبئی کے پاس گونڈی جا رہا ہوں۔ وہاں ایک مقدمے کا فیصلہ کرنا ہے، میں چاہتا تھا کہ آپ سے ملاقات کر کے روانہ ہوں۔۔۔۔ اللہ اکبر! یہ ہیں بڑے لوگوں کی بڑی باتیں، اس کے بعد دیگر اساتذہ اور طلباء سے ملاقات ہوئی۔ الجامعۃ الاشرفیہ کی زیارت اور وہاں کے اساتذہ اور طلباء سے ملاقات کر کے جو مسرت ہوئی، اس کے بیان سے زبان و قلم عاجز ہے۔ یاد رہے کہ دہلی سے روانگی کے بعد مفکر اسلام حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی مدظلہ نے ٹیلی فون کے ذریعے جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

فقیر کی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ اسی لیے مولانا نعیم الدین اور مولانا نفیس احمد بنارس کے اسٹیشن پر استقبال کے لیے تشریف فرما تھے۔

جامعہ اشرفیہ میں فقیر کے دیرینہ کرم فرما اور پیکر اخلاص مولانا محمد احمد مصباحی، محدث کبیر حضرت علامہ مولانا ضیاء المصطفیٰ (شیخ الحدیث) فاضل نوجوان اور محقق مولانا مفتی نظام الدین، ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر مولانا مبارک حسین مصباحی، مولانا بدر عالم مصباحی، مولانا زاہد علی سلامی اور دیگر اساتذہ سے بھی ملاقات ہوئی جو فقیر کی یادوں کے اہم کا قیمتی اثاثہ ہے۔

ہمارے ہاں یہ رسم ہے کہ کسی اہم شخصیت کی رحلت کے بعد ان کے عرس کا اہتمام کرتے ہیں، ان کی سوانح اور خدمات پر کوئی کتابچہ یا کسی ماہنامے کا نمبر شائع کر دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ اہتمام بھی خال خال شخصیات کے لیے ہوتا ہے، لیکن زندگی میں اس بات پر توجہ نہیں دی جاتی کہ ان کی دینی، علمی اور روحانی خدمات پر خراج عقیدت پیش کیا جائے یا ان کے حالات اور علمی افادات قلم بند کیے جائیں۔

الحمد للہ اب کسی قدر سوچ میں تبدیلی آ رہی ہے۔ حضرت شارح بخاری مولانا مفتی شریف الحق امجدی اس اعتبار سے بھی خوش قسمت ہیں کہ اہل سنت کے اصحاب فکر و دانش نے ان کی حیات مبارکہ میں انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

اس تبدیلی کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں جو اہل سنت و جماعت کو بیداری اور کار خیر کی دعوت دیتی ہیں:

۱۔ ۱۹۹۳ء میں جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے طلباء نے شارح بخاری سیمینار منعقد کیا جس کے لیے دو سو کے قریب مقالات شارح بخاری پر لکھے گئے۔

۲۔ رضا اکیڈمی، ممبئی نے جولائی ۱۹۹۱ء میں ایک سیمینار منعقد کیا جس کا عنوان تھا "امام احمد رضا کی قلمی خدمات" اس سیمینار میں علامہ یٰسین اختر مصباحی، بانی دار القلم دہلی کو "امام احمد رضا ایوارڈ" اور گیارہ ہزار روپے نقد پیش کیے گئے۔

۳۔ رضا اکیڈمی، ممبئی ہی نے ۷ / فروری ۱۹۹۸ء کو ایک سیمینار منعقد کیا اور پانچ جلیل القدر علماء کو "امام احمد رضا ایوارڈ" اور پچیس ہزار روپے نقد پیش کیے۔ ان میں سر فہرست شارح بخاری مد ظلہ العالی ہیں۔ امام احمد رضا ایوارڈ (برائے ۱۹۹۲ء) باقی ارباب فضل و کمال اور اصحاب علم و قلم کے نام یہ ہیں:

ملک التحریر علامہ ارشد القادری مد ظلہ العالی کو امام احمد رضا ایوارڈ (برائے ۱۹۹۳ء)

بحر العلوم مولانا مفتی عبد المنان اعظمی مد ظلہ العالی کو امام احمد رضا ایوارڈ (برائے ۱۹۹۴ء)

مفتی اعظم مہاراشٹر حضرت مفتی غلام محمد خان ناگپوری کو امام احمد رضا ایوارڈ (برائے ۱۹۹۵ء)

فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی جلال الدین امجدی کو امام احمد رضا ایوارڈ (برائے ۱۹۹۶ء)

ان حضرات کے حالات اور ان کی خدمات کے لیے ملاحظہ ہو "سوغات رضا" مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔

۴۔ ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء میں علامہ یٰسین اختر مصباحی نے "شارح بخاری" کے نام سے ۲۸۸ صفحات پر مشتمل کتاب لکھی ہے، جسے دائرۃ البرکات قصبہ گھوسی ضلع مئو نے شائع کیا ہے۔

۵۔ ۶ نومبر ۱۹۹۹ء کو رضا اکیڈمی، ممبئی کے زیر اہتمام "جشن شارح بخاری" منایا گیا جس میں شارح بخاری مدظلہ کو شرح بخاری مکمل کرنے پر ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کیا گیا۔

یاد رہے کہ رضا اکیڈمی، ممبئی جواں سال، مجاہد سنیت جناب محمد سعید نوری اور جناب عبدالحق رضوی کی قیادت میں کام کر رہی ہے۔ رضا اکیڈمی، ممبئی نے اہل سنت و جماعت کی عام روش سے ہٹ کر لٹریچر کی اشاعت اور تقسیم پر توجہ دی ہے۔ اب تک اکیڈمی فتاویٰ رضویہ کی قدیم اشاعت کے عکس کے علاوہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے ایک سو رسائل بیک وقت حسین و جمیل ٹائٹل کے ساتھ شائع کر چکی ہے۔ درس نظامی کی کثیر التعداد کتب بھی شائع کی ہیں اور ہر سال دیدہ زیب اور حیرت انگیز حد تک خوبصورت کیلنڈر بھی شائع کرتی ہے۔

۶۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی / اسلام آباد بھی کئی سال سے رضویات پر کام کرنے والے محققین کو امام احمد رضا ایوارڈ (طلائی تمغہ) دیتا ہے، جامعہ ازہر شریف اور جامعہ عین شمس قاہرہ کے تین اساتذہ کو بھی "امام احمد رضا ایوارڈ" دے چکا ہے۔

۱۔ بساتین الغفران (امام احمد رضا بریلوی کے عربی دیوان) کے مرتب و محقق، جناب شیخ سید حازم محمد احمد المحفوظ، استاذ کلیۃ اللغات والترجمہ، جامعہ ازہر۔

۲۔ سات کتابوں کے مصنف اور "سلام رضا" کا منظوم عربی ترجمہ اور ایک سو پانچ صفحات کا مقدمہ لکھنے والے ڈاکٹر حسین مجیب مصری استاذ کلیۃ الآداب، جامعہ عین شمس، قاہرہ۔

۳۔ دکتور رزق مرسی ابوالعباس، استاذ اللغۃ العربیہ و آدابہا، کلیہ الدراسات الاسلامیہ والعربیہ، جامعۃ الازہر، جن کی نگرانی میں فاضل نوجوان ممتاز احمد سدیدی فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور نے جامعہ ازہر میں پانچ سو چھتیس صفحات پر مشتمل مقالہ برائے ایم فل لکھا جس کا عنوان ہے

الامام احمد رضا خان البریلوی الھندی شاعرا عربیا

اور بحمدہ تعالیٰ اس میں "امتیاز مع مرتبہ" کامیابی حاصل کی۔

یہ صورت حال یقیناً خوش آئند ہے۔ اگر ارباب تحقیق قلم کاروں کے اعزاز و تکریم کا یہ سلسلہ جاری رہا تو ان شاء اللہ تعالیٰ وہ دن دور نہیں، جب ہمارے ہاں کسی قسم کے لٹریچر کی کمی نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بصد عجز و نیاز دعا ہے کہ حضرت شارح بخاری، فقیہ اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ کا سایہ تادیر عزت و عافیت کے ساتھ سلامت رکھے، ان کے بلطف جانشین پیدا فرمائے اور اہل سنت و جماعت کو لٹریچر کی قوت اور اہمیت کا ہمہ گیر شعور عطا فرمائے۔ آمین۔

۱۳ شوال المکرم ۱۴۲۰ھ

۲۱ جنوری ۲۰۰۰ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری

شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ

لاہور، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اس کتاب کو ناظرین کے ہاتھوں تک پہنچانے میں مجھے کتنی دشواریاں اٹھانی پڑیں اس کی داستان بہت طویل ہے طباعت کے سلسلے میں سب سے پہلا مرحلہ سرمایہ کا تھا۔ یہ سلسلہ سب سے زیادہ مشکل تھا۔ مگر اس سلسلے میں عزیز سعید مولانا حافظ عبدالحق صاحب سلمہٗ استاذ الجامعۃ الاشرفیہ نے ہمیشہ حوصلہ افزائی کی یہاں تک کہا کہ آپ لکھیں تو میں چھپواؤں گا۔ پھر انہیں کی کوششوں سے سرمایہ اکٹھا ہوا۔ اور انہیں کی مسلسل انتھک محنتوں سے یہ کتاب چھپ گئی۔ اب اللہ عزوجل کی عنایت سے پہلا حصہ کسی نہ کسی طرح آپ کے مطالعہ میں ہے۔ طباعت کے سلسلے میں جن حضرات نے تعاون فرمایا۔ ان کے اسمائے گرامی کی فہرست الگ صفحہ پر کر دی گئی ہے۔ ان میں محسن ملت عالی جناب الحاج سیٹھ علی محمد صاحب، مالک موٹر ٹریننگ اسکول ڈونگری بمبئی اور ان کے بھائی محسن ملت عالی جناب الحاج سیٹھ محمد ابراہیم احمد صاحب مالک فرینڈ اسٹورس بھنڈی بازار بمبئی نے اتنی بڑی رقم عطا فرمائی کہ ہماری جماعت میں اب تک شاید ہی کسی نے کسی مذہبی کتاب کی اشاعت کیلئے دی ہو۔ ان دونوں صاحبان نے ثابت کر دیا کہ اس دور الحاد میں بھی علم دین کے پرستار زندہ ہیں۔ اور زندہ رہیں گے۔ مولیٰ عزوجل انہیں اور انکی آئندہ نسل کو ہمیشہ ہمیشہ دارین میں اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔

دوسرے معاونین بھی لائق صد ستائش ہیں کہ انہوں نے بھی اللہ عزوجل کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی نشر و اشاعت میں اپنی توفیق کے مطابق بھرپور حصہ لیا۔ میں رب العزت تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ میرے ان سرپرستوں کو دارین میں اپنے خزانۂ غیر متناہیہ سے اتنا عطا فرما، جو تیری شان دست کرم کے لائق ہے

نیز تمام ناظرین سے بھی میری عاجزانہ التماس ہے کہ وہ ان تمام معاونین کے لئے صمیم قلب سے دعائے خیر فرماتے رہیں۔

؎ عزیزی مولانا بدر عالم مدرس دار العلوم حنفیہ غوثیہ بجر ڈیہہ بنارس اور مولوی علیم الدین پوروزی متعلم جامعہ نے بڑی جانفشانی سے مسودے کو صاف کیا ہے۔ نیز جناب مولانا جلال الدین صاحب نعمانی صدر المدرسین مدرسہ قادریہ چریا کوٹ اور عزیز سعید مولانا حافظ عبدالحق، مولوی اشرف رضا، مولوی خورشید انور علیم نے پروف ریڈنگ (کاپی کی تصحیح) بڑی عرق ریزی کے ساتھ کی۔ اللہ عزوجل ان سب لوگوں کو عالم با عمل و بافیض بنائے۔ ان سے دین کی مقبول و نمایاں خدمات لے۔ ان کے فیض کو عام کرے۔ دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

سوائے جناب جلال الدین صاحب نعمانی کے یہ لوگ نو آموز ہیں۔ ہو سکتا ہے کتابت کی غلطیاں اب بھی رہ گئی ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لولیہ والصلوٰۃ علی حبیبہ وعلی آلہ وصحبہ

میں کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھ جیسا کم علم اور کاہل انسان اصح الکتب بعد کتاب اللہ کی شرح لکھ سکے گا۔ لیکن قدیر مطلق جس سے جو چاہے کام لے لے۔ ہوا یہ کہ جب الجامعۃ الاشرفیہ کے عظیم دار الافتاء کی ذمہ داری مجھے سپرد کی گئی۔ اور میں اشرفیہ حاضر ہو گیا تو فاضل گرامی جناب مولانا افتخار احمد۔ اور جناب مولانا یٰسین اختر صاحب۔ استاذان ادب جامعہ اشرفیہ نے مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ میں کوئی اہم تصنیفی کام کروں۔ میرے سامنے نا تمام اشرف السیر کا کام تھا میں نے یہ سوچا کہ اسی کو مکمل کر دوں لیکن دار الافتاء سے جن کا تعلق ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔ سارا وقت اسی کی نذر ہو جاتا۔ اسی اثناء میں جناب مولانا [illegible] صاحب [illegible] بھی مصر ہو گئے کہ فتاویٰ امجدیہ پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ چونکہ فتاویٰ امجدیہ کو پڑھ کر حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کو سنا چکا تھا اسلئے شاید مجھ سے زیادہ موزوں آدمی مل بھی نہیں سکتا تھا۔ پہلی ہی جلد پر نظر ثانی و تصحیح اور تحشیہ میں کافی وقت صرف ہو گیا پہلے سے فراغت ہوئی۔ تو پھر ان دونوں حضرات کا اصرار بڑھا۔ تقریباً روزانہ یہ لوگ تقاضا کرتے پھر ازراہ عنایت ان لوگوں نے اپنا تعاون پیش کیا۔ ابتداءً میں سوچا کہ اشرف السیر کو مکمل کروں۔ مگر اس میں ان لوگوں کا وقت بہت ضائع ہوتا۔ کتنی جگہ مجھے خود غور کرنا پڑتا۔ اس لئے انہیں حضرات کے مشورے سے یہ طے ہوا کہ بخاری شریف کا ترجمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ کام ۱۳۹۶ھ میں شروع ہوا۔ ابھی چند حدیثوں کا ترجمہ ہو پایا تھا کہ آنکھوں کی تکلیف شروع ہو گئی۔ چھ ماہ تک مسلسل علاج کے بعد اطمینان ہوا تو پھر [illegible] صاحب فتاویٰ امجدیہ کی دوسری جلد لے کے پیچھے۔ اس میں تقریباً سال بھر گذر گیا۔ جس سے فراغت کے بعد پھر ان دونوں حضرات نے تقاضا شروع کیا۔ بالآخر ۱۸ ربیع الآخر ۱۳ر فروری ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء کو پھر ترجمے کا کام شروع ہوا۔ اسی اثناء میں حضرت مولانا محمد احمد صاحب بھیروی صدر المدرسین مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد تشریف لائے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ کہیں کہیں کچھ ضروری تشریحی نوٹ بھی لگا دیں تو بہتر ہوتا۔ انکے مشورے کے بعد تشریحی نوٹ جگہ جگہ لگا دیئے کہ یک بیک مولانا یٰسین اختر اور مولانا افتخار احمد صاحبان ریاض چلے گئے۔ اور کام بالکل بند ہو گیا۔ اس کے بعد عزیز سعید مولانا حافظ عبد الحق اس پر اصرار کرتے رہے۔ روزانہ تقاضا کرتے رہے۔ آخر کار ۲۱ر ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۸۲ء شب دوشنبہ سے کام شروع کر دیا۔ اب خیال آیا کہ ترجمے کیلئے شروح دیکھنی پڑتی ہیں اس میں سے نوٹ کے لئے انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ لاؤ ایک متوسط درجے کی مستقل شرح ہی نہ کیوں لکھ ڈالوں۔ اس طرح میں نے یہ شرح لکھنی شروع کر دی۔ اس سلسلے میں مجھے جو دشواریاں اٹھانی پڑی ہیں ان کا تذکرہ فضول ہے۔ رب قدیر متعال کا شکر ہے کہ اس کا پہلا حصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

خصوصیات ① کتاب کو بہت طویل ہونے سے بچانے کے لئے میں نے مکرر احادیث کو صرف ایک بار لیا ہے۔ وہ بھی جہاں ہیں نے مناسب جانا وہاں۔ البتہ حدیث کے مختلف الفاظ کو اکٹھا کر دیا ہے۔ ابتداءً جب تک مولانا افتخار احمد اور مولانا یٰسین اختر صاحبان کا تعاون رہا تو کوشش یہ کی کہ مختلف روایتوں کے مختلف الفاظ عربی متن کے ساتھ ایک ہی جگہ جمع کر دیا جائے۔ اور قوسین کے درمیان رکھ کر حوالہ دے دیا جائے۔ مگر ان حضرات کے جانے کے بعد میں یہ تو نہ کر سکا۔ البتہ شرح میں تکمیل کا عنوان قائم کر کے مختلف روایتوں کے الفاظ کے ترجمے کو جمع کر دیا ہے۔

② ابواب کو بالکل ذکر نہیں کیا۔ اس لئے کہ پھر احادیث کو مکرر لانا ضروری ہو جاتا۔ مگر اہم ابواب پر شرح میں کلام ہو سا ہے اور ہے۔ نیز ابواب کے ذکر سے جو فائدہ تھا۔ وہ ایک عنوان "احکام شرعیہ" قائم کر کے پورا کر دیا گیا ہے۔

③ جو حدیث جس صحابی سے مروی ہے ان کے حالات بالالتزام بیان کر دیئے ہیں۔ کہیں کہیں بعض تابعین کا بھی ذکر آگیا ہے۔

④ میں نے ہر حدیث پر نمبر لگا دیا ہے اور حدیث کے اہم مضمون کو سامنے رکھ کر اس کا ایک عنوان بھی قائم کر دیا ہے۔

⑤ حدیث بخاری شریف میں کہاں کہاں ہے۔ اور صحاح ستہ میں کہاں کہاں ہے۔ اس کے حوالے حاشیے میں دیدیئے ہیں۔ عینی میں اس کی تفصیل ہے۔ مگر علامہ عینی صرف کتاب کا حوالہ دیدیتے ہیں۔ یہ معلوم کر کے کہ یہ حدیث کس کتاب میں ہے۔ حدیث کی تلاش میں دشواری کم تو ہو جاتی ہے۔ مگر بہت کچھ باقی رہتی ہے۔ اس لئے میں نے باب کا بھی حوالہ دیدیا ہے۔

شروع میں صرف ابواب لکھ دیا تھا۔ مگر بعد میں بعض اخوہ کے اصرار پر بخاری کے صفحات کا بھی اضافہ کر دیا ہے۔ لیکن دوسری کتابوں کے حوالے میں اس کا التزام نہ کر سکا۔ البتہ بعد میں "المعجم المفهرس لالفاظ الحديث" سے حوالے نقل کر دیئے ہیں اس سلسلے میں آپ کو اعداد ملیں گے۔ ان کا حل یہ ہے کہ مسلم شریف کے حوالے میں یہ حدیث کا نمبر ہے۔ مثلاً یہ لکھا ہے ایمان ۵۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کتاب الایمان کی پانچویں حدیث۔ مسلم کے علاوہ بقیہ کتابوں میں یہ ابواب کے نمبر ہیں مثلاً ابو داؤد، طہارۃ ۵۔ لکھا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کتاب الطہارت کے پانچویں باب میں یہ حدیث ہے۔ اس سے بھی ناظرین کو بہت کچھ آسانی ہو جائیگی۔

یہ پانچ اہم خصوصیت اس شرح کی ہے۔ بقیہ وہ عام باتیں جو شرح میں ہونی چاہیئے ان سب کو بقدر ضرورت لانے کی کوشش کی ہے۔ اختلافی مباحث میں، میں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ لہجے تلخ و ترش نہ ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ یہی پائیں گے۔ البتہ مقدمہ میں کہیں کہیں صبر کا دامن چھوٹ گیا ہے، اس کے لئے میں کسی سے معذرت کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

؎ دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں۔

مقدمے میں، میں نے تین باتیں بالقصد اضافہ کی ہیں۔ ایک "مسامحات بخاری" دوسری "حضرت امام اعظم کی مختصر سوانح حیات" اور تیسری "فقہ حنفی کا تعارف" اس کی کیا ضرورت تھی یہ وہیں مذکور ہے۔

اب کتاب ناظرین کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کا مجھے احساس ہے کہ مجھ سے غلطیاں ہوئی ہوں گی۔ اکابر اقران احباب سب سے درخواست ہے کہ اگر انہیں کہیں کوئی غلطی ملے تو مجھے مطلع کریں۔ اس پر پوری سنجیدگی سے غور کروں گا۔ اگر ان کی رائے درست ہوگی تو اسے تسلیم کرنے میں مجھے کوئی عار نہ ہوگا۔

رخصت ہوتے ہوئے اُن حضرات سے جو اس کتاب سے فائدہ حاصل کریں۔ درخواست ہے کہ میرے لئے میرے اساتذہ میرے ماں باپ میرے تمام متعلقین اور میرے تمام معاونین کے لئے فلاح دین و دنیا کی دعا کریں۔

اے عفو و غفور، کریم و رحیم، معبود مجھے اس کا احساس ہے کہ اس کتاب میں مجھ سے ضرور غلطیاں ہوئی ہوں گی ان سب کو معاف فرما۔ تو جانتا ہے کہ کوئی بھی غلطی دانستہ نہیں۔ میرے علم و فہم کی کوتاہی کی بنا پر ہے۔ آئندہ میرے دماغ میرے قلم میری زبان کو غلطی سے محفوظ فرما۔ اور اسے مکمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔

اے بے نیاز مولیٰ تیری بارگاہِ قدس میں انتہائی عجز و الحاح کے ساتھ التجا ہے۔ کہ اپنے اس بندۂ بے نوا کی اس ناچیز کوشش کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما۔ اسے میری نجات اور اپنے بندوں کی ہدایت کا ذریعہ بنا۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیم۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

گر قبول افتد زہے عز و شرف

محمد شریف الحق امجدی

خادم الافتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

مرتبہ شب شنبہ

۳ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ ۔ ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۲ء

امتنان و تشکر

جامعہ اشرفیہ آبادی سے ایک کیلو میٹر جانب جنوب میدان میں ہے جو دیہاتی علاقہ ہے، اس میں جو بجلی ہے وہ دیہاتی لائن سے ہے جس کی وجہ سے آئے دن بجلی غائب رہتی ہے، ضعف بصارت کی وجہ سے لالٹین وغیرہ میں کام نہیں کر سکتا، دن کے اوقات دار الافتاء کی نذر ہیں، رات میں شرح کا کام ہوتا ہے اور بجلی کی غیبوبت میں کام نہیں ہوتا۔ اس کے لئے میں نے برکاتی برادران الحاج سیٹھ علی احمد و الحاج سیٹھ ابراہیم احمد صاحبان کو لکھا کہ اگر ایک چھوٹا جنریٹر آجائے تو کام تسلسل سے ہوتا رہے گا، یہ سال گذشتہ کی بات ہے۔ اس وقت ہندوستانی چھوٹے جنریٹر کی قیمت چار ہزار تھی، ان دونوں مہربانوں نے چار ہزار کی رقم بلا تاخیر بھیجدی۔ مگر جب بنارس میں جنریٹر خریدنے کے لئے آدمی گیا تو معلوم ہوا کہ اب اس کی قیمت لگ بھگ آٹھ ہزار روپئے ہیں۔ میں نے ان حضرات کو صورت واقعہ لکھی۔ اتفاق سے حضرت عزیز ملت مولانا عبد الحفیظ صاحب مدظلہ سربراہ اعلی **الجامعۃ الاشرفیہ** ان دنوں بمبئی تشریف رکھتے تھے۔ الحاج سیٹھ ابراہیم احمد صاحب نے حضرت سے استدعا کی کہ جناب ڈاکٹر محمد صدیق صاحب برکاتی کے فرزند رشید جناب بابو خاں سے اس کا تذکرہ کیا جائے۔ اس پر حضرت حاجی صاحب کو لے کر بابو خاں کے یہاں گئے اور ضرورت پیش فرمائی، انھوں نے بہت عمدہ ایک جاپانی جنریٹر عطا فرمایا جس سے بحمدہ تبارک تعالی میری بہت بڑی پریشانی دور ہو گئی۔ مزید یہ کہ حاجی صاحبان نے وہ چار ہزار روپے جلد ثانی کی اشاعت کیلئے دیدئے۔ میں خود بھی دعا کرتا ہوں اور تمام ناظرین سے ملتجی ہوں کہ ان تینوں کے لئے اپنے مخصوص اوقات میں دعا خیر کرتے رہیں اے ایزد متعال ان لوگوں کو اور قیامت تک آنے والی ان کی نسلوں کو شاد و آباد رکھنا، حوادث و آفات سے محفوظ رکھنا اور اپنی رحمت بے غایت سے ہمیشہ نوازتے رہنا اور ان سے راضی رہنا۔ آمین ثم آمین بجاہ حبیبک علیہ الصلوۃ والتسلیم۔

عزیز گرامی قدر مولانا عالم سلمہ استاذ جامعہ حنفیہ غوثیہ بجرڈیہہ بنارس نے اس جلد کے تمام مسودات کو بڑی عرق ریزی محنت و جانفشانی کے ساتھ مبیضہ کیا ہے۔ اعزالاعزہ مولانا حافظ عبد الحق سلمہ استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور اس تالیف کیلئے میرے دست و بازو ہیں۔ مسودے کا مبیضہ سے مقابلہ، کاپی کی تصحیح، کاتبوں کے یہاں دوڑ دھوپ، طباعت کی سرانجام دہی، یہ سب کچھ انھیں کی رہین منت ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر یہ نہ ہوتے تو نزہۃ القاری وجود ہی میں نہ آتی۔ اللہ عزوجل ان دونوں کو اپنی شان کریمی سے دارین میں اتنا دے کہ یہ دونوں جہان میں مستغنی رہیں۔ آمین ثم آمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ علی تواتر آلائہ وتسلسل نعمائہ والصلوۃ والسلام علی سید انبیائہ واحب احبائہ
وعلی آلہ وصحبہ اکرم امتہ واعز اعزائہ۔

اللہ عزوجل کا بے پایاں احسان وکرم ہے اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عنایت بے غایت ہے کہ "نزہۃ القاری شرح بخاری" کی دوسری جلد پریس جا رہی ہے اس میں کافی تاخیر ہوگئی، اس کا سبب کاتب صاحبان کی مہربانیاں ہیں۔ احادیث کے حوالہ جات کے سلسلے میں احباب کی فرمائش کی بنا پر ہم نے اس جلد میں اس کا التزام کیا تھا کہ صحاح ستہ میں جہاں جہاں حدیث مل سکے جلد، کتاب، باب، صفحات کی تفصیل کے ساتھ درج کر دئے جائیں، میں نے اس کی بھرپور کوشش کی کہ اس کی پوری پابندی کر دوں مگر یہ کام کتنا مشکل ہے یہ وہی سمجھ سکتا ہے جس نے اسکو کیا ہو۔ المعجم المفہرس نے اس میں بہت کچھ آسانی پیدا کر دی مگر پھر بھی دشواری بہت کچھ باقی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ میں اسے اخیر تک نباہ سکا، اخیر میں حدیث ــــ سے دیگر کتابوں کے مفصل حوالہ جات کے اندراج کو ترک کرنا پڑا۔ البتہ اس کا التزام رہا کہ بخاری شریف میں جہاں جہاں حدیث مل سکے اس کو مفصل درج کر دیا جائے۔

تصحیح کے سلسلے میں اس جلد میں بھی ناظرین کو اطمینان نہیں دلا سکتا کہ کوئی غلطی نہیں رہ گئی۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ مجھے کوئی ایسے صاحب نہیں مل سکے جو تصحیح کا قابل اطمینان کام کر سکیں، اس کے باوجود کہ میں نے خاطر خواہ معاوضہ دینے کی بھی پیشکش کی اس لئے ناظرین سے ہمدردی درخواست ہے کہ جہاں کوئی غلطی انھیں ملے مجھے مطلع کریں۔

جلد اول میں طبع ثانی کے بعد بھی بعض حضرات نے کچھ اغلاط کی نشاندہی کی ہے خصوصاً عزیز اسعد جناب مولانا رحمت اللہ صاحب بلرامپوری شیخ الحدیث دارالعلوم غریب نواز الہ آباد۔ اس کی تصحیح حاضر ہے۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۳۹	۸	صلبی بیٹیاں	صلبی بیٹی
۲۴۹	۴	قبیلہ اوس	قبیلہ دوس
۳۲۲	۲۶	مفعول	مفعول فیہ
۳۲۵	۶	کا	کو
۳۸۲	۱۳	اخیر کے ہمزہ کو	وہ ہمزہ جو لام کلمہ تھا اسے

احن شوقا الی دیار لقیت فیہا جمال سلمٰی — کرمی رساندازاں نواحی پیام وصلت بجانب ما
جمال کعبہ تو قبلۂ جاں حریم کوئے تو کعبۂ دل — فان بعدنا الیک نسجد وان سعینا الیک نسعیٰ

حج وزیارت

جب سے شعور بیدار ہوا اسوقت سے اس کی تڑپ تھی کاش کبھی اللہ کے گھر اور اس کے حبیب کے در کی حاضری نصیب ہو جائے اس تمنا کی تکمیل کے لئے کتنی دعائیں کیں کتنے آنسو بہائے انکو شمار نہیں کر سکتا جب حجاج اور زائرین کے قافلے حرمین طیبین جاتے دل میں ہوک اٹھتی مگر تڑپ تڑپ کر رہ جاتا۔ اب جبکہ عمر کے آخر منزل میں ہوں اسباب و وسائل پر نظر کرتا تو سوائے مایوسی کے کچھ حاصل نہ ہوتا مگر اللہ عزوجل اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس پر چاہیں کرم فرمائیں، اس بے مایہ پر بھی نگاہ کرم ہوگئی اور سال گذشتہ انھوں نے مجھے بلالیا۔

ہوا یوں کہ محسن ملت الحاج سیٹھ ابراہیم احمد صاحب برکاتی مالک فرینڈ اسٹورس بھنڈی بازار بمبئی کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ وہ مجھے اپنے صرفے سے حج وزیارت کرائیں۔ چنانچہ بغیر میری کسی تحریک و خواہش کے مجھے خط لکھا اور ساتھ ہی ساتھ درخواست کے فارم بھی بھیجے کہ اگر آپ پسند کریں تو فارم پر دستخط کر کے بھیجدیں میں بقیہ سب کارروائی انجام دے لوں گا جب حاجی صاحب موصوف کا یہ خط ملا تو فرط مسرت سے مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا کچھ دیر تک تو ایسا محسوس ہوا گویا میں خواب دیکھ رہا ہوں لیکن بیداری پر خواب کا گمان کب تک رہتا، میں نے بلا تامل ضروری خانہ پری اور دستخط کر کے فارم ان کے پاس بھیجدیے چونکہ حاجی صاحب موصوف نے خود ہی ہوائی جہاز سے سفر کی پیشکش کی تھی اسلئے مجھے بھی کوئی تامل نہ ہوا سابقہ گذشتہ کے ریکارڈ سے امید واثق تھی کہ درخواست منظور ہو ہی جائے گی اب میں انتظار کی گھڑیاں گننے لگا۔ لیکن امسال عازمین حج وزیارت کی کثرت کی وجہ سے ہوائی جہاز سے بھی سفر کے خواہش مند بہت سے حضرات کی درخواستیں نامنظور ہوئیں، اس میں میری بھی درخواست تھی مگر میں بغیر ان کی وساطت کے از خود براہ راست درخواست دیئے ہوتا تو شاید امسال محروم ہی رہ جاتا مگر حاجی صاحب موصوف حج وزیارت کے سلسلے کے تمام امور سے واقف تھے اس لئے انھوں نے فوراً بلا تاخیر متبادل کارروائی کی حج وزیارت کے سلسلے میں ایک ہزار ایسی محفوظ نشستیں ہیں کہ اگر کسی کا کوئی عزیز یا شناسا سعودیہ عربیہ میں ہو، اور وہ تمام اخراجات کے لئے ڈرافٹ بھیجدے تو ان ایک ہزار محفوظ نشستوں میں اس کے لئے منظوری مل جاتی ہے۔ چنانچہ حاجی صاحب موصوف نے جدہ میں رہنے والے اپنے ایک شناسا سے ڈرافٹ منگالیا اور اس طرح ان ایک ہزار محفوظ نشستوں میں سے میرے لئے منظوری حاصل ہوگئی اور پہلے جہاز سے میری منظوری آگئی۔

امسال حج کمیٹی اور حکومت ہند کے مابین کچھ معاملات میں ایسا الجھاؤ پیدا ہوا جس کی وجہ سے ہوائی جہاز کے روانگی کی تاریخیں بہت تاخیر سے متعین ہوئیں اس کے نتیجے میں عازمین حج وزیارت کو بہت ذہنی کوفت بھی اٹھانی پڑی اور پریشانیاں بھی ہماری حکومت کا محکمۂ ڈاک اتنا چوپٹ ہوچکا ہے کہ اس پر اعتماد ہی نہیں کیا جاسکتا نہ خطوط کا اعتبار نہ تار کا رجسٹریاں اتنی دیر میں ملتی ہیں کہ اس کے بھروسے پر اس کا اندیشہ تھا کہ شاید جہاز کی روانگی کی تاریخ گزر جانے کے بعد امیدواروں کو ملے اسلئے احتیاطاً سے اکثر عازمین وقت سے بہت پہلے بمبئی پہونچ گئے یہی میرا بھی حال ہوا حاجی صاحب موصوف ہی کے مشورے کے مطابق ۱۰ر جولائی بروز چہارشنبہ گھر سے بمبئی کے لئے نکل گیا اور ۲۳ر شوال ۱۲ر جولائی بروز جمعہ بعد نماز مغرب بمبئی پہنچ گیا

اسٹیشن پہنچانے کے لئے خود حاجی ابراہیم احمد صاحب اور ان کے بڑے بھائی حاجی علی احمد صاحب موجود تھے بمبئی تک پہنچانے کے لئے میرے لخت جگر وحید الحق سلمہ اور عزیز ارشد مولینا حافظ عبد الحق زید مجدہم استاذ الجامعۃ الاشرفیہ بھی ہمراہ تھے۔ بمبئی میرا قیام عطاری مسجد پھول والی گلی بھنڈی بازار میں رہا۔ وہاں اس مسجد کے خطیب اور بمبئی میں اہلسنت کے اہم نقیب جناب قاری سراج احمد صاحب نے سر آنکھوں پر رکھا ہر قسم کا آرام اور سہولت پہنچائی۔ ۱۲ر جولائی سے لے کر ۱۹ر جولائی تک بمبئی قیام رہا۔ اس اثنا میں بمبئی کے کثیر احباب نے دعوت طعام کی شان حاجی علی محمد برکاتی خود حاجی ابراہیم احمد صاحب برکاتی الحاج سیٹھ احسان اللہ خان صاحب عرف پہلوان سیٹھ جناب سیٹھ مصطفےٰ خان صاحب کرلا، حافظ غلام دستگیر صاحب الحاج سیٹھ عبد المجید صاحب۔ جناب سیٹھ [illegible] صاحب بھیونڈی جناب سیٹھ ریاض الدین صاحب وغیرہم خصوصیت سے عزیزی مولانا ولی اللہ سلمہ خطیب نورانی مسجد بھیونڈی اور اس علاقہ کے دیگر احباب اہلسنت نے۔ حضرت مولانا سید شاہ حامد اشرف صاحب بانی دار العلوم محمدیہ نے دار العلوم محمدیہ میں مدعو کیا اور وہاں تمام طلبہ و مدرسین کے سامنے گلپوشی و ضیافت فرمائی۔ مولیٰ عزوجل ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

عالیجناب الحاج سیٹھ ابراہیم احمد برکاتی کے صاحبزادے الحاج سیٹھ زبیر احمد برکاتی سلمہ نے پاسپورٹ، ڈرافٹ اور ہوائی جہاز کے ٹکٹ اور دیگر ضروریات کے لئے کافی جدوجہد کی مولیٰ عزوجل ان کو بھی ان کی خدمات کا دارین میں بہترین صلہ عطا فرمائے، بہت ہی نیک سعید خوش اخلاق صاحبزادے ہیں۔

میں گھر سے اکیلا ہی چلا تھا اسباب ساتھی کی تلاش تھی بمبئی جا کر معلوم ہوا کہ حضرت الحاج شاہ ضیاء الحسین آل رسول صاحبزادہ و جانشین حضرت سید [illegible] قدس سرہ اپنی والدہ ماجدہ کو ہمراہ لے کر اسی جہاز سے جا رہے ہیں۔ اس سے بے پناہ مسرت ہوئی اور حقیقت میں یہ صاحب برکات حضرت سید شاہ [illegible] برکات قدس سرہ کا اپنے اس ناکارہ غلام پر خصوصی کرم تھا کہ اپنے صاحبزادے والا تبار کی اس عظیم سفر میں ہمرکابی کا شرف عطا فرمایا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ جناب مولانا خلیل احمد خان پٹھان خطیب مسجد [illegible] خطیب مینارہ مسجد بھی اسی ہوائی جہاز سے جا رہے ہیں۔ اللہ عزوجل کا شکر ادا کیا کہ مجھے اپنے گھر اور اپنے حبیب کے در پر بلایا تو ہمراہی بھی ایسوں کی عطا فرمائی جو سب میرے حسب منشا تھے۔ والحمد للہ

ہمارا ہوائی جہاز سات بجے شام کو قبل مغرب روانہ ہوا اور گیارہ بجکر ۲۰ منٹ پر جدہ پہنچ گیا۔ مغرب کی نماز ہوائی جہاز ہی میں پڑھی۔ ہوائی جہاز کے عملے نے مغرب کے وقت اعلان کیا کہ مغرب کا وقت ہو گیا ہے حجاج نماز پڑھ لیں۔ تمام حجاج نے سیٹوں پر بیٹھے بیٹھے نماز ادا کی مگر میں نے اور حسنین میاں صاحب نے کھڑے ہو کر پورے رکوع و سجدے کے ساتھ نماز مغرب پڑھی چلتے ہوئے ہوائی جہاز میں بھی کھڑے ہونے میں کوئی دقت نہیں ہوتی اس لئے سیٹوں پر بیٹھے بیٹھے نماز پڑھنے میں نماز صحیح نہیں ہوگی اس لئے کہ قیام فرض ہے اسی طرح رکوع اور سجدہ بھی سیٹوں پر بیٹھے بیٹھے یہ تینوں فرض ادا نہیں ہو پاتے حجاج کو اس کا خیال رکھنا فرض ہے ہوائی جہاز سے نکل کر ایرپورٹ کے ہال کمرے میں آئے۔ اسی ہال کمرے میں باجماعت نماز عشاء ادا کی گئی۔ تقریباً ساری رات اسی ہال کمرے میں گزری۔ ہال کمرہ ایرکنڈیشن تھا تمام حجاج سردی سے ٹھٹھر گئے۔ سعودی ہوائی جہاز کے عملے نے بہت ہی

سست روی اور تاخیر سے حجاج کو باہر نکالتے تقریباً ہوائی جہاز کے پہنچنے کے دو گھنٹے کے بعد مسافرین کو باہر نکالنا شروع کیا وہ بھی اسی سستی کے ساتھ کہ ساڑھے چار سو حاجیوں کو نکالنے میں تین گھنٹے کا وقت لگ گیا۔ ہال میں کھڑے کھڑے تمام حاجی تھک کر چور ہو گئے مگر عیش پرست نجدی ملازمین کو اس کی کوئی بھی پرواہ نہ ہوئی خدا خدا کر کے ایرپورٹ سے باہر نکلے تو حضرت حسنین میاں صاحب کو لینے کے لئے جدہ شہر سے ان کے رشتے دار موجود تھے۔ ڈرافٹ بھنانے کے بعد میں انہیں کی گاڑی میں حضرت حسنین میاں کے ساتھ مکہ معظمہ حاضر ہوا ہماری گاڑی جب مسجد حرام شریف کے پاس شارع عبداللہ بن زبیر پر پہونچی تو حرم شریف میں نماز فجر ہو چکی تھی، نمازی باہر نکل رہے تھے گاڑی وہیں ایک طرف کھڑی کر دی گئی حضرت حسنین میاں اور ان کے رشتے دار شیخ جمال اسمٰعیل صاحب کے دفتر کی تلاش میں گئے مستورات موٹر ہی میں رہیں۔ میں ترساں لرزاں حرم شریف میں نماز فجر کے لئے چلا اس وقت میرا جو حال تھا اس کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ وضو خانہ وہاں سے کافی دور تھا مجبوراً زمزم شریف ہی سے وضو کیا مسجد حرام شریف میں حاضر ہوا جب کعبہ شریف پہ نظر پڑی تو وفور مسرت میں بے اختیار سے چیخ نکل گئی دھاڑیں مار مار کر رونے لگا کچھ دیر تک خود فراموشی کا عالم رہا مگر پھر خیال آیا کہ باہر مستورات اکیلی ہیں مجھے نماز فجر پڑھ کر جلدی پہنچنا چاہئے۔ سکون کے ساتھ نماز فجر ادا کی علاوہ رکوع اور سجدے کے نگاہ جمال کعبہ سے ہٹتی نہ تھی، بہت اختصار کے ساتھ نماز ادا کر کے الٹے قدم باہر آیا موٹر کے پاس پہونچا ہی تھا کہ اتنے میں حضرت حسنین میاں صاحب بھی واپس آ گئے اور ہم لوگ عبد الکریم نوری صاحب کے دفتر میں پہنچے وہ ایک مکان دیکھے گئے مگر وہ پسند نہ آئے میری خواہش یہ تھی کہ ایسا مکان ملے جس میں مستورات الگ رہیں اور مرد الگ رہیں مگر چار آدمیوں میں اس قسم کا مکان لینا ہم لوگوں کی وسعت سے باہر تھا اس لئے میں نے حسنین میاں صاحب کو یہ مشورہ دیا کہ مولانا حسین احمد صاحب سے مل کر شرکت کر کے خود ہی دو مکانات لے جائیں کہ مستورات کے لئے الگ اور مردوں کے لئے الگ رہائش ہو سکے مگر مولانا خلیل احمد صاحب جدہ سے دوسری موٹر میں آ رہے تھے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں اترے ہیں۔ ناشتے کے بعد عمرہ کرنے کے لئے ہم لوگ حرم شریف میں حاضر ہوئے معلم صاحب نے کسی انتہائی گنوار آدمی کو ہمارے ساتھ کر دیا تھا جسے یہ تک معلوم نہ تھا کہ استلام کیا ہے اور حرم میں داخلہ کے آداب کیا ہیں وہ ہم لوگوں کو کسی دروازے سے [illegible] حجر اسود کے پاس [illegible] یہ کہہ کر کہ آپ لوگ طواف کیجئے میں اس دروازے پر بیٹھا ہوں چلا گیا، جبکہ معلمین کے فرائض میں یہ داخل ہے کہ پہلی بار کی حاضری میں ان کا کوئی آدمی ساتھ رہتا ہے جو عمرے کے پورے ارکان ادا کرا دیتا ہے۔ خیر ہم لوگوں نے از خود ہی طواف کیا، بھیڑ کم تھی اس لئے بڑے اطمینان سے طواف ہوا رکن یمانی کا استلام ہر پھیرے میں نصیب ہوا البتہ حجر اسود کے بوسہ لینے میں اژدہام زیادہ تھا اور دشواری بھی تھی اس لئے صرف ایکبار نصیب ہوا، یہ بھی اللہ عز و جل کی بہت بڑی نعمت ہے ورنہ کتنے ایسے بھی حجاج ہیں جنہیں حجر اسود کی زیارت بھی نصیب نہیں ہوتی طواف سے فارغ ہو کر ہم دونوں اس شخص کے پاس آئے وہ ہم لوگوں کو لے کر صفا مروہ کی سعی کرائے بغیر دروازے سے باہر آ گیا اور قیام گاہ کی طرف لے چلا۔ ہم لوگ ابھی آج ہی کو حاضر ہوئے تھے صفا مروہ کے جائے وقوع سے واقف نہ تھے اس لئے اس کے پیچھے چلے، انتظار کرتے رہے کہ وہ اب بتائے گا، یہ صفا ہے یہاں سے سعی شروع کرو۔ مگر وہ ہم لوگوں کو لئے ہوئے معلم صاحب کے گھر پہنچ گیا۔ اس پر مجھے تعجب ہوا اور غصہ بھی آیا۔ میں نے اس سے کہا کہ ہم لوگوں کو صفا مروہ پر کیوں

نہیں لے گیا۔ سعی کیوں نہیں کرائی، تو اس نے کہا جلدی کیا ہے سعی پھر کر لیجئے گا۔ غصہ تو بہت آیا مگر ہم لوگوں نے صبر کیا۔ میں نے کہا ہم ابھی سعی کریں گے صفا مروہ پر لے چلو، وہ ہم لوگوں کو لے کر بڑے لمبے قدم چلا اور مسجد حرام شریف لایا، مجھے پھر شبہ ہوا کہ معلوم نہیں یہ کہاں لے جا رہا ہے۔ میں نے پھر اس سے کہا ہم لوگوں کو صفا پر لے چلو اس نے کہا ہاں صفا ہی پر لے چل رہا ہوں۔ بہر حال وہ ہم لوگوں کو لا کر صفا پر چھوڑ کر چلا گیا اور یہ کہہ گیا کہ میں چلتا ہوں آپ لوگ آجایئے گا۔ اس کے جانے کے بعد ہم نے سعی کی، سبحان اللہ دیوانوں کی ایک بھیڑ ہے جو صفا مروہ کے درمیان انتہائی جوش و مستی کے ساتھ پروانوں کی طرح دوڑ رہی ہے، ہم نے بھی نیت کی اور سعی شروع کی زندگی بھر چلتے آئے ہے اور کبھی کبھار دوڑے بھی ہیں مگر سعی میں جو لذت تھی جو کیف تھا جو مستی تھی وہ بیان سے باہر، سعی کرنے کے درمیان ہی مولانا خلیل احمد خاں مل گئے میں نے ان سے کہا کہ میری خواہش یہ ہے کہ ہم سب ایک ساتھ رہیں اور اسی طرح کا مکان لیا جائے وہ بھی ہماری اس رائے پر بہت خوش ہوئے سعی سے فارغ ہونے کے بعد ان کے بچوں کو دیکھا نگاہ پڑتے ہی حجامت بھی بنوائی دن بھر رہا ہے حسین میاں تو وہاں ہی چلے آئے، بعد عصر وہ تینوں مکان کی تلاش شروع ہوئی، مسفلہ میں شارع عمرہ پر ۳۶ ہزار ریال میں تین کمرے لئے ہوئے جس میں ایک بڑا ہال تھا اس میں ہم سب مرد تھے، دو کوٹھریاں تھیں ان میں مستورات رہیں، کمرے میں اے سی بھی فٹ تھا اور فریج بھی تھا اور باورچی خانہ غسل خانہ الگ الگ تھا پانی کے نل لگے ہوئے تھے کوئی دقت نہیں تھی۔

جدہ شاہی ضلع بستی کے منشی حاجی محبت علی صاحب مع اہلیہ کے بھی ہم لوگوں کے ساتھ تھے۔

اب ہم لوگوں کا دو گروپ ہو گیا، ایک مولانا خلیل احمد خاں صاحب پٹھان کا دوسرے میرا اور حسین میاں اور منشی محبت علی صاحب کا، گروپ کا مطلب صرف یہ ہے کہ کھانے پینے کے لئے دو حصے ہو گئے، ہمارا کھانا اپنے ہمراہیوں کے ساتھ الگ پکتا تھا اور مولانا خلیل احمد خاں صاحب وغیرہ کا الگ، ہم لوگ سب نے اتفاق و اتحاد اور محبت و یگانگت کے ساتھ رہے عام طور پر حجاج کے اندر جو ترتھا الگ ہو جاتا ہے اس سے ہم لوگ محفوظ رہے، میں اپنے ساتھ ملازم نہیں لے گیا وہ لوگ کچھ نہ لے گئے تھے لیکن اپنی غایت ہمارے اپنے ساتھ کھلاتے چلتے

زندگی کی معراج

مکہ معظمہ میں ۱۵ دن قیام کے بعد مدینہ طیبہ کے لئے گورنمنٹ کی بس سے ۱۱ بجکر ۴۰ منٹ پر چلے اور ساڑھے سات بجے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ بس اسٹینڈ سے سامان کرائے کے ٹھیلے پر لدوا کر مسجد اقدس کے قریب جانب شرق ایک گلی کے کنارے پر سامان رکھا گیا مولانا خلیل احمد خاں صاحب مکان کی تلاش میں نکلے اسی اثنا میں عشاء کی نماز بھی ہو گئی قریب ہی شارع ساروریہ میں دار طیبہ نام کی بلڈنگ میں دو کمرے چھتیس سو ریال میں لئے گئے ایک میں مردوں نے قیام کیا دوسرے میں عورتوں نے۔ مکان پہنچنے کے بعد جب اطمینان ہوا تو مسجد اقدس کے دروازے بند ہو چکے تھے اس لئے اس وقت حاضری نہ ہو سکی ارادہ یہی تھا کہ رات کے پچھلے پہر نہا دھو کر کپڑے بدل کر بارگاہ اقدس میں حاضری دیں گے اس اثناء میں کہیں سے گنبد خضری کی بھی زیارت نہ ہو سکی لیکن ہوا یہ کہ مجھے شدید نزلہ کی شکایت تھی، کسی چائے کی دوکان کی تلاش میں میں نکلا گلی میں سیدھے جنوب کی طرف چلا گیا اس گلی کے باہر وہ وسیع میدان ہے جو مسجد اقدس اور جنت البقیع کے درمیان ہے، میں اس میدان میں نکل گیا جب داہنی طرف نظر اٹھائی تو سامنے گنبد خضری اپنی پوری رعنائیوں اور عظمتوں

کے ساتھ جلوہ فرما تھا، نظر پڑتے ہی میں پہلے ہکا بکا رہ گیا، اور صلوٰۃ وسلام بھی نہ عرض کر سکا کچھ دیر تک بیکتے وخود فراموشی کا عالم رہا دل کا پتہ نہ رہا کچھ دیر کے بعد ہوش آیا تو میں نے دست بستہ صلوٰۃ وسلام عرض کرنا شروع کیا، انتہائی خوشی میں آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امنڈ پڑا، روتا جاتا صلوٰۃ وسلام عرض کئے جاتا، اس وقت کی کیفیت ایسی تھی کہ نہ وہاں سے قدم آگے بڑھانے کی جرأت ہوتی تھی اور نہ پیچھے ہٹانے کو جی چاہتا تھا میں شاید یونہی رہ جاتا کہ ایرانی ٹولے سیلابی کی طرح میرے قریب سے گزرے اور ان وحشیوں نے مجھے دھکا دیا اتنے زور سے کہ میں گرتے گرتے بچا اور وہ سلسلہ ٹوٹ گیا، ان ناپاکوں کے ساتھ جسم کے مس ہونے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس سے قبل والا رابطہ اس وقت پیدا نہ ہو سکا کچھ دیر کے بعد میں چائے کی تلاش میں چلا گیا، چائے پی کر قیام گاہ پر آیا اور سونے کے لئے لیٹا، اس کے باوجود کہ سفر کی تکان تھی بس اسٹینڈ سے قیام گاہ تک پیدل آنے کا بھی اثر تھا مگر نیند کوسوں دور تھی، کبھی اپنی اس خیرہ بختی پر خوشی کی لہر آتی کہ کہاں میں اور کہاں یہ ارض پاک، کبھی یہ خیال کہ اپنا یہ سیاہ نامۂ اعمال لے کر سرکار کی بارگاہ میں کیسے حاضر ہوں، انتہائی ندامت سے پسینے میں شرابور ہو ہو گیا، کبھی ان کی رحمت بے پناہ کا تصور کرکے اپنے احساس ندامت کو دور کرتا، اس حال میں کتنی دیر رہا یاد نہیں، پھر نیند آگئی دو بجے آنکھ کھلی سب ساتھی بے خبر سو رہے تھے، میں اٹھا اور کپڑے نکالے خوب اچھی طرح غسل کیا پھر پورے جسم پر خوشبو لگائی کپڑے پہنے، کپڑوں پر بھی جہاں تک ہو سکا خوشبو لگائی ایک نیا جوڑا خاص اسی وقت کے لئے اٹھا رکھا تھا اسے پہنا اوپر سے شیروانی پہنی، شیروانی پہنتے وقت یہ خیال آیا کاش کہ میں اپنے ہمراہ جبہ لایا ہوتا اور بجائے شیروانی کے جبہ پہنتا اس لئے کہ جبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لباس تھا اور شیروانی تو ماضی قریب کے ہندیوں کی ایجاد ہے پھر سفید رنگ کا وہ عمامہ جو نور چشم ڈاکٹر عبدالحق سلمہ نے ساتھ کر دیا تھا باندھا۔

میں جب نہا کر غسل خانے سے نکلا تو حضرت حسنین میاں صاحب بھی بیدار ہو چکے تھے انھوں نے بھی غسل کیا کپڑے بدلے اور ہم دونوں ساتھ ساتھ بارگاہ اقدس میں حاضری کے لئے چلے، باب جبریل سے داخل ہوئے تہجد کی اذان ہو چکی تھی پوری مسجد اقدس آدمیوں سے بھر چکی تھی ہم لوگ دو صفوں کے بیچ میں ہو کر باب ابوبکر صدیق تک چلے گئے کہیں کوئی گنجائش نظر نہیں آئی مجبوراً باہر نکل کر چاروں طرف نظر دوڑائی قریب ہی تھوڑی سی جگہ نظر آئی ہم دونوں وہاں پہنچے پہلے نوافل پڑھی پھر نماز فجر کی اذان کا انتظار کرتے رہے، اذان کے بعد ہم دونوں نے اپنی نماز الگ پڑھی۔ ہم ابھی فرض سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ جماعت ہونے لگی، ہم لوگ نماز سے فارغ ہو کر اوراد و وظائف میں مشغول رہے، جب جماعت ہو چکی اور بھیڑ کم ہوئی تو ہم لوگ باب السلام سے مسجد اقدس میں داخل ہوئے، بھیڑ اب بھی بہت تھی، دیتے دھکے کھاتے ہم لوگ مواجہ اقدس کی طرف چلے تقریباً ۱۵ منٹ میں مواجہ اقدس تک پہونچے مگر پیچھے سے لوگوں نے اتنے زور سے دھکے دئے کہ ہم لوگ وہاں کھڑے نہ رہ سکے دل مسوس کر رہ گئے اور پیچھے سے جو ریلا مسلسل چلا آرہا تھا اسی کے دباؤ سے ہم لوگ بلا قصد و اختیار باب جبریل تک پہنچ آئے سوچا گیا کہ اب پھر واپس چلیں لیکن لوگوں کے اژدحام کی وجہ سے ہم لوگ واپس نہ ہو سکے باہر نکلے تو دیکھا کہ سیہ پوش ایرانی مرد عورت کچھ کھڑے کچھ بیٹھے ہوئے میدان پر قابض ہیں زور سے سلام پڑھ رہے ہیں، ایک شور برپا تھا، بہرحال کچھ دور جا کر ہم لوگوں کو کھڑے ہونے کی جگہ ملی وہیں سے کھڑے کھڑے سلام عرض کیا گیا مگر معلوم نہیں کیا بات تھی کہ رات والا کیف و سرور

حاصل نہ ہو سکا ہمارے چاروں طرف ایرانیوں کا غول بیابانی تھا قریب ہی سر پر سیاہ پگڑی رکھے ان کا کوئی مجتہد تھا جو انھیں بلند آواز سے سلام پڑھوا رہا تھا ابتداءً تو اس کی طرف کوئی دھیان نہیں گیا مگر جب ہم لوگ صلوٰۃ و سلام سے فارغ ہو گئے تو میں نے سنا وہ مجتہد حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر سلام پڑھوا رہا تھا جس میں اور بہت سے کلمات کے ساتھ خاص طریقے سے یہ دو کلمے بھی تھے "السلام علیک ایتها المظلومة ـ السلام علیک ایتها الشهیدة"

رافضیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دروازے میں دبا دیا تھا اس وقت وہ امید سے تھیں، دبنے کے صدمے سے اسقاط ہو گیا اور اسی میں حضرت سیدہ کا وصال ہو گیا اپنے اسی جھوٹے اعتقاد کے مطابق وہ حضرت سیدہ کو مظلومہ اور شہیدہ بھی کہہ رہا تھا یہ حقیقت میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تبرا ہے صرف اسی ایک مجتہد پر نہیں بلکہ میں نے بارہا ایرانی رافضیوں کے منہ سے یہ تبرا سنا ہے۔

یہ ہے نجدی حکومت کی حق پرستی کہ رافضی علانیہ مسلسل تبرا بکیں تو ان سے کوئی باز پرس نہیں لیکن اگر کوئی عاشق وارفتہ شوق ہو کر جالیوں کو بوسہ دیدے یا منبر اقدس کو بوسہ دیدے تو اسے جھڑکتے بھی ہیں دھکے بھی دیتے ہیں اور مار بھی دیتے ہیں۔ میں نے تو حرمین طیبین جا کر یہ محسوس کیا کہ وہاں آثار و مزارات کو ہاتھ لگانے اور بوسہ دینے کے سوا اور کوئی چیز جرم نہیں داڑھی منڈانا، گھر گھر دوکانوں میں ٹیلی ویژن لگا کر اس پر عریاں فحش مخرب اخلاق سین دیکھنا گانے سننا تصویریں کھینچنا، تصویریں بیچنا خریدنا کوئی چیز جرم نہیں۔ میں نے سلطین کے آفسوں میں دیکھا کہ ٹیلی ویژن لگے ہوئے ہیں دن رات فلمیں چلتی رہتی ہیں۔ بازاروں میں علانیہ مصر کی مشہور مغنیہ ام کلثوم اور دنیا کے مشہور گانے والے گانے والیوں کے پاکستانی فلمی گانوں کے کیسٹ بکتے ہیں ان پر کوئی پابندی نہیں۔ میں نجدی حکومت کے ارکان سے سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ سب چیزیں جائز ہیں جبکہ قرآن مجید کی جو بے حرمتی میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی وہ کسی چیز کی نہیں دیکھی۔ حجاج بہتر سے بہتر قرآن مجید خرید کر وہاں حرم میں رکھ دیتے ہیں جب ان کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے تو خدام حرم کو جھکنے والے ٹوکروں میں ور دالانوں کے باہر پڑے ہوئے جیلوں کے ساتھ قرآن مجید کی جلدوں کو بھی ٹرک میں اس طرح بھرتے ہیں جیسے کوڑا بھرا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی جلدوں کو بوروں میں کس کر گھسیٹ کر لے جاتے ہیں اور اٹھا کر ٹرک میں پھینک دیتے ہیں پھر انھیں قرآن مجید پر ٹرک میں بیٹھتے ہیں اور لے جا کر کہیں پھینک آتے ہیں۔

حجاج میں بھی ایسے ایسے گنواروں کو دیکھا کہ قرآن مجید کا تکیہ لگائے ہوئے سو رہے ہیں مگر کسی نجدی سپاہی یا مطوع کو توفیق نہیں ہوتی کہ ان گنواروں کو ٹوکتا۔ حجاج بیٹھے تلاوت کر رہے ہیں اور گنوار قرآن کی طرف پاؤں کر کے سو رہے ہیں۔ انھیں کوئی تنبیہ کرنے والا نہیں۔ میں نے کئی حاجیوں کو اس پر ٹوکا کچھ تو مان گئے کچھ جھگڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ غرض کہ نجدی حکومت میں یہ سب ناگفتہ بہ باتیں ہوتی ہیں مگر نجدیوں کے وظیفہ خوار اس پر چوں تک نہیں کرتے۔ آثار و مزارات کے ہاتھ لگانے و بوسہ دینے پر نجدیوں کے بجا تشدد کا خطبہ البدعات دن رات پڑھتے رہتے ہیں۔

بہرحال ایرانیوں کو کھلی چھٹی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں حتی کہ انھیں تبرا بکنے کی بھی اجازت ہے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ میں نے جالیوں میں دیکھنا شروع کیا کہ حظیرہ اقدس جالیوں سے کتنے فاصلے پر ہے اور اس کی ساخت کیسی ہے کہ مجھے نجدی سپاہی نے شرک حرام حرام کہہ کے دھکا دیدیا حالانکہ میں نے جالیوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا اپنے اسلاف کی ہدایت کے مطابق اپنے ہاتھوں کو ہرگز اس لائق نہیں سمجھتا کہ ان مقدس جالیوں کو مس کریں مجھے بہت ہی غصہ آیا میں نے اس بدبخت سے کہا النظر الی داخل الشباك شرك حرام تو اس درندے نے دونوں ہاتھوں سے میرے مونڈھوں کو پوری طاقت سے پکڑا اور اتنے زور سے دھکا دیا کہ اگر وہاں زائرین کھڑے نہ ہوتے تو میں گر پڑتا جی میں تو آیا کہ اس ظالم سے دو دو ہاتھ کرلوں گر یہ جانتا تھا کہ میرا کیا حال ہوگا مگر سرکار اپنے چشمان مبارک سے دیکھ تو رہے ہیں کہ خوارج کے جانشین ان کے غلاموں کے ساتھ ان کے دربار عالیجاہ میں ان کے روبرو کتنا ستم ڈھاتے ہیں اور پھر میں جھوم جھوم کر یہ عرض کرتا ہے

بجرم عشق توام می کشند غوغائیست ۔ تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

گر پھر خیال آیا کہ یہاں جنگ و جدال خود حرام ہے اس لئے خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا میں کھڑا ہو کر غصہ بھری ہوئی آنکھوں سے اس موذی کو گھور رہا تھا اور وہ مجھے گھور رہا تھا اسے اتنی تاب کہاں، پھر وہ لپک کر میری طرف بڑھا اور میرا ہاتھ پکڑ کر کچھ دور گھسیٹ کر لے گیا پھر پیچھے سے دھکا دے کر اپنی جگہ واپس آگیا میں نے بڑی حسرت سے بارگاہ عرش جاہ میں عرض کیا: علمک بحالی کفانی من سوالی۔

اس کے برخلاف ایک دن دیکھا کہ بیت فاطمہ کے پاس ایک ایرانی سر پر پگڑی رکھے بیت فاطمہ میں جالیاں چھوتے ہوئے جھانک رہا تھا اور نجدی سپاہی کھڑا دیکھ رہا تھا اسے ڈانٹنا پھٹکارنا میں نے بھی موقع سے فائدہ اٹھایا اور جی بھر کے بیت فاطمہ کی زیارت کی اتفاق سے صبح کا وقت تھا بجلی نہیں تھی اندر روشنی تھی اندر کا سارا منظر صاف نظر آرہا تھا، آخر اس کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے سوائے اس کے کہ الکفر ملۃ واحدۃ، نجدی اپنے ایرانی بھائیوں کے ساتھ برادرانہ سلوک نہ کریں تو شرافت کی توہین ہے۔

دوبارہ حاضری

اس وقت تو ہم واپس آگئے۔ پھر نو بجے حاضر ہوئے، اس وقت عام طور پر زائرین اپنی اپنی قیامگاہ پر ہوتے ہیں [illegible] مسجد اقدس میں [illegible] بھیڑ بہت کم ہوتی ہے۔ جب اب زیارت باب جبریل سے داخل ہوا اب کی بار حاضری کا رنگ ہی کچھ اور تھا، قدم لڑکھڑا رہے تھے، دل دھڑک رہا تھا پورا جسم کانپ رہا تھا۔ آس و یاس، خوف و رجا، امید و بیم کی وہ کشمکش کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ کبھی اپنی بداعمالیوں و بدکرداریوں پر نظر جاتی تو شرم و خجالت سے قدم بند ہو جاتے۔ شان کی رحمت آواز دیتی، آؤ آؤ ع

این درگہ ما درگہ نومیدی نیست ۔ شفاعتی لاہل الکبائر من امتی

تو ہمت بندھتی، بصد شوق یہ عرض کرتا ہوا آگے بڑھتا "سلام اس پر پروں کو جس نے فرمایا یہ میرے ہیں" چاہتا ہی تھا کہ سیدھے مواجہ اقدس میں حاضر ہوں، اس طرف مڑا ہی کہ نجدی سپاہی نے روک دیا اور اشارہ کیا کہ سیدھے مسجد اقدس میں جاؤ۔ دل پر ہاتھ رکھ کر یہی کرنا پڑا۔ سامنے ہی صفہ تھا، ان کے ان دیوانوں کا ڈیرہ جو دنیا و مافیہا کو خیرآباد کہہ کر ان کی دیوار سے چمٹے رہتے تھے، جگہ خالی نظر آئی حاضر ہو کر دو رکعتیں بہت مختصر پڑھیں۔ اور آگے بڑھا۔ اب میرے قدم اس سمت

ہوا ان کے عہد مبارک میں مسجد تھی۔ سامنے ریاض الجنۃ ہے جس کی داہنی جانب منبر اقدس ہے۔ اور سامنے ہی محراب نبوی

فرط مسرت میں اختیار سے باہر ہو ہو جاتا۔ جی چاہتا کہ میں وجد و رقص کروں مگر معاذ اللہ رقص اور یہاں سے

باخدا دیوانہ باشی با محمد ہوشیار

باادب باش ایں جا کہ عجب درگاہیست

ریاض الجنۃ کے ایک ایک ستون کو دیکھا۔ جی چاہا کہ اسی وقت ہر ستون کے پاس دوگانہ شکرانہ ادا کروں مگر دل کی ہوک کچھ اور تھی اس لئے محراب نبوی میں حاضر ہو کر دوگانہ پڑھا اور پھر منزل مقصود کی طرف چلا۔ ایک منٹ بھی نہ گزرا کہ میں کعبہ مقصود مواجہ اقدس میں حاضر تھا۔ جالیوں اور مسجد اقدس کے مابین اب بھی زائرین کا تانتا بندھا تھا۔ اس لئے میں کترا کر مواجہ اقدس کے مقابل ستونوں کے درمیان کھڑا ہو گیا۔ ایسا تصور بندھا کہ سرکار سامنے جلوہ فرما ہیں اور میں روبرو حاضر ہو کر سلام عرض کر رہا ہوں۔ اب وفور خوشی بلکہ سرخوشی میں وہ کیفیت طاری ہوئی جس کا تحمل مشکل ہو رہا تھا۔ دل کی دھڑکن اتنی تیز ہو گئی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ سینے سے باہر نکل پڑے گا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار بہہ رہی تھی۔ اس بارگاہ عرش جاہ میں نذر گزارنے کے لئے ہم فقیر کے پاس سوائے آنسوؤں کی لڑی کے اور ہے ہی کیا۔

سرکار کے جتنے بھی اسماء طیبات یاد آتے گئے سب کے ساتھ سلام عرض کیا۔ پورے درود تاج کے اسماء و دلائل الخیرات کے کثیر اسماء ان کے علاوہ دوسرے کثیر اسماء۔ مجھے یاد نہیں کتنی دیر تک کھڑا صلوٰۃ و سلام عرض کرتا رہا۔ پھر حضرت صدیق اکبر کے مواجہ اقدس میں حاضر ہوا۔ اب عالم خیال میں سوا چودہ سو برس پہلے مکہ کی گلیوں میں پہنچ گیا اور حضرت صدیق اکبر کی بے پناہ قربانیاں پھر ہجرت یاد آتی گئی اور جب تک پوری زندگی کا ایک ایک ورق ختم نہ ہو گیا صلوٰۃ و سلام عرض کرتا رہا۔

اس کے بعد فطری طور پر حضرت فاروق کی طرف دل کھنچا اور ان کے مواجہ اقدس پر حاضر ہوا یہاں بھی وہی کیفیت پیدا ہوئی۔ عمر کی شمشیر بکف نکلنے سے لے کر قیصر و کسریٰ کی شوکت و عظمت خاک میں ملا کر عظمت اسلام کا سکہ چار دانگ عالم میں بٹھانے ابولؤلؤ کے حملہ اور اصحاب شوریٰ کے انتخاب تک کے سارے واقعات ذہن کے پردوں پر ابھرتے گئے پھر شہادت و دفن [illegible] صلوٰۃ و سلام کا بھی سلسلہ ختم ہوا۔ پھر آداب زیارت کے مطابق دونوں حضرات کے درمیان کھڑے ہو کر مشترکہ سلام عرض کرنے اور بارگاہ اقدس میں سفارش کرنے کی انتہائی الحاح و زاری کے ساتھ درخواست پیش کرنے کے بعد پھر کعبہ مقصود پر پہنچا۔ کچھ دیر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کے بعد اب درخواستیں اور احباب کے سلام پیش کرنے کی نوبت آئی۔ وفور مسرت کا طوفان تھم چکا تھا، با اطمینان عرض حاجات کرنے لگا۔ چونکہ زندگی کی یہ معراج میرے محسن اعظم الحاج سیٹھ ابراہیم احمد برکاتی کی عنایت سے حاصل ہوئی تھی اس لئے سب سے پہلے ان کا اور ان کے صاحبزادے الحاج زبیر احمد کا سلام عرض کیا اور جو کچھ ہو سکا مانگا۔ پھر دیگر اعزہ احباب کی باری آئی۔ چنانچہ یادداشت سے کام لیا۔ سوچ سوچ کر سب کا سلام اور سب کی التجائیں پیش کیں۔ آخر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا مشہور و معروف سلام "مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام" عرض کیا اور واپس ہوا۔ باب جبرئیل سے باہر نکلا تو گیارہ بج چکے تھے۔

اس دوران مدینہ طیبہ قیام رہا۔ اس دوران میں روزانہ تقریباً ہر نماز کے بعد حاضری دیتا [illegible]

غزوہ خندق کے میدان میں بنی ہوئی مساجد خمسہ و دیگر مساجد مثلاً مسجد غمامہ وغیرہ کی بھی زیارت کرتا رہا۔
جنت البقیع شریف بھی روزانہ حاضر ہوتا رہا۔ یہ دس دن یوں گزر گئے جیسے چند منٹ۔

واہا لسویعات ذہبت آں عہد حضور بارگہت ٭ جب یاد آوت موہے کر نہ پرت دردوا وہ مدینے کا جانا

واپسی

میرا ارادہ تھا کہ شہدائے بدر کی بارگاہ میں حاضری میں ضرور دوں گا۔ اس کے لئے اپنی پرائیویٹ گاڑی کی گئی۔ ۲۰ ذوقعدہ مطابق ۱۴ اگست بروز بدھ عصر کے قبل بہتے ہوئے آنسوؤں اور حسرت زدہ قلب و جگر کے ساتھ مدینہ طیبہ کو وداع کیا۔ احرام کے کپڑے قیام گاہ ہی پر پہن لئے تھے۔ ذوالحلیفہ جسے اب بیر علی کہتے ہیں آکر عصر کی نماز ادا کی گئی اور احرام کی نیت بھی۔ پھر موٹر روانہ ہوا۔ مغرب میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی تھا کہ بدر شریف پہنچ گئے مغرب ادا کر کے احاطہ مبارکہ میں داخل ہوئے اور اسلام کے ان جاں نثاروں کی بارگاہ میں حاضر ہوئے جن کے مقدس خون نے اسلام کو اس وقت سینچا تھا جب سوائے چند نفوس قدسیہ کے کوئی اسلام کا نام لیوا نہ تھا۔ وہاں سلام و فاتحہ خوانی کے بعد عشاء کی نماز پڑھی گئی اور پھر جانب مکہ معظمہ چلے۔ راستے میں منزل مستورہ پر موٹر رکی ہم سب نے کھانا کھایا ڈرائیوروں نے آرام کیا۔ تقریباً دو گھنٹے وہاں رکے اس کے نتیجے میں ڈھائی بجے مکہ معظمہ پہنچے۔

حاجی عبد الستار صاحب ٹاٹے والے کے توسط سے ایک مدنی صاحب کے یہاں میلاد شریف میں بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ بمبئی والے حاجی بابا کی کوششوں سے حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب خلف الرشید حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نیاز حاصل ہوا۔ انھوں نے اپنی دیرینہ روایت کے مطابق ہمیں کھانے پر بھی مدعو کیا۔ اس طرح دو بار شرف ملاقات حاصل ہوئی۔ مکہ معظمہ واپسی کے بعد معلوم ہوا کہ حکومت نے امسال اپنے یہاں کے حساب سے جس کی رویت مانا ہے اور امسال حج بتاریخ ۲۵ اگست بروز یکشنبہ ہوگا۔

جنت معلی حاضری دے چکا تھا۔ ابھی تک غار حرا کی زیارت نہیں کی تھی۔ بتاریخ ۱۸ اگست بروز یکشنبہ میں اور حضرت حسنین میاں صاحب اور قاری تراب علی صاحب غار حرا کی زیارت کے لئے گئے۔ وہاں پہاڑ کے دامن میں نجدیوں کے مقرر کردہ وہابی عالم مسلسل لوگوں کو اوپر جانے سے منع کرتے رہتے تھے۔ حرام، شرک وغیرہ سناتے رہتے مگر میں نے دیکھا کہ نیچے سے لے کر جبل نور کی چوٹی تک آنے والوں اور جانے والوں کا سلسلہ بندھا ہوا ہے۔ ان غریبوں کی چیخ پکار کا کسی پر کوئی اثر نہیں ؏

واعظا برمن در باہے پئے جا رہا ہوں میں

ہم تینوں نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا، حضرت حسنین میاں صاحب کا چند ماہ پہلے اپنڈے سائیٹس کا آپریشن ہوا تھا وہ کچھ دور جا کر واپس آ گئے مگر میں اور قاری تراب علی صاحب غار شریف تک پہنچے یہاں بھی بھیڑ کافی تھی۔ نمبر لگایا۔ کچھ دیر کے بعد اندر جانے کا موقع مل گیا۔ غار کے اندر جاتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے میں اس دنیا میں نہیں بلکہ کسی اور ہی عالم میں ہوں جو سراسر نور و نکہت اور رحمت ہے دو رکعت نماز پڑھی کچھ دعائیں مانگیں کہ مجھ سے دوسرے امیدواروں نے دھکا دینا شروع کیا اور دل مسوس کر یہ کہتا ہوا ؎ حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

قبلے کی طرف دروازہ ہے میں باہر آ گیا۔

علماء نے لکھا ہے کہ غار حرا سے کعبہ نظر آتا ہے۔ میں نے بھی نزہۃ القاری جلد اول ص ۱۸۹ پر ان پر اعتماد کر کے یہی لکھ دیا ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ غار کا رخ کعبہ شریف کے مخالف سمت ہے۔ غار تا جانب شرق، اور کعبہ وہاں سے جانب مغرب ہے۔ البتہ غار کی پشت سے حرم شریف نظر آتا ہے۔ میں تو ضعف بصارت کی وجہ سے نہ دیکھ سکا مگر قاری تراب الحق صاحب نے دیکھا اور اشارے سے مجھے بتایا۔

منیٰ کی حاضری

سنت یہی ہے کہ آٹھ ذوالحجہ کو نماز فجر پڑھ کر منیٰ چلا جائے۔ لیکن حاجیوں کی کثرت کی وجہ سے معلمین آٹھ کی شب کو عشاء بعد ہی سے حجاج کو منیٰ بھیجنا شروع کر دیتے ہیں اس لئے ہم لوگوں نے بھی عشاء کے بعد ہی حج کا احرام باندھا چونکہ طواف افاضہ کے بعد سعی صفا مروہ کے مابین بہت رش رہتا ہے اس لئے ہم سب لوگوں نے نفل طواف کر کے سعی بھی کر لی۔ بارہ بجے کے قریب قیام گاہ پر آئے۔ ... صاحب کے دفتر بیٹھے کچھ دیر موٹر کی تلاش کرتے رہے، بالآخر موٹر ملی اور ہم لوگ نماز فجر کے بعد منیٰ پہونچ گئے۔ یہ رات منیٰ میں گزری۔ نو کو آٹھ بجے کے بعد عرفات چلے اور غالباً گیارہ بجے حاضر ہو گئے۔ منیٰ میں جب ہم موٹر میں بیٹھے تو معلوم ہوا کہ حضرت حسین میاں صاحب کہیں غائب ہیں۔ حضرت حسین میاں صاحب ان کی تلاش کے لئے موٹر سے اتر گئے۔ جب ہم لوگ عرفات پہونچے تو معلوم ہوا کہ وہ ایک دوسری موٹر میں یہاں آ گئے ہیں ان کی طرف سے تو اطمینان ہو گیا مگر اب حضرت حسین میاں صاحب کی فکر ہوئی کہ وہ منیٰ میں پریشان ہوں گے۔ ایک گھڑی بھی نہیں گزری تھی کہ وہ بھی بارہ بجے آ گئے۔ اب اطمینان ہوا تازہ وضو کیا اور اپنے کام میں لگ گئے۔

گرمی اس دن کچھ خاص تھی نہ ہی اس وقت ... جس کی وجہ سے حضور قلب حاصل نہ ہو سکا مگر جیسے بھی ہو سکا اپنے کو مشغول رکھا۔ میری چاہت تھی کہ مسجد نمرہ کی حاضری دوں مگر ساتھیوں نے باصرار منع کیا کہ مسجد نمرہ یہاں سے کافی فاصلے پر ہے ... واپسی میں خیمے کی تلاش مشکل ہو گی اور اگر بھٹک گئے ... ظہر و عصر ... جماعت سے ادا کر لی۔ ... پھر مشغول ہو گیا۔ طے یہی کیا تھا کہ آج قیلولہ نہیں کروں گا مگر تھوڑی دیر کے بعد نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ میں سونے پر مجبور ہو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ حضرت مولانا سید حسن حیدر صاحب سجادہ نشین مارہرہ مطہرہ برادر حضرت سید العلماء احرام باندھے ہوئے تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں مفتی صاحب آپ ملنے آئے اور مجھ سے بیٹھے بیٹھے میں نے عرض کیا سرکار مجھے اس کی خبر ہی نہیں تھی کہ حضور بھی حج کے لئے آئے ہوئے ہیں ہم سے ملکر فرمایا اچھا چلتے ہیں پھر ملیں گے۔ میں گھبرا کر اٹھا خواب کی اس کیفیت پر خوشی بھی ہوئی اور تعجب بھی، پھر میں نے تازہ وضو کیا اور قرآن مجید کی تلاوت شروع کی، زبانی جتنی آیتیں و سورتیں یاد تھیں سب کی تلاوت کی پھر کچھ دعائیں پڑھے پھر خیال آیا کہ درود شریف بھی پڑھوں، کھڑے ہو کر مدینہ طیبہ کی طرف منہ کر کے ان گنت درود پڑھ ڈالے ... عصر کا وقت ہو گیا ساتھیوں کو منع کر کے باجماعت نماز عصر ادا کی پھر خیمے سے باہر نکل کر وقوف کیا ... کوئی خاص کیفیت پیدا نہ ہو سکی مگر پھر رحمت ایزدی اس حقیر کی جانب متوجہ ہوئی پھر تو ایسا محسوس ہونے

لگا کہ ہیبت و جلال مجھے جلا کر خاک کر دیں گے، منہ سے چیخیں نکلنے لگیں دھاڑیں مار مار کر رونے لگا دعاؤں کا پڑھنا دوبھر ہو
گیا، بہت دیر تک یہی حال رہا پھر سکون ہوا متوسط آواز سے دعائیں پڑھنے لگا اتنے میں کسی نے کان پر منہ رکھ کر کہا
دعائیں بلند آواز سے پڑھئے تاکہ آپ سے سن کر ہم لوگ بھی پڑھیں میں اب تک میدان میں اکیلا ہی کھڑا تھا اب مڑ کے دیکھا تو
دس بارہ آدمی میرے پیچھے کھڑے ہیں جن میں کسی سے بھی میں آشنا نہ تھا سطروں کی طرح میں بلند آواز سے دعا کا ایک ایک جز
پڑھتا پھر وہ لوگ پڑھتے اس میں ایک نیا کیف نئی لذت محسوس ہوئی۔ میں اسی عالم سرشاری میں تھا کہ ساتھیوں میں سے
کسی نے آواز دے کر کہا کہ چلئے ورنہ موٹر میں جگہ نہیں ملے گی میں نے دعا تقریباً ختم کر لی تھی جو باقی تھی اسے پوری کی اخیر میں
حاجی ابراہیم احمد صاحب کے لئے خصوصاً اور اپنے سب اعزہ و احباب کے لئے عموماً مختصر دعا کر کے مڑا تو دیکھا خیمہ
خالی ہے سب ساتھی موٹر پر جا چکے ہیں پیچھے کھڑے رہنے والے سب آدمیوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور حج کی مبارکباد دی
میں نے بھی ان لوگوں کو مبارکباد دی اور گیٹ کی طرف بڑھا اور سامنے کھڑی ایک موٹر میں بیٹھ گیا، بیٹھنے کے بعد مڑ کے
دیکھا تو سب ہمراہی اسی موٹر میں تھے غروب آفتاب میں ابھی بیس پچیس منٹ باقی تھے میں نے اس وقت کو بھی رائگاں
نہیں جانے دیا غروب آفتاب کے ایک گھنٹے بعد بس اسٹارٹ ہوئی، مزدلفہ پہنچے، میں اور حسنین میاں اور مستورات موٹر سے
اتر کر مزدلفہ کے میدان میں گئے، میں نے یہ سوچ کر کہ سرکار حسن میاں صاحب مدظلہ نے ملاقات کا وعدہ کیا ہے۔ شاید وہ اپنوں
کی بھیڑ میں نہ تشریف لائیں، تنہا کہیں اجنبیوں میں رہوں تو ممکن ہے کرم فرمائیں، ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لی اور
ایک نامعلوم سمت چل پڑا، ایک جگہ خالی دیکھ کر چادر بچھائی، قریب ہی نل تھا وضو کر کے نماز مغرب اور عشاء پڑھی
نمازوں سے فارغ ہونے کے بعد دیکھا کچھ اور لوگ آگئے ہیں ان میں ایک صاحب دمہ کے مریض تھے انھیں کھانسی
آئی اور بہت سا بلغم میرے قریب ہی تھوک دیا میں نے وہاں سے چادر اٹھا لی اور کسی اور جگہ کی تلاش میں نکل پڑا کچھ دور
چلنے کے بعد ایک جگہ کافی میدان خالی تھا کچھ لوگ کنکریاں چن رہے تھے میں نے بھی وہیں کنکریاں چنیں پھر چادر بچھا کر
تھوڑی دیر لیٹ گیا لیکن نیند نہیں آئی، نیند آتی بھی کہاں سے ایک گنہگار بے کار ننگ جبار و قہار معبود کی بارگاہ میں
حاضر ہے لاکھوں لاکھوں کا مجمع ہے معلوم نہیں کسے قبول کیا جائے گا اور کسے دھتکار دیا جائے گا مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں کس
گروہ میں ہوں گھر بار چھوڑا اعزہ اقربا چھوڑے سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے یہاں حاضر ہوں پتہ نہیں کس گروہ میں
ہوں گھبرا کر اٹھ بیٹھا، اللہ نے توفیق دی اس کی یاد کی اسی عالم میں ایک بار بے اختیار نگاہ اوپر گئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت
مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ احرام باندھے قبلے کی طرف سے چلے آرہے ہیں میں اٹھ کھڑا ہوا چاہا کہ آگے بڑھ کر قدم بوسی کی
سعادت حاصل کروں مگر قدم جیسے بندھ گئے تھے یہاں تک کہ آنے والے بزرگ بہت قریب آگئے، اب یہ دیکھتا ہوں
کہ وہ مفتی اعظم نہیں کوئی اور بزرگ ہیں، انھوں نے آتے ہی سلام کیا میں نے سلام کا جواب دیا مگر میرے ہوش و حواس
غائب تھے کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے مجھے نہ تو ان کی دست بوسی کا خیال رہا اور نہ یہ ہوسکا کہ بیٹھنے کی درخواست پیش کرتا انھوں
نے خود ہی مسکرا کر فرمایا اجازت ہو تو آپ کی چادر پر بیٹھ جاؤں میں نے عرض کیا ضرور ضرور تشریف رکھیں یہ میری سعادت
ہے بیٹھنے کے بعد مجھ سے میرا نام، وطن، مشغلہ دریافت کیا میں نے سب کچھ اختصار کے ساتھ عرض کر دیا پھر میں نے

میں نے ان کا نام وغیرہ پوچھا تو فرمایا، نام پوچھ کے کیا کیجئے گا میں سیلانی آدمی ہوں آج یہاں کل وہاں میرا کوئی ٹھکانہ نہیں
میں نے دعا کی درخواست کی تو فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے، پھر میں نے عرض کی دعاء مغفرت فرمائیں تو کہا
اللّٰھم اغفر لأخی هذا بار بار اس کی تکرار فرمائی، پھر اچانک کھڑے ہوگئے اور فرمایا اب ہم چلتے ہیں ملنے کا وعدہ
کیا تھا اس لئے آگئے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ، اور تیزی سے جانب تہد بڑھے۔ مجھ پر جیسے سکتہ طاری ہوگیا تھا، انھیں
کھڑا دیکھتا رہا یہ بھی خیال نہ ہوا کہ کب ملنے کا وعدہ فرمایا تھا یہاں تک کہ وہ غائب ہوگئے۔

بہت دیر تک غور کرتا رہا کہ یہ کون بزرگ تھے اور کیا قصہ ہے مجھے کچھ سمجھ میں نہ آیا، یہ میری خوش بختی تھی کہ کسی اللہ
والے نے مجھ بے مایہ پر کرم فرمایا، اسی خوشی میں بہت دیر تک گم رہا پھر اپنے کام میں لگ گیا جب صبح صادق کے وقت تہجد
کی فجر ہوئی اور پورے میدان میں جگہ جگہ اذانیں ہونے لگیں تو پھر میں نے تازہ وضو کیا نماز فجر پڑھ کر وقوف کیلئے کھڑا ہوگیا
اپنے اور اپنے اعزہ کے لئے جتنی ہوسکی دعائیں کیں پھر قریب طلوع آفتاب پیدل ہی منیٰ کی طرف چل پڑا، پیدل چلنے کا
ایک فائدہ یہ ہوا کہ وادی محسر میں تیز رفتاری سے چلنے کی سنت ادا ہوگئی، منیٰ پہونچ کر پولیس سے پوچھ کر اپنے معلم کے خیمے میں
آیا، جب میں خیمے میں آیا تو پتا چلا کہ بہت تلاش کرتے ہوئے ایک طرف جا رہا تھا کہ حاجی صفدر حسین صاحب بمبئی والے نے آواز
دی اور بااصرار اپنے خیمے میں لے گئے پھر اصرار کر کے کھانا کھلایا چائے پلائی، انھوں نے قربانی کے لئے کسی کمپنی کو پیسے دیدیئے تھے
میں نے ان سے کہا کہ آپ نے یہ کیا کیا، انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ ہم لوگ احرام کب کھولیں اور کنکری کب ماریں، میں نے انھیں
کہا کہ کنکری تو آپ ابھی جا کر ماریئے اور احرام بعد مغرب کھولئے گا، پتہ نہیں کمپنی والے کب قربانی کریں۔ پھر میں اپنے خیمہ میں
آیا، ابھی تک میرے خیمہ میں کوئی نہیں پہنچا تھا، میں چادر بچھا کر لیٹ گیا کچھ دیر کے بعد ساتھی آنے لگے۔ عصر بعد کنکری مارنے
کے لئے ہم لوگ گئے اس سے فارغ ہونے کے بعد چار ساتھی مذبح گئے، میں اتنا تھکا ہوا تھا کہ مذبح جانے کی ہمت نہ
کرسکا۔ قاری تراب علی صاحب کو پیسے دیدیئے اور میں وہاں سے واپس ہوکر مسجد خیف میں حاضر ہوا نماز مغرب پڑھی
عشاء تک حاضر رہا عشاء پڑھ کر خیمہ میں آیا تو لوگ قربانی کر کے واپس آچکے تھے احرام بھی کھول چکے تھے میں نے بھی سر
منڈوایا اور احرام کھول دیا کھانا کھا کر سوگیا بہت گہری نیند آئی یہاں تک کہ صبح تک سوتا ہی رہا۔

آج گیارہ ذوالحجہ کو مکہ معظمہ حاضر ہوئے اور طواف زیارت کیا، حرم شریف کا پورا صحن مسجد حرام کے دالان حجاج سے
بھرے ہوئے تھے، آدمیوں کا موجیں مارتا ہوا سمندر کعبہ کے گرد دیوانہ وار طواف کر رہا تھا، بھیڑ دیکھ کر میری ہمت جواب
دے گئی مگر طواف کرنا ہی تھا اپنے مشائخ سلسلہ سے استعانت کر کے بھیڑ میں گھس گیا اور طواف شروع کر دیا جد وجہد
کرکے کعبہ شریف کے بالکل قریب پہونچ گیا یہاں تک کہ کبھی کبھی میرے اور کعبے کے درمیان کوئی حائل نہ رہتا، دو پھیرے حطیم
کی دیواروں سے لگ کر کئے پچیس منٹ میں طواف سے فارغ ہوگیا، اس وقت میرے ساتھ صرف قاری تراب علی صاحب
تھے، طواف کے بعد ہم دونوں مسجد حرام کی چھت پر چڑھ گئے وہاں سے طواف کرنے والوں کا منظر دیکھا، دیکھ کر آج ہجوم
ہی ہجوم تھا، ہم لوگ بہت دیر تک یہ منظر دیکھتے رہے پھر قیام گاہ پر آئے اور عصر کے بعد پھر منیٰ پیدل چلے اس وقت
جمرات پر ہجوم بہت کم تھی اطمینان سے بعد زوال مسنون و مستحب تینوں جمرات پر کنکریاں ماریں اور خیمے میں واپس آئے۔

۱۳؍ ذی الحجہ کو سوائے کنکری مارنے کے اور کوئی کام نہیں تھا اس لئے ناشتے کے بعد مولینا افتخار احمد صاحب سابق استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے ملنے کے لئے چلا گیا یہ ریاض میں رہتے تھے مع اپنے اہل بچوں کے حج کے لئے آئے تھے۔ ان سے ملاقات کے بعد الحاج سیٹھ اسماعیل جانی اور حاجی عبد الستار تھانے والے سے ملنے کیلئے گئے ان سے ملاقات کر کے حضرت علامہ اختر رضا صاحب ازہری جانشین مفتی اعظم ہند کی خدمت میں حاضری کو سوچ ہی رہا تھا کہ حضرت خود ہی کرم فرماتے ہوئے تشریف لائے دوپہر کا وقت اسی میں بیت گیا، کھانا کھا کر میں چاہتا تھا کہ کچھ دیر آرام کروں کہ سب ساتھیوں نے یک بیک رمی جمرہ کا پروگرام بنالیا میں نے سب کو منع کیا مگر کوئی نہیں مانا۔ خیمے میں صرف حضرت حسنین میاں کی والدہ ماجدہ اور ان کی پھوپھی صاحبہ رہ گئیں میں نے طے کر لیا تھا کہ بعد عصر کنکری مارنے جاؤنگا پھر پیدل مکہ معظمہ واپس ہو جاؤنگا، سب لوگ چلے گئے میں بیٹھا رہا اتنے میں بریلی شریف کے کچھ حضرات ملاقات کے لئے تشریف لائے انھوں نے مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک میں شرکت کی دعوت دی میں نے قبول کر لی پھر دوسری باتیں شروع ہو گئیں اتنے میں اچانک میرے کانوں میں آواز آئی، جمرہ پر تو مجھے پانی پلاؤ۔ آواز انتہائی دردناک تھی جیسے جاں بلب پیاسا کسی کو پکار رہا ہو۔ میں نے اس کو اپنا وہم سمجھا مگر تین بار یہی آواز آئی اب میں گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور بریلی والوں سے معذرت کی کہ چونکہ مجھے کل ہی جدہ جانا ہے اس لئے میں کنکری مارنے جا رہا ہوں، اور میں تیزی سے جمرہ کی طرف چلا راستے میں مولینا خلیل احمد خاں صاحب کا قافلہ بھی مل گیا ساتھ ساتھ جمرہ پر پہونچے سب نے جمرۂ اولی کی رمی کسی طرح کر لی اس سے فارغ ہو کر جمرۂ ثانیہ کی طرف چلا لوگ جا رہے تھے کہ مولینا خلیل احمد خاں صاحب ہکا بکا ننگے سر ننگے پاؤں چلے آرہے ہیں اور فرمایا کہ حضرت واپس چلئے اس وقت ہرگز کنکری نہ ماریئے میری جان بچ گئی، میں گر پڑا تھا مجھے یہ تھا کہ اب مر گیا، کلمہ تک پڑھ لیا تھا، آپ کی دعا یاد تھی مقدر تھی کہ کچھ لوگوں نے ترس کھا کر مجھے اٹھایا اور جان بچی۔ ہمارا قافلہ منتشر ہو چکا تھا قاری تراب علی حاجی منشی محبت علی مع اہلیہ کا پتہ نہ تھا باقی ماندہ لوگ واپس ہوئے، اتنے میں ایک سفید ریش بزرگ سر پر افغانیوں کی طرح عمامہ باندھے ہوئے تشریف لائے میرے پاس تھرماس تھا مجھ سے پانی مانگا میں نے تھرماس کے ڈھکنے میں بھر کر انھیں پانی دیا وہ پہلے پی لیں تھوڑا پانی پی کر مجھے واپس کر دیا میں نے اصرار سے کہا کہ اور پی لیجئے مگر ڈھکنا انھوں نے مجھے تھما دیا اور کھڑے ہو گئے میں نے باقی ماندہ پانی پیا، اب دیکھتا ہوں تو ان بزرگ کا پتہ نہیں اتنے میں میرے ساتھی آگے بڑھ چکے تھے میں ایک کے ساتھ ہو گیا طے یہ ہوا کہ اس وقت واپس چلیں پھر شام کو آکر کنکری ماری جائے گی۔

چونکہ میں پہلے جہاز سے گیا تھا، واپسی کے لئے بھی میرا پہلا ہی جہاز تھا جو وہاں کی تیرہ ذی الحجہ اور ہندوستان کی بارہ ۱۹؍ اگست بروز جمعرات تھا، قاعدے کے مطابق بارہ ایک بجے دن تک ایرپورٹ پہونچ کر ٹکٹ کا اوکے کرانا ضروری تھا اس لئے ہم لوگ بارہ ہی کو مکہ معظمہ آگئے۔ میں دو بجے رات کو حرم شریف میں حاضر ہوا، نماز فجر کے بعد طواف وداع کیا اور بحسرت و یاس بیت اللہ شریف کو آخری سلام کر کے قیامگاہ پر آیا، ۹ بجے جدہ پہونچے لیکن ہمارا ہوائی جہاز رات میں گیارہ بجکر چالیس منٹ پر جدہ سے چلا واپسی میں نجدی ایرپورٹ پر وہی بد نظمی اور حاجیوں کی ایذا رسانی کی کارفرمائی تھی۔

اس کے باوجود کہ حجاج صبح ہی کو ایرپورٹ پہونچ چکے تھے اور ۱۲ بجے تک تو تمام ہی حجاج آگئے تھے مگر حجاج کو اندر نہیں جانے دیا گیا، جہاز چھوٹنے سے کچھ پہلے سامان اندر جانے لگا تو وہ مار دھاڑ ہوئی کہ خدا کی پناہ۔ اگر قاری تراب علی صاحب تیرے ساتھ نہ ہوتے تو شاید میں اندر مع سامان کے نہیں جا سکتا تھا، پھر اندر پہنچنے کے بعد قطار میں اتنی دیر تک کھڑا رہنا پڑا کہ سارے حاجی تھک کر چور ہو گئے، خیر خدا خدا کر کے ہوائی جہاز تک پہنچے۔ جہاز اسٹارٹ ہوا اور ۴ بجے صبح کو دبئی کے ٹائم سے بمبئی پہونچ گئے، ایرپورٹ پر لینے کے لئے حاجی ابراہیم احمد صاحب برکاتی جناب قاری سراج الاظہر صاحب رضوی عزیزم مولانا ولی اللہ صاحب مع اپنے احباب کے اور عبد الرزاق بٹاٹے والے موجود تھے۔ واپسی میں بھی عطاری مسجد ہی میں قیام رہا اب کی بار بھی ان سب احباب نے وہی کرم فرمائی فرمائی جو پہلے کر چکے تھے۔ تین دن قیام کے بعد جہانگیری سے گھر واپس آگیا، فالحمد للہ علی ذلک والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حج و زیارت سے مشرف تو ہو چکا مگر رہ رہ کر خیال آتا ہے ۔

وہ گھڑی پل ایک ہے جو اور پل پل ہوئے　　　ناجانوں وہی جھنڈ میں کون سہاگن ہوئے

محمد شریف الحق امجدی غفرلہٗ

خادم الافتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

۲ ربیع الآخر ۱۴۰۵ھ مطابق ۲۶ دسمبر ۱۹۸۴ء شب پنجشنبہ

مقدّمہ

حدیث کی اہمیت یہ بات ہر دیندار مسلمان کو معلوم ہے کہ دین کے اصول و فروع اعتقادیات عملیات سب کی بنیاد قرآن واحادیث ہیں۔ اجماع امت اور قیاس کی جو بھی حیثیت ہے وہ کتاب اللہ و احادیث ہی کی بارگاہ سے سند ملنے کے بعد ہے اور یہ دونوں واجب الاعتقاد والعمل ہونے میں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ احادیث سے انکار کے بعد قرآن پر ایمان کا دعویٰ باطل محض ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید نے ایک نہیں سیکڑوں جگہ رسول کی اطاعت و اتباع کا حکم دیا ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ رسول کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا۔ ارشاد ہے۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ النساء آیت (۸۰)
جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

رسول کی بعثت کا مقصد ہی یہ قرار دیا کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ فرمایا۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ النساء۔ آیت (۶۴)
ہم نے رسول کو اسی لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔

جگہ جگہ فرمایا۔ اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ کہیں فرمایا جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ بڑا کامیاب ہوا۔ جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ ضرور گمراہ ہوا۔ کہیں فرمایا کہ مومن کی شان یہ ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملہ میں فیصلہ کے لئے بلائیں تو بلا دریغ یہ کہے کہ ہم نے سنا اور مانا۔ ارشاد ہے۔

اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ النور آیت (۵۱)
مومنوں کو جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ وہ ان کے مابین فیصلہ کر دیں تو ان کو سمعنا واطعنا کہنا ہی ضروری ہے

جن لوگوں نے رسول کے فیصلہ کو تسلیم کرنے میں چون وچرا کیا اُن کے بارے میں صاف صاف فرمایا کہ وہ مومن نہیں۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ النساء آیت (۶۵)
تیرے پروردگار کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپسی تنازعات میں تمہیں حکم نہ مان لیں اور پھر اس فیصلہ پر اپنے جی میں کوئی کھٹک نہ پائیں اور اسکو کما حقہ مان لیں۔

یہاں تک کہ رسول کے پکارنے کو اللہ نے اپنا پکارنا قرار دیا۔ فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ ۔ الانفال آیت (۲۴)

اے ایمان والو جب اللہ اور رسول تمہیں پکاریں تو فوراً حاضر ہو۔

رسول کی نافرمانی تو بڑی بات ہے نافرمانی کی سرگوشی پر بھی پابندی لگا دی گئی ہے ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ ۔ المجادلہ آیت (۹)

اے ایمان والو جب چپکے کوئی بات کرو تو گناہ سرکشی اور رسول کی نافرمانی کی بات نہ کرو۔

حتی کہ رسول کی نافرمانی کو منافقین کا طریقہ بتایا۔ فرمایا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ۔ النساء آیت (۶۱)

جب ان سے کہا جائے کہ اللہ نے جو اتارا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو آپ دیکھیں گے کہ منافق آپ سے منھ موڑ لیتے ہیں۔

یہاں تک کہ وہ جہنم دوزخ میں حسرت سے کہیں گے۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا ۔ الاحزاب آیت (۶۶)

جب یہ لوگ آگ میں الٹ پلٹ کر جلائے جائیں گے تو کہیں گے کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور رسول کی اطاعت کی ہوتی۔

یہاں تک کہ رسول کے فیصلے کے بعد ایمان والوں کا اختیار اللہ عزوجل نے سلب کر لیا کہ وہ مانیں یا نہ مانیں بلکہ انہیں سر تسلیم خم کرنا ہی ہے۔ ارشاد ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ۔ الاحزاب آیت (۳۶)

کسی مومن مرد یا عورت کو یہ گنجائش نہیں کہ اللہ و رسول کوئی فیصلہ کر دیں تو انہیں اپنے اس معاملہ میں کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے وہ صریح کھلا ہوا گمراہ ہے۔

رسول کی مخالفت پر بہت ہی دردناک عذاب کی دھمکی ارشاد ہوئی۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۔ النساء آیت (۱۱۵)

اس کے بعد کہ حق کا راستہ واضح ہو چکا جو بھی رسول کی مخالفت کرے اور ایمان والوں کے راستہ کو چھوڑ کر اور کوئی راستہ چلے ہم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے جہنم میں لے جائیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ

جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ دنیا

فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ النور آیت (۶۳) ہیں ان پر کوئی مصیبت نہ آن پڑے یا آخرت میں دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہوں۔

قرآن مجید کے ان ارشادات پر غور کرو۔ قرآن مجید نے کس طرح جگہ جگہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا حکم دیا اور اللہ کے ساتھ ساتھ رسول کی نافرمانی پر وعید ارشاد فرمائی رسول کے بلانے کو اللہ نے اپنا بلانا قرار دیا۔ رسول کی نافرمانی کے لئے سرگوشی بھی منع فرمائی رسول کے فیصلہ کو واجب التسلیم قرار دیا۔ وہ بھی اس حد تک کہ جو رسول کے فیصلے کو نہ مانے اس میں ذرا بھی تردد کرے وہ مومن نہیں۔ رسول کے حکم سے روگردانی کرنے والوں کو منافق فرمایا۔ رسول کے حکم کو اس درجہ واجب الاتباع قرار دیا کہ رسول کے حکم کے بعد نہ ماننے کا کسی مومن کو حق نہ دیا۔ جو نہ مانے اس کے لئے جہنم کی وعید سنائی کیا یہ سب باتیں اس کی دلیل نہیں کہ جس طرح اللہ عزوجل کا ہر ارشاد واجب التسلیم ہے اسی طرح رسول کا بھی ہر فرمان واجب الاعتقاد والعمل ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ اور رسول کے مابین تفریق کرنے والوں کو صاف صاف سنا دیا۔

وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۔ النساء آیت (۱۵۰، ۱۵۱) اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول میں تفریق کر دیں اور کہتے ہیں کچھ کو ہم مانتے ہیں اور کچھ کو ہم نہیں مانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے بیچ میں راستہ بنا لیں یہ لوگ ٹھیک کافر ہیں۔ ہم نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تو رسول کو واجب الاتباع نہ ماننے کا مطلب جو ان آیتوں کا انکار اور قرآن مجید کی کسی ایک آیت کا انکار پورے قرآن کا انکار ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۔ البقرۃ (۸۵) کیا کچھ کتاب پر ایمان لاتے ہو اور کچھ کے ساتھ کفر کرتے ہو؟

غور کیجئے بہت سے وہ احکام ہیں جو قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ صرف حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے اور وہ بھی قرآن کی طرح واجب العمل قرار پائے مثلاً

(۱) "اذان" قرآن پاک میں کہیں مذکور نہیں کہ نماز پنج گانہ کے لئے اذان دی جائے مگر اذان عہد رسالت سے لے کر آج تک شعار اسلام رہی ہے اور رہے گی۔

(۲) نماز جنازہ۔ قرآن میں اس کے بارے میں کوئی حکم نہیں۔ مگر یہ بھی فرض ہے اس کی بنیاد ارشاد رسول ہی ہے۔

(۳) بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا قرآن میں کہیں حکم نہیں۔ مگر تحویل قبلہ سے پہلے یہی نماز کا قبلہ تھا یہ بھی صرف ارشاد رسول تک

ہی سے تھا۔

⑤ جمعہ وعیدین کے خطبے کا کہیں قرآن میں حکم نہیں مگر یہ بھی عبادت ہے اس کی بنیاد صرف ارشاد رسول ہی ہے ——— اور وہ بھی اس شان سے کہ اگر اس میں کوئی کوتاہی ہوئی تو کوتاہی کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی۔ مثلاً ایک بار جمعہ کا خطبہ ہو رہا تھا اسی اثنا ایک قافلہ آگیا کچھ لوگ خطبہ چھوڑ کر چلے گئے اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۔ الجمعہ آیت (۱۱)

انھوں نے جب کھیل یا تجارت کو دیکھا تو اسکی طرف دوڑ پڑے اور آپ کو خطبے میں کھڑا چھوڑ گئے۔ تم فرماؤ وہ جو اللہ کے پاس ہے کھیل اور تجارت سے بہتر ہے۔ اور اللہ کا رزق سب سے اچھا

یہ صرف اسی بنا پر ہے کہ قرآن کی طرح ارشاد رسول بھی واجب الاعتقاد والعمل ہے اس میں بھی کوتاہی کی وہی سزا ہے جو قرآن کے فرمودات میں کوتاہی کی ہے۔

علاوہ ازیں قرآن خدا کی کتاب ہے۔ واجب القبول ہے۔ یہ کیسے معلوم ہوا؟ اللہ عزوجل نے آسمان سے لکھی لکھائی جلد بندھی ہوئی کتاب تو نازل نہیں کی اور اگر لکھی لکھائی جلد بندھی بندھائی کتاب اتارتا تو کیسے معلوم ہوتا کہ یہ خدا کی کتاب ہے کیسں سے بھی اڑا سکتی ہے کوئی فریب کار کسی خفیہ طریقے سے کہیں پہنچا سکتا ہے۔ اگر جبریل یا کوئی فرشتہ لے کر آتا تو کیسے پہچانتے کہ یہ جبریل یا فرشتہ ہے۔ کوئی جن، کوئی شیطان، کوئی شعبدہ باز یہ کہہ سکتا ہے کہ میں جبریل علیہ السلام فرشتہ ہوں یہ خدا کی کتاب لایا ہوں غرض رسول کے فرمان قطعاً ماننے سے انکار کے بعد قرآن کے کتاب اللہ ہونے پر کوئی یقینی قطعی دلیل نہیں رہ جاتی۔ ساری دلیلوں کا منتہا یہ ہے کہ رسول نے فرمایا یہ خدا کی کتاب ہے یہ جبریل ہیں یہ آیت لے کے آئے ہیں۔ کتاب اللہ کی معرفت اور کتاب اللہ لے کر آنے والے ملک مقرب جبریل کی معرفت قول رسول ہی پر موقوف ہے۔ اگر رسول کا قول ہی ناقابل قبول ہو جائے تو کتاب اللہ کا کوئی وزن نہیں رہ جائے گا۔ خود جن رسول نے کچھ باتیں ارشاد فرمائیں انھیں میں یہ فرمایا۔ مجھ پر یہ قرآن نازل ہوا۔ مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مجھ پر یہ سورت نازل ہوئی سننے والے صحابہ کرام نے ان کو کتاب اللہ جانا اور مانا اور جن ارشادات کے بارے میں یہ نہیں فرمایا احادیث ہوئیں۔ اب کوئی بتائے ایک منہ سے دو قسم کی باتیں نکلیں ایک قسم مقبول اور دوسری مردود یہ کس منطق سے درست ہوگا ایک قسم کو مردود قرار دینے کا مطلب ہوگا دوسری قسم کو بھی مردود قرار دینا۔ غرضیکہ حدیث کے ناقابل قبول ماننے کے بعد قرآن کا بھی ناقابل قبول ہونا لازم ہے۔

علاوہ ازیں اگرچہ قرآن کریم میں تمام چیزوں کا بیان ہے مگر ان میں کتنی چیزیں ایسی ہیں جو ہمارے لئے مجمل اور مبہم ہیں مثلاً عبادات اور جمعہ نماز روزہ زکوۃ حج کو لے لیجئے۔ قرآن مجید میں ان سب کا حکم ہے۔ مگر کیا قرآن مجید سے ان عبادات کی پوری تفصیل [illegible] سکتا ہے۔ اگر احادیث کو ناقابل اعتماد ٹھہرا دیا جائے۔ تو پھر ان عبادات پر عمل کیسے ہوگا کیونکہ ان سب کی ہیئت

ان سب کی تفصیل احادیث ہی سے معلوم ہوگی ہے۔ خود حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

صلوا کما رأیتمونی اصلی متفق علیہ۔ اس طرح نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔ عبادات سے قطع نظر قرآن مجید کی سیکڑوں آیات وہ ہیں کہ اگر ان کی توضیح احادیث میں مذکور نہ ہوتی تو وہ لاینحل رہ جاتیں مثلاً ارشاد ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا. التوبہ آیت (۴۰)

اگر تم رسول کی مدد نہ کروگے تو رسول کا کچھ نہیں بگڑے گا اللہ نے ان کی اس وقت مدد کی جب کافروں کی شرارت سے انھیں باہر تشریف لے جانا ہوا صرف دو جان سے جبکہ دونوں غار میں تھے جب رسول اپنے ساتھی سے فرماتے تھے غم نہ کھا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

احادیث سے قطع نظر کرکے کوئی بتا سکتا ہے۔ کہ کافروں نے کیا شرارت کی تھی۔ رسول کو کہاں سے باہر تشریف لے جانا پڑا یہ ساتھی کون تھے یہ غار کون تھا۔ اور کیوں ساتھی کو تسلی تشفی دینے کی حاجت پیش آئی۔ دوسری جگہ فرمایا۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ. التوبہ آیت (۲۵)

اللہ نے بہت سی جگہوں میں تمھاری مدد فرمائی۔

یہ جگہیں کون کون ہیں صرف قرآن سے کوئی بتا سکتا ہے۔ اور فرمایا۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا. التوبہ آیت (۱۱۸)

ان تینوں پر اللہ کی مہربانی ہوئی جن کے معاملہ کو ملتوی فرما دیا گیا تھا۔

یہ تینوں کون تھے ان کا معاملہ کیا تھا کیوں ان کا معاملہ ملتوی کیا گیا کیا بغیر احادیث کے ان سوالوں کے جوابات دینا ممکن ہے۔ اور ارشاد ہے۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ. فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا. التوبہ۔ آیت (۱۰۸)

جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ پہلے ہی دن سے اس لائق ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں اس میں ایسے لوگ ہیں جو اچھی طرح پاک پسند کرتے ہیں۔

یہ مسجد کون ہے۔ یہ لوگ کون ہے۔ احادیث سے قطع نظر کرکے کوئی بتائے تو ؟۔

یہ چند مثالیں ہیں ورنہ قرآن میں اس کی صدہا مثالیں موجود ہیں کہ اگر احادیث میں ان کی توضیح نہ ہوتی تو ان کا ابہام کسی طرح دور ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

میں تو یہ کہتا ہوں کہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان کے بعد قول رسول کو حجت تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اسی وجہ سے عہد صحابہ سے لے کر آج تک تمام امت بلا نکیر منکر قرآن کی طرح احادیث کو واجب الاعتقاد واجب العمل مانتی چلی آئی ہے۔ البتہ اس زمانہ میں بعض کج فکری کا دعوی کرنے والے ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو احادیث کو ناقابل قبول

مانتے ہیں لیکن دیگر مذہبیوں کی طرح وہ اس پجاریوں کے قول رسول ضرور حجت ہے مگر آج جو احادیث کا ذخیرہ ہے وہ رسول کے اقوال و اعمال کا مجموعہ نہیں۔ یہ عجمی دسیسوں نے سازش کر کے اپنی من مانی باتوں کو رسول کی طرف منسوب کر دیا ہے یہ قطعاً لائق اعتبار نہیں۔

اپنے اس دعوی پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں آج احادیث کے جو دفتر ملتے ہیں ان میں کوئی بھی عہد نبوی میں مرتب ہوا نہ عہد صحابہ میں حتی کہ عہد تابعین میں بھی مرتب نہ ہوا یہ سب دفاتر دوسری تیسری صدی اور اس کے بعد مدون کئے گئے ہیں اتنی لمبی مدت تک لاکھوں لاکھ احادیث یاد رکھنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ اور عجیب بات ہے کہ اکثر محدثین عجمی النسل ہیں۔ امام بخاری بخارا کے امام مسلم نیشاپور کے امام ترمذی ترمذ کے ابو داؤد سجستان کے ابن ماجہ قزوین کے باشندے تھے۔ اور یہ وہ مسلم الثبوت محدثین ہیں کہ فن حدیث میں ان کی ہر بات حرف آخر سمجھی جاتی ہے۔ منکرین حدیث کے اس دعوے کی بنیاد اس پر ہے کہ دوسری صدی سے پہلے احادیث لکھی نہیں گئیں صرف زبانی یادداشت پر اعتماد رہا۔ اب اگر ثابت ہو جائے کہ احادیث کی کتابت کا کام عہد رسالت ہی میں شروع ہوا ہے اور ہر دور میں تسلسل کے ساتھ باقی رہا۔ تو ان کے دعوے کا کوئی وزن نہیں رہ جائے گا اس لئے ہم پہلے ناظرین کو بتانا چاہتے ہیں کہ کتابت حدیث کا کام عہد رسالت ہی سے شروع ہو چکا تھا۔ اور ہر عہد میں تسلسل کے ساتھ باقی رہا۔

عہد رسالت میں کتابت حدیث

(۱) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیکڑوں احادیث لکھیں ان کے مجموعے کا نام صادقہ تھا۔ بخاری، اصابہ، طبقات ابن سعد۔

(۲) احادیث کا ایک مجموعہ حضرت انس نے لکھا تھا۔ بخاری۔ تدریب الراوی۔ ثمامہ روایت کرتے ہیں۔

کان یملی الحدیث حتی اذا کثر علیہ الناس جاء بمجال من کتب فالقاھا ثم قال ھذہ احادیث سمعتھا وکتبتھا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تقیید العلم ص ۹۵، ۹۶۔

حضرت انس حدیث لکھایا کرتے تھے جب لوگوں کی کثرت ہو گئی تو وہ کتابوں کا صحیفہ لے کر آئے اور لوگوں کے سامنے رکھ کر فرمایا یہ وہ احادیث ہیں جنھیں میں نے رسول اللہ سے سن کر لکھی ہیں اور آپ کو پڑھ کر سنا بھی دی ہے۔

(۳) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی احادیث لکھوائی تھیں۔ یہ ذخیرہ ان کے صاحبزادے کے پاس تھا۔ (جامع بیان العلم)

(۴) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ایک کتاب میں احادیث کو جمع فرمایا تھا جس کا نام ہی کتاب سعد بن عبادہ تھا۔ یہ کئی پشتوں تک ان کے خاندان میں رہا۔ (مسند امام احمد)

(۵) سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے بھی ایک مجموعہ مرتب فرمایا تھا۔

⑥ حضرت ابوہریرہ نے بھی دفتر کے دفتر احادیث لکھی یا لکھوائی تھیں۔ (فتح الباری)

ہمام ابن منبہ کا صحیفہ جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ کے انھیں دفتروں سے نقل ہوا تھا اب چھپ بھی گیا ہے۔ جس کی اکثر احادیث بخاری مسلم مسند امام احمد میں بعینہ بلفظہ موجود ہیں۔

⑦ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بھی ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ تہذیب اور ابن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔

بینما نحن حول رسول اللہ نکتب (داری) ص

اس وقت کہ ہم لوگ حضور کے ارد گرد بیٹھے لکھ رہے تھے

اس سے ظاہر ہوا کہ عام طور پر کچھ صحابہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لکھا کرتے تھے ابن عباس اور ابن عمر کے صحائف کا ذکر ملتا ہے۔

الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ص پر ہے۔

یروی عن عبد اللہ بن عمر کان اذا خرج الی السوق نظر فی کتبہ وذکر الراوی ان کتبہ کانت فی الحدیث۔

عبداللہ بن عمر کے بارے میں یہ روایت ہے کہ وہ جب بازار جاتے تو اپنی کتابوں پر ایک نظر ڈال لیا کرتے۔ راوی نے تاکید یہ بات کہی ہے کہ یہ کتابیں حدیث کی تھیں۔

حضرت ابن عباس کے چند صحیفے تھے طائف کے کچھ لوگ حضرت ابن عباس کی خدمت میں ان کے چند صحیفے لے کر حاضر ہوئے تاکہ وہاں لوگوں کو ان میں تحریر شدہ احادیث سنا دیں اس وقت حضرت ابن عباس کی بینائی کمزور ہو چکی تھی وہ پڑھ نہ سکے فرمایا تم لوگ مجھے پڑھ کر سناؤ تمہارا سنانا اور میرا پڑھنا برابر ہے۔ طحاوی ج ترمذی ج

ظاہر یہ ہے کہ یہ وہی صحیفے تھے جو انھوں نے عہد نبوی میں لکھا تھا۔ اور اگر مان لیا جائے کہ وصال اقدس کے بعد کے لکھے ہوئے ہیں تو یہ اس کی دلیل ہو گی کہ عہد صحابہ میں احادیث لکھی گئیں اور منکرین تو مطلقاً عہد صحابہ میں بھی کتابت حدیث کے منکر ہیں۔

نحن نکتب سے اشارہ ملتا ہے کہ اس خدمت کو ایک جماعت انجام دیتی تھی۔ اور اس کی تائید دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے۔

کان عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناسٌ من اصحابہ وانا معھم وانا اصغر القوم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار فلما خرج القوم قلت

خدمت اقدس میں کچھ صحابہ حاضر تھے میں بھی تھا میں سب سے کم عمر تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے پھر جب لوگ باہر آئے تو میں نے ان سے کہا۔ حضور نے جو فرمایا وہ آپ لوگوں نے سنا کیسے اد حود

كيف تحدثون عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد سمعتم ما قال وانهم تمسكون في الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فضحكوا وقالوا يا ابن اخينا ان كل ما سمعناه عندنا في كتاب

مجمع الزوائد ج۱ ص۱۵۱

اتنی کثرت سے آپ لوگ کیسے حدیثیں بیان کرتے ہیں وہ لوگ ہنسے اور کہا اے بھتیجے جو کچھ ہم نے حضور سے سنا ہے وہ سب ہمارے پاس لکھا ہوا ہے۔

اس کے علاوہ جستہ جستہ بہت سے احکام ومسائل کے بارے میں یہ ثبوت موجود ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوائے۔

(۱) ۸ھ میں جب مکہ فتح ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق اور مکہ کی حرمت کے مسائل بیان فرمائے اس پر ایک یمن کے باشندے نے خواہش ظاہر کی یہ احکام لکھوا کر عنایت فرمائیں آپ نے فرمایا اکتبوا لابی شاہ یہ احکام ابوشاہ کے لئے لکھ دو۔ بخاری ابوداؤد۔

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت (خون بہا) کے مسائل لکھ کر بھجوائے۔ مسلم شریف ص۴۹۵۔

(۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ جہینہ کے پاس مردہ جانوروں کے احکام لکھ کر بھجوائے۔ مشکوٰۃ ابوداؤد۔

(۴) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے متعلق مسائل کو ایک جگہ لکھوایا تھا جس کا نام کتاب الصدقہ تھا مگر عمال وحکام تک اسے روانہ نہ فرما سکے اور وصال ہو گیا حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے عہد میں اسی کے مطابق زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم جاری کیا اور اسی کے مطابق وصول ہوتی تھی۔ ابوداؤد۔

(۵) اسی کتاب الصدقہ کا مضمون وہ ہے جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس کو دیا تھا جس وقت انہیں بحرین کا عامل بنا کر بھیجا تھا۔ اس میں اونٹوں، بکریوں اور سونے چاندی کی زکوٰۃ کے نصاب کی تفصیل تھی۔ بخاری ج۱

(۶) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حیات مبارکہ کے آخری ایام میں کثیر احادیث کا ایک صحیفہ لکھوا کر عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست یمن بھجوایا تھا۔ موطا امام مالک ص۲۳۶ میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل یمن کے پاس ایک مکتوب عمرو بن حزم کے ہاتھ بھیجا تھا جس میں فرائض سنن اور دیات لکھے تھے۔

(۷) زکوٰۃ کے احکام پر مشتمل ایک صحیفہ ابوبکر بن حزم والی بحرین کو لکھوایا تھا۔ یہ صحیفہ دیگر امراء کو بھی بھیجا گیا تھا۔ یہ مکتوب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ابن حزم سے لے لیا تھا۔ دارقطنی، مسند امام احمد۔

(۸) زکوٰۃ وصول کرنے والے عاملین کے پاس کتاب الصدقہ کے علاوہ اور بھی تحریریں تھیں۔ دارقطنی۔

(۹) عمرو بن حزم کو یمن کا حاکم بنانے وقت فرائض، صدقات، دیات، طلاق، عتاق، نماز، مصحف شریف چھونے سے متعلق احکام پر مشتمل ایک تحریر لکھائی تھی۔ مسند امام احمد، مستدرک، کنز العمال۔

(۱۰) مختلف فرامین واحکام جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبائل کو بھیجے

(۱۱) معاہدات کی تحریریں مثلاً صلح حدیبیہ وغیرہ۔ ابن ماجہ، طبقات ابن سعد۔

(۱۲) وہ والا نامے جو حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سلاطین وامراء کے پاس بھیجے۔

(۱۳) عبد اللہ بن حکیم صحابی کے پاس حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک تحریر تھی جس میں مردہ جانوروں کے احکام مذکور تھے۔ معجم صغیر، طبرانی۔

(۱۴) نماز، روزہ، سود، شراب، وغیرہ کے مسائل وائل بن حجر کو آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لکھوائے تھے۔

(۱۵) اُشیم نامی مقتول کی بیوی کو اپنے مقتول شوہر کی دیت دلانے کا فرمان آنحضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لکھوایا تھا یہ فرمان ضحاک بن سفیان صحابی کے پاس تھا۔ ابو داؤد، دار قطنی۔

(۱۶) ترکاریوں، سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں۔ یہ حکم نامہ لکھوا کر حضرت معاذ بن جبل کے پاس یمن بھجوایا تھا۔ دار قطنی۔

(۱۷) رافع بن خدیج صحابی کے پاس ایک مکتوب گرامی تھا جس میں یہ مندرج تھا کہ مدینہ بھی مثل مکہ حرم ہے۔ مسند امام احمد۔

(۱۸) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ احکام لکھوا کر دیئے تھے جو ان کے پاس تھا۔ بخاری

(۱۹) حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا تم نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے وہ لکھ کر بھیج دو چنانچہ انھوں نے کچھ احادیث لکھوا کر بھیجیں۔ بخاری

ایک شبہے کا ازالہ کچھ لوگوں کو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث سے شبہہ ہوتا ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا لاتکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ مسلم جلد ثانی۔ قرآن کے علاوہ میری کوئی حدیث نہ لکھو اگر لکھا ہو تو اسے مٹا دو۔

اولاً علماء کو اس حدیث کی صحت میں کلام ہے، امام بخاری وغیرہ نے فرمایا یہ درحقیقت حضرت ابو سعید پر موقوف ہے۔ یعنی ارشاد رسول نہیں، انھیں کا قول ہے۔

ثانیاً برتقدیر صحت علامہ ابن حجر وغیرہ نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

(۱) یہ ممانعت نزول قرآن کے وقت کے ساتھ خاص ہے یعنی جب قرآن نازل ہو رہا ہو، یا جب میں قرآن لکھوا رہا ہوں تو اس وقت صرف قرآن ہی لکھو۔

(۱) حدیث و قرآن کو ایک ہی چیز پر ت لکھو۔ ان دونوں صورتوں میں قرآن کا حدیث کے ساتھ اختلاط کا اندیشہ قوی تھا۔

(۲) ممانعت کا حکم مقدم ہے یعنی بالکل ابتدائی دور میں تھا۔ بعد میں جب قرآن کے ساتھ احادیث کے التباس کا خطرہ نہ رہا احادیث لکھنے کی اجازت دیدی۔

(۳) [illegible] ن کے بارے میں یہ اندیشہ تھا کہ اگر یہ لکھ لیں گے تو زبانی یاد نہ رکھیں گے۔ صرف کتاب کے بھروسہ پہ رہ جائیں گے انھیں احادیث لکھنے سے منع فرمایا۔ اور جن کے بارے میں یہ اندیشہ نہ تھا بلکہ اطمنان تھا کہ وہ لکھیں گے تو بھی زبانی یاد رکھیں گے انھیں لکھنے کی اجازت دیدی۔ فتح الباری ج۱ ص۱۸۳۔

عہد صحابہ میں کتابت حدیث یہ صحیح ہے کہ کچھ صحابہ اور کچھ تابعین احادیث لکھنے کو ناپسند کرتے تھے کہ جیسے ہم نے زبانی سنکر یاد کیا ہے اسی طرح دوسرے لوگ بھی صرف زبانی یاد رکھیں۔ مگر یہ بات عام صحابہ میں نہ تھی۔

حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ علم لکھ کر مقید کرو۔ دارمی ص۶۸ مستدرک ج۱ ص۱۰۶۔ انھیں دونوں کتابوں میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ارشاد منقول ہے۔ اور دارمی میں حضرت ابن عمر کا بھی چنانچہ ان ارشادات پر عمل ہوا۔

(۱) مسلم ج۱ ص۲۳۳ میں ہے کہ خود حضرت انس نے محمود بن ربیع سے حضرت عتبان کی ایک طویل حدیث سنی تو اپنے صاحبزادے کو حکم دیا کہ لکھو۔ صاحبزادے نے لکھا۔ طحاوی ج۲ ص۳۱۹ میں بھی مذکور ہے۔ کہ حضرت انس نے اپنے لڑکے سے حدیث لکھوائی۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی احادیث لکھوا کر یا خود لکھ کر محفوظ کر دیا تھا حسن بن عمرو کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور احادیث کی متعدد کتابیں دکھائیں اور کہا دیکھو یہ سب میرے یہاں لکھی ہوئی ہیں۔
فتح الباری ج۱ ص۱۸۴۔

(۳) بشیر بن نہیک حضرت ابوہریرہ کی کتابیں احادیث نقل کرتے تھے نقل کے بعد ان کو سناتے سنانے کے بعد پوچھتے یہ سب آپ کو جو سنایا ہے وہ سب آپ نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے حضرت ابوہریرہ فرماتے ہاں۔ طحاوی ج۲ ص۳۸۴۔

(۴) ابان مشہور تابعی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں شاگردوں کی تختیوں پر حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ دارمی ص۶۹۔

(۵) عبداللہ بن محمد بن عقیل کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت جابر کی خدمت میں جا کر احادیث نبوی پوچھکر لکھ لیتے تھے۔

(۶) حضرت سعید ابن جبیر نے فرمایا کہ میں ابن عمر سے جو احادیث سنتا ان کو لکھ لیتا۔ دارمی۔

(۷) یہی حضرت سعید ابن جبیر اور دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیثیں لکھا کرتے تھے کاغذ بھر جاتا تو کسی اور چیز پر لکھتے۔ دارمی ص۶۹ طحاوی ج۲ ص۳۸۴۔

(۸) حضرت ابن عمر کی مرویات کو خاص طور سے نافع نے جمع کیں۔ طبقات ابن سعد وغیرہ

(۹) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی احادیث کو عروہ بن زبیر نے لکھ لیا تھا۔ الکفایہ ص ۱۲۹

(۱۰) حضرت جابر کی احادیث کو قتادہ بن دعامہ سدوسی نے لکھ کر جمع کر لیا تھا۔ طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۳

(۱۱) حضرت ابن عباس کی مرویات کو ان کے تلمیذ کُریب نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا۔ طبقات ج ۵ ص ۲۱۶

عہد تابعین میں کتابت حدیث لیکن اب تک جو بھی ہوا۔ انفرادی طور پر اپنے شوق و ذوق کے مطابق ہوا۔ پھر ان صحائف میں کوئی ترتیب نہ تھی۔ جن بزرگ نے جن سے جو حدیث جب سنی لکھ لی۔ یہاں تک کہ اس اہم و بنیادی کام پر سب سے پہلے خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز کو توجہ ہوئی۔ اور انھوں نے باقاعدہ تدوین احادیث کے لئے وقت کے ممتاز افراد کو مقرر فرمایا۔ مثلاً ابو بکر بن عمرو بن حزم قاضی مدینہ قاسم بن محمد بن ابی بکر۔ ابو بکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب زہری سعد بن ابراہیم وغیرہ۔ نیز اسی دور میں ربیع بن صبیح اور سعد بن عروبہ اور شعبی نے بھی احادیث کی تدوین شروع کر دی تھی۔

دارمی میں ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے قاضی مدینہ ابو بکر بن حزم کو لکھا کہ احادیث رسول و احادیث عمر اور موطا میں استاذ ائمہ ہے اور ان کے مثل دیگر صحابہ کے آثار جمع کر کے لکھو کیونکہ مجھے علم کے ضائع ہونے اور علماء کے چلے جانے کا اندیشہ ہے۔ بخاری کتاب العلم میں یہ اضافہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ اور کچھ نہ قبول کیا جائے اور علم کو خوب پھیلاؤ۔ اور بیٹھو تاکہ جو نہیں جانتا ہے وہ سیکھے۔ اس لئے کہ علم اس وقت تک ضائع نہ ہوگا جب تک اسے راز نہ بنا لیا جائے۔ بخاری ج ۱ ص ۲۰۔

اس خادم کا خیال ہے کہ اتنا حصہ۔ رسول اللہ کی احادیث کے علاوہ اور کچھ نہ قبول کیا جائے۔ حضرت امام بخاری یا کسی راوی کا اضافہ ہے۔ امام بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ اور دارمی اور موطا میں مسنداً ہے۔ اس لئے خود امام بخاری کے طور پر دارمی اور موطا کی روایت مقدم ہوگی۔ جو امام بخاری نے سند کے ساتھ جو ذکر کیا ہے وہ صرف۔ ذہاب العلماء تک ہے۔

جب یہ فرمان ابو بکر بن حزم کے پاس پہنچا تو انھوں نے احادیث کے کئی مجموعے تیار کرائے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ دار الخلافت میں بھیجیں لیکن ابھی بھیجے نہیں پائے تھے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کا ۱۰۱ھ میں وصال ہوگیا۔ یہ اپنے وقت کے بہت بڑے محدث اور امام زہری کے استاذ تھے۔

احادیث میں ام المومنین حضرت عائشہ کی مرویات کو بہت بڑی اہمیت ہے۔ اس لئے کہ ان سے فقہ و عقائد کے بنیادی مسائل ماثور ہیں اس لئے حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان کی احادیث جمع کرنے کا زیادہ اہتمام کیا تھا۔ عمرہ بنت عبد الرحمٰن کو حضرت عائشہ نے خاص اپنی آغوش کرم میں پالا تھا۔ یہ بہت ذہین عالمہ فاضلہ تھیں۔ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ احادیث عائشہ کی یہ سب سے بڑی حافظہ تھیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے قاضی ابو بکر بن عمرو ابن حزم کو خاص ہدایت کی کہ عمرہ کے

مسائل اور روایات کو قلم بند کرکے بھیجا جائے۔

ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب زہری المتوفی ۱۲۴ھ جو امام زہری کے نام سے متعارف ہیں اور ان کو ابن شہاب بھی کہا جاتا تھا۔ ان کی عادت یہ تھی کہ محدثین کی حدیثیں سننے جاتے تو اپنے ساتھ تختیاں اور کاغذ لئے رہتے جتنا سنتے لکھتے جاتے۔ تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۱۰۲

صالح بن کیسان کہتے ہیں کہ میرا اور زہری کا زمانہ طالب علمی میں ساتھ تھا۔ زہری نے مجھ سے کہا آؤ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں لکھیں۔ چنانچہ ہم دونوں نے حدیثیں لکھیں۔ کنز العمال ج۵ ص۲۳۹

حضرت عمر بن عبد العزیز نے مختلف دیار اور امصار سے احادیث کے لکھے ہوئے دفتر جمع کئے اور انھیں امام زہری کے حوالے کیا کہ انھیں سلیقے سے مرتب کریں۔ تدریب الراوی۔

مرکز کہنا ہے کہ امام زہری کی لکھی ہوئی احادیث کے ذخیرے کئی اونٹوں پر لادے گئے۔ امام زہری اس وقت کے اعلم علما تھے۔ حدیث و فقہ میں ان کا کوئی مثل نہ تھا۔ تمام ائمہ محدثین اصحاب ستہ حتیٰ کہ امام بخاری کے بھی شیخ الشیوخ ہیں امام نے احادیث اس لگن و محنت سے جمع کیں۔ کہ مدینہ طیبہ کے ایک ایک انصاری کے گھر جا کر مرد، عورت بچے، بوڑھے جو مل جاتا اس سے حتیٰ کہ پردہ نشیں عورتوں سے بھی پوچھ پوچھ کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احوال و اقوال سنتے اور لکھتے۔

ان کی تصنیفات کا اندازہ خیرہ تھا جب ولید بن یزید کے قتل کے بعد روایات و احادیث کے صحائف ولید کے کتب خانے سے منتقل کئے گئے تو صرف امام زہری کی مرویات و تصانیف گھوڑوں گدھوں پر لاد کر لائی گئیں۔

امام زہری نے احادیث کے جمع کرنے کے ساتھ ان کو سند کے ساتھ بیان کرنے کا طریقہ ایجاد کیا اسی واسطے ان کو علم اسناد کا واضع کہا جاتا ہے۔

ابن شہاب زہری نے احادیث کی جمع و ترتیب و تہذیب کا جو کام شروع کیا اسے ان کے لائق تلامذہ بیشتر ترقی دیتے گئے یہاں تک کہ ان کے مشہور تلمیذ جلیل امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے موطا لکھی۔ جس میں احادیث کو فقہی ابواب کے مطابق ترتیب وار جمع کیا۔

سعد بن ابراہیم بھی بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ یہ مدینہ منورہ کے قاضی تھے۔ عمر بن عبد العزیز نے ان سے بھی احادیث کے دفتر کے دفتر لکھوائے اور تمام بلاد اسلامیہ میں بھیجوائے۔

ہشام بن الغاز کا بیان ہے کہ عطاء بن رباح تابعی متوفی ۱۱۴ھ سے لوگ حدیث پوچھ پوچھ کر انھیں کے سامنے لکھ لیا کرتے تھے۔ دارمی ص۶۸

سلمان بن موسیٰ کہتے ہیں میں نے نافع (متوفی ۱۱۷ھ) کو دیکھا کہ وہ حدیثیں بیان کرتے اور ان کے تلامذہ ان کے سامنے لکھتے جاتے۔ دارمی۔

ایک شخص حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۱۱۰ھ) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا میرے پاس آپ کی بیان فرمودہ کچھ حدیثیں لکھی ہوئی ہیں۔ کیا میں ان کی آپ سے روایت کرسکتا ہوں۔ انھوں نے اجازت دیدی۔ ترمذی ص ۲۳۹ ج ۲

حمید الطویل نے بھی حضرت حسن بصری کی کتابیں نقل کی تھیں۔ تہذیب التہذیب ص ۳۹ ج ۳

ابو قلابہ (متوفی ۱۰۴ھ) نے وفات کے وقت اپنی کتابیں ایوب سختیانی کو دینے کی وصیت کی تھی۔ اس وصیت کے مطابق یہ کتابیں شام سے اونٹ پر لاد کر لائی گئیں۔ ایوب نے بتایا کہ اس کا کرایہ بارہ چودہ درہم دیئے تھے۔ تذکرۃ الحفاظ ص ۸۸ ج ۱

ابراہیم نخعی کہتے ہیں سالم بن ابی الجعد (متوفی ۱۰۰ھ) حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ سالم نے بعض صحابہ کرام سے بھی حدیثیں سنی ہیں۔ ترمذی ص ۲۳۹ ج ۲، دارمی ص ۶۶،

تبع تابعین کے دور میں کتابت حدیث حضرات تابعین کے زمانہ میں لکھے گئے صحائف حدیث کے چند نمونے پیش کئے گئے اب اس کے بعد دور تبع تابعین کی سیر کیجئے۔ اس عہد میں اتنی کثرت سے احادیث کے صحائف لکھے گئے کہ ان سب کا استقصاء بہت دشوار ہے۔

چند کے نام سنئے احمد بن بشیر کا بیان ہے کہ مسعر (متوفی ۱۵۵ھ) کے پاس ایک ہزار احادیث لکھی ہوئی تھیں دس کے سوا سب میں نے لکھ لیا۔ تذکرۃ الحفاظ ص ۱۸۸ ج ۱،

عبد الرزاق کہتے ہیں کہ میں نے معمر (متوفی ۱۵۳ھ) سے سن کر دس ہزار حدیثیں لکھی ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ ص ۱۷۰ ج ۱،

حماد بن سلمہ کے پاس قیس بن سعد کی کتاب تھی۔ تذکرۃ ص ۱۹۰ ج ۱،

سفیان ثوری یمن گئے تو ایک تیز لکھنے والے کاتب کی تلاش ہوئی۔ لوگوں نے ہشام بن یوسف کو پیش کیا یہ امام ثوری کی حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ تذکرہ ص ۲۱۶ ج ۱،

ابو نعیم کہتے ہیں کہ میں نے آٹھ سو شائخ سے حدیثیں لکھی ہیں۔

شعیب بن حمزہ (متوفی ۱۶۲ھ) نے بہت زیادہ احادیث لکھیں۔ امام زہری بولتے جاتے اور شعیب لکھتے جاتے۔ امام احمد نے شعیب کی کتابیں دیکھ کر فرمایا کہ شعیب کی کتابیں بہت صحیح اور درست ہیں۔ تذکرہ ص ۲۱۰ ج ۱،

ابو عوانہ (متوفی ۱۷۶ھ) پڑھنا تو جانتے تھے لیکن لکھنا نہیں جانتے تھے۔ مگر جب کسی سے حدیث سنتے تو لکھوا لیتے تذکرہ ص ۲۳۹

ابن عیینہ نے حدیث کی بہت سی کتابیں لکھی تھیں۔ صالح بن کیسان کہتے ہیں۔ میں نے عمارہ بن غزیہ کی حدیثیں ان سے

بھی کی اصل کتاب سے نقل کی تھی۔ تذکرہ ج۱ ص۳۳

سلیمان بن بلال (متوفی ۱۷۲ھ) کی بھی کئی کتابیں تھیں، جن میں انھوں نے اپنی سنی ہوئی احادیث کو جمع کیا تھا۔ مرتے وقت وصیت کی کہ عبد العزیز بن حازم کو دی جائیں۔ تذکرہ ج۱ ص۲۳۹۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک (متوفی ۱۸۱ھ) تلمیذ امام اعظم ابو حنیفہ نے اپنی لکھی ہوئی بیس ہزار احادیث لوگوں کو سنائیں۔ تذکرہ ج۱ ص۲۵۳۔

امام غندر (متوفی ۱۹۳ھ) کے پاس بھی اپنی مسموعہ احادیث کی کئی کتابیں تھیں۔ یحیٰ بن معین نے کہا ان کی کتابیں سب سے زیادہ صحیح ہیں۔ ابن مہدی نے کہا ہم حضرت شعبہ کی زندگی ہی میں غندر کی کتابوں سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ تذکرہ ج۱ ص۲۹۹۔

ان شواہد سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ محدثین کی عام عادت تھی جو سنتے تھے اسے لکھ لیتے تھے۔ اسی دور میں باقاعدہ کتب احادیث کا سلسلہ بھی قائم ہو گیا چنانچہ مکہ معظمہ میں ابن جریج (متوفی ۱۵۰ھ) نے، بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ (متوفی ۱۵۶ھ) نے اور ربیع بن صبیح (متوفی ۱۶۰ھ) نے، یمن میں معمر بن راشد (متوفی ۱۵۳ھ) نے کتابیں لکھیں۔ اسی عہد میں موسیٰ بن عقبہ (متوفی ۱۴۱ھ) اور محمد بن اسحٰق (متوفی ۱۵۱ھ) نے مغازی و سیر پر کتابیں لکھیں۔

ان کے بعد امام اوزاعی (متوفی ۱۵۷ھ) نے شام میں، امام ابن المبارک (متوفی ۱۸۱ھ) نے خراسان میں، حماد بن سلمہ (متوفی ۱۶۷ھ) نے بصرہ میں، سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ) نے کوفہ میں، جریر بن عبد الحمید (متوفی ۱۸۸ھ) نے رے میں، ہشیم (متوفی ۱۸۸ھ) نے واسط میں کتابیں لکھیں۔ قریب قریب اسی دور میں امام مالک نے اپنی مشہور کتاب موطا لکھی۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ امام مالک نے اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ حدیثیں لکھیں، وصال کے بعد آپ کے گھر سے بہت سے صندوق برآمد ہوئے جن میں سے سات صرف ابن شہاب کی احادیث کے تھے۔ ابو معشر سندی (متوفی ۱۷۰ھ) نے مغازی پر ایک کتاب لکھی۔ امام شافعی کے استاذ ابراہیم بن محمد اسلمی (متوفی ۱۸۴ھ) نے موطا امام کے طرز پر ایک موطا لکھی تھی۔ ابن عدی نے کہا کہ یہ موطا امام مالک سے دگنی تھی۔ تذکرہ۔

امام اعظم کے تلمیذ یحیٰ بن زائدہ کوفی (متوفی ۱۸۲ھ) نے بھی احادیث کا مجموعہ تیار کیا تھا۔ تذکرہ ج۱ ص۲۴۶۔

عبد الرحیم بن سلیمان کنانی نے بھی کئی ایک کتابیں لکھیں۔ تہذیب ج۶ ص۳۰۶۔

معافی بن عمران موصلی (متوفی ۱۸۵ھ) نے کتاب السنن، کتاب الزہد، کتاب الادب، کتاب الفتن وغیرہ لکھیں۔ تذکرہ ج۱ ص۲۶۵

امام ابو یوسف (متوفی ۱۸۲ھ) نے کتاب الآثار، کتاب الخراج وغیرہ تصنیف کیں۔

امام محمد موطا، کتاب الآثار، کتاب الحج وغیرہ تصنیف کیں۔

ولید بن مسلم (متوفی ۱۹۵ھ) نے مختلف ابواب پر ستر سے زائد کتابیں لکھیں۔ تذکرہ ج۱ ص۲۷۸۔

ابن وہب (متوفی ۱۹۷ھ) نے احوال قیامت اور جامع وغیرہ لکھیں۔ ایک ضخیم موطا بھی انھوں نے تصنیف کی تھی۔

حفظ حدیث کا شوق اور اہتمام

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ بات دیکھنی ہے کہ رواۃ حدیث کے ارشادات رسول اچھی طرح سننے اور کما حقہٗ یاد کرنے اور یاد رکھنے کی کتنی کوشش کرتے تھے۔

عہد نبوی میں حفظ احادیث خود حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا احساس رہتا کہ سامعین میری بات اچھی طرح سنیں، اور سمجھیں۔ اسی لئے ٹھہر ٹھہر کر کلام فرماتے۔ اور اہم باتوں کو تین بار دہراتے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا۔

انہ کان اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلثاً حتی تفھم عنہ۔ بخاری ج۱ ص۲۰ — حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کچھ فرماتے تو تین بار تکرار فرماتے تاکہ اسے بخوبی سمجھ لیا جائے۔

دوسری طرف صحابۂ کرام کا حال یہ تھا کہ جب مجلس اقدس میں حاضر ہوتے تو ہمہ تن گوش ہو کر اس طرح خاموش بیٹھتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔

جب حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے ارشادات سنانے اور سننے والوں کے ذہن اور حافظہ میں بٹھانے پر اتنی توجہ تھی اور خود صحابۂ کرام بھی پوری توجہ سے سنتے اور سمجھتے اور یاد رکھتے تو پھر یہ خطرہ کہ صحابۂ کرام نے ارشادات رسول کی حقہٗ نہیں سنا یا بخوبی نہیں سمجھا یا ان کے حافظے میں خلل آیا ساقط ہو گیا۔

صحابۂ کرام نے احادیث کو اس طرح یاد رکھا تھا کہ جس ترتیب سے مختلف اشیاء کا ذکر حضور نے فرمایا ہوتا اسی ترتیب سے اپنے تلامذہ کو بھی یاد کرانے اور یاد رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ کسی لفظ کا رہ جانا تو بڑی بات ہے۔ اگر کسی سے تقدیم و تاخیر ہو جاتی اور وہ ترتیب بگڑ جاتی تو اس پر تنبیہ فرماتے تھے۔ مسلم[1] میں ہے کہ ابن عمر کے سامنے کسی نے انکی روایت کردہ حدیث بنی الاسلام علی خمس کو یوں پڑھ دیا الحج وصیام رمضان یعنی حج کو صوم پر مقدم کر کے پڑھا حضرت ابن عمر نے ٹوک دیا، لا، صیام رمضان والحج۔ یوں نہیں۔ صیام رمضان پہلے اور حج بعد میں۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحابۂ کرام ارشادات

[1] مسلم ص۳۲ ج۱۔

رسول کس اہتمام سے یاد رکھتے تھے کہ الفاظ کی تقدیم و تاخیر بھی حافظے میں محفوظ رہتی اور دوسروں کو اسی ترتیب سے یاد رکھنے کی ترغیب دیتے۔ حالانکہ اس واقعہ میں الفاظ کی تقدیم و تاخیر سے معنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مگر ارشادات رسول کی ترتیب بدل جائے یہ بھی حضرت ابن عمر کو گوارا نہ ہوا۔

تو پھر اس کی کہاں گنجائش کہ وہ رسول پر جھوٹ باندھیں۔ اگر بالفرض کہیں شبہہ ہو جاتا کہ زبان وحی ترجمان سے کون سا لفظ نکلا تھا تو اس کو ظاہر کر دیتے۔ کہ یہ فرمایا تھا یا یہ۔ جس کی نظیر احادیث میں ہزاروں ہیں۔

اہل عرب کا حافظہ اس سلسلے میں صحابۂ کرام کی بات تو جانے دیجئے عام اہل عرب کو قدرت نے حافظے کی قوت اتنی دی تھی کہ حیرت ہوتی ہے۔ اس عہد اور اس سے پہلے عہد میں لغات عرب۔ کی کوئی ڈکشنری لکھی ہوئی نہیں تھی۔ زبان کا سارا سرمایہ بدوؤں کے حافظے میں محفوظ تھا۔ زبان عرب کتنی وسیع ہے اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ عربی زبان میں شہد کے اسی، سانپ کے دو سو، شیر کے پانچ سو، تلوار کے ہزار نام موجود تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح اس کے برعکس متعدد معانی رکھنے والے مشترک الفاظ کے ذخائر بھی ان کے یہاں کم نہیں۔

جیسے: عین کے اڑتالیس معانی لکھنے کے بعد بھی اہل لغت نے وغیرہ وغیرہ تحریر کیا ہے۔

اسی طرح عجوز کے ستر اکثر معانی معلوم ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔

اب غور کیجئے جس قوم کے حافظے کا یہ حال ہو اگر اپنے سب سے بڑے محسن پیشوا مقتدا رسول رب العٰلمین کی ہزار ہزار حدیثیں لفظ بلفظ یاد رکھیں تو اس میں کیا استبعاد ہے۔

پھر یہ لاکھوں لاکھ حدیثیں یاد کرنے والا صرف ایک شخص نہیں بلکہ متفرق طور پر یاد رکھنے والے بھی ہزاروں ہزار ہیں کسی نے سو روایت کی کسی نے ہزار دو ہزار روایت کی۔ کسی نے پانچ ہزار روایت کی۔ مثلاً سب سے زیادہ کثیر الروایۃ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی مرویات کی تعداد صرف پانچ ہزار تین سو چوہتر ہیں[۱]۔ ان کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے۔ ان سے دو ہزار دو سو چھیاسی حدیثیں مروی ہیں[۲]۔ ان کے بعد حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ ان سے دو ہزار دو سو دس حدیثیں مروی ہیں[۳]۔

ایسے قوی الحافظہ افراد کا ہزار دو ہزار احادیث کا یاد رکھ لینا کون سی بڑی بات ہے۔ کیا ایسے شعرا نہیں گذرے ہیں کہ جنہیں زبانی ہزار ہا ہزار اشعار یاد ہوتے تھے۔

[۱] عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۳۳ ۔ [۲] الاصابہ ج ۱ ص ۷۱ ۔ [۳] عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۰ ۔

پھر یہ بھی نہیں کہ ایک دفعہ سن لیا پھر اسے یاد رکھنے کی کوشش نہیں کی یا اس پر کوئی توجہ نہ کی بلکہ صحابۂ کرام کی عادت کریمہ تھی کہ ارشادات رسول سننے کے بعد اس کی کوشش میں لگے رہتے تھے کہ سننے کے بعد بھول نہ پائیں سننے کے بعد اسے اچھی طرح حفظ کرتے پھر بار بار اس کا دور کرتے۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات سنتے تھے جب حضور مجلس سے تشریف لے جاتے تو ہم لوگ آپس میں اس کا دور کرتے۔ ایک دفعہ ایک شخص کل حدیث بیان کر جاتا۔ سب سنتے پھر دوسرا پھر تیسرا۔ کبھی کبھی ساٹھ ساٹھ آدمی مجلس میں ہوتے اور یہ سب باری باری سناتے۔ جب ہم اٹھتے تو ہمیں حدیثیں اس طرح یاد ہوتیں گویا ہمارے دلوں میں بو دی گئی ہیں۔ مجمع الزوائد ص ۱۶۱ ج ۱۔

حضرت معاویہ اپنا چشم دید حال بیان کرتے ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد صحابۂ کرام مسجد نبوی میں بیٹھ کر قرآن وحدیث کا مذاکرہ کرتے۔ مستدرک ص ۹۴ ج ۱۔

حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام کہیں بیٹھتے تو ان کی مجلس کا موضوع یا تو احادیث ہوتیں یا قرآن کا پڑھنا اور سننا ہوتا۔

اس کے باوجود کسی صاحب کا حافظہ اس بوجھ کو برداشت نہ کرتا تو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر شکایت کرتے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے حافظے کو اتنا قوی بنا دیتے کہ پھر وہ کوئی بات بھول نہ پاتے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس کا واقعہ مشہور ومعروف ہے۔

ظاہر ہے کہ جب انسان میں مذہبی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے تو وہ بڑے سے بڑے حیرت انگیز محیر العقول کارنامے انجام دے لیتا ہے۔ صحابۂ کرام کی مذہبی زندگی، حضور کے ساتھ ان کی وارفتگی، اور دین کی نشر واشاعت کے ساتھ کی شیفتگی، رضاء الٰہی کی طلب، اور آخرت کی سرخروئی کی تڑپ جتنی تھی، اس کا اندازہ آج نہیں کیا جا سکتا۔ اگر انھوں نے اس جذبے سے متأثر ہو کر اپنے موروثی قوی حافظے میں ہزار ہا ہزار ارشادات رسول کو جمع کر لیا تو کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔

عہد صحابہ میں حفظ حدیث کا نظم صحابۂ کرام نے جس ذوق وشوق سے احادیث کو سنا یاد کیا، محفوظ رکھا، اسی ولولہ وجوش کے ساتھ پھیلایا، وہی ولولہ ذوق وشوق اپنے تلامذہ میں بھی پیدا فرما دیا تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا، حدیثوں کا آپس میں مذاکرہ کرتے رہنا۔ دور کرتے رہنا۔ بار بار دہراتے رہنا۔ اور (ذہن میں) حاضر رکھنا۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو جاتی رہیں گی۔ داری۔ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے۔ کہ ہر روز کچھ حدیثیں بیان کرتے رہو۔

حضرت علی اپنے اصحاب سے فرماتے۔ احادیث ایک دوسرے سے بیان کرتے رہو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو چلی جائیں گی مستدرک ص ۹۵ ج ۱۔ نیز فرماتے۔ آپس میں ملتے رہو۔ احادیث کا دور کرو۔ اسے چھوڑ نہ دو۔ کنز العمال ص ۲۲۶ ج ۵۔

حضرت عبداللہ بن مسعود بھی اس کی تاکید کرتے رہتے۔ کہ حدیثیں ایک دوسرے سے سنتے اور ایک دوسرے کو سناتے رہو۔ اسی طرح وہ باقی رہ سکتی ہیں۔ مستدرک ص۹۵ ج۱۔

ایک دفعہ انھوں نے اپنے تلامذہ سے پوچھا کہ تم لوگ آپس میں اکٹھے بیٹھ کر احادیث سنتے سناتے ہو بھی یا نہیں۔ تلامذہ نے جواب دیا جی ہاں ہم لوگ ایسا کرتے ہیں۔ اگر ہمارا کوئی ساتھی حاضر نہ ہو تو اگر کوفے کے آخری سرے پر ہوتا تو وہیں جا کر اس سے ملتے۔ داری ص۹۔

مشہور تابعی عطاء کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت جابر کی خدمت میں حدیثیں سننے کے بعد اٹھتے پھر ان کو بار بار سنتے اور سناتے انھوں نے کہا کہ ہمارے ساتھیوں میں ابو زبیر کا حافظہ سب سے اچھا تھا اس لئے ان کو ہم سب سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں۔ مستدرک ص۹۵ ج۱۔

حضرت ابو سعید خدری بھی آپس میں دور احادیث کیا کرتے تھے بلکہ ان کی تاکید یہ بھی تھی۔ کہ احادیث بغطر یاد کی جائیں۔ داری مستدرک ص۹۴ ج۱۔ امام زہری عشاء کی نماز کے بعد حدیث سننے سنانے کے لئے بیٹھتے تو صبح کر دیتے۔ داری ص۸۔

عہد تابعین کا حال تابعین نے احادیث یاد کرنے، یاد رکھنے زیادہ سے زیادہ پھیلانے کا جو جذبہ صحابہ کرام سے حاصل کیا تھا اسے اپنے تلامذہ میں پیدا کرنے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہے۔ تابعین ہمیشہ اپنے تلامذہ تبع تابعین کو دور کی تاکید کرتے رہتے اور ان کے تلامذہ اس پر جی جان سے عمل کرتے۔ امام زہری، علقمہ، عبدالرحمن بن ابی لیلی، سے منقول ہے کہ وہ ہمیشہ دور حدیث کی تاکید کرتے رہتے (داری) اس کا اثر یہ تھا کہ مشہور محدثین کے یہاں دور حدیث کی مجلس رات بھر رہتی عشاء بعد شروع ہوتی نماز صبح پر ختم ہوتی۔ داری ص۸۔ تہذیب ص۳۰ ج۱۔

یونس کہتے ہیں کہ ہم حضرت حسن بصری کے پاس سے حدیثیں سننے کے بعد آپس میں ان کا دور کرتے یہاں تک کہ اسماعیل بن رجاء کا یہ دستور تھا کہ دور کے لئے اگر کوئی نہیں ملتا۔ تو مکتب کے بچوں کو جمع کر کے ان کے آگے حدیثیں پڑھتے تاکہ احادیث کی ضبط کی کوشش میں ناغہ نہ ہو۔ داری ص۸۔ تہذیب ص۲۹۶ ج۱۔

ان شواہد سے یہ بات واضح ہوگئی کہ راویان حدیث احادیث کے محفوظ رکھنے ان کی زیادہ سے زیادہ نشر و اشاعت کے لئے کتنا اہتمام کرتے تھے۔ دنیا میں کسی فن کے حفظ و ضبط، نشر و اشاعت کی ایسی عظیم الشان تاریخ نہیں ملتی جو احادیث کے حفظ و ضبط کے ساتھ وابستہ ہے۔

عہد تبع تابعین میں چونکہ باقاعدہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ اور اس عہد کی بہت سی کتابیں آج بھی موجود ہیں۔ اس لئے اس پر تفصیلی گفتگو کی حاجت نہیں۔

روایت میں احتیاط ان سب کے باوجود ایک اور اہم بات بھی ذہن نشین کر لینی ضروری ہے۔

کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہاں ایک طرف اپنی احادیث سننے یاد رکھنے اور انھیں کما حقہ دوسرے تک پہونچانے کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دی تھی مثلاً فرمایا۔

اللھم ارحم خلفائی قلنا یا رسول اللہ من خلفاؤک قال الذین یاتون من بعدی یروون احادیثی و یعلمونھا الناس[۱] نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثا فحفظہ حتی یبلغہ غیرہ[۲]

اے اللہ میرے جانشینوں پر رحمت نازل فرما لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کے جانشین کون لوگ ہیں فرمایا وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے میری حدیثوں کو روایت کریں گے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیں گے اس شخص کو اللہ تر و تازہ رکھے جس نے میری حدیث سنی پھر اسے یاد کیا تاکہ دوسرے تک اسے پہنچائے۔

بلغوا عنی ولو آیۃ ومن کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ بخاری ص۴۹۱ ج۱

میری باتیں دوسروں تک پہونچاؤ اگرچہ وہ چھوٹی سی ہی کیوں نہ ہو اور جو مجھ پر بالقصد جھوٹ باندھے گا اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے گا۔

حدثوا عنی بما تسمعون ولا تقولوا الا حقا ومن کذب علی بنی لہ بیت فی جھنم یرتع فیہ۔ طبرانی۔

مجھ سے جو کچھ سنو اسے بیان کرو مگر ہمیشہ سچ کہنا جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا اس کے لئے جہنم میں گھر بنایا جائے گا جس میں وہ چرے گا۔ طبرانی۔

لئے ارشاد کا یہ اثر تھا کہ صحابۂ کرام میں حدیثیں سننے اور جمع کرنے کا ایسا والہانہ جذبہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ جی جان سے احادیث سنتے اور انھیں یاد رکھتے اور ان کی اشاعت میں لگے رہتے۔ یہ جذبہ اتنا شدید تھا کہ اگر انھیں معلوم ہوتا کہ کوئی حدیث فلاں کے پاس ہے، تو سب کام کاج چھوڑ کر سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے اور وہ حدیث سنتے۔

اسی بخاری کتاب العلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ صرف ایک حدیث سننے کے لئے ایک مہینے کی مسافت طے کر کے گئے۔ یہ حال حضرت جابر کا تھا۔ جو خود احادیث کے خزانہ تھے۔ ان سے ایک ہزار پانچ سو چالیس احادیث مروی ہیں۔ اس کے باوجود ان کا یہ حال تھا۔

وہیں دوسری طرف یہ فرمایا۔ میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب مت کرنا۔ مجھ پر جھوٹ مت باندھنا۔ جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا وہ جہنمی ہے۔ اس کا اثر یہ تھا کہ اجلۂ صحابۂ کرام اس اندیشہ کی وجہ سے احادیث بیان کرنے سے بچتے تھے۔ کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو جائے۔

۱؎ ترغیب و ترہیب ص۳۰؎ ، ۲؎ ابو داؤد کتاب العلم ص۱۳۶ ج۲ ، ترمذی کتاب العلم ص۹۱ ج۲ ، ۳؎ عمدۃ القاری ص۶۵ ج۱ ۔

حواری رسول اللہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔ ارشاد اسی بخاری کتاب العلم میں مذکور ہے۔ انکے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے عرض کیا۔ جیسے اور لوگ احادیث بیان کرتے ہیں۔ آپ کیوں نہیں بیان کرتے تو فرمایا بیٹے میں ہمیشہ آنحضور کے ساتھ رہا سفر میں بھی حضر میں بھی۔ مگر چونکہ حضور نے فرمایا ہے۔

من كذب علي فليتبوأ مقعده من النار[1] — جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنائے۔

مطلب یہ ہوا کہ مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ سہواً کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ حضور نے جو بات نہ کہی ہو وہ حضور کی طرف منسوب کردوں۔ اس لئے احتیاط کرتا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

انه ليمنعني ان احدثكم حديثا كثيرا ان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال من تعمد علي كذبا فليتبوأ مقعده من النار[2] — بہت زیادہ حدیثیں بیان کرنے سے مجھے یہ بات روکتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

حالانکہ یہ مکثرین حدیث میں سے ہیں۔ ان سے دو ہزار دو سو چھیاسی احادیث مروی ہیں پھر بھی یہ فرما رہے ہیں ان کا طریقہ یہ تھا کہ جس حدیث کے بارے میں ذرا بھی شبہ ہوتا کہ اچھی طرح یاد نہیں اسے بیان نہیں کرتے اور فرماتے غلطی کا اندیشہ ہوتا تو بیان۔ دارمی ص۔

امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عمر کو اس کا بہت اہتمام رہتا کہ حدیث میں ذرا بھی کوئی کمی بیشی نہ ہو۔ تذکرہ ص۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا۔

كان ممن يتحرى في الاداء ويشدد في الرواية ويزجر تلامذته عن التهاون في ضبط الالفاظ تذکرہ ص۱۴ — یہ ان لوگوں میں سے تھے جو حدیث بیان کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے۔ اور روایت میں بہت سختی برتتے اور اپنے شاگردوں کو الفاظ یاد کرنے میں سستی کرنے پر ڈانٹتے تھے۔

كان ممن يتحرى سے ظاہر ہے کہ یہ عادت صرف حضرت ابن مسعود کی نہیں تھی۔ بلکہ دوسرے حضرات کی بھی تھی۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بوڑھے ہوگئے تو حدیث بیان کرنا بند کردیا۔ اگر کوئی شخص ان سے حدیث پوچھتا

---

[1] بخاری ص۲۱ ج۱۔ [2] بخاری ص۲۱ ج۱۔

تو فرماتے۔ اب ہم بوڑھے ہو گئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ (ابن ماجہ ص۵)

حضرت ابن عمر اپنے تلامذہ کو تاکید کرتے رہتے کہ جب تم حدیث بیان کرو تو پہلے تین دفعہ اسے دوہرا لو۔ داری ص۵۳

حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بتاکید یہ حکم نافذ فرمایا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وہی حدیثیں بیان کی جائیں۔ جن پر کامل یقین ہو۔

احادیث کے حفظ و ضبط کے اس اہتمام اور روایت میں اس اعلیٰ درجہ کے احتیاط کے باوجود ایسا بھی ہوتا کہ اگر کوئی صحابی ایسی حدیث بیان کرتا جو مشہور و معروف نہ ہوتی تو اس کی تائید کے لئے دوسرے حضرات کو تلاش کیا جاتا اگر کوئی مل جاتا تو اسے تسلیم کیا جاتا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ دادی کو پوتے کی میراث سے حصہ ملے گا یا نہیں ملے گا تو کتنا۔ حضرت صدیق اکبر نے صحابۂ کرام سے دریافت فرمایا کہ کسی کو اس بارے میں کوئی حدیث یاد ہو تو بیان کرے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دادی کو پوتے کی میراث سے چھٹا حصہ دلایا ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے فرمایا کہ اس بات کو تمہارے سوا اور بھی کوئی جانتا ہے۔ انھوں نے بتایا محمد بن مسلم بھی یہ جانتے ہیں جب محمد بن مسلم نے اگر شہادت دی تو اس کے مطابق حضرت صدیق اکبر نے فیصلہ فرمایا[1]

ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاروق اعظم کے سامنے ایک حدیث بیان کی۔ تو حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ تائید میں کوئی شاہد پیش کرو۔ حضرت ابو موسیٰ انصار کے مجمع میں گئے۔ انصار میں بہت سے حضرات کو یہ حدیث یاد تھی۔ ان میں سے ایک صاحب کو ہمراہ لائے۔ حضرت عمر کے سامنے شہادت دلوائی۔ تذکرۃ الحفاظ

ایک دفعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک حدیث بیان فرمانا شروع کیا۔ تو فرمایا کہ ڈر لگتا ہے کہ کوئی زیادتی یا کمی نہ ہو جائے۔ مگر اس حدیث کو عمار سے بھی سنا ہے۔ اس لئے بیان کرتا ہوں۔ عمار کو بلاکر ان سے پوچھ لو۔ حضرت عمار کو بلواکر دریافت کیا گیا۔ انھوں نے اس کی تصدیق کی۔ ابو داؤد طیالسی۔

مگر چونکہ احادیث دین کی بنیاد تھیں۔ اس لئے ان کا بیان کرنا بھی ضروری تھا۔ اس لئے جن احادیث پر پختہ یقین ہوتا اسے بیان کرتے۔

حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ قرآن میں یہ دو آیتیں نہ ہوتیں تو کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔

---

[1] مشکوٰۃ ص۲۶۴

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔

بقرہ ۱۵۹، ۱۶۰

جو لوگ ہماری اتاری ہوئی روشن باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لئے کتاب میں واضح فرمادی، ان پر اللہ لعنت فرماتا ہے۔ اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔ مگر جو توبہ کریں اور سنواریں اور بیان کریں ان کی توبہ قبول فرماؤں گا اور میں ہی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں

اب ان سب باتوں کو ذہن میں رکھ کر ہر عاقل فیصلہ کرے جن بزرگوں میں یہ خوف سمایا ہو کہ کوئی غلط بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا جہنم میں ٹھکانہ بنانے کے مرادف ہے۔ وہ کبھی بھی اس کی جرأت نہیں کرسکتے کہ جو بات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو اور یہ لوگ حضور پر جھوٹ باندھ کر یہ کہدیں کہ حضور نے یہ فرمایا چونکہ دین کی بنیاد احادیث پر قائم ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تركت فيكم امرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله وسنة رسوله[1]

میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں ان اگر دونوں کو پکڑے رہوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول۔

اس لئے دین کی بقا کے لئے احادیث کی نشر و اشاعت ضروری تھی۔ اسی بنا پر اچھی طرح یاد ہوتے ہوئے اگر چھپانا موجب لعنت ہے۔ اس لئے جن صحابہ کو جو احادیث بخوبی یاد تھیں ان کو انھوں نے بیان فرمایا۔

خوب اچھی طرح یاد کرنے، یاد رکھنے اور دوسروں تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ عہد تابعین میں راویوں کی جرح و تعدیل جانچ پرکھ پر محدثین کی بہت کڑی نظر تھی۔ صحابہ چونکہ باجماع امت سب کے سب عادل ثقہ ہیں۔ اس لئے ان کی ذات جرح سے بالاتر ہے۔ قرآن میں ان کے لئے فرمایا۔

وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا[2]

اور پرہیز گاری کا کلمہ ان پر لازم فرمایا اور وہ اس کے زیادہ سزاوار اور اہل تھے۔

اور فرمایا۔

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ[3]

اللہ ان سے راضی ہوا یہ لوگ اس سے راضی ہوئے۔

البتہ تابعین میں عادل غیر عادل سبھی ہیں۔ اس دور میں رافضی، خارجی، بلکہ معتزلی بدمذہب پیدا ہو چکے تھے اس لئے

---

۱ مشکوٰۃ ص ۳۱، ۲ الفتح آیت ۲۶، ۳ التوبہ آیت ۱۰۰

ضرورت ہوئی کہ راویوں پر کڑی نظر رکھی جائے ۔ چنانچہ محدثین نے اس طرف توجہ کی تو راویان حدیث کے احوال پر مشتمل اسماء الرجال کا عظیم شاہکار عالم وجود میں آگیا۔ جس کے ذریعہ ہر راوی کے خد وخال آئینے کی طرح سامنے آجاتے ہیں اشپہ سنگر ڈاکٹر اسپرنگر کے بقول اس فن کی بدولت پانچ لاکھ مشہور علما کا تذکرہ ہمیں مل جاتا ہے۔ لہ

راوی بدعقیدہ ہے تو اس کی روایت نامقبول ، راوی فاسق ہے تو اس کی روایت نامقبول ، راوی حدیث کے علاوہ کسی اور معاملہ میں ایک بار بھی جھوٹ بولا ہے تو اس کی روایت نامقبول اور اگر اس نے کوئی حدیث گڑھ لی ہے تو پھر اس کی روایت اتنی نامقبول کہ وہ موضوع ۔ راوی خلاف وقار وخلاف مروت افعال کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی روایت نامقبول اور اگر اس کا حافظہ کمزور ہے کہ بات اچھی طرح یاد نہیں رہ سکتا تو اس کی روایت نامقبول ۔ اگر کسی کی تلقین قبول کرلیتا ہے مثلاً اس نے بیان کیا کہ یہ حدیث یوں ہے کسی نے کہا یوں نہیں یوں ہے۔ اس نے مان لیا تو اس کی روایت نامقبول راوی تمام خوبیوں کا جامع ہے ۔ مگر جو روایت کرتا ہے وہ ثقہ راویوں کے خلاف ہے تو اس کی روایت نامقبول ، سب کچھ درست ہے مگر اس نے اپنی کتاب کی کما حقہ حفاظت نہیں کی تو اس کی روایت نامقبول ۔ سب کچھ صحیح ہے مگر سند میں ایک راوی کا نام چھوٹ گیا ہے تو روایت نامقبول۔

دنیا میں اگر انصاف ہے تو انصاف ہی سے پوچھو کہ ان تمام پابندیوں کے بعد اور ان تمام احتیاط کے باوجود کیا اس کی گنجائش رہ سکتی ہے کہ کوئی غلط بات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہو جائے ۔ اور وہ گرفت میں نہ آئے۔

یہی وجہ ہے کہ ملحدوں نے اپنے اغراض فاسدہ کے پیش نظر حدیثیں گڑھی ہیں ۔ مگر محدثین نے پکڑ لیا اور بتادیا کہ یہ موضوع ہے ۔ محدثین کو اس میں اتنا ملکہ حاصل تھا کہ جیسے ایک ماہر صراف کم سے کم کھرے سے کھرے چاندی پرکھ لیتا ہے ۔ اسی طرح یہ حضرات صحیح حدیث کو مخدوش سے الگ کر لیتے تھے۔

ایک شخص نے بڑے فخر سے کہا کہ میں نے سیکڑوں حدیثیں گڑھ کر پھیلا دی ہیں ۔ تو جواب دینے والے نے کہا ۔ کوئی حرج نہیں ، یحیٰی بن معین ، اور احمد بن حنبل موجود ہیں ۔ وہ چھان پھٹک کر تمہاری گڑھی ہوئی حدیث صحیح حدیث سے الگ کر لیں گے۔

اس لئے جہاں تک عقل وانصاف اور دیانت کا تقاضہ ہے ۔ یہ ماننا پڑے گا کہ آج احادیث کے جو ذخائر موجود ہیں ان میں مندرجہ جن احادیث کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے کہ یہ قابل اعتبار ہیں تو وہ از روئے عقل ونقل قابل اعتماد لائق اعتماد ہیں۔

لہ سیرت بخاری صف۔

خلاصۂ کلام

ان سب کا حاصل یہ ہوا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو احادیث کی حفظ یاد کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیا ترغیب دی۔

خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طرح ارشاد فرماتے کہ حضور کی ہر بات سننے والے کے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے، حتی کہ اہم باتوں کو تین تین بار ارشاد فرماتے۔

صحابۂ کرام جو سنتے انھیں بلفظہٖ یاد رکھنے کی بھرپور پوری کوشش کرتے اور یہی حال بعد کے راویوں کا بھی تھا۔

صحابۂ کرام نے عہد رسالت ہی سے احادیث کو قلمبند کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور ہر دور میں احادیث لکھ کر محفوظ رکھنے کا کام مسلسل جاری رہا۔

اور وہ احادیث بیان کرنے میں حد درجہ احتیاط کرتے تھے۔ وہی بیان کرتے جن کے بارے میں اچھی طرح صحیح یاد ہونے پر اطمینان رہتا ذرا بھی شبہ ہوتا تو ہرگز نہ بیان کرتے۔

راوی میں کوئی ایسا نقص ہوتا جس کی وجہ سے اس کی روایت مخدوش ہوتی تو اس کو برملا ظاہر کر دیتے تھے اس بارے میں کسی کی رو رعایت نہیں کرتے۔

صرف انھیں راویوں کی روایت قابل تسلیم ہوتیں جن میں ایسا عیب نہ ہو جس سے روایت مجروح ہو۔

ان سب پابندیوں اور احتیاط کے باوجود اگر احادیث کا ذخیرہ غیر معتبر ہے تو پھر دنیا میں کیا معتبر ہے۔ اس پر بھی غور کرنا پڑے گا۔

رہ گیا یہ کہنا کہ یہ تمام بڑے بڑے محدثین عجمی ہی کیوں ہوئے عربوں میں ایسے کیوں نہ ہوئے میرے خیال میں اس سے زیادہ لچر پوچ بات دنیا میں کسی نے نہیں کہی ہوگی کسی بات کا صدق و کذب لائق اعتماد ہونا نہ ہونا، عجمی اور عربی ہونے پر موقوف نہیں، ایک عربی جھوٹا کذاب جعل ساز ہو سکتا ہے اور ایک عجمی پکا سچا باات باز دیانت دار خدا ترس ہو سکتا ہے غالباً ان لوگوں کو حضرت بلال حضرت سلمان حضرت صہیب اور حضرت نجاشی پر بھی اعتراض ہوگا کہ یہ لوگ کیوں مسلمان ہوئے اور غالباً ان کی مرویات پر بھی شبہ ہوگا۔

اگر اسلام صرف اہل عرب کے لئے خاص ہوتا تو یہ سوال اپنی جگہ کچھ وزن رکھتا۔ مگر اسلام عربی، عجمی، اسود و احمر، ابیض، اصفر سب کے لئے عام ہے تو پھر محدثین کے گروہ میں عجمیوں کو دیکھ کر اچنبھا کیوں ہوتا ہے۔

یہ محدثین عجمی ہیں مگر ان تمام روایت کی بنیاد عربیوں ہی پر ہے۔ پھر آپ کو کیا اعتراض ہے اگر اعتراض ہے تو پھر اعلان کر دیجئے کہ غیر عرب کو اسلام میں کوئی حق نہیں اس کے بعد پھر آپ خود اپنا شجرۂ نسب بیان کریں کہ آپ کون ہیں جب عربی

نہیں تو آپ کو احادیث پر کلام کرنے کا حق کہاں سے ملا۔ بلکہ آپ مسلمان کیسے ہیں یہ تو نقول آپ بھی عرب لکھنا ہے

مصطلحات

حدیث حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل حال اور تقریر کو کہتے ہیں۔ بعض حضرات اس میں تعمیم کرتے ہیں کہ صحابی اور تابعی کے اقوال وافعال احوال وتقریرات بھی حدیث ہیں۔ لیکن عام شائع ذائع پہلا ہی محاورہ ہے۔ لفظ حدیث سے اول وہلہ میں ذہن اسی طرف جاتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول یا فعل یا حال یا تقریر ہے۔

تقریر سے مراد یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی صحابی نے کچھ کیا یا کہا۔ اور حضور نے سکوت اختیار فرمایا۔ یہ تقریر ہے۔

اثر عام طور پر صحابی یا تابعی کے قول کو کہتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کو بھی اثر کہدیتے ہیں جیسے ادعیہ ماثورہ۔

خبر خبر اور حدیث اصل میں مرادف ہیں۔ مگر کچھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے اقوال وافعال ہی کو حدیث کہتے ہیں۔ اور سلاطین امراء حکام اور گذشتہ زمانے کے احوال کو خبر کہتے ہیں۔

اقسام حدیث کی تین قسمیں ہیں۔ مرفوع، موقوف، مقطوع۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول فعل حال اور تقریر کو مرفوع۔ اور صحابی کے قول فعل کو موقوف۔ اور تابعی کے قول فعل کو مقطوع کہتے ہیں۔

حدیث کا مرفوع ہونا کبھی صراحۃً ہوتا ہے۔ جیسے صحابی کا کہنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ یا یہ کرتے دیکھا۔ یا کسی کا یہ کہنا کہ حضور کے سامنے فلاں نے یہ کہا یا کیا اور حضور نے انکار نہیں فرمایا۔ یا کسی راوی نے یہ کہا کہ فلاں نے اس کو حضور تک پہونچایا یا مرفوع کیا۔

حکماً مرفوع یہ ہے کہ کوئی صحابی جو کتب سابقہ سے خبر نہ دے رہا ہو ایسی خبر جس میں عقل کو دخل نہ ہو جسے بغیر حضور سے سنے نہ جانا جا سکتا ہو مثلاً گذشتہ واقعات کی خبر دینا یا آئندہ کے حالات بتانا مثلاً قیامت کے احوال ملاحم فتن وغیرہ یا کسی فعل پر مخصوص ثواب یا عقاب کی خبر۔ صحابی کا یہ کہنا کہ لوگ حضور کے زمانے میں ایسا کرتے تھے۔ یا یہ کہنا یہ سنت ہے

دوسری تقسیم راویوں کی کثرت اور قلت کے اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں ہیں۔ متواتر، مشہور، عزیز، واحد۔

حدیث متواتر وہ حدیث ہے جسکے راوی ہر دور میں اتنے زیادہ ہوں کہ ان سب کا جھوٹ پر متفق ہونا محال عادی ہو۔

مشہور وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر قرن میں دو سے زائد ہوں۔

... راوی ہر طبقے میں دو ہوں۔

عزیز وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر طبقے میں دو ہوں۔

غریب وہ حدیث ہے جس کے راوی کسی دور میں، یا ہر دور میں صرف ایک ہوں۔ حدیث غریب کو خبر واحد بھی کہتے ہیں۔ [illegible]

راویوں کے احوال کے اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں ہیں۔

صحیح لذاتہ وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل، تام الضبط ہوں اور اس کی سند متصل ہو، شذوذ و علت سے خالی ہو۔

صحیح لغیرہ جس کے اندر صحت کے شرائط میں کچھ کمی ہو اور کثرت طرق سے اس کی تلافی ہوگئی ہو۔

حسن لذاتہ جس کے راویوں میں کچھ کمی ہو جبکہ صحت کے تمام شرائط پائے جاتے ہوں اور اس کی تلافی نہ ہوئی ہو۔

حسن لغیرہ وہ حدیث ضعیف ہے جس کی کثرت طرق سے تلافی ہوگئی ہو۔

حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جس میں صحت کے تمام شرائط یا بعض نہ پائے جاتے ہوں اور اس کی تلافی بھی نہ ہوئی ہو۔ اس کی چار قسمیں ہیں۔

اول ضعیف خفیف: قریب ہے جس ضعف انجبار کے اعتبار کے لائق ہے، مثلاً ضعف، اختلاط راوی، سوء حفظ یا تدلیس کی وجہ سے ہو۔ یہ شاہدات و متابعات کے کام آتی ہے۔ اور طرق سے قوت پا کر حسن لغیرہ بلکہ صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے۔

دوم ضعیف، ضعف قوی ہو یعنی شدید، جیسے وہ حدیث جو راوی کے فسق وغیرہ وجوہ قویہ کے سبب متروک ہو [illegible] سے خالی ہو۔ یہ احکام میں بالاتفاق ناقابل احتجاج نہیں۔ البتہ مذہب راجح پر فضائل میں مقبول۔ ہاں تعدد مخارج و تنوع طرق سے انجبار کے بعد بالاتفاق مقبول۔

سوم وہ جس کا راوی وضاع یا کذاب یا متہم بالکذب ہو۔ یہ حدیث ضعیف کی بدترین قسم ہے۔ بلکہ بعض محاورات کے مطابق مطلقاً اور ایک اصطلاح پر اس کا مدار کذاب پر ہو تو اسے بھی موضوع کہتے ہیں۔ [illegible] ان اصطلاحات پر یہ قسم موضوع میں داخل۔

چہارم موضوع: یہ بالاجماع نہ قابل انجبار، نہ کہیں لائق اعتبار، حتی کہ فضائل میں بھی، بلکہ اسے حدیث کہنا ہی تجوز ہے، حقیقت میں حدیث نہیں۔

حدیث موضوع کسی حدیث کے موضوع ہونے کا ثبوت چند طریقوں سے ہوتا ہے۔

اس کا مضمون قرآن عظیم یا سنت متواترہ یا اجماع قطعی [illegible] کے خلاف ہو اور تاویل و تطبیق کا کوئی احتمال نہ رہے۔

(۷) یا اس کا معنی ایسا شنیع و قبیح ہو جس کا صدور حضور پر نور صلوات اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول نہ ہو، جیسے کسی فساد یا ظلم [illegible] یا بیہودہ قول یا مدح باطل یا ذم حق پر مشتمل ہو۔

(۸) یا ایک جماعت جس کا عدد حد تواتر کو پہنچا ہو اور ان میں جھوٹ کا یا ایک دوسرے کی تقلید کا احتمال نہ رہے اس کے کذب و بطلان کی گواہی مستند الی الحس دے۔

(۹) یا خبر کسی ایسے امر کی ہو کہ اگر وہ واقع ہوتی تو اس کی نقل و روایت مشہور و مستفیض ہو جاتی، مگر اس روایت کے سوا اس کا کہیں پتہ نہیں۔

(۱۰) یا کسی حقیر فعل کی مدحت اور اس پر وعدہ و بشارت، یا صغیر امر کی مذمت اور اس پر وعید و تہدید میں ایسے مبالغے ہوں جنہیں کلام معجز نظام نبوت سے مشابہت نہ رہے۔

(۱۱) یا اس کے الفاظ رکیک و سخیف ہوں جنہیں سمع دفع اور طبع منع کرے اور ناقل اس کا مدعی ہو کہ یہی الفاظ بعینہا حضور افصح العرب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہیں یا وہ محل ہی نقل بالمعنی کا نہ ہو۔

(۱۲) یا ناقل رافضی، حضرات اہل بیت کرام علیٰ سیدہم و علیہم الصلاۃ والسلام کے فضائل میں وہ باتیں روایت کرے جو ان کے غیر سے ثابت نہ ہوں، جیسے لحمک لحمی و دمک دمی۔ میں امیر معاویہ و عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے وہ مناقب جو صرف نواصب کی روایت سے آتے ہیں، روافض نے مناقب امیر المومنین حضرت علی و اہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تین لاکھ کے قریب حدیثیں وضع کی ہیں۔ اسی طرح نواصب نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب میں حدیثیں گڑھی ہیں۔

(۱۳) یا قرائن حالیہ گواہی دے رہے ہیں کہ یہ روایت اس شخص نے کسی طمع یا غضب وغیرہ کے باعث ابھی گڑھ کر پیش کر دی ہے۔

(۱۴) یا تمام کتب و تصانیف اسلامیہ میں استقراء تام کیا جائے اور اس کا کہیں پتہ نہ چلے، یہ کام صرف اجلہ حفاظ ائمہ شان کا تھا جس کی لیاقت صدہا سال سے معدوم۔

(۱۵) یا راوی خود اقرار وضع کر دے خواہ صراحۃ خواہ ایسی بات کہے جو بمنزلہ اقرار ہو۔ مثلاً ایک شیخ سے بلا واسطہ بدعوی سماع روایت کرے پھر اس کی تاریخ وفات وہ بتائے کہ اس کا اس سے سننا معقول نہ ہو۔

افادہ جو حدیث ان پندرہ وجوہ سے منزہ ہو اس پر حکم وضع کی رخصت کسی حال میں نہیں۔ اس باب میں کلمات علماء [illegible]

اول [illegible]

فتح المغیث میں اسی پر جزم فرمایا گیا ہے۔

مجرد تفرد الكذاب بل الوضاع ولو كان بعد الاستقصاء في التفتيش من حافظ متبحر تام الاستقراء غير مستلزم لذلك بل لابد معه من انضمام شيء مما سبق.

اگر کوئی حافظ جلیل القدر کہ علم حدیث میں دریا اور اس کی تلاش کامل وجیط بہ تفتیش حدیث میں استقصار تام کرے اور بایں ہمہ حدیث کا پتہ ایک کذاب بلکہ وضاع کی روایت کے علاوہ کہیں نہ ملے تاہم اس سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا جب تک امور مذکورہ سے کوئی امر اس میں موجود نہ ہو۔

دوم وضاع کذاب پر تفرد ہو ایسا وضاع کذاب جس سے عمداً نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر معاذ اللہ بہتان و افترا کرنا ثابت ہو۔ وہ بھی بطریق ظن نہ بروجہ یقین، اس لئے کہ پکا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے اور اگر قصداً افترا اس سے ثابت نہیں تو اس کی حدیث موضوع نہیں اگرچہ متہم بکذب ہو۔ یہ علامہ ابن حجر وغیرہ علماء کا مسلک ہے۔ تحقیق دوم یہی ہے۔

الطعن اما ان يكون بكذب الراوي بان يروي عنه ما لم يقله صلى الله تعالى عليه وسلم متعمدا لذلك او تهمته بذلك الاول هو الموضوع والحكم عليه بالوضع انما هو بطريق الظن الغالب لا بالقطع اذ قد يصدق الكذوب. والثاني هو المتروك.

حدیث میں طعن کبھی راوی کے کذب کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس طرح کہ اس سے وہ بات مروی ہو جو رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی نہ کہی ہو اور کبھی تہمت کذب کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پہلی قسم موضوع ہے کسی حدیث کے موضوع ہونے کا حکم بطریق ظن ہوتا ہے نہ بروجہ یقین اس لئے کہ پکا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے۔ دوسری قسم کو متروک کہتے ہیں۔

سوم اہل سنت کے علما جب حدیث پر سے حکم وضع اٹھاتے ہیں اس کی وجہ یہی فرماتے ہیں یہ کیونکر موضوع ہو سکتی ہے حالانکہ اس کا کوئی راوی نہ کذاب ہے نہ متہم بالکذب۔ کبھی فرماتے ہیں موضوع تو جب ہوتی کہ اس کا راوی متہم بالکذب ہوتا یہاں ایسا نہیں تو موضوع نہیں۔ ۱؎

اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر راوی متہم بالکذب ہو تو موضوع ہونے کا حکم لگایا جا سکتا ہے جو حدیث ان اٹھارہ عیوب سے پاک ہو اس کے بارے میں اجماع ہے کہ وہ موضوع نہیں۔

شرائط راوی عادل ہونا، عادل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو تقوی کی پابندی اور خلاف مروت حرکات سے بچنے کا ملکہ ہو

۱؎ حدیث ضعیف سے یہاں تک سب فتاوی رضویہ حصہ دوم رسالہ منیر العین سے لیا گیا ہے۔

تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ شرک، کفر، فسق، بدعت سے بچتا رہے۔ گناہ صغیرہ سے بچنا عدالت کی شرط نہیں، البتہ صغیرہ پر اصرار سے بچنا ضروری ہے اس لئے کہ صغیرہ پر اصرار کبیرہ ہے۔

مروت سے مراد ایسے خسیس و رذیل کاموں سے بچے جو اگرچہ مباح ہیں مگر وہ وقار کے خلاف سمجھے جاتے ہیں جیسے بازاروں میں کھانا، صرف تہبند باندھ کر گھومنا۔

ضبط حدیث۔ یعنی حدیث کو محفوظ رکھنا، اس میں کمی بیشی اور کوئی خلل نہ ہونے دینا اس طرح کہ بوقت ضرورت بلا تردد بیان کر سکے، اس کی دو قسمیں ہیں۔ ضبط صدر، ضبط کتاب۔

ضبط صدر۔ یہ ہے کہ حدیث کو اس طرح یاد رکھے کہ جب چاہے اس کو بعینہ بیان کر سکے۔

ضبط کتاب۔ یہ ہے کہ جس کتاب میں حدیث لکھی ہے اس کو پورے طور سے محفوظ رکھے کہ اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہونے پائے

اتصال سند راوی سے لے کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک کوئی راوی چھوٹا نہ ہو۔

اسباب طعن دس ہیں۔ پانچ راوی کی عدالت سے متعلق ہیں اور پانچ ضبط سے۔ عدالت سے متعلق پانچ طعن یہ ہیں۔ کذب، اتہام بکذب، فسق، جہالت یعنی گمنام ہونا، بدعت۔

کذب یہ ہے کہ اس راوی کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے بالقصد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بہتان و افترا کیا ہے۔ اگر کسی شخص کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے ایک بار بھی قصداً حدیث گڑھی ہے تو مدۃ العمر اس کی حدیث مقبول نہ ہوگی اگرچہ توبہ کر لے۔ بر بنائے مذہب جمہور ایسے راوی کی حدیث کو موضوع کہتے ہیں۔

اتہام بکذب یہ ہے کہ اگرچہ حدیث میں اس کا جھوٹ ثابت نہیں مگر وہ اور باتوں میں جھوٹا مشہور و معروف ہو، ایسے راوی کی حدیث کو متروک کہتے ہیں۔ ایسا شخص اگر جھوٹ سے توبہ کر لے اور سچے ہونے کی عادت ڈال لے اور یہ ثابت ہو جائے کہ اب جھوٹ نہیں بولتا تو اس وقت اس کی روایت مقبول ہے۔

فسق سے فسق عملی مراد ہے یعنی گناہوں سے بچے۔ جھوٹ بھی گناہ ہی ہے۔ مگر حدیث کے معاملے میں یہ طعن دیگر مطاعن سے سخت ہے۔ اس لئے اس کو عام گناہوں سے علیحدہ مستقل طعن کی قسم بنایا گیا۔

جہالت یہ کہ کسی راوی کا نام نہ مذکور ہو جیسے کوئی یوں کہے مجھ سے ایک شخص نے حدیث بیان کی۔ اس سے طعن کی وجہ یہ ہے کہ جب راوی کا نام ہی معلوم نہیں تو یہ پتہ بھی نہ چل سکے گا کہ یہ عادل ہے یا غیر عادل۔ اسکی روایت قابل قبول ہے یا نہیں۔

ایسی حدیث کو مبہم کہتے ہیں۔ حدیث مبہم کے مقبول و غیر مقبول ہونے میں تفصیل ہے۔

اگر یہ ابہام صحابی میں ہے مثلاً تابعی نے کہا مجھ سے ایک صحابی نے حدیث بیان کی تو یہ بالاتفاق مقبول ہے۔ غیر صحابی میں اگر

ہے اور راوی کی عدالت وثقہ ہونے کی صراحت نہیں تو غیر مقبول۔ جیسے کسی نے کہا ایک شخص یا شیخ نے حدیث بیان کی۔ اور اگر صفت تعدیل و توثیق کے ساتھ ہے تو بھی عند التحقیق نامقبول۔ ہاں اگر یہ ابہام کسی مسلم الثبوت امام حاذق کا ہے تو مقبول ہے۔

بدعت سے مراد یہ ہے کہ جو بات دین میں مشہور و معروف ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثابت ہو اس کے خلاف اعتقاد رکھنا جب کہ کسی شبہ اور تاویل کی بنا پر نہ ہو۔ اور اگر یہ اعتقاد ضروریات دین کے خلاف از راہ عناد ہو تو کفر ہے۔ مبتدع، بدعتی کی روایت کے مقبول و مردود ہونے میں تفصیل ہے۔ اگر اس کی بد مذہبی حد کفر تک پہونچی ہو تو بالاتفاق مردود۔ اور اگر حد کفر تک نہیں پہونچی ہے تو اگر اس کی یہ روایت بدعت کی طرف داعی یا اس کی مروج یا مؤید ہے تو قطعاً مردود۔ اور اگر ایسی نہیں تو بھی محتاطین کا یہی طریقہ ہے کہ مبتدعین کی حدیث نہیں قبول کرتے کبھی کبھی اس خاص طریقے سے بد مذہبی داخل کر دیتے ہیں کہ اس کی تہ تک پہونچنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

ضبط سے متعلق پانچ طعن یہ ہیں۔ کثرت غلط، فرط غفلت، مخالفت ثقات، وہم، سوئے حفظ۔

کثرت غلط کے معنی ظاہر ہیں۔

فرط غفلت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے کی تلقین قبول کرے یعنی دوسرا جو بتادے کہ تو نے یہ سنا ہو گا وہی مان لے۔

مخالفت ثقات حدیث کی سند یا متن ثقہ رواۃ کے خلاف ہو۔ ایسی حدیث کو شاذ کہتے ہیں۔

وہم حدیث کے یاد ہونے کا ظن غالب نہیں پھر بھی بیان کر دیا۔ اگر راوی کی اس حرکت پر قرائن سے اطلاع ہو جائے تو وہ حدیث معلل ہے۔ یہ صنف بہت دقیق اور مشکل ہے یہاں تک کہ علما نے فرمایا دار قطنی کے بعد کوئی ان جیسا نہیں پیدا ہوا جو حدیث کے علل قادحہ کے پہچاننے کا ان جیسا ماہر ہو۔

سوء حفظ سے یہاں مراد یہ ہے کہ راوی کو نسیان کا عارضہ ہو اور اس حد تک کہ اس کی غلطی صواب پر زائد یا برابر ہو اور اگر اس کا صواب خطا سے زائد ہے تو اس کی روایت مقبول ہے۔ اس لئے کہ خطا و نسیان سے بالکلیہ کون منزہ رہا۔ حتی کہ امام بخاری و امام مسلم بھی۔ سوء حفظ کا عارضہ اگر مدۃ العمر رہا تو اس کی روایت معتبر نہیں۔ بعض محدثین نے اسے بھی شاذ مانا۔ اور اگر اخیر عمر میں اس کا یہ عارضہ کسی وجہ سے مثلاً بیماری یا کبر سنی یا ضعف بصارت یا زوال بصارت یا کتابوں کے ضائع ہونے کی وجہ سے عارض ہو گیا تو ایسی حدیث کو مختلط کہتے ہیں۔ ایسے راوی کی ایسی احادیث جو سوء حفظ عارض ہونے سے پہلے روایت کی ہیں اور یہ معلوم ہو تو مقبول ہیں۔ اور زمانہ نسیان کی معتبر نہیں۔ ہاں تعدد طرق و متابعات و شواہد سے تقویت کے بعد مقبول ہیں۔

پہلے دس وجوہ طعن ہوئے ان کی قوت و شدت کے اعتبار سے یہ ترتیب ہے کذب، تہمت کذب، کثرت غلط

فرط غفلت، فسق، وہم، مخالفت ثقات، جہالت، بدعت، سوء حفظ۔ [۱]

مزید اصطلاحات

سند واسناد طریق حدیث کو کہتے ہیں یعنی وہ راوی جنھوں نے یہ حدیث روایت کی ہے اور سند کے ذکر کو اسناد کہتے ہیں۔

مسند اس حدیث کو کہتے ہیں جو مرفوع ہو اور جس کی سند متصل ہو۔ یہی عام اصطلاح ہے۔ بعض محدثین ہر حدیث متصل کو مسند کہتے ہیں۔ اگرچہ وہ موقوف یا مقطوع ہو۔ بعض محدثین ہر حدیث مرفوع کو مسند کہتے ہیں۔ اگرچہ وہ مرسل یا منقطع یا معضل ہو۔

متن جہاں سند ختم ہوتی ہے اسے متن کہتے ہیں یعنی وہ قول یا فعل یا واقعہ جو روایت کیا گیا۔

متصل واتصال متصل وہ حدیث ہے جس کی روایت میں کوئی راوی چھوٹا نہ ہو اور یہ عمل، اتصال، ہے۔

تعلیق ومعلق ابتدائے سند سے اگر راوی ساقط ہو تو اس حدیث کو معلق کہتے ہیں خواہ تمام راوی ساقط ہوں یا ایک دو۔ اور اس فعل کو تعلیق کہتے ہیں۔

امام بخاری کے ابواب میں تعلیقات بکثرت ہیں۔ یہ سب حدیث متصل کے حکم میں ہیں۔ اس لئے کہ انھوں نے اس کا التزام کیا ہے کہ اس کتاب میں صرف احادیث صحیحہ ذکر کریں گے لیکن یہ ان کی احادیث مسندہ کے حکم میں نہیں۔ بعض تعلیقات کو انھوں نے اس کتاب میں دوسری جگہ مسند ذکر کر دی ہیں۔ وہ بہر حال احادیث مسندہ کے مرتبے میں ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ جن تعلیقات کو جزم ویقین کے کلمات کے ساتھ ذکر کیا ہے وہ اکثر صحیح ہیں۔ مثلاً یہ ذکر کیا کہ فلاں نے کہا۔ اور جنھیں شک وضعف کے کلمات سے ذکر کیا مثلاً یوں بیان کیا گیا، کہا گیا، روایت کیا گیا۔ ان کی صحت میں کلام ہے۔ اگرچہ بعض ان میں بھی صحیح ہیں۔ بایں ہمہ جب انھوں نے اپنی مجموعہ میں ذکر فرمایا تو وہ بالکل بے اصل بھی نہیں مانی جائیں گی۔ ضرور ان کے علم میں ان کی کچھ اصل ہوگی۔

تفصیل یہ ہے کہ امام بخاری کی تعلیقات کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں۔

(۱) وہ تعلیقات جنھیں خود امام بخاری نے اپنی اسی کتاب میں کسی جگہ سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ خواہ انھیں صیغۂ جزم کے ساتھ ذکر کیا ہو خواہ صیغۂ تمریض کے ساتھ۔ صیغۂ جزم کی بکثرت مثالیں ہیں۔ صیغۂ تمریض کی مثال یہ ہے کتاب الطب میں ہے

[۱] نخبۃ الفکر۔

باب الرقی بفاتحۃ الکتاب ویذکر عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم [1]

(۲) وہ تعلیقات جنہیں امام بخاری نے اپنی کتاب میں کہیں سند متصل کے ساتھ نہیں ذکر کیا۔ اور اسے صیغۂ جزم کے ساتھ ذکر کیا۔ مگر وہ کسی اور محدث کی شرط پر صحیح ہے جیسے وقالت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یذکر اللہ علی کل احیانہ [2] یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

(۳) ایسی تعلیق جو حسن ہو۔ جیسے قال بھز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ اللہ احق ان یستحی منہ من الناس کتاب الطہارت [3]

(۴) ایسی تعلیق جو ضعیف ہو۔ جیسے قال طاؤس قال معاذ بن جبل لاھل الیمن ایتونی بعرض ثیاب خمیص او لبیس فی الصدقۃ مکان الشعیر والذرۃ اھون علیکم وخیر لاصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالمدینۃ [4] اس تعلیق کی سند طاؤس تک صحیح اور متصل ہے۔ مگر طاؤس کا حضرت معاذ سے سماع ثابت نہیں۔ اس لئے معمولی ضعف کے ساتھ ضعیف ہے۔

(۵) وہ تعلیقات جنہیں صیغۂ تمریض سے ذکر کیا۔ اگر وہ کسی اور محدث کی شرط پر صحیح ہیں۔ جیسے یہ تعلیق ویذکر عن عبد اللہ بن السائب قرء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المؤمنون فی الصبح حتی اذا جاء ذکر موسیٰ وھارون او ذکر عیسیٰ اخذتہ سعلۃ [5] اس تعلیق کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے [6]

(۶) ایسی تعلیق جو حسن ہو جیسے ویذکر عن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال اذا بعت فکل واذا ابتعت فاکتل [7] اسے دار قطنی اور ابن ماجہ اور بزار نے روایت کیا۔ اور یہ حسن ہے۔

(۷) ایسی تعلیق جو معمولی ضعف سے ضعیف ہو مگر مقبول ہو۔ جیسے ویذکر عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ قضی بالدین قبل الوصیۃ [8] کتاب الوصایا۔ اسے امام ترمذی نے سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے [9]۔ مگر اس کا ایک راوی ضعیف ہے۔ مگر اہل علم کے عمل سے قوی ہو گئی۔

(۸) ایسی تعلیق جو ضعف شدید کے ساتھ ضعیف ہو۔ اور معمول بہا ہو۔ جیسے یہ تعلیق ویذکر عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رفعہ لایتطوع الامام فی مکانہ [10] کتاب الصلوٰۃ۔ اسے ابو داؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا مگر اس میں

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۔ [2] بخاری ج ۱ ص ۔ [3] بخاری ج ۱ ص ۔ [4] بخاری ج ۱ ص ۔ [5] بخاری ج ۱ ص ۔ [6] مسلم ج ۱ ص ۔ [7] بخاری ج ۱ ص ۔ [8] بخاری ج ۱ ص ۔ [9] ترمذی ج ۲ ص ۔ [10] بخاری ج ۱ ص ۔

دوہرا ضعف ہے اس کا ایک راوی، لیث ہے یہ ضعیف ہے اور اس کے شیخ الشیخ مجہول ہیں۔ مگر اس پر بھی اہل علم کا عمل ہے اس لئے یہ بھی قوی ہو گئی۔ حکم یہ ہے کہ امام وہیں نفل نہ پڑھے جہاں فرض پڑھا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ گھر آکے پڑھے اگر مسجد ہی میں پڑھنا چاہتا ہے تو دائیں بائیں ہٹ کر پڑھے۔

مرسل وارسال اگر سند میں راوی کا سقوط آخر سند سے ہو تو اسے حدیث مرسل کہتے ہیں اور اس فعل کو ارسال جیسے کوئی تابعی کہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے امام اعظم اور امام مالک کے نزدیک ثقہ کی حدیث مرسل حجت ہے۔ اس لئے کہ راوی کو اپنے شیخ کے ثقہ ہونے پر اعتماد کلی نہ ہوتا تو ارسال نہ کرتا۔

منقطع وانقطاع وہ حدیث ہے جس کے درمیان سند میں کچھ راوی چھوٹ گئے ہوں۔ خواہ ایک خواہ متعدد، مگر متعدد مسلسل نہ چھوٹے ہوں، متفرق جگہوں سے چھوٹے ہوں تو اس حدیث کو منقطع کہتے ہیں۔ اور یہ فعل انقطاع ہے۔

معضل اگر درمیان سند میں مسلسل دو راوی چھوٹے ہوں تو وہ حدیث معضل کہلاتی ہے۔

فائدہ کبھی منقطع بول کر محدثین غیر متصل مراد لیتے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے منقطع مذکورہ بالا غیر متصل کے تمام اقسام کو شامل ہوگی۔ جس میں مرسل بھی داخل ہے۔

مدلس وتدلیس تدلیس کے لغوی معنی بیچتے وقت سامان کے عیب کو چھپانا ہے اس کا مادہ دَلَس ہے جس کے معنی فریب اور دھوکہ دینے کے ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں تدلیس اسے کہتے ہیں کہ راوی نے جس سے حدیث سنی ہے اس کا نام نہ لے بلکہ اس سے اوپر کے راوی کا نام لے اور لفظ ایسا استعمال کرے جس سے سماع سمجھا جا سکتا ہو اور یہ یقین نہ ہو کہ یہ راوی جھوٹ بول رہا ہے۔ جیسے یوں کہے۔ فلاں سے روایت ہے۔ یا فلاں نے کہا۔ ایسی حدیث کو مدلس اور ایسے راوی کو مدلِّس کہتے ہیں۔ اور اس فعل کو تدلیس۔

حدیث مدلس کے مقبول و نامقبول ہونے کے سلسلے میں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جس محدث کی یہ عادت ہو کہ وہ صرف ثقات سے ہی تدلیس کرتا ہے۔ اس کی حدیث مقبول ہے۔ جیسے سفیان بن عیینہ اور اگر اس کی عادت یہ ہے کہ ثقہ و غیر ثقہ سب سے تدلیس کرتا ہے تو اس کی روایت نامقبول جب تک کہ اس کی روایت ایسے لفظ سے نہ کرے جو سماع پر قطعی دلالت کرے۔

مضطرب واضطراب اگر حدیث کے متن یا اسناد میں راویوں کا باہم، کمی یا زیادتی، تقدم و تاخر، تبدیل و تغیر یا تصحیف اختصار، حذف وغیرہ کی وجہ سے اختلاف ہو جائے تو یہ حدیث مضطرب کہلاتی ہے۔ اور یہ فعل اضطراب کہلاتا ہے۔

حدیث مضطرب کے اختلاف میں تطبیق ممکن ہو تو وہ مقبول ہے۔ ورنہ اس کے بارے میں توقف کیا جائے گا۔

مُدرَج اگر راوی متن میں اپنا یا کسی اور کا مثلاً صحابی یا تابعی کا کوئی کلام کسی فائدہ کے لئے ذکر کر دے مثلاً لفظ کا معنی

بیان کرنے یا تفسیر کرنے یا مطلق کو مقید کرنے کے لئے ہو تو یہ حدیث مدرج ہے اور یہ فعل ادراج ۔

معنعن: وہ حدیث ہے جس کی سند لفظ عن فلان عن فلان سے ذکر کی جائے ۔ اور اس فعل کو "عنعنہ" کہتے ہیں ۔ مدلس کی حدیث معنعن مقبول نہیں ۔ مگر جب کہ یہ معلوم ہو کہ یہ صرف ثقات ہی سے تدلیس کرتا ہے ۔

حدیث معنعن کے مقبول ہونے کے لئے امام بخاری نے یہ شرط کی ہے کہ تلمیذ و شیخ دونوں کی ملاقات کا ثبوت کسی اور طریقے سے ہو ۔ کچھ لوگوں نے ملاقات کے علاوہ یہ بھی شرط کی ہے کہ یہ بھی ثابت ہو کہ راوی نے اس شیخ سے حدیث اخذ کی ہے ۔ مگر امام مسلم نے ان دونوں سے اختلاف کیا اور مقدمہ مسلم میں دلائل سے ثابت کیا کہ نہ اخذ کے ثبوت کی ضرورت ہے نہ لقاء کی ۔ صرف معاصرت کافی ہے ۔ اس لئے کہ جب معاصرت ثابت ہے اور راوی ثقہ غیر مدلس ہے ۔ اور یہ کہہ دیا ہے کہ فلاں سے روایت ہے تو یہ لقاء اور اخذ دونوں کا ثبوت ہے ۔

شاذ و محفوظ: کوئی ثقہ ثقات کے خلاف روایت کرے ۔ اگر ان میں سے کسی کو ترجیح دی گئی ہو تو راجح کو محفوظ ، اور مرجوح کو شاذ کہتے ہیں ۔

منکر و معروف: اگر کوئی ضعیف راوی اپنے سے بھی اضعف کے خلاف روایت کرے تو اضعف کی روایت منکر ، اور ضعیف کی روایت کو معروف کہتے ہیں ۔

بعض محدثین نے شاذ و منکر میں دوسرے راوی کی مخالفت کی قید نہیں لگائی ۔ بلکہ یہ کہا کہ شاذ وہ حدیث ہے جس کو تنہا کوئی ثقہ روایت کرے ۔ اور اس کے موافق یا معاضد کوئی روایت نہ ہو ۔ بعض نے ثقہ کی بھی قید نہیں لگائی مطلقاً تفرد کی بناء پر شاذ کا حکم لگایا ۔ اسی طرح منکر میں بھی مخالفت کی قید بعض حضرات کے یہاں معتبر نہیں ۔ حدیث میں اگر فسق یا فرط غفلت و کثرت غلط کی وجہ سے طعن ہو تو اسے بھی منکر کہتے ہیں ۔

معلل: جس کی اسناد میں کچھ خفی ، دقیق ایسے عیوب ہوں جو اس کی صحت میں خلل انداز ہوں ۔ جن پر کوئی بہت ہی متبحر ، ماہر حاذق ، ناقد محدث ہی مطلع ہوتا ہے ۔ جیسے سند متصل بیان ہوئی مگر حقیقت میں وہ منقطع ہے ۔ حدیث کو مرفوع بنا دیا گیا مگر وہ حقیقت میں موقوف ہے ۔

متابعت: دو یا چند راویوں کا کسی حدیث کو ایک دوسرے کے موافق ذکر کرنا ان میں اصل کو متابَع اور دوسری کو متابِع کہتے ہیں ۔ اصل سے مراد یہ ہے کہ مثلاً کسی محدث نے کوئی حدیث ذکر کی پھر کہا اس کی متابعت فلاں نے کی ۔ تو اول متابَع اور ثانی متابِع کہلاتی ہے ۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی محدث اس کے برعکس ذکر کرے ۔ مثلاً بعد والی کو پہلے ذکر کر کے ثانی کے بارے میں کہے تابعہ فلان ۔ اب متابِع متابَع اور متابَع متابِع کہلائے گی ۔ متابعت کی دو قسمیں ہیں ۔ تام ، ناقص ۔ متابعت تام

یہ ہے کہ راوی کے شیخ ہی سے متابعت ہو یعنی اول سند سے۔ ناقصہ یہ ہے کہ اپنے شیخ سے اوپر کسی سے ہو۔

مثلہ ونحوہ اگر متابعت لفظ و معنی دونوں میں ہو تو اس کو مثلہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اگر صرف معنی میں ہو تو نحوہ سے

شاہد اگر اتفاق روایت صرف ایک صحابی پر ہو تو متابعت اور اگر دو یا زیادہ پر ہو تو اسے شاہد کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ اگر صرف معنی میں موافقت ہو تو شاہد ہے۔ اور لفظ و معنی دونوں میں ہو تو متابعت ہے خواہ ایک صحابی سے ہو خواہ متعدد صحابی سے۔ کبھی شاہد و متابع کو ایک دوسرے کے معنی میں بھی استعمال کر دیتے ہیں۔

اعتبار متابع اور شاہد کی معرفت کے لئے حدیث کی مختلف سندوں کے تتبع اور تلاش کو اعتبار کہتے ہیں۔

الفاظ روایت سندوں کے ذکر میں مختلف الفاظ ذکر کئے جاتے ہیں مثلاً قال۔ اَخبرَ۔ انبأ۔ حدّث۔ سمعتُ۔ سُئِلَ۔ سَمِعتُ وغیرہ۔

امام بخاری کا مسلک یہ ہے کہ قال، سمع، اخبر، حدّث، انبأنا وغیرہ سب ہم معنی ہیں۔ اور یہی مذہب امام زہری امام مالک اور امام ابن عیینہ و یحییٰ القطان اور اکثر اہل حجاز و اہل کوفہ اور حضرت امام اعظم کا ہے۔ ابن حاجب نے اپنی مختصر میں اس کو ترجیح دی۔ امام حاکم نے فرمایا کہ یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے۔ مگر امام مسلم اور ترمذی وغیرہ کے یہاں تفریق ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر شیخ قراءت کرے اور تلمیذ سنے تو اسے حدّث سے بیان کیا جاتا ہے۔ اور اگر تلمیذ قراءت کرے اور شیخ سنے تو اسے اخبر یا انبأ سے بیان کیا جاتا ہے اور یہی امام ابن جریج اور امام اوزاعی اور امام شافعی اور ابن وہب اور جمہور اہل مشرق کا مسلک ہے۔ امام بخاری نے اس مسئلے میں کتاب العلم میں مستقل ابواب باندھے ہیں۔ ان کی شرح میں اس پر تفصیلی گفتگو ہوگی۔

ہم نے ان مصطلحات کو اس لئے لکھ دیا ہے کہ شرح میں یہ بار بار آئیں گے ناظرین کو سمجھنے میں الجھن نہ ہو۔ علاوہ ازیں اردو میں صحیح، غلط کا مقابل ہے۔ اس لئے اگر کسی حدیث کے بارے میں محدثین نے یہ لکھا ہے کہ یہ صحیح نہیں تو آج کل کے گمراہ فرقے ناواقف عوام کو فریب دینے کے لئے یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث غلط ہے یعنی موضوع یا باطل ہے بے اصل ہے۔ ناظرین محدثین کی اصطلاح میں ایک نظر ڈال لیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ محدثین کی زبان میں صحیح غلط کا مقابل نہیں۔ بلکہ ان کی ایک خاص اصطلاح ہے کہ وہ صحیح اس حدیث کو کہتے ہیں جو اپنے تمام اوصاف کمال میں اعلیٰ درجے پر فائز ہو۔ اس کے مقابل سات اقسام اور ہیں۔ اس لئے محدثین کے اس فرمانے کا کہ، یہ حدیث صحیح نہیں، یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ موضوع یا باطل یا بے اصل ہے۔ بلکہ ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ حدیث کی سب سے اعلیٰ قسم صحیح لذاتہ نہیں۔ ہو سکتا ہے صحیح لغیرہ ہو حسن لذاتہ ہو حسن لغیرہ ہو۔ جس کی صدہا نظیریں موجود ہیں۔ جو اس کی پوری تحقیق و تفصیل دیکھنا چاہے وہ اعلیٰ حضرت امام

احمد رضا قدس سرہ کے رسالہ منیر العین کا مطالعہ کرے جو فتاوی رضویہ جلد دوم میں چھپ چکا ہے۔

محدثین کبھی فرماتے ہیں صحیح نہیں۔ اور وہ حسن لذاتہ ہوتی ہے۔ کبھی فرماتے ہیں صحیح نہیں۔ اور وہ حدیث صحیح لغیرہ ہوتی ہے۔ کبھی فرماتے ہیں صحیح نہیں اور وہ حدیث حسن لغیرہ ہوتی ہے۔ اس لئے کسی حدیث کے بارے میں محدثین کے اس فرمانے سے کہ صحیح نہیں اس کے باطل موضوع ہونے پر دلیل لانا جہالت ہے۔

یہاں ایک اور نکتہ قابل لحاظ ہے کہ محدثین کا کسی حدیث پر جرح صرف اس سند کے ساتھ خاص ہوتی ہے جس پر جرح کی گئی ہے۔ ایسا بہت ہے کہ کسی حدیث پر اس کی ایک سند کے لحاظ سے ضعیف بلکہ موضوع تک ہونے کا حکم لگا دیا گیا۔ مگر دوسری سند سے وہ ثابت ہے۔ جیسے میزان الاعتدال میں ہے کہ امام احمد بن حنبل نے حدیث طلب العلم فریضۃ کو کہا یہ کذب ہے۔ مگر علامہ ذہبی نے فرمایا یہ حکم اس مخصوص سند کے اعتبار سے ہے جس میں ابراہیم بن موسی المروزی ہے۔ ورنہ یہ حدیث دوسرے طرق سے ثابت ہے اگرچہ وہ سب ضعیف ہیں۔

حدیث الصلاۃ بالسواک خیر من سبعین صلوۃ کو علامہ ابن عبد البر نے تمہید میں باطل کہا۔ علامہ سخاوی نے فرمایا یہ حکم اس سند کے لحاظ سے ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں۔

ان روایات الضعیف یکون فیہ الصحیح والضعیف والباطل فیکتبونہا ثم یمیز اہل الحفظ والاتقان بعض ذلک من بعض وذلک سہل علیہم معروف عندہم ولہذا احتج سفیان الثوری رحمہ اللہ لما نہی عن الرواية عن الکلبی فقیل لہ انت تروی عنہ فقال انا اعرف صدقہ من کذبہ (شرح مسلم ص ۱۲)

ضعیف راوی کی روایتوں میں صحیح بھی ہوتی ہیں اور ضعیف اور باطل بھی۔ محدثین ان سب کو لکھتے ہیں۔ پھر اہل حفظ و اتقان ان کو ایک دوسرے سے الگ کر دیتے ہیں۔ یہ ان کے لئے آسان ہے۔ اور ان کے نزدیک روز مرہ کا کام ہے اسی دلیل سے سفیان ثوری نے احتجاج کیا، جب ان سے کلبی کی روایت قبول کرنے سے منع کیا گیا اور کہا گیا آپ اس سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا۔ میں اس کے سچ کو جھوٹ سے امتیاز کر لیتا ہوں۔

احادیث سے استدلال کی کیفیت

جن چیزوں کا اثبات مقصود ہوتا ہے وہ چار قسم کی ہیں۔

(۱) عقائد قطعیہ۔ جیسے توحید، رسالت، قرآن کا کتاب اللہ ہونا۔ ان کا اثبات صرف حدیث متواتر سے ہوگا خواہ اس کا تواتر لفظی ہو خواہ معنوی۔

(۲) **عقائد ظنیہ** :- جیسے قبر کے احوال، میزان اعمال وغیرہ۔ ان کا اثبات خبر واحد سے بھی ہوتا ہے۔

(۳) **احکام** :- ان کے اثبات کے لئے حدیث صحیح یا کم از کم حسن لغیرہ ہونی لازم ہے۔ احادیث ضعاف ان تینوں اقسام میں ناکافی ہیں۔

(۴) **فضائل و مناقب** :- خواہ فضائل اعمال ہوں خواہ فضائل اشخاص ان سب میں علما ضعیف حدیث بالاتفاق معتبر مانتے ہیں۔

امام شیخ الاسلام ابو زکریا نفعنا اللہ تعالیٰ ببرکاتہ۔ کتاب الاذکار المنتخب من کلام سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں فرماتے ہیں۔

قال العلماء من المحدثین والفقہاء وغیرہم یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعا۔

علمائے محدثین و فقہاء وغیرہم نے فرمایا فضائل اعمال ترغیب و ترہیب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا مستحب ہے اگر وہ موضوع نہ ہوں۔

بلکہ کبھی مقام احتیاط میں احادیث ضعاف احکام میں بھی بطور سند کام آتی ہیں۔ یہی امام نووی اذکار میں بعد عبارت مذکورہ کے ارشاد فرماتے ہیں۔

واما الاحکام کالحلال والحرام والبیع والنکاح والطلاق و غیرہ ذلک فلا یعمل فیہا الا بالحدیث الصحیح او الحسن الا ان یکون فی احتیاط فی شئ من ذلک کما اذا ورد حدیث ضعیف بکراھۃ بعض البیوع او الانکحۃ فان المستحب ان یتنزہ عنہ ولکن لا یجب۔ (الاذکار ص ۷)

کہ حلال و حرام بیع نکاح طلاق وغیرہا احکام کے بارے میں صرف حدیث صحیح یا حسن ہی پر عمل کیا جائے گا مگر یہ کہ ان مواقع میں کسی احتیاطی بات میں ہو جیسے کسی بیع یا نکاح کی کراہت میں حدیث ضعیف آئے تو مستحب ہے کہ اس سے بچیں ہاں واجب نہیں۔

رہ گئی حدیث موضوع یہ کسی باب میں کسی کام کی نہیں۔ حتیٰ کہ علم کے بعد اس کی موضوعیت ظاہر کئے بغیر اس کا بیان کرنا بھی جائز نہیں۔

ضعاف کی تقویت کے طرق

اوپر مذکور ہوا کہ حدیث ضعیف کبھی حسن لغیرہ بلکہ صحیح لغیرہ بھی ہو جاتی ہے تو ضروری معلوم ہوا کہ ایک مختصر سا خاکہ اس کا

بھی پیش کر دیا جائے۔

① تعدد طرق :- جب کوئی حدیث ضعیف اگر متعدد سندوں سے مروی ہو تو وہ کبھی حسن لغیرہ اور کبھی صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے اگرچہ وہ طرق ضعاف ہوں۔

امام عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ النورانی میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں۔

قد احتج جمہور المحدثین بالحدیث الضعیف اذا کثرت طرقہ والحقوہ بالصحیح تارۃ وبالحسن اخریٰ۔

حدیث ضعیف جب متعدد طریقوں سے مروی ہو تو جمہور محدثین اسے لائق استدلال جانتے ہیں اور اسے کبھی صحیح کے ساتھ اور کبھی حسن کے ساتھ لاحق کر دیتے ہیں۔

حصول قوت کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ طرق بہت کثیر ہوں۔ صرف دو بھی مل کر قوی ہو جاتے ہیں۔ تیسیر میں ہے

ضعیف بضعف عمرو بن الواقد لکنہ یتقوی بوروده من طریقین۔

عمرو بن واقد کی وجہ سے ضعیف ہے۔ لیکن دو طریقوں سے آنے کی وجہ سے قوت پا گئی۔

② کسی حدیث ضعیف پر اہل علم کے عمل کرنے سے بھی وہ حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ امام ترمذی نے جگہ جگہ حدیث پر کلام کرنے کے بعد فرمایا۔ والعمل علی ھذا عند اھل العلم۔ ایک جگہ اس کے تحت ملا علی قاری نے لکھا۔

قال النووی واسنادہ ضعیف نقلہ میرک فکان الترمذی یرید تقویۃ الحدیث بعمل اھل العلم۔ لہ

علامہ نووی نے فرمایا اس کی سند ضعیف ہے۔ اس کو میرک نے نقل کیا۔ اس قول سے امام ترمذی کی مراد یہ ہے کہ اہل علم کے عمل سے حدیث ضعیف قوی ہو جاتی ہے۔

③ مجتہد کے استدلال سے بھی حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ علامہ محمد امین بن عابدین شامی نے لکھا۔

ان المجتہد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا لہ کما فی التحریر وغیرہ (رد المحتار)

کسی حدیث سے کسی مجتہد کا استدلال اس کے صحت کی دلیل ہے جیسا کہ تحریر وغیرہ میں ہے۔

④ صالحین کے عمل سے بھی حدیث کو قوت مل جاتی ہے۔ صلوٰۃ التسبیح جس روایت سے ثابت ہے وہ ضعیف ہے۔ امام حاکم اور بیہقی نے اس کے قوی ہونے کی علت حضرت عبد اللہ بن مبارک تلمیذ امام اعظم کے عمل کو بتایا۔ ملا عبد الحی لکھنوی لکھتے ہیں

قال البیہقی کان عبد اللہ بن مبارک یصلیہا

امام بیہقی نے کہا عبد اللہ بن مبارک صلاۃ تسبیح پڑھا کرتے تھے۔

لہ مرقاۃ ج ۲ ص ۴۴

وتداولھا الصالحون بعضھم عن بعض وفی ذلك تقویۃ للحدیث المرفوع (الآثار المرفوعہ ص۳۳)

اور بعد کے صلحا اس کو ایک دوسرے سے اخذ کر کے پڑھتے تھے۔ اس وجہ سے اس حدیث مرفوع کو قوت مل گئی۔

(۵) کبھی تجربہ اور کشف سے بھی حدیث کو قوت مل جاتی ہے۔ حضرت ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ اور شرح شفا میں تحریر کرتے ہیں۔

سید المکاشفین حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے فرمایا مجھے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث پہنچی کہ جو لا الہ الا اللہ ستر ہزار بار کہے اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ اور جس کے لئے پڑھا جائے اس کی بھی مغفرت ہو جائے گی۔ میں نے یہ کلمہ طیبہ ستر ہزار بار پڑھا تھا مگر کسی خاص شخص کی نیت نہیں کی تھی۔ ایک دعوت میں گیا۔ اس میں ایک جوان بھی تھا جو کشف میں مشہور تھا۔ یہ جوان کھانا کھاتے کھاتے رونے لگا۔ میں نے سبب پوچھا تو بتایا کہ میں اپنے والدین کو عذاب میں دیکھ رہا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں اس کلمے کا ثواب اس کے والدین کو بخش دیا۔ فوراً وہ جوان ہنسنے لگا اور کہا اب میں اپنی ماں کو اچھی حالت میں دیکھتا ہوں۔

امام محی الدین ابن عربی نے فرمایا۔

عرفت صحۃ الحدیث بصحۃ کشفہ وصحۃ کشفہ بصحۃ الحدیث

میں نے اس حدیث کی صحت اس جوان کے کشف سے اور اس کے کشف کی صحت اس حدیث سے جانی۔

علامہ شہاب الدین خفاجی، نسیم الریاض شرح شفا میں اور علامہ سید احمد طحطاوی، حاشیہ در مختار میں نقل فرماتے ہیں۔ کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ بدھ کے دن ناخن ترشوانے سے برص ہو جاتی ہے۔ علامہ ابن الحاج صاحب مدخل نے اس خیال سے کہ یہ حدیث ثابت نہیں بدھ کے دن ناخن ترشوایا انھیں برص ہو گیا۔ خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور ابن الحاج سے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا تھا؟ کہ میں نے اس سے منع فرمایا ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ! وہ حدیث میرے نزدیک ثابت نہیں۔ فرمایا اتنا کافی تھا کہ وہ حدیث میرے نام سے تمھارے کان تک پہنچی۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کے بدن پر پھیرا فوراً اچھے ہو گئے اسی وقت توبہ کی کہ اب کبھی حدیث سن کر مخالفت نہ کروں گا۔ اسی قسم کا واقعہ بدھ کے دن پچھنا لگوانے کے بارے میں محدثین آیا ہے۔ مسند الفردوس و ابن عساکر۔

البتہ اگر حدیث موضوع ہے کتنے ہی طرق سے مروی ہو اگر سب پر موضوع ہی ہو تو وہ جوں کی توں ناقابل اعتبار رہیگی۔ اس لئے کہ جھوٹ سے جھوٹ کی تقویت نہیں ہو سکتی۔ علاوہ ازیں حدیث موضوع معدوم ہے۔ اور معدوم بحت محض کو کوئی بھی قوی نہیں کر سکتا۔

کتب حدیث کے طبقات

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتب حدیث کے چار طبقات قائم کئے ہیں

طبقۂ اولیٰ: وہ کتابیں جو سب سے زیادہ صحیح و مشہور و مقبول ہوں۔ جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطا امام مالک۔

طبقۂ ثانیہ: وہ کتابیں جو قریب قریب پہلے طبقے کے صحیح و مشہور و مقبول ہوں۔ مگر ان میں ضعیف احادیث کا تناسب پہلے طبقے سے زیادہ ہو۔ جیسے جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی۔

طبقۂ ثالثہ: امام بخاری اور امام مسلم سے پہلے کے یا ان کے معاصر یا قریب قریب معاصر ایسے محدثین کی کتابیں جو سلم الثبوت ماہر ہیں۔ مگر ان کی کتابوں میں طبقۂ ثانیہ کے اعتبار سے بھی ضعیف احادیث زیادہ ہیں۔ بلکہ ان میں ایسی احادیث بھی ہیں جنہیں موضوع تک کہا گیا ہے۔ جیسے مسند امام شافعی، سنن ابن ماجہ، مُصَنَّف عبد الرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، سنن دارمی، سنن دار قطنی، سنن بیہقی، طبرانی، ابو داؤد طیالسی کی مُصنَّفات۔

طبقۂ رابعہ: امام بخاری و مسلم سے متاخر محدثین کی کتابیں۔ جن میں مذکورہ احادیث کا قرون سابقہ میں ثبوت نہیں نہیں ملتا۔ جیسے دیلمی، ابو نعیم اور ابن عساکر و حاکم کی تصانیف۔ ان احادیث کا قرون سابقہ میں ثبوت نہ ملنے کا سبب دو وجہ سے یا تو قدما کو یہ احادیث نہیں ملیں۔ یا انھوں نے کسی علت قادحہ کی بنا پر ان احادیث کو لیا ہی نہیں۔

کتب احادیث کے ان طبقات کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے طبقات کی خصوصاً طبقۂ رابعہ کی احادیث باطل نامقبول ہیں بلکہ اس کا ماحصل صرف کتب احادیث کا ایک اجمالی تعارف ہے۔ ورنہ طبقۂ رابعہ تک کی کتابوں میں حسن بلکہ صحیح احادیث بھی بکثرت موجود ہیں۔ خود شاہ ولی اللہ نے امام حاکم کی مستدرک کو طبقۂ رابعہ میں داخل مانا حالانکہ اس کی اکثر احادیث اعلیٰ درجے کی صحیح و حسن ہیں بلکہ اس میں معتدبہا احادیث شیخین امام بخاری و مسلم کی شرط پر ہیں۔ خود انھیں شاہ ولی اللہ نے بستان المحدثین میں امام ذہبی سے نقل کیا۔

مستدرک میں بہت کافی احادیث ان دونوں بزرگ یعنی بخاری و مسلم دونوں کی یا ان میں سے کسی ایک کی شرط پر ہیں۔ بلکہ آدھی کے قریب ایسی ہی احادیث ہیں۔ اور چوتھائی احادیث ایسی ہیں کہ بظاہر صحیح الاسناد ہیں لیکن ان دونوں کی شرط پر نہیں۔ باقی چوتھائی واہیات و مناکیر بلکہ کچھ موضوعات بھی ہیں۔

شاہ صاحب نے بستان میں رُبع کتاب کے بارے بظاہر صحیح الاسناد لکھا۔ مگر علامہ سیوطی نے تدریب میں امام ذہبی کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

فیہ جملۃ وافرۃ علی شرطہما وجملۃ کثیرۃ علی شرط احدہما لعل مجموع ذلک نحو نصف الکتاب وفیہ نحو الربع مما صح سندہ وفیہ بعض الشئ اولہ علۃ وما بقی وھو نحو الربع فہو مناکیر وواھیات لا یصح وفی بعض ذلک موضوعات[1]

حاکم کی مستدرک کی احادیث بہت زیادہ شیخین کی شرط پر یا بہت سی ان دونوں میں سے کسی ایک کی شرط پر ہیں۔ چوتھائی کے قریب وہ ہیں جن کی سند صحیح ہے ان میں کچھ قدح یا علت ہے اور باقی چوتھائی مناکیر واہیات ہیں۔ ان میں موضوع بھی ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حاکم کی مستدرک میں تین چوتھائی کے قریب صحیح احادیث ہیں۔ اس لئے ان طبقات کی تقسیم کا مطلب یہ لینا کہ بعد کے طبقات کی کل احادیث ناقابل قبول ہیں۔ کسی طرح صحیح نہیں۔ یہ بات ضرور اپنی جگہ درست ہے کہ طبقۂ رابعہ ثالثہ بلکہ عند التحقیق طبقۂ ثانیہ تک میں ہر قسم کی احادیث کا اختلاط ہے۔ یہ شخص صحیح حسن کو ضعیف سے پرکھ نہیں سکتا اس لئے ان کتابوں کے بارے میں ماہر ناقدین کی رائے معلوم ہونے کے بعد ہی اعتماد چاہئے۔ یہ حکم صرف طبقۂ رابعہ ہی کا نہیں بلکہ طبقۂ ثالثہ بلکہ طبقۂ ثانیہ کیلئے بھی ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس موضوع پر ایک بہت مفید وجامع وکامل رسالہ لکھا ہے۔ جس کا نام مدارج طبقات الحدیث ہے۔ اس میں ثابت فرمایا کہ شاہ ولی اللہ کی یہ طبقات اربعہ کی تحدید نہ جامع ہے نہ مانع نہ ناقد کو مفید نہ مقلد کو۔

فائدہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ احادیث صحاح کا انحصار صرف صحاح ستہ میں نہیں۔ اور نہ احادیث کا حصر کتب مصنفہ میں صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں بھی صحیح احادیث ہیں۔ اس کا بھی امکان ہے کہ بہت سی صحیح احادیث تدوین سے رہ گئی ہوں۔ امام بخاری کو چھ لاکھ احادیث یاد تھیں۔ مگر ان کی جامع صحیح میں بمشکل چار ہزار ہوں گی اور احادیث کیا ہوئیں؟ اس پر دوسرے محدثین کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ کسی محدث نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ میں نے تمام احادیث کو کسی کتاب میں جمع کردی ہیں۔ اور نہ کسی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اسے تمام احادیث بالاستیعاب یاد ہیں۔ اس لئے بہرحال اس کا امکان قوی ہے کہ حضرات محدثین کی ہزار کوششوں کے باوجود لاکھوں احادیث تدوین سے رہ گئی ہوں۔

اقسام کتب

کتب حدیث کتب حدیث کی تدوین کی نوعیت کے اعتبار سے پچیس قسمیں ہیں۔ جامع، سنن، مسند، معجم، جزء، مفرد،

---

[1] تدریب الراوی ص۵۲، [2] مقدمہ فتح الباری ص۸،

غریبہ۔ مستدرک۔ مستخرج۔ رسالہ۔ اربعین۔ امالی۔ اطراف۔

جامع وہ کتاب ہے جس میں یہ آٹھ مضامین ہوں۔ عقائد۔ احکام۔ تفسیر۔ سیر و مغازی۔ آداب۔ مناقب۔ فتن۔ اشراط و علامات قیامت۔ جیسے بخاری و ترمذی۔ مسلم شریف میں اگرچہ یہ آٹھوں باتیں ہیں مگر تفسیر برائے نام ہے اس لئے یہ جامع نہیں سنن میں داخل ہے۔

سنن جس میں ابواب فقہ کی ترتیب سے احکام سے متعلق احادیث ہوں۔ جیسے سنن ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔

مسند جس کی ترتیب صحابہ کرام کے مراتب کے اعتبار سے ہو۔ جیسے مسند امام احمد بن حنبل۔

معجم جس کی ترتیب میں اساتذہ کے مراتب کا لحاظ ہو۔

جزء جس میں کسی ایک مسئلے سے متعلق احادیث مذکور ہوں۔ جیسے جزء القراءۃ

مفرد جس میں صرف ایک شیخ کی مرویات جمع ہوں۔

غریبہ جس میں صرف ایک تلمیذ کے مفردات مذکور ہوں۔

مستدرک وہ کتاب جس میں ان احادیث کو درج کیا جائے جو کسی مصنف سے رہ گئی ہوں جیسے حاکم کی مستدرک علی الشیخین

مستخرج وہ کتاب جس میں کسی اور کتاب کی احادیث کے ثبوت کے لئے اس کتاب کے مصنف کے شیخ یا شیخ الشیخ کی دوسری سندوں کو ذکر کیا جائے جیسے مستخرج ابی نعیم علی البخاری۔

رسالہ جس میں جامع کے آٹھوں عنوانوں میں سے مخصوص عنوانوں سے متعلق احادیث مذکور ہوں۔ جیسے امام احمد کی کتاب الزہد والادب۔

اربعین جس کتاب میں چالیس احادیث ہوں۔ جیسے اربعین نووی۔

امالی جس میں کسی شیخ کی لکھائی ہوئی احادیث یا فوائد حدیث ہوں جیسے امالی امام محمد۔

اطراف وہ کتاب جس میں حدیث کا کوئی ایسا جزء ذکر کیا جائے جو بقیہ حدیث پر دلالت کرتا ہو پھر اس حدیث کے تمام سندوں کو ذکر کر دیا جائے یا اس میں کچھ مخصوص کتابوں کی سندیں ذکر کی جائیں جیسے اطراف الکتب الستۃ لابی العباس اور اطراف المزی۔

کتب احادیث

محدثین نے سیکڑوں کتابیں لکھیں ان میں کچھ ناپید ہو گئیں اور کچھ گمنامی میں رہیں۔ علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں جن کتابوں سے

سے زائد کتب احادیث کی نشاندہی کی ہے۔ ان میں سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت ان چھ کتابوں کو حاصل ہوئی جامع صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ،

ان کو صحاح ستہ بھی کہتے ہیں۔ ان پر صحاح ستہ کا اطلاق عام عرف کی بنا پر ہے۔ بعض محدثین نے ابن ماجہ کے بجائے موطا امام مالک کو صحاح ستہ میں داخل مانا۔ صاحب جامع الاصول نے اسی کو اختیار کیا۔ بعض محدثین نے فرمایا کہ زیادہ لائق اور مناسب یہ ہے کہ دارمی کو صحاح ستہ میں داخل کیا جائے۔ اس لئے کہ اس کے رواۃ کم ضعیف ہیں اور اس میں احادیث منکرہ اور شاذہ بہت کم ہیں۔ اس کی سند عالی ہے۔ اس کی ثلاثیات بخاری سے زائد ہیں۔ صحاح ستہ کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ ان میں ضعیف بلکہ موضوع بھی ہیں۔ ان کو صحاح اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں بہ نسبت دیگر کتابوں کے ضعیف احادیث کم ہیں۔ ان کی اکثر غالب صحیح ہیں۔

صحیح بخاری

ان سب میں جس کو سب پر صحت و قوت کے اعتبار سے فوقیت ہے وہ جامع صحیح بخاری ہے۔ یہی اکثر محدثین کی رائے ہے۔ حتی کہ یہ مقولہ تقریباً متفق علیہ ہے۔ اصح الکتب بعد کتاب اللہ الصحیح البخاری۔ البتہ بعض مغاربہ صحیح مسلم کو بخاری پر فوقیت دیتے ہیں۔ حافظ ابو علی نیشاپوری نے کہا کہ صحیح مسلم سے بڑھ کر آسمان کے نیچے کوئی کتاب نہیں۔ اور بعض ان دونوں کو ایک درجے میں رکھتے ہیں۔ مگر صحیح یہی ہے کہ بخاری کو تمام کتب حدیث پر صحت و قوت میں ترجیح ہے رہ گئی صحیح مسلم تو اس کی فوقیت حسن بیان، جودت وضع، خوبی ترتیب اور اسناد میں دقیق اشارات اور بہترین نکات کی رعایت میں ہے۔

موازنہ باعتبار صحت کے بخاری، صحیح مسلم پر بدرجہا فائق ہے۔ اس لئے کہ حدیث کے صحیح ہونے کا مدار اتصال سند، اتقان رواۃ عدم شذوذ و نکارت و دیگر علل و سقم سے خالی ہونے پر ہے۔ اور اس بنا پر صحیح بخاری، صحیح مسلم سے بہت آگے ہے۔

اتصال سند کی قوت دونوں کی شرائط سے ظاہر ہے۔ امام بخاری معاصرت کے ساتھ لقا بھی شرط کرتے ہیں۔ اور امام مسلم صرف معاصرت۔ اگرچہ صرف معاصرت اتصال کے لئے کافی ہے مگر لقا سے جو قوت زائد ہوگی وہ کسی پر مخفی نہیں۔

اتقان رجال کی بات یہ ہے کہ اولاً امام بخاری طبقۂ ثانیہ یعنی ان تلامذہ سے جو شیخ کی خدمت میں کم رہے بہت کم روایت کرتے ہیں وہ بھی چن چن کر۔ اور امام مسلم طبقۂ ثانیہ کی روایت بلا جھجک لاتے ہیں ثانیاً وہ رواۃ جن سے صرف امام بخاری روایت کرتے ہیں وہ چھ سو چھبیس ہیں۔ ان میں صرف اسّی ضعیف ہیں۔ اور جن سے صرف امام مسلم روایت کرتے ہیں وہ چھ سو چھبیس ہیں۔ جن میں ایک سو ساٹھ ضعیف ہیں۔ ثالثاً امام بخاری کے جو راوی ضعیف ہیں وہ ان کے براہ راست اساتذہ

جن کے حالات کو وہ خود جانتے ہیں۔ انکو اچھی طرح پرکھ سکتے ہیں۔ برخلاف امام مسلم کے، کہ ان کے جن راویوں پر حکم ضعف ہے وہ بالواسطہ شیخ ہیں۔ یہ خود ان کو اچھی طرح پرکھ نہیں سکتے تھے۔ دوسرا مجروح راویوں سے امام بخاری نے بہت کم روایت کی ہے امام مسلم نے بہت زیادہ کی ہے۔

عدم شذوذ و عدم علل قادحہ کی جہاں تک بات ہے تو اس سلسلے میں جو اعداد شمار ہیں وہ یہ ہیں بخاری کی صرف اسی احادیث میں یہ نقص نکالا گیا ہے۔ اور مسلم کی ایک سو بیس ہیں۔ اس لحاظ سے بھی صحیح بخاری صحیح مسلم پر فوقیت رکھتی ہے یہ بات صرف موازنہ کی حد تک ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں اپنی نظیر آپ ہیں۔

امام بخاری

ولادت امام بخاری کی ولادت ماوراء النہر کے مشہور شہر بخارا میں ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو بروز جمعہ مبارکہ بعد عصر ہوئی۔ اس وقت سلاطین عباسیہ کی سطوت و شوکت کا سکہ چار دانگ عالم میں بیٹھا ہوا تھا۔ پورا ماوراء النہر مشمول بخارا انھیں کے زیرنگیں تھا بخارا میں ان کی طرف سے والی رہتا تھا۔ یہ عہد ہارون الرشید کے بیٹے امین کا تھا۔

نام و نسب امام بخاری کا نام محمد تھا اور کنیت ابو عبد اللہ، امیر المومنین فی الحدیث، ناصر الاحادیث النبویہ، ناشر المواریث المحمدیہ القاب ہیں۔ مگر ان سب پر بخاری ایسا غالب آیا کہ سب القاب پیچھے رہ گئے۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ ہے۔ بردزبہ کے معنی کاشتکار کے ہیں۔ یہ مجوسی تھا اور مجوسیت ہی پر مرا۔ امام بخاری کے پردادا مغیرہ اس وقت کے والی بخارا یمان جعفی کے ہاتھ پر شرف باسلام ہوئے اور ان کے ساتھ عقد موالات کر لیا جو احناف کے مذہب میں موجب توریث ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے ولاء لحمة كلحمة النسب۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے میں نے پوچھا اگر کوئی مشرک کسی مسلمان کے ہاتھ پر ایمان لائے تو سنت کیا ہے فرمایا۔ هو اولى الناس بمحياه ومماته۔ وہ اس کی موت اور زندگی کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔[1] اسی وجہ سے امام بخاری کو بھی جعفی کہا جاتا ہے۔ یہ یمان امام بخاری کے شیخ عبد اللہ مسندی کے پردادا ہیں۔

بردزبہ کے والد کے نام میں اختلاف ہے کسی نے بذذبہ، کسی نے احنف کہا۔ کسی نے کچھ اور نام بتایا ہے

والد ماجد امام بخاری کے والد ماجد بڑے ممتاز بزرگ اور متبحر عالم تھے۔ امام بخاری کے شیخ الشیخ امام عبد اللہ بن مبارک

[1] سنن دارمی، ابن ماجہ، دارمی، مشکوٰۃ ص ۲۶۳۔ طبقات کبریٰ جلد ۲

تلمیذ امام اعظم ابو حنیفہ کی صحبت میں رہتے تھے صاحب روایت محدث تھے۔ عبد اللہ بن مبارک امام مالک اور ان کے اصحاب و معاصرین سے روایت کرتے تھے۔ بڑے ہی مستجاب الدعوت بزرگ تھے۔ ایسے کہ بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے کہ میری سب دعائیں دنیا ہی میں نہ قبول کرے کچھ آخرت کے لئے رہنے دے۔ اکل حلال کے ایسے پابند تھے کہ حرام تو حرام شبہات سے بھی بچتے تھے۔ وصال کے وقت فرمایا میرا مال حرام تو حرام شبہات سے بھی پاک ہے۔ اکل حلال استجابت دعا کے لئے اکسیر اعظم ہے۔

یتیمی و تربیت

امام بخاری ابھی صغیر السن ہی تھے کہ ان کے والد ماجد انھیں داغ یتیمی دے گئے ان کی پرورش والدہ ماجدہ نے کی۔ عہد طفلی ہی میں امام بخاری کی بینائی جاتی رہی۔ بہت علاج کیا مگر فائدہ نہ ہوا ان کی والدہ ماجدہ ان کی بینائی کے لئے بہت گریہ وزاری کے ساتھ دعائیں کرتی رہیں۔ ایک رات خواب دیکھا کہ ابو الانبیا سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے تیری دعا قبول فرمائی تیرے بچے کی بینائی واپس فرمادی۔ صبح کو امام بخاری بینا ہو کر اٹھے۔ پھر آنکھوں میں وہ روشنی آئی کہ چاندنی میں لکھا پڑھا کرتے تھے۔ خراسان میں بھی ایک عارضہ پیش آیا تو کسی نے بتایا کہ سر منڈا کر خطمی کا لیپ سر پر کریں۔ بینائی واپس آجائے گی۔ امام بخاری نے یہی کیا اور پوری بینائی واپس آگئی۔ اور ایسی کہ پھر کبھی نہ گئی۔ [2]

حفظ حدیث کی ابتداء

حسب دستور امام بخاری مکتب میں ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے جب قریب قریب دس سال کے ہوئے۔ تو بالہام ربانی تحصیل حدیث کا شوق پیدا ہوا۔ اور امام بخاری وہاں کے مشہور محدثین کی خدمت میں اخذ حدیث کے لئے حاضر ہونے لگے۔ مثلاً سلام بن محمد بیکندی۔ محمد بن یوسف بیکندی۔ عبد اللہ بن محمد مسندی۔ اور ابراہیم بن اشعث وغیرہ۔ چند مہینوں میں اتنا عبور ہو گیا کہ محدثین کو ٹوکنے لگے۔ بخارا میں ایک مشہور محدث داخلی تھے۔ امام بخاری ان کے یہاں بھی حدیث حاصل کرنے جاتے تھے۔ ایک دن انہوں نے ایک حدیث کی سند کتاب میں دیکھ کر اس طرح پڑھی۔ سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم۔ امام بخاری نے بلا تاخیر ان سے کہا۔ ابوالزبیر۔ ابراہیم کے راوی نہیں۔ پھر آپ نے عن الزبیر عن ابراہیم کیسے پڑھا۔ داخلی نے تو بچہ دیکھ کر جھڑک دیا۔ امام بخاری نے پھر کہا۔ کہ اصل میں دیکھ لیں کیا ہے۔ اس پر داخلی مکان میں تشریف لے گئے۔ اور کتاب کا اصل نسخہ لے کر آئے اور امام بخاری سے دریافت کیا۔ تم ہی بتاؤ صحیح نام کیا ہے؟ امام بخاری نے فرمایا کہ یہ ابوالزبیر نہیں بلکہ زبیر بن عدی ہیں۔ یہ ابراہیم کے تلمیذ ہیں۔ داخلی نے اس کے مطابق اپنی کتاب درست کر لی۔ اس وقت امام بخاری کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔ اسی قوت حفظ کا نتیجہ تھا کہ سولہ سال کی عمر میں امام عبد اللہ بن مبارک اور امام وکیع کی کتابیں

---

[1] طبقات الکبریٰ ص ج ۲۴ ۔ [2] ایضاً

اور اصحاب امام اعظم کی کتابیں حفظ کر لیں۔ ۱

تحصیل علم ۲۱۰ھ میں امام بخاری کی عمر جب سولہ سال کی تھی۔ اپنے بڑے بھائی احمد بن اسمٰعیل اور والدہ کے ہمراہ حج کو گئے۔ والدہ اور بھائی حج سے فارغ ہو کر وطن واپس ہو گئے مگر امام بخاری مکہ معظمہ رہ گئے۔ وہاں تحصیل علم و تصنیف و تالیف و علم دین کی نشر و اشاعت میں مصروف رہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں قضایا الصحابہ والتابعین لکھی اور اسی عمر میں اپنی مشہور کتاب، کتاب التاریخ مزار اقدس حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر چاندنی میں لکھی اور ابھی ڈاڑھی مونچھ بھی نہیں نکلی تھی کہ محدثین نے ان سے احادیث اخذ کرنا شروع کر دیا تھا۔ ۲ علامہ ابن حجر نے فرمایا۔ کہ اگر امام بخاری نے جب تحصیل حدیث شروع کی تھی اسی وقت مکہ آجاتے تو ان اونچے طبقے کے محدثین سے بھی بلا واسطہ تلمذ حاصل ہو جاتا جن سے ان کے معاصرین کو ہے۔ مگر تاخیر سے مکہ حاضری کی وجہ سے ان اونچے طبقے والوں سے تلمذ نہ ہو سکا مگر ان کے قریب العہد بزرگوں سے حاصل ہوا۔ مثلاً یزید بن ہارون ابو داؤد طیالسی۔ علامہ ابن حجر کا بیان ہدی الساری مقدمہ فتح الباری میں مختلف ہے۔ ص ۴۷۹ پر مبدء طلب حدیث کے باب میں یہی ہے کہ ۲۱۰ھ میں حج کیا اس حساب سے امام بخاری کی عمر اس وقت سولہ سال ہوئی۔ لیکن ثناء الناس کے عنوان کے تحت ص ۴۸۳ پر خود امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے اٹھارہ سال کی عمر میں پہلا حج کیا۔ اس حساب سے ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاری نے پہلا حج ۲۱۲ھ میں کیا تھا۔ لیکن میں نے پہلا قول اختیار کیا اس لئے کہ اس میں علامہ ابن حجر کے الفاظ یہ ہیں کہ میں حمیدی کے یہاں گیا جب کہ میری عمر اٹھارہ سال کی تھی یعنی اول حج کے سال دوسرے سنہ تھی۔ تو دیکھا کہ ان میں اور ایک صاحب کے درمیان ایک حدیث کے بارے میں بحث ہو رہی تھی۔ حمیدی نے مجھے دیکھتے ہی کہا لو وہ آگئے جو ہمارا فیصلہ کر دیں گے۔ میں نے حمیدی کے حق میں فیصلہ دیا کیونکہ حق ان کے ساتھ تھا۔ چونکہ حج کے بعد امام بخاری مکہ ہی میں رہ گئے تھے تو ہو سکتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ جب پہلا حج کر چکے تھے تب یہ معاملہ پیش آیا اور راوی سے تعبیر میں کچھ ردو بدل ہو گیا۔ علامہ قسطلانی نے بھی اپنی شرح کے مقدمہ میں یہی لکھا ہے کہ ۲۱۰ھ میں سولہ سال کی عمر میں حج کے لئے گئے۔ طبقات کبریٰ میں بھی علامہ سبکی نے یہی لکھا ہے۔

۲۱۰ھ میں امام عبد الرزاق یمن میں باحیات تھے۔ امام بخاری نے ان کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا مگر کسی نے بتایا کہ وصال ہو گیا ہے تو یمن نہیں گئے۔ ان کے تلامذہ سے اخذ حدیث فرمائی۔

امام بخاری خود فرماتے ہیں کہ میں علم حدیث کی طلب کے لئے دوبار مصر دوبار شام دوبار جزیرہ گیا۔ چار بار بصرہ، چھ

۱ طبقات الکبریٰ ص ۲ ۔ ۲ ایضاً ص ۳

سال حجاز میں رہا۔ کوفہ و بغداد کتنی بار گیا۔ اس کا شمار نہیں۔

اس سے ظاہر ہوا کہ اس عہد میں بغداد کی طرح کوفہ بھی علم دین خصوصاً علم حدیث کا مرکز اعظم تھا۔ آج رُفّاض اور غیر مقلدین کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر لوگ کوفہ کو جو چاہیں کہیں ——— مگر واقعہ یہ ہے کہ اس عہد میں کوفے کی علمی مرکزیت دنیاء اسلام میں مسلم تھی اس کے علاوہ امام بخاری اور بھی دور دراز شہروں کے سفر کئے ہیں۔ شام بلخ گئے اور حضرت امام اعظم کے تلمیذ مکی بن ابراہیم سے اخذ حدیث کیا۔ ان سے اپنی صحیح میں گیارہ ثلاثیات روایت کی ہیں۔ ان جگہوں کے علاوہ نیشاپور، مرو، رے، واسط، قیساریہ، عسقلان وغیرہ بھی گئے [1]

قوت حافظہ وجودت ذہن

تعلیم و تعلم کے لئے سب سے اہم جو چیز ہے وہ حافظہ اور جودت ذہن ہے۔ اللہ عز وجل نے امام بخاری کو یہ تمام باتیں بدرجہ اتم عطا فرمائی تھیں۔ جس کے چند واقعات گذر چکے ہیں۔ ان کے حافظے کا یہ حال تھا کہ جس بات کو ایک مرتبہ سن لیتے یا پڑھ لیتے یاد ہو جاتی پھر کبھی نہ بھولتے۔ اسماعیل بن حاشد کہتے ہیں کہ میں اور چند ساتھی امام بخاری کے ہم سبق تھے۔ ہم لوگ حدیث سننے کے لئے بصرہ کے محدثین کے پاس جایا کرتے تھے۔ ہم لوگ جو سنتے لکھ لیا کرتے۔ امام بخاری کچھ نہیں لکھتے سن کر چلے آتے۔ ہم نے ان سے بار بار کہا کہ وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ تم بھی جو سنو لکھ لیا کرو۔ امام بخاری پر کچھ اثر نہ ہوا۔ سولہ دن کے بعد انھوں نے کہا کہ تم لوگوں نے مجھے بہت ملامت کی۔ اور ملامت کر کے تنگ کر دیا۔ اب تک جتنی حدیثیں لکھ چکے ہو مجھے سناؤ۔ اس اثناء میں پندرہ ہزار احادیث ہم لوگوں نے لکھی تھیں۔ ہم نے اپنے نوشتوں سے دیکھ کر پڑھنا شروع کیا۔ تو یہ حال ہوا کہ ہمارے نوشتوں میں غلطی تھی ان کی یادداشت میں کوئی غلطی نہ تھی ہم نے اپنے مکتوبات کی ان کی یادداشت سے تصحیح کی۔ پورے مقابلے کے بعد فرمایا۔ تم لوگ سمجھتے ہو کہ میری سرگردانی بے کار ہے۔ میں وقت ضائع کر رہا ہوں [2] محمد بن ازہر کہتے ہیں کہ میں محمد بن حرب کے یہاں حدیث سننے کے لئے جاتا تھا۔ امام بخاری بھی جاتے تھے۔ میں لکھتا تھا وہ نہیں لکھتے تھے۔ کسی نے کہا کہ محمد بن اسماعیل لکھتے نہیں تو میں نے کہا۔ اگر تم سے کوئی حدیث لکھنے سے رہ جائے تو ان سے پوچھ کے لکھ لینا۔ محمد بن حاتم کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ، فریابی، کے حلقۂ درس میں حاضر تھے امام بخاری بھی تھے۔ فریابی نے ایک حدیث کی سندیوں بیان کی حدثنا سفیان عن ابی عروبۃ عن ابی الخطاب عن ابی حمزۃ اس سند میں حضرت فریابی نے راویوں کی کنیتیں ذکر کیں نام نہیں لیا۔ پھر پوچھا بتاؤ کہ ان تینوں کے کیا نام ہیں۔ حاضرین مجلس نہ بتا سکے۔ امام بخاری نے بتایا کہ ابو عروبۃ معمر بن راشد ہیں اور ابو الخطاب قتادہ بن دعامہ اور ابو حمزہ حضرت انس ہیں۔ امام بخاری کے منہ سے یہ سنتے ہی حاضرین پر

---

[1] طبقات الکبری ص ۲۲۲ ، [2] ایضاً ص ۲۲۲ ،

سکتہ طاری ہوگیا۔ [1] ایک دفعہ سمرقند میں چار سو محدثین نے متفقہ طور پر طے کیا کہ امام بخاری کو مغالطہ میں ڈال دیں اس کے لئے انھوں نے عراق کی اسناد میں شام کی، اور شام کی اسناد میں عراق کی، حرم کی اسناد میں یمن کی، اور یمن کی اسناد میں حرم کی خلط ملط کر کے سات دن تک یہ لوگ امام بخاری کو پریشان کرتے رہے مگر ان کا حربہ کارگر نہ ہوا۔ یہ لوگ ایک بار بھی امام بخاری کو مغالطہ نہ دے سکے نہ سند میں نہ متن میں۔

بغداد میں امتحان جب امام بخاری بغداد تشریف لے گئے تو وہاں کے محدثین نے ان کے حافظے و وسعت علم کا امتحان لینا چاہا۔ اس کے لئے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ ایک سو احادیث کے متون اور اسناد میں رد و بدل کر کے انھیں جانچا جائے چنانچہ سو احادیث میں سے ہر ایک کے متن کو دوسری سند کے ساتھ اور دوسرے کی سند کو اس کے متن کے ساتھ ملا دیا گیا۔ دس آدمی سوال کرنے کے لئے منتخب ہوئے۔ ایک ایک شخص کو دس دس حدیثیں دی گئیں۔ ایک تاریخ مقرر ہوئی۔ اس میں امام بخاری مجلس عام میں تشریف لائے اور ہزارہا ہزار محدثین، فقہا، عوام و خواص شریک ہوئے۔ جب مجمع پُرسکون ہوگیا تو حسب قرار داد ایک شخص کھڑا ہوا اس نے ایک ایک کر کے اپنی دسوں حدیثوں کو پڑھا۔ ہر حدیث کے سننے کے بعد امام بخاری یہ فرماتے تھے، میں اسے نہیں پہچانتا۔ اسی طرح دسوں آدمیوں نے باری باری کھڑے ہو کر اپنے اپنے سوال کو دہرایا۔ سب کا جواب یہ تھا کہ میں اسے نہیں جانتا۔ اس پر بے علم خوش ہوئے کہ امام بخاری واقعی ان احادیث کو نہیں جانتے مگر اہل علم جان گئے کہ معاملہ کیا ہے۔ جب دسوں آدمی بیٹھ گئے تو امام بخاری نے پہلے شخص سے فرمایا۔ آپ نے جو پہلی حدیث پڑھی تھی وہ اس طرح نہیں۔ بلکہ یوں ہے اس متن کی سند یہ ہے۔ جس ترتیب سے اس نے حدیث کی تھی اسی ترتیب سے ہر ایک کی تصحیح کرتے گئے۔ یہاں تک کہ دسوں آدمیوں کی بیان کردہ سو احادیث پر اسی ترتیب سے کلام فرمایا جس ترتیب سے ان لوگوں نے سوال کیا تھا۔ جب امام بخاری فارغ ہوئے تو تمام مجلس سے تحسین و آفرین کا شور اٹھا۔ اور حاضرین نے امام بخاری کے حافظہ و فضل و کمال کا لوہا مان لیا۔ اسی موقع پر کسی زندہ دل نے کہا حسد اگر کنش نطلع یہ زبردست سینگ مارنے والا بیٹھ جائے۔ [2]

سلیم بن مجاہد کا بیان ہے کہ میں ایک دن محمد بن سلام بیکندی کے حلقۂ درس میں پہنچا تو انھوں نے فرمایا۔ تھوڑی دیر پہلے اگر آئے ہوتے تو میں تم کو وہ بچہ دکھاتا جسے ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں۔ سلیم کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر وہاں سے اٹھا اور امام بخاری کی تلاش شروع کر دی۔ آخر کار ان کو ڈھونڈ نکالا۔ ان سے پوچھا کیا تمہیں وہ صاحبزادے ہو جنھیں ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں۔ امام بخاری نے فرمایا۔ مجھے اس سے بھی زیادہ حدیثیں یاد ہیں۔ اور میں جن جن صحابہ سے روایت کرتا ہوں ان میں سے اکثر کے مفصل حالات

---

[1] مقدمہ فتح الباری۔ [2] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲

مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ کہاں پیدا ہوئے کہاں ان کا وصال ہوا کہاں رہتے تھے میں صرف اسی حدیث کی روایت کرتا ہوں جس کی اصل کتاب وسنت میں پاتا ہوں۔ یہ واقعہ سولہ سال سے کم عمر کا ہے۔[1]

تعدد طرق پر احاطہ اس عہد میں احادیث کا ایسا چرچا تھا کہ جسے بھی دین سے شغف ہوتا وہ کچھ نہ کچھ احادیث ضرور مع سند کے یاد رکھتا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ ایک حدیث بیسوں سندوں کے ساتھ منتشر تھی۔ محدثین اپنی اپنی صواب دید پر ایک یا چند طریقے سے روایت فرماتے۔ امام بخاری کا اس خصوص میں بھی یہ امتیاز ہے کہ اس عہد میں احادیث کے جو طرق موجود تھے ان سب پر انھیں احاطہ تھا۔ وہ بھی پوری ردو قدح، جرح وتعدیل کے ساتھ۔ اس سلسلے میں متعدد واقعات ہیں۔

یوسف بن موسیٰ مروزی کا بیان ہے کہ میں بصرہ کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ منادی کی آواز سنائی دی۔ اے علم کے طلب گارو! محمد بن اسماعیل یہاں آئے ہوئے ہیں۔ جن کو ان سے حدیث سننی ہو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں۔ یوسف نے بتایا کہ میں نے دیکھا ایک دُبلا پتلا نوجوان ستون کے پاس حد درجہ سادگی پورے خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے۔ یہی امام بخاری تھے۔ منادی کی ندا سنکر لوگ چاروں طرف سے ان کے گرد اکٹھے ہوگئے۔ لوگوں نے ان سے درخواست کی ہمیں احادیث لکھانے کے لئے کوئی مجلس منعقد کیجئے۔ امام بخاری نے دوسرے دن کے لئے وعدہ کرلیا۔ دوسرے دن صبح کو مجلس منعقد ہوئی۔ امام بخاری نے فرمایا اے اہل بصرہ! میں وہی احادیث لکھاؤں گا جو تمہارے شہر کے محدثین کے پاس ہے مگر ایسی سند کے ساتھ جو ان کے پاس نہیں۔

اس کے بعد امام بخاری نے منصور کی سند سے ایک حدیث لکھائی۔ اہل بصرہ میں یہ حدیث دوسری سندوں کے ساتھ مشہور تھی۔ اسی طرح امام بخاری نے کثیر احادیث لکھائیں۔ اور سب کے بارے میں فرمایا۔ تمہارے یہاں کے لوگ اس سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور میں فلاں سند کے ساتھ روایت کرتا ہوں۔

علل قادحہ میں مہارت کبھی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حدیث ہر عیب سے پاک ہے صحیح ہے جرح کی کوئی گنجائش نہیں مگر حقیقت میں کوئی ایسا سُقم ہوتا ہے کہ وہ حدیث ساقط الاعتبار ہوتی ہے۔ مثلاً بظاہر متصل ہے مگر حقیقت میں متصل نہیں۔ بظاہر مرفوع ہے مگر حقیقت میں موقوف ہے یا متن میں ردو بدل ہوگیا ہے۔ یا سند میں۔ یا کسی راوی سے وہم ہوگیا ہے۔ اس کی شناخت حدیث کا بہت اہم فن ہے۔ حتیٰ کہ عبد الرحمٰن بن مہدی نے کہا کہ ان علل کی معرفت بغیر الہام کے نہیں ہوسکتی۔ محدثین نے فرمایا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ محدث یہ پہچان جاتا ہے کہ یہ حدیث معلول ہے مگر علت کسی کو نہیں بتا سکتا۔ جیسے ماہر سنار

---

[1] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج۲ ص

سونے کو پرکھ کر جان جاتا ہے کہ کیسا ہے مگر دوسرے شخص کو بتا نہیں سکتا۔ اس فن میں بھی امام بخاری یکتا تھے۔

ایک دفعہ نیشاپور میں جو امام مسلم کا وطن تھا۔ امام بخاری تشریف فرما تھے امام مسلم امام بخاری سے ملاقات کے لئے آئے۔ اسی اثنا میں کسی نے یہ حدیث پڑھی۔

عن ابن جریج عن موسی بن عقبۃ عن سہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال کفارۃ المجلس اذا قام العبد ان یقول سبحٰنک اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک

ابن جریج موسی بن عقبہ سے روایت کرتے ہیں وہ سہیل بن ابی صالح سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجلس کا کفارہ یہ ہے کہ جب کھڑے ہو تو یہ پڑھ لیا کرو اے اللہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں اور تیری بخشش کا طالب ہوں

اس حدیث کو سن کر امام مسلم نے کہا سبحان اللہ کتنی عمدہ حدیث ہے۔ کیا اس حدیث کی سند اس سے بڑھ کر دنیا میں ہے؟ امام بخاری نے فرمایا لیکن یہ معلول ہے۔ ہاں سند تو اچھی ہے لیکن معلول ہے۔ امام مسلم اس کو سنتے ہی کانپ اٹھے اور کہا لا الٰہ الا اللہ آپ مجھے اس کی علت بتا دیجئے۔ امام بخاری نے فرمایا اللہ عزوجل نے جس چیز کو پوشیدہ رکھا ہے اسے پوشیدہ ہی رہنے دو۔ امام مسلم نے اٹھ کر امام بخاری کے سر کو بوسہ دیا۔ اور عاجزی کے ساتھ درخواست کرتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رو دیں گے۔ آخر کار امام بخاری نے فرمایا اگر اصرار ہے تو اس کی غیر معلول سند سنو حدثنا موسی بن اسماعیل حدثنا وھیب حدثنا موسی بن عقبۃ عن عون بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کفارۃ المجلس الحدیث۔ اس کو سننے کے بعد امام مسلم باغ باغ ہو گئے اور امام بخاری سے کہا اے امام میں شہادت دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ کی نظیر نہیں۔ جو آپ سے بغض رکھے وہ حاسد ہے۔۱؎ اس قصہ کو بیہقی نے مدخل میں اس طرح لکھا ہے۔ امام مسلم امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور عرض کیا کہ اجازت دیجئے کہ آپ کے پاؤں کو بوسہ دوں اے استاذ الاستاذین وسید المحدثین وطبیب الحدیث فی علله۔ آپ سے محمد بن سلام نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

حدثنا محمد بن مخلد بن یزید قال اخبرنا ابن جریج حدثنی موسی بن عقبۃ عن سہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی کفارۃ المجلس۔ الحدیث۔ یہ سن کر امام بخاری نے فرمایا یہ حدیث مجھ سے اور ایک طریقے سے بیان کی گئی ہے۔ حدثنا احمد بن حنبل ویحیی بن معین قالا حدثنا حجاج

۱؎ ارشاد الساری ۱۲، ص ۳۰ ۲؎ ایضاً مقدمہ فتح الباری، ص ۴۸۶

بن محمد عن ابن جریج قال حدثنی موسی بن عقبۃ عن سہیل عن ابیہ عن ابی ہریرۃ ان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قال کفارۃ المجلس۔ الحدیث۔ یہ حدیث سنکر امام بخاری نے فرمایا کہ یہ حدیث اچھی ہے۔ اس سند کے ساتھ دنیا میں سوائے اس کے اور کوئی حدیث نہیں۔ مگر یہ معلول ہے۔ اسلئے کہ موسیٰ بن عقبہ کا سماع سہیل سے ثابت نہیں۔ پھر سابقہ مذکورہ طریقے سے حدیث بیان فرمائی اور فرمایا، یہ اس سے بھی بہتر ہے۔[۱]

نیشاپوری کا واقعہ ہے کہ ایک بار محمد بن یحییٰ ذہلی اور امام بخاری ایک جنازے میں جا رہے تھے ذہلی امام بخاری سے رواۃ اور علل کے بارے میں سوالات کرتے جاتے تھے اور وہ فر فر تیر کی طرح یوں بتاتے جاتے تھے جیسے قل ھو اللہ پڑھ رہے ہوں۔[۲]

عادات واطوار

امام بخاری کے والد نے ترکے میں بہت زیادہ مال چھوڑا تھا اور وہ اس مال کو مضاربت پر دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص کے ذمے پچیس ہزار درہم امام بخاری کے باقی پڑ گئے۔ امام بخاری نے دس درہم ماہانہ کی قسط مقرر فرما دیا۔ مگر کچھ وصول نہ ہوا۔

ایک بار ابو حفص نے امام بخاری کے پاس کچھ سامان تجارت بھیجا کہ اسے بیچ دیں۔ تاجروں کو پتہ چلا تو امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور پانچ ہزار درہم نفع دینے کو کہا۔ یہ رات کا وقت تھا۔ امام بخاری نے فرمایا اس وقت آپ لوگ جائیں اور صبح کو آئیے گا۔ دوسرے دن صبح کو تاجروں کا دوسرا گروہ آیا اس نے دس ہزار نفع دینے کو کہا۔ امام بخاری نے فرمایا میں نے رات ہی کو نیت کرلی تھی پہلے گروہ کو دوں گا۔ نیت بدلنا پسند نہیں کرتا۔

ایک بار امام بخاری لکھ رہے تھے آپ کی باندی گزری اس کے پاؤں سے دوات کو ٹھوکر لگی اور دوات گرگئی امام بخاری نے اس سے فرمایا۔ دیکھ کر چلا کرو۔ باندی نے شوخی سے جواب دیا جب راستہ نہ ہو تو کیا کروں۔ آپ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور کہا، جاؤ تم آزاد ہو۔

امام بخاری نے کبھی اپنی ذات کا کسی سے انتقام نہیں لیا۔ ان کے اساتذہ میں محمد بن یحییٰ ذہلی تھے۔ یہی بزرگ اس کا سبب ہے کہ امام بخاری کو نیشاپور چھوڑنا پڑا۔ مگر امام بخاری نے ان کی مرویات کو صحیح بخاری میں بھی درج فرمایا۔ البتہ بجائے محمد بن یحییٰ کے یا تو صرف محمد ذکر کرتے ہیں یا بجائے باپ کے دادا کی طرف نسبت کرکے محمد بن خالد لکھتے ہیں۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو بتایا۔ کہ ذہلی مجھ پر جرح کرتا ہے: اگر میں اس کا نام بطرز مشہور لکھوں تو وہ متعین ہو جائے گا۔ لوگ کہیں گے کہ جو شخص ان پر جرح کرتا ہے اس کو یہ عادل جانتے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی جرح درست ہے۔ اور میں مجروح ہوں۔ یعنی

[۱] مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۶ ؛ [۲] ایضاً ص ۴۸۴ ، وارشاد الساری ج ۱، ص ۳۰

پر جرح کیا تو اگر جرح صحیح تو امام بخاری مجروح اور جرح غلط تو ذہلی کاذب

عادل وہ ہے جو جھوٹ نہ بولے۔ اور جب ذہلی نے امام بخاری

اور غیر عادل۔

مگر خلجان اب بھی باقی رہتا ہے۔ کہ جب ذہلی نے امام بخاری پر جرح کی۔ تو صرف روایت میں ان کا نام بدلنے سے یہ احساس کیسے ختم ہو گیا۔ وہ تو اب بھی اپنی جگہ باقی رہا۔ اگر ذہلی صادق تو امام بخاری مجروح اور امام بخاری بے داغ تو ذہلی غیر عادل۔

بات یہ ہے کہ معاصرین کی جرحیں قابل اعتنا نہیں جب کہ یہ معلوم ہو کہ یہ کسی اختلاف کی وجہ سے کر رہا ہے۔ امام بخاری اور ذہلی میں مسئلہ خلق قرآن پر شدید اختلاف ہوا جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے ذہلی امام بخاری پر معاصرانہ چشمک کی وجہ سے جرح کرتے تھے۔ اس لئے وہ جرح ناقابل اعتبار ہے۔

اس کے باوجود کہ میراث میں کثیر دولت پائی تھی۔ چاہتے تو بڑے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی گزارتے۔ مگر امام بخاری بہت ہی زاہدانہ طور پر گزر بسر کرتے تھے۔ چوبیس گھنٹے میں دو تین بادام پر گزارہ کرتے کبھی صرف سوکھی گھاس پر۔ چالیس سال تک بے شوربے کے سوکھی روٹی کھائی۔ بیمار پڑے اور اطباء نے قارورہ دیکھا تو انھوں نے بتایا کہ ان کا قارورہ راہبوں کے قارورے کے مثل ہے یہ صرف سوکھی روٹی کھاتے ہیں۔ جس سے آنتیں سکڑ گئی ہیں۔ لوگوں کے بہت اصرار کرنے پر بمشکل تمام شیرۂ انگور سے روٹی کھانا قبول کیا۔

محمد بن حاتم وراق کہتے ہیں کہ امام بخاری جب سفر میں رہتے تو ہم تمام خدام کو ایک کمرے میں رکھتے اور خود سب سے علٰحدہ ایک کمرے میں۔ ایک بار میں نے دیکھا کہ وہ رات میں پندرہ بیس مرتبہ اٹھے اور چقماق سے آگ جلا کر چراغ جلاتے اور احادیث کے دفاتر پڑھتے کہیں کہیں نشان لگاتے اور پھر تکیہ پر سر رکھ کر لیٹ جاتے۔ میں نے عرض کیا کہ رات کو آپ نے بار بار خود زحمت اٹھائی مجھے جگا دیتے۔ فرمایا تم جوان ہو اور گہری نیند سوتے ہو تمہاری نیند خراب ہوتی۔

امام بخاری بہت ماہر تیر انداز تھے۔ شاید باید ہی کوئی تیر خطا کرتا۔ ابو جعفر کہتے ہیں کہ اپنی طویل صحبت میں صرف دو بار میں نے ان کے تیر کو خطا ہوتے دیکھا۔ ایک مرتبہ فربر میں تھے۔ امام بخاری سوار ہو کر تیر اندازی کے لئے نکلے۔ خدام ساتھ تھے۔ شہر پناہ کے اس دروازے پر جس سے نہر کے دہانے تک راستہ جاتا ہے۔ ہم لوگ تیر اندازی کرنے لگے۔ امام بخاری کا ایک تیر پل کی میخ میں جا لگا جس سے میخ پھٹ گئی۔ امام بخاری نے فوراً تیر اندازی موقوف کر دی اور ہم لوگوں کو واپسی کا حکم دیا۔ اور ایک گہرا سانس لیا۔ اور ابو جعفر سے فرمایا۔ تم سے ایک کام ہے اس پل کے مالک کے پاس جاؤ اور کہو کہ بخاری کے تیر سے میخ پھٹ گئی ہے۔ دو باتوں میں سے ایک کرو۔ یا تو اجازت دو ہم اس کی میخ بدل دیں۔ یا اس کی قیمت لے لو۔ اور غلطی معاف کر دو۔ اس پل کے مالک حمید بن اخضر تھے میں نے جا کر امام بخاری کا پیغام انھیں پہنچایا۔ تو حمید نے کہا کہ امام بخاری سے جا کر میرا سلام کہو اور عرض

دو، آپ سے مواخذہ نہیں۔ میرا تمام مال آپ پر قربان۔ میں نے واپس آکر امام بخاری کو جب ان کا جواب سنایا تو ان کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور فرط مسرت میں اس دن ہم لوگوں کو پانچ سو احادیث سنائیں اور تین سو درہم صدقہ کئے

ایک دن امام بخاری حدیث بیان کر رہے تھے ان کے ایک تلمیذ ابو معشر ضریر کو وہ حدیث بہت پسند آئی۔ وہ عالم کیف میں ہاتھ اور سر ہلانے لگے۔ ان کی اس حرکت پر امام بخاری مسکرا دیئے پھر بعد میں امام بخاری کو احساس ہوا اور ابو معشر ضریر سے معافی مانگی

امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل مجھ سے غیبت پر مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ اس میں اتنے محتاط تھے کہ نقد و جرح میں راویوں کے حالات بیان کرنا ضروری ہے۔ مگر آپ نے اس موقع پر بھی انتہائی احتیاط کی، یہاں تک بدرجہ مجبوری اگر کسی کے کاذب ہونے کو ظاہر کیا ہے تو بطور حکایت مثلاً کسی فلاں سے حالہ بالکذب فلاں۔

ایک بار جب کہ فربر میں قیام تھا۔ بخارا کے قریب ایک مسافر خانہ کی امام بخاری نے تعمیر شروع کی۔ خدام و معتقدین کو ساتھ لے کر کام شروع کیا کام شروع ہوا تو بہت سے لوگ رضا کارانہ طور پر کام کرنے کے لئے آگئے۔ انبوہ کثیر جمع ہو گیا۔ امام بخاری خود کام کرتے اینٹیں اٹھاتے۔ دیواریں لگاتے۔ ایک خادم نے عرض کیا، آپ رہنے دیں ہم لوگ کافی ہیں۔ فرمایا یہ تکلیف آخرت میں نفع بخش ہوگی۔ کام کرنے والوں کے لئے امام بخاری نے ایک گائے ذبح کی۔ ہم فربر سے تین روپے کی روٹیاں لائے تھے۔ ایک روپے کی پانچ من کے حساب سے۔ پندرہ من روٹیاں تھیں۔ آج کل کے حساب سے یہ کل روٹیاں چونتیس کلو گرام سے کچھ تھوڑی سی زائد تھیں۔ ابتدا میں امام بخاری کے ساتھ صرف سو آدمی تھے۔ مگر اب تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ مگر امام بخاری کی کرامت کہ سب نے آسودہ ہو کر کھایا اور روٹیاں کافی بچ گئیں

امام بخاری کی فیاضی کا عالم یہ تھا کہ کبھی کبھی ایک دن میں تین تین سو درہم صدقہ کر دیا کرتے۔ تجارت سے انکی آمدنی پانسو ماہانہ تھی۔ یہ ساری رقم طلبہ پر صرف کر دیتے تھے۔ ایام تحصیل میں اپنے شیخ آدم بن ایاس کے یہاں تھے۔ کھانے پینے کا سامان و نقد سب خرچ ہو گیا گھر سے خرچ آنے میں دیر ہو گئی۔ ان دنوں انھوں نے گھاس کھا کر گزارا کیا کسی سے سوال کیا کہنے قرض بھی نہیں مانگا۔ تین دن یہی حال رہا تیسرے دن ایک اجنبی صاحب آئے جنہیں امام بخاری بھی پہچانتے نہ تھے۔ اور اشرفیوں کی تھیلی نذر کی۔

عبادت و ریاضت ان سب خوبیوں پر مستزاد یہ کہ بہت ہی زبردست عبادت گزار تھے۔ کثرت سے نوافل پڑھتے۔ شب بیداری کرتے۔ قرآن مجید کی تلاوت کا اتنا شوق تھا کہ گویا وہ روحانی غذا تھی۔ رمضان المبارک آجاتا تو تلاوت قرآن تقریباً

چوبیس گھنٹے جاری رہتی۔ بعد عشاء تراویح پڑھتے۔ اس میں ہر رکعت میں بیس آیات کی تلاوت کرتے۔ اس طرح پورا قرآن مجید پورا کرتے۔ پھر آدھی رات سے سحر تک دس پارے روز پڑھتے۔ دن میں روزانہ پورا قرآن مجید ختم کرتے۔ افطار کے وقت ختم فرماتے۔ ان کا ارشاد ہے کہ ہر قرآن مجید کے ختم کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔[1]

اس سے ان غیر مقلدین کو ہدایت حاصل کرنی چاہیے۔ جو اپنے آپ کو امام بخاری کا کٹر مقلد ظاہر کرتے ہیں۔ مگر سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ روزانہ ایک ختم قرآن مجید پڑھتے تھے یہ ناجائز و بدعت ہے امام اعظم کے اس ختم کو تو بدعت کہدیا۔ امام بخاری کے اس عمل کو کیا کہیں گے کہ وہ روزانہ ایک ختم دس پارے، چار سو آیات کی تلاوت کرتے تھے۔

ہر غیر مقلدین نے آرام پسند کاہل افراد کو اپنے دام میں پھنسانے کے لئے تراویح بجائے بیس کے آٹھ رکعت کر دی ہے وہ آئیں اور دیکھیں امام بخاری بھی بیس ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے اس لئے کہ قرآن میں کم از کم چھ ہزار آیتیں ہیں۔ اور آٹھ رکعت میں کل ایک سو ساٹھ آیتیں ہوتی ہیں اس طرح تیس رات میں کل چار ہزار ساٹھ آیتیں ہوئیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ امام بخاری آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے تو لازم آئے گا کہ تراویح میں پورا قرآن ختم نہ کرتے۔ یہ روایت کے خلاف ہونے کے ساتھ خلاف سنت بھی ہے۔ سنت یہ ہے کہ کم از کم ایک ختم قرآن مجید پڑھا جائے۔ اور احناف کے مسلک پر بلا کسی دغدغے کے درست ہے۔

بیس رکعت میں بحساب فی رکعت بیس آیات چار سو آیتیں ہوئیں۔ اور پندرہ دنوں میں چھ ہزار۔ اس طرح فی رکعت بیس آیات کے حساب سے قرآن مجید رمضان میں ضرور ختم ہو جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ لازم آئے گا کہ امام بخاری پندرہ ہی دن میں تراویح کے اندر ختم قرآن کر لیتے تھے۔ اس لزوم میں کوئی حرج نہیں۔

اس کا امکان ہے کہ پندرہ دن قرآن مجید اور پندرہ دن سورۂ تراویح پڑھتے ہوں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے ہدی الساری مقدمہ فتح الباری میں لکھا

اذا كان اول ليلة من رمضان يجتمع اليه اصحابه فيصلي بهم ويقرأ في كل ركعة عشرين آية وكذالك الى ان يختم القرآن۔[2]

جب رمضان کی پہلی رات آتی تو ان کے اصحاب ان کے پاس جمع ہوتے یہ انہیں پڑھاتے، ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے یہاں تک کہ قرآن ختم کرتے۔

یہ بھی ضروری نہیں کہ صرف ایک ہی قرآن ختم کرتے ہوں ہو سکتا ہے دو قرآن ختم کرتے ہوں۔ اس دوسرے احتمال پر یہ شبہ

---

۱ مقدمہ فتح الباری ص۴۸۱، والطبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج۲ ص۔ ۲ مقدمہ فتح الباری ص۴۸۱۔

وارد ہوتا ہے کہ اگر رمضان انتیس دن کا ہو تو لازم آئے گا کہ کسی دن بیس کے بجائے چالیس آیتیں پڑھی جائیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ باعتبار اغلب اکثر کے بیس آیتوں کو ذکر کیا گیا۔ اور یہ تو اتنا اغلب واکثر ہے کہ انتیس دن میں صرف ایک دن کا تخلف ہے۔

عبادت میں استغراق ایک دفعہ کسی باغ میں امام بخاری کی دعوت تھی۔ ظہر کی نماز کے بعد نفل پڑھنی شروع کی جب نماز سے فارغ ہوئے تو اپنے کرتے کا دامن اٹھایا۔ اور اپنے ایک ساتھی سے کہا! دیکھو تو میرے کرتے کے اندر کچھ ہے، انھوں نے دیکھا کہ ایک بھڑ ہے جس نے سولہ سترہ جگہ ڈنک مارا ہے۔ اور یہ سب جگہیں سوج گئی ہیں۔ کسی نے کہا پہلی بار جب اس نے ڈنک مارا تھا تو نماز کیوں نہیں توڑ دی؟ فرمایا میں ایک سورہ پڑھ رہا تھا اسے پوری کئے بغیر نماز توڑنے کو جی نہیں چاہا۔[1]

ادب ایک دفعہ امام بخاری مسجد میں حدیث بیان فرما رہے تھے، کہ ایک شخص نے اپنی داڑھی میں لگے ہوئے تنکے کو نکال کر مسجد کے فرش پر ڈال دیا۔ امام بخاری نے لوگوں کی نظر بچا کر اس تنکے کو اٹھا کر اپنی آستین میں رکھ لیا۔ لوگوں کے چلے جانے کے بعد اس تنکے کو مسجد کے باہر پھینکا۔ ان لوگوں کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہئے جو اپنے کپڑوں کو گرد سے بچانے کے لئے مسجد کی چٹائیاں جھاڑ کر مسجد کے فرش پر گرا دیتے ہیں۔ عالمگیری میں ہے کہ چٹائی کے گرد وغبار کو جھاڑ کر مسجد کے فرش پر کرنا منع ہے۔ یہ بالکل ایسا ہے جیسے کوئی اپنے پہنے ہوئے کپڑے سے گندگی پونچھ کر اپنے بدن میں مل لے۔ اسے کون پسند کرے گا؟ اصل مسجد فرش ہے اور چٹائی وغیرہ اس کا لباس۔

اعتراف فضل امام بخاری کے کمال کی معراج یہ ہے کہ ان کے فضائل ومناقب کا اعتراف خود ان کے عہد کے تمام اساطین ملت وائمہ حدیث وارباب فضل وکمال نے کیا۔ اور ان کے بارے میں ایسے ایسے عظیم الشان کلمات مدح وثنا کہے ہیں۔ جو امام بخاری کی جلالت شان کی دستاویز ہیں۔ اور ان میں صرف تلامذہ اصاغر ہی نہیں بلکہ اساتذہ بھی ہیں اور معاصرین بھی۔ اگر ان تمام کلمات کو جمع کیا جائے تو ہزاروں صفحات ناکافی ہیں۔ علامہ ابن حجر جیسے علم کے بحر ناپید کنار نے یہاں تک لکھ دیا۔ کہ امام بخاری کی عظمت شان میں اتنے کلمات کہے گئے ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو کاغذ وقلم ختم ہو جائیں گے مگر کلمات ختم نہ ہوں گے اس لئے کہ وہ ایسے بحر ہیں جس کا کوئی ساحل نہیں۔

کلمات اساتذہ ابو مصعب احمد بن ابو بکر زہری نے کہا کہ، محمد بن اسماعیل حدیث کی بصیرت اور حدیث کی سمجھ امام احمد بن حنبل سے زیادہ رکھتے ہیں۔ کسی نے اس پر تعجب کرتے ہوئے کہا آپ حد سے آگے بڑھ گئے تو ابو مصعب نے کہا اگر تم مالک کا زمانہ پاتے انھیں اور امام بخاری کو دیکھتے اور پہچانتے تو کہتے دونوں ایک ہی ہیں۔

---

[1] قسطلانی ج ۱ ص ۳۱۔

قتیبہ بن سعید نے کہا: میں فقہاء، زہاد، عباد کے پاس بیٹھا، میں نے ان جیسا کسی کو نہیں دیکھا، وہ اپنے زمانے میں ایسے تھے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ میں۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: سرزمین خراسان نے بخاری جیسا آج تک پیدا نہیں کیا۔ قتیبہ سے شراب کے نشے مست کی طلاق کے بارے میں سوال ہوا اتنے میں امام بخاری آگئے قتیبہ نے امام بخاری کی طرف اشارہ کر کے کہا: یہ احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ، علی بن مدینی کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے یہاں بھیج دیا۔ یعنی یہ تنہا ان تینوں ائمہ کے مجموعہ ہیں۔ اسحٰق بن راہویہ ایک مرتبہ مسجد میں منبر پر بیٹھے ہوئے حدیث بیان کر رہے تھے امام بخاری بھی موجود تھے۔ ایک حدیث پر انہیں امام بخاری نے ٹوک دیا۔ اسحٰق بن راہویہ نے امام بخاری کے قول کو مان لیا۔ اور حاضرین سے فرمایا: اے محدثین اس جوان کو دیکھو! ان سے حدیث سیکھو اگر یہ امام حسن بصری کے زمانے میں ہوتے تو وہ بھی حدیث و فقہ کی معرفت میں انکے محتاج ہوتے۔

علی بن مدینی نے کہا: بخاری نے اپنے جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ بخاری جس کی تعریف کر دیں وہ ہمارے نزدیک پسندیدہ ہے۔ حالانکہ علی بن مدینی وہ جلیل محدث ہیں کہ خود امام بخاری نے فرمایا: میں نے علی بن مدینی کے علاوہ کسی کے سامنے اپنے کو چھوٹا نہیں جانا۔ رجاء بن رجاء نے کہا: بخاری کی فضیلت علماء پر ایسی ہی ہے جیسے مردوں کی عورتوں پر۔ وہ اللہ کی آیتوں میں سے ایک آیت ہیں جو زمین پر چلتے ہیں۔

کلمات معاصرین یہ تو بہت ہوتا ہے کہ مشفق اساتذہ اپنے ہونہار تلامذہ کو نوازتے ہیں۔ مگر ایک معاصر دوسرے معاصر کے فضل و کمال کا بہت کم اعتراف کرتا ہے۔ اپنے اوپر خصوصیت تسلیم کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ معاصرانہ چشمک مشہور ہے۔ مگر امام بخاری کے فضل و کمال کا یہ زریں ورق ہے کہ ان کے معاصرین نے بھی نہایت صفائی اور تصریح کے ساتھ ان کے فضل و کمال بلکہ اپنے اوپر ان کی برتری کو بھی تسلیم کیا ہے۔

عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی نے کہا: میں نے حرمین، حجاز، شام، عراق کے علماء کو دیکھا مگر امام بخاری جیسا جامع کسی کو نہیں پایا۔ وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ سمجھ والے ہیں۔

ابو الطیب حاتم بن منصور نے کہا کہ امام بخاری علم کی بصیرت اور شعور میں اللہ کی آیتوں میں سے ایک آیت ہیں۔ امام ابو بکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ نے کہا: آسمان کے نیچے بخاری سے زیادہ حدیث جاننے والا کوئی نہیں۔ امام ترمذی نے کہا: علل و اسانید کا بخاری سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔ امام مسلم نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: آپ کے مثل دنیا میں کوئی نہیں۔ پہلے امام مسلم کا قول گزر چکا: مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے پاؤں کو بوسہ دوں۔ استاذ الاستاذین، سید المحدثین، طبیب الحدیث فی علله۔ ابو عمرو خفاف نے کہا: بخاری نے اپنا مثل نہیں دیکھا، یہ امام احمد اور اسحٰق وغیرہ سے بیس درجے اعلم بالحدیث

ہیں۔ جو ان کی گستاخی کرے اس پر میری طرف سے ہزار لعنت۔

عبد اللہ بن حماد آملی نے کہا! میری آرزو ہے کہ میں امام بخاری کے جسم کا ایک بال ہوتا اور جو شرف اس بال کو حاصل ہے مجھے حاصل ہوتا۔ سلیم بن مجاہد نے کہا! میں نے ساٹھ سال سے بخاری سے زیادہ فقیہ اور پرہیزگار کسی کو نہیں دیکھا۔ موسیٰ بن ہارون حمال بغدادی نے کہا! اگر تمام اہل اسلام اکٹھے ہو کر یہ چاہیں کہ محمد بن اسماعیل جیسا کوئی اور پالیں تو یہ ناممکن ہے۔ رہ گئے تلامذہ اور بعد کے علماء نے کیا کہا؟ اس کا سلسلہ اتنا دراز ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں۔

مشائخ اور ان کے طبقات

امام بخاری کا فضل و کمال یہ بھی کچھ کم نہیں کہ انھوں نے علم حدیث کی تحصیل میں اس کا لحاظ نہیں کیا کہ ہم جس سے حدیث حاصل کر رہے ہیں یہ ہم سے بڑا ہے کہ برابر ہے کہ چھوٹا۔ انسان کے دماغ میں جب پندار کا غرور پیدا ہو جاتا ہے تو اپنے چھوٹے تو چھوٹے ہیں برابر تو برابر ہیں اپنے بڑوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا ہے۔ جاہل رہنا پسند کرتا ہے۔ جہل مرکب میں گرفتار رہنا قبول کرتا ہے مگر دوسرے سے کچھ پوچھنا اپنی کسر شان سمجھتا ہے۔ یہ پندار انسان کو علم سے محروم رکھتا ہے۔ کبھی بے جا حیا آڑے آتی ہے۔ مگر امام بخاری ان دونوں عیبوں سے پاک تھے۔ اس حدیث الکلمة الحکمة ضالة المؤمن حیث ما وجدها فهو احق بها[1] علم مومن کی گمشدہ دولت ہے جہاں بھی پائے وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ کے سچے عامل تھے اسی لئے ان کے اساتذہ کی فہرست میں جہاں اس وقت کے مسلم الثبوت مشائخ محدثین ہیں وہیں ان کے معاصرین و تلامذہ بھی ہیں۔ ان کے اساتذہ پانچ طبقات کے ہیں جن کی تعداد ایک ہزار اسی ہے۔

طبقۂ اولیٰ وہ مشائخ جو ثقات تابعین سے روایت کرتے ہیں جیسے محمد بن عبد اللہ انصاری مکی بن ابراہیم ابو عاصم، ایس عبید اللہ بن موسیٰ اسماعیل بن ابی خالد اور نعیم صاحب حلیہ وغیرہ۔

طبقۂ ثانیہ وہ مشائخ جو طبقۂ اولیٰ کے معاصر تھے مگر ثقات تابعین سے روایت نہیں کرتے جیسے آدم بن ابی ایاس، ابو مسہر سعید بن ابی مریم اور ایوب بن سلیمان وغیرہ۔

طبقۂ ثالثہ وہ مشائخ جو کبار تبع تابعین سے روایت کرتے ہیں جیسے سلیمان بن حرب، قتیبہ بن سعید، نعیم بن حماد، علی بن مدینی، یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل وغیرہ۔

طبقۂ رابعہ امام بخاری کے درس کے رفقاء جنھوں نے امام بخاری سے پہلے علم حدیث کی تحصیل شروع کی تھی جیسے ابو حاتم رازی، محمد بن عبد الرحیم، عبد بن حمید، احمد بن نضر، محمد بن یحییٰ ذہلی وغیرہ۔ امام بخاری نے اس وقت ان لوگوں سے روایت کی

---

[1] ابن ماجہ باب الحکمۃ ص ۳۱۴۔

جب ان کے مشائخ وصال پا گئے اور جو احادیث ان کے پاس تھیں وہ کسی اور کے پاس نہ تھیں۔

طبقہ خامسہ اس طبقہ میں وہ محدثین ہیں جو امام بخاری کے تلامذہ تھے۔ جیسے عبداللہ بن حماد آملی، عبداللہ بن عباس خوارزمی اور حسین بن محمد قبانی۔

تلامذہ اس زمانے میں حرمین طیبین کے سوا کوفہ، بصرہ، بغداد، نیشاپور، سمرقند، بخارا علوم دینیہ کے اہم مراکز تھے۔ ان شہروں میں امام بخاری بار بار گئے بے شمار لوگوں کو حدیث پڑھائیں اور یہ سلسلہ ابتدا ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ جہاں جاتے لوگوں کو حدیث پڑھاتے۔ اور ساتھ ہی ساتھ علم حدیث کی تحصیل بھی کرتے۔ کبھی کبھی ہزارہا ہزار کے مجمع میں حدیث املا کراتے۔ محمد بن صالح نے کہا میں نے بغداد میں ان کی حدیثیں لکھنے والوں کا مجمع بیس ہزار تک دیکھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ان کے تلامذہ بخارا سے کر حجاز، شام، مصر تک پھیل گئے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا جن لوگوں نے ان سے صحیح بخاری سنی ان کی تعداد نوے ہزار ہے[1]۔ یہ صحیح بخاری کا حال ہے۔ اس کے علاوہ امام بخاری سے احادیث اخذ کرنے والوں کی کیا تعداد ہے، یہ آج کون شمار کر سکتا ہے۔ جب کہ اس عہد میں گنتی نہ ہو سکی۔

نیشاپور کا فتنہ جب ۲۵۰ھ میں بغداد سے امام بخاری نیشاپور آئے۔ اہل نیشاپور کو جب ان کی آمد کی خبر معلوم ہوئی تو انھوں نے دو تین منزل آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ عوام و خواص، علما و صلحا دو سا سبھی تھے۔ اور اس شان سے نیشاپور آئے کہ اس وقت تک اس شان و شوکت کا استقبال نیشاپور میں نہ کسی عالم کا ہوا تھا نہ کسی حاکم کا۔ یہ امام مسلم کا بیان ہے۔ اس وقت نیشاپور میں محمد بن یحییٰ ذہلی مشہور محدث عوام و خواص کے مرجع بنے تھے۔ یہ بھی استقبال کرنے والوں میں تھے۔ بلکہ لوگوں کو اس کی ترغیب بھی دی۔ انھوں نے لوگوں سے کہا کل میں تو ان کے استقبال کو جاؤں گا جس کا جی چاہے چلے۔ نیشاپور میں آ کر امام بخاری نے دار البخاریین میں قیام کیا۔ امام ذہلی نے لوگوں کو تنبیہ کر دی تھی کہ امام بخاری سے علم کلام کا کوئی مسئلہ نہ پوچھنا خدا نخواستہ اگر وہ ہمارے مسلمات کے خلاف کوئی بات کہہ دیں گے تو ہمارے اور ان کے درمیان اختلاف ہو جائے گا۔ جس پر خراسان کے رافضی ناصبی، جہمی، مرجی ہنسیں گے۔

امام بخاری نے جب احادیث کا درس دینا شروع کیا۔ تو لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ اتنی بھیڑ ہونے لگی کہ دار میں بام و در بھر گئے۔ دوسری درسگاہیں خالی ہو گئیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ معتزلہ نے خلق قرآن کا مسئلہ پوری دنیا لے

---

[1] مقدمہ فتح الباری ص۴۹۲

اسلام میں پھیلا رکھا تھا۔ اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قرآن اللہ عزوجل کا کلام ہے۔ جس طرح اس کی ساری صفات قدیم غیر مخلوق ہیں اسی طرح قرآن بھی قدیم وغیر مخلوق ہے۔ اس کے برخلاف معتزلہ کا عقیدہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے۔ یہ اختلاف بغداد میں اٹھا اور پورے بلاد اسلامیہ میں پھیل گیا۔ اس سلسلے میں متشدد حنابلہ یہاں تک آگے بڑھ گئے کہ ہماری قرأت کو بھی غیر مخلوق کہنے لگے۔ یہ مسئلہ خواص سے بڑھ کر عوام میں بھی پھیل چکا تھا۔ معتزلی وغیر معتزلی کی علامت بن چکا تھا۔

ابھی نیشاپور میں امام بخاری کو درس حدیث دیتے ہوئے دو تین دن ہی گزرے تھے کہ کسی نے بھری مجلس میں ان سے سوال کر دیا۔

قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟

امام بخاری نے اس سے منھ پھیر لیا۔ کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے تین بار پوچھا ہر بار امام بخاری نے منھ پھیر لیا۔ اور کوئی جواب نہیں دیا۔ جب اس شخص نے بہت الحاح کے ساتھ اصرار کیا تو امام بخاری نے یہ جواب دیا۔ قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ اور بندوں کے افعال مخلوق ہیں اور امتحان بدعت ہے۔"

اس پر اس شخص نے فساد مچا دیا اور یہ کہا کہ امام بخاری نے یہ کہا ہے کہ لفظی بالقرآن مخلوق۔ اس پر ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ کچھ لوگ یہ کہنے لگے کہ انھوں نے یہ کہا ہے اور کچھ یہ کہتے کہ نہیں کہا ہے۔ یہاں تک کہ آپس میں مارپیٹ کی نوبت آگئی گھر والوں نے بیچ بچاؤ کر کے مجمع کو ہٹایا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ نیشاپور کے بعض مشائخ نے جب دیکھا کہ امام بخاری کے آتے ہی ہماری مجلسیں اجڑ گئیں تو انھوں نے اس سائل کو سکھا کر بھیجا تھا۔ چونکہ ذہلی ان بزرگوں میں سے تھے جو ہماری تلاوت کو بھی غیر مخلوق مانتے تھے اس لئے انھوں نے یہ اعلان کر دیا۔ جو شخص لفظی بالقرآن غیر مخلوق کہتا ہے وہ بدعتی ہے۔ اس سے میل جول، سلام، کلام بند کر دیا جائے۔ اب جو محمد بن اسماعیل کے یہاں جائے اسے متہم جانو۔ کیونکہ ان کی مجلس میں وہی جائے گا جو ان کے مذہب پر ہوگا۔ امام بخاری لاکھ کہتے رہے کہ میں نے یہ نہیں کہا مگر اب ان کی یہ بات سننے والا کون تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امام مسلم اور احمد بن مسلمہ کے سوا تمام لوگوں نے امام بخاری کے یہاں جانا چھوڑ دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ذہلی نے یہ کہا کہ جو یہ کہے کہ ہماری مجلس میں نہ آئے۔ امام مسلم موجود تھے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے ان کے ساتھ احمد بن مسلمہ بھی چلے آئے۔ امام مسلم نے وہاں سے آتے ہی ذہلی سے جتنی احادیث لکھی تھی سب اونٹ پر لاد کر واپس کر دی۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں، ذہلی کی کوئی روایت نہیں لی ہے۔ اس کی وجہ یہی ناراضگی بتائی جاتی ہے۔ مگر حیرت اس پر ہے کہ اس کے بالمقابل انھوں نے امام بخاری کی بھی کوئی روایت نہیں لی ہے۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب امام مسلم اور احمد بن مسلمہ ذہلی کی مجلس سے چلے آئے تو ذہلی نے یہاں تک کہہ دیا

کہ یہ شخص (بخاری) میرے ساتھ شہر میں نہیں رہے گا۔ اس کے بعد (احمد بن سلمہ) امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ کہا! یہ شخص یعنی ذہلی پورے خراسان خاص کر اس شہر میں مقبول ہے۔ ہم میں سے کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اس سے اس معاملے میں بات کرسکے آپ نے کیا سوچا ہے؟ یہ سن کر امام بخاری نے اپنی ڈاڑھی مٹھی میں لی اور کہا!۔

وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر	میں اپنے معاملہ کو اللہ عزوجل کے سپرد کرتا ہوں جو بندوں
بالعباد اللھم انک تعلم انی لم انزل نیسابور اشراً	کو دیکھتا ہے۔ اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے نیشاپور میں قیام
ولا بطراً ولا طلباً للریاسۃ [1]	کا ارادہ اپنی بڑائی و بزرگی ظاہر کرنے اور ریاست حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا۔

ذہلی نے حسد کی وجہ سے ایسا کیا ہے اب میں اپنے وطن چلا جاؤں گا۔ اے احمد! میں کل صبح ہی کوچ کر دوں گا۔

بخارا کو واپسی

نیشاپور سے امام بخاری اپنے وطن کی طرف چلے۔ جب بخارا والوں کو معلوم ہوا تو مسرت کی لہر دوڑ گئی، تین میل دور تک شامیانے خیمے نصب کئے گئے۔ تمام شہر والے استقبال کو نکلے۔ اور امام بخاری پر درہموں، موتیوں کو نچھاور کرتے ہوئے بخارا لائے۔

اپنے وطن آکر امام پورے اطمینان وسکون کے ساتھ درس حدیث دینے لگے۔ تشنگان علم حدیث ہر چہار طرف سے ٹوٹ پڑے۔ چھ سال تک امام بخاری کا فیضان جاری رہا۔ مگر حاسدین نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ اس وقت حکومت عباسیہ کی طرف سے بخارا کا والی خالد بن احمد ذہلی تھا۔ اس کو امام بخاری سے برگشتہ کرنے کے لئے حاسدین نے یہ کہا کہ آپ امام بخاری سے کہئے کہ وہ آپ کے صاحبزادوں کو آپ کے محل میں آکر اپنی جامع اور تاریخ پڑھا دیں۔ خالد نے امام بخاری کے پاس یہ پیغام بھیجا۔ امام بخاری نے جواب دیا کہ یہ علم حدیث ہے۔ میں اسے ذلیل نہیں کروں گا۔ اگر آپ کو خواہش ہے کہ آپ کے بچے مجھ سے پڑھیں تو اپنے بچوں کو میری مجلس میں بھیج دیں۔ تاکہ دوسرے طلبہ کے ساتھ وہ بھی پڑھیں۔ خالد نے کہلایا کہ اگر آپ میرے محل میں نہیں آسکتے تو میں اپنے بچوں کو آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا مگر جب یہ پڑھنے حاضر ہوں تو ان کے ساتھ کوئی دوسرا نہ ہو۔ ان کو تنہا پڑھائیں۔ میرے فرستادے چوبدار دروازے پر متعین رہیں گے کسی کو اس وقت اندر نہ جانے دینگے امام بخاری نے اسے بھی پسند نہ فرمایا۔ کہلا دیا۔ کہ علم میراث رسول ہے۔ اس پر ہر امتی کا حق برابر ہے میں کسی کی تخصیص نہیں کروں گا۔ اس سے وہ امام بخاری پر غضبناک ہو گیا۔

---

[1] مقدمہ فتح الباری ۴۹۳

دوسری روایت بکر بن منیر کی یہ ہے کہ والیٔ بخارا خالد نے خود خواہش ظاہر کی تھی کہ میں آپ کی جامع اور تاریخ آپ سے سننا چاہتا ہوں۔ آپ میرے محل میں آکر مجھے سنا دیا کریں۔ امام بخاری نے جواب میں کہلا دیا کہ میں علم کو ذلیل کر کے سلاطین کے دروازوں پر نہیں لے جا سکتا جس کو شوق ہے وہ میرے گھر یا میری مسجد میں حاضر ہو کر سن لے۔ اور اگر یہ پسند نہ ہو تو سلطان ہے مجھے درس دینے سے روک دے تاکہ قیامت کے روز اللہ عزوجل کے حضور میرے لئے عذر ہو کہ میں نے اپنی خوشی سے علم کو نہیں چھپایا ہے۔ اس جواب پر وہ بوکھلا گیا۔

اس نے رائے عامہ سے امام بخاری کو پھیرنے کے لئے بخارا کے چند افراد کو جن میں حریث بن ابو الورقاء کا نام خاص طریقے سے مشہور ہے آمادہ کیا کہ وہ اختلافی مسائل پر امام بخاری سے گفتگو کریں۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور اسے عوام میں پھیلانا شروع کیا جس سے شورش اٹھ کھڑی ہوئی۔ مشہور ہے کہ کسی نے امام بخاری سے پوچھا کہ اگر ایک لڑکا اور ایک لڑکی کسی بکری کا دودھ ایام رضاعت میں پی لیں تو حرمت رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟ امام بخاری نے فرمایا کہ ہاں ثابت ہو جائے گی۔ انہیں ایام میں نیشاپور کے محمد بن یحییٰ ذہلی کا بھی خالد کے پاس خط آیا کہ امام بخاری کا عقیدہ یہ ہے۔ لفظی بالقرآن مخلوق ۔ اس نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔ امام بخاری کے خلاف ایک محضر نامہ تیار ہوا جس پر بخارا کے علماء کے دستخط ہوئے۔ جب امام بخاری کے خلاف رائے عامہ ہموار ہو گئی اور محضر نامہ بھی تیار ہو گیا تو اس نے ان کو حکم دیا کہ بخارا سے نکل جائیں۔ جلاوطنی کا حکم سننے کے بعد امام بخاری اتنے کبیدہ خاطر ہوئے کہ شکستہ قلب و جگر سے اپنے ان مخالفین کے لئے یہ بد دعا کی۔

اللھم ارھم ما قصدونی بہ فی انفسھم واولادھم واھالیھم [1] ۔ اے اللہ! جیسا انہوں نے مجھے بے عزت کیا ہے ویسے ہی ان لوگوں کو اپنی ذات اپنی اولاد اپنی اہل کی بے عزتی دکھا۔

درِ حق سے اجابت نے امام بخاری کی دعا کا استقبال کیا۔ اور ایک مہینہ بھی نہیں گزرا کہ خالد اور اس سازش کے شرکاء اس کا نشانہ بنے۔ خالد کے بارے میں دار السلطنت بغداد سے سلطانِ وقت کا حکم پہنچا کہ اسے معزول کیا گیا۔ اسے گدھی پر سوار کر کے شہر میں گھمایا جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ بدکار کی یہ سزا ہے۔ اس سزا کے بعد وہ پابجولاں بغداد بھیجا گیا وہیں جیل میں مدتہا اسی میں مرا۔ حریث بن ورقاء کے اہل کے بارے میں وہ بات مشہور ہوئی جو ناقابل ذکر ہے۔ اور دوسرے لوگوں کی اولاد پر وہ بلائیں آئیں جنہیں سن کر روح کانپ جاتی ہے۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را ✽ چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

[1] مقدمہ فتح الباری ص ۴۹۳ ۔

وفات امام بخاری جلاوطنی کا حکم سننے کے بعد بخارا سے نکلے۔ جب سمرقند والوں کو معلوم ہوا کہ امام بخاری وطن چھوڑ رہے ہیں تو انھوں نے خط لکھ کر درخواست کی کہ ہمارے یہاں تشریف لاکر ہمیں عزت بخشیں۔ امام بخاری نے سمرقند کا رخ کیا۔ جب سمرقند کے قریب ایک موضع خرتنگ پہنچے تو اطلاع ملی کہ سمرقند میں بھی ان کے بارے میں اختلاف ہو گیا ہے۔ خرتنگ میں امام بخاری کے کچھ رشتہ دار بھی تھے۔ آپ نے وہیں عارضی طور پر اس وقت کے لئے قیام فرمانے کا ارادہ کر لیا جب تک باشندگان سمرقند کوئی آخری فیصلہ نہ کرلیں۔

پیہم حوادث و شورش نے امام بخاری کے صبر کا پیمانہ لبریز کر دیا۔ دنیا سے اکتا گئے۔ ایک رات تہجد کی نماز کے بعد سوز قلب سے یہ دعا کی۔

اللهم قد ضاقت علی الارض بما رحبت فاقبضنی الیک [1] — اے اللہ زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی ہے مجھے اپنی طرف اٹھا لے۔

چند دن کے بعد بیمار پڑ گئے۔ اسی اثنا میں سمرقند سے قاصد آیا کہ آپ سمرقند تشریف لائیں۔ امام بخاری سمرقند جانے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ مگر سمرقند سے قاصد کے ساتھ ساتھ پیک اجل بھی آ رہا تھا۔ سمرقند جانے کے لئے اٹھے، موزے پہنے، عمامہ باندھا۔ آپ کے میزبان غالب بن جبریل بازو پکڑ کر سواری تک لے چلے بمشکل بیس قدم چلے ہوں گے کہ فرمایا مجھے چھوڑ دو مجھ پر ضعف طاری ہو گیا ہے۔ غالب کا بیان ہے ہم نے چھوڑ دیا کچھ دعائیں پڑھیں اور لیٹ گئے۔ لیٹتے ہی روح جوار قدس میں پرواز کر گئی۔ وصال کے بعد جسم اقدس سے پسینہ نکلنا شروع ہوا اتنا نکلا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ کفن پہنانے کے وقت تک نکلتا رہا۔ وصیت فرمائی تھی کہ مجھے تین کپڑوں میں کفن دیا جائے جن میں نہ کرتا ہو نہ عمامہ۔ اسی کے مطابق عمل ہوا۔ تیرہ دن کم باسٹھ سال کی عمر میں ہفتہ کے دن یکم شوال کی رات میں وصال ہوا۔ عید الفطر کے دن بعد نماز ظہر اس گنجینۂ کرامت کو ہم نے دفن کیا۔

مزار پاک دفن کے بعد قبر اطہر سے مشک کی خوشبو اٹھتی تھی۔ لوگ دور دور سے آکر مزار پاک کی مٹی لے جانے لگے جس سے گڑھا ہو گیا۔ عقیدت مندوں نے لکڑی کا احاطہ بنا دیا پھر لوگ احاطے کے باہر کی مٹی لے جانے لگے۔ اس ظاہر و باہر کرامت کے بعد بہت سے مخالفین مزار اقدس پر آئے اظہار ندامت اور توبہ کیا۔[2]

امام بخاری کی وفات کے ایک سال بعد سمرقند میں سخت قحط پڑا۔ لوگوں نے بار بار نماز استسقاء پڑھی، دعائیں مانگی، مگر بارش نہ ہوئی۔ بالآخر ایک مرد باخدا نے سمرقند کے قاضی سے جاکر کہا آپ شہر والوں کو لے کر امام بخاری کے مزار پر حاضر ہوں۔

---

[1] مقدمہ فتح الباری ص ۴۹۳، [2] ایضاً ۴۹۳،

وہاں دعا مانگو امید ہے کہ اللہ عزوجل تمہاری دعا قبول فرمائے گا۔ قاضی شہر باشندگان سمرقند کو لے کر امام بخاری کے مزار پاک پر حاضر ہوئے۔ لوگوں نے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ رو رو کر بارش کے لئے دعائیں کیں۔ امام بخاری سے درخواست کی دعا کے قبول کرنے کی شفارش کر دیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ ابھی دعا کر ہی رہے تھے کہ فضا پر بادل چھاگئے اور موسلا دھار بارش ہوئی کہ مسلسل لگاتار سات دن تک ایسی بارش ہوئی کہ ان لوگوں کو اپنے گھر سمرقند جانا ممکن نہ ہوا[1]۔ اسی کو حدیث میں فرمایا۔

ان خلفاء الارض من ثلثين مثل ابراهيم بهم تغاثون وبهم ترزقون وبهم تمطرون[2]

ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام سے خوبوں میں مشابہت رکھنے والے تیس شخص زمین پر موجود رہیں گے انھیں کی بدولت تمہاری فریاد رسی جائے گی اور انھیں کے سبب رزق پاؤ گے اور انھیں کی برکت سے بارش دیے جائنگے۔

هو قوم او اختلفوا بسنر ليلة   حالهم ضاد سير الحران ساروا

امام بخاری کی تاریخ ولادت صدق (۱۹۴) ہے اور تاریخ وفات نور (۲۵۶) اور مدت عمر حمید (۶۲) ہے۔ کسی نے ان سب پر جامع ایک رباعی کہی ہے۔

كان البخاري حافظا ومحدثا   جمع الصحيح مكمل التحرير
ميلاده صدق (۱۹۴) ومدة عمره   فيها حميد (۶۲) وانقضى في نور (۲۵۶)

اسی قسم کی جامع تاریخ کسی نے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی نکالی ہے۔

ان باز اللہ اشہب جاء   فی عشق (۴۷۰) ومات فی کمال (۹۱)

عشق تاریخ ولادت۔ کمال مدت عمر۔ اور دونوں کا مجموعہ۔ کمال عشق (۵۶۱)۔ تاریخ وصال۔

بارگاہ رسالت میں مقبولیت

محبوب خدا کی محبت ایمان کی جان ہے۔ امام بخاری کو محبوب رب العالمین سے جو محبت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ ان کے ارشادات ان کے افعال ان کے احوال ان کے حلیۂ جمال کے ایک ایک نقش و نگار کی تلاش اور جمع اور پھر اسے پوری دنیا میں پھیلانے کی سعی پیہم میں گزرا۔ اس کے لئے انھوں نے وطن سے دوری احباب سے مفارقت سفر کی صعوبتیں۔ حریفوں کے تلخ و ترش سب کچھ انتہائی خندہ پیشانی سے برداشت کئے کیا یہ سب اسیر محبت کے سوا اور کسی کے بس کی بات ہے؟۔

امام بخاری کے پاس حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ موئے مبارک تھے جسے وہ اپنے ملبوسات میں رکھے

[1] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۔ [2] ابن حبان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

امام بخاری پر کیوں نہ ہوتیں۔ وہ اس رحمۃ للعالمین کی عنایتیں کرم فرمائیاں تو سب پر عام ہیں۔ جب امام بخاری کا یہ حال تھا تو رہتے۔
بیان ہے کہ ایک بار میں نے خواب دیکھا کہ امام الانبیاء کہیں جا رہے ہیں پیچھے امام بخاری بھی ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم مبارک اٹھانے کے بعد وہیں امام بخاری بھی قدم رکھتے ہیں جہاں سے قدم مبارک اٹھا ہے۔

امام بخاری کے مشہور تلمیذ فربری کا بیان ہے میں نے خواب دیکھا کہ میں کہیں جا رہا ہوں ناگہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے۔ پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ عرض کیا محمد بن اسماعیل کے یہاں۔ فرمایا! جاؤ ان سے میرا سلام کہنا۔

عبدالواحد بن آدم طواویسی نے بیان کیا۔ میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ ایک جگہ کھڑے ہیں۔ جیسے کسی کا انتظار ہے۔ میں نے دریافت کیا حضور کس کا انتظار ہے؟ فرمایا بخاری کا۔ طواویسی کہتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد خبر ملی کہ امام بخاری کا وصال ہوگیا۔ مجھے تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ جس رات زیارت اقدس سے مشرف ہوا تھا وہی رات امام بخاری کے وصال کی تھی۔ جس کا استقبال شہنشاہ کونین اپنے صحابہ کے ساتھ عالم بالا میں کریں اس کی عظمتوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے [1]

فقہی مذہب امام عبدالوہاب تقی الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں امام بخاری کو ذکر کیا ہے اس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ شافعی تھے۔ ان کی کتاب بھی اس کی ایک طرح تائید کرتی ہے۔ کیونکہ اس کی اکثر احادیث امام شافعی کے مذہب کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔[2]

ابو عاصم عبادی نے امام بخاری کو اپنی کتاب الطبقات میں ذکر کیا۔ اور لکھا ہے کہ امام بخاری نے زعفرانی، ابو ثور اور کرابیسی سے حدیث سنی۔ علامہ سبکی نے اضافہ کیا کہ مکے میں حمیدی سے شافعی فقہ حاصل کیا۔ یہ چاروں حضرات امام شافعی کے اصحاب میں سے ہیں۔

امام بخاری، امام شافعی سے اپنی صحیح میں البتہ روایت نہیں کرتے اس لئے کہ امام شافعی کا ادھیڑ عمر میں وصال ہوگیا۔ امام بخاری کی ملاقات امام شافعی کے معاصرین سے ہوگئی تھی ان سے حدیثیں لیں اور روایت کیں۔ اگر امام شافعی سے روایت کرتے تو لامحالہ امام شافعی اور امام بخاری کے مابین ایک راوی کا اضافہ ہو جاتا۔ اور سند بڑھ جاتی جس سے تنزل ہو جاتا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ سند میں جتنا کم واسطہ ہو اتنی ہی سند عالی ہوتی ہے اور وہ قابل لحاظ ہے۔

اور یہی رائے حضرت علامہ شہاب الدین احمد خطیب قسطلانی کی بھی ہے۔ ان دونوں کی بنیاد ابو عاصم عبادی کے اوپر ہے۔

---

[1] مقدمہ فتح الباری ص۴۹۳، [2] الطبقات الشافعیہ ج۲ ص۲، [3] قسطلانی ج۱ ص۳۱

یہ امام بخاری سے بہت قریب ہیں۔ امام بخاری کے سو سال کے بعد ان کی پیدائش ۳۵۵ھ میں ہوئی ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں ابو عاصم کی رائے بعد والوں کے بہ نسبت زیادہ وزنی ہے۔

نواب صدیق حسن بھوپالی ابجد العلوم میں لکھتے ہیں۔

ونذكر بعد ذلك شيئا من أئمة الشافعية وهؤلاء صنفان احدهما من تشرف بصحبة الامام الشافعي والآخر من تلاهم من الائمة۔ اما الاول فمنهم احمد الخلال، ابو جعفر البغدادي۔ واما الصنف الثاني فمنهم محمد بن ادريس، ابو حاتم الرازي، محمد بن اسمعيل البخاري و محمد بن الحكيم الترمذي۔[1]

اس کے بعد ہم کچھ ائمہ شوافع کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ دو قسم کے ہیں، ایک وہ جنھوں نے امام شافعی کی صحبت پائی دوسرے وہ جو ان کے بعد آئے پہلی قسم میں احمد بن خلال، ابو جعفر بغدادی ہیں۔ اور دوسری قسم میں محمد بن ادریس ابو حاتم رازی، محمد بن اسمٰعیل بخاری، محمد بن حکیم ترمذی ہیں۔

لیکن امام بخاری جہاں اکثر احادیث امام شافعی کے مذہب کے موافق لائے ہیں وہیں بہت سے مسائل میں ان سے اختلاف بھی کیا ہے۔ اس کے برخلاف ابو الحسن بن العراقی نے کہا کہ یہ حنبلی تھے۔ امام بخاری نے خود بیان کیا میں آٹھ بار بغداد گیا اور ہر بار امام احمد کے پاس بیٹھا۔ آخری بار جب میں رخصت ہونے لگا تو فرمایا۔ اے ابو عبد اللہ، علم اور قدر داں لوگوں کو چھوڑ رہے ہو اور خراسان جا رہے ہو۔ جب بخارا سے جلاوطن ہوئے تو نہایت حسرت سے فرماتے اب امام احمد کا قول یاد آرہا ہے۔

ابو عاصم کی دلیل گزر چکی کہ انھوں نے اس بنا پر امام بخاری کو شافعی کہا کہ انھوں نے امام شافعی کے تلامذہ سے اخذ علوم کئے۔ حتی کہ فقہ شافعی بھی ان کے تلمیذ حمیدی سے پڑھی۔ اور ابو الحسن بن العراقی نے بھی امام احمد سے تلمذ کی بنا پر ان کو حنبلی کہا۔

ظاہر ہے کہ محض تلمذ کی بنا پر کسی کو استاذ کا مقلد ہونے کا دعوی درست نہیں۔ ان کی کتاب نظر کے سامنے ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ مذہباً نہ شافعی ہیں۔ اور نہ حنبلی۔ بلکہ سب سے الگ ان کا ایک مذہب ہے۔ اس لئے ہم علامہ ابن عابدین شامی اور اپنے دیگر اکابر کی اس رائے سے متفق ہیں کہ وہ مجتہد مطلق تھے۔

علامہ شامی نے "عقود اللآلی فی سند العوالی" میں امام بخاری کے مجتہد ہونے کی تصریح کی ہے۔ علاوہ ازیں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے صاحبزادے حضرت شیخ نور الحق محدث جلیل نے تیسیر القاری میں بھی اس کا اشارہ دیا ہے فرماتے ہیں۔

---

[1] ص۱۱۱،

گفتہ اند کہ وی در زمان خود در حفظ احادیث واتقان آں وفہم معانی کتاب وسنت وحدت ذہن وجودت بحث ووفور فقہ وکمال زہد وغایت ورع وکثرت اطلاع بر طرق حدیث وعلل آں ودقت نظر وقوت اجتہاد واستنباط فروع از اصول نظیر نداشت

علامہ بخاری کا بھی یہی مختار ہے [1]

صحیح البخاری

امام بخاری کی یہ کتاب اگرچہ بخاری کے نام سے مشہور ہے مگر امام بخاری نے اس کا نام یہ رکھا تھا۔

الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسننہ وایامہ۔

ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ جامع محدثین کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ان آٹھ موضوع پر احادیث ہوں۔ ایمان، احکام، سیر، تفسیر، آداب، مناقب، فتن، اشراط الساعۃ۔

اسلامی تصنیفات میں اللہ عزوجل نے جو مقبولیت صحیح بخاری کو عطا فرمائی وہ کسی تصنیف کو آج تک نہ حاصل ہو سکی بلکہ خود امام بخاری کی دوسری تصنیفات کو بھی نہ حاصل ہوئی جن کی تعداد بیس ہے۔ شرقاً غرباً تمام ممالک اسلامیہ میں اس کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔

وجہ تصنیف ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ تابعین کے اخیر دور میں باقاعدہ مرتب بوب احادیث کی کتابیں تصنیف ہونی شروع ہو گئی تھیں۔ تبع تابعین میں یہ کام کافی عام ہو گیا۔ امام اعظم ابو حنیفہ کی کتاب الآثار، امام مالک کی مؤطا، جامع سفیان ثوری، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبد الرزاق، عبد اللہ بن مبارک کی کتاب، وکیع کی کتاب، امام شافعی کی کتاب، مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ۔

مگر اب تک جتنی کتابیں لکھی گئی تھیں، ان میں یہ التزام نہیں تھا کہ صرف صحیح احادیث ہی لکھی جائیں۔ مصنفین نے ہر قسم کی احادیث جمع کر دی تھیں۔ اس کی شدید ضرورت تھی کہ کوئی ایسی کتاب لکھی جائے جس میں مصنف صرف انھیں حدیثوں کو جگہ دے جو صحیح ہوں۔

اس ضرورت کا احساس امام بخاری کے استاذ اسحاق بن راہویہ کو ہوا۔ انھوں نے ایک دن اپنے تلامذہ سے فرمایا۔ اگر تم لوگوں سے ہو سکے تو کوئی ایسی کتاب مختصر لکھ دو جس میں صرف صحیح احادیث ہی ہوں۔ اس وقت امام بخاری بھی اس مجلس میں

---

[1] تیسیر القاری فی شرح البخاری، الجزء الاول ص

حاضر تھے۔ ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی اسی وقت طے کرلیا کہ میں ایسی کتاب لکھوں گا۔

اس کے علاوہ اس کا باعث امام بخاری کا ایک خواب بھی ہے۔ انھوں نے خود بیان کیا ہے کہ میں نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا۔ میں خدمت اقدس میں کھڑا ہوں میرے ہاتھ میں پنکھا ہے اور میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس سے مکھیاں ہانک رہا ہوں۔ کسی مُعبّر سے تعبیر پوچھی تو اس نے تعبیر دی کہ آپ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات سے جھوٹ دفع کریں گے۔ اس خواب نے مجھے اس پر ابھارا کہ ایک جامع صحیح لکھوں۔

تصنیف کی غرض احادیث صحیحہ کا جمع۔ اپنے عقائد و معمولات کا بیان اور ان پر حتی الوسع احادیث سے استدلال۔ عقائد اعمال میں اپنے مخالفین کا رد۔ پہلا مقصد بالکل ظاہر ہے۔ دوسرا اور تیسرا مقصد احادیث کے ابواب سے ظاہر ہے اور امام بخاری کے کلمات سے بھی جو انھوں نے جگہ جگہ ارشاد فرمائے ہیں۔ کتنے ابواب ایسے ہیں جن کی تائید میں کوئی حدیث نہیں لاسکے۔ اس سے ظاہر ہے کہ امام بخاری پہلے باب قائم کرتے ہیں پھر اس کے مطابق حدیث تلاش کرتے ہیں اگر مل جاتی ہے تو لکھ دیتے ہیں نہیں ملتی تو بھی باب جوں کا توں چھوڑ دیا ہے۔ شاید اس امید پر کہ اگر کوئی حدیث مل جائے گی تو بعد میں یہاں درج کر دیں گے۔ لیکن اخیر عمر تک نہیں ملی تو باب یوں ہی رہ گیا۔

ہمارے بتائے ہوئے تیسرے مقصد پر سیکڑوں ابواب شاہد ہیں۔ خصوصیت سے کتاب الایمان کے ابواب اور کتاب الحیل پوری کی پوری۔ آپ غور کریں ابتداءً ہی میں عمل کے گھٹنے بڑھنے پر اور یہ کہ ایمان قول بھی ہے اور عمل بھی۔ بھرپور زور صرف فرمادیا۔ چونکہ اس مضمون کی کوئی حدیث نہیں ملی تو اقوال صحابہ و تابعین سے اس کو ثابت کرنے میں اپنی ذہانت میں کوئی کمی اٹھا نہیں رکھی۔ مگر اسکے بعد بھی انھوں نے اس سے متعلق دسیوں باب باندھے ہیں۔ مثلاً قیام لیلۃ القدر من الایمان، الجہاد من الایمان، تطوع قیام رمضان من الایمان، صوم رمضان احتسابا من الایمان، الصلوۃ من الایمان، زیادۃ الایمان ونقصہ، الزکوۃ من الاسلام، اتباع الجنائز من الایمان، اداء الخمس من الایمان، باب ماجاء ان الاعمال بالنیۃ والحسبۃ ولکل امرئ ما نوی فدخل فیہ الایمان والوضوء والصلوۃ والزکوۃ والحج والصوم والاحکام۔

اور کتاب الحیل کا مقصد تو بالکل کھلا ہوا ہے کہ وہ صرف امام بخاری نے اپنے غضب و جلال ظاہر کرنے کے لئے لکھی ہے لیکن بزرگوں کے ہر کام میں برکت ہی برکت ہوتی ہے۔ ان ابواب کی برکت سے ہمیں احادیث کے وہ گراں قدر تحفے ملے جو دوسری جگہ بھی ہیں مگر امام بخاری والی بات کہاں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وجزاہ عنا وعن جمیع اھل الاسلام خیر الجزاء۔

ادب اور اہتمام امام بخاری کو چھ لاکھ احادیث یاد تھیں۔ ان میں اچھی سے اچھی عمدہ سے عمدہ ترجیح سے اصح اعلیٰ سے اعلیٰ ترکو منتخب کرکے اس عظیم تصنیف میں رکھی ہیں۔ اور انتخاب میں انھیں اپنی معلومات کے ایک ایک نقطے کو صرف کرکے اپنی فکر و تدبر

کی آخری حد کو چھوڑ کر بھی اطمینان نہ ہوتا تو اللہ عزوجل کے حضور استخارہ کرنے پھر صفحۂ قرطاس کے حوالہ کرتے۔

تصنیف وتالیف کے لئے گوشۂ تنہائی جو بہتر ہے مگر امام بخاری نے اسے بھری مسجد حرام میں مسجد نبوی میں لکھا۔ ایک بار لکھ کر مطمئن نہ ہوئے تو تین بار لکھا۔ یہ سب وہی اعلیٰ سے اعلیٰ ترجیح سے اصح کے انتخاب کے لئے تھا۔ وہ خود فرماتے ہیں۔ [۱]

مجھے چھ لاکھ حدیثیں یاد ہیں ان میں چن چن کر سولہ سال میں اس جامع کو میں نے لکھا ہے۔ اور اسے میں نے اپنے اور اللہ عزوجل کے درمیان حجت بنایا ہے۔ میں نے اپنی اس کتاب میں صرف صحیح احادیث داخل کی ہیں۔ اور جن صحیح حدیثوں کو میں نے اس خیال سے کہ کتاب بہت طویل نہ ہو جائے ترک کر دیا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہیں۔

امام بخاری نے یہ کتاب کہاں لکھی اس کے بارے میں انہوں نے خود فرمایا۔ کہ میں نے اسے مسجد حرام میں اس طرح لکھا ہے کہ ہر حدیث کے لکھنے سے پہلے غسل کرتا پھر دو رکعت نفل پڑھتا پھر استخارہ کرتا۔ جب کسی حدیث کی صحت پر دل جمتا تو اسے کتاب میں درج کرتا۔

لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ وہ مسجد حرام میں سولہ سال کبھی نہ رہے۔ بلکہ متفرق طور پر ان کا مکہ معظمہ میں جو قیام رہا اس کی مجموعی مدت بھی سولہ سال نہیں۔

اس کا جواب علامہ ابن حجر نے یہ دیا کہ انہوں نے تصنیف کی ابتدا مسجد حرام میں کی پھر جہاں گئے اسے لکھتے رہے۔ اور ایک توجیہ یہ بھی ہے جو ہمارے مشائخ نے کی ہے کہ اس کا مسودہ مختلف بلاد میں لکھا۔ مسجد حرام میں بیٹھ کر اس کا مبیضہ کیا۔

تراجم ابواب کے لئے صرف ایک روایت ہے کہ اسے امام بخاری نے مزار اقدس و منبر مبارک کے مابین ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر اصل کتاب میں منتقل کیا ہے۔ غالباً اسی وقت کے بارے میں یہ روایت ہے کہ میں اس کتاب میں کسی حدیث کے لکھنے سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استعانت کرتا ہوں کہ کیا آپ کا ارشاد ہے یا نہیں؟ جب حضور فرماتے ہاں تو لکھتا۔

اور میرے خیال میں سب سے اچھی توجیہ یہ ہے کہ امام بخاری نے پہلے مسودہ تیار کیا جس میں ابواب اور ابواب سے مناسب احادیث جمع کیں۔ یہ مختلف بلاد میں تیار کیا پھر مسجد حرام میں حاضر ہو کر اس مسودہ میں جو احادیث تھیں ان کو مبیضہ کیا۔ ابواب کی جگہ خالی رکھی۔ اور حرم نبوی میں حاضر ہو کر تراجم کو اصل کتاب میں منتقل کیا۔ اس لئے کہ تراجم کے بارے میں جو لفظ وارد ہے وہ یہ ہے۔

حَوَّلَ تراجمہ جامعہ بین قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ ... اس کتاب کے تراجم ابواب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پاک اور

---

[۱] اشعۃ اللمعات ج ۱ ص [illegible]

علیه وسلم و منبره و کان یصلی لکل ترجمة رکعتین [1] منبر اقدس کے مابین منتقل کیا اور ہر ترجمے کے لئے دو رکعت نماز پڑھے۔

تحویل کا ترجمہ سوائے منتقل ہونے کے اور کچھ نہیں بنتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ تراجم کا کوئی مسودہ پہلے سے تھا۔ اس سے تحویل کر کے لکھے گئے۔ تحویل کی دوسری تعبیر یہی ہے کہ اس کو منتقل کرتے تھے۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ تراجم پہلے سے لکھے تھے۔ مگر جس صحیفے میں بڑھاتے تھے اس میں تراجم کی جگہ خالی تھی۔ تو لازم کہ پہلے احادیث بلا تراجم لکھی تھیں۔ اور یہ روایت کہ اس کو تین مرتبہ لکھا اس سے مراد یہی ہے کہ پہلے ایک مسودہ تیار کیا جس میں ترجمۃ الابواب اور اس سے متعلق احادیث تھیں۔ پھر مسجد حرام میں اسے صاف کیا اور ترجمہ باب کی جگہ چھوڑ دی۔ اور حرم نبوی میں حاضر ہو کر مسودہ سے تراجم الابواب اصل کتاب میں اضافے کئے اور اس کے ساتھ پھر اس پر ایک تنقیحی نظر بھی ڈالی۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

کتاب کی تصنیف کے بعد امام بخاری نے اپنی یہ کتاب امام احمد بن حنبل یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی کو دکھائی۔ ان حضرات نے اس کی بہت تحسین کی جس سے امام بخاری کو طمانیت قلب حاصل ہوئی۔ محمد بن حاتم وراق نے کہا میں نے امام بخاری سے پوچھا کہ آپ نے اپنی اس صحیح میں جتنی حدیثیں لکھی ہیں وہ سب آپ کو یاد ہیں۔ فرمایا، جامع صحیح کی کوئی حدیث مجھ سے چھپی نہیں۔ اس لئے کہ میں نے اس کو تین بار لکھا ہے۔

بارگاہ رسالت میں اس کتاب کی مقبولیت صحیح بخاری کی معراج کمال یہ ہے کہ مصنف کی طرح ان کی کتاب بھی محبوب رب العالمین کی بارگاہ میں مقبول ہوئی۔ ابو زید مروزی نے بیان کیا کہ ایک بار میں مطاف میں رکن کے مابین سویا ہوا تھا کہ میرا نصیبہ جاگا۔ سرکار ابد قرار مونس بے قرار تشریف لائے۔ اور فرمایا اے ابو زید کب تک شافعی کی کتاب پڑھو گے، میری کتاب کیوں نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی کتاب کون سی ہے؟ فرمایا، محمد بن اسماعیل کی جامع۔[2]

ہر ستم ہر جفا گوارا ہے ؛ صرف کہہ دے کہ تو ہمارا ہے

طرز امام بخاری کا اسلوب اس کتاب میں یہ ہے کہ وہ پہلے باب باندھتے ہیں۔ کبھی کبھی باب کے مناسب ایک یا چند آیات ذکر کرتے ہیں۔ کبھی باب سے متعلق معلق احادیث اور اقوال سلف صحابہ یا ائمہ تابعین و تبع تابعین ذکر کرتے ہیں پھر اگر باب کی تائید کوئی ایسی حدیث ہوتی ہے جو ان کی شرائط پر پوری ہو تو اسے مع سند کے ذکر کرتے ہیں۔ کبھی ایک کبھی متعدد کبھی مفصل کبھی مختصر کبھی پوری حدیث، کبھی حدیث کا کوئی جزء

---

[1] مقدمہ فتح الباری وغیرہ ص [illegible]۔ [2] مقدمہ فتح الباری ص [illegible]۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی حدیث کے جزء کو باب کا عنوان بناتے ہیں کبھی کسی آیت کو۔ اس سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ یہ باب دلیل کا محتاج نہیں۔ کبھی کسی حدیث کے جزء کو باب کا عنوان بنانے سے یہ افادہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث [illegible] ہے۔ خواہ وہ ان کے ان شرائط پر ہو جن کا انھوں نے اس کتاب میں التزام کیا ہے۔ خواہ نہ ہو۔ کبھی باب کی تائید میں صرف قرآن مجید کی آیات ذکر کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔ کوئی حدیث معلق یا مسند نہیں ذکر کرتے۔ کہیں کہیں صرف ابواب کے عنوان قائم کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔ نہ کوئی آیت ذکر کی ہے نہ حدیث۔ کہیں کہیں ائمہ مذاہب پر بہت درشت لہجے میں تعریض بھی کی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی حدیث متعدد جگہ ذکر کرتے ہیں۔ اس سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس حدیث سے جتنے مسائل انھوں نے مستنبط کئے سب مذکور ہو جاتے ہیں۔ دوسرے متعدد طرق سے اس حدیث کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ ایک حدیث پر مختلف ابواب سے کبھی یہ بھی اشارہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے عموم پر ہے یا اس میں کوئی تخصیص ہے۔ یہ اپنے اطلاق پر ہے یا اس میں کوئی قید ہے۔ تخصیص اور تقیید ہے تو کیا ہے۔ کبھی مبہم معانی کی توضیح مقصود ہوتی ہے۔ کبھی آیات قرآنیہ اور احادیث کے مشکل الفاظ کی تفسیر بھی کرتے جاتے ہیں۔

شرائط

امام بخاری یا امام مسلم نے اپنی ان مخصوص شرائط کا ذکر نہیں کیا جن کا ان دونوں حضرات نے اپنی اپنی کتابوں میں التزام کیا ہے۔ صرف حدیث معنعن کے سلسلے میں اتنا ضرور معلوم ہے کہ ان دونوں بزرگوں میں یہ اختلاف ہے کہ امام بخاری معاصرت کے ساتھ ثبوت لقاء کی شرط ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور امام مسلم معاصرت کافی سمجھتے ہیں۔ امام مسلم نے لقاء کی شرط کے ضروری نہ ہونے پر بہت لمبی بحث کی ہے۔ جس کی بنیاد یہ ہے کہ گفتگو اس صورت خاص میں ہے کہ راوی ثقہ ہو مدلس نہ ہو۔ اور لقاء کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ تلمیذ کا شیخ سے سماع ثابت ہو۔ صرف لقاء سے سماع لازم نہیں ہو سکتا ہے ملاقات ہوئی ہو مگر سماع نہ ہو۔ تو یہ شرط بلا ضرورت ہے۔ جب ہم نے مان لیا کہ راوی ثقہ ہے مدلس نہیں اور یہ کہہ رہا ہے کہ فلاں سے روایت ہے۔ تو یہی اس کا قول دلیل سماع ہے۔ خواہ دونوں کی ملاقات کا ثبوت ہو خواہ نہ ہو۔ پھر ملاقات کے ثبوت کی شرط سے کیا فائدہ امام مسلم کی یہ بات بہت وزنی ہے۔ اگرچہ یہ بات ظاہر ہے کہ اگر تلمیذ و شیخ میں لقاء بھی ثابت ہو تو اس سے قوت زیادہ مل جاتی ہے بخاری کے مسلم پر تفوق کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

اس کے علاوہ اور کیا کیا مخصوص شرائط ہیں؟ محدثین نے اس کی کھوج لگانے کی بہت کوشش کی مگر کوئی خاص شرط معلوم نہ ہو سکی۔ سوائے اس کے کہ دیگر محدثین نے حدیث کے صحیح ہونے کے لئے جن شرائط کا اعتبار کیا ہے اس پر مستزاد یہ ہے۔ کہ امام بخاری زیادہ ایسے راویوں سے حدیث لیتے ہیں جو اپنے شیخ کے ساتھ بہت زیادہ رہا ہو اس کو یہ لوگ اپنی زبان میں کثیر الملازمت اور اس کے مقابل کو قلیل الملازمت بولتے ہیں۔ اور کبھی جب کسی موضوع پر کثیر الملازمت تلامذہ کی روایت نہیں

ملی تو بوجہ مجبوری قلیل الملازمت تلامذہ کی بھی احادیث لے لیتے ہیں مگر ایسا پہلے کے بہ نسبت کم ہے۔

قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا کہ امام بخاری کی یہ بھی شرط ہے کہ حدیث کی روایت میں کہیں دو راوی سے کم نہ ہوں حتی کہ وہ دو صحابی سے مروی ہو۔ مگر یہ شرط بھی اکثری ہو سکتی ہے کلی نہیں۔ اس لئے کہ بخاری کی پہلی حدیث انما الاعمال بالنیات، میں مسلسل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر یحییٰ بن سعید تک صرف ایک ہی راوی ہیں۔ حضرت عمر کے بعد علقمہ اور ان کے بعد محمد بن ابراہیم اور ان کے بعد یحییٰ بن سعید ہیں۔ ہاں امام بخاری کی ایک خاص شرط کا ذکر ملتا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ میں صرف اسی سے حدیث لیتا ہوں جو ایمان قول کو بھی مانے اور عمل کو بھی۔[1]

تکرار احادیث امام بخاری نے اکثر احادیث کو ایک سے زیادہ جگہ ذکر کیا ہے۔ حتی کہ بعض احادیث کو سولہ سولہ جگہ ذکر کیا ہے۔ حقیقت میں لفظاً تکرار ہے مگر معنوی اعتبار سے تکرار نہیں۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ تکرار کی دو صورت ہے۔ سند میں تکرار ہو۔ متن میں تکرار ہو۔ سند کے لحاظ سے اگر دیکھیں تو شاید کوئی جگہ ایسی ہو جہاں امام بخاری نے ایک حدیث کو دو جگہ ایک ہی سند کے ساتھ ذکر کیا ہو۔ مجھے اب تک ایسی کوئی حدیث نہیں ملی۔ ہمیشہ نئی سند نئے طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں۔

(۱) وہ حدیث دو یا دو سے زائد صحابہ سے مروی ہو تو اسے مکرر لاتے ہیں (۲) وہ حدیث دو یا دو سے زائد تابعین سے مروی ہو تو مکرر لاتے ہیں (۳) وہ حدیث ایک سے زائد تبع تابعین سے مروی ہے تو مکرر لاتے ہیں (۴) کبھی امام بخاری ایک حدیث ایک سے زائد اساتذہ سے سنی ہے تو مکرر لاتے ہیں (۵) کبھی امام بخاری کے استاذ الاستاذ ایک سے زائد ہیں تو مکرر لاتے ہیں۔ علی ہذا القیاس

اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تعدد طرق سے حدیث قوی سے قوی تر ہو جاتی ہے اگر سلسلۂ رواۃ میں صرف ایک ہی ایک افراد ہوں تو یہ حدیث محدثین کی اصطلاح میں غریب کہلاتی ہے۔ اور جب وہ مختلف طرق سے مروی ہوگی تو غرابت سے نکل جاتی ہے۔

رہ گیا متن کی لفظی تکرار اس میں بھی متعدد فوائد ہیں۔ پہلا فائدہ مختلف ابواب پر استدلال۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ راوی کبھی ایک حدیث کو مختصر ذکر کرتا ہے۔ دوسرا مفصل۔ تو مفصل ذکر کر دینے سے حدیث کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ کبھی ایک راوی کسی لفظ سے بیان کرتا ہے دوسرا راوی دوسرے لفظ سے۔ دونوں کو ذکر کرنے سے ایک معنی مقصود کی تعیین میں آسانی

---

[1] مقدمہ فتح الباری ص ۴۹۰

ہوتی ہے دوسری روایت بالمعنی کے اپنے شرائط کے ساتھ جواز کا اشارہ ہو جاتا ہے۔ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کی تفسیر ہو جاتی ہے۔ پانچواں فائدہ کبھی ایک حدیث کو ایک راوی بطریق ارسال ذکر کرتا ہے دوسرا بطریق اتصال۔ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث مرسل نہیں متصل ہے۔ چھٹا فائدہ کبھی ایک راوی حدیث کو موقوف کر کے چھوڑ دیتا ہے دوسرا اسے مرفوع روایت کرتا ہے تو تکرار سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث موقوف نہیں مرفوع ہے۔ ساتواں فائدہ۔ یہ ہے کہ کبھی ایک حدیث کو ایک راوی عن فلاں عن فلاں کے صیغہ سے روایت کرتا ہے دوسرا حدثنا، اخبرنا، سمعت کے صیغے سے جو سماع پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں اس سے حدیث معنعن میں جو تدلیس کا ذرا سا شائبہ ہوتا تھا وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔

صورت تکرار کے یہ بارہ فائدے حاضر ہیں، پانچ سند سے متعلق اور سات متن سے متعلق۔ اگر قاری امعان نظر سے ان مکررات میں غور کرے گا تو اس کے علاوہ اور بہت سے فوائد نظر آئیں گے۔

تقطیع اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی حدیث کے مختلف اجزاء کو مختلف جگہ ذکر کیا جائے۔ خواہ مختلف ابواب میں خواہ ایک ہی باب میں۔ تقطیع کا سبب کبھی یہ ہوتا ہے کہ حدیث کے مختلف اجزاء مختلف اسناد سے مروی ہیں۔ یہ صورۃً تقطیع ہے حقیقۃً تقطیع نہیں۔ بلکہ حقیقت میں ایک ہی حدیث ہے ایک باب میں تقطیع کی یہی صورت ہوتی ہے۔ حدیث کی تقطیع جائز ہے یا نہیں یہ محدثین متقدمین میں مختلف فیہ رہا۔ امام بخاری امام مالک اکثر اجلہ محدثین تقطیع کے جواز کے قائل بھی ہیں اور اس پر عامل بھی۔ اور اب تو تقطیع حدیث کے جواز و عمل پر اجماع ہے۔

امام بخاری حدیث کی تقطیع وہیں کرتے ہیں جب حدیث چند احکام پر مشتمل ہو تو وہ حدیث کے ان اجزاء کو چند ابواب میں لاتے ہیں تاکہ کتاب بلا ضرورت طویل نہ ہو۔ پھر ان کو متعدد جگہ متعدد سند سے ذکر کر کے اس کو متعدد طرق سے قوی بنا دیتے ہیں۔

کہیں کسی طرح حدیث میں مختلف قصے یا احکام مذکور ہوتے ہیں۔ جن میں ربط نہیں ہوتا۔ امام بخاری ان مختلف جملوں کو ان کے مناسب ابواب علیحدہ علیحدہ ذکر کرتے جاتے ہیں۔ پھر کہیں کوئی باب قائم کر کے مکمل حدیث یکجا بیان کر دیتے ہیں۔

ابواب امام بخاری کا جو مذہب تھا اس کی کلیات پھر ان کلیات کی جزئیات کو انھوں نے ہزاروں ہزار ابواب کی شکل میں جمع کر دیا ہے۔ جن کو تراجم ابواب کہا جاتا ہے۔ ترجمۂ باب پر دعا اپنی حذاقت و ذہانت و ذکاوت سے بعض جگہ ایسے ادق پیرائے میں استدلال کرتے ہیں کہ دیکھنے والے ذہین محقق مدقق بھی انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔

اسی وجہ سے ابن خلدون نے کہا کہ بخاری کے تراجم ابواب سے احادیث کی مطابقت امت پر قرض ہے اسی قرض کو علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدر الدین محمود عینی نے ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور ایک حد تک ادا بھی کر دیا۔ مگر اب بھی بہت سا قرض امت پر باقی ہے۔ اور اندازہ یہ ہے کہ وہ قیامت تک باقی ہی رہے گا۔

ان دونوں شارحین نے ترجمۃ الباب اور حدیث میں مطابقت پیدا کرنے کے وقت یہ امور سامنے رکھے ہیں مثلاً (۱) یہ ضروری نہیں کہ حدیث کی دلالت باب پر مطابقی ہو تضمنی بھی ہو سکتی ہے التزامی بھی۔ جن کو فقہاء کی زبان میں یوں کہئے حدیث سے ترجمۂ باب کا ثبوت کبھی عبارۃ النص سے ہوتا ہے کبھی دلالۃ النص سے کبھی اشارۃ النص کبھی اقتضاء النص سے۔ (۲) کبھی امام بخاری کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ حدیث میں عموم ہے مگر حقیقت میں وہ مخصوص ہے۔ حدیث میں اطلاق ہے مگر وہ حقیقت میں مقید ہے۔

(۳) کبھی معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے ترجمۃ الباب سے وہ اس کا افادہ کرتے ہیں۔

(۴) کبھی دو مختلف احکام کی علت مشترکہ ہوتی ہے مگر اس علت میں کوئی ابہام ہوتا ہے۔ کسی حدیث میں اس ابہام کی تشریح ہوتی ہے۔ امام بخاری باب میں ایک حکم ذکر کرتے ہیں اور پھر اس کے تحت وہ حدیث ذکر کرتے ہیں جس میں اس ابہام کی تشریح ہے۔

مثلاً باب باندھا

فی کم تقصر الصلوٰۃ۔　　کتنی مسافت کے سفر پر نماز میں قصر ہے۔

اور اس کے تحت حدیث یہ لائے۔

لا تسافر المرأۃ ثلثۃ ایام الا مع ذی محرم　　کوئی عورت تین دن کی مسافت پر بغیر محرم کے سفر کرے۔

دونوں میں کوئی مطابقت نہیں۔ لیکن دونوں کی علت، سفر شرعی۔ ہے۔ سفر شرعی کی کیا مقدار ہے نہ معلوم ہے حدیث میں اس ابہام کی یہ تشریح ہے کہ تین دن کی مسافت پر عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔ اس سے ثابت ہوا کہ، سفر شرعی کی مقدار، تین دن ہے۔

(۵) کبھی حدیث میں مختلف معانی کا احتمال ہوتا ہے۔ ترجمہ سے کسی ایک معنی کو متعین کرنا مقصود ہوتا ہے۔

(۶) کبھی بظاہر مختلف المعانی احادیث میں ترجمے سے تطبیق کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔

علامہ عسقلانی اور علامہ عینی کی ہزار کد و کاوش کے باوجود کتنے ابواب ایسے ہیں جن میں مذکور احادیث کی ابواب سے مطابقت نہیں ہو سکی۔

تعداد احادیث | احادیث نبوی خصوصاً بخاری کے ساتھ امت کو کتنا شغف تھا اس کا اندازہ اس سے کریں کہ کتب احادیث میں مندرج احادیث کی گنتی بھی کر ڈالی۔ حتی کہ کس صحابی سے کتنی احادیث مروی ہیں ان کو بھی شمار کر لیا ہے۔ بخاری میں کتنی احادیث ہیں اس سلسلے میں شمار کرنے والے مختلف ہیں۔ حافظ ابن صلاح نے بتلایا۔ کہ جمیع بخاری میں کل احادیث سات ہزار دو سو پچھتر

ہیں۔ اور حذف مکررات کے بعد چار ہزار

علامہ ابن حجر عسقلانی کے شمار کے مطابق کل احادیث مسندہ مع مکررات سات ہزار تین سو ستانوے ہیں۔ اور معلقات ایک ہزار تین سو اکتالیس۔ اور متابعات کی تعداد تین سو چوالیس۔ اس طرح بخاری کی کل احادیث مسندہ معلقات متابعات ملا کر نو ہزار بیاسی ہیں۔[1] اگر مکررات کو نکال دیں تو مرفوع احادیث کی تعداد دو ہزار چھ سو تئیس ہے۔[2]

بخاری میں باعتبار سند سب سے اعلیٰ وہ احادیث ہیں جو ثلاثیات کہلاتی ہیں۔ جن کی سند میں امام بخاری اور حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک بیچ میں صرف تین راوی ہیں۔ ان کی کل تعداد بائیس ہے اور حذف مکررات کے بعد سولہ۔ ان میں بیس ثلاثیات وہ ہیں جو امام بخاری نے اپنے حنفی شیوخ سے لی ہیں۔ یہاں یہ بات خاص کر قابل ذکر ہے کہ یہ بائیس ثلاثیات امام بخاری کے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔ مگر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عام مرویات ثلاثیات ہیں۔

بخاری کی زندہ کرامت علامہ احمد خطیب قسطلانی نے ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کے مقدمہ میں اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ نے اشعۃ اللمعات کے مقدمہ میں اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں بعض عارفین کا قول نقل فرمایا ہے کہ استجابت دعا، حل مشکلات، قضاء حاجات کے لئے بخاری کا ختم بارہا کا آزمودہ ہے۔ بخاری شریف جس کشتی میں ہوگی وہ ڈوبنے سے محفوظ رہے گی۔ اور حافظ عماد الدین ابن کثیر نے کہا: اگر قحط کے وقت پڑھی جائے تو بارش ہوگی۔ یہ سب اس لئے ہے کہ امام بخاری مستجاب الدعوات تھے۔ اور انھوں نے اس کے پڑھنے والے کے لئے دعا کی ہے۔

اختلاف نسخ امام بخاری کے نسخے آپس میں بہت مختلف ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ عبد الرزاق بخاری نے کہا: میں نے امام بخاری سے پوچھا: آپ نے جتنی حدیثیں اپنی تصنیفات میں لکھی ہیں وہ سب آپ کو یاد ہیں۔ تو انھوں نے فرمایا: ان میں کوئی حدیث مجھ پر مخفی نہیں۔ اس لئے کہ میں نے اپنی ہر کتاب کو تین بار لکھا ہے۔ اور ہر مصنف جانتا ہے کہ کتاب پر جتنی بار نظر ڈالی جائے گی اتنا اس میں رد و بدل ہوتا رہتا ہے۔ پھر نقل در نقل میں تفاوت ہوجانا لابدی امر ہے۔ حافظ ابو اسحٰق ابراہیم بن احمد مستملی نے کہا: میں نے بخاری کو اس کی اصل سے جو محمد بن یوسف فربری کے پاس تھی نقل کیا ہے۔ میں نے اصل میں جگہ جگہ بیاض دیکھی۔ مثلاً ترجمہ باب ہے مگر اس کے تحت کچھ نہیں۔ کہیں حدیث ہے مگر ترجمہ نہیں۔ میں نے سب کو ملا کر لکھ دیا۔[3]

شروح بخاری کی مقبولیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں جتنی شرحیں اس کی ہوئیں کسی کی نہیں ہوئیں۔ کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے [illegible] تک تقریباً پچاس شرحوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ عربی کے علاوہ

---

[1] ملخص از مقدمہ فتح الباری ص ۴۶۵ [2] توجیہ النظر ص ۹۴ [3] مقدمہ ارشاد الساری ص ۳۵

فارسی اردو کی شرحوں کو ملا لیا جائے تو ان کی تعداد سو تک پہونچ جائے گی۔ ان پچاس شرحوں میں اللہ عزوجل نے دو شرحوں کو سب سے زیادہ مقبولیت عطا فرمائی۔ ایک فتح الباری۔ دوسرے عمدۃ القاری جو عینی کے نام سے مشہور ہے۔

فتح الباری یہ مسند الحفاظ علامہ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی ہے۔ یہ شعبان ۷۷۳ھ میں مصر میں پیدا ہوئے اور وہیں اواخر ذوالحجہ ۸۵۲ھ میں وصال فرمایا۔ وہیں ذیلمی کے مقبرہ میں دفن ہیں۔ انھوں نے اگرچہ مختلف دیار کے علماء سے تحصیل علم فرمایا۔ مگر ان کے خاص اساتذہ حافظ زین الدین عراقی اور حافظ سراج الدین بلقینی وغیرہ ہیں۔ ان کی مختلف علوم و فنون پر ڈیڑھ سو سے زائد تصنیفات ہیں۔ یہ بیس سال تک مصر کے قاضی القضاۃ رہے۔ انھوں نے بخاری کی شرح ۸۱۷ھ میں لکھنی شروع کی اور ۸۴۲ھ میں اس کو مکمل کیا جیسا کہ خود انتقاض الاعتراض میں لکھا ہے۔ یہ شرح سترہ جلدوں میں ہے مگر اب اس کی جلدوں کی گنتی کم کر دی گئی ہے۔ مسند الحفاظ نے اس شرح میں اپنے علم کے وہ جوہر دکھائے ہیں جن سے دنیا روشن ہے اور روشن رہے گی۔ انھوں نے بخاری کی شرح کا حق ادا کر دیا۔ مشکل الفاظ کی تفسیر، مغلق مقامات کی تسہیل، متعارض احادیث کی تطبیق، تراجم ابواب میں جو دقیق معانی ہیں ان کی تبیین، رجال بخاری کی جرح و تعدیل، بخاری پر وارد ہونے والے اعتراضات کی تردید، ترجمہ باب و حدیث میں تطبیق، مسائل کا استنباط، احادیث مختصرہ کی تکمیل، اسمائے مبہم کی تفسیر، لغات کا حل، اسمائے رجال کی تنقید، عقائد و احکام کی تفصیل اور سب پر محققانہ بحث و تمحیص، وہ کون سی اہم بات ہے جو حدیث کی شرح کے لئے ضروری ہے اور وہ اس شرح میں نہیں۔ اس لئے عام طور پر اس کی شرح کو تمام شروح پر برتری دی جاتی ہے ان سب خوبیوں کے باوجود گزشتہ تمام شرحوں کا عطر نچوڑ بھی ہے۔ اس شرح میں کیا کیا ہے وہ شرح دیکھنے ہی کے بعد معلوم ہوگا جس کی طرف ہماری اس شرح میں جگہ جگہ اشارے ملیں گے۔

عمدۃ القاری یہ علامہ ابن حجر کے معاصر علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ عینی کی شرح ہے۔ ان کے والد قاضی شہاب الدین احمد بن قاضی شرف الدین موسیٰ بن احمد حلب کے باشندے تھے۔ وہاں سے ترک وطن کر کے عین تاب آ گئے تھے۔ یہ حلب سے تین منزل کی دوری پر ہے۔ یہاں کی قضاء ان کے سپرد ہوئی۔ یہیں علامہ عینی سترہ رمضان ۷۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کو عینی کہا جاتا ہے۔ یہ بھی حافظ زین الدین عراقی اور حافظ سراج الدین بلقینی کے تلمیذ ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر وقت کے سربرآوردہ علماء سے بھی تلمذ کا ان کو شرف حاصل ہوا۔ مصر کے شیخ المذہب سراج قاری الہدایہ کے بھی تلمیذ ہیں۔ ۷۸۸ھ میں بیت المقدس گئے وہاں ان کی ملاقات اس وقت کے بہت ممتاز عالم علاء الدین علی بن احمد بن محمد سیرامی سے ہوئی۔ پھر انھیں کے ہو کر رہ گئے۔ انھیں کے ساتھ مصر مدرسہ برقوقیہ میں آ گئے۔ مدت العمر مصر ہی میں رہے۔ وہیں ۸۵۵ھ کی رات کو چار ذوالحجہ ۸۵۵ھ میں علامہ ابن حجر کے تین سال بعد وصال ہوا۔ جب ان کے استاذ شیخ المذہب سراج قاری الہدایہ کا وصال

ہوگیا تو ۸۲۹ھ کی ربیع الآخر میں یہ مصر کے قاضی القضاۃ بغیر کسی طلب اور خواہش کے مقرر ہوئے۔ علاوہ اس منصب جلیل کے دیگر مناصب علیہ پر مدت دراز تک فائز رہے۔ ۸۲۷ھ میں تمام مناصب سے الگ ہو کر جامعہ ازہر کے قریب محلہ کتامہ میں اپنا ذاتی مدرسہ قائم کرلیا جس پر اپنی تمام کتابیں وقف کردی تھیں۔ علامہ ابن حجر کی طرح یہ بھی جملہ علوم و فنون میں یگانہ و یکتا تھے۔ ان دونوں میں معاصرانہ نوک جھونک بھی رہی تھی۔ جامعہ مؤیدی کا ایک منارہ خستہ ہو کر اتر کی جانب جھک گیا تھا۔ اس کی جدید تعمیر کے لئے اسے گرادیا گیا۔ اس وقت علامہ عینی جامعہ مؤیدیہ میں شیخ الحدیث تھے۔ اس کے برج شمالی پر درس دیا کرتے تھے۔ اس پر علامہ ابن حجر نے یہ دو شعر چست کردیا۔

لجامع مولانا المؤید رونق		منارته تزهو على الحسن و بالزين

تقول وقد مالت عليهم تمهلوا		فليس على حسني اضر من العين

جامعہ مؤیدی بڑی بارونق ہے۔ اس کا منارہ حسن و جمال میں یکتا ہے۔ گرتے وقت کہہ رہا تھا مجھے گرنے دو میرے حسن کے لئے نظر بد سے زیادہ کوئی چیز مضر نہیں۔ نظر کو عربی میں "عین" کہتے ہیں۔ اس سے علامہ عینی پر چوٹ تھی۔

علامہ عینی نے جب یہ اشعار سنے تو علامہ ابن حجر کو یہ جواب بھیجا۔

منارة كعروس الحسن قد جليت		وهدمها بقضاء الله والقدر

قالوا اصيبت بعين قلت ذا غلط		وانما الهدم لاخسة الحجر

منارہ دولہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ اس کا گرنا قضا و قدر کی وجہ سے ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اسے نظر لگ گئی ہے میں نے کہا یہ غلط ہے۔ یہ پتھر (حجر) کی خست یعنی شکستگی کی وجہ سے گرا۔

علامہ ابن حجر اور علامہ عینی دونوں نے ایک ہی زمانے میں دو چار سال آگے پیچھے بخاری کی شرحیں لکھی ہیں۔ علامہ عینی نے ۸۲۱ھ میں شروع کیا اور ۸۴۷ھ میں انتیس سال میں مکمل فرمایا۔ اور علامہ ابن حجر نے ۸۱۷ھ میں شروع فرمایا اور ۸۴۲ھ میں پچیس سال میں مکمل کیا۔

علامہ ابن حجر کا طریقہ یہ تھا کہ ہفتہ میں ایک دن سنیچر کو اپنے تمام تلامذہ کو اکٹھا کرتے ہفتے بھر کا لکھا ہوا برہان بن اخضر کو دیتے۔ وہ سب کو سناتے مسودہ سے مقابلہ ہوتا لکھے ہوئے پر بحث ہوتی پھر لوگ اس کی نقلیں کر لیتے۔ اس طرح ان کی یہ شرح تکمیل سے پہلے ہی پھیل گئی۔ انھیں برہان بن اخضر سے علامہ عینی علامہ ابن حجر کی شرح عاریۃً لے کر دیکھ لیا کرتے تھے۔ اور اپنی شرح میں جا بجا علامہ ابن حجر پر تعقب بھی کیا ہے۔ چونکہ یہ دونوں وسعت علم و جودت ذہن میں ایک دوسرے کے مثل تھے اس لئے دونوں کے مضامین میں کہیں کہیں توارد ہے۔ اسی کو بادا لوگوں نے یہ رنگ دیدیا کہ علامہ عینی نے علامہ ابن حجر کی شرح سے مضامین نقل

کرکے اپنی شرح میں اضافہ کیا ہے۔ اس سے یہ لوگ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ علامہ عینی میں اتنی استعداد نہیں تھی کہ بخاری کی شرح لکھتے۔ علامہ ابن حجر کی شرح سے نقل اتاری ہے۔ جہاں جہاں توارد ہے وہاں تو یہ بات کہنے کی ایک گنجائش ہے۔ مگر علامہ عینی نے علامہ ابن حجر پر جو تعقبات کئے ہیں وہ کہاں سے لائے۔ پھر جو مضامین انھوں نے اضافہ فرمائے وہ کہاں سے ان کو ملے؟۔

اس سلسلے میں ایک یہ بھی روایت ہے کہ کسی نے علامہ ابن حجر سے کہا کہ علامہ عینی کی شرح آپ کی شرح پر فوقیت رکھتی ہے اس لئے کہ اس میں معانی و بیان، بدیع وغیرہ زائد ہیں۔ اس کے جواب میں علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ یہ علامہ عینی نے شیخ رکن الدین کی شرح سے نقل کیا ہے۔ یہ شرح مجھے ملی تھی مگر ناتمام تھی اس لئے میں نے اس کے پورے حصے کو کہیں نہیں لیا صرف تھوڑا کہیں سے لے لیا ہے۔[1]

اس سے بھی یہ لوگ یہی باور کرانا چاہتے ہیں کہ علامہ عینی نے صرف نقل ہی کیا ہے۔ لیکن یہاں دو سوال ہے۔ ایک یہ کہ کیا علامہ ابن حجر کی تمام باتیں طبع زاد ہیں۔ کیا انھوں نے پچھلی شرحوں سے مضامین نہیں نقل کئے ہیں۔ اگر نقل کئے ہیں اور ضرور نقل کئے ہیں تو پھر علامہ ابن حجر کے بارے میں بھی یہی رائے کیوں نہیں قائم کی جاتی۔ ورنہ بات صاف ہے کہ اسلاف کی تصنیفات سے دونوں نے مضامین نقل کئے ہیں۔ اگر علامہ ابن حجر کو نقل کا حق ہے تو علامہ عینی کو بھی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کیا دو شخص پر ایک ہی موضوع پر ایک ہی معنی کا توارد نہیں ہوتا؟ اگر ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے۔ تو پھر جو خاص معانی علامہ ابن حجر کے ذہن میں آئے وہ علامہ عینی کے ذہن میں کیوں نہیں آسکتے؟۔ اس کی کیا وجہ ہے؟۔ ارباب علم و دانش جانتے ہیں کہ اکثر کسی خاص موضوع پر بحث کے وقت ایک ہی نکتہ بیک وقت لوگوں کے ذہن میں آجایا کرتا ہے۔ پھر وہی عرض کرتا ہوں کہ اگر عینی میں صرف وہی مضامین ہوتے جو فتح الباری میں ہیں اور اس پر اضافہ نہ ہوتا وہ بھی ہزاروں ہزار۔ تو اس کی گنجائش تھی کہ ان لوگوں کی بات مان لی جاتی۔ مگر جب عینی میں فتح الباری کے مضامین کے علاوہ اور بہت سے کثیر ان مضامین کا اضافہ ہے جو فتح الباری میں نہیں تو اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

کسی نے فتح الباری سے متاثر ہو کر یہ کہا: لا ہجرۃ بعد الفتح۔ اگر یہ بزرگ مجھے ملتے تو عرض کرتا۔ حضرت بعد الفتح ہے مع الفتح نہیں۔ جو شخص انصاف و دیانت سے دونوں شرحوں کا مطالعہ کرے گا اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جو کچھ فتح الباری میں ہے وہ سب عینی میں ہے اور مزید عینی میں وہ فوائد و نکات و ابحاث ہیں جن سے فتح الباری خالی ہے۔

طرز تصنیف

علامہ عینی کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے باب کی توضیح کرتے ہیں پچھلے باب سے مناسبت بیان کرتے ہیں۔ پھر باب

---

[1] الضوء اللامع ج ۱۰ ص ۱۳۲۔

باندھنے کا جو مقصد ہوتا ہے اس کو بیان کرتے ہیں باب کی تائید میں جو آیت یا تعلیق ہوتی ہے اس کی توضیح کرتے ہیں تعلیق کی سند بیان کرتے ہیں۔ پھر حدیث کا پورا متن مع سند بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد راویوں کے احوال کو ضروری تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اگر راویوں کے نسب میں خفا ہوتا ہے تو اس کو واضح کرتے ہیں۔ پھر سند کے اندر جو رموز و نکات ہوتے ہیں ان کو بیان کرتے ہیں یہ حدیث بخاری میں کتنی جگہ ہے اس کو اور دیگر صحاح ستہ میں سے کس کس میں ہے اسے بھی ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے بعد مشکل لغات کو حل کرتے ہیں۔ پھر خاص خاص جملوں کی نحوی ترکیب لکھتے ہیں۔ اس کے بعد معانی و بیان و بدیع کے نکات بیان کرتے ہیں اس کے بعد حدیث پر مفصل بحث کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہونے والے معانی کو واضح کر کے اس سلسلے میں جتنے اقوال ہوتے ہیں سب کو ان کے دلائل کے ساتھ بیان کر کے جو مذہب ان کے نزدیک حق ہوتا ہے اسے عقلی نقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ اس کے بعد حدیث سے مستخرج مسائل کی فہرست پیش کرتے ہیں پھر حدیث کے مضمون پر وارد ہونے والے سوالوں کو ذکر کر کے ان کے تسلی بخش جوابات دیتے ہیں حدیث میں مذکور اسماء و اماکن کی توضیح کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ حدیث کی باب سے مطابقت اور متعارض احادیث میں تطبیق کو بھی واضح کرتے ہیں۔ پہلی بار جب کوئی حدیث آتی ہے تو وہیں اس پر سیر حاصل بحث کر دیتے ہیں۔ اور جب وہ دوبارہ سہ بارہ آتی ہے تو باب کے حساب ضروری بات پر اختصار کرتے ہیں۔

علامہ ابن حجر کی عادت یہ ہے کہ جو حدیث جس باب کے تحت مذکور ہوتی ہے۔ اس کے مناسب گفتگو کر کے آئندہ کا حوالہ دیدیتے ہیں۔ ایسا بھی ہو گیا ہے کہ پھر آئندہ جان کر یا نادانستہ وہ بات رہ گئی۔

عمدۃ القاری کی یہی وہ خوبیاں ہیں کہ جب عمدۃ القاری مکمل ہو کر منظر عام پر آئی تو علامہ ابن حجر ششدر اور ان کے تلامذہ حیران ہو کر رہ گئے۔ علامہ ابن حجر کے تلامذہ ان کی طرف سے مدافعت کرنے لگے اور علامہ عینی پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی۔ اسی کا شاخسانہ برہان بن اخضر والا قصہ بھی ہے۔

علامہ عینی نے علامہ ابن حجر پر جو اعتراضات کئے تھے ان کے جوابات دینے کی انھوں نے کوشش کی پانچ سال تک زندہ رہے۔ مگر وہ علامہ عینی کے اعتراضات کا جواب نہ دے سکے کچھ اعتراضات کے جوابات لکھے وہ بھی ناتمام رہے۔ اور جو لکھا وہ جواب ہوا کہ نہیں؟ اس بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بخاری کی یہ دونوں شرحیں حقیقی معنوں میں بہت کامل بہت جامع بہت مفید ہیں۔ ان دونوں کی نظیر نہ پہلے کی کوئی شرح ہے نہ بعد کی۔ مگر بوجوہ کثیرہ علامہ عینی کی شرح فتح الباری سے بڑھی ہوئی ہے۔

علامہ ابن خلدون کہا کرتے تھے کہ بخاری کی شرح امت پر قرض ہے۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کہا کہ اس قرض کو ان دو شرحوں نے چکا دیا۔

یہ دوسری بات ہے کہ جتنی شہرت فتح الباری کی ہے وہ عینی کو نہیں حاصل ہوئی اس کا سبب خاص یہ ہے کہ فتح الباری، عمدۃ القاری کی بہ نسبت مختصر ہے۔ اس کی نقل و قرأت دونوں بہ نسبت عمدۃ القاری کے آسان ہے۔ اس لئے جو مداول فتح الباری کا ہوا وہ عینی کا نہ ہو سکا۔

ارشاد الساری یہ شرح علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خطیب قسطلانی مصری کی ہے۔ یہ شرح حامل المتن ہے۔ اور کچھ مختصر بھی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ مشکل الفاظ جتنی بار آئے ہیں ہر بار اس کی شرح کرتے ہیں۔ اس کی اصل ماخذ عمدۃ القاری اور فتح الباری ہے مگر دیگر شروح کے بھی اہم مضامین کافی ہیں۔ مدرسین و طلبہ کے لئے بہت مفید ہے۔ ان کا ۸ محرم الحرام شب جمعہ ۹۲۳ھ میں وصال ہوا اور بعد نماز جمعہ جامع ازہر میں نماز جنازہ ہوئی۔ اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں دفن ہوئے بہتر سال کی عمر پائی۔ ۱۲ ذوقعدہ ۸۵۱ھ میں ولادت ہوئی تھی۔

تیسیر القاری مشہور امام محدث حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ کے صاحبزادے حضرت شیخ نور الحق کی فارسی میں بخاری کی شرح ہے۔ شاہجہاں نے آگرے کا قاضی اور مفتی بنایا تھا۔ ان کی ۹۸۳ھ میں ولادت اور ۱۰۷۳ھ میں وصال ہوا۔ یہ انھوں نے اپنے والد ماجد کی خواہش پر ان کے وصال کے بعد اشعۃ اللمعات کے طرز پر لکھی ہے۔ اس کی چھ جلدیں ہیں۔ اس کے حاشیہ پر شیخ الاسلام محمد بن فخر الدین بن محب اللہ بن نور اللہ بن نور الحق دہلوی کی بھی ناتمام شرح چھپی ہے۔ یہ بزرگ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے پانچویں پیڑھی میں پوتے تھے۔ محمد شاہ رنگیلے کے آخر عہد میں دہلی کے امور مذہبی کے صدر الصدور تھے۔ یہ شرح کچھ بسیط ہے۔ اس میں بہت ہی محققانہ فاضلانہ ابحاث ہیں۔ نصف اول کی تکمیل کی تاریخ آخر جمادی الآخرہ ۱۱۴۳ھ ہے۔

بخاری شریف کی سیکڑوں شرحوں میں ہم نے صرف چار کا تذکرہ اس لئے کیا کہ ہم نے صرف انھیں چاروں سے استفادہ کیا ہے۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ بخاری کتاب کے کسی مضمون کا بالفرض حوالہ تلاش کرنا ہو تو تلاش کرنے والوں کو کچھ آسانی ہو کیونکہ ہم نے اہم مباحث کا حوالہ دیدیا ہے۔

ان کے علاوہ اردو میں بھی بخاری کے تراجم و شروح بکثرت ہو چکے ہیں۔ ان میں سے صرف تین سے ہم نے استفادہ کیا ہے۔ اردو شروح میں بشیر القاری، فیوض الباری سے، اور ترجموں میں حضرت مولانا اختر شاہجہاں پوری کے ترجمہ سے۔

بشیر القاری یہ استاذی صدر العلما علامہ غلام جیلانی صاحب میرٹھی قدس سرہ کی نادر شرح ہے عربی فارسی اردو کسی زبان میں بخاری کی اب تک کوئی شرح اتنی تحقیق اور تفصیل سے نہیں لکھی گئی۔ اس میں حضرت نے تحقیق و تدقیق کا حق ادا کر دیا ہے الفاظ احادیث کی صرفی لغوی تحقیق جملوں کی نحوی ترکیب اور معانی و بیان و بدیع کی نکات کے ساتھ ساتھ معانی حدیث کے

ہر ہر پہلو پر ایسی جامع کامل بحث ہے جسے دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ سبق الاولون للآخرون۔ ساتھ ہی ساتھ ہر دور کا
علم حدیث میں دعویٰ کرنے والوں کی غلطیوں پر ایسی مضبوط گرفت فرمائی ہے۔ جس کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں ہے کوئی بھی عالم
اور تعصب سے ہٹ کر اگر اس شرح کا مطالعہ کرے گا تو اسے کہنا پڑے گا کہ حضرت مصنف دیگر علوم کی طرح علم حدیث کے بھی
اپنے وقت کے امام تھے۔ افسوس یہ ہے کہ یہ شرح صرف باب بدء الوحی تک ہو سکی اس کے بعد حضرت دوسری تصانیف میں مشغول
ہو گئے۔ حضرت دوسری تصانیف میں مشغول نہ ہوتے اور شرح بخاری ہی کو مکمل فرما دیتے۔ تو امت پر احسان عظیم ہوتا۔ میں نے
ایک بار عرض کیا تھا۔ تو فرمایا میرا ارادہ اس کی تکمیل کا ہے۔ چند ضروری کاموں سے فرصت کے بعد اسے مکمل کروں گا۔ مگر عمر نے وفا نہ کی
اور حضرت کا وصال ہو گیا۔

حضرت کی ولادت علی گڑھ ریاست دادوں میں گیارہ رمضان المبارک ١٣١٨ھ ١٩٠٠ء کو ہوئی درجہ چہارم تک ابتدائی
تعلیم حاصل کرنے کے بعد مرادآباد جامعہ نعیمیہ میں داخلہ لیا آمدنامہ سے کافیہ تک یہاں تعلیم حاصل کی پھر ١٣٣٢ھ میں اجمیر مقدس
دارالعلوم معینیہ درگاہ شریف میں حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے زیر عاطفت نو سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ حضرت
صدر الشریعہ قدس سرہ کی ان پر خصوصی نگاہ کرم تھی درس نظامی کی سبھی کتابیں صدر الشریعہ نے پڑھائی بریلی شریف میں علاوہ دورہ
حدیث کے شمس بازغہ جیسی منطق دوانی کی شرح تجرید کے حواشی قدیمہ اور جدیدہ اشارات کی دونوں شرحیں امام رازی اور طوسی کی
پڑھائیں۔ جب متولی نثار احمد کی شرارتوں سے تنگ آکر ١٣٥١ھ میں حضرت صدر الشریعہ بریلی شریف مدرسہ منظر اسلام میں تشریف
لائے تو یہ بھی اپنے رفقاء کے ساتھ بریلی شریف آگئے۔ اور یہیں سے ١٣٥٢ھ میں فراغت ہوئی فراغت کے بعد [illegible]
کانپور احسن المدارس قدیم میں قیام فرمایا۔ پھر میرٹھ مدرسہ اسلامیہ میں تشریف لائے اور اول ١٣٥٤ھ ١٩٣٥ء سے کر اخیر عمر
مبارک تک پینتالیس سال میں قیام فرمایا۔ جمادی الاولیٰ ١٣٩٩ھ ١٩٧٩ء میں بعارضہ فالج میرٹھ میں وصال فرمایا۔ اور وہیں سپرد
خاک فرمائے گئے۔ عمر مبارک بیاسی سال پائی۔

فیوض الباری مفتی عصر حضرت مولانا محمود صاحب کی لاجواب شرح ہے عربی فارسی شرحوں کی تلخیص بہت عمدگی کے
ساتھ کی ہے۔ احادیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ روح مفہوم اُٹھتی ہے۔ معنی لغوی کی رعایت کے ساتھ ساتھ سلاست و
روانی، ترکیب کی خوبصورتی سب کچھ ترجمہ میں موجود ہے۔ ابتدا میں نہایت فاضلانہ مقدمہ ہے جو اصل میں منکرین حدیث کا جواب
کا رد ہے۔ جس میں احادیث کے حجت ہونے پر ایسے دلائل قاہرہ قائم فرمائے ہیں جس کے بعد کسی کو مجال دم زدن نہیں۔ احادیث
کی جمع و تدوین کی مختصر مگر جامع تاریخ بھی ہے۔ طرز علماء میں کہا ہے۔ مگر احادیث سے متعلق ابحاث کی توضیح و تشریح اس خوبی سے
کرتے ہیں کہ سب آنکھوں میں آ جاتے۔ اپنی تحقیقات سے بھی کتاب کو مالا مال کیا ہے۔ موصوف پاکستان کے مشہور مرجع انام، عالم

نگار حضرت علامہ ابو البرکات سید احمد صاحب شیخ الحدیث انجمن حزب الاحناف لاہور کے وارث علم و فضل ہیں۔ انھوں نے اس کی تصنیف کب شروع کی یہ تو معلوم نہ ہو سکا البتہ پہلے پارے کے اختتام پر انھوں نے تاریخ یہ لکھی ہے۔ ۸ر جمادی الآخرہ ۱۳۷۵ھ - ۳۰ر نومبر ۱۹۵۵ء۔

ترجمہ بخاری بخاری کے اردو تراجم میں ہم نے صرف فاضل جلیل مولانا عبد الحکیم خاں صاحب اختر شاہجہاں پوری کے ترجمے سے استفادہ کیا ہے اس سے ہم احادیث کے ترجمے میں کافی مدد ملی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ شاہجہاں پوری نے اتنی عمدگی سے ترجمہ کیا ہے کہ ترجمہ خود رنگ ہو گیا۔ جدید اسلوب کے ساتھ ساتھ بہت شگفتگی و معنویت کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ مولانا نے یہ ترجمہ ۲۴ر شوال ۱۳۹۴ھ ۱۰ر نومبر ۱۹۷۴ء بروز جمعہ بعد نماز عصر لکھنا شروع کیا ہے۔ اور ۲۷ر ذوالحجہ ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۹ر اکتوبر ۱۹۷۸ء بروز یکشنبہ ۹ بجے مکمل کیا۔ ترجمے کے ساتھ ساتھ احادیث کا پورا متن بھی مع اعراب چھاپا ہے۔ اس سے اس ترجمے کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔

ترجمے کے پہلے حضرت مولانا غلام رسول صاحب سعیدی مدظلہ کا ایک بہت مفید مقدمہ ہے۔ جس میں ابتداءً امام بخاری کے احوال بہت جامعیت کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ پھر ان کی اس کتاب کے خد و خال کو بہت ہی محققانہ طریقے پر بیان کیا گیا ہے اخیر میں منکرین احادیث کے رد کے لئے حدیث کا قابل حجت ہونا بڑے ہی مدلل طور پر بیان کیا ہے۔ پھر اسی ضمن میں تدوین حدیث کی مختصر تاریخ پیش کی ہے۔ اخیر میں اصطلاحات حدیث کو درج کیا ہے۔ یہ مقدمہ بہت جامع اور اہم ہے۔ میں نے اپنی اس کتاب میں ان کے مقدمے سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔ شکر اللہ مساعیہم الجمیلہ۔ وتقبل منا و منہم۔

مسامحات بخاری

میں اس عنوان پر کچھ لکھنا نہیں چاہتا تھا مگر اس پر باعث ایک واقعہ ہے۔ میں ایک مرتبہ ڈومریا گنج ضلع بستی سے اٹاوہ جا رہا تھا۔ بس میں کچھ لوگ آپس میں بہت مزے لے لے کر یہ کہہ رہے تھے کہ بریلیوں سے زیادہ مجرم کوئی نہیں۔ خود کہتے ہیں کہ آسمان کے نیچے قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب بخاری ہے مگر بخاری میں لکھا ہے کہ رفع یدین کرو، امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھو، آمین بلند آواز سے کہو مگر نہیں مانتے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ بخاری میں جو کچھ لکھا ہے تم لوگ سب پر عمل کرتے ہو؟ انھوں نے کہا بالکل ہم لوگ عمل کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ لوگوں نے بخاری پڑھی ہے۔ تو گھبرا گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا پڑھی نہیں مگر علماء سے سنا ہے کہ بخاری میں یہ لکھا ہے۔ میں نے پوچھا اور کیا کیا بخاری میں لکھا ہے یہ بھی ان علماء نے آپ لوگوں کو بتایا؟ اب اور گھبرائے مگر تھے دیہاتی صاف گو اقرار کر لیا کہ اور کچھ نہیں بتایا ہے۔ میں نے سوچا ان گنواروں کو اگر اصح الکتب کا مطلب سمجھاؤں تو کچھ نہیں پائیں گے۔ ان کی سمجھ کے مطابق ایک لطیفہ ذہن میں آگیا میں نے کہا کہ امام بخاری نے بخاری میں دو

مسئلے لکھے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر پانی میں نجاست گر جائے اور نجاست کا رنگ یا بو یا مزہ پانی میں ظاہر نہ ہو تو پانی پاک ہے اگرچہ وہ پانی تھوڑا ہی ہو۔ ان میں سے ایک شخص بولا بالکل صحیح ہے۔ میں نے کہا دوسرا بھی سنئے وہ یہ ہے کہ اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو برتن ایسا ناپاک ہو گیا کہ اسے سات بار دھوؤ۔ اور کم از کم ایک بار مٹی سے بھی مانجو۔ اسی شخص نے کہا یہ بھی بالکل صحیح ہے۔ اب میں نے کہا آپ نے دونوں مسئلوں کو صحیح و حق مان لیا تو سنئے اب ایک میرا سوال ہے۔ کہ کسی برتن میں پانی ہے اس میں کتے نے منہ ڈال دیا منہ ڈالتے ہی دھتکار دیا گیا تو بتائیے پانی پاک ہے کہ ناپاک ہے؟

وہ غریب بول اٹھا کہ پاک ہے (اس لئے کہ اس قسم کے پانی استعمال کرنے کی عادت رہی ہو گی) میں نے پوچھا اور برتن؟ تو مبہوت ہو کر رہ گیا۔ ہو سکتا ہے کوئی صاحب کہہ دیں وہ جاہل اجڈ تھے ان کی بات کا کیا۔ مگر عرض یہ ہے کہ ان کو یہ بتانے والے علماء تو مجتہد مطلق تھے ورنہ وہ کیا جانیں کہ بخاری میں آمین، رفع یدین کے بارے میں کیا لکھا ہے۔ اب میں نے للکار کے پوچھا بولو بیچارے کو سانپ سونگھ گیا وہ سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور بالکل خاموش ہو گئے۔

وہ بھی اٹھ کر جا رہے تھے جب اڈا بس رکی میں بھی اتر پڑا وہ سب بھی اتر پڑے مجھے لینے کے لئے جو آدمی آئے تھے ان سے انہوں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جب میرا نام سنا تو اب مجھے مزہ آگیا بالکل وہی منظر تھا۔ وان یکاد الذین کفروا لیزلقونک بابصارھم ایسا لگتا ہے کہ کافر ہمیں نظر لگا کر گرا دیں گے۔

اصح الکتب کہنے سے جو غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے اس کے ازالے کی ایک سبیل یہ بھی ہے کہ لوگوں کو اصح الکتب کا مطلب سمجھا دیا جائے۔ اس لئے اس سلسلے میں چند باتیں معروض ہیں۔ اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ قرآن مجید کی طرح اس کا حرف حرف نقطہ نقطہ صحیح اور حق ہے۔ اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ اس وقت تک بلکہ اب یوں کہئے کہ آج تک حدیث میں جتنی کتابیں لکھی گئیں بلا استثناء سب میں صحیح کے ساتھ ضعیف احادیث بھی درج ہیں۔ اس سے بخاری بھی مستثنیٰ نہیں دوسری کتابوں کے بہ نسبت اس میں ضعیف حدیثیں کم ہیں۔ دوسروں میں تناسب کے لحاظ سے زائد ہیں۔ اب اصح الکتب کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث کی دوسری تمام کتابوں کی بہ نسبت اس میں زیادہ صحیح حدیثیں ہیں۔ ضعیف حدیثیں کم ہیں۔ نیز اس کی احادیث صحت کی قوت میں بہ نسبت دوسری کتابوں کے زائد ہیں۔

یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بخاری کے علاوہ یا صحاح ستہ کے علاوہ حدیث کی بقیہ کتابوں کی احادیث، احادیث نہیں باطل و موضوع ہیں۔ جس طرح بخاری اور صحاح ستہ کی احادیث صحیحہ واجب القبول ہیں اسی طرح بقیہ کتابوں کی احادیث صحیحہ واجب القبول ہیں۔ اصح الکتب کا یہ مطلب نہیں کہ امام بخاری نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب صحیح و حق ہے۔ جس کی تفصیل اس

کتاب میں جگہ جگہ مذکور ہوگی۔ امام بخاری سے اس کتاب میں جگہ جگہ لغزش ہوئی ہے۔ اس لئے اصح کتب کا یہ مطلب لینا کہ بخاری میں جو کچھ ہے خواہ وہ حدیث نہ ہو امام بخاری کا قول ان کی تحقیق ہو سب حق ہے۔ اصح کتب کے معنی کی تحریف ہے جس نے بھی بخاری کو اصح کتب کہا وہ صرف احادیث کے اعتبار سے کہا۔ امام بخاری کے فردات کو اس میں کسی نے داخل نہیں کیا۔ مگر کیا کیجئے باطل پرستوں کو جب کوئی دلیل نہیں ملتی تو اسی قسم کی فریب کاری کرتے ہیں۔ اس عنوان پر ہم جو نظریہ پیش کریں گے وہ اپنی دریافت کردہ نہیں بلکہ اکابر محدثین وناقدین کی رائے ہوگی۔

حضرت امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت وجلالت قدر میرے دل میں ہے اس کے پیش نظر مندرجہ ذیل سطور لکھتے وقت بار بار یہ خیال آتا ہے کہ نادان دوست کی طرح خود غرض دوست بھی کتنا خطرناک ہوتا ہے؟

انسان بہرحال انسان ہے اس سے غلطی لغزش ہو ہی جاتی ہے۔ امام بخاری نے سولہ سال شب وروز کی تحقیق وتنقیح کے بعد اپنی وسعت بھر اس کی پوری کوشش کی کہ ان کی کتاب میں کوئی غیر صحیح ضعیف حدیث نہ آنے پائے اور کوئی لغزش نہ ہو۔ تا عمر اس کی تنقیح وتہذیب کرتے رہے۔ مگر الی اللہ العصمۃ الا لانبیاء ولرسولہ۔ فسبحان من لاینسی۔ پوری کوشش کے باوجود امام بخاری سے اس کتاب میں بھی لغزش ہو ہی گئی۔ حتی کہ علامہ ابن حجر جیسے محقق مدقق کو بھی جنھوں نے امام بخاری پر کی گئیں تنقیدات کی جواب دہی میں اپنی ذہانت وذکاوت کا پورا سرمایہ صرف کر ڈالا یہ کہنا ہی پڑا۔

لکل جواد کبوۃ۔ ہر تیز رو گھوڑے کے لئے ٹھوکر ہے۔

اسی لئے علامہ ابن حجر نے لسان المیزان میں امام عبداللہ بن مبارک کا یہ قول نقل کیا۔

من ذا سلم من الوھم — کون ہے جو وہم سے سلامت رہا۔

نیز امام بخاری کے استاذ یحییٰ بن معین کا یہ قول بھی ذکر کیا۔

لست اعجب ممن یحدث فیخطی انما اعجب — میں اس پر تعجب نہیں کرتا کہ کوئی حدیث بیان کرے اور خطا کر جائے

ممن یحدث فیصیب[1]۔ — مجھے اس پر تعجب ہے کہ وہ کبھی غلطی نہ کرے۔

اس قانون فطرت کے مطابق امام بخاری سے بھی لغزشیں ہوئی ہیں۔ جن میں چند یہ ہیں۔

ضعاف سے روایت بخاری میں ایسے راویوں کی تعداد بہت ہے جو بدعقیدہ گمراہ تھے جیسے جہمی، قدری، رافضی، ناصبی، خارجی، معتزلی۔ اس پر مستزاد یہ کہ مطعون راوی بھی کم نہیں۔ منکر واہی اور وہمی سبھی ہیں جسے اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو علامہ ابن حجر

---

[1] لسان المیزان ج ۱ ص ۱۴۔

کا مقدمہ فتح الباری ہدی الساری کا مطالعہ کرے۔ اور اگر مزید دیکھنا چاہیں تو اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا رسالہ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوتین۔ کا مطالعہ کریں[1] جس میں غیر مقلدین اور حقیقت میں امام بخاری کے مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی کی جرح کے مطابق بخاری کے مجروح راویوں کی وافر مقدار میں نشاندہی فرمائی ہے۔

بر سبیل تنزل اگر ہم مان بھی لیں کہ ان راویوں کے بارے میں یہ کہہ دیا جاتا ہے۔ ان راویوں پر طعن دوسرے محدثین نے کئے ہیں۔ امام بخاری کی تحقیق میں یہ سب ثقہ ہیں۔ یہاں تک کہ یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ کسی مسلم الثبوت محدث کا کسی راوی سے روایت کرنا ہی اس کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔ مگر یہی قاعدہ احناف کے مقابلے میں یہ قاعدہ بنانے والے ہی بھول جاتے ہیں۔

لیکن بخاری کے مطعون راوی صرف اسی قسم کے نہیں کہ ان پر امام بخاری کے علاوہ صرف دوسروں ہی نے جرح کی ہو۔ ایسے بھی معتدبہ مقدار میں مطعون راوی ہیں جو خود امام بخاری کے طعن کے نشانہ ہیں۔ بخاری میں ایسے بھی مجروح راوی ہیں جن پر خود امام بخاری کی تنقید موجود ہے۔ مثلاً باب الاستنجاء بالماء کے تحت امام بخاری نے ایک حدیث اس سند کے ساتھ ذکر کی ہے۔

حدثنا ابو الولید هشام بن عبد الملك قال حدثنا شعبة عن ابی معاذ واسمه عطاء بن ابی میمونة قال سمعت انس بن مالك یقول كان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا خرج لحاجته۔ الحدیث[2] اس کی سند میں عطاء بن ابی میمونہ ہے۔ اس کے بارے میں کتاب الضعفاء الصغیر میں خود امام بخاری نے لکھا۔

عطاء بن ابی میمونة ابو معاذ مولی انس وقال یزید بن هارون مولی عمران ابن حصین كان یری القدر[3]

یہ شخص حضرت انس کا غلام تھا۔ یزید بن ہارون نے کہا عمران بن حصین کا غلام تھا۔ یہ قدریہ تھا۔

دوسری جلد باب بعث ابی موسیٰ و معاذ الی الیمن میں ایک حدیث اس سند کے ساتھ ہے۔

حدثنی عباس بن الولید قال حدثنا عبد الواحد عن ایوب بن عائذ قال حدثنا قیس بن مسلم قال سمعت طارق بن شهاب یقول حدثنی ابو موسیٰ الاشعری قال بعثنی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الی ارض قومی۔ الحدیث[4] اس حدیث کی سند میں ایوب بن عائذ ہے۔ اسے امام بخاری نے اسی کتاب الضعفاء میں لکھا۔

ایوب بن عائذ الطائی كان یری الارجاء[5]

یہ مرجیہ تھا۔

علامہ ذہبی اس پر تعجب کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وكان من المرجئة قال له البخاری وادرده فی الضعفاء

یہ مرجیہ تھا، مرجئہ ہونے کی وجہ سے اسے بخاری نے ضعفاء

---

[1] یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم میں شائع ہو چکا ہے [2] بخاری ج ا ص۲۷ [3] کتاب الضعفاء ص۲۴ [4] بخاری ج ۲ ص۶۲۳، [5] کتاب الضعفاء الصغیر ص۲۲

لاکر حاشیہ والعجب من البخاری یغمز وقد اخرج لہ . ہیں درج کیا ہے تعجب ہے اس پر طعن بھی کرتے ہیں اور اس کی روایت بھی لیتے ہیں۔

یوں ہی ایک راوی اسماعیل بن ابان کوفی ہے اسی کتاب الضعفاء[1] میں اس کو لکھا کہ یہ متروک ہے مگر اس سے ایک نہیں متعدد احادیث لی ہیں۔ علامہ ابن حجر ہدی الساری میں لکھتے ہیں۔

اسماعیل بن ابان الوراق الکوفی احد شیوخ البخاری ولم یکثر عنہ[2] یہ امام بخاری کے اساتذہ میں سے ہے مگر اس سے بہت زیادہ روایت نہیں کی ہے۔

ناظرین اپنی طمانیت خاطر کے لئے ایک بار امام بخاری کی کتاب الضعفاء کا مطالعہ کریں اور ان مندرجہ ذیل راویوں پر امام بخاری کی جرح دیکھ لیں۔ پھر انھیں تلاش کریں صحیح بخاری میں ان کی کتنی روایتیں ہیں۔

زہیر بن محمد تمیمی، سعید بن عروہ، عبداللہ بن لبید، عبدالملک بن اعین، عبدالوارث بن سعید، عطاء بن یزید، کہمس بن منہال، حد یہ ہے کہ مروان بن حکم جیسے مشہور زمانہ جفاکار شاطر سے بھی روایت لی ہے۔ جس نے اسلام میں ایسے ایسے رخنے ڈالے کہ آج تک بند نہ ہوئے۔ جس کی شرارت و دسیسہ کاری کی وجہ سے حضرت عثمان شہید ہوئے۔ جس نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ احد العشرۃ المبشرہ کو تیر مار کر زخمی کیا جس کے صدمے سے وہ شہید ہوئے وغیرہ وغیرہ۔

سند میں تسامح ضعیف راویوں سے روایت کے علاوہ بہت سی جگہ امام بخاری سے راویوں کے نام۔ ان کی ولدیت میں لغزش ہوئی ہے۔ مثلاً صفحہ ۹۰ پر باب اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ کے تحت جو حدیث ہے اس کی سند اس طرح بیان کی ہے حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ قال حدثنا ابراہیم بن سعد عن ابیہ عن حفص بن عاصم عن عبداللہ بن مالک ابن بحینۃ قال مر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ الحدیث۔

اس سند میں امام بخاری سے دو تسامح ہوا ہے۔ ایک تو یہ کہ مالک بن بحینہ کہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بحینہ مالک کی ماں ہیں حالانکہ یہ مالک کی زوجہ ہیں اور عبداللہ کی ماں ہیں۔ دوسرے یہ کہ، تحویل سند کے بعد ہے۔ سمعت رجلا من الازد یقال لہ مالک بن بحینۃ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأی رجلا۔ الحدیث۔ اس سند میں امام بخاری سے دو تسامح ہوا ہے ایک تو یہ کہ مالک بن بحینہ کہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بحینہ مالک کی ماں ہیں حالانکہ یہ مالک کی زوجہ ہیں اور عبداللہ کی ماں ہیں دوسرے یہ کہ اس سند میں حدیث کا راوی مالک کو بتایا۔ حالانکہ اس کے راوی مالک کے بیٹے عبداللہ ہیں مالک کو تو ایمان بھی نصیب نہیں ہوا۔ یہ حدیث مسلم، نسائی اور ابن ماجہ میں ہے مگر یہ خطا نہیں علاوہ اس حرز کے لکھا۔

[1] کتاب الضعفاء الصغیر ص ۲۵۲، [2] مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۱۵۱

الزهد فيه موضعين احدهما ان بحينة والدة عبد الله لا مالك وثانيهما ان الصحبة والرواية لعبد الله لا لمالك

اس میں دو جگہ وہم ہے ایک یہ کہ بحینہ عبد اللہ کی والدہ ہیں مالک کی بیوی دوسرے یہ کہ صحابی اور راوی عبد اللہ ہیں نہ کہ مالک۔

باب غزوۂ خیبر میں یہ حدیث ہے ان ابا هريرة قال شهدنا خيبر اس کی ایک سند امام بخاری نے یہ ذکر کی قال الزهری واخبرنی عبد الله بن عبد الله وسعيد عن النبی صلى الله تعالى عليه وسلم۔ الحديث۔ اس پر امام ابو علی جیانی نے یہ اعتراض کیا کہ صحیح عبد الرحمن بن عبد اللہ ہے۔ مگر امام بخاری نے بجائے عبد الرحمن کے عبد اللہ ذکر کیا ہے، یہ کاتب کی غلطی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ انھوں نے اپنی تاریخ میں بھی بجائے عبد الرحمن کے عبد اللہ ہی لکھا ہے۔ علامہ ابن [illegible] میں لکھتے ہیں۔

لا عبد الله بن عبد الله لا يعرف والصواب اسناده لعبد الرحمن بن عبد الله وهو ابن كعب قال وكنت اظن ان الوهم فيه من دون البخارى الى ان رأيته فى التاريخ قد ساقه كما ساقه فى الصحيح سواء

جانتے کہ عبد اللہ بن عبد اللہ کو پہچانا نہیں جاتا اسناد صحیح عبد الرحمن بن عبد اللہ ہے۔ یہی ابن کعب ہیں۔ پہلے گمان کرتا تھا کہ یہ وہم کسی اور سے ہوا ہے مگر جب ان کی تاریخ میں بھی ایسا ہی دیکھا تو گمان ختم ہو گیا۔

متن میں تسامح کتاب الزکوۃ میں ایک حدیث یہ ہے

عن عائشة ان بعض ازواج النبی صلى الله تعالى عليه وسلم قلن للنبی صلى الله تعالى عليه وسلم اينا اسرع بك لحوقا قال اطولكن يدا فاخذوا قصبة يذرعونها فكانت سودة اطولهن يدا فعلمنا بعد انما كانت طول يدها الصدقة وكانت اسرعنا لحوقا به صلى الله تعالى عليه وسلم وكانت تحب الصدقة

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعض ازواج نے عرض کیا کہ ہم میں سے سب سے پہلے کون حضور سے واصل ہوگی۔ فرمایا جس کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا ہے۔ تو ایک لکڑی سے کر اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں۔ ان میں سودہ کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا تھا۔ حالانکہ ہاتھ کی لمبائی سے صدقہ مراد تھا۔ سودہ ہی کا سب سے پہلے وصال ہوا۔ وہ صدقہ کو محبوب رکھتی تھیں۔

اس حدیث میں وكانت اسرعنا لحوقا به میں کانت کی ضمیر کا مرجع متعین ہے کہ سودہ ہیں۔ اس سے ثابت کہ

[illegible]

ازواج مطہرات میں سب سے پہلے حضرت سودہ کا وصال ہوا۔ حالانکہ تمام ارباب سیر واصحاب تاریخ کا اس پر اجماع ہے کہ ازواج مطہرات میں سب سے پہلے حضرت زینب کا وصال ہوا۔ خود حدیث کا سیاق بھی بتا رہا ہے کہ کانت اسرعنا لحوقا سے حضرت سودہ ہرگز مراد نہیں۔ نیز اگرچہ سبھی ازواج مطہرات بہت مخیر تھیں مگر حضرت زینب ان میں سب سے زیادہ مخیر تھیں حضرت زینب بنت جحش کا وصال ۲۰ھ میں ہوا۔ اور حضرت سودہ کا ۵۵ھ میں۔

اس حدیث میں یہ جملہ یوں ہونا چاہئے تھا۔ وکانت زینب اسرعنا لحوقا بہ۔ چنانچہ مسلم شریف میں یوں ہے وکانت زینب اطول یدا لانھا کانت تعمل وتتصدق۔

باب احداد المرأۃ علی غیر زوجھا میں یہ حدیث ہے۔

عن زینب بنت ابی سلمۃ قالت لما جاء نعی ابی سفیان من الشام دعت ام حبیبۃ بصفرۃ فی الیوم الثالث فمسحت عارضیھا وذراعیھا

زینب بنت ابو سلمہ کہتی ہیں کہ جب شام سے ابو سفیان کے وفات کی خبر آئی تو ان کی صاحبزادی ام المومنین حضرت ام حبیبہ نے تیسرے دن زرد رنگ کی خوشبو منگا کر اپنے چہرے اور دونوں کلائیوں پر ملا۔

اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابو سفیان کے وصال کی خبر شام سے آئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا انتقال شام میں ہوا تھا۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ ان کی وفات مدینہ طیبہ میں ہوئی ہے۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں۔

اس روایت میں اس پر اعتراض ہے کہ شام سے موت کی خبر آئی۔ حالانکہ سب مورخین اس پر متفق ہیں کہ حضرت ابو سفیان کی وفات مدینہ طیبہ میں ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں ہوئی۔

استنباط مسائل کا حال یہ پہلے بتا آئے ہیں کہ امام بخاری مجتہد مطلق تھے۔ اور صحیح بخاری کی تصنیف سے امام بخاری کا اہم مقصد احادیث سے مسائل کا استنباط ہے۔ اسی مقصد کے لئے انھوں نے ہر حدیث پر باب باندھا ہے۔ لیکن اس میں بھی ان سے لغزش ہوئی ہے۔ اور اس لغزش کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جو شرح میں مفصل ومدلل بیان ہوگی۔ یہاں دو نظیریں پیش کرتے ہیں۔

اذا شرب الکلب فی الاناء کے باب میں جہاں اور حدیث ذکر کی ہیں وہیں یہ حدیث بھی ہے۔

عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان رجلا رأی کلبا

نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک شخص نے

يأكل الثرى من العطش فأخذ الرجل خفه فجعل يغرف له به حتى أرواه فشكر الله له فأدخله الجنة [1]

دیکھا کہ ایک پیاسا کتا کیچڑ چاٹ رہا ہے اس نے اپنا موزہ نکالا اور اس میں پانی بھر کر اسے چلو سے پلانے لگا۔ اللہ نے قبول فرمایا۔ اور اس شخص کو جنت میں داخل فرمادیا۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔

استدل به المصنف على طهارة سور الكلب [2]

امام بخاری نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے۔

اسی باب میں ایک اور حدیث یہ ہے۔

كانت الكلاب تقبل وتدبر في المسجد في زمان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فلم يكونوا يرشون شيئا من ذلك

زمانہ اقدس میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے اس پر پانی نہیں ڈالتے تھے۔

اس حدیث کے بھی ذکر سے امام بخاری کا مقصود یہی ہے کہ کتے کا لعاب پاک ہے اور یہ مقصد بالکل ظاہر ہے۔ حالانکہ یہ بالکل ابتدائی دور کی بات ہے جب مسجد میں دروازے نہیں تھے۔ جب دروازے لگ گئے تو کتوں کا مسجد اقدس میں آنا جانا بند ہو گیا۔ جہاں تک کتوں کے آنے جانے کی بات ہے تو کوئی بھی کتوں کو نجس العین نہیں کہتا۔ اس لئے کتا اگر پاؤں رکھ دے اور پاؤں میں اور کوئی نجاست لگی نہ ہو تو وہ جگہ ناپاک نہیں ہوتی۔ رہ گیا چھڑکاؤ تو ہر شخص جانتا ہے کہ لعاب، شراب، رقیق نجاست گر جائے اور سوکھ جائے تو زمین پاک ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ کتے کا لعاب پاک ہے۔

اسی طرح امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے۔ تقضي الحائض المناسك كلها الا الطواف اس کے تحت یہ حدیث تعلیقاً لائے ہیں۔

كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يذكر الله على كل احيانه [3]

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔

اس تعلیق سے باب کا ثبوت اسی وقت ہو سکتا ہے کہ ذکر کو اپنے عموم کلی پر مانا جائے جس کا ایک فرد ادائے مناسک حج ہے اور قرآن مجید کی تلاوت بھی۔ اسی طرح على كل احيانه کو بھی اپنے عموم کلی پر رکھا جائے۔ جس کا فرد جنب بھی ہے اور حج کے علم برح الگ ہیں وہ بھی ہیں۔ مثلاً حائضہ، نفساء۔ اگر ان دونوں عموم میں کوئی بھی تخصیص کی گئی تو باب ثابت نہ ہو پائیگا۔

---

[1] بخاری ج ١ ص ٢٩ ، [2] فتح الباری ج ١ ص ٢٢٢ ، [3] بخاری شریف ج ١ ص ٢٩

اس سے لازم آیا کہ جنب مرد ہو یا عورت اور حائضہ اور نفاس والی عورت کو اس حالت میں بھی قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے اسی لئے علامہ ابن حجر نے اس کے تحت لکھا۔

ان مرادہ الاستدلال علی جواز قراءۃ الحائض ۔لہ امام بخاری کا مقصد حائضہ اور جنب کے لئے قرأت یعنی قرآن مجید کی تلاوت کے جواز پر اس تعلیق سے استدلال کرنا ہے

رضاعت کا مسئلہ اصول بخاری میں گزر چکا کہ بخارا کی رائے عامہ امام بخاری کے خلاف اس وجہ سے ہوئی کہ انھوں نے اپنے مسترد اس قسم کے مسائل عوام میں پھیلانے شروع کئے حالانکہ امام ابو حفص کبیر نے امام بخاری کو اس سے منع فرمایا تھا۔ کہ وہ مسائل نہ بتائیں احادیث کا درس دیں۔ مگر امام بخاری نہیں مانے اور انھوں نے اپنے اجتہاد سے امت کے خلاف جو مسائل استنباط فرمائے تھے ان کو بھی پھیلانا شروع کیا۔ جس سے عوام میں شورش پیدا ہو گئی۔ انھیں میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے۔ کہ اگر کسی لڑکے اور لڑکی نے ایام رضاعت میں کسی بکری کا دودھ پی لیا تو دونوں میں رشتۂ رضاعت پیدا ہو جائے گا۔

آج کل امام بخاری کے نادان دوست اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ امام بخاری کی طرف غلط منسوب ہے۔ اس مسئلہ رضاعت سے تو انکار کر دیا۔ مگر خود صحیح بخاری میں یہ جو دو مسئلے مذکور ہیں۔ ان کی نسبت کیا کہیں گے؟

امام بخاری کے ایک نادان دوست لکھتے ہیں:۔

حالانکہ اس فتوی کے ناقل بجز اہل الرائے کے اور کوئی نہیں۔ اور ان کو جو تعصب دوسروں سے ہے وہ ظاہر ہے محدثین کی ایذا رسانی میں ان کو خاص قسم کا مزہ آتا ہے۔ اس لئے اس واقعے کے صدق پر کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ تیسیر بخاری ص۲۲

بکری کے دودھ والا فتوی آپ کے نزدیک اس لئے صحیح نہیں کہ اسے صرف اہل الرائے نے لکھا مگر مذکورہ بالا دونوں مسائل تو صحیح بخاری میں آج بھی ہیں ان کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔ کیا امام بخاری کے یہ دونوں استنباط صحیح ہیں؟۔

تعصب اور ہٹ دھرمی کی یہ انتہائی حد ہے کہ چونکہ امام بخاری کا یہ فتوی احناف نے نقل کیا ہے اس لئے قابل اعتماد نہیں۔ یہ احناف کے ساتھ انتہائی بغض و عناد نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر احناف کو یہی کرنا تھا تو صرف ایک ہی ایسا فتوی کیوں مشہور کیا وہ چاہتے تو سیکڑوں مشہور کر دیتے۔ اگر احناف کو امام بخاری سے کوئی تعصب ہوتا تو وہ امام بخاری کو امیر المومنین فی الحدیث ہرگز نہیں تسلیم کرتے۔ ان کی جامع کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہرگز نہ مانتے۔ خصوصاً جب کہ امام بخاری نے اسی کتاب میں احناف کی طرف غلط مسائل تک منسوب کرنے سے نہیں باز آئے۔ احناف اسے کہہ سکتے تھے کہ یہ افترا و بہتان ہے۔ جو شخص افترا و بہتان باندھے وہ ثقہ نہیں ہو سکتا۔ مگر احناف نے انصاف اور اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ احناف اس کے باوجود یہی کہتے ہیں کہ امام بخاری کو غلط اطلاع ملی اس لئے انھوں نے ایسا کیا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جہاں گنجائش وہاں احناف نے تعصب سے کام نہیں

لیا۔ اور تعصب سے فرضی فتوی ان کی طرف منسوب کر دیا۔ امام بخاری کتنے ہی جلیل اجل عظیم اعظم ہوں مگر خطا و لغزش انسان کی فطرت ہے۔ وہ بھی انسان ہی تھے۔ ان سے بھی لغزش ہوئی۔ چند لغزشوں سے ان کی عظمت وجلالت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

غیر مقلدین کی بخاری سے عداوت

یہ چند تسامحات اور اسی قسم کے اور بہت سے تسامحات تو واقعی بربنائے تحقیق امام بخاری سے ہوئے۔ اور اگر غیر مقلدین کے طور پر دیکھا جائے۔ تو پھر آدھی بخاری صاف ہو جاتی ہے۔ غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی نے جمع بین الصلوتین کے عدم جواز پر احناف کی مستدل احادیث پر جو تنقید کی ہے اس کو سامنے رکھ کر اگر بخاری کو پرکھا جائے تو پھر بخاری کا خدا حافظ —— ہم یہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے رسالہ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوتین کا تھوڑا سا اقتباس پیش کرتے ہیں جسے شیخ الکل صاحب کی ایک ہی ترانی گوش گزار کریں۔ چار حق ہیں فرمایا۔

مؤلف نے دلائل میں وہ حدیثیں بیان کی ہیں جن کی طرف ہم کچھ التفات ہیں یعنی ایک روایت ابو داؤد جس کے راوی میں ضعف تھا۔ ایک روایت مجمع طبرانی ایک روایت اربعین حاکم نقل کر کے ان پر طعن کر دیا۔ اور جو روایتیں صحیح سند اور نص علی لکے ان کا جواب نہیں دیا یہ کیا دیانت ہے بلکہ کیا ماننے اگر بخاری و مسلم مجموعہ اربعین حاکم اور اوسط طبرانی کو جا پکڑا اور ان سے دو روایتیں ضعیف نقل کر کے ان کا جواب دیا۔

چونکہ میاں صاحب مردانگی دکھانا چاہتے تھے اس لئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی مردانگی کا نمونہ دکھایا ہے۔ سنئے۔

قسط اول ابو داؤد میں یہ حدیث ہے۔

حدثنا محمد بن عبید المحاربی حدثنا محمد بن فضیل عن ابیہ عن نافع وعبد اللہ بن واقد ان موذن ابن عمر قال الصلوۃ قال سیر سیر حتی اذا کان قبل غیوب الشفق نزل فصلی المغرب ثم انتظر حتی غاب الشفق فصلی العشاء ثم قال ان رسول اللہ ﷺ

نافع اور عبداللہ بن واقد فرماتے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مؤذن نے نماز کا تقاضا کیا۔ فرمایا۔ چلو چلتے رہے۔ شفق ڈوبنے سے پہلے اتر کر مغرب پڑھی پھر انتظار فرمایا یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی اس وقت عشاء پڑھی پھر فرمایا حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب کوئی جلدی ہوتی تھی ایسا ہی کرتے جیسا میں نے کیا۔ ابن عمر نے اس رات دن بھر میں

یہ رسالہ مبارکہ فتاوی رضویہ جلد دوم میں شائع ہو چکا ہے۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا اعجل بہ امر صنع مثل الذی صنعت فسار فی ذلک الیوم و اللیلۃ مسیرۃ ثلث۔ — دن کی مسافت قطع کی۔

شیخ الکل صاحب نے اس حدیث پر یہ اعتراض فرمایا۔ کہ اس میں محمد بن فضیل ہے یہ ضعیف ہے۔ یہ منسوب برفض ہے اس پر اعلیٰحضرت قدس سرہ فرماتے ہیں :۔

اولاً یہ بھی شرم نہ آئی کہ یہ محمد بن فضیل بخاری و مسلم کے رجال سے ہیں۔

ثانیاً امام ابن معین جیسے شخص نے۔ ابن فضیل کو ثقہ۔ امام احمد نے حسن الحدیث کہا امام نسائی نے لاباس بہ کہا امام احمد نے اس سے روایت کی۔ اور وہ جسے ثقہ نہیں جانتے اس سے روایت نہیں فرماتے۔ میزان میں اصلاً کوئی جرح مفسر ان کے حق میں ذکر نہ کی۔

ثالثاً یہ بکف چراغے قابل تماشا کہ ابن فضیل کے منسوب برفض ہونے کا دعویٰ کیا اور ثبوت میں عبارت تقریب رمی بالتشیع ذکر کی۔ ملاجی کو ابھی سالٹم ری و دعویٰ محدثی آج تک اتنی خبر نہیں کہ محاورات سلف و اصطلاح محدثین میں تشیع اور رفض میں کتنا فرق ہے۔ میزان میں امام حاکم کے بارے میں یہ قول نقل کرکے کہ کسی نے ان کو رافضی کہا تھا لکھا۔

ماالرجل برافضی بل شیعی فقط — یہ رافضی نہیں صرف شیعی ہے۔

ہاں زبان متاخرین میں ، شیعہ روافض کو کہتے ہیں۔ بلکہ آج کل کے بیہودہ عوام میں روافض کو رافضی کہنا خلاف تہذیب جانتے اور انہیں شیعہ ہی کے لقب سے یاد کرنا ضروری مانتے ہیں۔ خود ملاجی کے خیال میں اپنی ملائی کے باعث یہی تازہ محاورہ تھا یا عوام کو دھوکہ دینے کے لئے تشیع کو رافضی بنایا۔ حالانکہ سلف میں جو تمام خلفائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ حسن عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو ان پر افضل جانتا ، شیعی کہا جاتا۔ بلکہ جو صرف امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تفضیل دیتا اسے بھی شیعی کہتے۔ حالانکہ یہ مسلک بعض علماء اہلسنت کا تھا۔ اسی بناء پر متعدد ائمہ کو شیعہ کہا گیا۔ بلکہ کبھی محض غلبہ محبت اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے۔ حالانکہ یہ محض سنت ہے۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں خود انہیں محمد بن فضیل کی نسبت تصریح کی۔ کہ ان تشیع صرف موالات تھا۔ لکھتے ہیں :۔

محمد بن فضیل بن غزوان المحدث الحافظ کان من علماء ھذا الشان وثقہ یحیی بن معین وقال احمد حسن الحدیث شیعی قلت کان متوالیا فقط — محمد بن فضیل بن غزوان محدث حافظ اور اس فن کے علماء میں سے تھے یحیی بن معین نے ان کو ثقہ کہا۔ احمد نے کہا حسن الحدیث شیعی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ صرف اہل بیت سے محبت کرنے والے تھے۔

رہ جاتا ورنہ رواۃ صحیحین دیکھ کر شیعی کو رافضی شمار کر تضعیف کی ہوتی۔ کیا بخاری و مسلم سے بھی ہاتھ دھونا ہے۔ ان کے رواۃ میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جنھیں اصطلاح قدماء پر لفظ تشیع ذکر کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ تدریب میں حاکم سے نقل کیا کتاب مسلم ملأن من الشیعۃ۔ مسلم کی کتاب شیعہ سے بھری پڑی ہے۔

دور کیوں جائیے خود ہی ابن فضیل کو، واقع میں شیعی صرف یعنی محب اہل بیت کرام اور آپ کے زعم میں معاذ اللہ رافضی صحیحین کے راوی ہیں۔ ۱

اس پہلی قسط میں شیخ الکل صاحب نے بخاری و مسلم کے تیس رواۃ پر ہاتھ صاف کر دیا جن میں سترہ بخاری کے ہیں۔

قسط ثانی احناف کی مؤید ایک اور حدیث ہے جسے نسائی اور امام طحاوی نے روایت کیا۔ اس کی سند یہ ہے

حدثنا ربیع المؤذن قال حدثنا بشر بن بکر قال حدثنی ابن جابر قال حدثنی نافع قال خرجت الحدیث

نافع نے کہا عبد اللہ بن عمر اپنی ایک زمین کو تشریف لے جاتے تھے۔ کسی نے آکر کہا! آپ کی زوجہ صفیہ بنت ابی عبید اخت مختار اپنے حال میں مشغول ہیں۔ شاید ہی آپ انھیں زندہ پائیں۔ یہ سنکر بہت تیز چلے گئے۔ اور ان کے ساتھ ایک مرد قریشی تھا۔ سورج ڈوب گیا۔ اور انھوں نے نماز نہیں پڑھی۔ میں ہمیشہ ان کی عادت یہ پاتی تھی کہ نماز کی پابندی فرماتے۔ جب انھوں نے دیر کی تو میں نے ان سے کہا نماز۔ خدا آپ پر رحم فرمائے۔ میری طرف پھر کے دیکھا اور آگے روانہ ہو گئے۔ جب شفق کا آخر حصہ رہا۔ اتر کر مغرب پڑھی پھر عشاء کی تکبیر اسی وقت کہی گئی جب شفق ڈوب چکی تو اس وقت عشاء پڑھی۔ پھر ہماری طرف منہ کر کے فرمایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سفر میں جلدی ہوتی تو ایسا ہی کرتے۔

اس حدیث پر طعن کرتے ہوئے شیخ الکل صاحب نے بشر بن بکر کے بارے میں لکھا۔

"کہ وہ غریب الحدیث ہے ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف قال الحافظ فی التقریب"

اس پر اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی تنقید سنئے۔

اولاً ذرا شرم کی ہوتی کہ یہ بشر بن بکر، رجال بخاری سے ہیں۔ صحیح حدیثیں رد کرنے بیٹھے تو اب بخاری بھی بالائے طاق۔

ثانیاً اس صریح خیانت کو دیکھئے کہ تقریب میں صاف صاف بشر کو ثقہ فرمایا تھا اسے ہضم کر گئے۔

ثالثاً محدث جی تقریب میں لفظ یغرب ہے کسی ذی علم سے سیکھو کہ فلاں یغرب اور فلاں غریب الحدیث میں کتنا فرق ہے۔

رابعاً اغراب کی یہ تفسیر کہ ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف۔ محدث جی غریب اور منکر کا فرق کسی طالب علم سے پڑھو

---

۱ [illegible]

خامساً باوصف ثقہ ہونے کے بمجرد اغراب، باعث رد ہو تو صحیحین سے ہاتھ دھو لیجئے۔ یہ اپنی مبلغ علم تقریب ہی دیکھئے کہ بخاری و مسلم کے رجال میں کتنوں کی نسبت یہی لفظ کہا ہے۔ دور مت جائیے یہ بشر خود رجال بخاری سے ہیں۔

سادساً اور امیزان تو دیکھئے لکھا ہے۔ اما بشر بن بکر التنیسی فصدوق ثقۃ لا طعن فیہ کیوں شرمائیے تو نہ ہو گے۔
ایسی ہی اندھیریاں ڈال کر جاہلوں کو بہکا دیا کرتے ہو کہ حنفیہ کی احادیث ضعیف ہیں۔ حاشیہ میں گیارہ صحیحین کے ایسے رواۃ کی نشاندہی کی ہے۔ جن میں نو بخاری کے ہیں اگر پورا تتبع کیا جائے تو اور نکلے گا۔[1]

سند ثالث نسائی میں حضرت جابر سے مروی ایک حدیث ہے اس کی سند یہ ہے۔ اخبرنا محمود بن خالد ثنا الولید ثنا ابن جابر حتی نافع قال خرجت۔ پھر آگے وہی مضمون ہے جو سابقہ احادیث میں گزر چکا۔ اس پر شیخ الکل صاحب نے یہ جڑ دیا کہ اس میں ولید بن قاسم سے روایت ہے اس سے خطا ہوتی تھی کہا تقریب میں صدوق یخطی۔

اب اعلیٰحضرت قدس سرہ فرماتے ہیں۔

اولاً مسلمانو! اس تحریف شدید کو دیکھنا۔ اسناد نسائی میں یہاں ولید غیر منسوب تھا ملا جی کو چالاکی کا موقع ملا۔ کہ تقریب میں اسی طبقہ کا ایک شخص رواۃ نسائی سے کہ نام اس کا ولید ہے اور قدرے متکلم فیہ ہے چھانٹ کر اپنے دل سے ولید بن قاسم تلاش لیا حالانکہ یہ ولید بن قاسم نہیں ولید بن مسلم ہیں۔ رجال صحیح مسلم و ائمہ ثقات و حفاظ اعلام سے ہیں۔

ثانیاً بفرض غلط ابن قاسم ہی سہی پھر وہ بھی کب مستحق رد ہیں۔ امام احمد نے ان کی توثیق فرمائی۔ ان سے روایت کی۔ لوگوں کو حکم دیا کہ ان سے حدیث سیکھو۔ ابن عدی نے کہا جب کسی ثقہ سے روایت کریں تو ان میں کوئی عیب نہیں اور ابن جابر کا ثقہ ہونا خود ظاہر۔

ثالثاً وہ رواۃ صحیح بخاری و مسلم پر نظر ڈالے ہوتے کہ ان میں کتنوں کی نسبت تقریب ہی میں صدوق یخطی، بلکہ اس سے زائد کہا ہے۔ کیا تم کھائے بیٹھے ہو کہ صحیحین کا رد ہی کر دو گے؟

سابعاً بخاری میں حسان بن حسان بصری سے روایت کی۔ انھیں کہا صدوق یخطی۔ پھر حسان بن حسان واسطی کی نسبت لکھا مخلطہ ابن مندہ بالذی قبلہ فوھم وھذا ضعیف۔ دیکھو صاف بتا دیا کہ جسے صدوق یخطی کہا وہ ضعیف نہیں۔ ملا جی اپنی جہالت سے مردود واہیات گا رہے ہیں۔

حاشیے میں اٹھارہ ایسے بخاری و مسلم کے رواۃ کا پتہ دیا جن کے بارے میں صدوق یخطی کہا گیا اور دس ایسے جن کو صدوق

---

[1] فتاوی رضویہ ج ۲ ص ۱۲۶، ۱۲۹

کے ساتھ کثیر انتخاب یا اس کے ہم معنی کہا گیا۔ اس قسط میں شیخ الکل کی مہربانی سے، بخاری ومسلم کے اٹھائیس رواۃ ختم ہوگئے جن میں تیئیس بخاری کے رواۃ ہیں۔ آگے بڑھئے۔

قسط رابع نسائی اور طحاوی کی حدیث یحییٰ کو عطاف سے معلول کیا اور کہا۔۔ وہ وہمی ہے۔ کہا تقریب میں۔ صدوق یھم۔

اس کے جواب اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے ارشادات سنئے۔

اولاً عطاف کو امام احمد اور یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا وکفیٰ بھما قدوۃ۔ میزان میں ان کی نسبت کوئی جرح مفسر منقول نہیں

ثانیاً کسی سے پڑھو کہ وہمی اور صدوق یھم میں کتنا فرق ہے

ثالثاً صحیحین سے عداوت کہاں تک بڑھے گی۔ تقریب ملاحظہ ہو کہ آپ کے وہم کے ایسے وہمی ان میں کس قدر ہیں۔

حاشیے میں ایسے ساٹھ کے نام گنائے ہیں۔ اس قسط میں صحیحین کے بیس راوی اور گئے جن میں بخاری کے نو ہیں۔

قسط خامس حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مروی امام طحاوی و امام احمد و ابن ابی شیبہ استناداً امام بخاری ومسلم کے رد کو پھر وہی شگوفہ چھوڑا۔

"ایک راوی اس کا مغیرہ بن زیاد موصلی ہے۔ اور یہ مجروح ہے کہ وہمی تھا قالہ الحافظ فی التقریب"۔

اب اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں۔

اولاً تقریب میں صدوق کہا وہ صدوق تک نہ رہا۔

ثانیاً وہی بچارگی وہی نزاکت کہ لہ اوہام کو وہمی کہنا سمجھ لیا۔

ثالثاً وہی صحیحین سے بیر اور عداوت تقریب دور نہیں دیکھئے تو کتنے رجال بخاری ومسلم کو یہی صدوق لہ اوہام کہا ہے۔

رابعاً مغیرہ، رجال سنن اربعہ سے ہے۔ امام ابن معین و امام نسائی دونوں صاحبوں نے بآں تشدید شدید فرمایا لیس بہ باس، اس میں کوئی برائی نہیں۔ زاد یحییٰ لہ حدیث واحد منکر۔ اس کی صرف ایک حدیث منکر ہے۔ لاجرم وکیع نے ثقہ، ابوداؤد نے صالح، ابن عدی نے عندی لا باس بہ کہا تو اس کی حدیث حسن ہونے میں کلام نہیں اگرچہ درجہ صحاح پر بالغ نہ ہو۔ جس کے سبب نسائی نے لیس بالقوی، ابواحمد حاکم نے لیس بالمتین عندھم کہا۔ لانہ لیس بقوی لیس بمتین وشتان ما بین الصیابین۔ حافظ نے ثقہ سے درجہ صدوق میں رکھا۔ اس قسم کے رجال اسانید صحیحین میں صدہا ہیں۔

حاشیے میں صدوق لہ اوہام صحیحین کے جن رواۃ کے بارے میں کہا گیا ان کی تعداد اٹھارہ گنائی۔ ان میں گیارہ رجال

لہ فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۱۹۹

بخاری ہیں۔ اور اخیر میں فرمایا اس قسم کے رجال اسانید صحیحین میں صدہا ہیں۔ [1]

تعصب و عناد اس کا نام ہے کہ احناف کی ضد میں صحیح احادیث پر بلا تکلف ایسی تنقیدیں کرنے لگے کہ بخاری و مسلم کی صدہا حدیثیں ضعاف ہوگئیں۔ اب اس کا فیصلہ انہیں بزرگوں کو کرنا ہے کہ وہ اپنے شیخ الکل کے ہاتھ کی صفائی تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟

ذرھم فی خوضھم یلعبون

باب و حدیث میں عدم مطابقت یہ کئی جگہ بتا آیا ہوں کہ امام بخاری کا مقصد صرف صحیح احادیث کا جمع کرنا نہیں بلکہ وہ جن عقائد و اعمال کو حق مانتے تھے ان کا اثبات اور جسے غلط مانتے تھے ان کا رد بھی مقصود ہے۔ بلکہ اگر میں یہ کہہ دوں کہ یہی مقصود بالذات ہے اور احادیث کی تدوین ثانوی درجے میں ہے تو کوئی بیجا بات نہ ہوگی۔ اس پر دو نہایت ٹھوس دلیل ہے۔ ایک یہ کہ جب امام بخاری کو ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد تھیں اور صحیح بخاری میں بمشکل ڈھائی ہزار سے کچھ زائد احادیث ہیں۔ تو اب سوال یہ ہے کہ آخر وجہ ترجیح کیا ہے؟ کیوں ان ڈھائی ہزار کو درج فرمایا اور ساڑھے ستانوے ہزار احادیث کو چھوڑ دیا؟ اس کا جواب صرف یہ ہے کہ بقیہ ساڑھے ستانوے ہزار احادیث ان کے مستخرجہ مسائل کے مطابق نہ تھیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے التزام تو اس کا کیا ہے کہ اس کتاب میں کوئی غیر صحیح حدیث نہیں لائیں گے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تعلیقات میں بلا دھڑک ضعاف ذکر کرتے ہیں۔ وہی باب کی تائید۔ جب تائید میں صحیح حدیث نہیں ملی تو ضعیف کو ذکر فرما دیا۔ اگرچہ تعلیقاً ہی سہی۔

کہیں کہیں تو ابواب میں یہ بھی صنعت ہے کہ حدیث کا جو ٹکڑا لائے ہیں اس سے باب کی کوئی مطابقت نہیں۔ مگر اسی حدیث کو اور کوئی حدیث لایا ہے جو مفصل ہے۔ اس سے بخاری کے باب کی مطابقت ہوتی ہے۔ مثلاً امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے۔

طول الصلوٰۃ فی قیام اللیل۔ — رات کی نماز میں قیام کو دراز کرنا۔

اس کے تحت حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث لائے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا قام للتہجد من اللیل یشوص فاہ بالسواک۔ [2] — نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تہجد کے لئے اٹھتے تو اپنا منہ مسواک سے صاف کرتے۔

اس سے باب کو کیا مطابقت۔ مگر کہا جاتا ہے کہ حضرت حذیفہ ہی سے مسلم شریف میں ایک حدیث مفصل ہے، اس میں

---

[1] فتاوی رضویہ ج ۲ ص ۲۰۵، ۲۰۶۔ [2] بخاری شریف ج ۱ ص ۱۵۳۔

یہ ہے کہ حضور نے تہجد کی ایک رکعت میں سورہ بقرہ سورۂ نساء سورۂ آل عمران پڑھی۔ لیکن یہ حصہ چونکہ امام بخاری کی شرط پر نہیں اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ جب یہ حصہ امام بخاری کی شرط پر نہیں۔ تو ان کے نزدیک یہ حصہ ضعیف ہوا۔ کیا امام بخاری احکام میں احادیث ضعاف کو حجت مانتے ہیں؟ اگر یہ توجیہ صحیح ہے تو ماننا پڑے گا کہ امام بخاری کا مقصود اصل اپنے عقائد و مسائل کی تدوین پھر اس کی تقویت ہے۔ اور اس پر ان کا اتنی شدت سے عمل ہے کہ اگر حدیث صحیح سے کام نہ چلے تو ضعیف سے کام لے لیتے اگرچہ بعض اشارۃً ہی۔

علاوہ ازیں جب کہ امام بخاری نے اپنی اس کتاب کا نام رکھا الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسننہ وایامہ۔ تو پھر کوئی بتائے کہ پھر تابعین و تبع تابعین تک کے اقوال اپنے ابواب کی تائید میں کیوں لاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کہیں کہیں باب اور حدیث میں وہ بھی علاقہ نہیں ہوتا جو نرگس کے باغ میں جانے اور پروانے کے خون بہنے میں ہے دو نظیریں حاضر ہیں۔

امام بخاری نے باب باندھا۔ باب فضل صلاۃ الفجر فی جماعۃ اور حدیث لائے یہ۔

والذی ینتظر الصلاۃ حتی یصلیها مع الامام اعظم اجراً من الذی یصلی ثم ینام [1]

اس شخص کو زیادہ اجر ملے گا جو جماعت کا انتظار کر کے امام کے ساتھ جماعت سے پڑھتا ہے بہ نسبت اس کے جو نماز پڑھ کر سو رہتا ہے۔

اس حدیث میں عشاء کا ذکر ہے اور جماعت سے نماز پڑھنے کی فضیلت مذکور ہے۔ فجر کی نماز سے اس حدیث کا کیا علاقہ۔ ایک باب باندھا الماء الذی یغسل به شعر الانسان۔ اس پانی کا بیان جس سے انسان کا بال دھویا جائے۔ اور دو حدیث لائے دونوں کو باب سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک یہ۔

عن ابن سیرین قال قلت لعبیدة عندنا من شعر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اصبناہ من قبل انس او من قبل اهل انس فقال لان تکون عندی شعرۃ منه احب الی من الدنیا وما فیها [2]

ابن سیرین نے کہا میں نے عبیدہ سے کہا ہمارے پاس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ موئے مبارک ہیں یہ ہمیں انس یا ان کے اہل سے ملے ہیں۔ حضور کا ایک بال مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہے۔

دوسری حدیث یہ ہے۔

عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لما

حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] بخاری شریف ج ۱ ص [illegible]۔ [2] ایضاً ج ۱ ص [illegible]

معلق بہ اسمہ کان ابو طلحۃ اول من اخذ من شعرہ۔ جب بال اتروائے تو سب سے پہلے ابو طلحہ نے اسے لیا۔

ان دونوں حدیثوں کو باب سے کیا تعلق ہے معمولی پڑھا لکھا انسان اسے سمجھ سکتا ہے۔

تدلیس امام بخاری نے باں جلالت شان وعظمت مکان کے کہیں کہیں بالقصد یا بلاقصد تدلیس سے بھی کام لیا ہے۔ مثلاً چونکہ امام ذہلی سے یہ ناراض ہو گئے تھے۔ مگر پھر بھی ان سے روایت لی ہے تقریباً تیس جگہ ہوگی۔ مگر کہیں ان کا مشہور نام محمد بن یحییٰ نہیں لیا۔ کہ لوگ جان جائیں کہ یہ فلاں ہیں۔ بدل بدل کر نام لیا ہے۔ کہیں صرف محمد کہا کہیں دادا کی طرف نسبت کرکے محمد بن عبداللہ کہیں پردادا کی طرف نسبت کرکے محمد بن خالد کہا۔ اس میں دو خرابی پیدا ہوئی۔ ایک تو اصل راوی کو سننے والے سمجھ نہیں پائے۔ دوسرے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ محمد۔ محمد بن عبداللہ۔ محمد بن خالد الگ الگ تین راوی ہیں۔ یہ بھی تدلیس ہے۔ کہ راوی اپنے شیخ کا وہ نام وہ کنیت وہ لقب وہ نسبت نہ ذکر کرے جس سے وہ مشہور ہے۔ طبقات المدلسین و بخاری۔

علاوہ ازیں۔ ابو عبداللہ ابن مندہ نے امام بخاری کو مدلس کہا۔ کیونکہ جب ان کا کسی سے سماع نہیں ہوتا تو قال فلاں کہتے ہیں اور سماع ہوتا ہے تو اگرچہ وہ موقوف منقطع کچھ بھی ہو اور ان کی شرط پر نہ ہو قال لنا فلاں کہتے ہیں۔

اگرچہ اتنی بات ہے کہ امام بخاری کی عظمت کے پیش نظر ہم یہی کہیں گے کہ انھوں نے تدلیس کسی مصلحت کے پیش نظر کی ہے۔ جیسا کہ امام ذہلی کے بارے میں جو مصلحت تھی اس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

جامع صحیح بخاری کا ایک مجمل تعارف ہو گیا ان سب باتوں کو ذہن میں رکھئے گا تو آپ پر یہ بات روشن ہو جائے گی کہ صحیح بخاری کی جو عام پذیرائی ہے وہ صرف ان احادیث کی وجہ سے ہے جو اس میں درج ہیں اور انھیں احادیث کے اعتبار سے کہا گیا ہے کہ بخاری اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی کل کی کل احادیث صحیح ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دیگر کتب احادیث کی بہ نسبت بخاری میں ضعاف بہت کم ہیں۔ رہ گئے ابواب اور ابواب کی تائید میں خود امام بخاری کے ارشادات تو انکو نہ کسی نے اصح کہا ہے اور نہ انکی پذیرائی ہے۔ ان ابواب پر پوری امت نے پوری گفتگو کی ہے۔ یہ ابواب نہ ارشادات رسول ہیں اور نہ شریعت کے اٹل قانون۔ وہ امام بخاری کے مستنبط ہیں۔ امت کے ہر ذی علم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ امام بخاری کے استنباطات و استخراجات پر کلام کرے۔ اور کرتے آئے ہیں یہی وجہ ہے کہ امام بخاری جن مسائل میں منفرد ہیں۔ انکو تلقی بالقبول حاصل نہ ہو سکی۔

امام بخاری کی دیگر تصانیف

قضایا الصحابہ والتابعین یہ امام بخاری کی سب سے پہلی تصنیف ہے جو ۲۱۲ھ میں لکھی ہے۔ یہ اب تک طبع نہ ہو سکی۔

التاریخ الکبیر مسجد نبوی میں بیٹھ کر چاندنی راتوں میں لکھی ہے۔ اس وقت عمر مبارک سولہ سترہ سال کی تھی۔ حروف تہجی کی ترتیب پر ہے۔ دائرۃ المعارف حیدرآباد سے چھپ گئی ہے۔ اس کتاب میں امام بخاری نے حسب عادت حضرت امام اعظم پر بہت بڑی مہربانی کی ہے۔ فرمایا۔

امام صاحب مربی تھے اس لئے لوگوں نے ان سے ان کی رائے، ان کی حدیث سے سکوت فرمایا۔ واس میں کہاں تک صداقت ہے وہ آگے آرہا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کثیر خامیاں ہیں۔ اسی کتاب کے بارے اسحٰق بن راہویہ نے عبداللہ بن طاہر حاکم رَی سے کہا تھا۔ الا اریک سحراً۔ کیا میں تمہیں جادو نہ دکھاؤں۔ اب کتاب چھپ گئی ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے اس میں کیا جادو ہے۔

التاریخ الاوسط یہ کتاب اب تک نہیں چھپ سکی ہے۔ اس کا کوئی قلمی نسخہ شاید جرمن میں ہے۔

التاریخ الصغیر اسکی ترتیب سنہ وار ہے۔ یہ بہت ہی مختصر ہے۔ امام بخاری کی یہ تینوں کتابیں بہت زیادہ قابل قدر ہیں۔ ان کتابوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ اتنے بڑے آدمی کی تصنیف ہیں۔

الجامع الکبیر اس کا قلمی نسخہ جرمن میں تھا۔

خلق افعال العباد موضوع نام سے ظاہر ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں اس کے برخلاف اہلسنت کا عقیدہ ہے۔ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ بندوں کا خالق ہے اسی طرح ان کے افعال کا بھی خالق ہے۔ امام بخاری نے اہلسنت کی تائید میں یہ رسالہ لکھا۔

المسند الکبیر اس کے بارے میں بھی کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جرمن میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

اسامی الصحابہ اس کا ذکر ابوقاسم بن مندہ اور ابوالقاسم بغوی نے کیا ہے۔ اس موضوع پر سب سے پہلی تصنیف ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ جرمن میں اس کا بھی قلمی نسخہ موجود ہے۔

کتاب العلل علل حدیث کے موضوع پر غالباً سب سے پہلی کتاب ہے۔ اور بہت عمدہ ہے۔

کتاب الفوائد اس کا پتہ صرف اس سے چلتا ہے کہ امام ترمذی نے حضرت طلحہ کے مناقب میں تذکرہ کیا ہے۔ تفصیل کچھ معلوم نہیں۔

کتاب الوحدان یہ کتاب امام بخاری کی ہے یا امام مسلم کی دونوں قول ہیں۔ اس میں ان صحابۂ کرام کا تذکرہ ہے جن سے صرف ایک حدیث مروی ہے۔

الادب المفرد جامع صحیح کے بعد سب سے زیادہ مفید و مقبول تصنیف ہے اس میں شمائل نبوی کا بیان ہے۔ یہ کتاب مصر اور ہندوستان میں کئی بار چھپ چکی ہے۔

کتاب الضعفاء حروف تہجی کی ترتیب پر ضعیف راویوں کا ذکر ہے۔ لیکن احناف سے امام بخاری کے تعصب کی جھلک اس میں بھی ہے۔ امام ابو یوسف کو متروک لکھا۔ حالانکہ امام نسائی نے جن کا تشدد بلکہ تعصب بھی مشہور ہے کتاب الضعفاء والمتروکین میں امام ابو یوسف کو ثقہ کہا ہے۔ امام بخاری تو امام ابو یوسف کو متروک کہیں مگر ان کے اساتذہ مثلاً امام احمد، یحیی بن معین جیسے ائمہ

حدیث امام ابو یوسف سے حدیث اخذ کریں۔ اور انھیں صاحب حدیث، صاحب سنت، مصنف فی الحدیث، اثبت، اکثر حدیثا، اتبع للحدیث اور حافظ حدیث کہیں۔

غیر مقلدین کے امام ثانی نواب صدیق حسن بھوپالی نے التاج المکلل میں امام ابو یوسف کے بارے میں لکھا۔

قاضی ابو یوسف، کوفہ کے امام ابو حنیفہ کے شاگرد فقیہ عالم اور حافظ حدیث تھے۔ امام احمد، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، تینوں امام ابو یوسف کے ثقہ ہونے پر متفق تھے۔ امام ابو یوسف کے اوصاف بہت ہیں۔ اکثر علما ان کی فضیلت وتعظیم کے قائل ہیں۔

اور یہ بات محقق ہے کہ جن کی مدح کرنے والے زیادہ ہوں ان پر جارحین کی جرح کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ خصوصاً جب کہ جرح متعصبین کی ہو۔ امام بخاری کا تعصب سب کو معلوم ہے۔ اور اسی صف میں دار قطنی بھی ہیں۔

کتاب المبسوط: اس کتاب کا کہیں وجود ہے نہ اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکا کہ اس کا موضوع کیا تھا۔ خلیلی نے الارشاد میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک غیر مقلد مجتہد صاحب کا قیاس ہے۔ کہ اس کتاب میں بسط کے ساتھ وہ فقہی مسائل ہوں گے جو احادیث سے مستنبط کئے گئے ہیں۔ اگر ان مجتہد صاحب کا اجتہاد صحیح ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ امام بخاری کے استاذ اسحاق کو والمبانہ شغف ہے وہ صرف احادیث کی تدوین کی حد تک ہے۔ رہ گئے ان کے اجتہادات اسے اسحاق نے قبول نہیں کیا۔ بلکہ ان کے تلامذہ نے بھی قبول نہیں کیا۔ ورنہ کتاب المبسوط کو بھی باقی رہنا چاہئے تھا۔ نہ صرف باقی بلکہ چار دانگ عالم میں پھیل جانا چاہئے تھا۔

الجامع الصغیر: اس کا بھی کچھ حال معلوم نہیں صاحب کشف الظنون نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ غالباً جرمنی میں اس کا کوئی قلمی نسخہ موجود ہے۔

کتاب الرقاق: اس کا بھی کچھ حال معلوم نہیں۔ کشف الظنون میں اس کا ذکر ہے۔

بر الوالدین: علامہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ موجود ہے۔

کتاب الاشربہ: اس کا ذکر امام دار قطنی نے المؤتلف والمختلف میں، ایک کیسہ نام کے راوی کے تذکرے میں کیا ہے۔

کتاب الہبہ: محمد بن حاتم وراق نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ اس میں پانچ سو احادیث تھیں۔ یہ کتاب ناپید ہے۔ کہیں اس کا سراغ نہیں۔

کتاب الکنیٰ: نام سے ظاہر ہے کہ اس کتاب میں رواۃ کی کنیتوں کو بتایا ہے۔ امام بخاری کی اصل کتاب میں حروف تہجی کی ترتیب نہ تھی۔ امام ذہبی نے اسے حروف تہجی کی ترتیب پر نئے سرے سے مدون کر کے اس کا نام المقتنیٰ فی سرد الکنیٰ رکھا۔

التفسیر الکبیر: فربری اور وراق بخاری، محمد بن حاتم کے ذکر سے اس کا پتہ چلا۔ آج ناپید ہے۔

جزء القراءت خلف الامام قراءت خلف الامام کے اثبات میں یہ رسالہ لکھا ہے۔ اصلی موضوع پر بقدر ضرورت بحث شرح میں آئے گی یہاں صرف نیاز مندانہ اتنی گزارش ہے۔ کہ اس رسالے میں امام بخاری کا سارا حزم و احتیاط رخصت ہو گیا ہے ایک فریق سے ایسی انتہا پسندی کر دی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ اختلاف امتی رحمۃ حدیث بھی ان کے ذہن مبارک میں نہیں آئی۔ الفاظ ایسے غیظ و غضب کا اظہار ہے کہ افسوس ہوتا ہے۔ حد یہ ہے کہ ایسے غلط مسائل کا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف انتساب ہے۔ جس کو سوائے افتراء اور کوئی دوسرا نام دیا ہی نہیں جا سکتا۔ مزید براں یہ کہ یہاں اپنے مطلب کی احادیث لائے ہیں۔ صحیح بخاری کی شرائط رخصت ہو گئیں اس کی وجہ آج تک سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ رسالہ بار بار چھپ چکا ہے۔

جزء رفع یدین رفع یدین کے اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ رفع یدین کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی یا رفع یدین نہ کریں تو نماز صحیح ہو گی۔ مگر امام بخاری کا جلال اس مسئلے میں بھی شباب پر ہے۔ کہیں احناف کو بے علم کہا کہیں غبی و گمراہی کی منزل تک پہنچا دیا اس پر بھی غصہ کم نہ ہوا تو اخیر میں یہ تک سطر کر دیا کہ پہلے لوگ اہل فتاویٰ کو اعلم کہتے تھے اور احناف الآخر فالآخر کو اعلم کہتے ہیں تو اپنے موقع پر آئے گا کہ اس ارشاد کے مصداق خود امام بخاری ہیں یا احناف۔ اتنی بات تو سب کو معلوم ہے کہ امام اعظم امام بخاری سے ایک صدی پہلے گزرے ہیں۔ یہ بھی طبع ہو چکا ہے۔

ایک ارشاد آج تحصیل علم میں کتنی کاہلی ہے۔ طلبہ کتنے آرام طلب ہیں۔ علماء کتنے سہل پسند ہیں وہ سب پر ظاہر ہے۔ ہم اس سلسلے میں امام بخاری کا ایک ارشاد نقل کر دینا ضروری سمجھتے ہیں شاید ہم کاہلوں کے لئے کچھ مہمیز کا کام کرے۔

تدریب الراوی و قسطلانی میں[1] مذکور ہے کہ قاضی ولید بن ابراہیم رے کے قاضی بخارا تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب مجھے حدیث کا شوق ہوا تو امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض مدعا کیا تو فرمایا۔ اے بیٹے کسی کام کو اس وقت تک شروع کرو جب تک کہ اس کے حدود اور مقادیر کو نہ جان لو۔ میں نے عرض کیا۔ علم حدیث کے حدود و مقادیر کو بیان فرمائیں۔ تو ارشاد فرمایا۔

اعلم ان الرجل لا يصير محدثا كاملا فى حديثه الا بعد ان يكتب اربعا مع اربع۔ كاربع مثل اربع في اربع عند اربع باربع على اربع عن اربع لاربع وكل هذه الرباعيات لا تتم الا باربع مع اربع فاذا تمت له كلها هان عليه اربع وابتلى باربع فاذا صبر على ذلك اكرمه الله تعالى فى الدنيا باربع واثابه فى الآخرة باربع۔

---

[1] قسطلانی ج ۱ ص ۳۳

اس کا حاصل یہ ہے کہ بغیر بارہ رباعیات کے کوئی محدث کامل نہیں ہو سکتا۔ ان بارہ رباعیات کے بعد اگر ایک اور رباعی پر صبر کرے گا تو اسے ایک رباعی دنیا میں اور ایک رباعی آخرت میں ملے گی۔ قاضی ولید کہتے ہیں کہ میں یہ سنکر گھبرا گیا۔ میں نے درخواست کی کہ اسکی شرح فرمادیں۔ تو امام بخاری نے اس کی شرح یہ کی۔

(۱) ان یکتب اربعا۔ یعنی چار چیزیں لکھے۔ اول۔ احادیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوم۔ صحابہ کرام کے حالات اور ان کی تعداد۔ سوم۔ تابعین کے احوال۔ چہارم۔ بعد کے علماء کے احوال اور ان کی تاریخ

(۲) مع اربع۔ چار چیزوں کے ساتھ لکھے۔ اول۔ راویوں کے نام۔ دوم۔ ان کی کنیت۔ سوم۔ ان کی سکونت۔ چہارم۔ انکی ولادت اور وفات کی تاریخ۔

(۳) کاربع۔ چار کے مثل جیسے خطبہ کے لئے اللہ کی حمد اور توسل کے ساتھ دعا اور سورتوں کے لئے بسم اللہ۔ اور نماز کے لئے تکبیر لازم ہے۔ اسی طرح راویوں کے نام، کنیت، جائے سکونت، ولادت و وفات کی تواریخ جاننی لازم ہے۔

(۴) مثل اربع۔ چار کے مثل۔ اول۔ مسندات۔ دوم۔ مرسلات۔ سوم۔ موقوفات۔ چہارم۔ مقطوعات۔ ہر قسم کی احادیث کا جاننا ضروری ہے۔

(۵) فی اربع۔ چار میں۔ اول کم سنی۔ دوم جوانی۔ سوم ادھیڑ عمر میں۔ چہارم۔ بڑھاپے میں۔

(۶) عند اربع۔ چار حالتوں میں۔ اول۔ عدم الفرصتی۔ دوم۔ فرصت کے وقت۔ سوم کشائش کے وقت۔ چہارم تنگدستی کے وقت۔

(۷) باربع۔ چار جگہوں میں۔ پہاڑ۔ سمندر۔ آبادی جنگل

(۸) علی اربع۔ چار چیزوں پر۔ پتھروں پر۔ ٹھیکروں پر۔ چمڑوں پر۔ ہڈیوں پر لکھے جب تک کاغذ میسر نہ ہو۔

(۹) من اربع۔ ان سے جو عمر میں بڑے ہوں۔ جو ہم عمر ہوں۔ جو عمر میں کم ہو۔ اپنے باپ کی کتاب سے اگر یہ یقین ہے کہ یہ انکے باپ ہی کی کتاب ہے۔

(۱۰) لاربع۔ چار مقصد کے لئے۔ اللہ کی خوشنودی کے لئے۔ اس پر عمل کرنے کے لئے بشرطیکہ جو کتاب اللہ کے موافق ہو اور طلبہ میں اسے پھیلانے کے لئے۔ تالیف کے لئے تاکہ اس کے بعد اس کا ذکر باقی رہے۔

یہ دس رباعیاں بغیر ان دو رباعیوں کے پوری نہ ہوگی۔ وہ یہ ہیں۔

(۱۱) الا باربع۔ بغیر ان چار چیزوں کے پوری نہ ہوں گی۔ لکھنے کا ڈھنگ۔ علم لغت۔ علم نحو۔ علم صرف۔

(۱۲) مع اربع۔ ان چار چیزوں کے ساتھ جو عطائی ہیں۔ صحت۔ قدرت۔ شوق۔ قوت حافظہ۔

جب یہ اٹھائیس باتیں کسی کو نصیب ہو جائیں تو پھر چار چیزیں اس کی نظروں میں ہیچ ہو جاتی ہیں۔

(۱۳) ھان علیہ اربع۔ بیوی، اولاد، مال، وطن۔

(۱۴) وابتلی باربع۔ چار چیزوں میں آزمایا جاتا ہے۔ دشمنوں کے نیزہ نشتر۔ دوستوں کی ملامت۔ جاہلوں کے طعن۔ علما کے حسد سے۔

اور جب ان سب پر صبر کرے گا تو۔

(۱۵) اکرمہ اللہ فی الدنیا باربع۔ اللہ عزوجل اسے دنیا میں چار نعمتوں سے نوازے گا۔ قناعت کی عزت۔ ہیبت۔ علم کی لذت۔ اور حیات ابد۔

(۱۶) واثابہ فی الآخرۃ باربع۔ اور آخرت میں چار نعمتیں عطا فرمائے گا۔ اپنے مشفقین میں سے جسے چاہے اس کی شفاعت۔ عرش کے نیچے سایہ جس دن سوائے عرش کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوض کوثر سے جسے چاہے گا پلائے گا۔ اعلیٰ علیین اور جنت میں انبیاء کرام کا جوار قدس عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد امام بخاری نے فرمایا۔ میں نے اپنے اساتذہ سے متفرق جو سنا تھا اکٹھا تم کو بتا دیا۔ اب تمہیں اختیار ہے علم حدیث حاصل کرو۔ یا یہ ارادہ ترک کر دو۔

قاضی ولید نے کہا۔ یہ سب سنکر مجھ پر ہول سوار ہو گیا۔ میں غور کرتا رہا مگر کچھ نہ بول سکا۔ ادب سے گردن جھکا دی۔ تو امام بخاری نے فرمایا۔ اگر ان مشقتوں کے اٹھانے کی تم میں طاقت نہیں۔ تو فقہ حاصل کرو۔ اس لئے کہ گھر بیٹھ کر فقہ کا حاصل کرنا ممکن ہے۔ اس کے لئے لمبے لمبے سفر شہر شہر قریہ قریہ گھومنے اور سمندروں دریاؤں کے طے کرنے کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ فقہ بھی حدیث ہی کا ثمرہ ہے۔ اور آخرت میں فقیہ کا ثواب محدث سے کم نہیں۔ اور نہ فقیہ کی عزت محدث سے کم ہے۔ قاضی ولید کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ سنا تو میں نے طلب حدیث کا ارادہ ختم کر دیا۔ اور فقہ حاصل کرنے لگا۔ یہاں تک کہ اس میں آگے ہو گیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس دور میں علم حدیث کی تحصیل کے لئے یہ بارہ رباعیاں لابدی تھیں۔ مگر آج اگرچہ یہ بارہ رباعیاں ضروری نہیں۔ مگر پھر بھی ان کی غالب اکثر ضروری ہیں۔ امام بخاری نے اپنے ذوق و وجدان کے مطابق علم فقہ کو حدیث سے بہت آسان بتایا مگر جو فقہ کی تحصیل میں قدم رکھ چکا ہے وہ جانتا ہے۔ کہ فقہ کے لئے ان بارہ رباعیوں کے ساتھ اور بھی کئی رباعیاں ضروری ہیں۔ اس لئے کہ فقہ کی بنیاد حدیث کے علاوہ تین اور چیزوں پر بھی ہے۔ کتاب اللہ۔ اجماع امت قیاس۔

تو حدیث کے لئے یہ رباعیاں ضروری ہیں ہی۔ کتاب اللہ کے لئے کتنی رباعیاں چاہئے؟ اجماع امت کے لئے کتنی رباعیاں چاہئے؟ قیاس کے لئے کتنی رباعیاں چاہئے؟ اگر ہر ایک کی رباعیوں کی تفصیل کی جائے تو ہر ایک کے لئے بارہ رباعیاں اور ضروری نکل آئیں گی۔

اس کو اب یوں سمجھئے۔ کہ جب فقہ کی بنیاد چار چیزوں پر ہے۔ ان میں ایک حدیث ہے۔ تو علم حدیث علم فقہ کا ایک جزو عالی ہوا۔ پھر یہ تو صرف حفظ حدیث کے لئے یہ بارہ رباعیاں ہوئیں۔ اور فقیہ کے لئے صرف حفظ حدیث کافی نہیں۔ اس کے لئے احادیث سے متعلق کئے علوم کی حاجت ہے وہ بہت تفصیل طلب ہے۔

اس لئے علم فقہ کو علم حدیث سے آسان کہنا اس بنا پر ہے کہ امام بخاری نے اس کی چاشنی نہیں چکھی تھی۔ مگر انکو بھی آخر میں یہ کہنا پڑا کہ فقیہ کا ثواب محدث سے کم نہیں اس کی حرمت محدث سے کم نہیں۔ آخر کیوں؟ خدا کے یہاں تو العطایا بقدر البلایا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بخاری پڑھتے پڑھاتے وقت لامحالہ امام بخاری کی عنایتوں سے فقہ حنفی سے سابقہ پڑ ہی جاتا ہے۔ اس خصوص میں ایک فقہ کو اپنے دل کے پھپھولے توڑنے کا خوب موقع ملتا ہے۔ لیکن اگر کسی حنفی سے پالا پڑ جاتا ہے تو کیا جو کچھ ہے اسے شرح میں جگہ جگہ دیکھیں گے۔ چونکہ غیر مقلدین فقہ حنفی کی ایسی تصویر کشی کرتے ہیں جس سے ناواقف لوگوں پر یہ تاثر ہوتا ہے کہ فقہ حنفی کا نہ قرآن سے کوئی تعلق ہے۔ نہ احادیث سے۔ نہ اقوال سلف سے۔ یہ حضرت امام اعظم کی اختراعی خود ساختہ رایوں کا مجموعہ ہے جن کا قرآن و حدیث میں کوئی وجود نہیں۔ چنانچہ ایک مجتہد صاحب رقمطراز ہیں۔

ایسی حالت میں یا تو اہل عراق کی طرح قیاس کے گھوڑے چلاتے ([illegible])

اس لئے ہم یہ ضروری جانتے ہیں کہ شرح سے پہلے ایک مختصر خاکہ فقہ حنفی کا بھی ناظرین کے سامنے پیش کر دیں۔ امید ہے کہ طالبان حق کے لئے ذریعہ ہدایت ہو۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے بانی فقہ حنفی امام الائمہ، سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات پر خصوصاً ان کی حدیث دانی قرآن فہمی پر بقدر ضرورت روشنی ڈال دی جائے۔

مولد و مسکن

حضرت امام اعظم ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ کوفہ کا نام آتے ہی لوگ چونک جاتے ہیں۔ لیکن کوفہ کے مرکز علم ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنے سفر کے بارے میں خود فرمایا ہے۔ کہ دو بار مصر و شام جانے کا اتفاق ہوا۔ چار مرتبہ بصرہ گیا۔ کوفہ اور بغداد اتنی بار گیا کہ ان کو شمار نہیں کر سکتا۔ اگر کوفہ میں کچھ نہیں تھا تو امام بخاری کی کوفہ اتنی زیادہ آمد و رفت

تحصیل ہوئی؟ کیا امام بخاری کوفہ صرف حدیث و رجال کی تعلیم و تدریس کے لئے جاتے تھے۔ پھر یہ حالت کوفہ کی حضرت امام اعظم کے وصال کے تقریباً اسی سال بعد، اسی سال پہلے کوفہ کا کیا حال رہا ہوگا۔ اس کا اندازہ اس سے کریں کہ وہ زمانہ تابعین کا تھا بلکہ صحابہ کا آخر دور تھا۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم کے آئینے میں اسے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ جب اسی سال کے بعد یہ حال تھا کہ امام بخاری جیسے احادیث کے بحر ناپید اکنار اپنی تشنگی بجھانے کے لئے اتنی بار کوفہ گئے جس کو وہ اپنے امام حافظے کے باوجود شمار نہیں کر سکے تو اسی سال پہلے دور تابعین میں کوفہ کے علم و فضل کا کیا حال رہا ہوگا۔ اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے۔

کوفہ وہ مبارک شہر ہے جسے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے ۱۷ھ میں فاتح ایران حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بسایا تھا۔ اس شہر کو حضرت عمر راس الاسلام، راس العرب، جمجمۃ العرب، عرب کا سر، جمجمۃ کنز الایمان کہا کرتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے قبۃ الاسلام و اہل الاسلام کا لقب دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسے کنز الایمان، جمجمۃ الاسلام، رمح اللہ، سیف اللہ کہا۔ کوفے کو اتنا پسند فرمایا کہ مدینہ طیبہ کے بجائے کوفے کو اپنا دار الخلافت بنایا۔ کوفے والوں نے جس خلوص و وفا کے ساتھ تن من دھن سے حضرت علی کا ساتھ دیا، وہ تاریخ کے صفحات پر زریں اوراق کی طرح نمایاں ہے

رہ گیا حضرت حسین اور امام زید شہید کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ان تقیہ باز رافضیوں نے کیا، جو اسی لئے کوفے میں آباد ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کو چین نہ لینے دیں۔ جیسے مدینہ طیبہ میں منافقین تھے، اگر منافقین کی وجہ سے مدینہ طیبہ کی عظمت پر کوئی حرف نہیں آسکتا تو ان کے وارثین روافض کی وجہ سے کوفے پر بھی کوئی دھبہ نہیں لگ سکتا۔ کون بستی ہے جو اسلام دشمن عناصر سے پاک ہے؟

اس مبارک شہر میں ایک ہزار پچاس صحابہ کرام جن میں ستر اصحاب بدر اور تین سو بیعت رضوان کے شرکاء تھے آکر آباد ہوئے۔ جس شہر میں یہ نجوم ہدایت اتنے ہوں اس کی ضوفشانیاں کہاں تک ہوں گی اس کا اندازہ ہر ذی فہم کر سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر گھر علم کے انوار سے جگمگا رہا تھا۔ ہر ہر گھر دار الحدیث و دار العلوم بن گیا تھا۔ حضرت امام اعظم جس عہد میں پیدا ہوئے اس وقت کوفے میں حدیث و فقہ کے وہ اساتذہ مسند تدریس کی زینت تھے جن میں ہر شخص اپنی اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب تھا۔ اور کوفے کی یہ خصوصیت صحاح ستہ کے مصنفین کے عہد تک باقی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری کو اتنی بار کوفہ جانا پڑا کہ وہ اسے شمار نہیں کر سکے تھے۔ اور صحاح ستہ کے اکثر شیوخ کوفے کے ہیں۔

---

۱ معجم البلدان و شرح البلدان وغیرہ۔

اس وقت کے مشاہیر حضرت امام کی ولادت کے وقت کوفے میں جو ائمہ مشاہیر و مقتدائے وقت تھے ان میں چند یہ ہیں۔

حضرت ابراہیم نخعی فقیہ عراق فقہ کے ساتھ ساتھ علم حدیث کے مسلم الثبوت امام ہیں۔ متعدد صحابۂ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ان کا صیرفی الحدیث خطاب تھا یعنی کھری کھوٹی احادیث کا پرکھنے والا۔ ابن شعیب نے کہا کہ بصرہ، کوفہ، حجاز، شام میں ابراہیم سے زیادہ علم والا کوئی نہ تھا۔ حسن بصری، ابن سیرین، ان سے اعلم نہیں تھے[1]۔ انتقال پر حضرت شعبی نے کہا کہ انہوں نے اپنے بعد کسی کو اپنے سے زیادہ علم والا نہیں چھوڑا۔ ابو اسحٰق نے کہا کہ علقمہ حضرت ابن مسعود کے فضل و کمال کے نمونہ تھے اور ابراہیم نخعی تمام علوم میں علقمہ کے آئینہ ہیں۔ یہ حضرت علقمہ کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ فقیہ العراق کے لقب سے مشہور ہوئے۔ سنہ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے سنہ ۹۶ھ میں وصال فرمایا۔ حضرت امام اعظم کو چھبیس سال ان کا زمانہ نصیب ہوا۔

امام شعبی سنہ ۲۰ھ یا سنہ ۲۱ھ پانسو صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ایک بار حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مغازی کا درس دیتے ہوئے ان کو دیکھا تو فرمایا! واللہ یہ اس فن کو مجھ سے اچھا جانتے ہیں۔

سلمہ بن کہیل جندب بن عبد اللہ، ابن ابی اوفیٰ، ابو الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ یہ کثیر الروایت اور صحیح الروایت بھی تھے۔

ابو اسحٰق سبیعی ۳۸ صحابہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ جن میں مشاہیر یہ ہیں۔ عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، ابن زبیر، نعمان بن بشیر، زید بن ارقم، علی بن المدینی نے کہا کہ ابو اسحٰق کے شیوخ حدیث کی تعداد تین سو ہے۔

سماک بن حرب اسّی صحابہ سے ملاقات کا ان کو شرف حاصل ہے۔ امام سفیان ثوری نے کہا کہ ان سے کبھی حدیث میں غلطی نہیں ہوئی۔

محارب بن دثار متوفی سنہ ۱۱۶ھ حضرت ابن عمر و حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے۔ یہ کوفے کے قاضی بھی تھے۔ ائمہ حدیث ان کے مداح اور ان کو ثقہ تسلیم کرتے تھے[2]۔

عون بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیثیں روایت کی ہیں نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے۔

ہشام بن عروہ بن زبیر حواری رسول اللہ حضرت زبیر کے پوتے تھے۔ سفیان ثوری، امام مالک، ابن عیینہ ان کے تلمیذ تھے ان کی جلالت شان متفق علیہ ہے۔

۱؎ خلاصۃ التہذیب، ۲؎ تہذیب التہذیب،

سلیمان بن مہران معروف باعمش حضرت انس اور حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملاقات کا شرف ملا تھا۔ خود حضرت انس سے حدیث بھی روایت کی ہے۔ شعبہ و سفیان ثوری کے استاذ ہیں۔ ان کی پیدائش ۵۹ھ یا ۶۰ھ میں ہوئی اور وصال ۱۴۸ھ یا ۱۴۷ھ میں ہوا۔

حماد بن ابی سلیمان فقیہ عراق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث سنی تھی اور بڑے بڑے ائمہ تابعین سے ان کو تلمذ کا شرف حاصل تھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو متوارث علوم چلے آ رہے تھے ان کے یہی وارث تھے۔ امام شعبہ مسعر وغیرہ انھیں کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ ان کا ۱۲۰ھ میں وصال ہوا۔ حضرت ابراہیم نخعی کے بعد ان کے جانشین یہی تھے۔ انھیں بزرگوں کی وجہ سے سفیان بن عیینہ جیسے مسلم الثبوت امام المحدثین یہ فرمایا کرتے تھے مناسک کے لئے مکہ، قرأت کے لئے مدینہ، حرام و حلال کے لئے کوفہ ہے۔[۱]

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس وقت صحابہ کرام میں سے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفے ہی میں تھے جن کی زیارت سے حضرت امام اعظم مشرف ہوئے۔ ان کا وصال ۸۷ھ میں ہوا۔ حضرت امام اعظم کو ان کی حیات مبارکہ کے سات سال نصیب ہوئے۔

کوفے کو مرکز علم و فضل بنانے میں ان ایک ہزار پچاس صحابہ کرام نے جو کیا وہ تو کیا ہی اصل فیض حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود وہ جلیل القدر صحابی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رضیت لامتی ما رضی لها ابن ام عبد و سخطت لامتی ما سخط لها ابن ام عبد یعنی ابن مسعود[۲]

میری امت کے لئے ابن مسعود جو پسند کریں وہی میں پسند کرتا ہوں اور جو وہ ناپسند کریں میں بھی ناپسند کرتا ہوں۔

ان کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفے کا قاضی اور وہاں کے بیت المال کا منتظم بنایا تھا۔ اسی عہد میں انھوں نے کوفے میں علم و فضل کے دریا بہائے۔ اسرار الانوار میں ہے۔

کوفے میں ابن مسعود کی مجلس میں بیک وقت چار چار ہزار افراد حاضر ہوتے۔ ایک بار حضرت علی کوفہ تشریف لے گئے اور حضرت ابن مسعود ان کے استقبال کے لئے آئے تو سارا میدان ان کے تلامذہ سے بھر گیا۔ انھیں دیکھ کر حضرت علی نے خوش ہو کر فرمایا ابن مسعود! تم نے کوفے کو علم و فقہ سے بھر دیا تمہاری بدولت یہ شہر مرکز علم بن گیا۔

---

۱ عمدۃ القاری ج ۲ ص [illegible] تذکرہ ۲ [illegible] ایضاً

پھر اس شہر کو باب مدینۃ العلم حضرت علی نے اپنے روحانی و عرفانی فیض سے ایسا سینچا کہ تیرہ سو سال گزرنے کے باوجود پوری دنیا کے مسلمان اس سے سیراب ہو رہے ہیں۔ خواہ علم حدیث ہو خواہ علم فقہ۔ اگر کوفے کے راویوں کو ساقط الاعتبار کر دیا جائے تو پھر صحاح ستہ، صحاح ستہ نہ رہ جائے گی۔

امام شعبی نے کہا کہ صحابہ میں چھ قاضی تھے۔ ان میں تین مدینے میں تھے۔ عمر، ابی بن کعب، زید۔ اور تین کوفے میں۔ علی، ابن مسعود، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم [1]

امام مسروق نے کہا میں نے اصحاب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا ان میں چھ کو منبع علم پایا۔ عمر، علی، ابن مسعود، معاذ، ابو الدرداء، اور ابی بن کعب۔ اس کے بعد دیکھا تو ان چھوں کا علم ان دو میں مجتمع پایا۔ علی، اور ابن مسعود۔ ان دونوں کا علم مدینے سے بادل بن کے اٹھا اور کوفے کی وادیوں پر برسا۔ ان آفتاب و ماہتاب نے کوفے کے ذرے ذرے کو چمکا دیا [2]

زمانہ

اوپر گزر چکا کہ حضرت امام اعظم جس زمانے میں پیدا ہوئے یہ صحابہ کرام کا اخیر اور تابعین کا ابتدائی دور تھا۔ اس دور میں بھی قریب قریب بیس صحابہ کرام باحیات تھے۔ جیسا کہ در مختار میں ہے۔ اسکو بعض لوگوں نے مبالغہ پر محمول کیا ہے۔ لیکن میں نے اکمال کی مدد سے جو فہرست مرتب کی ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت کس سن میں ہوئی اس بارے میں دو قول مشہور ہیں۔ ۸۰ھ یا ۷۰ھ زیادہ تر لوگ ۸۰ھ کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن بہت سے محققین نے ۷۰ھ کو ترجیح دی ہے۔ اس خادم کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے کہ حضرت امام کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی۔ اگر ۸۰ھ ہی میں ولادت مانیں تو اس وقت یہ مندرجہ ذیل صحابہ کرام مختلف دیار میں باحیات تھے۔

(۱) حضرت انس بن مالک بصرہ میں متوفی ۹۲ھ یا ۹۳ھ (۲) حضرت مالک بن الحویرث بصرہ میں متوفی ۹۴ھ (۳) حضرت سہل بن سعد ساعدی مدینہ میں متوفی ۸۸ھ یا ۹۱ھ مدینہ طیبہ میں وصال فرمانے والے صحابہ کرام میں آپ سب کے اخیر ہیں۔ (۴) مالک بن اوس مدینہ میں متوفی ۹۲ھ (۵) حضرت واثلہ بن الاسقع شام میں متوفی ۸۳ھ یا ۸۵ھ یا ۸۶ھ (۶) مقدام بن معدیکرب شام میں متوفی ۸۷ھ (۷) حضرت ابو امامہ باہلی حمصی، شام میں متوفی ۸۶ھ (۸) ابو الطفیل عامر بن واثلہ بروایتے مکہ میں متوفی ۱۰۲ھ یا ۱۱۰ھ (۹) حضرت عمرو بن حریث کوفے میں متوفی ۸۵ھ (۱۰) حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی کوفے میں متوفی ۸۷ھ کوفے میں وصال فرمانے والے صحابہ کرام میں سب سے آخر ہیں۔ (۱۱) حضرت ابو امامہ انصاری متوفی ۱۰۰ھ (۱۲) حضرت سائب بن خلاد متوفی ۹۱ھ (۱۳) حضرت ابو البداح متوفی ۱۱۷ھ (۱۴) محمود بن ربیع متوفی ۹۹ھ (۱۵) محمود بن لبید متوفی ۹۶ھ (۱۶)

---

[1] حاکم ۔ [2] اعلام الموقعین ۔ [3] در مختار امام ابو حنیفہ تقدیم ۔

قبیصہ بن ذویب متوفی ۸۶ھ (۱۷) حضرت عبدالرحمن بن عبدالقاری متوفی ۸۱ھ (۱۸) حضرت عبداللہ بن بسر مصر میں متوفی ۸۸ھ (۱۹) سائب بن یزید متوفی ۸۰ھ یا ۸۸ھ یا ۹۱ھ یا ۹۲ھ۔[1]

برنائے تحقیق جب حضرت امام اعظم کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی ہے تو مزید ان صحابہ کرام کا زمانہ بھی انھیں نصیب ہوا۔

(۲۰) حضرت جابر بن عبداللہ انصاری مدینے میں متوفی ۷۴ھ (۲۱) حضرت ابو سعید خدری مدینے میں متوفی ۷۴ھ (۲۲) حضرت سلمہ بن اکوع مدینے میں متوفی ۷۴ھ (۲۳) حضرت رافع بن خدیج مدینے میں متوفی ۷۳ھ (۲۴) حضرت جابر بن سمرہ کوفے میں متوفی ۷۴ھ (۲۵) حضرت ابو جحیفہ کوفے میں متوفی ۷۴ھ (۲۶) حضرت زید بن خالد کوفے میں متوفی ۷۸ھ (۲۷) حضرت محمد بن حاطب بروایتے کوفے بروایتے مکے میں متوفی ۷۴ھ (۲۸) حضرت ابو ثعلبہ خشنی متوفی ۷۵ھ (۲۹) حضرت عبداللہ بن بسر متوفی ۸۸ھ (۳۰) سائب بن خباب متوفی ۷۰ھ۔[2] اگر کچھ اور کوشش کی جاتی تو یہ تعداد اور بڑھ جاتی ان میں سے کم از کم سات صحابہ کرام کی زیارت حضرت امام نے کی ہے۔ حضرت انس کی۔ ان کو حضرت امام نے کئی بار دیکھا ہے فرمایا کہ وہ سرخ خضاب استعمال کرتے تھے حضرت عبداللہ بن اوفی کو جن کا ۸۷ھ میں کوفے میں وصال ہوا اور سہل بن سعد ساعدی اور ابو الطفیل عامر بن واثلہ۔ اور عمرو بن حریث ان کا بھی ۸۵ھ میں کوفے میں وصال ہوا اور عبداللہ بن حارث بن جزء اور واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ بلکہ بعض محققین اس کے بھی قائل ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی زیارت کی بلکہ ان سے حضرت امام نے حدیث بھی سنی ہے اس کی کچھ لوگ اس لئے مخالفت کرتے ہیں کہ حضرت جابر کا وصال ۷۴ھ میں ہوا۔ اور حضرت امام کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم بتا آئے ہیں کہ بہت سے محققین نے یہ کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت امام کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی تو کوئی اعتراض نہیں۔ اس تقدیر پر تین اور صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت جابر بن سمرہ، حضرت ابو جحیفہ، حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک قول کی بنا پر کوفے ہی وصال فرمایا اس قول کی بنا پر ان حضرات کی بھی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس لئے حضرت امام اعظم تابعی ہوئے۔ اور ان احادیث کے مصداق ہوئے۔

طوبیٰ لمن رآنی وآمن بی وطوبیٰ لمن رأی من رآنی۔

اے خوشی کا مژدہ ہو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔ اور اسے جس نے میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔

لا تمس النار مسلما رآنی او رأی من رآنی۔ رواہ الترمذی مشکوٰۃ ص۵۵۴۔

اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔

---

[1] اسد الغابہ ج۲ ص۲۳۲۔ ایضاً ج۴ ص۹۶۔ [2] اسد الغابہ ج۲ ص۲۳۵۔

خیر امتی قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم — میری امت میں سب سے بہتر میرے زمانے والے ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہیں۔
متفق علیہ۔ مشکوٰۃ ص۵۵۳۔

یہ وہ فخر ہے جو حضرت امام اعظم کے اقران میں دوسرے ائمہ کو نصیب نہ ہوا نہ امام مالک کو نہ امام اوزاعی کو نہ سفیان ثوری کو نہ لیث بن سعد کو۔ حضرت امام کا تابعی ہونا اتنا محقق ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی کو بھی باوجود شافعی عصبیت کے یہ تسلیم کرنا پڑا کہ حضرت امام اعظم تابعی تھے انھوں نے کوفہ میں اس وقت موجود متعدد صحابہ کی زیارت کی۔

تابعی ہونے کے لئے صحابی کی صرف رویت کافی ہے روایت شرط نہیں جیسے صحابی ہونے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کافی ہے۔ خود امام بخاری نے صحابی کی یہ تعریف کی ہے۔

من صحب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم او راٰہ من المسلمین فہو من اصحابہ۔ بخاری ج۱ ص۵۱۵۔ — جسے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی یا جس نے آنحضور کی زیارت کی وہ حضور کے اصحاب میں سے ہے

حضرت امام اعظم کی تابعیت سے انکار بداہت کا انکار ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق حضرت امام اعظم کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی ہے۔ اگر اسے کوئی صاحب صحیح نہ مانیں ۷۰ھ ہی سن ولادت مانیں جب بھی خود کوفہ میں حضرت عبد اللہ بن اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے صحابہ اور ایک قول کی بنا پر حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہ بھی کوفہ ہی میں تشریف فرما تھے۔ تو ان حضرات کی زیارت کرنا یقینی ہے۔ اس دور میں مسلمانوں کو صحابہ کرام کی زیارت اور ان سے حصول برکت کا کتنا شوق تھا یہ سب کو معلوم ہے کیا کسی کو اس کا گمان ہو سکتا ہے کہ حضرت امام اعظم سترہ اٹھارہ یا کم از کم سات آٹھ سال کے ہو گئے اور ان کے شفیق والدین نے انہیں صحابی رسول اللہ کی زیارت اور دعا سے محروم رکھا ہوگا۔ اور اگر بالفرض یہی مان لیا جائے کہ متاخر الذکر مکہ ہی میں تھے تو ان کی زیارت کرنا بھی یقینی ہے۔ اس لئے کہ بر بنائے قول صحیح ان کا وصال ۱۱۰ھ میں ہوا ہے۔ اس وقت تک حضرت امام کی عمر مبارک کم از کم تیس سال تھی۔ پہلا حج حضرت امام اعظم نے ۹۶ھ میں اپنے والد کے ہمراہ کیا ہے[۱]۔ اور حضرت امام اعظم نے پچپن حج کئے تھے ۱۵۰ھ دوسری شعبان کو وصال ہوا ہے۔ اس حساب سے ظاہر کہ حضرت ابو الطفیل کی حیات میں انھوں نے پندرہ حج کئے اور اگر ان کا وصال ۱۰۲ھ میں مانا جائے تو ان کی حیات میں کم از کم پانچ حج کئے۔ کون ایسا بدبخت مسلمان ہوگا اسے معلوم ہو کہ مکہ معظمہ میں صحابی رسول موجود ہیں اور ان کی زیارت کا شرف نہ حاصل کرے۔ اسی طرح بروایت صحیح ثابت ہے کہ حضرت امام نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی متعدد بار زیارت کی۔ حضرت انس کوفہ تشریف لاتے رہتے تھے حضرت علامہ ابن حجر نے حضرت انس

---

۱ مناقب للموفق، کردری ۱

اور حضرت عبد اللہ بن اوفی کی زیارت کی تصریح کی ہے۔ تفصیل کے لئے تبییض الصحیفۃ کا مطالعہ کریں۔ علاوہ ازیں تہذیب التہذیب میں بھی حضرت ممدوح نے تصریح کی ہے کہ امام اعظم نے حضرت انس کو دیکھا ہے۔ علاوہ ازیں ابن سعد نے اپنے طبقات میں بھی اس کی تصریح کی ہے۔ نیز امام ذہبی، امام نووی، خطیب بغدادی، دارقطنی، ابن الجوزی، علامہ زین عراقی، علامہ سخاوی، امام یافعی، امام جزری، امام ابونعیم، علامہ ابن حجر مکی، علامہ ابن عبد البر سماق، علامہ عبد الغنی مقدسی، سبط ابن الجوزی، فضل اللہ تورپشتی، ولی عراقی، ابن الوزیر، علامہ خطیب قسطلانی وغیرہ نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ امام اعظم نے حضرت انس کی زیارت کی ہے۔ ائمہ احناف میں سے جنھوں نے یہ قول کیا ہے۔ ان کی تعداد ان کے علاوہ ہے۔

صحابہ سے سماع حدیث یہ موضوع البتہ غور طلب ہے کہ حضرت امام اعظم نے کسی صحابی سے حدیث سنی ہے یا نہیں۔ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی صحابی سے حدیث نہیں سنی ان کا سب سے بڑا استدلال یہ ہے کہ اگر حضرت امام اعظم نے کسی صحابی سے حدیث سنی ہوتی تو ان کے اخص الخواص تلامذہ حضرت امام ابو یوسف حضرت امام محمد اسکو ضرور روایت کرتے۔

لیکن یہ کوئی ضروری نہیں۔ امام مسلم امام بخاری کے تلمیذ ہیں اور امام بخاری کے انتہائی مداح مگر اپنی صحیح میں ان سے ایک بھی حدیث نہیں روایت کی۔ اس کے برخلاف حضرت امام ابو یوسف کے واسطے سے ایسی احادیث کی روایت بھی ثابت ہے علامہ موفق نے اپنے مناقب میں امام ابو یوسف کے واسطے سے حدیث نقل فرمائی کہ حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الدال علی الخیر کفاعلہ واللّٰہ یحب اغاثۃ اللھفان۔ نیکی کی رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کے مثل ہے اور اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ کی دستگیری کو پسند فرماتا ہے۔

یہ ایک نظیر ہے ورنہ مناقب موفق کا مطالعہ کریں ان میں امام ابو یوسف کی متعدد ایسی روایتیں ہیں۔ جو حضرت امام اعظم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے براہ راست سنی ہیں۔

اسکے علاوہ مسند حصکفی میں جامع بیان العلم فتح المغیث للسخاوی۔ میں متعدد ایسی احادیث کی نشاندہی کی ہیں جنھیں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے براہ راست صحابہ سے سنی ہیں۔

اس لئے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحابہ کی زیارت اور ان سے روایت دونوں ثابت ہے اور رویت و زیارت کا ثبوت ہر شک وشبہے سے بالاتر ہے۔

تعلیم حضرت امام اعظم کے بچپن کا زمانہ فتنوں سے بھرا تھا۔ شہنشاہ عبد الملک بن مروان کی طرف سے مشہور زمانہ ستمگر

حجاج بن یوسف عراق کا گورنر تھا۔ چونکہ پیشوایان مذہب اس وقت حجاج کی چیرہ دستیوں سے خوش نہیں تھے۔ اس لئے یہی لوگ اس کے مظالم کے زیادہ نشانہ تھے۔ فقہاء محدثین اگرچہ علم فقہ و علم حدیث کی تعلیم و تدریس میں مصروف تھے۔ مگر پورا عراق حجاج کے مظالم سے بے اطمینانی کی حالت میں تھا۔ حضرت امام اعظم اپنے ابتدائی دور میں آبائی پیشہ تجارت میں مصروف تھے۔ اور کپڑے کا ایک کارخانہ قائم کر لیا تھا ——— مسلمانوں کی خوش بختی کہ ۹۵ھ میں حجاج اور ۹۶ھ میں ولید بن عبد الملک مر گیا۔ اور اس کی جگہ سلیمان بن عبد الملک تخت نشین ہوا۔ سعادت ازلی نے اسکی رہنمائی کی کہ اس نے، حضرت عمر بن عبد العزیز کو اپنا مشیر خاص بنایا اور مرتے وقت اپنے بعد حضرت عمر بن عبد العزیز کو ولی عہد کر گیا۔ یہ ۹۹ھ میں مر گیا۔ اور حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے مسند خلافت کو زینت بخشی تو انہوں نے جہاں ملک کی سیاسی انتظامی بدعنوانیوں کا ازالہ کیا وہیں احادیث نبویہ و قضایا صحابہ کی تلاش و جستجو اور جمع و تدوین اور نشر و اشاعت پر خصوصی توجہ دی۔ جس کی قدرے تفصیل گذر چکی ہے۔

اسی دور میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں تحصیل علم کا شوق پیدا ہوا۔ اور اس پر محرک یہ واقعہ بھی ہوا حضرت امام ایک دن بازار جا رہے تھے۔ راستے میں حضرت شعبی کا گھر پڑتا تھا حضرت امام جب ان کے مکان سے گذرے تو امام شعبی نے انکو بلایا اور پوچھا کس سے پڑھتے ہو انہوں نے جواب دیا کسی سے نہیں۔ امام شعبی نے فرمایا تم میں استعداد کے جوہر نظر آرہے ہیں۔ علماء کے پاس بیٹھا کرو اس نصیحت نے ان کے دل میں گھر کر لیا پھر پوری توجہ اور اہتمام سے تحصیل علم میں مصروف ہو گئے۔

ابتداءً حضرت امام کی توجہ علم کلام پر تھی علم کلام سے مراد آج کا موجودہ علم کلام نہیں بلکہ اس عہد میں مذہبی بنیادی اختلافات میں قرآن و حدیث سے صحیح موقف کی حمایت اور غلط نظریے کی تردید مراد ہے۔ لیکن حضرت امام نے دیکھا کہ مسلمانوں کے عوام، خواص، حکام، قضاۃ، سب کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ فقہ ہے۔ ایک دن ایک عورت آئی اور اس نے حضرت امام اعظم سے یہ پوچھا کہ سنت کے طریقہ پر طلاق دینے کی کیا صورت ہے۔ یہ خود بتانے کے بجائے کہا کہ حضرت حماد سے جا کر پوچھے اور وہ جو بتائیں مجھے آکر بتا دینا۔ حضرت حماد کا گھر قریب ہی تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ عورت واپس آئی اور حضرت حماد کے جواب کو بتایا۔ حضرت امام اعظم فرماتے ہیں اس سے مجھے بہت غیرت ہوئی اور اٹھا حضرت حماد کے یہاں حاضر ہوا اور ان سے فقہ حاصل کرنے لگا۔

تحصیل حدیث

احناف کی کتب فقہ و اصول فقہ اس کی شاہد عدل ہیں کہ فقہ حنفی کی بنیاد، کتاب اللہ، احادیث رسول اللہ پھر اجماعات پر علی الترتیب ہے۔ سب پر مقدم کتاب اللہ ہے۔ کتاب میں کوئی حکم شرعی ملتا ہے تو وہ سب پر مقدم ہے اگرچہ وہ مراحۃً ملے، اشارۃً ملے اقتضاءً ملے۔ جب کتاب اللہ میں کوئی حکم نہیں ملتا تو دوسرے درجہ پر احادیث ہیں۔ جب احادیث میں بھی کوئی حکم نہیں ملتا تو امت کے اجماع کو دیکھتے ہیں۔ اگر اس خصوص میں امت کا اجماع نہیں ملتا تو اس کے بعد قیاس کی منزل آتی ہے۔ یہ ترتیب وہی ہے جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یمن جاتے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

استفسار پر عرض کیا تھا۔ جس کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بہت پسند فرمایا اس کی تفصیل یہ ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کا والی نامزد فرمایا تو پوچھا اے معاذ! فیصلہ کس بنیاد پر کروگے انھوں نے عرض کیا اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ تو۔ عرض کیا رسول اللہ کی سنت سے۔ فرمایا اگر اس میں بھی تم نہ پاؤ تو۔ عرض کیا اجتھد برائی۔ پھر خود غور کر کے اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا۔ یہ جواب سنکر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جوش مسرت میں ان کے سینے پر دست مبارک ملا اور فرمایا۔

الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی بہ رسول اللہ[1] — اللہ کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جو رسول کو پسند ہے۔

اس پر احناف کے لاکھوں لاکھ مسائل کا ایک ایک جزئیہ شاہد ہے۔ احناف کو اس بارے میں اتنا اہتمام ہے کہ کتاب اللہ کے عام میں قیاس تو قیاس خبر واحد سے بھی تخصیص نہیں کرتے۔ کتاب اللہ کے مطلق کو قیاس تو بہت بعید ہے خبر واحد سے بھی مقید نہیں کرتے۔ اس پر ذیل کا واقعہ شاہد ہے۔ میزان الشریعۃ الکبریٰ میں امام عبد الوہاب شعرانی فرماتے ہیں ابو مطیع نے کہا۔ میں کوفے کی جامع مسجد میں امام ابو حنیفہ کے ساتھ تھا۔ کہ حضرت امام جعفر صادق۔ سفیان ثوری۔ مقاتل بن حیان۔ حماد بن سلمہ وغیرہ بہت سے فقہاء آئے۔ ان حضرات نے۔ حضرت امام ابو حنیفہ سے کہا۔ ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ آپ دین میں قیاس بہت کرتے ہیں اس سے ہمیں اندیشہ ہے۔ اس پر حضرت امام نے ان لوگوں کے سامنے اپنے مسائل پیش کئے۔ اور صبح سے زوال کے پہلے تک ان لوگوں سے مناظرہ ہوتا رہا۔ امام نے کہا۔ میں کتاب اللہ پر عمل سب پر مقدم رکھتا ہوں۔ پھر سنت پر۔ پھر صحابہ کے متفق فیصلے پر۔ پھر ان کے مختلف فیہ فیصلوں میں جو قوی ہو اس پر۔ اس کے بعد قیاس کرتا ہوں۔ حضرت امام اعظم نے جو اصول بتائے اسی پر اپنے تمام مسائل ثابت کر دیئے جس کے نتیجے میں وہ حضرات باغ باغ ہو گئے اور سب نے ان کے ہاتھوں اور گھٹنوں کو بوسے دیئے اور فرمایا۔

انت سید العلماء فاعف عنا فیما مضی منا من وقیعتنا فیک بغیر علم فقال غفر اللہ تعالیٰ لنا ولکم اجمعین — آپ علماء کے سردار ہیں اب تک ہم نے غلط فہمی میں آپ کو جو کچھ کہا ہے معاف کردیں امام نے فرمایا۔ اللہ مجھے اور آپ سب لوگوں کو معاف فرمائے۔

چونکہ احادیث فقہ کی بھی بنیاد ہیں۔ اور کتاب اللہ کے معانی و مطالب کی بھی اساس ہیں۔ اس لئے حضرت امام اعظم نے حدیث کی تحصیل میں انتھک کوشش کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حدیث کا درس شباب پر تھا۔ تمام بلاد اسلامیہ میں اس کا درس زور و شور کے ساتھ جاری تھا۔ اور کوفہ تو اس خصوص میں ممتاز تھا۔ کوفے کا اس وصف خصوصی میں امتیاز امام بخاری کے عہد تک باقی رہا۔

---

[1] مشکوٰۃ شاہ والترمذی وابوداؤد والدارمی، ص ۳۲۴،

اس نے موصوف کو اتنی بار گنے کہ خود فرمایا شمار نہیں کر سکتا۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض و عناد کی بنا پر کوفے سے شدید نفرت رکھنے والے ایک مجتہد صاحب نے کوفے کے ان مشاہیر کی تعداد اونیرہ بتائی ہے جن سے امام بخاری کو شرف تلمذ حاصل ہے۔ جب کہ مدینہ طیبہ کے ایسے مشائخ کی تعداد صرف چھ اور مکہ معظمہ کے صرف پانچ اور بغداد کے صرف چار بتا سکے ہیں۔ [1]

اس سے ظاہر ہے کہ اسی سال کے بعد جب کوفے کا یہ حال تھا تو اسی سال پہلے عہد تابعین میں کوفے کی گلیوں میں علم حدیث کا دریا کتنا موجزن رہا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جو شہر ایک ہزار پانچسو صحابۂ کرام کے قدوم میمنت لزوم سے فیض یاب ہو چکا ہو وہ بھی ان میں سابقین اولین سے جن میں ستر بدری اور تین سو اصحاب بیعت رضوان تھے۔ پھر جسے باب العلم حضرت علی حضرت سعد بن وقاص حضرت عبد اللہ بن مسعود حضرت مغیرہ بن شعبہ حضرت ابو موسیٰ اشعری حضرت عبد اللہ بن عباس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے اپنے وجود باجود سے خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا ہو وہ یقیناً اسی لائق ہے کہ امیر المومنین فی الحدیث ہونے کے لئے امام بخاری بھی اس شہر کے تمام بلاد اسلامیہ سے زیادہ محتاج رہے۔

حضرت امام نے حدیث کی تحصیل کی ابتدا یہیں سے کی۔ کوفے میں کوئی ایسا محدث نہ تھا جس سے آپ نے حدیث اخذ نہ کی ہو ابو المحاسن شافعی ہیں مگر ان کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ترانوے وہ مشائخ ہیں جو کوفے کے ساکن تھے یا کوفے میں تشریف لائے ہیں جن سے امام اعظم نے حدیث اخذ کی۔ اور یہ تو کوئی بھی تہذیب الاسماء تذکرۃ الحفاظ وغیرہ کا مطالعہ کر کے معلوم کر سکتا ہے کہ امام صاحب نے کوفے کے ۹۳ محدثین سے حدیث حاصل کی جن میں اکثر تابعی تھے۔ جن میں چند مشاہیر کے نام ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ یہ مسلم الثبوت محدثین ہیں کہ سفیان ثوری امام احمد بن حنبل وغیرہ کے سلسلۂ اسناد میں ان میں کے اکثر بزرگ ہیں۔ حضرت امام اعظم کے مشائخ حدیث میں، امام شعبہ بھی ہیں انھیں دو ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ سفیان ثوری نے انھیں امیر المومنین فی الحدیث کہا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا کہ اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث اتنی عام نہ ہوتی۔ سنہ ۱۶۰ھ میں وصال ہوا۔ جب سفیان ثوری کو ان کی وفات کی خبر ملی تو انھوں نے کہا کہ آج علم حدیث مر گیا۔ امام شعبہ کو حضرت امام اعظم سے قلبی لگاؤ تھا۔ غائبانہ ان کی ذہانت و نکتہ رسی کی تعریف کرتے رہتے۔ ایک بار ذکر آیا تو شعبہ نے کہا جس طرح مجھے یقین ہے کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ علم اور ابو حنیفہ ہم نشین ہیں۔ یحییٰ بن معین استاذ امام بخاری سے کسی نے امام اعظم کے بارے میں پوچھا کہ ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا اس قدر کافی ہے کہ شعبہ نے انھیں حدیث روایت کرنے کی اجازت دی شعبہ آخر شعبہ ہی تھے۔ عقود الجمان باب دہم

---

[1] خیر بخاری ص ۱۲۱۲،

کوفے کے علاوہ حضرت امام اعظم نے بصرے کے تمام محدثین سے حدیثیں حاصل کیں۔ اس وقت بصرہ بھی علم وفضل خصوصاً علم حدیث کی بہت اہم درسگاہ تھا۔ یہ شہر بھی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بسایا تھا اور یہ شہر خصوصیت سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ مرکز حدیث بن گیا تھا۔ علامہ ذہبی جیسے بصرنے دوسرے تیسرے دور میں جن عظیم شخصیتوں کو محدث کا خطاب دیا ہے وہ بصرے یا کوفے ہی کے رہنے والے یا یہاں اکثر آمدورفت رکھنے والے تھے۔ تذکرۃ الحفاظ۔

حضرت امام اعظم نے ان دونوں مرکزوں سے ہزاروں ہزار۔ احادیث حاصل کیں۔ مگر امام اعظم ہونے کے لئے ابھی اور بہت کچھ ضرورت باقی تھی یہ کمی حرمین طیبین سے پوری فرمائی۔ گذر چکا کہ پہلا سفر حضرت امام نے ۹۶ھ میں کیا تھا۔ اور عمر میں ۵۵ حج کئے ۱۵۰ھ میں وصال ہوا تو اس سے ثابت ہوا کہ ۹۶ھ کے بعد کسی سال حج ناغہ نہ ہوا۔ اس لئے حرمین طیبین کی حاضری کم از کم ۵۵ بار ۹۶ھ کے بعد سے مسلسل بلاناغہ ہوئی۔ اس عہد میں حضرت عطا ابن رباح مکہ معظمہ میں سرتاج محدثین تھے۔ یہ تابعی ہیں دو سو صحابہ کرام کی صحبت کا ان کو شرف حاصل ہے۔ خصوصاً حضرات ابن عباس، ابن عمر، اُسامہ، جابر، زید بن ارقم، عبداللہ بن سائب عقیل بن رافع، ابوالدرداء، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی احادیث سنی ہیں۔ یہ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ بہت عظیم مجتہد بھی تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے تھے کہ عطا کے ہوتے ہوئے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں۔ ایام حج میں حکومت کی طرف سے اعلان عام ہو جاتا تھا کہ، عطا کے علاوہ اور کوئی فتویٰ نہ دے۔ اساطین محدثین۔ امام اوزاعی۔ امام زہری امام عمرو بن دینار انہیں کے تلمیذ خاص تھے۔

حضرت امام اعظم جب ان کی خدمت میں تلمذ کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت عطا نے ان کا عقیدہ پوچھا امام اعظم نے کہا میں اسلاف کو برا نہیں کہتا، گنہگار کو کافر نہیں کہتا۔ ایمان بالقدر رکھتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت عطا نے داخل حلقہ درس کیا۔ دن بدن حضرت امام کی ذکاوت وفطانت روشن ہوتی گئی۔ جس سے حضرت عطا ان کو قریب سے قریب تر کرتے رہے یہاں تک عطا دوسروں کو ہٹا کر امام اعظم کو اپنے پہلو میں بٹھاتے۔ حضرت امام جب مکہ حاضر ہوتے تو اکثر حضرت عطا کی خدمت میں حاضر رہتے۔ ان کا وصال ۱۱۵ھ میں ہوا تو ثابت ہوا کہ تقریباً بیس سال ان سے استفادہ کرتے رہے۔

مکہ معظمہ میں حضرت امام نے ایک اور وقت کے امام حضرت عکرمہ سے اخذ علوم فرمایا۔ عکرمہ سے کون واقف نہیں۔ یہ حضرت علی، ابوہریرہ، ابن عمر، عقبہ بن عمرو، صفوان، جابر، ابو قتادہ، ابن عباس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے تلمیذ ہیں۔ تقریباً ستر مشاہیر ائمہ تابعین تفسیر و حدیث میں ان کے تلمیذ ہیں۔

مکہ معظمہ عام دنوں میں مرکز علم وفن تھا ہی حج کے ایام میں پوری دنیائے اسلام کے ائمہ حدیث وتفسیر وفقہ حرمین طیبین میں اکٹھے ہو جاتے۔ اس لئے حج کے ایام میں ان سب سے اخذ فیض کا بہت اچھا موقع ہوتا۔ اور حضرت امام اس سے بھرپور فائدہ اٹھا

مکہ معظمہ ہی میں امام شام حضرت اوزاعی سے ملاقات ہوئی۔ اور ان کا حضرت امام سے مشہور مناظرہ ہوا۔ جس سے امام اوزاعی کی حضرت امام سے مکمل صفائی ہو گئی۔ اور مکہ معظمہ ہی میں دوسرے امام شام حضرت مکحول سے بھی ملاقات ہوئی۔

مدینہ طیبہ میں جب حضرت امام حاضر ہوئے تو فقہاء سبعہ میں سے دو بزرگ باحیات تھے۔ ایک سلیمان جن کا دوسرا نمبر تھا۔ یہ حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام تھے۔ دوسرے حضرت سالم یہ حضرت فاروق اعظم کے پوتے حضرت عبداللہ کے صاحبزادے تھے۔ حضرت امام اعظم نے خصوصیت سے ان دونوں اماموں سے احادیث اخذ کیں۔ ان کے علاوہ اور دوسرے حضرات سے بھی فیض پایا۔

کہنے کو تو حضرت امام اعظم کے طلب علم کا میدان صرف کوفے سے بصرہ اور حرمین طیبین تک محدود ہے مگر اس کی وسعت اتنی ہے کہ چار ہزار شیوخ سے احادیث اخذ کیں۔

امام اوزاعی اور امام باقر کے واقعات

امام اوزاعی ابتداءً حضرت امام اعظم سے بہت بدظن تھے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک جب بیروت، امام اوزاعی کی خدمت میں علم حدیث کی تحصیل کے لئے پہونچے۔ تو انھوں نے ان سے پوچھا کوفے میں ابوحنیفہ کون ہیں؟ جو دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ عبداللہ بن مبارک نے کوئی جواب نہیں دیا۔ واپس چلے آئے۔ دو تین دن کے بعد گئے تو ساتھ میں کچھ لکھے ہوئے اوراق لیتے گئے۔ امام اوزاعی نے ان کے ہاتھ سے وہ اوراق لے لئے۔ سرورق لکھا تھا۔ قال نعمان بن ثابت۔ ان اوراق کو دیر تک بغور پڑھتے رہے۔ پھر ان سے پوچھا یہ نعمان کون ہیں۔ انھوں نے کہا عراق کے ایک صاحب ہیں۔ جن کی صحبت میں میں رہا ہوں۔ فرمایا۔ یہ عظیم شخص ہے۔ عبداللہ بن مبارک نے کہا یہ وہی ابوحنیفہ ہیں۔ جن کو آپ نے مبتدع کہا ہے۔ اب امام اوزاعی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ جب حج کے لئے گئے تو مکہ میں امام اعظم سے ملاقات ہوئی۔ اور انھیں مسائل کو ذکر آیا۔ امام اعظم نے ان مسائل کی توضیح ایسی عمدہ کی کہ امام اوزاعی ششدر رہ گئے۔ عبداللہ بن مبارک بھی موجود تھے۔ امام اعظم کے جانے کے بعد ان سے کہا۔ ان کے فضل و کمال نے ان کو محسود بنا دیا ہے۔ مجھے یقین ہو گیا۔ میری بدگمانی غلط تھی جس کا مجھے بے حد افسوس ہے۔

حضرت امام کے اساتذہ میں حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ ایک بار مدینہ طیبہ کی حاضری میں جب حضرت امام باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو ان کے ایک ساتھی نے تعارف کرایا۔ کہ یہ ابوحنیفہ ہیں! امام باقر نے، امام اعظم سے کہا۔ وہ تمہیں ہو جو قیاس سے میرے جد کریم کی احادیث رد کرتے ہو۔ امام اعظم نے عرض کیا۔ معاذ اللہ۔ حدیث کو

کون رد کرسکتا ہے۔ حضور اجازت دیں تو کچھ عرض کروں۔ اجازت کے بعد امام اعظم نے عرض کیا۔ حضور! مرد ضعیف ہے یا عورت؟۔ ارشاد فرمایا۔ عورت۔ عرض کیا۔ وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟۔ فرمایا۔ مرد کا۔ عرض کیا میں قیاس سے حکم کرتا تو عورت کو، مرد کا دونا حصہ دینے کا حکم کرتا۔ پھر عرض کیا۔ نماز افضل ہے کہ روزہ؟۔ ارشاد فرمایا۔ نماز۔ عرض کیا قیاس یہ چاہتا ہے کہ جب نماز روزہ سے افضل ہے تو حائضہ پر نماز کی قضا، بدرجۂ اولیٰ ہونی چاہئے اگر احادیث کے خلاف قیاس سے حکم کرتا تو یہ حکم دیتا کہ حائضہ نماز کی قضا، ضرور کرے!۔ اس پر امام باقر اتنا خوش ہوئے کہ اٹھ کر ان کی پیشانی چوم لی ——— حضرت امام اعظم نے ایک مدت تک حضرت امام باقر کی خدمت میں حاضر رہ کر فقہ و حدیث کی تعلیم حاصل کی۔

اسی طرح ان کے خلف الرشید حضرت امام جعفر صادق سے بھی اکتساب فیض فرمایا ہے۔

حضرت امام اعظم کے اساتذہ ان کا اتنا ادب کرتے تھے کہ دیکھنے والے انگشت بدنداں ہو جاتے تھے۔ محمد بن فضل کا بیان ہے کہ حضرت امام ایک بار خصیب کے پاس ایک حدیث سننے کے لئے حاضر ہوئے۔ خصیب نے آتے دیکھا تو تعظیماً کھڑے ہو گئے اور اپنے برابر بٹھایا۔ امام صاحب نے پوچھا کہ شتر مرغ کے انڈے کے بارے میں کیا حدیث ہے؟ خصیب نے کہا۔ اخبرنا ابو عبیدة، عن عبد الله بن مسعود، فی بیضة النعام یصیبها المحرم ان فیه قیمتها۔

مکہ معظمہ کے مشہور امام محدث عارف باللہ حضرت عمرو بن دینار بھی تھے۔ عمر میں حضرت امام سے تیرہ سال چھوٹے تھے۔ مگر ان سے بھی استفادے میں حضرت امام کو عار نہ تھا۔ ان سے بھی حدیث حاصل کی۔ حضرت امام اعظم جب انکی مجلس میں بیٹھے تو نہایت مؤدب بیٹھے۔ اور ادھر حضرت عمرو بن دینار کا حال یہ تھا کہ اگر امام اعظم ہوتے تو کسی اور کی طرف مخاطب نہ ہوتے۔

ابتداء میں لوگ حضرت امام اعظم کی طرف متوجہ ہوئے مگر دن بدن لوگوں کا رجوع بڑھتا گیا۔ کچھ ہی دنوں میں یہ حال ہو گیا جب حج کے لئے جاتے تو اطراف و اکناف میں دھوم مچ جاتی کہ، فقیہ عراق، جارہے ہیں۔ جس شہر جس بستی پر گذر ہوتا ہزاروں ہزار کا مجمع اکٹھا ہو جاتا۔ ایک بار مکہ معظمہ حاضر ہوئے تو فقہاء، محدثین دونوں کی اتنی بھیڑ جمع ہو گئی کہ کہیں تل رکھنے کی جگہ نہ رہی۔ شوق کا یہ عالم کہ لوگ ایک پر ایک گرے پڑتے تھے۔ پریشان ہو کر حضرت امام اعظم نے کہا۔ کوئی ہمارے میزبان سے جاکر کہہ دیتا کہ وہ ان لوگوں کا انتظام کر دیتے تو اچھا تھا۔ ابو عاصم نبیل موجود تھے۔ انھوں نے کہا میں جاکر کہہ دیتا ہوں۔ یہ چند مسئلے رہ گئے ہیں ان کے جوابات ارشاد فرمادیں۔ حضرت امام اعظم نے ان کو اور نزدیک بلاکر پوری توجہ سے سوالات کے جوابات دیئے۔ ابو عاصم سے فارغ ہو کر دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کے سوالات کے جوابات دینے لگے۔ کچھ دیر کے بعد خیال آیا کہ کسی شخص نے میزبان سے کہنے کا وعدہ کیا تھا۔ دریافت فرمایا وہ شخص کہاں گئے؟۔ ابو عاصم وہیں موجود تھے۔ عرض کیا۔

میں نے وعدہ کیا تھا۔ فرمایا تم گئے نہیں۔ ابو عاصم نے منہ لگے شوخ طالب علم کی طرح کہا: میں نے یہ کب کہا تھا کہ ابھی جاؤں گا۔ امام نے فرمایا۔ عرف عام میں اس قسم کے احتمالات کی گنجائش نہیں ان الفاظ سے ہمیشہ وہی معنی مراد لئے جائیں گے جو عوام کی غرض ہوتی ہے۔ یہ ایک لطیفہ ہے مگر اس میں بھی حضرت امام نے ایک فقہی کلیہ بیان فرما دیا۔

حضرت امام اعظم نے زیادہ تر احادیث اجلۂ تابعین سے لی ہیں۔ تابعین میں انھیں سے حدیث لی جو مدت تک صحابی کی صحبت میں رہے۔ تقوی، علم و فضل، زہد و ورع میں جو اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ اگر معدودے چند ایسے نہیں تو وہ شاذ و نادر ہیں۔ حضرت امام کے وقار کو اپنے اساتذہ کے دلوں میں ان کی قوت اجتہاد نے بہت زیادہ بڑھا دیا تھا۔ یہ کبھی اپنی تحقیق پیش کرنے سے چوکتے نہیں تھے۔

ایک دفعہ حضرت حماد کے ساتھ امام اعمش کو رخصت کرنے کے لئے نکلے۔ مغرب کا وقت ہو گیا۔ پانی ساتھ نہیں تھا۔ تلاش کیا مگر نہیں ملا۔ حماد نے فتوی دیا کہ تیمم کر لیا جائے۔ امام اعظم نے کہا آخر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہئے۔ کچھ آگے بڑھے تو پانی مل گیا۔ سب نے وضو کر کے نماز پڑھی۔

امام شعبی اس کے قائل تھے کہ معصیت میں کفارہ نہیں۔ ایک دفعہ یہ اور امام اعظم کہیں کشتی پر جا رہے تھے۔ یہی مسئلہ چھڑ گیا۔ امام اعظم نے فرمایا کہ گناہ میں بھی کفارہ ہے۔ ظہار کے بارے میں ارشاد ہے۔

وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا [۱] یقیناً یہ لوگ بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ ظہار گناہ ہے اور اس پر کفارہ ہے۔ امام شعبی نے جھنجھلا کر کہا۔ أَقِيَاسٌ أَنْتَ۔ کیا تم بہت قیاس کرنے والے ہو [۲]

عطاء بن رباح سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے۔

وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ [۳] اور ہم نے ایوب کو اس کے گھر والے بھی دیئے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور۔

حضرت عطاء نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے حضرت ایوب کی جورو اور اولاد جو مر چکی تھی وہ زندہ کر دی۔ اور ان کے ساتھ اتنی ہی اور پیدا کر دی۔ حضرت امام اعظم نے کہا۔ جب کوئی شخص کسی کی صلب سے نہ ہو تو وہ اس کی اولاد کیسے ہو گا۔

عظیم محدث ہونے کے شواہد حضرت امام اعظم کے عظیم محدث ہونے کی سب سے بڑی، سب سے روشن سب سے قوی

---

[۱] مجادلہ، آیت (۲) [۲] عقود الجمان باب ثامن۔ [۳] انبیاء، آیت (۸۴)

دلیل فقہ حنفی ہے۔ فقہ حنفی کے کلیات، جزئیات کو اٹھا کر دیکھو۔ اور دوسری طرف احادیث کی کتابیں اٹھا کر دیکھو۔ جن جن ابواب جزئی مسائل میں صحیح غیر مؤول غیر منسوخ کتاب اللہ کے غیر معارض احادیث ہیں وہ سب کے سب فقہ حنفی کے مطابق ہیں۔ اس کی تصدیق کے لئے امام طحاوی کی معانی الآثار، علامہ عینی کی بخاری کی شرح عمدۃ القاری، ابن ہمام کی فتح القدیر کا مطالعہ کرے۔ اور کچھ خلجان رہ جائے تو اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے مجموعہ فتاوی، فتاوی رضویہ کا مطالعہ کرے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اس کے حرف حرف کی تصدیق ہو جائے گی۔ اگر معاندین کی یہ بات مان لی جائے کہ حضرت امام اعظم حدیث نہیں جانتے تھے تو ان کا مذہب احادیث کے مطابق کیسے ہے؟

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح سفر السعادت[1] میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت امام اعظم کے پاس بہت سے صندوق تھے جن میں ان احادیث کے صحائف تھے جنھیں حضرت امام ابو حنیفہ نے سنی تھیں۔ آپ نے تین سو تابعین سے علم حاصل کیا۔ آپ کے حدیث کے شیوخ کی تعداد چار ہزار تھی۔ امام ذہبی اور علامہ ابن حجر نے بھی یہی تعداد بتائی ہے۔ مسند خوارزمی میں سیف الائمہ سے بھی یہی تعداد منقول ہے۔

امام بخاری و مسلم وغیرہ محدثین کے استاذ حضرت یحیی بن معین نے فرمایا۔ امام حدیث ابو حنیفہ ثقہ تھے[2] انھیں کا قول ہے کہ امام ابو حنیفہ میں جرح و تعدیل کی رو سے کوئی عیب نہیں۔ وہ کبھی کسی برائی سے متہم نہ ہوئے[3]

امام ابو داؤد صاحب سنن نے فرمایا۔ امام ابو حنیفہ امام شریعت تھے[4]

علامہ ابن حجر مکی شافعی نے لکھا۔ حضرت سفیان ثوری نے فرمایا۔ امام ابو حنیفہ حدیث و فقہ دونوں میں ثقہ اور صدوق ہیں[5]

حافظ ابن حجر مکی نے کہا کہ علی بن مدینی نے کہا کہ امام ابو حنیفہ سے ثوری، ابن مبارک، حماد بن زید، ہشام، وکیع، عباد بن العوام اور جعفر بن عون نے روایت کی۔ نیز فرمایا کہ امام ابو حنیفہ ثقہ ہیں ان میں کوئی عیب نہیں۔[6]

حضرت یحیی بن معین نے فرمایا کہ ہمارے لوگ، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے بارے میں تفریط میں گرفتار ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ امام ابو حنیفہ کی طرف حدیث یا مسائل بیان کرنے میں کسی قسم کی مسامحت یا کذب یا جھوٹ کی نسبت صحیح ہے۔ فرمایا۔ ہرگز نہیں[7]

اسرائیل بن یوسف نے کہا۔ امام ابو حنیفہ بہت اچھے شخص تھے۔ حدیث کو کما حقہ یاد رکھتے۔ ان کے برابر کوئی نہیں ہوا[8]

---

[1] شرح سفر السعادت مطبوعہ پاکستان ص۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۲ [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۲ [5] الخیرات الحسان ص ۱۳ [6] الخیرات الحسان فصل ۱۰ [7] ایضاً

امام یحییٰ بن معین سے کسی نے دریافت کیا امام ابوحنیفہ کیسے ہیں؟ فرمایا۔ ثقہ ہیں۔ میں نے یہ نہیں سنا کہ کسی نے ان کو ضعیف کہا ہو[۱]

شعبہ بن الحجاج امام اعظم کو لکھا کرتے ہمارے لئے احادیث کی روایت کریں اور فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہ ثقہ اور سچے لوگوں میں سے تھے۔ کبھی ان پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگی۔ وہ اللہ کے دین میں مامون و معتمد تھے۔ صحیح احادیث بیان فرماتے۔

یزید بن ہارون نے کہا۔ میں لوگوں سے ملا پس کسی کو امام صاحب سے بڑھ کر عاقل و فاضل و پرہیزگار نہ پایا[۲]

یہ امام بخاری کے استاذ ہیں۔ یہ اعلم الناس کہیں اور امام بخاری بعض الناس۔ ابو محمد بن عیاش نے کہا۔ ابوحنیفہ اپنے زمانے کے لوگوں میں افضل تھے۔ خارجہ بن مصعب نے کہا۔ میں ایک ہزار علماء سے ملا ہوں۔ مگر علم و عقل میں ابوحنیفہ جیسا کسی کو نہیں پایا۔

امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری کے استاذ الاستاذ حضرت عبداللہ بن مبارک کے سامنے کسی نے امام اعظم کی برائی کی تو فرمایا۔ تم علماء میں ایک ان کا مثل دکھاؤ۔ ورنہ ہمارا پیچھا چھوڑ دو۔ ہمیں عذاب میں مت ڈالو۔ ان کی مجلس میں بڑوں کو چھوٹا دیکھتا میں انکی مجلس میں نے ابوحنیفہ جیسا عالم رتبہ دیکھا کسی کی مجلس میں نہ دیکھتا۔ اگر اسکی اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ یہ کہیں گے میں افراط سے کام لے رہا ہوں تو میں ابوحنیفہ پر کسی کو مقدم نہیں کرتا۔ یہ بھی فرمایا۔ امام اعظم کی نسبت تم لوگ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ حدیث نہیں جانتے تھے۔ اور فرمایا۔ ابوحنیفہ کی رائے نہ کہو حدیث کی تفسیر کہو۔ اگر ابوحنیفہ نہ ہوتے ہمیں ان کے محتاج ہوتے[۳] یہ بھی فرمایا۔ خدا کی قسم ابوحنیفہ علم حاصل کرنے میں بہت سخت تھے۔ وہی کہتے تھے۔ جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ احادیث ناسخ منسوخ کے بہت ماہر تھے۔ معتبر اور دوسری قسم کی احادیث کو تلاش کر لیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کا یہ قول مشہور ہے۔

لولا ان اللہ تعالیٰ اغاثنی بابی حنیفۃ وسفیان کنت کسائر الناس[۴] — اگر اللہ تعالیٰ نے امام اعظم اور سفیان کے ذریعہ میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں عام آدمیوں میں سے ہوتا۔

یہ عبداللہ بن مبارک وہ مسلم الثبوت امام ہیں کہ امام بخاری نے جزء رفع یدین میں فرمایا۔ اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم تھے۔ اگر لوگ دوسرے کم علم لوگوں کی اتباع کے بجائے ان کی اتباع کریں تو بہتر ہوتا۔

سفیان بن عیینہ نے کہا۔ عبداللہ بن مبارک اپنے زمانے کے اور شعبی اپنے زمانے کے اور ان کے بعد ابوحنیفہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ میری آنکھوں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔ مکی بن ابراہیم استاذ امام بخاری نے کہا۔ امام ابوحنیفہ اپنے

---

[۱] بنایہ شرح ہدایہ ۱۲ جزء اول ص۶، [۲] تبییض الصحیفہ ص۱۲، [۳] موفق کردری، [۴] تہذیب التہذیب جزء عاشر ص۴۵۰ و الجمانی تبییض الصحیفہ ص۱۶،

زمانے کے اعلم علما تھے۔

غور کریں۔ اس زمانے میں، امام مالک، امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، امام مسعر بن کدام، امام عبد اللہ بن مبارک، وغیرہ سیکڑوں محدثین موجود تھے۔ انھوں نے امام اعظم کو سب سے زیادہ اعلم کہا۔ یہ مکی بن ابراہیم وہ جلیل القدر بزرگ ہیں۔ جن سے امام بخاری کو ثلاثیات نصیب ہوئیں [۱]

امام مالک سے امام شافعی نے متعدد محدثین کا حال پوچھا۔ اخیر میں امام ابو حنیفہ کو دریافت کیا تو فرمایا سبحان اللہ! وہ عجیب ہستی کے مالک تھے۔ میں نے ان کا مثل نہیں دیکھا [۲]

سعید بن عروبہ نے کئی مسائل پر امام اعظم سے گفتگو کی۔ بالآخر یہ کہا۔ ہم نے جو متفرق طور پر مختلف مقامات سے حاصل کیا تھا وہ سب آپ میں مجتمع ہیں۔ امام ذہبی نے اس کا مطلب یہ بتایا کہ انھوں نے جو مختلف دیار و امصار، کے کثیر تعداد محدثین سے احادیث حاصل کیں وہ سب امام اعظم کے پاس اکٹھی تھیں [۳]

خلف بن ایوب نے کہا۔ ابو حنیفہ نادر الوجود شخص ہیں۔ اللہ عز و جل کی طرف سے علم حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ پھر صحابہ میں تقسیم ہوا۔ پھر تابعین میں پھر ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب میں [۴]

اسرائیل بن یونس نے کہا۔ اس زمانے میں لوگ جن جن چیزوں کے محتاج ہیں۔ امام ابو حنیفہ ان سب کو سب سے زیادہ جانتے ہیں [۵]

حفص بن غیاث نے کہا۔ امام ابو حنیفہ جیسا ان احادیث کا عالم میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو احکام میں مفید اور صحیح ہوں [۶]

ابو علقمہ نے بیان کیا میں نے اپنے شیوخ سے سنی ہوئی بہت سی حدیثوں کو امام اعظم ابو حنیفہ پر پیش کیں۔ تو انھوں نے ہر ایک کا ضروری حال بیان کیا۔ اب مجھے افسوس ہے کہ کل حدیثیں ان کو کیوں نہیں سنا دیں [۷]

یہ وہ اجلہ ائمہ محدثین ہیں جن کو درمیان سے نکال دیں یا ان کو درجہ دوم کہدیں تو پھر صحاح ستہ ہی ختم ہو جائے۔ انھوں نے حضرت امام اعظم کے بارے میں کیا کیا کہا وہ سن چکے۔ انصاف و دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ جب آپ ان سب کو ثقہ معتمد سند حدیث میں امام مانتے ہیں تو جس طرح روایت احادیث میں صدوق تسلیم کر چکے ان کو ان کے ان اقوال میں بھی صدوق تسلیم کرنا ہی پڑیگا

بشارت نبوی بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، امام احمد بن حنبل سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور طبرانی معجم کبیر میں،

---

[۱] تبییض الصحیفہ ص۱۰۔ [۲] الخیرات الحسان [۳] مناقب کردری۔ [۴] کردری و تبییض الصحیفہ ص۱۳۔ [۵] ایضاً۔ [۶] موفق کردری، [۷] موفق کردری،

شیرازی القاب میں، قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نیز طبرانی اسی معجم میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کے اوپر اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا۔

لو کان الایمان عند الثریا لنالہ رجال من ھؤلاء۔ بخاری کتاب التفسیر سورہ جمعہ۔ مسلم فضائل صحابہ ص ۳۱۲

ترمذی کتاب التفسیر سورہ جمعہ ص ۱۶۴، مناقب فضل العجم ص ۲۳۲

دوسرے طریقے سے یہ الفاظ ہیں۔

لو کان الدین عند الثریا لذھب بہ رجل من فارس او قال من ابناء فارس حتی یتناولہ۔

(مسلم فضائل صحابہ ص ۳۱۲)

تیسرے طریقے سے یوں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کی ران پر ہاتھ مارا اور فرمایا۔ یہ اور ان کے اصحاب والذی نفسی بیدہ لو کان الایمان منوطا بالثریا لتناولہ رجال من فارس (ترمذی تفسیر سورہ محمد ص ۱۵۸)

قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث القاب للشیرازی میں یوں ہے۔

لو کان العلم معلقا بالثریا لتناولہ قوم من ابناء فارس۔

معجم کبیر طبرانی میں یہ الفاظ ہیں۔

لو کان الایمان معلقا بالثریا لاتنالہ العرب لنالہ رجال فارس۔

اسی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ان الفاظ میں ہے۔

لو کان الدین معلقا بالثریا لتناولہ ناس من ابناء فارس

ابو نعیم نے خود حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ابو نعیم نے تخریج کی ہے۔

لو کان الدین عند الثریا لذھب رجال من ابناء فارس۔ یتبعون سنتی ویکثرون الصلوٰۃ علی۔

چار صحابہ کرام سے اس مضمون کی حدیث تھوڑے اختلاف کے ساتھ مروی کہ اگر ایمان، دین، علم ثریا کے پاس ہوتا تو بھی فارس کے مردوں میں سے کچھ مرد یا فارس کا ایک شخص اس کو حاصل کر لیتا۔

اجلہ محدثین نے اس کی تصریح کی ہے۔ کہ اس کے مصداق حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں تبییض الصحیفہ میں علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ لکھتے ہیں۔

فقد بشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالامام ابی حنیفۃ فی الحدیث الذی اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ — رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امام ابو حنیفہ کی اس حدیث میں بشارت دی ہے جسے ابو نعیم نے حلیہ میں ابو ہریرہ

عنه (الى ان قال) فهذا اصل صحيح يعتمد عليه في البشارة والفضيلة۔ | رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے پھر اس حدیث کے مختلف حوالات دے کے فرماتے ہیں۔ یہ اصل صحیح ہے جس پر بشارت اور فضیلت میں اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

علامہ سیوطی کے شاگرد سیرت شامی کے مصنف علامہ محمد بن یوسف شامی نے بھی اس کی تائید کی۔ رد المحتار میں علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں۔

في حاشية الشبراملسي على المواهب عن العلامة الشامي تلميذ السيوطي قال ما جزم به شيخنا من ان ابا حنيفة هو المراد من هذا الحديث ظاهر لا شك فيه لانه لم يبلغ من ابناء فارس في العلم مبلغه احد۔ رد المحتار جا ص۔

مواہب کے شبراملسی کے حاشیہ میں ہے کہ علامہ سیوطی کے شاگرد علامہ شامی نے کہا وہ جس پر ہمارے شیخ نے یقین کیا ہے کہ ابو حنیفہ ہی اس حدیث سے مراد ہیں۔ بالکل ظاہر ہے اس میں کچھ شک نہیں۔ اس لئے کہ ابنائے فارس میں سے کوئی بھی علم میں ان کے درجے تک نہیں پہنچا۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی الخیرات الحسان میں اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فيه معجزة ظاهرة للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم حيث اخبر بما سيقع ص۔

یہی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ظاہر معجزہ ہے کہ آئندہ ہونے والی بات کی خبر دی۔

تصانیف امام اعظم

فقہ اکبر اہل سنت و جماعت کے عقائد پر مشتمل ایک رسالہ ہے۔ جو بہت مشہور و متداول ہے۔ اس کی متعدد شرحیں بھی لکھی گئی ہیں۔ مگر ان تمام شرحوں میں سب سے زیادہ مقبول شرح حضرت ملا علی قاری کی ہے۔ جو بآسانی ہر جگہ ملتی ہے۔ حضرت مولانا بحر العلوم فرنگی محلی کی بھی ایک فارسی شرح ہے۔ جو چھپ گئی ہے۔

العالم والمتعلم اس کی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی اور نہ کہیں پتہ چلتا ہے کہ کہیں موجود ہے۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں بھی ہیں۔

کتاب السیر۔ الکتاب الاوسط۔ الفقہ الابسط۔ کتاب الرد علی القدریہ۔ رسالۃ الامام ابی عثمان البتی فی الارجاء۔ کتاب الرائے۔ اسے ابن ابی العوام نے ذکر کیا ہے۔ کتاب اختلاف الصحابہ۔ اسے ابو عاصم عامری اور مسعود بن شیبہ نے ذکر کیا ہے۔ کتاب الجامع۔ اسے یوسف بن معصب نے تاریخ مرو میں ذکر کیا ہے۔ مکتوب وصایا۔

مسانید حضرت امام اعظم کے مسانید کے متعدد نسخے تھے۔ ان سب کو ابو المؤید محمد بن محمود خوارزمی متوفی ۶۶۵ھ نے یکجا جمع کر دیا ہے۔ ان سب کو جمع کرنے کا سبب یہ لکھا ہے۔ کہ شام میں بعض جاہلوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو حدیث میں زیادہ دخل نہیں۔ اسی وجہ سے حدیث میں ان کی کوئی تصنیف نہیں۔ اس پر مجھے غیرت آئی اور میں نے ان تمام مسانید کو جنھیں علماء نے امام ابو حنیفہ کی حدیثوں سے جمع کئے تھے اکٹھا کر دیا۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

① مسند حافظ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبد اللہ الاستاذ۔

② مسند امام ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد۔

③ مسند حافظ ابو الحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ۔

④ مسند حافظ ابو نعیم الاصبہانی۔

⑤ مسند شیخ ابو بکر محمد بن عبد الباقی محمد الانصاری۔

⑥ مسند امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی۔

⑦ مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشنانی۔

⑧ مسند ابو بکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی۔

⑨ مسند امام ابو یوسف قاضی القضاۃ۔

⑩ مسند امام محمد۔

⑪ مسند حماد بن امام ابو حنیفہ۔

⑫ آثار امام محمد۔

⑬ مسند امام ابو القاسم عبد اللہ بن ابی العوام السعدی۔

امام خوارزمی نے جن مسانید کو شمار کرائے جن کو انھوں نے یکجا کیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی مسانید ہیں۔ جیسے مسند حافظ ابو عبد اللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی المتوفی ۵۲۲ھ مسند امام حصکفی جس کی حضرت ملا علی قاری نے شرح لکھی ہے۔ مسند ماوردی۔ مسند ابن البزازی متوفی ۸۲۷ھ۔ ان دونوں کی بھی شرحیں لکھی گئی ہیں۔

ان مسانید کی اسناد امام خوارزمی نے اپنی جامع المسانید جن محدثین سے لی ہے۔ ان لوگوں تک اپنی سندیں بھی بیان کر دی ہیں۔ اور ان کے کوائف و مناقب بھی ذکر کئے ہیں۔ تانیب الخطیب میں کوثری صاحب نے حضرت امام اعظم کے مسانید کی تعداد اکیس بتائی ہے۔ جن کی سندیں متصل ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ۔ انسان العین فی مشائخ الحرمین ۔ میں اپنے دادا استاذ علامہ عیسی جعفری مغربی متوفی ۱۰۸۰ھ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے حضرت امام اعظم کی ایک ایسی مسند تالیف کی ہے جس میں انھوں نے اپنا سلسلہ سند سیدنا حضرت امام اعظم تک متصل تحریر کیا ہے ۔

مشہور حافظ حدیث محمد بن یوسف صالحی شافعی ۔ سیرت شامیہ کبری کے مصنف علامہ سیوطی کے تلمیذ نے ۔ عقود الجمان فی مناقب النعمان ۔ میں حضرت امام اعظم کی سترہ مسانید کا سلسلہ روایت بالاتصال مسانید کے جامعین تک بیان کیا ہے ۔

علامہ عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ کا بیان ہے کہ میں حضرت امام اعظم کی تین مسانید کے صحیح نسخوں کے مطالعے سے مشرف ہوا ۔ جن پر حفاظ احادیث کے توثیقی دستخط تھے ۔ جن کی سندیں بہت عالی اور ثقہ ہیں ۔

کوثری صاحب نے تانیب الخطیب میں لکھا ہے ۔ کہ حضرت امام اعظم کی مسانید کو محدثین سفر ، حضر میں ساتھ رکھتے تھے مسانید امام اعظم میں احکام کی احادیث کا بہت عمدہ ذخیرہ ہے ۔ جن کے رواۃ ثقہ ، فقہاء ، محدثین ہیں ۔

علامہ ذہبی نے مناقب الامام الاعظم میں کہا امام الاعظم سے محدثین اور فقہاء کی اتنی بڑی جماعت نے حدیث کی روایت کی ہے جن کا شمار نہیں ۔

علامہ مزی نے تہذیب الکمال میں ایک سو کے لگ بھگ ایسے کبار محدثین کو شمار کیا ہے ۔ جامع المسانید دیکھیں سیکڑوں محدثین کی امام صاحب سے روایات مذکور ہیں ۔ جن میں اکثر وہ ائمہ حدیث ہیں جو ائمہ ستہ اور ان کے بعد کے دوسرے محدثین کے شیوخ و اساتذہ بواسطہ یا بلاواسطہ ہیں ۔

خصوصیت حضرت امام اعظم کے مسانید کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں وہ احادیث بھی ہیں جو حضرت امام نے براہ راست صحابہ کرام سے سنی ہیں ۔ اور ثلاثیات تو اکثر ہیں ۔ جن میں حضرت امام اور حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تک درمیان میں صرف تین راوی ہیں ۔ اور یہ سب کو معلوم ہے کہ یہ زمانہ خیر القرون کا تھا ۔ جن میں صدق و امانت ، اور ثقہ ہونا اغلب تھا ۔ اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ علو سند کی اس فن میں کتنی اہمیت ہے ۔ امام بخاری کے تذکروں میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ انھوں نے امام شافعی سے روایت نہیں کی اس لئے کہ ان کو امام شافعی کے معاصر محدثین کی روایت مل گئی ۔ اور یہ بات بدیہی ہے کہ وسائط جتنے زیادہ ہونگے خطرات اتنے ہی زیادہ ہوں گے ۔ اور وسائط جتنے کم ہوں گے توہم یاکسی اور غلطی کے احتمالات کم سے کم ہوتے جائیں گے ۔

جرح و تعدیل میں حذاقت کوئی کامل محدث اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ جرح و تعدیل کی دقتوں میں کامل نظر نہ رکھتا ہو ۔ اس خصوص میں حضرت امام اعظم کو امتیازی کمال حاصل تھا ۔ مسلم الثبوت محدثین ان کی جرح بطور سند پیش کرتے ہیں امام ترمذی کی جلالت شان سے کون انکار کرسکتا ہے ؟ ۔ انھوں نے اپنی جامع کتاب العلل میں امام اعظم کا قول ، عطاء بن رباح کی تعدیل

اور جابر جعفی کی جرح میں تحریر کیا۔ مدخل لمعرفۃ دلائل النبوۃ بیہقی میں ہے۔ ابو سعد صغانی نے امام اعظم کے سامنے کھڑے ہو کر پوچھا کہ سفیان ثوری سے حدیث اخذ کرنے کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ فرمایا۔ وہ ثقہ ہیں ان کی احادیث لکھو۔ البتہ جو احادیث ابو اسحٰق عن الحارث اور جابر جعفی کے واسطے سے ہوں انہیں نہ لکھو۔ امام اعظم نے فرمایا طلق بن حبیب قدری ہے۔ عیاش بن ربیعہ ضعیف ہے۔ امام سفیان بن عیینہ کا بیان ہے میں جب کوفہ پہنچا۔ تو امام ابوحنیفہ نے میرا تعارف کرایا اور توثیق کی۔ تو لوگوں نے میری احادیث سنیں۔

محدث جلیل حماد بن زید نے کہا کہ عمرو بن دینار کی کنیت ابو محمد ہے۔ یہ مجھے امام ابوحنیفہ ہی نے بتائی۔ ورنہ صرف نام معلوم تھا۔ فرمایا عمرو بن عبید پر اللہ لعنت کرے اس نے کلامی مباحث سے فتنوں کے دروازے کھول دیئے۔ فرمایا۔ جہم بن صفوان۔ مقاتل بن سلیمان کو اللہ عزوجل ہلاک کرے۔ ایک نے نفی میں افراط کی دوسرے نے تشبیہ میں غلو کیا۔ فرمایا۔ کسی کو حدیث کی روایت اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ سننے کے وقت سے روایت کے وقت تک اس کو یاد نہ ہو۔ امام اعظم سے دریافت کیا گیا عطا اور نافع وغیرہ سے روایت کیسی ہے؟ فرمایا کوئی حرج نہیں۔ ابو قطن جیسے عظیم محدث نے امام صاحب کا یہ قول بطور سند پیش کیا کہ شیخ کو حدیث سنا کر بھی حدثنی کے لفظ سے روایت کر سکتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ یہ روایت میرے نزدیک ثابت نہیں کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پائجامہ پہنا ہے۔

قلت روایت کا سبب ہم نے اختصار کے پیش نظر حضرت امام اعظم کے عظیم، جلیل، کامل، اکمل، حاذق، ماہر محدث ہونے کے ثبوت میں چند اسلاف کے گراں قدر قابل اعتماد اقوال پیش کر دیئے۔ ہم نے اپنی طرف سے ان پر کوئی توضیح و تفصیل نہیں کی۔ اس سے ہر صاحب انصاف فیصلہ کرے گا۔ کہ حضرت امام اعظم کا حدیث میں بھی اتنا بلند درجہ ہے کہ بڑے بڑے وہاں تک رسائی نہیں حاصل کر سکے۔ اس سلسلے میں حضرت امام کے معاندین اپنے ثبوت میں جو بات پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب اتنے بڑے محدث تھے تو ان سے روایتیں کیوں کم آئی ہیں؟

علماء نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا۔ کہ چونکہ شرائط بہت سخت تھے۔ مثلاً ابھی مذکور ہوا کہ حضرت امام اعظم کے نزدیک صحت روایت کی شرط یہ ہے کہ سماع کے وقت سے روایت کے وقت تک راوی کو حدیث یاد ہو۔ دوسرا شرط یہ تھی حضرت امام اعظم روایت بالمعنی کے قائل نہ تھے۔ روایت باللفظ ضروری جانتے تھے۔ اس لئے روایت کم فرمائی ہے۔

ہمیں یہ تسلیم ہے کہ جس شان کے محدث تھے اس کے لحاظ سے روایت کم ہے۔ مگر یہ ایسا الزام ہے کہ امام بخاری جیسے محدث پر بھی عائد ہے۔ انہیں چھ لاکھ احادیث یاد تھیں۔ جن میں ایک لاکھ صحیح یاد تھیں۔ مگر بخاری میں کتنی احادیث ہیں۔ وہ آپ معلوم کر کے غور کیجئے ایک لاکھ صحیح احادیث میں سے صرف ڈھائی ہزار سے کچھ زیادہ ہیں۔ کیا یہ تقلیل روایت نہیں ہے؟

پھر ان محدثین کی کوشش صرف احادیث جمع کرنا اور پھیلانا تھا۔ مگر حضرت امام اعظم کا منصب ان سب سے بہت بلند اور بہت اہم اور بہت مشکل تھا۔ وہ امت مسلمہ کی آسانی کے لئے قرآن و حدیث و اقوال صحابہ سے منقح مسائل اعتقادیہ و عملیہ کا استنباط اور ان کو جمع کرنا تھا۔ مسائل کا استنباط کتنا مشکل ہے۔ یہ آگے آرہا ہے۔ اس میں مصروفیت اور پھر عوام و خواص کو ان کے حوادث پر احکام بتانے کی مشغولیت نے اتنا موقع ہی نہ دیا کہ وہ اپنی شان کے لائق بکثرت روایت کرتے۔

یہ سچ ہے کہ محدثین نے بھی اپنی تصانیف میں ابواب قائم کر کے مسائل کا استنباط کیا ہے بلکہ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر آئے ہیں بعض حضرات کا مقصود اصلی اپنے مستنبط کئے ہوئے مسائل ہی کو بیان کرنا ہے۔ اور جمع احادیث کی حیثیت ثانوی مقصد ہے۔ لیکن یہ عرض کرنے دیجئے کہ یہ بھی فیض ہے حضرت امام اعظم کا جیسا کہ حضرت امام شافعی نے فرمایا ہے۔

الناس عیال فی الفقہ علی ابی حنیفۃ من لم ینظر فی کتبہ لم یتبحر فی العلم ولا یتفقہ لہ — سب لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔ جس نے امام ابوحنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا اسے علم میں تبحر نہیں حاصل ہوا اور نہ وہ فقیہ ہوا۔

الاہم فالاہم کی ترتیب ہر جگہ لازم ہے۔ حضرات خلفاء راشدین سے اور دیگر اجلہ صحابہ کرام سے روایتیں کتنی کم ہیں۔ اسکا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احوال و کوائف اور ارشادات کو کم جانتے تھے۔ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ میں سب سے اعلم خلفاء راشدین ہیں۔ مگر ترتیب فضیلت کے برعکس روایت کا درجہ ہے۔ یہ صرف وہی الاہم فالاہم کی رعایت کی وجہ ہے۔ یہی بات یہاں بھی ہے۔ کہ استخراج مسائل اس وقت کی سب سے اہم ضرورت تھی۔ اس میں مصروفیت کی وجہ سے اتنا موقع نہ ملا کہ اپنی شان کے مطابق احادیث کی روایت کرتے۔

فقہ کی حقیقت

ہمارا مقصد اس مقدمہ میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات بیان کرنے سے صرف فقہ حنفی کا تعارف ہے۔ اس لئے کہ شرح میں اس سے جگہ جگہ سابقہ پڑے گا۔ جزئیات کے ضمن میں فقہ حنفی کا مفصل تعارف موجود ہے۔ مگر اس پر سب کی اس حیثیت سے نظر نہیں جائے گی۔ اس لئے بقدر ضرورت یہاں اس کا ذکر ضروری ہے۔

فضیلت فقہ جہاد کی فضیلت اور اہمیت سے کسے انکار ہے۔ مگر قرآن کریم میں فرمایا گیا۔

لہ تبییض الصحیفہ ص۳۰ والعطائی الجزرہ الحسان۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ [1]

مسلمانوں کو یہ نہیں چاہئے کہ سب کے سب نکل پڑیں ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہر گروہ میں ایک جماعت نکلے تاکہ دین کی سمجھ حاصل کرے۔

اور ارشاد ہوا۔

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا [2]

جس کو حکمت دی گئی اس کو بہت بھلائی دی گئی۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ حکمت سے مراد احکام ہیں۔

امام بخاری نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

من یرد اللہ به خیرا یفقهه فی الدین [3]

جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فحفظها ووعاها واداها فرب حامل فقه غیر فقیه ورب حامل فقه الی من هو افقه منه ۔ رواه احمد والترمذی وابو داؤد وابن ماجة والدارمی عن زید بن ثابت [4]

اس بندے کو اللہ عزوجل تروتازہ رکھے جس نے میرے ارشاد کو سنا پھر یاد کیا اور محفوظ رکھا اور دوسرے تک پہونچایا کتنے فقہ کے حامل فقیہ نہیں کتنے فقہ کے حامل سے زیادہ فقیہ وہ ہے جسکو اس نے پہونچایا۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی بات کو سنکر اسے کما حقہ یاد رکھنا کمال ضرور ہے مگر کما حقہ یاد رکھنے کے ساتھ ہی ساتھ اسے بخوبی سمجھ لینا اس سے کئی گنا زیادہ کمال ہے۔ یہی وہ حد فاصل ہے جو ایک فقیہ کو ایک محدث سے ممتاز کرتی ہے۔ محدث کا کام احادیث کو متن کے ساتھ یاد رکھنا ہے۔ اور فقیہ کا کام اس کے ساتھ ساتھ اسے شارع کے منشا کے مطابق سمجھنا ہے۔ پھر اس سے احکام کا استخراج ہے۔ ان دونوں باتوں کے لئے کتنی وسعت علم اور ذکاوت وفطانت کی ضرورت ہے، یہ وہی جان سکتا ہے۔ جو فقہ سے آشنا ہو۔ اسی لئے علماء نے فرمایا۔ کہ محدث ہونا علم کی پہلی منزل ہے۔ اور فقیہ ہونا آخری منزل۔ جس کی حرف بحرف تصدیق آگے آنے والی تفصیل سے ہر منصف کو ہو جائے گی۔

قرآن مجید عربی زبان میں ہے۔ صحابہ کرام عربی ہی تھے۔ ان کے سامنے قرآن نازل ہوتا تھا۔ شان نزول سے وہ واقف تھے۔ مگر صحابہ خود اس کے محتاج تھے کہ معانی قرآن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیکھیں۔ اسی لئے قرآن کریم میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت یہ بیان فرمائی۔

---

[1] سورۂ توبہ آیت (۱۲۲) [2] سورۂ بقرہ آیت (۲۶۹) [3] بخاری شریف ج ۱ ص ۱۶ ، [4] مشکوٰۃ شریف ص ۳۵۔

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ [1] یہ رسول ان پر اللہ کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔

اور فرمایا۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ [2] یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں انھیں صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔

حدیث گذری کہ بہت سے حامل فقہ، غیر فقیہ ہوتے ہیں۔ بعض فقیہ بعض سے اعلیٰ و برتر ہوتے ہیں۔ یہ سب اسی کی طرف اشارہ ہے کہ محض حفظ انسانی کمال کی معراج نہیں۔ بلکہ یہ خشت اول ہے۔ معراج علم اس کا کما حقہ سمجھنا ہے۔ اور یہ کام صرف فقیہ کا ہے۔

ضرورت فقہ انسان کی معاشرت کی وسعت نے اتنی چیزوں کا انسان کو محتاج بنا دیا ہے کہ ایک انسان اگر لاکھ کوشش کرے کہ وہ دوسرے سے مستغنی ہو جائے تو محال ہے۔ مسلمان چونکہ عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی شریعت کا پابند ہے اس لئے اسے عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی قدم قدم لحظ لحظ احکام شریعت کی ضرورت ہے۔ آپ صرف عبادات ہی کو لے لیجئے اس کے فروع و جزئیات کتنے کثیر ہیں اب ہر انسان کو اس کا مکلف کرنا کہ وہ پورا قرآن مجید مع معانی و مطالب کے حفظ رکھے۔ اور تمام احادیث کو مع سند و ما علیہ یاد رکھے۔ تکلیف مالا یطاق ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ انسان میں تقسیم کار ہو۔ اس کے نتیجے میں ضروری ہے کہ ایک طبقہ علم دین کی تحصیل اور پھر اس کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو۔ جس کا صریح حکم سورہ یونس کی مذکورہ بالا آیت میں موجود ہے۔ کہ فرمایا۔

ہر گروہ سے ایک جماعت فقہ حاصل کرے۔

رہ گئے عوام تو انھیں یہ حکم ہے۔

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ [3] علم والوں سے پوچھو اگر تمھیں علم نہیں۔

عوام کو اسی کا مکلف کیا گیا کہ وہ اللہ عزوجل اور رسول کے بعد علما کی اطاعت کریں۔ ارشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ [4] اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا اور تم میں جو حکم والے ہیں ان کا حکم مانو۔

اب ایک منزل یہ آتی ہے کہ کوئی شخص ایک مسئلہ پوچھنے آیا۔ تو کیا یہ ضروری ہے کہ اسے قرآن کی وہ آیت پڑھ کے سنائی جائے یا وہ حدیث مع سند کے بیان کی جائے جس سے یہ حکم نکلتا ہے۔ اور استخراج کی وجہ بھی بیان کی جائے۔ اور اگر یہ ضروری قرار دیں تو

---

[1] سورہ نساء آیت (۱۲۹) [2] سورہ عنکبوت آیت (۴۳) [3] سورہ نحل آیت (۴۳) [4] سورہ نساء (۵۹)

اس میں کتنی دقت اور دشواری اور حرج ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ علاوہ ازیں جن جزئیات میں کوئی آیت یا حدیث نہیں ان جزئیات کے بارے میں کیا کیا جائے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے امت کا اس پر عملی طور پر اجماع ہے کہ عوام کو اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اس صورت کا یہ حکم ہے۔

اس لئے ضروری ہوا کہ امت کے جن علماء کو اللہ عزوجل نے یہ صلاحیت واستعداد دی ہے کہ وہ قرآن واحادیث کے حفظ وضبط کے ساتھ ساتھ ان کے معانی ومطالب سے کما حقہ واقف ہیں۔ اور ان کے ناسخ ومنسوخ کو جانتے ہیں۔ جن میں اجتہاد واستنباط کی پوری قوت ہے۔ وہ خداداد قوت اجتہاد سے احکام شرعیہ کا ایسا مجموعہ تیار کر دیں جن میں منقح احکام مذکور ہوں۔

اس ضرورت کو سب سے پہلے حضرت امام الائمہ، سراج الامۃ، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محسوس کیا۔ اور آپ نے اپنی خداداد پوری صلاحیت کو قرآن واحادیث واقوال صحابہ سے مسائل کے استخراج واستنباط میں صرف فرما دیا جسکے احسان سے امت مرحومہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً جب کہ وہ دور وہ شروع ہو چکا تھا۔ کہ سیکڑوں نت نئے فتنے اٹھ رہے تھے۔ مذاہب اسلام دشمن عناصر مسلمانوں میں گھل مل کر ہزاروں ہزار احادیث گڑھ کر پھیلا چکے تھے۔ اگر فقہ مرتب نہ ہوتی تو امت کا کیا حال ہوتا وہ کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں۔

قیاس | پہلے خود حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ذکر کر آئے ہیں۔ کہ جب کوفے کے علماء حضرت امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امام صاحب کی خدمت میں گئے اور ان سے کہا کہ آپ بہت زیادہ قیاس کرتے ہیں تو فرمایا۔

انی اقدم العمل بالکتاب ثم بالسنة ثم باقضية الصحابة مقدما ما اتفقوا علی ما اختلفوا وحینئذ اقیس له	میں کتاب اللہ پر عمل سب سے مقدم رکھتا ہوں اس کے بعد احادیث پر پھر صحابۂ کرام کے متفق فیصلے پر اس کے بعد ان کے ان اقوال پر جو مختلف فیہ ہوں ان دونوں میں جو قوی ہوں اس پھر قیاس کرتا ہوں۔

علامہ عینی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

ان ابا حنیفة قال لا اتبع الرأی والقیاس الا اذا لم اظفر بشئ من الکتاب او السنة او الصحابة رضی اللہ عنهم له	یعنی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رائے اور قیاس کی پیروی نہیں کرتا مگر اس وقت جب کہ حدیث یا صحابہ رضی اللہ عنہم سے کچھ نہ ملے۔

له میزان الشریعۃ الکبریٰ اور شیخ ابن حجر مکی نے بھی اس عبارت سے ملتی جلتی عبارت خیرات الحسان ص۲۹ میں تحریر فرمائی ہے من شاء فلیرجع الیہ له عمدۃ القاری فی شرح بخاری ج ۴ ص۱۳۹۔

خود حنفی اس اجمال کی پوری تفصیل ہے۔ عمل بالحدیث کا یہ حال ہے کہ حضرت امام نے اپنا یہ بنیادی دستور بنالیا تھا۔

اذا صح الحدیث فھو مذھبی۔ ہر حدیث صحیح میرا مذہب ہے۔

ابو حمزہ سکری جو مسلم الثبوت محدث ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، کہ مجھے جب کوئی صحیح حدیث مل جاتی ہے تو اسی کو لیتا ہوں۔ اور جب صحابہ کے اقوال مل جاتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک کو لیتا ہوں۔ البتہ تابعین کا جب کوئی قول ملتا ہے اور وہ میرے فیصلے کے خلاف ہوتا ہے تو میں اس کی مخالفت کرتا ہوں۔

نیز انھیں سے منقول ہے۔ کہ میں نے صحابہ کرام کے بارے میں امام ابو حنیفہ سے زیادہ بہتر اور انسب طریقے پر کلام کرنے والا نہیں دیکھا۔ وہ ہر ایک صاحب کمال کے حق کو پورا پورا ادا کرتے تھے۔

اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ وفات کے وقت انھوں نے کسی صاحب فضیلت کی تنقیص یا برائی نہیں کی۔ امام بخاری کے سلسلہ اساتذہ کے مسلم الثبوت محدث بلکہ امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک فرمایا کرتے۔ امام ابو حنیفہ کے ارشاد کو رائے مت کہو۔ حدیث کی تفسیر کہو۔ (مناقب موفق کردری)

اس سلسلے میں یہ واقعہ گوش گزار کرنا ضروری ہے۔ کہ امام ابو یوسف، قاضی القضاۃ، جنھیں امام بخاری کے استاذ حضرت یحیی بن معین نے صاحب الحدیث مانا۔ علامہ ذہبی نے حفاظ حدیث میں شمار کیا۔ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت امام ابو حنیفہ سے مسائل پر بحث کرتے۔ اور جب کوئی متعین فیصلہ ہو جاتا تو میں وہاں سے اٹھ کر، کوفے کے محدثین کے پاس جاتا ان سے اس مسئلے کے متعلق احادیث پوچھتا پھر امام اعظم کی خدمت میں واپس آکر ان احادیث کو سناتا۔ حضرت امام ان سے کچھ حدیثوں کو قبول فرماتے۔ اور کچھ کے بارے میں فرماتے یہ صحیح نہیں۔ میں حیرت سے پوچھتا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا تو فرماتے میں

کوفہ میں جو علم ہے اس کا میں عالم ہوں۔[1]

اس سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام اعظم اتنے بڑے محدث تھے کہ اس وقت کوفے جیسے علم حدیث کے مرکز میں ان کے برابر کوئی نہ تھا۔ وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام اعظم کسی مسئلے پر اسی وقت کوئی اخیر رائے قائم کرتے تھے جب کہ اس پر ان کے تلامذہ بھی کھل کر مکمل بحث کرلیں۔ جس کو اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ کہنا ہوتا کہہ لیتا پھر فیصلہ ہوتا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ثابت ہوئی کہ حضرت امام اعظم جو فیصلہ فرماتے وہ قیاس سے نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں احادیث صحیحہ کے مطابق ہوتا۔

چونکہ فقہ کی بنیاد کتاب اللہ پر ہے اس کے بعد احادیث پر۔ نیز نظم قرآن اور الفاظ احادیث کے معنی پر دلالت کبھی صریح ہوتی ہے

---

[1] عقود الجمان فی مناقب النعمان۔

کبھی خفی، اور کبھی خفی تر۔ نیز صریح دلالت کے بھی مختلف مدارج ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مقصود اسی معنی کا بیان ہوتا ہے۔ کبھی وہ معنی صریح مقصود بیان نہیں۔ مگر ہوتا صریح ہے۔ جیسے ارشاد ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ [۱] مال غنیمت ان محتاج مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے۔

اس آیت میں دو باتیں صریح ہیں، ایک یہ کہ فقراء مہاجرین، مال غنیمت کے مستحق ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کے باوجود کہ مکے میں ان کے گھر بار مال تھے۔ پھر بھی فقیر ہیں۔

اس آیت سے مقصود بیان مال غنیمت کا استحقاق ہے، اور فقیر ہونا بھی صریح مذکور ہے۔ مگر یہ مقصود بیان نہیں۔ نیز اسی آیت سے ثابت ہوا کہ اگر کفار مسلمانوں کے مال پر قبضہ کر کے اس کو دار الحرب میں محفوظ کر لیں، تو وہ کفار کی ملک ہو جاتا ہے۔ یہ دلالت خفی ہے۔

ظاہر ہے جو بات قرآن و حدیث سے صریح طور پر ثابت ہو اس کی حیثیت اور ہو گی۔ اور جو خفی طور پر ثابت ہو گی اس کی حیثیت اور ہو گی۔ دیکھئے اس آیت سے ثابت کہ مہاجرین مال غنیمت کے مستحق ہیں۔ یہ ہر شبہے سے بالاتر ہے۔ لیکن اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ استیلاء کفار سبب ملک ہے۔ اس میں وہ قوت نہیں جو پہلے میں ہے۔ اس کو آپ دوسری مثال سے سمجھیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ طلاق کی عدت تین قروء ہے۔ قروء کے معنی حیض کے بھی ہیں اور طہر کے بھی۔ احناف کہتے ہیں کہ یہاں حیض کے معنی میں ہے اس لئے عدت کا شمار حیض سے ہو گا۔ شوافع کہتے ہیں کہ یہاں طہر مراد ہے۔ عدت کا شمار طہر سے ہو گا۔ قرآن مجید دونوں کا مستدل ہے۔ کیا کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ جیسے آیت اول سے مہاجرین کے مال غنیمت کے استحقاق کا ثبوت ہے اسی طریقے سے عدت طلاق کا حیض یا طہر ہونا بھی ثابت ہے۔

احادیث کی ان سب احتمالات کے ساتھ ساتھ، رواۃ کی قلت و کثرت کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں۔ متواتر، مشہور، خبر واحد۔ بالکل یہی ہے کہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت کا ثبوت ایسا یقینی و قطعی ہے کہ اس میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں۔ اور یہی حال حدیث متواتر کا ہے۔ حدیث مشہور کا ثبوت بھی یقینی ہے مگر متواتر کی طرح نہیں۔ اور خبر واحد میں یہ یقین اور کم درجہ کا ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ راوی لاکھ قوی الحافظہ سہی، لاکھ متدین سہی، لاکھ محتاط اور متیقظ سہی مگر ہے تو انسان ہی۔ بہرحال اس سے سہو، نسیان، خطا، بھول چوک مستبعد نہیں۔ اس لئے جو درجہ دو اور دو سے زائد راویوں کا ہے وہ تنہا ایک کا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ تعداد جتنی بڑھتی جائے گی قوت بڑھتی جائے گی۔ اور تعداد گھٹنے میں قوت گھٹتی جائے گی۔ اگرچہ راوی قوی الحافظہ، صدوق، ثقہ، تام الضبط، وغیرہ جامع شرائط ہو۔ اب چونکہ

---

۱ سورۂ حشر آیت (۸)

فقہ کی بنیاد جن پر تھی وہ سب ایک درجے کے نہیں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ان سے ثابت ہونے والے امور بھی ایک درجے کے نہ ہوں بلکہ ان میں بھی مختلف مدارج ہوں۔ اس لئے احناف کے یہاں احکام کی ابتدائی تین قسمیں ہوئیں۔ مامور بہ۔ منہی عنہ۔ مباح۔ پھر مامور بہ کی سات قسمیں ہیں۔ فرض اعتقادی، فرض عملی، واجب اعتقادی، واجب عملی، سنت موکدہ، سنت غیر موکدہ، مستحب۔

منہی عنہ کی بھی پانچ قسمیں ہیں۔ حرام قطعی، مکروہ تحریمی، اساءت، مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ۔

یہ سب صرف اس لئے ہوا کہ قرآن کی عظمت اور قطعیت اپنی جگہ رہے اور احادیث کی عظمت اپنی جگہ۔ اور ثابت ہونے والے امور کی ان کے ثبوت کی نوعیت کے اعتبار سے حیثیت اپنی جگہ رہے۔

احکام کے ان فرق مراتب کے موجد حضرت امام اعظم ہیں۔ فرق مراتب کو سبھی مجتہدین نے قبول کیا ہے۔ اس تقسیم سے بہت سے وہ تخالف جو قرآن و احادیث میں بظاہر نظر آتے ہیں۔ خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں نماز کے سلسلے میں صرف قیام، قراءت، رکوع، سجود کا حکم ہے۔ احادیث میں ان کی تفصیل ہے۔ مثلاً قیام میں قراءت ہو۔ اور قراءت میں سورہ فاتحہ ہو۔ رکوع، سجود میں تسبیح پڑھی جائے۔ فقہائے حنفی باتیں قرآن مجید یا احادیث متواترہ سے ثابت ہوئی ان کو فرض قرار دیا۔ بقیہ باتوں کو احادیث کی نوعیت کے لحاظ سے واجب، سنت، مستحب قرار دیا۔ اس کو آپ ایک جزئی مثال سے ذہن نشین کیجئے۔ قرآن مجید میں ہے۔

فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ [1] جتنا تم پر آسان ہو قرآن پڑھو۔

اس آیت کا عموم اس کا مقتضی ہے کہ نمازی قرآن کی جو بھی سورہ۔ آیت پڑھ لے نماز ہو جائے گی مگر احادیث میں ہے کہ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب اور کثیر احادیث سے ثابت کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سورہ فاتحہ کے بعد اور بھی قرآن مجید کچھ نہ کچھ پڑھا کرتے تھے۔ جو باعتبار معنی حد شہرت تک پہنچی ہیں۔ ان احادیث کا مفاد یہ ہوا کہ بغیر سورۂ فاتحہ اور ضم سورت کے نماز نہیں ہوگی فقہائے فرق مراتب سے فائدہ اٹھا کر اس تعارض کو دور فرمایا۔ کہ مطلق قراءت فرض۔ اور خاص سورۂ فاتحہ پڑھنا اور ضم سورت واجب اگر معاذ اللہ احناف احادیث کو قابل عمل نہ جانتے تو بہت آسانی کے ساتھ کہہ سکتے تھے کہ چونکہ یہ احادیث قرآن کے معارض ہے لہذا متروک العمل ہے۔

اسی لئے احناف کے اصول فقہ کا مسلّم کلیہ مشہورہ ہے کہ جب قرآن و حدیث میں تعارض ہو تو پہلے تطبیق کی کوشش کی جائے۔ تطبیق ہو جائے فبہا ورنہ بدرجۂ مجبوری کتاب اللہ کے مقابلے میں خبر آحاد ضرور متروک ہوں گی۔ کیا کوئی اسے عمل بالحدیث کا ترک کہہ سکتا ہے۔ لیکن عناد کا کوئی علاج نہیں۔ ورنہ بات ظاہر ہے کہ جب قرآن مجید کے قطعی الدلالۃ معنی کے معارض کوئی روایت ہے تو

---

[1] سورہ مزمل آیت (۲۰)

وہ حدیث ہی نہیں۔ اگرچہ وہ سب طرح سے درست ہو۔ یہ قاعدہ بھی احناف کا تراشیدہ نہیں، صحابۂ کرام سے منقول ہے۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں کسی نے کہا کہ ابن عمر کہتے ہیں کہ۔

ان المیت یعذب ببکاء الحی [1] زندہ کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔

ام المومنین نے فرمایا اللہ عزوجل ابو عبدالرحمٰن پر رحم فرمائے۔ یہ یقین ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولے مگر بھول گئے یا چوک گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک یہودی عورت کا جنازہ گزرا اس پر لوگ رو رہے تھے۔ فرمایا۔ یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں حالانکہ اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ حضرت ام المومنین کی یہ تنقید اس حدیث کے قرآن کی اس آیت کے معارض ہونے کی وجہ سے تھی کہ فرمایا۔

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ [2] کوئی دوسرے کا وبال نہیں اٹھائے گا۔

قرآن و احادیث دونوں پر احناف نے کبھی کبھی ایسے اہم نازک موقعوں پر عمل کرتے ہیں کہ ہر منصف، دیانتدار، ذی فہم داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ اس کی مثال قراءت خلف امام ہے۔ جس کی قدرے تفصیل یہ ہے۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ جب جماعت سے نماز پڑھی جائے تو مقتدی قراءت نہیں کرے گا۔ خاموش رہے گا۔ خواہ نماز سری ہو یا جہری۔

غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ مقتدی سورہ فاتحہ ضرور پڑھے گا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب۔ او کما قال۔

احناف کی دلیل قرآن مجید کا یہ ارشاد ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ [3] اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو۔ اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

یہ آیت نماز ہی میں قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس لئے یہ اپنے مورد کے اعتبار سے نماز میں قرآن پڑھے جانے کے بارے میں اور قطعی ہو جاتی ہے۔ اور اگر نماز کے بارے میں نہ بھی ہوتی جیسا کہ معاندین احناف کی ضد ہے تو بھی اذا قرئ القرآن کے عموم نماز میں قرآن پڑھے جانے کو بھی بلاشبہ شامل۔ اس لئے نماز میں قرآن مجید پڑھے جانے کے وقت استماع اور سکوت بنص قرآن ثابت۔ اور حکم صرف بغور سننے کا نہیں بلکہ خاموش رہنے کا بھی ہے۔ حالانکہ بغور سننے کے لئے خاموش رہنا لازم ہے۔ جو خاموش

[1] مشکوٰۃ ص ۱۵۱ پر پوری حدیث مذکور ہے۔ [2] سورہ النجم آیت ۳۸ س [3] اعراف (۲۰۴)

نذر ہے خود بولنے جانے وہ کیا ہے گا۔ بغور سننے کے بعد خاموش رہنے کو علاوہ ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ کچھ نمازوں میں قرآن مجید بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے۔ اور کچھ میں آہستہ۔ جن میں بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے۔ ان میں بغور سننے کے ساتھ خاموش رہنا پایا جائے گا۔ جن نمازوں میں آہستہ پڑھا جاتا ہے ان میں چونکہ سنائی نہیں دیتا تو بغور سننا تو نہ ہوگا مگر چپ رہنا ضروری ہوا۔ اس لئے نماز خواہ سری ہو خواہ جہری امام جب قرات کرے تو مقتدی پر چپ رہنا بہر حال ضروری ہے۔ کچھ پڑھنے کی اجازت نہیں۔

اس پر ایک اعتراض امام بخاری نے جزء القراۃ میں یہ کیا کہ یہ آیت خطبے کے وقت نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی یعنی جب خطبہ ہو رہا ہو اور کوئی آئے تو دو رکعت نماز پڑھے۔ اس نماز میں یہ قرآن پڑھ رہا ہے۔ اور حاضرین خاموش ہیں۔ مگر اس وہ کوئی سند نہیں پیش کر سکے ان کے برخلاف امام بخاری کے استاذ امام احمد نے فرمایا۔ کہ اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت مطلقاً نماز میں قرات کے بارے میں نازل ہوئی۔ اسی بنا پر وہ جہری نمازوں میں مقتدی کو قرات کی اجازت نہیں دیتے۔ اس سے قطع نظر نص جب عام ہو تو حکم ہو رہا کسی سبب خاص نہیں رہتا۔ عام ہی رہتا ہے۔ جب آیت کا صریح مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی قرآن پڑھے تو تم لوگ بغور سنو اور خاموش رہو۔ قرات اور خاموش رہنے کی تاویل تو امام بخاری نے کر لی۔ کہ آنے والا قرات کر رہا ہے لوگ چپ ہیں۔ اگرچہ یہاں حاضرین کا چپ رہنا اس کی قرات کی وجہ سے نہیں بلکہ خطبہ کی وجہ سے ہے۔ مگر بغور سننے کا یہاں کیا محل ہوا اسے امام بخاری نے نہیں بتایا۔ یہ اشکال لاینحل ہے لہذا اگر اس آیت کو خطبے کی حالت کے ساتھ خاص کریں تو لازم آئے گا کہ "فاستمعوا لہ" کا ارشاد حشو اور بے معنی ہو جائے۔

دوسرا اعتراض امام بخاری نے یہ کیا ہے کہ احناف خود اسے عام نہیں مانتے۔ سنت فجر میں کہتے ہیں کہ اگر جماعت ہو رہی ہو اور کوئی آئے اور اسے یقین ہو کہ سنت فجر پڑھ کر شریک جماعت ہو سکتا ہے تو پہلے سنت فجر پڑھے۔ امام بخاری تو معذور تھے انھیں احناف کے مذہب سے پوری واقفیت نہیں تھی۔ مگر حیرت امام بخاری کے ان مقلدین معاندین پر ہے جنھیں بار بار بتایا جا چکا پھر بھی اسی اگ کو لاپتے رہتے ہیں۔ احناف نے یہ تصریح کی ہے کہ ایسی حالت میں سنت فجر پڑھے مگر جہاں جماعت ہو رہی ہو وہاں سے ہٹ کر پڑھے مثلاً اگر جماعت اندر ہو رہی ہے تو باہر پڑھے تاکہ مکان بدل جائے۔ اور یہ حکم اسی بنیاد پر ہے کہ آیت کریمہ کا حکم عام ہے۔ غرضکہ احناف قرآن کو احادیث آحاد پر بہر حال مقدم رکھتے ہیں۔ یہ اختیار اپنی سرشت کے مطابق ہر شخص کو ہے کہ اسے جو چاہے نام دے۔

ویسے قرات خلف امام کے سلسلے میں احناف کے پاس احادیث بھی ہیں۔ جو اپنے موقع پر مذکور ہوں گی یہاں صرف ایک حدیث ذکر کرتا ہوں۔ موطا امام محمد میں بسند صحیح متصل غیر مقدوح غیر معلل یہ حدیث حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من صلی خلف الامام فان قراۃ الامام لہ قراۃ لہ — جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرات اس کی قرات ہے۔

لہ موطا امام محمد ص ۹۰

واضح ہو کہ اس حدیث کے تمام رواۃ صحاح ستہ کے ہیں۔ اس حدیث کی روشنی میں معاندین کی پیش کردہ حدیث اور قرآن کی آیت میں تعارض بھی نہ رہا۔ اس حدیث نے بتا دیا کہ قرأت وہ ہے جو حقیقی ہوگی۔ جب مقتدی امام کے پیچھے ہے تو اس نے بھی حکماً سورہ فاتحہ پڑھ لی۔ تو حدیث لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب پر بھی عمل ہوگیا۔ اس سلسلے میں حضرت امام اعظم کا ایک بہت مشہور مناظرہ ہے کچھ لوگ حضرت امام اعظم کی خدمت میں آئے کہ ہم آپ سے قرأت خلف امام پر مناظرہ کریں گے۔ امام نے فرمایا کہ تم لوگ کئی ایک ہو میں اکیلا ہوں ہر ایک سے کیسے گفتگو کروں گا۔ تم لوگ کسی کو بات کرنے کے لئے چن لو کہ اس کی کہی ہوئی بات تم سب کی ہو۔ اس کا اقرار سب کا اقرار، اس کا انکار سب کا انکار ہو۔ ان لوگوں نے حضرت امام کی اس تجویز کو مان لیا اور ایک شخص کو منتخب کر لیا کہ یہ بات کرے گا۔ اس پر حضرت امام نے فرمایا یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ جب مقتدی نے ایک کو امام مان لیا تو اس کی قرأت مقتدی کی بھی قرأت ہے۔ اس پر وہ لوگ خاموش ہوگئے۔

اس پر ایک معاند بہت خفا ہیں کہ حدیث کے مقابلے میں قیاس سے کام لیا۔ لیکن افسوس کہ یہ صاحب زندہ نہیں رہے۔ ورنہ ہم ان سے کہتے کہ یہ قیاس عقلی نہیں قیاس حدیثی ہے جس کے آپ بھی قائل ہیں اور امام بخاری کو اس میں دنیا کا سب سے بڑا امام مانتے ہیں۔ حضرت امام اعظم نے مذکورہ بالا احادیث کی شرح کی ہے۔ جو فرمایا کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ افسوس کہ قرآن کی مخالفت میں عمل بالحدیث کا دعویٰ اور ایسے گونگے اندھے کہ صحیح حدیث بھی نظر نہیں آئی۔ اور اگر نظر آئی تو اسے کچھ بھی نہیں سمجھے

عمل بالحدیث

احناف عمل بالحدیث میں اتنے آگے ہیں کہ دنیا کا کوئی طبقہ اس میں ان کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ علامہ خوارزمی نے معاندین کا جواب دیتے ہوئے جامع المسانید کے مقدمے میں لکھا ہے کہ امام اعظم کو حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرنے کا طعن وہی دے گا جو فقہ حنفی سے جاہل ہوگا۔ جسے فقہ حنفی سے کچھ بھی واقفیت ہوگی اور وہ منصف ہوگا تو اس کو یہ اعتراف کرنا ہی پڑیگا کہ امام اعظم سب سے زیادہ حدیث کے عالم اور حدیث کی اتباع کرنے والے تھے۔ اس کے دلائل یہ ہیں۔

(۱) امام اعظم حدیث مرسل کو حجت مانتے ہیں۔ اور اسے قیاس پر مقدم جانتے ہیں۔ جب کہ امام شافعی کا عمل اس کے برعکس ہے۔ کہ وہ حدیث مرسل کے بالمقابل قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۲) قیاس کی چار قسمیں ہیں۔ قیاس موثر۔ قیاس مناسب، قیاس شبہ، قیاس طرد۔ امام اعظم اور ان کے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ قیاس مناسب اور قیاس شبہ بالکل بے اعتبار ہیں۔ رہ گیا قیاس طرد تو یہ بھی مختلف فیہ ہے البتہ قیاس موثر کو حجت مانتے ہیں۔ مگر امام شافعی قیاس کی ان چار قسموں کو حجت مانتے ہیں۔ اور قیاس شبہ کا تو ان کے یہاں عام استعمال ہے۔

(۳) امام اعظم کے احادیث پر عمل کا یہ حال ہے کہ ضعیف احادیث پر بھی قیاس کے مقابلے میں عمل فرماتے ہیں۔ جیسے نماز میں قہقہے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ بالکل خلاف قیاس بات ہے۔ مگر ایک حدیث ضعیف میں آیا ہے۔ لہذا امام اعظم نماز میں قہقہہ کو

ناقض وضو مانتے ہیں۔

یہ وہ نظائر ہیں جو امام خوارزمی نے پیش کئے۔ اس قسم کے نظائر اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ان سب کا استقصاء کیا جائے تو دفتر تیار ہو جائے۔ اس کی دوسری نظیر یہ ہے۔ غیر مقلدین منی کو پاک کہتے ہیں۔ احناف کے نزدیک یہ ناپاک ہے۔ غیر مقلدین کا استدلال قیاس ہے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے۔ منی کو ناپاک ہونے کی کوئی دلیل نہیں اس لئے وہ پاک ہے۔ رہ گئی ام المومنین کی وہ حدیث جو بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی دھوتی تھی دھونے کا نشان ہوتا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی کپڑے کو پہنے نماز کو جاتے تھے۔ اس کے بالمعارض مسلم کی دوسری حدیث ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی مل دیتی اور حضور اسی کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اولاً یہ ثابت نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں دھونے کا حکم دیا ہو۔ یہ ام المومنین کا اپنا فعل ہے۔ ثانیاً دیا بھی ہو تو یہ تھوک اور کھنکھار کی طرح گھناؤنی چیز ہے۔ اس لئے دھونے کا حکم دیا۔ ثالثاً اگر یہ ناپاک ہوتی تو مل دینے سے کیسے پاک ہوتی۔ کپڑے پر لگنے والی کوئی نجاست محض مل دینے سے پاک نہیں ہوتی۔

ہر منصف دیکھے کہ حدیث صحیح کو غیر مقلدین قیاس سے رد کر رہے ہیں۔ اور احناف حدیث پر عمل کرتے ہیں جیسا کہ وارد ہے اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ دوسری نجاستوں کے مقابلے میں منی کی یہ خصوصیت ہے کہ جب سوکھ جائے تو ملنے سے پاک ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ نجاست سے پاک کیسے ہوگی یہ قیاس نہیں بالکلیہ سماعی ہے۔ علاوہ ازیں منی کے نجس ہونے کے بارے میں حدیث میں صراحت ہے۔ امام ابن ہمام نے دار قطنی کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کی کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمار سے فرمایا۔

انما یغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقئ والدم والمنی۔

کپڑا پانچ چیزوں سے دھویا جاتا ہے۔ پاخانہ، پیشاب، قے اور خون اور منی سے۔

اس حدیث کی سند پر کلام کیا گیا ہے کہ اس میں ایک راوی ثابت بن حماد ہے اور یہ ضعیف ہے۔ حالانکہ یہی حدیث ثابت بن حماد کے بغیر اوسط طبرانی میں مذکور ہے تو جو ضعف ثابت بن حماد کی وجہ سے تھا وہ دور ہو گیا۔ اسی طرح خود ایک دوسرے راوی علی بن زید پر یہ جرح ہے کہ یہ قابل احتجاج نہیں۔ مگر معترض کو یہ معلوم نہیں کہ یہ مسلم کے رجال سے ہیں۔ علاوہ ازیں عجلی نے کہا لاباس بہ ہے۔ امام ترمذی نے اسے صدوق کہا۔ اسی طرح ایک اور راوی ابراھیم بن زکریا کو بھی کچھ لوگوں نے ضعیف کہا۔ مگر بزار نے اسے ثقہ کہا۔ چلئے یہ حدیث دونوں سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ مگر دو طریقے سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن لغیرہ ضرور ہوئی۔ اور احکام میں حسن لغیرہ حجت۔ اور آگے چلئے ہم مان لیتے ہیں کہ یہ اب بھی ضعیف ہی رہی۔ مگر احناف کا اس پر عمل ہے۔ اور یہی ہمارا مقصد ہے

اور احناف ضعیف حدیث کے ہوتے ہوئے بھی قیاس کے قریب نہیں جاتے اور اہل حدیث بننے کے مدعی صحیح حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرتے ہیں۔

⑤ جب صحیح اور ضعیف حدیث متعارض ہوں تو احناف حدیث صحیح پر عمل کرتے ہیں۔ بخلاف غیر مقلدین وغیرہ کے کہ وہ ضعیف ہی پر عمل کرتے ہیں۔ اس کی مثال یہ مسئلہ ہے کہ ماء قلیل غیر جاری میں نجاست پڑ جائے تو وہ پاک ہے یا ناپاک ہے۔

احناف کہتے ہیں کہ وہ مطلقاً ناپاک ہے۔ خواہ نجاست کا کوئی اثر رنگ، بو، مزہ پانی میں آئے یا نہ آئے۔

امام زہری کہتے ہیں کہ جب تک پانی میں نجاست کا اثر رنگ یا بو یا مزہ ظاہر نہ ہو پانی پاک ہے۔ امام بخاری کا بھی مذہب معلوم ہوتا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ چوہا اگر گھی میں گر جائے تو کیا کیا جائے فرمایا چوہے اور چوہے کے ارد گرد کو پھینک دو اور بقیہ گھی کھاؤ[1]

اس حدیث سے ان لوگوں کا مدعا کیسے ثابت ہوتا ہے۔ یہ خود محل نظر ہے۔ کہ حدیث سے ظاہر ہے کہ بیچے ہوئے گھی کے بارے ہے۔ بہرحال چوہے کے ارد گرد کو پھینکنے کا حکم صاف بتا رہا ہے کہ چوہے کے گرنے سے گھی کا کچھ حصہ ناپاک ہوا۔ یہ لوگ یہ کہیں گے کہ یہی ہمارا منشا ہے۔ چونکہ چوہے کا ارد گرد چوہے سے متاثر ہوگا اس لئے ارد گرد ناپاک ہو گیا۔ لیکن اثر کا مطلب اگر رنگ یا بو یا مزہ کا گھی میں ظاہر ہونا ہے تو یہ مسلم نہیں یہ ضروری نہیں کہ چوہے کے مرتے ہی اس کا رنگ یا مزہ یا بو گھی میں آجائے۔ ہاں اگر دیر تک رہے گا تو ممکن ہے۔ مگر پھر ارد گرد کی تخصیص نہ ہوگی۔ جہاں تک اثر پہونچے سب کو ناپاک ہو جانا چاہئے۔ اور اگر اثر سے نجس ہونا مراد ہے۔ تو ہمارا مدعا ثابت کہ نجاست کے گرنے سے کسی چیز کے ناپاک ہونے کے لئے رنگ یا بو یا مزہ کا سرایت کرنا ضروری نہیں۔ بعض نجاست کے گرنے ہی سے وہ چیز ناپاک ہو جائے گی۔ پھر یہ حکم منجمد کا ہے۔ اور پانی رقیق ہے تو منجمد پر رقیق کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ پھر آخر یہ قیاس ہی تو ہے۔ لہٰذا ان لوگوں نے عمل قیاس پر کیا۔

امام شافعی وغیرہ یہ تفریق کرتے ہیں کہ اگر وہ پانی دو قلے ہے یعنی دو مٹکے ہے تو پاک ہے اس سے کم ہے تو ناپاک۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

اذا کان الماء قلتین لا یحمل الخبث[2] جب پانی دو مٹکے ہو تو وہ نجاست سے متاثر نہیں ہوتا یعنی ناپاک نہیں ہوتا

حالانکہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ پھر مٹکے کی تعیین بہت مشکل ہے۔ مٹکا چھوٹا بھی ہوتا ہے اور بڑا بھی۔ کس مقدار کا مٹکا ہوگا؟۔

دونوں فریق کے بالمقابل احناف کی دلیل یہ حدیث صحیح ہے۔ جسے امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ترمذی، امام

---

[1] بخاری صفحہ ۳۷، [2] مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۔

ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا:۔

لا یبولن احدکم فی الماء الراکد الذی لا یجری   اس پانی میں جو ٹھہرا ہوا ہو بہتا نہ ہو ہرگز پیشاب مت کرو۔ پھر اسی میں

غسل کرو۔

ثم یغتسل فیہ [1]

اب انصاف کرنے والے انصاف کریں کہ حدیث صحیح پر احناف عمل کر رہے ہیں۔ امام شافعی اس کے بالمقابل حدیث ضعیف پر اور امام بخاری قیاس پر پھر بھی احناف تارک حدیث اور عامل بالقیاس ہیں؟۔

⑤ اگر دو مضمون کی احادیث متعارض ہوں اور دونوں صحیح ہوں تو احناف ترجیح اس روایت کو دیتے ہیں جس کے راوی زیادہ فقیہ ہوں۔ اس کی نظیر رفع یدین کا مسئلہ ہے۔ امام اوزاعی اور حضرت امام اعظم سے مکہ معظمہ میں دار الحناطین میں ملاقات ہوئی۔ امام اوزاعی نے امام اعظم سے کہا۔ کیا بات ہے کہ آپ لوگ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین نہیں کرتے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اس بارے میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی صحیح روایت نہیں۔ امام اوزاعی نے کہا کیسے نہیں۔ حالانکہ مجھ سے زہری نے حدیث بیان کی وہ سالم سے ، سالم اپنے والد ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے جب رکوع میں جاتے جب رکوع سے اٹھتے تو رفع یدین کیا کرتے تھے۔ اس کے جواب میں حضرت امام اعظم نے فرمایا۔ ہم سے حماد نے حدیث بیان کی وہ ابراہیم نخعی سے وہ علقمہ سے وہ اسود سے وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ اس کے بعد پھر نہیں کرتے تھے۔ اس پر امام اوزاعی نے کہا کہ میں عن الزھری عن سالم عن ابیہ حدیث بیان کرتا ہوں۔ اور آپ کہتے ہیں حدثنی حماد عن ابراھیم عن علقمۃ حضرت امام اعظم نے فرمایا۔ حماد، زہری سے افقہ ہیں۔ اور ابراھیم، سالم سے افقہ ہیں اور علقمہ فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں۔ اگرچہ صحابی ہونے کی وجہ سے علقمہ سے افضل ہیں۔ اسود اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی فقہ میں برتری سب کو معلوم ہے۔

امام اوزاعی نے حدیث کو علو سند سے ترجیح دی۔ اور امام اعظم نے راویوں کے افقہ ہونے کی بنیاد پر۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر دو متضاد باتیں دو فریق سے مروی ہوں۔ دونوں ثقہ ہوں مگر ایک فریق کے راوی زیادہ عالم زیادہ ذہین زیادہ سمجھ دار ہوں تو ہر دیانت دار عاقل اسی بات کو ترجیح دے گا جو فریق ثانی سے مروی ہو۔

اس سلسلے میں ایک لطیفہ بھی سنتے چلئے۔ غیر مقلدیت کے معلم اول میاں اسماعیل دہلوی جب رفع یدین کرنے لگے تو کسی نے انھیں ٹوکا تو فرمایا۔ کہ یہ سنت مردہ ہو چکی تھی۔ میں اس کو زندہ کر رہا ہوں۔ اور حدیث میں مردہ سنت زندہ کرنے پر سو شہیدوں کے

---

[1] بخاری شریف ج ۱ ص۳۸۔

ثواب کی بشارت ہے۔ ٹوکنے والے تو چُپ رہے۔ مگر جب یہ بات شاہ عبدالقادر نے سنی تو کہا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ پڑھے لکھے کے بعد اسماعیل کو کچھ آتا ہوگا۔ مگر اسے کچھ نہیں آیا۔ حدیث میں یہ بشارت اس وقت ہے جب سنت کے مقابلہ میں بدعت ہو سنت نہ ہو یہاں تو دونوں سنت ہیں [1]

شُبہات اور جوابات

اگر ہم چاہیں تو اس قسم کی صدہا نظیریں پیش کر دیں مگر مقدمہ طویل سے طویل تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس قسم کے ابحاث کے لئے پوری کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ بات اس وقت تک مکمل نہ ہوگی جب کہ معاندین کے اعتراضات میں سے چند نقل کر کے ان کی قلعی کھول دی جائے اس لئے اب ہم چند اعتراضات کو پیش کر کے اس کے جوابات ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔

پہلا اعتراض حدیث مُصَرّاۃ کی خلاف ورزی کا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے۔ ایک حدیث ہے۔ کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

[illegible] الابل والغنم فمن ابتاعها بعد ذلك فانه بخير النظرين بعد ان يحلبها ان شاء امسك وان شاء ردها وصاع من تمر [2]

بیچنے کے لئے اونٹ اور بکری وغیرہ کا دودھ دوہنا چھوڑ دو جس نے اس کے بعد خریدا تو دوہنے کے بعد اسے اختیار ہے اگر راضی ہے تو جانور روک لے ورنہ جانور واپس کر دے اور ایک صاع کھجور بھی دے۔

یہ بخاری کی روایت ہے۔ مسلم شریف میں یہ زائد ہے کہ اسے تین دن تک خیار حاصل ہے اگر لوٹائے تو ایک صاع طعام دے گیہوں نہیں۔ اس عہد میں طعام کا اطلاق جَو پر ہوتا تھا۔ جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی بخاری میں مروی ہے انھوں نے فرمایا۔

كان طعامنا يومئذ الشعير ان دنوں ہمارا کھانا جَو تھا۔

لوگوں کی عادت تھی کہ جب جانور بیچنا ہوتا تو کچھ دن پہلے ہی سے اس کا دودھ دوہنا بند کر دیتے۔ تاکہ خریدار جب دوہے تو [illegible] کر یہ جانور اتنا زیادہ دودھ والا ہے۔ تاکہ قیمت زیادہ سے زیادہ دے۔ یہ ایک طرح کا دھوکہ تھا۔ اس لئے منع فرمایا گیا۔ اور چونکہ اس میں

---

[1] بخاری شریف ج ۱ ص [illegible]۔ [2] ارواح ثلثہ ص ۹۳،

تنازع بھی امکان قوی ہے اس لئے اس کا حل ارشاد ہوا۔

اس خصوص میں امام شافعی کا مسلک وہی ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے مگر امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ۔ اس صورت میں خیار نہیں۔ بظاہر یہ حدیث کے صریح منطوق کے خلاف ہے۔ مگر حقیقت کچھ اور ہے۔ امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اس پر بہت مفصل بحث کی ہے۔ کہ امام اعظم کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ لکھتے ہیں۔

ذھبوا الی ان ما روی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فی ذلک مما تقدم ذکرنا لہ فی ھذا الباب منسوخ۔

یعنی امام اعظم کی تحقیق یہ ہے کہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے جو کچھ مروی ہے وہ منسوخ ہے۔

اور اس پر اجماع ہے کہ حدیث منسوخ پر عمل جائز نہیں۔ اور ثابت فرمایا کہ یہ اس حدیث سے منسوخ ہے جو حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ فرمایا۔

نھی النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم عن بیع الکالی بالکالی۔

نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ایسی بیع سے منع فرمایا جس میں مبیع اور ثمن دونوں ادھار ہوں۔

اور یہاں ایک عوض دودھ ہے جو ادھار ہے کہ ابھی وہ موجود ہی نہیں۔ اور دوسرا عوض ایک صاع کھجور یا جو ہے۔ وہ بھی مشتری نے ابھی نہیں دے رہا ہے۔ اس لئے یہ اگر بیع ہے تو بیع الدین بالدین ہوئی۔ اور فرمایا۔ نیز اس کا نسخ اس حدیث سے بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا۔

الخراج بالضمان۔

مبیع سے مشتری جو فائدہ حاصل کرے وہ مشتری ہی کا ہے۔

اس حدیث کو تمام امت نے قبول کیا حتی کہ امام شافعی نے بھی۔ وہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ اگر بیع کے بعد مشتری مبیع میں کسی عیب پر مطلع ہو جس کی وجہ سے اسے واپس کر دیا تو مشتری نے مبیع سے جو فائدہ حاصل کیا اس کا کوئی عوض نہیں۔ مثلاً بکری خریدی۔ تین چار دن اس کا دودھ کھایا پھر کسی عیب پر واقف ہوا اور اسے واپس کر دیا تو جو دودھ کھایا ہے اس کا کوئی عوض مشتری نہیں دے گا۔ دلیل یہی حدیث ہے۔ اسی طرح مُصَرَّاۃ میں بھی کوئی ضمان نہیں ہونا چاہئے۔ اگر بالفرض تاریخ نہ معلوم ہونے سے نسخ کا دعوی نہ بھی درست ہو تو اتنا تو ظاہر ہے کہ یہ حدیث مصراۃ۔ دوسری حدیثوں کے معارض ہے۔ تو ایک حدیث کا ترک دوسری حدیثوں پر عمل کر کے لئے ہوا۔ تو یہ الزام کہ قیاس سے حدیث کو ترک کیا سراسر غلط ہے۔

یہ حدیث امت کے کئی مسلمات کے خلاف ہے۔ اولاً یہ بات پوری امت کو مسلم ہے کہ جب کسی چیز کو کسی کا عوض قرار دیا جائے تو عوض کی مقدار اور کم از کم جنس معلوم ہونی ضروری ہے۔ یہاں دودھ کی جنس تو معلوم ہے مگر مقدار معلوم نہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر جانور

ایک ہی مقدار میں دودھ نہیں دیتا۔ سوچئے اونٹ اور بھیڑ بکری برابر ہی دودھ دیتے ہیں؟ پھر جانور کی واپسی ایک دن کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور تین دن کے بعد بھی۔ ایک دن اور تین دن میں دودھ کی کتنی مقدار بڑھ جائے گی گھٹ جائے گی۔ اور معاوضہ صرف ایک صاع کھجور ہے۔ خواہ اونٹ خواہ بھیڑ، بکری، گائے بھینس۔ ایک دن میں واپس کرے خواہ تین دن کے بعد۔

ثانیاً یہ ایک صاع کھجور یا جو اس دودھ کا ضمان ہے جو مشتری نے کھایا ہے۔ اور ضمان کی شارع نے صرف دو ہی صورت رکھی ہے۔ مثلی چیزوں میں مثل اور غیر مثلی میں قیمت۔ ظاہر ہے کہ اگر دودھ کو مثلی مانو جیسا کہ حقیقت ہے تو اس کا ضمان اتنا دودھ لازم تھا نہ کہ کھجور یا جو۔ اور اگر اسے مثلی نہ مانیں ذوات القیم سے مانیں تو ظاہر ہے کہ اس تھنے کی مختلف صورتوں میں دودھ کی قیمت ہمیشہ ایک صاع کھجور یا جو کے برابر نہ ہوگی کم و بیش ہوگی۔ فرض کرو یہ جانور اونٹ ہے اور تین دن کے بعد واپس کیا تو ظاہر ہے کہ دودھ کی مقدار زیادہ ہوگی۔ اور اگر فرض کرو یہ جانور بکری ہے اور اسے دوسرے ہی دن واپس کیا تو دودھ کی مقدار بہت کم ہوگی۔ پھر ہر صورت ہر جانور میں ایک صاع کھجور یا جو ضمان دینا کیسے درست ہوگا۔

ثالثاً اس قسم کے عقد کی ممانعت فریقین کے نزدیک مسلم الثبوت احادیث سے ثابت ہے۔ مثلاً فرمایا۔ کہ جو کھجور درخت پر ہو اسے کسی مقررہ مقدار کھجور سے نہ بیچو۔ کھیتی کو مقررہ غلے کے عوض نہ بیچو۔ اگرچہ یہاں کھیتی سامنے ہے۔ کھجور نظر کے سامنے ہے ایک تجربہ کار قریب قریب صحیح اندازہ لگا سکتا ہے۔ مگر چونکہ کھیتی میں کتنا غلہ ہے۔ درخت پر کتنی کھجوریں ہیں۔ ان کی صحیح مقدار معلوم نہیں اس لئے منع فرمایا۔ یہاں بھی جہالت ہے۔ دودھ کی مقدار کیا ہے یہ معلوم نہیں۔ حدیث مُصراۃ حد التواتر تک مسلم احادیث کے معارض ہے۔ اسلئے اس کی صحت میں شبہ ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اگر مزابنت اور محاقلت میں سود کا اندیشہ ہے تو یہاں بھی ہے اس لئے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سود کی بنیاد طعم اور ثمنیت ہے۔ دودھ اور کھجور یا جو میں دونوں باتیں مشترک ہیں۔ یہ حدیث کا قیاس سے ترک ہونا نہ ہوا بلکہ حدیث کا حدیث مسلم عند الکل کے ساتھ معارض ہونے کی وجہ سے ترک ہوا۔ اور اس کی کثیر نظیریں عہد صحابہ میں موجود ہیں۔

① حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف یہ منسوب کیا کہ حضور نے فرمایا۔

الوضوء مما مست النار۔ جسے آگ نے چھو یا ہو اس سے وضو ہے۔

مثلاً آگ پر پکی ہوئی کوئی چیز کھائی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اسی بنا پر بعض ائمہ اس کے قائل ہیں کہ گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی تو وہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی موجود تھے۔ انھوں نے حضرت ابوہریرہ کے سامنے یہ معارضہ پیش کیا۔

انتوضأ من الدھن انتوضأ من الحمیم۔ کیا تیل کے استعمال سے یا گرم پانی کے استعمال سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

اس کے جواب میں حضرت ابوہریرہ نے فرمایا۔ اے بھتیجے! جب حدیث رسول بیان کروں تو مثالیں نہ دیا کرو۔ مگر حضرت ابن

عباس اپنی رائے پر قائم رہے۔ اور یہی جمہور کا مذہب ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضو نہیں جاتا۔ کیا جہلا احناف کو یہ الزام دیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے قیاس کی بنا پر حدیث کو ترک کردیا۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، حضرت ابن عباس کے یہ حدیث بیان کی۔ کہ جو جنازہ اوٹھائے وضو کرے۔ اس پر حضرت ابن عباس نے کہا۔

ھل یلزمنا الوضوء من حمل عیدان یابسۃ لہ کیا سوکھی لکڑیاں اٹھانے سے ہم پر وضو لازم ہے۔

بعض حضرات نے ابو ہریرہ کی اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ جنازہ اوٹھانے والا وضو کرکے جنازہ اٹھائے تاکہ نماز جنازہ پڑھنے میں تاخیر نہ ہو۔ لیکن اگر حضرت ابو ہریرہ کی مراد یہ تھی تو انھیں جواب دینا چاہئے تھا۔ کہ میری مراد یہ ہے یا اپنی بیان کردہ حدیث کے مفہوم کو وہ بہتر سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عباس کے مواخذہ پر خاموشی اس کی دلیل ہے کہ ان کی مراد یہی تھی کہ جنازہ اٹھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ معاندین احناف ابن عباس کو کیا کہیں گے؟

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا۔ کہ ایک شخص نے نکاح کیا اور مہر کچھ مقرر نہیں کیا۔ پھر مرگیا اس کی یہ زوجہ مہر پائے گی یا نہیں؟۔ پائے گی تو کتنی؟۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مہینہ تک غور و خوض کیا پھر یہ فتوی دیا۔ میں نے اس بارے میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا۔ میں اپنی رائے بتاتا ہوں اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر درست نہیں تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے۔ اس عورت کو مہر مثل دیا جائے۔ نہ کم، نہ زیادہ۔ اسی مجمع میں معقل بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے۔ کھڑے ہوئے اور کہا۔ میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ بروع بنت واشق کے بارے میں حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا تھا۔ یہ سنکر حضرت ابن مسعود اتنے خوش ہوئے کہ کبھی اتنے مسرور نہیں دیکھے گئے تھے۔ لیکن حضرت علی نے معقل بن سنان کی یہ حدیث نہیں تسلیم کی اور یہ کہہ کر اسے مسترد کردیا۔

مانصنع بقول اعرابی بوال علی عقیبیہ حسبہا المیراث ولا مہر لہا۔ اپنی ایڑیوں پر پیشاب کرنے والے گنوار کی بات پر ہم کان نہیں دھرتے۔ اس عورت کو صرف میراث ملے گی۔ مہر اسکے لئے نہیں۔

حضرت علی کا یہ قول نہ بھی ثابت ہو تو اتنا قطعی ہے کہ حضرت علی کا قول یہی ہے کہ ایسی عورت کو صرف میراث ملے گی۔ اور مہر نہیں ملے گا۔ اور یہی حضرت زید بن ثابت اور ابن عباس اور ابن عمر کا بھی مذہب ہے۔ اب بتائیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ

لہ حاشیہ ص۱۴۷، لہ ترمذی ص۱۳۳، ابن ماجہ ص۱۳۳، لہ نور الانوار ص۱۸۳، لہ ترمذی شریف ج۱ ص۱۳۳،

اور ان تینوں فقہاء صحابہ کے بارے میں کیا فتوی ہے؟۔ یہ اہل رائے تھے یا اہل حدیث؟۔

(۲) ترمذی میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس نے یہ حدیث بیان کی۔ کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے شوہر سے انھیں نہ عدت کا نفقہ دلایا اور نہ رہنے کے لئے مکان دلایا۔ راوی حدیث مغیرہ کا بیان ہے کہ میں نے یہ حدیث ابراھیم سے ذکر کی تو انھوں نے کہا اس پر حضرت عمر نے یہ فرمایا۔[1]

لاندع کتاب اللہ و سنۃ نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقول امرأۃ لاندری احفظت ام نسیت فکان عمر جعل لها السکنٰی والنفقۃ

ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے۔ پتہ نہیں اس نے یاد رکھا یا بھول گئی۔ حضرت عمر نے ایسی عورت کو نفقہ بھی دلایا اور مکان بھی۔

شارحین نے کہا کہ کتاب اللہ سے مراد سورۂ طلاق کی یہ دونوں آیتیں ہیں۔

(۱) وَلَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ۔ — انھیں عدت کے دوران انکے گھروں سے نہ نکالو۔ اور نہ وہ خود نکلیں

(۲) اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ۔ — جہاں خود رہتے ہو وہیں انھیں رکھو اپنی طاقت بھر۔

لیکن گزارش یہ ہے کہ ان آیتوں میں یہ تصریح نہیں ہے کہ طلاق والی کے لئے ہے۔ اور آپ کے نزدیک خبر واحد سے کتاب اللہ کی تخصیص جائز تو کیوں نہ اسے فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے حضرت عمر نے خاص فرمایا۔ آپ لوگوں کی زبان میں یہ حضرت عمر کا قیاس تھا۔ کہ انھوں نے ان آیتوں کو اپنے عموم میں رکھا۔ تو یہ قیاس سے حدیث کا رد کرنا ہوا۔ بولئے حضرت عمر کے بارے میں کیا حکم ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت عمر نے صحابۂ کرام کے مجمع عام میں یہ فیصلہ فرمایا۔ سب نے سکوت کیا۔ کیا اب صحابۂ کرام قیاسی تھے؟۔

رہ گئی وہ حدیث جو اس کے معارض ہے۔ وہ ترمذی میں مذکور نہیں۔ البتہ احناف کے اصول فقہ میں مذکور ہے۔ کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ایسی عورت کے لئے نفقہ اور سکنی ہے۔ یہاں بھی احتمال ہے کہ کہیں جو حضرت عمر نے سنا وہ مطلق مطلقہ کے لئے ہو۔ اور اسی پر مطلقہ ثلثہ کو قیاس فرمایا۔ جیسا کہ کتاب اللہ کے سلسلے میں ظاہر ہو گیا۔ اور اگر بالفرض یہ ارشاد خاص مطلقہ ثلثہ کے بارے میں ہی ہو۔ تو ایک حدیث کی دوسرے پر ترجیح کی وجہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا افقہ ہونا ہے۔ اور یہی احناف بھی کہتے ہیں۔ کہ تعارض کے وقت ترجیح اس روایت کو ہوگی جس کے راوی زیادہ فقیہ ہوں۔ لیکن اب ہمیں یہ بتایئے کہ

---

[1] ترمذی جلد اول ص ۱۴۲

حضرت امام مالک امام شافعی لیث بن سعد کا مذہب یہ ہے کہ اسے رہنے کے لئے مکان ملے گا مگر نفقہ نہیں ملے گا۔ ترمذی میں ہے۔

قال بعض العلماء لہا السکنیٰ ولا نفقۃ لہا وھو — بعض اہل علم نے کہا۔ اسے رہنے کے لئے مکان ملے گا نفقہ نہیں ملے گا۔

قول مالک بن انس واللیث بن سعد والشافعی — یہ مالک بن انس، لیث بن سعد اور شافعی کا مذہب ہے۔

ان تینوں ائمہ کو کس زمرے میں داخل مانتے ہو۔ اہل رائے کے یا اہل حدیث کے؟

ایک اور الزام حدیث مُصَرَّاۃ کی طرح احناف کو حدیث کے بالمقابل قیاس پر عمل کرنے کا بہت زیادہ طعن، اشعار کی کراہت کے قول سے دیا جاتا ہے۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ ایام حج میں جو جانور مکہ معظمہ قربانی کے لئے لے جائے جاتے ہیں جنہیں بدی کہتے ہیں انھیں شناخت کے لئے یا تو گردن میں کچھ پہنا دیا جاتا ہے۔ یا پھر ان کے کوہان میں معمولی سا زخم لگا دیا جاتا ہے۔ اسے اشعار کہتے ہیں۔ احادیث میں ہے۔ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اشعار کیا۔ حضرت امام اعظم نے اشعار کو منع فرمایا اس پر قیامت سر پر اٹھالی گئی۔ حالانکہ ہم اس کی بھی بکثرت نظیریں پیش کر سکتے ہیں۔ کہ احادیث کی صحت تسلیم کرتے ہوئے صحابہ کرام نے حدیث کے صریح منطوق کے خلاف اپنی رائے دی۔ مثلاً صحیح حدیث میں ہے کہ فرمایا۔

لا تمنعوا اماء اللّٰہ مساجد اللّٰہ — اللہ کی کنیزوں کو اللہ کی مسجدوں میں حاضر ہونے سے مت روکو۔

اور عیدین کی حاضری کے لئے فرمایا۔

ولیشہدن الخیر ودعوۃ المسلمین۔ — بھلائی اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں۔

لیکن ام المومنین حضرت صدیقہ نے فرمایا۔

لو رأی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ما احدثت النساء لمنعھن کما منعت نساء بنی اسرائیل۔ — آج عورتوں نے جو بنا رکھا ہے اگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیکھتے انہیں مسجدوں سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں۔

اور بالآخر آج پوری امت نے بالاتفاق عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا ہے۔ بولئے پوری امت نے بھی وہی جرم کیا یا نہیں جو جرم ابوحنیفہ نے کیا۔ جو اس کا جواب ہے وہی ہمارا جواب ہے۔

اشعار کے کراہت کی وجہ اشعار جو مسنون تھا وہ صرف یہ تھا کہ اونٹ کے دائیں یا بائیں کوہان کے نیچے تھوڑا سا چیرے میں نشان لگا دیں کہ کچھ خون بہہ جائے لیکن جب لوگوں نے اس میں تعدی کی اور گہرے گہرے زخم لگانے لگے جو گوشت پر پہنچ جاتا۔ اس میں بلا ضرورت شرعیہ جانور کو ایذا بھی دی تھی اور یہ بھی خطرہ تھا کہ یہ زخم بڑھ کر جانور کے ہلاک ہونے کا سبب نہ بن جائے تو امام اعظم نے اپنے زمانے کے اشعار کو مکروہ بتایا۔ مذہبی ارکان کی ادا میں کبھی کبھی عوام کا جوش تعدی کی حد تک بڑھ جاتا ہے۔ یہی حال اشعار میں بھی ہونے لگا تھا اس لئے صاحب الباب الفقہ امام اعظم نے اسے مکروہ بتایا۔ جیسے عورتوں کو اس زمانے میں مسجد میں نماز کے لئے جانے سے

روکنا حدیث لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ۔ کے منافی نہیں۔ اسی طرح اشعار میں تعدی کی بنا پر اشعار کو مکروہ کہنا، حدیث کے منافی نہیں۔ یہ لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ہے۔

اس قسم کے الزامات حضرت امام اعظم کے عہد میں بھی لگائے گئے جس سے بڑے بڑے ائمہ متاثر بھی ہوئے۔ مگر جب رو برو گفتگو ہوئی تو لوگوں کے شکوک و شبہات دور ہو گئے۔ جس کی مثالیں اوپر گزر چکی ہیں۔

زیادہ غلط فہمی اس وجہ سے ہوئی کہ اصول فقہ میں ایک قاعدہ عام طور پر لکھا ہے کہ اگر راوی فقیہ ہے تو اس کی حدیث قیاس کے بالمقابل راجح ہوگی۔ اور اگر فقیہ نہیں تو قیاس کو ترجیح ہوگی۔ لیکن کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ یہ حضرت امام اعظم نے کہیں بھی فرمایا ہو۔ فقہ، اصول فقہ کے لاکھوں صفحات میں نے دیکھ ڈالے مگر کہیں یہ نہیں ملا کہ یہ امام اعظم نے فرمایا ہے۔ اصول فقہ میں یہ تصریح ہے کہ یہ صرف عیسی بن ابان اور ان کے کچھ متبعین کی ذاتی رائے ہے۔ امام ابو الحسن کرخی وغیرہ اس کے مخالف ہیں۔ مسلم الثبوت اٹھا کر دیکھو انھوں نے امام ابو الحسن کرخی ہی کے قول کو ترجیح دی ہے۔ یہ کتنی بڑی جرأت ہے کہ اگر کوئی بات کسی ایک یا چند حنفی عالم نے کہہ دی تو بلا ثبوت اس کو امام اعظم کے سر تھوپ دیا گیا۔ جب کہ خود احناف اس کے مخالف ہوں اور اسے غیر صحیح کہہ رہے ہوں۔

(۱) پھر احناف کے نزدیک اس قاعدے کے ناقابل اعتبار ہونے کے نظائر بھی بکثرت ہیں۔ مثلاً نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جانا۔ یہ قیاس کے خلاف ہے۔ اور یہی امام مالک وغیرہ کا مذہب بھی ہے کہ یہ ناقض وضو نہیں۔ امام محمد اس پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولولا ما جاء من الآثار كان القياس على ما قال اهل المدينة لكن لا قياس مع الاثر ولا ينبغي الا ان ينقاد للآثار۔

اگر حدیث نہ ہوتی تو قیاس وہی تھا جو اہل مدینہ کہتے ہیں۔ لیکن حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کچھ نہیں۔ صرف احادیث ہی کی اتباع کرنی چاہئے۔

(۲) رمضان میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ یہ حدیث سے ثابت ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ جب کھا پی لیا تو روزہ ٹوٹ گیا۔ مگر امام اعظم نے فرمایا۔

ولولا ما جاء في هذا من الآثار لامرت بالقضاء۔

اگر اس بارے میں احادیث نہ ہوتیں تو میں اسے روزے کی قضا کا حکم دیتا۔

احادیث کے علل قادحہ خفیہ یہاں ایک نکتہ یہ قابل لحاظ ہے۔ کہ احادیث کی صحت و عدم صحت میں بھی اختلاف رائے ہوا ہے۔ ایک ہی حدیث دسیوں محدثین کے نزدیک صحیح ہے مگر دوسرے محدثین اس کو ضعیف کہتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ جس حدیث کو آپ صحیح کہتے ہوں وہ واقع میں بھی صحیح ہو۔ یا وہ دوسرے محدثین کے نزدیک بھی صحیح ہو۔ اور جسے آپ ضعیف کہتے ہوں وہ واقع میں ضعیف ہی ہو۔ یا دوسرے محدثین کے نزدیک ضعیف ہو۔ اسکی ایک مثال وہ احادیث ہیں کہ جن سے آمین بالجہر ثابت کیا جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی حدیث امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں جسے انہوں

میں ایک بھی ان کے نزدیک صحیح ہوتی تو جب کہ امام بخاری نے آمین بالجہر کا باب باندھا ہے تو اسے ضرور ذکر فرماتے آمین بالجہر کا باب باندھنے کے باوجود بھی ان حدیثوں میں سے کسی حدیث کو ذکر نہ کرنا اسکی دلیل ہے کہ یہ احادیث امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں۔ مگر دوسرے محدثین اسے صحیح مانتے ہیں۔

دوسری مثال یہ حدیث ہے۔[۱]

من صلی خلف الامام فان قرأة الامام له قرأة۔ جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اسکی قرأت ہے۔

معاندین اس حدیث میں طرح طرح کے کیڑے نکالتے ہیں۔ مگر یہ حدیث صحیح پر قدح ہر علت سے پاک ہے۔ امام محمد نے موطا میں ایسی سند کے ساتھ جس کے تمام رجال صحاح ستہ کے رجال ہیں، روایت کیا۔ امام ابن ہمام[۲] نے فرمایا۔ یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ محدثین نے صحت کے معیار الگ الگ قائم کئے ہیں۔ مثلاً حضرت امام اعظم کے نزدیک دیگر اور شروط کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ راوی حدیث کو سننے کے وقت سے لے کر ادا کے وقت تک یاد رکھے ہو۔ یہ کڑی شرط امام بخاری اور مسلم کے یہاں بھی نہیں۔ امام بخاری کے یہاں حدیث معنعن میں معاصرت کے ساتھ لقاء شرط ہے۔ امام مسلم کے یہاں لقاء کی شرط نہیں صرف معاصرت کافی ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان قول و فعل نہیں۔ امام بخاری اس کی حدیث نہیں لیتے۔ بقیہ تمام محدثین لیتے ہیں۔ احناف اور جمہور محدثین کے یہاں حدیث مرسل حجت ہے۔ کچھ محدثین کے یہاں حجت نہیں۔ ان شرائط کے اختلاف سے احادیث کی صحت اور عدم صحت میں اختلاف ہوسکتا ہے بلکہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ رواۃ کے بارے میں مختلف نظریات ہیں۔ ان کی وجہ سے بھی اختلاف پیدا ہوا ہے۔ پھر ان ظاہر وجوہ سے ہٹ کر کبھی بظاہر حدیث صحیح ہے۔ متصل السند ہے۔ تمام راوی ثقہ ہیں۔ کوئی خرابی نہیں نظر آتی مگر ایک ماہر حدیث کا نقاد، حاذق اسے کسی خفی علت کی بنا پر ضعیف کہہ دیتا ہے۔ پھر لطف یہ کہ محدثین خود ہی تصریح کرتے ہیں۔ کہ کبھی خود ناقد وہ وجہ نہیں بیان کر سکتا جو اس کے متعلق ہونے کی ہے۔ جیسے ایک صراف سونے چاندی کو پرکھ کے خود جان لیتا ہے کہ کھری ہے کہ کھوٹی مگر دوسرے کو بتا نہیں پاتا۔ مشہور محدث ابوحاتم سے کسی نے چند حدیثوں کے بارے میں سوال کیا۔ انھوں نے بعض کو صحیح بعض کو شدید منکر بتایا۔ سائل نے عرض کیا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ کیا راویوں نے آپ کو یہ تفصیل بتائی ہے؟۔ ابوحاتم نے کہا نہیں۔ مجھے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس نے کہا کیا آپ غیب جانتے ہیں؟۔ فرمایا تم دوسرے ماہرین سے پوچھ لو اگر وہ میری موافقت کریں تو مانو۔ اس نے جاکر انھیں کے معاصر دوسرے محدث ابو زرعہ سے پوچھا۔ انھوں نے بھی وہی کہا جو ابوحاتم نے کہا تھا۔ اب اسکو اطمینان ہوا۔[۳] امام بخاری کے استاذ اور مسلم الثبوت محدث علی بن مدینی نے کہا۔

---

[۱] موطا، [۲] فتح القدیر ص۲۲۷، [۳] فتح المغیث،

هي الهام ولو قلت للقيم بالعلل من اين لك هذا لم يكن له حجة [1]

یہ الہام ہے۔ اگر علل کے ماہر سے پوچھو کہ تم نے کس بنا پر اسے معلل کہا تو وہ کوئی دلیل نہیں پیش کرسکتا۔

بعض محدثین نے اسی کو یوں کہا ہے۔

امر يهجم على قلوبهم لا يمكنهم رده وهيئة نفسانية لا معدل لهم عنه

یہ ایک اثر ہے جو محدثین کے دل میں وارد ہوتا ہے۔ جسے وہ رد نہیں کرسکتے اور ایک نفسیاتی تأثر ہے جس سے وہ صرف نظر نہیں کرسکتے۔

اور کچھ حضرات نے یہ کہا۔ کہ صحیح احادیث میں ایک خاص نورانیت ہوتی ہے۔ وہ جب کسی میں نہیں ملتی تو محدث جان جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

محدثین کو من جانب اللہ ایسا ملکہ حاصل ہوتا بعید از قیاس نہیں۔ کہ وہ اپنی فراست ایمانی سے یہ فرق کرسکیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے یا نہیں۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فعل ہے یا نہیں۔ حضرت امام اعظم اپنے وقت کے [illegible] بلکہ حدیث کے اعتبار سے بھی ایک عظیم ہی نہیں اعظم جلیل ہی نہیں اجل کبیر ہی نہیں اکبر محدث بھی تھے۔ اور ایسے ماہر حاذق کہ احادیث سے متعلق تمام اسرار و رموز سے کما حقہ واقف تھے۔ اور ساتھ ساتھ بے مثال مجتہد بھی۔ انھوں نے اپنے اس خداداد ملکہ سے کام لیکر [illegible] احادیث علل خفیہ قادحہ کی بنا پر معلل ہونے کی وجہ سے ترک کردیا۔ تو یہ حقیقت میں عمل بالحدیث کا ترک نہ ہوا۔ لیکن معاندین کا کوئی علاج نہیں۔

معانی حدیث کی فہم

پھر قرآن و حدیث کے معانی کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں۔ حدیث گزر چکی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ عزوجل جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے۔ (۱) اسی بخاری کتاب العلم میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد مذکور ہے۔

الا فهم أعطيه رجل مسلم [2]

مگر وہ سمجھ جو کسی مسلمان کو دی گئی ہو۔

پھر سمجھنے والے بھی مختلف مدارج کے ہوتے ہیں۔ ایک چیز سے ایک بات ایک کے سمجھ میں آتی ہے۔ اور دوسرے لوگ اسے نہیں سمجھ پاتے ہیں۔

(۱) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اخیر عمر مبارک دوران خطبہ فرمایا۔

---

[1] فتح المغیث [2] بخاری شریف ج ۱ ص ۲۱

ان اللہ خیر عبدا بین الدنیا وبین ما عندہ — اللہ نے ایک بندے کو یہ اختیار دیا کہ دنیا پسند کرے یا حضوری بارگاہ اس بندے نے حضوری بارگاہ پسند کیا۔

فاختار ذلک العبد ما عندہ۔

یہ سنکر حضرت ابوبکر رونے لگے۔ حضرت ابوسعید خدری راوی حدیث کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اس پر تعجب ہوا، رو کیوں رہے ہیں مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بندہ مختار خود حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے۔ اور ابوبکر ہم سب سے زیادہ علم والے تھے۔[1]

(۴) حضرت فاروق اعظم، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنے قرب رکھتے تھے۔ یہ بات دوسرے بزرگوں کو ناپسند ہوئی کہ ہمارے لڑکوں کو اتنا قریب کیوں نہیں کرتے۔ خدمت میں عرض کیا۔ حضرت عمر نے سب کے صاحبزادوں کو اور ابن عباس کو بھی بلایا۔ اور دریافت کیا کہ سورۂ اذا جاء سے کیا سمجھتے ہو۔ کچھ صاحبزادے تو بالکل خاموش رہے۔ کچھ نے عرض کیا۔ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب ہماری مدد ہوئی ہمیں فتح نصیب ہوئی تو ہم اللہ کی تسبیح و تحمید کریں۔ استغفار کریں۔ یعنی اس کا شکر کریں۔ حضرت عمر نے حضرت ابن عباس سے پوچھا تم کیا کہتے ہو تو انھیں نے عرض کیا۔ اس میں حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے قرب کی خبر دی جا رہی ہے۔

کچھ اسی قسم کا معاملہ حضرت امام اعظم اور ان کے معاصرین و معاندین کا بھی ہے۔ حضرت امام اعظم کو اللہ عزوجل نے قرآن و احادیث کے معانی کے سمجھنے کی ایسی قوت و صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ جو دوسروں میں نہ تھی۔ دوسروں کی نظریں الفاظ کی سطح تک رہتیں۔ اور حضرت امام اعظم کی نکتہ رس فہم معانی کے دقیق سے دقیق اور ادق سے ادق بطون تک پہونچ جاتی۔ جس پر یہ لوگ خود حیران رہ جاتے ان میں جنھیں اللہ چاہتا۔ امام کی جلالت کو تسلیم کر لیتا۔ ورنہ وہ معاندانہ روش پر اڑا رہتا۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی نے الخیرات الحسان میں خطیب کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام ابو یوسف نے فرمایا۔ حدیث کی تفسیر اور حدیث میں جہاں جہاں فقہی نکات ہیں ان کا جاننے والا میں نے امام ابو حنیفہ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔ میں نے جب کبھی ان کا خلاف کیا پھر غور کیا تو ان کا مذہب آخرت میں زیادہ نجات دہندہ نظر آیا۔ ایک بار حضرت امام اعظم، حضرت سلیمان اعمش کے یہاں تھے۔ امام اعمش سے کسی نے کچھ مسائل دریافت کئے۔ انھوں نے امام اعظم سے پوچھا۔ آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت امام اعظم نے ان سب کے حکم بیان فرمائے۔ امام اعمش نے پوچھا کہاں سے یہ کہتے ہو۔ فرمایا۔ آپ ہی کی بیان کردہ ان احادیث سے اور ان احادیث کو مع سندوں کے بیان کر دیا۔ امام اعمش نے فرمایا۔ بس بس، میں نے آپ سے جتنی حدیثیں سو دن میں بیان کیں آپ نے وہ سب ایک دن میں سنا ڈالیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آپ ان احادیث پر عمل کرتے ہیں۔

یا معشر الفقہاء انتم الاطباء ونحن الصیادلۃ — اے گروہ فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار اور آپ نے دونوں کو

---

[1] بخاری جلد اول ص۵۱۶۔

بکلا الطرفین [1] حاصل کرلیا۔

وانت ایہا الرجل احدثت بکلا الطرفین

اللہ عزوجل حضرت سلیمان اعمش کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ انھوں نے ان تمام مباحث کو جو آج تک محدثین اور فقہا کے مابین چلی آرہی ہے۔ ان چند لفظوں میں سمیٹ کے رکھ دیا ہے۔ اب ہم بھی اس گفتگو کو انھیں الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔

ایک لطیفہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالت شان گھٹانے کے لئے ایک جاہلانہ سوال بہت اچھالا جاتا ہے۔ آجکل کے غیر مقلدین اسے بطور وظیفہ پڑھتے بھی ہیں اور اپنے غیر مقلد طلبہ کو پڑھاتے بھی ہیں۔ اس کا خاص سبب یہ ہے کہ حضرت امام بخاری سے باوجود جلالت شان کہیں کہیں لغوی، صرفی لغزشیں ہوگئی ہیں۔ جن پر شارحین نے کلام کیا ہے۔ علامہ عینی نے بھی ان لغزشوں کا تذکرہ اپنی شرح میں کردیا ہے۔ بس کیا تھا بھڑ کے چھتے میں لکڑی چل گئی۔ بھلا یہ کیا دنیا امام بخاری پر اعتراض کرے تو کرے ایک حنفی کیوں کچھ کہے۔ دیانت داری کو بالائے طاق رکھ کر امام اعظم پر لعن طعن سب وشتم پر اتر آئے۔ امام بخاری سے بڑی عقیدت تھی۔ تو ان لغزشوں کی تسلیم کرنے۔ پر تو ان سے ہو نہ سکا۔ کیا یہ کہ حضرت امام اعظم کا ایک قول ڈھونڈ نکالا۔ جو ان معاندین کی پڑھی ہوئی نحو کے خلاف ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ابو عمرو علاء نحوی مقری نے حضرت امام اعظم سے پوچھا کہ قتل بالمُثَقَّل سے قصاص واجب ہے یا نہیں؟۔ فرمایا۔ نہیں۔ اس پر ابو عمرو نے کہا اگر وہ منجنیق کے پتھر سے مارے پھر بھی نہیں فرمایا۔

ولو قتلہ بابا قبیس

اگرچہ (جبل) ابی قبیس سے قتل کرے۔

چونکہ ابو قبیس پر "با" حرف جار داخل ہے۔ اس لئے اس کو یا کے ساتھ "بابی قبیس" ہونا چاہئے تھا۔ اور حضرت امام اعظم نے اسے الف کے ساتھ فرمایا۔ یہ نحو کے قاعدے سے ناواقفی کی دلیل ہے۔

حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اس سے ایک طرف حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نحوی تبحر ثابت ہوتا ہے تو دوسری طرف معاندین کی جہالت اور علم نحو میں ان کی بے مائیگی ثابت ہوتی ہے۔ اور حد یہ ہے کہ بخاری سے بھی واقفیت نہیں۔ بخاری قتل ابی جہل میں ہے۔ کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو جہل کا سر قلم کرنے گئے تو اس سے کہا انت ابا جہل۔ جو روایت [illegible] ہے۔ اس میں معتمد روایت یہی ہے۔ جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔ حالانکہ ہونا چاہئے ابو جہل۔ اپنے مخالف پر اعتراض [illegible] تھے۔ اور وہ ان کے ہی امام پر لوٹ آیا۔ اولیاء اللہ کے ساتھ عداوت کا یہی حال ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ "بابا قبیس" [illegible] اور "انت ابا جہل" غلط۔ اسمائے ستہ مکبرہ میں ایک لغت یہ بھی ہے کہ، جب غیر یائے متکلم کی جانب مضاف ہو تو ہر حالت میں الف کے ساتھ ان کا اعراب ہوگا۔ چنانچہ اسی لغت پر مندرجہ ذیل شعر ہے ؎

---

[1] الخیرات الحسان ص ۶۶،

ان اباها وابا اباها ؛ قد بلغا فی المجد غایتاها

گمان غریبوں کو یہی معلوم ہے کہ چونکہ تو میر ہیں اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب یہ لکھا ہے۔ کہ حالت جری یا کے ساتھ اور حالت نصبی میں واؤ کے ساتھ اس لئے "انت ابا جھل"۔ "دلو مثلہ بابا قبیس" غلط ہے۔

ایک اور طعن اور اس کے جوابات

فقہ حنفی ہی نہیں مطلقاً فقہ پر امام بخاری کا ایک طعن برابر چلا آرہا ہے۔ اور آج کل کے معاندین امام بخاری کے کاندھے پر بندوق رکھ کر اس کا احناف کو نشانہ بناتے ہیں۔ وہ یہ کہ فقہاء احادیث کو چھوڑ کر اقوال رجال سے احکام نکالتے ہیں اسی میں پھنسے رہتے ہیں۔

پہلا جواب :۔ اس کا یہ ہے کہ خود امام بخاری نے بھی اقوال رجال سے احکام استنباط فرمایا۔ اور انھیں دلیل بنایا۔ بلکہ کہیں کہیں صرف اقوال رجال ہی کو دلیل بنایا۔ ان کے ابواب کو اٹھا کر دیکھئے کتنے ابواب میں حدیث سے پہلے اقوال رجال ذکر کرتے ہیں پھر حدیث اور کہیں کہیں تو باب کے تحت کوئی حدیث نہیں صرف اقوال رجال ہی ہے۔ بلکہ ایک عامی کو امام بخاری کی طرز سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک اقوال رجال کی حیثیت حدیث سے زائد ہے۔ اس لئے کہ امام بخاری کی ترتیب یہ ہے کہ وہ باب کی تائید میں پہلے آیت ذکر کرتے ہیں۔ اگر اس کی مؤید کوئی آیت ہو۔ پھر اقوال رجال پھر حدیث اگر کوئی ان کے پاس ہوتی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ قرآن مجید سب پر مقدم۔ اس سے کسی کا ذہن اس طرف جا سکتا ہے کہ یہ ترتیب الاہم فالاہم کی ہے۔

دوسرا جواب :۔ جن امور کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی حکم نہ ملے تو غیر مجتہد کیا کرے اسے آپ بتائیں۔

تیسرا جواب :۔ یہ بات بتحقیق ثابت ہو چکی کہ فقہ کی اصل بنا و قرآن و احادیث ہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ فقہاء نے احکام کو قرآن و احادیث ہی سے استخراج فرمایا ہے۔ جو احکام قرآن و حدیث میں شامل تھے ان میں انھوں نے قرآن و احادیث سے مستخرج احکام کو سامنے رکھ کر اجتہاد سے احکام معلوم کئے ہیں۔ تو آپ بتائیں کہ پھر فقہاء کے اقوال کیوں قابل قبول نہ ہوں گے۔ اور یہ حقیقت میں اقوال فقہاء پر اعتماد کرنا نہیں۔ بلکہ اصل اعتماد قرآن و حدیث پر ہے۔ یہ اقوال فقہاء قرآن و احادیث سے ماخوذ ہیں۔ اس لئے یہ قابل اعتماد ہیں۔ جیسے آپ لوگ بھی ایک ہی صدی میں غیر مقلدیت کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار جانتے ہوئے بھی فتاویٰ نذیریہ، فتاویٰ ثنائیہ پر اعتماد کرتے ہیں اور وہی آپ لوگوں کا معمول بہ ہے۔ کیا امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کے اقوال پر اعتماد جائز نہیں۔ اور میاں نذیر حسین دہلوی اور مولوی ثناء اللہ امرتسری کے اقوال کا درجہ قرآن و احادیث کے برابر ہے۔ کہ ان پر اعتماد درست ہے۔

اقوال فقہاء پر اعتماد یقیناً اس وقت ناجائز و حرام ہوتا جب یہ ان کی ذاتی رائے ہوتی۔ اور قرآن و احادیث کے معارض ہوتی۔

مگر جب ان کے اقوال قرآن و حدیث کے مطابق ہیں تو ان پر اعتماد اصل میں قرآن و احادیث ہی پر اعتماد ہے۔

چوتھا جواب :۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ جو مجتہد نہیں اسے کسی نہ کسی مجتہد کی تقلید کرنی فرض ہے۔ اس قدر پر امت کا اجماع ہے۔ اور قرآن و احادیث سے بھی ثابت ہے۔ مجتہد کون ہے یا کون ہو سکتا ہے۔ اس کو آپ اس سے سمجھ لیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابۂ کرام میں سے مجتہد کتنے ہوئے ان کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔ یہ تفصیل کا موقع نہیں۔ اب جو مجتہد نہیں۔ لامحالہ اسے کسی نہ کسی مجتہد کی تقلید کرنی ہے۔ اور جب وہ مقلد ہے تو اسے اس امام کے اقوال پر اعتماد کرنا لازم ہے جس کا وہ مقلد ہے۔ اسے براہ راست قرآن و احادیث سے مسائل کے استخراج کی کوشش جائز نہیں۔ امت کی اکثریت بلکہ غالب اکثریت غیر مجتہد ہے۔ اس لئے وہ لوگ اقوال فقہاء سے احکام تلاش کرتے ہیں۔ اور اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور یہ عمل خود اجلۂ محدثین مصنفین صحاح ستہ حتی کہ شیخین کے اساتذہ کا تھا کہ اگر ان کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو اسے فقہاء کی طرف رجوع کا حکم دیتے یا یہ خود فقہاء کی طرف رجوع کرتے۔

ابھی گزرا کہ ایک سائل حضرت سلیمان اعمش کی خدمت میں آیا انھوں نے امام اعظم سے فرمایا کہ آپ اسے مسئلہ بتائیے۔

حضرت سفیان ثوری سے جب کوئی دقیق مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے اس مسئلہ پر سوائے اس شخص کے جس سے لوگ حسد کرتے ہیں کوئی بھی تقریر نہیں کر سکتا یعنی امام اعظم۔ پھر حضرت امام اعظم کے شاگردوں سے پوچھتے کہ اس بارے میں تمہارے شیخ کا کیا قول ہے۔ یہ لوگ بتاتے اسی کے مطابق فتوی دیتے۔ اگر کبھی حضرت امام کے ساتھ ہوتے تو ہمیشہ امام صاحب کو آگے بڑھاتے۔ اگر ان لوگوں کی رائے امام اعظم کی رائے کے متصادم ہوئی تو ہمیشہ یہی ثابت ہوا کہ امام صاحب کی رائے صحیح ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص سے اس کی بیوی کا جھگڑا ہوا شوہر نے قسم کھائی کہ جب تک تو نہیں بولے گی میں بھی نہیں بولوں گا۔ بیوی بولا بھی رہتی۔ اس نے بھی برابر کی قسم کھائی جب تک تو نہیں بولے گا۔ میں بھی نہیں بولوں گی۔ جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو اب دونوں پریشان شوہر حضرت سفیان ثوری کے پاس گیا کہ اس کا حل کیا ہے۔ فرمایا کہ بیوی اسے بات کرا دو وہ تم سے بات کرے اور قسم کا کفارہ دیدو۔ شوہر حضرت امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ تم دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرو۔ کفارہ کی ضرورت نہیں۔ جب سفیان ثوری کو یہ معلوم ہوا تو بہت خفا ہوئے۔ امام اعظم کے پاس جا کر یہاں تک کہہ دیا کہ تم لوگوں کو غلط مسئلہ بتاتے ہو۔ امام صاحب نے اسے بلوایا اور اس سے دوبارہ پورا واقعہ بیان کرنے کو کہا۔ جب وہ بیان کر چکا تو امام صاحب نے حضرت سفیان ثوری سے کہا۔ جب شوہر کے قسم کے بعد عورت نے شوہر کو مخاطب کر کے وہ جملہ کہا تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتدا ہوگئی۔ اب قسم کہاں رہی۔ اس پر حضرت سفیان ثوری نے کہا۔ واقعی عین موقع پر آپ کی فہم وہاں تک پہونچ جاتی ہے جہاں ہم لوگوں کا خیال نہیں جاتا۔

ایک دفعہ کوفہ کے ایک شخص نے اپنے دو بیٹوں کی شادی کی اور کوفہ کے تمام علماء و فقہاء کو بھی مدعو کیا۔ امام اعظم

سفیان ثوری، مسعر بن کدام، حسن بن صالح سبھی دعوت میں شریک تھے۔ لوگ ابھی کھانا کھا ہی رہے تھے کہ میزبان پریشان حال آیا اور کہا بڑی مشکل ہوگئی۔ عورتوں کی غلطی سے زفاف میں دولہنیں بدل گئیں۔ اب کیا کیا جائے؟ حضرت سفیان نے کہا، حضرت معاویہ کے زمانے میں بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ ہر ایک کی زوجہ اس کے پاس بھیج دی جائے۔ البتہ دونوں کو مہر دینا پڑے گا۔ مسعر بن کدام نے حضرت امام اعظم سے عرض کیا آپ کیا کہتے ہیں؟۔ امام صاحب نے فرمایا۔ کہ دونوں لڑکوں کو بلاؤ۔ دونوں لڑکے آئے تو امام صاحب نے ہر ایک سے پوچھا کہ جو لڑکی رات تمہارے ساتھ تھی وہ تم کو پسند ہے۔ ہر ایک نے پسندیدگی کا اظہار کیا امام صاحب نے فرمایا۔ کہ اب ایسا کرو کہ تم دونوں ان لڑکیوں کو جن سے تمہارا نکاح ہوا تھا طلاق دیدو۔ اور جس کے ساتھ رات گزاری تھی اس سے نکاح کرلو۔ حضرت سفیان کا جواب بھی اپنی جگہ درست تھا اس لئے کہ وطی بالشبہہ سے نکاح نہیں ٹوٹتا امام صاحب بھی اس کو جانتے تھے۔ مگر سوال یہ تھا کہ کیا دونوں شوہر اسے پسند کرتے؟ کیا یہ غیرت کے منافی نہ تھا؟

مخالفت کے اسباب ایک تو وہی حسد چونکہ جب امام صاحب کے فضل و کمال کی شہرت ہوئی تو ساری مجلسیں سونی ہوگئیں عوام و خواص سب کے مرجع اعظم حضرت امام ہی ہوگئے۔ یہ بات معاصرین کے لئے بہت تکلیف دہ تھی۔ اس سے لوگ امام کا وقار گرانے کیلئے ان پر بے جا تنقیدات کرنے لگے۔

دوسرا سبب معاصرین سے اگر کوئی لغزش ہوتی تو اظہار حق کے لئے حضرت امام اس کو ظاہر کرتے۔ اس سے لوگ چڑھ جاتے۔ محمد بن عبدالرحمن جو قاضی ابن ابی لیلیٰ کے نام سے مشہور ہیں۔ کوفہ کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ تینتیس برس کوفہ کے قاضی رہے۔ ان سے کبھی کبھی فیصلوں میں غلطی ہو جاتی تھی۔ حضرت امام ان کی اصلاح کے لئے انہیں تنبیہ فرمایا کرتے تھے۔ انہیں یہ بات ناپسند تھی اس لئے وہ حضرت امام سے ایک خلش رکھتے تھے۔ وہ مسجد میں بیٹھ کر مقدمات دیکھتے تھے۔ ایک دن مجلس قضا سے فارغ ہو کر کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک عورت کا کسی سے جھگڑا ہو رہا تھا۔ عورت نے اس شخص کو یا ابن الزانیین کہدیا۔ (یعنی اے زانی اور زانیہ کے بیٹے) قاضی صاحب نے حکم دیا کہ عورت کو پکڑ کر مجلس قضا میں لے چلو! یہ بھی واپس آئے اور حکم دیا کہ عورت کو کھڑی کر کے قذف کی دوہری سزا دی جائے۔ اسّی اسّی یعنی ایک سو ساٹھ کوڑے مارے جائیں۔ جب امام صاحب کو اس کی اطلاع ملی تو فرمایا۔ ابن ابی لیلیٰ نے اس میں چھ غلطیاں کی ہیں۔ مجلس قضا سے اٹھنے کے بعد دوبارہ فوراً واپس آکر فیصلہ کے لئے بیٹھے۔ مسجد میں حد مارنے کا حکم دیا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد میں حد جاری کرنے سے منع فرمایا ہے۔ عورت کو بٹھا کر حد مارنی چاہئے۔ انہوں نے کھڑے کر کر درّے لگوائے۔ ایک ہی حد لازم تھی انہوں نے دو جاری کیں۔ ایک ہی ساتھ دو حدیں لگوائیں۔ حالانکہ اگر کسی پر دو حد لازم بھی ہو تو ایک حد کے بعد مجرم کو چھوڑ دینا چاہئے جب اس کے زخم اچھے ہو جائیں تو دوسری حد لگانی چاہئے۔ جسے

عورت نے ابن الزانیین کہا تھا اس نے جب مطالبہ نہیں کیا تھا۔ تو قاضی صاحب کو مقدمہ قائم کرنے کا حق نہ تھا۔ اس تنقید کی اطلاع جب قاضی صاحب کو ہوئی تو سخت ناراض ہوئے۔ کوفے کے گورنر سے شکایت کی کہ ابوحنیفہ نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ گورنر نے حضرت امام پر پابندی لگا دی کہ امام ابوحنیفہ فتوی نہیں دے سکتے۔ کوفے میں اور بہت سے فقہاء تھے۔ اس صورت میں فتوی دینا فرض کفایہ تھا۔ امام صاحب نے فتوی دینا بند کر دیا۔ اسی اثنا ایک دن گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ کہ ان کی صاحبزادی نے پوچھا کہ آج میں روزے سے ہوں۔ دانت سے خون نکلا اور میں نے بار بار تھوکا یہاں تک کہ تھوک بالکل سفید ہو گیا اس میں خون کا اثر بالکل ظاہر نہیں ہوتا اب اگر میں تھوک گھونٹ لوں تو میرا روزہ رہے گا یا جاتا رہے گا۔ تو امام صاحب نے فرمایا بیٹی۔ تم اپنے بھائی حماد سے پوچھ لو مجھے آج کل فتوی دینے سے روک دیا گیا ہے۔ ابن خلکان نے اس پر لکھا ہے کہ اطاعت امیر اور دیانت و امانت کی اس سے بڑھ کر اور کوئی مثال نہیں ہو سکتی لیکن جب مسائل میں خود کوفے کے گورنر کو دشواریاں پیش آنی شروع ہوئیں اور کوئی حل نہ کر سکا تو اسے بھی مجبور ہو کر حضرت امام کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ اور حکم امتناعی اٹھانا پڑا۔ امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں

وكان هذا المنع للامام رضى الله تعالى عنه قبل اجتماعه به و معرفته بمقام الامام فى العلم [1]

یعنی امام صاحب کو فتوی دینے سے منع کرنا آپ کی ملاقات اور آپ کے پایۂ علمی کی معرفت سے پیشتر تھا۔

اور جب امام صاحب کے پایۂ علمی کا علم ہوا تو پکار اٹھا۔

هذا عالم الدنيا اليوم [2]

یعنی یہ آج دنیا کے عالم ہیں۔

یحیی بن سعید، شہنشاہ منصور عباسی کے یہاں بہت رسوخ رکھتے تھے۔ کوفے کے قاضی تھے۔ مگر کوفے میں ان کو وہ قبول عام نہ حاصل ہو سکا جو حضرت امام اعظم کا تھا۔ اس پر ان کو بہت تعجب ہوتا تھا۔ کہا کرتے تھے کہ کوفے والے عجیب کم عقل ہیں۔ تمام شہر ایک شخص یعنی امام ابوحنیفہ کی مٹھی میں ہے۔ اس پر امام اعظم نے امام ابو یوسف امام زفر اور چند اور شاگردوں کو بھیجا کہ قاضی صاحب سے مناظرہ کریں۔ امام ابو یوسف نے قاضی یحیی سے پوچھا۔ ایک غلام دو آدمیوں میں شریک ہے۔ ان میں سے ایک شخص آزاد کرنا چاہتا ہے۔ تو آزاد کر سکتا ہے یا نہیں؟۔ قاضی صاحب نے کہا کہ نہیں کر سکتا۔ اس میں دوسرے حصہ والے کا نقصان ہے۔ حدیث میں ہے لا ضرر ولا ضرار۔ جس کام سے دوسرے کو ضرر پہونچے جائز نہیں۔ امام ابو یوسف نے پوچھا اگر دوسرا آزاد کر دے تو؟۔ اس پر قاضی صاحب نے کہا اب آزاد ہو جائے گا۔ امام ابو یوسف نے کہا۔ آپ نے اپنے قول کا رد کر دیا پہلے نے جب غلام آزاد کیا تو اس کا آزاد کرنا بے اثر رہا۔ یہ غلام پورا کا پورا غلام ہی رہا۔ اب دوسرے نے آزاد کیا تو وہی پہلی پوزیشن لوٹ آئی۔ اب کیسے آزاد ہو گیا؟۔

---

[1] ذکر ابن ابی لیلیٰ ج ۱ ص ۴۹۲، [2] کتاب المیزان ج ۱ ص ۶۲، [3] تبییض الصحیفہ ص ۲۱۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ کچھ ناخدا ترس ایسے بھی تھے جو حضرت امام کے خلاف جھوٹے قصے وضع کرکے منسوب کرتے تھے۔ مثلاً نعیم بن حماد، یہ وہ بزرگ ہیں جنھیں امام نسائی نے ضعیف کہا۔ ابو الفتح ازدی وغیرہ نے کہا کہ یہ وضاع کذاب تھا۔ امام ابوحنیفہ کی تنقیص کے لئے جھوٹی روایتیں گڑھا کرتا تھا۔ اور حدیثیں بھی وضع کرتا تھا۔ اور بہانہ یہ بناتا کہ میں ایسا تقویت سنت کے لئے کرتا ہوں ایسے لوگوں پر حیرت نہیں۔ حیرت امام بخاری پر ہے کہ انھوں نے ایسے کذاب وضاع کی حدیثوں پر اعتماد کرکے اپنی کتابوں میں اسے جگہ دی۔ اس سلسلے میں علامہ سخاوی کا فیصلہ نقل کرکے ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

حافظ ابو الشیخ بن حبان نے کتاب السنہ میں، یا حافظ ابن عدی نے کامل میں، یا ابوبکر خطیب نے تاریخ بغداد میں، یا ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں، یا بخاری اور نسائی نے، بعض ائمہ کے بارے میں جو لکھا۔ یہ ان کی شان علم و اتقان سے بعید ہے۔ ان باتوں میں ان کی پیروی نہ کی جائے۔ اس سے احتراز کیا جائے۔ بحمدہ تعالیٰ ہمارے مشائخ کا یہی طریقہ تھا۔ کہ اسلاف کی اس قسم کی باتوں کو مشاجرات صحابہ کی قبیل سے مانتے تھے۔ اور سب کا ذکر خیر سے کرتے تھے۔

تلامذہ حضرت امام اعظم کے تلامذہ کی صحیح تعداد متعین کرنا مشکل ہے۔ یہ تلامذہ تین قسم کے تھے۔ ایک وہ جن کی شہرت صرف فقہ میں ہوئی ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کا کوئی شمار نہیں۔ دوسرے وہ جن کی شہرت بحیثیت محدث ہوئی ان کی بھی تعداد ہزاروں ہے۔ تیسرے وہ جو دونوں حیثیت سے ممتاز ہوئے۔ ان سب کی تفصیل بحث تو دفتر چاہتی ہے۔ صرف اسماء کی فہرست تیار کرنے کے لئے سیکڑوں صفحات چاہئے۔ ناظرین کی طمانیت خاطر کے لئے اتنا ہی ذکر کافی ہے کہ امام اعظم کے تلامذہ میں ایک بہت بڑی تعداد ان محدثین کی ہے۔ جو اصحاب صحاح ستہ اور امام احمد یحییٰ بن معین وغیرہ کے بھی شیخ یا شیخ الشیخ ہیں۔ ان میں خصوصیت سے قابل ذکر مکی بن ابراہیم بلخی ہیں۔ جو امام بخاری کی بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات کے شیخ ہیں۔ بلخ کے امام ہیں۔ ان کا قول ہے امام ابوحنیفہ اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم سب سے بڑے زاہد سب سے بڑے حافظ تھے۔ حافظ اس عہد میں محدث کو کہتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے نزدیک امام صاحب سب سے بڑے محدث تھے۔ مشہور محدثین نے خاص اس سند سے بھی احادیث اپنی تصنیفات میں لی ہیں۔ جن کے راویوں میں حضرت امام اعظم بھی ہیں۔ امام دارقطنی نے اس کے باوجود کہ امام اعظم سے تعصب رکھتے تھے۔ اپنی سنن میں ۴۳ جگہ ایسی روایت لی ہیں۔ حاکم کی مستدرک۔ طبرانی کی معجم صغیر، مسند ابو داؤد طیالسی میں امام اعظم کے واسطے سے مروی حدیثیں موجود ہیں۔ حتی کہ صاحب خلاصہ نے امام اعظم کے ترجمے میں، ترمذی، نسائی، جزء البخاری کی علامت لگائی ہے۔ مجمع البحار میں ہے کہ ترمذی اور نسائی نے بھی امام صاحب کی روایت لی ہے۔ علامہ ابن حجر نے تقریب میں امام اعظم کے حالات میں نسائی اور ترمذی کی علامت لگائی اور تہذیب التہذیب میں ان روایتوں کا ذکر کیا۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ امام بخاری امام ترمذی، ابو داؤد طیالسی، طبرانی، حاکم حتی کہ دارقطنی تک۔ امام صاحب کے تلامذہ میں سے ہیں۔ اگرچہ کچھ درجے نیچے اگر حضرت

امام اعظم کی حدیث دانی پر کچھ معاندین نے نکتہ چینی کی ہے مگر حضرت امام اعظم کے تلامذہ میں ایسے ایسے جلیل القدر محدث گزرے ہیں کہ ان کی حدیث دانی میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ خصوصیت سے حضرت امام ابو یوسف، حضرت امام محمد، حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت فضیل بن عیاض، حفص بن غیاث، ابو عاصم النبیل، داؤد طائی، مسعر بن کدام، یزید بن ہارون، یحییٰ بن القطان، ہشام بن یوسف، یحییٰ بن زکریا بن زائدہ وغیرہ وغیرہ۔ کیا کوئی عقل والا یہ مان سکتا ہے کہ یہ اجلہ محدثین نے کسی ایسے ہی شخص کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے، جو حدیث سے نابلد ہو۔ اور تنگ بندی کو احکام شریعت بنا کر دنیا کو گمراہ کر گیا ہو۔ ع

آواز دو انصاف کو۔ انصاف کہاں ہے

وفات

بنی امیہ کے خاتمے کے بعد سفاح پھر منصور نے اپنی حکومت جمانے اور لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت بٹھانے کے لئے وہ وہ مظالم کئے جو تاریخ کے خونی اوراق میں کسی سے کم نہیں۔ منصور نے خصوصیت کے ساتھ سادات پر جو مظالم ڈھائے ہیں وہ سلاطین عباسیہ کی پیشانی کا بہت بڑا بدنما داغ ہیں۔ اسی خونخوار نے حضرت محمد بن ابراہیم دیباج کو دیوار میں زندہ چنوا دیا۔ آخر تنگ آمد بجنگ آمد۔ ان مظلوموں میں سے حضرت محمد نفس ذکیہ نے مدینہ طیبہ میں خروج کیا۔ ابتداءً ان کے ساتھ بہت تھوڑے لوگ تھے۔ بعد میں بہت بڑی فوج تیار کر لی۔ حضرت امام مالک نے بھی ان کی حمایت کا فتوی دے دیا۔ نفس ذکیہ بہت شجاع فن جنگ کے ماہر قوی طاقتور تھے۔ مگر اللہ عزوجل کی شان بے نیازی کہ جب منصور سے مقابلہ ہوا تو ۱۴۵ھ میں داد مردانگی دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔

ان کے بعد ان کے بھائی ابراہیم نے خلافت کا دعوی کیا۔ ہر طرف سے ان کی حمایت ہوئی۔ خاص کوفے میں لگ بھگ لاکھ آدمی ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ بڑے بڑے ائمہ علماء و فقہاء نے ان کا ساتھ دیا۔ یہاں تک کہ حضرت امام اعظم نے بھی ان کی حمایت کی بعض مجبوریوں کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہو سکے جس کا ان کو مرتے دم تک افسوس رہا۔ مگر مالی امداد کی۔ لیکن نوشتۂ تقدیر کون بدلے۔ ابراہیم کو بھی منصور کے مقابلے میں شکست ہوئی اور ابراہیم بھی شہید ہو گئے۔

ابراہیم سے فارغ ہو کر منصور نے ان لوگوں کی طرف توجہ کی جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا تھا۔ ۱۴۶ھ میں بغداد کو دارالسلطنت بنانے کے بعد منصور نے حضرت امام اعظم کو بغداد بلوایا۔ منصور انہیں شہید کرنا چاہتا تھا۔ مگر جواز قتل کے لئے بہانہ کی تلاش تھی۔ اسے معلوم تھا کہ حضرت امام میری حکومت کے کسی عہدے کو قبول نہ کریں گے۔ اس نے حضرت امام کی خدمت میں عہدۂ قضا پیش کیا۔ امام صاحب نے یہ کہہ کر انکار فرما دیا کہ میں اس کے لائق نہیں۔ منصور نے جھنجھلا کر کہا تم جھوٹے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا اگر میں سچا ہوں تو ثابت کہ میں عہدۂ قضا کے لائق نہیں۔ جھوٹا ہوں تو بھی عہدۂ قضا کے لائق نہیں اس لئے کہ جھوٹے کو قاضی

جانا جائز نہیں۔ اس پر بھی منصور نہ مانا اور قسم کھا کر کہا کہ تم کو قبول کرنا پڑے گا۔ امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز نہیں قبول کروں گا۔ ربیع نے غصے سے کہا ابو حنیفہ تم امیر المومنین کے مقابلے میں قسم کھاتے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا۔ ہاں اس لئے کہ امیر المومنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا بہ نسبت میرے زیادہ آسان ہے۔ اس پر منصور نے بچز بز ہوکر حضرت امام کو قید خانے میں بھیج دیا۔ اس مدت میں منصور حضرت امام کو بلا کر اکثر علمی مذاکرات کرتا رہتا تھا۔ منصور نے حضرت امام کو قید تو کر دیا مگر وہ ان کی طرف سے مطمئن ہرگز نہ تھا۔ بغداد چونکہ دار السلطنت تھا۔ اس لئے تمام دنیائے اسلام کے علماء، فقہاء، امراء، تجار، عوام، خواص بغداد آتے تھے حضرت امام کا غلغلہ پوری دنیا میں گھر گھر پہنچ چکا تھا۔ قید نے انکی عظمت اور اثر کو بجائے کم کرنے اور زیادہ بڑھا دیا۔ جیل خانے ہی میں لوگ جاتے اور ان سے فیض حاصل کرتے۔ حضرت امام محمد اخیر وقت تک قید خانے میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ منصور نے جب دیکھا کہ یوں کام نہیں بنا تو خفیہ زہر دلوا دیا۔ جب حضرت امام کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو خالق بے نیاز کی بارگاہ میں سجدہ کیا اسی کی حالت میں روح پرواز کر گئی۔ ع

جتنی ہو قضا ایک ہی سجدے میں ادا ہو۔

تجہیز و تدفین وصال کی خبر بجلی کی طرح پورے بغداد میں پھیل گئی۔ جو سنتا بھاگا ہوا چلا آتا۔ قاضی بغداد عمارہ بن حسن نے غسل دیا۔ غسل دیتے جاتے اور یہ کہتے جاتے تھے واللہ تم سب سے بڑے فقیہ سب سے بڑے عابد سب سے بڑے زاہد تھے۔ تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں۔ تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا ہے کہ وہ تمہارے مرتبے کو پہنچ سکیں۔ غسل سے فارغ ہوتے ہوتے جم غفیر اکٹھا ہو گیا۔ پہلی بار نماز جنازہ میں پچاس ہزار کا مجمع شریک تھا۔ اس پر بھی آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا چھ بار نماز جنازہ ہوئی۔ اخیر میں حضرت امام کے صاحبزادے، حضرت حماد نے نماز جنازہ پڑھائی۔ عصر کے قریب دفن کی نوبت آئی۔

حضرت امام نے وصیت کی تھی کہ انھیں خیزران کے قبرستان میں دفن کیا جائے اس لئے کہ یہ جگہ غصب کردہ نہیں تھی۔ اسی کے مطابق اس کے شرقی حصے میں مدفون ہوئے۔ دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ حضرت امام کی نماز جنازہ پڑھتے رہے ایسے قبول عام کی مثال پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔

اس وقت ائمہ محدثین و فقہاء موجود تھے۔ جن میں بعض حضرات امام کے استاذ بھی تھے سب کو حضرت امام کے وصال کا بے اندازہ غم ہوا۔ مکہ معظمہ میں ابن جریج تھے۔ انھوں نے وصال کی خبر سنکر انا للہ پڑھا اور کہا۔ بہت بڑا عالم چلا گیا۔ بصرہ کے امام اور خود حضرت امام کے استاذ امام شعبہ نے بہت افسوس کیا اور فرمایا۔ کوفے میں اندھیرا ہو گیا۔ امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبد اللہ بن مبارک وصال کی خبر سنکر بغداد حاضر ہوئے۔ جب امام کے مزار پر پہنچے۔ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔ ابو حنیفہ اللہ عز و جل تم پر رحمت برسائے۔ ابراہیم گئے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ حماد نے وصال کیا تو تمہیں اپنا جانشین

چھوڑا۔ تم گئے تو پوری دنیا میں کسی کو اپنا جانشین نہیں چھوڑا۔

حضرت امام کا مزار پرانوار اس وقت سے لے کر آج تک مرجع عوام و خواص ہے۔ حضرت امام شافعی نے فرمایا۔ میں امام ابوحنیفہ کے توسل سے برکت حاصل کرتا ہوں۔ روزانہ ان کے مزار کی زیارت کو جاتا ہوں۔ جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو ان کے مزار کے پاس دو رکعت نماز پڑھ کر دعاء کرتا ہوں تو مراد پوری ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

علم انہ لم یزل العلماء وذوو الحاجات یزورون قبرہ ویتوسلون عندہ فی قضاء حوائجہم ویرون نجح ذلک منہم الامام الشافعی رحمۃ اللہ علیہ[1]

ہمیشہ سے علماء و اصحاب حاجات امام صاحب کی قبر کی زیارت کرتے رہے اور قضاء حاجات کے لئے آپ کو وسیلہ پکڑتے رہے اور ان حاجتوں کا پورا ہونا دیکھتے رہے ہیں ان علماء میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے ۴۵۹ھ میں مزار پاک پر ایک عالیشان قبہ بنوایا۔ اور اس کے قریب ہی ایک مدرسہ بھی بنوایا۔ یہ بغداد کا پہلا مدرسہ تھا۔ نہایت شاندار لاجواب عمارت بنوائی۔ اس کے افتتاح کے موقع پر بغداد کے تمام علماء و عمائد کو مدعو کیا۔ یہ مدرسہ مشہد ابوحنیفہ۔ کے نام سے مشہور ہے۔ مدت تک قائم رہا۔ اس مدرسہ سے متعلق ایک مسافر خانہ بھی تھا جس میں قیام کرنے والوں کو علاوہ اور سہولتوں کے کھانا بھی ملتا تھا۔ بغداد کا مشہور دار العلوم نظامیہ اس کے بعد قائم ہوا۔ حضرت امام کا وصال اڑسٹھ سال کی عمر میں شعبان کی دوسری تاریخ کو ۱۵۰ھ میں ہوا۔

○

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ ھو الفقہ الاکبر، والصلوٰۃ علی حبیبہ وھی الحدیث الازہر،
وعلی الہ وصحبہ سفن النجاۃ ومصابیح الغرر؛

حضرت امام بخاری نے اپنی اس عظیم الشان تصنیف کو بسم اللہ سے تو شروع فرمایا مگر اللہ عزوجل کی حمد اور شہادتین سے شروع نہیں فرمایا۔ حالانکہ حدیث میں ہے :۔

(۱) کل امر ذی بال لم یبدأ بحمد اللہ فھو اقطع ۔ ہر عظیم الشان کام اللہ کی حمد سے نہ شروع کیا جائے وہ بے برکت ہے۔

(۲) کل خطبۃ لیس فیھا شھادۃ کالید الجذماء ۔ جس خطبے میں شہادت نہ ہو وہ کٹے ہوئے ہاتھ کے مثل ہے۔

ان دونوں حدیثوں کو امام ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہیں۔ اس کا سب سے صحیح اور تحقیقی جواب صرف یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں یہ نہیں کہ جب کچھ لکھنا چاہو تو حمد و شہادت کو پہلے لکھو بھی۔ صرف اداء کا حکم ہے۔ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری نے حمد اور شہادتین لکھنے سے پہلے زبان سے ادا کرتے ہوں۔

دوسرا جواب بھی ایک وزن رکھتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں احادیث امام بخاری کی شرط پر نہ ہوں۔ تو ان پر ضروری نہیں ہوا کہ وہ اس پر عمل کرتے۔ جیسا کہ اس کے ایک راوی قرہ بن عبدالرحمٰن کو ضعیف کہا گیا ہے۔ اگرچہ یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ ابن حبّان اور ابوعوانہ نے تصریح کی ہے۔ نیز یہ حدیث نسائی میں سعید بن عبدالعزیز سے بھی مروی ہے۔ اس متابعت سے قرہ کی وجہ سے جو ضعف تھا ختم ہو گیا۔ لیکن واقع میں کسی حدیث کا صحیح ہونا اور بات ہے اور امام بخاری کے نزدیک صحیح ہونا اور بات ہے۔

اس کے چند اور بھی جوابات دیئے گئے ہیں۔ مگر وہ صحیح نہیں۔ مثلاً یہ کہ یہ ارشاد خطبوں اور تقریروں کے ساتھ خاص ہے چونکہ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اپنے خطبوں کو وہ کسی شعر سے شروع کرتے تھے۔ اس کے رد کے لئے فرمایا۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ ایک گنوار آیا اور بغیر حمد کے تقریر شروع کر دی تو حضور نے فرمایا۔ بئس الخطیب انت ۔ کل امر الحدیث اس سے ظاہر ہے کہ خطبوں کے لئے ہے۔ یہ جواب اس لئے صحیح نہیں۔ کہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے واقعہ کی خصوصیت کا نہیں ہوتا۔ جب ارشاد عام ہے کہ فرمایا۔ کل امر ذی بال۔ ہر شاندار کام۔ تو اسے عام ہی رکھنا ضروری ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا۔ کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ اس لئے کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جو صلح نامہ لکھا گیا اس میں صرف

بسم اللہ ہے۔ علاوہ ازیں سلاطین کے نام حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو والا نامے بھیجے تھے ان میں صرف تسمیہ ہے حمد نہیں۔ اس جواب میں یہ خامی ہے کہ چونکہ تاریخ معلوم نہیں۔ اس لئے دعویٰ نسخ درست نہیں۔ ثانیاً اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ صلح حدیبیہ وغیرہ سے پہلے کا یہ ارشاد ہے تو بھی نسخ کا دعویٰ درست نہیں۔ اس لئے کہ نسخ کے لئے ضروری ہے کہ ایسا تعارض ہو جو اٹھ نہ سکے۔ اور یہاں ایسا نہیں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان مکتوبات میں حمد کا ترک بیان جواز کے لئے ہے۔

تیسرا جواب یہ دیا گیا۔ امام بخاری نے یہ نہیں پسند فرمایا کہ ارشاد رسول پر اپنے کلام کو مقدم کریں۔ باب اور سند کا مقدم ہونا بظاہر ہے حقیقت میں یہ دونوں مؤخر ہیں۔ اس لئے کہ یہ دونوں حدیث کے توابع میں سے ہیں۔ یہ جواب اس لئے درست نہیں چونکہ تقدیم ہوتی ہے حمد الٰہی کی۔ حمد الٰہی کی تقدیم میں کوئی حرج نہیں۔ پھر چونکہ یہ مامور ہے اور مامور بہ پر عمل ویسے ہی ہوگا جیسے حکم دیا گیا ہے۔ اور اس میں کوئی سوء ادب نہیں ترجمہ باب اور سند کی تقدیم کا یہ عذر کہ حقیقۃً مؤخر ہے بے معنی ہے۔ اس لئے کہ اعتبار ظاہر کا ہے۔ اور ظاہر میں یہ مقدم ہیں۔ ایک یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ چونکہ سب سے پہلے سورۂ اقرأ نازل ہوئی اس میں صرف بسم اللہ ہے۔ حمد نہیں۔ یہ جواب یوں ساقط ہے کہ اولاً سورۂ اقراء کے نزول کے وقت بسم اللہ کا نزول ثابت نہیں۔ ابھی تیسری حدیث آ رہی ہے اس میں بسم اللہ کا ذکر نہیں۔ ثانیاً اعتبار قرآن مجید کی ترتیب عثمانی کا ہے۔ جو منزل من اللہ ہے۔ اس میں بسم اللہ کے بعد حمد ہے۔ اور یہ کہنا کہ یہ حمد و ثنا حمد نہیں تعلیم کے لئے ہے ادعاء بے دلیل ہے۔ الغرض اس قسم کے اور بھی جوابات دیئے گئے ہیں۔ مگر وہ سب بے وزن ہیں۔ یہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ابتدا میں حمد واجب نہیں۔ مستحب ہے۔ مستحب پر ثواب ضرور ملتا ہے۔ لیکن ترک پر کوئی مواخذہ نہیں۔ اگر امام بخاری نے ترک کر دیا تو ان پر کیوں مواخذہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہ سوال ہی سرے سے اس قابل نہیں کہ اس کو ذکر کیا جائے۔ ابتدائے تدوین میں یہی طریقہ تھا کہ مصنفین صرف بسم اللہ پر اکتفا کرتے تھے۔ موطا امام مالک۔ مصنف ابن عبدالرزاق وغیرہ کا یہی حال ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب كيف كان بدء الوحي

إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم

(۱) حديث انما الاعمال بالنيات

سمعت عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه على المنبر يقول سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول

علقمہ بن وقاص لیثی کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ف سے ممبر پر یہ کہتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا

تشریحات (۱)

ف سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) یہ عام الفیل کے تیرہ سال بعد پیدا ہوئے انتالیس مردوں کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا سے ۶ سنہ نبوی میں ایمان لائے۔ سنہ ۱۳ھ ۲۳ رجمادی الآخرہ بروز سہ شنبہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام ابو لؤلؤ فیروز مجوسی نے نماز فجر میں زخمی کیا۔ تین دن کے بعد ۲۸۔ ذوالحجہ بروز دوشنبہ شہید ہوئے۔ روضۂ پاک میں حضرت صدیق اکبر کے پہلو میں دفن ہوئے۔ عمر مبارک ۶۳ رسال ہوئی۔ دس سال چھ مہینے پانچ دن بڑی شان و شوکت کے ساتھ نیابت رسول کا حق ادا کیا۔ انھیں کے عہد خلافت میں وقت کے دو عظیم فرعون، قیصر روم و کسریٰ ایران کی ہزار ہا سالہ جابرانہ ظالمانہ سلطنتیں پاش پاش ہوئیں۔ عراق، ایران، مکران (بلوچستان) شام فلسطین

مصر وغیرہ وغیرہ بڑے بڑے ممالک اسلام کے زیر نگیں ہوئے۔ چار دانگ عالم میں اسلام کی ہیبت و شوکت بیٹھ گئی۔ جیسا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی تھی۔ علہ

ابو حفص کنیت، فاروق اعظم لقب ہے۔ ان سے ۵۳۹ حدیثیں مروی ہیں۔ صحابہ میں عمر بن خطاب نام کے اور کوئی صاحب نہیں البتہ راویان حدیث میں اس نام کے چھ حضرات ہیں۔ صحابہ کرام میں عمر نام کے ۲۳ اور حضرات ہیں۔ اور عمرو نام کے دو سو سے زائد صحابہ کرام ہیں۔ عمر اور عمرو لکھنے میں یکساں ہی ہے اس لئے امتیاز کیلئے عمرو کے ساتھ واو لکھا جاتا ہے اور عمر بغیر واو کے۔ جو واو کے ساتھ لکھا ہو وہ عمرو ہے عین کے فتحہ اور میم کے جزم کے ساتھ اور جو عمر بغیر واو کے ہے یہ عین کے ضمہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اہل سنت کا اجماع ہے کہ تمام امت سے افضل صدیق اکبر ہیں پھر فاروق اعظم پھر عثمان غنی پھر علی مرتضیٰ پھر عشرہ مبشرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

اس حدیث کی حیثیت ابن مندہ کی تصریح کے مطابق یہ حدیث علاوہ حضرت عمر کے، حضرت علی و حضرت سعد و حضرت ابو سعید خدری و عبد اللہ بن مسعود و عبد اللہ بن عمرو و انس و ابن عباس و معاویہ و ابوہریرہ و عبادہ بن صامت و عتبہ بن عبد السلمی و ہلال بن سوید و عقبہ بن عامر و جابر و ابو ذر و عتبہ ابن منذر و عقبہ بن مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے۔ ابن مندہ کا یہ قول اگر صحیح ہے تو یہ حدیث متواتر ہے۔ مگر اکثر محدثین کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث صرف حضرت عمر ہی سے مروی ہے۔ اور ان کے بعد یحییٰ بن سعید انصاری تک اس کے راوی ایک ایک رہے۔ یحییٰ بن سعید کے بعد یہ حدیث پھیلی۔ ابو سعید محمد بن علی نے شمار کرایا ڈیڑھ سو اور ابن مندہ نے کہا کہ تین سو سے زائد۔ حافظ ابو موسیٰ مدینی اور ابو اسماعیل ہروی نے کہا کہ سات سو حضرات نے یحییٰ بن سعید سے اس حدیث کو روایت کیا۔ اس پر کچھ کلام بھی کیا گیا ہے۔ مگر عند التحقیق یہ حدیث صحیح غریب مشہور ہے۔

ام الاحادیث ہے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت حماد کو بیش باتوں کی نصیحت فرمائی تھی ان میں ایک یہ بھی تھی کہ میں نے پانچ لاکھ حدیثوں میں سے پانچ حدیثیں منتخب کی ہیں ان پر اعتماد کرنا۔ پھر انھیں پانچوں حدیثوں کو ذکر فرمایا

سبب ارشاد حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ کہ ہم میں ایک شخص نے ام قیس نامی ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ ام قیس نے یہ شرط رکھی اگر تم مدینہ ہجرت کر کے چلو تو تم سے نکاح کروں گی۔ انھوں نے ہجرت کی اور ان دونوں کا نکاح ہوگیا۔ ان کو ہم لوگ مہاجر ام قیس کہتے تھے (طبرانی معجم کبیر) اس پر علامہ ابن حجر نے اعتراض فرمایا۔ کہ یہ محض قیاس ہے۔ اس واقعہ کو سبب ارشاد ٹھہرانا درست نہیں اس لئے کہ روایتاً ثبوت ضروری ہے۔ اور روایت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

علہ الاعلام۔ علہ متممات جامع الاصول للشیخ احمد گمشخانوی۔

(یا ایہا الناس) انما الاعمال بالنیات

اے لوگو! ـــــ اعمال کا دارومدار نیت ہی پر ہیں

اسی طرح ابن بطال مشہور محدث نے بحوالہ ابن سراج یہ بتایا کہ اسلام سے پہلے عرب اپنی لڑکیوں کا نکاح عجمی نسل کے لوگوں سے نہیں کرتے تھے۔ اسلام میں ایسے نکاح ہونے لگے تو بہت سے عجمی النسل ہجرت کرکے مدینہ پہونچے کہ ہمارا نکاح عربی عورتوں سے ہو جائے۔ اس پر یہ ارشاد فرمایا۔ اس پر وہی ایراد ہے کہ اس کا کیا ثبوت کہ اسی وجہ سے یہ ارشاد فرمایا ـــــ یہ کہنا کہ ان لوگوں نے ایسی روایت پر اطلاع پائی جبھی تو اسے سبب ٹھہرایا۔ یہ جواب پہلی وجہ میں بھی چل سکتا ہے کہ جن لوگوں نے مہاجر ام قیس کے واقعہ کو سبب ٹھہرایا۔ انھیں بھی کوئی روایت معتمد ملی ہوگی واللہ

الاعمال یہ عمل کی جمع ہے یہ اور فعل مرادف ہیں۔ مگر عند الاطلاق افعال سے مراد افعال جوارح ہی ہوتے ہیں۔ اور اعمال عام ہے افعال جوارح افعال لسان افعال قلب سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے[۱]۔ جس کی دلیل بخاری شریف کی یہ حدیث ہے۔ جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال ہوا۔ کون سا عمل افضل ہے۔ فرمایا۔ اللہ اور رسول پر ایمان، پوچھا گیا پھر کون تو فرمایا۔ جہاد۔ پھر دریافت کیا گیا پھر کون فرمایا حج مقبول۔ یہ عبادات، محرمات، مکروہات، مباحات سب کو شامل ہے۔ مگر یہاں مراد صرف " اعمال صالحہ ہیں۔ اور بنظر دقیق صرف عبادتیں۔

نیات نیت کی جمع ہے۔ نیت، دل کے پختہ ارادے کو کہتے ہیں خواہ وہ کسی چیز کا ہو۔ اور شریعت میں عبادت کے ارادے کو کہتے ہیں۔ (تلویح)

ارادہ، عزم، قصد محققین کے نزدیک ارادہ اس صفت کو کہتے ہیں جس سے دو متساوی چیزوں میں ایک کو ترجیح دی جائے خواہ قدیم ہو خواہ حادث نیت، عزم قصد تینوں میں ارادہ حادث مراد ہے۔ اسی لئے ان کا اطلاق باری تعالیٰ پر نہیں ہوتا بخلاف ارادے کے کہ اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر بھی ہوتا ہے۔

عزم وہ ارادہ ہے جو فعل پر مقدم ہو۔

قصد، وہ ارادہ ہے جو فعل سے متصل اور فعل کے ساتھ پایا جاتا ہو۔

نیت، وہ ارادہ ہے جو عمل سے متصل و مقترن ہونے کے ساتھ ساتھ اسمیں عمل کی غایت بھی ملحوظ ہو۔

[۱] حاشیہ خیالی ملا عبد الحکیم۔

مثلاً ایک شخص نے حج کا ارادہ کیا۔ سفر شروع کرنے تک عزم ہے۔ سفر شروع ہونے کے بعد قصد۔ اور اگر اسمیں یہ بھی ملحوظ ہے کہ یہ حج کا سفر ہے تو نیت

امام شافعی کا مذہب

وضو میں نیت شرط ہے یا نہیں۔ امام شافعی وغیرہ کے نزدیک وضو میں نیت شرط ہے اس لئے اگر کسی نے وضو بغیر نیت کیا تو اس کا وضو صحیح نہ ہوا۔ اس وضو سے نماز نہ ہوگی۔ ان کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے۔

امام شافعی کا استدلال

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ الاعمال سے مراد عبادات ہیں۔ مطلقاً ہر عمل نہیں مثلاً مباح یا گناہ مراد نہیں۔ الاعمال پر الف لام استغراق کے لئے ہے۔ اس لئے اسمیں تمام عبادات داخل ہیں۔ خواہ وہ مقصودہ ہوں خواہ غیر مقصودہ۔ اور اگر الف لام جنس کے لئے مانیں تو بھی یہی حال۔ اس لئے کہ انما حصر کے لئے ہے۔ اور مسند الیہ کا معرفہ ہونا بھی مفید حصر ہے۔ اور جنس کا حصر اسی وقت ہوگا جبکہ اس کے تمام افراد کا حصر ہو۔ اگر ایک فرد بھی خارج ہوگا تو جنس کا حصر نہ ہوگا۔

باتفاق فریقین الاعمال کا مضاف محذوف ہے۔

کسی خاص مضاف کے حذف پر کوئی قرینہ نہیں۔ اس لئے مضاف محذوف عام ہوگا۔ یعنی وجود، حصول وغیرہ۔

تو اب مطلب یہ ہوا کہ کوئی عمل بغیر نیت کے موجود نہیں ہوتا۔ یہ باطل۔ اس لئے کہ اذان، قرات، ذکر وغیرہ بہت سی عبادتوں کا وجود باتفاق فریقین ہوجاتا ہے۔

تو اب اس حدیث کے صدق کے لئے یہاں معنی مجازی مراد لینا لازم ہوا اور یہ معنی مجازی حکم ہے۔ اور حکم دو ہیں۔ دنیوی یعنی صحت وفساد۔ اور اخروی یعنی ثواب۔

امام شافعی کے یہاں عموم مجاز مراد لینا جائز نہیں۔ اس لئے بیک وقت دونوں مراد نہیں ہوسکتے ان دونوں میں صرف ایک ہی مراد ہوگا۔ بہ نسبت ثواب کے صحت، عمل سے قریب تر ہے۔ اس لئے کہ صحت عمل پر مرتب ہوتی ہے اور ثواب صحت عمل پر یعنی صحت کا ترتب عمل پر بلا واسطہ ہے۔ اور ثواب کا بواسطہ۔ اس لئے صحت مراد لینے کو، ثواب پر ترجیح ہوئی ——— اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جتنے بھی اعمال ہیں۔ خواہ مقصودہ ہوں خواہ غیر مقصودہ سب کی صحت نیت پر ہے۔ اگر نیت ہے تو صحیح ورنہ فاسد۔ اس لئے وضو بھی بلا نیت صحیح نہیں

جواب

اس استدلال سے یہ ثابت ہوا کہ کوئی عبادت نیت کے بغیر عبادت نہیں۔ اس سے ہمیں انکار نہیں

ہم بھی یہ مانتے ہیں کہ بلانیت کوئی بھی عمل عبادت نہیں۔ حتی کہ وضو و غسل بھی بغیر نیت عبادت نہ ہوں گے۔ مگر کسی عمل کا صحیح ہونا اور بات ہے اور اس کا عبادت ہونا اور بات۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شے فی نفسہ صحیح ہو مگر عبادت نہ ہو جیسے نکاح۔ اگر بلانیت طاعت کیا عبادت نہ ہوا۔ مگر شرعاً صحیح ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں۔ اگر کسی نے بغیر نیت وضو کیا تو یہ وضو صحیح اگرچہ عبادت نہ ہوگا اس پر ثواب نہ ملے گا۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں۔ مقصودہ جیسے نماز روزے۔ ان سے مقصود حصول ثواب ہے انھیں اگر بغیر نیت ادا کیا جائے تو یہ صحیح نہ ہوں گے اس لئے کہ ان سے مقصود ثواب تھا اور جب ثواب مفقود تو فوات مقصود کی وجہ کو اصل شے مفقود۔

دوسری عبادت غیر مقصودہ جو دوسری عبادتوں کے لئے ذریعہ ہوں جیسے نماز کے لئے چلنا، وضو غسل وغیرہ۔

ان عبادات غیر مقصودہ کو اگر کوئی بہ نیت طاعت کرے گا تو اسے ثواب ملے گا۔ اور اگر بلانیت کرے تو ثواب نہیں ملے گا۔ مگر یہ ذریعہ وسیلہ ہونے کے اعتبار سے شرعاً صحیح ہوں گی اور ان سے نماز صحیح ہو جائے گی۔ اور شوافع کے استدلال سے ثابت ہوا تو یہ کہ بغیر نیت وضو عبادت نہیں، یہ ثابت نہ ہوا کہ وہ اس معنی کر صحیح بھی نہ ہوا کہ نماز کے لئے ذریعہ بن سکے۔ یہ اگر عبادت نہ رہا تو کوئی خرابی نہیں۔ ان کا دوسرا اور اہم مقصد ذریعہ عبادت ہونا باقی رہا۔ جیسے چلنا اگر بے نیت طاعت مسجد کی طرف چلا تو یہ ثواب نہ ہوا مگر ذریعہ نماز تو ہو گیا۔ اسی طرح غسل طہارت ظاہری جس میں وضو بھی داخل ہے۔ بے نیت صحیح اگرچہ عبادت نہیں۔

احناف کا استدلال

شوافع کے استدلال سے ثابت ہوا کہ چند باتیں انھیں بھی تسلیم ہیں (۱) اعمال سے مراد عبادات ہیں (۲) نیت سے مراد نیت کا شرعی معنی۔ ارادہ طاعت ہے (۳) اور یہاں الاعمال کا مضاف محذوف ہے۔ (۴) اور یہ ضرورۃً محذوف مانا گیا ہے ــــــ اب احناف کہتے ہیں :- جو چیز ضرورۃً مقدر مانی جاتی ہے وہ بقدر ضرورت ہو گی ضرورت کو زیادہ ماننے میں مفاسد کا فتح باب ہے۔

نیز اس کے حذف پر قرینہ بھی ہونا ضروری ہے۔ خواہ عقلی خواہ لفظی خواہ معنوی۔ تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ کسی بھی عبادت کا ثواب بغیر نیت نہیں ــــــ نیز اس حدیث کا اخیر حصہ :-

"جس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہے اور جس کی ہجرت عورت یا دنیا کے لئے ہو

اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی "۔

ـــــ ان دو عقلی اور لفظی قرائن کی وجہ سے یہاں ثواب کا محذوف ماننا ضروری ہے۔ اور اتنے سے حذف کی ضرورت پوری ہوگئی اور ثواب حکم اخروی ہے تو حکم دنیوی یعنی صحت مراد لینا ساقط۔ نیز اگر حکم کو محذوف مانیں اور مراد لیں دنیوی حکم یعنی صحت۔ تو حدیث کا اخیر حصہ اول کے معارض ہوگا۔ کیونکہ، انما الاعمال بالنیات کا مطلب یہ ہوا کہ بغیر نیت عمل صحیح نہیں۔ یعنی اس کا وجود ہی نہیں۔ اور عامل بری الذمہ نہیں ـــــ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلا نیت طاعت صرف حصول دنیا یا حصول عورت کے لئے ہجرت کرنے والے کی ہجرت کو ہجرت فرمایا۔ اور ان کو ادائے فرض سے بری الذمہ مانا۔ ورنہ لازم آئے گا کہ یہ صحابہ تارک فرض ہو کر فاسق ہوئے۔ کیونکہ قبل فتح مکہ ہجرت فرض تھی۔ اور صحابہ کل عادل۔ تو ماننا پڑے گا کہ یہ ہجرت صحیح اور ایسے مہاجر بھی ہجرت کے فرض سے سبکدوش ہوگئے۔ اس لئے حدیث کے اول و آخر کو تعارض سے بچانے کے لئے ثواب کو محذوف ماننا لازم۔ اب جبکہ ثابت ہوگیا کہ یہاں محذوف ثواب ہے۔ تو حدیث کا یہ مطلب ہوا کہ ـــــ

ـــــ اعمال کا ثواب نیت ہی پر ہے۔ بغیر نیت کسی عمل پر ثواب کا استحقاق نہیں۔

ـــــ بلکہ اب اس کی بھی حاجت نہ رہی کہ اعمال کو عبادات کے ساتھ خاص رکھا جائے۔ مباحات بھی اگر بہ نیت طاعت کئے جائیں تو ان پر بھی ثواب ملے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اب یہ مباحات عبادات ہو جائیں گے۔ مگر یہاں بحث یہ نہیں کہ کیا چیز مآل کے اعتبار سے عبادت ہو سکتی ہے۔ بلکہ گفتگو اس میں ہے کہ جو چیز فی الحال عبادت ہے وہی مراد ہے۔ یا جو فی الحال مباح ہے اور مآل کار عبادت ہو وہ بھی مراد ہے۔

وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى[۱]

ہر شخص کیلئے وہی ہے جو اس نے نیت کی[۱]

صرف نیت پر ثواب[۱]

اول حصے میں "اعمال" افعال جوارح و افعال قلب کو شامل تھا جس میں نیت بھی داخل ہے۔ مگر نیت کے لئے نیت ضروری قرار دینے میں تسلسل لازم آتا ہے کہ پھر اس نیت کے لئے بھی نیت ضروری ہوگی۔ اسی طرح یہ سلسلہ غیر متناہی چلے گا۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ "وہاں اعمال" سے نیت خارج "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" سے نیت کے سوا جملہ اعمال کا حکم بیان فرمانے کے بعد نیت کا حکم ارشاد فرمایا۔

کہ ہر شخص کو اس کی نیت ہی کا ثواب ملے گا

اس کی تشریح اس حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا۔

اذا هَمَّ عَبدی بسیئة فلا تکتبوها واذا	جب کوئی بندہ برائی کا ارادہ کرے تو مت لکھو
هَمَّ بحَسَنة فلم یعملها فاکتبوها حسنة	جب بندہ کسی نیکی کرنے کا ارادہ کرے اور نہ کرسکے
فان عملها فاکتبوها عشراً	تو ایک نیکی لکھو۔ اور اگر اسے کرلے تو دس لکھو

(بخاری کتاب التوحید۔ مسلم کتاب الایمان)

غزوہ تبوک میں ارشاد فرمایا ــــ مدینہ طیبہ میں کچھ لوگ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے رہ گئے۔ ہمارے ساتھ نہیں آسکے وہ بھی ثواب میں ہمارے شریک ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! جب وہ ہمارے ساتھ شریک نہیں تو ثواب میں کیسے شریک ہوگئے۔ فرمایا اپنی سچی نیت کی بدولت۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تیمارداری کی وجہ سے غزوہ بدر میں شریک نہ ہوسکے مگر اپنی نیت کی بدولت ثواب میں شریک ہیں۔ اور مال غنیمت میں بھی انھیں حصہ ملا ــــ

اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ آدمی اگر کسی نیک کام کرنے کا ارادہ کرے اور نہ کرسکے تو اس پر بھی ثواب ملے گا اسی کو دوسری حدیث میں فرمایا۔ "نية المؤمن خير من عمله" مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

---

[۱] في نسخة اخرى۔

مَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَنْ

مد اجس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہے اور جسکی ہجرت

کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوْ اِلَی امْرَأَۃٍ یَنْکِحُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ

دنیا کی طرف ہو کہ اسے حاصل کرے یا کسی عورت کی جانب ہو کہ اس سے شادی کرے تو اسکی ہجرت اسی کیطرف ہو جسکی طرف اُسنے ہجرت کی

اس طرح کہ نیت پر ثواب بلا شرط ہے۔ اور عمل پر بشرط نیت ہے۔ نیز نیت میں کوئی مشقت نہیں۔ اور عمل میں مشقت ہے

تفریع دو حکم کلی بیان فرمانے کے بعد اس پر دو جزیے کی تفریع فرمائی۔ حصر کے دو جز ہوتے ہیں۔ وجودی ۔ عدمی۔ اسی طرح یہاں بھی ہیں ایک وجودی یعنی تمام اعمال کا ثواب نیت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اسپر ارشاد فرمایا:-

"جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو۔ اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہے"

دوسرے عدمی یعنی کسی عمل پر بغیر نیت ثواب نہیں۔ اس پر فرمایا:۔

"اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنیکے لیے ہو اسکی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس کو ہجرت کی"

ہجرت کے معنی (۱) ہجرت کے معنی لغوی چھوڑنے کے ہیں۔ حدیث میں ہے:۔

المھاجر من ھجر ما نھی اللہ عنہ مہاجر وہ ہے جو چھوڑ دے جس سے اللہ نے منع فرمایا۔

شریعت میں ہجرت، دین بچانے کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کو کہتے ہیں۔ ہجرت کبھی فرض ہوتی ہے کبھی واجب کبھی سنت کبھی مستحب۔ کبھی حرام کبھی مکروہ کبھی خلاف اولیٰ۔

دنیا (۲) دُنُوٌّ سے مشتق ہے۔ فعلیٰ کے وزن پر اسم تفضیل کا مونث ہے۔ دنو کے معنی قریب ہونا۔ دنیا کے معنی لغوی بہت زیادہ قریب ہونے والی ۔۔۔ اور معنی عرفی سے مناسبت یہ ہے کہ دنیا زوال و فنا کے بہت قریب ہے۔

شریعت میں دنیا کسے کہتے ہیں۔ اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے دنیا ہے۔ دوسرے یہ کہ تمام مخلوقات خواہ اعراض ہوں خواہ جواہر دنیا ہیں۔

ہجرت کے اقسام (۳) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چار قسم کی ہجرت ہوئی:۔

حبشہ کی ہجرت اولیٰ ۔ حبشہ کی ہجرت ثانیہ ۔ قبل فتح، مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت

ابخاری کتاب الایمان عتق۔ ہجرت۔ کتاب النکاح۔ ایمان والنذر۔ کتاب الحیل۔ اکراہ۔ طلاق ۔۔۔ مسلم باب الامارۃ ۔۔۔ ابوداؤد طلاق۔ نسائی طہارت۔ طلاق۔ ایمان ۔۔۔ ابن ماجہ زہد ۔۔۔ ترمذی مسند امام احمد دار قطنی ابن حبان بیہقی۔

(۲) حدیث، وحی کے اقسام

عَنْ عَائِشَۃَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے،

قبائلِ عرب کی مدینہ کی طرف ہجرت ــــــ احادیث میں جہاں کہیں ہجرت کا لفظ مطلق آیا ہے اس سے مراد مدینے کی طرف ہجرت ہے۔ اس کے علاوہ احادیث میں ہجرت کا اطلاق ان معانی پر بھی آیا ہے (۱) شرعی وجوہ کی بنا پر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے جب تک توبہ منقطع نہ ہوگی ہجرت بھی منقطع نہ ہوگی۔ اور توبہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد منقطع ہوگی (ابوداؤد۔ نسائی) اور فرمایا جب تک جہاد ہے ہجرت ہے جب تک دشمن لڑتا رہے گا ہجرت ہے (مسند امام احمد) اسی میں ایک حدیث یہ بھی ہے۔ ہجرت کے بعد ہجرت ہوگی۔ زمین کے اچھے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کی جگہ (شام) میں منتقل ہو جائیں گے اور بقیہ زمین پر بدترین لوگ رہ جائیں گے (۲) منہیات شرعیہ چھوڑنا۔

اس حدیث سے کتاب کے آغاز کا مقصد ہر کام پر ثواب چونکہ حسن نیت ہی پر مبنی ہے۔ اور نیت بھلے برے سے اچھا کام بیکار ہے۔ اس لئے امام بخاری نے اس حدیث سے کتاب کا آغاز کیا کہ قاری و مقری، شیخ و تلمیذ، تعلیم و تعلم بہ نیت خیر کریں کسی فاسد نیت سے نہ کریں ورنہ سب محنت اکارت اور رائگاں ہے۔

(۲) تشریحات

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نام نامی ہے۔ ام المومنین۔ صدیقہ۔ خطابات اور ام عبداللہ کنیت۔ آپ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے بھانجے حضرت اسماء کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اعتبار سے ام عبداللہ کنیت رکھی۔

ام المومنین خاص انہیں کے لئے نہیں، بلکہ تمام ازواج مطہرات کو کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا؛

اَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ۔

نبی کی بیویاں مومنین کی مائیں ہیں

یہ خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر کی صاحبزادی ہیں۔ ماں کا نام، ام رومان ہے جن کا وصال سنہ ۵۸ھ میں ہوا۔

حضرت صدیقہ سنہ ۴ نبوی میں پیدا ہوئیں سنہ ۱۰ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد حبالۂ عقد میں آئیں دیگر ازواج مطہرات کے برابر چار سو درہم مہر مقرر ہوا۔ نکاح کے بعد تین سال تک مکہ معظمہ رہیں ہجرت کے بعد جب یہ بھی مدینہ طیبہ آگئیں۔ تو نو سال کی عمر میں رخصتی ہوئی۔ نو سال خدمت اقدس میں رہیں۔ بعد وصال ۴۸ سال زندہ رہیں سنہ ۵۸ھ بماہ رمضان بتاریخ ۱۷ شب سہ شنبہ میں بعمر ۶۶ سال مدینہ منورہ میں وصال فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ وصیت کے مطابق دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ جنت البقیع میں بعد نماز وتر دفن ہوئیں۔

یہ تمام فضائل و کمالات میں جملہ ازواج مطہرات سے ممتاز ہوتے ہوئے تین ایسی خصوصیات رکھتی ہیں جو کسی میں نہ تھیں۔

(۱) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ سے بہ نسبت دیگر ازواج کے سب سے زیادہ محبت تھی۔

(۲) علم و اجتہاد میں سب سے زیادہ بڑھی ہوئی تھیں۔ حضرات خلفاء راشدین کے عہد ہی سے فتوی دیتی تھیں۔

(۳) جتنی احادیث ان سے مروی ہیں، ازواج مطہرات میں سے کسی سے مروی نہیں — اسی وجہ سے ایک قول یہ ہے کہ یہ دنیا کی تمام عورتوں سے مطلقاً حتی کہ حضرت سیدہ اور حضرت خدیجہ سے بھی افضل ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ چونکہ حضرت سیدہ صاحبزادی ہیں۔ جزئیت رسول کی وجہ سے یہ سب سے یہاں تک کہ حضرت صدیقہ سے بھی افضل ہیں۔

ایک فاسد استدلال لیکن یہ استدلال بے وزن ہے اس لئے کہ پھر لازم آئے گا کہ حضرت قاسم حضرت طیب حضرت طاہر حضرت زینب حضرت رقیہ حضرت ام کلثوم حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت سیدہ کی فضیلت میں مساوی اور حضرت صدیقہ بلکہ خلفائے راشدین سے بھی افضل ہوں — اور اس کی جرأت کوئی نہیں کرسکتا نہ اہلسنت نہ روافض۔

ایک لطیفہ ایک دفعہ حضرات خلفائے ثلثہ کی حضرت علی پر افضلیت کی گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک صاحب نے بڑے جذباتی لہجہ میں کہا۔ جگر جگر ہے۔ دگر دگر ہے۔

اس پر میں نے برجستہ کہا کہ حضرت علی جگر ہیں؟ کہاں؟ پھر لازم کہ حضرت زینب رقیہ و ام کلثوم و سیدہ حضرت علی سے بھی افضل ہوں۔ بلکہ حضرت حسنین اور ان کے صاحبزادگان کا بھی حضرت علی سے افضل ہونا لازم آئے گا کہ یہ سب جگر ہیں اور حضرت علی جگر نہیں۔ اس پر وہ بہت جھگڑائے۔

یہ تو محض نقل اقوال و استدلال فاسد کا جواب تھا۔ ورنہ اپنا ذوق، توقف ہے۔ ہاں یہ تفصیل کی جاسکتی ہے کہ حضرت خدیجہ و

أَنَّهَا قَالَتْ إِنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا

صدیقہ اور حضرت سیدہ تمام دنیا کی عورتوں سے افضل ازواج مطہرات میں سب سے افضل حضرت خدیجہ اور حضرت صدیقہ اور بنات کرام میں سب سے افضل حضرت سیدہ ہیں۔

ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں۔ ۱۷۴ متفق علیہ ہیں ۵۴ صرف بخاری ۶۸ صرف مسلم نے روایت کیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ دین کا چوتھائی حصہ آپ سے مروی ہے۔ اجلہ صحابہ کرام دقیق سے دقیق مشکل سے مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے اور تسلی بخش جواب پاتے۔ تفسیر حدیث فقہ انساب۔ اسرار شریعت کی ماہر تھیں۔ خطابت میں بھی کمال حاصل تھا۔

حارث بن ہشام

حضرت سیف اللہ خالد بن ولید کے چچا زاد اور ابوجہل لعین کے حقیقی بھائی تھے جنگ بدر و احد میں قریش کے ساتھ تھے۔ فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ یہ پہلے گھبرائے ہوئے حضرت ام ہانی کے پاس آکر ان سے پناہ لی۔ حضرت علی چاہتے تھے کہ قتل کر ڈالیں۔ حضرت ام ہانی آڑے آئیں۔ مقدمہ دربار اقدس میں پیش ہوا۔ ام ہانی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے جسے پناہ دی ہے علی اسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا: اے ام ہانی جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی۔

حضرت حارث کے بہتیرے صاحبزادے تھے۔ جن میں ابوبکر مدینے کے مشہور فقہائے سبعہ میں ہیں ـــــ خلافت فاروقی میں مکہ معظمہ سے شام اس عزم سے نکلے کہ اب گھر واپس نہیں آنا ہے بقیہ عمر جہاد ہی میں بسر کرنی ہے۔ اللہ عزوجل نے یہ خواہش پوری فرمائی سنہ ۱۵ھ رجب میں جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔

نبی اور رسول کی تحقیق

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی اور رسول ہم معنی ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے۔

اس بارے میں علماء کے چار اقوال ہیں:۔

(۱) دونوں ہم معنی ہیں۔ (۲) دونوں مغائر ہیں۔ (۳) ان میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔ (۴) ان میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے

جو لوگ ہم معنی کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں متعدد جگہ رسول بولا گیا ہے اور مراد انبیاء ہیں۔ مثلاً فرمایا:۔

وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ — موسیٰ کے بعد ہم نے مسلسل رسول بھیجے

حالانکہ فرق کرنے والے جو معنی رسول کے بتاتے ہیں اس معنی کر ان میں کوئی رسول نہ تھا ـــــ فرمایا:۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ — ان رسولوں کے مابین ہم تفریق نہیں کرتے۔

اور فرمایا

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ　ان سے پہلے کچھ رسولوں کے واقعات ہم نے بیان فرمائے

وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ　کچھ کے ابھی نہیں بیان فرمائے۔

ان دونوں آیتوں میں اور ان کے علاوہ کثیر آیتوں میں " رسول " سے مراد تمام انبیاء کرام ہیں خواہ بمعنی مصطلح رسول ہوں خواہ نہوں

جو لوگ دونوں کے معنی میں مغایرت کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ ارشاد فرمایا

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ　تم سے پہلے جتنے نبی اور رسول بھیجے سب کا حال یہ ہوا

اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ　کہ ان کی تلاوت میں کبھی کبھی شیطان نے کچھ دخل دیا۔

اس آیت میں نبی پر رسول کا عطف ہے اور عطف دلیل مغایرت ہے — جو لوگ عموم وخصوص کے قائل ہیں ان کی

دلیل یہ ہے کہ حضرت اسماعیل اور حضرت موسیٰ کے لئے فرمایا۔

وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا　یہ نبی رسول تھے

اگر ترادف ہوتا تو دونوں کا ذکر بے فائدہ ہوتا۔ تغایر ہوتا تو اجتماع محال۔ تو معلوم ہوا کہ عموم وخصوص ہے

نبی اور رسول کی تعداد　مسند امام احمد میں حدیث میں ہے۔ کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ انبیاء کی تعداد

کتنی ہے فرمایا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ عرض کیا ان میں رسول کتنے ہیں۔ ارشاد فرمایا تین سو دس سے کچھ زائد۔ اور ایک روایت میں ہے

تین سو پندرہ۔ تیسری روایت میں ہے تین سو تیرہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر رسول نبی ہے۔ مگر ہر نبی رسول نہیں۔ یہ دلیل ہے عموم خصوص مطلق کی

جو لوگ کہتے ہیں کہ عموم خصوص من وجہ ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ فرشتوں پر قرآن مجید و احادیث میں رسول کا اطلاق آیا ہے۔ مگر

ان پر نبی کا اطلاق کہیں نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ فرشتے رسول ہیں مگر نبی نہیں۔ حضرت زکریا یحییٰ شعیا وغیرہ نبی ہیں مگر رسول نہیں حضرت

ابراہیم حضرت موسیٰ وغیرہ رسول بھی ہیں نبی بھی ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ عموم خصوص من وجہ ہے

جو لوگ نبی اور رسول میں عموم خصوص مطلق مانتے ہیں وہ نبی کی یہ تعریف کرتے ہیں :- نبی۔ وہ بشر ہے جس کے پاس من جانب اللہ وحی آتی ہو

خواہ صاحب شریعت جدیدہ و دین جدید ہو خواہ نہ ہو — رسول وہ نبی ہے جو صاحب شریعت جدیدہ و دین جدید ہو۔

اس تعریف پر فرشتے بمعنی مصطلح رسول نہ ہوں گے۔ اطلاق کا جواب یہ لوگ یہ دیتے ہیں۔ یہ بمعنی لغوی ہے۔

لہ مشکوٰۃ بحوالہ مسند امام احمد

فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَيْفَ يَأْتِيكَ الْوَحْيُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضور کے پاس وحی کیسے آتی ہے ؟ ف ۱ تو فرمایا! ف ۲ کبھی گھنٹی کی آواز کے مثل

گر اس تعریف پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ ابھی گزرا کہ حضرت اسماعیل رسول تھے مگر یہ شریعت جدیدہ لیکر نہیں آئے حضرت ابراہیم کی شریعت کے پابند تھے۔

صحف انبیاء کی تعداد نیز گزرا کہ رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ یا پندرہ تھی اور صحیفے کل ایک سو چار نازل ہوئے وہ بھی اس تفصیل سے۔ دس صحیفے حضرت آدم پر پچاس حضرت شیث پر۔ تیس حضرت ادریس پر۔ دس حضرت ابراہیم پر۔ توریت حضرت موسیٰ پر زبور حضرت داؤد پر۔ انجیل حضرت عیسیٰ پر۔ قرآن ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و بارک وسلم پر۔ ؎

اس کے مطابق صاحب کتاب صرف نو انبیاء کرام ہوئے۔ اس لئے محققین نے یہی اختیار فرمایا کہ نبی اور رسول کی یہ تعریف جامع نہیں۔ اور جامع مانع تعریف یہ ہے :۔

نبی وہ بشر ہے جس کی طرف وحی ربانی آتی ہو وہ تبلیغ کا مامور ہو یا نہ ہو۔ رسول وہ ہے جس کے پاس وحی بھی آئے اور وہ تبلیغ کا بھی مامور ہو۔ ؎

رسول کی یہ تعریف فرشتوں پر بھی بلا تکلف صادق ہے۔ فرشتوں پر جو رسول کا اطلاق ہوا ہے اسے معنی لغوی کی طرف پھیرنا ظاہر کے خلاف ہے۔ اس لئے نبی اور رسول میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہوئی۔

وحی کے معانی (۱) وحی کے لغوی معنی یہ ہیں۔ اشارہ کرنا۔ لکھنا۔ پیغام بھیجنا۔ دل میں بات ڈالنا۔ خفیہ بات کرنا وغیرہ۔ اور اصطلاح شرع میں۔ وحی اس کلام کو کہتے ہیں جو کسی نبی پر اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہو۔

اقسام وحی (۲) انبیاء کے حق میں وحی تین قسم پر ہے (۱) بلا واسطہ ملک بنفس نفیس باری عز اسمہ کا کلام قدیم سننا جیسے شب معراج ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر سنا۔ (۲) فرشتہ کی وساطت سے کلام الٰہی سنے (۳) انبیاء کرام کے قلوب میں معانی کا القاء کیا جائے۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

اِنَّ رُوْحَ الْاَمِیْنِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ جبریل امین نے میرے قلب میں القاء فرمایا۔

وحی کی صورتیں (۳) پھر تینوں قسمیں سات صورتوں میں منحصر ہیں جیسا کہ سہیلی نے ذکر فرمایا (عینی) (۱) خواب میں ہو جیسا کہ

؎ بیضاوی ؎ نزہۃ القاری ؎ جلالین۔ المعتقد المنتقد۔ و حاشیۃ المستند المعتمد۔

أَحْيَانًا يَأْتِينِي مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ أَشَدُّهُ عَلَيَّ فَيُفْصَمُ عَنِّي وَقَدْ وَعَيْتُ

کبھی تو وہ میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ مجھ پر سب سے زیادہ سخت ہے فرشتہ جو کہتا ہے اس کو میں یاد کر لیتا ہوں تو یہ کیفیت دور ہو جاتی ہے

عَنْهُ مَا قَالَ وَأَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلًا فَيُكَلِّمُنِي فَأَعِي مَا يَقُولُ قَالَتْ

اور کبھی فرشتہ مرد کی شکل میں آکر مجھ سے کلام کرتا ہے جو وہ کہتا ہے اسے یاد کر لیتا ہوں

عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيدِ

حضرت عائشہ نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ سخت جاڑے کے دن میں وحی اترتی

الْبَرْدِ فَيُفْصَمُ عَنْهُ وَإِنَّ جَبِينَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا

تو نزول وحی کے اختتام پر جبین اقدس پسینہ پسینہ رہتی ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں حضرت اسماعیل کی قربانی کا حکم ہوا (۲) قلب میں القا ہو (۳) جرس (گھنٹی) کی آواز کی صورت جیسا کہ حدیث زیر بحث میں ہے (۴) فرشتہ کسی مرد کی شکل میں آکر کلام ربانی پیش کرے۔ جیسا کہ جبریل امین حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں آیا کرتے تھے (۵) جبریل امین اپنی ملکوتی شکل میں حاضر ہوں کہ ان کے چھ سو بازو ہوں جن سے یاقوت اور موتی جھڑتے ہیں (۶) اسرافیل وحی لے کر حاضر ہوں جیسا کہ امام شعبی نے فرمایا کہ ابتداء تین سال حضرت اسرافیل وحی پر مقرر تھے۔ پھر جبریل امین کے سپرد یہ خدمت ہوئی۔ انھیں کی وساطت سے پورا قرآن نازل ہوا (۷) اللہ عز وجل کا کلام قدیم سنیں خواہ بیداری میں جیسا کہ شب معراج ہمارے حضور نے سنا اور کوہ طور پر حضرت موسیٰ نے خواہ خواب میں جیسا کہ ترمذی شریف کی حدیث میں ہے:-

أَتَانِي رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ فَقَالَ — میرے پاس میرے رب نے مجھ پر بہترین تجلی فرمائی پھر پوچھا

فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰى — ملاء اعلیٰ کس بارے میں بحث کر رہے ہیں۔

پھر یہ سماع حجاب کے ساتھ ہو یا بلا حجاب

اس حدیث میں صرف دو مذکور ہیں

(۳) وحی کی سات صورتوں میں سے اس حدیث میں صرف دو صورتوں کا بیان ہے:- ایک جرس کی آواز کے مثل۔ دوسرے فرشتہ مرد کی شکل میں آکر کلام کرے۔ پہلی صورت کو فرمایا کہ یہ وحی مجھ پر سب سے زیادہ سخت ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نزول وحی کی تمام صورتیں سخت تھیں۔ مگر یہ سب سے زیادہ سخت تھی۔ اس کی اصل وجہ تو اللہ عز وجل اور اس کے رسول کو معلوم ہے۔

بخاری بدء الوحی و بدء الخلق۔ مسلم فضائل۔ ترمذی مناقب۔ نسائی افتتاح۔ موطا امام مالک مس قرآن۔ مسند امام احمد جلد ... ابن ماجہ

دوسری صورت کی تفصیل میں حضرت اسرافیل کی بھی حاضری شامل ہو سکتی ہے۔ رہ گئے حضرت جبریل تو ان کا مراد ہونا ظاہر ہے۔ زیادہ تر یہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں حاضر ہوتے تھے۔ اور کبھی بعض اعرابی کی بھی شکل میں جیسا کہ حدیث ۔۔۔ میں مفصل مذکور ہے۔

فرشتے مستقل نوع ہیں (۵) اس حدیث سے بصراحت ثابت ہوا کہ فرشتے ایک الگ مخلوق ہیں۔ ایک مخصوص نوع ہیں۔ ایسا نہیں کہ عناصر اور عناصر سے پیدا ہونے والی اشیاء کی فطری قوتوں کا نام فرشتہ ہے۔ جو شخص مخلوقات کی فطری قوتوں کا نام فرشتہ رکھے وہ کافر ہے۔

فرشتوں کی شکل (۶) ہر فرشتے کی ایک اپنی نوعی صورت ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبریل امین کو دیکھا کہ پورے افق کو گھیرے ہوئے ہیں اور ان کے چھ سو بازو ہیں جن سے موتی اور یاقوت جھڑتے ہیں۔ مگر بایں ہمہ یہ قوت حاصل کہ جو شکل چاہیں اختیار کریں۔ جیسا کہ حضرت جبریل دحیہ کلبی یا اعرابی کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔ جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ فرشتہ انسانی شکل میں کسی کے سامنے نمودار ہوا۔

نزول وحی کے وقت کی حالت (۷) حضرت ام المومنین کا یہ ارشاد: "میں نے دیکھا کہ سخت جاڑے کے دن میں نزول وحی کے اختتام پر جبین اقدس پسینہ پسینہ رہتی۔" یہ عام ہے ہر وحی کے لئے خواہ جرس کی آواز کے مثل ہو یا انسانی پیکر میں فرشتے کا آ کر ۔۔۔ کی حالت ہو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ نزول وحی سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بہت زیادہ بوجھ پڑتا تھا اس کے اثر سے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو جاتا کبھی سرخ ہو جاتا جیسے بخار سے بے چینی پیدا ہوتی ہے ویسی بے چینی پیدا ہو جاتی۔ تنفس تیز ہو جاتا منہ سے خراٹے کی آواز نکلتی جاڑوں میں چہرے سے پسینے کے قطرات یوں گرتے جیسے چاندی کے موتی جھڑ رہے ہوں۔ حدیث میں ہے کہ نزول وحی کے وقت اگر سوار ہوتے تو اونٹنی بیٹھ جاتی۔

زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری ران پر سر رکھ کر لیٹے تھے کہ یہ آیہ کریمہ "غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ" نازل ہوئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ران ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگی۔

میں کہتا ہوں ضبط وحی کی وساطت نہ ہوتی تو ران اور اونٹنی کیا ہے، پہاڑ باقی نہ رہتے۔ فرمایا گیا:

لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ

اگر ہم یہ قرآن پہاڑ پر اتارتے تو تم اسے اللہ کے خوف سے جھکا ہوا، پاش پاش دیکھتے۔

اللہ اکبر جس سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ اس کے ثقل کا جو تحمل کرے اس کی قوت کا کیا ٹھکانا۔

رہی یہ بات کہ صلصلۃ الجرس والی کیفیت میں سب سے زیادہ شدت کیوں تھی، اس کو اللہ جانے اور اس کے رسول جانیں۔ شراح حدیث نے مختلف نکات بیان کیے ہیں مگر سب اپنا اپنا ذوق ہے۔ اصل راز کسے معلوم؟

صلصلۃ الجرس کا مطلب (٨) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی کو ایسی بات بتانا چاہتے جو عقل سے ماورا ہو تو اس کے سمجھانے کے لئے عالم شہادت کی کوئی مناسب مثال ذکر فرماتے۔ یہاں جب حضرت حارث نے وحی کی کیفیت پوچھی اور اسکی کیفیت عام عقول کی دسترس سے باہر تھی تو اس کو یوں سمجھایا کہ تم لوگ گھنٹے کی آواز سنتے ہو جو تسلسل کے ساتھ آتی رہتی ہے مگر اس سے کوئی مفہوم نہیں اخذ کر سکتے۔ اسی طرح وحی بھی اتنے جلال کے ساتھ آتی ہے کہ خطاب کی ہیبت اور ارشاد کا وزن ثقل اس پر چھا جاتا ہے جسے الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ مگر اس کے باوجود جب یہ کیفیت فرو ہو جاتی ہے تو پوری وحی محفوظ ہوتی ہے جیسے سنی محفوظ ہوتی ہے

یہ کیفیت فرشتوں پر وحی کے مثل ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں پر کوئی حکم نازل فرماتا ہے تو ہیبت سے فرشتے اپنے بازوؤں کو سمیٹ لیتے ہیں جن سے ایسی آواز نکلتی ہے جیسے پتھر پر لوہے کی زنجیر گری ہو۔ جب ان کے دلوں سے ہیبت کا یہ اثر دور ہو جاتا ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کیا ارشاد ہوا؟

ان دو صورتوں میں کیا راز ہے (٩) ان دو قسموں میں راز یہ ہے کہ متکلم اور سامع میں یک گونہ مناسبت ضروری ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک ظاہری جو بشری ہے۔ دوسری باطنی جسے سوائے ان کے رب کے کسی نے نہیں جانا۔ ان دونوں حیثیتوں میں کبھی کسی کو غلبہ ہوتا کبھی کسی کو۔ جب بشری حیثیت کے غلبہ کا وقت ہوتا تو فرشتہ بشکل بشر آکر کلام کرتا ہے اور جب باطنی حیثیت کا غلبہ ہوتا تو باطنی حیثیت کے مطابق صلصلۃ الجرس والی کیفیت کے ساتھ وحی آتی۔ والعلم بالحق عند ربی جل مجدہ

(۳) حدیثِ حراء

عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ، اَوَّلُ مَابُدِئَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا اِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدار اچھے خوابوں سے ہوئی۔ ف جو خواب بھی حضور دیکھتے اس کی تعبیر صبح روشن

کیفیت وحی سے کتاب کے آغاز کا نکتہ ⊛ چونکہ تمام شرائع خواہ عقائد ہوں خواہ اعمال واقوال، سب کی بنیاد وحی پر ہے۔ اللہ کی ذات وجملہ صفات، رسول اور رسول کے تمام اوصاف۔ ایمانیات کی پوری تفصیل۔ عملیات کی جزئیات سب کا منبع وحی ہی ہے۔ اس لئے امام بخاری نے وحی سے اپنی معرکۃ الآرار کتاب کا آغاز کیا۔ وحی کی حقانیت پر ایمان کے بعد جملہ اصول وفروع پر ایمان بمنزلہ لازم غیر منفک کے ہے۔

تشریحات

رؤیا کی تحقیق (۱) رؤیا کے معنی خواب ہیں۔ یہاں الصالحۃ ہے، کتاب التعبیر میں الصادقہ ہے رویائے صادقہ صالحہ (سچے یا اچھے خواب) وہ ہیں جو انتشار اور شیطان کے دخل سے پاک ہوں یا جو اپنی تعبیر خود ہوں۔

ہر رویائے صادقہ انبیاء کے حق میں صالحہ ہیں۔ مگر دیگر لوگوں کے اعتبار سے صادقہ کبھی صالحہ ہوتے ہیں کبھی نہیں ۔۔۔ رؤیا کا اطلاق کبھی مجازاً، آنکھ سے دیکھنے پر بھی آتا ہے۔ آیہ کریمہ

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ — ہم نے تم کو جو جلوہ دکھایا اسے لوگوں کے لئے امتحان بنادیا

کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

رُؤْيَا عَيْنٍ اُرِيَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِهٖ — یہ آنکھ سے دیکھنا تھا جیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شب معراج دکھایا گیا

ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُو بِغَارِ حِرَاءٍ

کی طرح ظاہر ہوتی تھی۔ پھر آپ کے دل میں خلوت گزینی کی محبت ڈالدی گئی تھی اور آپ غار حرا میں خلوت اختیار فرماتے تھے

اسی لئے امام ابو عثمان نے فی النوم کا اضافہ کیا تاکہ یہ متعین ہو جائے کہ یہاں مراد خواب ہی ہے۔

انبیاء کے خواب بھی وحی ہیں (۲) من الوحی کی قید اس لئے لگائی گئی کہ معلوم ہو جائے کہ خواب بھی وحی کے اقسام میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا

رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَحْيٌ — انبیاء کرام کے خواب بھی وحی ہیں

اوائل نبوت جو وحی سے قبل ظاہر ہوئے۔ جیسے دھوپ میں ابر کا سایہ کرنا۔ درخت کے سایے کا آنحضور کی طرف جھک جانا بحیرا راہب کا واقعہ۔ شجر و حجر کا سلام کرنا۔ غیبی آوازیں سننا۔ روشنی دیکھنا۔ اس میں داخل نہیں۔

مقدمات وحی کی حکمت (۳) سچے خواب دیکھنا غیبی آواز سننا۔ روشنی دیکھنا۔ قوائے بشری کو غیبی باتوں سے مانوس کرنا اور ان سے تحمل کی تمرین کے لئے تھا۔ کہ جب اچانک فرشتہ آجائے تو قوائے بشری جواب نہ دے جائیں۔

ظہور نبوت کی ابتداء (۴) ان رویائے صادقہ کی مدت چھ ماہ تھی۔ جب یہ طے ہے کہ سورہ اقرا کا نزول رمضان میں ہوا تو معلوم ہوا کہ رویائے صالحہ کی ابتداء ربیع الاول شریف سے ہوئی۔ اسی طرح ربیع الاول شریف کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات سے چار خصوصیات وابستہ ہوئیں۔ ولادت۔ وصال۔ تکمیل ہجرت۔ ظہور نبوت

غار میں خلوت کی ابتداء (۵) ثُمَّ ترتیب کے ساتھ تاخیر پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اس سے مستفاد ہوا کہ بذریعہ خواب وحی کی آمد کے کچھ بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں اس مخصوص خلوت نشینی کی محبت پیدا ہوئی۔ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ۔ اس بات پر قرینہ ہے کہ اس کا القاء بذریعہ وحی ہی ہوا۔ اس لئے اس سے ثابت ہوا کہ اہل دعیال سے الگ تھلگ رہ کر پہاڑ کے غار میں یا کسی بھی جگہ خلوت نشینی، سنت ہے۔ خلوت نشینی کو سادھو پن، جوگی پن کہنا، سنت پر طعن ہے۔

لفظ حراء کی تحقیق (۶) حِراء حاء کے زیر کے ساتھ بھی ہے اور زبر کے ساتھ بھی۔ حِرا بغیر ہمزہ کے اور حراء ہمزہ کے ساتھ بھی ہے۔ منصرف بھی ہے جبکہ اس کی تاویل کی جائے اسم مکان کے ساتھ تو مذکر ہوگا سوائے علمیت کے اسباب منع صرف میں سے کوئی اور سبب نہ ہوگا اور غیر منصرف بھی جبکہ اس کی تاویل یوں ہو۔ اسمٌ بقعۃ۔ تو اب مؤنث معنوی ہوگا۔ اور علم ہے ہی۔

حِراء حاء کے زیر اور ہمزہ کے ساتھ روایت ہے۔ دوسرے اصیلی کی روایت۔ حَرا حاء کے زبر اور بغیر ہمزے کے ہے۔

ـــــ سفر السعادت، فتح الباری، عینی، بحوالہ سبکی،

فَيَتَحَنَّثُ فِيهِ وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِي ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ اَنْ

آپ وہاں متعدد دنوں تک عبادت کرتے رہتے وہ جب تک اپنے

حرا کی مقدار اور جگہ (۷) حرا ۔ مکہ معظمہ سے شمال مشرق میں منی جاتے ہوئے بائیں جانب ایک پہاڑ ہے جس کو اب جبل نور کہتے ہیں ۔ اس میں تین چٹانیں اسطرح مل گئی ہیں کہ ایک چھوٹا سا حجرہ بن گیا جس میں دو آدمی تنگی کیساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں ۔ اسمیں جانے کا ایک ہی راستہ ہے وہ بھی دشوار گزار سکر و مشٹ کر آدمی پہنچتا ہے اس کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی کہیں ڈیڑھ ہاتھ اور کہیں اس سے بھی کم ہے۔

حرا میں خلوت کی حکمت (۸) یہاں خلوت گزینی میں دو حکمت تھی ایک تو یہ کہ یہاں سے کعبہ مقدسہ صاف نظر آتا ہے ۔ کعبہ کو صرف دیکھنا بھی عبادت ہے ۔ اس طرح تین عبادتیں جمع ہو گئیں ۔ خلوت ، عبادت ، کعبہ کی زیارت ۔ دوسرے یہ کہ دیوان ملئیکہ اسی غار میں ہمیشہ سے قائم ہوتا چلا آ رہا ہے جس میں امور عالم طے ہوتے ہیں ۔ بعثت نبوی سے پہلے فرشتوں کا دیوان قائم ہوتا تھا بعثت کے بعد دیوان اولیا ء اسی میں قائم ہوتا ہے ۔

ایک روایت کے مطابق حضرت عبد المطلب نے اسمیں خلوت گزینی کی تھی ۔ ان کی اس خلوت گزینی کی وجہ سے قریش غار حرا کو بابرکت جانتے تھے ۔ واقعہ فیل کے وقت بھی عبد المطلب نے اسمیں ابرہہ سے نجات کے لئے دعا کی تھی ۔ اسی لئے حضور نے بھی اس کو اختیار فرمایا ۔ یہ پہلی خلوت گزینی نہیں تھی بلکہ عادت کریمہ تھی کہ ہر سال رمضان میں ایک ماہ اسمیں اعتکاف فرماتے تھے جیسا کہ مرقاۃ میں ہے

تحنث کے معنی (۹) یَتَحَنَّثُ ، باب تفعل سے مضارع ہے ۔ اس کا مادہ حِنث ہے ۔ اس کے معنی گناہ کے ہیں ۔ باب تفعل کی خاصیت تجنب ہے یعنی فاعل کا مادہ سے پہلو بچانا ۔ اس لئے تحنث کے اصل معنی گناہ سے بچنے کے ہوئے ۔ عبادت گناہ سے بچنے کا سبب ہے ۔ اسلئے اطلاق سبب علی المسبب کے علاقہ سے مجازاً عبادت کے معنی میں ہو گیا ۔

یا اصل میں یہ یَتَحَنَّفُ ثا کے بجائے فا کے ساتھ تھا ۔ خلاف قاعدہ فا کو ثا سے بدل دیا جیسے جدف اصل میں جدث تھا تحنف کے معنی ہوئے دین حنیفیہ (ابراہیمی) کی اتباع کرنا تحنث بمعنی تعبد عرب میں رائج تھا حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اشیاء کُنْتُ اَتَحَنَّثُ کچھ کام میں عبادت کے طور پر کرتا تھا ۔ یہ اضداد میں سے بھی ہے ۔ ارتکاب گناہ کے معنی میں بھی آیا ہے ۔ ام المؤمنین کا ارشاد ہے : ۔ لَا اَتَحَنَّثُ اِلٰی نَذْرِیْ میں اپنی نذر نہ ادا کرکے گناہ نہ کروں گی ۔ اسی وجہ سے یہاں تفسیر کی حاجت پیش آئی ۔

عہ سفر السعادت عہ دیوان اولیاء کی پوری تفصیل نزہۃ القاری میں ملاحظہ کریں ۔

تحنث کی یہ تفسیر ام المومنین کی نہیں بلکہ حضرت عروہ یا امام زہری وغیرہ کسی راوی کی طرف سے ہے۔ علامہ طیبی نے فرمایا کہ یہ زہری کی تفسیر ہے مگر انھوں نے اس پر کوئی نقل نہیں پیش کی۔

حرا میں کس شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے

(۱۰) غار حرا میں کس شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے۔ اس بارے میں آٹھ اقوال ہیں (۱) کسی شریعت کے تابع نہ تھے، یہ جمہور کا قول ہے (۲) حضرت آدم کی (۳) حضرت نوح کی (۴) حضرت ابراہیم کی (۵) حضرت موسیٰ کی (۶) حضرت عیسیٰ کی (۷) کسی معین شریعت کے تابع نہ تھے بلکہ شرائع سابقہ میں سے جو جو باتیں پسند آئیں ان پر عمل پیرا تھے اس لئے یہ عبادت انھیں میں سے کسی کے مطابق تھی (۸) اس بارے میں توقف کیا جائے۔ امام غزالی نے اسی کو اختیار فرمایا۔ اس لئے کہ کسی شریعت کی اتباع پر دلیل نہیں۔

لیکن احناف کا مختار یہ ہے کہ کسی سابقہ شریعت کے پابند نہ تھے کشف صادق سے آپ کے نزدیک جو طریقہ ثابت ہوا اسی طرح عبادت فرماتے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس عبادت کو شریعت ابراہیمی یا کسی اور نبی کی شریعت کے ساتھ مطابقت رہی ہو (در مختار) اس لئے کہ ثابت ہے کہ آپ قبل بعثت بھی نبی تھے کبھی کسی نبی کے امتی نہ رہے۔ اس لئے کسی نبی کی متابعت کا سوال ہی نہیں۔ مگر دوسری روایت میں تحنف وارد ہے یہ اس کی دلیل ہے کہ اس عبادت کو شریعت ابراہیمی سے مطابقت تھی کیونکہ اس کے معنی ہیں طریق ابراہیمی کے مطابق عبادت کرنے کے اور ایک روایت دوسرے کی تفسیر ہوتی ہے۔

یہ طریقہ بذریعہ وحی القا ہوا

(۱۱) یہ عبادت جس طریقے سے بھی کرتے تھے اس طریقے کی دریافت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے کی تھی یا من جانب اللہ اس کی تعلیم دی گئی تھی۔ دونوں قول ہیں۔ مگر جب آغاز وحی ہو چکا تھا تو ظاہر یہی ہے کہ بذریعہ وحی اس کی تلقین ہوئی تھی۔

طریقہ عبادت

(۱۲) یہ عبادت بالارکان یا صرف باللسان، یا صرف بالقلب تھی۔ یعنی کچھ مخصوص اعمال ادا فرماتے تھے جیسے قیام، سجود، یا صرف زبان سے کچھ کلمات پڑھتے تھے، یا صرف مراقبہ فرماتے تھے، یا سب کچھ تھا ــــ علما نے الگ الگ رائیں قائم کی ہیں ــــ مواہب اللدنیہ میں ہے کہ ابن مرابط وغیرہ کا قول ہے کہ یہ عبادت صرف بالتفکر تھی۔ علامہ مجدالدین شیرازی و حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کا فیصلہ یہ ہے کہ بالذکر تھی۔ اخیر کی تائید میں حضرت شیخ محدث دہلوی قدس سرہ نے شرح سفر السعادت میں یہ فرمایا کہ ذکر، فکر سے افضل ہے۔ مگر اتنے سے دلیل تام نہیں ہوئی اس کے ساتھ یہ مقدمہ بھی لگانا پڑیگا اور نبی کی یہ شان نہیں کہ مفضول پر عمل کرے۔ لیکن ہر ذی علم جانتا ہے کہ یہ مقدمہ کلیۃ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں کبھی نفوذ

وامی ہوتی ہے تفکر کی۔ اس وقت تفکر ذکر سے افضل ہوتا ہے۔ بہرحال جس نے بھی ترجیح دی، قیاس سے دی اور یہاں قیاس کو دخل نہیں۔ روایت ضروری ہے۔

لیکن کسی بزرگ نے اس کے ثبوت میں کوئی روایت پیش نہیں فرمائی۔ اور یہ حسن ظن کہ جب قول کیا ہے تو کوئی نہ کوئی دلیل ضروری ہوگی۔ یہی کے ساتھ ہونا چاہیے کسی ایک بزرگ کے ساتھ مخصوص کیوں ہے۔ اسی لئے بھی قول مساوی درجے میں ہو جائے۔ اس لئے خادم کا مختار یہ ہے کہ یہاں بھی توقف ہی مناسب ہے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم۔

کس نداند کہ منزل گہ آں یار کجاست ۔۔۔ ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

خلوت کے فوائد (۱۳) جب آدمی علائق دنیویہ سے الگ ہو کر ایک گوشے میں رہنا اختیار کرتا ہے تو ہزاروں لایعنی باتوں سے نجات پاجاتا ہے۔ اور دل ایک طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اب آدمی اگر متوجہ الی اللہ ہے تو یہ توجہ قوی سے قوی تر ہوگی اسمیں ثبات دائم کم ہوگا اس توجہ میں جتنی قوت اور استمرار ہوگا اسی قدر انوار الٰہی واسرار الٰہی کا انکشاف ہوگا۔ جس سے تحمل وحی میں آسانی پیدا ہوگی۔

آدمی جب لوگوں سے اختلاط رکھتا ہے تو لامحالہ ہزاروں طرح کے معاملات درپیش ہوتے ہیں۔ کسی کی محبت کسی سے عداوت کسی سے لڑائی کسی سے کبھی خوش کبھی کسی سے ناراض کبھی غم کبھی فکر نان ونفقہ خورش۔ لباس ومسکن وغیرہ وغیرہ۔ خصوصاً متعلقین سے روابط اور ان روابط کے اثرات دل پر پڑتے ہیں جس سے دل کی توجہ بٹتی ہے۔ پھر جذبات کی تکمیل کی خواہش اور اس خواہش کے لئے جدوجہد۔ اسمیں معرکہ آرائیاں۔ یہجان نفس کا باعث ہو سکتے ہیں اور پھر اس سے جو مفاسد پیدا ہو سکتے ہیں وہ سب کو معلوم ہے۔

کتنے گناہوں سے آدمی خود بخود خلوت میں جاکر محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسے ہر شخص جانتا ہے۔ اور گناہ اللہ عزوجل کے ساتھ تعلق میں کتنے حارج ہیں یہ کسی سے مخفی نہیں۔ اس لئے خلوت سے بڑھکر گناہوں سے روکنے والی کوئی چیز نہیں۔

خلاصہ یہ کہ تحمل وحی کے لئے جس صفاء قلب اور جس درجہ توجہ الی اللہ درکار تھی اس کے لئے یہ خلوت نشینی اختیار فرمائی۔

عبادت کا فائدہ (۱۴) یہ اسلئے نہیں کہ حصول نبوت میں کسب کو دخل ہے کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ نبوت کسب وریاضت ومجاہدے سے نہیں ملتی۔ صرف فضل ایزدی سے ملتی ہے۔ اسمیں کسب کو اصلاً دخل نہیں یہ دوسری بات ہے کہ جب کوئی اس منصب پر فائز ہو جاتا ہے تو عبادت وریاضت جو نبوت کے لوازم ہیں سب پائے جاتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو حضرت آدم کی تخلیق سے پہلے ہی منصب نبوت پر فائز تھے پھر حصول نبوت کے لئے کسب ریاضت کے کیا معنیٰ؟

حرا میں کتنے دن خلوت فرمائی (۱۵) غار حرا میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کل کتنے دنوں عبادت کی

يَنْزِعُ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَيَتَزَوَّدُ لِذَالِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَىٰ خَدِيْجَةَ

اہل کا اشتیاق ہوتا وہ اور اس کے لیے توشہ لے جاتے تھے، پھر خدیجہ کے پاس تشریف لاتے

اور کتنے دنوں کے بعد واپس ہوتے تھے۔ اس بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ قیاس سے کہا گیا کہ کم از کم تین دن کے بعد واپس ہوتے تھے اور زیادہ سے زیادہ ایک مہینے پر یا چالیس دن پر۔

غار حرا میں عبادت کی کل مدت بعض حضرات نے ایک مہینہ بتائی ہے اس پر مسلم شریف کی اس حدیث سے استدلال کیا جو حضرت جابر سے مروی ہے:-

جَاوَرْتُ حِرَاءَ شَهْرًا کہ میں حرا میں ایک مہینہ رہا

لیکن سب کو معلوم ہے کہ یہ نزول وحی کے بعد فترہ وحی کے ایام کی بات ہے۔ اور یہاں گفتگو نزول اقرأ سے پہلے والی خلوت میں ہے۔ اس سے اگر ثابت ہوتا ہے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی حرا میں خلوت فرمائی جیسے کہ پہلے فرمایا کرتے تھے۔

اہل کی تحقیق (۱۶) اھل۔ آل اور اہل ہم معنی ہیں دونوں کے معنی گھر کے لوگ۔ البتہ آل کا اطلاق معزز ین پر ہوتا ہے۔ عام اس سے کہ ان کو اعزاز دینی و دنیوی دونوں حاصل ہو یا صرف ایک جیسے آل نبی و آل فرعون۔ آل کے معنی متبع و پیروکار کے بھی ہیں۔ اس معنی کر آل فرعون، فرعون کے تمام پیروؤں کو کر گیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا مَنْ اٰلُ مُحَمَّدٍ۔ ارشاد فرمایا كُلُّ تَقِيٍّ اور دوسری حدیث میں ہے مَنْ تَبِعَنِيْ فَهُوَ اٰلِيْ جو میری پیروی کرے میری آل ہے یہاں اہل سے مراد گھر کے لوگ۔ بیوی بچے ہیں جن میں حضرت خدیجہ بھی داخل ہیں۔ جب یہاں اہل میں بیوی داخل ہے تو اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں گھر والوں کے اشتیاق میں خلوت چھوڑ کر گھر تشریف لانے سے ثابت ہوا کہ بال بچوں کی محبت۔ ان کی خبر گیری، عبادت سے کم نہیں

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالے عنہا (۱۷) وہ خوش نصیب فخر کائنات خاتون ہیں جنھیں سب سے پہلے سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا۔ جبتک یہ زندہ رہیں۔ کسی اور سے نکاح نہیں فرمایا انھیں کے بطن سے اولاد ہوئیں۔ ایک قول پر یہی سب سے پہلے ایمان لائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے ان کا نکاح ابو ہالہ ہند بن زرارہ سے ہوا تھا۔ اس سے دو فرزند ہالہ اور ہند پیدا ہوئے۔ دونوں ایمان سے مشرف ہوئے۔ ہند واقعہ جمل میں حضرت علی کے ساتھ تھے اسی میں شہید ہوئے۔ ان کے صاحبزادے کا بھی نام ہند تھا۔ ان کا بصرہ کے طاعون میں وصال ہوا جس دن

ے زرقانی جلد اول

ان کا وصال ہوا تھا ستر ہزار موتیں ہوئی تھیں۔ سب لوگ اپنے اپنے جنازوں میں مصروف تھے۔ ان کا جنازہ مبارک اٹھانے والا کوئی نہیں تھا یہ دیکھ کر ایک عورت نے چلا کر کہا۔ وَاهِنْدَاهُ بْنَ هِنْدَاهُ وَابْنُ رَبِيبِ رَسُوْلِ اللهِ۔ فوراً تمام سب چھوڑ کر لوگ ان کے جنازے پر ٹوٹ پڑے۔ حال یہ ہوا کہ انگلیوں کے پوروں پر ان کا جنازہ لے جایا گیا۔

اصابہ میں ہے کہ جب آیۂ کریمہ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ نازل ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور فرمایا اے لوگو! لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو سب یکبارگی ٹوٹ پڑے۔ گھر خبر پہنچی تو حارث بن ابوہالہ آئے، حضور کو بچانے کی کوشش کی تو ظالموں نے انھیں شہید کر ڈالا۔ راہ خدا میں یہ پہلے شہید ہیں۔ یہ حارث بھی حضرت خدیجہ کے بطن سے تھے یا ابوہالہ کی کسی اور زوجہ کے بطن سے تھے۔ اس کی تفصیل نہیں مل سکی

ابوہالہ کی موت کے بعد حضرت خدیجہ کا نکاح عتیق بن عائذ سے ہوا اس سے بھی ایک لڑکی ہند پیدا ہوئی عتیق بن عائذ کے مرنے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں واقعہ ہجرت سے پندرہ سال پہلے آئیں، بوقت عقد ان کی عمر چالیس سال اور حضور اقدس کی پچیس سال تھی ــــ نکاح پڑھانے کا جو واقعہ ہوا وہ کتب سیر میں مذکور و مشہور و معروف ہے ــــ مکہ معظمہ ہی نہیں عرب کی دولت مند ترین خاتون تھیں۔ اپنا سب مال قربان فرمایا اور ہر حال میں ہر مشکل میں سرکار کی مونس و ہمدم و ہم ساز رہیں۔

پینسٹھ سال کی عمر میں تقریباً پچیس سال رفاقت کر کے سنہ نبوت عام الحزن دہم بماہ رمضان وصال فرمایا۔ اور حجون کہ مکہ معظمہ کے قبرستان میں جسے اب جنت المعلیٰ کہا جاتا ہے۔ مدفون ہوئیں۔ حضور اقدس خود ان کی قبر میں اترے ان کے لئے دعائے خیر کی ــــ اس وقت تک نماز جنازہ شروع نہیں ہوئی تھی

اولاد (۱۸)

ان کے بطن سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں۔ حضرت رقیہ۔ حضرت زینب۔ حضرت ام کلثوم۔ حضرت فاطمہ اور تین صاحبزادے۔ حضرت قاسم۔ حضرت طیب۔ حضرت طاہر تولد ہوئے

صاحبزادگان قبل بعثت ہی داغ مفارقت دے گئے۔ چاروں صاحبزادیاں اسلام سے مشرف ہوئیں۔ کتخدا ہوئیں۔ اور عہد مبارک میں تین اول الذکر وفات پا گئیں۔ حضرت سیدہ بعد وصال چھ ماہ کے بعد راہی جنت ہوئیں۔

نسب لقب کنیت (۱۹)

ان کا لقب طاہرہ، کنیت ام ہند ہے۔ باپ کا نام خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب اور ماں کا نام فاطمہ بنت زائدہ بن الاصم ہے۔ ان عامر بن لوی سے ہیں ــــ حضرت خدیجہ کا نسب قصی پر جا کر آنحضرت

ع۱ زرقانی جلد اول، ع۲ الاستیعاب، اصابہ۔

فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتّٰى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ

پھر توشہ لے جاتے فہ یہاں تک کہ آپ پر وحی آئی جبکہ آپ غار حراہی میں تھے فہ اس طرح کہ فرشتہ

اور اتنا ہی توشہ پھر لے جاتے ... سے مل جاتا ہے۔ ان سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت زیادہ محبت تھی۔ ان کی وفات کے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

بعد عادت کریمہ تھی کہ بکری ذبح کر کے حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کے پاس گوشت بھجواتے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں مجھے ازواج میں کسی پر اتنا رشک نہ ہوتا جتنا حضرت خدیجہ پر ہوتا۔ حضور ان کا اکثر تذکرہ فرماتے۔ کہتی ہیں کہ ایک بار میں نے کہدیا آپ تو ان کا تذکرہ ایسا کرتے ہیں گویا دنیا میں خدیجہ کے سوا کوئی عورت ہی نہیں۔ فرمایا ہاں ہاں وہ ایسی ہی نہیں وہ ایسی ہی تھیں۔ ان سے مجھے اولاد ہوئی۔

فرماتی ہیں ایک مرتبہ ان کے تذکرے پر میں نے کہدیا آپ ایک بڑھیا کو یاد کرتے ہیں جو مرچکی۔ فرمایا بات یہ ہے کہ جب لوگوں نے بے جھٹلایا اس وقت انھوں نے میری تصدیق کی۔ لوگ کافر تھے وہ مسلمان ہوئیں۔ جب میرا کوئی حامی نہ تھا انھوں نے میری حمایت کی۔

ایام وحی میں حضور کی خلوت (۳۰) غار حرا میں خلوت کے ایام میں کبھی کبھی کھانا لیکر حاضر ہوتیں۔ ایک بار جبریل آئے اور فرمایا خدیجہ سالن یا کھانا (راوی کو شک ہوگیا) لیکر آرہی ہیں وہ آجائیں تو اللہ عزوجل کا اور میرا سلام کہئے اور یہ بشارت دیجئے کہ جنت میں ان کے لئے موتی کا محل ہے جس میں نہ شور ہوگا نہ کوئی تکلیف۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ نزول اقرأ کے بعد بھی کبھی کبھی غار حرا میں خلوت گزینی کے لئے تشریف لے جاتے۔ ایک قول یہ ہے کہ تمام عورتوں میں یہ افضل ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ	زمین و آسمان کی سب عورتوں سے بہتر مریم
نِسَائِهَا خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ قَالَ أَبُو	بنت عمران ہیں اور زمین و آسمان کی سب عورتوں
كُرَيْبٍ وَأَشَارَ وَكِيْعٌ إِلَى السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ	سے بہتر خدیجہ بنت خویلد ہیں۔

(بخاری و مسلم)

مراد یہ کہ مریم اپنے زمانہ کی سب عورتوں سے بہتر اور خدیجہ اپنے زمانہ کی سب عورتوں سے بہتر ہیں۔ یہ امت تمام امتوں سے افضل تو جبکہ خدیجہ اس امت کی عورتوں سے بہتر تو مریم سے بھی افضل۔ لیکن ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ اس باب میں توقف ہی اسلم ہے

ضروریات زندگی جمع کرنا منافی توکل نہیں (۳۱) اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ اللہ عزوجل کے ساتھ تعلق ہوں

عیال کے ساتھ لگاؤ کے منافی نہیں۔ بلکہ کمال یہی ہے کہ دونوں سے تعلق رہے۔ بلکہ اہل وعیال کے ہوتے ہوئے ان سے ایکدم بے تعلق ہو کر گوشہ نشینی خلافِ سنت ہے۔

دوسرے یہ کہ بقدر ضرورت کھانے پینے کے سامان آئندہ کے لئے پاس رکھنا توکل کے منافی نہیں۔

نزول اقرا کی تاریخ اسوقت عمر مبارک

(۲۲) حدیث میں لفظ "الحق" ہے۔ اس سے بالاتفاق مراد وحی ہے۔ یہ واقعہ بروز دوشنبہ رمضان المبارک ہوا، جبکہ آپ کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔

اور ملک کی تحقیق

مَلَکٌ اصل میں مَلْاَکٌ تھا تسہیل کے قاعدے سے ہمزہ گر کر مَلَکٌ ہوگیا۔ اسی لئے اس کی جمع ملائکۃ آتی ہے ساقط شدہ ہمزہ جمع میں واپس آگیا اور تا جمع کی تانیث کے لئے ہے۔ مَلْاَکٌ اصل میں مَاْلَک تھا اَلوکۃ سے جس کے معنی پیغام رسانی کے ہیں۔ خلاف قیاس قلب کر کے ملاک ہوا۔

فرشتوں کی حقیقت

(۲۳) فرشتے اللہ عزوجل اور اسکے بندوں کے مابین واسطہ ہیں۔ یہی پیغام لاتے ہیں یہی تمام غیبی پہنچاتے ہیں اسی مناسبت سے ان کو ملک کہا جاتا ہے ـــ ملک۔ فرشتہ، جسم نوری علوی رکھتے ہیں۔ انھیں یہ قدرت ہے کہ جو شکل چاہیں اختیار کریں۔ یہ مختلف کاموں پر مامور ہیں۔ کچھ معرفت الٰہی میں مستغرق ہیں۔ کچھ عالم کا نظام چلانے پر۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو رسول ہیں جیسے جبرئیل امین بھی ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا — اللہ فرشتوں میں سے رسول منتخب فرمالیتا ہے۔

رُسُلِ ملائکہ سارے فرشتوں سے افضل ہیں اور انبیاء کرام کے علاوہ تمام انسانوں سے بھی حتیٰ کہ صحابہ کرام حتیٰ کہ صدیق اکبر سے بھی۔ بلا استثناء سب فرشتوں سے افضل جبرئیل امین ہیں۔

حرا میں جبرئیل آئے تھے

(۲۵) صحیح یہ ہے کہ یہاں فرشتے سے مراد حضرت جبرئیل امین ہیں۔ اس لئے کہ پورا قرآن یہی لیکر آئے ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی دوسرا ایک کلمہ نہیں لایا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ — اسے روح امین نے اتارا ہے۔

جبرئیل کی انبیاء کی بارگاہوں میں حاضری کی تعداد

(۲۶) حضرت جبرئیل حضرت آدم کی خدمت میں بارہ مرتبہ۔ حضرت ادریس کی خدمت میں چار مرتبہ۔ حضرت نوح کی خدمت میں پچاس مرتبہ اور حضرت ابراہیم کی خدمت میں بیالیس مرتبہ حضرت موسیٰ کی خدمت میں دس مرتبہ تین بار بچپن میں سات بار بڑے ہونے کے بعد۔ حضرت یعقوب کی خدمت میں چار بار۔ حضرت

فَقَالَ اقْرَأْ فَقَالَ فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ قَالَ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدَ

حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا پڑھیے آپ نے فرمایا۔ میں نہیں پڑھتا فرمایا حضور نے پھر فرشتے نے مجھے پکڑ کر طاقت بھر دبوچا

آپ کی خدمت میں تین بار۔ اور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں چوبیس ہزار مرتبہ باریابی سے مشرف ہوئے (زرقانی)

حرا میں نزول وحی کی صورت

(٣٠) پہلی والی حدیث میں وحی کی دو صورتیں بیان ہوئیں۔ ایک صلصلۃ الجرس کے مثل۔ دوسرے فرشتے کا انسانی شکل میں حاضر ہو کر کلام کرنا۔ حدیث کا سیاق و سباق اس پر نص ہے کہ نزول وحی دوسری ہی صورت میں تھی۔ مثلاً یہ کہنا، پڑھو پھر بار بار دبانا، چھوڑنا، پھر یہ کہنا پڑھو۔

تفصیلی کیفیت

(٣٨) غار حرا سے آتے جاتے راستے میں سنتے کوئی کہتا ہے السلام علیک یا رسول اللہ۔ ادھر ادھر دیکھتے کون ہے؟ مگر سوائے شجر و حجر کے کوئی نظر نہ آتا۔ غار حرا میں خلوت اور آنا جانا اسی طرح جاری رہا کہ ایک بار کوہ حرا پر تشریف فرما تھے کہ ایک باعظمت شخص ظاہر ہوئے اور عرض کیا: اے محمد آپ کو بشارت ہو۔ میں جبرئیل ہوں۔ آپ کے پاس اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ خدا کا پیغام آپ تک پہنچا دوں اور آپ کو بتا دوں کہ آپ خدا کے رسول ہیں (شرح سفر السعادت)

وجد آفریں معنی

(٣٩) مَا أَنَا بِقَارِئٍ کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا جاتا ہے کہ میں پڑھا ہوا نہیں۔ لیکن ہمارے شائخ نے یہ ترجمہ کرایا ہے "میں نہیں پڑھتا"۔ یہ ترجمہ زیادہ انسب وارجح ہے اسلئے کہ غار حرا میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشاہدۂ ذات و صفات الٰہیہ میں ایسے مستغرق تھے کہ وہاں کسی کی گنجائش ہی نہیں تھی جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ۔ اللہ کے ساتھ میرا ایک وقت ہوتا ہے کہ اس میں ملک مقرب اور نبی مرسل کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔ مشاہدہ ذات و صفات میں استغراق تام کی وجہ سے قرأت کی استدعا کا جواب یہی بنتا ہے۔ میں نہیں پڑھتا۔

نیز یہ ترجمہ محاورہ عرب کے مطابق بھی ہے کہ یہ ترکیب حال یا استقبال کے نفی استعمال کرتے ہیں جیسا کہ قبل فتح مکہ حضرت ابوسفیان تجدید صلح کے لئے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچ کر ان سے درخواست کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں سفارش کر دیں تو حضرت صدیق اکبر نے فرمایا مَا أَنَا بِفَاعِلٍ (سیرۃ ابن ہشام) میں نہیں کروں گا۔ خود قرآن مجید میں برادران یوسف کا قول مذکور ہے وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا۔ آپ ہمارا یقین نہیں کریں گے۔

بار بار سینے سے لگا کر دبانے سے اس استغراق میں کمی ہوئی۔ تو جبرئیل نے عرض کیا:۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ — اپنے رب کے نام سے پڑھیے

ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ فَقَالَ اِقْرَاْ فَقُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیَ الثَّانِیَۃَ حَتّٰی

پھر مجھے چھوڑ دیا۔ اور کہا پڑھئے تو میں نے کہا میں نہیں پڑھتا تو اس نے مجھے پھر پکڑا اور دوسری بار طاقت بھر بھینچا

جب یہ ساکر میں جس عالم میں تھا اسی کی بات یہ بھی کر رہے ہیں جس کے شہود میں مستغرق تھا اسی کا ذکر کرانا چاہتے ہیں تو بلا ہوش کسی کے استغراق کو ختم کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اسے جھنجھوڑا جائے۔ ایک بار میں استغراق ختم نہ ہو تو بار بار جھنجھوڑا جائے یہاں جھنجھوڑنا منافی ادب تھا۔ اسلئے سینے سے لگا کر تین بار قوت بھر دبایا۔ یہاں تک کہ وہ کیفیت خاص فرو ہوئی کہ اقرأ باسم ربک پڑھا

الجُہد کی تحقیق

(۳۰) یہاں الجہد کا لفظ جیم کے فتحے کے ساتھ بھی ہے جَہد اور جیم کے ضمے کے ساتھ بھی جُہد قاموس میں جَہد بمعنی طاقت اور جُہد کے معنی مشقت مذکور ہے اور دونوں کے معنی غایت بھی۔ عینی میں بتایا کہ دونوں کے معنی غایت اور مشقت کے ہیں۔ اور اسی میں محکم کے حوالے سے کہا کہ دونوں کے معنی طاقت کے ہیں۔ ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ دونوں کے معنی مشقت کے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ جُہد کے معنی مشقت اور جَہد کے معنی طاقت۔

قرآن مجید میں دونوں لفظ وارد ہیں۔ سورہ توبہ میں ہے۔ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُہْدَہُمْ (آیت ۷۹ ع ۱۰) اور ان کو جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت سے۔ سورہ نور اور سورہ فاطر میں ہے۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَہْدَ اَیْمَانِہِمْ اور انھوں نے اللہ کی قسم کھائی اور اپنی قسموں میں حد کی کوشش کی۔

جلالین میں جُہدَہم کی تفسیر طاقتہم اور جَہدَ ایمانہم کی تفسیر غایۃ اجتہادہم فیہا کی ہے۔ اس سے ظاہر کہ قرآن مجید میں جُہد بمعنی طاقت اور جَہد بمعنی غایت اجتہاد وارد ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ دونوں انھیں معنوں میں منحصر ہیں کہ جُہد کا معنی طاقت ہی ہے۔ غایت اجتہاد نہیں۔ یا جَہد کا معنی غایت اجتہاد ہی ہے طاقت نہیں۔ اس کا احتمال بھی ہے کہ دونوں کے معنی طاقت ہوں یا دونوں کے معنی غایت اجتہاد ہوں۔ دونوں کے معنی طاقت ہیں یہ خود قرآن مجید سے ثابت ہے کہ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُہْدَہُمْ میں دونوں قرأت ہے یعنی جیم کے فتحے کے ساتھ بھی اور ضمے کے ساتھ بھی۔ اور دونوں بمعنی غایت اجتہاد ہیں یہ قاموس سے ظاہر۔ ہندوستانی مطبوعہ بخاری کے حاشیے پر کرمانی کے حوالے سے دونوں کے تین معنی: طاقت، مشقت، غایت لکھے ہیں۔

اب یہاں چار احتمال ہیں۔ الجہدُ، الجُہدُ دال کے ضمے کے ساتھ۔ اس بنا پر یہ بَلَغَ کا فاعل ہے۔ اور بَلَغَ کا مفعول مِنّی محذوف ہے۔ اب ترجمہ یہ ہوگا۔ فرشتے نے مجھے دبوچا یہاں تک کہ میری طاقت یا میری مشقت اپنی حد کو پہونچ گئی یعنی اس سے زیادہ کی قوت نہ رہی اور الجہدَ الجُہدَ دال کے فتحے کے ساتھ اس تقدیر پر کہ یہ بَلَغَ کا مفعول بہ ہے۔ اور بَلَغَ کا فاعل ضمیر مستتر ہے جس کا مرجع

بَلَغَ مِنِّی الْجُهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ فَقَالَ اِقْرَاْ فَقُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ قَالَ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِی الثَّالِثَةَ

دبوچا۔ پھر چھوڑ کر کہا۔ پڑھیے تو میں نے کہا میں نہیں پڑھتا۔ حضور نے فرمایا پھر مجھے پکڑا اور تیسری

حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجُهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ فَقَالَ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ

مجھے طاقت بھر دبوچا پھر چھوڑ دیا اور کہا اپنے اس پروردگار کے نام کے ساتھ پڑھیے جس نے انسان کو

مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ حَتّٰی بَلَغَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ——

بستہ خون سے پیدا کیا (سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں مالم یعلم تک) ف۵

مفعول ہے جس پر فغطنی دلالت کرتا ہے۔ اب معنی یہ ہوں گے۔ کہ فرشتے نے مجھے دبوچا یہاں تک کہ اس کا دبوچنا میری وسعت کو پہنچ گیا۔ مگر فتح الباری سے ظاہر ہے کہ روایت صرف دو ہے۔ الجَہد بالفتح والنصب۔ ای بلغ الغط منی غایة الوسع۔ ورُوی بالرفع والضم ای بلغ منی الجُہد مبلغہ۔ جب بلغ کی ضمیر فاعل کا مرجع الغط ٹھہرایا۔ تو دونوں روایتوں کا حاصل ایک ہوا کہ فرشتے نے حضور کو حضور کی طاقت بھر دبوچا

ایمان افروز توجیہ (۳۱) یہاں ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ منی کے مِن کو تعلیل کے لیے لیں۔ اور چونکہ نفس ذات کسی چیز کی علت نہیں ہو سکتی۔ اس لیے غط۔ مضاف محذوف ہوگا۔ یعنی لاجل غطی۔ معنی یہ ہوئے میرے دبوچنے کی وجہ کر الجہد بفتح الف لام سے۔ جہد ملک مراد ہوگی۔ اب الجہد کی روایت پر معنی یہ ہوئے۔ میرے دبوچنے کی وجہ سے فرشتے کی طاقت یا مشقت اپنی حد کو پہنچ گئی۔ الجہد کی روایت پر بلغ کی ضمیر فاعل کا مرجع ملک ہوگا۔ بلغ سے پہلے بھی دو فعل ہیں اخذ۔ غط۔ اور بلغ کے بعد بھی دو فعل ہیں۔ ارسل۔ قال۔ ان چاروں فعلوں کی ضمیر فاعل کا مرجع ملک ہے۔ اب اگر درمیانی فعل۔ بلغ کی ضمیر فاعل کا مرجع غط۔ کو بنایا جائے تو انتشار مرجع لازم آئے گا۔ اور اگر بلغ کی ضمیر فاعل کا مرجع بھی ملک ہی کو ٹھہرایا جائے تو انتشار مرجع نہ ہوگا اسلئے بہتر یہی ہے کہ بلغ کی ضمیر فاعل کا مرجع بھی ملک کو بنایا جائے۔ اب معنی یہ ہوئے۔ مجھے دبوچنے کی وجہ سے فرشتہ اپنی کوشش کی انتہا کو پہنچ گیا۔ ان دونوں کا حاصل ایک ہی ہے۔ یعنی فرشتے نے اپنی قوت بھر مجھے دبوچا۔

میں نے ان چاروں احتمالوں کا لحاظ کر کے اختصار و جامعیت کے ساتھ یہاں ترجمہ یہ کیا۔ طاقت بھر دبوچا۔ یہاں طاقت عام ہے۔ خواہ حضور کی طاقت ہو خواہ جبرئیل کی، دونوں کو شامل ہے۔

تسمیہ کسی سورہ کا جز نہیں (۳۲) سورۂ اقرأ کے ساتھ بسم اللہ نازل نہ ہوئی۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ بسم اللہ سورۂ اقرأ

فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْجُفُ فُؤَادُهٗ

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان آیتوں کے ساتھ اس حالت میں لوٹے کہ

(تَرْجُفُ بَوَادِرُهٗ) فَدَخَلَ عَلٰى خَدِيْجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ فَقَالَ زَمِّلُوْنِيْ

آپ کا دل دھڑک رہا تھا (دونوں شانوں اور گردن کا درمیانی حصہ کانپ رہا تھا ف۲) اور خدیجہ بنت خویلد کے

زَمِّلُوْنِيْ فَزَمَّلُوْهُ حَتّٰى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ فَقَالَ لِخَدِيْجَةَ

پاس پہنچکر فرمایا مجھے کپڑا اڑھاؤ مجھے کپڑا اڑھاؤ تو لوگوں نے حضور کو کپڑا اڑھادیا ف۳ یہاں تک کہ حضور کی گھبراہٹ دور ہو

وَاَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ

ف۴ اسکے بعد خدیجہ کو پورا واقعہ بتا کر ان سے کہا میں اپنی جان کو ڈر گیا ہوں ف۵

کا جز نہیں اور جب سورۃ اقرا کا جز نہیں تو کسی سورہ کا جز نہیں لعدم القائل بالفصل۔

ف۲ چونکہ یہ نزول وحی کا پہلا سابقہ تھا اس لیے قوائے بشری پر یہ اثر پڑا کہ دل لرزنے لگا اس حالت میں آپ غار حراء سے چل تین میل کا فاصلہ طے کرکے گھر پہنچے تو بھی دل لرز رہا تھا دونوں شانوں اور گردن کے درمیان کا گوشت کانپ رہا تھا۔

یہاں دو روایتیں ہیں۔ فُؤَادُهٗ۔ بَوَادِرُهٗ۔ فواد دل کو کہتے ہیں۔ بوادر، بادرۃ کی جمع ہے دونوں شانوں اور گردن کے درمیانی گوشت کو کہتے ہیں۔ یہ انتہائی خوف کے وقت کانپا کرتا ہے۔ عموماً ذبح کے وقت جانور کا یہ حصہ کانپتا ہے۔ دونوں میں منافات نہیں۔ شدت خوف کی دونوں تعبیر ہے۔

ف۳ اور ٹھنڈا پانی ڈالا ف۴ اور سکون حاصل ہوگیا۔

خشیت کی توجیہ ف۵ (۳۳) خشیت کا مفعول بہ محذوف ہے یعنی یہ نہیں ظاہر فرمایا کہ ڈر کس بات کا تھا۔ شارحین نے بارہ اقوال نقل کئے ان میں بعض ایسے رکیک ہیں کہ میرا ایمان ان کے تحریر کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اتّ ذی صدر العلماء نے بشیر القاری میں ان سب کو نقل فرمایا ہے اور ان میں جو مرجوح ہیں ان کا رد فرماکر تین قول کو راجح فرمایا۔ اوّل مجھے اندیشہ پیدا ہوگیا ہے کہ بار نبوت کو برداشت نہ کرسکوں۔ دوّم اس کا اندیشہ کہ مخالفین کے ایذا پر صبر نہ ہو سکے۔ سوّم اس کا اندیشہ ہوگیا کہ کہیں شہید نہ کر دیا جاؤں۔ اس قول

فقالت خديجة كلا ابشر فوالله ما يخزيك الله ابدا انك لتصل الرحم وتصدق

حضرت خدیجہ نے عرض کیا، ایسا ہرگز نہ ہوگا ف (آپ کو بشارت ہو) بخدا اللہ آپ کو ہرگز رسوا نہ کریگا آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں

الحديث وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقري الضيف وتعين على نوائب الحق

اور سچ بولتے ہیں (اور لوگوں کا بار اٹھاتے ہیں، اور لوگوں کو وہ چیز (مال، اخلاق وغیرہ) عطا فرماتے ہیں جو انکے پاس نہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں

اور راہِ حق میں پیش آنیوالے مصائب میں مدد فرماتے ہیں ف

یہ شبہ ہوتا ہے کہ مردانِ خدا، راہ خدا میں جان دینے سے نہیں ڈرتے پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ڈر جائیں۔ اسکا جواب دیا گیا ہے کہ یہ ڈر موت کا نہیں تھا بلکہ یہ تھا کہ شہادت کے سبب پیغام ربانی کی تکمیل نہ ہو پائیگی۔ جیسے حضرت موسیٰ نے عرض کیا تھا: ولهم علي ذنب فاخاف ان يقتلون (شعراء، ع ۱، آیت ۱۴) ان کا مجھ پر الزام ہے، اسلئے ڈرتا ہوں کہ کہیں قتل کردیں۔ فرمایا ایسا ہرگز نہ ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خوف صرف اس بنا پر تھا کہ جو خدمت سپرد کی جارہی ہے وہ انجام نہ دے پاؤں گا۔ مگر اس خادم کا ذوق اسطرف رہنمائی کرتا ہے کہ حضور کو مدت العمر نزول وحی کا بار کتنا محسوس ہوتا تھا۔ یہ نزول اولا وحی کا پہلا موقع تھا۔ اس کا جسم اقدس پر کتنا شدید اثر پڑا وہ بھی ظاہر ہے کہ جبریل کا راستہ طویل ... ایک دوات کے دوپر تشریف لائے تو بھی اتنا اثر تھا کہ دل لرزتا تھا اور بدن کانپ رہا تھا پہلی بار جو گزرا اسکے پیش نظر فرمایا کہ میں اپنی جان کو ڈر گیا ہوں کہ جب ابتدائی نزول وحی کی یہ حالت ہے تو اندیشہ ہو کہ مسلسل نزول وحی کی تاب لاسکوں گا۔ یہ کہنا کہ نبی ہونے کے یقین کے بعد یہ اندیشہ متصور نہیں ہوسکتا صحیح نہیں۔ اسلئے کہ روزمرہ کا تجربہ ہے کہ سخت مشقت کے کام کو جان لیوا بولتے ہیں۔ اسی طرح اس عظیم بار کے تحمل کو جو خرق عادت ہو کم نہیں۔ یہ کہنا کہ میں اپنی جان کو ڈر گیا ہوں اسکے منافی نہیں اسلئے کہ مراد اسکی ناقابل برداشت ظاہر کرنا ہے۔ ف کہ آپ نزول وحی کے بار کا تحمل یا مخالفین کی ایذا پر صبر نہ کرسکیں یا شہید کر دیئے جائیں اسلئے کہ یہ رسوائی ہو اور اللہ عزوجل آپ کو کبھی بھی رسوا نہ کریگا۔ ف صلہ رحمی۔ اپنے رشتہ داروں کیساتھ احسان اور اچھے سلوک کو کہتے ہیں۔ الکل کے معنی میں بھی بوجھ اور اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو اپنی کفالت سے عاجز ہو۔ یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ یعنی آپ لوگوں کا بار اٹھاتے ہیں یا یہ کہ عاجز کی دستگیری کرتے ہیں۔ تکسب میں ایک روایت تُکسِب بھی ہے۔ معدوم کے معنی ہیں وہ چیز جو موجود نہ ہو خواہ مال ہو یا اور کوئی چیز۔ پہلی تقدیر پر یہ معنی ہوئے کہ آپ معدوم کماتے ہیں۔ یعنی جو مال آپکے پاس نہیں اسے کما کر حاصل کرتے ہیں کسی پر بار یا کسی کے محتاج نہیں۔ نہ کسی سے سوال کرتے ہیں۔ دوسری تقدیر پر معنی یہ ہوں گے کہ آپ بیکاروں کو کام پر لگا دیتے ہیں۔ یعنی ناداروں کو مال دیکر مثلاً تجارت میں۔ بعض شارحین نے فرمایا کسب مجرد بھی متعدی بدو مفعول آتا ہے اور معدوم مال اور غیر مال مثلاً عمدہ اخلاق وغیرہ سب کو شامل۔ اب دونوں روایتوں کا معنی ایک ہوا۔ یعنی آپ لوگوں کو وہ چیز عطا فرماتے ہیں جو ان کے پاس نہیں خواہ وہ مال ہو یا کچھ اور مثلاً عمدہ اخلاق کی تعلیم۔ وہ لوگ اقارب ہوں یا اجانب، سب پر جود و نوال عام ہے۔ حضرت خدیجہ کی عرض کا مطلب یہ کہ آپ رشتہ داروں پر ہر طرح کا احسان کرتے ہیں بلکہ آپکا احسان رشتہ داروں کیساتھ خاص نہیں ہر شخص کو عام ہے اور یہی نہیں کہ آپ خود ... کرتے ہیں بلکہ لوگوں

فَانْطَلَقَتْ بِهٖ خَدِيْجَةُ حَتّٰى اَتَتْ بِهٖ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ اَسَدِ بْنِ

اس کے بعد حضور کو خدیجہ اپنے ساتھ لیکر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ

عَبْدِ الْعُزّٰى بْنِ قُصَيٍّ اِبْنِ عَمِّ خَدِيْجَةَ ـ وَكَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ

بن قصی کے پاس گئیں ورقہ ــ ورقہ زمانۂ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے

کو عمدہ تعلیم اور اچھے اخلاق کی تلقین بھی کرتے ہیں۔

ف۵ اصل غمگسار وہ ہے جو ابتدائی مرحلے میں انتہائی ٹھوس طریقے سے ہراساں کو تسکین دے۔ حضرت خدیجہ یہ خدمت انجام دینے کے بعد، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کے پاس اس غرض سے لے گئیں کہ ان کی تائید حاصل کریں کہ وہ عرب کے مسلم الثبوت عاقل، عالم، شاعر تھے ان کو قس کہا جاتا تھا عمر میں بھی بڑے تھے۔ تاکہ ان کی تائید سے ان کے موقف کو اور قوت ملے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مزید سکون۔

ورقہ ۳۴ عرب کے ان چند نفوس میں تھے۔ جو اپنی عقل سے بت پرستی کو ناپسند کرتے تھے اور دین حق کے جویاں تھے یہ اور زید بن نفیل وغیرہ نے دین حق کی تلاش میں شام وغیرہ کا سفر کیا۔ بعض ایسے راہبوں سے جو غیر متبدل دین عیسوی پر تھے، ورقہ کی ملاقات ہوئی اُن کے اثر سے اصل دین عیسوی کو قبول کر کے عیسائی ہو گئے۔ ان نصاریٰ کی طرح نہیں تھے جو محرّف دین عیسوی کے پابند تھے یہ عربی اور عبرانی، سریانی تینوں زبانوں کے ماہر تھے۔ انجیل کو عربی میں بھی اور عبرانی میں بھی لکھا کرتے تھے۔ ان کا بعد بعثت سنہ نبوی میں انتقال ہوا۔ ایمان لانے کے جرم میں جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایذائیں دی جانے لگیں۔ ان کو چلچلاتی دھوپ سے تپتی ہوئی سنگلاخ زمین پر لٹا کر مجبور کیا جاتا کہ ایمان سے پھر جائیں۔ شدت تکلیف سے بیہوش ہو جاتے۔ مگر جب ہوش آتا تو فرماتے اَحد اَحد۔ ایک بار اسی حالت میں ورقہ کا گزر حضرت بلال پر ہوا۔ ان سے کہا۔ اَحَدٌ، اَحَدٌ، ایک ہی کہنا۔ ایک ہی کہنا۔ یہ روایت اس کے منافی نہیں جو اس حدیث کے اخیر میں ہے کہ ام المومنین نے فرمایا۔ ورقہ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد انتقال کر گئے۔ حضرت ام المومنین کی مراد یہ ہے۔ کہ اسلام کی شہرت عام اور جہاد کے فرض ہونے سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

۳۵ حضرت ورقہ کی صحابیت

علماء سیر اور محدثین میں اس پر بڑے زور کی معرکہ آرائی ہے۔ کہ یہ صحابی تھے یا بحیرا راہب کی طرح تھے۔ یا اخیر وقت تک نصرانی تھے۔ نصرانیت ہی پر مرے۔ اس کے ثبوت میں یہ روایت پیش کی جاتی ہے:۔

مغازی محمد بن عائذ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ورقہ نصرانیت پر مرے۔ اس کا ایک راوی عثمان بن عطاء خراسانی ہے۔ اصابہ میں فرمایا۔ یہ ضعیف ہے۔ اس لئے یہ قول ساقط ہوگیا۔ رہ گیا یہ قول کہ یہ صحابی تھے یا نہیں ... شک تھے۔ اس کا تصفیہ صحابی کی تعریف پر موقوف ہے۔

صحابی کی تعریف (۳۶)

علامہ ابن حجر نے نخبہ میں صحابی کی تعریف یہ کی ہے:-

مَن لقی النبیَّ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مؤمنا بہ ومَاتَ عَلَی الْاِسْلَامِ وَلَوْ تَخَلَّلَتْ ردۃ فی الاصح (ص ۲۲ و ۲۳)

جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہو اور اسی حالت میں ملاقات کی ہو اور اسلام پر مرا ہو۔ اگرچہ درمیان میں مرتد ہوگیا ہو۔ یہی اصح ہے

اس میں ملاقات سے مراد معنی عام ہے جو ملاقات اور دیکھنے دونوں کو شامل ہے۔ یعنی واقعی ملاقات ہوئی اگرچہ دیکھا نہ ہو جیسے نابینا صحابہ۔ یا صرف دیکھا ہو اگرچہ ملاقات نہ ہوئی ہو جیسے دور سے دیکھا ہو یا عہد طفلی میں شعور آنے سے پہلے دیکھا ہو۔

صحابی کی تعریف کے معیار سے حضرت ورقہ کو جانچئے تو بلا شبہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ صحابی تھے۔ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا بھی اور آپ کی تصدیق بھی کی اور آپ پر ایمان بھی لائے اور زمانۂ دعوت بھی پایا۔ اور اپنے ایمان پر آخر دم تک قائم رہے۔ یہ گزر گیا کہ سنہ نبوی میں وصال ہوا۔ سنہ نبوی میں عام دعوت کا حکم آچکا تھا۔ (مدارج النبوۃ ص ۲۳ ج ۲) پر ہے۔

تا سہ سال حال بریں منوال بود و مامور بود آنحضرت باخفاء ایں امر و صبر براں۔ پس آنحضرت بخفیہ دعوت می کرد تا نازل شد فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ۔ ایں در سال چہارم بود۔

تین سال تک اسی طرح حال رہا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے چھپانے اور اسی پر اکتفا کرنے کے مامور تھے۔ اس لئے خفیہ دعوت اسلام دیتے یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ تم کو جو حکم ہے اسے علانیہ بیان کرو اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔ یہ چوتھے سال ہوا

جب ورقہ کا وصال سنہ نبوی میں ہوا تو ثابت کہ انھوں نے خفیہ دعوت کا زمانہ ضرور پایا۔ بلکہ اور حضرت بلال والے واقعے سے یہ بھی ثابت کہ دعوت عام کا بھی زمانہ پایا۔ اس لئے کہ یہ طے ہے کہ مسلمانوں کی ایذا رسانی، اعلان عام کے بعد شروع ہوئی ہے۔

روایات المغازی اور دلائل النبوۃ بیہقی میں ہے۔ کہ ابتدائے وحی کے کوائف سننے کے بعد ورقہ نے کہا:-

اَبْشِرْ، اَبْشِرْ، فَاِنِّیْ اَشْھَدُ اَنَّکَ الَّذِیْ بَشَّرَ بِہٖ ابْنُ مَرْیَمَ۔ اِنَّکَ عَلٰی مِثْلِ نَامُوْسِ مُوْسٰی وَاِنَّکَ نَبِیٌّ مُرْسَلٌ۔ اِنَّکَ سَوْفَ تُؤْمَرُ بِالْجِھَادِ بَعْدَ یَوْمِکَ ھٰذَا وَاِنْ یُدْرِکْنِیْ ذَالِکَ لَاُجَاھِدَنَّ مَعَکَ۔ فَلَمَّا تُوُفِّیَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاَیْتُ الْقَسَّ فِی الْجَنَّۃِ وَعَلَیْہِ ثِیَابُ الْحَرِیْرِ لِاَنَّہٗ اٰمَنَ بِیْ وَصَدَّقَنِیْ۔	آپ کو بشارت ہو بشارت ہو۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی نبی ہیں جن کی ابن مریم نے بشارت دی تھی۔ اور آپ موسیٰ علیہ السلام کے ناموس کے مثل ہیں اور بلا شبہ آپ نبی مرسل ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد آپ کو جہاد کا حکم ہوگا۔ اگر اس وقت تک، تو آپ کے ساتھ رہ کر ضرور ضرور جہاد کروں گا۔ انکی وفات کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے قس (ورقہ) کو جنت میں ریشمی لباس میں دیکھا۔ اسلئے کہ وہ مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی

(اصابہ ص۶۳۳ ج ۳)

جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمادی کہ ورقہ مومن تھے۔ مومن مرے۔ تو اب تفصیل بالا کی روشنی میں کوئی شک نہیں رہنا چاہیے کہ ورقہ صحابی تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اس روایت کے بارے میں بیہقی نے کہا کہ یہ منقطع ہے۔ مگر سب کو معلوم ہے کہ ہمارے ائمہ اور جمہور کے نزدیک منقطع حدیث کے راوی اگر ثقہ ہیں تو وہ لائق حجت ہے ۔ مرقاۃ میں ملا علی قاری فرماتے ہیں:

قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ، مُرْسَلٌ اَیْ نَوْعٌ مُرْسَلٌ وَھُوَ الْمُنْقَطِعُ۔ وَلٰکِنَّ الْمُرْسَلَ حُجَّۃٌ عِنْدَنَا وَعِنْدَ الْجُمْھُوْرِ۔	ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث مرسل ہے یعنی اس کی ایک قسم یعنی منقطع ہے۔ اور مرسل ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے

علاوہ ازیں اس کی مؤید کثیر روایتیں ہیں۔ جو اصابہ وغیرہ میں مذکور ہیں کسی میں فرمایا۔ میں نے ان کو جنت میں کریپ پہنے دیکھا کسی میں ہے کہ وہ جنت کی نہروں میں ہیں۔ کسی میں ہے۔ ایک ہی نہیں دو جنت میں ہیں۔ انھیں برا مت کہو۔ کہیں یہ آیا کہ میں نے ان کو سفید کپڑے میں دیکھا۔ اگر جنتی نہ ہوتے تو ان پر سفید کپڑے نہ ہوتے۔

ان سب سے یہ بات بطور قدر مشترک ثابت ہوتی ہے کہ وہ ضرور مومن تھے۔ اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ وہ زمانہ دعوت پا چکے تھے۔ تو اب ان کے صحابی ہونے میں کیا شبہ۔ یہی کثیر محدثین، علماء سیر کا مذہب ہے۔ مثلاً برہان البقاعی، علامہ برماوی۔ عراقی۔ اور ابن مندہ، طبری بغوی ابن قانع ابن السکن وغیرہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔

عہ زرقانی ص۲۴۴ ج۱ عہ اصابہ ص۶۳۳ ج۳

وکان یکتب الکتاب العبرانی (العربی) فیکتب من الانجیل بالعبرانیة
ورقہ عبرانی (عربی) لکھنا جانتے تھے اور انجیل کو عبرانی اور (عربی) میں لکھا کرتے تھے

(العربیة) ماشاء اللہ ان یکتب وکان شیخا کبیرا قد عمی فقالت لہ
جتنا اللہ کو منظور ہوتا اور اس وقت بہت بوڑھے نابینا ہو گئے تھے۔ ان سے خدیجہ نے کہا

عربی، عبرانی، سُریانی (۳۷) یہاں روایتیں مختلف ہیں۔ یہاں یہ ہے

وکان یکتب الکتاب العبرانی فیکتب من الانجیل عبرانی لکھنا جانتے تھے۔ انجیل کو عبرانی میں لکھتے تھے۔
بالعبرانیة۔

اور غیرہ سورہ علق میں بطریق یونس اور کتاب التعبیر میں بطریق معمر۔ العبرانی کی جگہ العربی اور بالعبرانیة کی جگہ بالعربیة ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عربی لکھنا جانتے تھے اور انجیل کو عربی میں لکھا کرتے تھے۔

انجیل کی زبان (۳۸) انجیل سُریانی زبان میں تھی۔ ان روایات کی روشنی میں مطلب یہ ہوا کہ ورقہ ان تینوں زبانوں کے ماہر تھے سُریانی کا ترجمہ عربی میں بھی کر لیتے تھے اور عبرانی میں بھی۔ انجیل کو کبھی عربی میں لکھتے کبھی عبرانی میں۔

سُریانی زبان کی ابتداء (۳۹) سُریانی زبان حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے چلی آرہی ہے۔ ان کی اور ان کی اولاد اور جملہ انبیاء کی زبان سُریانی ہی تھی۔ اللہ عزوجل نے حضرت آدم کو تمام چیزوں کا نام سُریانی ہی میں سکھایا تھا تاکہ فرشتے نہ سمجھ سکیں۔ لفظ سُریانی، سیوریؔ سے بنا ہے۔

حضرت ابراہیم کی زبان (۴۰) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سریانی تھی۔ جب نمرود کے شر کی وجہ سے بحکم الٰہی فرات عبور کر کے شام میں تشریف لائے تو قدرت الٰہی سے زبان بدل گئی۔ دوسری زبان بولنے لگے۔ جب یہ ہوا کہ نمرود نے حضرت ابراہیم کی تلاش میں ہرکارے بھیجے تھے اور حکم دیا تھا کہ جو شخص بھی سُریانی میں کلام کرتا ہوا ملے تو اُسے گرفتار کر لاؤ۔ جب نمرود کے آدمی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہونچے اور انہیں دیکھا کہ وہ سُریانی کے بجائے اور کوئی زبان بولتے ہیں۔ تو کوئی تعرض نہ کیا۔ چونکہ بالہام الٰہی اس زبان کی تعلیم حضرت ابراہیم کو فرات عبور کرنے کے بعد ہوئی تھی۔ اور فرات پار والوں کی بھی یہی زبان ہو گئی اس لئے اسکو عبرانی کہتے ہیں۔ الف نون کی زیادتی خلاف قیاس ہے۔

عربی زبان کی ابتداء (۴۱) عربی زبان بھی حضرت آدم علیہ السلام ہی کے وقت سے ہے۔ وہ جنت میں عربی بولتے تھے۔ زمین پر تشریف لانے کے بعد سُریانی بولنے لگے۔ پھر قبول توبہ کے بعد عربی بولنے لگے۔ سفیان نے فرمایا۔ ہر وحی آسمانی عربی ہی میں نازل ہوتی تھی۔ انبیاء اپنی قوم کی زبان میں اس کا ترجمہ فرمادیا کرتے تھے۔

۵ہ فتح الباری وغیرہ

خدیجة یا ابن عم اسمع من ابن اخیک فقال له ورقة یا ابن اخی ماذا

اے میرے چچا کے بیٹے اپنے برادر زادے کی بات سنئے ملے تو حضور سے ورقہ نے پوچھا اے برادر زادے

تری. فاخبره رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم خبر ما رأی. فقال له

آپ نے کیا دیکھا تو رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا بتایا۔ اس پر ورقہ نے حضور سے کہا

ورقة هذا الناموس الذی نزل الله علی موسی. یا لیتنی فیها جذعا یا لیتنی اکون حیا

یہ وہی فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ پر اتارا تھا ۴۳ کاش کہ ان دنوں میں طاقتور جوان ہوتا کاش کہ

لیکن عام طور پر یہی مشہور ہے کہ عربی زبان، حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ظاہر ہوئی۔ انھوں نے بنی جرہم سے سیکھی تھی اسی لئے ان کی اولاد کو مستعربہ کہا جاتا ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ بنی جرہم میں یہ زبان پہلے سے رائج تھی۔ اسی لئے بنی جرہم کو عاربہ کہا جاتا ہے۔ اس روایت کی بنا پر حضرت اسماعیل کو اس زبان کا موجد نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عربی زبان کو جو بقا حاصل ہے یہ حضرت اسماعیل کی رہین منت ہے۔

ابن اخیک (۴۲) حضرت خدیجہ کے والد خویلد اور ورقہ کے والد، نوفل دونوں، اسد بن عبد العزیٰ کے بیٹے اور حقیقی بھائی ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد کے پردادا، عبد مناف، اور ان دونوں کے پردادا عبد العزیٰ حقیقی بھائی، قصی کے بیٹے تھے۔ اس لحاظ سے حضرت عبد اللہ اور ورقہ خاندانی اعتبار سے بھائی ہوئے۔ اس رشتے کی بنا پر حضرت خدیجہ نے، ورقہ سے یہ کہا، اپنے برادر زادے کی بات سنو۔ اور اسی خاندانی رشتے سے انھوں نے ورقہ کو ابن عم کہا۔ علاوہ ازیں عرب ہی نہیں ہمارے یہاں بھی سن رسیدہ آدمی کو چچا کہتے ہیں۔ اس عرف کے پیش نظر ابن اخیک کہا۔ مقصود یہ تھا کہ بڑی توجہ سے ان کی بات سنیں۔

ناموس (۴۳) ناموس کے معنی صاحب سر ہے یعنی راز کی باتیں بتانے والا۔ خواہ یہ راز خیر ہو خواہ شر۔ امام بخاری نے کتاب الانبیاء میں باب واذکر فی الکتاب موسیٰ میں فرمایا:۔

الناموس، صاحب السر الذی یطلعه بما یستره عن غیره۔ — وہ رازدار جو ان باتوں کو بتائے جنھیں غیر سے چھپائے۔

اور جاسوس، اُسے کہتے ہیں جو شر کی پوشیدہ باتیں پہنچائے۔ ان دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہوئی یہاں ناموس موسیٰ سے مراد حضرت جبرئیل ہیں۔

حضرت ورقہ نے ناموس موسیٰ کہا، حالانکہ یہ نصرانی تھے۔ اس لئے اور چونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

إِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ

وقت میں زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔ یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے دریافت فرمایا

قَالَ نَعَمْ لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا عُودِيَ وَإِنْ يُدْرِكْنِي

کیا میری قوم مجھے نکالے گی؟ ورقہ نے کہا جی ہاں! جب بھی کوئی شخص آپ کی طرح شریعت لیکر آیا تو اس سے دشمنی کی گئی۔ اے

يَوْمُكَ حَيًّا أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا. ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ أَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ

کاش اگر مجھے آپ کو زمانہ ملا تو آپ کی بھرپور مدد کروں گا وا اس کے کچھ ہی دنوں بعد ورقہ کی وفات ہوگئی۔ اور وحی

الْوَحْيُ فَتْرَةً حَتَّى حَزِنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا بَلَغَنَا

کچھ دنوں کے لئے سلسلہ وحی منقطع رہا جس سے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو اتنا غم لاحق ہوا جیسا کہ ہمیں خبر ہوئی

زمانہ بہ نسبت موسی علیہ السلام کے حضرت عیسی علیہ السلام سے قریب تھے اس لئے بھی ان کو ناموس عیسی کہنا چاہئے تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کی رسالت متفق علیہ ہے نصاری بھی انھیں نبی مانتے تھے بخلاف حضرت عیسی علیہ السلام کے کہ انھیں یہود نبی نہیں مانتے۔ جس وقت کے نصاری بھی ان کو اقانیم ثلثہ میں سے ایک مانتے تھے۔ ان پر بذریعہ جبرئیل نزول وحی کے قائل نہیں تھے۔ اسے ورقہ نے موقع پر ناموس موسی ہی کہنا موزوں تھا

ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں ایک روایت ذکر کی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ پہلے حضرت خدیجہ تنہا ورقہ کے پاس گئیں تو انھوں نے کہا اگر تم سچی ہو تو ان کے پاس ناموس عیسی آتے ہیں گے جنھیں بنی اسرائیل بھی ہونہیں مانتے پھر جب حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو ساتھ لیکر گئیں تو ورقہ نے ناموس موسی کہا۔ پہلی بار اپنے اعتقاد اور قرب کی بنا پر ناموس عیسی کہا اور دوبارہ ناموس موسی کہا بلکہ سیرت حلبی میں یوں ہے۔ انتہ علی مثل ناموس موسی وعیسی حضرت موسی کا ذکر تعلق فریقین کی بنا پر کیا۔ اور حضرت عیسی کا اپنے اعتقاد اور قرب زمانہ کی بنا پر

وقت سے کیا مراد ہے (٣٣) ورقہ نے فرمایا اگر مجھے آپ کا زمانہ ملا تو آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔ اس سے مراد دعوت عام کے بعد ابتلا کا دور ہے۔ یا وہ زمانہ مراد ہے جب جہاد کا حکم ہوگا ــــ اور گزر چکا کہ جہاد کے زمانے سے بہت پہلے ان کا وصال ہوگیا۔ بلکہ ظالموں کے ذات اقدس کو نشانہ ستم بنانے سے بھی پہلے ٣ سنہ نبوی میں وصال فرما گئے۔

حضرت بلال کو ستاتے ہوئے دیکھا تو باوجود کبر سنی اور آنکھوں سے معذور ہونے کے بڑی جرأت کے ساتھ حضرت بلال سے فرمایا۔ ایک ہی کہنا ایک ہی کہنا

فترت کی تحقیق (۴۳) و فتر الوحی۔ فتر یفتر فتورا و فتارا کے اصل معنی۔ تیزی کے بعد رک جانا، سختی کے بعد نرم پڑنا، اور کمزور اور سست ہونا ہیں۔ نیز باری کے بخار میں ناغے کے دن کو فترت کہتے ہیں

قرآن و حدیث میں اس زمانے کو کہتے ہیں جو حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان ہے جس میں کوئی نبی مبعوث نہ ہوا۔ اور یہاں اس کے معنی یہ ہیں۔ سورہ اقرأ کے نزول کے بعد ایک مدت تک نزول قرآن نہیں ہوا۔

اس مدت کو فترت وحی کا زمانہ کہتے ہیں۔ یہ مدت کتنی تھی اس میں دس اقوال ہیں۔ تین سال۔ ڈھائی سال۔ کچھ دن بلا تعیین۔ دو سال چھ مہینے۔ چالیس دن۔ پندرہ دن۔ تین دن۔ بارہ دن۔ ایک مہینہ۔

مدت فترت کی تحقیق (۴۴) عام جمہور ارباب سیر تین سال کو اختیار کئے ہیں۔ علامہ عینی نے صرف اسی کو لیا۔ مغلطائی نے تیسرے قول یعنی یہ مدت بلا تعیین چند دن تھی کو اشبہ بتایا یعنی اشبہ بالحق۔ دلیل میں فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان کے رب سے جو تعلق تھا وہ اسی کا مقتضی ہے۔ علامہ زرقانی نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ فتح الباری وغیرہ میں اسی کو نقل فرمایا۔ مگر زرقانی میں مغلطائی کے حوالے سے تفسیر ابن عباس سے اس کی تعداد چالیس دن بتائی۔ خادم کا رجحان بھی یہی ہے کہ فترت وحی کی مدت چالیس دن تھی کیونکہ ڈھائی سال اور تین سال مدت ماننے کی صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ سورہ مدثر اقرأ کی ابتدائی پانچ آیتوں کے بعد تین یا ڈھائی سال پر نازل ہوئی۔ اور یہ ثابت اپنی جگہ ہے کہ دعوت کا حکم سورہ مدثر سے ہوا ہے

مواہب اور زرقانی میں ہے

قال النووی اول ما وجب الانذار والدعاء الی التوحید لقوله تعالیٰ یایها المدثر قم فانذر	نووی نے کہا کہ سب سے پہلے انذار اور توحید کی دعوت اللہ تعالیٰ کے اس قول سے واجب ہوئی کہ فرمایا۔ اے چادر اوڑھنے والے اٹھو اور ڈراؤ۔

ج ۱ ص ۲۳۵

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان تین سال میں دعوت کا کام بند رہا۔ شروع ہی نہ ہوا۔ نیز ایام فترت میں خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو حال تھا وہ خود اس حدیث میں آگے مذکور ہے۔ وہ بتا رہا ہے کہ حضور کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ کسی کو دعوت دیتے۔ حالانکہ ثابت ہے کہ ان تین سال میں کثیر حضرات ایمان لا چکے تھے۔ یہی علامہ قسطلانی اور علامہ زرقانی نے کثیر صحابہ و صحابیات کے نام گنائے ہیں جو ان تین سال میں ایمان لائے۔ اور اجمالی طور پر یہ فرمایا کہ ان تین سال میں مردوں عورتوں کی متعدد جماعت نے پے در پے اسلام قبول کیا

۱؎ فتح الباری ج ۱ ص ۲۔ ۲؎ اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۵۔ ۳؎ زرقانی علی المواہب ص ۲۳۲۔ ۴؎ مرقات ص ۲۱۲

رازداری فرمایا کہ عراقی وغیرہ نے ایک معتد بہ مقدار کے نام گنائے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اس اثنا میں رازداری کے ساتھ اسلام کا کام ہوتا رہا۔ تین سال تک کہ آیت کریمہ

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ — تم کو جو حکم ہے اب اسے علانیہ بیان کرو اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔

نازل ہوئی۔ تو علانیہ اسلام کی اشاعت اور تبلیغ و دعوت کا کام شروع فرمایا۔۔۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول، ورقہ کا ذکر ہو چکا۔ مواہب اور زرقانی میں ہے

وكان ذالك بعد ثلاث سنين من النبوة كما جزم به الحافظ في سيرته بان نزول الآية كان في السنة الثالثة (وهي المدة التي اخفى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم امره الى ان امره الله تعالى باظهاره فنادى قومه بالاسلام و) لم يقتصر على مجرد المجاهرة بالدعوة بل كرر ذالك واكد وبالغ في اظهار الحجة حتى كانه صدع به كما امره الله تعالى)

لوگوں نے کہا اس آیت کا نزول نبوت کے تین سال بعد ہوا۔ حافظ نے اپنی سیرت میں فرمایا کہ تین سال کے بعد نہیں تیسرے سال میں ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے حال کو چھپائے رکھا یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے اس کے کھلم کھلا بیان کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد حضور نے اپنی قوم پر اسلام کو ظاہر فرمایا اور علانیہ اشاعت کرنے لگے اور صرف اعلان دعوت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بار بار دعوت دی اور تاکید دی اور اس میں مبالغہ کیا گویا کہ اسلام کو بالکل آشکارا کر دیا جیسا کہ حکم تھا۔

ج ١ صفحہ ٢٢٧ و ٢٢٨

غرضیکہ اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ تین سال کے اندر بھی اسلام کی دعوت کا کام ہوتا رہا، مگر احتیاط اور رازداری کے ساتھ۔۔۔ علاوہ ازیں یہ بات طے ہے کہ فترتِ وحی کے بعد سب سے پہلے "یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ" نازل ہوئی۔ یہ مدت تین سال ماننے کا مطلب یہ ہوا کہ سورۂ مدثر تین سال پر نازل ہوئی۔ اب اگر حافظ عراقی کی بات صحیح ہے کہ آیت "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" تین سال کے اندر نازل ہوئی تو لازم کہ سورۂ مدثر بعد میں اور یہ آیت اس کے پہلے نازل ہوئی۔ اور یہ کسی طرح درست نہیں۔

پھر یہ کہ علامہ عسقلانی وغیرہ نے اس تاخیر کی علت یہ بتائی کہ حرا میں نزول وحی سے قویٰ پر اثر ہوا جو زیادہ دور ہو جائے اور شوق زیادہ سے زیادہ ہو جائے۔ اس کے لئے تین سال کی مدت کی کوئی ضرورت نہیں۔ چند دن کافی ہیں۔ پھر سوچئے اللہ عزوجل نے سارے عالم میں اسلام کی دعوت کے لئے جسے منتخب فرمایا اپنا حبیب بنایا اسے تین سال تک اتنی سخت کشمکش میں مبتلا کرے کہ بار بار جان سے عاجز آ جائے، ذرا

غدا منه مرارا کی یتردی من رؤس شواهق الجبال فکلما اوفی بذروة جبل

[illegible] کئی بار پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھے کہ اپنے کو وہاں سے گرا دیں فلہ پس جب کبھی

لکی یلقی نفسه منه تبدی له جبریل فقال یا محمد انک رسول اللہ حقا

پہاڑ کی بلندی سے اپنے کو گرائیں جبریل فلہ ظاہر ہو جاتے اور عرض کرتے اے محمد آپ بلاشبہ اللہ کے رسول برحق ہیں

مشکل سے سمجھ میں آنے کی بات ہے۔ جیسا کہ مغلطائی نے کہا۔

لعل ھذا ھو الاشبه بحاله عند ربه — امید ہے کہ یہی حق سے زیادہ مشابہ ہو، اسکو دیکھتے ہوئے جو ایک مرتبہ خدا کی بارگاہ میں تھا۔

(زرقانی ص۲۳۶)

میں حضرت ابن عباس کے دونوں قول کو راجح سمجھتا ہوں۔ یعنی یہ مدت چند دن تھی اور یہ چند دن چالیس دن تھے۔ اس پر

یہ کہ مسلم شریف میں حضرت جابر کی فترت وحی کے ایام کے احوال میں یہ روایت مذکور ہے

جاورت بحراء شهرا (کتاب الایمان) — میں نے حرا میں ایک مہینے مجاورت کی۔

تو ثابت کہ یہ مدت ایک ماہ سے کم نہ تھی زیادہ تھی۔ اور ایک ماہ سے زائد کے اقوال میں ایک ماہ سے قریب تر چالیس دن کا قول ہے۔ اس لئے یہ راجح ہے۔ اس کے علاوہ جتنے اقوال ہیں ان میں کسی کا قول حضرت ابن عباس کے مرتبے کا نہیں۔ اور جب یہ قول از روئے درایت بھی مرجح۔ تو اسی کو راجح ماننا انسب ہے۔

بالکل فطری بات ہے کہ جب وحی رکنے کی وجہ سے قلق و اضطراب ہوتا۔ جبریل آ کے تسکین دیتے۔ کچھ سکون ملتا۔ مگر چونکہ وحی بدستور رکی رہتی اس لئے پھر وہی حال ہوتا۔ مسلسل اس کیفیت کا حل یہ سمجھ میں آیا کہ جو چھ وہیں حرا میں جہاں پہلی بار شاید مقصود جلوہ گر ہوا تھا۔ تو حرا میں مجاورت فرمائی۔ اور جو علاج سوچا تھا وہ شافی ہوا۔ یک بیک نبی پیغام لے کے آیا۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی جل مجدہ اتم واحکم۔

ایام فترت وحی میں اضطراب

(۳۶) عرصے تک وحی رک جانے سے حزن و ملال اور اضطراب کا پیدا ہو جانا فطری بات ہے۔ اتنا عظیم منصب ملنے کے بعد عرصے تک وحی نہ آنے سے یہ اندیشہ سامنے کی بات ہے کہ کہیں ناراضگی کی بنا پر تو یہ رکاوٹ نہیں۔ اور محبوب کی ناراضگی کتنی جانکاہ ہوتی ہے۔ یہ صرف ارباب محبت جانتے ہیں۔ پھر جب کہ محبوب حقیقی ہو تو اس کا رد عمل کتنا شدید ہوگا۔ ظاہر ہے۔ اسی طرح کسی بڑے منصب کے ملنے کے بعد اس کے زوال کا خیال کتنا سوہان روح ہوتا ہے سب کو معلوم ہے وہ بھی نبوت جیسے عظیم منصب کے بارے میں یہ تصور کتنا [illegible] ہوگا۔

اس جان لیوا تصور کی وجہ سے قلق واضطراب، اضطرار کی حد تک اگر پہونچ گیا تو کیا تعجب کی بات ہے اور ایسے اضطرار کی حالت میں جو فعل سرزد ہو اس پر کوئی دار وگیر نہیں وہ بھی اس وقت جب کہ احکام کا نزول ابھی نہیں ہوا تھا۔ اور اگر بالفرض احکام کا نزول ہوتا بھی تو احکام ہی میں یہ بھی ہے۔ ارشاد ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۔ تو جو شخص کوئی ایسا کام اضطرار کی حالت میں کر بیٹھے جو منع ہو اور وہ خواہش سے نہ کیے اور حد سے آگے نہ بڑھے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ یہاں یہ کہنا کہ چونکہ یہ حدیث بلاغات زہری سے ہے اس لیے قابل قبول نہیں۔ اصول حدیث کی خلاف ورزی ہے۔ ابھی اس کا امکان ہے کہ حدیث کا اول حصہ جس سند سے مروی ہے اسی سے یہ بھی مروی ہو۔ ثانیاً اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ امام زہری ہی پر موقوف ہے۔ چونکہ یہ بھی ثقہ ہیں اور معمر بھی ثقہ ہیں۔ اسلئے اس کے قابل قبول ہونے میں کوئی تردد نہیں ہوسکتا۔ قسطلانی

جبریل (۳۰) یہ عبرانی لفظ ہے۔ ایل کے معنی خدا۔ اور جبر کے معنی عبد۔ جبریل کے معنی عبداللہ۔ اور ان کا اصل نام [illegible] معلوم ہے۔ انبیاء کرام کے پاس پیغام خداوندی لانے کی خدمت انھیں کے سپرد تھی۔ اسکے علاوہ اور بھی خدمات [illegible] لینے اور اب بھی دیتے ہیں۔

جبریل کی ملکوتی صورت (۳۱) جبریل امین کی ملکوتی شکل یہ تھی کہ ان کے چھ سو بازو ہیں جن سے موتی اور یاقوت جھڑتے ہیں جو عظیم ہیں پورے افق کو بھر دیتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو دو مرتبہ ان کی ملکوتی شکل میں دیکھا

جبریل ابتدا ہی سے مامور ہیں (۳۲) وحی کے اقسام میں گزرا کہ ابتداء تین سال تک اسرافیل وحی پر مقرر تھے۔ پھر جبریل امین کی تقرری ہوئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے ابتداءً تین سال جبریل امین خدمت اقدس میں حاضر نہیں ہوئے مگر یہ صحیح نہیں۔ اولاً گزر چکا کہ فترت وحی کی مدت زیادہ سے زیادہ چالیس دن تھی تین سال نہ تھی۔ تو واقعہ حرا کے چالیس دن کے بعد سورہ مدثر کا نزول ہوا۔ اور یہ جبریل امین لیکر حاضر ہوئے۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں جو واقعہ ہے یہ فترت وحی ہی کے ایام کا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ان ایام میں بھی جبریل، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت پر مامور تھے اور خدمت بھی کرتے تھے بلکہ کلام بھی کرتے تھے لہٰذا ان ایام میں قرآن لیکر نہیں آئے۔

فتح الباری میں ہے ؛ یہ مراد نہیں کہ ایام فترت وحی میں جبریل حاضر ہی نہ ہوئے بلکہ مراد یہ ہے کہ قرآن لیکر نہیں آئے۔ پھر مسلم کو ستر [illegible] حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جبریل حاضر تھے کہ جانب [illegible] آسمان سے آہٹ سنی۔ جبریل نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ یہ ایک فرشتہ ہے جو آج تک نہیں اترا تھا یہ فرشتہ خدمت قدس

فَيَسْكُنُ لِذٰلِكَ جَاشُهُ وَتَقِرُّ نَفْسُهُ فَيَرْجِعُ فَإِذَا طَالَتْ عَلَيْهِ فَتْرَةُ الْوَحْيِ غَدَا

اس سے حضور کی بے چینی دور ہو جاتی اور قرار آجاتا پھر لوٹتے۔ پھر وحی کے انقطاع کی مدت دراز ہونے کی وجہ

لِمِثْلِ ذٰلِكَ فَإِذَا أَوْفَى بِذِرْوَةِ الْجَبَلِ تَبَدّٰى لَهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ

سے ویسا ہی کرتے پھر جب پہاڑ کی بلندی سے گرانا چاہتے تو جبریل وہی کہتے

میں حاضر ہوا سلام عرض کرنے کے بعد کہا۔ آپ کو دو ایسے نور کی بشارت ہو جو کسی نبی کو نہیں ملے۔ سورہ فاتحہ اور اواخر سورہ بقرہ۔ علما کی ایک جماعت نے فرمایا کہ یہ اسرافیل تھے۔

لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ حدیث میں نام نہیں، صرف علما کی رائے ہے کہ یہ اسرافیل تھے اس کا بھی احتمال ہے کہ اسرافیل نہ ہوں کوئی اور ہوں۔ مگر طبرانی، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا جو مجھ سے پہلے کسی نبی کے پاس نہیں آیا تھا اور نہ آئندہ کبھی کسی کے پاس آئے گا یہ "اسرافیل" ہیں۔ اسرافیل نے کہا کہ میں اپنے پروردگار کا یہ پیغام لیکر آیا ہوں کہ اللہ عز وجل نے آپ کو اختیار دیدیا ہے اگر آپ چاہیں تو نبی عبد رہیں چاہیں نبی ملک۔ حضور نے فرمایا کہ میں نے جبریل کی طرف دیکھا کہ وہ کیا مشورہ دیتے ہیں انھوں نے اشارہ کیا۔ تواضع کیجئے۔ اگر میں کہہ دیتا کہ نبی ملک رہوں گا تو پہاڑ سونا بن کر میرے ساتھ چلتے[ۓ]

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اسرافیل اس دن سے پہلے کبھی نہیں حاضر خدمت ہوئے۔ امام شعبی کے قول کے مقابلے میں جب حدیث مرفوع ہے تو ظاہر ہے کہ امام شعبی کا قول مرجوح ہوگا۔

علاوہ ازیں امام شعبی کے مذکورہ بالا قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایام فترت وحی تین سال تھے اور ہم ثابت کر آئے کہ تین سال نہیں صرف چالیس دن تھے اس لئے یہ کہنا کہ ابتداءً تین سال اسرافیل وحی لانے پر مامور تھے صحیح نہیں۔

اسرافیل بھی وحی لاتے تھے

(۵) مگر ان باتوں سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایام فترت میں اسرافیل وحی لیکر نہیں آئے۔ مگر اصل مدعی ثابت کہ کبھی کبھی اسرافیل بھی وحی لیکر آتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ اس میں بحث ہو سکتی ہے کہ ابتدا میں وحی لائے یا نہیں لائے۔ پہلے بعد ہی میں وحی لائے۔ لہٰذا وحی کی سات صورتیں اپنی جگہ باقی رہیں

ۓ ایضاً تفسیر سورۂ علق و کتاب التعبیر کتاب الانبیاء۔ باب واذکر فی الکتاب موسیٰ۔ اس کے علاوہ مسلم کتاب الایمان مسند امام احمد بن حنبل میں بھی یہ حدیث ہے۔ ۓ زرقانی ص ۲۳۹ ج ۱۔

۴ حدیث فترۃ وحی

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَأَخْبَرَنِيْ أَبُوْسَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ

ابن شہاب نے کہا اور مجھے ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے خبر دی کہ جابر ابن عبد اللہ

الْأَنْصَارِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ فَقَالَ فِيْ

انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فترت وحی کی حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ

تشریحات

ابن شہاب (۱) یہ زہری سے زیادہ مشہور ہیں۔ پورا نام یہ ہے محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب بن عبد اللہ بن حارث بن زہرہ بن کلاب۔ کنیت ابوبکر ہے۔ تیسرے دادا شہاب کی طرف منسوب کر کے ان کو ابن شہاب کہتے ہیں اور جد اعلیٰ زہرہ کی طرف نسبت سے زہری۔ یہ حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قبیلے سے ہیں اور کلاب میں جا کر ان کا نسب شجرۂ نبوی سے متصل ہو جاتا ہے۔ صغار تابعین سے ہیں۔ حضرت انس اور حضرت ربیعہ بن عباد اور کثیر صحابہ سے حدیثیں سنی ہیں۔ متفق علیہ امام ثقہ معتمد علیہ ہیں۔ ان سے کثیر تابعین نے احادیث لیں۔ بہتر سال کی عمر میں ماہ رمضان المبارک ۱۲۳ھ میں وصال فرمایا۔ وصیت کے مطابق موضع شغب میں لب سڑک مدفون ہوئے۔

اموی شہنشاہ عبد الملک بن مروان بہت عزت کرتا تھا۔ [illegible] حدیث کی تدوین کا کام انھوں نے شروع کیا۔ مطالعہ کے بہت شوقین تھے، جب مکان میں بیٹھتے تو کتابوں کا انبار لگ جاتا۔ انہماک میں دنیوی امور کی جانب توجہ نہ ہوتی۔ زوجہ محترمہ یہ دیکھتے دیکھتے ایک دن کہہ اٹھیں یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے زیادہ شاق ہیں۔

ابو سلمہ (۲) یہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ ان کا اصل نام عبد اللہ ہے یا اسمٰعیل یا کنیت ہی نام ہے۔ یہ اس پائے کے تابعی ہیں کہ ایک قول کی بنا پر مدینے کے فقہاء سبعہ میں یہ بھی ہیں۔ کثیر صحابہ و تابعین سے حدیثیں سنیں اور ان سے تابعین کی جماعت کثیر نے۔ مشہور محدث امام شعبی ان کے تلمیذ ہیں۔ ۹۴ھ میں بہتر سال کے ہو کے مدینہ طیبہ میں ولید بن عبد الملک کے ایام سلطنت میں وصال فرمایا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما (۳) جابر نام ہے۔ یہ بھی صحابی ہیں۔ ان کے والد بھی صحابی ہیں۔ ان کے والد غزوۂ احد میں

حَدِّثُهٗ بَيْنَا اَنَا اَمْشِيْ اِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِّنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِيْ فَاِذَا الْمَلَكُ الَّذِيْ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وحی کی گفتگو میں فرمایا میں چلا جارہا تھا کہ اچانک آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی میں نے نگاہ اٹھائی

جَاءَنِيْ بِحِرَاءٍ جَالِسٌ عَلٰى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ فَرُعِبْتُ مِنْهُ فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ

دیکھا تو وہی فرشتہ جو میرے پاس غار حرا میں آیا تھا آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے جس سے مجھ پر رعب طاری ہو گیا اور میں

زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ (فَدَثَّرُوْهُ) فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ

لوٹ کر گھر آیا تو میں نے کہا مجھے کپڑا اڑھادو مجھے کپڑا اڑھادو لوگوں نے اڑھادیا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اے بالاپوش اوڑھنے والے

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۙ فَحَمِيَ الْوَحْيُ وَتَتَابَعَ ۔

اٹھئے (لوگوں کو) ڈرائیے اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے اور اپنے کپڑے کو پاک رکھئے اور بتوں سے دور رہئے اسکے بعد وحی میں گرمی اور تسلسل پیدا ہو گیا

شہید ہوئے۔ ان پر بہت زیادہ نگاہ کرم تھی احادیث میں ان کے بہت دلچسپ واقعات مذکور ہیں ۔ یہ انصاری خزرجی سلمی ہیں ان سے

ایک ہزار پانچ سو چالیس احادیث مروی ہیں۔ صرف بخاری میں ایک سو چھبیس صرف مسلم میں۔ اور اٹھاون وہ احادیث ہیں جو دونوں

میں ہے متفق علیہ کہتے ہیں۔ اس طرح شیخین امام بخاری امام مسلم نے دو سو دس حدیث ان کی درج کیں۔

بروایت مختلف سن ۷۰ یا چوہتر یا اٹھتر میں مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا۔ وصال کے وقت عمر مبارک چورانوے سال کی تھی۔ جابر نام کے

صحابہ میں دو اور صاحبان ہیں۔ جابر بن عبداللہ راسبی۔ جابر بن عبداللہ بن رباب۔ اور یہ جابر بن عبداللہ بن حرام ہیں۔ صرف جابر نام کے

تیئس صحابہ کرام ہیں۔

سب سے پہلے کیا نازل ہوا (۴) علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کیا نازل ہوا جمہور کا قول ہے کہ مطلقاً سب سے پہلے سورہ اقرأ کی ابتدائی

پانچ مذکورہ بالا آیتیں نازل ہوئیں۔ بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ سورہ مدثر کی ابتدائی چار آیتیں نازل ہوئیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ سب سے

پہلے سورہ فاتحہ نازل ہوئی۔ یہ حدیث اسکی دلیل ہے کہ مطلقاً سب سے پہلے سورہ اقرأ کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔ اس حدیث کا یہ حصہ کہ میں نے

یہ دیکھا کہ وہ فرشتہ جو حرا میں آیا تھا۔ زمین و آسمان کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہے۔ اسکی دلیل ہے کہ سورہ مدثر کی یہ آیتیں واقعہ حرا کے بعد نازل ہوئیں

اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سورہ اقرأ کی ابتدائی آیتیں حرا میں نازل ہوئیں۔

نیز اس حدیث میں تصریح ہے کہ فترت وحی کے بعد سورہ مدثر کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اور اس پر اتفاق ہے کہ سورہ اقرأ کی ابتدائی

آیتوں کا نزول فترت وحی کے قبل ہوا۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ سورہ اقرأ کی ابتدائی آیتوں کا نزول سورہ مدثر کی ابتدائی آیتوں سے پہلے ہوا۔

رہ گیا سورہ فاتحہ کی روایت تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ روایت خبر واحد ہے اور حدیث حرا مشہور۔ ظاہر ہے کہ خبر واحد کے مقابلے میں

خبر مشہور کو بہرحال ترجیح ہوگی۔

له ایضاً کتاب التفسیر سورہ مدثر۔ سورہ علق کتاب التفسیر۔ اسکے علاوہ مسلم کتاب الایمان۔ ترمذی شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔

⑤ حَدِیثُ مُسَلسَلُ بالشَّفَتَین

عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنہُمَا فِی قَولِہٖ تَعَالیٰ "لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر میں (اتم جلدی کرنے کی خواہش

لِتَعجَلَ بِہٖ — قَالَ کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیہِ وَسَلَّمَ

میں نزول قرآن کیساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ان سب اقوال میں یوں تطبیق دی جا سکتی ہے کہ مطلقاً سب سے پہلے سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔ فترت وحی کے بعد سب سے پہلے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیتیں۔ اور مکمل سورہ سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔

تشریحات ⑤

ابن عباس ① عبداللہ نام ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس کے صاحبزادے ہیں ان کی والدہ ام الفضل لبابہ بنت الحارث ہیں۔ جو ام المؤمنین حضرت میمونہ کی حقیقی بہن ہیں۔ کنیت ابو العباس، ابو الخلفاء ہے۔ اور حبر الامت، ترجمان القرآن القاب ہیں۔ خلفائے عباسیہ سب آپ ہی کی نسل سے ہیں، اس لئے ابو الخلفاء کنیت ہوئی۔ ہجرت سے تین سال قبل شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت تیرہ سال کی عمر تھی۔ بعد میں اکہتر سال کے ہو کر حضرت عبداللہ بن زبیر کے ایام خلافت میں طائف شریف میں انتقال فرمایا۔ محمد بن حنفیہ حضرت علی کے صاحبزادے نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بتاتے ہیں جب جنازہ رکھا گیا تو ایک سفید پرندہ آکر کفن میں گھس گیا۔ بالتفتیش تلاش کیا گیا نہ ملا۔ دفن کے بعد ایک غیبی آواز آئی کوئی کہہ رہا ہے:۔

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَ ادْخُلِیْ جَنَّتِیْ	اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو اس حالت میں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں آ

چار وہ صحابہ جن کے نام عبداللہ ہیں جنہیں عبادلہ اربعہ کہتے ہیں ان میں یہ بھی ہیں۔ بقیہ تین یہ ہیں۔ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر عبداللہ بن عمرو بن العاص۔ لیکن احناف کے نزدیک عبادلہ اربعہ میں عبداللہ بن عمرو بن العاص کے بجائے عبداللہ بن مسعود ہیں[1] اٹھاسی فرمایا۔ چند صحابہ سے کثیر تعداد میں احادیث مروی ہیں۔ ان میں ایک یہ بھی ہیں۔ اور بقیہ حسب درجہ ذیل حضرات ہیں:۔

[1] فواتح الرحموت

يُعَالِجُ مِنَ التَّنْزِيْلِ شِدَّةً (إِذَا نَزَلَ جِبْرِيْلُ بِالْوَحْيِ) وَكَانَ مِمَّا يُحَرِّكُ

قرآن کے نازل ہونے سے شدت محسوس فرماتے تھے — جب جبریل وحی لیکر اترتے — اور اپنی زبان

بِهٖ لِسَانَهٗ وَ شَفَتَيْهِ (فَيَشْتَدُّ عَلَيْهِ وَكَانَ يُعْرَفُ مِنْهُ) فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ

اور ہونٹوں کو حرکت دیتے (ساتھ ساتھ پڑھنے کی کوشش کرتے) حضور پر شدت طاری ہوتی جسے جان لیا جاتا۔ ابن عباس رضی اللہ

رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا۔ فَأَنَا أُحَرِّكُهُمَا لَكَ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَرِّكُ

تعالیٰ عنہما نے فرمایا میں تمہیں سمجھانے کے لئے اپنے ہونٹوں کو ہلاتا ہوں جیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہلاتے تھے

حضرت ابوہریرہ ان کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ عبداللہ بن عمر۔ ام المؤمنین عائشہ۔ جابر بن عبداللہ۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم

ابن عباس سے ایک ہزار چھ سو ساٹھ احادیث مروی ہیں۔ ان میں پچانوے متفق علیہ اور ایک سو بیس افراد بخاری اور انچاس

افراد مسلم سے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا کی تھی "اے اللہ انھیں حکمت، فقہ، تاویل عطا فرما" اسکی

برکت سے کم سنی ہی میں ان کے علم و فضل کا سکہ سب پر بیٹھ گیا تھا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت قریب تھے۔ اہم سے اہم

امور میں اجلہ صحابہ کرام کے ساتھ مشورہ میں شرکت فرماتے تھے۔

امام مسروق نے فرمایا حضرت ابن عباس اجمل الناس افصح الناس اعلم الناس تھے۔ اسی لئے ان کو حبر امت بھی کہا جاتا ہے۔ اخیر عمر مبارک

میں آنکھوں میں موتیابند اتر آیا تھا۔ معالجین نے عرض کیا ہم موتیابند نکال دیں گے لیکن پانچ دن آپ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکے

فرمایا۔ خدا کی قسم میں موتیابند نہیں نکلواؤں گا۔ پانچ دن تو بڑی بات ہے ایک رکعت بھی نہیں چھوڑ سکتا جب آنکھیں سفید ہو گئیں

تو یہ شعر پڑھا کرتے۔

إِنْ يَأْخُذِ اللّٰهُ مِنْ عَيْنَيَّ نُوْرَهُمَا	اللہ نے میری آنکھوں سے روشنی لے لی تو کیا ہوا۔
فَفِيْ لِسَانِيْ وَقَلْبِيْ مِنْهُمَا نُوْرٌ	اسکے عوض میری زبان میرا دل روشن ہے
قَلْبِيْ ذَكِيٌّ وَذِهْنِيْ غَيْرُ ذِيْ دَخَلٍ	میرا دل صاف ستھرا اور میرا دماغ فساد سے خالی ہے
وَفِيْ فَمِيْ صَارِمٌ كَالسَّيْفِ مَطْرُوْرٌ	میرے منہ میں ایسی زبان ہے جو تلوار کی طرح تیز طرار (مقابل میں غالب)

خلاصہ ۲ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔ کہ قرآن کے نزول کے وقت رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شدت اور سختی محسوس فرماتے تھے۔ جیسا کہ مفصل گذرا جب جبریل قرآن سناتے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

وَقَالَ سَعِيدٌ أَنَا أُحَرِّكُهُمَا كَمَا رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا يُحَرِّكُهُمَا

سعید بن جبیر نے (تلمیذ ابن عباس) نے کہا میں تم لوگوں کے لئے اپنے ہونٹوں کو ہلاتا ہوں جیسے ابن عباس ہلاتے تھے تو حضور نے اپنے

فَحَرَّكَ شَفَتَيْهِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى الْآيَةَ الَّتِي فِي لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ (لَا تُحَرِّكْ)

ہونٹوں کو ہلایا۔ تو اللہ تعالیٰ نے سورہ قیامہ کی اس آیت کو اتارا (جلد یاد کرنے کی کوشش میں (نزول)

ان کے ساتھ ساتھ قرآن مجید پڑھتے۔ حاضرین پڑھنے کی وجہ سے ہونٹوں کی حرکت کو دیکھتے۔ مقصود یہ تھا کہ کوئی لفظ یاد سے رہ نہ جائے۔ جس طرح جبریل لیکر آئے ہیں بعینہٖ اسی طرح محفوظ کرلوں۔ جیسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے۔ ابن عباس نے اسی طرح ہونٹ ہلاکر اپنے تلامذہ کو دکھایا جن میں سعید بن جبیر شہید بھی تھے۔ جیسے ابن عباس نے اپنے ہونٹوں کو ہلایا ایسے ہی سعید بن جبیر نے بھی ہونٹ ہلاکر اپنے تلامذہ کو دکھایا۔

اس میں شدت در شدت تھی۔ ایک تو نزول وحی کی شدت دوسرے بغور سننا اور ساتھ ساتھ پڑھنا۔ اس پر سورہ قیامہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۔ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ تک۔ یعنی قرآن نازل ہونے کی حالت میں آپ یاد کرنے کی کوشش میں پڑھا نہ کریں۔ پورے قرآن کا آپ کے سینے میں جمع فرمادینا محفوظ کردینا تاکہ آپ اسے بآسانی پڑھ لیں ہمارے ذمے ہے۔ جب ہم قرآن بواسطہ جبریل پڑھیں نازل فرمائیں تو خاموشی سے بغور سنا کریں۔ اس کے بعد اسکے مطابق پڑھیں۔ پھر اس کا بیان یعنی آپ کو قدرت دینا کہ اسے بآسانی پڑھیں ہمارے ذمے ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد جب قرآن نازل ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سر جھکا کر بغور سنتے جب جبریل چلے جاتے تو پڑھتے۔

سعید بن جبیر ۳

سعید بن جبیر کنیت ابو محمد ہے۔ مشاہیر تابعین میں ہیں۔ بہت بڑے فقیہ محدث، معتبر تھے۔ اسی وجہ سے آپ کا لقب جہبذ العلماء ہے۔ جہبذ پرکھنے والا۔ دانا کے معنی میں ہے۔ ان کے تبحر علمی اور جلالت شان پر اتفاق ہے۔ بڑے عابد زاہد شب زندہ دار تھے۔ ہر سال دو بار مکہ معظمہ حاضر ہوتے۔ ایک بار حج کے لئے ایک بار عمرہ کے لئے۔ دو رات میں پورا قرآن مجید ختم فرمالیتے۔ رات بھر خشیت خداوندی سے مسلسل رونے کی وجہ سے بینائی کمزور ہوگئی تھی۔ زبردست مستجاب الدعوات تھے۔ ان کے گھر میں ایک مرغ تھا جس کی آواز پر رات میں اٹھ بیٹھتے۔ ایک رات مرغ کسی وجہ سے نہ بول سکا۔ آنکھ نہیں کھلی، نماز فجر قضا ہوگئی۔ نماز کے قضا ہونے کی وجہ سے زبان سے مرغ کے بارے میں یہ کلمات نکل گئے۔ اسے کیا ہوگیا تھا کہ آج نہیں بولا۔ اللہ اسکی آواز ختم کردے۔ وہ مرغ عمر بھر زندگی بھر نہ بول سکا۔ یہ دیکھ کر والدہ ماجدہ نے کسی کے لئے بددعا کرنے سے منع فرمایا۔ والدہ ماجدہ کے بہت فرمانبردار تھے۔

بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ - اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ - قَالَ جَمْعُهٗ

قرآن کے ساتھ اپنی زبان نہ ہلاؤ۔ بیشک ہمارے ذمے ہے اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمے ہے۔

لَكَ صَدْرَكَ وَتَقْرَاَهٗ - فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ قَالَ (فَاِذَا اَنْزَلْنَا

اس کا آپ کے سینے میں جمع کرنا اور اس کا بیان کرنا تو جب ہم پڑھ چکیں تو اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں تو جب

ایک مرتبہ بچھو نے ہاتھ میں ڈنک مار دیا۔ والدہ نے حکم دیا کہ کسی سے جھڑوالیں۔ سخت کشمکش میں پڑ گئے۔ جھاڑ پھونک کو وہ اپنے اعلیٰ توکل کے خلاف جانتے تھے۔ اور ادھر والدہ کی اطاعت فرض۔ بالآخر یہ ایک جھاڑنے والے کے پاس پہنچے نیش زدہ ہاتھ کو سامنے کر دیا۔ مشہور شقی ظالم حجاج نے شعبان ۹۵ھ میں شہید کیا۔ مزار پاک واسط میں ہے۔ ننانوے سال کی عمر مبارک ہوئی۔

سعید بن جبیر کی شہادت (۴)

واقعہ شہادت کی تفصیل یہ ہے کہ حجاج کے مظالم اور خلاف شرع کاموں پر علانیہ تنقید فرماتے تھے اسلئے اس ظالم نے انھیں گرفتار کرایا۔ مکہ معظمہ میں گرفتار ہوئے۔ راستے بھر دن میں روزہ رکھتے تھے اور رات میں نوافل پڑھتے۔ گرفتار کر کے لیجانے والے سپاہی نے جب یہ دیکھا تو تین دن کے بعد کہا۔ بخدا مجھے یقین ہے کہ میں آپکو ایسے شخص کے پاس لے جا رہا ہوں جو آپ کو ضرور بالضرور قتل کریگا۔ میں آپ کو چھوڑتا ہوں کہیں چلے جائیے۔ فرمایا کہ حجاج کو جب پتہ چلے گا کہ تم نے مجھکو گرفتار کر کے چھوڑ دیا ہے تو تمہارے لئے خطرہ ہے کہیں تم کو قتل کر دے۔ میں یہ نہیں پسند کرتا کہ میری وجہ سے تم ناگہاں قتل کئے جاؤ۔

دعا میں حلاوت قبول ہونے کی علامت ہے (۵)

جب حجاج کے دربار میں تشریف لے گئے تو فرمایا۔ ایک بار مجھے اور میرے دو ساتھیوں کو دعا میں حلاوت محسوس ہوئی تو ہم تینوں نے شہادت کی دعا مانگی تھی۔ دعا میں حلاوت اس کے مقبول ہونے کی نشانی ہے۔ میرے ان دونوں ساتھیوں کو شہادت نصیب ہو چکی۔ اب میں منتظر ہوں۔ حجاج نے پوچھا تمہارا کیا نام ہے۔ فرمایا۔ سعید بن جبیر۔ حجاج نے کہا نہیں شقی بن کسیر۔ فرمایا۔ والدہ نے یہی نام رکھا ہے۔ میں شقی ہوں کہ سعید یہ اللہ عزوجل خوب جانتا ہے۔ حجاج نے کہا نہیں تم شقی ہو۔ فرمایا غیب کا جاننے والا کوئی اور ہے۔ حجاج نے کہا سن لو۔ میں تمہاری دنیا کو بھڑکتی ہوئی آگ سے بدل دوں گا۔ فرمایا۔ اگر میں جانتا کہ یہ تمہارے اختیار میں ہے تو تیرے سوا کسی اور کو معبود نہ بناتا۔ پھر اس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت معاویہ تک خلفاء راشدین کے بارے میں الگ الگ سوال کئے۔ سب کے اہل سنت کے عقیدے کے مطابق جوابات ارشاد فرمائے۔ پھر حجاج نے پوچھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جو خلفاء ہوئے ان کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ فرمایا۔ ان کو اپنے اپنے اعمال کی جزا ملے گی۔ کچھ جزا پاکر مسرور ہوں گے۔ کچھ ہلاک۔ میں ان کا ذمہ دار نہیں۔ حجاج نے پوچھا عبد الملک بن مروان کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ فرمایا اگر صالح نیک تھا تو اپنی نیکی کا بدلہ پائے گا۔

اور اگر بدکار تھا تو اللہ کے قابو سے نکل نہ سکے گا۔ حجاج نے پوچھا۔ میرے بارے میں کیا کہتے ہو؟ فرمایا۔ تم خود اپنے آپ کو خوب جانتے ہو۔ حجاج نے کہا میرے بارے میں اپنا علم ظاہر کرو۔ فرمایا۔ میری بات تم کو بری لگے گی پسند نہ آئے گی۔ حجاج نے کہا۔ جو کچھ بھی ہو اس کو ظاہر کرو۔ فرمایا۔ اچھا تو سنو۔ تم نے حدودِ الٰہی کو پامال کیا۔ ظلم وستم کئے۔ کتنے اللہ کے ولیوں کے قتل جیسی معصیت پر جرأت کی۔ حجاج بولا میں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کرکے عضو عضو کاٹ ڈالوں گا۔ فرمایا۔ تم میری دنیا بگاڑو گے میں تمہاری آخرت بگاڑ دوں گا۔ حجاج نے پوچھا کس طرح قتل ہونا پسند کرتے ہو؟ بتاؤ۔ فرمایا۔ تم پسند کرو جس طرح مجھے قتل کروگے اسی طرح میں آخرت میں تم کو قتل کروں گا۔ پوچھا۔ کیا تمہاری یہ خواہش ہے کہ تم کو معاف کر دوں۔ فرمایا عفو اللہ کی طرف سے ہے۔ رہ گیا تو۔ نہ تو تیرے لیے براءت ہے نہ عفو۔ اب غصے میں جل بھن کر جلادوں کو حکم دیا۔ انہیں لیجا کر قتل کردو۔ جب جلاد مقتل میں لے چلے تو آپ ہنسے۔ حجاج نے حکم دیا کہ واپس لاؤ۔ اس نے پوچھا ہنسے کیوں۔ فرمایا۔ اللہ کے حضور تیری جرأت پر اور اللہ کے حلم پر۔ انتہائی طیش میں آکر حکم دیا میرے سامنے دربار میں قتل کرو۔ جب قتل کے لیے لٹایا تو آپ نے پڑھا إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ حکم دیا قبلہ سے منہ پھیر دو۔ آپ نے تلاوت کی۔ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ حکم دیا اوندھا کرکے منہ کے بل لٹا دو۔ آپ نے پڑھا مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ۔ جھلا کر حکم دیا ذبح کردو۔ حضرت سعید نے فرمایا۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں۔ اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ اسے یاد رکھنا یہاں تک کہ قیامت کے دن میری تیری ملاقات ہو۔ پھر دعا فرمائی۔ اے اللہ میرے بعد اسے کسی پر قابو نہ دینا کہ اسے قتل کرسکے۔ اس کے بعد شہید کر دیئے گئے۔ تن اقدس سے سر جدا ہونے کے بعد تین بار کلمہ پڑھا جو تیسری بار پورا ہو گیا۔ ذبح کے وقت بہت زیادہ خون نکلا۔ اس پر ظالم کو حیرت ہوئی۔ طبیب کو بلا کر پوچھا۔ طبیب نے بتایا کہ اور قتل کئے جانے والوں کا خون خوف سے سوکھ جاتا تھا اور ان پر خوف کا اثر بالکل نہ تھا۔ ہنسی خوشی جان دی اس لیے خون زیادہ نکلا۔ اس کے تین دن کے بعد حجاج کے پیٹ میں پھوڑا ہو گیا۔ لاکھ علاج کیا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ سولہ دن کے بعد یا چھ مہینے کے بعد انتہائی اذیت اٹھا کر مرا۔

حجاج کہتا تھا کہ جب میں سوتا ہوں تو سعید آکر میرے پاؤں پکڑ کر کھینچتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ اے خدا کے دشمن تو نے مجھے کیوں قتل کیا۔ چیختا کہ میں نے سعید کو کیوں قتل کر دیا۔ حجاج کے مرنے کے بعد کسی نے اسکو خواب میں دیکھا۔ پوچھا کیسی گزری۔ بتایا کہ اور قتل کے عوض میں ایک بار قتل کیا گیا۔ اور سعید کے عوض ستر بار قتل کیا گیا۔ ۵

خوش رسمے بنا کردند بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ۔ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ۔ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا أَنْ تَقْرَأَهُ۔ فَكَانَ

ہم اُسے نازل کر چکیں تو اُسے غور سے سنئے اور خاموش رہئے پھر اس کا بیان ہمارے ذمہ ہے یعنی یہ ہمارے ذمہ ہے کہ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيْلُ اسْتَمَعَ (الخ) فَإِذَا

اسکو پڑھتے رہیں گے اس کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جبریل حاضر ہوتے تو آپ بغور سنتے

ایک تطبیق ⑤ اس آیت میں قرآن۔ مصدر قرأت پڑھنے کے معنی میں ہے۔ قرآن جو کلام پاک کا علم ہے۔ مراد نہیں علینا بیانہٗ کی تفسیر یہاں اَنْ نَقْرَأَهٗ منقول ہے۔ اور کتاب التفسیر میں اَنْ نُبَيِّنَهٗ عَلٰى لِسَانِكَ لؤاہن جریر نے اَنْ نُبَيِّنَهٗ بِلِسَانِكَ نقل کی۔ یہ صرف الفاظ کا اختلاف ہے معنی تینوں کے ایک ہیں۔ اَنْ نَقْرَأَهٗ کے معنی ہیں آپ کو اُسے پڑھانا۔ اَنْ نُبَيِّنَهٗ عَلٰى لِسَانِكَ یا بِلِسَانِكَ کا ظاہر معنی یہی ہے کہ قرآن مجید کا زبان پر جاری کرنا۔ اور یہی فَاسْتَمِعْ وَاَنْصِتْ لَهٗ سے مناسب بھی ہے۔ ورنہ تناسب معنوی باقی نہیں رہیگا

بعض مفسرین نے۔ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ۔ کی یہ تفسیر کی ہے کہ معانی کا بیان کرنا مراد ہے۔ اس تقدیر پر فَاتَّبِعْ کی تفسیر وَاَنْصِتْ۔ مناسب نہ ہوگی۔ بلکہ یہ ہوگی۔ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهٗ بِعَمَلِ آيَاتِهٖ۔ ان کے پڑھنے کے بعد پڑھے

تعلیم معانی خطاب سے مؤخر ہو سکتی ہے یا نہیں ⑥ چونکہ علینا بیانہٗ سے پہلے۔ ثُمَّ۔ ہے جو تراخی کے لئے آتا ہے۔ تو اس سے ظاہر ہوا کہ یہ ممکن ہے کہ معانی قرآن کی تعلیم خطاب کے بعد ہو۔ اور یہی اکثر علماء کا مذہب ہے۔ مگر اس پر اتفاق ہے کہ وقت حاجت سے تاخیر جائز نہیں۔ اس کی پوری تفصیل کتب اصول میں موجود ہے۔

جبریل صرف واسطہ نزول تھے ⑦ اس آیت سے ظاہر ہوا کہ جبریل امین علیہ السلام صرف نزول کے واسطہ تھے۔ رہ گیا قرآن کا پڑھنا اس کے معانی کی تعلیم۔ یہ اللہ عزوجل نے خود اپنے ذمہ کرم پر لیا تھا۔

اس حدیث کو امام بخاری یہ بتانے کے لئے لائے ہیں۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن مجید کے لفظ، لفظ کے یاد کرنے کا کتنا اہتمام تھا

ایک اشکال کا جواب ⑧ یہ سورہ مکی ہے۔ اور ابن عباس ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ اور امام بخاری کا اسے بدء الوحی کے باب میں لانا بتا رہا ہے کہ ابتداء کا واقعہ ہے۔ اس وقت ابن عباس پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ پھر وہ کیسے فرماتے ہیں کہ میں یوں اپنے ہونٹوں کو ہلاتا ہوں جیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہلایا کرتے تھے۔ اس کے دو جواب شارحین نے دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ ہو سکتا ہے کہ کسی صحابی نے ان کو بتایا ہو۔ دوسرا یہ کہ ہو سکتا ہے کہ کبھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی نے ہونٹ ہلا کر دکھایا ہو۔ ابو داؤد طیالسی کی ایک روایت اسی کی مؤید ہے۔

انطلق جبریل قرأہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما قرأہ

گردن جھکائے رہتے جب جبریل چلے جاتے تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویسا ہی پڑھ لیتے جیسا جبریل نے پڑھا

⑥ حدیث دورۂ قرآن

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجود الناس

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے ف

حدیث مسلسل کا مطلب ⑨ اس حدیث کا نام مسلسل بتحریک الشفتین ہے۔ حدیث مسلسل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بوقت ارشاد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کوئی خاص کام کیا ہو۔ اور ہر راوی الی یومنا ہذا بوقت روایت اس کام کو کرے۔ اس کام کے نام پر اس حدیث کا نام مسلسل بفلاں رکھ دیا جاتا ہے۔ جیسے حدیث مسلسل بالمصافحہ ہے۔ کہ بوقت ارشاد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحابی سے مصافحہ کیا۔ اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ یہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہونٹ ہلایا۔ ابن عباس نے اپنے تلامذہ کے سامنے ہونٹ ہلایا۔ سعید بن جبیر نے اپنے تلامذہ کے سامنے۔ اور یہ سلسلہ چلتا رہا لیکن علامہ عینی نے فرمایا۔ یہ سلسل متصل نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

اللہ عزوجل پر کچھ واجب نہیں ⑩ لغیتنا میں علیٰ ہے اور علیٰ وجوب کے لئے آتا ہے۔ اور اللہ عزوجل پر کوئی چیز واجب نہیں۔ وجوب کبھی بمعنی ضرور آتا ہے۔ اور یہی یہاں مراد ہے۔ اور یہ ضرورت وعدے کی بنا پر ہے کہ جب یہ فرما دیا کہ یہ ہمارے ذمے ہے تو چونکہ خلف وعدہ محال بالذات ہے۔ اس لئے ضروری ہوا

تشریحات ⑥

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجود الناس ہیں ① اَجْوَدُ النَّاس۔ اَجْوَدُ جود کا اسم تفضیل ہے۔ جُود کے معنی۔ اعطاء ما ینبغی لمن ینبغی کسی کو اس کے لائق کوئی چیز دینی۔ اسی کو سخاوت بھی کہتے ہیں۔ "اجود الناس" کے معنی ہوئے۔ سب لوگوں سے زیادہ سخی۔ اس حدیث میں اجود الناس فرمایا۔ اور ناس اگرچہ انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔ مگر اسے لازم ہے پوری مخلوق سے زیادہ سخی ہونا۔ جب تمام انسانوں سے زیادہ سخی ہیں تو تمام مخلوقات سے بدرجہ اولٰی زیادہ سخی ہوئے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں خود ارشاد فرمایا۔ اللہ عزوجل سب سے بڑا جواد ہے۔ پھر میں اولاد

ف نیز ایضا سورہ قیامہ۔ فضائل قرآن۔ کتاب التوحید۔ ومسند امام احمد بن حنبل باختلاف الفاظ۔ ترمذی سورہ قیامہ۔ نسائی افتتاح مسلم کتاب الصلوٰۃ۔

بِالْخَيْرِ وَكَانَ أَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ وَكَانَ يَلْقَاهُ
اور آپ کی سخاوت سب سے زیادہ رمضان میں ہوتی تھی خصوصاً جب جبریل ملاقات کرتے اور وہ رمضان کی ہر رات میں آپ سے ملاقات
فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ (فَيَنْسَلِخُ) فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ (فَإِذَا لَقِيَهُ
کرکے قرآن کا دور کیا کرتے۔ یہ سلسلہ رمضان کے ختم ہونے تک رہتا۔ جب جبریل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات

میں سب سے بڑا سخی میں ہوں۔ پھر میرے بعد وہ سب سے زیادہ سخی ہے۔ جو علم حاصل کرکے اسکو پھیلائے۔

رمضان میں زیادہ فیاضی کی وجہ (۲) رمضان میں بہ نسبت اور دنوں کے آپ کی سخاوت اور بڑھ جاتی تھی۔ یعنی آپ ہمیشہ بلا استثنا سارے جہان سے زیادہ سخی تھے۔ مگر رمضان میں دوسرے دنوں کے بہ نسبت اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ رمضان موسم رحمت ہے۔ ان دنوں رحمت الٰہی کا نزول بہ نسبت دوسرے دنوں کے زیادہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں فرمایا۔ اس کا اول رحمت اوسط مغفرت اور آخر جہنم سے آزادی ہے۔ اور فرمایا۔ رمضان میں ایک فرض کا ثواب ستر فرض کے برابر۔ اور نفل کا ثواب فرض کے برابر۔ امام زہری نے فرمایا۔ رمضان میں ایک تسبیح دوسرے دنوں کی ستر تسبیح کے برابر ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا۔ رمضان کی ہر رات میں دس لاکھ جہنم سے آزاد ہوتے ہیں۔ رمضان میں سخاوت کی یہ زیادتی اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی جب جبریل ملاقات کرتے۔ جبریل رمضان کی ہر رات میں ملاقات کرتے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور وہ قرآن مجید کا دور کرتے۔ یعنی کبھی حضور پڑھتے اور جبریل سنتے۔ کبھی جبریل پڑھتے اور حضور سنتے۔ عمر مبارک کے اخیر سال قرآن مجید کا دو مرتبہ دور فرمایا۔ بقیہ سال ایک بار ہوتا۔ اس وقت جود و نوال کی زیادتی کی وجہ یہ تھی۔ کہ جبریل کی تین خصوصیات تھی۔ ایک تو حضور کے محب خاص تھے۔ دوسرے فرشتہ مقرب بلکہ سید الملائکہ تھے۔ تیسرے یہ کہ رب العلمین کے فرستادہ تھے۔ یہ تین خصوصیات تو وہ ہیں جو جبریل میں ہمیشہ پائی جاتی تھیں۔ مگر اس وقت خاص خصوصیت یہ ہوتی کہ کلام الٰہی قرآن مجید کا دور کرنے آتے۔ ان وجوہ کی بنا پر مسرت در مسرت جتنی حاصل ہوتی رہی ہوگی وہ حضور ہی جانیں۔ اس سبب سے دریائے کرم پورے جوش پر ہوتا۔

غور کریں تو یہاں تین سبب اس کے محرک تھے۔ ایک رمضان۔ جو اللہ عزوجل کی ان گنت نعمتوں کی برسات کا موسم ہے۔ دوسرے جبریل کی ملاقات کہ یہ مزید نعمت ہے خصوصاً جبریل کی ان خصوصیات کی وجہ سے جو اوپر مذکور ہوئیں۔ خاصکر رب العالمین کے فرستادہ ہونے کی حیثیت سے۔ تیسرے قرآن کا دور جس سے قرآن کریم کے نئے نئے اسرار و معارف کا فتح باب ہوتا۔ ان نعمتوں کے شکریے میں زیادہ سے زیادہ جود و کرم فرماتے۔

ہر سال رمضان میں یہ دور اسلئے ہوتا کہ رمضان المبارک ہی کی سب سے متبرک رات شب قدر میں پورا قرآن جبریل امین لوح محفوظ سے اخذ کرکے آسمان دنیا کی طرف یعنی پہلے آسمان پر لائے وہاں فرشتوں کو لکھا دیا فرشتوں نے قرآن کو موجودہ ترتیب کے ساتھ لکھ کر بیت العزت میں محفوظ کر دیا

جِبْرِیْلُ کَانَ اَجْوَدَ بِالْخَیْرِ مِنَ الرِّیْحِ الْمُرْسَلَۃِ ؎

اس وقت آپ بہتی ہوا سے بھی زیادہ خیر رساں ہوتے تھے۔

پہلے آسمان میں ایک متبرک جگہ کا نام ہے۔ پھر حسب تقاضۂ حکمت و حکم الٰہی وہاں سے جبرئیل علیہ السلام تھوڑا تھوڑا تیئیس سال کی مدت میں خدمت اقدس میں حاضر ہوتے۔ علاوہ ازیں دریں صورت میں گزرا کہ قرآن مجید کے نزول کی ابتدا رمضان کو ہوئی۔ اس پر مستزاد یہ کہ رحمت الٰہی رمضان میں بہ نسبت اور دنوں کے زیادہ متوجہ رہتی ہے۔

رات کے انتخاب کی حکمت سب پر ظاہر ہے کہ جو سکون اور یکسوئی رات میں ہوتی ہے وہ دن میں واردین صادرین کی وجہ سے کہاں علاوہ ازیں محب و محبوب کی ملاقات کے لیے رات ہی مستحب ہے۔

اس حدیث کا حسن ترتیب ملاحظہ کریں۔ پہلے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سارے جہان سے بڑھکر جواد تھے۔ پھر ترقی کر کے فرمایا رمضان میں جود و نوال دوسرے ایام کے بہ نسبت زیادہ ہوتا۔ پھر اور آگے بڑھے۔ اور فرمایا کہ جب جبرئیل امین رمضان کی رات میں آکر دورہ قرآن کرتے تو پھر جود و نوال کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔

ہوا سے تشبیہ کی وجہ (۳) اخیر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سخاوت کے بارے میں فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہتی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھے۔ ہوا کتنی فراواں اور کتنی ضروری ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ ہر شے ہوا کی محتاج ہے۔ اور فراواں اتنی کہ کہیں بھی ہو بقدر ضرورت موجود۔ بلکہ ضرورت سے زیادہ موجود مگر کوئی کمی نہیں۔ تو ہوا سے بڑھکر کون سخی۔ فرماتے ہیں ہوا کی سخاوت نہیں معلوم ہے۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہتی چلتی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھے۔ رکی ہوئی ہوا میں وہ بات کہاں جو بہتی ہوا میں ہے۔ مگر قربان اس جواد اعظم کے بہتی ہوا بھی اسکی دریوزہ گر۔

ریاح اور ریح کے استعمال کا فرق (۴) عام طور پر مشہور ہے کہ ریاح جمع ہو تو اس سے اچھی اور نفع بخش ہوا مراد ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیَاحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِہٖ۔ اور ریح واحد کا اطلاق نقصان رساں تباہ کن ہوا کے لیے ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ اَمَّا ثَمُوْدُ فَاُھْلِکُوْا بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ۔ خود حدیث میں ہے۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا رِیَاحًا وَلَا تَجْعَلْھَا رِیْحًا۔

مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔ اکثری ہے۔ ورنہ قرآن مجید میں ریح واحد اچھی ہوا کے معنی میں موجود ہے۔ ارشاد ہے:۔

وَجَرَیْنَ بِھِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَۃٍ

؎ ایضاً کتاب الصوم، مناقب، بدء الخلق۔ فضائل قرآن و ادب۔ مسلم فضائل۔ ترمذی جہاد۔ نسائی صیام۔ دارمی مقدمہ۔ مسند امام احمد۔

۷ حدیثِ ہرقل

أَخْبَرَنِیْ عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ

امام زہری نے فرمایا مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ

عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَخْبَرَهٗ اَنَّ اَبَا سُفْیَانَ بْنَ حَرْبٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ

تعالیٰ عنہما نے انھیں خبر دی کہ ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے انھیں خبر دی کہ

فوائد ۵ اس حدیث سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے:

(۱) سخاوت بہترین وصف ہے۔ مومن کو سخی و جواد ہونا چاہیے (۲) رمضان میں حتی المقدور زیادہ سے زیادہ سخاوت کرنی چاہیے (۳) لزوماً یہ بھی ثابت کہ جن ایام کو کوئی شرعی خصوصیت حاصل ہو اُن میں سخاوت زیادہ پسندیدہ ہے کہ جن ایام میں کوئی نعمت ملے اُن میں سخاوت عنداللہ بھی محبوب ہے۔ سب سے بڑی نعمت ربیع الاول شریف وہ بھی بارہ ربیع الاول میں ملی ہے۔ اسلئے اس دن زیادہ سے زیادہ سخاوت کرنی چاہیے (۴) رمضان شریف میں خصوصیت سے قرآن مجید کی تلاوت زیادہ کرنی چاہیے (۵) قرآن مجید کی تلاوت تمام اذکار سے افضل ہے ورنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جبریل امین اسی کو کرتے تو تلاوت سے افضل ہوتا (۶) قرآن مجید کا بکثرت ورد کرنا چاہیے خواہ خود کرے دوسرے سے سنے بھی اور دوسرے کو سنائیں بھی (۷) رات میں قرآن مجید پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ اس پر تجربہ شاہد ہے کہ رات میں بہت جلد یاد ہوتا ہے (۸) صلحا، علما، مشائخ کی بار بار زیارت کرنی چاہیے اگر انھیں گراں نہ ہو۔ وغیر ذالک

دیگر کتب الٰہیہ کے نزول کی تواریخ ۶ علما فرماتے ہیں کہ صحف ابراہیم پہلی رمضان کو نازل ہوئے۔ توریت ۶ رمضان کو۔ انجیل ۱۳ رمضان کو۔ قرآن کے نزول کی ابتداء ۲۷ رمضان ہے

۷ تشریحات

امام بخاری نزول وحی کی ابتدائی بلکہ انتہائی کیفیت بھی بیان کر چکے۔ اور جس پر وحی آتی ہے وہ نبی ہوتا ہے اور جسے تبلیغ احکام کا حکم ہو وہ رسول بھی ہوتا ہے۔ تو ان روایات سے مہبط وحی کی رسالت ثابت کرنے کے بعد ان کی رسالت کیلئے ایک اور مستحکم ثبوت پیش کرتے ہیں جو ایک نصرانی کی شہادت ہے وہ بھی وقت کے سب سے بڑے دشمن کی۔ جو بعد میں اقتدار کے مسلمان ہوا۔ اس لئے کہ الفضل ما شهدت به الاعداء

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود ۱ جن فاضل جلیل القدر تابعی امام مدینہ کے فقہاء سبعہ میں کے ایک۔ ابن عباس، ابن عمر اور ابوہریرہ وغیرہ کثیر صحابہ سے حدیث سنی۔ ان سے زہری وغیرہ نے۔ یہ خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیز کے استاذ تھے۔ نابینا ہو گئے تھے۔ ۹۸ھ کے بعد وصال ہوا۔

ابو سفیان رضی اللہ عنہ ۲ ان کا نام صخر

هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي

ہرقل نے ان کے پاس قاصد بھیجکر ابوسفیان کو مع اُن کے

نسب نامہ یہ ہے: صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قُصَی۔ ابوسفیان کنیت ہے۔ اسی کے ساتھ مشہور ہیں۔ دوسری کنیت ابوحنظلہ ہے۔ واقعہ فیل سے دس سال پہلے پیدا ہوئے۔ فتح مکہ کی رات میں ایمان لائے اور مومنین مخلصین میں ہو گئے۔ غزوہ طائف میں شریک ہوئے، تیر سے ایک آنکھ نکل گئی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر ملی تو ان کے پاس تشریف لائے دیکھا آنکھ ہاتھ میں لئے ہیں۔ فرمایا: یہ آنکھ راہ خدا میں گئی ہے، اگر کہو تو دعا کر دوں آنکھ ٹھیک ہو جائے، یا کہو تو دعا کر دوں اس کے عوض جنت ملے۔ عرض کیا: جنت اختیار کرتا ہوں۔ دوسری آنکھ جنگ یرموک میں جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں رومیوں سے ہونے والی لڑائیوں میں سب سے بڑی اور فیصلہ کن ہوئی، پتھر لگنے سے راہ خدا میں قربان ہو گئی۔ اس کے بعد مدینہ میں سکونت اختیار کر لی۔ باقی ماندہ زندگی یہیں گزاری۔ ۳۱ھ میں اٹھاسی سال کی عمر پاکر یہیں وصال فرمایا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع میں دفن نصیب ہوا۔ یہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ہیں۔ ایمان لانے کے بعد ان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قدید کے مشہور بُت مناۃ کے برباد کرنے کی مہم پر بھیجا تھا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک عطا (۳) غزوہ حنین کے مال غنیمت میں سے ان کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمایا۔ ابوسفیان نے کہا: یہ میرا بیٹا یزید، یہ معاویہ ہے، اس کو بھی کچھ دیجیے۔ ان کو بھی سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمایا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا اور ایک درہم تین ماشے [illegible] کا ہوا تو چالیس اوقیے لگ بھگ ساڑھے چار سو روپے بھر چاندی ہوتی ہے۔

یزید بن ابوسفیان (۴) یہ یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسفیان کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ اپنے چچا معاویہ بن حرب کی طرف نسبت کر کے پکارے جاتے تھے۔ جنگ یرموک میں ایک دستے کے سپہ سالار تھے۔ ان کے باپ ابوسفیان اسی دستے میں تھے کہ اسی میں ابوسفیان کی آنکھ شہید ہو گئی۔ بہت صلاحیتوں کے مالک تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو شام پر حاکم بنایا تھا۔ مدت العمر بڑے حسن و خوبی سے حکمرانی فرمائی۔ ابوسفیان نام کے صحابہ میں متعدد حضرات ہیں۔ مگر ابوسفیان بن حرب صرف یہی ہیں۔ ان سے حضرت ابن عباس اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت کی ہے۔

ہِرَقْل (۵) ہرقل بروزن دِمَشق۔ ہا کو کسرہ، را کو فتحہ، قاف ساکن۔

اس کے معنی فریاں چیلنی کے ہیں۔ عہد رسالت میں روم کا جو شہنشاہ تھا اس کا نام ہے۔ قیصر اس کا لقب ہے۔ اس زمانے میں ہر ملک کے بادشاہوں کے الگ الگ لقب تھے۔ جیسے روم کے بادشاہ کا قیصر۔ ایران کا کسریٰ۔ ترک کا خاقان۔ حبشہ کا نجاشی۔ قبطا کا فرعون۔ مصر کا عزیز۔ اسکندریہ کا مقوقس۔ یمن کا تبع۔ ہندوستان کا رائے۔ چین کا فغفور۔ یونان کا بطلیموس۔

غالباً روم کے بادشاہ کا قیصر کہلانا۔ ہرقل ہی سے شروع ہوا ہے۔ شارحین حدیث نے وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ قیصر کے معنی چیرے کے ہیں۔ چونکہ اس کی پیدائش کے وقت اس کی ماں دردزہ میں انتقال کر گئی تھی۔ اس لئے اس کو ماں کا پیٹ چیر کر نکالا گیا تھا۔ اس لئے قیصر کہلانے لگا۔ اس پر یہ بددماغ فخر کرتا کہ میں پیشاب کے مقام سے نہیں پیدا ہوا۔ ہرقل ہی دنیا کا وہ پہلا بادشاہ ہے جس نے دینار ایجاد کیا۔ اور گرجا بنوایا۔

والا نامہ کی برکت ⑥ عینی میں ہے کہ ہرقل نے نامہ والا کو بحفاظت تمام سونے کا ڈبیہ میں رکھا۔ یہ اور اس کی نسل ہمیشہ اس کا بہت اعزاز و اکرام کرتے۔ ملک منصور قلادن کے عہد میں شاہ فرنگ نے سیف الدین طلح منصوری کو یہ والا نامہ دکھایا تھا۔ جو ٹوٹ گیا تھا اس کے کچھ حروف اُڑ گئے تھے۔ یہ خط اس کے پاس ایک زریں صندوق میں سونے کے قلم دان میں محفوظ تھا۔ اس بادشاہ نے بتایا کہ یہ وہ خط ہے جو تمہارے نبی نے ہمارے دادا کے پاس بھیجا تھا۔ ہمارے خاندان میں یہ والا نامہ ہے۔ ہمارے بزرگ ہمیشہ ایک دوسرے کو وصیت کرتے چلے آئے ہیں۔ کہ اس کی بہت حفاظت کرنا، تعظیم و تکریم کرنا۔ جب تک یہ ہمارے خاندان کے قبضے میں ہے سلطنت ہمارے خاندان میں باقی رہے گی۔

ہرقل کا فرمرا ⑦ صحیح یہی ہے کہ اسے ایمان نصیب نہ ہوا۔ اس نے ۳۱ سال حکومت کی۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرات شیخین نے جس قیصر کے قبضے سے ملک شام آزاد کیا تھا۔ وہ یہی قیصر تھا یا دوسرا۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ مرگیا تھا۔ حضرت صدیق اکبر کے عہد میں اس کا بیٹا حکمراں تھا۔ اور عہد فاروقی میں اس کا پوتا۔ اس کے پوتے ہی کو مجاہدین اسلام نے شام سے نکالا تھا۔ جو قسطنطنیہ بھاگ کر گیا۔ وہاں سیکڑوں برس اس کی نسل حکمراں رہی۔

فتح قسطنطنیہ ⑧ یہاں تک کہ ۸۵۷ھ میں محمد فاتح عثمانی المتوفی ۸۸۶ھ رحمۃ اللہ علیہ نے قسطنطنیہ فتح فرمایا۔ قیصر کل چالیس ہوئے اور ان کی سلطنت کی مدت پانچسو سات سال رہی۔ لیکن علامہ ابن حجر نے اس کو اظہر فرمایا۔ کہ عہد فاروق تک یہی ہرقل تھا جو قسطنطنیہ بھاگا۔

تعظیم و توہین کے اثرات ⑨ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ قیصر نے کوئی گستاخی نہیں کی۔ والا نامہ کی

رَكْبٍ مِّنْ قُرَيْشٍ وَّكَانُوْا تُجَّارًا بِالشَّامِ

(ہرقل نے ابوسفیان کو ان کے) ساتھیوں کے جو قریش کے شتر سوار تھے بلایا جبکہ یہ لوگ شام میں بغرض تجارت موجود تھے اس زمانے میں

نامہ مبارک کی تعظیم وتکریم کی۔ تو فرمایا۔ اس نے اپنا ملک بچالیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کی نسل میں صدہا سال حکومت باقی رہی۔ اور ایران کے مغرور خسرو پرویز نے والانامہ پھاڑ کر پھینک دیا۔ اور گستاخی کی تو فرمایا۔ مَزَّقَ اللهُ مُلْكَهُ۔ اللہ اس کے ملک کو برباد فرمادے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عہد فاروقی میں کسریٰ کا پورا ملک زیر نگیں اسلام کے تحت آگیا۔ اور عہد عثمانی میں خاندان کسریٰ کا آخری تاجدار یزدجرد مارا گیا۔

؎ غضب ہے ان کے خدا بچائے جلال باری عتاب میں ہے

لقب قریش

(۱۰) قریش کس کا لقب ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ قریش نضر بن کنانہ کا لقب ہے کثیر علماء سیر ونسب نے اسی کو صحیح بتایا۔ امام شافعی کا قول ہے امام نووی نے فرمایا۔ یہ صحیح اور مشہور ہے۔ حافظ عراقی نے اسے اکثر کا قول کہا ہے۔ حافظ صلاح علائی نے اس کو صحیح کہا اور محققین کا مذہب بتایا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ قریش فہر بن مالک کا لقب ہے۔ امام زہری نے فرمایا۔ یہی سارے نساب کہتے ہیں۔ علامہ زرقانی نے فرمایا یہی اکثر کا قول کہا گیا ہے۔ دمیاطی حافظ عراقی علامہ احمد خطیب قسطلانی نے اسکو صحیح کہا۔ عراقی کی سیرت منظوم میں ہے

اما قریش فالاصح فهر جماعها والاکثرون النضر

لیکن ایک بزرگ نے ان دونوں قولوں میں یہ تطبیق دی کہ نضر کے اگرچہ تین لڑکے تھے۔ مالک۔ صلت۔ مخلد۔ مگر نسل صرف مالک سے چلی۔ یونہی مالک کی نسل صرف فہر سے چلی۔ تو جو بھی نضر بن کنانہ کی نسل ہے وہ فہر کی بھی نسل ہے۔ قریش خواہ نضر کا لقب ہو خواہ فہر کا حاصل ایک ہی ہوا۔ کہ سارے قریش کا نسب فہر کے واسطے سے نضر بن مالک تک پہنچتا ہے۔ چند اور اقوال ہیں مگر لائق توجہ نہیں۔

قصی کا لقب قریش نہیں

(۱۱) تیسرا قول باطل یہ ہے کہ قصی بن کلاب کا لقب قریش ہے۔ مگر یہ اس لائق نہیں کہ اس پر کان دھرا جائے یہ روافض نے اس لئے گھڑا ہے کہ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم قریشی ہونے سے نکل جائیں تاکہ ان کی خلافت اہلسنت کے مسلمات کے مطابق بھی صحیح نہ رہے۔ اس لئے کہ یہ حضرات قصی کی اولاد نہیں۔ حضرت صدیق اکبر کا نسب نامہ یہ ہے۔

شجرہ صدیقی

(۱۲) ابوبکر بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب بن لوی ساتویں پشت میں مرۃ بن کعب بن لوی پر جاکر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے ـــــ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب نامہ یہ ہے۔

شجرہ فاروقی

(۱۳) عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی۔ ان کا نسب

فِی الْمُدَّۃِ الَّتِیْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَادَّ فِیْہَا اَبَا سُفْیَانَ وَ

جب کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوسفیان اور کفار قریش سے صلح فرمائی تھی (یعنی صلح حدیبیہ کے زمانے میں ف۱۵)

کُفَّارَ قُرَیْشٍ فَاَتَوْہُ وَہُمْ بِاِیْلِیَاءَ فَدَعَاہُمْ فِیْ مَجْلِسِہٖ وَحَوْلَہٗ عُظَمَاءُ الرُّوْمِ

یہ لوگ ہرقل کے پاس پہنچے اور ہرقل مع اپنی جماعت کے ایلیا (بیت المقدس ف۱۶) میں تھا ہرقل نے ان لوگوں کو اپنے اجلاس میں بلایا اور اس کے آس پاس عمائد روم بیٹھے تھے۔ پھر ان کو اپنے قریب بلایا

نویں پشت میں کعب بن لوی پر شجرہ نبوی سے مل جاتا ہے۔

جب قصی بن مالک کی نسل سے یہ حضرات نہیں۔ تو اگر یہ مان لیا جائے کہ قریش قصی کا لقب ہے۔ تو یہ دونوں حضرات قریشی ہونگے اور خلیفہ کے لئے قریشی ہونا باتفاق اہلسنت شرط۔ تو اہلسنت کے مسلمہ شرط پر بھی یہ حضرات خلیفہ نہ ہوں گے۔

ابوسفیان کے ساتھ کتنے آدمی تھے (۱۴) رَکْبٌ۔ راجح یہ ہے کہ رَکْبٌ کی اسم جمع ہے۔ جیسے رَجُلٌ کی اسم جمع قوم ہے، دس اور دس سے زیادہ سواروں کو رَکْب کہتے ہیں جو سفر میں ہوں۔ اس قافلے میں تیس افراد تھے۔ یہ لوگ شام کے مشہور شہر غزہ سے ملنے گئے تھے۔ ان میں حضرت مغیرہ بن شعبہ بھی تھے۔

صلح حدیبیہ (۱۵) اس سے مراد صلح حدیبیہ کا زمانہ ہے۔ یہ صلح ۶ھ میں ہوئی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آخر ۶ھ میں والا نامہ بھیجا تھا اور اوائل محرم ۷ھ میں یہ ہرقل کو ملا تھا۔

بایلیاء (۱۶) اس میں چھ لغات ہیں۔ اِیلِیَاء بروزن کبریاء۔ اِلْیَا بغیر ہمزہ کے۔ اِلْیَاء۔ ایلاء اعطاء کے وزن پر۔ الإیلیاء معرف بلام۔ یہ عبرانی لفظ ہے بیت اللہ کے معنی ہیں۔ اور بیت المقدس کا علم ہے۔

دعوت اسلام کے مکتوب (۱۷) صلح حدیبیہ کے بعد جب اہل مکہ کی طرف سے اطمینان ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اردگرد کے بادشاہوں، رئیسوں کے نام اسلام لانے کی دعوت بصورت مکتوب بھیجی۔ شاہ ایران خسرو پرویز کے نام، شاہ روم ہرقل کے نام، نجاشی شاہ حبشہ کے نام، مقوقس شاہ اسکندریہ کے نام وغیرہ وغیرہ۔ ہرقل کے پاس والا نامہ لیکر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے گئے تھے۔ یہ والا نامہ لیکر پہلے بصریٰ کے حاکم حارث بن ابی شمر غسانی کے پاس گئے۔ اس نے عدی بن حاتم کے کردیا۔ حضرت دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عدی بن حاتم کے ساتھ ہرقل کے پاس بیت المقدس پہونچے۔ اور والا نامہ دیا۔

ہرقل اس وقت بیت المقدس میں آیا ہوا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ایران اور روم میں برسہا برس سے بہت خونریز جانکاہ جنگ جاری تھی۔ ٹھیک اسی دن جس دن بدر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قریش پر فتح عظیم حاصل ہوئی

ثُمَّ دَعَاهُمْ تَرْجُمَانَهُ فَقَالَ اَيُّكُمْ اَقْرَبُ نَسَبًا بِهٰذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ اَنَّهُ نَبِيٌّ

اور اپنے ترجمان کو بلایا۔ تو ترجمان نے ان سے پوچھا تم میں کون شخص ان سے نسب میں زیادہ قریب ہے جو اپنے کو نبی گمان کرتے

قَالَ اَبُوْسُفْيَانَ فَقُلْتُ اَنَا اَقْرَبُهُمْ نَسَبًا، فَقَالَ اَدْنُوْهُ مِنِّي وَقَرِّبُوْا اَصْحَابَهُ

ہیں۔ ابوسفیان نے کہا میں ان سب سے زیادہ اُن سے نسب میں قریب ہوں۔ اس کے بعد ہرقل نے کہا ان (ابوسفیان) کو مجھ سے قریب

فَاجْعَلُوْهُمْ عِنْدَ ظَهْرِهِ، ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهِ، قُلْ لَهُمْ اِنِّي سَائِلٌ هٰذَا

کردو۔ اور ان کے ساتھیوں کو ان کے قریب کرکے پس پشت بٹھادو۔ پھر ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا۔ ان کے ساتھیوں سے کہو میں اس شخص

عَنْ هٰذَا الرَّجُلِ (الَّذِي يَزْعُمُ اَنَّهُ نَبِيٌّ) فَاِنْ كَذَبَنِيْ فَكَذِّبُوْهُ، فَوَاللّٰهِ

ابوسفیان سے اُن مدعی نبوت کے بارے میں سوال کرتا ہوں۔ اگر یہ مجھ سے غلط بیانی کرے تو تم ان کی تکذیب کردینا (ابوسفیان نے کہا

لَوْلَا الْحَيَاءُ مِنْ اَنْ يَاْثِرُوْا عَلَيَّ كَذِبًا لَكَذَبْتُ عَنْهُ ثُمَّ كَانَ اَوَّلُ

خدا کی قسم) مجھ کو اس بات کی شرم نہ ہوتی کہ ساتھی واپس ہو کر میرے جھوٹ کو نقل کریں گے تو میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں

مَا سَاَلَنِيْ عَنْهُ اَنْ قَالَ كَيْفَ نَسَبُهُ فِيْكُمْ قُلْتُ هُوَ فِيْنَا ذُوْ نَسَبٍ۔ قَالَ

ضرور جھوٹ بولتا۔ سب سے پہلی بات آپ کے متعلق اس نے مجھ سے جو پوچھی یہ تھی۔ تمہارے یہاں اس کا نسب کیسا ہے؟ میں نے کہا وہ ہم میں

فَهَلْ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ مِنْكُمْ اَحَدٌ قَطُّ قَبْلَهُ؟ قُلْتُ لَا۔ قَالَ فَهَلْ كَانَ

عالی نسب ہیں۔ پھر ہرقل نے پوچھا کیا یہ بات (دعوی نبوت) تم میں سے کسی نے اُن سے پہلے بھی کہی ہے؟ میں نے جواب دیا نہیں۔ ہرقل نے

مِنْ اٰبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ؟ قُلْتُ لَا۔ قَالَ فَاَشْرَافُ النَّاسِ اتَّبَعُوْهُ اَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ

پوچھا کیا ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گذرا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ ہرقل نے پوچھا ان کی اتباع اونچے طبقے کے لوگوں نے کی ہے یا

فَقُلْتُ بَلْ ضُعَفَاؤُهُمْ قَالَ اَيَزِيْدُوْنَ اَمْ يَنْقُصُوْنَ؟ قُلْتُ بَلْ يَزِيْدُوْنَ

دبے ہوئے لوگوں نے۔ میں نے کہا دبے ہوئے لوگوں نے۔ ہرقل نے پوچھا بڑھتے جارہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟ میں نے کہا کم نہیں بڑھ رہے

ہرقل کو ایرانیوں پر مکمل فتح حاصل ہوئی۔ ہرقل اس کی خوشی میں شکرانہ ادا کرنے حمص سے پیدل چل کر بیت المقدس آیا تھا۔ اس شان سے کہ راستے بھر قالین اور فرش پر پھول بچھائے گئے۔

ترجمان (١٨) اس میں چار لغت ہے۔ تا اور جیم کو زبر۔ دونوں کو پیش۔ تا کو زبر جیم کو پیش۔ تا کو پیش جیم کو زبر۔ ترجمان کے معنی ہیں

قَالَ فَهَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ مِنْهُمْ سُخْطَةً لِدِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ۔ قُلْتُ لَا۔ قَالَ

بلکہ بڑھتے جا رہے ہیں۔ ہرقل نے پوچھا کیا ان میں سے کوئی ان کے دین کو ناپسند کر کے اس میں داخل ہونے کے بعد پھرا بھی ہے؟ میں نے کہا

فَهَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ أَنْ يَقُولَ مَا قَالَ، قُلْتُ لَا۔ قَالَ فَهَلْ يَغْدِرُ؟

نہیں۔ ہرقل نے پوچھا اس بات (دعویٰ نبوت) کرنے سے پہلے تم لوگ ان کو جھوٹ سے متہم کرتے تھے؟ میں نے کہا نہیں۔ ہرقل نے پوچھا

قُلْتُ لَا، وَنَحْنُ مِنْهُ فِي مُدَّةٍ لَا نَدْرِي مَا هُوَ فَاعِلٌ فِيهَا قَالَ وَلَمْ تُمْكِنِّي كَلِمَةٌ

کیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ لیکن ہم زمانہ مصالحت میں آئے ہیں خبر نہیں کہ وہ اب کیا کرتے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا

أُدْخِلُ فِيهَا شَيْئًا غَيْرُ هَذِهِ الْكَلِمَةِ قَالَ فَهَلْ قَاتَلْتُمُوهُ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَكَيْفَ

مجھے اس کے سوا کسی ایسی بات کے ملانے پر قدرت نہیں ہوئی جس میں تنقیص کا پہلو ہو۔ ہرقل نے پوچھا تم نے ان سے جنگ کی ہے؟ میں نے

كَانَ قِتَالُكُمْ إِيَّاهُ؟ قُلْتُ الْحَرْبُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ سِجَالٌ يَنَالُ مِنَّا وَنَنَالُ مِنْهُ

کہا ہاں۔ اس نے پوچھا جنگ کا نتیجہ کیا نکلا۔ میں نے کہا جنگ ہمارے ان کے درمیان ڈول کے مانند رہی کبھی ان کے ہاتھ میں کبھی ہمارے

قَالَ مَاذَا يَأْمُرُكُمْ؟ قُلْتُ يَقُولُ اعْبُدُوا اللَّهَ وَحْدَهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ

ہاتھ میں، کبھی وہ فتح پاتے ہیں کبھی ہم۔ ہرقل نے پوچھا وہ تم کو کیا حکم دیتے ہیں؟ میں نے کہا وہ فرماتے ہیں صرف ایک اللہ کی عبادت

اتْرُكُوا مَا يَقُولُ آبَاؤُكُمْ وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَةِ فَقَالَ

کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اور اپنے آباء کی باتیں چھوڑ دو اور ہمیں نماز کا اور سچ بولنے کا اور پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے

لِلتَّرْجُمَانِ قُلْ لَهُ سَأَلْتُكَ عَنْ نَسَبِهِ فَذَكَرْتَ أَنَّهُ فِيكُمْ ذُو نَسَبٍ وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ

ہیں۔ تو اس نے ترجمان سے کہا کہ ابوسفیان سے کہو، میں نے ان کے خاندان کے بارے میں پوچھا تو تم نے بتایا کہ وہ تم میں عالی نسب ہیں اور رسول

تُبْعَثُ فِي نَسَبِ قَوْمِهَا وَسَأَلْتُكَ هَلْ قَالَ أَحَدٌ مِنْكُمْ هَذَا الْقَوْلَ فَذَكَرْتَ

اسی طرح اپنی قوم کے اعلیٰ نسب میں بھیجے جاتے ہیں۔ میں نے تم سے سوال کیا تھا کہ یہ بات تم میں سے کسی نے ان سے پہلے بھی کہی ہے، تو تم نے

أَنْ لَا، قُلْتُ لَوْ كَانَ أَحَدٌ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ قَبْلَهُ لَقُلْتُ رَجُلٌ يَأْتَسِي بِقَوْلٍ قِيلَ

بتایا کہ نہیں۔ میں نے کہا اگر کسی نے یہ بات ان سے پہلے کہی ہوتی، تو میں کہہ دیتا یہ پہلے کی کہی ہوئی بات کے پیچھے چلتے ہیں۔ اور میں نے

قَبْلَهُ، وَسَأَلْتُكَ هَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ، فَذَكَرْتَ أَنْ لَا، فَقُلْتُ فَلَوْ

تم سے دریافت کیا تھا۔ کیا ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گزرا ہے۔ تو تم نے بتایا کہ نہیں۔ میں نے کہا اگر ان کے

؎ ترجمان: تیز زبان، خوش بیان اور ناقل۔ وہ شخص جو ایک زبان کا ترجمہ دوسری زبان میں کرنے پر قادر ہو۔ یہاں یہی مراد ہے۔

كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ قُلْتُ رَجُلٌ يَطْلُبُ مُلْكَ أَبِيهِ ۔ وَسَأَلْتُكَ هَلْ كُنْتُمْ

باپ دادا میں کوئی بادشاہ ہوا ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ یہ شخص اپنا آبائی ملک چاہتے ہیں۔ اور میں نے تم سے سوال کیا تھا۔ کہ اس بات کے

تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا قَالَ ۔ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا ۔ فَقَدْ أَعْرِفُ أَنَّهُ لَمْ

کہنے سے پہلے تم ان کو جھوٹ کے ساتھ متہم کرتے تھے؟ تو تم نے بیان کیا کہ نہیں میں اتنی بات یقینی طور پر جانتا

يَكُنْ لِيَذَرَ الْكَذِبَ عَلَى النَّاسِ وَيَكْذِبَ عَلَى اللّٰهِ وَسَأَلْتُكَ أَشْرَافُ النَّاسِ تَبِعُوهُ

ہوں کہ جب انسان پر جھوٹ نہیں باندھتے تو اللہ پر ہرگز جھوٹ نہیں باندھیں گے۔ میں نے تم سے پوچھا تھا کہ اونچے طبقے کے

أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ ۔ فَذَكَرْتَ أَنَّ ضُعَفَاءَهُمُ اتَّبَعُوهُ ۔ وَهُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ ۔ وَسَأَلْتُكَ

لوگوں نے ان کی اتباع کی ہے یا دبے ہوئے لوگوں نے؟ تو تم نے بتایا کہ دبے ہوئے لوگوں نے انکی اتباع کی ہے۔ (ابتداء) یہی لوگ

أَيَزِيدُونَ أَمْ يَنْقُصُونَ فَذَكَرْتَ أَنَّهُمْ يَزِيدُونَ وَكَذٰلِكَ أَمْرُ الْإِيمَانِ حَتّٰى يَتِمَّ

رسولوں کا تبع ہوتے ہیں اور میں نے تم سے پوچھا تھا کہ بڑھتے جاتے ہیں یا کم ہوتے ہیں۔ تو تم نے بیان کیا کہ بڑھتے جاتے ہیں۔ اور یہی

وَسَأَلْتُكَ أَيَرْتَدُّ (مِنْهُمْ) أَحَدٌ سَخْطَةً لِدِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ ۔ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا

ایمان کا حال ہے یہاں تک کہ کامل ہو جائے۔ اور میں نے تم سے دریافت کیا تھا ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد اسے ناپسند سمجھ کر

وَكَذٰلِكَ الْإِيمَانُ حِينَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوبَ ۔ وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَغْدِرُ ۔ فَذَكَرْ

(کوئی) لوٹا بھی ہے۔ تو تم نے بتایا کہ نہیں۔ اور یہی حال ایمان کا ہے جب اسکی تازگی دلوں میں رچ بس جائے (تو پھر نکلا نہیں کرتا) اور میں نے

تَ أَنْ لَا ۔ وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ لَا تَغْدِرُ ۔ وَسَأَلْتُكَ بِمَا يَأْمُرُكُمْ فَذَكَرْتَ أَنَّهُ يَأْمُرُكُمْ أَنْ

تم سے سوال کیا تھا وہ عہد شکنی کرتے ہیں؟ تو تم نے بیان کیا کہ نہیں اور رسولوں کی یہی شان ہے۔ وہ عہد شکنی نہیں کرتے۔ اور میں نے

تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَيَنْهَاكُمْ عَنْ عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ وَيَأْمُرُكُمْ بِالصَّلٰوةِ

تم سے سوال کیا تھا کہ وہ تم کو کیا حکم دیتے ہیں تو تم نے بیان کیا کہ وہ تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور

وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ ۔ فَإِنْ كَانَ مَا تَقُولُ حَقًّا فَإِنَّهُ نَبِيٌّ فَسَيَمْلِكُ مَوْضِعَ قَدَمَيَّ

بت پرستی سے منع کرتے ہیں اور نماز اور سچ اور پاکدامنی کا حکم دیتے ہیں۔ اگر تمہاری یہ باتیں سچی ہیں تو وہ بلاشبہ نبی ہیں۔ بہت جلد وہ میرے

هَاتَيْنِ وَقَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ خَارِجٌ وَلَمْ أَكُنْ أَظُنُّ أَنَّهُ مِنْكُمْ ۔ فَلَوْ أَنِّي أَعْلَمُ أَنِّي

پاؤں تلے کی زمین (بیت المقدس) کے مالک ہو جائیں گے اور مجھے یقین تھا کہ وہ ظاہر ہونے والے ہیں مگر یہ خیال نہ تھا کہ تم (قریش) میں سے ہوں گے

أَخْلُصُ إِلَيْهِ لَتَجَشَّمْتُ لِقَائَهُ - وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمَيْهِ ثُمَّ دَعَا

کاش مجھے یقین ہوتا کہ ان تک پہنچ سکوں گا تو سفر کی صعوبت برداشت کرکے ان سے ملاقات کرتا۔ کاش میں ان کے پاس

بِكِتَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْ بَعَثَ بِهٖ مَعَ دِحْيَةَ الْكَلْبِيِّ

ہوتا تو میں ان کے پاؤں دھوتا رہتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ خط منگایا جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

إِلٰى عَظِيْمِ بُصْرٰى فَدَفَعَهُ عَظِيْمُ بُصْرٰى إِلٰى هِرَقْلَ فَقَرَأَهُ

دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے بدست بصریٰ کے حاکم کے پاس بھیجا تھا تو اس نے اس والا نامہ کو ہرقل کے پاس پہنچایا تھا اس کے بعد اس کو پڑھا۔

أَخْلُصُ إِلَيْهِ (١٩) اس کا مصدر خلوص یا اخلاص ہے۔ یہ متعدد معنی میں آتا ہے۔ نجات پانا۔ الگ تھلگ ہونا۔ خالص ہونا۔ اور جب اس کا صلہ الیٰ یا باء آتا ہے تو اس کا معنی پہنچنا ہوتا ہے۔

تَجَشَّمْتُ (٢٠) تجشم کے معنی زینہ کے زینے پر چڑھنا۔ چن لینا۔ قصد کرنا۔ اور مشقت اٹھا کر کوئی کام کرنا۔ یہاں یہی معنی ہے مراد ہجرت ہے یعنی اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ میں ان تک پہونچ جاؤں تو ہجرت کرکے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔

دِحْيَةُ الْكَلْبِيّ (٢١) دحیہ بن خلیفہ قدیم الاسلام کبار صحابہ میں نہایت حسین وجمیل تھے۔ جب شام میں والا نامہ لیکر گئے تو ان کو دیکھنے عورتیں نکل پڑیں۔ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ حضرت جبریل زیادہ تر انھیں کی شکل میں حاضر ہوتے۔ جنگ یرموک میں بھی شرکت کی تھی۔ اخیر میں دمشق کے قریب مِزّہ نامی ایک گاؤں میں آ بسے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک بقید حیات تھے۔ ابوداؤد چھوڑ کر صحاح ستہ میں ان سے کوئی حدیث مروی نہیں۔ صحابہ میں دحیہ نام کے صرف یہی ایک ہیں۔

عَظِيْمُ بُصْرٰى (٢٢) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا والا نامہ بصریٰ کے حاکم حارث بن شمر غسانی کے ذریعے ہرقل کے پاس بھیجا تھا۔ حضرت دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والا نامہ پہلے حارث کے پاس لے گئے۔ حارث نے عدی بن حاتم کے ہمراہ انھیں بیت المقدس بھیجا جہاں ہرقل ایرانیوں پر مکمل فتح کی خوشی منانے کے لئے گیا تھا۔ حارث بن شمر غسانی عربی النسل تھا دنیوی طمع میں نصرانی ہو گیا تھا۔ اور ہرقل کا باجگذار بصریٰ کا حاکم تھا

عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ (٢٣) عدی بن حاتم بھی اس وقت نصرانی تھے۔ فتح مکہ کے بعد ایمان سے مشرف ہوئے اور راسخ الاعتقاد مخلص صحابی ہوئے۔ اوائل عہد صدیقی میں جب عرب کے قبائل میں ردّت پھیلی تو یہ مع اپنے قبیلے طے کے ایمان پر ثابت رہے۔ اس زمانے میں بھی زکوٰۃ لیکر بارگاہ صدیقی میں حاضر ہوئے۔ دوسروں کو ردّت سے بچنے کی تلقین فرماتے رہتے۔ بصریٰ مدینہ ودمشق کے مابین شام کا سرحدی شہر ہے۔ جسے حوران بھی کہتے ہیں۔

فَقَرَأَهُ (٢٤) جب میر منشی نے والا نامہ پڑھنا شروع کیا اور یہ پڑھا۔

فَاِذَا فِیْهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلٰی

اس میں لکھا تھا اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ یہ دعوت نامہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد

هِرَقْلَ عَظِیْمِ الرُّوْمِ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَدْعُوْكَ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے روم کے شہنشاہ ہرقل کے پاس بھیجا جاتا ہے جو ہدایت کی اتباع کرے اس پر سلام۔ اس

بِدِعَایَةِ الْاِسْلَامِ۔ اَسْلِمْ تَسْلَمْ (اَسْلِمْ) یُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَیْنِ

کے بعد میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ سلامت رہو گے اسلام قبول کرو اللہ تجھے دوگنا اجر عطا

فَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَاِنَّ عَلَیْكَ اِثْمَ الْاَرِیْسِیِّیْنَ وَیٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ

فرمائے گا۔ اور اگر تم نے روگردانی کی تو تجھ پر رعایا کا بھی گناہ ہوگا۔ اور اے اہل کتاب ایسے کلمے کی طرف آؤ جو ہم

سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا

تم میں مشترک ہے۔ وہ یہ ہے کہ سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ کریں کسی کو اس کا شریک نہ کریں اور ہم میں کوئی ایک دوسرے

مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰی هِرَقْلَ عَظِیْمِ الرُّوْمِ۔

ہرقل کے بھائی نے غصے میں آکر وہ نامہ مبارک منشی کے ہاتھ سے چھین لیا۔ ہرقل نے پوچھا تم نے کیا کیا؟ اس کے بھائی نے کہا انہوں نے اپنے نام سے خط کی ابتدا کی اور آپ کو عظیم الروم، صاحب الروم کہا۔ ملک الروم نہیں کہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت متکبر ہے کو بڑا اور آپ کو حقیر و ذلیل جانتا ہے۔ ہرقل نے اپنے بھائی سے کہا تم کم عقل ہو۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اس خط کے مضمون پر مطلع ہونے سے پہلے اسکو پھینک دیا جائے۔ اگر وہ اللہ کے رسول ہیں تو ان کو ضرور اپنے نام سے شروع کرنا چاہیے اور ہم کو میرے نام سے پہلے لکھنا چاہیے یہ بالکل صحیح لکھا کہ میں صاحب الروم ہوں میں مالک روم نہیں مالک روم صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

بِدِعَایَةِ الْاِسْلَامِ (۲۵) اس میں بار معنی میں الیٰ کے ہے اور دعایۃ مصدر مفعول کے معنی میں ہے یعنی مدعو۔ اور اضافت اضافت بیانیہ ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ اَدْعُوْكَ اِلَی اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ الَّذِیْ هُوَ الْاِسْلَامُ ایک روایت میں ہے "بداعیۃ الاسلام" اب یہ صفت ہے کلمہ محذوف کی اب تقدیر عبارت یہ ہوگی ادعوک الی کلمۃ داعیۃ الی الاسلام۔ وہ کلمہ کلمہ طیبہ ہے۔

الْاَرِیْسِیِّیْنَ (۲۶) یہاں چار روایت ہے الیریسیین۔ الاریسیین۔ الیریسین۔ الاریسین۔ اخیر کی دو روایتوں میں یاء نسبت کے ساتھ ہے۔ اول یریسی کی اور دوم اریسی کی جمع ہے۔ ابن فارس نے کہا یہ لفظ عربی نہیں۔ جوہری نے کہا کہ شامی ہے۔ اس کے یہ معانی ہیں۔ ہرار، ٹیکس وصول کرنے والے خدام و متعلقین، متکبرین۔

بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ. قَالَ اَبُوْسُفْيَانَ

کو رب نہ بنائے اللہ کے سوا۔ اس کے بعد اگر وہ نہ مانیں تو تم لوگ کہہ دو (اے اہل کتاب) گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ ابوسفیان

فَلَمَّا قَالَ مَا قَالَ وَفَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ كَثُرَ عِنْدَهُ الصَّخَبُ فَارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ

نے کہا جب ہرقل سوال و جواب کر چکا اور خط پڑھنے سے فارغ ہوا تو اس کے بعد شور و شغب ہونے لگا یہاں تک کہ آوازیں

وَاُمِرْنَا فَاُخْرِجْنَا فَقُلْتُ لِاَصْحَابِيْ حِيْنَ اُخْرِجْنَا لَقَدْ اَمِرَ اَمْرُ ابْنِ اَبِيْ كَبْشَةَ

بلند ہو گئیں۔ اور ہمارے بارے میں حکم دیا گیا۔ ہم باہر نکال دیئے گئے۔ باہر نکل کر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ابن ابی کبشہ

اِنَّهُ يَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْاَصْفَرِ فَمَا زِلْتُ مُوْقِنًا اَنَّهُ سَيَظْهَرُ حَتّٰى اَدْخَلَ اللّٰهُ عَلَيَّ

کے بیٹے (نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی شان بہت بڑھ گئی اتنی کہ ان سے شہنشاہ روم بھی ڈرنے لگا۔ اس وقت سے مجھے اس

بات کا یقین رہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت جلد غالب ہونگے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام داخل فرما دیا

کاشتکار یہاں یہی معنی ہے اس لئے کہ ابن اسحٰق نے بروایت زہری اکّارین اور مدائنی نے الفلاحین تخریج کیا ہے۔ برقانی نے اپنی روایت میں اکّارین کی تفسیر حرّاثین کی ہے۔ حرّاث اور فلاح کے معنی کاشتکار کے ہیں۔ چونکہ رعایا میں کثرت کاشتکاروں کی تھی اسلئے تغلیباً تسمیۃ الکل باسم الجزء پوری رعایا مراد ہے۔ اور اگر اس روایت میں یریسین یعنی متفقین لیا جائے تو بھی رعایا کا مراد ہونا ظاہر ہے۔

عبداللہ بن ادریس (۳۶) عبداللہ بن ادریس کے متبع یہود و نصاریٰ تھے یہ بنی اسرائیل میں بہت ظالم گزرا ہے اپنے نبی کو شہید کیا۔

ابن ابی کبشہ (۳۷) ابن ابی کبشہ سے مراد ابوسفیان کی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ ابوکبشہ کون تھا؟ شراح نے مختلف توجیہیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں کوئی گمنام شخص ابوکبشہ تھا اہل عرب کی عادت تھی جب کسی سے ناراض ہوتے تو اُس کے کسی گمنام دادا کی طرف منسوب کرتے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ عرب میں ایک شخص تھا جس کا نام وجز بن عامر بن کعب تھا۔ اس کو ابوکبشہ کہتے تھے۔ اس نے قریش کے عقیدے کے خلاف بت پرستی کی مخالفت کی تھی۔ اور مشہور ستارہ شِعریٰ کی پرستش کی دعوت دیتا تھا۔ قریش بت پرستی کی مخالفت میں اشتراک کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ کہتے تھے اس کے علاوہ اور مختلف توجیہات کی ہیں۔ ابوسفیان کا مقصود صرف تحقیر تھی۔ اس لئے والد ماجد یا دادا صاحبان کی طرف منسوب کر کے ابن عبداللہ یا ابن عبدالمطلب نہیں کہا۔ حالانکہ حضور عام طور پر ابن عبدالمطلب سے مشہور بھی تھے۔ عبدالمطلب کی عظمت کی پورے عرب پر دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ ان کی جانب نسبت کرنے میں عظمت کا اظہار تھا۔ اس لئے بجائے ابن عبدالمطلب کے ابن ابی کبشہ کہا۔

بنی الاصفر (۳۸) سے مراد رومی ہیں۔ اصفر کے معنی پیلے رنگ والے کے ہیں۔ رومیوں کو بنی الاصفر اس لئے کہا جاتا ہے۔ یہ اصفر

وَكَانَ ابْنُ النَّاطُوْرِ صَاحِبَ إِيْلِيَاءَ وَهِرَقْلَ

الْإِسْلَامَ (دانا کا یہ)

اور یہ اس کے پہلے اسلام کو ناپسند کرتا تھا۔ (امام زہری ہی سے مروی ہے) کہ ابن ناطور جو ہرقل کا دوست اور ایلیاء کا

سُقِّفَ عَلَى نَصَارَى الشَّامِ يُحَدِّثُ أَنَّ هِرَقْلَ حِيْنَ قَدِمَ إِيْلِيَاءَ أَصْبَحَ يَوْمًا

حاکم اور شام کے نصرانیوں کا مخدوم تھا۔ بیان کرتا ہے کہ ہرقل جب ایلیاء (بیت المقدس) آیا تو ایک دن صبح پریشان نظر

خَبِيْثَ النَّفْسِ فَقَالَ بَعْضُ

آیا تو اس پر اس کے بعض

ابن روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اصفر کا نام اصفر اس لئے پڑا ان کے باپ روم بن عیص نے شاہ حبش کی لڑکی سے شادی کی تھی۔ اس سے یہ پیدا ہوا۔ اس کا رنگ زردی مائل تھا۔ اس لئے اس کو اصفر کہنے لگے۔ ابن الانباری نے کتاب البیان میں یہ وجہ بیان کی۔ اصفر کی پردادی حضرت سارہ نے بچپن میں اس کو سونے کے اتنے زیورات پہنا دیئے کہ اس کی جھلک سے زرد دکھائی دیتا تھا۔ اس لئے اس کو اصفر کہنے لگے۔

ابن الناطور (۲۹) تین طرح منقول ہے۔ ناطور طائے مہملہ کے ساتھ۔ ناظور ظائے معجمہ کے ساتھ۔ ناطورا طا مہملہ اور اخیر میں الف کے ساتھ۔ اس کے معنی باغبان کے ہیں۔ ناطور اور ناظور کو کسی نے کہا عربی ہے۔ کسی نے عجمی بتایا۔ مگر ناطورا عجمی ہے۔

امام زہری کی ابن ناطور سے، عبد الملک بن مروان کے زمانے میں دمشق میں، ملاقات ہوئی۔ اس سے انھوں نے خود یہ باتیں سنی ہیں۔ اس لئے "وکان ابن الناطور" امام زہری کا قول ہے۔ امام زہری تک آگے، حدیث ابو سفیان میں جو راوی ہیں وہ یہاں نہیں۔ یعنی عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود عن ابن عباس ان سے یہ روایت نہیں۔ بلکہ امام زہری نے بلا واسطہ ابن ناطور سے یہ سنا ہے۔

اسقفا (۳۰) یہاں سات طرح روایت ہے۔ اُسْقُفًّا الف کو پیش سین ساکن قاف کو پیش فا مشدد دو زبر الف کے ساتھ۔ اُسْقُفًا فا کی تشدید کے بغیر۔ سُقِّفًا سین سے شروع جسے پیش ہے قاف کو زیر فا مشدد دو زبر کے ساتھ۔ سُقُفًّا سین اور قاف کو پیش فا کو دو زبر الف کے ساتھ۔ معنی ان چاروں کے ایک ہیں۔ دینی پیشوا جو عیسائیوں میں پادری ہوتا ہے۔ اُسْقِفَ باب افعال سے فعل ماضی مجہول۔ سُقِّفَ باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول۔ سُقِفَ نَصَرَ کا فعل ماضی مجہول۔ ان تینوں کے معنی یہ ہوئے۔ کہ یہ شام کے نصرانیوں کا پادری بنایا گیا۔

خبیث النفس (۳۱) ردی النفس، متفکر شکستہ۔ کسی مسلمان کو خبیث النفس کہنے کی حدیث میں ممانعت ہے۔ مسلمان اپنے

بَطَارِقَتِهِ قَدِ اسْتَنْكَرْنَا هَيْئَتَكَ قَالَ ابْنُ النَّاطُوْرِ وَكَانَ هِرَقْلُ حَزَّاءً يَنْظُرُ

اراکین سلطنت ؎۱ نے پوچھا (کیا بات ہے) آپ کا مزاج ہم خلاف معمول پا رہے ہیں۔ ابن ناطور نے کہا ہرقل

فِي النُّجُوْمِ فَقَالَ لَهُمْ حِيْنَ سَأَلُوْهُ إِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ حِيْنَ نَظَرْتُ فِي النُّجُوْمِ

کاہن ؎۲ تھا علم نجوم میں نظر رکھتا تھا۔ اراکین کے سوال کرنے پر اس نے بتایا کہ میں نے آج رات جب ستاروں

مَلِكُ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ

میں نظر کی تو یہ دیکھا کہ ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ غالب ہو گیا ؎۳

آپ کو بھی یہ کہیں۔ غیروں کو کہہ سکتے ہیں۔

؎۱ بطارقہ (۳۲) یہ بطریق کی جمع ہے۔ اس کے معنی مشیر کار، رکن سلطنت کے ہیں

؎۲ حزاء (۳۳) کاہن کے معنی میں ہے۔ کاہن اسکو کہتے ہیں جو شیاطین کے القا سے آئندہ کے حالات بتائے۔ یا علم نجوم کے ذریعے۔ یا اعضاء کے خطوط اور ساخت اور چہرے کے تل دیکھکر گذشتہ اور آئندہ کے احوال کی خبر دے۔ آگے ہے۔

ینظر فی النجوم۔ اور ستاروں میں نظر رکھتا تھا۔ اگر اسے حزاء کی تفسیر ٹھہرائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ہرقل نجومی تھا۔ اور اگر اسے کان کی خبر ثانی بنائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ہرقل کاہن بھی تھا اور نجومی بھی۔ اس تقدیر پر کاہن کے صرف دو معنی ہوں گے۔ علم نجوم حق ہے۔ مگر اب اس پر عمل منسوخ ہو گیا ہے۔ اور کہانت بقیہ دو معنوں کے اعتبار سے مطلق وہمل ہے۔ اس پر اعتماد جائز نہیں۔ حدیث میں ہے

مَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ بَرِئَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ (ابن ماجہ)

جو کسی کاہن کے پاس گیا اور اس کی تصدیق کی وہ اس سے بیزار ہو گیا جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اتارا گیا۔

؎۳ ملک الختان قد ظہر (۳۴) جس بادشاہ کے ملک میں ختنوں کا دستور ہے وہ غالب آگیا۔

یہاں دو روایت ہے مُلْكُ اور مَلِكُ۔ دونوں کا حاصل ایک ہی ہے۔ یہ صلح حدیبیہ کے بعد کا واقعہ ہے۔ صلح حدیبیہ کو قرآن نے فتح مبین فرمایا۔ اور یہی صلح حدیبیہ ہی اسلام کے غلبہ کا سبب بنی۔ زمانہ جنگ میں لوگ ڈر سے مدینہ آتے جاتے نہیں تھے مسلمانوں سے تعلقات نہیں تھے۔ جب صلح کی وجہ سے تمام خطرات مٹ گئے اور اہل عرب آزادی کے ساتھ مسلمانوں سے ملنے جلنے لگے ان پر اسلام کی حقانیت اور صداقت آشکارا ہونے لگی۔ اور اسلام پھیلتا گیا۔ مضبوط سے مضبوط تر ہونے لگا۔ سبب غلبہ کو، غلبہ سے تعبیر کرنا عام محاورہ ہے۔

فَمَنْ يَخْتَتِنُ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ؟ قَالُوا لَيْسَ يَخْتَتِنُ إِلَّا الْيَهُودُ فَلَا يُهِمَّنَّكَ شَأْنُهُمْ

اس زمانے میں کون لوگ ختنہ کراتے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا صرف یہود ختنہ کراتے ہیں آپ ان کی فکر نہ کریں اپنے

وَاكْتُبْ إِلٰى مَدَائِنِ مُلْكِكَ فَلْيَقْتُلُوا مَنْ فِيهِمْ مِنَ الْيَهُودِ فَبَيْنَا هُمْ عَلٰى أَمْرِهِمْ

[illegible] ملک کے شہروں میں فرمان بھیج دیجئے کہ یہاں جتنے یہودی ہوں قتل کر دیے جائیں۔ اسی اثنا میں ہرقل کے پاس

أُتِيَ هِرَقْلُ بِرَجُلٍ أَرْسَلَ بِهِ مَلِكُ غَسَّانَ يُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

ایک آدمی لایا گیا جسے غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خبر ہرقل کو پہنچا دو وہ طلـ

ایک عجیب و غریب بات

(۳۵) شراح حدیث نے یہاں ایک عجیب و غریب بات لکھی ہے۔ کہ ہرقل نے یہ بات اس طرح جانی کہ علوئین (زحل و مشتری) کا برج عقرب میں قران ہر بیس سال پر ہوتا ہے۔ اس طرح عہد نبوی میں تین قران ہوئے۔ پہلے قران کی ابتدا میں ولادت ہوئی۔ دوسرے قران کے اختتام پر نزول قرآن کا غار حرا سے آغاز ہوا۔ تیسرے قران کے اختتام کے قریب صلح حدیبیہ ہوئی۔ انھیں ایام میں ہرقل نے ستاروں میں دیکھ کر یہ کہا تھا۔ پھر وجہ استدلال میں تحریر فرمایا کہ چونکہ برج عقرب مائی ہے علوئین کا یہیں قران اس کی دلیل ہے کہ ملک ختان کا ظہور ہو گیا۔

میں علم نجوم سے واقف نہیں۔ اس لئے کچھ نہیں عرض کر سکتا۔ مگر ہر ناظر پر ظاہر ہے کہ یہ استدلال دو طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ اول یہ کہ جب علوئین کا برج عقرب میں قران مطلقاً ملک ختان کے غلبہ کی علامت تھی تو یہ غلبہ پہلے قران یا اس کے پہلے والے قران میں کیوں نہیں ہو سکا۔ دوسرے برج عقرب کے مائی اور اس میں علوئین کا قران ملک ختان کے ظہور کی دلیل کس طرح ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتی۔ اب یا تو یہ کہیے کہ کچھ مقدمات محذوف ہیں۔ تو ان کو مذکور ہونا چاہیے۔ یا پھر یہ کہیے کہ کتب سابقہ میں یہ علامت مذکور تھی کہ جب فلاں صدی میں اور صدی کے فلاں حصے میں علوئین کا قران برج عقرب میں ہوگا تو یہ ظہور ہوگا۔ علوئین کے برج عقرب میں مطلقاً قران کو دلیل بنانا کسی طرح درست نہیں اور بہتر تو یہ ہے کہ شروح احادیث کو ایسی باتوں سے خالی رکھیں تو اچھا ہے۔

رجل یخبر عن خبر

(۳۶) اس شخص کے الفاظ ابن اسحاق نے یوں روایت کیا کہ ہم میں ایک شخص ظاہر ہوئے ہیں جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں کچھ لوگ ان کے تابع ہو گئے ہیں اور کچھ لوگوں نے ان کی مخالفت کی ہے۔ ان میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ میں انھیں اسی حال پر چھوڑ آیا ہوں۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَخْبَرَهُ هِرَقْلُ قَالَ اذْهَبُوا فَانْظُرُوا أَمُخْتَتِنٌ هُوَ أَمْ لَا

ہرقل نے اس شخص سے حال معلوم کیا، پھر حکم دیا لے جاؤ دیکھو یہ ختنہ شدہ ہے یا نہیں۔

فَنَظَرُوا إِلَيْهِ فَحَدَّثُوهُ أَنَّهُ مُخْتَتِنٌ وَسَأَلَهُ عَنِ الْعَرَبِ فَقَالَ هُمْ يَخْتَتِنُونَ

لوگوں نے اسے دیکھا اور ہرقل کو بتایا کہ یہ ختنہ شدہ ہے ہرقل نے اس سے عرب کے بارے میں پوچھا کیا اہل عرب

فَقَالَ هِرَقْلُ هَذَا مَلِكُ هَذِهِ الْأُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ ثُمَّ كَتَبَ هِرَقْلُ إِلَى صَاحِبٍ لَهُ بِرُومِيَةَ

ختنہ کراتے ہیں، اس نے بتایا عرب والے ختنہ کراتے ہیں۔ اب ہرقل نے کہا یہی اس زمانے کا بادشاہ ہے جو غالب آگیا۔
ہرقل نے رومیہ کے اپنے ایک دوست

دارالرومیہ ۳۹ یہ ملک روم کا ایک بہت عظیم شہر تھا۔ اس کی شہر پناہ بیس میل لمبی تھی۔ وسط شہر میں صنم ای نہر بہتی تھی۔ اس پر ایک پل تھا "باب" نصاری کا سب سے بڑا پیشوا یہیں رہتا تھا یہاں چھ سو گز مربع زمین پر ایک گرجا تھا جس کی چھتیں رنگین اور فرش سنگ مرمر کا تھا۔ اس گرجے کے تہ خانے میں ایک سونے کی کرسی تھی جس پر "باب" بیٹھ کر دربار کیا کرتا تھا۔ اس کے پیچھے چاندی منڈھا ہوا ایک دروازہ تھا جو تہ خانے میں جانے کے راستے پر تھا۔ اس تہ خانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری بطرس کی قبر تھی۔ اس شہر کے دوسرے گرجا میں دوسرے حواری "بولص" کی قبر تھی۔

رومیہ میں ہرقل کے جو دوست تھے جن کو ہرقل نے خط لکھا تھا ان کا نام ضغاطر تھا۔ مدارج النبوت میں ہے کہ ہرقل نامہ مبارک پڑھوانے کے بعد جب شور شغب ختم ہوا تو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دحیہ اپنے جیسے عالم فاضل اپنے دوست ضغاطر کے پاس بھیجا یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان کی رائے کیا ہے۔ ضغاطر نے جب نامہ مبارک پڑھا اور حضرت دحیہ سے اوصاف مبارکہ سے تو اس نے کہا۔ ان کے یہ اوصاف ہماری کتابوں میں ہیں۔ اور مجھے ان کی نبوت میں ذرہ برابر شک و شبہ نہیں۔ دیکھ بعد باہر نکلا اور نصرانیوں کو مخاطب کرکے کہا۔ اے رومیو! احمد عربی کی جانب سے دعوت نامہ آیا ہے۔ اس میں دین کی ہدایت کی گئی ہے۔ آفتاب کی طرح ان کا نبی ہونا ہر شک سے بالاتر ہے۔ تم سب اللہ عز و جل کی الوہیت اور ان کی رسالت کی تصدیق کرو۔ یہ سنتے ہی وہ ظالم ان پر ٹوٹ پڑے اور شہید کر ڈالا۔

حضرت دحیہ نے واپس آکر سارا ماجرا ہرقل سے بیان کیا۔ اس روایت کی بنا پر یہ ماننا پڑے گا کہ ہرقل نے حضرت دحیہ یا ان کے کسی ہمراہی کو کوئی خط بھی دیا تھا۔ اور حضرت دحیہ کو رومیہ بھیجنے کے بعد بیت المقدس سے حمص چلا آیا۔ اور ضغاطر باہر نکلنے سے پہلے ہرقل کے خط کا جواب بھی لکھ کر حضرت دحیہ یا ان کے کسی ہمراہی کو دے دیا تھا۔ اسکا بھی احتمال ہے کہ دحیہ کا یہ ہرقل کا دوست

وَكَانَ نَظِيرَهُ فِي الْعِلْمِ وَصَارَ هِرَقْلُ إِلَى حِمْصَ فَلَمْ يَرِمْ حِمْصَ حَتَّى أَتَاهُ كِتَابٌ

کے پاس لکھا اور وہ ہرقل کا علم میں ہم پلہ تھا اور، ہرقل حمص چلا آیا جو (دار السلطنت تھا) اور وہیں رہا یہاں تک کہ ہرقل کے

مِنْ صَاحِبِهِ يُوَافِقُ رَأْيَ هِرَقْلَ عَلَى خُرُوجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ

دوست کا جواب آیا وہ بھی ہرقل کے ساتھ اس بات پر متفق تھا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے اور یہ کہ وہ بلاشبہ

أَنَّهُ نَبِيٌّ فَأَذِنَ هِرَقْلُ لِعُظَمَاءِ الرُّومِ فِي دَسْكَرَةٍ لَهُ بِحِمْصَ ثُمَّ أَمَرَ بِأَبْوَابِهَا

نبی ہیں پھر ہرقل نے روم کے عمائد کو حمص کے محل میں جمع ہونے کی اجازت دی جب سب جمع ہو گئے تو محل کے دروازوں کو بند

فَغُلِّقَتْ ثُمَّ اطَّلَعَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الرُّومِ هَلْ لَكُمْ فِي الْفَلَاحِ وَالرُّشْدِ وَأَنْ يَثْبُتَ

کروا دیا پھر ان کے سامنے آ کر بولا، اے رومیو! کیا تم کو کامیابی اور ہدایت کی خواہش ہے اور کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارا ملک

مُلْكُكُمْ فَتُبَايِعُوا هَذَا النَّبِيَّ فَحَاصُوا حَيْصَةَ حُمُرِ الْوَحْشِ إِلَى الْأَبْوَابِ فَوَجَدُوهَا

باقی رہے، اگر چاہتے ہو تو اس نبی سے بیعت کر لو۔ اس پر وہ سب جنگلی گدھوں کی طرح بھڑک کر دروازوں کی طرف بھاگے مگر دروازوں

قَدْ غُلِّقَتْ فَلَمَّا رَأَى هِرَقْلُ نَفْرَتَهُمْ وَأَيِسَ مِنَ الْإِيمَانِ قَالَ رُدُّوهُمْ

کو بند پایا جب ہرقل نے ان کی نفرت دیکھی اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا تو کہا ان لوگوں کو میرے پاس واپس لاؤ جب

عَلَيَّ وَقَالَ إِنِّي قُلْتُ مَقَالَتِي آنِفًا أَخْتَبِرُ بِهَا شِدَّتَكُمْ عَلَى دِينِكُمْ فَقَدْ رَأَيْتُ

سب واپس ہو گئے تو ہرقل نے کہا میں نے ابھی جو بات کہی تھی اس لئے کہی تھی کہ دین پر تمہاری پختگی کو آزماؤں، تو میں نے

فَسَجَدُوا لَهُ وَرَضُوا عَنْهُ فَكَانَ ذَلِكَ آخِرَ شَأْنِ هِرَقْلَ

... دیکھ لی اس کے بعد سب نے اسکو سجدہ کیا اور اس سے راضی ہو گئے ہرقل کا آخر وقت تک یہی حال رہا (یعنی وہ نصرانی ہی رہا) ممکن ہے اس کے علاوہ کوئی اور ہو۔

بحمص ۳۰ یہ اس زمانے میں ہرقل کا دار السلطنت تھا۔ یہ عمالقہ میں ایک شخص حمص بن صہران بن حاف کے نام پر ہے امام قرطبی نے فرمایا۔ اس شہر میں نو سو صحابہ کرام رونق افروز ہوئے۔ اس واقعہ کے دس سال بعد، عہد فاروقی میں ۱۶ھ میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے فتح فرمایا۔ یہ وباؤں سے پاک شہر ہے یہاں سانپ بچھو نہیں ہوتے۔

فکان ذالک آخر شان ہرقل ۳۱ اس حدیث میں ہرقل کے کلمات اس قسم کے ہیں جن سے اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کافر مرا یا مسلمان۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ اخیر وقت تک شک و تردد میں رہا ہو۔ اس لئے راوی نے وضاحت کر دی کہ ہرقل کا اخیر

سلہ بالفاظ مختلفہ یہ حدیث ان ابواب میں بھی ہے، کتاب الجہاد۔ کتاب التفسیر (دو مقامات پر) کتاب الشہادات۔ جزیہ۔ ادب (دو مقامات پر) ایمان۔ احکام۔ مغازی۔ خبر واحد۔ استیذان۔ دعاء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی الاسلام والنبوۃ۔ علاوہ ازیں امام مسلم نے مغازی میں اور ترمذی نے استیذان میں ابو داؤد نے ادب میں اور نسائی نے تفسیر میں بھی ذکر کیا ہے۔

کتاب الایمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دم تک یہی حال رہا۔ اور وہ ایمان سے محروم رہا۔ یہی صحیح ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد شنہ ھ میں وہی ہرقل کے اندر اندر ایک لاکھ فوج لیکر جنگ مُوتہ کے موقع پر صحابۂ کرام سے جنگ کرنے کے لئے مآب تک آیا تھا پھر اسی کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف فوجی تیاریوں کی اطلاع پر غزوہ تبوک" واقع ہوا۔ علاوہ ازیں حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایام میں اسی نے پوری طاقت اور قوت سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ پھر کیسے یہ مان لیا جائے کہ یہ مسلمان ہو گیا تھا

علاوہ ازیں غزوہ تبوک کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لکھا میں مسلمان ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کا دشمن جھوٹا ہے مسلمان نہیں۔ وہ اپنی نصرانیت پر باقی ہے۔

فتح الباری میں ہے کہ ہرقل جب شام سے قسطنطنیہ جانے لگا تو اس نے رومیوں کے سامنے تین باتیں رکھیں۔ یا تو مسلمان ہو جاؤ یا مسلمانوں کو جزیہ دو۔ یا صلح کر لو۔ انھیں درب تک دیدو۔ رومیوں نے قبول نہیں کیا۔ اس کے بعد وہ شام سے نکلا۔ جب درب پہنچا تو سرزمین شام کو رخصتی سلام کرتے ہوئے کہا اے سرزمین سوریہ تجھے سلام پھر گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اور قسطنطنیہ چلا گیا۔

ان سب سے ظاہر ہے کہ اس کے ضمیر کی آواز کچھ بھی رہی ہو مگر سلطنت کی حرص نے اُسے ایمان سے محروم رکھا۔

ایمان بنیاد ہے ① انسان جن چیزوں کا شرعاً مکلف ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ یا تو اس کا صدور دل سے ہو گا۔ یا اس کا صدور دیگر اعضاء سے۔ اول ایمان ہے ثانی اعمال یا اقوال۔ سارے اعمال و اقوال کی بنیاد ایمان ہے۔ اگر ایمان نہ ہو تو سارے اعمال حسنہ و اقوال صالحہ کالعدم۔ ارشاد ہے

وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا۔ عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً	کافروں نے جو کچھ کیا تھا ہم نے ان سب کو بکھرے ہوئے ذرّے بنا دیا۔ کام کریں مشقتیں جھیلیں بھڑکتی آگ میں جائیں۔

اس لئے امام بخاری نے کتاب الایمان کو سب پر مقدم فرمایا۔

ایمان کی تعریف ② ایمان کے لغوی معنی کسی بات کو سچ ماننے کے ہیں۔ قرآن کریم میں برادران یوسف علیہ السلام کا قول مذکور ہے۔ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا۔ آپ ہمارا یقین نہیں کریں گے۔ اصطلاح شریعت میں تمام ضروریات دین کو دل سے سچ ماننے اور زبان سے ان کی سچائی کے اقرار کرنے کو ایمان کہتے ہیں یہ تصدیق و اقرار تحقیقاً ہو خواہ تقلیداً (عینی) زبان سے اقرار ایمان کا رکن ہے۔ یا اجراء احکام کے لئے شرط۔ دونوں قول ہیں۔ اور اس خادم کے نزدیک دونوں درست ہیں۔ تصدیق قلبی کسی حال میں ساقط نہیں البتہ اقرار باللسان بعض صورتوں میں معاف ہے جیسے حالت اکراہ میں یا ایسی حالت میں ایمان نصیب ہوا کہ اقرار کا وقت نہ مل سکا۔ گو اس کے رکن ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا جیسے قرأت، قیام، رکوع، سجود، نماز کے ارکان ہیں۔ مگر عاجز سے ساقط ہو جاتے ہیں (المستند المعتمد) اصل ایمان تصدیق قلبی ہے۔ مگر دنیا میں مومن ہونے کا حکم لگانے کے لئے اقرار باللسان ضروری بھی ہے اور کافی بھی۔ اگر کوئی زبان سے تمام ضروریات کی تصدیق کرے تو اس کو مسلمان ہی کہیں گے۔ باطن کا حال اللہ عزوجل کے سپرد ہے (فتح الباری)

③ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے یا نہیں — اعمال ایمان کے جز ہیں یا نہیں

ایمان کے سلسلے میں کثیر اختلافات ہیں۔ ان میں بنیادی اختلاف دو ہیں۔ اعمال و اقوال ایمان کے جز ہیں یا نہیں؟ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے یا نہیں؟۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد و جمہور محدثین اعمال و اقوال کو ایمان کا جز مانتے ہیں۔ اور امام اعظم و جمہور متکلمین و محققین اعمال و اقوال کو ایمان کا جز نہیں مانتے۔ اسی کی فرع ایمان کے گھٹنے بڑھنے کا بھی مسئلہ ہے۔ فریق اول کے نزدیک اعمال و اقوال کی زیادتی سے ایمان بڑھتا ہے اور کمی سے گھٹتا ہے۔ اور فریق ثانی کے نزدیک ایمان نہ گھٹتا ہے، نہ بڑھتا ہے۔ صحیح و راجح یہی ہے کہ اعمال و اقوال ایمان کے جز نہیں۔ اور ایمان نہ گھٹتا ہے۔ نہ بڑھتا ہے۔

دلائل ④ اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس پر فریقین کا اتفاق ہے کہ فرائض و واجبات کا تارک یا گناہوں کا مرتکب کافر نہیں۔ مومن ہے۔ اب اگر اعمال اقوال کو ایمان کا جز قرار دیں تو لازم آئے گا کہ کسی گناہ کا مرتکب، مسلمان نہ رہے۔ اس لئے کہ انتفاء جز مستلزم ہے انتفاء کل کو۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ اعمال و اقوال، ایمان کے جز نہیں۔ اور جب اعمال و اقوال، ایمان کے جز نہیں تو ایمان نہ گھٹے گا نہ بڑھیگا۔ قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں ایمان کا محل قلب کو بتایا گیا ہے۔ فرمایا أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش فرمادیا۔ اور ارشاد ہے مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے مگر ان کے دل نے ایمان نہیں قبول کیا۔ جب ایمان کا محل دل ہے اور دل کا

کام تصدیق ہے، نہ کہ عمل کرنا تو ثابت کہ ایمان تصدیق کا نام ہے۔ اعمال و اقوال اس کے جز نہیں۔

نیز قرآن مجید میں جگہ جگہ ایمان پر عمل کا عطف ہے، اور عطف میں اصل یہ ہے کہ معطوف، معطوف علیہ کا مغائر ہو، تو ثابت کہ ایمان عمل مغائر ہیں۔ نیز آیت کریمہ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ جو بھی مرد و عورت نیک کام کرے اور وہ مومن ہو۔ اس میں ایمان کو اعمال صالحہ کی شرط قرار دیا ہے کسی چیز کی شرط اس سے خارج ہوتی ہے اس کا جز نہیں ہوتی۔ تو ثابت کہ اعمال، ایمان کا جز نہیں۔ مزید یہ کہ آیہ کریمہ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا میں لڑنے والے مسلمانوں کو مومن فرمایا۔ حالانکہ قتال میں دونوں یا ایک فریق ضرور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ اس سے ثابت کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب مومن ہے، کافر نہیں۔ اور اگر اعمال کو ایمان کا جز مانیں تو لازم آئے گا کہ کبیرہ کرنے والا مومن نہ ہو کافر ہو جائے۔

علاوہ ازیں منافقین کے بارے میں فرمایا کہ وہ مومن نہیں۔ حالانکہ وہ ایمان کا اقرار کرتے تھے۔ یہ اسی بنا پر ہے کہ وہ تصدیق نہیں کرتے تھے تو ثابت کہ ایمان تصدیق ہی کا نام ہے۔ ایک جگہ فرمایا اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ۔ مگر وہ جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہو (وہ مومن ہے) اس سے صاف ظاہر کہ ایمان صرف تصدیق قلبی ہی کا نام ہے۔

جب یہ بات قرآن کریم کی ان نصوص سے ثابت ہو گئی کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔ اعمال اس کے اجزا نہیں۔ اور تصدیق نہ گھٹتی ہے، نہ بڑھتی ہے تو ثابت کہ ایمان نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔

اس کی تحقیق یہ ہے کہ تصدیق کسی بات کو اس طرح سچ جاننے کو کہتے ہیں کہ اس کے خلاف کا ذرہ برابر شائبہ بھی دل میں باقی نہ رہے۔ اگر یہاں جانب مخالف کا کوئی شائبہ ہوتا تو اس کے وجود و عدم سے تصدیق گھٹتی یا بڑھتی۔ مثلاً ایک درجہ وہ ہوتا ہے جس میں جانب مخالف کا کوئی شائبہ نہ ہوتا یہ سب سے اعلیٰ تصدیق ہوتی۔ دوسرے وہ کہ جس میں جانب مخالف کا شائبہ ہے یہ پہلے سے کمتر درجے کی ہوتی۔ پھر جس میں جانب مخالف کچھ زیادہ ہے یہ دوسرے سے بھی کمتر درجے کی ہوتی ہے مگر چونکہ تصدیق اس اذعانی کیفیت کا نام ہے جس میں جانب مخالف کا ادنیٰ سا بھی شائبہ نہ ہو اس لئے نہ یہ گھٹ سکتی ہے نہ بڑھ سکتی ہے۔

ان سب دلائل کے جواب میں امام شافعی وغیرہ کے حامی یہ کہتے ہیں کہ ہم جو اعمال کو داخل ایمان مانتے ہیں یا ایمان کی زیادتی و نقصان کے قائل ہیں۔ اس سے مراد وہ ایمان کامل ہے جو دخول فی النار سے بچانے والا ہو۔ رہ گیا نفس ایمان جو خلود فی النار سے نجی ہو اور مآل کار موجب جنت ہو اس کے بارے میں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ صرف تصدیق قلبی ہے۔ مگر چونکہ متعدد احادیث و آیات میں ایمان کی زیادتی کا صراحۃً ذکر ہے اور بہت سی ایسی ہیں جن سے ایمان کی زیادتی و نقصان ثابت ہوتا ہے اس لئے ہم نصوص

کی تبیح کے لئے کہتے ہیں کہ ایمان زیادتی و نقص قبول کرتا ہے۔ اس کے جواب میں احناف یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ایمان بمعنی مذکور ضرور زیادتی و نقصان قبول کرتا ہے۔ اس سے ہمیں بھی انکار نہیں۔ اس تقدیر پر یہ نزاع لفظی ہو گئی۔ کہ احناف جو کہتے ہیں کہ ایمان زائد و نقص نہیں ہوتا۔ ان کی مراد وہ ایمان ہے جو خلود فی النار سے منجی ہو۔ اور شوافع وغیرہ جو کہتے ہیں کہ ایمان گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ اس سے ان کی مراد وہ ایمان کامل ہے جو دخول فی النار سے محفوظ رکھنے والا ہے۔ نیز احناف اور ان کے ہمنوا یہ کہتے ہیں۔ کہ زبان عربی میں زیادتی و نقصان مقدار کی صفت ہے۔ اور ایمان چونکہ مقولہ کیف سے ہے اس لئے وہ زائد و ناقص نہیں ہوتا البتہ شدید اشد، ضعیف اضعف ہوتا ہے۔ جن آیات و احادیث سے ایمان کے زائد و ناقص ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے ان میں یہی شدت و ضعف مراد ہے۔ جیسے یوں کہے کہ ایمان گز، فٹ، انچ، سے نہ ناپا جا سکتا ہے نہ رتی، تولے، سیر سے تولا جا سکتا ہے۔ اگر وہ گز، فٹ، انچ سے ناپا جا سکتا یا تولا جا سکتا مثلاً تو ضرور زائد و ناقص ہوتا۔ کسی کا ایمان گز بھر کسی کا انچ بھر ہوتا یا کسی کا تولے بھر کسی کا چھٹانک بھر۔ مگر چونکہ نہ یہ ناپا جا سکتا نہ تولا جا سکتا ہے۔ اس لئے زیادت و نقصان سے متصف نہ ہو گا البتہ قوی، اقوی، ضعیف اضعف ہو گا۔ مثلاً حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام نے عرض کیا۔ بلی ولکن لیطمئن قلبی۔ ایمان تو ہے مگر چاہتا ہوں کہ اطمینان ہو جائے۔ طمانیت تصدیق سے زائد کوئی چیز نہیں تصدیق ہی کی اعلیٰ ترین قسم ہے۔ مثل مشہور ہے شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ ہمیں حرمین طیبین کے وجود کا یقین کامل ہے۔ مگر دیکھنے پر جو بات ہو گی وہ اس وقت نہیں۔ یہ صرف کیفیت کی زیادتی ہے مقدار کی نہیں۔

اقول۔ مگر اردو زبان عربی کے مثل اتنی وسیع نہیں کہ مقدار کے لئے الگ لفظ ہو اور کیفیت کے لئے الگ۔ گھٹنا بڑھنا کم زیادہ ہونا۔ اردو میں مقدار کی بھی صفت ہے اور کیفیت کی بھی اس لئے اگر اردو میں کوئی یہ کہے کہ ایمان گھٹتا ہے یا بڑھتا یا کم و زیادہ ہوتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔ فلیتأمل۔

علاوہ ازیں احناف یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایک ایمان اجمالی ہے مثلاً اجمالی طور پر یہ یقین کرنا کہ مذہب اسلام حق ہے دوسرے تفصیلی یعنی تمام ضروریات دین کو مفصلاً حق ماننا۔ مثلاً اللہ ایک ہے وحدہ لاشریک ہے حی و قیوم ہے اور خالق ورزاق ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ بدیہی بات ہے کہ ایمان اجمالی میں گھٹنے بڑھنے کا سوال ہی نہیں۔ ایمان تفصیلی ضرور گھٹتا بڑھتا ہے اس کا انکار بداہت کا انکار ہے۔

اقول۔ یہ بنظر دقیق ایمان کی کمی زیادتی نہیں بلکہ متعلق ایمان کی کمی زیادتی ہے۔ یعنی ان باتوں کی کمی زیادتی جن پر ایمان لایا گیا یعنی مومن بہ کی۔ اور یہی مراد ان آیتوں اور احادیث سے ہے جن سے صراحۃً یا کسی طرح ایمان کی کمی زیادتی سمجھی جاتی ہے۔

مثلاً آیہ کریمہ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ آیَاتُہٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا۔ جب ان پر ہماری آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کا ایمان زائد ہوجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آیات خود ایمان نہیں۔ مومن بہا ہیں یعنی ایمان کی متعلق ہیں ان پر ایمان لایا گیا ہے اس لئے یہاں زیادتی سے مراد مومن بہ کی زیادتی ہے۔ مصدر بمعنی مفعول بہ شائع ذائع ہے۔

ضروریات دین ایمان کی تعریف میں جو ضروریات دین کا لفظ آیا ہے اس سے مراد وہ دینی باتیں ہیں جن کا دین سے ہونا ایسی قطعی یقینی دلیل سے ثابت ہو جس میں ذرہ برابر شبہہ نہ ہو اور ان کا دینی بات ہونا ہر عام و خاص کو معلوم ہو۔ خواص سے مراد علماء ہیں اور عوام سے مراد وہ لوگ ہیں جو عالم نہیں مگر علماء کی صحبت میں رہتے ہوں۔ اس بنا پر وہ دینی باتیں جن کا دینی بات ہونا سب کو معلوم ہے مگر ان کا ثبوت قطعی نہیں تو وہ ضروریات دین سے نہیں مثلاً عذاب قبر، اعمال کا وزن۔ یونہی وہ باتیں جن کا ثبوت قطعی ہے مگر ان کا دین سے ہونا عوام و خواص سب کو معلوم نہیں تو وہ بھی ضروریات دین سے نہیں جیسے صلبی بیٹیوں کے ساتھ اگر پوتی ہو تو پوتی کو چھٹا حصہ ملیگا۔

جن دینی باتوں کا ثبوت قطعی ہو اور وہ ضروریات دین سے نہ ہوں ان کا منکر اگر اس کے ثبوت کے قطعی ہونے کو جانتا ہو تو کافر ہے۔ اور اگر نہ جانتا ہو تو اسے بتایا جائے بتانے پر اگر حق مانے تو مسلمان اور بتلانے کے بعد بھی اگر انکار کرے تو کافر۔ (شامی جلد ۳ صفحہ ۳۰۹)

وہ باتیں جن کا دین سے ہونا سب کو معلوم ہے مگر ان کا ثبوت قطعی نہیں ان کا منکر کافر نہیں اگر یہ باتیں ضروریات مذہب اہلسنت سے ہوں تو گمراہ اور اگر اس سے بھی نہ ہوں تو خاطی۔

ضروریات مذہب اہلسنت مذہب اہلسنت کی ضروریات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا مذہب اہلسنت سے ہونا سب عوام خواص اہلسنت کو معلوم ہو جیسے یہی عذاب قبر، اعمال کا وزن۔

تعلیقات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہیں کہیں بلا سند کچھ احادیث و اقوال صحابہ و اسلاف نقل کرتے ہیں جیسے کہتے ہیں۔ ابن عمر نے کہا ابن عباس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے انکو تعلیقات کہا جاتا ہے چونکہ ان کی سندیں مذکور نہیں تو کسی کو شبہ کی گنجائش تھی کہ یہ صحیح یا معتبر ہیں یا نہیں۔ اس لئے شراح بخاری نے اس پر خصوصیت کے ساتھ تنبیہ کی ہے کہ چونکہ امام بخاری نے اس کا التزام کیا ہے کہ اپنی اس کتاب میں صرف صحیح و مستند ہی احادیث درج کریں گے اس لئے تعلیقات کے اس کتاب میں درج ہونیکا مطلب یہ ہے کہ یہ سب امام بخاری کے نزدیک صحیح و مستند ہیں۔ بعض حضرات نے یہ تفصیل کی ہے کہ امام بخاری کا کسی تعلیق کو صیغہ جزم (یعنی یقین) کے ساتھ ذکر کرنا ان کی جانب سے اس کے صحیح ہونے کا حکم کرنا ہے اور صیغہ تمریض سے ذکر کرنا اس کی تصحیح کا حکم نہیں۔ لیکن اس کو واہی بھی نہیں کہا جاسکتا اس لئے کہ اگر وہ واہی ہوتی تو اس کتاب میں درج نہ کرتے۔ اسکی تفصیل مقدمہ میں گزر چکی۔

ت (۱) والحب فی اللہ والبغض فی اللہ من الایمان لہ ۔ ت (۲) وکتب عمر

اللہ کے لئے محبت اللہ کے لئے بغض ایمان سے ہے لہ ———— حضرت عمر

قرطبی نے کہا کہ بخاری کی تمام تعلیقات صحیح و مسند ہیں۔ سنداس لئے نہیں ذکر کی تاکہ اصل کتاب میں جن سخت شرائط کی پابندی کی ہے۔ ان میں اور جو ان شرائط پر نہیں ہیں دونوں میں فرق کر دیں۔ یعنی جن احادیث کو سند کے ساتھ ذکر کی ہیں انہیں میں جن شرائط کا لحاظ کیا ہے۔ ان شرائط پر تعلیقات پوری نہیں اترتیں۔

لہ (۱) ان الفاظ کے ساتھ یہ تعلیق کہیں نہیں ملی۔ کتب حدیث میں بالفاظ مختلفہ اس معنی کی احادیث ہیں مثلاً ابوداؤد میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

افضل الاعمال الحب فی اللہ والبغض فی اللہ — تمام اعمال سے افضل اللہ کیلئے محبت کرنا اور اللہ کیلئے عداوت کرنا

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ فرمایا

اوثق عری الایمان الحب فی اللہ والبغض فی اللہ — ایمان کی سب سے مضبوط گرہ اللہ کیلئے محبت کرنا اللہ کیلئے عداوت کرنا ہے

ابوداؤد میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا:۔

من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان — جس نے اللہ کے لئے محبت کی اللہ کے لئے عداوت کی اللہ کے لئے دیا اللہ کے لئے منع کیا اس نے ایمان کامل کرلیا۔

اللہ کے لئے محبت و عداوت کا مطلب (۲) اللہ کے لئے محبت کا مطلب یہ ہے کہ کسی سے اس لئے محبت کی جائے کہ وہ دیندار ہے اور اللہ کیلئے عداوت کا مطلب یہ ہے کہ کسی سے عداوت ہو تو اس بنا پر ہو کہ وہ دین کا دشمن ہے یا دیندار نہیں اسی طرح اللہ کے لئے دینے اور منع کرنے کا بھی مطلب یہ ہے کہ کسی کو کچھ دے تو اللہ کی رضا مطلوب ہو اور کسی کو کچھ دینے سے انکار کرے تو اس سے بھی اللہ کی خوشنودی مقصود ہو۔

امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ محبت و عداوت گھٹتی بڑھتی ہے اور جب یہ ایمان سے ہے تو ثابت کہ ایمان بھی گھٹتا بڑھتا ہے ——— ہمارا جواب یہ ہے کہ محبت و عداوت بھی کیفیات نفسانیہ سے ہیں۔ تو لازم یہ آیا کہ ایمان باعتبار کیف گھٹتا بڑھتا ہے اسکے ہم منکر نہیں۔

لہ ابوداؤد۔ مصنف ابن ابی شیبہ

بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ إِلَى عَدِيِّ بْنِ عَدِيٍّ أَنَّ لِلْإِيْمَانِ فَرَائِضَ وَشَرَائِعَ وَحُدُوْدًا

بن عبد العزیز نے عدی بن عدی رض کو لکھا کہ ایمان کے لئے فرائض و عقائد و حدود و سن

عمر بن عبد العزیز (۳) بن مروان بن الحکم بن العاص بن امیہ خلفائے راشدین میں سے ایک ہیں۔ جلیل القدر تابعی اپنے وقت کے امام عادل زاہد متورع ہیں۔ ان کی والدہ ام عاصم لیلیٰ بنت عاصم بن فاروق ہیں۔ ۶۱ھ میں حلوان مصر کے ایک شہر میں اسی سال پیدا ہوئے جس سال حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے یعنی ۶۱ھ میں اور ۱۰۱ھ یا ۱۰۵ھ ماہ رجب کے مہینے میں پنجشنبہ یا جمعہ کو لگ بھگ چالیس سال کی عمر میں وصال ہوا۔ ان کا لقب اشج بھی ہے۔ اشج کے معنی ہیں سر یا چہرے کے زخم والا۔ بچپن میں گھوڑے نے پیشانی پر مار دیا تھا۔ اس کا نشان رہ گیا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ میری نسل میں ایک لڑکا ہوگا جس کے چہرے پر زخم کا نشان ہوگا۔ وہ خلیفہ ہوگا۔ زمین کو عدل سے بھر دے گا۔ جیسا کہ ظلم سے بھری ہوگی۔

یہ ولید بن عبد الملک کے زمانے میں مدینہ طیبہ کے ۸۶ھ تا ۹۳ھ سات سال والی رہے۔ اسی زمانے ولید بن عبد الملک کے حکم سے مسجد نبوی کی توسیع کی۔ ازواج مطہرات کے حجروں کو مسجد میں داخل کیا۔ جب کہ روضۂ اقدس بھی اندرون مسجد آگیا۔

سلیمان بن عبد الملک نے ان کو اپنا ولیعہد بنایا تھا۔ دس صفر ۹۹ھ کو مرا۔ اس کے مرنے کے بعد خلیفہ ہوئے۔ چونکہ یہ بنی امیہ کی چیرہ دستیوں پر سخت پابندی لگائے ہوئے تھے اس لئے وہ ان کے دشمن ہو گئے تھے۔ ان کے ایک غلام کو ایک ہزار دینار کی لالچ دیکر زہر دلایا۔ اسی کے اثر سے بیس دن بیمار رہ کر دیر سمعان میں حلب کے قریب وصال فرمایا۔ وہیں دفن ہوئے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ ان کی مدت خلافت وہی تھی جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی۔ حضرت صدیق اکبر کی مدت خلافت دو سال تین مہینے دس دن تھی۔ ۱۳ ربیع الاول کو بیعت ہوئی۔ اور خلافت کے تیسرے سال ۲۰ جمادی الآخرہ کو وصال فرمایا۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ ان کی مدت خلافت دو سال پانچ مہینے دس یا پندرہ دن تھی۔

ان کے پاس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ موئے مبارک اور مقدس ناخن کے تراشے تھے۔ وصیت فرما گئے تھے کہ انھیں میرے کفن میں رکھ دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے پیچھے اس وقت نماز پڑھی جب یہ مدینے کے حاکم تھے۔ فرمایا۔ میں نے کسی کو ان سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشابہ نماز پڑھنے والا نہ دیکھا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ امت

وَسُنَنًا فَمَنِ اسْتَكْمَلَهَا اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ وَمَنْ لَمْ يَسْتَكْمِلْهَا لَمْ يَسْتَكْمِلِ الْإِيمَانَ

اور سنتیں ہیں جس نے ان سب کو پورا کیا اس نے ایمان کو کامل کر لیا اور جس نے ان کو پورا نہیں کیا اس نے اپنا ایمان کامل

فَإِنْ أَعِشْ فَسَأُبَيِّنُهَا لَكُمْ حَتَّى تَعْمَلُوا بِهَا وَإِنْ أَمُتْ فَمَا أَنَا عَلَى صُحْبَتِكُمْ بِحَرِيصٍ

نہیں کیا۔ اگر میں زندہ رہا تو تم سے ان سب کو بیان کروں گا تاکہ تم اس پر عمل کرو اور اگر میں وفات پا گیا تو مجھے تمہارے ساتھ رہنے

[illegible] امام نووی نے فرمایا کہ کثیر علماء نے بھی یہی فرمایا ہے۔ اتنے زبردست عالم تھے کہ مشہور تھا کہ اس وقت کے

[illegible] مجدد ہیں۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن جعفر اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیث سنی ہے۔ ان کے عہد میں

[illegible] کے تلامذہ ہیں۔ [illegible] دنیا خالی ہو چکی تھی جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک صدی گزرنے پر آج کا کوئی جاندار

[illegible] کرام کے وجود سے [illegible]

[illegible] رہے گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بخاری میں صرف ایک حدیث مروی ہے۔ رواۃ میں ایک اور صاحب عمر بن عبدالعزیز بن عمران

[illegible] کی حدیث نسائی نے لی ہے۔

عدی ابن عدی ابن عمیرہ ④ یہ تابعی ہیں۔ یہ اپنے باپ اور چچا عرس ابن عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ یہ دونوں صحابی

ہیں۔ اور ان سے کثیر تابعین نے روایت کی۔ امام بخاری نے فرمایا۔ یہ اہل جزیرہ کے سردار ہیں۔ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی جانب سے

جزیرہ اور موصل کے عامل تھے۔ اسی زمانے میں ان کو یہ لکھا تھا۔ ۱۲۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ صحیحین میں ان کی کوئی روایت

نہیں اور نہ ترمذی میں۔ البتہ ابوداؤد اور نسائی و ابن ماجہ میں ہے۔

[illegible] ان للایمان فرائض ⑤ شراح حدیث نے اپنے وجدان کے مطابق یہ تفسیر کی ہے کہ فرائض سے مراد اس کا معنی قطعی ہے یعنی

[illegible] جو فرض ہیں۔ جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، علم دین کی تحصیل وغیرہ وغیرہ۔ شرائع سے مراد اعتقادات ہیں۔ حدود سے مراد

[illegible] شرعیہ ہیں اور سنن سے مراد مستحبات ہیں۔ اس سے بھی امام بخاری کی غرض یہی ہے کہ اعمال جزء ایمان ہیں اور یہ گھٹتے بڑھتے ہیں

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مذہب یہی تھا۔

جواب یہ ہے کہ انھوں نے اخیر میں فرمایا۔ جس نے ان کو کامل طور پر ادا کیا اس نے ایمان کامل کر لیا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ ایمان

کامل کے اجزاء ہیں۔

[illegible] معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ⑥ انصاری خزرجی۔ فقہاء و عباد صحابہ میں بہت ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی کنیت ابو

عبدالرحمٰن ہے۔ بہت حسین و جمیل۔ شجاع سخی تھے ۱۸ سال کی عمر میں ایمان لائے۔ عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے۔ سب سے پہلے اجتہاد کی اجازت

[illegible] عبدالرحمٰن احمد عمر [illegible] کتاب الایمان میں ۔ و مصنف ابن ابی شیبہ

ت (۳) وَقَالَ مُعَاذٌ اِجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنْ سَاعَةً ؎ ۔ ت (۴) وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ

کی آرزو نہیں ۔ اور حضرت معاذ ؎ نے فرمایا ہمارے ساتھ بیٹھو تاکہ تھوڑی دیر ایمان کی باتیں کریں ؎ حضرت ابن مسعود

اَلْيَقِيْنُ الْاِيْمَانُ كُلُّهٗ ؎

؎ نے فرمایا یقین پورا ایمان ہے ؎

انھیں کو ملی۔ جب ان کو یمن کا حاکم بنا کر بھیج رہے تھے۔ تو ان سے دریافت فرمایا۔ اے معاذ فیصلہ کیسے کروگے۔ عرض کیا کتاب اللہ سے۔ فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ تو، فرمایا رسول اللہ کی سنت سے۔ فرمایا۔ اس میں بھی نہ ملے تو۔ عرض کیا کامل غور وخوض کے بعد اپنی رائے (قیاس) سے۔ فرمایا۔ اس اللہ کا شکر ہے جس نے اللہ کے رسول کے فرستادے کو خیر کی توفیق دی۔

ان سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت محبت فرماتے تھے۔ کبھی کبھی اپنے ساتھ سواری پر بھی بٹھاتے۔ ان کے بارے میں فرمایا۔ قرآن چار آدمیوں سے سیکھو۔ ابن مسعود، سالم مولی ابوحذیفہ، ابی بن کعب، معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے۔

اس کے علاوہ یہ ملکی سیاست و جنگی مہمات میں بھی صاحب رائے رکھتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم ان سے تمام مشکلات میں مشورہ لیتے۔ ایک بار حضرت فاروق اعظم نے فرمایا۔ اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ امین امت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد شام کی پوری افواج کے سپہ سالار اعظم مقرر ہوئے۔ مگر عمواس کے طاعون نے انھیں بھی نہیں چھوڑا۔ حضرت ابوعبیدہ کے چند ہی دن بعد ۱۸ھ یا ۱۷ھ میں وصال فرمایا۔ اس وقت عمر مبارک چونتیس سال کی تھی۔ ان سے ۱۵۷ احادیث مروی ہیں۔ ۲ حدیثیں بخاری ومسلم دونوں میں ہیں۔ تین صرف بخاری نے۔ ایک صرف مسلم نے روایت کی ہے۔

؎ اِجْلِسْ بِنَا ⑦ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلاشبہ مومن تھے اس لئے ان کے اس فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ آؤ تھوڑی دیر بیٹھو ایمان کی باتیں کریں۔ یا یہ مطلب ہے کہ دلائل و آیات میں غور وخوض کر کے ایمان کو اور مضبوط بنائیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ تجدید ایمان کریں جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا۔

جَدِّدُوْا اِيْمَانَكُمْ۔ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ نُجَدِّدُ اِيْمَانَنَا — اپنے ایمان کو تازہ کرتے رہو۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیسے ایمان

قَالَ اَكْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ — تازہ کریں فرمایا لا الٰہ الا اللہ پڑھکر (احمد وطبرانی)

پہلے معنی کی تائید اس تعلیق کی دوسری روایت سے ہوتی ہے جیسے ابن ابی شیبہ نے اسود بن ہلال سے روایت کیا کہ

قَالَ لِيْ مُعَاذٌ اِجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنْ سَاعَةً يَعْنِيْ نَذْكُرُ اللّٰهَ — مجھ سے معاذ نے کہا آؤ کچھ دیر بیٹھکر مومن ہولیں یعنی اللہ کا ذکر کریں

نیز اسی میں اسود بن ہلال ہی سے ہے کہ حضرت معاذ نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک سے فرمایا۔ اسکے بعد دونوں بیٹھکر اللہ

؎ مصنف ابن ابی شیبہ ؎ رستہ و ابونعیم حلیہ میں، بیہقی زہد میں۔

(ت ۵) وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِيقَةَ التَّقْوَى حَتَّى يَدَعَ مَا حَاكَ

اور حضرت ابن عمر نے فرمایا انسان تقوی کی حقیقت تک نہیں پہونچ سکتا تاوقتیکہ اس بات کو نہ چھوڑ دے

فِي الصَّدْرِ

جو دل میں کھٹکے

یاد کرتے اور اس کی حمد کرتے۔

عبداللہ ابن مسعود ⑨ ان کا نام عبداللہ ہے کنیت ابو عبدالرحمن ہے یہ سابقین اولین میں سے ہیں۔ ابتدا ہی میں حضرت عمر سے بھی پہلے ایمان لائے۔ بعض لوگوں نے کہا یہ چھٹے مسلمان ہیں۔ ان کی والدہ ام عبد بھی ایمان سے مشرف ہوئیں۔ بعض احادیث میں انکو ابن ام عبد بھی فرمایا گیا ہے۔ انھوں نے حبشہ بھی ہجرت کی اور مدینے بھی۔ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ خادم خاص۔ صاحب سر تھے حضور نعلین مبارک اتارتے تو یہ انھیں اپنی آستین میں رکھ لیتے۔ اسی لئے ان کو صاحب سر وصاحب نعلین وصاحب سواک اور صاحب وسادہ کہلاتا ہے۔ ان کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے لئے ابن ام عبد جو پسند کریں مجھے بھی پسند ہے اور جسے یہ ناپسند کریں میں بھی ناپسند کرتا ہوں۔ بہت دبلے پتلے تھے۔ قد بھی بہت مختصر تھا۔ لمبے آدمی بیٹھے ہوتے اور یہ کھڑے ہوتے تو برابر ہی رہتے۔ غزوہ بدر میں ابوجہل کا سر انھوں نے ہی تن سے جدا کیا۔ مجتہدین صحابہ کی صف اول میں ہیں فقہ حنفی کی زیادہ تر بنیاد انھیں پر ہے فقہ حنفی ہی کیا مطلق فقہ کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اسے بویا عبداللہ بن مسعود نے سینچا علقمہ نے اور کاٹا ابراہیم نخعی نے اور اسے گاہا حماد نے اور اسے پیسا ابو حنیفہ نے اور گوندھا ابو یوسف نے اور روٹی پکائی امام محمد نے ساری دنیا ان کی روٹی کھاتی ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کو کوفے کا قاضی اور بیت المال کا خازن بنایا تھا۔ ابتداء خلافت عثمانی تک اسی منصب پر رہے۔ پھر مدینہ طیبہ واپس آئے وہیں ۳۲ھ میں وصال فرمایا۔ وصال کے وقت عمر مبارک ساٹھ سے کچھ اوپر تھی۔ جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ یہ اس درجے کے صحابی ہیں کہ ان سے چاروں خلفاء راشدین اور کثیر صحابہ نے حدیث روایت کی۔ تابعین ان کے علاوہ ہیں۔ عبادلہ اربعہ میں یہ بھی ہیں۔ عبادلہ اربعہ سے مراد چار وہ علم وفضل میں ممتاز صحابہ کرام ہیں جن کے نام عبداللہ ہیں۔ جمہور کے نزدیک وہ چار حضرات یہ ہیں۔ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن العاص۔ لیکن فقہاء کے نزدیک عبادلہ اربعہ میں، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے بجائے حضرت عبداللہ بن مسعود داخل ہیں۔ اسمیں یہ تطبیق ہے کہ پہلی محدثین کی اصطلاح ہے اور دوسری فقہاء کی۔

ان سے ۲۸۹ حدیثیں مروی ہیں ۴۲ بخاری اور مسلم نے ۲۱ صرف بخاری نے ۳۵ صرف مسلم نے روایت کی ہیں۔

یہ تعلیق پوری یوں ہے۔

ف۳ اَلصَّبرُ نِصفُ الاِیمَان ○ الصبر نصف الایمان والیقین کلہ ۔ صبر آدھا ایمان ہے اور یقین پورا۔ یقین اس علم کو کہتے ہیں جس میں کسی قسم کا تردد و شک کا شائبہ نہ ہو۔ یہی ہم بھی کہتے ہیں کہ ایمان صرف یقین اور تصدیق کا نام۔

ف۵ ابن عمر ○ یہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ہیں نام عبداللہ ہے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حقیقی بھائی ہیں۔ ان کی ماں زینب بنت مظعون حضرت عثمان بن مظعون کی بہن تھیں۔ یہ اپنے والد ماجد کے ساتھ مکہ میں بچپنے میں مشرف باسلام ہوئے اپنے والد ہی کے ساتھ ہجرت کی۔ کم سنی کی وجہ سے غزوۂ بدر و غزوۂ احد میں شریک نہ ہوئے۔ جنگ احد میں شرکت کرنی چاہتے تھے مگر واپس کر دیئے گئے۔ اس کے بعد یہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ عبادلہ اربعہ میں سے ہیں بہت بڑے عابد و زاہد محتاط متقی تھے۔ حضرت جابر نے فرمایا۔ ہم میں سے ہر ایک کچھ نہ کچھ دنیا کی طرف جھکا سوائے ابن عمر اور عمر کے۔ میمون بن مہران نے کہا۔ میں نے ابن عمر سے زیادہ پرہیزگار کسی کو نہیں دیکھا۔

ہمیشہ حق پر ثابت قدم رہے کلمۂ حق کہنے میں کسی کی پرواہ نہ کرتے۔ ان بزرگوں میں سے ایک یہ بھی ہیں جنھوں نے یزید کی بیعت نہیں کی۔ حجاج ایک بار دیر تک خطبہ دیتا رہا۔ اور نماز کا وقت تنگ ہو گیا۔ فرمایا۔ اے حجاج سورج تیرا انتظار نہیں کرے گا۔ عرفات مزدلفہ وغیرہ میں جہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا۔ حجاج سے آگے بڑھ کر قیام کرتے اس وجہ سے حجاج ان سے چڑھا رہتا۔ حجاج نے ایک شخص کو انھیں شہید کرنے پر مقرر کر دیا۔ اس شخص نے نیزے کی انی زہر میں بجھالی۔ عرفات سے واپسی میں راستے میں بھیڑ کر کے یہ شخص ان سے چپک گیا۔ اور یہ زہر آلود انی ان کے قدم کی پشت میں چبھا دی اس کے صدمے سے چند دن بیمار رہ کر واصل بحق ہوئے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ذوالحجہ میں وصال ہوا۔

حجاج نے نماز جنازہ پڑھائی مکہ معظمہ کے قریب فخ میں یا ذو طوی میں مہاجرین کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

نزول وحی سے ایک سال قبل پیدا ہوئے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت کے چھ ماہ بعد ۷۳ھ میں وصال ہوا۔ ۸۴ سال کی عمر پائی۔

ان سے ۲ ہزار ۶ سو تیس حدیثیں مروی ہیں۔ ایک سو ستر امام بخاری اور مسلم دونوں نے اور اکاسی صرف بخاری نے اور امام مسلم نے اکتیس لیں۔

⑧ حدیث ارکان اسلام

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَہَادَۃِ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ

حضرت ابن عمر سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا — اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس بات کی گواہی دینی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز پڑھنا۔ زکوۃ دینا۔ حج کرنا۔ اور رمضان کا روزہ رکھنا

صحابہ میں ایک بزرگ اور عبداللہ بن عمر حرمی ہیں۔ ان سے وضو کے بارے میں ایک حدیث مروی ہے۔ بعض لوگوں نے ان کے صحابی ہونے میں کلام بھی کیا ہے۔

لا یبلغ العبد الخ ⑪ تقویٰ کے اصل معنی ہیں کسی چیز سے مکمل طور پر بچنا۔ اور شریعت میں شرک، کفر، گناہ سے بچنے کو کہتے ہیں۔ اس کے تین درجے ہیں۔ اول کفر و شرک سے بچنا۔ دوم گناہ سے بچنا۔ تیسرے شبہات سے بچنا۔ ایک چوتھا درجہ صوفیا کرام کے نزدیک ہے یعنی ماسوی اللہ سے بچنا۔

تقویٰ کے تینوں مدارج کی بنیاد خشیت خداوندی ہے اس لئے تقویٰ کے معنی خشیت خداوندی کے آتا ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں تقویٰ اس معنی میں وارد ہے۔

اِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ۝ صرف مجھی سے ڈرو۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اے لوگو! اللہ سے ڈرو۔

حاک ⑫ کے معنی کھٹکنے اور تردد کے ہیں۔ یہاں مراد وہ باتیں ہیں جن کے حلال و حرام ہونے میں تردد ہو اس کے مباح ہونے پر قلب مطمئن نہ ہو۔ اس اثر کا مطلب یہ ہوا کہ بندہ صحیح معنی میں متقی اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ایسی باتوں سے بھی نہ بچے جن کی حلت اور حرمت مشکوک ہو۔

یہی مضمون مسلم شریف کی ایک حدیث میں یوں مذکور ہے جو نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا نیکی اور برائی کیا ہے؟ فرمایا

ملہ بخاری تفسیر۔ مسلم ایمان۔ ترمذی ایمان۔ نسائی ایمان۔ مسند امام احمد۔ بیہقی۔

۹ حدیث شعب الایمان

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فر...

اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِیْ نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ یَّطَّلِعَ عَلَیْهِ النَّاسُ۔

نیکی، خوش اخلاقی ہے اور برائی ایسا کام کرنا ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تجھے یہ پسند نہ ہو کہ لوگ اِس سے باخبر ہوں۔

اسی کو عطیہ سعدی کی حدیث میں جسے امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ یوں بیان فرمایا۔

لا یکون الرجل من المتقین حتی یدع مالا باس به حذرا لما باس به۔

کوئی اس وقت تک متقی نہیں ہوگا جب تک اس کام سے بھی نہ بچے جس میں کوئی حرج نہ ہو اس سے بچنے کیلئے جس میں حرج ہے

اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو یوں بیان فرمایا۔

تمام التقوی ان تتقی اللہ حتی تترك ما یری انه حلال خشیة ان یکون حراما۔

پورا تقویٰ یہ ہے کہ تو اللہ سے ڈرے۔ یہاں تک کہ جسے مباح جانتا ہو۔ اُسے بھی نہ کرے اس اندیشے سے کہ کہیں حرام نہ ہو۔

ان سب کا حاصل یہ ہے کہ جن باتوں کی حلت وحرمت کے بارے میں شرع سے واضح نص موجود نہ ہو اور انکی حلت وحرمت کے بارے میں دلائل شرعیہ متعارض ہوں۔ اس سے بچا جائے۔ اسی بنا پر فقہ کا یہ قاعدہ مسلّم ہے کہ۔ جن چیزوں کے بارے میں علمائے اہلسنت اختلاف رائے رکھتے ہوں ان سے بچا جائے بشرطیکہ اپنے مذہب کی بنا پر کسی محظور وممنوع کا ارتکاب نہ لازم آتا ہو۔

۸ تشریحات

قوله بنی الاسلام ۱۰ صلوٰۃ کے سولہ معانی ہیں۔ قرآن وحدیث میں زیادہ تر اس کے ۵ معانی آتے ہیں۔ مطلق دُعا۔ نماز طلب رحمت کی دعا (درود) انزال رحمت۔ استغفار۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اس کا فاعل بندہ ہو۔ اور متعلق انبیاء نہ ہوں تو مطلق دعا۔ یا نماز مراد ہوگی۔ اور اگر اسکے متعلق انبیاء ہوں۔ تو طلب رحمت (درود) اور اگر اس کا فاعل اللہ ہو تو مراد انزال رحمت اور جب فرشتے ہو تو استغفار۔ یہاں نماز مراد ہے۔ اقامت صلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ پابندی کے ساتھ صحیح طریقے سے پڑھے۔

زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی وپاکی کے بھی ہیں اور اچھی طرح بڑھنے کے بھی۔ یہاں فقہی زکوٰۃ مراد ہے۔ صیام صوم کے معنی رکنے کے ہیں

یہاں مراد یہ ہے کہ عبادت کی نیت سے صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک کھانے پینے جماع سے رکا جائے۔

حج کے لغوی معنی قصد و ارادے کے ہیں۔ یہاں مراد حج فقہی ہے۔

بنی الاسلام علی خمس ○ کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر ہے۔ جیسا کہ عبدالرزاق کی روایت میں تصریح ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ پانچ ارکان پر ہے جیسا کہ مسلم میں ہے۔

صرف ان پانچ چیزوں پر اسلام کی بنیاد اس لئے قائم ہے کہ عبادت مفروضہ منحصر ہے بدنی اور مالی میں۔ اگر محض مالی ہے تو یہ زکوٰۃ ہے اور بدنی کی دو صورتیں ہیں۔ صرف قولی ہے یا صرف بدنی۔ صرف بدنی روزہ۔ صرف قولی توحید و رسالت کی شہادت۔ یا قولی بدنی دونوں ہے۔ یہ نماز ہے۔ اور مالی بدنی دونوں ہے تو حج ہے۔

اس حدیث میں حج صیام سے پہلے مذکور ہے حالانکہ روزہ ۲ھ میں اور حج ۹ھ میں فرض ہوا۔ نیز روزہ ہر عاقل بالغ پر فرض ہے اور حج صرف مالداروں پر۔ روزہ ہر سال فرض ہے اور حج عمر میں صرف ایک بار اس کا مقتضی تھا کہ صیام حج پر مقدم ہوتا۔ اور مسلم میں بطریق سعد بن عبیدہ صیام حج پر مقدم ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے کہا والحج صیام رمضان۔ تو حضرت ابن عمر نے فرمایا نہیں۔ صیام رمضان والحج۔ میں نے اس طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ نیز مسلم میں بطریق حنظلہ جو روایت ہے۔ اس میں صیام حج پر مقدم ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بخاری میں روایت بالمعنی ہے۔ اور واو چونکہ مطلق جمع کے لئے آتا ہے۔ ترتیب نہیں چاہتا اس لئے کوئی حرج نہیں۔ خود کتاب التفسیر میں امام بخاری نے جو حدیث ذکر کی ہے اس میں صیام حج پر مقدم ہے۔

یہاں ایک شبہ یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ پانچوں چیزیں اسلام کی بنیاد ہیں تو لازم آئے گا کہ ان میں سے کسی ایک کا تارک مسلمان نہ ہو۔ یہ اجماع امت کے خلاف ہے۔ اس کا جواب علامہ کرمانی نے یہ دیا۔ کہ یہاں اسلام سے مراد کمال اسلام ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک کا تارک کامل مومن نہیں۔ جیسے کسی مکان کا کوئی ستون یا کونہ گر جائے تو وہ مکان ناقص ضرور ہوگا۔ مگر مکان رہے گا۔

⑨ تشریحات

ولہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ① اپنی اس کنیت کے ساتھ اتنے مشہور ہوئے کہ نام گمنام ہوگیا۔ جتنا ان کے نام کے سلسلے میں اختلافات ہیں کسی کے نام کے بارے میں اتنا اختلاف نہیں۔ علامہ عبدالبر نے فرمایا بیس قول ہیں۔ اور علامہ نووی نے فرمایا کہ تیس سے زیادہ اقوال ہیں۔ ایک روایت ہے کہ ان کا نام جاہلیت میں عبد شمس تھا۔ اور مسلمان ہونے کے بعد

قَالَ الْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ

ایمان کے ساٹھ سے کچھ زائد شعبے

عبد الرحمن رکھا گیا۔ علامہ عینی نے فرمایا سب سے قریب تر یہ قول ہے کہ ان کا نام عبد اللہ یا عبد الرحمن تھا۔ اور باپ کا نام صخر۔ قبیلہ اوس کے فرد تھے۔ اپنی کنیت کے بارے میں خود بتایا کہ میں بکریاں چراتا تھا۔ میری ایک چھوٹی بلی تھی۔ اس سے دل بہلاتا تھا۔ تو لوگوں نے ابو ہریرہ کہنا شروع کر دیا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ اس بلی کو آستین میں رکھے رہتے۔ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھ لیا۔ فرمایا۔ اے ابو ہریرہ۔ اب یہی عام و خاص کے زبان زد ہوگیا۔ ھُرَیْرَۃ ھِرَّۃ کی تصغیر ہے۔ ھِرَّۃ کے معنی بلی ھُرَیْرَۃ کے بلیا اور ابو ہریرہ کے معنی بلیا کے باپ۔

ان کی ماں کا نام میمونہ یا امیمہ تھا۔ زمانے تک اسلام سے مشرف نہ ہوئیں۔ ابو ہریرہ کی درخواست پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ اور وہ مسلمان ہوگئیں۔

خیبر کے سال ایمان لائے۔ اصحاب صفہ کے نقیب تھے۔ ان کی دیکھ بھال تعلیم و تربیت ان کے سپرد تھی۔ مسلمان ہونے کے بعد ہمیشہ خدمت اقدس میں حاضر رہے۔

تمام غزوات میں ہم رکاب رہے۔ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ حدیثیں انہیں سے مروی ہیں۔ اجلہ صحابہ کرام ان سے حدیثیں پوچھتے۔ اور لوگوں کو ان کے پاس بھیجتے۔ خود فرمایا تم لوگ کہتے ہو۔ ابو ہریرہ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتا ہے۔ اللہ کے یہاں جانا ہے۔ میں مسکین تھا کھانے کو مل جاتا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتا۔ مہاجرین بازار میں تجارت میں رہتے انصار اپنے کام میں۔ میں ان موقعوں پر موجود رہتا کہ یہ لوگ نہ ہوتے۔ میں ان باتوں کو یاد رکھتا جو یہ لوگ یاد نہیں رکھتے۔ پہلے ان کا حافظہ اتنا قوی نہ تھا۔ ایک بار خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ضعف حافظہ کی شکایت کی فرمایا چادر پھیلا۔ انھوں نے چادر پھیلا دی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو چلو اس میں ڈالا پھر حکم دیا کہ چادر سینے لگا لو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ فرماتے ہیں۔ پھر میرا حافظہ اتنا قوی ہوگیا کہ اس کے بعد پھر کچھ نہیں بھولا۔ [1]

یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے علم کا دو برتن عطا فرمایا ہے۔ ایک تو لوگوں میں پھیلاتا ہوں۔ اگر دوسرے کو ظاہر کروں تو یہ ٹیٹا کاٹ ڈالا جائے۔ [2]

ان سے پانچ ہزار تین سو چوہتر احادیث مروی ہیں۔ تین سو پانچ امام بخاری و امام مسلم دونوں نے۔ ترانوے صرف بخاری

[1] بخاری کتاب العلم ص ۲۲ ، [2] ایضا ص ۲۳ ،

شُعْبَةً وَّالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ ۔ لہ

شعبے ہیں ۔ لہ اور حیا ۔ تہ بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے

نے اور ایک سو نوے صرف مسلم نے روایت کی ہیں۔
ان سے آٹھ سو حضرات نے روایت کی ہیں جن میں صحابی بھی ہیں اور تابعی بھی۔ اجلۂ صحابہ مثلاً حضرت ابن عمر حضرت جابر حضرت انس
حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان سے حدیث اخذ کیں۔
اللہ کے اس فضل پر یوں شکر ادا کرتے۔ یتیمی میں پلا مسکینی کی حالت میں ہجرت کی۔ بسرہ بن غزوان کا نوکر بنا۔ انھوں نے میری شادی بھی کردی۔ اس اللہ کا شکر جس نے دین کو پشت پناہ۔ اور ابوہریرہ کو امام بنادیا۔ اتنی کثرت کے ساتھ حدیثیں بیان کرنے کے باوجود روزانہ ہزار رکعت نفل پڑھتے۔ ۵۹ھ میں ۷۸ سال کی عمر پاکر مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا۔ یہ دعا مانگا کرتے اے اللہ ۶۰ھ اور چھوکروں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں۔ دعا قبول ہوئی۔ یزید پلید کے تسلط سے سال بھر پہلے واصل بحق ہوئے۔

لہ بِضْعٌ ② با کے کسرے اور فتحے کے ساتھ۔ دونوں لغت ہے۔ اہل لغت کا اس کے بارے میں سخت اختلاف ہے کہ اس کا اطلاق کتنے عدد سے لیکر کتنے تک ہوتا ہے۔ قزاز نے کہا کہ تین سے اوپر نو تک اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ابن سیدہ نے کہا تین کے اوپر دس تک۔ کسی نے کہا ایک سے نو تک۔ کسی نے کہا دو سے دس تک۔ کسی نے کہا چار سے نو تک۔ خلیل نے کہا بضع کے معنی سات ہے۔ صحیح وہی ہے جو قزاز نے کہا کہ بضع تین کے اوپر نو تک بولا جاتا ہے۔ ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، غلبہ روم والی حدیث میں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے۔

يا ابابكر البضع ما بين الثلث الى التسع اے ابوبکر بضع تین اور نو کے مابین کو کہتے ہیں۔

مسلم کی ایک روایت نیز ابوداؤد و ترمذی وغیرہ کی روایت میں بضع وسبعون ہے۔ نیز علامہ عینی نے لکھا کہ بخاری میں بھی ابوذر ہروی کے طریقہ سے یہی ہے۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ یہی صواب ہے اس کو حلیمی اور نووی نے ترجیح دی اس لئے کہ یہ ثقہ کی زیادتی ہے۔ اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔ اور اقل کی روایت میں کوئی لفظ اس کے مخالف نہیں۔ (عمدۃ القاری)

شُعْبَة ③ کے معنی ٹکڑے اور گروہ کے ہیں۔ اور درخت کی شاخ کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں ایمان سے مراد ایمان کامل اور شعبوں سے مراد وہ اعمال ہیں جو ایمان کی علامت ہیں۔ جیسا کہ انھیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے۔ ایمان کی ستر سے اوپر کچھ شاخیں ہیں۔ ان میں سب سے اعلیٰ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا پڑھنا۔ اور ادنیٰ تکلیف دہ چیز کا راستے

لہ مسلم ایمان۔ نسائی ایمان۔ ابو داؤد و ابن ماجہ۔ سنت۔ ترمذی ایمان

سے ہٹانا۔ ظاہر ہے کہ کلمہ طیبہ کا پڑھنا اور موذی چیزوں کا راستے سے ہٹانا اصل ایمان نہیں، ایمان کی علامت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہیں یکجائی طور پر ان تمام شعبوں کو بیان نہیں فرمایا۔ اعلیٰ اور ادنیٰ کو بیان فرمایا۔ بقیہ کو مبہم رکھا، وہ کیا کیا ہیں۔ شراح حدیث نے بڑی جد وجہد کرکے یہ گنتی پوری کی ہے۔ لیکن اسلم طریقہ یہ ہے کہ اس کی کوشش نہ کی جائے تو اچھا ہے۔ اولاً تو حدیث میں تعیین عدد نہیں۔ ستر سے اوپر کتنے شعبے ہیں، مذکور نہیں۔ ثانیاً احتمال ہے کہ یہ مبالغہ کے لئے ہو۔ اس لئے اجمالی طور پر ایمان رکھا جائے کہ ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں۔ جیسے انبیاء کرام و ملائکہ پر اجمالی ایمان ہے کہ سب برحق ہیں۔ تعداد کتنی ہے، کسے معلوم؟

اور حق تو یہ ہے کہ پورا دین اور دین کے سارے اصول و فروع سارے فرائض و واجبات، مستحبات سب ہر ہر فرد ایمان کے شعبے ہیں۔

الحیاء (۴) حیاء کو اردو میں شرم کہتے ہیں۔ حیاء کے لغوی معنی ہیں عیب لگائے جانے کے اندیشے سے جھینپنا۔ شریعت میں حیاء کے معنی۔ انسان کا وہ وصف جو اسے برائی سے بچنے پر ابھارے اور اہل حقوق کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی سے روکے۔ اسی قدرے تفصیل ترمذی کی اس حدیث میں ہے:۔

الاستحیاء من اللہ حق الحیاء ان تحفظ الراس وما وعیٰ والبطن وما حوی وتذکر الموت والبلیٰ — اللہ عز وجل سے کماحقہ حیاء کرنے کے معنی یہ ہیں کہ سر اور سر میں جتنے اعضاء ہیں ان کی اور پیٹ کی اور پیٹ جن اعضاء کو گھیرے ہے ان کی برائیوں سے حفاظت کرے اور موت اور مٹی میں ملنے کو یاد کرے۔

یہاں ایک شبہہ یہ ہے کہ حیاء انسان کو کبھی حق کہنے سے امر بالمعروف نہی عن المنکر سے، کبھی بعض مسائل شرعیہ کی دریافت سے روک دیتی ہے۔ پھر یہ ایمان کا شعبہ کیسے ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ یہاں حیاء کے شرعی معنی مراد ہیں۔ اور حیاء شرعی کبھی ان چیزوں سے نہیں روکے گی۔ بلکہ اس پر ابھارے گی۔ اس لئے کہ عندالضرورت حق بات نہ کہنا امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہ کرنا۔ جو حکم شرعی نہ معلوم ہو اس کو پوچھنا واجب ہے۔ اسے جاننے کی کوشش نہ کرنا شرعاً قبیح وگناہ ہے۔ جو حیاء ان چیزوں سے روکے وہ شرعی حیاء نہیں عرف میں اسے حیاء کہتے ہیں وہ مراد نہیں۔

اسی سے یہ شبہہ بھی دور ہوگیا کہ حیاء فطری ہوتی ہے، پیدائشی طور پر آدمی میں پائی جاتی ہے۔ پھر یہ ایمان کی شاخ کیسے؟ جواب ظاہر ہے کہ، جب یہاں شرعی حیاء مراد ہے اور شرعی حیاء کے حصول میں کچھ کوشش اور کسب کو بھی دخل ضرور ہے۔

(۱۰) حدیث مَن سَلِمَ المُسلِمُون

عَن عَبدِ اللّٰہِ بنِ عَمرٍو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنہُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

عَلَیہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلمُسلِمُ مَن سَلِمَ المُسلِمُونَ

فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت

وله عبداللہ بن عمرو بن العاص (۱) رضی اللہ تعالیٰ عنہما سہمی قرشی صحابی ابن صحابی ہیں۔ ان کے والد حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور و معروف صحابی ہیں۔ یہ اپنے باپ سے پہلے ایمان لائے۔ ان کے والد ان سے بارہ یا گیارہ سال بڑے تھے۔ عبادلہ اربعہ میں ان کا بھی نام ہے بلکہ یہ ان چھ صحابہ میں سے ایک ہیں جن سے بہت زیادہ حدیثیں مروی ہیں بہت زیادہ عابد و زاہد شب زندہ دار بزرگ تھے۔ راتوں کو خلوت میں روتے روتے پلکیں خراب ہو گئی تھیں۔ غالباً اسی کے اثر سے اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے اس کے باوجود بہت پائے کے عالم بھی تھے۔ انھیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیثیں لکھنے کی اجازت دیدی تھی۔ اس لئے ان کے پاس تمام صحابہ کرام سے زیادہ احادیث کا خزانہ تھا۔ اگرچہ روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے بڑھ گئے ہیں۔ ان کی لکھی ہوئی حدیثوں کی تعداد جات ہوئے۔ بخاری اور مسلم کے علاوہ حدیث کی کتابوں میں ایک مشہور سند ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ۔ یہ آپ ہی کے سلسلے کی ایک سند ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ عبداللہ بن

اس سند میں ایک ابہام ہے۔ اگر ابیہ وجدہ دونوں ضمیروں کا مرجع عمرو کو مانا جائے تو مطلب یہ ہوا۔ عمرو نے اپنے باپ شعیب سے اور شعیب نے عمرو کے دادا یعنی محمد سے روایت کی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تو نقص یہ لازم آئے کہ محمد کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اور نہ زمانہ پایا۔ تو حدیث مرسل ہو گئی۔ اور اگر عن ابیہ عن جدہ میں ابیہ کی ضمیر عمرو کی طرف اور جدہ کی ضمیر شعیب کی طرف راجع مانی جائے تو یہ مطلب ہوا۔ کہ عمرو نے اپنے باپ شعیب سے اور شعیب نے اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا تو حدیث منقطع ہے۔ اس لئے کہ شعیب کی اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اسی نقص کی وجہ سے امام بخاری اور امام مسلم نے عمرو بن شعیب کی کوئی حدیث صحیحین میں نہیں لی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ شعیب کی ان کے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملاقات ہوئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سات سو حدیثیں مروی ہیں، سترہ پر شیخین بخاری و مسلم متفق ہیں۔

مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ ؎

ہے اور مہاجر وہ ہے جو ان باتوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے

بخاری نے اور یہیں مسلم نے تنہا لی ہیں۔ کے یا طائف یا مصر میں بماہ ذو الحجہ، سن ترسٹھ یا پینسٹھ یا سرسٹھ یا بہتر یا تہتر میں بعمر
کی عمر پاکر وصال فرمایا۔ صحابہ میں عمرو نام کے اٹھارہ حضرات ہیں

اسلام کے ارکان بیان کرنے کے بعد وہ حدیث ذکر کی جس میں اجمالی طور پر یہ مذکور ہے کہ ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں
اس کے بعد اب ان احادیث کو تحریر کر رہے ہیں جن میں ان شعبوں کا فرداً فرداً تذکرہ ہے۔

المسلم سے مراد ② مسلمان کامل ہے۔ اس لئے کہ سیبویہ نے تصریح کی ہے کہ جب جنس مطلق بولتے ہیں تو اس سے مراد فرد
کامل ہوتا ہے جیسے بولتے ہیں الرجل زید، مرد تو زید ہے۔ ابن جنی نے کہا کہ عرب کا طریقہ ہے کہ جب کسی کی مدح کرنا چاہتے ہیں تو اس پر
اسم جنس کا اطلاق کرتے ہیں جیسے کعبے کو البیت کہتے ہیں اسی طرح ذم بھی۔

یہاں ید (ہاتھ) سے بطور عموم مجاز۔ ظاہری اور باطنی دونوں مراد ہیں۔ باطنی سے مراد، قوت و قبضہ و غلبہ و تصرف ہے۔ زبان
اور ہاتھ کی تخصیص اس لئے کی کہ زیادہ ایذائیں انھیں سے دی جاتی ہیں۔ زبان کو مقدم اس لئے کیا کہ زبان کی ایذا رسانی بہ نسبت ہاتھ
کے زیادہ ہے۔ ہاتھ سے صرف موجودین کو ایذا پہونچائی جاسکتی ہے۔ مگر زبان سے حاضر غائب، زندہ مردہ سبھی کو ایذا دی جاسکتی ہے۔ نیز
زبان کی ایذا بہ نسبت ہاتھ کے زیادہ اذیت ناک ہوتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے، حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے فرمایا۔ مشرکین کی ہجو کرو۔ یہ انھیں تیر سے زیادہ سخت ہے۔ اسی کو کسی شاعر نے کہا ہے

جراحات السنان لها التيام ولا يلتام ما جرح اللسان

(ترجمہ) نیزے کے زخم اچھے ہو جاتے ہیں لیکن زبان کا زخم نہیں اچھا ہوتا

ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ہاتھ سے لکھ کر کسی غائب کو ایذا پہنچائی جائے۔ مگر زبان کی برابری تحریر کہاں کرسکتی ہے

مہاجر ③ مہاجر کے شرعی معنی، مراد ہیں۔ یعنی وہ جس نے دین بچانے کے لئے اپنا وطن چھوڑا۔ اور ہجر سے اس کا لغوی
معنی مراد ہے یعنی چھوڑنا۔ اب یہ خطاب یا تو مہاجرین سے ہے کہ صرف ہجرت پر بھروسہ نہ کر لینا۔ دیگر مامورات و منہیات سے غافل مت
ہوجانا۔ مہاجر کامل وہ ہے جو تمام منہیات شرعیہ سے دور رہے یا جب فتح مکہ کے بعد ہجرت بند کر دی گئی۔ تو ایک فطری بات ہے کہ فتح
مکہ کے بعد ایمان لانے والے جب ہجرت کے فضائل سنتے ہوں گے تو ان کے دل میں حسرت پیدا ہوئی ہوگی۔ کاش کہ ہم لوگ بھی فتح مکہ
سے پہلے مسلمان ہوئے ہوتے اور ہجرت کرلئے ہوتے۔ ! رحمت عالم نے ان کے زخم پر مرہم رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

؎ بخاری رقاق۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی

حدیث ای الاسلام افضل ⑪

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

پا کر اگرچہ مدینہ طیبہ کی جانب وہ مخصوص ہجرت جو عہد نبوی میں تھی اب نہیں مگر زمانے کے انقلاب سے ہجرت قیامت تک جاری رہے گی۔ قیامت تک کے تمام مہاجرین کو ہدایت فرمائی کہ تم نے دین بچانے کے لئے ہجرت کی ہے تو اس کا پاس کرتے رہنا اور تمام منہیات شرعیہ سے بچتے رہنا۔ یا مراد یہ ہے کہ جو مسلمان بھی منہیات شرعیہ سے بچتا رہے گا وہ ایک مہاجر سے کم نہیں

یہ حدیث بھی جوامع الکلم سے ہے ③ یہ حدیث بھی ان جوامع الکلم میں سے ہے جنھیں محدثین نے اہم الاحادیث میں شمار کیا ہے۔ غور کیجئے چند الفاظ ہیں مگر ان میں معانی کے سمندر موجزن ہیں۔ پہلا حصہ بندوں کی تمام حق تلفیوں سے بچنے اور تمام حقوق کی ادائگی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور دوسرا حصہ حقوق اللہ کی بجا آوری میں ہر قسم کی کوتاہی پر قدغن لگا رہا ہے۔ اب ذرا غور کرنے پر اس کی شرح میں ہر ذی علم دفتر پر دفتر تیار کر سکتا ہے۔ اگر مسلمان ان دونوں حصوں پر عمل پیرا ہو جائیں تو ہمارا سماج امن کا گہوارہ بن جائے اور انسان کا بھی ظاہر و باطن کندن ہو جائے۔

تشریحات ⑪

ف ابو موسیٰ اشعری ① رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان کا نام عبد اللہ ہے۔ یمن کے باشندے اور قبیلہ اشعر کے فرد ہیں۔ قبل ہجرت مکے میں حاضر ہو کر ایمان لائے اور حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ وہاں سے غزوۂ خیبر کے موقع پر واپس آکر مدینہ طیبہ میں رہائش اختیار کی۔ یہ صحابۂ کرام میں زبردست عالم اور مفتی تھے۔ حکمرانی اور سیاست کا خاص ملکہ تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو زبید عدن سواحل یمن کا حاکم بنایا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بصرہ اور کوفہ کا گورنر بنایا۔ فارس کا مشہور شہر اہواز انھوں نے فتح فرمایا۔ شام کے جہاد میں شریک ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معتمد خاص تھے۔ اخیر عمر میں مکہ کی سکونت اختیار کر لی تھی۔ ذی الحجہ ۴۲ھ/۴۴ھ میں یا ۵۲ھ میں تریسٹھ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔

ان سے تین سو احادیث مروی ہیں۔ پچاس پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔ تنہا بخاری نے چار اور تنہا مسلم نے پندرہ حدیثیں روایت کی ہیں۔ صحابۂ کرام میں حضرت انس اور طارق بن شہاب نے ان سے حدیث لی۔ صحابۂ کرام میں ابو موسیٰ نام کے چار حضرات ہیں ایک یہ۔ دوسرے ابو موسیٰ انصاری۔ تیسرے غافقی۔ چوتھے الحکمی۔ رواۃ حدیث میں ابو موسیٰ نام کے بہت ہیں۔ ابو داؤد میں دو

قَالَ. قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ. قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ
صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کون سا سلمان افضل ہے. فرمایا جس کے ہاتھ اور زبان سے

مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ
مسلمان سلامت رہے

اور بقیہ نسائی میں ہیں۔

سائل کون تھا (۲) اس حدیث میں قائل کا نام نہیں۔ مگر اسی سند کے ساتھ مسلم میں یہ ہے کہ "قلنا" اور ابن مندہ میں "قلت" ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ سوال کرنے والے ابو موسیٰ اشعری اور ان کے رفقاء تھے۔ سب کی طرف سے انھوں نے سوال کیا جب کسی بات کے پوچھنے پر چند اشخاص راضی ہوں اور ان میں سے کوئی ایک شخص سوال کرے تو یہ سب کا سوال ہوتا ہے۔ اس صورت میں اسکی تعبیر تینوں درست ہے۔ خواہ یوں کہیں میں نے پوچھا۔ خواہ یوں کہیں ہم لوگوں نے پوچھا۔ خواہ یوں کہیں لوگوں نے پوچھا۔

اَیُّ الْاِسْلَامِ (۳) اَیُّ ہمیشہ ایسی چیزوں پر داخل ہوتا ہے جو متعدد ہوں۔ اور اسلام ایک ہی چیز ہے اس میں تعدد نہیں اس لئے شراح نے تاویل کی۔ کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ یعنی اصحاب۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ ای اصحاب الاسلام افضل۔ کون مسلمان افضل ہے۔ اس کی تائید مسلم شریف کی حدیث سے ہوتی ہے جس میں "ای الاسلام" کے بجائے ای المسلمین ہے یا اعمال محذوف ہے یعنی "ای اعمال الاسلام" ہے۔ اس تقدیر پر یہ جواب علی اسلوب الحکیم ہے۔ سائلین نے پوچھا کہ کونسا اسلام کا عمل افضل۔ جواب دیا وہ مسلمان جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہے۔ جواب سے یہ اشارہ فرمایا کہ تم کو یہ پوچھنا چاہئے کون مسلمان افضل ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ۔ لوگوں نے پوچھا یہ تھا کہ چاند کیوں چھوٹا بڑا ہوتا ہے۔ کیوں ڈوبتا نکلتا ہے۔ اس کا سبب کیا ہے۔ جواب یہ دیا گیا۔ کہ اس سے لوگوں کو مہینے کی گنتی معلوم ہوتی ہے اور حج کا وقت۔ مطلب یہ ہوا کہ تمہیں پوچھنا یہ چاہئے کہ اس سے فائدہ کیا ہے یہ مت پوچھو کیوں ایسا ہوتا ہے۔

تشریحات (۱۲)

سائل کون ہے[1] (۱) تحقیقی طور پر ان کا نام نہیں معلوم ہو سکا[آئندہ ص]۔ بعض لوگوں نے کہا یہ سائل حضرت ابو ذر غفاری ہیں ابن حبان کی ایک حدیث سے شبہ ہے کہ ہانی بن عروہ شریح کے والد نے اس کے ہم معنی سوال کیا تھا۔ ان کو اسی قسم کا جواب ملا تھا

[1] مسلم ونسائی کتاب الایمان۔ ترمذی کتاب الزہد

(۱۲) حدیث ای الاسلام خیر

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ

سوال کیا اسلام کا کون سا عمل بہتر ہے فرمایا کھانا کھلانا اور ہر مسلمان کو سلام کرنا خواہ اسے پہچانو یا نہ پہچانو

ہوسکتا ہے کہ دہی یہاں بھی مراد ہوں۔ چونکہ روایت بالمعنی جائز ہے اس لئے الفاظ بدل گئے۔

ای الاسلام خیر (۲) یہاں ای کے بعد اعمال مضاف محذوف ہے۔ اب سوال یہ ہوا کہ اسلام کا کون سا عمل بہتر ہے۔ پہلی حدیث میں افضل ہے اور اس میں خیر ہے۔ یہ دونوں ہی اسم تفضیل ہیں۔ مگر افضل کا مادہ فضل ہے جو قلت کا مقابل ہے۔ اس لئے افضل سے مراد کثرت ثواب ہے اور خیر کا مادہ خیر ہے جو نفع کے معنی میں، شر کا مقابل ہے۔ اب پہلی حدیث کا مطلب یہ ہوا کون سا عمل زیادہ ثواب والا ہے۔ اور اس حدیث کے سوال کا مطلب ہوا اسلام کے کس عمل میں زیادہ نفع ہے۔

کھانا کھلانا (۳) تطعم دو مفعول چاہتا ہے۔ مفعول اول کا حذف عموم کے لئے ہے۔ یعنی سب مخلوق کو کھانا کھلاؤ خواہ وہ مالدار ہو خواہ وہ غریب ہو خواہ وہ ستا شاہو خواہ غیر ستا شاہو، انسان ہو یا حیوان سب کو کھلاؤ۔

سلام کرنا (۴) عادت یہ ہے کہ انسان عموماً انھیں کو سلام کرتا ہے جنھیں پہچانتا ہے۔ لوگ اجنبی کو سلام نہیں کرتے۔ اس پر تنبیہ فرمائی کہ ہر مسلمان کو سلام کرو خواہ اسے پہچانتے ہو خواہ نہ پہچانتے ہو۔

کسے سلام کرنا چاہئے البتہ غیر مسلم کو سلام کرنا جائز نہیں۔ حدیث میں ہے

ولا تبدأوا الیہود والنصاری بالسلام — یہود و نصاریٰ کو سلام نہ کرو۔

یہود و نصاریٰ کے حکم میں تمام غیر مسلم ہیں۔ اور وہ مذہب جنکی بدمذہبی حد کفر تک پہونچی ہو مثلاً قادیانی رافضی وہابی دیوبندی غیر مقلد مودودی نیچری وغیرہ۔ اسی طرح ان بدمذہبوں کو بھی سلام کرنا جائز نہیں جو گمراہ ہیں۔ اگرچہ ان کی گمراہی حد کفر تک نہ پہونچی ہو جیسے تفضیلی۔ حدیث میں ہے۔

لا تجالسوا اهل القدر ولا تفاتحوهم — تقدیر کے منکرین کے ساتھ نہ بیٹھو اور نہ انھیں سلام کرو (ابوداؤد)

لہ بخاری، استیذان، مسلم ایمان، ابوداؤد ادب، ابن ماجہ اطعمہ، مسند امام احمد ابن حنبل۔

بلکہ بد مذہبوں کے سلام کا جواب بھی دینا جائز نہیں۔ ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ نافع سے راوی کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں آیا اور عرض کیا فلاں آپ کو سلام کہتا ہے۔ فرمایا: میں نے سنا ہے وہ بد مذہب قدریہ ہو گیا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو میرا سلام اس سے مت کہنا۔ اس کے تحت مرقات میں ہے

فانہ ببدعتہ لا یستحق جواب السلام وان کان من اہل الاسلام — بدمذہبی کی وجہ سے وہ سلام کے جواب کا مستحق نہ رہا اگرچہ اہل اسلام میں سے ہے۔

اسی طرح فاسق معلن کو بھی سلام کرنا منع ہے۔ درمختار میں ہے۔

یکرہ السلام علی الفاسق لو معلنا — فاسق معلن کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

غیر اسلامی سلام آپس میں یا غیروں کو وہ سلام ہرگز نہ کرے جو غیر اسلامی ہو۔ رام رام ہے رام جی کی، نمستے۔ اس لئے کہ یہ مذہبی شعار ہے۔ کوئی اگر کسی کو کہے السلام علیکم تو ہر شخص جان جاتا ہے کہ یہ مسلمان ہے۔ اور اگر کوئی جے رام جی کی نمستے کہے تو سب کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ہندو ہے۔

اسی طرح گڈ مارننگ، گڈ نائٹ وغیرہ نہ کہے۔ حدیث میں ہے۔

لیس منا من تشبہ بغیرنا لا تشبہوا بالیہود ولا بالنصاریٰ فان تسلیم الیہود الاشارۃ بالید وتسلیم النصاریٰ الاشارۃ بالکف — ہم میں سے وہ نہیں جو غیروں کا شعار اختیار کرے۔ یہود و نصاریٰ کا شعار نہ اختیار کرو۔ یہود کا سلام ہاتھ سے اشارہ اور نصاریٰ کا سلام ہتھیلی سے اشارہ کرنا

یعنی یہود و نصاریٰ کچھ بولتے نہیں، صرف ہاتھ یا ہتھیلی سے اشارہ کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں میں بھی یہ عادت ہو گئی ہے کہ سلام کے وقت اشارہ کرتے ہیں۔ اگرچہ زبان سے بھی کہتے ہیں۔ مگر السلام علیکم ہی کہنا کافی ہے۔ ہاتھ سے اشارہ نہ کرے

کون عمل افضل ہے (۵) پہلی حدیث میں مسلمان کو زبان اور ہاتھ سے محفوظ رکھنے اور منہیات کے ترک کو افضل الاسلام فرمایا۔ اس حدیث میں کھانا کھلانے اور سلام کرنے کو خیر الاسلام فرمایا۔ اس سے ظاہر کہ نہ اُس حدیث میں حصر مقصود ہے نہ اس حدیث میں۔ بلکہ سائلین اور وقت کے لحاظ سے جس کی ضرورت زائد تھی اس کو بیان فرمایا۔ جب پہلی حدیث کے سائلین یا حاضرین میں ان دو باتوں کی ضرورت تھی تو اسے بیان فرمایا۔ اور اس حدیث کے سائلین یا حاضرین میں یہ کمی دیکھی تو انہیں بیان فرمایا۔ اس میں ایک دقیق اشارہ اس بات کی جانب ہے۔ کہ اگرچہ بعض اعمال بعض سے فی نفسہ افضل ہیں۔ مگر کبھی خاص وجہ سے کوئی خاص عمل افضل اور بہتر ہو جاتا ہے۔ اسی سے ان تمام احادیث میں تطبیق ہو گئی کہ کسی میں جہاد کو افضل الاعمال بتایا کسی میں کلمہ طیبہ کے پڑھنے کو وغیرہ وغیرہ۔

(۱۳) حدیث حُبّ مؤمن

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

مثلاً کسی عالم سے پوچھے کہ کس صدقہ نافلہ میں زیادہ ثواب ہے تو یہ جواب دے گا کہ دینی مدرس کی امداد۔ لیکن اسی عالم سے پوچھے کسی کے پاس پانچ روپے ہیں اس کا کوئی پڑوسی بھوکوں مر رہا ہے تو اب کس میں ثواب زیادہ ہے تو یہی عالم جواب دے گا کہ اس بھوکے مسلمان پڑوسی کی جان بچانے میں۔

حدیث زیر بحث کے بارے میں ایک نظریہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں تشریف لاتے ہی فرمایا تھا۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ میں نے جب سُنا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف لا چکے ہیں تو میں حاضر ہوا۔ میں نے جب بغور روئے انور دیکھا تو کہہ اٹھا کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔ پہلا ارشاد جو سنا۔ یہ تھا۔

اَیُّھَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ — اے لوگو! اسلام پھیلاؤ۔ کھانا کھلاؤ۔ رات میں جب وَصَلُّوا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ بِسَلَامٍ — لوگ سوتے ہوں نماز پڑھو سلامتی کے ساتھ جنت میں چلے جاؤ

ظاہر ہے کہ ایسے وقت جب کہ سے لٹے پٹے خانماں برباد مہاجرین مدینہ طیبہ آرہے ہیں۔ ان کی کوئی یہاں سناشائی نہیں۔ اجنبی ہیں۔ اس کی ضرورت تھی کہ ان کو اپنا یا جائے ان کو بھوکا نہ رہنے دیا جائے۔ خود جنگ بُعاث کی وجہ سے انصار میں کافی تناؤ تھا۔ اس وقت افشار سلام، اطعام طعام کی حاجت شدید تھی۔ لوگ نماز کے عادی نہ تھے وہ بھی تہجد سے اس وقت واقف بھی نہ ہوں گے۔ انھیں رجوع الی اللہ کے لئے نماز کی کتنی شدید ضرورت تھی اس لئے ان تین چیزوں کو اس موقع پر خصوصیت سے بیان فرمایا پھر سلام وطعام ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی افادیت سے کسی عاقل کو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ دونوں چیزیں آپس میں محبت یگانگت پیدا کرنے کے لئے مجرب تیر بہدف عمل ہیں۔

تشریحات (۱۳)

انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ (۱) نجاری خزرجی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ ان کی والدہ مشہور صحابیہ ام سلیم رضی اللہ تعالٰی عنہا ہیں یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خادم خاص ہیں۔ دس سال تک خدمت اقدس میں حاضر رہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت انس دس سال کے تھے۔ ان کی والدہ نے خدمت میں لاکر پیش کر دیا۔ پھر وصال کے

قَالَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ[۱]

تم میں سے کوئی مومن نہیں جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے

بعد ہی ساتھ چھوڑا۔ غزوۂ بدر جیسے خطرناک موقع پر بھی ساتھ ساتھ تھے مگر لڑنے کے لائق نہ تھے۔ کسی نے ان سے پوچھا، غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ فرمایا، میں کہاں رہتا ساتھ ہی تھا۔ خدمت کرتا تھا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابو حمزہ رکھی۔ حمزہ ایک ساگ ہے جسے فارسی میں ترہ تیزک اور اردو میں چنسر کہتے ہیں۔ عربی میں اس کا دوسرا نام بقلہ جبیر ہے۔ جو انھیں مرغوب تھا یہ چن چن کر لایا کرتے۔ ایک دفعہ ذو الاولاد تھی کی ایک بار کنواں کھدوایا پانی کھاری تھا۔ خدمت اقدس میں عرض کیا۔ سرکار تشریف لے گئے۔ اس کنوئیں میں لعاب دہن ڈالا اس کنوئیں کا پانی مدینے کے تمام کنوؤں سے زیادہ میٹھا ہو گیا۔ ان سے بے پناہ محبت فرماتے۔ احادیث میں بڑے دلچسپ قصے مذکور ہیں ایک دفعہ ام سلیم حاضر ہوئیں۔ عرض کیا یا رسول اللہ! یہ انس آپ کا خادم ہے اس کے لئے دعا فرمائیں۔ یہ دعا کی۔ اے اللہ اس کے مال اس کی اولاد میں برکت دے۔ اس کی عمر دراز فرما۔ اسے بخش دے۔ اس دعا کی برکت یہ ہوئی کہ فرماتے ہیں میں نے اپنی صلبی اولاد دو کم دو سو کو اپنے ہاتھ سے دفن کیا ہے۔ حضرت ان کی اتنی بلکہ اس سے بھی زائد اولاد ہوئی جن میں دو بیٹیاں بقیہ سب بیٹے۔ ان کا باغ ہر سال دو بار پھل دیتا۔ ایک پھول کا درخت تھا جس سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ سو سال سے زائد عمر پائی۔ خود فرماتے ہیں کہ زندگی سے اکتا گیا ہوں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ آٹھ غزوات میں جنگ کی۔ وصال کے بعد زمانے تک جہاد کرتے رہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بصرہ آئے تاکہ یہاں کے لوگوں کو دین کی تعلیم دیں۔ بصرہ کے ساکن صحابہ کرام میں سب کے بعد ان کا وصال ہوا محمد بن سیرین نے غسل دیا ۹۳ھ میں واصل بحق ہوئے۔ بصرہ کے قریب اپنے محل میں جو طف میں تھا دفن ہوئے

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا موئے مبارک پاس تھا وصیت فرما گئے تھے کہ اسے میری زبان کے نیچے رکھ دینا۔ ایسا ہی کیا گیا۔ ان سے دو ہزار دو سو چھیاسی حدیثیں مروی۔ ایک سو اڑسٹھ متفق علیہ ہیں اور تراسی افراد بخاری سے اور اکانوے افراد مسلم سے ہیں۔ اس پائے کے صحابی ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ جیسے کنز الاحادیث نے بھی ان سے حدیث اخذ کی ہے۔

مومن کامل
(۲) اس حدیث میں ایمان سے مراد ایمان کامل ہے۔ محبت کسی کی طرف دل کے میلان کو کہتے ہیں۔ یہاں محبت سے مراد پسندیدگی ہے مراد یہ ہے کہ کامل مومن وہی ہے جو اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

[۱] مسلم ایمان، ابن ماجہ مقدمہ، دارمی رقاق، نسائی ایمان، ترمذی، مسند امام احمد۔

⑭ حدیث حب رسول

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے

قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ

قبضہ قدرت میں میری جان ہے

اس کو لازم ہے کہ جو بات اپنے لئے ناگوار جانے وہ دوسروں کے لئے بھی ناپسند کرے۔ یعنی آدمی یہ چاہتا ہے کہ ہم آرام، اعزاز کے ساتھ خوش و خرم رہیں۔ کوئی ہماری توہین و تذلیل نہ کرے کوئی ہمیں ایذا نہ پہنچائے۔ کوئی ہمارا حق غصب نہ کرے اسی طرح یہ بھی چاہے کہ میرا بھائی اعزاز و اکرام کے ساتھ خوش و خرم رہے۔ نہ اس کی توہین و تذلیل ہو نہ اس کا حق غصب کیا جائے اس سے بطور لزوم یہ بھی سمجھ میں آیا کہ ہر شخص اگر اس کا عادی ہو جائے تو معاشرہ صاف ستھرا رہے گا اور زندگی چین و اطمینان سے گذرے گی۔ ظاہر ہے کہ لڑائی جھگڑا کی بنیاد یہی ہوتی ہے کہ انسان تنگدلی سے یہ چاہنے لگتا ہے کہ سب کچھ ہمیں میسر ہو دوسرے محروم رہیں۔ اس حدیث میں تواضع مروت، امداد باہمی ایک دوسرے کے کام آنے اور دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی بلیغ ترین ترغیب ہے۔ حسد کینہ عداوت، بغض ایذا رسانی حق تلفی تفوق ترفع تحقیر و تذلیل سے دور رہنے کی انتہائی دلنشین پیرائے میں تلقین ہے۔ اسی لئے علما نے اس حدیث کو بھی جوامع الکلم او امہات الاحادیث میں سے شمار فرمایا ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

تشریحات ⑭ و ⑮

قسم کا فائدہ اور متشابہات کا حکم ① یہ قسم صرف بعد میں مذکور شئ کی اہمیت بتانے کے لئے ہے۔ اللہ عز وجل پر ''ید'' کا اطلاق متشابہات سے ہے۔ متشابہات میں تین مذہب ہیں۔ اس کی کوئی تاویل نہ کی جائے۔ یہ مذہب اسلم ہے۔ تاویل کی جائے مگر ایسی جو محکمات کے معارض نہ ہو۔ مطابق ہو۔ یہ مذہب سالم ہے۔ اور متاخرین کا یہی طریقہ ہے۔ ایسی تاویل کی جائے جو محکمات کے معارض ہو یہ زائغین کا مذہب ہے جیسا کہ مجسمہ کرتے ہیں۔ یہ حرام و گناہ بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے۔ اس اختلاف مذاہب کی بنیاد یہ آیہ کریمہ ہے:۔

اَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کے پیچھے پڑتے میں گمراہی

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ[1]

تم میں سے کوئی مومن نہیں جب تک میں اس کے نزدیک باپ اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

⑮ حدیث حب رسول

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ[2]

تم میں سے کوئی مومن نہیں جب تک کہ میں اس کے نزدیک اسکے باپ اور اسکی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اِبْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا (آل عمران پ ۳)

اور تاویل ڈھونڈنے کے لئے۔ اور ان کا صحیح معنی اللہ ہی جانتا ہے اور پختہ علم والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔

اس آیت میں اگر "اِلَّا اللّٰهُ" پر وقف کیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ متشابہات کے معنی سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور اگر "اللہ" کو معطوف علیہ اور "الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ" کو معطوف مانا جائے تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ متشابہات کے معنی اللہ اور پختہ علم والے جانتے ہیں۔ اب اس سے مستفاد ہوا کہ پختہ علم والے بھی متشابہات کے معنی جانتے ہیں۔ یہی مذہب سالم ہے۔ اور پہلے والا اسلم ہے۔

متشابہات کے معنی حضور جانتے ہیں ② اس سلسلے میں ایک بحث یہاں یہ پیدا ہوتی ہے کہ متشابہات کے معنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتے ہیں یا نہیں۔ صحیح یہی ہے کہ جانتے ہیں۔ ورنہ خطاب لغو ہو جائے گا۔ لازم آئے گا کہ اللہ عز وجل نے رسول سے خطاب ایسا کیا جو رسول سمجھ نہ پائے۔ اب پہلی تفسیر کی بنا پر حصر اضافی ہوگا۔ یعنی حصر امتی کے اعتبار سے ہے۔ یا حصر حقیقی ہے اور مراد علم ذاتی ہے رہ گیا علم عطائی وہ بعطاء الٰہی دوسروں کو بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اب مذہب اسلم و سالم کی تقسیم دو قوع کے اعتبار سے ہوگی۔

مذہب سالم پر یہاں "ید" سے مراد قدرت و اختیار ہے۔ ید بمعنی قدرت و اختیار عرب میں شائع و ذائع ہے۔ جیسے ہاتھ ہمارے عرف میں عام طور پر بولتے ہیں یہ بات ہمارے ہاتھ میں ہے۔ یعنی اختیار میں ہے۔ اب اس جملے کا مطلب یہ ہوا کہ قسم

[1] [2] یہ دونوں حدیثیں مسلم اور نسائی ایمان میں بھی ہیں۔

اس ذات کی جس کے اختیار میں میری جان ہے۔

محبت کے اسباب و اغراض

(۳) احب، محبۃ سے اسم تفضیل ہے۔ محبت کسی کی جانب دل کے میلان، جھکاؤ کو کہتے ہیں شارح حدیث نے فرمایا۔ محبت کی دو قسمیں ہیں۔ طبعی اور جبلی جس میں آدمی کو اختیار نہیں ہوتا۔ وہ مراد نہیں اس لئے کہ حدیث میں محبت کو ایمان فرمایا۔ اور ایمان اختیاری شی ہے۔ دوسرے عقلی کہ انسان اسے اپنی عقل کے تقاضے سے اختیار کرتا ہے۔ اس حدیث میں یہی مراد ہے۔ حب عقلی کے اسباب تین ہیں۔ حسن و جمال۔ جود و نوال فضل و کمال۔ یہ تینوں اسباب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں اتنے اعلیٰ درجۂ کمال پر موجود ہیں کہ کسی مخلوق میں اس درجے تو کیا؟ اس کا عشر عشیر بھی پایا جانا محال ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہر وصف میں بھی ممتنع النظیر ہیں۔ اس معنی کر کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی وصف میں کسی مخلوق کی تمام شرکت محال ہے۔ علامہ بوصیری نے فرمایا۔

منزہ عن شریک فی محاسنہ　　فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی خوبیوں میں شریک سے منزہ ہیں۔ حضور میں جو جوہر حسن ہے وہ غیر منقسم ہے۔ حتیٰ کہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے فرمایا۔ آنحضرت مرآت جمال و کمال اوست۔ آنحضرت اللہ عز و جل کے جمال و کمال کا آئینہ ہیں تو جب کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام اسباب محبت کے جامع اتم ہیں۔ اس طرح کہ دوسرا اس میں آپ کا شریک نہیں۔ تو عقلا یہ لازم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ ہو۔ اور آپ تمام جہاں سے زیادہ محبوب ہوں شراح عام طور پر یہاں "لا یومن" سے ایمان کامل مراد لیتے ہیں۔ اور توجیہ میں یہ کہتے ہیں۔ کہ اصل ایمان حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سارے جہان سے افضل اور اعلیٰ ماننا ہے۔ رہ گئی محبت تو یہ ممکن ہے کہ کسی کی عظمت دل میں بہت زیادہ ہو۔ اور محبت کم ہو جیسے ایک باپ کے دل میں بیٹے کی محبت استاذ سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ اور استاذ کی عظمت بیٹے سے زیادہ۔ لیکن یہ توجیہ اصل میں محبت کی دونوں قسموں میں فرق سے ذہول کی وجہ سے ہے۔ ورنہ جب محبت سے مراد عقلی و اختیاری مراد لیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ اصل ایمان ہی یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سارے جہان سے زیادہ محبوب مانیں۔ اس لئے اس حدیث میں "لا یومن" میں ایمان کامل کی تخصیص بلا مخصص ہے۔ اور مراد مطلق ایمان ہے۔ اور وہ جو محبت و عظمت کا فرق ہے۔ وہ محبت طبعی اور عظمت کے مابین ہے۔ محبت عقلی اور اعتقاد عظمت میں تلازم حقیقی ہے۔

اور وہ جو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو دریافت

ع‍ہ اشعۃ اللمعات ۱ ص ۴۳۔

۱۶ حدیث حلاوت ایمان

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس میں تین چیزیں

ثَلٰثٌ مَّنْ کُنَّ فِیْہِ وَجَدَ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ. اَنْ یَّکُوْنَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبَّ

ہوں وہ ایمان کی چاشنی پائے گا وہ جس کو اللہ اور رسول ساری دنیا سے زیادہ پیارے ہوں اور

اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا وَاَنْ یُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہِ وَاَنْ یَّکْرَہَ اَنْ یَّعُوْدَ فِی الْکُفْرِ کَمَا

کسی سے محبت کرے تو صرف اللہ ہی کے لئے کرے۔ جو مسلمان ہونے کے بعد

یَکْرَہُ اَنْ یُّقْذَفَ فِی النَّارِ۔ ؎

کفر میں لوٹنے کو ایسا ناپسند کرے جیسے آگ میں ڈالے جانیکو

فرمایا۔ اے عمر! تمہارا کیا حال ہے۔ صرف مجھ سے محبت رکھتے ہو یا اور کسی چیز سے؟ عرض کیا۔ حضور سے بھی محبت رکھتا ہوں اور مال و اولاد سے بھی۔ آنحضرت نے حضرت عمر کے سینے پر دست مبارک مارا۔ اور پوچھا اب کیا حال ہے؟ عرض کیا۔ مال اولاد کی محبت ساقط ہو گئی مگر اپنی محبت باقی ہے۔ پھر دوبارہ دست اقدس ان کے سینے پر مارا۔ پوچھا اب؟ عرض کیا یا رسول اللہ سب کی محبت نکل گئی۔ صرف آپ کی محبت باقی ہے۔ فرمایا اب تمہارا ایمان تام ہوا۔ اس میں محبت سے مراد۔ محبت طبعی ہے۔ کہ وہ ابتداءً حضرت عمر کے دل میں تھی مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی شفقت بے غایت سے توجہ فرما کر اپنے ماسوا سب کی محبت ان کے دل سے نکال دی۔ اور ان کو اپنی ذات میں فانی اور اپنی ذات کے ساتھ باقی بنایا۔ محبت طبعی بھی ماسوا رسول کی ان کے دل سے نکال دی۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اگر اس حدیث میں محبت سے مطلق محبت مراد لیا جائے۔ تو۔ ضرور ایمان سے ایمان کامل مراد لینا ضروری ہوگا۔

مگر اس پر یہ اعتراض پڑے گا کہ محبت طبعی اختیاری نہیں اور ایمان اختیاری ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ مومن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات و صفات ان کے انعام و احسان کو مسلسل یاد کر کے کوشش کرے کہ اس کے دل میں غیر رسول کی محبت طبعی بھی رسول سے زیادہ نہ رہنے پائے۔ یہ کمال ایمان ہے۔

اور اگر اس حدیث میں محبت سے حب عقلی و اختیاری مراد لی جائے تو۔ لا یومن سے مطلق ایمان مراد ہونا ظاہر ہے۔

۱۶ تشریحات

حلاوت ایمان ① امام نووی نے فرمایا کہ حلاوت سے مراد یہاں استلذاذ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس میں یہ تین باتیں ہوں گی وہ ایمان

ؔ بخاری، ص ۷، باب من کرہ ان یعود فی الکفر ... [illegible]

⑰ حدیث حب انصار

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اٰیَۃُ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انصار

الْاِیْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ

کی محبت ایمان کی علامت ہے

کے مقتضیات پر لذت پائے گا۔ یعنی عبادت و طاعت کرنے میں اور اس سلسلے میں مشقت اٹھانے میں اسے لذت ملیگی۔
اس تشبیہ میں اشارہ ہے کہ جیسے شہد ایک میٹھی اور لذیذ چیز ہے۔ لیکن صفراوی مریض کو کڑوی معلوم ہوتی ہے۔
یہی ایمان کا حال ہے۔ جو کفر و ضلالت کے بیمار نہیں ان کے لئے لذیذ اور میٹھی شی ہے اور جو گمراہی کے مریض ہیں ان کے نزدیک
کڑوا و ناپسندیدہ ہے۔

سب احادیث میں سے ہے ② امام نووی نے فرمایا کہ یہ حدیث اسلام کے اصول میں اصل عظیم ہے۔ اس لئے کہ جسے ماسوی کر
زیادہ اللہ اور رسول کی محبت اور اللہ ہی کے لئے محبت اور اللہ ہی کے لئے بغض۔ اور کفر کی طرف واپس ہونے سے خوف اسی کو ہوگا
جس کا ایمان قوی سے قوی تر ہوگا۔

جب کسی کا ایمان پختہ ہوگا تو اس کو اس بات پر یقین کامل ہوگا کہ ہمیں جو کچھ ملا ہے یا ملتا ہے یا ملے گا سب کا دینے والا اللہ ہی ہے
اور سب کچھ رسول کے واسطے ہی سے ملا ہے اور ملے گا۔ رسول ہی وہ واسطۂ عظمیٰ ہیں جنھوں نے اللہ کی معرفت کرائی۔ انھیں کے ذریعہ
ہمیں اسلام جیسا سچا دین ملا۔ تو لامحالہ اس کے دل میں اللہ عز و جل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سب سے زیادہ پیدا ہوگی
اور جب اللہ اور رسول کی اس درجہ اعلیٰ محبت پیدا ہو جائے گی۔ تو لامحالہ اگر کسی سے محبت کرے گا تو اللہ ہی کے لئے کرے گا یعنی اسلئے
کرے گا کہ اس کے ساتھ محبت کرنے سے اللہ راضی ہوگا۔ اس لئے کہ یہ اللہ کا محبوب و مقبول بندہ ہے۔ اور جب اللہ اور رسول کی محبت
رگ رگ اور ریشے ریشے میں رچ بس جائے گی تو اس کا یہ لازمی اثر ہوگا کہ کفر سے نفرت پیدا ہو جائے گی۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ ایمان اور ان تینوں
چیزوں میں تلازم ہے۔ جب ایمان پایا جائے گا تو یہ تینوں باتیں بھی پائی جائیں گی۔ اور جب یہ تینوں باتیں پائی جائیں گی تو ایمان بھی ضرور پایا
جائیگا۔

تشریحات ⑰

انصار ① ناصر کی جمع ہے جیسے صاحب کی جمع اصحاب۔ یہ بھی کہا گیا کہ نصیر کی جمع ہے جیسے شریف کی جمع اشراف۔ ہر

وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ لہ

انصار سے بغض نفاق لہ کی علامت ہے۔

(۱۸) حدیث عقوبات گناہ کا کفارہ ہیں

أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيسَ عَائِذُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ لہ

تقدیر پر اس کے معنی مدد کرنے والوں کے ہیں۔ ان کا نام انصار اس لئے پڑا کہ انھوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدد کی یہ اوس وخزرج کی اولاد اور ان کے حلفاء وموالی کا نام ہے۔

اوس خزرج (۲) دونوں بھائی تھے۔ ان کے باپ کا نام حارثہ یا ثعلبہ "العنقاء" تھا اس کی گردن بہت لمبی تھی اس لئے اسکو عنقاء کہتے تھے۔ یہ لوگ اصل میں یمن کے باشندے تھے سد مأرب کے ٹوٹنے سے جب یمن تباہ ہوگیا تو یہ لوگ مدینہ طیبہ آکر بس گئے یمن میں ان کے مورث اعلیٰ کا نام قحطان تھا۔ کلبی نے کہا کہ قحطان حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہے۔ اس تقدیر پر کل عرب اولاد اسمٰعیل علیہ السلام ہوئے۔

بعضوں نے کہا نہیں قحطان حضرت اسماعیل کی اولاد نہیں۔ اس تقدیر پر عرب کی اصل دو ہوئی۔ آل اسماعیل، آل قحطان۔ (عینی) ویسے بعض لوگوں نے اس پر بہت لمبی بحث کی ہے کہ انصار آل اسماعیل میں یا نہیں۔ بخاری شریف کتاب الانبیاء میں حضرت ابوہریرہ کا قول مذکور ہے۔ کہ انھوں نے حضرت ہاجرہ کے بارے میں فرمایا۔

فتلك أمكم يا بني ماء السماء — یہ تمہاری ماں ہیں اے بارش کے بیٹو

اس سے مراد اہل عرب ہیں، اس لئے کہ ان کی زندگی بارش کے ہی پانی پر ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ پورے عرب بنی اسمٰعیل ہیں اوس وخزرج پہلے بنی قیلہ کہے جاتے تھے۔ قیلہ ان کی ماں کا نام تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا نام "انصار" رکھا۔ قرآن مجید میں ان کے بارے میں فرمایا۔

وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ — اور جنھوں نے جگہ دی اور مدد کی۔ وہی سچے ایمان والے ہیں ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔

لہ نفاق (۲) باب مفاعلت کا مصدر ہے۔ لزام، قتال کے وزن پر۔ اس کے معنی دو رخی کرنے کے ہیں۔ اور شریعت میں زبان سے اسلام کے اقرار اور دل میں کفر چھپائے رکھنے کے ہیں

اَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَکَانَ شَہِدَ بَدْرًا

وَہُوَ اَحَدُ النُّقَبَاءِ لَیْلَةَ الْعَقَبَةِ

ترجمہ: ... جنگ بدر ۲ھ میں شریک ہوئے تھے ــــ اور لیلۃ العقبہ کے نقیب بنائے گئے تھے

حدیث کا مطلب بالکل ظاہر ہے کہ انصار کرام جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خانماں برباد مہاجرین کو جگہ دی۔ ان کی ہر طرح مدد کی، سارا عرب اسی وجہ سے انصار کا مخالف ہوگیا۔ مگر اس کی انھوں نے پرواہ نہ کی۔ ان سے ہر ایمان والے کو لازمی طور پر محبت ہوگی۔ ان سے عداوت وہی رکھے گا جس کے دل میں چور ہوگا۔

توضیح ② مبتدا اور خبر جب دونوں معرفہ ہوں تو حصر کا افادہ کرتے ہیں اس لئے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان کی علامت صرف انصار کی محبت ہے اور منافق کی علامت صرف انصار سے عداوت ہے ــــ حالانکہ ایمان کی متعدد نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ یوں ہی منافق کی بھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حصر ادعائی ہے حقیقی نہیں۔ انصار کی عظمت شان ظاہر کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے کہ ان کی شان ایسی ہے کہ یہ صدق اور نفاق کے معیار ہیں کہ ان سے محبت کرنے والا صادق الایمان ہی ہوگا اور ان سے عداوت رکھنے والا منافق ہی ہوگا۔ مراد یہ ہے کہ جو انصار سے انصار ہونے کی وجہ سے عداوت رکھے۔ یعنی اس بنا پر کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مہاجرین کو جگہ دی ان کی ہر طرح مدد کی ان کے لئے سارے عرب کی عداوت مول لی۔ وہ کبھی مومن نہیں ہوسکتا وہ ایمان کا لاکھ دعویٰ کرے وہ منافق ہوگا جیسا کہ دوسری حدیث میں تصریح ہے۔ لَا یُحِبُّہُمْ اِلَّا مُؤْمِنٌ انصار سے صرف مومن ہی محبت رکھے گا۔

تشریحات (۱۸)

① عبادہ بن صامت انصاری خزرجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں عقبہ میں اور سارے غزوات میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے حمص کو فلسطین کا قاضی بنایا تھا پھر ان کو پورے شام کا قاضی بنایا۔ اس وقت یہ حمص میں مقیم رہے۔ طویل جسیم، خوبصورت، عالم فاضل بزرگ تھے۔ اخیر عمر میں فلسطین منتقل ہوگئے وہیں رملہ میں ۳۴ھ میں وصال ہوا۔ مزار مقدس بیت المقدس میں مشہور و معروف ہے۔ ان سے ایک سو اکیاسی حدیثیں مروی ہیں چھ متفق علیہ ہیں اور دو، دو بخاری و مسلم کے افراد سے ہیں۔ عبادہ بن صامت صحابہ میں صرف ایک ہی ہیں اور عبادہ نام کے بارہ حضرات ہیں۔

پچھلی حدیث میں فرمایا انصار کی محبت ایمان کی نشانی ہے۔ اب یہ حدیث اس دعویٰ کے لئے بمنزلہ دلیل کے ذکر کی یعنی انصار کی

محبت کیوں ایمان کی علامت ہے۔ اس لئے کہ انھوں نے انتہائی نازک وقت میں اپنا تن من دھن اسلام پر قربان کرنے کی بیعت
کی۔ اور جو بیعت کی وہ کرکے دکھا بھی دیا۔ اسی سبب سے ان کا نام انصار رکھا گیا۔

شہد کے معنی ② شہد کے معنی حضر کے ہے اسی سے شاہد بمعنی حاضر ہے۔ جیسا کہ حدیث مشہور، فلیبلغ الشاھد الغائب میں اور
نماز جنازہ کی دعا، وشاھدنا وغائبنا، میں ہے۔ ان دونوں جگہوں میں غائب کے تقابل سے شاہد کے معنی حاضر متعین ہیں اور جب
شاہد کے معنی حاضر احادیث سے ثابت اور احادیث قرآن کی تفسیر تو آیہ کریمہ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا میں شاہد بمعنی حاضر لینے
پر کوئی قباحت نہیں۔

بدر ③ اس مشہور جگہ کا نام ہے جہاں ۱۷ رمضان ۲ھ میں حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن مشہور غزوہ ہوا تھا۔ یہ مدینہ
طیبہ سے چار منزل تقریباً اسی میل کے فاصلے پر مکہ معظمہ کے راستے میں ہے۔ یہاں سال بسال میلہ لگتا تھا۔ بدر نامی ایک شخص نے یہاں
کنواں کھدوایا تھا۔ اسی کے نام پر کنویں کا پھر اس جگہ کا نام پڑ گیا۔ اسے منصرف اور غیر منصرف دونوں پڑھنا جائز ہے۔ ایک سبب علمیت
ہے اور دوسرے تانیث اگر اسے بقعہ کا علم مانیں۔ اور اگر قلیب کا علم مانیں تو مذکر ہوگا اور منصرف۔

نقبا ④ نقباء نقیب کی جمع ہے جس کے معنی سردار، ذمہ دار، نگہبان کے ہیں۔ عقبہ پہاڑ کی گھاٹی کو کہتے ہیں۔ یہ وہی عقبہ ہے جہاں
اب مسجد عقبہ ہے۔ اس کے قریب جمرۃ العقبہ ہے جسے جمرہ کبریٰ، جمرہ اخیرہ اور عوام بڑا شیطان کہتے ہیں۔

بیعت عقبہ ⑤ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ ہر سال ایام حج میں مختلف قبائل کے پاس جا کر ان کو اسلام
کی دعوت دیا کرتے تھے۔ ۱۱ سنہ نبوی جب آپ اسی غرض سے اس عقبہ کے پاس پہونچے تو یہاں انصار کے قبیلہ خزرج کے چند
اشخاص موجود تھے جو مکہ معظمہ اس غرض سے آئے تھے کہ قریش سے امداد باہمی کا معاہدہ کرکے ان کے حلیف بن جائیں۔ انھیں حضور
اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے مدینے کے یہود سے نبی آخر الزماں کی آمد آمد کی خبر سن رکھی تھی
اسلام کی دعوت سن کر انھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور کہا یہ وہی نبی ہیں۔ کہیں یہود ایمان لانے میں تم پر سبقت نہ کر جائیں
اور کہا ہم جس کے لئے آئے ہیں۔ اس سے یہ بہتر ہے۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ یہ چھ حضرات تھے۔

ابو الہیثم بن تیہان۔ اسعد بن زرارہ (متوفی ۱ سنہ ھ) عوف بن حارث۔ رافع بن مالک بن حارث۔ جنگ احد میں شہید
ہوئے۔ قطبہ بن عامر جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اسلام قبول کرنے کے بعد یہ لوگ مدینہ طیبہ واپس گئے اور آئندہ سال پھر آنے کا وعدہ کر گئے۔ مدینہ پہنچ کر وہاں اسلام

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَحَوْلَہٗ عِصَابَۃٌ مِّنْ

روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسے وقت فرمایا جب آپ کے گرد صحابہ کی ایک

اَصْحَابِہٖ بَایِعُوْنِیْ عَلٰی اَنْ لَّا تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا

جماعت تھی ۞ (ان باتوں پر) مجھ سے بیعت کرو ۞ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے چوری نہ کرو گے زنا نہ کرو گے

تبلیغ کی۔ جس سے متعدد سعادتمندوں نے اسلام قبول کر لیا۔ حسب وعدہ دوسرے سال بارہ حضرات مدینے سے آئے انھیں حضرت عبادہ بن صامت بھی تھے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ یہ بیعت عقبہ اولیٰ ہے۔

مصعب بن عمیر کی مدینہ روانگی

(۶) ان لوگوں نے درخواست کی کہ مدینے کے نومسلموں کو دین سکھانے اور تبلیغ کرنے کے لیے کوئی صاحب ہمارے ساتھ کر دیئے جائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا مصعب بن عمیر شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ساتھ کر دیا۔

تیسرے سال سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ بہتر افراد خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ سب نے اسی عقبہ میں بیعت کی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان میں سے بارہ حضرات کو ان کا نقیب بنایا۔ نو قبیلہ خزرج کے اور تین اوس کے جن میں ایک نقیب عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ یہ بیعت عقبہ ثانیہ ہے۔

اسلام کی تاریخ میں ان دونوں خصوصاً بیعت عقبہ ثانیہ کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی دوسری ہی بیعت کے موقع پر مدینہ طیبہ ہجرت کرنا طے ہوا تھا۔ انصار کرام نے اپنا سب کچھ قربان کرنے کا عہد کیا۔ اور حضور عالم نے ان میں ہمیشہ رہنے کا وعدہ فرمایا ـــــ بعد میں ہونے والی ساری فتوحات اور کامیابیوں کی یہ بیعت مقدمہ تھی۔ حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فخریہ فرمایا۔ کہ میں لیلۃ العقبہ میں حاضر تھا۔ جب ہم نے اسلام پر میثاق کیا تھا۔ میں بدر کی شرکت سے بڑھکر اس کو اہم سمجھتا ہوں اگرچہ لوگوں میں بدر کا چرچا زیادہ ہے۔

عصابہ

(۷) عصابہ۔ یہ دس سے لیکر چالیس آدمیوں کی جماعت کو کہتے ہیں۔ اس کے لئے واحد نہیں۔ اسکی جمع عصائب اور عُصَب بھی آتی ہے۔

بیعت

(۸) بایعونی۔ اس کا مادہ بَیْعٌ ہے۔ جس کے معنی بیچنے کے ہیں۔ مبایعت کا معنی آپس میں خرید و فروخت کرنا ہے مگر یہاں مبایعت کا معنی آپس میں عہد و پیمان کرنے کے ہیں۔ گویا جس کے پاس جو تھا اس نے دوسرے کو بیچا۔ صحابہ کرام کے پاس جان و مال، آل و اولاد تھی وہ بیچا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ جنت بیچا۔ ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ

تقتلوا اولادکم ولا تاتوا ببھتان تفترونہ بین ایدیکم وارجلکم ولا تعصوا

اپنی اولاد کو قتل نہیں کروگے ف۹ اور خود گڑھ کر کسی پر بہتان نہ باندھو گے ف۱۰ اچھی بات میں نافرمانی نہ کروگے

فی معروف فمن وفی منکم فاجرہ علی اللہ ومن اصاب من ذلک

جس نے اس کو پورا کیا اس کا ثواب اللہ کے ذمہ کرم پر ہے ف۱۳ اور جو ان گناہوں میں کسی کا ارتکاب کر بیٹھے

شیئا فعوقب فی الدنیا فھو کفارۃ لہ وطھور

اور اس کو دنیا میں سزا دیدی جائے ف۱۴ تو یہ اسکے لئے کفارہ اور پاک کرنے والی ہے

اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ۔ بیشک اللہ نے مومنوں سے ان کے جان اور ان کے مال خرید لئے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لئے جنت ہے (سورہ توبہ آیت ۱۱۰)

قتل اولاد ف۹ — ⑨ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ اس کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہ عرب میں رائج تھا کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے اور لڑکوں کو بھی فقر و فاقہ کے اندیشے سے مار ڈالتے تھے۔ یہ بہت ہی وحشیانہ بیہمانہ فعل ہے۔ خون ناحق کے ساتھ قطع رحم و سنگدلی بھی ہے۔

ف۱۰ بہتان — ⑩ بہتان اس جھوٹ کو کہتے ہیں جسے سنکر آدمی مبہوت ہوجائے۔ مثلاً جھوٹا الزام رکھنا۔ کسی پر جھوٹ باندھنا۔ اس کی گڑھی ہوئی بات اس کے سر تھوپنا۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ یہاں خاص زنا کی تہمت مراد ہو۔

افتراء — ⑪ افتراء کا مادہ فری ہے جس کے معنی جھوٹ کے ہیں۔ افتراء کے معنی جھوٹ گڑھنا ہے۔ ہر بہتان گڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اب تفترونہ اسکی صفت یا تو توضیح کے لئے ہے۔ یا اس میں تجرید ہے۔ بین ایدیکم وارجلکم سے مراد یا تو دل ہے کہ یہ ہاتھ و پاؤں کے درمیان ہے یا انسان کی ذات مراد ہے۔

گناہ میں کسی کی اطاعت نہیں — ⑫ اچھے کام میں نافرمانی نہیں کروگے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس کام کا بھی حکم دیں گے وہ اچھا ہی ہوگا۔ اس لئے "فی معروف" کی قید بیعت کرنے والوں کی تطییب کے لئے تھی۔ اور یہ بتلانے کے لئے کہ میں جو بھی حکم دوں گا وہ اچھا ہی ہوگا۔ یا مراد عموم ہے یعنی میری اور میرے بعد جو بھی تم پر حاکم ہو اس کی ہر اچھی بات میں اطاعت کروگے اشارہ فرمادیا کہ معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق

ف۱۳ بیعت کا بدلہ — ⑬ بیعت میں طرفین کی جانب سے عوض ہوتا ہے صحابہ کرام نے اپنی جانب کا عوض پیش کر دیا۔ اب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی جانب سے عوض پیش فرما رہے ہیں کہ جو اس بیعت پر ثابت قدم رہا۔ اسے اللہ عزوجل ضرور بالضرور اجر

وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذَالِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللهُ فَهُوَ اِلَى اللهِ اِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ

اور جو ان گناہوں میں سے کچھ کرے اور اللہ عزوجل اس کو چھپائے رکھے تو یہ اللہ کے سپرد ہے چاہے اسے

وَاِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ. فَبَايَعْنَاهُ عَلٰى ذَالِكَ ؎

معاف فرما دے چاہے (آخرت میں) سزا دے۔ تو ہم نے ان سب پر حضور سے بیعت کی۔

معاف فرمائے گا، یا اجر کیا ہے؟ اس روایت میں اس کی توضیح نہیں۔ مگر صنابحی کی روایت میں فالجنة ہے۔

کیا حدود کفارہ ہیں یا نہیں

(۱۴) ان گناہوں میں سے کسی کا اگر کسی نے ارتکاب کیا۔ اور اسے اس پر سزا دیدی گئی۔ تو وہ سزا کفارہ ہے۔ عام طور پر سزا سے حدود اور تعزیر مراد لیا جاتا ہے۔ کہ گناہ کے ارتکاب کے بعد اگر اس مرتکب پر حد جاری ہوگی اس کی تعزیر ہوگی تو اس کا وہ گناہ معاف ہو گیا۔ یہی جمہور کا مسلک ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے دوسری احادیث بھی ہیں شاذہ حدیث جو ترمذی اور حاکم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی

من اصاب ذنبا فعوقب به في الدنيا فالله اكرم من ان يثني العقوبة على عبده في الآخرة

جس نے کوئی گناہ کیا اور اس کو دنیا میں اس کی سزا دیدی گئی تو اللہ اس سے زیادہ کریم ہے کہ اسے آخرت میں دوبارہ سزا دے۔

دوم۔ جو حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام احمد نے روایت کی۔

من اصاب ذنبا اقيم عليه ذالك الذنب فهو كفارة له

جس سے کسی گناہ کا صدور ہو اور اس گناہ کی سزا اسے دیدی گئی تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے۔

سوم۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے طبرانی نے روایت کی۔

ما عوقب رجل على ذنب الا جعله الله كفارة لما اصاب من ذالك الذنب

کسی کو گناہ پر سزا دیدی گئی تو اللہ تعالیٰ اس سزا کو اس گناہ کیلئے کفارہ بنا دیتا ہے۔

احناف کا مسلک اور دلیل

(۱۵) احناف کا مسلک یہ ہے کہ حدود و تعزیر گناہوں کے لئے کفارہ نہیں۔ احناف کی دلیل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث پیش کی جاتی ہے۔ جسے حاکم نے مستدرک میں اور بزار اور امام احمد نے اور عبدالرزاق نے روایت کیا جسے مسند الحفاظ علامہ ابن حجر نے صحیح مانا۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

؎ مغازی۔ حدود۔ احکام۔ مناقب انصار۔ بخاری۔ مسلم حدود۔ ترمذی۔ نسائی۔ دارمی۔

لا ادری، الحدود کفارۃ لاھلھا ام لا میں نہیں جانتا کہ حدود کفارہ ہیں یا نہیں۔

یہ حدیث مثبت مدعی نہیں (۱۶) اگر ہمارا مسلک توقف ہوتا۔ جب تو اس سے استدلال صحیح ہوتا ہمارا مسلک تو یہ ہے کہ کفارہ نہیں اور عدم علم، علم عدم نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس ارشاد کے وقت معلوم نہیں تھا۔ بعد میں بتا دیا گیا۔ علاوہ ازیں اصول حدیث کا یہ قاعدہ مسلم ہے کہ مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔ حدود کے کفارہ ہونے کو ثابت کرنے والی احادیث مثبت ہیں۔ اور یہ نافی۔ اس لئے اس پر وہ احادیث راجح ہوں گی۔

احناف کا استدلال (۱۷) اول۔ قرآن مجید میں ڈاکوؤں کی سزا ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا۔

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ یہ سزا ان ڈاکوؤں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بھاری عذاب ہے۔

یہ آیت اس پر نص ہے کہ سزا صرف دنیا میں ان کی رسوائی کے لئے ہے۔ اس سزا کے بعد بھی آخرت کا عذاب عظیم ان کے لئے ہے تو ثابت ہوگیا کہ حدود کفارہ نہیں ورنہ آخرت کا عذاب ان کے لئے نہ ہوتا۔

دوم۔ نیز اس پر اجماع ہے کہ توبہ سے حد ساقط نہیں ہوتی۔ حالانکہ حدیث میں فرمایا گیا۔ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ گویا آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ یا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ تو جب توبہ کر لینے سے گناہ باقی نہ رہے تو حد کو بھی ساقط ہوجانا چاہئے کہ جب گناہ ہے ہی نہیں تو پاک کس سے کریگے۔

سوم۔ کافر پر بھی حد ہے۔ اور کافر کے گناہوں سے پاک ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں، پھر اس پر حد کیوں؟ —

چہارم۔ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا۔

استغفروا لماعز بن مالك لقد تاب توبة لو قسمت بين امة لوسعتهم۔ ماعز کے لئے مغفرت چاہو۔ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک امت پر تقسیم کی جائے تو سب کو کفایت کرے۔

سوال یہ ہے کہ حد جاری ہوگئی۔ گناہوں سے پاک ہوگئے۔ پھر استغفار کی کیا ضرورت۔ معلوم ہوا کہ حد گناہوں کا کفارہ نہیں۔ رہ گئی یہ بات کہ انہوں نے توبہ بھی کر لی تھی۔ پھر استغفار کی کیا حاجت۔ ضرور انہوں نے توبہ کر لی تھی۔ مگر توبہ قبول بھی ہوئی یا نہیں۔ یہ کیسے معلوم۔ تو ارشاد فرمایا کہ تم لوگ بھی استغفار کرو۔ یا یہ کہ استغفار سے مراد یہ ہے کہ ان کی توبہ قبول ہونے کی دعا کرو۔

تطبیق (۱۸) اول اب جب کہ قرآن مجید کی نص قطعی اور حدیث اور قیاس تینوں سے ثابت ہوگیا کہ حدود گناہوں کے لئے کفارہ نہیں مطہر۔ اور حدیث بھی نص قرآنی کی مؤید ہے تو لامحالہ ان احادیث کی تخصیص کرنی پڑے گی جن کے ظاہر سے، حدود کے کفارہ ہونے پر

(۱۹) حدیث دین کی حفاظت واہمیت

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

اول یہ کہ عموماً یہی ہوتا ہے کہ آدمی جب سزا پاتا ہے تو توبہ ضرور کرتا ہے جیسا کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں گذرا۔ اور غامدیہ خاتون کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ استدلال کیا جاتا ہے

والذی نفسی بیدہ لقد تابت توبۃ لو تابہا صاحب مکس لغفر لہ

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اس عورت نے ایسی توبہ کی کہ اگر ناجائز ٹیکس لینے والا بھی کرتا تو اسے بخش دیا جاتا

چونکہ یہ سزائیں توبہ کے لئے سبب ہیں اور سبب بول کر مسبب مراد لینا عرف عام ہے۔ اس لئے ان تمام احادیث میں مراد یہ ہے کہ حدود وتعزیر کے ساتھ توبہ بھی کرے تو کفارہ ہیں۔

تعارض کے وقت بجائے قرآن مجید کے احادیث ہی میں تقیید کی جائے گی۔

دوم ایک تاویل یہ ہے کہ ان سب میں عقوبت وغیرہ سے مراد مصائب وآلام وتکالیف ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہے کہ اگر مسلمان کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے۔ اس سلسلے کی چند احادیث صحیح یہ ہیں

تکلیف مسلمان کے لئے سیئات کا کفارہ ہے | حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ما یصیب المسلم من نصب ولا وصب ولا ھم ولا حزن ولا غم حتی الشوکۃ یشاکہا الا کفر اللہ بہا من خطایاہ۔

مسلمان کو جو تکلیف، اذیت، اندوہ، حزن، غم پہنچتے ہیں یہاں تک کہ اگر کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے (بخاری ومسلم)

مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا

لا تسبوا الحمی فانہا تذھب خطایا بنی آدم کما یذھب الکیر خبث الحدید

بخار کو برا مت کہو یہ بنی آدم کے گناہوں کو ایسا دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کی میل کو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا۔

اذا ابتلیت عبدی بحبیبتیہ ثم صبر عوضتھما الجنۃ یرید بہ عینیہ (بخاری)

جب میں اپنے کسی بندے کی دونوں آنکھیں لے لوں اور وہ صبر کرے تو اس کے عوض اسے جنت دوں گا

نیز سب کو معلوم ہے کہ ارشاد فرمایا۔ بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے

الشھداء خمسۃ المطعون والمبطون والغریق وصاحب الھدم والشھید فی سبیل اللہ۔ وزاد ابو داؤد والنسائی سبع وصاحب ذات الجنب والمرأۃ تموت بجمع عن جابر بن عتیک۔

شہید پانچ ہیں۔ جو طاعون میں مرا جو پیٹ کی بیماری میں مرا جو ڈوب کر مرا۔ جس پر دیوار گری اس سے دب کر مرا اور اللہ کے راستے میں شہید۔ ابو داؤد اور نسائی میں جابر بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ شہید سات ہیں پانچ یہ اور جو نمونیہ میں مرا اور جو عورت بچہ پیدا ہونے کے صدمے سے مرے۔

اسی قسم کی احادیث کا پورا دفتر ہے۔ ان چند احادیث سے ظاہر کہ امراض، آلام، تکالیف، اذیتیں، غم واندوہ، حزن وملال یہ سب گناہوں کے کفارہ ہیں۔ حتیٰ کہ ان میں بعض ایسے اہم ہیں کہ ان میں مرنے والا شہید ہوتا ہے۔ حدیث عبادہ اور ان سب احادیث میں جو اوپر گذری اس کا بھی احتمال ہے کہ یہی سزائیں مراد ہوں۔ اگرچہ یہاں علماء نے عام طور پر صغائر کی تعمیم کی ہے۔ لیکن یہ ارشاد کہ اللہ تعالیٰ انھیں گناہوں کا کفارہ کردے گا۔ بتا رہا ہے کہ اللہ عزوجل کی شان کریمی سے کیا بعید کہ وہ مصائب وآلام کو کبائر کا بھی کفارہ بنادے۔ حضرت علی کی حدیث میں اس کا ارشاد واضح موجود ہے اس میں فرمایا۔ فاللہ اکرم ان یثنی العقوبۃ علی عبدہ فی الاخرۃ۔ میں ان یثنی کا فاعل اللہ عزوجل ہی ہے۔

اس سے ظاہر کہ دنیا میں جو سزائیں ملیں وہ بھی اللہ عزوجل ہی دیتا ہے۔ حدود وتعزیر کو کوئی نہیں کہتا کہ اللہ نے حد جاری کی۔ اگرچہ سب کچھ اسی کی طرف سے ہے مگر یہاں گفتگو عرف کی ہے۔ پھر روزمرہ کا تجربہ ہے کہ جب انسان کسی بیماری یا مصیبت میں پھنستا ہے تو بصدق دل سے توبہ کرنے لگتا ہے وہی تاویل یہاں بھی ہوسکتی ہے کہ مراد یہ ہے کہ ان مصائب وآلام کے ساتھ توبہ کرے۔ اور چونکہ یہ مصائب وآلام توبہ کے اسباب میں اس لئے اسی پر اکتفا فرمایا۔

یہ بیعت کب ہوئی تھی (۱۹) علاوہ ازیں حدیث زیر بحث میں ایک اختلاف یہ ہے کہ یہ بیعت کب ہوئی تھی۔ علامہ ابن حجر کی تحقیق یہ ہے کہ یہ بیعت فتح مکہ کے بعد ہوئی تھی اور علامہ عینی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ بیعت بیعۃ العقبۃ الاولیٰ کے وقت ہوئی اور یہی امام قاضی عیاض اور دوسرے ائمہ اعلام کی رائے ہے۔ اس تقدیر پر اس حدیث زیر بحث میں۔ فعوقب ،، سے حدود وتعزیر مراد ہو ہی نہیں سکتے۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوشك ان یکون خیر مال المسلم غنم یتبع

فرمایا بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ مسلمان کا بہترین مال، بکریاں اور بھیڑیں ہوں گی اپنے

بھا شعف الجبال ومواقع القطر یفر بدینه من الفتن ۱

دین کو بچانے کے لئے جنھیں لیکر وہ پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش کی جگہوں پر چلا جائے گا

اس لئے کہ اس وقت تک حدود و تعزیر نازل ہی نہیں ہوئے تھے

شرک مستثنیٰ ہے ۔ (۴۰) ومن اصاب من ذالک میں ذالک کا اشارہ مذکور کی طرف ہے اور مذکور میں شرک بھی ہے۔ اب یہ

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر معاذ اللہ کوئی اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جائے اور اسی حالت میں قتل کیا جائے تو اس پر فریقین کا اجماع

ہے کہ جہنمی ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے عموم سے کفر و شرک خارج ہیں۔ ۔۔۔ فرمایا گیا۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرک

بہ ۔۔۔ تعالیٰ شرک کو ہرگز نہیں معاف فرمائے گا۔ جب کتاب اللہ سے کتاب اللہ ۔۔۔ کی تخصیص درست۔ تو حدیث کی بدرجہ اولیٰ درست۔

تشریحات (۹)

حضرت ابوسعید خدری خزرجی انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) ابوسعید کنیت ہے۔ نام سعد بن مالک بن سنان بن عبید بن ثعلبہ بن

عبید کے اپ کا نام ابجر ہے اور انھیں کو خدرہ بھی کہتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خدرہ ابجر کی ماں کا نام ہے۔ غزوہ احد کے

موقع پر باوجود صغر سنی کے جوش جہاد میں لشکر میں شامل ہو گئے مگر بعد میں کم سنی کی وجہ سے لوٹا دیئے گئے اس کے بعد بارہ غزوات میں ہمرکاب

سعادت رہے ان کے والد نے غزوہ احد میں جام شہادت نوش فرمایا تھا۔ یہ صحابہ میں بہت عالم فاضل مشہور تھے۔

نہایت جری حق گو بزرگ تھے۔ چونکہ اوائل عہد میں جو حاکم ہوتا تھا وہی نماز بھی پڑھاتا تھا۔ مروان بن الحکم جب مدینے کا حاکم تھا۔ نماز

عید بھی پڑھاتا تھا۔ لوگ نماز پڑھ کر ۔۔۔ اس سے پہلے چل دیتے تھے۔ یہ خطبے میں بہت دل آزار باتیں بکتا تھا جو سنی نہیں جاتی تھیں۔ یہ دیکھ

مروان نے چاہا کہ نماز عید کے پہلے خطبہ پڑھے۔ مروان منبر کی طرف بڑھا کہ خطبہ پڑھے۔ حضرت ابوسعید نے اس کے کپڑے پکڑ کر گھسیٹا کہ منبر پر نہ

چڑھ جائے۔ مگر وہ منبر پر چڑھ گیا اور خطبہ پڑھا۔ اس پر حضرت ابوسعید نے فرمایا تم لوگوں نے سنت بدل ڈالی

واقعہ حرہ میں یزیدی ظالموں نے ریش مبارک نوچ ڈالی تھی۔ غالباً یہ مروان والے واقعہ کا انتقام تھا مکثرین حدیث میں یہ بھی ہیں

ان سے گیارہ سو ستر احادیث مروی ہیں۔ چھیالیس امام بخاری اور مسلم دونوں نے۔ سولہ تنہا بخاری نے اور باون مسلم نے تنہا روایت کی۔

اجلہ صحابہ مثلاً خلفائے راشدین، اپنے والد مالک اور اپنے ماں جائی بھائی قتادہ بن نعمان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ ان کی جلالت

شان اس سے ظاہر ہے۔ حضرت ابن عمر و ابن عباس نے بھی ان سے حدیث روایت کی ہے۔ تابعین کی گنتی نہیں ۷۴ھ یا ۶۴ھ میں مدینہ

طیبہ میں وصال فرمایا۔ اور وہیں جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔

۳۰ حدیث، قد غفرلک ما تقدم من ذنبک

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ اِذَا اَمَرَهُمْ، اَمَرَهُمْ مِنَ الْاَعْمَالِ بِمَا یُطِیْقُوْنَ قَالُوْا اِنَّا لَسْنَا کَهَیْئَتِکَ

صحابہ کو جب کوئی حکم دیتے تو انھیں کاموں کا حکم دیتے جن کی انھیں طاقت ہوتی۔ اس پر صحابہ عرض کرتے

یَا رَسُوْلَ اللهِ، اِنَّ اللهَ قَدْ غَفَرَلَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ فَیَغْضَبُ حَتّٰی

یا رسول اللہ ہم آپ کی طرح نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آج سے پہلے اور آج کے بھی بعد بھی گناہ سے بچا

یُعْرَفَ الْغَضَبُ فِیْ وَجْهِهٖ۔ ثُمَّ یَقُوْلُ اِنَّ اَتْقَاکُمْ وَاَعْلَمَکُمْ بِاللهِ اَنَا عله

رکھا ہے اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت ناراض ہوتے کہ اس کا اثر آپ کے چہرہ مبارک پر ظاہر ہو جاتا۔ پھر فرماتے میں تم

میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور اس کی معرفت رکھتا ہوں۔

صحابہ کرام میں سعد بن مالک وقاص اور سعید بن مالک خدری ان کے ہم نام ہیں

۱۹ تشریحات

لغات ۳ "وشک" کے معنی، سرعت، تیزی، جلدی کے ہیں کہا جاتا ہے "وشک فلان ای اسرع جلدی کی۔ اوشک یہاں افعال مقاربہ میں سے ہے اس کے معنی ہیں "قریب ہے"، غنم لفظ مؤنث اور اسم جنس ہے قلیل، کثیر سب پر بولا جاتا ہے۔ نر پر بھی اور مادہ پر بھی۔ بکری اور بھیڑ دونوں کے لئے آتا ہے۔ شعف، شعفات۔ پہاڑ کی چوٹی کو کہتے ہیں۔ فتن فتنہ کی جمع ہے یہ عموماً ناپسند چیزوں کیلئے بولا جاتا ہے۔ لفظی ترجمہ آزمائش ہے۔

حدیث کا مفاد ۳ حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ فتنوں کا اتنا غلبہ ہو جائے گا کہ دینداروں کو آبادی میں رہنا سخت دشوار ہوگا۔ مجبور ہو کر اس زمانے میں دیندار، گوشہ نشینی اختیار کریں گے۔ یہ گوشہ نشینی کہیں بھی ہو۔ پہاڑ کی چوٹیوں کا ذکر بطور تمثیل ہے۔ یونہی غنم کا بھی۔ مراد یہ ہے کہ دیندار دین بچانے کے لئے کہیں بھی گوشہ نشین ہو جائیں گے۔ اور قوت لایموت کے لئے حلال، طیب مال پر قناعت کریں گے

۴ انسان تین قسم کے ہیں۔ مفید، مستفید، منفرد۔ مفید وہ ہے کہ دوسرے کو فائدہ پہونچائے۔ مستفید، وہ کہ خود دوسروں سے فائدہ حاصل کرے۔ منفرد وہ کہ دوسرے سے فائدہ لینے کی حاجت نہ ہو اور نہ دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ مفید اور مستفید کو عزلت گزینی حرام ہے اور منفرد کو جائز۔

۳۰ تشریحات

حدیث کا مطلب ۱ حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ لوگوں کو ایسے ہی اعمال

(۲۱) حدیث - نجات مومن

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَدْخُلُ اَھْلُ الْجَنَّۃِ الْجَنَّۃَ وَاَھْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰہُ

جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا

کا حکم دیتے جن کو لوگ آسانی کے ساتھ پابندی سے کر سکیں۔ ایسے اعمال کا حکم نہیں دیتے کہ آدمی کچھ دن جوش میں کرے پھر چھوڑ دے اور صحابہ کرام کو شوق تھا کہ ہم زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ کریں۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ معصوم ہیں ہم معصوم نہیں ہیں زیادہ سے زیادہ عمل کرنا لازم ہے۔ اس پر غضب طاری ہو گیا۔ فرمایا میں تم سب لوگوں سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور اللہ کا علم رکھنے والا ہوں۔ مراد یہ ہے کہ اعمال صالحہ کی محرک دو چیزیں ہیں۔ خشیت خداوندی اور اس کی معرفت۔ جتنی زیادہ اس کی معرفت ہوگی اتنی ہی زیادہ اس کی خشیت ہوگی۔ چونکہ میری معرفت تم سب لوگوں سے زائد ہے اس لئے میرے اندر خشیت الٰہی بھی تم سب لوگوں سے زائد ہے۔

انا کی قوت علمیہ میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجے پر فائز ہونے کی جانب اشارہ ہے اور اعلمکم قوت علمیہ میں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معصوم ہیں

ذنب کے معنی کی تحقیق (۲) ان اللہ قد غفر لک کا مطلب ہم نے یہ بتایا کہ آپ معصوم ہیں ــــ اس کی وجہ یہ کہ ذنب کے معنی گناہ کو بھی ہیں اور الزام کے بھی۔ قرآن مجید میں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول مذکور ہے۔ لھم علی ذنب فاخاف ان یقتلون۔ ان کا مجھ پر الزام ہے مجھے اندیشہ ہے کہیں قتل نہ کر دیں۔ غفر کے معنی چھپانے کے ہیں۔ عرب میں مثل ہے "اللفظ الغفطیۃ" اور اس کے معنی مٹانے کے بھی ہیں اب قد غفر اللہ الخ کا مطلب یہ ہوا کہ آپ پر جتنے بھی الزامات لگے یا لگائے جائیں گے سب کو اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا۔ ماضی کے کا مٹایا جانا ظاہر ہے اور آئندہ کے الزاموں پر ماضی کا اطلاق اس لئے ہے کہ ان کا مٹایا جانا یقینی ہے۔ غرض کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اللہ عزوجل نے گناہوں سے پاک اور معصوم رکھا ہے حتیٰ کہ دشمنوں نے جو الزام لگائے ان کو بھی محو فرما دیا اور آئندہ بھی جو لگائے جائیں گے کالعدم ہیں۔

عام طور پر ذنب کے معنی گناہ کے کئے جاتے ہیں اور غفر کے معنی بخشنے کے اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گناہ کا صدور ہوا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرمایا۔ اب اگر کسی کو یہی اصرار ہو کہ ذنب کے معنی گناہ ہی کے ہیں تو اس کی توجیہ

أَخْرِجُوا مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ فَيُخْرَجُونَ مِنْهَا

جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو اسے دوزخ سے نکالو اس پر ایسے بھی لوگ نکالے جائیں گے جو

قَدِ اسْوَدُّوا فَيُلْقَوْنَ فِي نَهَرِ الْحَيَاءِ أَوِ الْحَيَاةِ شَكَّ مَالِكٌ فَيَنْبُتُونَ

جل کر کوئلہ کی طرح کالے ہو چکے ہوں گے۔ پھر ان کو نہر حیا یا نہر حیات میں ڈالا جائے گا راوی حدیث مالک کو شک

كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي جَانِبِ السَّيْلِ۔ أَلَمْ تَرَ أَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ

اس سے ان کے جسم سے اس طرح (تیزی) سے گوشت اٹھیگا جیسے بہتے پانی کے کنارے سبزہ۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ وہ

مُلْتَوِيَةً قَالَ وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا عَمْرٌو الْحَيَاةِ وَقَالَ خَرْدَلٍ مِنْ خَيْرٍ

زرد پیٹا ہوا نکلتا ہے۔ وھیب نے کہا ہم سے مالک نے جو حدیث بیان کی اس میں نہر الحیاۃ کہا اور خردل من خیر۔

۲۲ حدیث فضیلت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ عن أبي أمامة

حضرت ابوسعید

بْنِ سَهْلٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ يَقُولُ قَالَ

خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خواب کی حالت

رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ النَّاسَ

میں کچھ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے وہ لوگ کرتا پہنے

يُعْرَضُونَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ مِنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ وَمِنْهَا مَا دُونَ

ہوئے تھے کسی کا کرتا سینے تک کسی کا اس سے کم

یہ ہے کہ غفر کے اصل معنی چھپانا اور ڈھانکنا ہے۔ عینی میں ہے۔

الغفر في اللغة الستر وفي العباب الغفر التغطية (ص ۱۰۲ ج اول) غفر کا معنی لغت میں چھپانا ہے عباب میں غفر کا معنی ڈھانکنا ہے۔ اس تقدیر پر اس کا معنی وہی ہوگا جو ہم نے کیا یعنی گناہوں سے محفوظ رکھا۔ قسطلانی میں ہے فتح اي حال بينك وبين الذنوب فلا تأتيها لأن الغفر الستر۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو گیا اسلئے آپ سے گناہ صادر نہ ہوا۔

تشریحات (۲۱)

لغات (۱) مثقال کا مصدر ثقل ہے۔ یہ اصل میں اسم آلہ ہے اور یہاں مطلق وزن اور مقدار مراد ہے۔ مثقال شرعی سو عدد جو

سنۃ صغر الجنۃ والنار بخاری۔ ومسلم ایمان۔ نسائی۔ موطا امام مالک۔ دارقطنی

ذٰلِكَ وَعُرِضَ عَلَىَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ يَجُرُّهُ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَ

اور عمر بن خطاب میرے سامنے لائے گئے وہ ایسا لمبا کرتا پہنے ہوئے تھے جس کو گھسیٹ رہے تھے لوگوں

ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الدِّيْنَ ۝

نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ حضور نے اس کی کیا تعبیر فرمائی۔ فرمایا۔ دین۔

۲۳ حدیث۔ حیاء ایمان سے ہے

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک انصاری کے قریب سے گذرے

الْاَنْصَارِ وَهُوَ يَعِظُ اَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

جو اپنے بھائی کو حیاء سے (بچنے کی) نصیحت کر رہے تھے اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

وَسَلَّمَ دَعْهُ فَاِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْاِيْمَانِ ۝

فرمایا اسے چھوڑ دو۔ اس لئے کہ حیاء ایمان (کی علامت) ہے

۱ وہ بروزن متوسط کے ہم وزن ہوتا ہے اور سابق مرد بروزن سے چار اٹھے چار رتی ہے۔ حیاء کے معنی شرمندگی ہے اور حیاء بغیر مد کے معنی بارش کے ہیں بعض روایت میں حیاء ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ صحیح حیاء بغیر مد کے ہے۔ حَبَّۃ کا جمع حَبٌّ۔ بمعنی بیج کے ہے خواہ کسی چیز کا ہو اور گیہوں کا دانہ

مومن انجام کار نجات پائے گا ۲ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کچھ مومن گنہ گار ایسے بھی ہوں گے جو جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ لیکن ایمان کی بدولت پھر جہنم سے نکالے جائیں گے۔ جہنم میں رہنے کی وجہ سے یہ کالے ہو جائیں گے ان کو نہر حیات یا نہر حیا میں غوطہ دیا جائیگا جس سے یہ اپنی حالت پر آکر تر و تازہ ہو جائیں گے۔

تشریحات ۲۳

حدیث کی توجیہ اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ حتی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ

۱ قبر۔ فضل عمر۔ تعبیر بخاری۔ مسلم فضائل۔ ترمذی۔ نسائی۔ دارمی۔ مسند امام احمد۔ ۲۳ کتاب الادب باب الحیاء بخاری۔ مسلم ایمان ترمذی۔ نسائی ایمان۔ ابوداؤد سنت۔ ابن ماجہ مقدمہ و زہد۔ موطا امام مالک، حسن الخلق مسند امام احمد۔

(۲۴) حدیث قتال کی حد

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

مجھے حکم دیا گیا کہ لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی

وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا

معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں۔ تو جب وہ ایسا کریں تو ان لوگوں

تعالیٰ عنہ سے بھی افضل ہوں۔ یہ اہلسنت کے اجماعی عقیدے کے خلاف بھی ہے اور اس کا کوئی قائل بھی نہیں۔ مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام صحابہ پر فضیلت مطلقہ احادیث متواتر المعنی سے ثابت ہے اسلئے وہ احادیث اس کی مخصص ہیں۔ اور مراد یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور سب لوگوں سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دین زائد ہے اور وہ ان لوگوں سے افضل

(۲۳) تشریحات

حیا ایمان سے ہے | اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک انصاری کے بھائی بہت شرمیلے تھے ان کے بھائی ان کو سمجھا رہے تھے کہ حیا کرو اتفاق سے رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہاں گذر ہوا تو فرمایا اسے اپنے حال پر چھوڑ دو حیا ایمان سے ہے یعنی ایمان کے آثار میں سے ہے حیا کبھی واجب و فرض ہوتی ہے جیسے کسی ناجائز و حرام کے ارتکاب سے حیا۔ کبھی مندوب جیسے مکروہ سے بچنے میں حیا۔ کبھی مباح کسی مباح شرعی کے کرنے سے حیا۔

(۲۴) تشریحات

الناس سے کیا مراد ہے | (۱) الناس سے مراد تمام کفار ہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ صرف مشرکین مراد ہیں جیسا کہ نسائی کی روایت میں بجائے الناس کے المشرکین وارد ہے۔ مگر یہ تخصیص درست نہیں۔ اس لئے کہ حدیث میں جو حکم مذکور ہے وہ تمام کفار کو عام ہے خواہ وہ مشرک ہوں خواہ نہ ہوں۔ اور نسائی کی روایت کی توجیہ یہ ہے۔ کہ جب یہ حکم تمام کفار کے لئے ہے۔ تو مشرکین کے لئے بھی ہے۔ تو اس کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ مجھے مشرکین سے لڑنے کا حکم دیا گیا یہاں تک کہ وہ ایمان کی شہادت دیں۔

اقرار ایمان دنیوی احکام کے اجرا کیلئے کافی ہے | (۲) حَتّٰى يَشْهَدُوْا سے ظاہر ہو گیا کہ اقرار ایمان کے بعد مومن ہونے کا حکم لگا دیا جائے گا

ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ

اپنی جان ومال کو مجھ سے محفوظ کرلیا مگر اسلام کے حق سے اور ان کا حساب

عَلَى اللّٰهِ عزوجل

اللہ پر ہے

۲۵ حدیث ایمان عمل ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم

کرتا ہو اس اقرار کی تکذیب نہ کرتا ہو مثلاً ایک شخص کلمہ پڑھتا ہے اور رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرتا ہے، بت پوجتا

ہے یا ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرتا ہے تو وہ ہرگز مومن نہیں۔

بے نمازی کا حکم ③ امام شافعی اس حدیث سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ بے نمازی کا قتل کرنا واجب ہے، امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اسے قتل نہ کیا جائے بلکہ قید رکھا جائے یہاں تک کہ نماز پڑھنے لگے۔ امام شافعی پر دو طرح نقض ہے ایک یہ کہ بے نمازی کو قتل کا حکم دیتے ہیں اور تارک زکوٰۃ کے قتل کو جائز نہیں رکھتے۔ اس کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ اس سے جبراً زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ دوسرے یہ کہ حدیث میں اقاتل وارد ہے۔ یہ باب مفاعلت سے ہے جس کی خاصیت مشارکت ہے قتال سے حکم قتل پر استدلال درست نہیں۔

حق اسلام کی توضیح ④ مراد یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد انھیں بے محابا نہ چھوڑ دیا جائے گا بلکہ اگر کوئی ایسا جرم کریں گے جو موجب قتل ہوگا۔ تو انھیں بطور سزا قتل کیا جائے گا۔ مثلاً کسی کو قتل کریں گے تو قصاص واجب ہوگا۔ زنا کریں گے تو اس کی سزا ان کو دی جائے گی۔

حسابہم علی اللہ کا مفاد ⑤ اقرار ایمان کے بعد اس پر مومن کے احکام جاری ہوں گے اور اگر اس کے دل میں کھوٹ ہے تو اللہ عزوجل خوب جانتا ہے اس کا حساب لے گا۔

تشریحات ۲۵

لغات ① جہاد کا مادہ جُہد ہے اس کے لغوی معنی مشقت کے ہیں اصطلاح شرع میں جہاد کے معنی ہیں اسلام کی حفاظت

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ فَقَالَ إِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قِيْلَ

سے سوال کیا گیا کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا پھر پوچھا گیا

ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ

اس کے بعد فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا پھر پوچھا گیا اس کے بعد؟ فرمایا حج مبرور

واشاعت و سربلندی کے لئے مخالفین اسلام سے جنگ کرنا۔ مبرور۔ بِرٌّ سے ہے یہاں مَبْرُوْرٌ سے مراد مقبول ہے۔ بِرٌّ کے لغوی معنی خیر جمع کرنے کے ہیں۔ اور محاورہ میں مختلف معانی کے لئے آتا ہے نیکی، وہ کام جس میں گناہ نہ ہو قسم پوری کرنا۔ ریا سے خالی کوئی نیک عمل کرنا۔ رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرنا/ مطلق احسان۔

حج مبرور کی علامت (۲) حج مبرور کی علامت یہ ہے کہ آدمی حج کے بعد پہلے سے زیادہ دیندار ہو جائے۔

ایمان عمل قلب ہے (۳) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال یہ ہوا تھا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے جواب میں ارشاد فرمایا۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ جو لوگ عمل کو ایمان کا جز مانتے ہیں۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں لیکن ان کا یہ استدلال درست نہیں۔ عمل افعال جوارح کے ساتھ خاص نہیں۔ قلب کے فعل کو بھی عمل کہتے ہیں۔ بلکہ فعل بھی کہتے ہیں۔ اس سے دو باب پہلے خود امام بخاری نے فرمایا ان المعرفة فعل القلب۔ اسی باب میں قول پر عمل کا اطلاق تسلیم کیا۔ عما کانوا یعملون کی تفسیر فرمائی عن لا اله الا الله۔ اس کے پہلے والی آیت میں بما کنتم تعملون کے عموم میں تصدیق داخل ہے۔ اگر دل کے افعال پر عمل کا اطلاق درست نہ ہوتا تو تعملون میں تصدیق قلبی کیسے داخل ہوتی۔ اس لئے اس سے اعمال کے داخل ایمان ہونے پر استدلال تام نہیں۔ ہاں اس حدیث میں اگر عمل سے مراد اقرار باللسان لیں تو معاملہ بے غبار ہے۔

افضل الاعمال کا مطلب (۴) گزر چکا کہ مختلف احادیث میں افضل الاعمال کا اطلاق مختلف عبادات پر آیا ہے۔ وجہ یہ بھی گزری کہ سائلین یا سامعین یا وقت کے لحاظ سے فرمایا۔ یا ہر جگہ مِنْ محذوف مانا جائے۔ مراد یہ ہے کہ افضل الاعمال میں سے یہ بھی ہے اور فلاں عمل بھی فلاں عمل بھی۔

حج افضل ہے یا جہاد (۵) اس حدیث کے سیاق سے ثابت کہ جہاد حج سے افضل ہے لیکن یہ بھی مطلقاً نہیں جہاد اگر فرض عین ہو جائے مثلاً دشمن ہجوم کر کے کسی آبادی کو گھیر لیں تو بلاشبہ حج سے افضل ہے۔ اس عہد مبارک کی عمومی حالت یہی تھی۔ ورنہ کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ کہ حج جہاد سے افضل ہو مثلاً جہاد فرض عین نہیں یا ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ جہاد فرض ہی نہ ہو اور ایک شخص پر حج فرض ہو گیا

سه مسلم ترمذی نسائی کتاب الایمان۔

(۳۶) حدیث مؤمنا او مسلما

عن سعدٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اور اس کے لئے حج ہی افضل ہوگا۔ مختصر یہ کہ اعمال میں فضیلت کی ترتیب کلی اور قطعی نہیں مقرر کی جاسکتی۔

تشریحات (۳۶)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) وقص کے معنی توڑنے کے ہیں۔ وقاص مبالغہ کا صیغہ ہے۔ بہت توڑنے والا۔ ان کا نام مالک ہے اور کنیت ابو اسحٰق۔ نسب نامہ یہ ہے: مالک بن وہیب یا اُہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب۔ کلاب تک پہنچ کر شجرہ حضور سے مل جاتا ہے۔ یہ وہیب حضرت آمنہ کے چچا تھے۔ اور بروایتے انھیں نے حضرت آمنہ کا عقد حضرت عبد اللہ سے کیا تھا۔ حضرت سعد ایک بار خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ جب سامنے آئے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ میرے ماموں ہیں کوئی مجھے ایسا ماموں دکھائے۔

آپ اسلام قبول کرنے والوں میں پانچویں یا ساتویں فرد ہیں۔ اسلام قبول کرتے وقت ان کی عمر مبارک چودہ یا سترہ سال کی تھی عشرہ مبشرہ اور مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے ہجرت کی تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوہ احد میں جب عام انتشار پھیل گیا۔ یہ ان چودہ جاں نثار بہادروں میں سے تھے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے سپر بنے ہوئے تھے۔ بہت ماہر تیر انداز تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انھیں تیر دیتے تھے اور فرماتے۔

ارم یاسعد فداک ابی وامی — اے سعد تیر چلاؤ، جاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان۔

یہ محبت بھرا جملہ سوائے ان کے اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر کے کسی کے لئے کبھی نہیں فرمایا

ان کا خطاب فارسِ اسلام، فاتحِ ایران بھی ہے۔ سب سے پہلے راہ خدا میں انھوں نے تیر چلایا۔ اور سب سے پہلے انھوں نے دشمن اسلام کا خون بہایا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایران کے فاتح لشکر کے سپہ سالار بھی تھے۔ کوفہ کو انھوں نے بسایا، عرصے تک کوفے کے حاکم رہے۔ اخیر عمر میں گوشہ نشین ہوگئے تھے۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد جو فتنے اٹھے سب سے الگ تھلگ رہے۔ مدینے سے دس میل کی دوری پر عقیق میں ایک عالیشان مکان بنوایا تھا اسی میں رہتے تھے۔ سن ۵۵ یا ۵۸ھ میں ستر سے زائد عمر پاکر وصال فرمایا۔ جنازہ مبارکہ وہاں سے اٹھا کر مدینے لایا گیا۔ مروان نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع میں آسودہ ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں سب کے بعد یہ

أَعْطَى رَهْطًا وَسَعْدٌ جَالِسٌ فَتَرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

نے ایک جماعت کو کچھ مال دیا اور سعد وہاں بیٹھا ہوا تھا اور انھیں میں سے ایک ایسے شخص کو کچھ نہیں دیا جو مجھے بہت پسندیدہ

وَسَلَّمَ رَجُلًا فِيهِمْ هُوَ أَعْجَبُهُمْ إِلَيَّ فَقُمْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

تھا۔ (میں اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب گیا اور رازدارانہ لہجے میں) میں نے عرض کیا

واصل بحق ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے لئے دعا فرمائی تھی۔

اَللّٰهُمَّ سَدِّدْ سَهْمَهُ وَاَجِبْ دَعْوَتَهُ اے اللہ ان کا تیر بے خطا بنا اور ان کی دعا قبول فرما۔

اس کے اثر سے صحابہ کرام میں سب سے زیادہ قدر انداز تھے، اور ان کی دعا ہمیشہ قبول ہوئی۔ لوگ ان کی دعائے خیر کی امید رکھتے اور ان کی بددعا سے ڈرتے تھے۔

ان سے دو سو ستر احادیث مروی ہیں۔ پندرہ پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے اور پانچ افراد بخاری سے اور اٹھارہ مسلم سے ہیں۔ صحابہ کرام میں سعد نام کے سو سے زائد ہیں۔

لغات (۱) رھط۔ اس جماعت کو کہتے ہیں جو دس سے کم ہو۔ یعنی کم از کم تین سے لیکر نو تک۔ جو سب کے سب مرد ہوں کوئی عورت نہ ہو۔ بعضوں نے کہا تین سے دس تک کو رہط اور سات سے کم تین تک کو نفر کہتے ہیں۔ نو سے اگر کچھ زائد ہو جائے تب بھی رہط کا اطلاق درست ہے۔ نیز اس کے معنی اپنے قبیلے والوں کے بھی ہیں۔ نیز قریبی مورث کی اولاد کو بھی کہتے ہیں۔ یہ اسم جمع ہے اس کے لئے واحد نہیں۔ ان کبّہ اللّٰہ۔ اوندھے منہ گرنے کے معنی میں ہے۔ یہ ان چند عجیب و غریب افعال میں سے ہے کہ مجرد سے متعدی آتا ہے۔ اور باب افعال سے لازم۔ اس کے مثل اور چند افعال ہیں۔ جیسے اَجْمَّ۔ حَمَّ۔ اَنْسَلَ۔ نَسَلَ۔ اَمْرَىٰ۔ مَرَىٰ۔ اَنْزَفَ نَزَفَ۔ اَشْنَقَ البعیر رفع راسه۔ اَحْلَقَ۔ اَقْشَعَ۔ قَشَعَ۔ رَجُلًا۔ واقدی نے لکھا ہے ان کا نام جعیل بن سراقہ ضمری تھا۔ اَرَاهُ مشہور و معروف روایت ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہے جس کے معنی ہیں۔ میں گمان کرتا ہوں۔ مگر امام نووی نے فرمایا کہ صحیح ہمزے کے فتح کیساتھ ہے معنی ہیں اَعْلَمُهُ کے یعنی میں یقینی طور پر اسے مسلمان جانتا ہوں۔ اس لئے کہ اگر یقین نہ ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نفی کے باوجود بار بار تکرار نہ کرتے۔ او مسلما واؤ کے سکون کے ساتھ۔ اَوْ تقسیم یا تنویع یا شک اور شریک کرنے کے لئے آتا ہے۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا اسے واؤ کے فتح کے ساتھ پڑھنا خطا ہے تحقیق یہ ہے کہ یہ اضراب کے لئے ہے جس پر قرینہ ابن اعرابی کی یہ روایت ہے جو ان کی معجم میں ہے۔ لاتقل مومن قل مسلم۔ مومن مت کہہ مسلمان کہہ۔

تالیف قلب کے لئے عطا (۲) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ نئے اسلام لانے والوں کو تالیف قلب کے لئے کچھ

تعالیٰ علیہ وسلم فساررتہ فقلت یا رسول اللہ ما لک عن فلان فواللہ

یا رسول اللہ آپ نے فلاں کو کچھ نہیں دیا بخدا میں اسے مومن جانتا ہوں فرمایا یا مسلمان۔ پھر میں تھوڑی دیر

انی لاراہ مؤمنا فقال او مسلما فسکت قلیلا ثم غلبنی ما اعلم منہ فعدت

خاموش رہا مجھے اس کا جو حال معلوم تھا اس نے پھر مجھے سوال کرنے پر مجبور کیا میں نے عرض کیا حضور نے اس کو

لمقالتی فقلت ما لک عن فلان فواللہ انی لاراہ مؤمنا فقال او مسلما فسکت

کیوں نہیں عطا فرمایا؟ بخدا میں اس کو مومن جانتا ہوں ارشاد فرمایا۔ یا مسلمان۔ پھر میں تھوڑی دیر خاموش رہا لیکن

قلیلا ثم غلبنی ما اعلم منہ فعدت لمقالتی وعاد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

اس کا حال جو مجھے معلوم تھا اس نے مجھے پھر سوال کرنے پر مجبور کیا میں نے وہی سوال دہرایا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

علیہ وسلم ثم قال انی لاعطی الرجل وغیرہ احب الی منہ خشیۃ ان

وسلم نے وہی جواب ارشاد فرمایا۔ پھر فرمایا میں ایک شخص کو دیتا ہوں حالانکہ دوسرا وہ شخص جس کو کچھ نہیں دیتا مجھے زیادہ

یکبہ اللہ فی النار ع

پیارا ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو اس لئے دیتا ہوں کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس کو اوندھا جہنم میں نہ گرادے

عطا فرمایا کرتے تھے ایسے ہی افراد میں سے کچھ لوگوں کو عطا فرمایا اور ایک صاحب کو کچھ نہیں دیا اس پر حضرت سعد نے وہ عرض کیا جو حدیث میں مذکور ہے۔

یقین کی وجہ (٣) ایمان اور اسلام حقیقی معنی کے اعتبار سے ایک ہی ہیں مگر اسلام کا اطلاق اب اوقات ظاہری اطاعت و فرمانبرداری پر ہوتا ہے۔ چونکہ مومن ہونے کی بنیاد تصدیق قلبی پر ہے اور یہ باطنی چیز ہے اور مسلمان ہونے کا مدار اطاعت پر ہے یہ ظاہری چیز ہے۔ باطنی چیز پر اطلاع عوام کا کام نہیں۔ اور ظاہری حالت کو ہر شخص جان سکتا ہے جب حضرت سعد نے اس کے مومن ہونے کا یقین کر کے قسم کے ساتھ بیان کیا تو حضور نے اس پر تنبیہ فرمائی۔ کہ باطنی چیز پر کیسے اتنا یقین کرتے ہو کہ اس پر قسم کھا بیٹھے۔ یہ کہو کہ اس کو مسلمان جانتا ہوں یہ احتیاط عہد رسالت تک محدود تھی اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دلوں کا حال جانتے تھے اور مومن و منافق کو خوب پہچانتے تھے عہد رسالت کے بعد چونکہ کسی پر منافق ہونے کا حکم لگانا منع ہے۔ اس لئے اگر کوئی اسلام کا اقرار کرتا ہے تو اسے بلا دریغ مومن کہیں گے۔ اسلئے کہ اب باطنی حال جاننے کا یقینی ذریعہ نہیں۔ اب مدار اقرار پر ہے

یہ صاحب مومن مخلص تھے (٤) یہ شخص مومن مخلص تھے جیسا کہ بعد کے حصے سے ظاہر ہے کہ فرمایا جسے میں نہیں دیتا وہ مجھے زیادہ عزیز ہوتا ہے

(۲۴) کمالِ ایمان

وَقَالَ عَمَّارٌ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ ثَلَاثٌ مَنْ جَمَعَهُنَّ فَقَدْ جَمَعَ الْاِیْمَانَ

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے تین چیزوں کو جمع کر لیا اس نے ایمان (کی علامتوں) کو جمع کر لیا

اَلْاِنْصَافُ مِنْ نَفْسِكَ۔ وَبَذْلُ السَّلَامِ لِلْعَالَمِ وَالْاِنْفَاقُ مِنَ الْاِقْتَارِ

اپنے نفس سے انصاف کرنا۔ اور سب کو سلام کرنا۔ اور تنگ دستی میں خرچ کرنا

اور حضرت سعد سے جو فرمایا اس سے صرف انھیں ایک اصولی بات کی تعلیم دینی مقصود تھی اس شخص کے بارے میں شبہ کا ازالہ مقصود نہ تھا۔

عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (۱) یہ اولاد قحطان سے یمن کے باشندے تھے۔ ان کے والد یاسر یمن سے مکہ آئے اور ابو حذیفہ بن مغیرہ مخزومی کے حلیف بنے۔ انھوں نے اپنی کنیز سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یاسر کا نکاح کر دیا جن سے حضرت عمار پیدا ہوئے۔ ابو حذیفہ نے حضرت عمار کو آزاد کر دیا۔ یہ اور ان کے والدین قدیم الاسلام ہیں۔ ان کی والدہ کو اسلام قبول کرنے کے جرم میں ابوجہل نے شہید کر دیا۔ یہ اسلام کی پہلی شہیدہ ہیں۔ حضرت عمار اور ان کے والد کو ظالم طرح طرح سے ستاتے تپتی ہوئی پتھریلی زمین پر لٹا دیتے، تکلیف کی شدت کی وجہ سے ہوش گم ہو ہو جاتے۔ ایک بار اسی عالم میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گذر ہوا تو فرمایا۔

اصبروا یا آل یاسر فان موعدکم الجنۃ — اے آل یاسر صبر کرو۔ تمھارے وعدے کی جگہ جنت ہے۔

ایک بار ستم شعاروں نے انھیں آگ میں ڈال دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شفقت سے ان کے آبلوں پر ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی۔

یا نار کونی بردا وسلاما علی عمار کما کنت علی ابراھیم تقتلک الفئۃ الباغیۃ — اے آگ عمار پر ٹھنڈی اور سلامت ہو جا جیسا کہ ابراہیم پر ہوئی تھی۔ اے عمار تمھیں باغی گروہ قتل کرے گا۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ یہ شرف صرف ان کو اور حضرت صدیق اکبر کو ملا۔ کہ ان کے والدین بھی مسلمان ہوئے۔ مگر یہ حصر صحیح نہیں۔ حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت معاویہ کو بھی یہ شرف ملا ہے۔

یہ تیس سے کچھ اوپر اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ پہلے حبشہ ہجرت کی پھر مدینہ طیبہ۔ تمام غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل کی

اس اثر کو امام احمد نے کتاب الایمان، یعقوب ابن شیبہ، مسند جامع معمر، مصنف عبدالرزاق، مسند بزار، بغوی شرح السنۃ، ابن الاعرابی معجم، طبرانی کبیر۔

۲۷ حدیث۔ کفران العشیر

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيتُ النَّارَ فَإِذَا أَكْثَرُ أَهْلِهَا النِّسَاءُ يَكْفُرْنَ. قِيلَ أَيَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ؟ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَىٰ إِحْدَاهُنَّ

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے جہنم دکھائی گئی میں نے جہنم میں زیادہ تر عورتوں کو دیکھا کفر (ناشکری) کرتی ہیں عرض کیا گیا کیا اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں ارشاد فرمایا نہیں۔ وہ شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان نہیں مانتی اگر تم ان میں

جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے۔ اسی میں ۳۷ھ میں ترانوے یا چورانوے سال کی عمر پاکر شہید ہوئے۔ اور وہیں دفن ہوئے۔ حضرت علی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور شہادت کے وقت جسم پر جو کپڑے تھے اسی میں ان کی وصیت کے مطابق دفن فرمایا۔ ان سے دو سو ساٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ دو بخاری اور مسلم دونوں نے، تین صرف بخاری نے اور ایک صرف مسلم نے روایت کی۔

ایمان سے مراد کمال ایمان — (۲) فقد جمع الایمان سے مراد یہ ہے کہ اس نے کمال ایمان جمع کر لیا جیسا کہ شعبہ کی روایت میں یوں ہے فقد استکمل الایمان۔ العالم اگرچہ ماسوی اللہ کو کہتے ہیں مگر یہ اپنے عموم کلی پر نہیں۔ ورنہ عالم میں حیوانات، نباتات، جمادات بھی داخل ہیں۔ وہ ہرگز مراد نہیں۔ مراد یہ ہے جو سلام کرنے کے اہل ہوں خواہ اس سے تعارف و رشتہ ہو خواہ نہ ہو۔ اس لئے کافر بد مذہب فساق نکل گئے اس لئے کہ سلام کے اہل نہیں جیسا کہ حدیث مذکور میں دلائل مذکور ہوئے۔

حدیث کا مطلب — (۳) حدیث کا مطلب یہ ہے۔ جس مسلمان میں یہ تین باتیں ہوں گی وہ کامل الایمان ہے۔ ایک یہ کہ اپنے ساتھ انصاف کرتا ہو۔ اپنے ساتھ انصاف کا مطلب یہ ہے کہ تمام مامورات کو ادا کرتا ہو اور تمام منہیات سے بچتا ہو۔ انصاف کی ضد ظلم ہے اور کفر و شرک اور معصیت کا ارتکاب نفس پر ظلم ہے اس لئے انصاف کا مطلب ہوا تمام معاصی سے اجتناب۔ دوسرے ہر مسلمان غیر فاسق کو سلام کرنا خواہ اس سے اس کی جان پہچان ہو خواہ نہ ہو کوئی تعلق ہو خواہ نہ ہو۔ تیسرے تنگدستی کے باوجود راہ خدا میں خرچ کرتا ہو۔

تشریحات (۲۷)

(۱) دھر کے معنی زمانہ۔ ابد۔ دنیا کی پوری مدت۔ کسی قوم کی پوری مدت۔ آتا ہے۔ کفر کے اصل معنی چھپانے کے ہیں۔ یہاں احسا

الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ

سے کسی کے ساتھ زمانہ بھر احسان کرو پھر اگر تم سے کوئی بات ناپسند دیکھے تو کہدیگی میں نے تم سے کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔

۲۸ حدیث۔ آپسمیں قتال کا حکم

عَنِ الْاَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ ذَهَبْتُ لِاَنْصُرَ هٰذَا الرَّجُلَ فَلَقِيَنِيْ اَبُوْبَكْرَةَ

حضرت احنف بن قیس نے فرمایا میں اس شخص (حضرت علی) کی مدد کے لئے چلا۔ مجھ سے ابوبکرہ ملے

اور

چھپانا مراد ہے۔ یعنی ناشکری۔ نیز کفر کے معنی برائت اور بیزاری کے بھی ہیں۔ یہاں مراد ناشکری ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ناشکری گناہ ہے۔ مزید ثابت ہوا کہ احسان شناسی واجب ہے۔ نیز ثابت ہوا کہ جس طرح اعمال صالحہ پر ایمان کا اطلاق آیا ہے اسی طرح معاصی پر کفر کا اطلاق وارد ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جہنم اسوقت مخلوق اور موجود ہے۔ جہنم امور غیبیہ میں ہے۔ اسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا۔ اس سے ثابت کہ حضور غیب جانتے تھے۔ عورتوں کے جہنم میں زیادہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ بقیہ گناہوں میں مرد اور عورت دونوں شریک ہیں۔ اور یہ گناہ، شوہر کی ناشکری احسان فراموشی چونکہ عورتوں میں بہ نسبت مردوں کے زیادہ ہے۔ اس لئے یہ جہنم میں زیادہ نظر آئیں۔ پھر شوہر کی ناشکری تو صرف عورتوں کے ساتھ خاص ہے۔ عورتوں کو ناقصات عقل باعتبار اکثر کے فرمایا گیا۔ کہ ان میں زیادہ تر کم عقل ہوتی ہیں۔ ورنہ بعض بعض تو مردوں سے بھی زیادہ عاقل ہوتی ہیں۔ یہ حدیث یہاں مختصر ہے۔ مفصل باب الکسوف میں آئے گی۔

۳۸ تشریحات

احنف بن قیس (۱) تابعی ہیں ان کا اصل نام ضحاک یا صخر ہے اور کنیت ابو بحر ہے۔ مشہور احنف کے ساتھ ہیں۔ احنف کے معنی ٹیڑھے پاؤں والا یا وہ شخص جس کا پاؤں مڑا ہوا ہو اور وہ پاؤں کی پیٹھ کے بل چلتا ہو۔ انھیں زمانہ اقدس ملا۔ اسی عہد میں مسلمان بھی ہوئے لیکن زیارت سے محروم رہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ مرو الروذ انھوں نے فتح کیا۔ اس لشکر میں ان کے جھنڈے کے نیچے امام حسن بصری اور امام محمد بن سیرین بھی تھے۔ حضرت عمر و علی و عباس وغیرہ صحابہ سے حدیث سنی ان سے امام حسن بصری وغیرہ نے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں ۶۷ھ میں کوفے میں وصال ہوا۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) ان کا نام نفیع ہے یا مسروح۔ یہ طائف کے باشندے تھے۔ حارث بن کلدہ کے غلام۔ ان کی ماں وہی سمیہ ہے جو زیاد کی ماں ہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ فرمایا اور یہ اعلان کر دیا کہ جو غلام ہمارے

له ابوداؤد کتاب النکاح، کنز، مختصر کتاب الصلوۃ صلوۃ الکسوف جماعۃ ومن صلی وقد امستار کتاب الاذان باب ۱ رفع البصر الی الامام فی الصلوۃ وبدء الخلق۔ باب فی صفۃ الشمس والقمر۔ مسلم عدد ن وکسوف۔

فَقَالَ اَیْنَ تُرِیْدُ. قُلْتُ اَنْصُرُ هٰذَا الرَّجُلَ. قَالَ ارْجِعْ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ

انھوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے بتایا اس شخص کی مدد کے لئے جارہا ہوں۔ انھوں نے کہا واپس ہوجاؤ

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا الْتَقَی الْمُسْلِمَانِ

کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لیکر

بِسَیْفَیْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِی النَّارِ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا الْقَاتِلُ

لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ میں نے عرض کیا قاتل تو جہنمی ہوگا مگر مقتول کیسے ہوگا؟

فَمَا بَالُ الْمَقْتُوْلِ؟ قَالَ اِنَّهٗ کَانَ حَرِیْصًا عَلٰی قَتْلِ صَاحِبِهٖ

فرمایا مقتول اس لئے ہوگا کہ وہ اپنے مدمقابل کو قتل کرنے کا عزم مصمم رکھتا تھا۔

پاس آجائے گا وہ آزاد ہے۔ تو یہ چرخی کے ذریعہ فصیل سے اترے۔ چرخی کو عربی میں بکرہ کہتے ہیں۔ اسی بنا پر حضور نے ان کی کنیت ابوبکرہ رکھی۔ اور حسب اعلان انھیں آزاد کر دیا۔ انھیں آزادی تو مل گئی۔ لیکن محبوب خدا کی غلامی میں وہ مزہ پایا کہ عمر بھر خدمت ہی میں رہے۔ یہ فضلاء صحابہ اور ان کے عابدین میں تھے سنہ میں وفات پائی۔ ان سے ایک سو بتیس حدیثیں مروی ہیں۔ آٹھ پر شیخین متفق ہیں۔ اور پانچ تنہا امام بخاری نے اور ایک امام مسلم نے تنہا روایت کی ہے

ف اس حدیث میں هٰذا الرجل سے مراد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جیسا کہ خود بخاری کتاب الفتن میں بجائے هٰذا الرجل کے ابن عم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وارد ہے۔ نیز اسماعیل کی روایت میں یعنی علیاً موجود ہے۔

یہ واقعہ جنگ جمل کا ہے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا روکنا اس بنا پر تھا کہ ظاہر حدیث کے اعتبار سے انھوں نے یہی سمجھا تھا کہ جب دو مسلمان لڑیں تو کسی کا ساتھ نہیں دینا چاہیے یا اس بنا پر تھا کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یہ ظاہر نہ ہوسکا تھا کہ حق پر کون ہے۔ حضرت احنف جنگ جمل میں شریک نہ ہوئے مگر پھر حضرت علی کا حق پر ہونا ان پر ظاہر ہوگیا۔ اور جنگ صفین میں حضرت علی کے

ف اس سے مراد جب دو مسلمان ناحق لڑیں آپس میں لڑنے کا کوئی شرعی جواز نہ ہو نہ قاتل کے پاس نہ مقتول کے پاس۔ اور اگر لڑائی کی کوئی شرعی وجہ ہو تو یہ حکم نہیں۔ اگر شرعی جواز کی وجہ کسی کے پاس ہو تو اسے لڑنا جائز بلکہ باعث اجر۔ گنہگار وہ ہوگا جس کے پاس کوئی وجہ

ـــــــــــــــــــــــ

۳ کتاب الفتن۔ نسائی تحریم۔ ابن ماجہ فتن۔ مسلم۔ ابوداؤد۔

(۲۹) حدیث - گالی دینی جاهلیت هے

عَنِ الْمَعْرُوْرِ قَالَ لَقِیْتُ اَبَا ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ

حضرت معرور نے کہا میں نے مقام ربذہ پر حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملاقات کی

جواز نہیں اور اگر دونوں کے پاس شرعی جواز کی وجہ ہو تو کوئی گنہ گار نہ ہوگا جیسا کہ جنگ جمل اور صفین میں تھا۔ حضرت عائشہ و حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے اجتہاد سے لڑائی کو ضروری جانا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اجتہاد پر عمل فرمایا۔ اگرچہ باجماع اہلسنت حضرت علی حق پر تھے اور ان کے محاربین سے خطاء اجتہادی ہوئی۔ اور مجتہد سے اگر خطاء اجتہادی واقع ہو تو بھی اسے اور اس کے مقلدین کو ایک ثواب ملتا ہے۔ صحابہ کرام کے آپس میں مشاجرات میں کلام منع ہے۔ اللہ عزوجل نے تمام صحابہ کرام کے لئے فرمایا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (نساء (۹۵) حدید (۱۰) اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے اور ارشاد ہے رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (۱۰۰) اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ وجہ یہی ہے کہ صحابہ کرام کے باہمی اختلافات نفسانیت و دنیاداری کی وجہ سے نہیں۔ جو اختلاف ہوا۔ اجتہاد میں خطا کی وجہ سے ہوا۔

ف صحیح و محقق مذہب یہ ہے کہ گناہ کا محض ارادہ گناہ نہیں۔ مگر جب گناہ کا اتنا پختہ عزم کرلے جتنا گناہ کے ارتکاب کے وقت ہوتا ہے تو گناہ کا ایسا پختہ ارادہ و عزم گناہ ہے۔ یہ حدیث اس پر دلیل ہے۔ اگرچہ یہاں مقتول نے مسلمان کو قتل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں چلائے مگر حدیث میں موجب نار اس کی قتل کی حرص کو بتایا۔ اور حرص فعل قلب ہے فعل جوارح نہیں۔

تشریحات (۲۹)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) یہ بنی غفار بدوی قبیلے کے فرد ہیں۔ بنی غفار، بنی کنانہ کی ایک شاخ ہے۔ ان کا اصل نام جُنْدُب یا جُنْدَب ہے یا جُنْدُب تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام بُرَیْر ہے۔ یہ بھی سابقین الی الاسلام میں سے ہیں۔ خود فرمایا میں چوتھا یا پانچواں مسلمان ہوں۔ مکہ معظمہ میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے۔ پھر اپنے قبیلے میں واپس چلے گئے غزوہ خندق کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور پھر وصال اقدس تک حاضر رہے۔ غزوہ تبوک میں ابتداءً نہ شریک ہوئے۔ بعد میں اکیلے چلے راستے میں اونٹ مرگیا۔ اپنا سامان لادے ہوئے بالکل یکہ و تنہا اس وقت خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ کہ سرکار تبوک میں قیام فرما تھے۔ ان کو تن تنہا آتا دیکھ کر فرمایا اللہ! ابوذر پر رحم فرمائے۔ تنہا آیا ہے۔ تنہائی میں مرے گا اور تنہا ہی قبر سے اٹھے گا۔ یہ غیب کی خبر حرف بحرف پوری ہوئی۔ ان کا مسلک یہ تھا۔ کہ حاجت سے زیادہ مال جمع کرنا حرام ہے۔ اپنے اس اجتہاد پر بہت سخت تھے۔ لوگوں پر اس سلسلے میں بہت سخت تنقید فرماتے

بِالرَّبَذَةِ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَعَلٰى غُلَامِهٖ حُلَّةٌ۔ فَسَأَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ

جو لباس ان پر تھا ویسا ہی لباس ان کے غلام پر تھا۔ میں نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے بتایا میں نے

اِنِّىْ سَابَبْتُ رَجُلًا فَعَيَّرْتُهٗ بِاُمِّهٖ فَقَالَ لِىَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

ایک شخص (غلام) کو ماں کی گالی دی تھی۔ (اس نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شکایت کی) اس پر حضور نے فرمایا۔ اے

وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ اَعَيَّرْتَهٗ بِاُمِّهٖ اِنَّكَ امْرُءٌ فِيْكَ جَاهِلِيَّةٌ اِخْوَانُكُمْ

ابوذر تم نے اس کو ماں کی گالی دی ہے۔ تم میں کچھ جاہلیت ہے تمہارے خدام

خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَيْدِيْكُمْ فَمَنْ كَانَ اَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهٖ فَلْيُطْعِمْهُ

تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا۔ جس کے ماتحت اس کا کوئی بھائی ہو۔ تو اسے

مِمَّا يَاْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ۔ وَلَا تُكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ۔ فَاِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ

چاہئے کہ جو خود کھائے ویسا ہی اسے کھلائے اور جیسا پہنے ویسا ہی اسے بھی پہنائے۔ ان کو ایسا کام نہ دو جو

فَاَعِيْنُوْهُمْ

ان کی طاقت سے زیادہ ہو۔ اور اگر ایسا کام دو تو ان کی مدد کرو۔

...ف جس سے خلفشار مچا رہتا۔ عاجز آکر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو حکم دیدیا کہ ربذہ میں جاکر رہو۔ وہیں اکیلے رہے وہیں تنہائی میں وصال فرمایا۔ اتفاق سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہونچ گئے انھوں نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی۔ اور وہیں دفن فرمایا۔ ۳۲ھ میں وصال فرمایا۔ ان سے دو سو اکاسی حدیثیں مروی ہیں۔ بارہ متفق علیہ، دو افراد بخاری سے اور سترا افراد مسلم سے ہیں۔

لغات (۲) ربذۃ۔ مدینہ طیبہ سے تین منزل کے فاصلے پر عراق کی طرف ذات عرق کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ حُلّۃ۔ چادر اور تہبند دونوں کے مجموعے کو حلہ کہتے ہیں۔ سَابَبْتُ معنی میں سَبَبْتُ کے ہے۔ یعنی میں نے برا کہا۔

تکمیل (۳) کتاب الادب باب ما ینہی عن السباب واللعن میں اس حدیث کا اگلا حصہ یوں ہے۔ معرور نے کہا۔ میں نے دیکھا ان پر ایک چادر تھی اور ان کے غلام پر ایک چادر تھی۔ تو میں نے کہا اگر آپ غلام کی چادر لیکر پہن لیتے تو پورا جوڑا ہو جاتا۔ اور غلام کو کوئی اور کپڑا دیدیتے۔ تو حضرت ابوذر نے فرمایا۔ میرے اور ایک شخص (غلام) کے درمیان تیز کلامی ہو گئی۔ اس کی ماں عجمیہ تھی۔ میں نے اس کی ماں کو کچھ کہدیا۔ اس نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا اس پر حضور نے مجھ سے پوچھا۔ کیا تم نے فلاں کو گالی دی ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا اس کی

(۳۰) حدیث۔ شرک ظلم عظیم ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ وہ

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَہُمْ بِظُلْمٍ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ

لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی۔ انھیں کے لئے امن ہے اور یہی

ماں کو کچھ کہا ہے میں نے عرض کیا ہاں فرمایا تم میں کچھ جاہلیت ہے۔ میں نے عرض کیا اس وقت تک بڑھاپے کے باوجود حضور نے فرمایا ہاں لہ

تطبیق (۴) کتاب الایمان اور کتاب العتق میں "علیہ حلۃ" آیا ہے اور کتاب الادب میں "برد"۔ حلّہ پورے جوڑے چادر اور تہبند کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ علامہ عینی نے یہ فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت ابوذر صرف چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ اور ان کے غلام بھی سابقہ روایت میں "حلۃ" کا ذکر بطور مجاز ہے۔

اس حدیث میں مناسبت رجل سے مراد غلام ہے جس پر حدیث کا سیاق و سباق دلالت کرتا ہے اس لئے کہ حضرت ابوذر نے غلام کے ساتھ لباس میں مساوات کی صد اس واقعہ کو بتایا ہے۔ مطابقت اسی صورت میں ہوگی کہ جس شخص کو حضرت ابوذر نے گالی دی تھی وہ غلام ہو۔

کسے برا کہا تھا (۵) یہ قصہ حضرت بلال کے ساتھ پیش آیا تھا حضرت ابوذر نے ان کو یہ کہدیا تھا۔ او کالی عورت کے بچے۔ انھوں نے حضور سے اس کی شکایت کردی۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر سے فرمایا۔ تم میں جاہلیت ہے۔ اس ارشاد کے سنے کے بعد حضرت ابوذر نے اپنا رخسار زمین پر رکھکر حضرت بلال سے فرمایا۔ میں زمین سے اپنا رخسار اس وقت تک نہیں اٹھاؤں گا جب تک تم میرے رخسار کو قدم سے نہ روند دو۔ بالآخر حضرت بلال کو ان کی خواہش پوری کرنی پڑی۔ (قسطلانی)

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ کسی مسلمان کو برا کہنا حرام ہے۔

تشریحات (۳۰)

(۱) ظلم کے لغوی معنی۔ وضع الشئ فی غیر محلہ۔ یعنی جس چیز کی جگہ جو ہو اس کے بجائے دوسری جگہ رکھدینا۔ عرف میں ظلم کا اطلاق ستانے اور ناحق مال لینے پر ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کا اطلاق ہر گناہ پر ہوا ہے اور کفر و شرک پر بھی۔

توضیح (۲) جب سورۂ انعام کی یہ آیت نازل ہوئی:۔

لہ بخاری کتاب العتق، کتاب الادب، مسلم کتاب الایمان واللفظ لہ، ابوداؤد۔

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ. فَاَنْزَلَ اللّٰهُ اِنَّ

کرام پریشان ہوا) اس پر صحابہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ ہم میں کون ایسا ہے جس نے ظلم (گناہ) نہیں کیا

الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ عه

اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔ بیشک شرک ظلم عظیم ہے

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ — جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کی ظلم سے آمیزش نہیں کی۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ — انھیں لوگوں کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

بظلم نکرہ تحت النفی مفید عموم ہے۔ الامن کے متعلق لھم کی تقدیم مفید حصر تو آیت کا ظاہر مطلب یہ ہوا کہ جن کے ایمان کے ساتھ کسی بھی ظلم کی آمیزش نہ ہوئی اگرچہ وہ کوئی گناہ ہی کیوں نہ ہو۔ صرف انھیں کے لیے امن وہدایت ہے۔ اور جن کے ایمان سے کسی ظلم کی اگرچہ وہ کوئی گناہ ہی کیوں نہ ہو۔ آمیزش ہوئی نہ ان کے لیے امن ہے اور نہ ہدایت۔ اس پر صحابہ کرام نے عرض کیا ہم میں کون ایسا ہے جس نے کوئی نہ کوئی ظلم نہ کیا ہو تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہاں ظلم سے مراد اس کی اعلیٰ قسم شرک ہے کیا تم نے لقمان کا یہ قول نہیں سنا۔

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ — بیشک شرک ظلم عظیم ہے۔

اشارہ فرمایا کہ بظلم کی تنوین تعظیم کے لیے ہے اس جگہ یہ ہے کہ صحابہ کے سوال پر سورہ لقمان کی یہ آیت نازل ہوئی اور کتاب التفسیر میں وہ ہے جو ہم نے لکھا۔ علامہ ابن حجر نے یہ تطبیق دی۔ کہ ہو سکتا ہے کہ سورہ لقمان کی یہ آیت جلدی نازل ہوئی ہو۔ راوی کو اس کا علم نہ رہا ہو حضور نے اس کی نشاندہی کی تو راوی نے یہ سمجھا کہ اسی وقت نازل ہوئی ہے۔

(۲) اس حدیث پر اشکال یہ ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا ہم میں کون ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو۔ اور ظلم سے مراد ان کا گناہ ہے تو صحابہ کا اقرار ی گنہ گار ہوئے۔ حالانکہ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام سب کے سب عادل گناہ سے محفوظ ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اقرار یا تو بر سبیل تواضع ہے یا یہ کہ ان کی مراد وہ افعال ہیں جن کی حرمت کا انھیں علم نہ تھا یا ابھی اس کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی اس کا ارتکاب وہ کرتے تھے۔ بعد میں حرمت نازل ہوئی یا بعد میں حرمت کا علم ہوا ایسے افعال کو انھوں نے ظلم سے تعبیر کیا۔ یا غایت کرم سے اپنے بعد آنے والوں کے لیے سوال کر لیا اور بربنائے كُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَةٌ ان کو اَيُّنَا سے تعبیر فرمایا۔ یا گناہ سے مراد وہ صغائر ہیں جو بلا قصد و اختیار سرزد ہو جائیں۔

عه کتاب الانبیاء۔ کتاب التفسیر۔ استتابۃ المرتدین بخاری۔ مسلم۔ ترمذی

(۳۱) حدیث - نفاق کی علامت

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا

قال آیۃ المنافق ثلاث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان

منافق کی نشانیاں تین ہیں جب بات کرے جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے وعدہ خلافی کرے اور جب کہ امانت رکھی جائے [خیانت کرے]

(۴) ایمان کے ساتھ کفر وشرک کی آمیزش سے مراد یہ ہے کہ وہ منافق نہیں۔ کہ ظاہر میں ایمان کا اقرار اور اللہ کا فیصلہ [...] یہ ہے کہ وہ ایمان کا مدعی ہے۔ اور اپنے کو مومن مخلص یقین کیے ہوئے ہے۔ مگر اس سے کفر کا صدور ہو گیا۔ اور وہ اپنی جہالت سے [کفر] کو کفر نہیں جانتا۔ جیسے اس زمانے کے قادیانی نیچری وہابی رافضی وغیرہ ہیں

تشریحات (۳۱)

(۱) اس حدیث میں منافق کی تین ایسی علامتیں بیان فرمائیں جن کا تعلق قول عمل نیت میں سے ایک ایک سے ہے۔ کذب فساد قول ہے۔ خیانت فساد عمل ہے۔ اور وعدہ خلافی فساد نیت ہے۔

آیت کے معنی علامت کے ہیں۔ اور علامت کبھی شی کے لوازم سے ہوتی ہے اور لوازم کبھی ملزوم سے اعم ہوتے ہیں۔ لازم کا وجود ملزوم کے وجود کو مستلزم نہیں۔ جیسے ماشی انسان کے لوازم میں سے ہے مگر چونکہ یہ لازم اعم ہے اس لئے ماشی کے وجود سے انسان کا وجود لازم نہیں۔ تمام چوپائے ماشی ہیں مگر انسان نہیں۔ اسی طرح یہ علامتیں منافق کے لوازم عامہ میں سے ہیں کہ جو منافق ہوگا اس میں یہ تینوں باتیں ضرور ہوں گی۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جس میں یہ باتیں پائی جائیں وہ منافق بھی ضرور ہو جیسے کفار مشرکین۔ اس لئے اگر کسی مسلمان میں یہ باتیں پائی جائیں تو اسے منافق کہنا جائز نہیں۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں نفاق کی علامت ہے۔

علامہ قرطبی نے فرمایا کہ نفاق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک نفاق فی الاعتقاد کہ جو زبان سے اپنے کو مسلمان کہے اور دل میں کفر رکھے۔ دوسرے نفاق فی العمل اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ کام کرے جو مسلمانوں کے شایانِ شان نہ ہو منافقین کے کرتوت ہوں جیسے یہ تینوں عیوب۔ جو مسلمان اس کا مرتکب ہو وہ نفاق فی العمل کا مرتکب ہے۔

ﻟﻪ شہادات ۔ وصیت ۔ ادب ۔ مسلم ایمان ۔ ترمذی ۔ نسائی

۳۴ حدیث - گالی بکنا نفاق کی علامت ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِیْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَّمَنْ كَانَ فِیْهِ خَصْلَةٌ

جس میں یہ چاروں باتیں ہوں گی وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے ایک ہوگی اس میں

مِنْهُنَّ كَانَتْ فِیْهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَهَا اِذَا اؤْتُمِنَ

نفاق کی ایک خصلت پائی جائے گی یہاں تک کہ اس کو چھوڑ دے جب اس کے پاس امانت رکھی جائے

خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ[۱]

خیانت کرے جب بات کرے جھوٹ بولے جب عہد کرے تو دغا کرے جب جھگڑا کرے تو گالی دے۔

۳۴ تشریحات

(۱) اس میں ان تین کے علاوہ چوتھی علامت یہ بتائی جب جھگڑے تو گالی دے۔ نیز اس حدیث میں صاف صاف فرمایا کہ جس میں یہ چاروں باتیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا۔

اب یہاں بھی یہی کہنا پڑے گا کہ منافق خالص سے منافق فی العمل مراد ہے۔ یا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے زمانے کے منافقین کے بارے میں فرمایا کہ ہمارے زمانے میں جس کلمہ گو میں یہ چاروں برائیاں اکٹھی ہوں تو سمجھو کہ وہ پکا منافق ہے۔

(۲) نفاق کی علامتیں انھیں چاروں میں منحصر نہیں۔ اس کے علاوہ بھی دوسری احادیث میں اور قرآن کریم میں نفاق کی اور بھی علامتیں مذکور ہیں۔ جیسے گذر چکا کہ انصار سے بغض نفاق کی علامت ہے۔ اور بقیہ احادیث میں متفرق طور سے مذکور ہیں۔ مثلاً:۔ جس نے جہاد نہ کیا اور نہ کبھی اس کے دل میں جہاد کا شوق پیدا ہوا وہ اسی حالت میں مرا۔ نماز میں سستی کرنا۔ نماز کو مکروہ وقت میں پڑھنے کی عادت ڈال لینی۔ اذان کے بعد مسجد سے بے نماز پڑھے بلا ضرورت چلا جانا جب کہ لوٹنے کی نیت نہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ

---

[۱] جزیہ، مظالم بخاری۔ مسلم ایمان۔ ابوداؤد سنت۔ ترمذی ایمان نسائی ایمان۔ مسند امام احمد

حدیث (۳۳) جہاد کی اہمیت

سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضور

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنْتَدَبَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيْلِهٖ لَا

نے فرمایا اس شخص کے لئے جو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلے اور اس کو جہاد کے لئے صرف مجھ پر

يُخْرِجُهٗ اِلَّا اِيْمَانٌۢ بِيْ اَوْ تَصْدِيْقٌۢ بِرُسُلِيْ اَنْ اَرْجِعَهٗ بِمَا نَالَ مِنْ

ایمان نے اور تمام پیغمبروں کی تصدیق نے نکالا ہو اللہ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لیا ہے یا تو اسے

اَجْرٍ اَوْ غَنِيْمَةٍ اَوْ اُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَلَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ مَا قَعَدْتُ

ثواب یا مال غنیمت کے ساتھ گھر واپس کرے یا اس کو شہید کرا کے جنت میں داخل کرے۔ اگر میں یہ نہ سمجھتا کہ

خَلْفَ سَرِيَّةٍ وَلَوَدِدْتُ اَنِّيْ اُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ

میری امت پر یہ شاق ہوگا تو کسی سریہ کے پیچھے نہ رہتا اور میں اس بات کو پسند رکھتا ہوں کہ اللہ کی راہ

ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ[1]

میں مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں

تشریحات (۳۳)

ف۱ انتدب کا مادہ ندب ہے۔ اس کا صلہ جب الیٰ آتا ہے تو اس کے معنی بلانے اور ابھارنے کے ہوتے ہیں دعا کو انتدب کے معنی قبول کرنا۔ بہت جلد اچھی جزا دینا۔ کفیل ہونا ہے۔ یہاں ارجح یہ ہے کہ ذمہ دار اور کفیل ہونے کے معنی میں ہے۔ اسی لئے کتاب الجہاد میں بجائے انتدب کے تکفل ہے۔

ف۲ مراد یہ ہے کہ اگر اس جہاد میں، مال غنیمت ہاتھ نہیں آیا تو جہاد کا ثواب ضرور ملے گا یا پھر ثواب اور مال غنیمت دونوں ملیگا۔ اور ایک توجیہ یہ ہے کہ یہ "او" واؤ کے معنی میں ہے اس کی تائید ابو داؤد کی روایت سے ہوتی ہے جس میں واؤ ہی ہے اور اُدخلہ الجنۃ سے مراد یہ ہے کہ مقربین کے ساتھ بلا حساب وکتاب جنت میں داخل فرماؤں گا۔ اور اس کے تمام گناہوں کو معاف کر دیگا۔

---

[1] کتاب الجہاد بخاری۔ مسلم امارۃ۔ نسائی ابن ماجہ۔ مسند امام احمد۔

(۳۴) حدیث۔ من صام رمضان ایمانا

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

تعالیٰ علیہ وسلم من قام لیلۃ القدر ایمانا واحتسابا غفر لہ ما

جس نے شب قدر میں عبادت کی ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے اس کے گذشتہ

تقدم من ذنبہ ومن صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہ ما

گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور جس نے رمضان کا روزہ ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے

تقدم من ذنبہ

رکھا اس کے گذشتہ گناہ بخش دیے جائیں گے

سریہ چھوٹے لشکر کو کہتے ہیں عرب کا مقولہ ہے کہ خیر السرایا اربعمائۃ رجل۔ بہترین سریہ وہ ہے جس میں چار سو ہوں۔ کتب حدیث وسیر میں، سریہ سے مراد مجاہدین کی وہ جماعت ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شریک نہ ہوں۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جہاد ایسی بہترین عبادت ہے کہ جو شخص اللہ کی رضا کے لئے سچے ایمان کے ساتھ جہاد میں نکلے گا وہ بہرحال نفع میں رہے گا یا تو سے مال غنیمت اور ثواب دونوں ملے گا یا نہیں تو ثواب کہیں نہیں گیا اور کام آگیا تو بلا حساب وکتاب جنت میں جائے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باں فضل وکمال وعظمت وجلال فرماتے ہیں۔ اگر تم لوگوں پر شاق نہ ہوتا تو میں ہر چھوٹے سے چھوٹے لشکر کے ساتھ بھی ضرور جاتا۔ لیکن چونکہ میرے ساتھ تم سب لوگ نکل پڑتے اس سے تمہیں دشواری ہوتی اسئے میں ہر سریہ کے ساتھ نہیں جاتا۔ میری آرزو ہے کہ راہ خدا میں بار بار شہید کیا جاؤں زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں۔

تشریحات (۳۴)

(۱) ؎۱ اس سے ثابت ہوا کہ بغیر ایمان بڑا سے بڑا عمل بیکار ہے ؎۲ معلوم ہوا کہ بے نیت ثواب کسی عمل صالح پر ثواب نہیں۔

؎۳ مراد گناہ صغیرہ ہیں۔

؎۱ کتاب الصوم۔ ایمان بخاری۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ موطا امام مالک۔

ت: ٹ - اَحَبُّ الدِّیْنِ اِلَی اللّٰہِ الْحَنِیْفِیَّۃُ السَّمْحَۃُ ۳۵

حق اور آسان دین ہی خدا کو سب سے زیادہ پسند ہے

(۳۵) حدیث - دین آسان ہے

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ وَّلَنْ یُّشَادَّ الدِّیْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَہٗ فَسَدِّدُوْا

بیشک یہ دین آسان ہے اور جو بھی دین میں سختی اختیار کرے گا دین اس پر غالب آجائے گا

وَقَارِبُوْا وَاَبْشِرُوْا وَاسْتَعِیْنُوْا بِالْغَدْوَۃِ وَالرَّوْحَۃِ وَشَیْءٍ مِّنَ الدُّلْجَۃِ

اس لئے میانہ روی اختیار کرو اور قریب قریب رہو اور بشارت لیتے رہو اور صبح وشام اور کچھ آخر شب میں [illegible]

اس حدیث سے ثابت کہ جہاد فرض عین نہیں، فرض کفایہ ہے۔ فرض عین ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سریہ میں ضرور شریک ہوتے۔

تشریحات (۰)

الحنیفیۃ۔ حنیف کا مصدر جعلی ہے حنیف اسے کہتے ہیں جو باطل سے منہ موڑ کر حق کا پابند ہو۔ الحنیفیۃ کے معنی ہوئے حق۔ السمحۃ کے معنی سہل آسان ہے مراد یہ ہے کہ اللہ عزوجل کو دین اسلام سب سے زیادہ پسند ہے جس میں ہر باطل سے روگردانی کرکے حق کی پابندی ہے اور جس پر عمل سہل و آسان ہے۔ پسندیدگی کی زیادتی ادیان سابقہ کے اعتبار سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم سے لیکر اب تک جتنے دین اللہ کے نازل ہوئے ہیں وہ سب اپنی اپنی جگہ پسندیدہ ہیں مگر یہ دین، دین اسلام سب سے زیادہ پسند ہے۔

تشریحات (۳۵)

لغات (۱) یشاد کا مصدر شادۃ ہے جس کے معنی ہیں آپس میں دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ سددوا کے معنی ہیں صحیح طریقے سے کام کرو یا میانہ روی اختیار کرو۔ قاربوا کے معنی ہیں قریب قریب رہو۔

حدیث إِنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ

أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا

بتائے علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جب کوئی بندہ

أَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ إِسْلَامُهُ يُكَفِّرُ اللهُ عَنْهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ كَانَ زَلَفَهَا

اسلام لائے اور اس کا اسلام اچھا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر اس گناہ کو جو اس نے اسلام لانے سے پہلے

(٧) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام آسان دین ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی یہ چاہے کہ اسلام میں جتنے اعمال صالحہ ہیں سب کرلیں یہاں تک کہ اعمال صالحہ کی فہرست ختم ہوجائے تو ایسا نہیں ہوسکتا آدمی عمل کرتے کرتے تھک جائے گا مگر اعمال صالحہ ختم نہ ہوں گے۔

یا مراد یہ ہے کہ جو شخص اعمال دینیہ میں تعمق و تقشف کی وجہ سے سخت سے سخت پر عمل کرنے کی کوشش کریگا وہ ایک نہ ایک دن تھک ہار کر بیٹھ جائیگا یہ غیب کی خبر ہے۔ ابن منیر نے کہا ہم نے بھی اور لوگوں نے بھی دیکھا کہ جو سخت سے سخت تر پر کاربند ہونے کا کوشاں ہوا وہ رہ گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اکمل و افضل اعمال کی طلب نامحمود ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ نوافل و مستحبات میں حد سے زیادہ بڑھ کر مبالغہ نہ کرو کہ اس سے افضل ترک ہوجائے گا فرض و واجب قضا ہوجائے جیسے کوئی رات بھر عبادت کرتا رہا صبح کو نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا اور نتیجے میں نماز فجر فوت ہوگئی یا جماعت نہ ملی اس قسم کا افراط و غلو منع ہے میانہ روی اختیار کرو اور اگر اکمل و افضل کی استطاعت نہیں تو اس سے قریب کی جتنی استطاعت ہو اس کو کرو۔ لوگوں کو بشارت دو ہر نیک عمل پر ثواب ملے گا اگرچہ وہ قلیل ہی ہو جیسے مسافر اگر رات دن چلتا رہے تو منزل تک شاید ہی پہنچ پائے اور جو مناسب وقت میں سفر کرے وقفہ وقفہ میں آرام کرتا جائے تو آسانی سے منزل تک پہنچ جائیگا۔ یا استعینوا بالغدوۃ خاص مسافروں کے لئے ارشاد ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جہاں رخصت ہے رخصت پر عمل کرے مثلاً بیمار کو بجائے غسل کے تیمم کی اجازت ہے تو خواہ مخواہ غسل نہ کرے اسے ضرر کا اندیشہ ہے۔

تشریحات (٨) و (٣٦)

(١) اسلام کے اچھے ہونے سے مراد یہ ہے کہ ظاہر باطن ہر طرح مسلمان رہے اس کے دل میں نفاق اور کھوٹ نہ رہے۔

وَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْقِصَاصُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِمِائَةِ

کئے تھے معاف فرمادے گا اور اس کے بعد حساب شروع ہوگا ایک نیکی کے عوض دس نیکیوں سے سات سو

ضِعْفٍ وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا إِلَّا أَنْ يَتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهَا

تک لکھی جائیں گی اور ایک برائی کے بدلے ایک۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے۔

(۳۶) حدیث۔ إِذَا أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ إِسْلَامَهُ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ إِسْلَامَهُ فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا

نے فرمایا جب کوئی شخص اپنا اسلام اچھا کرلے تو جو نیکی بھی کرے گا دس گنے سے

تُكْتَبُ لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ وَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا

سات سو گنے تک لکھی جائے گی اور برائی کرے

تُكْتَبُ لَهُ بِمِثْلِهَا

ایک لکھی جائے گی

(۲) یکفر اللہ۔ تکفیر کے لغوی معنی چھپانے کے ہیں مراد یہ ہے کہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ کان زلفھا۔ زلف کے معنی آگے کرنے کے ہیں مراد یہ ہے کہ جو اس نے پہلے حالت کفر میں کئے تھے۔ القصاص کے معنی کسی چیز کا کسی سے مقابلہ کرنا۔ مراد یہ ہے کہ ہر عمل کی اس کے مناسب جزا ملے گی۔ ضعف کے معنی کم از کم دگنے کے ہیں اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

(۳) اس حدیث سے ثابت کہ اسلام اپنے ماقبل کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور مومن جو نیک عمل کرتا ہے اس پر کم از کم دس گنا اور زیادہ سے زیادہ جتنا اللہ عزوجل چاہے ثواب عطا فرمائے گا۔ اور گناہ کرنے پر چاہے معاف فرمادے کوئی سزا نہ دے اور اگر معاف نہ فرمائے گا تو صرف ایک ہی گناہ کی سزا دے گا۔ حدیث میں ہے:۔ دس گنے سے سات سو گنے تک۔ مگر یہ تحدید کے لئے نہیں۔ قرآن مجید میں ہے وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔ اور اللہ جس کے لئے چاہے اس (سات سو گنی) سے زیادہ بڑھا دے اور اللہ وسعت

۳۷ حدیث ۔ اعمال پر پابندی پسندیدہ ھے

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس

دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا امْرَأَةٌ قَالَ مَنْ هٰذِهٖ قَالَتْ فُلَانَةُ (لَا تَنَامُ بِاللَّيْلِ)

تشریف لائے اس وقت ان کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی حضور نے دریافت فرمایا یہ کون ہے عرض

تَذْكُرُ مِنْ صَلَاتِهَا قَالَ مَهْ عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيقُوْنَ (مِنَ الْاَعْمَالِ) فَوَاللّٰهِ لَا

کیا یہ فلاں عورت ہے جو رات میں نہیں سوتی ام المؤمنین نے اس عورت کی نماز کا حال بیان کیا یہ رات بھر نوافل پڑھتی رہتی

يَمَلُّ اللّٰهُ حَتّٰى تَمَلُّوْا وَكَانَ اَحَبُّ الدِّيْنِ اِلَيْهِ مَادَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهٗ

ہے آپ نے ارشاد فرمایا، چھوڑو اتنا ہی عمل کرو جس کی طاقت تم رکھتے ہو بخدا اللہ تعالیٰ نہیں تھکیگا تم خود ہی تھک جاؤ گے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو وہ عمل بہت پسند تھا جو آدمی ہمیشہ کرے

۳۷ تشریحات

لغات | مَهْ ۔ اسم فعل معنی میں چھوڑ دے کے ہے ۔ يَمَلُّ کا مصدر مَلَال اور مَلّ ہے جس کے معنی گھبرانے اکتانے اور تھکنے کے ہیں۔ یہاں یہی معنی مراد ہے ۔ ① ان کا نام حولاء بنت تویت تھا ② مطلب یہ ہے کہ یہ بات پسندیدہ نہیں کہ نوافل بکثرت پڑھنا شروع کر دیا جائے پھر چھوڑ دیا جائے ۔ بہت زیادہ پسندیدہ وہ کام ہے جو آدمی پابندی کے ساتھ بلاناغہ ہمیشہ کرے اگرچہ وہ تھوڑا ہی ہو۔ یہ مت وہم کرو کہ اللہ عزوجل کے خزانہ میں کوئی کمی ہے یا وہ اعمال کا ثواب دیتے دیتے تھک سکتا ہے یا گھبرا سکتا ہے وہ ان سے منزہ ہے تم جتنا زیادہ عمل کرو گے اللہ عزوجل اس کا تم کو ثواب دے گا۔

③ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نوافل و مستحبات پر بھی پابندی اور مداومت اللہ عزوجل کو پسند ہے اس لئے میلاد مع قیام، فاتحہ، عرس وغیرہ امور خیر اگر کوئی بلاناغہ پابندی سے کرتا ہے تو یہ پابندی اسے ناجائز و حرام نہیں کر دے گی بلکہ یہ مزید پسندیدگی کی باعث ہوگی۔

اَحَبُّ الدِّيْن میں مضاف محذوف ہے یعنی دین کے اعمال میں سب سے زیادہ وہ عمل پسندیدہ ہے جو ناغہ کے ساتھ نہ ہو۔

(٣٨) حدیث۔ مومن بالآخر نجات پائیگا

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَخْرُجُ مِنَ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سب لوگ جہنم سے نکالے

النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَفِیْ قَلْبِہٖ وَزْنُ شَعِیْرَۃٍ مِّنْ خَیْرٍ

جائیں گے جنھوں نے لا الہ الا اللہ کہا اور ان کے دل میں جو کے برابر بھی خیر (ایمان) ہوگا اور

وَیَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَفِیْ قَلْبِہٖ وَزْنُ بُرَّۃٍ مِّنْ

وہ لوگ بھی جہنم سے نکالے جائیں گے جنھوں نے لا الہ الا اللہ کہا اور ان کے دل میں گیہوں کے برابر خیر (ایمان) ہوگا

خَیْرٍ وَیَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَفِیْ قَلْبِہٖ وَزْنُ ذَرَّۃٍ

اور وہ لوگ بھی جہنم سے نکالے جائیں گے جنھوں نے لا الہ الا اللہ کہا اور ان کے دل میں ذرہ کے برابر خیر (ایمان) ہوگا۔

تشریحات (٣٨)

لغات اس حدیث میں تین لفظ یکے بعد دیگرے آئے ہیں شعیرۃ، جو۔ بُرّۃ، گیہوں۔ ذرّہ، ذرے انتہائی چھوٹے غبار کے ریزوں کو کہتے ہیں جو دھوپ میں اس وقت نظر آتے ہیں جب دھوپ مکان کے اندر پڑ رہی ہو۔

(١) اس حدیث کے ظاہر سے ثابت ہو رہا ہے کہ ایمان باعتبار مقدار کے بھی چھوٹا بڑا ہوتا ہے مثلاً کسی کا جو کے برابر کسی کا گیہوں کے برابر کسی کا ذرے کے برابر۔ لیکن حقیقت میں یہ ایمان کی مقدار کو بیان فرمانا نہیں بلکہ غیر محسوس کو بطور تمثیل محسوس فرض کرکے سمجھانے کے لئے ارشاد ہوا یا یہ کہ مومن بہ کے اجمال و تفصیل کے اعتبار سے یہ فرمایا گیا۔ اس کو یوں سمجھئے مثلاً زمانہ فترت کے موحدین کی نجات کیلئے کفر و شرک سے تبری اور اعتقاد توحید کافی ہے ابتدائے بعثت میں توحید کیساتھ رسالت اور جتنا قرآن نازل ہوتا گیا اسکی تصدیق ضروری تھی۔ علیٰ ہذا القیاس ایمان تفصیلی کے مقابلہ میں صرف اعتقاد توحید کو مثقال ذرے سے تعبیر فرمایا اور اس سے زیادہ کو بُرہ سے اور اس سے زیادہ کو شعیرہ سے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ مومن بہ کی مقدار

(٢) یہاں۔ من خیر۔ ہے اور خیر عمل صالح کو بھی عام مگر مراد ایمان ہے۔ قرینہ عقلیہ بھی اس کا مقتضی ہے اور دوسری روایت میں خیر کے بجائے ایمان وارد ہے۔ قرینہ عقلیہ یہ ہے کہ اس خیر کا محل قلب کو بتایا اور قلب محل ایمان ہے نہ محل اعمال نیز یہ مدار نجات ہے اور مدار نجات ایمان ہی ہے۔ نہ کہ صرف اعمال۔

(٣) صرف قال لا الہ الا اللہ کے ساتھ یہ فرمایا کہ اس کے دل میں ایمان ہو، یہ اس کی دلیل ہے کہ اقرار اور شی ہے اور ایمان اور

مِنْ خَيْرٍ (وَفِيْ رِوَايَةٍ) مِنْ إِيْمَانٍ مَكَانَ خَيْرٍ

(اور دوسری روایت میں) خیر کے بجائے ایمان آیا ہے

(٣٩) حدیث: جس دن کوئی نعمت خاص ہو اس دن عید منانا مشروع

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْيَهُوْدِ قَالَ لَهٗ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ آيَةٌ فِيْ كِتَابِكُمْ تَقْرَؤُوْنَهَا لَوْ عَلَيْنَا مَعْشَرَ الْيَهُوْدِ نَزَلَتْ لَاتَّخَذْنَا ذٰلِكَ الْيَوْمَ عِيْدًا قَالَ أَيُّ آيَةٍ قَالَ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا قَالَ عُمَرُ قَدْ عَرَفْنَا

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی (کعب احبار) نے آپ سے کہا اے امیر المومنین آپ لوگوں کی کتاب میں ایک آیت ہے جسے آپ لوگ پڑھتے ہیں اگر یہ آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس کے نازل ہونے کے دن کو عید بنا لیتے۔ حضرت عمر نے پوچھا وہ کونسی آیت ہے؟ اس نے کہا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی الآیہ۔ حضرت عمر نے فرمایا ہم اس دن کو جانتے ہیں۔

نتیجہ یہ کہ نجات کے لئے اقرار باللسان شرط ہے۔ بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو

(٢) لا الٰہ الا اللہ پورے کلمہ طیبہ کا علم ہوا نام ہے جیسے قرآن مجید کی سورتوں کا نام رکھتے ہیں سورہ الحمد، سورہ قل یا ایہا الکافرون وغیرہ۔ ابتدائی جزء پر کل کا نام رکھ دیتے ہیں۔ یہاں اس سے کم کی تخفیف ممکن نہ تھی۔ صرف لا الٰہ نام رکھتے تو سمجھ میں نہ آتا الا اللہ بھی ملاتے تو کفر صریح ہوتا اس لئے پورا لا الٰہ الا اللہ کلمہ طیبہ کا نام ہوا

(٣٩) تشریحات

(١) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس دن اللہ عزوجل کی کوئی خاص نعمت ملے اس دن عید منانا جائز ہے وہ اس طرح کہ اگر یہ بات ناجائز و حرام ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعب احبار کو یہ جواب دیتے کہ وہ تمہارا دین ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت ملے اس دن عید مناؤ ہمارے مذہب میں یہ سب ناجائز و حرام ہے۔ مگر حضرت عمر نے یہ نہیں فرمایا بلکہ کعب احبار کو مذکورہ بالا جواب دے کر مطلع کر دیا کہ ہم اس دن پہلے ہی سے عید مناتے ہیں اور وہ بھی اس تفصیل سے کہ وہ جگہ بھی ہمارے لئے عید کی جگہ ہے وہ تاریخ بھی عید کی تاریخ ہے وہ دن بھی عید کا دن ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ عزوجل کی سب سے بڑی نعمت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ تو

لے ایضاً کتاب التوحید، مسلم، ایمان

ذالک الیوم والمکان الذی نزلت فیہ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ

اور اس جگہ کو بھی جہاں یہ آیت نازل ہوئی تھی وہ جگہ عرفات تھی اور وہ دن جمعہ تھا اور

وسلم وھو قائم بعرفۃ یوم جمعۃ[عـــہ]

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت کھڑے تھے

(۴۰) حدیث ۔ ارکان اسلام

عن طلحۃ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول جاء رجل الی رسول

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

جس دن یہ نعمت ملی ۔ یعنی یوم ولادت کو عید منانا بلاشبہ جائز و مستحسن ہوگا ۔ اسی لئے جمہور امت کا معمول ہے ۔ بارہ ربیع الاول کو بڑے دھوم دھام سے عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تقریب مناتے ہیں ۔

تشریحات (۴۰)

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) ان کی کنیت ابو محمد ہے یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبیلے کے ہیں اور ان چھ بزرگوں میں سے ہیں جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے اور ان آٹھ فیروز بختوں میں سے ہیں جو سابقین اسلام میں سر فہرست ہیں ۔ ان سب پر مزید یہ کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ۔ نیز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ منتخب کرنے کی ذمہ داری جن چھ اساطین امت کے سپرد کی تھی ان میں یہ بھی تھے ۔ ان کی والدہ بھی مشرف باسلام ہوئیں اور ان کے ساتھ ہجرت کی ۔ غزوہ بدر کے موقع پر ان کو اور سعید بن زید بن نفیل کو مشرکین کے کارواں کے تجسس میں بھیجا تھا اسی اثنا میں بدر کا معرکہ ہوگیا یہ دونوں جنگ میں شریک نہ ہو سکے ۔ لیکن شرکاء بدر کی فہرست میں داخل ہیں ۔ اسی وجہ سے ان کو مال غنیمت سے حصہ بھی ملا ۔ اس کے علاوہ تمام مشاہد میں ہمرکاب رہے ۔ احد کی قیامت خیز گھڑی میں یہ بھی ثابت قدم رہے اور ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے سپر بن گئے جو حملہ ذات والا پر ہوتا ان کو اپنے ہاتھ پر روکتے ۔ اسی میں ہاتھ شل ہوگیا تھا ۔ اس دن چوبیس زخم کھائے تھی انکو بارگاہ نبوت سے طلحۃ الخیر اور طلحۃ الجواد کے خطابات ملے تھے ۔ ۱۰ رجمادی الاولیٰ ۳۶ھ کے افسوسناک فوجی معرکہ جمل میں ناگہانی کسی طرف سے ایک تیر آ لگا اور یہی تیر تیر قضا بن گیا ۔ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ یہ تیر مشہور فسادی مروان نے چلایا تھا ۔ شہادت کے وقت عمر مبارک چونسٹھ ۶۴ یا باسٹھ ۶۲ یا اٹھاون سال کی تھی ۔ پہلے قنطرہ قرہ میں مدفون تھے ۔ تیس سال کے بعد اپنی صاحبزادی کو خواب میں

عـــہ بخاری ، مغازی ، حجۃ الوداع ، تفسیر سورہ مائدہ ، اعتصام ، مسلم آخر کتاب ، ترمذی تفسیر ، نسائی حج ، و ایمان ۔

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اَھْلِ نَجْدٍ ثَائِرَ الرَّاْسِ نَسْمَعُ دَوِیَّ

...کی خدمت میں اہل نجد سے ایک صاحب حاضر ہوئے ان کے بال

صَوْتِہٖ وَلَا نَفْقَہُ مَا یَقُوْلُ حَتّٰی دَنَا فَاِذَا ھُوَ یَسْئَلُ عَنِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ

...ہے ہم ان کی آواز کی گونج کو سنتے تھے مگر وہ کیا کہ رہے ہیں ہم سمجھ نہیں پاتے یہاں تک کہ وہ قریب آئے

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوٰتٍ فِی الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ فَقَالَ ھَلْ

...معلوم ہوا کہ وہ اسلام کے بارے میں سوال کر رہے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دن رات میں پانچ

عَلَیَّ غَیْرُھَا۔ قَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

...انھوں نے کہا ان کے علاوہ بھی کچھ نمازیں ہیں مجھ پر؟ فرمایا نہیں۔ مگر یہ کہ نفل پڑھے تو۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

...کی قبر میں تری آگئی ہے۔ قبر انور سے نکالے گئے اور بصرہ دار الہجرتین میں دفن ہوئے۔ اور یہیں مزار اقدس زیارت گاہ خلائق

...ان سے اڑتیس حدیثیں مروی ہیں۔ دو پر شیخین متفق ہیں اور دو صرف بخاری نے اور تین صرف مسلم نے لی ہیں۔

...صاحب کون تھے (۲) فتح الباری میں ہے کہ ابن بطال نے کہا کہ یہ ضمام بن ثعلبہ تھے جو بنی سعد بن بکر کے قاصد و وفد تھے اسی پر قسطلانی

...و مرقاۃ میں انحصار کیا۔ لیکن یہ یقینی نہیں اس کا بھی احتمال ہے کہ کوئی اور صاحب رہے ہوں۔

...مباحث (۳) انھوں نے سوال کیا تھا اسلام کے بارے میں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف فرائض کی تلقین فرمائی۔

...اسلام کے بنیادی رکن شہادتین کو ذکر نہیں فرمایا اس کا سبب یہ ہے کہ یہ معلوم تھا کہ یہ مسلمان ہو چکے ہیں انھیں صرف فرائض کی تعلیم

...ضرورت ہے۔ لیکن کتاب الصوم میں ان کا سوال یہ ہے۔

اخبرنی ماذا فرض اللّٰہ علیّ من الصلوٰۃ — مجھے بتائیے کہ اللہ نے مجھ پر کتنی نمازیں فرض کی ہے۔

ایک روایت دوسری کی تفسیر ہوتی ہے اور روایت بالمعنی شائع و ذائع ہے تو ظاہر ہو کہ سوال فرائض ہی کے بارے میں تھا

اسی لئے جواب میں نماز روزہ وغیرہ پر اکتفا فرمایا

ارکان اربعہ میں حج بھی ہے اس کا اس میں ذکر نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک حج فرض نہ ہوا ہو۔

دوسرے یہ کہ یہاں روایت میں کمی ہے۔ کتاب الصوم میں اشارۃ اس کا ذکر ہے۔

فَاَخْبَرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ — انھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام کے

بِشَرَائِعِ الْاِسْلَامِ — تمام احکام بتائے۔

وَصِيَامُ رَمَضَانَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ وَذَكَرَ لَهُ

نے فرمایا اور رمضان کے روزے انھوں نے عرض کیا اس کے علاوہ بھی کچھ اور ہے ارشاد فرمایا نہیں مگر یہ کہ نفل روزے

رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكٰوةَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا قَالَ لَا إِلَّا

رکھے پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سامنے زکوٰۃ کو ذکر فرمایا۔ انھوں نے پوچھا اس کے سوا

أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ فَأَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُولُ وَاللّٰهِ لَا أَزِيدُ عَلَى هٰذَا وَلَا أَنْقُصُ

کچھ؟ ارشاد فرمایا نہیں ہاں تو چاہے تو صدقہ نافلہ دے۔ اس کے بعد یہ شخص واپس ہوئے اور یہ کہتے جاتے تھے خدا کی قسم

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ

نہ اس پر زیادہ کروں گا نہ کمی کروں گا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ شخص فلاح پاگیا اگر سچا ہے

اسی سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ اس حدیث میں صرف ان فرائض کی ادائیگی پر فلاح کی خبر دی۔ حالانکہ اگر کوئی صرف فرائض کا پابند ہو اور منہیات سے نہ بچے تو مستحق فلاح نہیں پھر صرف فرائض کی ادائیگی پر فلاح کی کیوں خبر دی گئی۔ ظاہر ہے کہ شرائع اسلام فرائض واجبات محرمات سب کو شامل ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں اس وقت تک جو احکام نازل ہو چکے تھے خواہ از قسم مامورات ہوں خواہ از قسم منہیات سب بتائے۔

مگر یہ کہ نفل ادا کرے یہ استثناء متصل ہے یا منقطع دونوں قول ہیں۔ احناف اس کے قائل ہیں کہ یہ استثناء متصل ہے اور شوافع اس کے قائل ہیں کہ یہ استثناء منقطع ہے۔ اگر یہ استثناء متصل مانا جائے تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کے علاوہ اور کچھ فرض نہیں مگر یہ کہ نفل پڑھو تو شروع کرتے ہی واجب ہو جائے گی اس لئے کہ استثناء متصل میں مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہونا ضروری ہے ——— اور اگر یہ استثناء منقطع ہے تو چونکہ اس میں مستثنیٰ المستثنیٰ منہ میں داخل نہیں ہوتا۔ اس لئے مطلب یہ ہوگا کہ فرائض یہی ہیں۔ ان کے علاوہ نوافل ہیں پڑھوگے تو ثواب پاؤگے نہیں پڑھوگے تو کوئی گناہ نہیں۔

اسکی بنیاد ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے۔ احناف کے نزدیک نفل شروع کرنے سے واجب ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی نفل نماز یا روزہ شروع کرکے توڑ دے تو اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا:۔

وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ (آیت ۳۳۔ محمد ۴۷) اپنے اعمال باطل مت کرو۔

امام احمد اپنی مسند میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

اصبحت انا وحفصۃ صائمتین فاهديت لنا میں نے اور حفصہ نے روزہ رکھا اسی دن ایک بکری ہدیہ میں

شاۃ فاکلنا فدخل علینا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاخبرناہ فقال صُوْمَا یومًا مکانہ (قسطلانی)

ہمارے پاس آئی ہم نے کھا لیا اس کے بعد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو ہم نے بتایا۔ فرمایا اس روزے کے عوض ایک اور روزہ رکھو۔

دار قطنی میں ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روزہ رکھکر توڑ دیا حضور نے اس کی قضا کا حکم دیا۔

آیت میں لاتبطلوا نھی ہے اور نہی میں اصل تحریم اور حدیث میں صُوْمَا۔ امر ہے اور امر میں اصل وجوب۔ اس کو ثابت ہوا کہ نفل شروع کر کے اسے پورا کرنا واجب توڑنا گناہ۔ توڑ دیا تو اسے دوبارہ ادا کرنا واجب۔ نیز اس پر صحابہ کرام کا اجماع بھی ہے کہ نفل شروع کرنے کے بعد اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ نیز حج نفل کے بارے میں شوافع بھی اسی کے قائل ہیں کہ اگر شروع کر کے توڑ دیا تو اس کی قضا واجب ہے۔ بلکہ اگر بلا قصد فاسد ہو جائے تو بھی بقیہ ارکان کی ادائیگی واجب ہے اور پھر اس کی قضا بھی۔ اور یہ جو حادث میں وارد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روزہ رکھکر توڑ دیا۔ اس کا محمل عذر ہے یعنی کسی عذر کی بنا پر ایسا کیا۔ اور عذر کی وجہ سے احناف کے نزدیک بھی نفل روزہ کی وجہ سے توڑنا منع نہیں مگر قضا واجب ہے۔ کسی حدیث میں یہ وارد نہیں کہ اس کے بعد قضا نہیں فرمایا۔ عذر سے گناہ ساقط ہو جاتا ہے۔ مگر قضا نہیں ساقط ہوگی۔

اس حدیث میں صرف پانچ ہی نمازوں کو فرض بتایا۔ اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ وتر اور عیدین واجب نہیں۔ اور احناف ان کے واجب کہتے ہیں تشریح سوم میں گذر چکا ہے کہ یہ حدیث یہاں مختصر ہے کتاب الصوم میں اتنا زائد ہے۔ کہ اسلام کے تمام احکام کی تعلیم دی۔ اس عموم میں وتر اور عیدین بھی آگئے۔

(۵) ان صاحب نے واپس ہوتے وقت کہا تھا میں اس پر نہ زیادہ کروں گا اور نہ کم کروں گا۔ حالانکہ زیادتی بہرحال محمود ہے اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ۔ بلا شبہہ کوئی فرائض و واجبات پر عمل کرے اور محرمات سے بچے تو فلاح کا مستحق ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ اپنی قوم کے نمائندے تھے۔ ان کی مراد یہ ہے کہ قوم تک آپ کا پیغام پہنچانے میں نہ کمی کروں گا نہ زیادتی۔ جتنا حضور نے ارشاد فرمایا اس کو بلا کم و بیش قوم کو بتا دوں گا کہ یہ ارشاد فرمایا۔

تیسرے یہ کہ قبول و تسلیم کے موقع پر یہی نیازمندی کی دلیل ہوتی ہے کہ یوں کہا جائے کہ آپ کے حکم پر بلا کم و بیش عمل کرونگا اور یہ موقع قبول و تسلیم ہی کا تھا۔ انھوں نے اپنی کمال نیازمندی کو ظاہر فرمایا۔

(۴۱)

تشریحات

(۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ افضل یہی ہے کہ جنازے کے پیچھے پیچھے چلے۔ اس لئے اس میں اتبع کا لفظ وارد ہے۔ اتبع

(٤١) حدیث۔ نماز جنازہ کی فضیلت

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا وَّکَانَ مَعَهٗ حَتّٰی یُصَلّٰی
نے فرمایا۔ جو شخص ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے جنازے کے پیچھے رہے یہاں تک کہ اس پر نماز پڑھی

عَلَیْهَا وَیَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا فَاِنَّهٗ یَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِیْرَاطَیْنِ کُلُّ قِیْرَاطٍ
جائے اُسے دفن کر لیا جائے تو وہ دو قیراط کے برابر ثواب لے کر لوٹے گا اور ہر قیراط احد کے برابر

مِثْلُ اُحُدٍ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فَاِنَّهٗ یَرْجِعُ
ہوگا اور صرف نماز جنازہ پڑھ کر میت کے دفن سے پہلے ہی لوٹ آیا وہ صرف ایک

مِنَ الْاَجْرِ بِقِیْرَاطٍ
قیراط لے کر لوٹا

ت: ح۔ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ التَّیْمِیُّ مَا عَرَضْتُ قَوْلِیْ عَلٰی عَمَلِیْ
ابراہیم تیمی نے کہا میں نے جب اپنے قول کا عمل سے موازنہ کیا

کے معنی پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں احناف کا مذہب ہے۔ امام شافعی کے نزدیک آگے آگے چلنا بہتر ہے۔

(۲) نیز یہ ثابت ہوا کہ صرف نماز جنازہ ہی پڑھکر دفن میں شرکت کے بغیر آئے اور اگر کسی ضرورت سے واپس ہونے کی جلدی ہو تو ولی سے اجازت لیکر واپس ہو۔

تشریحات (۹)

ابراہیم تیمی (۱) تابعین کے فقہاء وعباد میں سے ہیں۔ بہت عمدہ واعظ تھے۔ مشہور ظالم حجاج بن یوسف نے ابراہیم نخعی کی گرفتاری کا حکم دیا سپاہی ہم نام ہونے کی وجہ سے غلطی سے انھیں پکڑ لے گئے۔ اور جیل میں بند کر دیا۔ کچھ لوگوں نے کہا آپ کو غلطی سے پکڑا گیا ہے آپ اُسے ظاہر کر دیں۔ فرمایا۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ اپنے کو بچا لوں اور ایک بے گناہ سزا پائے اسی

لہ نسائی۔ جنائز (۷۹)

اِلَّا خَشِیْتُ اَنْ اَکُوْنَ مُکَذِّبًا

تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میں جھوٹا تو نہیں۔

ت ۔ ح ۔ وَقَالَ ابْنُ اَبِیْ مُلَیْکَةَ اَدْرَکْتُ ثَلٰثِیْنَ مِنْ اَصْحَابِ

عبد اللہ بن ابی ملیکہ نے کہا۔ میں نے تیس صحابہ سے ملاقات کی وہ سب

النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّھُمْ یَخَافُ النِّفَاقَ عَلٰی نَفْسِہٖ

کے سب اپنے اوپر نفاق سے ڈرتے تھے۔ ان میں کوئی ایسا نہیں تھا

مَا مِنْھُمْ اَحَدٌ یَقُوْلُ اِنَّہٗ عَلٰی اِیْمَانِ جِبْرَئِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ

جو یہ کہتا کہ میں جبریل و میکائیل کے ایمان پر ہوں۔

۔۔۔ بندگی کی حالت میں ۔۔۔ میں وصال فرمایا۔ ان کی حیرت انگیز باتوں میں سے یہ ہے کہ ایک ایک مہینے تک کھانا نہیں ۔۔۔

لغات نحو ۔۔۔ اس تعلیق میں۔ مُکَذِّبًا۔ ذال کے فتحے کے ساتھ بھی ہے اور کسرے کے ساتھ بھی۔

توضیح ۲ یہ ان کا ارشاد بطور تواضع ہے کہ میں وعظ کہتا ہوں لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہوں اور خود میرا کیا حال ہے میں جانتا ہوں۔ میرا عمل میرے قول کے مطابق بھی ہے یا نہیں، اللہ جانے۔

تشریحات ۱۰

ابن ابی ملیکہ ۱ ان کا پورا نام عبد اللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ ہے۔ تابعین کے علماء مشاہیر میں سے ہیں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاضی اور موذن تھے۔ عبادلہ اربعہ اور ام المومنین عائشہ صدیقہ اور ام سلمہ اور اسماء بنت الصدیق اور حضرت ابوہریرہ اور عقبہ بن حارث اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے احادیث سنیں اور حضرت علی اور سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا زمانہ پایا مگر ان سے روایت نہیں کی۔ ان سے ایک مخلوق نے اخذ احادیث کی سعادت حاصل کی اور ان کے تلامذہ میں مشہور محدث ابن جریج ہیں۔ ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔

توضیح ۳ ابن ابی ملیکہ نے تیس صحابہ کرام کا جو یہ قول نقل فرمایا۔ اس کی توضیح ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے۔ جو امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں:

لما کان الیوم الذی دخل فیہ رسول اللہ صلی اللہ ۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس دن مدینہ تشریف

لہ بخاری فی التاریخ۔ امام احمد بن حنبل کتاب الزہد۔ ابو القاسم لالکائی فی سنتہ۔

علاوہ ازیں بغیر صحابہ کی تعداد کے بیان۔ محمد بن نصر مروزی، کتاب الایمان میں تفصیل کے ساتھ۔

تعالیٰ علیہ وسلم المدینۃ اضاء منہا کل شئ فلما کان الیوم الذی مات فیہ اظلم منہا کل شئ وما نفضنا ایدینا عن التراب وانا لفی دفنہ حتی انکرنا قلوبنا۔ (مشکوٰۃ ص۵۴۷)

لائے ہر چیز روشن ہو گئی اور جب وفات پائی تو ہر چیز پر تاریکی چھا گئی۔ ہم ابھی آنحضور کو دفن ہی کر رہے تھے ہاتھوں سے مٹی بھی نہیں جھاڑی تھی کہ ہم نے اپنے دلوں کو بدلا ہوا پایا۔

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت اور مشاہدے سے جو ایمانی طمانیت قویہ حاصل تھی وہ باقی نہ رہی جب ابتدا قرب زمانے میں یہ حال تھا۔ تو برسہا برس گذرنے کے بعد جو دلوں کا حال ہوا اس کا جب عہد رسالت سے موازنہ کرتے اور فرق محسوس کرتے تو گھبرا کر یہ اندیشہ ظاہر کرتے کہ اعمال میں جو اخلاص اور عبادت میں جو حضور وشہود تھا۔ اس میں کمی ہو گئی کہیں ایسا تو نہیں یہ نفاق ہو۔ یہ حسنات الابرار سیئات المقربین کے قبیل سے ہے۔

یا ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ اس دور میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کا ازالہ ضروری ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا۔

من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان۔ (مشکوٰۃ ص۴۳۶)

جو شخص کسی بری بات کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدلے اگر اس کی قوت نہ ہو تو اپنی زبان سے۔ اگر اس کی بھی قوت نہ ہو تو اپنے دل سے ناپسند کرے۔ یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے۔

صحابہ کرام کی جو حیثیت تھی اس کے پیش نظر ان کو اپنے ہاتھ سے ان خرابیوں کو دور کرنا چاہیے تھا۔ مگر اپنے اندر اس کی استطاعت نہ پا کر اسے دور نہ کر پائے۔ اسی کے بارے میں ان کو اندیشہ ہوا کہیں یہ نفاق تو نہیں۔

اقول۔ ان پرپیچ راہوں سے ہٹ کر سیدھی سادی بات یہ ہے کہ خوف کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ۔ آئندہ کسی خطرے کا احساس۔ یہ حضرات ایمان کی قیمت جانتے تھے۔ اور کوئی بھی قیمتی چیز رکھتا ہے اس کی کما حقہ حفاظت اسی وقت کر سکتا ہے جب ہر وقت اس سے ڈرتا رہتا ہے۔ کہ کہیں یہ ضائع نہ ہو جائے۔

وہ ہوشیار تھیلی میں اپنی موتی محفوظ رکھتا ہے جو ہر شخص کو جیب تراش گمان کرے۔

اسی کے مطابق صحابہ کرام ہر وقت اس سے ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں ہمارا ایمان سلب نہ ہو جائے۔ کیونکہ وہ معصوم نہیں تھے۔ جیسے فرشتے معصوم ہیں۔ اسی لئے وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ ہمارا ایمان جبرئیل اور میکائیل کے ایمان کے مثل ہے۔ کہ جیسے انھیں سلب ایمان کا اندیشہ نہیں، ہمیں نہ ہو۔ وہ فرشتے ہیں اور معصوم ہیں۔ ان کو زوال ایمان کا کوئی خطرہ نہیں۔ یہ ان حضرات کے کمال ایمان کی دلیل ہے۔

ت ۱- ولا ويُذكر عن الحسن ما خافه الا مؤمن ولا امنه

حضرت حسن بصری نے فرمایا اللہ سے مومن ہی ڈرتا ہے اور اللہ سے منافق

الا منافق

ہی نڈر ہوتا ہے

حدیث ۴۲

عن زبيد سألت ابا وائل عن المرجئة فقال حدثني عبد الله

زبید نے کہا میں نے ابو وائل سے مرجئہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا مجھ سے عبد اللہ

ان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال سباب المسلم فسوق و

بن مسعود نے حدیث بیان کی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق اور

قتاله كفر

اس سے لڑنا کفر ہے

ایمانی کایمان جبرئیل کا مطلب ③ اس تعلیق کے نقل کرنے سے امام بخاری کی غرض، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تعریض ہے۔ اس لئے کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا۔

اقول ایمانی کایمان جبرئیل ولا اقول میں کہتا ہوں میرا ایمان جبرئیل کے ایمان کی طرح ہے۔

مثل ایمان جبرئیل۔ یہ نہیں کہتا جبرئیل کے ایمان کے مثل ہے۔

امام ابن ہمام نے مُسائرہ میں اس کی توجیہ یہ فرمائی۔ کہ مثلیت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تمام صفات میں مساوات ہو۔ اور تشبیہ صرف ایک صفت میں قدرے اشتراک پر بھی درست ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرا ایمان تمام صفات میں جبرئیل کے ایمان کے برابر ہے۔ ہاں میں یہ کہتا ہوں کہ میرا ایمان جبرئیل کے ایمان کی طرح ہے اس معنی کر کے اس میں ادنی سا شک و شبہ کا شائبہ نہیں۔ مثل کے معنی برابری کے۔ خود حدیث میں وارد ہے۔ حدیث رباعیا ہے:

علہ [illegible] كتاب الايمان بعنوان [illegible] بخاری ایمان [illegible] مسلم ایمان [illegible] ترمذی بر [illegible] ایمان [illegible] نسائی [illegible] ابن ماجہ [illegible] مسند امام احمد۔

مثلاً بمثل یداً بید والفضل ربا — برابر، برابر، دست بدست اور زیادتی سود ہے۔

اور امام بخاری نے جو فرمایا۔ وہاں تشبیہ کی نفی تھی۔ ممکن الزوال نہ ہونے میں اور امام صاحب کے قول میں تشبیہ عدم شک وشبہ میں۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک چیز کو کسی چیز کے ساتھ ایک وصف میں اشتراک کی بنا پر تشبیہ دی جائے اور دوسرے وصف کے اعتبار سے نفی کی جائے جیسے زید، شیر کی طرح ہے یعنی بہادری میں۔ زید شیر کی طرح نہیں۔ درندگی میں۔

دوسرے علماء نے اس کی اور بھی توجیہیں کی ہیں۔ مگر میرے نزدیک یہ خود محل نظر ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمایا بھی ہے یا نہیں۔ شامی میں خلاصہ سے حضرت امام کا یہ قول نقل فرمایا۔

اکرہ ان یقول الرجل ایمانی کایمان جبرئیل — میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی یہ کہے میرا ایمان جبرئیل کے ایمان کی طرح ہے۔ ہاں یہ کہو میں اس پر ایمان لایا جس پر جبرئیل ایمان لائے

ولکن یقول آمنت بما آمن بہ جبرئیل علیہ السلام

تشریحات (۴۲)

ابو وائل (۱) یہ تابعی اور کوفہ کے باشندہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی بہت تعریف کرتے تھے۔ ان کے علاوہ فاروق اعظم، حضرت علی، حضرت عمار و دیگر صحابہ سے روایت کی ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر زیارت نہ کر سکے بعثت کے وقت دس سال کے تھے۔ ۸۲ھ میں وصال ہوا۔ ایک قول یہ ہے کہ ڈیڑھ سو سال سے زیادہ عمر پائی۔ ابو سعید بن صالح کہتے ہیں کہ ابو وائل ہمارے جنازوں کی نماز پڑھاتے تھے۔ اور ان کی عمر ڈیڑھ سو سال کی تھی۔

مرجیہ (۲) گمراہ فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے جس کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ گناہ کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا جس نے دل سے ضروریات دین کی تصدیق کر لی وہ جہنم سے آزاد ہے۔ ایک آن کے لئے بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔ ان کے پانچ فرقے ہوئے جو ایک دوسرے کی تکفیر کرتے تھے۔

مرجیہ یا تو ارجاء سے ہے جس کے معنی پیچھے کرنے کے ہیں یا رجاء بمعنی امید سے بنا ہے۔ سباب کے معنی ہیں کسی کو عیب لگانا خواہ وہ عیب اس میں ہو خواہ نہ ہو اس میں سب سے زیادہ قباحت ہے۔ فسوق کے معنی نکلنے کے ہیں۔ اور شرع میں اللہ عزوجل کی نافرمانی کرنے کے ہیں۔ یہ مرادف ہے گناہ کے۔ کفر وشرک تک کو عام ہے۔ کفر کے لغوی معنی چھپانے کے ہیں۔ اور شریعت میں مذہب اسلام سے نکل جانے کو کہتے ہیں۔

(۳) اس پر اجماع ہے کہ مسلمان سے لڑنا کفر نہیں اور قرآن کی اس آیت سے کہ ذیا یا:

۴۳ حدیث جبرئیل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۔ سورۂ حجرات۔ آیت ۹ — اگر مسلمان کے دو گروہ آپس میں لڑیں، تو ان کے مابین صلح کرادو ۔ سورہ حجرات آیت ۹

اس سے بھی یہی ثابت ہے کہ مسلمان سے لڑنا کفر نہیں۔ پھر اس حدیث میں اسے کفر کیوں کہا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں مسلمان سے لڑنے پر کفر کا اطلاق تغلیظاً ہے یا کفر سے مراد ناحق شناسی ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ بھائی کو لازم ہے کہ بھائی کے ساتھ مل جل کر رہے۔ لڑے جھگڑے نہیں۔ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان سے لڑا تو اس کی حق تلفی کی اس لئے مسلمان سے لڑنے کو کفر کہا گیا ہے یہ کفار کے فعل کے مشابہ ہے کہ مسلمان سے لڑنا مسلمان کا کام نہیں، کافر کا کام ہے یا یہاں کفر کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی چھپانا۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کی شان یہ ہے کہ دوسرے مسلمان کی مدد کرے اس پر آنچ نہ آنے دے اور جب اس سے لڑا تو اس کے حق کو چھپایا۔

اقول:۔ مشتق پر حکم اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا ماخذ اس کی علت ہے۔ اس لئے حدیث کا صاف مطلب یہ ہوا کہ کسی مسلمان سے محض مسلمان ہونے کی وجہ سے لڑنا کفر ہے۔ کسی مسلمان سے مسلمان ہونے کی وجہ سے لڑنا ضرور کفر ہے۔

مرجیہ کا عقیدہ تھا کہ ایمان کے ساتھ گناہ سے کوئی ضرر نہیں ہوتا۔ یہ حدیث ان کے اس عقیدے کا رد ہے۔ صاف صریح ارشاد ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق و گناہ ہے اور ان سے لڑنا کفر ہے۔

تشریحات ۴۳

تکمیل (۱) اپنی طرز کے خلاف ہم نے یہ حدیث کتاب التفسیر کی لی ہے۔ اس لئے کہ اس میں فی خمس لا یعلمہن الا اللہ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ کا اضافہ تھا مسئلہ علوم خمسہ پر بحث کی تکمیل کے لئے اس آیت پر بھی بحث ضروری تھی۔ قرطبی نے کہا۔ یہ حدیث اس لائق ہے کہ اس کو ام السنۃ کہا جائے۔ اس لئے کہ یہ احادیث کے جملہ علوم کو متضمن ہے اسی لئے امام بغوی نے مصابیح اور شرح السنۃ دونوں کتابوں کو اسی حدیث سے شروع کیا جیسے قرآن کریم سورۂ فاتحہ سے شروع کیا گیا۔ کہ وہ ام الکتاب ہے۔ اجمالی طور سے قرآن کریم کے جملہ علوم پر مشتمل ہے۔

وَسَلَّمَ كَانَ يَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ إِذْ أَتَاهُ رَجُلٌ

مجمع عام میں تشریف فرما تھے ، کہ ایک شخص پیدل چلتا ہوا

امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ یہ حدیث تمام ظاہری باطنی عبادات کے وظائف پر مشتمل ہے خواہ ایمان ہو خواہ جوارح کے اعمال ہوں خواہ دلوں کا اخلاص ہو۔ یہاں تک کہ شریعت کے کل علوم اس کی طرف راجع ہیں اور اس سے نکلتے ہیں۔ اسی اہمیت کے پیش نظر ہم اس مبارک حدیث کے جو مختلف جسے مختلف صحابہ کرام یا مختلف طریقے سے مختلف کتابوں میں ہیں سب کو یکجا کر کے اپنے الفاظ میں ذکر کرتے ہیں ۔

بخاری و مسلم کے علاوہ یہ حدیث بالفاظ مختلفہ کچھ زیادتی کی قدرے تقدیم و تاخیر کے ساتھ خود حضرت ابوہریرہ نیز حضرت عمر حضرت انس حضرت جریر بن عبداللہ بجلی ، حضرت ابن عباس حضرت ابو عامر اشعری اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ابو داؤد ، نسائی ، ترمذی ، ابن ماجہ ، مسند امام احمد بن حنبل ، بزار مجمع الزوائد طبرانی وغیرہ میں مذکور ہے ۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بغیر کسی امتیاز کے صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے اگر کوئی نا آشنا اجنبی حاضر ہوتا پہچان نہیں سکتا تھا ۔ اسے پوچھنا پڑتا رسول اللہ کون ہیں ؟ صحابہ نے عرض کیا اگر اجازت ہو تو حضور کے بیٹھنے کے لئے کوئی جگہ بنا دیں جس پر تشریف رکھیں تاکہ اجنبیوں کو پوچھنا نہ پڑے ۔ اجازت ملنے پر مٹی کا ایک چبوترہ بنا دیا ۔ جس پر حضور تشریف رکھا کرتے ۔ اور صحابہ اس کے پہلو میں بیٹھتے ۔ ایک دن مجمع عام میں حضور اسی چبوترے پر آخر عمر مبارک میں خطبہ دے رہے تھے ۔ فرمایا ، مجھ سے جو چاہو پوچھو ۔ حاضرین پر ہیبت طاری ہوگئی جس کی وجہ سے کوئی کچھ دریافت نہ کر سکا ۔ کہ اچانک ایک صاحب پیدل چلتے ہوئے نمودار ہوئے ۔ نہایت خوبصورت ۔ انتہائی سفید و شفاف کپڑے پہنے ہوئے جس پر نام کو بھی میل نہ تھا ۔ ان کے بدن سے بہترین خوشبو اٹھ رہی تھی ۔ داڑھی اور بال بالکل سیاہ ۔ نہ تو ان کی ہیئت مسافروں جیسی تھی ۔ نہ ان پر سفر کا کوئی اثر تھا ۔ تعجب یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی انہیں پہچانتا بھی نہ تھا ۔ حاضرین نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ کر کہا ہم پہچانتے نہیں یہ کون ہے ؟

انھوں نے فرش کے کنارے پہونچ کر عرض کیا ۔ السلام علیک یا رسول اللہ ۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ، سلام کا جواب دیا ۔ اس نے عرض کیا ۔ یا رسول اللہ آپ کے نزدیک آ جاؤں ، فرمایا

جاؤ۔ کئی بار نزدیک آنے کا اذن طلب کیا۔ ہر بار اجازت ملی۔ وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آنحضور کے بالکل نزدیک آگیا آنحضور کے گھٹنوں سے گھٹنے ملاکر اور اپنا ہاتھ حضور کے زانو پر رکھ کر بیٹھ گئے۔ اور مندرجہ ذیل سوالات کئے۔ یا رسول اللہ ایمان کیا ہے؟ ارشاد فرمایا۔ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے سب فرشتوں، اس کی تمام کتابوں اور اس کے کل رسولوں جملہ نبیوں پر اور اس کی ملاقات پر اور موت پر اور قیامت کے دن قبروں سے زندہ ہوکر اٹھنے پر ایمان لاؤ۔ حساب۔ میزان۔ جنت دوزخ پر ایمان لاؤ۔ اور تقدیر پر ایمان لاؤ۔ کہ اس کا اچھا برا میٹھا کڑوا سب خدا کی طرف سے ہے۔

یہ جواب سنکر اس نے کہا۔ آپ نے سچ فرمایا۔ حاضرین کو حیرت ہوئی سوال بھی کرتے ہیں اور تصدیق بھی کرتے ہیں۔

پھر انھوں نے پوچھا۔ یا رسول اللہ اسلام کیا ہے؟ ارشاد فرمایا۔ اسلام یہ ہے کہ تم اس کی گواہی دو سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں۔ اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور فرض نماز پابندی کے ساتھ ادا کرو اور فرض زکوٰۃ دو۔ رمضان کے روزے رکھو۔ اگر بیت اللہ جانے کی استطاعت ہو تو حج کرو۔ عمرہ کرو۔ جنابت سے غسل کرو۔ کامل طریقے سے وضو کرو۔ اس نے عرض کیا۔ آپ نے سچ فرمایا۔

پھر پوچھا یا رسول اللہ مجھے احسان کے بارے میں بتایئے؟ فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو اس طرح اس کی خشیت رکھو گویا اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔ انھوں نے عرض کیا آپ نے سچ فرمایا۔ پھر دریافت کیا۔ قیامت کب آئے گی۔ اس سوال پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گردن جھکالی کوئی جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے تین بار یہی سوال دہرایا۔ تو سر اقدس اٹھا کر فرمایا۔

قیامت کے بارے میں جس سے سوال کیا گیا وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔

اس کے بعد انھوں نے قیامت کی نشانیاں پوچھیں۔ یا یہ کہ آنحضور نے از خود فرمایا۔ میں تمھیں قیامت کی کچھ نشانیاں بتاتا ہوں۔ فرمایا۔ قیامت کی نشانیاں یہ ہیں کہ، باندی اپنے آقا کو جنے گی۔ ننگے بدن ننگے پاؤں رہنے والے گونگے بہرے حکومت کریں گے۔ بھک منگے، بکریوں، کالے اونٹوں کے چرواہے محلوں میں فخر کریں گے۔

قیامت کب آئے گی یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ پھر آنحضور نے سورۂ لقمان کی یہ اخیر آیت تلاوت فرمائی۔

يَمْشِي فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ الْإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَ

خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ ایمان کیا ہے؟ فرمایا ایمان یہ ہے کہ اللہ پر اور اس کے

اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے۔ وہ بارش برساتا ہے۔ اور ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے، جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا کل کیا کمائے گا کسی کو نہیں معلوم کہ کہاں مرے گا اس میں کوئی شک نہیں اللہ جاننے والا باخبر والا ہے۔ اس کے بعد یہ شخص چلے گئے۔ جب چلے گئے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انھیں واپس لاؤ۔ صحابۂ کرام نے ہر طرف تلاش کیا مگر وہ نہیں ملے۔ اب حضور نے فرمایا۔ تم لوگ جانتے ہو یہ کون تھے۔ یہ جبریل تھے۔ تم لوگوں نے اس وقت کچھ نہیں پوچھا تو یہ آئے تھے کہ تم کو دین سکھائیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ جب بھی جبریل آئے میں نے پہچان لیا۔ مگر اب کی بار نہ پہچان سکا۔ یہ واپس ہونے کے لئے جب مڑے تب پہچانا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ تین دن کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے ملاقات کی اور دریافت فرمایا۔ تمھیں معلوم ہے وہ سائل کون تھے۔ میں نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔ فرمایا۔ وہ جبریل تھے۔ تمھیں دین سکھانے آئے تھے۔

نکات ② بخاری میں جتنا حدیث کا متن ہے اس پر وارد ہونے والے شبہات اس حدیث کے متفرق ٹکڑوں کو جمع کر دینے سے دور ہو گئے۔ اسی سے یہ بھی ظاہر ہو گیا۔ روایتوں میں جو تقدیم و تاخیر کی زیادتی ہے۔ وہ راویوں کی طرف سے ہے کہ انھوں نے اپنی یادداشت یا ضرورت کے مطابق ذکر کیا۔

اب چند ضروری گوشوں کی توضیح باقی رہ گئی ہے وہ حاضر ہے۔

(الف) جبریل اس خاص ہیئت کے ساتھ اجنبی بن کر کیوں حاضر ہوئے؟ مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگوں کو اس بات سے روک دیا گیا تھا کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوالات کریں اس لئے ہم لوگوں کی خواہش رہتی تھی کہ کوئی ذہین دیہاتی آکر کچھ پوچھے اور ہم سنیں۔ اسی حدیث کا ابتدائی حصہ یہ ہے کہ اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذنِ عام دیدیا تھا۔ کہ جو پوچھنا چاہو پوچھو مگر ہیبت کی وجہ سے کوئی کچھ پوچھ نہ سکا ۔۔۔ اس لئے جبریل امین اجنبی بن کے حاضر ہوئے۔ کہ صحابہ یہی سمجھیں کہ یہ کوئی دیہاتی ہیں۔ اگر صحابۂ کرام

۱؎ سورۂ لقمان۔

مَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَلِقَائِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ الْآخِرِ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ

فرشتوں پر اور اس کے سب رسولوں پر اور اسکی ملاقات پر اور آخر قبر سے اٹھنے پر ایمان لائے اس نے کہا یا رسول اللہ

کو یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ جبرئیل ہیں۔ تو اس کا امکان تھا کہ صحابہ پر ان کی بھی ہیبت طاری ہو جاتی۔ ہو سکتا ہے انکی زیارت میں انہماک ہو جاتا اور ان کے سوالات و جوابات کو کما حقہ مستحضر نہ رکھ پاتے۔

(ب) بچھونے کے کنارے ہی سلام کرنے کے بعد بار بار نزدیک آنے کا اذن مانگنا اس لئے تھا کہ تمام حاضرین ان کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ نیز یہ بتانا تھا کہ بزرگوں کے بہت نزدیک بلا ان کی اجازت کے نہیں ہونا چاہیئے۔ خصوصاً جب مجلس بھری ہوئی ہو۔

(ج) گردنیں پھلانگتے اس لئے آئے۔ کہ ہو سکتا ہے کہ بغیر اس کے قریب آنا ممکن نہ ہو نیز یہ بدویانہ طریقہ اس لئے اختیار کیا کہ لوگ یہی سمجھیں کہ واقعی یہ کوئی بدوی ہیں۔

(د) گھٹنے سے گھٹنے ملاکر، زانو اقدس پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے۔ یہ بتانے کے لئے کہ تلمیذ و استاذ میں جتنی موافقت ہوگی قرب ہوگا۔ اتنا ہی زیادہ فیض ہوگا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں فوضع یدیہ علی فخذیہ۔ اس میں یدیہ کی ضمیر کا مرجع متعین ہے کہ رجل ہے۔ البتہ فخذیہ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا مرجع حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں۔ تو وہ معنی ہوں گے جو ہم نے بیان کیا دوسرے یہ کہ اس کا مرجع بھی رجل ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ آنے والے نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے زانو پر رکھے۔ اس میں ادب زیادہ ہے اور پہلے میں یگانگت کا بہت زیادہ اظہار نیز بدویت کا بھی۔ ہم نے پہلی شق اس لئے اختیار کی۔ کہ سلیمان تیمی کی روایت میں یہ تصریح ہے۔ وضع یدہ علی رکبتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک روایت دوسرے کی تفسیر ہوتی ہے۔ نیز بغوی اور اسماعیل تیمی نے اسی پر جزم فرمایا۔ اور طیبی نے اسی کو ترجیح دی۔

(ہ) سفید شفاف بے داغ لباس پہن کر حاضر ہوئے اس میں اشارہ ہے کہ تلمیذ کو استاذ کے سامنے اس طرح حاضر ہونا چاہیئے کہ اس کا ذہن پندار کے داغ سے ملوث نہ ہو۔

(و) سیاہ بال جوانی کی نشانی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ طلب علم کا بہترین زمانہ جوانی ہے۔

(ز) انتہائی خوبصورت بہترین خوشبو کے ساتھ آنے میں یہ تلقین ہے کہ تلمیذ کو استاذ کے حضور اچھی سے اچھی ہیئت میں حاضر ہونا چاہیئے۔ جس سے اسکی طرف میلان قلب ہو ایسی ہیئت سے نہ حاضر ہو کہ اسے تکدر یا نفرت ہو۔

مَا الْاِسْلَامُ، قَالَ الْاِسْلَامُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا

اسلام کیا ہے؟ فرمایا۔ اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے اس طرح کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے

(۳) ایمان باللہ، ایمان بالرسول، ایمان بالملٰئکۃ وایمان بالکتب کی تشریح۔ ہر مسلمان جانتا ہے۔ اور اس کی تفصیل کتاب میں متعدد جگہ آئے گی۔ توضیح طلب باتیں تین ہیں۔ موت پر ایمان، اور اس کی ملاقات پر ایمان۔ اور بعث آخر یا یوم آخر پر ایمان۔

(الف) موت ایسی چیز ہے کہ اس کا سبھی کو یقین ہے۔ پھر اس پر خصوصیت سے ایمان لانے کا ذکر غالباً اس بنا پر ہے کہ موت کا یقین سب کو ضرور ہے۔ مگر اس سے غفلت عام ہے۔ مراد یہ ہے کہ موت سے غفلت نہ برتی جائے اسے یاد رکھا جائے۔ یا اس سے پوری دنیا کا کلیۃً فنا ہو جانا مراد ہے۔

(ب) بعث سے مراد، قیامت کے دن قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنا ہے۔ اور یہ بہر حال آخر ہے۔ اب آخر صرف توضیح وتاکید کے لئے ہے۔ جیسے کہتے ہیں، کامس الذاھب۔ حالانکہ اَمس کا معنی ہے کل گذشتہ کے یا اس بنا پر کہ بعث دو ہیں۔ ایک عدم سے وجود میں آنا۔ یا ماں کے پیٹ سے دنیا میں آنا۔ دوسرے قیامت کے دن۔ یہ دوسرا پہلے کی بہ نسبت آخر ہوا۔

(ج) یوم آخر سے مراد قیامت ہے اس کو یوم آخر اس لئے کہتے ہیں کہ جن ایام کی حد ہمیں معلوم ہے۔ ان میں سب سے آخری دن ہے۔ یوم آخر پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن جو احوال واہوال اور معاملات پیش آئیں گے۔ ان سب پر ایمان لانا۔ مثلاً حساب کتاب۔ وزن اعمال، پل صراط پر گذر، جنت دوزخ۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے۔

(د) اللہ کی ملاقات سے مراد یہ ہے کہ اس کی بارگاہ میں حاضری ضروری ہے۔ یا یہ کہ اس کی رویت مراد ہے کہ مومنین کو اس کی زیارت ہوگی۔ جیسا کہ اس کے بارے میں احادیث مشہورہ وارد ہیں۔ یہ اگرچہ یوم آخر کے احوال میں داخل ہے۔ مگر اہمیت کی وجہ سے اس کو علیحدہ بھی ذکر کیا۔

(۴) اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان واسلام دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ لیکن یہ کلیۃً صحیح نہیں۔ یہاں جن امور کو اسلام بتایا۔ وفد عبدالقیس کی حدیث میں انھیں کو ایمان بتایا۔ نیز قرآن مجید میں ہے۔

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَمَا اس بستی میں جتنے مومن تھے ہم نے سب کو باہر کیا ہم نے اس بستی

فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ۔ ذاریات آیت ۳۵و۳۶ میں صرف ایک گھر مسلمان کا پایا۔

یہاں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر والوں کو مومن بھی فرمایا۔ اور مسلمان بھی۔ اس سے ظاہر کہ مومن اور مسلمان مترادف ہیں۔ تو ثابت کہ ایمان اور اسلام بھی مرادف ہیں۔

لیکن اس حدیث جبرئیل اور دیگر احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان اور اسلام متغائر ہیں۔ نیز قرآن مجید میں ہے۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ۔ قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۔ گنواروں نے کہا ہم ایمان لے آئے آپ فرماؤ ایمان نہیں لائے ہاں یہ کہو ہم تابع ہو گئے ابھی تمہارے دلوں میں ایمان کہاں داخل ہوا

اس آیت میں ایمان کی نفی کر کے۔ اسلام کا اثبات ہے۔ اس سے ظاہر کہ ایمان اور اسلام دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں۔ اس سے صرف یہ ثابت ہوا کہ اطلاق میں کہیں کہیں تغایر کی بو آتی ہے۔ ورنہ مفہوم دونوں کا ایک ہے۔

ہم کتاب الایمان کی ابتدا میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ ایمان، تصدیق اور اقرار باللسان دونوں کا نام ہے۔ ایمان کے لغوی معنی تصدیق کے ہیں۔ اور اسلام کے لغوی معنی تابعدار ہونے کے ہیں۔ شرع میں اسلام کے معنی ہیں۔ اس دین کا پابند ہونا جو خدا کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لائے۔ ظاہر ہے کہ انسان کسی دین کا پابند اسی وقت ہوگا جب اس کے اصول کو سچ جانے۔ اور اس کے صحیح ہونے کا اقرار کرے۔ اور یہی جاننا ایمان ہے۔ اور جب انسان کسی کے اصول کو سچ جانے گا۔ اور اس کا اقرار بھی کرے گا۔ تو اس کا پابند بھی ہوگا۔ لہذا ایمان و اسلام ایک ہوئے۔

ہاں اطلاق میں کہیں کہیں اسلام ظاہری اعمال کی ادائیگی پر بولا گیا ہے۔ اس لحاظ سے فرق صرف اعتباری ہوگا۔ اس سے کسی کو انکار نہیں۔ حدیث جبرئیل اور سورۂ حجرات کی اس آیت میں یہی اطلاق ہے۔ ورنہ حدیث جبرئیل کا اخیر اس کا رد ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سب کو دین فرمایا جس میں ایمان بھی داخل ہے۔ اور خود قرآن مجید میں ہے۔

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ ۔ جو اسلام کے علاوہ کسی دین کو قبول کرے اسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا

اور ارشاد ہوا وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۔ تمہارے لئے دین اسلام کو میں نے پسند کیا۔

ان آیات میں صرف اسلام کو دین بتایا۔ کیا ایمان دین سے خارج ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے۔ اور ضرور صرف نفی میں ہے۔ تو ثابت کہ ایمان اور اسلام دو متضاد چیزیں نہیں۔ مسلمانوں کے عرف میں بولتے ہیں۔ فلاں ایمان لایا۔ یا بولتے ہیں فلاں اسلام لایا۔ دونوں کے معنی بلا کسی دغدغہ کے ایک ہیں۔ ہاں اطلاق کے اعتبار سے شریعت میں اس کے مابین عموم خصوص مطلق کی نسبت ہوگی۔ ایمان اور اسلام دونوں کا ایک مفہوم پر اطلاق جیسے وفد عبد القیس والی حدیث اور سورۂ ذٰریٰت کی مذکورہ آیت ہیں۔ اسلام کا اور ایمان کا الگ الگ معنوں میں اطلاق جیسے سورۂ حجرات کی آیت میں۔

تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ ہر بھلائی برائی اللہ عزوجل نے اپنے علم ازلی کے موافق مقدر کر دی ہے جو بات جیسے ہونے والی تھی۔ اور جو شخص جو کچھ کرنے والا تھا۔ اللہ عزوجل اسے ازل سے جانتا تھا۔ اسی کے مطابق لکھ دیا۔ اب اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ محال ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ عزوجل نے لوگوں کے احوال جانے بغیر جو چاہا لکھ دیا۔ اور اب ہم اس لکھے کی وجہ سے ویسا ہی کرنے پر مجبور ہیں۔ بلکہ مثلاً زید کے ذمے برائی لکھی۔ اس لئے کہ اللہ عزوجل کو معلوم تھا کہ برائی کرے گا اگر زید بھلائی کرنے والا ہوتا تو اس کے ذمے بھلائی لکھتا۔ اس کو یوں سمجھے کہ اللہ عزوجل نے انسان کو جمادات پتھر کنکر کی طرح بے حس و حرکت بے اختیار نہیں بنایا۔ بلکہ ایک نوع اختیار بھی دیا ہے کہ کسی کام کو چاہے تو کرے۔ چاہے تو نہ کرے اسی کے ساتھ عقل بھی دی کہ وہ بھلے برے نفع، نقصان کو پہچان سکے۔ اور ہر قسم کے سامان و اسباب مہیا فرما دئے کہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو ان سامان سے کام لے۔ اسی اختیار پر مواخذہ ہے۔ اپنے آپ کو جمادات کی طرح مجبور محض سمجھنا۔ یا بالکل مختار سمجھنا دونوں گمراہی ہے۔

تقدیر کے منکرین کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس امت کا مجوس فرمایا۔ وجہ شبہ یہ ہے کہ مجوس دو خالق مانتے ہیں خالقِ خیر یزداں۔ خالقِ شر اہرمن۔ اور قدریہ یعنی تقدیر کے منکرین انسانوں کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں۔ انھوں نے دو ہی نہیں کروڑوں خالق مانے۔

تقدیر و قضا ہم معنی ہیں۔ قضا کی تین قسمیں ہیں۔ مُبْرَمِ حقیقی۔ جو علم الٰہی میں کسی چیز پر مُعَلَّق نہیں۔ مُعَلَّق محض۔ ملائکہ کے صحیفوں میں جس کا معلق ہونا ظاہر فرما دیا گیا ہو۔ مُعَلَّق شبیہ مبرم۔ صحف ملائکہ میں جس کی تعلیق مذکور نہیں۔ مگر وہ علم الٰہی میں معلق ہے۔

مبرم حقیقی کی تبدیل محال ہے۔ اگر محبوبانِ بارگاہ اس بارے میں کچھ عرض کرتے ہیں تو انھیں اس سے روک دیا جاتا ہے۔ مثلاً فرشتے قوم لوط پر عذاب لے کے آئے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بآں قرب

تُقِيمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ

اور نماز ادا کرے اور فرض زکوٰۃ دے اور رمضان کا روزہ رکھے۔

(قضاء) کی بہت کچھ عرض و معروض کی۔ یہاں تک کہ ان کی عرض و معروض کو قرآن کریم نے مجادلے سے تعبیر فرمایا۔

ارشاد ہے۔

يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوْطٍ۔ ابراہیم ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگا۔

مگر چونکہ یہ عذاب مبرم حقیقی تھا۔ اس لئے نہ رکا۔

قضاء معلق۔ اولیاء کرام کی دعاؤں ان کی توجہ اعمالِ حسنہ سے ٹل جاتی ہے۔

معلق شبیہ مبرم تک عامۂ اولیاء کرام کی رسائی نہیں۔ اکابر کی ہے۔ جو ان کی دعا، توجہ سے ٹل جاتی ہے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کو فرمایا۔

اِنِّي اَرُدُّ الْقَضَاءَ بَعْدَ مَا اُبْرِمَ۔ میں قضاء مبرم کو بدل دیتا ہوں۔

اور اسی کو حدیث میں فرمایا گیا۔

اِنَّ الدُّعَاءَ يَرُدُّ الْقَضَاءَ بَعْدَ مَا اُبْرِمَ۔ دعا قضاء مبرم کو ٹال دیتی ہے

تقدیر کے مسائل عقول متوسطہ کی دسترس سے باہر ہیں۔ اور شمائل گئی ہیں۔ حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم کو اس میں بحث کرنے سے روک دیا گیا۔ اس میں زیادہ غور و خوض بحث و تمحیص بہت نقصان دہ ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ استدلالی نہیں۔ صرف کشفی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ مسئلہ انتہائی دقیق اور عام عقلوں کی دسترس سے بالا تر ہے۔ اتنا ہی لوگ اس میں کرید کی کوشش کرتے ہیں۔ اسے عام فہم اسے قریب کرنے کے لئے زیادہ جو کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے۔ ہم چلتے ہیں پھرتے ہیں اٹھتے ہیں بیٹھتے ہیں کھاتے ہیں پیتے ہیں زندگی کے روزمرہ کے معمولات میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ ہم اپنے ارادے اور اختیار سے کرتے ہیں۔ ہم جو چاہتے ہیں کھاتے پیتے ہیں جو نہیں چاہتے ہیں نہیں کھاتے پیتے۔ ہم جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں اور جہاں نہیں چاہتے ہیں نہیں جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اس کے برخلاف رعشے کی بیماری والا ہے۔ کہ وہ لاکھ چاہے کہ اس کا سر اور اس کا ہاتھ اس کا پاؤں نہ ہلے۔ مگر وہ روک نہیں سکتا۔ فالج زدہ، مفلوج عضو کو لاکھ چاہے حرکت نہیں دے سکتا۔ اس کے برخلاف ایک تندرست انسان جب چاہے جس عضو کو چاہے حرکت دے سکتا ہے روک سکتا ہے تندرست کی حرکات دسکنات

قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الْاِحْسَانُ

اس نے عرض کیا یارسول اللہ۔ احسان کیا ہے؟

رعشہ اور فالج زدہ کی طرح بے اختیاری نہیں ـــــ مگر اس اختیار کے باوجود روزمرہ ایسا ہوتا رہتا ہے کہ ایک انسان ایک بات کو چاہتا ہے اس کے لئے لاکھ جتن کرتا ہے۔ سب تدبیریں کر ڈالتا ہے۔ مگر وہ کامیاب نہیں ہوتا اس سے سمجھ میں آیا۔ کہ ہمیں اختیار بھی ہے قدرت بھی ہے۔ مگر بالکلیہ نہیں۔ ہمارا اختیار ہماری قدرت کسی اور قدرت والے اختیار والے کے ماتحت ہے۔ یہی تقدیر ہے۔

(۵) احسان باب افعال کا مصدر ہے۔ اس کا مادہ حُسن ہے۔ جب اس کا مفعول بغیر حرف جر کے آتا ہے۔ تو اس کے معنی اچھا کرنے کے آتے ہیں۔ اور جب الیٰ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کسی کو نفع پہنچانے کے یہاں پہلا معنی مراد ہے۔ عبادت کے اندر احسان کیا ہے۔ اسے یوں فرمایا۔

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ اللہ کی یوں عبادت کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو پس اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اس تقدیر پر مطلب یہ ہوگا کہ تم عبادت میں یہ تصور رکھو گویا کہ اللہ عزوجل کو تم دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ تم اسے نہیں دیکھنے اور نہ دیکھ سکتے ہو۔ مگر وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اسی کو دوسری حدیث میں یوں فرمایا۔

اُعْبُدْ رَبَّکَ فِیْ جَمِیْعِ الْاَحْوَالِ کَعِبَادَتِکَ فِیْ حَالِ الْعِیَانِ۔ ہر حالت میں اپنے رب کی یوں عبادت کرو جیسے حالت مشاہدہ میں کرتے ہیں

اس تقدیر پر احسان کا صرف ایک درجہ ہوا۔ وہ یہ کہ اللہ کی عبادت یوں کریں گویا ہم اسے دیکھ رہے ہیں۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ نہ ہو سکے تو یوں عبادت کرو کہ گویا تم کو وہ دیکھ رہا ہے

اب احسان کے دو درجے ہوئے۔ ایک یہ کہ عبادت کے وقت یہ خیال جما ہے کہ اللہ عزوجل کو ہم دیکھ رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ نہ ہو سکے تو یہ خیال جما ہے کہ وہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب بندے کو یہ حضور حاصل ہو کہ اللہ عزوجل ہم کو ہمارے ظاہر و باطن کو دیکھ رہا ہے تو پھر نہ کوئی طاعت چھوٹے گی نہ اس کے آداب و شرائط میں کوئی کمی ہوگی۔ اور نہ کوئی گناہ پر جرأت ہوگی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ

مالک دروازے پر بیٹھا ہوا نوکروں سے کام لے رہا ہے۔ نوکر اپنے کام میں لگے ہیں۔ مالک کو نہیں دیکھتے مگر یہ جانتے ہیں کہ
مالک ہم کو دیکھ رہا ہے۔ تو کام میں سستی کریں گے نہ قصداً کام بگاڑیں گے۔ بخلاف اس کے کہ مالک موجود نہ ہو۔

لیکن اگر دربار شاہی میں کوئی شہنشاہ کے روبرو موجود ہو شہنشاہ کے چہرے پر اس کی نظر ہو تو اس کا کیا حال ہوگا۔
ظاہر ہے۔ کیا وہاں حکم عدولی کی جرأت ہوگی تعمیل حکم میں تاخیر کی مجال ہوگی۔ کیا آداب دربار کی خلاف ورزی ہوگی۔ کیا کوئی
اپنے کو لایعنی باتوں میں مشغول رکھے گا۔ خصوصاً جبکہ شہنشاہ ایسا ہو۔ جو ظاہر و باطن سب اس پر منکشف ہوں۔ آنکھوں
کی چوری سے کر سینے کے اندر تک مطلع ہو۔ دل کی دھڑکنوں کے ساتھ خطرات بھی اس سے پوشیدہ نہ ہوں عمداً
بہت دور ہے کیا دل میں بغاوت سرکشی حکم عدولی کا وہم بھی آسکے گا۔

اور سوچو جبکہ شہنشاہ مالک حقیقی ذوالجلال والجبروت ہو۔ اور اس کے ساتھ حسن و جمال میں بھی لاشریک لہ
ہو تو عاشر باش کا کیا حال ہوگا۔ ع ذوق این می نشناسی بخدا تا نہ چشی۔

یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان جوامع کلم میں سے ہے کہ اس کی تشریح سے دفتر کے دفتر تیار ہوسکتے
ہیں۔ یہی تصوف کی اصل ہے۔ جس کی شرح میں ہزاروں کتابیں لکھی گئیں اور ہزاروں لکھی جائیں گی۔ اور جو لکھی گئیں یا جو لکھی
جائیں گی۔ وہ ایک قطرہ بھی اس بحر ناپیدا کنار کا نہیں۔ ان سب کی تفصیل یہ ہے کہ ایمان
اصل الاصول ہے۔ اس کی فرع اعمال ہیں۔ اعمال کے ادا کے اعتبار سے تین درجے ہیں۔
اول ۔ حسب تفصیل فقہ۔ شرائط کے ساتھ ارکان ادا کرلئے جائیں۔ اس سے آدمی فرض سے سبکدوش ہوجاتا ہے۔
یہ عوام کے لئے ہے۔

دوم ۔ عبادت میں کم از کم یہ تصور ہو کہ معبود ہمیں دیکھ رہا ہے۔ یہ خواص کا مقام ہے۔
سوم ۔ عبادت میں یہ حضور و شہود ہو گویا عابد معبود کو دیکھ رہا ہے۔ یہ اخص الخواص کا مقام ہے۔

عمارہ بن قعقاع کی روایت اور حضرت انس کی حدیث میں۔ ان تعبد اللہ۔ کے بجائے ان تخشی اللہ ہے اب
احسان سے مراد عبادت کا احسان نہیں ہوگا۔ بلکہ اسلام کا احسان ہوگا۔ اب سوال یہ ہوا کہ اسلام کا احسان کیا ہے؟۔
جواب ارشاد ہوا۔
اللہ سے یوں ڈرتے رہو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ نہ ہوسکے تو یوں ڈرتے رہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔
یہاں تخشی اللہ کا مفعول محذوف ہے۔ جو عموم کا افادہ کرتا ہے۔ کہ ہر وقت اللہ سے ان دونوں تصور میں سے

قَالَ الْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ

فرمایا۔ احسان یہ ہے کہ اللہ کی اس طرح عبادت کر گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے پھر اس طرح کر

ایک کے ساتھ ڈھلے رہو۔ خواہ حالت عبادت میں ہو خواہ کسی حالت میں۔ یہ دوام اپنے دونوں مدارج میں سے کسی ایک درجے میں جسے بھی نصیب ہو جائے اس کے مدارج کا اندازہ کون لگا سکے گا۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

كَاَنَّكَ تَرَاهُ میں، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں بیداری کے ساتھ چشم سر سے دیدار الٰہی ممکن نہیں ورنہ كَاَنَّكَ (گویا دیکھ رہے ہو) نہ فرماتے۔ بلکہ یہ فرماتے یوں عبادت کرو کہ اسے دیکھو اس پر مسلم شریف کی یہ حدیث دلیل ہے کہ فرمایا۔

واعلموا انكم لن ترو اربكم حتى تموتوا — جان لو! موت سے پہلے اپنے رب کا دیدار ہرگز نہ کروگے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار الٰہی کرنا۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ یہ احادیث اس کے مخصص ہیں۔ رہ گیا خواب میں وہ صحابہ کرام، اولیاء کرام کے لئے حاصل ہے۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا رأیت ربي في سكك المدينة میں نے اپنے رب کو مدینے کی گلیوں میں دیکھا۔ اس سے مراد یہی خواب میں دیکھا ہے مطلب یہ ہے کہ مدینے کی گلیوں میں رہتے ہوئے میں نے رب کا جلوہ دیکھا۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سو مرتبہ اور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کئی مرتبہ خواب میں زیارت ہوئی۔

(۴) عبادت کے معنی قاضی بیضاوی علامہ نسفی وغیرہ مفسرین نے عبادت کے یہ معنی بتائے ہیں۔

اقصی غاية الخضوع والتذلل۔ کسی کے لئے انتہائی حد تک عاجزی و فروتنی کرنا۔

اقصی غایت تذلل، عبادت، اور اس سے کم درجہ تعظیم ہے۔

اقصی غایت کی حد کیا ہے۔ اس کا دار و مدار نیت پر ہے۔ اسکی قدرے توضیح یہ ہے۔ کہ انسان مختلف اشخاص و ہستی کے سامنے تذلل ظاہر کرتا ہے۔ مثلاً چھوٹا بھائی بڑے بھائی کے سامنے۔ بیٹا باپ کے سامنے۔ شاگرد استاذ کے سامنے۔ مرید شیخ کے سامنے۔ امتی نبی کے روبرو۔ اور ایک عابد معبود کے حضور۔

ہر شخص پر ظاہر ہے۔ کہ تذلل کے یہ سب مدارج یکساں نہیں۔ ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ ان سب سے اعلیٰ اقصیٰ غایت تذلل عبادت۔ اس سے فروتر تعظیم۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا آئے کہ اس کا دار و مدار نیت پر ہے۔

تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ. قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟

اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس نے عرض کیا۔

کسی ہستی کو واجب الوجود اعتقاد کرکے یا واجب الوجود کے خواص و لوازم میں سے کسی ہستی کے لئے ثابت مان کر یا انتظامات عالم کی تدبیر میں کسی کے لئے ایسا دخل ماننا کہ اس کے بغیر نظام نہیں چل سکتا یا نفع و ضرر پہونچانے یا تخلیق و ایجاد میں کسی کو مستقل بالذات ماننا اس معنی کر کہ وہ بے اذن الٰہی کے جو چاہے کرے یا تحلیل و تحریم کا اختیار مستقل ماننا یا کسی کی ذات و صفات کو ذاتی مان کر تذلل کرنا غایت تعظیم اور عبادت ہے اور ان مذکورہ تصورات کے بغیر کسی کے لئے تذلل کرنا عبادت نہیں۔

اور صحیح بات تو یہ ہے۔ عبادت اور تعظیم کی حد فاصل ہر عاقل جانتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اسے الفاظ کا جامہ پہنانا ذرا مشکل ہے۔ سجدہ ایک فعل ہے۔ دونوں زانو بیٹھنا ایک فعل ہے۔ یہی کبھی عبادت ہے کبھی تعظیم۔ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے ماں باپ اور بھائیوں نے جو سجدہ کیا یہ تعظیم تھا اور نماز کا سجدہ، عبادت۔ جبرئیل امین خدمت اقدس میں باادب تلمیذ کی طرح دو زانو بیٹھے یہ تعظیم۔ اور قعدہ میں عبادت روضۂ اقدس کی حاضری کے وقت دست بستہ کھڑا ہونا تعظیم۔ اور نماز میں عبادت۔ ہر عام حالات میں ہاتھ چھوڑ کر کھڑے رہتے ہیں یہ نہ تعظیم ہے نہ عبادت۔ اور کسی مقتدا دینی کے لئے کھڑے ہو گئے یا اس کے سامنے کھڑے ہیں تو یہ تعظیم۔ اور مالکیہ کے یہاں مطلقاً نماز میں اور احناف و شوافع کے یہاں رکوع کے بعد سجدے سے پہلے کھڑا ہونا عبادت اس لئے ماننا پڑے گا کہ تعظیم و غیر تعظیم عبادت و غیر عبادت میں سب کو امتیاز آتا ہے۔ البتہ الفاظ کے قالب میں اسے ڈھالنا ذرا دشوار ہے۔ اور یہ صرف عبادت اور تعظیم ہی کی بات نہیں۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو سب جانتے ہیں۔ مگر اس کی تعریف پوچھو تو کم ہی لوگ بتا پائیں گے۔ مکان و زمان، حرکت و سکون، کون نہیں جانتا مگر ذرا اس کی تعریف پوچھ کر دیکھو؟ اور ان کی جو تعریفیں کی جاتی ہیں۔ کتنی آسان ہیں۔ وہ فلسفے کے منتہی اور معلم سے پوچھو۔ آج کل کچھ لوگوں نے عبادت کی تعریف یہ گڑھ لی ہے۔ کسی کو مافوق الفطری قوت کا مالک۔ اعتقاد کرکے اس کی قربت و نزدیکی حاصل کرنے کے لئے کوئی کام کرنا۔ع یہ تعریف نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں نہ صحابہ سے منقول ہے نہ علمائے سلف سے نہ علمائے خلف سے۔ انتہائی اعلان کے باوجود آج تک نہیں بتایا گیا۔ اور نہ قیامت تک کوئی بتا سکتا ہے۔

ع روداد مناظرہ بحر ڈیہہ۔

مَتَى السَّاعَةُ قَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلٰكِنْ

قیامت کب آئے گی؟ فرمایا جس[1] سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا

اور بداہۃً باطل ہے۔ ورنہ لازم کہ ساری امت ہی نہیں انبیاء کرام خود اللہ عزوجل، مشرک ہو۔ وہ یوں کہ بغیر
کہ انبیاء کرام میں فوق الفطری قوتیں تھیں بلکہ یہ بھی ثابت کہ امتیوں میں بھی تھیں۔ حضرت داؤد کے ہاتھ میں لوہے کا موم
ہونا حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے وحوش وطیور جنات کا تابع ہونا ہوا کا ان کے قابو میں ہونا۔ حضرت موسیٰ علیہ
السلام کا ید بیضا اور عصا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مٹی کی مورت میں جان ڈالنا اور مادر زاد اندھے اور برص والے کو
شفا دینا مردے جلانا۔ حضرت آصف بن برخیا کا سیکڑوں میل کی دوری سے بلقیس کا منوں وزنی تخت پلک جھپکے
اندر لانے کی قوت۔ یہ سب مافوق الفطری قوتیں ہی تو ہیں۔ پھر یہ تعریف بالمجہول۔ فوق الفطری کی تحدید کیا ہے اس
کوئی صاحب متعین کر دیں۔ اور تعریف بالمجہول، تجہیل محض و باطل۔ اس لئے یہ تعریف من گڑھت ہونے کے ساتھ ساتھ
لایعنی بلکہ منجر الی الکفر ہے[2]۔

(۷) مالمسئول عنہا باعلم من السائل۔ قیامت کے بارے میں جس سے سوال کیا گیا وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا

یہاں نفی اسم تفضیل پر داخل ہوئی۔ جو صرف معنی تفضیل کی نفی کرتی ہے۔ بالکلیہ مشتق منہ کی نفی نہیں کرتی جس کا حاصل
ہوا کہ قیامت کے بارے میں، میں تم سے زیادہ نہیں جانتا۔ جس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے بارے میں تم جتنا جانتے
ہو اُتنا میں بھی جانتا ہوں اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قیامت کا علم تجھے ہے نہ مجھے۔ بلکہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ
قیامت کے علم میں ہم اور تم برابر ہیں۔ اس قدر پر علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدر الدین عینی دونوں شارحین کا اتفاق
ہے کہ یہ۔۔۔ تساوی فی العلم پر دلالت کرتا ہے عینی میں ہے:

مشعرۃ بوقوع الاشتراک فی العلم۔ والنفی توجہ الی الزیادۃ فیلزم ان یکون معناہ انہما متساویان فی العلم بہ ۲۹۲ / ۱

یہ علم میں اشتراک کو بتا رہا ہے۔ اور نفی زیادت کی طرف متوجہ ہے اس لئے لازم ہے کہ اس کے معنی یہی ہیں کہ دونوں اس کو جاننے میں برابر ہیں کہ قیامت کب آئے گی۔

اس سے صاف ظاہر ہو گیا۔ قیامت کب آئے گی یہ جبریل بھی جانتے تھے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
بھی جانتے تھے اس پر قرینہ قویہ ہی نہیں بلکہ بڑی مضبوط دلیل ابو فروہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں۔

[2] پوری تفصیل کے لئے بحر ڈیہہ کی روداد مناظرہ کا مطالعہ کریں۔

فلكس فلم يجبه ثم اعاد فلم يجبه ثلاثا ثم رفع راسه وقال ما المسئول عنها باعلم من السائل۔ الحديث فتح ج۱ ص۱۱۸

اس سوال پر حضور نے سر جھکا لیا کوئی جواب نہیں دیا۔ تین بار یہی ہوا۔ تو سر اقدس اٹھایا۔ اور فرمایا۔ مسئول عنہا سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔

عینی ج۱ ص۱۲۲

اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیامت کا علم نہ تھا۔ اور اس جملے کا یہی مطلب ہے کہ تمہاری طرح میں بھی نہیں جانتا تو دیگر سوالات کے جوابوں کی طرح بلا توقف کیوں نہیں فرما دیا۔ اتنے غور کی کیا حاجت تھی۔ کہ انھیں تین بار سوال دہرانا پڑا۔ بات بالکل صاف ہے۔ کہ اگر نہ جانتے ہوتے تو بلا توقف فرما دیا ہوتا۔ لیکن بات یہ تھی جانتے تھے مگر بتانے کی اجازت نہ تھی۔ تو اگر فرماتے کہ میں نہیں بتاؤں گا تو جو اس سوال سے مقصود تھا وہ حاصل نہ ہوتا۔ اور اگر فرماتے میں نہیں جانتا تو جھوٹ ہوتا۔ اس لئے غور فرما کر ایسا جواب دیا۔ کہ نکتہ شناس سمجھ جائیں اور راز۔ راز رہے۔

اس سوال کی وجہ علامہ قرطبی نے یہ بتائی ہے۔

المقصود من هذا السوال كف السامعين عن السوال عن وقت الساعة لانهم كانوا قد اكثروا السوال عنها فلما حصل الجواب بما يحصل الياس من معرفتها۔ عینی ج۱ ص۱۲۲

اس سے مقصود سامعین کو قیامت کے وقت کے بارے میں سوال سے روکنا تھا۔ کیونکہ اکثر لوگ اس کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے۔ جب یہ جواب مل گیا۔ تو سامعین کو اس کے جاننے سے مایوسی ہو گئی۔

اور اگر بالفرض یہی مراد لے لیا جائے کہ نہ جاننے میں مساوات مراد ہے۔ تو اس حدیث کا حاصل یہ ہوگا کہ اس وقت نہیں جانتے تھے۔ یہ اہل سنت کے عقیدے کے معارض نہیں۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ نزول قرآن کی تکمیل کے ساتھ جمیع ما کان وما یکون حتی کہ غیوب خمسہ کا بھی علم آپ کو عطا فرمایا گیا۔ اس لئے تکمیل قرآن کے پہلے اگر کچھ غیوب آپ پر مخفی رہے ہوں تو یہ اس عقیدے کے معارض نہیں۔ اس پر کوئی دلیل نہیں کہ یہ حدیث تکمیل قرآن کے بعد کی ہے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ علم غیب کے سلسلے میں دو مرتبے ہیں۔ ایک یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے تھے یہ تو حد ضروریات دین سے ہے۔ یہ ابتداء ہی سے ہے۔ اس لئے کہ نبی کے معنی ہیں، غیب کی خبر دینے والے کے۔ المنجد میں ہے۔ النبوة۔ الاخبار عن الغيب او المستقبل بالهام الله۔ النبي۔ المخبر عن الغيب او المستقبل بالهام الله۔

اس کے ترجمے مصباح اللغات میں ہے جو ایک فاضل دیوبندی کا ہے۔ اللہ کے الہام سے غیب کی خبریں بتانے والا، آئندہ کی پیشین گوئی کرنے والا۔ علاوہ ازیں نبی کے خواص لازمہ میں غیب دانی ہے۔ علامہ عبد الباقی زرقانی

علی المواہب میں لکھتے ہیں۔

قال الغزالی۔ النبوة عبارة عما یختص به النبی ویفارق به غیره وهو یختص بانواع من الخواص۔ احدها۔ انه یعرف حقائق الامور المتعلقة بالله وصفاته وملائکته والدار الآخرة علما مخالفا لعلم غیره بکثرة المعلومات وزیادة الکشف والتحقیق۔ ثانیها ان له فی نفسه صفة بها تتم الافعال الخارقة للعادة کما ان لنا صفة تتم الحرکات المقرونة بارادتنا وهی القدرة۔ ثالثها ان له صفة بها یبصر الملائکة ویشاهدهم کما ان للبصیر صفة بها یفارق الاعمی رابعها۔ ان له صفة بها یدرک ما سیکون فی الغیب۔

ص ۲۰۱۹
۱۴

نبوت وہ وصف ہے جو نبی کے ساتھ خاص ہے جس کی وجہ سے غیر سے ممتاز ہوتا ہے۔ نبی چند قسم کے خواص کے ساتھ مختص ہوتا ہے۔ اول یہ کہ نبی اللہ عزوجل اور اس کی صفات اور فرشتوں اور دار آخرت سے متعلق امور کی حقیقت جانتا ہے۔ کثرت معلومات کشف وتحقیق کی زیادتی کی وجہ سے نبی کا یہ علم دوسروں کے علم سے ممتاز ہوتا ہے۔ ثانی۔ نبی میں ایک صفت (قوت) ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ معجزات دکھاتا ہے جیسے ہمیں یہ قوت ہے کہ ہم اپنے ارادے سے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں یہی قدرت ہے۔ ثالث۔ نبی میں ایک قوت ہوتی ہے جس سے وہ فرشتوں کو دیکھتا ہے۔ جیسے بینا کے اندر ایک قوت ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اندھے سے علیحدہ ہے۔ رابع اسے ایک ایسی قوت ہوتی ہے جس سے یہ جان لیا کرتا ہے کہ غیب میں کیا ہوگا۔

اسی لئے نبی اس وقت نبی ہوگا۔ جب تک غیب داں نہ ہو۔ اسے غیب دانی پر قدرت نہ ہو۔ اس مرتبے میں جمیع علم ماکان ومایکون کا علم داخل نہیں۔ قدر معتد بہ لازم ہے۔ جیسے ہر مسلمان کو دینی باتوں کا علم ہے مگر ہر مسلمان عالم نہیں کہلاتا۔ عالم وہ ہے جو دین کے معتد بہ علم سے مشرف ہو۔ اس درجے میں دس بیس بلکہ سو دو سو باتوں کا نہ جاننا عالم ہونے کے منافی نہیں۔ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے بھی بعض سوال کے جواب میں فرمایا۔ لاادری۔ میں نہیں جانتا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کتنے سوالوں کے جواب میں فرمایا لاادری اسی طرح جب نبی علم غیب قدر معتد بہ جانتا ہے۔ بلکہ اسے یہ قوت ہے کہ غیب جان لیا کرے تو دس بیس بالفرض سو دو سو غیب کی باتوں پر اگر اطلاع اس درجے میں نہ ہوئی۔ تو یہ نبی کے غیب داں ہونے کے منافی نہیں۔ جیسے سیدنا امام اعظم اور امام مالک کا چند مسائل کا نہ جاننا ان کے امام اعظم اور امام مجتہد ہونے کے منافی نہیں۔

دوسرا مرتبہ یہ ہے جمیع ماکان ومایکون اور علوم خمسہ تشمول علم قیامت جاننے کا۔ یہ مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی

سَاُحَدِّثُكَ عَنْ اَشْرَاطِهَا۔ اِذَا وَلَدَتِ الْمَرْاَةُ رَبَّتَهَا فَذَاكَ مِنْ

اس کی نشانیوں کو بتاتا ہوں جب عورت اپنے آقا کو جنے یہ اس کی نشانیوں میں ہے

اَشْرَاطِهَا وَاِذَا كَانَ الْحُفَاةُ الْعُرَاةُ رُءُوسَ النَّاسِ فَذَاكَ مِنْ اَشْرَاطِهَا

ہے اور جب ننگے پاؤں ننگے بدن رہنے والے، لوگوں کے سردار ہو جائیں۔ یہ اس کی نشانیوں میں سے ہے۔

علیہ وسلم کو نزول قرآن کی تکمیل کے ساتھ حاصل ہوا تکمیل قرآن کے بعد کوئی ایسا واقعہ نہیں۔ جو اس دعوی کے منافی ہو۔
جب حدیث جبرئیل کے بارے میں اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ یہ نزول قرآن کی تمامیت کے بعد کی ہے۔ تو یہ
حدیث اہل سنت کے عقیدے کے مزاحم نہیں۔
رہ گیا اس کا ثبوت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیام قیامت کا علم تھا۔ اس کے لئے الدولۃ المکیہ
بعوض الملک۔ الکلمۃ العلیا کا مطالعہ کریں۔ سردست صرف علامہ ابراہیم بیجوری قدس سرہ کے شرح قصیدہ بردہ کی
ایک عبارت پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

ولم يخرج صلى الله تعالى عليه وسلم من الدنيا الا بعد ان اعلمه الله تعالى بهذه الامور — اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہیں لے گئے مگر اس کے بعد کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان پانچوں باتوں کا علم عطا فرما دیا۔

بحمد ربہ

علامات قیامت

⊙ علامات قیامت کثیر ہیں۔ مگر اس حدیث میں صرف تین بیان فرمائیں۔ اول لونڈی اپنے آقا کو جنے گی۔
اس حدیث میں "ربتہا" کا لفظ آیا ہے۔ یہ "رب" کی تانیث ہے۔ رب کے معنی پالنے والے کے ہیں۔
اضافت کے ساتھ اس کا اطلاق ہر پالنے والے پر آتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے
عزیز مصر کو فرمایا۔

اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ۔ — یہ تو میری پرورش کرنے والا ہے اس نے مجھ کو اچھی طرح رکھا۔

عرف میں اس کے معنی آقا اور مالک کے بھی آتے ہیں۔ ربیع سلم میں "رب المال" کا لفظ عام ہے۔ اس
حدیث میں آقا ہی کے معنی میں ہے۔ بلا اضافت "رب" کا اطلاق اللہ عزوجل کے علاوہ دوسرے پر جائز نہیں۔
بلکہ کفر ہے۔ بغیر اضافت کے ساتھ اس کا اطلاق یہ عربی کے ساتھ خاص ہے۔ ہمارے عرف میں اضافت

فِي خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ

(دنیا تمام قیامت کا وقت) ان پانچ چیزوں میں سے ہے جس اللہ کے سوا بے اس کے بتائے) کوئی نہیں جانتا جیسا کہ قرآن میں

کے ساتھ بھی غیر خدا پر اس کا اطلاق جائز نہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ رو سار معززین بلکہ بادشاہان وقت بھی لونڈیوں کو بیبیوں کی طرح رکھیں گے۔ ان سے اولاد ہوگی۔ یہ اولاد اپنی ان ماؤں کے ساتھ وہی برتاؤ کریں گے جو آقا لونڈی کے ساتھ کرتا ہے۔ بلکہ بادشاہ وقت کی لونڈی کے بطن سے جو اولاد ہوگی ان میں بادشاہ ہوں گے۔ اور یہ مائیں ان کی رعایا۔

یا مراد یہ ہے کہ لونڈیوں کی بہت زیادہ کثرت ہوگی۔ خدا ناترس لوگ ام الولد کو بھی بیچ ڈالیں گے اور دہ پھر دست بدست بکتی ہوئی اپنی اولاد کی ملکیت ہو گی۔

یہ دونوں علامتیں ظاہر ہو چکیں۔ شاہان بنی عباس میں سوائے امین کے سب لونڈی زادے تھے۔

یا کنایہ ہے اس بات سے کہ لوگ اپنی حقیقی ماں کے ساتھ لونڈی جیسا برتاؤ کریں گے۔ ماں کو لونڈیوں کی طرح رکھیں گے۔ ان کی حق تلفی، نافرمانی کریں گے۔ ایذا پہنچائیں گے۔ یعنی اولاد اپنی ماں کے ساتھ آقا کی طرح برتاؤ کرے گی یہ تاویل مذکورہ متن پر بالکل چسپاں ہے کہ فرمایا۔

عورت اپنے آقا کو جنے گی۔

یہ اس طرح کہ عورت کا لفظ عام ہے۔ آزاد اور لونڈی دونوں کو۔ بلکہ عربی میں اِمْرَأَۃٌ۔ لفظ قریب قریب آزاد عورت کے ساتھ خاص ہے۔

یہاں حدیث دو لفظوں کے ساتھ مروی ہے۔ رَبَّھَا۔ اور رَبَّتَھَا۔ رَبَّتَھَا کے معنی مالکہ کے ہیں۔ اس کا بھی وہی حاصل کچھ مبالغہ کے ساتھ۔ لڑکیاں بہ نسبت لڑکوں کے ماں کی زیادہ اطاعت شعار ہوتی ہیں۔ اب حدیث کا یہ مفہوم ہوا کہ لڑکے تو لڑکے، لڑکیاں اپنی ماؤں کے ساتھ مالکہ جیسا برتاؤ کریں گی۔

دوم ننگے بدن ننگے پاؤں رہنے والے، گونگے بہرے، سردار اور حکمراں ہوں گے۔

سوم بلک ننگے کالے اونٹوں اور بکریوں کے چرانے والے محل میں فخر کریں گے۔

آج جو دنیا کا حال ہے۔ اس کو دیکھو! چودہ سو برس کی یہ غیب کی خبر کس طرح حرف بحرف ثابت ہو رہی ہے۔

علوم خمسہ کی بحث

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ثُمَّ انْصَرَفَ الرَّجُلُ فَقَالَ رُدُّوْا عَلَيَّ

میں ہے۔ بیشک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور بارش برساتا ہے۔ مادہ کے پیٹوں میں کیا ہے جانتا ہے پھر وہ شخص لوٹ گیا۔ آنحضور نے فرمایا۔ اُسے واپس لاؤ۔

(۱) ارشاد فرمایا۔ قیامت کا علم ان پانچ باتوں میں ہے جنھیں اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا جیسا کہ سورۂ لقمان کی اس آیت میں ہے۔

بیشک اللہ ہی کے پاس۔ قیامت کا علم ہے۔ اور وہ بارش برساتا ہے۔ اور مادہ کے پیٹ میں کیا ہے جانتا ہے۔ کل کیا ہوگا کوئی نہیں جانتا اور کوئی اپنے اٹکل سے نہیں جانتا کہ کہاں مرے گا۔ بیشک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے۔

اب یہاں سوال یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے یہ علوم خمسہ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتائے یا نہیں۔ احادیث میں بکثرت ایسے واقعات ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان باتوں کی خبر دی۔

حضرت امام حسن کی ولادت سے پہلے۔ حضرت عباس کی اہلیہ ام الفضل سے فرمایا۔ فاطمہ کے ایک بچہ ہوگا۔ اس کی پرورش تم کروگی۔

جنگ بدر کے ایک دن قبل فرمایا۔ یہ فلاں کے مرنے کی جگہ ہے۔ یہ فلاں کے مرنے کی جگہ ہے۔ ویسا ہی ہوا۔

جنگ احزاب کے خاتمہ پر فرمایا۔ اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر حملہ نہیں کر سکتے۔

جنگ خیبر کے موقع پر فرمایا کل جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہے۔ اور اللہ رسول اس سے محبت کرتے ہیں اللہ اس کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائے گا۔ دوسرے دن جھنڈا حضرت علی کو دیا۔ اور فتح حاصل ہوئی۔

فتح مکہ سے پہلے حضرت علی اور حضرت زبیر کو بھیجا کہ۔ خاخ۔ تک چلے جاؤ۔ وہاں ایک عورت ملے گی اس کے پاس خط ہے اسے مع خط پکڑ کر لاؤ۔

ایک حدیث[۱] میں ہے۔ کہ فرمایا۔ جب سب لوگ مرجائیں گے بارش ہوگی۔ جس سے سب کے جسم اپنی حالت پر ہو جائیں گے

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی وفات اور مدفن کی خبر دی فرمایا۔

---

[۱] مشکوٰۃ ص۴۸۱

عسیٰ ان لاتلقانی بعد عامی ھذا لعلک اَنْ تمر بمسجدی وقبری۔ اس سال کے بعد مجھ تمہاری ملاقات نہ ہو سکے گی۔ اب تم میری مسجد اور میری قبر سے گذرو گے۔

توجب ان علوم خمسہ میں سے اتنے امور کو حضور جانتے تھے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ حدیث کے اس ارشاد اور آیۂ کریمہ میں حصر صرف علم ذاتی واجب قدیم غیر مخلوق ممتنع الزوال کے اعتبار سے ہے۔ یعنی ان چیزوں کا علم ذاتی ازلی واجب قدیم صرف اللہ عزوجل کو ہے۔ ان چیزوں کا علم ذاتی ازلی واجب قدیم اللہ عزوجل کے سوا کسی کو نہیں۔

رہ گیا۔ علم عطائی حادث ممکن۔ یہ۔ نہ اللہ عزوجل کی صفت اور نہ شرعاً عقلاً جائز۔ کہ ان امور کا علم۔ بلکہ مطلق علم باری عزاسمہ کی کوئی صفت۔ عطائی حادث ممکن ہو۔ اس پر اجماع امت کہ جو شخص باری تعالیٰ کی کسی بھی صفت کو عطائی حادث یا ممکن مانے وہ کافر۔ تو پھر یہ کہنا کہ علم عطائی حادث ممکن بھی باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے وہ اپنے ایمان سے ہاتھ دھونا ہے۔

اس کو دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ہم پوچھتے ہیں کہ۔ ۔ فی خمس لا یعلمھن الا اللہ اور آیۂ کریمہ ان اللہ عندہ علم الساعۃ۔ میں علم سے مراد علم ذاتی واجب قدیم ہے۔ یا علم عطائی حادث ممکن یا مطلق علم۔ اب اگر یہی کہ علم عطائی حادث مراد ہے۔ تو لازم کہ باری تعالیٰ کا علم۔ عطائی حادث ممکن ہو۔ اور یہ کفر بلکہ مجموعہ کفریات۔ اور اگر یہی کہ مطلق علم مراد ہے خواہ ذاتی واجب قدیم خواہ عطائی حادث ممکن۔ تو بھی محذور مذکور اپنی جگہ۔ کہ پھر بھی لازم آئیگا کہ باری تعالیٰ کا کچھ علم عطائی حادث ممکن ہے۔ اور اللہ عزوجل کی کسی بھی صفت کو عطائی حادث ممکن ماننا بالاتفاق کفر۔

اس لئے شق اول متعین کہ مراد یہی ہے کہ ان چیزوں کا علم ذاتی قدیم واجب باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ ان چیزوں کا علم ذاتی واجب قدیم اللہ عزوجل کے سوا کسی کو نہیں۔

ہم اہل سنت۔ انبیائے کرام یا ان کے توسط سے اولیائے کرام کے لئے ان علوم خمسہ کا یا دیگر غیوب کا علم مانتے ہیں تو بعطائے الٰہی مانتے ہیں۔ ان کے علم کو علم عطائی حادث ممکن مانتے ہیں۔ ہماری اس تقریر کی تائید میں چند علماء محدثین کے ارشادات سنیئے۔ اشعۃ اللمعات میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں۔

مراد آنست کہ بے تعلیم الٰہی۔ بحساب عقل کسے اینہا را نداند۔ از امور غیب اند کہ جز خدا۔ کسے آں را نداند۔ مگر آنکہ وے تعالیٰ از نزد خود کسے را بوحی والہام بداند۔ مراد یہ ہے ان امور غیبیہ کو اللہ عزوجل کے بتائے بغیر عقل کے حساب سے کوئی نہیں جانتا۔ سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ وحی یا الہام کے ذریعہ بتادے۔

عارف باللہ ملا احمد جیون، استاذ سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر قدس سرہما نے تفسیرات احمدیہ میں فرمایا

ولک ان تقول ان علم هذه الخمسة وان کان لا یعلمه الا الله. لکن یجوز ان یعلمها من یشاء من محبیه واولیاءه بقرینة قوله تعالی ان الله علیم خبیر علی ان یکون الخبیر بمعنی

تم کو چاہئے کہ یہ کہو کہ ان پانچوں کا علم صرف اللہ کو ہے۔ لیکن جائز ہے کہ اللہ عزوجل اپنے محبین، اولیا میں سے جسے چاہے بتائے اس پر قرینہ اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے۔ بے شک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے۔ اس طرح کہ خبیر معنی میں مخبر کے ہے۔

المخبر ص۴۹۵

تفسیر صاوی میں ہے۔

ای من حیث ذاتها. واما باعلام الله للعبد فلا مانع منه کالانبیاء وبعض الاولیاء قال تعالی. ولا یحیطون بشیء من علمه الا بما شاء. وقال تعالی. عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احدا الا من ارتضی من رسول. قال العلماء الحق انه لم یخرج نبینا من الدنیا حتی اطلعه الله تعالی. ص۳۲۶

یہاں مراد علم ذاتی ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو عطا فرمائے اس سے کچھ مانع نہیں جیسے انبیا، اولیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ کے علم میں سے لوگ اتنا ہی پاتے ہیں جتنا وہ چاہتا ہے۔ اور فرمایا۔ عالم الغیب اپنے پسندیدہ رسولوں کے سوا کسی کو اپنے غیب پر مسلط نہیں فرماتا۔ علما نے فرمایا حق یہ کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے انھیں مطلع فرما دیا (ان پانچوں پر بھی)

بحث کے اختتام پر بخاری کے شارحین جلیلین، جلیلین علامہ عینی و علامہ قسطلانی کے ارشاد کو جو انھوں نے اسی حدیث جبریل کے تحت ارقام فرمائے ہیں۔ ہدیۂ ناظرین کرتے ہوئے۔ رخصت ہوتا ہوں۔

فمن ادعی علم شیء منها غیر مسند الی رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم کان کاذبا فی دعواه. عینی ج۱ ص۲۹۰ فتح الباری ص۱۱۴ ج۱

جو شخص حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت کئے بغیر ان پانچ چیزوں سے کسی ایک کا دعویٰ کرے (کہ میں جانتا ہوں) وہ جھوٹا ہے۔

یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ مجھے ان پانچوں میں سے سب کا یا کسی ایک کا مثلاً قیام قیامت کا علم، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بلا واسطہ حاصل ہے۔ وہ جھوٹا ہے۔ اس کا صاف صاف مطلب یہ نکلا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ مجھے ان پانچوں کا علم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے سے ان کے بتانے سے حاصل ہوا، وہ سچا ہے

فَاَخَذُوْا لِيَرُدُّوْا۔ فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا فَقَالَ هٰذَا جِبْرَئِيْلُ جَاءَ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ دِيْنَهُمْ عـه

لوگوں نے لوٹانے کی کوشش کی مگر جب باہر جاکر دیکھا) تو وہ غائب تھے۔ فرمایا یہ جبرئیل تھے لوگوں کو دین سکھانے آئے تھے۔

اس سے صاف ظاہر کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان پانچ چیزوں کا جن میں قیام قیامت کا وقت بھی داخل ہے۔ حاصل ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل کی ہر صفت ذاتی واجب قدیم ہے۔ پھر اس آیت میں پانچ کی تخصیص کیوں ہے۔ اس کا ایک جواب تو ملا احمد جیون قدس سرہ نے دیا ہے۔

(الف) فائدتہ ان ھذہ الخمسۃ معظم الغیوبات لان مفاتیحھا فانہ ان وقف مثلا علی ما فی غد۔ وقف علی موت زید و تولد عمرو و فتح بکر و مقھوریۃ خالد و قدوم بشر و غیرذالک مما فی الغد وھکذا القیاس۔ تفسیرات احمدیہ عـه

اس کا فائدہ یہ ہے کہ یہ معظم غیوب اور ان کی کنجیاں ہیں اس لئے کہ مثلاً اگر کوئی یہ جان گیا کہ کل کیا ہوگا تو وہ کل رونما ہونے والی ساری باتوں کو) مثلاً زید کی موت عمر کی پیدائش۔ بکر کی فتح۔ خالد کی مغلوبیت۔ بشر کی آمد وغیرہ کو جان جائے گا۔ علی ھذا القیاس۔

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی اہمیت کی وجہ سے ان پانچوں کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا۔

(ب) دوسری وجہ ان پانچ چیزوں میں علم قیامت بھی ہے۔ اور گزر چکا علم قیامت کے بارے میں بکثرت سوالات ہوتے تھے۔ اور خود جبرئیل امین نے قیامت کے بارے میں سوال کیا اس لئے اس کی تخصیص فرمائی۔

(ج) عرب کے کاہن نجومی علم مافی الغد وغیرہ جاننے کے مدعی تھے۔ ان کی تکذیب کے لئے بالخصوص ان کو ذکر فرمایا۔

○ بعض منکرین علم رسول نے ذاتی اور عطائی کی تقسیم کو تدقیقات فلسفیانہ کہہ کر مسترد کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

اس پر گذارش ہے کہ اگر اس فرق کو تسلیم نہ کیا جائے۔ تو قرآن مجید۔ احادیث کریمہ میں اتنا زبردست تعارض پڑے گا کہ اٹھائے نہ اٹھے گا۔ مثلاً ارشاد ہے۔

عـه بوارق منظور سنبھلی۔ عـه کتاب التفسیر سورۂ لقمان۔ مسلم ایمان ۵ ابن ماجہ مقدمہ ۹ فتن ۳۵ مسند امام احمد ۲-۲۶۰۔

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ

فرما دو کہ زمین و آسمان کے رہنے والوں میں کوئی غیب نہیں جانتا ہے سوائے اللہ کے۔

اور فرمایا:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ۔ سورہ آل عمران آیت ۱۷۹

اللہ کی یہ شان نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں علم غیب دیدے۔ ہاں اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے اس کے لئے چن لیتا ہے

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ سورہ جن آیت ۲۶

عالم الغیب اپنے علم غیب پر اپنے پسندیدہ رسولوں کے سوا کسی کو مسلط نہیں فرماتا۔

اس لئے اس تعارض کا کیا جواب ہے۔ علاوہ ازیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا و

بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ سورہ توبہ آیت ۱۲۸ مسلمانوں پر بہت مہربان۔ رحم فرمانے والے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بارے میں فرمایا۔

اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ۔ سورہ یوسف آیت ۵۵۔

میں حفاظت کرنے والا۔ علم والا ہوں۔

انسان کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا۔ سورہ دہر آیت ۲۔

ہم نے انسان کو سننے والا۔ دیکھنے والا بنا دیا۔

اور خود قرآن مجید میں اللہ عز و جل نے اپنے آپ کو رؤف۔ رحیم۔ حفیظ۔ علیم۔ سمیع۔ بصیر فرمایا۔ اس تعارض کا کیا جواب ہوگا۔

اس لئے اس فرق کو ماننا ناگزیر ہے۔ کہ اللہ عز و جل کی ہر صفت ذاتی۔ واجب۔ قدیم۔ غیر متناہی غیر مخلوق۔ اور انبیاء اولیاء اور تمام مخلوقات کی ہر صفت عطائی حادث ممکن متناہی مخلوق۔ اور یہی فرق علم غیب میں بھی ہے۔ آیات نفی میں مراد علم ذاتی۔ قدیم۔ واجب غیر متناہی غیر مخلوق۔ اور آیات اثبات میں علم عطائی ممکن حادث متناہی مخلوق۔

اس بحث کو اگر تمام دیکھنا ہو تو الدولۃ المکیۃ۔ الفیوض الملکیہ۔ خالص الاعتقاد۔ ادخال السنان۔ الکلمۃ العلیا کا مطالعہ کریں۔ اس حدیث پر کلام کچھ تفصیل ہو گیا۔ ع لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم۔

○

(۴۴) حدیث ۔ مشتبہات سے بچنا دین کی حفاظت ہے ۔

عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَّالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَّبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ

عامر سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا میں نے نعمان بن بشیر سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا حلال و حرام دونوں الگ الگ ممتاز ہیں ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں

تشریحات (۴۴)

عامر (۱) یہ شعبی سے مشہور ہیں۔ ان کی کنیت ابو عمرو نام عامر تھا۔ اجل تابعین میں ہیں ان کے معتمد اور ثقہ ہونے پر اتفاق ہے۔ سیکڑوں صحابہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ خود فرمایا میں نے پانچ سو صحابہ سے ملاقات کی ہے۔ کوفے کے قاضی تھے۔ خلافت عثمان کے چھٹے سال پیدا ہوئے۔ اور پہلی صدی گزرنے کے بعد ۱۰۱ھ یا بروایت ۱۰۴ھ میں اکیاسی سے زاید عمر پاکر وصال فرمایا۔ مزاج میں خوش طبعی تھی۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) یہ بھی صحابی ہیں۔ اور ان کے والد اور والدہ بھی۔ ہجرت کے بعد انصار میں سب سے پہلے جو بچہ پیدا ہوا یہ نعمان بن بشیر ہیں۔ جب کوفہ حضرت مسلم امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت لینے گئے تو یہ کوفے کے گورنر تھے۔ یہ بظاہر لوگوں کو بیعت سے منع کرتے تھے۔ اور اندر ترغیب دیتے تھے۔ اور بعد کاروان اہل بیت کو یزید پلید نے انھیں کی سپردگی میں مدینہ واپس کیا تھا۔ یہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی طرف سے حمص کے والی تھے جب اہل حمص نے بغاوت کردی۔ تو یہ حمص سے نکل کر دمشق جا رہے تھے اور جا رہے تھے۔ خالد بن علی کلاعی نے، دمشق اور حمص کے مابین یوم واسط کے معرکے میں انھیں گھیر کر ۶۴ھ یا ۶۵ھ میں شہید کر دیا نعمان نام کے بیس سے زائد صحابہ ہیں۔ مگر نعمان بن بشیر صرف یہی ہیں۔ ان کی ماں مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن رواحہ کی بہن تھیں۔ ان سے ایک سو چودہ حدیثیں مروی ہیں۔

مشتبہات (۳) سے کیا مراد ہے۔ اس بارے میں چار اقوال ہیں۔ (۱) وہ چیزیں جن کا حلال یا حرام ہونا قرآن و حدیث میں صراحۃً مذکور نہ ہو۔ اور حلت و حرمت کے دلائل کے تعارض کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہ ہو پاتا ہو۔ کہ یہ حلال ہیں یا حرام۔ (۲) علما کے مابین مختلف فیہ چیزیں۔ یہ بھی دلائل میں تعارض ہی کی وجہ سے ہوگا۔ اس لئے یہ بھی قسم اول ہی میں داخل ہوگئیں۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ قسم اول سے مراد وہ چیزیں ہوں کہ جس کے بارے میں کسی نے بھی کوئی

لَا یَعْلَمُهَا كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اِسْتَبْرَأَ لِدِیْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَ

جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے جو مشتبہ چیزوں سے بھی بچے اس نے اپنے دین اپنی عزت کو بچالیا۔ اور جو ان مشتبہ

مَنْ وَقَعَ فِی الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ یَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى یُوْشِكُ اَنْ یُّوَاقِعَهٗ اَلَا وَ

چیزوں میں پڑا۔ وہ اس چرواہے کی طرح ہے جو شاہی چراگاہ کے ارد گرد اپنے جانور چرائے اس کا خطرہ قوی ہے کہ یہ جانور

ایک رائے نہ قائم کی ہو۔ اور بھی مجتہدین متردد ہوں۔ یقیناً ایسی چیزوں سے بچنے ہی میں دین اور آبرو کی حفاظت

ہے۔ وہ گئیں وہ چیزیں جن کے بارے میں مجتہدین نے کوئی رائے قائم کر۔ جیسے کہ ہزار ہا مسائل ایسے ہیں۔ ان سے

بچنے کے حکم کا یہ مطلب ہوگا۔ کہ ان تمام کو ترک کر دیا جائے۔ ان کے ترک میں کتنی قباحت ہے۔ وہ علماء سے پوشیدہ

نہیں۔ امت کا اس پر علماء اجماع مولف ہے کہ جو شخص جس مجتہد کا مقلد ہے۔ اس کے فیصلے پر عمل کرے۔ اس میں کوئی

شرعی قباحت نہیں۔ ہاں جہاں تک ہو سکے اختلاف علماء سے بچے۔ (۳) اس سے مراد مکروہات ہیں۔ (۴) خلاف

اولی مراد ہیں۔

ابن منیر اپنے شیخ قباری سے ناقل ہیں وہ فرماتے ہیں۔ کہ مکروہ حلال و حرام کے مابین ایک گھاٹی کے مثل ہے

جو بے باکی سے مکروہات کا ارتکاب کرتا رہے گا۔ اس کے لئے خطرہ ہے کہ حرام کا بھی ارتکاب کر بیٹھے۔ یوں ہی

مباحات کے ساتھ جو بے دھڑک خلاف اولی پر عمل کرتا رہے گا اس کے لئے خطرہ ہے کہ مکروہ کا ارتکاب کرنے لگے

اور پھر حرام تک پہونچ جائے۔

اس کی تائید ابن حبان کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں یہ زائد ہے۔

اجعلوا بین الحلال والحرام سترة من الحلال من فعل ذالك استبرأ لعرضه ودینه ومن ارتع فیه كان كالمرتع فی جنب الحمی یوشك ان یقع فیه۔

حلال و حرام کے درمیان حلال کا پردہ رکھو جس نے یہ کیا اس نے اپنی آبرو اور دین کو بچالیا اور جس نے اس میں (یعنی حلال و حرام کی درمیانی چیزمیں) منہ مارا وہ شاہی چراگاہ کے پہلو میں چرنے والے کے مثل ہے۔ خطرہ ہے کہ شاہی چراگاہ میں جا پہونچے

حلال و حرام کے مابین مکروہات و خلاف اولیٰ ہی ہیں۔ تو متعین کہ یہی دونوں مراد ہیں۔ مگر اس تقدیر پر حلال

سے حلال قطعی اور حرام سے حرام قطعی مراد ہوں گے ورنہ مکروہات اور خلاف اولیٰ درمیانی چیز نہ ہو سکیں گے۔

لیکن حدیث میں ایک لفظ ہے لا یعلمها كثیر من الناس اسے بہت لوگ نہیں جانتے۔ یعنی یہ کہ یہ حلال ہے یا حرام

إِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا إِنَّ حِمَى اللّٰهِ فِي أَرْضِهِ مَحَارِمُهُ أَلَا إِنَّ فِي الْجَسَدِ

شاہی چراگاہ میں چلے جائیں سن لو ہر بادشاہ کی محفوظ شاہی چراگاہ ہوتی ہے۔ سن لو اللہ کی زمین میں اس کی شاہی چراگاہ اس کی حرام

اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو جانتے ہیں کہ یہ حلال ہے یا حرام اگرچہ وہ تھوڑے لوگ ہیں۔ یہ متعین ہو رہا ہے کہ اس سے مراد مجتہد فیہ امور ہیں۔

اب ضروری ہے کہ یہ حکم ان لوگوں کے ساتھ خاص کیا جائے جن پر تحقیقاً یا تقلیداً اس کا حکم منکشف نہیں ہوا۔ مطلب یہ ہوا کہ جن باتوں کے بارے میں تمہیں یہ نہ معلوم ہو کہ یہ حلال ہے یا حرام ان سے بچو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حرام ہی ہوں۔ کہ مشکوک کے استعمال کی عادت پڑی رہے گی تو حرام کا بھی ارتکاب کر بیٹھو گے۔ اس کی تائید خود بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے جو کتاب البیوع میں ان الفاظ کے ساتھ ہے۔

فمن ترک ما شبه علیه من الاثم کان لما استبان اترک۔ ومن اجترأ علی ما یشک فیه من الاثم اوشك ان یواقع ما استبان۔

جب آدمی ایسی چیزوں کے قریب نہیں جائے گا جس میں گناہ کا شبہ ہے تو جس کا گناہ ہونا ظاہر ہو اس سے اور زیادہ دور رہے گا۔ اور جو ایسی چیزوں پر جرأت کرے گا جس کے گناہ ہونے نہ ہونے کا پہلو برابر ہے تو اس سے کیا بعید کہ کھلے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے۔

اس سے ظاہر ہے کہ مشتبہات سے وہی چیزیں مراد ہیں۔ جن کے حلال یا حرام ہونے کا فیصلہ نہ ہوا ہو فیصلے کے بعد وہ مشتبہات میں داخل ہی نہیں ہیں۔ حلال بَیِّن یا حرام بَیِّن میں داخل ہو گئیں۔

رہ گئیں وہ چیزیں جن کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ نہ ہو سکا کہ یہ حلال ہیں یا حرام یا جس مجتہد کا مقلد ہے اس نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ وہ مشتبہات میں داخل ہیں ان سے اجتناب ہی کرنا چاہئے۔ جیسے نبیذ تمر کے بارے میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اگر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی دیدی جائے تو اسے حرام نہیں کہوں گا۔ مگر خود استعمال نہیں کرتا۔ مشہور مثال خچر کا جھوٹا پاک ہے کہ ناپاک یہ مشکوک ہے اسے استعمال نہیں کرنا چاہئے

ان دقیق باتوں سے قطع نظر ایک نفیر وہ بھی ہے۔ خود امام بخاری نے کتاب البیوع میں کی ہے کہ کسی مخصوص جزئی واقعہ میں کسی چیز کے بارے میں شک ہو جائے۔ تو اس سے بچا جائے۔ مثلاً ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ میں نے اس مرد اور عورت کو دودھ پلایا ہے تو ان کی آپس میں شادی نہ کی جائے۔ یا جیسے

مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وہی القلب۔ علیہ

ی ہوئی چیزیں ہیں۔ سن لو جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر یہ ٹھیک ہے تو پورا جسم ٹھیک ہے اگر یہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ گیا سن لو وہ دل ہے۔

حدیث میں ہے کہ گھر میں ایک کھجور تھی۔ حضور نے اسے نہیں تناول فرمایا۔ کہ شاید یہ صدقہ کی ہو۔ یا جیسے شکار کے لئے اپنے شکاری کتے کو بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑا کسی طرف سے کسی غیر مسلم نے بھی چھوڑا تھا۔ شکار پر دونوں کتے ٹ معلوم نہیں کس نے پکڑا تھا تو نہ کھایا جائے۔

اس سلسلے کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ حضرت بشر حافی کی بہن امام احمد بن حنبل کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ دریافت فرمایا۔ ہم اپنی چھتوں پر سوت کاتتے ہیں۔ حکام کی مشعلیں جب نکلتی ہیں تو ہم پر روشنی پڑتی ہے۔ اس روشنی میں کاتیں یا نہ دیں۔ دریافت فرمایا کون ہو؟ بتایا کہ بشر حافی کی بہن ہوں۔ رونے لگے۔ فرمایا ورع تمہارے گھر سے نکلا ہے تم اس روشنی میں مت کاتو۔

حضرت مالک بن دینار چالیس سال تک بصرہ میں رہے اخیر دم تک وہاں کی کھجور نہیں کھائی۔

حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ شاہی چراگاہ ظاہر ہے کہ عمدہ سے عمدہ ہوگی سرسبز شاداب ہوگی۔ جانور جب اس کے قریب رہے گا۔ تو یہ خطرہ بالکل سامنے ہے کہ جانور اس میں جا پڑے۔ نفس امارہ کی نظر میں حرام چیزوں میں بہت کشش ہوتی ہے جب کوئی ان مشتبہ چیزوں پر عمل کرے گا۔ جن کا سرا حرام چیزوں سے ملا ہوا ہے تو اندیشہ ہے کہ نفس امارہ انسان کو گناہوں میں مبتلا کر دے۔ اس لئے اپنی آبرو اور دین بچانے کے لئے ضروری ہے کہ مشتبہ باتوں سے بھی دور رہے۔

(۴) سلسلہ اسباب کی رو سے دل ہی کا نشان سب سے پہلے ماں کے پیٹ میں بنتا ہے اور خلقت تام ہونے اور نفخ روح کے بعد ہی سب سے پہلے حرکت میں آتا ہے اور مرنے کے وقت سارے اعضا بیکار ہو جانے کے بعد ہی سب کے بعد بند ہوتا ہے۔ اور یہی روح کا مرکز ہے۔ اسی کی حرکت پر حیات کا مدار ہے۔ جس طرح ظاہر جسم میں اس کی حیثیت حاکم کی ہے۔ اسی طرح باطن میں بھی یہی حکم راں ہے۔ یہ اگر درست ہے تو سب درست یہ اگر بگڑا تو سب بگڑے۔ خیالات دل ہی میں پیدا ہوتے ہیں وہیں جڑ پکڑتے ہیں۔ پھر دل ہی حکم کرتا ہے۔ تو اعضا اسے عملی جامہ پہناتے ہیں اسی لئے قرآن مجید میں کئی

ﻪ بخاری ایمان ۳۹ بیوع ۲۔ مساقاۃ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ مسلم بیوع۔ ترمذی بیوع۔ نسائی بیوع ۱۔ قضاۃ ۱۱۔ ابن ماجہ فتن ۱۴۔ ابو داؤد بیوع ۲۔ دارمی بیوع ۱۔ مسند امام احمد ۱۔ وغیرہ۔

۴۵ حدیث وفد عبد القیس

عَنْ اَبِيْ جَمْرَةَ قَالَ كُنْتُ اَقْعُدُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَيُجْلِسُنِيْ عَلٰى سَرِيْرِهٖ فَقَالَ

ابوجمرہ سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا میں ابن عباس کے ساتھ بیٹھتا تھا وہ مجھے اپنے تخت پر بٹھا لیتے کچھ

اور احادیث میں بھی مختلف عنوانوں سے دل کی نگہداشت اور تصفیہ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اور صوفیاء کرام اعمال و مشاغل پر دل کا تصفیہ مقدم رکھتے ہیں۔ اور اس چیز سے بچتے ہیں۔ جو اس میں مخل ہو۔ حضرت ابراہیم ادہم کے چھت سے گر کر جاں بحق ہو گئے۔ اطلاع ملی تو فرمایا۔ اللہ کا شکر ہے کہ جو مجھے اس کی طرف سے غافل کرتا اس کو لے لیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ کہیں سے مال آتا تو جب تک سب تقسیم نہ فرمالیتے کاشانے میں تشریف نہ لے جاتے۔ یہ سب وہی دل کی حفاظت ہے کہ دل میں غیر کا گذر نہ ہونے پائے۔ اور اگر کوئی گذر کرنے کی کوشش کرے تو بار نہ پائے۔

اس حدیث کے بارے میں محدثین نے لکھا ہے یہ ان تین یا چار حدیثوں میں ہے جو مدار اسلام ہیں۔ یہ ثلث اسلام ہے۔ ابن عربی نے کہا کہ اس سے تمام احکام کا استخراج ہو سکتا ہے۔ اور جو بھی عاقل فہیم اس کے معانی پر غور کرے گا اس پر یہ صداقت واضح ہو جائے گی۔

تشریحات ۴۵

ابوجمرہ ① ان کا نام نصر بن عمران یا عاصم بن واسع ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خاص تلمیذ اور عظیم المرتبت تابعی ہیں۔ حضرت ابن عباس و ابن عمر اور کثیر صحابہ کرام سے احادیث سنیں۔ یہ نیشاپور میں رہتے تھے پھر وہ سرخس چلے گئے اور وہیں ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔ ابن قتیبہ نے کہا کہ بصرہ میں فوت ہوئے۔ اس کنیت یا جمرہ نام کے صحاح ستہ اور موطا میں کوئی راوی نہیں۔ ابوجمرہ کے جد حضرت نوح بن مخلد صحابی تھے۔ جب یہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو دریافت فرمایا کس قبیلے سے ہو۔ عرض کیا ضبیعہ ربیعہ سے۔ فرمایا ربیعہ کی شاخوں میں سب سے اچھے عبد القیس ہیں اور عبد القیس میں تمہارا قبیلہ۔

یہ حضرت ابن عباس کی خدمت میں اس وقت حاضر تھے جب ابن عباس حضرت علی کی جانب سے بصرہ کے گورنر تھے۔ حضرت ابن عباس ان کو تخت پر بٹھاتے تھے۔ یہ عوام اور حضرت ابن عباس کے مابین ترجمانی کا کام انجام دیتے تھے۔

أَقِمْ عِنْدِي حَتَّى أَجْعَلَ لَكَ سَهْمًا مِنْ مَالِي فَأَقَمْتُ مَعَهُ شَهْرَيْنِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ

انہوں نے کہا کہ میرے پاس رہو تاکہ جب (میرا وظیفہ) آجائے تو تمہیں کچھ دوں۔ میں ان کے پاس دو مہینے رہا پھر ابن عباس نے کہا

وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ الْقَوْمُ

کہ قبیلہ عبد القیس کا وفد جب خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ تو دریافت فرمایا کون لوگ ہیں۔

لغات: سریر کی جمع اَسِرَّہ و سُرُر ہے اس کے مندرجہ ذیل معانی ہیں۔ تخت۔ زیادہ تر تخت شاہی کے لئے آتا ہے۔ سر اور گردن کے ملنے کا جوڑ۔ خوابگاہ۔ مالک۔ نعمت۔ خوش حالی۔ ٹیلے کی اوپر کی ریت۔ وفد مجموعہ منتخب لوگ جو مہمات کے سرانجام کرنے کیلئے بادشاہوں، حکام، رؤسا کے یہاں بھیجے جائیں بعض نے کہا وفد کے لئے سوار ہونا ضروری ہے۔ یہ جمع ہے یا اسم جمع دونوں قول ہیں۔ وفود اس کی نہیں وافد کی جمع ہے۔ ربیعہ۔ یہ نزار بن معد بن عدنان کے بیٹے ہیں۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ ربیعہ اور مضر۔ عبد القیس ربیعہ کی پانچویں پشت میں پہنچے ہیں۔ یہ لوگ بحرین۔ قطیف۔ ہجر میں رہتے تھے۔ غیر خزایا و لا ندامی۔ خزایا۔ خزیان کی جمع ہے اس کا مصدر خزی ہے جس کے معنی رسوا ہونے ذلیل ہونے کے ہیں۔ ندامی ندمان کی جمع ہے جو نادم کے معنی میں ہے۔ یا نادم ہی کی جمع ہے الشہر الحرام اس سے یہ چار مہینے مراد ہیں رجب۔ ذوالقعدہ۔ ذوالحجہ۔ محرم۔ محرم میں الف لام آتا ہے رجب پر نہیں۔ یہاں حرام کے معنی۔ عزت و احترام والے کے ہیں۔ اہل عرب ان مہینوں میں لڑائی بند رکھتے تھے۔ مضر۔ یہ ربیعہ کا حقیقی بھائی تھا۔ یہاں مراد اس کی نسل کے لوگ ہیں۔ جو بنی مضر کہلاتے تھے۔ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ حنتم سبز رنگ کا گھڑا مراد مٹی کے ایسے ظروف ہیں جس میں بالش لگا کر چکنا کر دیا گیا ہو۔ اس میں یہ لوگ شراب بناتے تھے یا دوسری جگہوں سے اس میں شراب آتی تھی۔ دُبَّاء پکا ہوا سوکھا کھو کھلا کدو۔ نقیر درخت کے تنے کا گودا نکال کر بناتے تھے مُزَفَّت وہ گھڑا جس پر رال، بوت دیا گیا ہو۔ مُقَیَّر بھی اسی کو کہتے ہیں۔

وفد عبد القیس: (۲) یہ وفد ۸ھ میں فتح مکہ سے پہلے خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا۔ حاضری سے پہلے ہی یہ لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ یہ کل چھیالیس افراد تھے۔ ان کے امیر حضرت اشج تھے۔ ان کا نام منذر تھا۔ اس وفد کی حاضری کی اطلاع پہلے ہی ہو چکی تھی۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ تمہارے پاس عبد القیس کا وفد آ رہا ہے جو اہل مشرق کے بہترین لوگ ہیں۔ ان میں اشج عصری بھی ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ اس وفد کے لوگ جب مدینہ حاضر ہوئے تو سواریوں سے اتر کر تیزی سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور دست اقدس و پائے مبارک

أَوْ مَنِ الْوَفْدُ. قَالُوْا رَبِيْعَةُ قَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ أَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى

یا فرمایا کون وفد ہے؟ انھوں نے عرض کیا۔ ربیعہ فرمایا قوم یا وفد کو مرحبا۔ بندر سوا ہوئے نہ شرمندہ

فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا لَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَأْتِيَكَ إِلَّا فِي شَهْرِ الْحَرَامِ وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ

انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! شہر حرام کے علاوہ اور کسی مہینے میں ہم حاضر نہیں ہو سکتے۔ ہمارے اور حضور

هَذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ فَمُرْنَا بِأَمْرٍ فَصْلٍ نُخْبِرُ بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا وَنَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ

کے مابین کفار مضر کا قبیلہ ہے۔ ہم کو قاطع حکم دیں جو ہم اپنے پیچھے والوں کو بتا دیں اور جس کی وجہ سے ہم جنت میں داخل

کو بوے دئیے۔ اور اشج نے اتر کر اونٹ کو باندھا۔ سب سامان اکٹھا کیا غسل کیا۔ سب سے عمدہ کپڑا پہنا مسجد میں آئے۔ دو رکعت نماز پڑھی[۱] پھر حاضر ہوئے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اپنے قریب داہنی طرف بٹھایا۔ اور فرمایا تم میں دو خوبیاں ایسی ہیں جو اللہ کو پسند ہیں۔ عقل۔ اور وقار۔

اس قبیلے کے ایمان لانے کا قصہ یہ ہے کہ اس قبیلے کے ایک فرد منقذ بن حبان مدینہ طیبہ تجارت کے لئے آتے جاتے تھے۔ ہجرت کے بعد ایک بار جب یہ مدینہ طیبہ میں تھے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منقذ کے قریب سے گزرے منقذ بڑھ کر ملے حضور نے ان کے قبیلے اور ممتاز لوگوں کے احوال نام بنام دریافت فرمائے۔ منقذ مسلمان ہو گئے سورۂ فاتحہ وغیرہ یاد کر کے اپنے وطن پھر واپس گئے۔ چھپ چھپا کر نماز پڑھتے تھے۔ حضور نے ایک والا نامہ۔ بنی عبد القیس کے کچھ لوگوں کے پاس بھیجا مگر منقذ نے کسی سے ظاہر نہیں کیا۔ ان کی زوجہ کو اس کی خبر لگ گئی۔ یہ اشج کی لڑکی تھیں۔ لڑکی نے باپ کو بتا دیا منقذ اور اشج کی ملاقات ہوئی تو اشج بھی مسلمان ہو گئے پھر اشج اپنی قوم عصر اور محارب کے پاس جا کر والا نامہ پڑھ کر سنایا۔ اس کے نتیجے میں سب کے دلوں میں اسلام گھر کر گیا اور یہ لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے[۲]

یہاں اختصار ہے مسلم شریف میں ہے کہ ایک عورت حاضر ہوئی اور اس نے پوچھا کہ گھڑے میں نبیذ بنانے کا حکم؟ حضرت ابن عباس نے منع فرمایا۔ تو ابو جمرہ نے کہا۔ میں بھی سبز گھڑے میں میٹھی نبیذ بنا کر پیتا ہوں۔ اس سے طبیعت کو قرار حاصل ہوتا ہے۔ فرمایا مت پی۔ اگرچہ شہد سے زیادہ میٹھی ہو پھر یہ حدیث بیان فرمائی۔

کھجور، منقیٰ وغیرہ کو پانی میں بھگو دیتے ہیں جب اس کا اثر پانی میں آجاتا ہے تو اس کا پھوکس پھینک کر صاف پانی پیتے تھے۔ اسی کو نبیذ کہتے ہیں جب تک اس میں نشہ نہ آئے۔ اس کا بالاتفاق پینا جائز ہے۔ اور نشہ آور ہونے کے بعد حرام

---

[۱] ابو داؤد [۲] اشعۃ اللمعات جلد چہارم باب المصافحہ والمعانقہ۔

وَسَأَلُوْهُ عَنِ الْأَشْرِبَةِ فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ أَمَرَهُمْ بِالْإِيْمَانِ

پوچھا اور انھوں نے پینے والی چیزوں کو بھی پوچھا حضور نے ان کو چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع فرمایا صرف

بِاللّٰهِ وَحْدَهُ قَالَ أَتَدْرُوْنَ مَا الْإِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ

اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا اور دریافت کیا۔ کیا جانتے ہو صرف اللہ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے کہا اللہ اور

شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَإِقَامُ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ

اس کے رسول خوب جانتے ہیں فرمایا اس بات کی گواہی دینی کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ

وَصِيَامُ رَمَضَانَ وَأَنْ تُعْطُوْا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ عَنِ الْحَنْتَمِ

کے رسول ہیں نماز کی پابندی کرنی اور زکوٰۃ دینی۔ اور رمضان کا روزہ رکھنا اور تم لوگ غنیمت سے پانچواں حصہ دیا کرو۔ اور انھیں

(۳) کہ بغیر لڑائی کے اسلام قبول کرلیا۔ جنگ میں کوئی قتل ہوا نہ قیدی بنایا گیا جس سے انھیں شرمندگی اور رسوائی ہوتی۔

(۴) یعنی ایسے اعمال وعقائد بتادیں جن کی پابندی سے اللہ عزوجل راضی ہوجائے اور ہمیں جنت عطا فرمائے۔ اس لئے جنت کا حصول محض اس کے فضل وکرم سے ہے۔ عقائد واعمال اس کے فضل کے لئے ذریعہ وواسطہ ہیں۔

(۵) یہ لوگ مسلمان تھے۔ ایمان باللہ کے معنی خوب جانتے تھے۔ یہ عرض لاعلمی ظاہر کرنے کے نہیں۔ بلکہ ادباً ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ایک ہی صیغہ استعمال کرنا ممنوع نہیں صحابہ کی سنت ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ ایمان باللہ میں ایمان بالرسول بھی داخل ہے۔ رسول کا انکار اور اللہ پر ایمان کا ادعا، حقیقت میں اللہ کا انکار ہے۔ شہادت سے مراد یہ ہے کہ اسے دل سے سچ مانے اور زبان سے ظاہر کرے ورنہ محض اقرار بلا تصدیق بیکار ہے بلکہ یہی نفاق ہے۔

(۶) اس حدیث میں الایمان باللہ پر اقام الصلوٰۃ وغیرہ کا عطف اسکی دلیل ہے کہ اعمال ایمان کے اجزا نہیں۔ ورنہ عطف صحیح نہ ہوگا۔ اقام الصلوٰۃ سے مراد یہ کہ نماز کی پابندی کریں اور جملہ شرائط کے ساتھ اچھی طرح ادا کریں۔ یہاں حج مذکور نہیں اس لئے کہ اس وقت حج فرض نہ ہوا تھا یہ واقعہ سنہ ۵ھ کا ہے اور حج ۹ھ میں فرض ہوا۔

(۷) چونکہ جہاد فرض ہوچکا تھا اور مالِ غنیمت میں خمس بیت المال کے لئے بجانب اللہ متعین ہے اس لئے انھیں خمس ادا کرنے کی خصوصیت سے ہدایت فرمائی۔ ان کی کفار مضر سے ہمیشہ لڑائی رہتی تھی۔

اشکال اور جواب اس حدیث پر ایک مشہور اعتراض یہ ہے کہ پہلے چار چیزوں کا حکم دیا۔ اور بیان فرمایا۔ پانچ۔

قَالَ الدُّبَّاءِ وَالنَّقِيرِ وَالْمُزَفَّتِ وَرُبَّمَا قَالَ الْمُقَيَّرِ وَقَالَ احْفَظُوهُنَّ وَاخْبِرُوا بِهِنَّ

چار چیزوں سے منع فرمایا۔ حنتم، اور دباء اور نقیر اور مزفت سے۔ کبھی مقیر کہتے اور فرمایا اسے یاد رکھو اور جو پیچھے رہ جانے والوں کو

مَنْ وَّرَائَكُمْ. قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ عـ

بتادینا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! ہاں جہاد اور نیت باقی ہے۔

شہادت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، خمس کی ادائے گی۔ اور اگر اقام الصلوٰۃ وغیرہ کو شہادۃ پر عطف مانیں تو یہ سب ایمان کی تفسیر ہوں گے۔ اور سب مل کر ایک ہوں گے۔ پھر تین رہ گئے۔ علامہ نووی نے یہ جواب دیا کہ اصل مقصود چار ہی ہیں یہ لحاظ فرما کر کہ یہ قوم مجاہد ہے۔ ادائے گی خمس کا مزید حکم دیا۔ اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔

⑧ ان چار برتنوں کے استعمال سے منع فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں شرابیں بناتے تھے اور دوسری جگہوں سے ان میں شراب لاتے تھے ان برتنوں کے استعمال کرنے سے شراب کی یاد تازہ ہوتی۔ اندیشہ تھا پھر کہیں شراب پینے لگیں۔ لہٰذا حکم دیا کہ ان برتنوں کو بھی استعمال نہ کرو جن سے شراب کا لگاؤ تھا۔

⑨ اس سے معلوم ہوا کہ حکم شرعی بتانے کے لئے ضروری نہیں کہ انسان پورا عالم ہو۔ جس کو جو حکم شرعی یا دینی بات صحیح طریقے سے معلوم ہو اور اچھی طرح یاد ہو تو دوسروں کو بتا سکتا ہے۔

تشریحات ⑫

پوری حدیث یوں ہے لا ھجرۃ بعد الفتح الحدیث مکہ کے بعد ہجرت نہیں۔ ہاں جہاد اور نیت باقی ہے۔ جب تم جہاد کے لئے بلائے جاؤ تو گھر سے نکلو۔ پوری حدیث بخاری کتاب الحج، جہاد، جزیہ وغیرہ میں موجود ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب مکہ فتح ہوگیا۔ اور دار الاسلام ہوگیا۔ تو مکہ سے ہجرت کرکے حصول خیر کا دروازہ بند۔ ہاں جہاد اور نیت حسنہ کے ساتھ اعمال خیر کرکے جتنا چاہو ثواب حاصل کرو۔ اس سے خاص وہ ہجرت جو اس عہد میں تھی۔ مراد ہے یعنی مدینہ طیبہ ہجرت کرنا۔

عـه کتاب العلم، باب تحریض النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفد عبد القیس۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب قول اللہ منیبین الیہ۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب وجوب الزکوٰۃ۔ کتاب الجہاد، باب فرض الخمس۔ باب مناقب قریش۔ کتاب المغازی۔ باب وفد عبد القیس۔ کتاب الادب باب قول الرجل مرحبا۔ کتاب خبر الواحد۔ باب وصاۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفود العرب۔ کتاب التوحید باب قول اللہ بل ہو قرآن مجید۔ مسلم کتاب الایمان۔ کتاب الاشربہ۔ ابوداؤد۔ اشربہ۔ سنت۔ ترمذی۔ سیر، ایمان۔ نسائی۔ علم۔ ایمان۔ اشربہ۔ صلاۃ۔ مسند امام احمد۔

عـه مسلم اور ابوداؤد نے جہاد اور حج میں۔ ترمذی نے سیر میں۔ نسائی نے حج اور بیعت میں۔ دارمی نے سیر میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔

حدیث (۴۶)

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا

ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے

اَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلٰی اَھْلِہٖ یَحْتَسِبُھَا فَھِیَ لَہٗ صَدَقَۃٌ ۔[۱]

اہل وعیال پر خرچ کرے اور نیت ثواب کی ہو تو یہ اس کے لئے صدقہ (کار ثواب) ہے۔

حدیث (۴۷)

عَنْ سَعْدِ بْنِ وَقَّاصٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ اَخْبَرَہٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّکَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَۃً تَبْتَغِیْ بِھَا وَجْہَ اللّٰہِ اِلَّا اُجِرْتَ

تم جو بھی خرچ کرو اور اس سے تمہاری نیت رضاء الٰہی ہے تو تم کو اس پر ثواب ملے گا

عَلَیْھَا حَتّٰی مَا تَجْعَلُ فِیْ فَمِ امْرَأَتِکَ ۔[۲]

یہاں تک کہ اپنی زوجہ کے منھ میں جو لقمہ ڈالو۔ اس کا بھی ثواب ملے گا۔

یہ بتا چکا کہ ہجرت مطلقہ قیامت تک باقی رہے گی۔

تشریحات (۴۶) (۴۷)

ابو مسعود انصاری (۱) ان کا نام عقبہ ہے۔ یہ بنی خزرج کے فرد جلیل القدر انصاری صحابی ہیں۔ عقبہ ثانیہ اور تمام بدر کے علاوہ۔ مشاہد میں شریک رہے۔ امام بخاری وابن اسحاق وغیرہ کہتے ہیں کہ بدر میں بھی شریک رہے۔ یہ بدری کے ساتھ مشہور ہیں۔ لیکن ایک فریق یہ کہتا ہے کہ مقام بدر میں اقامت پذیر ہونے کی وجہ سے بدری کہلاتے ہیں۔ ان سے ایک سو حدیث مروی ہیں۔ نو متفق علیہ اور ایک افراد بخاری اور سات افراد مسلم سے ہیں۔ کوفے میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ۴۰ھ سے قبل وصال فرمایا۔ صحابہ میں ایک یہ ابو مسعود نام کے اور دوسرے صاحب غفاری ہیں۔

(۲) ان دونوں احادیث کا حاصل یہ ہے کہ کوئی مباح کام بھی بہ نیت خیر کیا جائے۔ تو اس پر بھی ثواب ہے۔ اہل وعیال کی پرورش انسان کرتا ہی ہے۔ لیکن اگر ان کی پرورش رضاء الٰہی کے لئے ہو تو اس پر بھی ثواب ہے۔

[۱] بخاری کتاب النفقات، فضل النفقۃ علی الاہل ص ۸۰۵، مسلم زکوۃ ۳۰، نسائی زکوۃ ۶۰، بخاری زکوۃ [illegible] مسند امام احمد [illegible] رثا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ [illegible]

[۲] [illegible] کتاب المغازی [illegible] کتاب الوصایا [illegible] کتاب الفرائض میراث البنات، مسلم وصیت [illegible]

۱۳ – حدیث. اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِهِمْ عله

دین خیر خواہی ہے اللہ اور اس کے رسول اور مسلمان حاکموں اور عام مسلمانوں کے لئے۔

لغات ① اَلنَّصِیْحَةُ. نصحُ العسلَ سے ماخوذ ہے یعنی میں نے شہد کو آلائش وگندگی سے پاک صاف کیا کسی کے ساتھ سچی خیر خواہی جس میں کوئی فریب نہ ہو۔ نصیحت ہے۔ اَئِمَّۃ. امام کی جمع ہے۔ اس کے معنی پیشوا کے ہیں۔ خواہ دینی پیشوا ہو جیسے سلف صالحین وائمہ مجتہدین یا دنیوی جیسے سلطان اسلام اور حکام اسلام یا دونوں جیسے خلفاء راشدین۔

تشریح ② یہ حدیث بھی جوامع الکلم میں ہے۔ اپنے اندر معانی کا بے پایاں خزانہ رکھتی ہے یہاں تک کہ پورے دین کو محیط ہے مثلاً اللہ کے ساتھ نصیحت کا معنی یہ ہے کہ اسکی ذات وصفات پر ایمان لائیں۔ اور اس کا کسی کو شریک نہ بنائیں نہ ذات نہ صفات نہ عبادت میں۔ اسے صفات جلال وکمال کے ساتھ متصف مانیں۔ ہر عیب ونقص سے اسے منزہ مانیں۔ اسکی کتاب کو حق مانیں اس کی کما حقہ تلاوت کریں اس پر عمل کریں اس کی نشر واشاعت کریں۔ رسول کے ساتھ نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی رسالت کی تصدیق کریں۔ سارے جہاں سے زیادہ ان سے محبت رکھیں۔ سارے جہاں سے بڑھ کر ان کی تعظیم کریں۔ ان کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی برداشت نہ کریں۔ ان کے احکام کی پابندی کریں۔ جن چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ اس کے قریب نہ جائیں۔ ان کی ہمیشہ حمایت کریں ان کی سنت زندہ رکھیں ان کے آداب واخلاق کو عادت بنائیں ان کے اصحاب واہل بیت سے محبت کریں۔ اللہ اور رسول کے ساتھ نصیحت۔ حقیقت میں بندے اور امتی کی طرف راجع ہے۔ اللہ اور رسول ناصح کی نصیحت سے مستغنی ہیں۔ سلاطین وحکام کے لئے نصیحت یہ ہے کہ ہر جائز حکم میں ان کی اطاعت کریں۔ اور ہر حق بات میں ان کی مدد کریں۔ غلطی پر نرمی سے سمجھائیں بلا ضرورت شرعیہ ان کے خلاف تلوار نہ اٹھائیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ ائمہ مجتہدین کے لئے نصیحت یہ ہے کہ ہے کہ ان کی روایت قبول کریں احکام میں ان کی تقلید کریں۔ ان کے ساتھ حسن ظن رکھیں۔ عامۂ مسلمین کے لئے نصیحت یہ ہے کہ ان کی دنیا وآخرت کے مصالح میں رہنمائی کریں۔ خیر کی تلقین کریں برائی سے روکیں انھیں دین کی تعلیم دیں نیکی میں ان کی مدد کریں۔ ان کے عیوب چھپائیں ان پر شفقت کریں۔ وغیرہ وغیرہ

عله مسلم کتاب الایمان میں ابو داؤد نے ادب میں، نسائی نے بیعت میں، محمد ابن اسحق بن خزیمہ نے کتاب السیاست میں مختصر سے غیر ما لفظ کی زیادتی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۴۸) حدیث ۔ ہر مسلمان کی خیر خواہی دین ہے

عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى إِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ ؏

جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کی نماز کی پابندی زکوٰۃ کی ادائے گی اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر۔

(۴۹) حدیث

عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ سَمِعْتُ جَرِيْرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَوْمَ مَاتَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ

زیاد بن علاقہ کہتے ہیں کہ میں نے جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا جس دن حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نصیحت فرض کفایہ ہے۔ جب معلوم ہو کہ اس کی نصیحت قبول ہوگی اور اسے کوئی ضرر نہیں پہنچایا جائے گا اور اگر اسے اس کا اندیشہ ہو تو اسے اختیار ہے نصیحت کرے تو بہتر نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ عامۂ مسلمین میں یہ بھی داخل ہے۔ اپنے نفس کی نصیحت یہ ہے کہ ہر وقت خوف خدا رکھے اور شریعت کا پابند رہے۔

تشریحات (۴۸)

جریر بن عبد اللہ بجلی احمسی (۱) رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن کے رہنے والے تھے۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال سے قبل والے رمضان یعنی ۱۰ھ میں خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ اور مذکورہ بیعت کی اس بیعت کو اتنا نبھایا کہ ایام فتنہ میں الگ تھلگ رہے۔ ایک بار ان کا غلام ایک گھوڑا تین سو میں خرید کر لایا گھوڑا بہت عمدہ تھا۔ دیکھ کر مالک کے پاس تشریف لائے فرمایا۔ یہ گھوڑا تین سو سے زیادہ کا ہے۔ اسے آٹھ سو دیا۔ اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی بیعت کی ہے۔ نہایت حسین و جمیل تھے اس لئے ان کو اس امت کا یوسف کہتے تھے۔ کوفے میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ پھر قرقیسیا رہنے لگے تھے وہیں ۵۱ھ میں وصال فرمایا۔ ان سے سو حدیثیں مروی ہیں۔ آٹھ بخاری اور مسلم دونوں نے۔ تنہا بخاری نے ایک اور مسلم نے چھ لی ہیں۔

تشریح (۴۹)

؏ بخاری نے مواقیت الصلوٰۃ البیعۃ علی الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ۔ باب البیعۃ علی ایتاء الزکوٰۃ۔ کتاب البیوع باب ہل یبیع حاضر لباد کتاب الشروط باب اول۔ مسلم نے ایمان میں۔ نسائی نے بیعت میں۔ دارمی نے بیوع میں۔ امام احمد نے اپنی مسند میں بھی ذکر کیا ہے۔

قَامَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَقَالَ عَلَيْكُمْ بِاتِّقَاءِ اللّٰهِ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَالْوَقَارِ

تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا، یہ (منبر) پر کھڑے ہوئے پہلے اللہ عزوجل کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا تم لوگوں پر لازم ہے کہ صرف

وَالسَّكِيْنَةِ حَتّٰى يَاْتِيَكُمْ اَمِيْرٌ۔ فَاِنَّمَا يَاْتِيْكُمُ الْاٰنَ ثُمَّ قَالَ اِسْتَعْفُوْا لِاَمِيْرِكُمْ فَاِنَّهٗ كَانَ

اللہ سے ڈرو جس کا کوئی شریک نہیں اور وقار و سکون کے ساتھ رہو یہاں تک کہ تمہارا کوئی حاکم آجائے اور وہ ابھی آئے

يُحِبُّ الْعَفْوَ ثُمَّ قَالَ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ

اپنے متوفی امیر کے لئے دعائے مغفرت کرو، اس لئے کہ وہ معاف کرنے کو پسند کرتے تھے۔ ان سب کے بعد

اُبَايِعُكَ عَلَى الْاِسْلَامِ فَشَرَطَ عَلَيَّ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ فَبَايَعْتُهٗ عَلٰى هٰذَا وَرَبِّ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام کی بیعت کرنے کی غرض سے حاضر ہوا تو حضور نے مجھ پر شرط لگائی

هٰذَا الْمَسْجِدِ اِنِّيْ لَنَاصِحٌ لَكُمْ۔ ثُمَّ اسْتَغْفَرَ وَنَزَلَ [1]

ہر مسلمان کی خیر خواہی کرتے رہنا، میں نے اسی پر بیعت کی، اس مسجد کے رب کی قسم میں تمہارا خیر خواہ ہوں پھر استغفار کیا اور اتر آئے۔

① حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت معاویہ کی جانب سے کوفے کے حاکم تھے ۵۰ھ میں ان کا وصال ہوا چونکہ کوفے والوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حامیوں کی بہت غالب اکثریت تھی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو اپنی حسن تدبیر سے رام کئے ہوئے تھے، ان کے وصال کے بعد اندیشہ تھا کہ کوئی شورش نہ ہو جائے۔ اس لئے حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خطبہ دیا اور انھیں وقار و سکون کے ساتھ رہنے اور شورش و انتشار سے باز رہنے کا حکم دیا۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے وصال کے وقت حضرت جریر کو اپنا نائب بنا دیا تھا۔ اس لئے انھوں نے خطبہ دیا تھا جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت مغیرہ کے وصال کی خبر ملی تو انھوں نے زیاد بن سمیہ کو کوفے کا گورنر بنا دیا۔

② اس حدیث میں خیر خواہی کے لئے مسلمان کی قید احترازی نہیں۔ کافر کے ساتھ بھی خیر خواہی لازم ہے۔ کافر کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ اسلام کی دعوت دے۔

---

[1] ایضاً۔ الشروط، اول باب الاحکام کیف یبایع الامام۔ مسلم ایمان، نسائی بیعت۔

کتابُ العِلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۵۰ حدیث تضیع امانت قیامت کی علامت ہے

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ بَیْنَمَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا — نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتابُ العلم

علم کی تعریف ① بیشک یہ ہے کہ علم اجلی بدیہیات سے ہے ہر خاص و عام جانتا ہے کہ علم کیا چیز ہے اسلئے یہ اصطلاحی تعریف سے مستغنی ہے نیز اسکی تعریف بہت زیادہ مشکل ہے۔ ہزارہا سال غور و خوض بحث و تمحیص کے بعد بھی آج تک طے نہ ہو سکی ہمارے حضرات ماتریدیہ نے علم کی تعریف یہ کی۔ علم ایک ایسا نور ہے جو اللہ عزوجل نے انسان کے قلب میں پیدا فرمایا ہے کہ اس سے جس چیز کا تعلق ہوتا ہے وہ منکشف ہو جاتی ہے جیسے آنکھ میں دیکھنے کی قوت ہے۔

علم کی تقسیم ② یہاں امام بخاری کا مقصود علم کی ماہیت اور حقیقت بیان کرنا نہیں بلکہ علم کے متعلقات بیان کرنا ہے اس لئے علم سے مراد علم دین ہے جو اللہ عزوجل کی رضا کا موجب ہے۔ علم کی اپنے متعلقات کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں علم ظاہر۔ علم باطن۔ علم ظاہر علم الٰہیات جیسے تفسیر، حدیث، فقہ اور انکے ذرائع علم صرف و نحو لغت معانی بیان وغیرہ۔ علم باطن کی دو قسمیں ہیں۔ علم معاملہ یعنی دل اور نفس کو پاک صاف ستھرا بنانا اخلاق بد و محرمات سے اجتناب اور اخلاق حسنہ خلوص صبر شکر توکل قناعت وغیرہ کا حصول۔ دوسرے علم مکاشفہ۔ یہ وہ علم ہے جو تزکیہ نفس کے بعد من جانب اللہ تعالیٰ عطا ہوتا ہے جو باتیں عقول و حواس کی دسترس سے باہر ہیں ان کا ان کے ذریعہ انکشاف ہوتا ہے مثلاً ذات و صفات باری تعالیٰ وغیرہ (قسطلانی)۔ علم مکاشفہ سے ہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات و صفات کی کچھ حقیقت واضح ہوتی ہے۔

③ عمل بغیر علم کے ناممکن ہے۔ اسلئے امام بخاری نے اعمال پر علم کو مقدم کیا اور چونکہ عمل ہو یا علم بغیر ایمان کے عند اللہ کالعدم۔ ایمان ان سب کی بنیاد ہے اسلئے ایمان کو علم سے بھی پہلے ذکر فرمایا۔ اگرچہ ایک وجہ سے علم کو ایمان پر بھی مقدم ہونا چاہئے۔ اسلئے کہ علم کے بغیر ایمان بھی ممکن نہیں لیکن معتبر بارگاہ وہی علم ہے جسکا خدا کی بارگاہ میں اعتبار ہے اور وہ بغیر ایمان معتبر نہیں اسلئے ایمان کو علم پر مقدم کیا۔

فِي مَجْلِسٍ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ جَاءَهُ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ مَتَى السَّاعَةُ فَمَضَى رَسُولُ

صحابہ کے ساتھ مجلس میں بات کر رہے تھے کہ ایک دیہاتی چلا آیا اور پوچھا! قیامت کب آئے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ

اللَّهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ سَمِعَ مَا قَالَ فَكَرِهَ

تعالیٰ علیہ وسلم بات کرتے رہے تو حاضرین میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ حضور نے اس کی

مَا قَالَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ لَمْ يَسْمَعْ حَتَّى إِذَا قَضَى حَدِيثَهُ قَالَ أَيْنَ أُرَاهُ السَّائِلُ

سوال سنا مگر ناپسند فرمایا اس لئے جواب نہیں دیا اور کچھ لوگوں نے کہا سنا ہی نہیں جب حضور بات پوری کر چکے تو فرمایا قیامت کے بارے میں

عَنِ السَّاعَةِ قَالَ هَا أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَإِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ

سوال کرنے والا کہاں ہے؟ تو ان دیہاتی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں ارشاد فرمایا جب امانت ضائع کی جائے تو قیامت کا انتظار

فَقَالَ كَيْفَ إِضَاعَتُهَا قَالَ إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ

کرو تو انہوں نے عرض کیا امانت ضائع کرنے کا کیا مطلب فرمایا جب نااہل کو کام سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

تشریحات ⑤

اعرابی ① جو دیہاتوں میں رہنے والوں کو اعرابی کہتے ہیں۔ اعرابی اگر صحابی ہے تو اسکا ہرگز گنوار نہیں کہنا چاہیے گنوار کو اعرابی بولا جاتا ہے۔ اور صحابہ کی تحقیر جائز نہیں۔ ② اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ سائل کو لازم ہے کہ جب شیخ یا معلم کسی بات میں مشغول ہو تو اس وقت سوال نہ کرے جب بات پوری کرے تو سوال کرے اور زیادہ ادب یہ ہے کہ جب وہ متوجہ ہو کر کرے دوسرے یہ کہ قاضی مفتی عالم کو چاہیے کہ ... کا لحاظ رکھے۔ ③ اس سے معلوم ہوا کہ عالم شیخ کو چاہیے کہ عوام کی غیر مناسب باتوں پر صبر کرے ملکہ ان کی ایذاؤں پر بھی۔ سب کے ساتھ اخلاق سے پیش آئے اور سب کی حاجت پوری کرے ④ ان دیہاتی نے قیامت قائم ہونے کا وقت پوچھا تھا مگر جواب میں علامت ارشاد فرمائی کہ ... سائل اپنی حیثیت سے زائد کا سوال کرے۔ یا ایسی بات پوچھے جسے ظاہر کرنا مناسب نہ ہو تو اسے کوئی تسلی بخش جواب دے۔ ⑤ یہاں امانت سے صرف مال کی امانت مراد نہیں بلکہ عام ہے خواہ وہ علم ہو خواہ کوئی دینی یا دنیوی عہدہ مثلاً قضا حکومت افتاء تدریس قیادت وغیرہ۔ مراد یہ ہے کہ زمانہ ایسا آئے گا کہ اہل موجود نہ ہوں گے۔ ناچار نااہل کو کام دیا جائے گا۔ یہ بھی مراد ہو کہ دیانت اٹھ جائے گی۔ اہلیت پر کوئی عہدہ نہ دیا جائے گا بلکہ خوشامد، چاپلوسی، رشوت، رشتہ وغیرہ پر۔

حدیث ۵۸ امام بخاری نے کتاب الرقاق باب رفع الامانة میں اختصار کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ مسند امام احمد میں بھی ہے۔

حدثنا و اخبرنا کے مابین فرق

عام طور پر محدثین اخبرنا اور حدثنا کے درمیان یہ فرق کرتے ہیں کہ اگر شیخ قرأت کرے اور تلمیذ سنے تو اسے حدثنی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اگر تلمیذ قرأت کرے شیخ سنے تو اخبرنی ہے۔ پھر اگر تلامذہ دو یا دو سے زائد ہوں تو بجائے یائے متکلم کے صیغہ جمع متکلم لاتے ہیں یعنی حدثنا اور اخبرنا۔ امام ترمذی کا یہی مسلک ہے۔ جیسا کہ انھوں نے ترمذی کے ابتدا میں فرمایا ہے قرأۃ علیہ وانا اسمع

حدثنا و اخبرنا میں امام بخاری کے یہاں فرق نہیں

بلکہ متقدمین کے یہاں بھی حدثنا و اخبرنا میں کوئی فرق نہیں۔ یہی امام بخاری کا مسلک ہے۔ اپنے مسلک کی تائید میں فرمایا۔

روایت۔ ہم سے حمیدی نے کہا سفیان بن عیینہ کے نزدیک حدثنا اور اخبرنا اور سمعت ایک تھا۔

روایت۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے ہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث بیان فرمائی اور وہ سچے ہیں اور سچے مانے ہوئے ہیں۔

روایت۔ شقیق نے کہا عبد اللہ سے روایت ہے انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ بات سنی۔

روایت۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حدیثیں بیان فرمائیں۔

روایت۔ ابو العالیہ نے کہا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اپنے رب سے روایت کرتے ہیں۔

روایت۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت ہے وہ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں

روایت۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت ہے وہ تمہارے رب تبارک تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

پہلی چار تعلیقوں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ راویان حدیث کبھی حدثنا بولتے ہیں کبھی سمعت اور دونوں کے معنی ایک ہیں۔ اور بعد کی تین تعلیقوں سے یہ بتانا ہے کہ سند میں بجائے حدثنا یا سمعت عن فلان عن فلان بھی کہنا درست ہے۔ اسکا حکم بھی وہی ہے جو حدثنا یا سمعت کا ہے۔

(۵۱) حدیث نخلہ

عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا

ان من الشجر شجرۃ لا یسقط ورقہا وانہا مثل المسلم حدثونی ما ہی قال

درختوں میں ایک درخت ہے جسکے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کے مثل ہے مجھے بتاؤ وہ کون درخت ہے

حدیث معنعن جس حدیث کو پورے سلسلۂ سند میں "عن" کے ساتھ ذکر کیا جائے اس کو معنعن کہتے ہیں۔ اس کے مقبول ہونے کے لئے امام بخاری کے یہاں یہ شرط ہے کہ راوی اور شیخ میں کسی اور دلیل سے ملاقات ثابت ہو۔ امام مسلم اور دیگر محدثین فقط صرف معاصرت میں دونوں کا ایک زمانے میں ہونا ضروری قرار دیتے ہیں۔ مزید توضیح مقدمہ میں دیکھیں۔ اس سلسلۂ معنعن کو امام بخاری نے دوسرے مقامات پر سند کیساتھ ذکر کیا ہے۔

حدثنا اور اخبرنا کے معنی ایک ہی ہیں۔ اس کی دلیل میں امام بخاری نے یہ حدیث پیش فرمائی۔

تشریحات (۵۱)

لغات شجر: درخت کو کہتے ہیں۔ مثل: مثل اور مثیل ہم معنی ہیں جیسے شبہ اور شبیہ۔ مثل کے لغوی معنی نظیر کے ہیں اور عرفی معنی کہاوت کے ہیں اور مجازی معنی عجیب و غریب حال کے ہیں۔ یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

وجہ شبہ (۱) مطلب یہ ہے کہ نباتات کا عجیب و غریب حال مسلمان کے حال جیسا ہے۔ یہ عجیب و غریب حالت یہ ہے کہ کھجور کا درخت جتنا نفع بخش ہے اور کوئی درخت نہیں۔ اس کا پھل نہایت شیریں لذیذ مفید ہے اور پھل آتے ہی لوگ کھانا شروع کر دیتے ہیں پھر پکنے کے بعد سکھا کر رکھ لیتے ہیں سال بھر کھاتے ہیں۔ اس کی گٹھلی چوپائے کی غذا ہے۔ یہ ہمیشہ ہرا بھرا رہتا ہے بہت بڑی عمر رکھتا ہے جب سوکھ جاتا ہے تو بھی نفع بخش۔ اس کی پتیوں سے چٹائی ٹوکری بناتے ہیں۔ تنے کا ستون لگاتے ہیں اس کے ریشوں کو گدّوں میں بھرتے ہیں۔ ایسے ہی مومن ہمیشہ تر و تازہ راضی برضائے الٰہی رہتا ہے زندگی میں دوسروں کا مونس، لوگوں کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے اور مرنے کے بعد بھی نفع پہونچاتا ہے۔

استدلال (اول) ا۔ اخبرنا اور حدثنا ایک ہی ہے۔ یہ اسی روایت سے ثابت ہے اس لئے کہ حدثنا اور اخبرنا میں فرق کرنے والے کہتے ہیں کہ اگر تلمیذ پڑھے اور شیخ سنے تو اس کی تعبیر اخبرنا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ

فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ،

تو لوگوں کا خیال جنگلی درختوں کی طرف گیا اور میرے جی میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہے

فَاسْتَحْيَيْتُ، ثُمَّ قَالُوا حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ۔

مگر میں شرم کی وجہ سے نہ بولا۔ پھر لوگوں نے عرض کیا، حضور بتائیں۔ فرمایا۔ یہ کھجور ہے۔

صحابہ سے فرمایا حَدِّثُونِی مَاھِیَ۔ حالانکہ صحابہ عرض کرتے تو اسی اصطلاح کے مطابق اخبار ہوتا۔ طالب کے پڑھنے کو حضور نے تحدیث سے تعبیر فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ حدثنا اور اخبرنا ایک ہی ہے۔ فرق کرنے والے اخبرنا اور انبأنا کو ایک مانتے ہیں۔ تو جب اخبرنا اور حدثنا ایک۔ تو انبأنا و حدثنا بھی ایک۔

دوم اس حدیث کے مختلف طرق اور روایت میں الفاظ مختلف ہیں۔ یہاں حدثونی ہے اور کتاب التفسیر میں بروایت نافع [illegible] ہے اور نافع سے اسماعیل کی روایت میں أَخْبِرُونِي ہے خود اسی کتاب العلم میں باب الحیاء فی العلم میں بروایت [illegible] ہے کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللّٰہ أَخْبِرْنَا بِهَا۔ تو ثابت کہ حدثنا اخبرنا اور انبأنا ایک ہی ہیں۔

تکمیل ② مختلف روایات بخاری کو ملانے سے یہ حدیث پوری یوں ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ہم لوگ حاضر تھے۔ کھجور کا گابھا پیش کی گئی۔ حضور نے اسے تناول فرمایا اور فرمایا ایک ایسا درخت ہے جو مسلمان کی طرح بابرکت ہے۔ سدا بہار ہے۔ بتاؤ وہ کون ہے؟ لوگوں کا ذہن جنگلی درختوں کی طرف گیا۔ لوگوں نے کہا فلاں درخت ہے۔ میری سمجھ میں آگیا کہ یہ کھجور ہے۔ جی میں آیا عرض کر دوں لیکن سب سے چھوٹا تو تھا [illegible] اس سوال کا خیال، حاضرین میں ابوبکر و عمر بھی تھے وہ چپ تھے تو میں بھی شرم کی وجہ سے چپ رہا۔ پھر حاضرین نے عرض کیا حضور ہی بتائیں۔ فرمایا یہ کھجور ہے۔ میں نے اپنے والد سے عرض کیا تو فرمایا۔ اگر تم بتا دیتے تو مجھے وہ خوشی حاصل ہوتی جو اتنے لشکر سے نہ ہوتی۔

فوائد ① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ استاذ طلبہ کے امتحان کے لیے سوال کر سکتا ہے۔

② علمی چیستاں اس نیت سے پوچھنا کہ تلامذہ کے ذہن میں تیزی پیدا ہو، جائز ہے۔ لیکن علماء کا امتحان لینے یا انہیں ذلیل کرنے کی نیت سے پوچھنا حرام۔

③ پہیلیاں بھی جائز ہے۔ اگر اس سے کوئی نقصان نہ ہو یا کسی فائدے سے محرومی نہ ہو۔

امام بخاری نے باختلاف الفاظ اس حدیث کو یہاں کے علاوہ کتاب العلم میں دو جگہ مزید اور کتاب البیوع، باب [illegible] میں [illegible] کتاب الادب باب [illegible] میں ذکر کیا ہے۔ اور امام مسلم نے مناقب میں ذکر فرمایا [illegible] امام ترمذی [illegible] امام احمد [illegible]

(۴) اپنے بزرگوں کا ادب کرنا چاہیے۔ اور ان کے سامنے بلا ضرورت بات نہیں کرنا چاہیے۔ (۵) یہ ہو سکتا ہے کوئی کم درجہ کا شخص ایسا نکتہ بیان کر دے جو بڑے علماء کے ذہن میں نہ آئے اور کسی بچے کے ذہن میں آجائے (۶) اگر کوئی بزرگ امتحاناً کوئی سوال کرے اور اسکا جواب ذہن میں آجائے تو عرض کر دینا چاہیے۔

اخذ حدیث کے طریقے

اول شیخ خود پڑھے شاگرد سنیں۔ دوم شاگرد قرأت کرے استاذ سنے۔ جیسا کہ زمانۂ دراز سے یہی طریقہ رائج ہے۔ [illegible] سوم شیخ اپنی کوئی کتاب تلمیذ کو دے اسے مناولت کہتے ہیں۔ چہارم تلمیذ کوئی کتاب استاذ کی خدمت میں پیش کر کے درخواست کرے کہ اس کی مجھے اجازت دیدیں۔ استاذ اس کتاب پر اطمینان کر کے شاگرد کو اجازت دیدے اسے بھی عرض کہتے ہیں جو حقیقت میں مناولت ہی کی ایک قسم ہے۔ اسی لئے علماء اس قسم کو عرض مناولت کہا ہے۔

چونکہ بعض متشدد محدثین اسکے قائل تھے کہ روایت اسی وقت صحیح ہے جبکہ استاذ خود پڑھے اور تلمیذ سنے اس لئے [illegible] علماء پر بہت زور دیکر استاذ کی قرأت تلمیذ پر اور تلمیذ کی استاذ پر دونوں صحیح ہیں۔ اور بعد میں اسی پر اتفاق ہو گیا۔ البتہ یہ اختلاف ہے کہ دونوں برابر ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے اس سلسلے میں تین مذہب ہیں۔

اول شیخ کا استاذ کے سامنے پڑھنا زیادہ راجح ہے یہ امام اعظم ابو حنیفہ اور ابو ذئب وغیرہ۔ اور امام مالک روایت کے مطابق [illegible] کا بھی مذہب ہے۔

دوم استاذ کا پڑھنا تلمیذ کو سنانا افضل ہے یہ جمہور علماء کا مذہب ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ صرف اہل مشرق کا مذہب ہے۔ سوم دونوں مساوی ہیں یہی اکثر علماء حجاز و کوفہ اور امام مالک اور ان کے متبعین اہل مدینہ کا اور کثیر جماعت کا مذہب ہے [illegible] کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام بخاری نے اپنا مذہب [illegible]

(۱) امام بخاری کے استاذ مشہور محدث۔ حمیدی۔ نے ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ثابت کیا یہ حدیث آرہی ہے۔ جس میں یہ ہے کہ حضرت ضمام نے یہ عرض کیا۔ کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم نمازیں پڑھیں۔ حضور نے فرمایا ہاں۔ یہ استاذ پر قرأت ہوئی۔ پھر حضرت ضمام نے اپنی قوم کو اس کی خبر دی تو ان کی قوم نے اسے تسلیم کیا تو معلوم ہوا کہ یہ طریقہ بھی درست ہے۔

(۲) امام مالک نے دستاویز سے استدلال کیا کہ جب دستاویز میں کسی شخص کا اقرار لکھا گیا اور اسے پڑھ کر سنایا گیا۔ اس نے ہاں کر لیا۔ تو یہ اسکا اقرار ہو گیا۔ حالانکہ اس نے زبان سے صراحۃً اقرار نہیں کیا ہے صرف ہاں کہا ہے۔ جن لوگوں نے یہ دستاویز سنا انھیں اسی کے مطابق گواہی دینی جائز ہے۔ اسی طرح جب قاری مقری کو سنا دے تو اسے جائز ہے کہ یہ کہے مجھے فلاں نے پڑھایا۔ امام مالک نے اس پر یہ دلیل بھی بیان فرمائی ہے لوگ قرآن مجید کسی کے سامنے پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں مجھے فلاں نے پڑھایا۔

(٥٢) حدیث ضمام ابن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

يَقُولُ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ

کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص اونٹ پر سوار آیا۔ اونٹ کو مسجد کے

دَخَلَ رَجُلٌ عَلَى جَمَلٍ فَأَنَاخَهُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ عَقَلَهُ ثُمَّ قَالَ لَهُمْ أَيُّكُمْ مُحَمَّدٌ وَالنَّبِيُّ

(صحن میں) بٹھایا اور اس کی ران کو پنڈلی سے باندھا۔ ان لوگوں سے پوچھا، تم میں محمد کون ہے؟ اور نبی

صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئٌ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ فَقُلْنَا هَذَا الرَّجُلُ الْأَبْيَضُ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تکیہ لگائے سب کے ساتھ وہیں بیٹھے تھے۔ ہم نے بتایا یہ گورے تکیہ لگائے ہوئے ہیں۔

استاذ پر تلمیذ اگر پڑھے تو تلمیذ کو یہ جائز ہے کہ اسی کو روایت کرے۔ امام حاکم نے علوم الحدیث میں بطریق مطرف لکھا ہے کہ انہوں نے بتایا کہ میں سات سال امام مالک کی خدمت میں رہا۔ میں نے یہ کبھی نہیں دیکھا کہ اپنا موطا انہوں نے پڑھا ہو ہمیشہ لوگ پڑھتے اور وہ سنتے۔ امام مالک اس پر شدید انکار فرماتے جو یہ کہتا کہ روایت اسی وقت صحیح ہے جبکہ شیخ پڑھ کر سنائے فرماتے یہ حدیث میں کیوں نہیں کافی ہوگا جبکہ قرآن میں کافی ہے حالانکہ قرآن کا درجہ حدیث سے زائد ہے۔

(۳) امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تلمیذ پڑھ کر شیخ کو سنائے اس میں کوئی حرج نہیں۔

(۴) امام مالک اور سفیان ثوری ... شیخ کو پڑھ کر سنانا اور شیخ کا پڑھ کر تلمیذ کو سنانا برابر ہے۔

تشریحات

لغات: عقلہ۔ اس کا مصدر عقل ہے یہاں اس کے یہ معنی ہیں کہ اونٹ کی ران پنڈلی سے ملا کر باندھ دیا۔ بین ظہرانیہم کے معنی ہیں ان کے درمیان۔ فلا تجد علی۔ وجد یجد وجدا الخ جب علی آتا ہے تو اس کے معنی غصہ ہونے، خفا ہونے کے آتے ہیں اور جب اس کا صلہ "ب" آتا ہے تو اس کے معنی بہت محبت کرنے کے اور جب اس کا صلہ "لام" آتا ہے تو اس کے معنی غمگین ہونے کے آتے ہیں۔

(۱) مسجد میں بٹھانے سے مراد مسجد کے باہر صحن میں بٹھانا ہے جیسا کہ ابن عباس کی روایت میں جسے امام احمد اور حاکم نے روایت کیا ہے یہ ہے کہ اونٹ کو مسجد کے دروازے پر بٹھایا۔ پھر اندر آیا۔ اور حضرت انس ہی کی حدیث ابونعیم سے یوں ہے۔

المتكئ فقال له الرجل يا ابن عبد المطلب فقال له النبي صلى الله تعالى عليه وسلم

حضور سے مخاطب ہو کر اس شخص نے کہا اے عبد المطلب کے بیٹے ۔ تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

قد اجبتك فقال له الرجل انى سائلك فمشدد عليك فى المسألة فلا تجد على فى نفسك

میں تیری بات سن رہا ہوں ۔ اس شخص نے کہا میں آپ سے سوال کرنا چاہتا ہوں اور میں بڑی سختی سے سوال کروں گا آپ اپنے جی

فقال سل عما بدا لك فقال اسئلك بربك ورب من قبلك آلله ارسلك

میں مجھ پر خفا نہ ہوں ۔ فرمایا جو تیرا جی چاہے پوچھ ۔ اس نے کہا آپ کے پروردگار اور آپ سے پہلے والوں کے پروردگار کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا اللہ نے

حتی اتی المسجد فاناخه ثم عقله ثم دخل المسجد ۔ جب مسجد کے قریب آیا تو اس کی ران کو رسی سے باندھا پھر مسجد میں آیا ۔

اس میں اتی المسجد سے قریب المسجد سے مراد ہونا متعین ہے ورنہ ثم دخل المسجد کے کیا معنی ہوں گے اسی طرح مسجد سے مراد مسجد کے قریب ہے ۔ (۲) چونکہ ابھی ایمان نہیں لائے تھے آداب نبوت سے واقف نہیں تھے اسی لئے یوں پوچھا (۳) اس سے معلوم ہوا کہ معززین مجمع میں تکیہ لگا کر بیٹھ سکتے ہیں ۔ (۴) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لیکر یا یوں کہہ کر اے عبد المطلب کے بیٹے، سخت منع ہے قرآن کریم میں ہے لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسے تم میں بعض بعض کو پکارتا ہے ۔ اس کی تفسیر جلالین میں ہے ۔

لا تنادوه باسمه فتقولوا یا محمد ولا بكنيته فتقولوا یا ابا القاسم بل نادوه وخاطبوه بالتعظیم والتکریم والتوقیر بان تقولوا یا رسول الله یا نبی الله یا امام المرسلین یا رسول رب العالمین یا خاتم النبیین وغیر ذلک واستفید من الآیة انه لا یجوز نداء النبی بغیر ما یفید التعظیم لا فی حیاته ولا بعد وفاته فبهذا یعلم ان من استخف بجنابه فهو کافر ملعون فی الدنیا والآخرة ۔

ان کا نام لیکر مت پکارو یعنی یا محمد نہ کہو اور نہ کنیت سے یعنی ابوالقاسم نہ کہو، بلکہ تعظیم تکریم اور توقیر کے ساتھ بلاؤ اور مخاطب کرو یوں کہو یا رسول اللہ، یا نبی اللہ، یا امام المرسلین، یا رسول رب العالمین، یا خاتم النبیین وغیرہ اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے لفظ سے پکارنا جائز نہیں جس میں تعظیم نہ ہو ۔ یہ معلوم ہوا کہ جو ان کی تخفیف شان کرے وہ کافر اور دنیا و آخرت میں ملعون ہے ۔

مگر چونکہ ضمام ابھی ایمان نہیں لائے تھے اور نہ اس ادب سے واقف تھے اس لئے انہوں نے عام دیہاتیوں کا طریقہ اختیار کیا چونکہ والد ماجد کا ولادت سے پہلے ہی وصال ہو گیا تھا ۔ پرورش عبد المطلب نے کی تھی اس لئے عام طور پر لوگ ابن عبد المطلب کہتے تھے خود غزوہ حنین کے موقع پر حضور نے اپنے کو ابن عبد المطلب کہا ۔ (۵) اس کی آزمائش مقصود تھی ۔ اسلئے کہ بادشاہ اگر

إِلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ؟ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ نَعَمْ. فَقَالَ: أَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ، آللّٰهُ أَمَرَكَ أَنْ

کیا آپ لوگوں کی جانب رسول بنا کر بھیجا ہے؟ فرمایا! ہاں اللہ۔ پھر اس نے کہا میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا اللہ نے

نُصَلِّيَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ؟ قَالَ: اَللّٰهُمَّ نَعَمْ. فَقَالَ: أَنْشُدُكَ

آپ کو حکم دیا ہے کہ دن رات میں پانچ نمازیں پڑھیں؟ فرمایا۔ ہاں۔ اس کے بعد اس نے کہا آپ کو اللہ

بِاللّٰهِ، آللّٰهُ أَمَرَكَ أَنْ تَصُومَ هٰذَا الشَّهْرَ مِنَ السَّنَةِ؟ قَالَ: اَللّٰهُمَّ نَعَمْ. فَقَالَ:

کی قسم کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ سال میں اس مہینے کا روزہ رکھیں؟ فرمایا۔ ہاں۔ اس نے کہا آپ

أَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ، آللّٰهُ أَمَرَكَ أَنْ تَأْخُذَ هٰذِهِ الصَّدَقَةَ مِنْ أَغْنِيَائِنَا فَتَقْسِمَهَا

کو اللہ کی قسم۔ کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہمارے مالداروں سے زکوۃ لے کر ہمارے محتاجوں میں تقسیم کریں؟

عَلَى فُقَرَائِنَا؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَللّٰهُمَّ نَعَمْ. فَقَالَ الرَّجُلُ:

تو نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں اللہ۔ اس کے بعد اس شخص

آمَنْتُ بِمَا جِئْتَ بِهِ، وَأَنَا رَسُولُ مَنْ وَرَائِي مِنْ قَوْمِي، وَأَنَا ضِمَامُ بْنُ ثَعْلَبَةَ أَخُو بَنِي سَعْدِ

نے کہا۔ آپ جو کچھ لائے ہیں سب پر میں ایمان لایا۔ میں اپنی قوم کا قاصد ہوں۔ اور میں ضمام بن ثعلبہ، سعد بن بکر

بْنِ بَكْرٍ.

کا فرد ہوں۔

⑥ اگر اہل عرب اللہ عز وجل کے وجود کے قائل تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ زمین و آسمان اور ساری خلقت کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ اس کا تحمل کرتے ہیں۔ [illegible] کرتے تھے کہ ہم انہیں اسلئے پوجتے ہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کریں گے۔

⑦ یہاں اللہم برکت کیلئے ہے۔ ⑧ سال اختصار ہے اسلئے حج کا ذکر نہیں۔ ورنہ مسلم وغیرہ کی روایت میں وہی حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہما کی حدیث میں بھی حج کا ذکر ہے۔ اگرچہ ان میں جزئی اختلافات ہیں۔

⑧ یہ اظہار ایمان ہے اخبار نہیں۔ اسلئے کہ ضمام بن ثعلبہ اسکے پہلے ایمان نہیں لائے تھے۔ یہی تحقیق ہے۔ انکے قبیلے والوں نے انہیں تحقیق حال کیلئے بھیجا تھا۔ یہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا قاصد، اسلام کی دعوت لیکر پہنچا تو انکے قبیلے والوں کے پاس لیکن حضور اقدس سے واپس ہوئے اور اپنی قوم کو سب کچھ بتا دیا۔ تو پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا اس سے معلوم ہوا کہ ضمام بن ثعلبہ، غزوہ حنین کے بعد حاضر خدمت ہوئے تھے اسلئے کہ بنو سعد اسکے بعد مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ ⑨ یہ حلیمہ سعدیہ کا قبیلہ ہے جس میں حضور نے پرورش پائی۔

امام بخاری کے علاوہ ابو داؤد نے صلاۃ میں اور نسائی نے صوم میں ابن ماجہ نے صلاۃ میں ذکر کیا ہے۔

(۵۳) ایضا بالفاظ آخر

عَنْ أَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ نُهِينَا فِی الْقُرْآنِ، أَنْ نَسْأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہمیں قرآن میں منع فرمادیا گیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کریں

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَانَ یُعْجِبُنَا أَنْ یَجِیْئَ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ الْبَادِیَةِ الْعَاقِلُ فَیَسْأَلَہُ

ہم کو یہ بات پسند تھی کہ دیہات سے کوئی ہوشیار شخص آئے اور حضور سے پوچھے

وَنَحْنُ نَسْمَعُ. فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِیَةِ فَقَالَ أَتَانَا رَسُوْلُکَ فَأَخْبَرَنَا أَنَّکَ تَزْعُمُ

اور ہم سنیں۔ ایک دیہاتی آئے حضور سے کہا۔ آپ کا قاصد ہمارے پاس آیا اور اس نے بتایا کہ آپ کہتے

أَنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ أَرْسَلَکَ. قَالَ صَدَقَ فَقَالَ فَمَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ

کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ فرمایا اس نے سچ کہا اسکے بعد اس نے کہا کس نے آسمان پیدا کیا فرمایا

قَالَ فَمَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالْجِبَالَ قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ فَمَنْ جَعَلَ فِیْهَا الْمَنَافِعَ قَالَ اللّٰہُ

عزوجل نے اس نے کہا کس نے زمین اور پہاڑوں کو پیدا کیا؟ فرمایا اللہ عزوجل نے اس نے کہا کس نے ان میں منفعتیں رکھیں فرمایا

عَزَّ وَجَلَّ قَالَ فَبِالَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاءَ وَخَلَقَ الْأَرْضَ وَنَصَبَ الْجِبَالَ وَجَعَلَ فِیْهَا

اللہ عزوجل نے اس نے کہا اس کی قسم جس نے آسمان پیدا کیا اور زمین پیدا کی اور پہاڑوں کو گاڑا اور ان میں منفعتیں رکھیں

الْمَنَافِعَ آللّٰہُ أَرْسَلَکَ قَالَ نَعَمْ قَالَ زَعَمَ رَسُوْلُکَ أَنَّ عَلَیْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ وَزَکٰوۃً

کیا اللہ نے آپ کو بھیجا ہے؟ فرمایا ہاں۔ اس نے کہا آپ کے قاصد نے گمان کیا کہ ہم پر پانچ نمازیں ہیں اور ہمارے مالوں میں زکوٰۃ

تشریحات (۵۳)

یہ آنے والے دیہاتی، ضمام بن ثعلبہ ہی ہیں۔ یہ اور پہلی والی حدیث ایک ہی ہے۔ لیکن روایت بالمعنی کی وجہ سے الفاظ مختلف ہیں اور دونوں میں کچھ نہ کچھ اختصار اور تفصیل ہے۔ اسلئے ہم نے اسکو الگ ذکر کیا (۱) جب لوگ بکثرت سوال کرنے لگے اور سوال کرنے والے ہر قسم کے لوگ تھے۔ مخلص بھی معاند بھی۔ معاندین استہزاءً بھی سوال کرتے۔ کوئی پوچھتا میرا باپ کون ہے؟ کوئی پوچھتا میری اونٹنی غائب ہے۔ کہاں ہے؟ نیز چونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ جب تک کسی چیز سے ممانعت نہ ہو۔ وہ مباح ہے سوال پر حکم نازل ہو جاتا اور بہت سی چیزیں جو مباح ہوتیں۔ وہ حرام ہو جاتیں۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ اے ایمان والو ایسی باتیں نہ پوچھو کہ اگر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں

فِیْ اَمْوَالِنَا، قَالَ صَدَقَ، قَالَ فَبِالَّذِیْ اَرْسَلَکَ، آللّٰہُ اَمَرَکَ بِھٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ وَ
فرمایا اس نے سچ کہا۔ اس نے کہا اس کی قسم جس نے آپ کو رسول بنایا! کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ فرمایا، ہاں
زَعَمَ رَسُوْلُکَ اَنَّ عَلَیْنَا صَوْمَ شَھْرٍ فِیْ سَنَتِنَا قَالَ صَدَقَ، قَالَ فَبِالَّذِیْ اَرْسَلَکَ آللّٰہُ
اس نے کہا اور آپ کے قاصد نے گمان کیا کہ ہم پر سال میں ایک مہینے کا روزہ ہے فرمایا قاصد نے سچ کہا۔ اس نے کہا اس کی قسم جس نے آپکو رسول
اَمَرَکَ بِھٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُکَ اَنَّ عَلَیْنَا حَجَّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ
بنایا کیا اللہ نے آپ کو اسکا حکم دیا ہے؟ فرمایا ہاں۔ اس نے کہا آپکے قاصد نے گمان کیا کہ ہم پر بیت اللہ کا حج ہے جسے وہاں تک جانے کی
سَبِیْلًا، قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِیْ اَرْسَلَکَ آللّٰہُ اَمَرَکَ بِھٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَوَالَّذِیْ
استطاعت ہو فرمایا قاصد نے سچ کہا۔ اس نے کہا اس کی قسم جس نے آپکو رسول بنایا کیا اللہ نے آپکو اسکا حکم دیا ہے؟ فرمایا۔ ہاں۔ اس نے کہا

...شیاء وان تسئلوا عنھا حین ینزل القرآن تبد لکم — بری لگیں اور اس وقت پوچھو گے کہ قرآن اتر رہا ہو تو تم پر ظاہر کر

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اعظم المسلمین جرما من سأل عن شیء لم — مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے کہ ایک چیز حرام نہیں تھی اس

یحرم فحرم من اجل مسئلتہ — کے سوال کرنے کی وجہ سے اسکی حرمت بیان کردی گئی۔

اصل اشیاء میں اباحت ہے (۲) یہ آیت اور حدیث اس کی دلیل ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ یعنی جس چیز سے منع نہ کیا گیا ہو وہ حلال ہے کسی چیز کے حرام ہونے کیلئے دلیل کی ضرورت ہے۔

زیادہ اور کم نہ کرنے کا مطلب (۳) یعنی آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا۔ اسے بعینہٖ اپنی قوم تک پہونچادونگا۔ نہ اس میں اپنی طرف سے کچھ زیادہ کروں گا اور نہ کچھ گھٹاؤں گا۔

مناولت و مکاتبت

مناولت (۱) گذر چکا کہ مناولت کا یہ مطلب ہے کہ شیخ اپنی کتاب تلمیذ کو دے کر یہ کہے کہ اس میں وہ حدیثیں ہیں جو میں نے فلاں سے کی ہیں یا لی ہیں، تم کو اجازت دیتا ہوں کہ اس کتاب کی حدیثوں کو روایت کرو۔

مکاتبت (۲) یہ ہے کہ شیخ احادیث خود لکھ کر یا کسی سے لکھوا کر کسی کے پاس بھیج دے اور اسے اجازت دیدے کہ ان احادیث کو تم روایت کر سکتے ہو۔ اس کے قابل اعتبار ہونے کی شرط یہ ہے کہ کتاب مہر بند ہو اور جن کے ہاتھ بھیجے وہ ثقہ، عادل ہوں اگر لے جانے والے ثقہ نہیں تو ناقابل اعتبار ہے اگرچہ مکتوب مہر بند ہو۔ امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ مناولت اور مکاتبت

بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، لَا أَزِيدُ عَلَيْهِنَّ شَيْئًا وَلَا أَنْقُصُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ان پر نہ کچھ زیادہ کروں گا اور نہ ان میں کچھ کم کروں گا تو اس پر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

إِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ

(۵۴) حدیث کسریٰ کی جانب والانامہ

أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهِ

فرمایا، اگر یہ سچا ہے تو بلاشبہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک خط بحرین کے حاکم کے پاس ایک شخص کے بدست بھجوایا۔

دونوں یکساں معتبر ہیں۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ دیگر علماء فرماتے ہیں کہ چونکہ مناولت میں استاذ، تلمیذ کو اپنے سامنے کتاب دیتا ہے اس لئے اس میں بہ نسبت مکاتبت کے قوت زیادہ ہے۔ دونوں کو مسند بھی ملتے ہیں۔ ان دونوں کے معتبر ہونے پر امام بخاری نے مندرجہ ذیل دلائل قائم کئے ہیں۔

ت۔ اول۔ حضرت انس نے فرمایا۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کے متعدد نسخے لکھوا کر مختلف شہروں میں بھیجے ان سب پر اصل کی طرح سب نے اعتماد کیا۔

حضرت عثمان نے کتنے مصاحف لکھوائے ③ ابو حاتم نے کہا کہ حضرت عثمان نے سات لکھوائے تھے بھیجے تھے عراق، بصرہ، کوفہ، بحرین، مکہ، یمن بھیجا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ پانچ نسخے لکھوائے تھے۔ ایک اپنے پاس رکھا اور چار مختلف ممالک میں بھجوائے۔ ابو عمرو دانی نے کہا چار لکھوائے تھے ایک اپنے پاس رکھا اور بقیہ دوسرے ممالک میں بھیجا۔ ابو حاتم سجستانی نے کہا سات لکھوائے تھے۔ تعداد میں اختلاف ہے مگر اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کے یہاں سے حضرت صدیق اکبر کا جمع فرمودہ صحیفہ منگایا۔ اور اس سے متعدد نسخے لکھوائے۔ اور مختلف ممالک میں بھجوائے۔

ت۔ دوم۔ عبداللہ بن عمر بن عاصم بن عمر الفاروق اور یحییٰ بن سعید انصاری اور امام مالک نے اسے جائز بتایا۔

ت۔ سوم۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس یا بارہ مہاجرین کے ساتھ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نخلہ کی طرف بھیجا۔ ان کو ایک خط دیا۔ کہ دو دن سفر کرنے کے بعد اسے پڑھنا اور اس میں جو لکھا ہے اس پر عمل کرنا۔ انہوں نے دو دن کے بعد اسے پڑھا۔ تو اس میں یہ تھا۔ کہ بطن نخلہ تک جاؤ اور قریش کے تجارتی قافلے کی گھات میں رہنا۔ ہماری خوشی جاننے تو بہتر، کسی کو مجبور مت کرنا۔ یہ جب بطن نخلہ پہنچے تو قافلہ سامنے آگیا یہ رجب کی پہلی تاریخ تھی۔ انتیس جمادی الآخرہ کو چاند ہو چکا تھا۔ انہیں رجب کے چاند کی خبر نہ تھی۔ تیس جمادی کا تاثرہ کر کے قافلے پر حملہ کر دیا عمرو بن الحضرمی کو قتل کیا۔ اور حکم بن کیسان اور

رَجُلًا وَّاَمَرَهٗ اَنْ يَّدْفَعَهٗ اِلٰى عَظِيْمِ الْبَحْرَيْنِ فَدَفَعَهٗ عَظِيْمُ الْبَحْرَيْنِ اِلٰى كِسْرٰى فَلَمَّا

بحرین کے ملک نے یہ خط کسریٰ کے پاس بھجوادیا۔ جب کسریٰ نے یہ خط پڑھا تو پھاڑ ڈالا۔ (ابن شہاب نے کہا)

قَرَاَهٗ مَزَّقَهٗ فَحَسِبْتُ اَنَّ ابْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

میرا گمان ہے کہ ابن مسیب نے یہ کہا اس پر حضور نے ایرانیوں کی ہلاکت کی دعا کی،

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّمَزَّقُوْا كُلَّ مُمَزَّقٍ ۵۰ حديث خاتم عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ

کہ وہ پاش پاش ہو جائیں۔ انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَتَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابًا اَوْ اَرَادَ اَنْ يَّكْتُبَ

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خط لکھا۔ یا خط لکھوانے کا ارادہ فرمایا۔

فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّهُمْ لَا يَقْرَءُوْنَ كِتَابًا اِلَّا مَخْتُوْمًا فَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِّنْ فِضَّةٍ نَقْشُهٗ مُحَمَّدٌ

تو عرض کیا گیا یہ لوگ صرف مہر بند ہی خط پڑھتے ہیں۔ تو حضور نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس پر، محمد رسول اللہ،

رَّسُوْلُ اللّٰهِ كَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى بَيَاضِهٖ فِىْ يَدِهٖ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ مَنْ قَالَ نَقْشُهٗ

کندہ تھا گویا میں دست مبارک میں انگوٹھی کی سفیدی دیکھ رہا ہوں۔ (شعبہ نے کہا) میں نے قتادہ سے پوچھا کس نے کہا،

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ اَنَسٌ ۵۶ حديث ثلثة نفر عَنْ اَبِىْ وَاقِدٍ اللَّيْثِىِّ رَضِىَ

اس کا نقش۔ محمد رسول اللہ۔ تھا تو انہوں نے بتایا، انس نے۔ ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِى الْمَسْجِدِ

سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔

عثمان بن عبداللہ کو قید کرلیا۔ امام بخاری کا استدلال یہ ہے کہ اگر خط لائق اعتبار نہیں ہوتا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ حکم لکھ کر نہ دیتے۔

تشریح (۵۴)

امام یہ حدیث ذکر فرمائی۔

یہاں بھی وہی استدلال کیا ہے کہ اگر مکتوب حجت نہیں ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں بھیجتے۔ اور جب کسریٰ نے اسے پھاڑ ڈالا۔ تو اس پر اتنا جلال کیوں فرمایا۔

تشریح (۵۵)

یہاں بھی وہی استنباط ہے کہ اگر مکتوب مسموع کے مثل واجب التسلیم نہیں تھا۔ تو خط کیوں لکھا۔

وَالنَّاسُ مَعَهُ إِذْ أَقْبَلَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ فَأَقْبَلَ اثْنَانِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور لوگ بھی حضور کے ساتھ تھے کہ تین شخص سامنے سے گزرے۔ دو شخص تو خدمت میں حاضر ہوئے

وَذَهَبَ وَاحِدٌ قَالَ فَوَقَفَا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَّا أَحَدُهُمَا

اور ایک چلا گیا۔ یہ دونوں آکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے کھڑے ہوئے ان میں سے ایک نے

فَرَأَى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا وَأَمَّا الْآخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ وَأَمَّا الثَّالِثُ

حلقہ میں گنجائش دیکھی وہاں بیٹھ گیا اور دوسرا لوگوں کے پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا چلا گیا

فَأَدْبَرَ ذَاهِبًا فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو فرمایا کیا میں تینوں کے بارے

عَنِ النَّفَرِ الثَّلَاثَةِ أَمَّا أَحَدُهُمْ فَأَوَى إِلَى اللّٰهِ فَآوَاهُ اللّٰهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَاسْتَحْيَا فَاسْتَحْيَا

میں نہ بتاؤں ایک نے اللہ کی طرف پناہ لی تو اللہ نے اسے پناہ دی۔ دوسرے نے حیا کی۔ تو اللہ نے بھی

اللّٰهُ مِنْهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَأَعْرَضَ فَأَعْرَضَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

اس سے حیا فرمائی اور ایک نے منہ پھیرا تو اللہ نے بھی اس سے نظر رحمت پھیر لی۔

تشریحات ۵۹

ابوواقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

① یہ اپنی کنیت کیساتھ مشہور ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ ان کا نام حارث بن عوف ہے۔ بعض کا نام ... راجح یہ ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے انہوں نے خود فرمایا کہ ہم غزوہ حنین میں شریک ہوا۔ نیا نیا مسلمان تھا۔ جنگ یرموک میں شریک رہے۔ اخیر عمر میں مکہ معظمہ کی سکونت اختیار کرلی تھی۔ سال بھر بھی نہ رہنے پائے تھے۔ کہ وصال ہوگیا۔ وہیں مہاجرین کے قبرستان میں دفن ہیں۔ ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے ۶۸ھ میں پچھتر سال کی عمر پاکر واصل بحق ہوئے۔ ان سے چوبیس احادیث مروی ہیں۔ یہ ایک حدیث متفق علیہ ہے۔ صحابہ میں ابوواقد دو اور ہیں۔ ایک ابوواقد مولی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوسرے ابوواقد نمیری۔

تکمیل

② یہ تینوں کہیں جا رہے تھے راستے میں مسجد اقدس پڑی دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں موجود ہیں۔ ایک بلا توقف حاضر ہوئے اور ایک کچھ دور آگے بڑھ کر پھر واپس ہوئے۔ دو مجلس میں حاضر ہوئے۔ ایک نہیں گیا دونوں نے حاضر ہو کر سلام کیا۔ پھر بیٹھے۔ ③ اس سے معلوم ہوا کہ مجلس میں اگر جگہ خالی ہو تو اسے پر کر دینا اچھا ہے۔ بشرطیکہ کسی کو ایذاء نہ دی پڑے۔

له یہ حدیث امام بخاری نے کتاب الصلاۃ میں بھی ذکر کی ہے اور امام مسلم و ترمذی نے استیذان میں اور نسائی نے کتاب العلم میں، امام مالک نے ...

(۵۸) حدیث "لیبلغ الشاھد الغائب"

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرَۃَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ ذَکَرَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

عبدالرحمن ابن ابی بکرہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا۔

قَعَدَ عَلٰی بَعِیْرِہٖ وَاَمْسَکَ اِنْسَانٌ بِخِطَامِہٖ اَوْ بِزِمَامِہٖ قَالَ اَیُّ یَوْمٍ هٰذَا فَسَکَتْنَا

کہ حضور (حجۃ الوداع میں) اونٹ پر جلوہ فرما تھے ایک صاحب نے نکیل تھامی پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا آج ... ہم لوگ خاموش رہے۔

(۴) مجلس پر کر جانے میں ضرور کچھ انتشار کا اندیشہ ہوتا ہے اسلئے جگہ خالی ہوتے ہوئے بھی کنارے بیٹھنا پسندیدہ ہے۔ یا یہ کہ جگہ خالی نہ تھی۔ اسلئے یہ کنارے بیٹھ گئے اس تقدیر پر مستفاد ہوا کہ اگر مجلس میں جگہ نہ ہو تو زبردستی گھس کر لوگوں کو اٹھا کر یا دبا کر بیٹھنا منع ہے۔

(۵) کسی کام میں مصروف تھے اس سے فارغ ہوئے۔ مثلاً صحابہ کو کوئی مسئلہ تعلیم فرما رہے تھے وعظ کہہ رہے تھے اس سے فارغ ہوئے۔

(۶) یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اسے اللہ کی پناہ سے تعبیر فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قرب، قرب الٰہی اور ان کے دامن میں پناہ لینی حفظ الٰہی میں پناہ لینی ہے نیز معلوم ہوا کہ علماء دین کی مجلس والے اللہ کے حفظ اور اسکی رحمت تلے ہوتے ہیں۔

(۷) اللہ عزوجل کے حیا فرمانے سے مراد یہ ہے کہ درگذر فرمائے۔ رحمت سے حصہ دے۔ عذاب سے محفوظ رکھے۔

(۸) ثابت ہوا کہ حضور سے اعراض۔ اللہ سے اعراض ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ مجلس خیر ہو رہی ہو اور کوئی عذر نہ ہو تو اس میں ضرور شریک ہو جانا چاہئے۔ نیز کسی دینی مقتدا کے سامنے سے گذر ہو تو ان کی مجلس میں ضرور حاضر ہو۔ اور اگر کوئی عذر ہو تو نہ حاضر ہونے میں کوئی حرج نہیں اس سے ظاہر ہے کہ یہ تیسرا شخص جو چلا گیا۔ اسے کوئی عذر نہ تھا۔ یا یہ کہ وہ منافق رہا ہو۔ یا اللہ کے اعراض فرمانے سے مراد یہ ہے کہ ثواب سے محروم فرمایا۔

تشریحات (۵۸)

عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ

(۱) تابعی، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی کے فرزند ہیں۔ سنہ ۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ سب سے پہلے مولود ہیں۔ جو بصرہ میں مسلمانوں میں پیدا ہوئے اپنے والد اور حضرت علی وغیرہ سے حدیث سنی سنہ ۹۹ھ میں وفات پائی۔

(۲) یہ حدیث امام بخاری نے حضرت ابن عباس و حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی باختلاف الفاظ ذکر کی ہے۔ ابن حبان نے

حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَیُسَمِّیْهِ بِسِوٰی اِسْمِهٖ قَالَ اَلَیْسَ یَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلٰی قَالَ فَاَیُّ شَہْرٍ

یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ اس دن کا اور کوئی نام رکھیں گے۔ فرمایا کیا آج یوم النحر نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا ہاں ہے پھر فرمایا یہ کون مہینہ

هٰذَا فَسَکَتْنَا حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَیُسَمِّیْهِ بِغَیْرِ اِسْمِهٖ قَالَ اَلَیْسَ بِذِی الْحِجَّةِ

ہم لوگ چپ رہے یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ اسکا اور کوئی نام رکھیں گے پھر فرمایا کیا یہ ذوالحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟

اپنے مستخرج میں سترہ صحابہ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ (۳) یہی دلیل ہے کہ یہ خطبہ دس ذوالحجہ کو ارشاد فرمایا تھا۔

(۴) یہ صاحب کون تھے؟ تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت بلال تھے۔ اس کی تائید نسائی کی ام الحصین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے ہوتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے حج کیا اور دیکھا کہ بلال آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری کی نکیل پکڑے ہوئے کھینچ رہے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صاحب عمرو بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جیسا کہ سنن میں خود ان سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا اس روز میں ناقہ مبارک کی نکیل پکڑے رہا پھر انھوں نے اس خطبے کا کچھ حصہ ذکر کیا۔ تیسرے یہ کہ یہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تھے۔ اس کی تائید بطریق ابن مبارک عن عون۔ اسمٰعیل کی روایت سے ہوتی ہے۔ جسکے الفاظ یہ ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سواری پر بیٹھے یوم النحر میں خطبہ دیا۔ اور میں سواری کی نکیل تھامے ہوئے تھا۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا یہی صواب ہے۔

(۵) یہ خطبہ یوم النحر دسویں ذوالحجہ کو ارشاد فرمایا تھا۔ جس پر حدیث کا یہ حصہ، کیا یہ یوم النحر نہیں۔ دلالت کرتا ہے۔ نیز کتاب الحج میں اس کی تصریح ہے۔ کہ یہ خطبہ یوم النحر کو دیا تھا۔ اور خطبہ منیٰ میں ارشاد فرمایا تھا۔ جیسا کہ کتاب الحج میں ابن عمر کی حدیث میں تصریح ہے کہ جمرات کے درمیان ارشاد فرمایا تھا۔

(۶) خود امام بخاری نے کتاب الحج اور اضاحی میں اور امام مسلم وغیرہ نے جو روایات ذکر کیں ان میں یہ ہے۔ ہم لوگوں نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔ حضور خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ اس کا کچھ اور نام رکھیں گے۔ اب اس روایت میں جو "فسکتنا" ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ "اللہ ورسولہ اعلم" کہہ کر ہم خاموش ہو گئے۔ اور حضور نے بھی کچھ دیر خاموشی اختیار فرمائی۔ پھر دوسرا سوال کیا۔

تکمیل (۷) یہاں کی روایت میں اختصار ہے۔ سوال صرف دو ہے۔ مگر کتاب الحج، کتاب الاضاحی کی روایت میں یہ سوال زائد ہے ای بلد ھذا۔ یہ کون شہر ہے؟ اسی وجہ سے اخیر میں فی بلدکم ھذا۔ آتا اور زائد ہے کہ فرمایا۔ تم بہت جلد اپنے پروردگار سے ملو گے وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا۔ کہ ایک دوسرے کی گردن مارے۔ اور اخیر میں فرمایا سنو! کیا میں نے پہنچا دیا۔ لوگوں نے عرض کیا۔ ہاں۔ فرمایا اے اللہ گواہ رہ۔ اور [illegible]

قلنا بلی. قال فان دمائکم و اموالکم و اعراضکم بینکم حرام کحرمۃ یومکم

ہم نے عرض کیا جی ہاں۔ پھر فرمایا بے شک تمہارے خون تمہارے مال تمہاری آبرو ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہیں جیسے اس دن کی حرمت

ھذا فی شہرکم ھذا فی بلدکم ھذا لیبلغ الشاھد الغائب فان الشاھد

اس مہینے میں تمہارے اس شہر میں ہے حاضر کو لازم ہے کہ غائب کو میرا یہ ارشاد پہونچا دیں۔ کہ یہ ہو سکتا ہے کہ حاضر کے

عسیٰ ان یبلغ من ھو اوعی لہ منہ۔

پہلے غائب میرے ارشاد کو زیادہ یاد رکھنے والا ہو۔

...تعمیم دنا خیر ہے۔

شاہد کے معنی۔ حاضر ہیں ⑧ یہاں شاہد کے معنی حاضر متعین ہے اور اس پر اجماع ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ شاہد

کے معنی حاضر ہیں اور حاضر اگر اندھا نہیں تو اسے ناظر ہونا لازم اسلئے آیت کریمہ انا ارسلناک شاھدا میں شاہد کا

ترجمہ حاضر و ناظر کیا اس حدیث کے مطابق ہے۔

فوائد ⑨ حدیث کا یہ حصہ دلالت کرتا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ بعد میں آنے والا بہ نسبت اگلے کے حدیث کو زیادہ یاد کرلے۔ اور زیادہ

اچھی طرح سمجھے۔ اگرچہ بہت کم ہی سہی۔ اسلئے کہ اوعیٰ کے معنی زیادہ یاد رکھنے والا ہے اور زیادہ سمجھنے والا ہے۔ عینی میں ہے۔

من الوعی وھو الحفظ والفھم۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خطیب عند الضرورت جانور پر سوار ہو کر خطبہ دے سکتا ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ خطیب کو سامعین

سے بلند مقام پر ہونا بھی کوئی حرج نہیں۔ بلکہ مجمع اگر زیادہ ہو تو ایسا بہتر ہے تاکہ آواز دور تک پہونچے اور لوگ خطیب کو دیکھ سکیں۔

...سلک طریقا یطلب فیہ علما سھل اللہ لہ طریقا الی الجنۃ...

حدیث کا جز ہے پوری حدیث حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

جو علم دین کی تحصیل کے لئے سفر کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستے پر چلا دیتا ہے۔ طالب علم کی رضا کے لئے فرشتے اپنے بازو بچھا دیتے

ہیں اور عالم کے لئے آسمان والے اور زمین والے اور مچھلیاں پانی کے اندر دعائے مغفرت کرتی ہیں۔ بیشک عالم کی فضیلت عابد

(غیر عالم) پر ایسی ہے جیسے بدر کامل کی تمام ستاروں پر۔ اور بلاشبہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء نے درہم و دینار میراث نہیں

چھوڑا بلکہ علم چھوڑا۔ جس نے علم حاصل کیا اس نے انبیاء کی میراث سے بورا حصہ لیا۔

امام بخاری نے یہ حدیث کتاب الحج اور تفسیر اور بدء الخلق اور اضاحی اور فتن میں بھی ذکر فرمایا اور امام مسلم نے دیات میں اور نسائی

نے حج اور علم میں ابو داؤد نے تطوع میں ابن ماجہ نے مقدمہ میں دارمی نے مناسک میں اور امام احمد نے مسند میں بھی ذکر کیا ہے۔

ت (۱۴) قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ لَوْ وَضَعْتُمُ الصَّمْصَامَۃَ عَلٰی ھٰذِہٖ وَ

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اگر تم تیز تلوار میری گدی پر رکھ دو

اَشَارَ اِلٰی قَفَاہُ ثُمَّ ظَنَنْتُ اَنِّیْ اُنْفِذُ کَلِمَۃً سَمِعْتُہَا مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

پھر مجھے یہ گمان ہو کہ تلوار کے کام کرنے سے پہلے وہ ایک کلمہ جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے اگر

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ تُجِیْزُوْا عَلَیَّ لَاَنْفَذْتُہَا۔ سکوں گا تو بھی اسے ضرور کہوں گا۔

اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے بافادۂ تفہیم روایت کیا حمزہ کنانی نے حسن کہا۔ کچھ لوگوں نے اضطراب کی بنا پر ضعیف کہا ہے۔ مگر علامہ ابن حجر نے فرمایا۔ جو اس کے شواہد ہیں اس سے یہ قوی ہوگئی۔ امام بخاری نے صاف صاف نہیں فرمایا کہ حدیث ہے۔ اسی لئے تعلیقات میں بھی نہیں گنی جاتی مگر جب یہاں ذکر کیا تو معلوم ہوا اس کی کچھ اصل ان کے یہاں بھی ہے۔ پھر اس کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا۔ ہم نے اپنے چنے بندوں کو کتاب کا وارث بنایا۔ میراث پانے والا وارث کہلاتا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ یہ برگزیدہ بندے انبیاء کے وارث ہیں۔

(۱۴) تشریحات

(۱) مسند دارمی اور حلیہ میں اس کی پوری تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوذر، جمرہ وسطیٰ کے قریب بیٹھے تھے اور لوگ ان کے اردگرد اکٹھے ہوکر مسائل پوچھ رہے تھے۔ اتنے میں ایک قریشی صاحب آگئے اور کہا۔ کیا تم کو فتویٰ دینے سے روک نہیں دیا گیا ہے؟ حضرت ابوذر نے سر اٹھا کر کہا۔ کیا تم میرے نگہبان ہو؟ اگر تم میری گردن پر تیز تلوار رکھ دو الخ۔

قصہ یہ ہے کہ حضرت ابوذر کا مسلک یہ تھا کہ مال جمع کرنا حرام ہے جتنے خرچ کر ڈالو۔ اس پر اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے تھے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ۔ الآیۃ ــ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں پھر اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے عنقریب یہ سونا چاندی ان کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

حضرت ابوذر پہلے دمشق میں رہتے تھے۔ اور علانیہ ہر جگہ اپنے اس خیال کی تبلیغ فرماتے تھے۔ اس معاملہ میں ان کا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جھگڑا تھا۔ معاویہ نے حضرت عثمان کو لکھا انہوں نے حضرت ابوذر کو مدینہ بلالیا۔ انکو سمجھایا بجھایا مگر یہ نہ مانے اور لوگوں سے اس مسئلے میں جھگڑتے رہے۔ اس وجہ سے حضرت عثمان نے فتویٰ دینے سے روک دیا اور انھیں ربذہ بھیج دیا اور وہیں ان کا وصال ہوا۔

علم دین چھپانے کی وعید (۲) حدیث میں ہے کہ فرمایا۔ من سئل عن علم وھو یعلمہ فلیقل لہ جب کوئی علم سوال کیا گیا اور

حدیث ۵۶ ۔ یسروا ولا تعسروا

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال یسروا
انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر آسانی کرو
ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا ۔ حدیث ۵۹ ۔ وعظ کے لئے دن مقرر کرنا ۔ عن ابی وائل
اور سختی مت کرو اور خوشخبری سناؤ نفرت مت دلاؤ ابو وائل نے کہا عبداللہ
قال کان عبد اللہ یذکر الناس فی کل خمیس . فقال لہ رجل یا ابا عبد الرحمن
ابن مسعود جمعرات کو لوگوں کے سامنے وعظ کرتے تھے ایک شخص نے کہا اے ابو عبدالرحمن میں چاہتا ہوں کہ آپ
لوددت انک ذکرتنا کل یوم . قال اما انہ یمنعنی من ذلک انی اکرہ ان املکم وانی
ہمارے سامنے روزانہ وعظ کہیں ۔ فرمایا سنو! مجھے اس سے یہ بات روکتی ہے میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم لوگ اکتا جاؤ ۔
اتخولکم بالموعظۃ کما کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یتخولنا بھا مخافۃ
وعظ کے لئے تمہارے نشاط اور توجہ کا لحاظ رکھتا ہوں جیسا کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے اکتا جانے کے اندیشے سے
السآمۃ علینا
ہمارا لحاظ فرماتے تھے

دو جائے تو اسے بتائے ۔ ایک دوسری حدیث میں ہے من سئل عن علم فکتمہ الجم یوم القیامۃ بلجام من النار جس سے کوئی دین کی بات پوچھی گئی اور اس نے نہیں بتایا تو اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آگ کی لگام لگائے گا ۔ دوسری حدیث میں فرمایا حق چھپانے والا گونگا شیطان ہے

ان احادیث کی وجہ سے کلمۂ حق نہ بیان کرنے اور وہ بھی سوال کے بعد نہ بتانے کو حضرت ابوذر گناہ جانتے تھے ۔ اور خلیفۂ وقت کی اطاعت معصیت میں نہیں ۔ اسلئے حضرت ابوذر باوجود ممانعت کے احادیث بیان کرنے اور فتویٰ دینے سے باز نہیں آئے ۔

تشریح ۵۸

بشارت کے معنی اچھی خبر دینا ۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نومسلم ہیں یا جو بچے قریب البلوغ ہیں انھیں دین کا رفتہ رفتہ پابند بناؤ ۔ والیان ملک اور حکام پر لازم ہے کہ لوگوں پر شفقت و مہربانی رکھیں ان پر انکی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالیں ۔ لوگوں کو اللہ کی رحمت اسکے فضل وکرم کی امید دلائیں لوگوں کے سامنے اسکے وسعت کرم رحم کو بیان کریں صرف اسکی شان قہر وجلال نہ بیان کریں ایسا نہ کریں کہ لوگ

ے امام بخاری نے ادب میں امام مسلم نے مغازی میں نسائی نے علم میں ذکر کیا ۔ ے ایضاً علم میں دو جگہ ۔ اور دعوات میں امام مسلم نے توبہ میں ترمذی نے استیذان میں بھی

(۶۰) حدیث :- انما انا قاسم واللہ یعطی

قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ خَطِيْبًا يَقُوْلُ

حمید بن عبد الرحمن نے کہا میں نے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا وہ کہہ رہے تھے ۔

تشریحات (۵۹)

کسی کار خیر کے لئے دن مقرر کرنا (۱) اس سے ثابت [illegible] ہوا کہ کسی اچھے کام کیلئے شرعاً وقت مقرر نہ ہو تو اس کے لئے از خود دن مقرر کرنا صحابہ کی سنت ہے ۔ اسی کے پیش نظر اہلسنت میلاد شریف ، عرس ، فاتحہ کے لئے دن تاریخ مقرر کرتے ہیں ۔ اسکا ایک فائدہ یہ ہے کہ جب کہ کسی کیلئے دن وقت مقرر ہوتا ہے تو لوگ پہلے سے اپنے ضروری کام انجام دیکر اس وقت کو محفوظ رکھتے ہیں ۔

اتنا لمبا وعظ نہ کیا جائے کہ لوگ اکتا جائیں (۲) اس سے معلوم ہوا کہ وعظ تقریر اتنی لمبی نہ کی جائے کہ سننے والے اکتا جائیں ۔ اعتبار صرف ان لوگوں کے اکتانے شاکی ہے کا ہے جو دینی ذوق رکھتے ہیں ۔ ہر کس و ناکس عوام کالانعام کا نہیں ۔

تشریحات (۶۰)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) یہ حضرت ابو سفیان کے صاحبزادے بہت مشہور و معروف صحابی ہیں ۔ اور اوائل اسلام ہیں ۔ انکی ولادت ہجرت سے آٹھ سال پہلے ہوئی ۔ یہ بھی ان چند صحابہ میں سے ہیں جن کے والدین کو بھی دولت اسلام نصیب ہوئی ۔ مشہور یہ ہے کہ یہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے ۔ لیکن انھوں نے خود یہ بتایا کہ میں عمرۃ القضاء کے پہلے مسلمان ہو گیا تھا ۔ مگر ماں کے ڈر سے ظاہر نہ کر سکا عہ ۔

غنائم حنین سے ان کو بھی سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی مرحمت فرمایا تھا ۔ یہ اسلام لانے کے بعد مقرب بارگاہ ہو گئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین میں یہ بھی ہیں ۔ بلکہ بہت سے حضرات اس کے بھی قائل ہیں کہ یہ کاتب وحی بھی تھے ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعائیں دی ہیں ۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِ بِهٖ عہ ۔ اے اللہ معاویہ کو ہدایت دینے والا ہدایت یافتہ بنا اور اسکے ذریعے سے ہدایت دے اور ارشاد فرمایا ۔

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ عہ ۔ اے اللہ معاویہ کو کتاب اللہ اور حساب سکھا اور اسے عذاب سے بچا ۔ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وضو کرایا ۔ تو فرمایا ۔ اے معاویہ ، اگر تم اس چیز یعنی حکومت کو پاؤ تو اللہ سے ڈر

عہ اصابہ وغیرہ ۔ عہ ترمذی ۔ عہ اسد الغابہ ۔

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي

میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا حضور فرماتے تھے۔ اللہ جس کے ساتھ بہت زیادہ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں سمجھ

اور ضائع کرنا۔ حضرت معاویہ کہتے ہیں کہ اس سے مجھے یقین تھا کہ مجھے حکومت ملے گی۔ انھیں ۱۹ھ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ
نے ان کے بھائی یزید بن سفیان کے وصال کے بعد شام کا والی بنایا۔ اس وقت سے لیکر حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مصالحت کے
وقت تک بیس سال شام کے والی رہے۔ پھر بیس سال پورے مملکت اسلامیہ کے بادشاہ رہے۔ ۱۵ رجب ۶۰ھ میں وصال فرمایا
دمشق میں ہو گیا تھا۔ یہیں پیام اجل ثابت ہوا۔ ان کے پاس تبرکات نبوی میں، کرتا، چادر، تہبند اور ناخن مبارک کے کچھ تراشے اور
موئے مبارک تھے۔ وصیت کر گئے تھے کہ مجھے انھیں متبرک کپڑوں میں کفن دینا۔ اور ناخن اقدس کے تراشے اور موئے مبارک میری
آنکھ، ناک، منھ اور سجدہ کے اعضاء میں رکھ دینا۔ اور مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کر دینا۔ اسی کے مطابق کیا گیا۔ وصال کے وقت
عمر ۷۸ سال کی تھی۔

ان سے ایک سو تریسٹھ احادیث مروی ہیں۔ بخاری و مسلم نے چار اور صرف بخاری نے آٹھ اور صرف مسلم نے پانچ روایت کی ہیں
ان سے اجلہ صحابہ مثلاً ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حدیث لی ہیں۔

ان کے عہد میں جب اندرونی طور پر اطمینان ہو گیا تو پھر فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سجستان، سوڈان وغیرہ کے کثیر بلاد
اور قوہستان وغیرہ فتح ہوئے۔ اور قسطنطنیہ پر پہلا حملہ انھیں کے عہد میں ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اختلافات کی وجہ
سے کچھ لوگ ان پر طعن کرتے ہیں۔ لیکن کسی صحابی پر طعن کرنا جائز نہیں۔ قرآن مجید میں نص صریح ہے کہ اللہ عزوجل تمام صحابہ سے
راضی ہے۔ ان سب سے جنت کا وعدہ فرما لیا ہے۔ ان سب پر کلمۃ التقویٰ لازم فرما دیا ہے۔

ارشاد ہے۔

السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۲

سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے۔ اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی اور ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جنمیں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

۱ مرقاۃ، اسد الغابہ وغیرہ ۲ سورہ توبہ آیت ۱۰۰۔

اور فرمایا۔

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؏   اور ان پر کلمہ تقوی لازم فرمادیا اور یہ اس کے مستحق اور لائق تھے

اور ارشاد ہے۔

كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؏ تمام صحابہ سے خواہ فتح مکہ سے پہلے کے ہوں یا بعد کے ہوں سب سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے، قرآن مجید کے نصوص قطعیہ ہیں۔ اور جن واقعات پر طعن کیا جاتا ہے۔ وہ سب خبر واحد اور اکثر ضعاف و مجروح۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے مقابلے میں اخبار آحاد وہ بھی کتب تواریخ وہ بھی ضعاف کی کوئی حیثیت نہیں اس لئے ایمان کی سلامتی اسی میں ہے کہ قرآن مجید کے ارشادات پر ایمان رکھیں اور تواریخ کی لغو و مہمل روایات کو سنیں بھی نہیں۔

لغات ② يُفَقِّهْهُ باب تفعیل کا مضارع ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں۔ اس کو فقیہ بنا دیتا ہے۔ اس کا مادہ فقہ ہے جس کے معنی جاننے اور سمجھنے اور حذاقت و زیرکی کے ہیں۔ اور شرعی معنی یہ ہیں۔ احکام شرعیہ فرعیہ کو ان کے تفصیلی دلائل سے جاننا اور اس کا مصدر زوال ہے سمع یسمع سے شال یزال بھی آتا ہے اور نصر ینصر سے زال یزول بھی دونوں میں فرق یہ ہے کہ زال یزال افعال ناقصہ سے ہے اور اسے حرف نفی لازم ہے۔ زال یزول فعل تام ہے اور اسے حرف نفی لازم نہیں۔ اُمَّۃ اس کے متعدد معانی ہیں۔ جماعت۔ طریقہ۔ مدت۔ پیشوا۔ مالک۔ مرد جامع خیر۔ وہ شخص تنہا اپنی رائے پر چلنے کا عادی ہو۔ انبیاء کے پیرو یہاں یہی آخر معنی مراد ہے

فضیلت فقہ ③ خیرا نکرہ سیاق شرط میں ہونے کی وجہ سے عموم کا افادہ کرتا ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اللہ عزوجل جسے دنیا و آخرت کی بھلائی عطا کرنا چاہتا ہے اسے فقیہ بنا دیتا ہے۔ خیر کی تنوین کو یہاں عظمت کے لئے لیں تو معنی ہوں گے بہت زیادہ بھلائی عطا فرمانا چاہتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ امت کے افراد میں سب سے افضل فقیہ ہے۔ اسی لئے ایک حدیث میں فرمایا

فَقِيْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ ؏   ایک فقیہ ہزار عابد غیر فقیہ سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے۔

نیز ایک لمبی حدیث میں فرمایا۔

خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا ؏   زمانہ جاہلیت میں جو لوگ تم میں سب سے بہتر تھے وہ اسلام میں بھی سب سے بہتر ہیں جبکہ فقیہ ہوں۔

یہ فضیلت اس فقیہ کے لئے ہے جو اپنے علم سے رضائے الہی کا طالب ہو اور دنیا دار فقیہ بدترین خلق ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا

؏ سورہ فتح آیت ۲۶۔ ؏ حدید آیت ۱۰۔ ؏ ترمذی ابن ماجہ مشکوۃ۔ ؏ مسلم، مشکوۃ۔

الدین۔ وانما انا قاسم واللہ یعطی ولن تزال ھذہ الامۃ قائمۃ علی امر اللہ

دینا ہے۔ میں صرف بانٹنے والا ہوں اور اللہ دیتا ہے۔ یہ امت ہمیشہ اللہ کے دین پر قائم

عطا فرماتا ہے۔

الا ان شر الشر شرار العلماء وان خیار الخیر خیار العلماء — سب سے برے علماء ہیں۔ اور سب سے اچھے علماء ہیں۔

ایک اور حدیث میں فرمایا۔

من طلب العلم لیجاری بہ العلماء او لیماری بہ السفہاء او یصرف وجوہ الناس الیہ ادخلہ اللہ النار — جو اس لئے علم طلب کرے کہ علماء سے مقابلہ کرے گا یا جاہلوں سے جھگڑے گا یا لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے گا۔ اسکو اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل فرمائے گا۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ فقیہ وہ ہے جو دنیا سے بے تعلق ہو آخرت کی رغبت رکھتا ہوں دین کے معاملے میں بصیرت رکھتا ہو۔ اللہ کی عبادت کا پابند ہو۔

حضور قاسم بھی ہیں اور خازن بھی ⑫ یہاں صرف قاسم ہے اور بخاری کتاب الجہاد میں تعلیقاً قاسم کے ساتھ خازن بھی ہے۔ معانی کا قاعدہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل کا متعلق یعنی اس کا مفعول وغیرہ جب محذوف ہوتا ہے۔ تو وہ عموم کا افادہ کرتا ہے۔ یہاں قاسم، خازن، معطی تینوں کے مفعول محذوف ہیں۔ تو اس سے عموم پر دلالت ہوئی۔ معنی یہ ہوئے کہ مخلوقات میں سے جس کسی کو اب تک جو کچھ ملا۔ یا آئندہ ملے گا ان سب کا دینے والا اللہ ہے۔ اور ان سب کا خازن میں ہوں۔ اور ان سب کا بانٹنے والا میں ہوں۔ جس طرح اللہ کے معطی ہونے میں کسی قسم کی کوئی تخصیص جائز نہیں۔ اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قاسم و خازن ہونے میں کسی قسم کی تخصیص جائز نہیں جسطرح تمام مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ عالم کی ہر نوع ہر فرد خواہ وہ فرشتے ہوں خواہ وہ انسان خواہ جن ہوں خواہ اور کچھ سب کو سب کچھ اللہ کی عطا سے ملا۔ اور ملے گا۔ اسی طرح یہ اعتقاد بھی واجب کہ سب کو بلا استثناء جو کچھ ملا یا ملے گا وہ سب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیئے سے ملا۔ اس لئے جن لوگوں نے اسے علم کے ساتھ خاص کیا یہ درست نہیں۔

حیات بھی از قسم عطا ہے تو سب کو حیات بھی حضور ہی کے ہاتھوں ملی۔ تو ثابت ہوا کہ ہر ذی حیات سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موجود تھے۔ اور آپ کی تخلیق سارے عالم سے پہلے ہوئی۔ خواہ وہ آدم علیہ السلام ہوں خواہ وہ جبرئیل امین اور دیگر ملائکہ جسکی تائید اس مشہور حدیث سے ہوتی ہے جسے امام عبد الرزاق استاذ امام احمد بن حنبل نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ فرمایا۔

سہ دارمی، مشکوٰۃ۔ للعہ ترمذی ابن ماجہ مشکوٰۃ۔ سہ بخاری ج۱ ص۴۴۳۔

لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ عله ت (١٥) وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ

رہے گی مخالفین ان کو ضرر نہیں پہونچا سکیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عَنْهُ تَفَقَّهُوْا قَبْلَ اَنْ تُسَوَّدُوْا ۔ عله

نے فرمایا ۔ سردار بنائے جانے سے پہلے علم حاصل کرو ۔

يا جابر انّ اللّٰه تعالىٰ قد خلق قبل الاشياء نور — اے جابر! اللہ عز و جل نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا

نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهٖ ۔ عه

⑤ یہاں قائمین علی امر اللہ ہے اور کتاب الجہاد میں ظاہرین علی من خالفہم ہے ۔ مراد یہ ہے کہ قیامت تک میری امت میں لوگ حق پر قائم رہیں گے ۔ اور اپنے مخالفین پر ہمیشہ غالب رہیں گے ۔ انکے مخالف ان پر کبھی فتح نہ پائیں گے ۔ قیامت تک حق پرست غالب رہیں گے ۔ اور غلبے سے مراد دلیل و برہان سے غلبہ ہے ۔ رہ گیا غلبہ بالسیف یہ ضروری نہیں کبھی ہوگا کبھی نہیں ۔ الحرب سجال ینال منا ونال منہ ۔ لڑائی ڈول ہے کبھی وہ ہم سے لے لیتے ہیں کبھی ہم ان سے لیتے ہیں ۔

قرآن مجید میں ہے ۔

تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۔ — ان دنوں میں ہم نے لوگوں کی باری رکھی ہے ۔

اسی طرح لا یضرھم سے مراد یہ ہے کہ ان کی برہان اور دلیل کو توڑ نہیں سکتے ۔

تمام کلمہ گو حق پر نہیں

⑥ ھذہ الامۃ سے مراد پوری امت نہیں بلکہ اس کا بعض حصہ مراد ہے جیسا کہ کتاب العلم میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو حدیث مروی ہے ۔ اس میں طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ ہے یعنی میری امت کا ایک گروہ ۔ اس سے ثابت ہوا کہ تمام کلمہ گو مدعی اسلام حق پر نہیں ۔ حق پر صرف ایک فرقہ ہے ۔

تشریح (١٥)

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ انسان جب سردار ہو جاتا ہے تو حیا طلب علم سے مانع ہوتی ہے ۔ اسلئے سردار بنائے جانے سے پہلے علم حاصل کر لینا چاہیئے ۔ یا مراد یہ ہے کہ سردار کے لئے عالم ہونا ضروری ہے ۔ تاکہ علم کی روشنی میں اپنے متعلقین پر سرداری کرے ۔ امام بخاری نے فرمایا کہ سردار بنائے جانے کے بعد بھی علم حاصل کرتے رہو ۔ مطلب یہ ہوا کہ تحصیل علم کی کوئی حد نہیں ۔

عله ت امام بخاری نے کتاب الجہاد باب فان للہ خمسہ اور الاعتصام لا تزال طائفۃ من امتی میں بھی ۔ اور امام مسلم نے امارت اور زکوۃ میں ، ترمذی نے علم میں ۔ ابن ماجہ اور دارمی نے مقدمہ میں نیز دارمی نے رقاق میں بھی ۔ امام مالک نے موطا قدر میں ۔ امام احمد نے مسند میں بھی ذکر کیا ہے ۔

عه مواہب لدنیہ و زرقانی اول ص٤٦ عله بیہقی نے مدخل میں ابن ابی شیبہ وغیرہ نے تخریج کی ۔

(۶۱) حدیث لاحسد الا فی اثنین

سَمِعْتُ عَبْدَ اللہِ بْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ اِلَّا فِیْ اِثْنَیْنِ رَجُلٌ آتَاہُ اللہُ مَالًا فَسَلَّطَہٗ عَلٰی ھَلَکَتِہٖ

حسد نہیں مگر دو میں۔ ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا اور اسے راہ حق میں خرچ کرنے کی

فِی الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاہُ اللہُ الْحِکْمَۃَ فَہُوَ یَقْضِیْ بِہَا وَیُعَلِّمُہَا۔ علہ

توفیق دی۔ اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے دین کا علم عطا فرمایا۔ اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔

(۶۲) حدیث۔ اَللّٰہُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ ضَمَّنِیْ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے اپنے سینے سے لگایا۔ اور یہ

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰہُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ۔ علہ

دعا کی کہ۔ اے اللہ اسے کتاب کا علم عطا فرما۔

(۶۱) تشریحات

(۱) لغات: حسد کے معنی ہیں۔ یہ آرزو کرنا کہ کسی کی نعمت یا فضیلت اس سے زائل ہو کر مجھے ملے۔ یہ مذموم ہے۔ یہاں تجرید اً صرف اس نعمت کے حصول کی آرزو مراد ہے۔ بغیر اس کے کہ دوسرے سے زائل ہو جسے غبطہ کہتے ہیں۔ یہ محمود ہے سلطہ علیہ کے معنی غلبہ دینا قابض بنانا۔ اختیار دینا۔ یہاں سیاق و سباق کے لحاظ سے اس کے معنی توفیق دینے کے ہیں ھلکۃ کے معنی خرچ کرنے کے ہیں۔ حکمۃ کے معنی سمجھدار ہونا۔ دور اندیش ہونا۔ یہاں قرآن مجید کے معانی کا سمجھنا مراد ہے۔ یا مطلقاً جملہ علوم دین۔

(۲) مال اور علم دین: اللہ عزوجل کسی کو مال عطا فرمائے یہ اس کا فضل ہے۔ اور اسے اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے یہ

علہ بخاری۔ کتاب الزکوۃ۔ انفاق المال فی حقہ، کتاب الاحکام اجر من تقضی بالحکمۃ کتاب الاعتصام، اجتہاد القضاۃ۔ مسلم کتاب الصلوۃ۔ نسائی علم۔ ابن ماجہ۔ زہد۔ علہ بخاری کتاب المناقب فضل ابن عباس۔ مسلم فضائل ابن عباس۔ نسائی، ترمذی مناقب، ابن ماجہ سنت، امام احمد۔

دوسرا افضل ہے۔ اسی طرح علم دین اس کا فضل عظیم ہے۔ اور علم پر عمل اور اس کے مطابق فیصلہ کرنے اور اس کے نشر و اشاعت کی توفیق یہ بڑا فضل ہے۔ مراد یہ ہے کہ لوگ طرح طرح کی آرزو کرتے ہیں۔ مگر آرزو کرنے کے لائق صرف یہ دو نعمتیں ہیں۔ ان دونوں نعمتوں کی عظمت ظاہر کرنا مقصود ہے۔

تشریحات ۶۲

الکتاب ① الکتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ تعلیم سے مراد اس کا حفظ کرنا اور اس کے معانی کا سمجھنا ہے۔

تکمیل ② پورا واقعہ یہ ہے کہ ایک رات ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کاشانۂ اقدس میں رات کو رہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات میں اٹھے۔ استنجا کیلئے تشریف لے گئے انھوں نے وضو کے لئے پانی رکھدیا حضور نے پوچھا کس نے رکھا اسی خادم ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا۔ اس پر ان کے سر پر دست اقدس پھیرا اور سینے سے چمٹا کر دعا فرمائی اسی دعا کی برکت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو وہ علم عطا ہوا کہ ان کو حبر الامت، بحر العلوم، رئیس المفسرین ترجمان القرآن کہا جاتا ہے۔

معانقہ ③ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ معانقہ جائز ہے۔ فقہا نے تصریح کی ہے کہ اگر شہوت کا اندیشہ نہ ہو تو مستحب ہے۔

۶۳ حدیث عقلت من النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجۃ

عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ عَقَلْتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ مجھے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ بات یاد ہے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَجَّةً مَجَّهَا فِيْ وَجْهِيْ وَاَنَا ابْنُ خَمْسِ سِنِيْنَ مِنْ دَلْوٍ

کہ حضور نے ایک ڈول سے پانی لے کر میرے منھ پر کلی فرمائی تھی اور اس وقت میں پانچ برس کا تھا۔

تشریحات ۶۳

محمود بن ربیع ① یہ صغار صحابہ میں سے ہیں۔ وصال اقدس کے وقت یہ پانچ سال کے تھے۔ اسی سن میں ان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے منھ پر کلی فرمائی۔ یہ مدنی خزرجی انصاری ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داماد ہیں۔ دمشق میں قیام پذیر تھے وہیں ۹۹ھ میں ترانوے سال کی عمر پاکر وصال فرمایا۔

تطبیق ② یہاں صرف "من دلو" ہے اور کتاب الطہارۃ میں "من بئرھم" ہے یعنی ان کے کنوئیں سے۔ یہ حدیث امام بخاری نے طہارت، استعمال فضل وضو الناس میں اور دعوات الصبیان بالبرکۃ میں اور اسکے علاوہ متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ اور نسائی نے العلم، الیوم واللیلۃ میں اور ابن ماجہ نے طہارت میں بھی ذکر کیا ہے۔

ت (۱۹) رَحَلَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ مَسِیْرَۃَ شَہْرٍ اِلٰی عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اُنَیْسٍ فِیْ حَدِیْثٍ

حضرت جابر بن عبداللہ ایک حدیث کے لئے عبداللہ بن انیس کے پاس ایک مہینے کی مسافت کا سفر کیا

کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس ڈول سے پانی لیا تھا اس میں پانی ان کے کنوئیں سے لیا گیا تھا۔

فوائد (۳) امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ پانچ سال کے بچے کا سماع درست ہے اور اس کی روایت مقبول ہے مگر یہ تحدید روایت میں اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت کہ انھوں نے اپنے والد کو غزوۂ خندق کے موقع پر گھوڑے پر سوار ہو کر بنی قریظہ کے محلے میں دو یا تین بار گئے اور آئے۔ میں نے پوچھا تو بتایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا حالانکہ حضرت عبداللہ کی عمر اس وقت چار سال بھی پوری نہ تھی۔ یہ روایت امام بخاری نے مناقب زبیر میں ذکر کی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ پانچ سال سے کم عمر میں سماع درست ہے۔ لیکن یہی غلط ہے کہ امام بخاری کا یہی مقصود ہے کہ پانچ سال سے کم عمر میں سماع صحیح نہیں۔ انہوں نے باب باندھا ہے بچے کا سماع کب صحیح ہے۔ اس کے تحت حدیث ذکر فرمائی۔

اس سے جہاں یہ صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ پانچ سال کے باشعور بچے کا سماع صحیح ہے۔ وہیں بنظر دقیق حقلت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ سن کی قید نہیں بلکہ شعور و سمجھ کی شرط ہے اگر کوئی بچہ پانچ سال سے کم عمر میں باشعور ہو اور کسی بات کو سمجھ کر یاد رکھے ہو تو اس کی یہ روایت صحیح ہے اور اگر زیادہ عمر کا ہو مگر باشعور نہ ہو تو اس کا سماع صحیح نہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ چھوٹے بچوں کے ساتھ خوش طبعی مسنون ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لعاب مبارک اور پس خوردہ سے برکت حاصل کرنا بھی مسنون ہے۔

ت (۱۶)

تعلیق ہے (۱) فی حدیث یہاں تعلیق یہ ہے جسے آیۂ کریمہ ﴿عند الله الذی لا یکتنی فیہ﴾ اور حدیث ان اصواتہ ...

ﺣﺪﺛﺖ فی الناس فی ھجرة۔

احادیث سننے کا شوق (۲) جگہ شام تھی یا مصر۔ پورا واقعہ یہ ہے حضرت جابر نے فرمایا کہ مجھے یہ خبر ملی کہ ایک صاحب کے پاس ایک حدیث ہے میں اونٹ خریدا اور کجاوہ کسا اور شام آیا۔ عبداللہ بن انیس کے گھر پہونچا۔ دربان سے کہا کہ اطلاع کر دو، جابر دروازے پر کھڑا ہے۔ انہوں نے پوچھا ابن عبداللہ! میں نے کہا ہاں۔ وہ باہر آئے اور مجھ سے معانقہ کیا۔ میں نے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے۔ میں ڈرا کہ کہیں یہ حدیث سننے سے پہلے مر نہ جاؤں انھوں نے کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگ قیامت کے دن ننگے غیر مختون اکٹھے کئے جائیں گے انہیں اللہ عزوجل ندا دے گا۔ جو دور و نزدیک سے یکساں سنائی دیگی۔ فرمائے گا۔ میں بادشاہ ہوں میں بدلہ دینے والا ہوں

(۶۴) حدیث "العلم کمثل الغیث الکثیر"

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جو

مَا بَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ مِنَ الْھُدٰی وَالْعِلْمِ کَمَثَلِ الْغَیْثِ الْکَثِیْرِ اَصَابَ اَرْضًا فَکَانَ

ہدایت اور علم دے کر مجھے مبعوث فرمایا ہے۔ اس کی مثال زوردار بارش کی ہے جو زمین پر برسی۔

مِنْھَا نَقِیَّۃٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ فَاَنْبَتَتِ الْکَلَأَ وَالْعُشْبَ الْکَثِیْرَ وَکَانَتْ مِنْھَا اَجَادِبُ اَمْسَکَتِ

کچھ زمین عمدہ ہیں جس نے پانی جذب کر لیا اور گھاس اور سبزی خوب اگائیں۔ اور کچھ زمین سخت ہیں جنہوں نے پانی جمع کر لیا

کوئی مستحق جنت، جنت میں نہیں جائے گا۔ اگر جہنم میں جانے والوں میں سے کوئی اس کے ظلم پر دادرس ہوگا جب تک اس کا بدلہ

نہ لے یہاں تک کہ ایک تھپڑ کا بھی۔ پوچھا کہ لوگ ننگے غیر مختون کیوں ہوں گے فرمایا حسنات و سیئات کی بدولت۔ طبرانی نے مسند

الشامیین اور تمام نے اپنے فوائد میں اور خطیب نے کتاب الرحلۃ میں بجائے شام کے مصر کہا ہے۔ امام بخاری نے الرد علی الجہمیہ

کے اخیر میں اس کا ابتدائی حصہ "انا الملک الدیان" تک تعلیقاً ذکر کیا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو احادیث یاد کرنے اور اسے پھیلانے کا کتنا شوق تھا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ جیسے

کے خزانے نے صرف ایک حدیث سننے کیلئے اتنا لمبا سفر کیا۔ اور آج کیا حال ہے۔ اہل علم کو خصوصاً اس سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔

عبد اللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳) جہنی انصار کے حلیف تھے۔ عقبہ ثانیہ بدر اور احد کے بعد تمام مشاہد میں شرکت

کی۔ ایک بار تنہا ان کو ایک مہم پر روانہ فرمایا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد سلطنت میں ۵۴ھ میں شام ہی وفات ہوئی۔ ان سے

پچیس حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں مسلم نے صرف ایک ذکر کی۔ سنن اربعہ میں ان کی احادیث ہیں۔ بخاری میں صرف مذکورہ بالا ایک

تعلیقاً مذکور ہے۔

تشریحات (۶۴)

لغات (۱) ھدی راستہ دکھانا۔ قرآن و حدیث میں کبھی اس کے معنی مطلوب تک پہونچانے کے آتے ہیں، کبھی مطلوب

تک پہونچانے والے راستے کو دکھانے کے معنی میں۔ غیث۔ بارش۔ بادل۔ بارش سے اگی ہوئی گھاس۔ بارش کا برسنا یہاں

بارش مراد ہے۔ نقیۃ۔ عمدہ۔ کلأ۔ گھاس خواہ ہری ہو خواہ سوکھی۔ عشب۔ ہری گھاس۔ اجادب جدب کی جمع ہے جس کے

الماء فنفع الله بها الناس فشربوا وسقوا وزرعوا واصاب منها طائفة

اس سے اللہ نے لوگوں کو نفع دیا لوگوں نے پیا، پلایا۔ اور کھیتی کی اور یہی بارش زمین کے کچھ ایسے

اخرى انما هي قيعان لا تمسك ماء ولا تنبت كلاء فذالك مثل من فقه في

حصے پر پڑی جو سپاٹ تھی نہ اس نے پانی جمع کیا اور نہ گھاس اگایا یہی مثال اس کی ہے جس نے

دين الله ونفعه بما بعثني الله به فعلم وعلم ومثل من لم يرفع بذالك راسا

اللہ کے دین میں تفقہ حاصل کیا اور اللہ نے جو کچھ مجھے دے کر بھیجا ہے اس سے اس کو نفع پہونچایا اس نے علم حاصل کیا اور

ولم يقبل هدى الله الذي ارسلت به قال ابو عبد الله قال اسحق وكان منها

دوسروں کو تعلیم دی اور اسکی ہے جس نے اس طرف سر بھی نہیں اٹھایا اور اللہ کی اس ہدایت کو جسکے ساتھ میں بھیجا گیا،

طائفة قيلت الماء

قبول نہیں کیا۔ ابو عبد اللہ یعنی امام بخاری نے کہا، اسحق نے قبلت الماء کی جگہ قیلت الماء کہا ہے

جو نچلے ہیں نیز اس زمین کو بھی کہتے ہیں جو قحط کی وجہ سے سوکھ جائے۔ نیز بنجر زمین کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور ایسی زمین کو بھی

کہتے ہیں جو سخت ہو اور پانی جذب نہ کرے۔ اور یہی یہاں مراد ہے۔ قیعان۔ قاع کی جمع ہے جیسے چٹیل زمین جو چکنی برابر ہو

جو پانی نہ روک سکے۔ قیلت یار سے اس کے معنی دوپہر میں پینے کے ہیں۔ یہاں تجریداً صرف پینا یعنی جذب کرنا مراد ہے۔

تطبیق (۲) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دین کی مثال، زور دار بارش سے دی۔ کہ جیسے ہر جگہ برستی ہے مگر زمین

صلاحیت کے اعتبار سے اس کا نتیجہ مختلف۔ ایک زمین عمدہ زرخیز ہے پانی اپنے اندر جذب کرکے اپنے خزانے اگل دیتی ہے

طرح طرح کے سونے سبزیاں اگاتی ہے جو جاندار کی غذا کا کام دیتا یہی حال ایسے افراد کا ہے جو دین قبول کرکے اسے سیکھ کرکے دوسروں

کو تعلیم دیتے ہیں۔ خود عمل کرتے ہیں دوسروں سے عمل کراتے ہیں۔ دوسری وہ زمین جو پانی جمع کر لیتی ہے۔ کچھ اگاتی نہیں

مگر اس جمع شدہ پانی سے دوسروں کو طرح طرح سے فائدہ پہونچتا ہے۔ یہ حال ان لوگوں کا ہے جو دین قبول کرکے دین سیکھے

ہیں مگر کما حقہ اس پر عمل نہیں کرتے مگر اس کے علم سے دوسروں کو فائدہ پہونچتا ہے۔ یا مراد وہ محدثین ہیں جو احادیث

حفظ کیے ہیں مگر تفقہ نہ ہونے کی وجہ سے خود احکام کا استنباط نہیں کر سکتے۔ مگر ان سے احادیث سنکر دوسرے لوگ جو فقیہ ہیں احکام کا استخراج کر

لیتے ہیں۔ تیسری وہ چٹیل بنجر زمین جو نہ پانی جمع کرتی ہے اور نہ کچھ اگاتی ہے۔ اس پانی کا ضائع گیا۔ یہ حال ان لوگوں کا ہے جنہوں نے دین قبول ہی نہیں کیا اس پر کوئی توجہ نہ

دی۔

(۳) قال اسحق میں، اسحق سے کون مراد ہے۔ یہ طے کرنا مشکل ہے۔ علامہ عسقلانی نے فرمایا یہ اسحق بن راہویہ ہیں۔

ف مسلم نے فضائل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اور نسائی نے علم میں ذکر کیا ہے۔

ت (١٠) قَالَ رَبِيعَةُ لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ عِنْدَهُ شَيْءٌ مِّنَ الْعِلْمِ أَنْ يُّضَيِّعَ نَفْسَهُ عل[illegible]

ربیعہ نے کہا جس کے پاس کچھ بھی علم ہو اسے اپنے آپ کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

(٩٥) حدیث يَقِلُّ الْعِلْمُ وَيَظْهَرُ الْجَهْلُ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيثًا لَا يُحَدِّثُكُمْ أَحَدٌ بَعْدِي سَمِعْتُ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں تم سے ایک حدیث بیان کر رہا ہوں کہ میرے بعد کوئی بیان نہ کرے گا۔

رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہیں کہ علم کم

يَقِلَّ الْعِلْمُ وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ وَيَظْهَرَ الزِّنَا وَتَكْثُرَ النِّسَاءُ وَيَقِلَّ الرِّجَالُ حَتَّى يَكُونَ

ہو جائے گا۔ جہالت غالب ہوگی زنا عام ہوگا عورت کی کثرت ہوگی مرد کم ہو جائیں گے یہاں تک

لِخَمْسِينَ امْرَأَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ ع٥

کہ پچاس عورت کا نگہباں صرف ایک (مرد) ہوگا۔

اس لئے کہ امام بخاری زیادہ تر انھیں سے روایت کرتے ہیں۔ علامہ عینی کی رائے یہ ہے کہ یہاں تینوں اسحٰق میں سے کوئی [illegible] اسحٰق بن راہویہ۔ اسحٰق بن ابراہیم بن نضر السعدی البخاری اسحٰق بن منصور بن بہرام الکوسج المروزی اسلئے امام بخاری ان [illegible] ہیں ابو اسامہ حماد بن سلمہ سے انھیں تینوں کے واسطے سے روایت کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ بالیقین یہ فیصلہ کر [illegible] اسحٰق بن راہویہ ہی ہیں درست نہیں۔ یہی امام نسائی کی بھی رائے ہے۔ انہوں نے تقیید المہمل میں تصریح کی ہے کہ امام بخاری جب بغیر نسبت کے یوں کہیں حدثنا اسحٰق حدثنا ابو اسامہ تو اسحٰق انھیں تینوں میں سے کوئی ایک مراد ہوتے ہیں۔

تشریح (١٠)

حضرت ربیعہ بن عبد الرحمٰن مدنی تابعی ہیں۔ اور حضرت مالک کے استاذ۔ ان کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جسے قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ کا تھوڑا سا بھی علم ہو۔ اسے چاہیے کہ خود اس پر عمل کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔ بے فیض نہ [illegible] اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ علم کے وقار کو محفوظ رکھے۔ اسے حصول دنیا کا ذریعہ نہ بنائے جو لوگ علماء کی عزت نہ کرتے ہوں ان کے پاس نہ جائے۔ غیر اہل کو تعلیم نہ دے۔

تشریحات (٩٥)

یہی حدیث بطریق عمران بن میسرہ یوں مروی ہے۔

ع٥ الخطیب فی الجامع والبیہقی فی المدخل ۔ ع٥ مسلم قدر۔ ترمذی نسائی۔ ابن ماجہ فتن

۶۹ حدیث فضیلت علم

اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا۔ میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ قَالَ بَیْنَمَا اَنَا نَائِمٌ اُوْتِیْتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ حَتّٰی اِنِّیْ لَاَرٰی الرِّیَّ

میں سو رہا تھا کہ مجھے دودھ کا پیالہ دیا گیا جسے اتنا پیا کہ آسودگی ناخنوں سے نکلنے لگی

یَخْرُجُ فِیْ اَظْفَارِیْ ثُمَّ اَعْطَیْتُ فَضْلِیْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَہٗ یَا رَسُوْلَ

پھر میں نے اپنا جھوٹا عمر بن خطاب کو دیا لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ حضور نے اسکی کیا

اللّٰہِ قَالَ الْعِلْمَ لہ

تعبیر کی، فرمایا۔ علم۔

ان یرفع العلم ویثبت الجہل ویشرب الخمر ویظہر الزنا۔ علم اٹھالیا جائے گا اسکی جگہ جہالت لے لیگی۔ شراب پی جائیگی زنا پھیل جائے گا۔

لغات ① یقل۔ قلت کا مضارع ہے۔ اور یہاں مراد عدم ہے اس پر دلیل دوسری حدیث ہے جس میں فرمایا کہ علم اٹھ جائے گا۔ اسکی جگہ جہالت لے لیگی۔ القیم۔ کسی کا ذمہ دار، متولی، شوہر، سید، ھاھنا یہاں مراد ذمہ دار نگہبان ہے۔

② جب بصرہ میں تمام سکونت پذیر صحابہ کا وصال ہوگیا اور تنہا حضرت انس ہی رہ گئے تو فرمایا۔

③ قیامت کی نشانیاں بہت ہیں انھیں پانچوں میں انحصار نہیں۔ البتہ یہ پانچوں بہت اہم ہیں دین و دنیا کی زندگی ان پانچ چیزوں پر مبنی ہے۔ دین، عقل، نفس، نسب، مال۔ اور یہ پانچوں ان کو تباہ کرنے والی ہیں۔ رفع علم اور جہالت دین کو، شراب عقل اور مال کو۔ مردوں کی قلت، نفس کو۔ زنا نسب اور مال کو۔ ایسا حدیث میں ان پانچوں کو خصوصیت سے شمار کر فرمایا

رفع علم سے کیا مراد ہے؟ ④ علم اٹھانے سے یہ مراد نہیں کہ علماء ہوں گے اور علم ان کے سینوں سے مٹا دیا جائے گا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ علماء باقی نہ رہیں گے۔ جیسا کہ آگے مفصل آرہا ہے۔

تشریحات ۶۹

لہ بخاری مناقب عمر۔ تعبیر الرؤیا۔ باب اللبن۔ باب اذا جری اللبن فی اطرافہ والمنام، مسلم فضائل۔ ترمذی رؤیا مناقب نسائی مناقب علم

٦٧ حدیث۔ یظہر الفتن ویکثر الہرج

عَنْ سَالِمٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ وَيَظْهَرُ الْجَهْلُ وَالْفِتَنُ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْهَرْجُ فَقَالَ هٰكَذَا بِيَدِهٖ فَحَرَّفَهَا كَاَنَّهٗ يُرِيْدُ الْقَتْلَ۔

سالم نے کہا میں نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا علم اٹھالیا جائے گا اور جہالت غالب ہوگی اور فتنے پھیل جائیں گے اور ہرج کثرت ہوگا پوچھا کہ یارسول ہرج کیا چیز ہے؟ تو اپنے ہاتھ کے اشارے سے بتایا اور ہاتھ ایسے خم کیا جیسے قتل کا اشارہ کیا جاتا ہے حضور کی مراد قتل تھی۔

٦٨ حدیث ما من شئ لم اکن اریتہ الا رایتہ فی مقامی ہذا

عَنْ اَسْمَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ اَتَيْتُ عَائِشَةَ وَهِيَ تُصَلِّي فَقُلْتُ مَا شَاْنُ

حضرت اسماء بنت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا۔ میں عائشہ کے پاس آئی وہ نماز پڑھ رہی تھیں میں نے پوچھا لوگوں کا

لغات ① اولتہ۔ یہ باب تفعیل کا ماضی مخاطب ہے اس کا مادہ اَوْل ہے اسکے معنی لوٹنا پھرنا ہے تاویل کے معنی لوٹانا پھیرنا ہے۔ کلام کو ظاہری معنی سے پھیر کر خفی معنی پر حمل کرنے کو تاویل کہتے ہیں۔ اسی کی فرع خواب کی تعبیر ہے یہاں یہی مراد ہے

دودھ اور علم میں مناسبت ② دودھ کی تعبیر علم کے ساتھ اس مناسبت سے ہے کہ دونوں کثیر النفع اور مفید ہونے میں مشترک ہیں دودھ انسان کی بہترین غذا اور بدن کیلئے مقوی ہے اور علم سے دین و دنیا سنورتی ہے اور علم روح کی غذا اور اس کے لئے مقوی ہے اس حدیث سے علم کی فضیلت یوں ثابت ہوتی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ کا عطا فرمودہ فضلہ مبارک ہے۔

تشریح ٦٧

لغات ① ھرج کے معنی فتنے۔ اور اختلاط کے ہیں مجازاً قتل کے معنی میں مستعمل ہے الدحبش کی زبان میں ہرج کے معنی قتل کے ہیں۔ اسی وجہ سے صحابہ کچھ نہیں پائے اور دریافت کرنا پڑا۔ قال کے معنی یہاں اشارہ کے ہیں۔ اس معنی میں متعدد احادیث وارد ہیں ایک حدیث میں ہے۔ قال باصبعہ السبابہ والوسطیٰ اس کے علاوہ اور معنوں میں آیا ہے مثلاً رفع تناول۔ غلب وغیرہ۔

تشریحات ٦٨

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ① یہ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی اور حواری رسول اللہ حضرت زبیر بن عوام کی زوجہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ ہیں۔ ہجرت سے ستائیس سال پہلے ان کی ولادت ہوئی۔ اور مکے ہی میں سترہ نفوس قدسیہ کے بعد مشرف باایمان ہوئیں۔ شب ہجرت توشہ دان

باندھنے کو کچھ نہ ملا تو اپنی کمر کا پٹکا پھاڑ کر ایک حصے سے توشہ دان باندھ دیا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذات النطاقین کا خطاب عطا فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا اللہ عزوجل تجھے اس کے عوض جنت میں دو نطاق عطا فرمائے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ہجرت کی۔ اس وقت حمل سے تھیں قبا پہنچیں تو حضرت عبد اللہ پیدا ہوئے۔ بہت بہادر حاضر جواب جری، صبر و استقامت کی پہاڑ تھیں۔ جب حضرت عبد اللہ کے تمام ساتھی انھیں چھوڑ کر حجاج سے مل گئے اور حجاج نے حضرت عبد اللہ کے سامنے تین باتیں پیش کیں یا تو کہیں چلے جاؤ۔ یا پھر ہتھیار ڈال دو تمہیں پا بجولاں عبد الملک کے پاس لے چلیں یا لڑنے کے لئے تیار رہو۔ حضرت عبد اللہ نے اپنی ماں سے مشورہ کیا حضرت اسماء نے آخر وقت تک لڑنے کا مشورہ دیا۔ پھر کفن لیا دھونی دے کر خوشبو لگا کر حضرت عبد اللہ کو پہنایا اور مقابلے کے لئے بھیجا جب حضرت عبد اللہ بن زبیر شہید ہو گئے تو حجاج نے انکی نعش مبارک کو سولی پر چڑھایا۔ تو اپنے لخت جگر کے نعشے پر تشریف لائیں۔ اور فرمایا۔ ابھی وقت نہیں آیا کہ یہ شہسوار سواری سے اترے۔ اتنے دردناک منظر کو دیکھ کر بھی آنکھ سے آنسو تک نہیں نکلا۔ حجاج نے ان کو بلوایا انکار کر دیا۔ حجاج نے کہا سیدھی طرح سے آجا۔ ورنہ بال پکڑ کر گھسوا منگاؤں گا۔ یہ سن کر اس شیر دل ماں نے کہا۔ خدا میں اس کے پاس نہیں جاؤں گی جب تک کہ وہ بال پکڑوا کر گھسوائے حجاج خود آیا۔ اور کہا تو نے دیکھا میں نے اللہ کے دشمن کے ساتھ کیا کیا۔ حضرت اسماء نے کہا۔ میں نے دیکھا تو نے اسکی دنیا برباد کی اس نے تیری آخرت خراب کر دی۔ میں نے سنا ہے تو انھیں طعن کے طور پر ابن ذات النطاقین کہتا ہے میں ذات النطاقین ہوں۔ ایک میرا وہ نطاق ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صدیق اکبر کا کھانا باندھا جاتا تھا۔ اور ایک وہ جو ہر عورت کیلئے ہوتا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے ثقیف میں ایک کذاب ہوگا اور سفاک۔ الکذاب تو ہم نے دیکھا اور سفاک تیرے سوا اور کوئی نہیں۔ [۲]

عبد الملک بن مروان کے حکم سے جب حضرت عبد اللہ کا لاشہ مبارک سولی سے اتارا گیا اور اسے دفن فرمالیا گیا۔ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد ۷۳ھ میں بماہ جمادی الآخرہ وصال فرمایا۔ سو سال کی عمر پائی۔ مگر نہ ایک دانت گرا تھا اور نہ دماغی توازن میں فرق آیا تھا اور نہ بینائی زائل ہوئی تھی [۳] ان سے چھپن احادیث مروی ہیں۔ چودہ متفق علیہ چار افراد بخاری اور چار افراد مسلم سے ہیں۔

---

[۱] اصابہ وغیرہ [۲] مسلم شریف [۳] ہدایہ نہایہ ج ۸ ص ۳۴۱

النَّاسِ فَأَشَارَتْ إِلَى السَّمَاءِ فَإِذَا النَّاسُ قِيَامٌ فَقَالَتْ سُبْحَانَ اللّٰهِ قُلْتُ

حضرت عائشہ نے کہا سبحان اللہ ۔۔۔ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں
کیا حال ہے تو انھوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا

آيَةٌ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَيْ نَعَمْ فَقُمْتُ حَتَّى عَلَانِي الْغَشْيُ فَجَعَلْتُ أَصُبُّ

میں نے پھر پوچھا کوئی نشانی ہے۔ تو انھوں نے اپنے سر سے اشارہ کیا۔ ہاں اسکے بعد میں بھی نماز کیلئے کھڑی ہو گئی اتنی دیر

عَلَى رَأْسِي الْمَاءَ فَحَمِدَ اللّٰهَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ

تک کہ مجھ پر بیہوشی طاری ہونے لگی اور میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔ نماز کے بعد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد و ثنا

لغات ② علانی۔ علو سے ماضی ہے۔ عام معنی بلند ہونے کے ہیں۔ اور غلبہ کے معنی میں ہے۔ غشی غشی (غشیۃ) کے اصل معنی ڈھکنے کے ہیں۔ یہاں عقل کا ڈھکنا یعنی بیہوشی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گرمی اور بہت دیر تک کھڑے رہنے کی وجہ سے مجھ پر غشی طاری ہونے لگی تھی۔ تفتنون۔ فتنہ سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ فتنے کے معنی آزمائش، امتحان ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ ان ھی الا فتنتک یہ سب تیری آزمائش ہے۔ جوہری نے کہا الفتنۃ، الامتحان۔ اہل عرب سونے کو پگھلا کر جب پرکھتے ہیں تو کہتے ہیں۔ فتنت الذہب۔ اور [illegible] فتنہ بمعنی فساد مستعمل ہے۔ مسیح کے معنی سفر کرنے والا، شہر شہر گھومنے والا۔ دجال دجل سے اسم مبالغہ ہے۔ دجل کے معنی جھوٹ بولنا، فریب دینا، حق کو باطل کے ساتھ ملانا۔ باطل سے حق کو چھپانا۔ دجال کے معنی یہاں بہت بڑا جھوٹا فریبی ہے۔ [illegible] جادوگر کے بھی ہو سکتے ہیں۔ مسیح دجال سے مراد قرب قیامت میں آنیوالا دجال ہے۔

تکمیل ③ پوری تفصیل باب الکسوف میں آئے گی۔ صرف مضمون کو ذہن نشین کرنے کے لئے بالاختصار درج ہے ۔۔۔ میں سورج میں گہن لگا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز کسوف کی منادی کرائی۔ صحابہ کرام نماز کیلئے جمع ہو گئے سورج گہن کی نماز حضور نے باجماعت پڑھائی۔ اسی اثنا میں حضرت اسماء ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملاقات کیلئے آئیں تو سب لوگوں کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہے ہیں اور یہ بھی نماز میں ہیں پوچھا کیا بات ہے؟ ام المومنین نے سر سے آسمان کی طرف اشارہ کیا کہ گہن ہے۔ اس لئے نماز پڑھی جا رہی ہے حضرت اسماء بھی نماز میں شریک ہو گئیں چونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس نماز میں قیام بہت زیادہ طویل کیا تھا حضرت اسماء پر گرمی اور دیر تک کھڑے رہنے کی وجہ سے غشی طاری ہونے لگی انھوں نے بار بار اپنے سر پر پانی ڈالا کہ بیہوش نہ ہو جائیں۔ نماز کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا جن جن چیزوں کو میں نے اب تک نہیں دیکھا تھا اب کی سب اس جگہ مجھے دکھا دی گئیں یہاں تک کہ میں نے جنت اور دوزخ بھی دیکھی۔ جس طرح دجال کے ذریعہ تمہارے ایمان و ثبات قدمی کی آزمائش ہوگی اسی کے قریب

ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ شَیْءٍ لَمْ أَكُنْ أُرِيتُهُ إِلَّا رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هٰذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ

پھر فرمایا جو چیز بھی مجھے اب تک نہیں دکھائی گئی تھی ان سب کو میں نے اپنی اس جگہ دیکھ لیا یہاں تک کہ جنت اور

فَأُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي قُبُورِكُمْ مِثْلَ أَوْ قَرِيبَ لَا أَدْرِي أَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ

دوزخ بھی پھر مجھے وحی کی گئی کہ تم لوگ اپنی قبروں میں آزمائے جاؤگے مسیح دجال کے فتنے کے قریب یا مثل مجھے یاد نہیں

أَسْمَاءُ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ ـ يُقَالُ مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ

اسماء نے ان دونوں میں سے کون سا لفظ کہا تھا (قریب یا مثل) پوچھا جائے گا اس مرد کے بارے میں کیا جانتے ہو، مومن یا موقن

أَوِ الْمُوقِنُ، لَا أَدْرِي أَيَّهُمَا قَالَتْ أَسْمَاءُ فَيَقُولُ هُوَ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ

یاد نہیں رہا اسماء نے کیا کہا تھا کہے گا یہ محمد ہیں رسول اللہ ہیں ہمارے پاس معجزات اور ہدایت لیکر

وَالْهُدَى، فَأَجَبْنَاهُ وَاتَّبَعْنَاهُ هُوَ مُحَمَّدٌ ثَلَاثًا فَيُقَالُ نَمْ صَالِحًا قَدْ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَ

تشریف لائے ہم نے ان کا پیغام قبول کیا انکی پیروی کی یہ محمد ہیں تین بار یہی کہے گا اس سے کہا جائیگا آرام سے سو جا۔ ہمیں معلوم ہے

قریب قبر میں بھی امتحان ہوگا۔ تیرے قبر میں سوال کیا جائے گا مومن صحیح جواب دیگا۔ منافق یہ کہے گا لوگوں کو میں نے کچھ کہتے سنا

تھا وہی میں نے بھی کہا تھا۔

حضور نے جمیع ماکان و مایکون کو دیکھا ⑵ حدیث کا یہ حصہ ما من شیٔ لم اکن اریتہ الا رأیتہ فی مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار

میں نے اب تک جن جن چیزوں کو نہیں دیکھا تھا۔ ان سب کو آج اس جگہ دیکھ لیا۔ اور یہ دیکھنا صرف عالم زیریں کے ساتھ

خاص نہیں۔ عالم بالا کی بھی تمام موجودات کو دیکھا یہاں تک کہ جنت اور دوزخ میں جانے والوں کو بالتفصیل

دیکھا یہ حدیث اس پر نص صریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع ماکان و مایکون کا علم عطا فرمایا گیا۔ خواہ رؤیت

سے مراد رؤیت بصری دیکھنا مراد لیا جائے۔ خواہ رؤیت قلبی علم مراد لیا جائے دونوں تقدیر پر جمیع ماکان و مایکون کے علم کا حصول ثابت

اس کی قدرے توضیح یہ ہے۔

شیٔ سے مراد موجود ہے۔ شرح عقائد میں ہے الشیٔ عندنا الموجود۔ اس لئے شی تمام موجودات کو عام ما من شئی

میں نکرہ تحت نفی ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے اس کا معنی یہ ہوا۔ ہر وہ موجود جو میں نے اب تک نہیں دیکھی تھی سب

دیکھ لیا۔ بلکہ علامہ عینی نے فرمایا۔

والشیٔ فی قولہ ما من شیٔ اعم العام وقد وقع ما من شیٔ میں شیٔ اعم العام ہے۔ اور نکرہ ہوتے ہوئے نفی کے

نکرۃ تحت النفی۔ تحت واقع ہے۔

لموقنا به. وَأمَّا المُنَافِقُ اَوِالمُرتَابُ لَا اَدرِی اَیَّ ذَالِكَ قَالَت اَسمَاءُ فَیَقُولُ

تھے کہ قرآن پر یقین رکھتا تھا۔ لیکن منافق یا مرتاب ، اسماء نے کیا کہا تھا یاد نہیں۔ کہے گا میں نہیں جانتا

لَا اَدرِی سَمِعتُ النَّاسَ یَقُولُونَ شَیئًا فَقُلتُهُ ؎

میں نے لوگوں کو جو کچھ کہتے سنا تھا۔ وہی میں نے بھی کہا۔

یعنی اس طرح عموم ہو کہ ہو گیا کہ تخصیص کی گنجائش نہ رہی۔ اس لئے یہ تمام موجودات ماضیہ و آئندہ کو عام ہے۔ یہاں تک کہ علامہ عینی فرماتے ہیں۔ کہ اس کے عموم میں باری تعالیٰ کا مشاہدہ بھی داخل ہے۔ فرماتے ہیں۔

نعم اذ الشئ یتناوله والعقل لا یمنعه والعرف ہاں اس لئے کہ شئ یعنی موجود باری تعالیٰ کو بھی شامل ہے عقلاً محال نہیں۔ عرفاً ذات باری تعالیٰ کو اس عموم میں داخل نہ ہونے
لا یقتضی اخراجه عنه
کی کوئی وجہ نہیں۔

جب یہاں اتنا عموم ہے کہ اس میں ذات باری تعالیٰ بھی داخل ہے تو جمیع ماکان و مایکون بدرجہ اولیٰ داخل۔

؎ اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا ؎ جب خدا ہی نہ چھپا، تم پہ کروروں درود

ہم نے با تفصیل کی قید اس لئے لگائی کہ اس حدیث کے دوسرے طرق میں جو الفاظ ہیں وہ تفصیل پر صراحۃً دال ہیں۔ مثلاً یہ کہ میں نے جہنم میں زیادہ عورتوں کو دیکھا۔ اسی لئے علامہ عینی نے فرمایا

وحی باطلاعه وتعریفه من امورها تفصیلاً مالم ان سب پر بذریعہ وحی آپ کو مطلع فرمایا جن کو اس سے پہلے
یعرفه قبل ذالك ؎ نہیں جانتے تھے۔

احکام ⑤ اس حدیث سے حسب ذیل مسائل ثابت ہوئے

(۱) سورج گہن کی نماز با جماعت مشروع ہے (۲) سورج گہن کی نماز کے بعد خطبہ مسنون ہے (۳) خطبے کی ابتدا میں حمد و ثنا ہونا چاہیئے (۴) نماز میں ضرورت کے وقت اشارہ کی اجازت ہے۔ (۵) جب تک بیہوشی طاری نہ ہو جائے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (۵) عمل قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (۶) جنت دوزخ مخلوق اور موجود ہیں (۷) نماز میں عورتوں کو کسی ضرورت کیلئے بھی بلند آواز سے تسبیح منع ہے لیکن اگر سننے والی عورت ہو تو جائز ہے۔ (۸) اللہ عز و جل کو حضور نے بیداری میں دیکھا (۹) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع ماکان و مایکون کا علم حاصل ہوا ہے۔

؎ ایضاً بخاری کتاب الطہارۃ من لم یتوضأ الا من الغشی المثقل کسوف خسوف کتاب الجمعۃ۔ من قال فی الخطبۃ اما بعد۔ کتاب السہو الاشارۃ فی الصلوٰۃ۔ کتاب الاعتصام بالاقتداء بافعال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ امام مسلم نے خسوف میں ذکر کیا۔ ؎ عینی ج ۲ ص ۹۶ ؎ عمدۃ القاری ج ۲ ص ۹۸

(۶۹) حدیث. سلونی عما شئتم

عَنْ اَبِی مُوسیٰ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت سی چیزوں کے بارے میں سوال

وَسَلَّمَ عَنْ اَشْیَاءَ کَرِھَھَا فَلَمَّا اُکْثِرَ عَلَیْہِ غَضِبَ ثُمَّ قَالَ لِلنَّاسِ سَلُوْنِی عَمَّا شِئْتُمْ

کیا گیا جو ناگوار ہوا۔ جب سوالات کی اور کثرت ہوئی تو جلال آگیا پھر فرمایا۔ تم لوگوں کا جو جی چاہے

فَقَالَ رَجُلٌ مَنْ اَبِی قَالَ اَبُوْکَ حُذَافَۃُ فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ مَنْ اَبِی یَا رَسُوْلَ

مجھ سے پوچھو۔ اس پر ایک صاحب نے پوچھا میرا باپ کون ہے؟ فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے اسکے بعد دوسرے شخص اٹھے اور پوچھا

اللّٰہِ قَالَ اَبُوْکَ سَالِمٌ مَوْلیٰ شَیْبَۃَ فَلَمَّا رَاٰی عُمَرُ مَا فِی وَجْہِہٖ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

یا رسول اللہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا۔ سالم شیبہ کا آزاد کردہ غلام ہے جب حضرت عمر نے روئے انور میں غضب کے آثار دیکھے

تشریحات (۶۹)

لغات ① اشیاء ۔ الف تانیث ممدودہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ اور یہ شی کی جمع نہیں اسم جمع ہے۔ اس میں الف ممدودہ زائد ہے۔ ورنہ الف تانیث نہ ہوگا۔ الف تانیث زائدہ ہے۔ الف ممدودہ اصلی علامت تانیث نہیں جیسے انبیاء اولیاء اشیاء اصل میں شیئاء تھا نعماء کے وزن پر خلاف قیاس قلب کرکے الف کے ہمزہ کو ابتدا میں لائے [1]

سائلین میں کون تھے؟ ② ان کا نام عبداللہ تھا جیسا کہ اس کے بعد والی حدیث میں تصریح ہے۔ اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ لوگ ان کے نسب میں شک کرتے تھے کبھی جھگڑے میں دوسرے کی طرف منسوب کر دیتے تھے حضور کے ارشاد کے بعد لوگوں کا شک و شبہ دور ہوگیا۔ دوسرے صاحب کا نام سعد بن سالم مولیٰ شیبہ تھا۔ ان کا بھی یہی حال تھا۔

③ اس سے مراد ایسے سوالات ہیں۔ جن سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ وابستہ نہ ہو۔ مثلاً نہ اس کا اعتقاد ضروری ہو نہ عمل۔ ایسے سوالات ممنوع ہیں۔ مثلاً یہ سوال کہ حضرت آدم نے سب سے پہلے کیا کھایا تھا۔ فدیۂ اسماعیل کا دنبہ کیا ہوا۔ یا یہ کہ سوالات آزمانے کیلئے کئے جائیں۔ یا عاجز کرنے کی نیت سے کئے جائیں۔ ایسے سوالات ممنوع ہیں۔ ورنہ اگر علم نہیں تو کفر و ایمان فرائض کا پوچھنا فرض واجبات کا واجب مستحبات کا مستحب۔ ارشاد ہے۔

فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اہل ذکر (علم) سے پوچھو جو تم نہ جانتے ہو۔

[1] علم الصیغہ۔

اِنَّا نَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ علہ

تو عرض کیا یا رسول اللہ! ہم سب اللہ عزوجل سے توبہ کرتے ہیں

(۷۰) حدیث ۔ اذا تکلم اعادھا ثلثا

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ حضور جب کوئی بات

اِذَا تَکَلَّمَ بِکَلِمَۃٍ اَعَادَھَا ثَلٰثًا حَتّٰی تُفْھَمَ عَنْہُ وَاِذَا اَتٰی عَلٰی قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَیْھِمْ سَلَّمَ عَلَیْھِمْ

فرماتے تو اسے تین بار فرماتے تاکہ وہ بات سمجھ لی جائے اور جب کسی قوم کے پاس تشریف لاتے اور سلام کرتے تو ان پر تین بار سلام

سلونی عما شئتم (۱) ما عموم کے لئے دین دنیا سب کو شامل ہے۔ نیز اس کے عموم پر یہ دلیل ہے کہ حضرت

اور حضرت سعد نے اپنے اپنے باپ کا نام پوچھا۔ یہ دنیوی سوال ہے۔

اس لئے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ تم لوگوں کا جو جی چاہے پوچھو خواہ وہ دنیا کی بات ہو یا دین کی۔ میں سب بتاؤں گا۔ یہ وہی کہہ سکتا ہے جو دین و دنیا کے تمام علوم رکھتا ہو تو اس حدیث سے بھی ثابت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دین اور دنیا کے جملہ علوم حاصل تھے اسی سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو یہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف دین کے جملہ علوم رکھتے تھے دنیا کے علوم میں یہ حال تھا کہ دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہ تھی۔

تشریحات (۷۰)

تین بار تکرار ہمیشہ نہیں تھی جب ضرورت ہوتی مثلاً بات اہم ہے یا الائق ہوتی یا یہ اندازہ ہوتا کہ لوگوں کے ذہن میں اچھی طرح نہیں آئی ہے۔ اس وقت تکرار فرماتے۔ تین بار سلام کی توجیہ دو ہے۔ ایک یہ کہ کسی کے گھر تشریف لے جاتے اور اذن کے لئے سلام کرتے تو اگر پہلی بار یا دوسری بار سلام پر اذن نہ ملتا تو تین بار سلام کرتے۔ اگر اذن ملتا تو اندر تشریف لے جاتے ورنہ واپس ہو جاتے جیسا کہ دوسری حدیث میں بالتصریح مذکور ہے کہ فرمایا۔

اذا استاذن احدکم ثلثا فلم یوذن لہ فلیرجع ۔ جب تین بار اذن چاہو اور اذن نہ ملے تو لوٹ آؤ

دوسری توجیہ یہ ہے کہ ایک سلام اذن کے لئے کرتے دوسرا سلام اندر جا کر تحیت کا کرتے اور تیسرا سلام واپسی کے وقت۔

علہ ایضا کتاب الاعتصام باب ما یکرہ من کثرۃ السوال ۔ علہ ایضا بخاری کتاب الاستیذان اذا سلم ثلثا ثلثا ترمذی ۔ استیذان مناقب

(۷۱) حدیث۔ ثلثۃ لهم اجران

حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور وہ عامر اپنے باپ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

ثَلٰثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ وَالْعَبْدُ

تین شخصوں کے لئے دو اجر ہے ایک وہ اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا

الْمَمْلُوكُ إِذَا أَدَّى حَقَّ اللَّهِ وَحَقَّ مَوَالِيهِ وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَةٌ يَطَؤُهَا فَأَدَّبَهَا

اور وہ غلام جو اللہ کا بھی حق ادا کرتا ہو۔ اور اپنے آقاؤں کے حق کا بھی اور وہ مرد جس کی کوئی لونڈی ہو جس سے ہم بستری کرتا تھا اور

تشریحات (۷۱)

لغات (۱) موالی۔ مولیٰ کی جمع ہے۔ مولیٰ، ولی یلی کا اسم مفعول ہے۔ اس کے متعدد معانی ہیں۔ مالک۔ آقا۔ احسان کرنے والا۔ جس پر احسان کیا جائے۔ مددگار۔ محب۔ حلیف۔ داماد۔ چچازاد بھائی۔ پڑوسی۔ جس نے غلام آزاد کیا ہو۔ آزاد شدہ غلام۔ یہاں مراد آقا ہے۔

(۲) یہاں کتاب سے مراد توراۃ اور انجیل دونوں ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ صرف انجیل مراد ہے۔ یہ اس تقدیر پر کہ دین عیسوی، دین موسوی کا ناسخ ہے۔ مگر صحیح تعمیم ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ آیت ان یہودی کے حق میں جنہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت نہیں پہنچی جیسے مدینہ طیبہ وغیرہ کے یہود۔ وہ بھی اس میں داخل ہیں۔ نیز اہل الکتاب سے وہ تمام یہود و نصاریٰ مراد ہیں جو اپنے کو یہودی یا نصرانی کہتے ہیں۔ اگرچہ وہ تحریف شدہ یہودیت و نصرانیت کے پابند ہوں۔ اسی لئے ہرقل کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لکھا تھا۔ اسلام قبول کر تجھے دوہرا اجر ملے گا۔ حالانکہ یہ محرف نصرانیت کا پابند تھا مراد خاص یہ جزئی فضیلت ہے۔ اسلئے اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس سے لازم آتا ہے کہ جو یہود و نصاریٰ ایمان لائے وہ تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ کہ انہیں دوہرا اجر ہے۔ اور بقیہ صحابہ کو ایک اجر۔ کیونکہ یہ صحابہ قوت ایمان زیادتی معرفت و دیگر علم طاعات کی وجہ سے افضل ہیں۔

(۳) جمع اس لئے فرمایا کہ العبد پر الف لام جنس کا ہے۔ اس جنس سے مراد جمع ہے۔ اور جمع کا جب جمع یا قائم مقام جمع کیساتھ تقابل ہو تو آحاد کی آحاد پر تقسیم ہوتی ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ غلام جو اپنے آقا کا حق ادا کرے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک غلام متعدد مالکوں کے مابین مشترک ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اپنے تمام مالکوں کا حق ادا کرے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک غلام

سلہ مرقات۔

فَاَحْسَنَ تَادِیْبَھَا وَعَلَّمَھَا فَاَحْسَنَ تَعْلِیْمَھَا ثُمَّ اَعْتَقَھَا فَتَزَوَّجَھَا فَلَهٗ اَجْرَانِ

اسے اچھی طرح ادب سکھایا اور عمدہ تعلیم دی پھر اسے آزاد کر دیا اس کے بعد اس سے نکاح کر لیا تو اس کے لئے دو اجر

ثُمَّ قَالَ عَامِرٌ اَعْطَیْنَاکَھَا بِغَیْرِ شَیْءٍ قَدْ کَانَ یُرْکَبُ فِیْمَا دُوْنَھَا اِلَی الْمَدِیْنَةِ [1]

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد عامر یعنی امام شعبی نے کہا ہم نے تم کو یہ حدیث بلا کسی عوض کے دیدی اس سے کم حاصل کرنے کیلئے مدینہ تک سفر کرنا پڑتا تھا

کے بعد دیگرے متعدد مالکوں کی ملکیت میں ہوتا ہے تو مراد یہ ہوئی کہ جن مالکوں کے ماتحت رہا۔ سب کا پورا حق ادا کیا۔

④ ایک لونڈی کے آزاد کرنے پر۔ دوسرا اس سے نکاح کرنے پر۔ لونڈی سے نکاح کرنے پر مزید ثواب کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر لونڈیوں سے نکاح ناپسند سمجھا جاتا ہے اگرچہ وہ آزاد شدہ ہوں۔ اگر یہ نکاح نہ کرتا تو اندیشہ تھا کہ اس لونڈی کی زندگی برباد ہو جاتی۔ اس نے نکاح کر کے صرف بربادی ہی سے نہیں بچایا بلکہ اسے عزت بھی بخش دی یہ موجب اجر ہے۔ نیز جب تعلیم یافتہ اور سلیقہ مند ہے تو اپنے شوہر کو بھی نیکیوں پر آمادہ رکھے گی برائیوں سے بچائے گی۔ تو یہ لونڈی اس کے لئے باعث خیر ہوگی۔ اس شخص نے کئی موجب ثواب کام کئے۔ اسے تعلیم دی۔ تربیت دی۔ آزاد کیا پھر نکاح کیا۔ اس اعتبار سے وہ کئی اجر کا مستحق ہے لیکن ذکر دو ہی اجر فرمایا۔ یہ لونڈی کی خصوصیت کے اعتبار سے ہے کہ بقیہ باتوں میں لونڈی کی تخصیص نہیں۔ کسی کو بھی تعلیم دیگا۔ کسی کی بھی تربیت کرے گا۔ ثواب پائے گا۔ تعلیم سے مراد علم دین سکھانا ہے۔ اور تربیت سے مراد دوسری باتوں کا سلیقہ اور ہنرمندی اچھی عادت سکھانا مراد ہے۔

⑤ اس حدیث کا ابتدائی حصہ یہ ہے کہ ایک خراسانی امام شعبی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا۔ ہمارے شہر کے بیشتر لوگوں کا کہنا ہے کہ جو شخص اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے گویا وہ اپنی ھدی پر سوار ہے۔ ھدی اس جانور کو کہتے ہیں جو حاجی اپنے ساتھ ایام حج میں قربانی کیلئے لے جائے۔ اور ہدی پر سواری منع ہے۔ اس پر امام شعبی نے یہ حدیث بیان فرمائی۔ [1] کہ یہ معیوب نہیں ایسا شخص دوہرے ثواب کا مستحق ہے پھر امام شعبی نے اس خراسانی سے فرمایا ہم نے بلا کسی عوض کے مفت میں یہ حدیث تم کو بتا دی حالانکہ اس سے کم کے لئے لوگوں کو مدینہ طیبہ جانا پڑتا تھا۔ یہ حال عہد نبوت اور خلفائے راشدین کے زمانے تک رہا۔ بعد میں صحابہ کرام تمام بلاد میں پھیل گئے اور اس کی ضرورت نہ رہی کہ حدیث معلوم

[1] مسلم کتاب الایمان علہ ایضا بخاری نکاح، اتخاذ السراری الانبیاء۔ واذکر فی الکتاب مریم۔ عتق۔ العبد اذا احسن عبادۃ ربہ، جہاد، فضل من اسلم من اہل الکتابین۔ مسلم ایمان ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی نکاح، مسند امام احمد۔

(۴۲) حدیث عظة النساء

سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ اَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ قَالَ عَطَاءٌ اَشْهَدُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَظَنَّ اَنَّهُ لَمْ يُسْمِعِ النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَجَعَلَتِ الْمَرْاَةُ تُلْقِي الْقُرْطَ وَالْخَاتَمَ وَبِلَالٌ يَاْخُذُ فِي طَرَفِ ثَوْبِهِ ع۱

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا عطاء نے کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ ابن عباس نے کہا کہ حضور (مردوں کی مجلس) سے باہر تشریف لائے اور حضور کے ساتھ بلال تھے۔ حضور کو گمان ہوا کہ میری بات عورتوں تک نہیں پہنچی (حضور عورتوں کے قریب آئے) اور انہیں وعظ فرمایا اور حکم دیا کہ صدقہ کریں (اس کا اثر یہ ہوا کہ) عورتیں اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں اتار اتار کر دینے لگیں۔ جنہیں بلال اپنے کپڑے کے دامن میں جمع کرنے لگے

لیے کیئے مدینہ طیبہ ہی جانا ضروری ہو۔ بلکہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ مدینہ طیبہ کے لوگ دوسرے بلاد میں حدیث حاصل کرنے تشریف لے گئے جیسا کہ حدیث ۳۸ کے تحت گذرا۔

(۲) دہرا ثواب کا استحقاق انہیں تینوں قسم کے لوگوں کے ساتھ خاص نہیں۔ کوئی بھی شخص ایسا کام کرے جو دہرے ثواب کا موجب ہو تو وہ دہرا ثواب پائے گا۔ مثلاً بیٹا، ماں، باپ کی بھی کما حقہ خدمت کرتا ہے۔ اور حقوق اللہ بھی ادا کرتا ہے۔ یوں ہی وہ حاکم اور علما کی بھی سچائی کے ساتھ پوری دیکھ بھال کرتا ہے اور اللہ عزوجل کے بھی تمام حقوق ادا کرتا ہے تو یہ لوگ بھی دہرے ثواب کے مستحق ہیں۔

تشریحات (۴۲)

عورتوں کے مجمع میں وعظ ممنوع ہے (۱) اس سے ثابت ہوا کہ خاص عورتوں کے مجمع میں جا کر مرد کو وعظ کہنا جائز ہے۔ امام نووی نے فرمایا یہ اس وقت ہے کہ کسی طرف فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اس زمانہ پر فتن میں چونکہ خشیت خداوندی نادر ہے۔ اور ہوا و ہوس غالب ہے۔ اس لیے اس کی اجازت نہیں۔

عورت بلا اذن شوہر صدقہ کر سکتی ہے (۲) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورت اپنا مال شوہر کی بلا اجازت صدقہ کر سکتی ہے۔ اور جن بعض احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر صرف کرنا جائز نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ شوہر کے مال میں، شوہر کی بلا اجازت تصرف جائز نہیں۔

ع۱ ایضاً مسلم، ابو داؤد، ابن ماجہ صلوٰۃ، نسائی صلوٰۃ۔ علم۔

(۸۳) حدیث۔ اسعد الناس بالشفاعۃ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ، اَنَّهٗ قَالَ، قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یارسول اللہ

اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ

قیامت کے دن آپ کی شفاعت کے ساتھ سب سے زیادہ سعادت اندوز کون ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ لَقَدْ ظَنَنْتُ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ اَنْ لَّا یَسْاَلَنِیْ عَنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ اَحَدٌ اَوَّلُ

اے ابوہریرہ میں جانتا تھا کہ تم سے پہلے یہ بات کوئی نہیں پوچھے گا۔ کیونکہ تمہارے حدیث کے شوق کو جانتا تھا

مِنْكَ لِمَا رَاَیْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَی الْحَدِیْثِ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ یَوْمَ

قیامت کے دن میری شفاعت کے ساتھ

الْقِیَامَةِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِهٖ اَوْ نَفْسِهٖ عله

سب سے زیادہ سعادت اندوز وہ ہے جس نے سچے دل سے لا الہ الا اللہ کہا۔

تشریحات (۸۳)

(۱) یہاں قیل ہے جس سے معلوم ہوتا کہ پوچھنے والے کوئی اور صاحب ہیں۔ حالانکہ اس حدیث کے پچھلے حصے سے ظاہر ہے کہ پوچھنے والے حضرت ابوہریرہ ہی ہیں۔ اسی لئے امام قاضی عیاض نے فرمایا یہ تصحیف ہے صحیح قیل کے بجائے قلت ہے جیسا کہ صفۃ الجنۃ والنار میں خود امام بخاری نے قیل کے بجائے قلت روایت کیا ہے۔

شفاعت کے مدارج (۲) یہ اس لئے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کے مختلف مدارج ہیں۔ پہلا درجہ میدان حشر کی ہولناکی میں تخفیف۔ یہ سب کے لئے ہوگی۔ دوسرے بعض کفار کے عذاب میں تخفیف جیسا کہ ابوطالب کے بارے میں وارد ہے۔ تیسرے بلا حساب وکتاب کچھ لوگوں کو جنت میں داخل کرنا۔ چوتھے کچھ لوگ مستحق نار ہونگے انھیں جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کرنا۔ پانچویں جو جہنم میں جا چکے ہونگے انھیں سزا کی میعاد سے پہلے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کرنا۔ چھٹے کچھ جنتیوں کے درجات بلند کرنا۔ ان میں دو پہلی والی شفاعت سے مومن اور کافر بھی بہرہ ور ہونگے۔ اور بقیہ چار خاص مومنین کا حصہ ہے۔ ان چاروں میں کفار کا کوئی حصہ نہیں۔ تو ظاہر ہوگیا کہ مومنین کو کفار کی بہ نسبت کفار کے زیادہ حصہ ملا۔ اسی لئے فرمایا۔ سب سے زیادہ میری شفاعت سے سعادت اندوز سچے دل سے ایمان قبول کرنے والا ہے۔

عله بخاری کتاب الرقاق باب صفۃ الجنۃ والنار۔ مسند امام احمد

ت ⑲ وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اِلٰى اَبِيْ بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ اُنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ

اور عمر بن عبد العزیز نے ابو بکر بن حزم کو لکھا کہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو

حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبْهُ فَاِنِّيْ خِفْتُ

حدیث ہو اسے لکھ لو۔ اس لئے کہ مجھے علم مٹ جانے اور علماء کے اٹھ جانے کا اندیشہ ہے

دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ وَلَا يُقْبَلُ اِلَّا حَدِيْثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کے سوا اور کچھ نہ قبول کی جائے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلْيُفْشُوا الْعِلْمَ وَلْيَجْلِسُوْا حَتّٰى يُعَلَّمَ مَنْ لَّا يَعْلَمُ فَاِنَّ الْعِلْمَ

اور علم کو خوب پھیلاؤ۔ اور (عوام میں) بیٹھو تاکہ بے علم علم حاصل کریں کیونکہ جب تک علم کو راز

لَا يَهْلِكُ حَتّٰى يَكُوْنَ سِرًّا

نہیں بنایا جائے گا علم اٹھے گا نہیں

اقرار باللسان کی اہمیت ③ یعنی صدق دل سے مسلمان ہو اہو منافق نہ ہو، مگر عقلاً ثابت کرے اقرار باللسان جسے کوئی مانع نہ ہو اس پر اقرار باللسان لازم ہے۔

فوائد اس حدیث سے ثابت ہوا کہ علم دین کا شوق پسندیدہ ہے۔ اور ثابت ہوا کہ استاذ اپنے ذہین اور شوقین تلمیذ کی حوصلہ افزائی کرے۔ نیز ثابت ہوا کہ مومنین کے لئے شفاعت حق ہے۔

تشریحات ⑱

ابوبکر بن حزم مدنی انصاری ① ان کا نام ابو بکر اور کنیت ابو محمد۔ یہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی جانب سے مدینہ طیبہ کے حاکم تھے۔ اسی وجہ سے انھیں خصوصیت سے احادیث جمع کرنے کا حکم دیا۔ ان کا وصال ۱۲۰ھ میں ہشام بن عبد الملک کے عہد میں ہوا۔ چوراسی سال کی عمر پائی۔

② تدوین حدیث کی مختصر تاریخ مقدمہ میں مذکور ہے۔ اسی کی ایک کڑی یہ حکم بھی ہے۔ چونکہ حکم صرف احادیث جمع کرنے کا ہے۔ اسی لئے تاکید کر دی کہ اس میں دوسروں کے اقوال نہ لکھے جائیں۔ تاکہ التباس نہ ہو۔ اس عہد خیر القرون میں جب علم کے اٹھ جانے کا خطرہ تھا تو آج بدرجہ اولیٰ ہے۔ اس لئے علمائے دین کی ذمہ داری ہے کہ علم کی زیادہ سے زیادہ خوب اشاعت کریں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کا یہ حکم ابو بکر بن حزم کو صرف نہ تھا۔ بلکہ تمام آفاق کے لوگوں کو بھی تھا۔ جیسا کہ ابو نعیم

(۸۴) حدیث قبض العلم

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا فرما

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا یَنْتَزِعُہٗ مِنَ الْعِبَادِ

ے کہ اللہ عزوجل علم کو یوں نہیں اٹھائے گا کہ بندوں کے سینوں سے چھین لے۔ ہاں علماء

لٰکِنْ یَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰی اِذَا لَمْ یُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا

اٹھاکر علم بھی اٹھائے گا یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے ان

جُہَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا عه

ے مسئلہ پوچھا جائے گا یہ بے علم کے فتویٰ دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے

نے تاریخ اصفہان میں ذکر کیا ہے۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۔ حتی یکون سراً ۔ تک عمر بن عبد العزیز ہی کا قول ہے ۔ اس کا احتمال ضرور ہے

مگر اظہر یہ ہے کہ ۔ ذھاب العلماء ۔ تک ۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کا قول ہے ۔ اور بقیہ امام بخاری کا اضافہ

جیسا کہ بعد میں اس کے متصل ہی امام بخاری نے سند کے ساتھ صرف ۔ ذھاب العلماء ۔ تک ذکر کیا ہے۔

(۸۴) تشریحات

تکمیل (۱) یہ حدیث حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا اس کا ابتدائی حصہ یہ ہے ارشاد فرمایا علم کو حاصل کرو قبل اس کے کہ اٹھالیا جائے اس پر ایک اعرابی نے عرض کیا کیسے اٹھالیا جائے گا فرمایا ۔ علم کا اٹھنا علماء علم کی وفات ہے ۔ تین بار فرمایا

فوائد (۲) اس حدیث سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں۔

(۱) ایسا زمانہ آسکتا ہے کہ کوئی مجتہد نہ ہو ۔ (۲) جاہل کو مذہبی پیشوا یا مفتی بنانا حرام ۔ (۳) افتاء دینی ریاست اور مفتی دینی رئیس ہے ۔

عه ایضاً الاعتصام ۔ باب ما یذکر من ذم الرای ۔ مسلم علم ۱۳-۱۴ ۔ ترمذی علم ۵۴ ۔ ابن ماجہ نے مقدمہ ۸ ۔ دارمی نے مقدمہ ۳۶ ۔ مسند امام احمد ۔ علاوہ ازیں نسائی نے علم ۔ ابن ماجہ سنن ۔

حدیث (۵) تعیین الیوم للوعظ

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالی عنہ قال قالت النساء للنبی

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے عورتوں نے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے عرض کیا

صلی اللہ تعالی علیہ وسلم غلبنا علیک الرجال فاجعل لنا یوما من

آپ کی بارگاہ میں مرد ہم پر غالب ہیں حضور اپنی طرف سے ایک دن ہمارے لئے

نفسک فوعدھن یوما لقیھن فیہ فوعظھن وامرھن فکان فیما قال

حضور نے عورتوں سے ایک دن ملنے کا مقرر کرکے وعدہ فرمالیا اس دن عورتوں کے پاس تشریف لیگئے انہیں

لھن ما منکن امرأۃ تقدم ثلثۃ من ولدھا الا کان لھا حجابا من النار

وعظ فرمایا انہیں احکام دیے ان ارشادات میں یہ تھا تم میں سے جو عورت تین بچے آگے بھیجدے یہ بچے اس کیلئے

فقالت امرأۃ واثنین فقال واثنین ۱؎

جہنم سے آڑ ہونگے اس پر ایک عورت نے عرض کیا اور جس نے دو بھیجا ہو فرمایا دو کا بھی یہی حکم ہے۔

تشریحات (۵)

(۱) ذکری مجلس کے لئے دن معین کرنا سنت ہے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے کہ عورتوں کی درخواست پر فرمایا فلاں عورت کے گھر جمع ہو جانا اس دن گھر میں تشریف لے گئے اور انہیں وعظ فرمایا۔
اس سے ثابت ہوا کہ ذکر خیر یا کار خیر کیلئے دن اور جگہ مقرر کرنا سنت ہے جیسے وعظ میلاد شریف نیاز فاتحہ عرس وغیرہ

(۲) نابالغ بچوں کے فوت ہونیکا ثواب اس کے بعد والی حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے کہ ایسے بچے جو نابالغ ہوئے ہوں۔ مراد یہ ہے کہ جس عورت کے تین نابالغ بچے فوت ہو گئے ہوں اور اس نے صبر کیا اسے جہنم سے نجات ہے بایں طور کہ یہ بچے شفاعت کرکے جہنم سے بچائیں گے۔ یا اللہ عزوجل انکی میت پر رحم فرما کر بخش دیگا۔ عورت کی تخصیص نہیں، مرد بھی اس میں داخل ہیں۔ جیسا کہ کتاب الجنائز میں حضرت انس کی حدیث میں ہے ما من الناس مسلم کسی بھی مسلمان مرد کے تین بچے فوت ہوں اور ترمذی شریف میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ما من مسلمین یتوفی لھما یعنی جن دو مسلمان کے تین بچے فوت ہو جائیں۔ تین اور دو کی بھی تخصیص نہیں بلکہ ایک

۱؎ اعلام بخاری ۱ جنائز فضل من مات لہ ولد۔ اعتصام تعلیم الرجل امتہ۔ میں لعدہ مسلم نے مسائل میں (۲۰۷) ...
اور نسائی نے قبور میں (۱۴۲) ابن ماجہ نے اوقات میں (۲۶) اور امام احمد نے اپنی مسند میں بھی ذکر کیا ہے۔

(۷۶) حدیث۔ من کذب علی

سمعت ربعی بن حراش یقول سمعت علیا یقول قال النبی صلی

ربعی بن حراش کہتے ہیں میں نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بچے کے بھی فوت ہو پر یہ ثواب ہے۔ جیسا کہ ترمذی کی متعدد احادیث میں تصریح ہے۔ کہ عرض کیا گیا، دو، تو فرمایا دو بھی پھر عرض کیا گیا ایک۔ تو فرمایا ایک بھی۔ نابالغ کی تخصیص اس لئے ہے کہ ماں باپ کو چھوٹے بچوں سے زیادہ محبت ہوتی

(۳) یہ عرض کرنیوالی یا تو ام سلیم تھیں یا ام ایمن یا ام بشر۔ تینوں روایتیں ہیں۔

تشریحات (۷۶)

ربعی بن حراش (۱) تابعی ثقہ ہیں۔ زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولے۔ ان کے دو بیٹے حجاج کے باغی تھے۔ حجاج نے ان کے پاس آدمی بھیجا۔ حجاج کے فرستادے نے ان سے پوچھا کہ تمہارے بیٹے کہاں ہیں۔ بتا دیا گھر میں ہیں۔ حجاج نے جب سنا تو یہ کہہ کر معاف کر دیا۔ تم دونوں کے باپ کے سچ بولنے کی وجہ سے معاف کر دیا۔ یہ قسم کھائی اس وقت تک نہ ہنسوں گا جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ میرا ٹھکانہ جنت میں ہے یا دوزخ میں۔ عمر بھی نہ ہنسے کے بعد مسکراتے رہے تھے۔ ربعی کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صرف اس ایک حدیث کا سننا ثابت ہے۔ عمر بن عبد العزیز کی خلافت یا ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) نام علی ہے کنیت ابو الحسن، ابو تراب ہے۔ حیدر، اسد اللہ خطابات ہیں۔ انھیں اپنی کنیت ابو تراب بہت پسند تھی۔ اس لئے کہ یہ کنیت خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رکھی تھی۔ ان میں اور سیدہ میں کچھ شکر رنجی ہو گئی۔ یہ مسجد میں فرش پر جا سوئے۔ آنحضور تشریف لائے۔ انھیں اٹھایا جسم پر گرد لگی تھی۔ فرمایا۔ قم یا ابا تراب۔ اے ابو تراب اٹھو۔

اعلان نبوت سے دس سال پہلے پیدا ہوئے۔ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے ان کی تربیت آغوش نبوت میں ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی سب سے چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہ کے ساتھ ان کی شادی فرمائی۔ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور حق جاں نثاری ادا کیا سوائے غزوہ تبوک کے۔ اس موقع پر مدینہ طیبہ میں ان کو اپنا نائب بنا کے رکھا تھا۔ ان کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کے صاحبزادے اور حضور کے محبوب داماد اور پروردہ ہیں۔ مدینہ طیبہ میں جب رشتہ مواخات قائم فرمایا۔ تو ازراہ کرم ان سے فرمایا۔ انت اخی فی الدنیا والآخرۃ۔ سابقین اولین خلفائے راشدین عشرہ مبشرہ اور

...اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا تکذبوا علیّ فانہ من کذب علیّ فلیلج النار

مجھ پر جھوٹ مت باندھو کیونکہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا جہنم میں جائے گا

ان چھ افراد خاص میں ہیں جن سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے راضی گئے صحابہ کرام کی صف اولوں کے علماء ربانیین اور دنیا کے بہادروں میں سب سے یکتا ہیں۔ یہی وہ بطل جلیل ہیں جنھوں نے عمرو بن عبد ود کو قتل کیا اور خیبر میں مرحب کو خاک وخون میں ملاکر خیبر فتح فرمایا۔ جنگ احد میں انتہائی نازک وقت میں بھی ساتھ ساتھ رہے اس غزوہ میں سولہ زخم کھائے مگر قدم میں لغزش نہ ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد باتفاق تمام اہل حل وعقد ۳۵ھ میں ذوالحجہ میں خلیفہ منتخب ہوئے۔ تین ماہ کچھ دن کم پانچ سال تک مسند آرائے خلافت رہے۔ اٹھارہ رمضان المبارک ۴۰ھ میں نماز فجر کیلئے جاتے ہوئے مسجد کوفہ میں عبد الرحمن ابن ملجم نے سر پر زہر آلود تلوار ایسی ماری کہ دماغ تک پہونچ گئی۔ تیسرے دن بیس رمضان کو اسی صدمے سے وصال فرمایا۔ حضرت حسن، حسین اور عبد اللہ بن جعفر طیار نے غسل دیا۔ حضرت امام حسن نے نماز جنازہ پڑھائی۔ دار الامارت کوفہ ہی میں مدفون ہوئے۔ عمر مبارک تریسٹھ سال کی ہوئی۔ حضرت علی سے پانچ سو چھیاسی حدیثیں مروی ہیں۔ بخاری اور مسلم دونوں نے بائیس، اور تنہا بخاری نے نو اور پندرہ صرف مسلم نے ذکر کی

(۳) علم دین اور اسکی نشر واشاعت کے فضائل بیان کرنے کے بعد ضروری تھا کہ جہل بنام علم کے مفاسد اور اس پر جو وعیدیں وارد ہیں ان کو بھی بیان کر دیا جائے۔ اس لئے کہ علم سے جتنا نفع نہیں ہوتا، جہل بصورت علم سے کہیں زیادہ نقصان ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ اہم بات احادیث کریمہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات دین ہیں اب اگر کوئی فتنہ پرور اپنی کسی بات کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے یہ کہے کہ یہ حضور اقدس کا ارشاد ہے۔ تو اس سے دین میں کتنا بڑا رخنہ پیدا ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہاں احادیث کے یاد کرنے، انکی نشر واشاعت کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دی ہے وہیں حدیث گڑھ کر حضور کی طرف منسوب کرنے کی بشدت ممانعت فرمائی ہے۔ اور اس پر سب سے بڑے عذاب جہنم کی وعید فرمائی ہے۔ اس اہمیت کے پیش نظر امام بخاری نے اس مضمون کی پانچ احادیث پانچ صحابہ سے مروی یہاں ذکر کیں۔

حدیث گڑھنا بہر حال حرام ہے (۴) جھوٹی حدیث وضع کرنی بہر حال حرام قطعی واشد کبیرہ ہے۔ خواہ وہ عقائد

ف۔ یہ حدیث امام مسلم نے مقدمہ، ترمذی نے علم میں، ... مناقب میں، نسائی نے علم میں، ابن ماجہ نے سنت میں، امام احمد نے مسند میں بھی ذکر کیا ہے۔

۷۷ حدیث ایضاً

عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الزُّبَیْرِ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قُلْتُ لِلزُّبَیْرِ اِنِّیْ لَا

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا میں نے (اپنے والد) زبیر سے کہا

یہ علم ہوتے ہوئے کہ یہ حدیث کی ہوں خواہ احکام کی خواہ وہ فضائل ومناقب کی ہوں، خواہ ترغیب وترہیب کی موضوع ہے اس کے موضوع ہونے کو ظاہر کیے بغیر اسے بیان کرنا بھی حرام ہے۔

وضع کا حکم لگانے میں احتیاط لازم ہے ⑤ جس طرح حدیث گڑھنا حرام ہے اسی طرح کسی حدیث کا انکار بھی گمراہی ہے۔ اس لئے اس معاملے میں دونوں طرف کافی احتیاط کی ضرورت ہے۔ علمائے سلف ان تمام کاموں سے فارغ ہو چکے اب ہم پر ان کی اتباع لازم ہے۔ علامہ عینی نے یہاں یہ بھی تاکید فرمائی ہے۔ احادیث پوری صحت کیساتھ پڑھی جائیں ان میں کوئی صرفی نحوی غلطی نہ ہو جتنے نام ہوں صحیح پڑھے جائیں ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ بھی اس وعید میں داخل نہ ہو جائے۔ اسی طرح حرف کو صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کرے ورنہ اس وعید میں ضرور داخل ہوگا اگر معنی فاسد ہو گئے ورنہ بہرحال ضرور ہے۔

فلیلج النار کی توجیہ ⑥ فلیلج النار صیغۂ امر خبر کے معنی میں ہے یعنی اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جہنم میں جائے گا اس کی موید مسلم شریف کی روایت بطریق غندر عن شعبہ کا جملہ فرمایا۔

مَنْ یَکْذِبْ عَلَیَّ یَلِجِ النَّارَ۔ جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا جہنم میں جائیگا۔

نیز ابن ماجہ بطریق شریک عن منصور کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے جس میں یوں ہے کہ فرمایا۔

اَلْکِذْبُ عَلَیَّ یُوْلِجُ النَّارَ۔ مجھ پر جھوٹ باندھنا جہنم میں داخل کرے گا۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ بد دعا ہے۔

تشریحات ۷۷

زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ① یہ حضرت خدیجہ کے چچا عوام کے بیٹے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب کے صاحبزادے ہیں سابقین اولین اور عشرہ مبشرہ اور ان چھ نفوس قدسیہ میں سے ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راضی رہتے ہوئے دنیا سے تشریف لے گئے۔ سولہ سال کی عمر میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ کے ہاتھ پر بالکل ابتدا میں جب کہ تین یا چار حضرات مشرف باسلام ہوئے تھے۔ ایمان قبول فرمایا۔

آپ ان کے چچا چٹائی میں لپیٹ کر دھونی دیتے۔ مگر یہ فرماتے میں ہرگز کافر نہ ہوں گا۔ سب سے پہلے راہ خدا میں انہوں نے اپنی تلوار نیام سے نکالی۔ ہوا یہ کہ ایک بار مکے میں دشمنوں نے مشہور کر دیا کہ رسول اللہ گرفتار کر لیے گئے یہ سنتے ہی تلوار نیام سے کھینچ کر لوگوں کی بھیڑ چیرتے ہوئے نکلے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکے کے بالائی حصے میں تھے۔ جب حاضر خدمت ہوئے پوچھا کیا بات ہے؟ واقعہ عرض کیا حضور نے ان کے لئے اور ان کی تلوار کے لئے دعا فرمائی دونوں ہجرتیں کیں۔ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور بہت نمایاں معرکے سر کئے۔ غزوۂ خندق میں ایک رات سخت سردی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کوئی ہے جو دشمنوں کا حال معلوم کر کے آئے تین بار فرمایا۔ مگر کوئی تیار نہیں ہوا۔ تیسری بار یہ آمادہ ہو گئے۔ اور دشمن کے کیمپ میں جا کر حال معلوم کر کے آئے اس وقت ارشاد فرمایا۔

لکل نبی حواریون وحواری الزبیر۔ ہر نبی کے کچھ خاص معتمد مددگار ہوتے ہیں اور میرا خاص معتمد مددگار زبیر ہے۔

غزوۂ احد میں یہ بھی ان چودہ جاں نثاروں میں تھے جو شمع رسالت کے لئے حصار بنے رہے۔

جنگ جمل میں حضرت علی کے مقابل تھے ایک بار آمنا سامنا ہوا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ ارشاد یاد دلایا۔ اے زبیر تم ایک دن علی سے لڑو گے اور تم ظالم ہو گے یہ سنتے ہی میدان جنگ سے چل پڑے۔ بصرہ کے قریب ہی وادی سباع کے ایک گاؤں سفوان میں ہو چکر نماز پڑھ رہے تھے کہ عمرو بن جرموز التیمی نے چپکے سے پیچھے سے نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ حضرت علی کی خدمت میں عمرو ان کی تلوار لے کر حاضر ہوا اور کہا میں نے زبیر کو قتل کر دیا حضرت علی نے فرمایا یہ تلوار مدت دراز تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مصائب دور کرتی رہی۔ ابن صفیہ کے قاتل کو جہنم کی بشارت ہو۔ عمرو نے کہا اے علی آپ کی ذات مسلمانوں میں عجب و غریب ہے آپ کا دوست بھی جہنمی اور دشمن بھی جہنمی۔ اس وقت وہیں دفن کر دیئے گئے۔ بعد میں منتقل کر دیے گئے۔ بصرہ میں مزار مبارک مشہور و معروف ہے ۳۶ھ میں شہادت ہوئی۔ باسٹھ سال کی عمر پائی۔

اغنیاء صحابہ میں سے تھے۔ وفات کے وقت کروڑوں نقد ترکہ چھوڑا تھا۔ ان سے اڑتیس حدیثیں مروی ہیں۔ دو متفق علیہ اور سات افراد بخاری سے ہیں۔

(۲) ابن ماجہ میں خاص عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام مذکور ہے۔

اَسْمَعُكَ تُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتے ہوئے آپ کو نہیں سنتا جیسا کہ

يُحَدِّثُ فُلَانٌ وَفُلَانٌ قَالَ اَمَا اِنِّىْ لَمْ اُفَارِقْهُ وَلٰكِنْ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ

فلاں اور فلاں بیان کرتے ہیں زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا سنو! میں رسول اللہ سے (سفر حضر میں) جدا نہ ہوا لیکن

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ عه (٨) حديث. ايضا. قَالَ

میں نے حضور کو یہ فرماتے سنا جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے

اَنَسٌ اِنَّهُ لَيَمْنَعُنِىْ اَنْ اُحَدِّثَكُمْ حَدِيْثًا كَثِيْرًا اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا مجھے بہت زیادہ حدیثیں بیان کرنے سے یہ بات روکتی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ عه

وسلم نے فرمایا جو قصداً مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

حضرت زبیر کے حضور سے رشتے (٣) زبیر بن بکار نے کتاب النسب میں اسے یوں روایت کیا کہ عبداللہ بن زبیر نے فرمایا مجھے اپنے والد حضرت زبیر کے حدیث کم بیان کرنے سے تکلیف تھی اس کو میں نے ان سے پوچھا تو فرمایا اے بیٹے میرے اور حضور کے مابین جو رشتے ہیں وہ تم جانتے ہو۔ انکی پھوپھی صفیہ میری ماں ہیں اور انکی زوجہ خدیجہ میری پھوپھی اور ان کی والدہ آمنہ اور میری دادی ہالہ بنت وہیب بہن ہیں۔ تمہاری ماں اور ان کی اہلیہ عائشہ بہن ہیں لیکن چونکہ میں نے حضور سے ایسا سنا ہے اس لئے حدیث کم بیان کرتا ہوں

حضرت زبیر کی احتیاط کا نکتہ (٤) حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ کثرت سے حدیثیں بیان کرنے میں خطا کا اندیشہ ہے اس لئے میں احتیاط کرتا ہوں۔ اگرچہ حرام و گناہ بالقصد جھوٹ باندھنا ہے اور سہو یا غلط اگر جھوٹ صادر ہو جائے تو معاف ہے مگر جب کسی کو کثرت سے حدیث بیان کرنے میں خطا کا اندیشہ ہو تو خود بکثرت احادیث بیان کرنا ممنوع ہے۔ اس میں بڑا فساد یہ ہے کہ لوگ ثقہ کی روایت پر اعتماد کر کے اسے قبول کریں گے اس کے مطابق اعتقاد رکھیں گے اس پر عمل کریں گے حالانکہ یہ اعتقاد و عمل ایسی بات پر ہوگا جو شارع نے نہیں فرمایا اسی لئے محتاط صحابہ نے کثرت سے احادیث بیان کرنے سے پرہیز فرمایا رہ گئے مکثرین تو انھیں اپنے حافظہ پر اعتماد

عه اسے ابو داؤد اور نسائی نے علم میں اور ابن ماجہ نے سنت میں ذکر کیا ہے عه اسے امام مسلم اور نسائی نے بھی علم میں ذکر کیا ہے۔

(۷۹) حدیث - ایضاً

عَنْ سَلَمَةَ هُوَ ابْنُ الْاَكْوَعِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا

يَقُوْلُ مَنْ يَّقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔

جس نے میری طرف منسوب کرکے وہ بات کہی جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے

اور وہ قوی تھا بیان کرنے میں انھیں خطا کا اندیشہ نہ تھا اس لئے بیان فرمایا یا یہ کہ انکی عمر زیادہ ہوئی ان سے نئے حوادث اور واقعات پیدا ہوئے۔ اور لوگوں نے ان سے سوالات کئے اور عدم سوال کتمان علم ہوا۔ اس سے بچنے کے لئے انھوں نے جو یاد تھا فرمادیا

حضور پر بالقصد جھوٹ باندھنا حرام ہے (۵) یہاں تعمداً نہیں جیسا کہ سابق اور اس کے بعد کی حدیث میں نہیں ہے۔ اور یہ طے ہے کہ وعید اسی صورت میں ہے جبکہ قصداً جھوٹ باندھا جائے۔ اس پر اجماع امت ہے کہ اس بارے میں بھی خطا وسہو معاف ہے

تشریحات (۷۹)

سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) بہت بہادر [illegible] تھے بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے انھوں نے تین بار بیعت کی شروع میں، درمیان میں، آخر میں۔ یہی وہ بزرگ ہیں کہ ان سے بھیڑیے نے کلام کیا ہوا یہ کہ انھوں نے ایک بھیڑیے کو دیکھا کہ وہ ایک ہرن پکڑے ہوئے ہے انھوں نے بھیڑیے کا پیچھا کیا۔ اور اس سے ہرن چھین لیا اس پر بھیڑیے نے کہا [illegible] اللہ نے مجھے رزق دیا تو نے اسے چھین لیا حالانکہ وہ تیرا مال نہیں۔ یہ سن کر انھوں نے کہا اے اللہ کے بندو کتنی عجیب بات ہے کہ بھیڑیا کلام کر رہا ہے۔ اس پر بھیڑیے نے کہا اس سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کھجوروں میں اللہ کے رسول ہیں جو تم کو اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں اور تم بتوں کی عبادت پر مُصر ہو۔ یہ سن کر سلمہ خدمت اقدس میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوگئے۔ مشکوۃ میں بھی ایک بھیڑیے کے کلام کرنیکا واقعہ ہے جس میں یہ ہے کہ ایک یہودی چرواہے کیساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ اور بھیڑیے نے یہ کہا اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ ہے کہ ایک صاحب ان دونوں سنگستانوں کے درمیان نخلستان میں ہیں۔ جو تم کو ان تمام باتوں کی خبر دیتے ہیں جو گذر چکا اور ان تمام باتوں کی بھی جو تمہارے بعد ہوں گی اس یہودی نے خدمت میں آکر بتا دیا اور مسلمان ہوگیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق کی اور

۸۰ حدیث ایضاً

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ قَالَ تَسَمُّوْا بِاسْمِیْ وَلَا تَكْتَنُوْا بِكُنْیَتِیْ وَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ

میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے بلاشبہ

فرمایا یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ انسان جب اپنے گھر واپس ہوگا تو اس کے جوتے اور اس کا کوڑا بتائے گا کہ تمہارے گھر سے جانے کے بعد گھر والوں نے کیا کیا علہ۔

حضرت سلمہ نے مدینہ طیبہ میں ۷۴ھ میں اسی سال کی عمر پا کر وصال فرمایا۔ ان سے ستہتر حدیثیں مروی ہیں سو متفق علیہ پانچ افراد بخاری اور نو افراد مسلم سے ہیں۔

(۲) بخاری میں بیس سے زائد ایسی احادیث ہیں جن کو ثلاثیات کہتے ہیں یعنی ان کی سندیں بہت مختصر ہیں۔ امام بخاری اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مابین صرف تین راوی ہیں۔ یہ حدیث ثلاثیات میں سب کی اعلیٰ ہے۔

روایت بالمعنی (۳) جو لوگ روایت بالمعنی جائز نہیں مانتے وہ لوگ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس لئے کہ قول لفظ و معنی کے مجموعے کو کہتے ہیں اگر لفظ بدل گیا تو بعینہ وہی قول نہ رہا۔ لیکن جمہور روایت بالمعنی کو جائز مانتے ہیں اور یہی صحیح ہے۔ اور اس حدیث کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ لفظ ایسا بدل دے کہ معنی کچھ کے کچھ ہو جائیں یہ حرام ہے۔ اس اختلاف کے باوجود سب کا اس پر اتفاق ہے کہ روایت باللفظ اولیٰ ہے۔

۸۰ تشریحات

لغات (۱) کسی چیز کے خاص نام سے اگر تعریف یا برائی ظاہر ہو تو اسے لقب کہتے ہیں جیسے صدر الشریعہ مفتی اعظم ہند ورنہ اگر اس کے شروع میں اب یا ام ہو تو کنیت ہے۔ جیسے ابو بکر، ابو حفص۔ ورنہ نام ہے جیسے عمر، عثمان۔ شیطان یا تو شاط بمعنی ھلک سے مشتق ہے اس تقدیر پر یہ فعلان کے وزن پر ہوگا اس میں الف نون زائدتان ہوں گے اور یہ غیر منصرف ہوگا یا شیطن بمعنی بعد سے مشتق ہے تو یہ فیعال کے وزن پر ہوگا اسکا نون اصلی ہوگا اس تقدیر پر یہ منصرف ہوگا جن، انسان، جانوروں میں جو سرکش متمرد موذی ہو اسے شیطان کہتے ہیں۔ یہاں مراد مشہور و معروف شیطان ہے۔

علہ مشکوٰۃ، معجزات، فصل ثانی ۵۴۲

فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِي صُورَتِي. وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ

دیکھا اس لیے کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا اور جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے وہ اپنا

مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ عه

ٹھکانا جہنم بنالے

نام نامی اور کنیت کا حکم

(۲) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ تک یہ حکم تھا کہ نام نامی اور کنیت مبارکہ ابو القاسم کسی کی رکھنی جائز نہیں اس کا سبب یہ تھا کہ یہود ابو القاسم کنیت رکھتے تھے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھتے تو پکارتے۔ اے ابو القاسم جب متوجہ ہوتے تو کہتے آپ کو نہیں بلایا ہے۔ چنانچہ صحیحین اور ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے حضور کو دیکھ کر کہا۔ اے ابو القاسم جب حضور متوجہ ہوئے تو اس گستاخ نے کہا۔ آپ کو نہیں۔ فلاں کو بلایا تھا۔ اس پر فرمایا میرے نام پر نام رکھو کنیت نہ رکھو اس لئے منع کر دیا گیا۔ نام نامی پر نام رکھنے کی حیات مبارکہ میں بھی اجازت تھی مگر ابوداؤد شریف میں ہے کہ فرمایا

من تسمى باسمي فلا يكتني بكنيتي ومن تكنى بكنيتي فلا يتسمى باسمي۔ اگر میرا نام رکھو تو میری کنیت مت رکھا اور اگر میری کنیت رکھو تو میرا نام مت رکھا۔

نیز ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

ان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم نهى ان يجمع احد بين اسمه وكنيته ويسمى محمدا ابا القاسم۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نام اور کنیت جمع کرنے سے منع فرمایا اور اس سے بھی کہ جس کا نام محمد ہو اس کی کنیت ابو القاسم رکھی جائے۔

اس سے ظاہر ہے کہ دونوں جمع کرنا ممنوع تھا صرف محمد نام رکھنا یا صرف ابو القاسم کنیت رکھنے کی ممانعت نہ تھی اور بخاری کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نام رکھنے کی اجازت تھی اور ممانعت کنیت رکھنے کے ساتھ خاص تھی۔ اس قسم کا جو بھی حکم تھا یہ صرف حیات مبارکہ ہی تک محدود تھا بعد وصال نام نامی اور کنیت مبارکہ دونوں کو جمع کرنا خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت سے ثابت ہے جیسا کہ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت علی نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر حضور کے بعد میرے لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام حضور کے نام پر اور اس کی کنیت حضور کی کنیت پر رکھوں۔ فرمایا۔ اجازت

عه اسے امام بخاری نے ادب، باب من سمی باسماء الانبیاء میں بھی اور امام مسلم نے مقدمہ میں صرف اخیر کا حصہ ذکر کیا ہے

عه بخاری، مناقب کنیۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ مسلم النہی عن التکنی بابی القاسم۔ ترمذی کراھیۃ الجمع بین اسم النبی وکنیتہ عه کراھیۃ الجمع بین اسم النبی وکنیتہ۔ عه ادب۔ من رای لا یجمع بینھما۔ عه ادب الرخصۃ فی الجمع بینھما۔

ہے۔ چنانچہ حضرت علی نے محمد بن حنفیہ کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم رکھی۔

خواب میں زیارت

(۳) یہ حدیث اس کی دلیل ہے جو بیدار بخت خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو اس نے حضور ہی کی زیارت کی۔ حضور کی زیارت کا مطلب یہ ہے کہ جو حلیہ مبارکہ منقول ہے اس کے مطابق دیکھے۔ اس لئے شائقین زیارت کو لازم ہے کہ حلیہ مبارکہ یاد رکھیں۔ جس طرح شیطان حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت نہیں بنا سکتا اسی طرح کسی نبی کی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ اس لئے خواب میں اگر کسی نبی کی زیارت ہو اور ان کے منقول حلیے کے مطابق تو اس نے واقعی اسی نبی کی ہی زیارت کی۔ یہ حدیث من کذب علیّ الخ صحیح یہ ہے کہ متواتر ہے۔ علامہ عینی اور علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ یہ سو صحابہ سے مروی ہے۔ امام نووی سے منقول ہے کہ دو سو صحابہ سے مروی ہے۔ اگرچہ بعض میں یہ متعمداً نہیں۔ امام بخاری نے یہاں پانچ صحابہ سے روایت کی ان کے علاوہ جنائز میں مغیرہ بن شعبہ سے اخبار بنی اسرائیل میں عبداللہ بن عمرو سے مناقب میں واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت کی۔

علامہ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق مندرجہ ذیل احادیث بھی متواتر ہیں۔ (۱) من بنی للہ مسجداً بنی اللہ له بیتاً فی الجنة۔ (۲) مسح خفین (۳) رفع یدین۔ (۴) حدیث شفاعت (۵) حدیث حوض (۶) حدیث رویت باری (۷) الائمة من قریش (۸) حدیث مسواک۔ مگر ان میں حصر نہیں۔ اسکے علاوہ اور بھی احادیث متواتر ہیں۔

حسن ترتیب

امام بخاری نے پہلے حضرت علی کی حدیث ذکر کی جو مقصود باب ہے پھر حضرت زبیر کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام حضور کی طرف غلط بات منسوب کرنے سے کتنا ڈرتے تھے۔ اور کتنا بچتے تھے۔ مگر اس سے بظاہر یہ شبہ ہوتا تھا کہ بکثرت احادیث بیان کرنا مذموم ہے اس لئے اس کے بعد حضرت انس کی حدیث ذکر کی جو مکثرین حدیث میں سے ہیں۔ جس سے یہ بات صاف ہو گئی کہ تکثیر حدیث اس وقت ممنوع ہے۔ جب کہ خطا کا احتمال ہو ورنہ محمود و ماجور ہے۔ پھر ختم حضرت ابوہریرہ کی حدیث پر فرمایا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور پر جھوٹ باندھنا ہر حال منع ہے۔ خواہ جھوٹ یوں ہی باندھے کہ بیداری میں فرمایا خواہ یوں کہ خواب میں فرمایا۔ التزاماً یہ ثابت ہو گیا کہ جس نے خواب میں زیارت نہیں کی اور پھر کہے کہ میں نے زیارت کی یہ بھی حرام ہے کہ یہ بھی ایک طرح کا جھوٹ باندھنا ہے۔

(۸۱) حدیث. هل عندکم کتاب

عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَلِيٍّ هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ قَالَ لَا. إِلَّا كِتَابُ

ابو جحیفہ نے کہا میں نے حضرت علی سے پوچھا کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ فرمایا نہیں نہ صرف

اللهِ أَوْ فَهْمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ أَوْ مَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ قَالَ قُلْتُ

کتاب اللہ یا دانائی جو مسلمان کو عطا کی گئی یا جو اس صحیفے میں ہے۔ میں نے پوچھا اس میں کیا ہے؟

وَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفِكَاكُ الْأَسِيرِ وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ [۱]

فرمایا عقل (دیت کے احکام) اور قیدی آزاد کرنے (کی ترغیب) اور یہ ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔

(۸۱) تشریحات

(۱) ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلا حرف جیم مضموم پھر حاء مفتوح۔ ان کا نام وہب بن عبد اللہ سوائی ہے۔ یہ کوفے کے باشندے صغار صحابہ میں سے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے تھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت خاص اور معتمد تھے۔ حضرت علی کے ساتھ تمام جنگوں میں رہے۔ ان کو کوفے کے بیت المال کا امین بنایا تھا۔ سنہ ۷۲ھ میں وصال فرمایا ان سے پینتالیس احادیث مروی ہیں۔ دو بخاری اور مسلم دونوں نے، دو صرف بخاری نے اور تین صرف مسلم نے روایت کی ہیں۔

(۲) شیعوں کی تردید شیعہ یہ گمان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی کو کچھ خاص وحی کے اسرار مکتوب کی شکل میں عطا فرمایا ہے جس کی کسی کو خبر نہیں۔ اس پر جحیفہ نے یہ سوال کیا تھا۔ ان کے علاوہ حضرت علی سے یہ سوال قیس بن عباد اور اشتر نخعی نے بھی کیا تھا۔ سب کو یہی جواب ملا۔ البتہ صحیفے کی تفصیل میں کچھ زیادتی کہیں کہیں ہے اس صحیفے سے مراد ایک مکتوب ہے جسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تلوار کی نیام میں رکھتے تھے اس میں ان تین باتوں کے علاوہ اور بھی لکھا ہوا تھا۔ مثلاً یہ کہ مدینہ بھی حرم ہے۔ جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے نام پر ذبح کرے اس پر اللہ کی لعنت۔ مومن کے خون مساوی ہیں۔ اس کے ذمے کو پورا کرنے کے لئے ادنیٰ بھی کوشش کرے گا۔ زکوٰۃ کی مقدار۔ چونکہ سوال سے یہ مقصود تھا کہ آپ کے پاس کوئی مخصوص کتاب ہے جس میں وہ اسرار ہوں جس کی کسی کو خبر نہیں [illegible]

---

[۱] ایضاً بخاری الجہاد، فکاک الاسیر، دیت، لا یقتل مسلم بکافر، عاقلہ، ابو داؤد دیات (۱۱ و ۱۲) ترمذی دیات (۴۱) نسائی قسامہ (۹ و ۱۰) ابن ماجہ دیات (۲۱) داری (۵) مسند ۱/۷۹ احمد۔

حدیث ۸۲ حضرت ابوہریرہ مکثرین حدیث میں سے ہیں

سَمِعْتُ اَبَاهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ مَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں صحابہ میں کوئی مجھ سے زیادہ حدیث والا نہیں

اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدٌ اَكْثَرَ حَدِيْثًا عَنْهُ مِنِّي اِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ

سوائے عبد اللہ بن عمرو کے

فرمایا ایسی کوئی کتاب میرے پاس نہیں۔ یہ ایک مکتوب ہے مگر اس میں راز کی کوئی بات نہیں جو سب مسلمان جانتے ہیں ... باتیں اس میں ہیں۔ راویوں کو جو یاد رہا بیان کر دیا۔ اسی سے روافض کے اس قول کی بھی تردید ہو گئی وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید محرف ہے اس میں اعراب بدل دیے گئے ہیں۔ آیتوں کو آگے پیچھے کر دیا گیا ہے اور اس کے کچھ حصے حذف کر دیے گئے۔ اصل قرآن غیر محرف مکمل حضرت علی کے پاس تھا۔ جو ان کے بعد دست بدست ائمہ معصومین کے پاس رہا۔ جسے امام غائب لیکر سرمن رای کے غار میں غائب ہو گئے۔ کہ اگر حضرت علی کے پاس کوئی اور قرآن ہوتا تو وہ اپنے ان مخصوص معتمدین کو ضرور بتا دیتے۔

(۳) العقل۔ اس سے مراد دیت ہے یعنی خونبہا قتل کا معاوضہ عقل کے معنی رسی سے اونٹ باندھنا چونکہ دیت کے اونٹ لاکر مقتول کے گھر باندھے جاتے تھے۔ اسی مناسبت سے دیت کو عقل اور جن لوگوں پر دیت واجب ہوتی ہے ان کو عاقلہ کہتے ہیں۔ اس کی پوری تفصیل کتاب الدیات میں آئے گی۔

تشریحات ۸۲

حدیث لکھنے کی ابتدا

(۱) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما نے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے حدیث لکھنے کی اجازت طلب کی حضور نے اجازت دیدی۔ اسلئے وہ لکھا کرتے تھے اور زبانی بھی یاد کرتے تھے انھوں نے فرمایا میں نے ہزار حدیث یاد کئے ہے۔ مگر اس کے باوجود حضرت ابوہریرہ سے پانچ ہزار تین سو حدیثیں مروی ہیں اور ان سے آٹھ سو حضرات نے حدیث حاصل کی اور عبد اللہ بن عمرو سے صرف سات سو مروی ہیں اسکا سبب یہ ہے کہ یہ کچھ دن طائف میں رہے اور پھر مصر چلے گئے تھے۔ علاوہ ازیں یہ عبادت میں زیادہ وقت گذارتے تھے وہاں اس کا موقع کم تھا۔ شارحین نے ایک سبب یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو کو اہل کتاب کی کچھ کتابیں مل گئی تھیں وہ اس کا مطالعہ کرتے اور لوگوں سے بیان کرتے اس لئے تابعین کی ایک جماعت نے ان سے حدیث اخذ کرنا ترک کر دیا۔ اور حضرت ابوہریرہ مدینہ طیبہ

بن عمرو فانه كان يكتب ولا اكتب[1]

اس لئے کہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔

حدیث قرطاس (۸۳)

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه قال لما اشتد بالنبي صلى الله تعالى عليه وسلم وجعه قال ائتوني بكتاب اكتب لكم كتابا لا تضلوا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرض سخت ہو گیا تو فرمایا لکھنے کا سامان لاؤ میں ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہو سکو۔

بہی رہے تھے۔ جو اس زمانے میں علم حدیث کے شائقین کا مرجع اعظم تھا پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکا حافظہ اتنا قوی فرما دیا تھا کہ جو سنتے کبھی نہ بھولتے جیسا کہ ابھی آ رہا ہے۔ اس لئے عبداللہ بن عمرو کے پاس لکھنے کے باوجود اتنا ذخیرہ نہ جمع ہو سکا جو ان کے حافظے میں موجود تھا۔ رہ گیا حضرت ابوہریرہ کا یہ فرمانا کہ وہ مجھ سے زیادہ حدیث والے ہیں یہ انھوں نے اپنے اندازے کے مطابق فرمایا۔ ان کا اندازہ یہی تھا کہ میں صرف یاد رکھتا ہوں اور وہ لکھتے بھی ہیں اور زبانی یاد بھی کرتے ہیں تو ان کے پاس زیادہ حدیثیں ہوں گی۔

حضرت ابوہریرہ نے یہ عہد نبوی کی بات کی ہے ورنہ بعد میں انھوں نے بھی حدیث لکھنا شروع کر دیا تھا جس کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ جیسا کہ فتح الباری میں ابن وہب کے حوالے سے ہے حسن بن عمرو بن امیہ نے کہا حضرت ابوہریرہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور بہت سی کتابیں دکھائیں اور فرمایا دیکھو یہ میرے یہاں لکھی ہوئی رکھی ہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں احادیث کا قلمبند کرنا شروع ہو چکا ہے اس کے علاوہ اور بھی طریقوں سے ثابت ہے اسکی تفصیل مقدمہ میں گذر چکی۔

تشریحات (۸۳)

تکمیل (۱) یہ حدیث کے علاوہ بخاری میں سات جگہ وارد ہے ان سب روایتوں کا ماحصل یہ ہے۔ کہ وصال سے چار دن قبل، جمعرات کو مرض میں بہت شدت ہو گئی اسی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا کہ لکھنے کا سامان لاؤ۔ میں ایسی بات لکھوا دوں یا لکھ دوں جسکے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو۔ مرض کی شدت

---

[1] ترمذی علم، مناقب، نسائی مناقب

بعدہ قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضرت عمر نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بیماری کا غلبہ ہے

غلبہ الوجع وعندنا کتاب اللہ حسبنا۔ فاختلفوا وکثر اللغط قال قوموا

اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب (قرآن) موجود ہے جو کافی ہے اس پر حاضرین میں اختلاف ہوا اور باتیں بڑھیں

ے جو حال تھا اس کے پیش نظر حضرت عمر نے فرمایا اللہ کی کتاب ہمیں کافی ہے اس پر اختلاف ہوا کچھ لوگ کہتے تھے سامان کتابت لایا جائے اور کچھ لوگ کہتے تھے کہ نہیں کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا کیا حضور نے ہمیں چھوڑ دیا۔ حضور پر آپس کی تکرار سے حضور کو تکلیف ہوئی اور فرمایا۔ تم لوگ چلے جاؤ۔ مسند امام احمد میں ہے کہ یہ خطاب عام، مخاطب علی سے فرمایا تھا کہ سامان کتابت لاؤ۔ ایک روایت دوسرے کی تفسیر ہوتی ہے۔ اس سے ثابت کہ ان روایات میں خطاب اگرچہ عام ہے مگر یہاں بھی مخاطب حضرت علی ہی ہیں۔

شبہات اور جوابات (۲) اس حدیث میں دوسرے مقامات پر لفظ اھجر۔ استفہموہ کے ساتھ وارد ہے ھجر کے معنی سرسامی کیفیت کے بھی ہیں۔ روافض نے زور باندھا ہے کہ اس کے معنی یہی ہیں۔ کہ حاضرین نے کہدیا کہ حضور کو سرسام ہوگیا۔ ہذیانی حالت ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ اسے زبردستی حضرت عمر کے سر تھوپ دیا کہ انھوں نے یہ کہدیا۔ اس سلسلے میں جتنی روایتیں ہیں کسی میں حضرت عمر کی طرف یہ قول منسوب نہیں سب میں یہی ہے۔ قالوا۔ غور کرنے کی بات ہے جو کچھ حضرت عمر نے کہا اسے قال عمر سے بیان کیا۔ اگر یہ بھی حضرت عمر کا مقولہ ہوتا تو کیا چیز مانع تھی کہ حضرت ابن عباس اسے جرأت کے ساتھ نہ بیان فرماتے کہ حضرت عمر نے یہ کہا حضرت عمر کے قول کو قال عمر سے اور اسے قالوا سے ذکر کر کے یہ بتادیا کہ یہ حضرت عمر کا قول نہیں تھا۔ دیگر حاضرین میں سے کسی نے یہ کہا تھا۔ روافض ہر سہارے کی تلاش کر رہے ہیں کہ کہیں مل جائے کہ یہ عمر کا قول ہے مگر اب تک تو ملا نہیں آئندہ کیا ملے گا۔ رہ گیا یہ کہ یہاں ھجر کے معنی ہذیان کے ہیں یا ھجر کے۔ اس کا فیصلہ۔ استفہموہ نے کر دیا۔ یعنی حضور سے پوچھو۔ جس پر ہذیانی کیفیت طاری ہو اس سے پوچھنے کے کیا معنی اس لئے یہاں متعین ہے کہ ھجر کے معنی چھوڑنے ہی کے ہیں یعنی جب حضور نے یہ فرمایا تو حاضرین نے یہ سمجھ لیا کہ یہ جدائی کی طرف اشارہ ہے ان پر رقت ٹوٹ پڑی اور بیقراری میں کہنے لگے سرکار سے دریافت کرو کیا حضور نے ہمیں چھوڑ دیا۔ کہ ایسا ارشاد فرما رہے ہیں۔ مستقبل قریب میں جس کا ظہور متیقن ہوتا ہے۔ اسے ماضی سے تعبیر کرنا عام بات ہے۔ اس لئے ماضی کا صیغہ استعمال ہوا۔

۱؎ عینی جلد ۲ صفحہ ۱۷۱

رہ گئی یہ بات کہ حضور کے حکم کی تعمیل نہیں کی گئی اور بالخصوص حضرت عمر نے نہیں ہونے دی۔ اس پر گذارش یہ ہے کہ جب فاروق اعظم نے عرض کیا کتاب اللہ حسبنا اور حضور نے دوبارہ طلب نہیں فرمایا تو یہ دلیل ہے کہ حضرت عمر کی بات قبول ہو گئی اور اب وہ حکم باقی نہ رہا۔ ورنہ اولاً حضرت عمر کے اس عرض، کتاب اللہ حسبنا، کے بعد بھی اگر اس حکم کی تعمیل فرض تھی تو جب کہ یہ خطاب خاص حضرت علی سے تھا تو انھوں نے کیوں اس کی تعمیل نہیں کی۔ ثانیاً خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوبارہ کیوں نہیں فرمایا کہ نہیں پھر بھی لاؤ۔ ثالثاً اس وقت حضرت عمر کا بعرض غلط خوف تھا تو اس کے بعد چار دن تک حضور حیات ظاہری کیساتھ رہے۔ حضرت عمر کے جانے کے بعد کیوں نہیں لکھوا دیا۔ رابعاً لازم آئے گا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرض تبلیغ کی ادائیگی میں کوتاہی کی بلکہ لازم آئے گا کہ پورا دین امت تک نہیں پہنچایا۔ خامساً جبکہ پورا دین امت کو زبانی سکھا دیا تو کیا مانع درپیش تھا کہ اس اہم بات کو بھی زبانی ہی نہ فرما دیا۔ سادساً لازم آئے گا کہ دین ناقص رہ گیا۔ اور یہ آیت کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم کے معارض ہے۔ بات اصل یہ ہے کہ یہ سب ہوائیاں صرف عداوت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اڑائی جا رہی ہیں۔ ورنہ جو منصف بھی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرتبے سے واقف ہے وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار رسالت مآب کے وزیر ہیں۔

ما من نبي الا له وزيران من اهل السماء ووزيران من اهل الارض اما وزيراي من اهل السماء فجبريل وميكائيل واما وزيراي من اهل الارض فابو بكر وعمر (ترمذی)

ہر نبی کے دو وزیر آسمان والوں میں سے ہیں دو زمین والوں میں سے میرے آسمان والوں میں دو وزیر جبرئیل اور میکائیل ہیں اور زمین والوں میں ابوبکر و عمر۔

وزراء کو یہ حق ہے کہ اپنی رائے پیش کریں۔ یہاں بھی حضرت فاروق اعظم نے بحیثیت وزیر اپنی رائے عرض کر دی جسے حضور نے قبول فرما لی۔ بات ختم ہو گئی۔ اور یہ کوئی پہلا ہی موقع نہیں، بہتیرے مواقع وہ ہیں جو کچھ فاروق اعظم نے عرض کیا اسی کے مطابق حکم الٰہی نازل ہوا ان میں بعض مواقع وہ بھی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فاروق اعظم کی رائے کے خلاف عمل فرمایا تو قرآن مجید نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تائید فرمائی مثلاً بدر کے قیدیوں کے معاملے میں عتاب ہوا۔ فرمایا گیا۔

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۰ انفال آیت ۶۸

اگر اللہ پہلے سے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا تو اے مسلمانو تم نے کافروں سے فدیہ کا جو مال لیا اس پر بھاری عذاب آتا۔

عَنِّي وَلَا يَنْبَغِي عِنْدِي التَّنَازُعُ فَخَرَجَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ إِنَّ الرَّزِيَّةَ

میرے پاس سے اٹھو ۔ میرے پاس جھگڑا مناسب نہیں ۔ یہ حدیث روایت کرنے کے بعد ابن عباس یہ

كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ كِتَابِهِ

ہوئے نکلے بیشک مصیبت ہے اور پوری مصیبت جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی اس تحریر کے درمیان حائل ہوگی۔

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لو نزل عذاب ما نجا منا الا عمر بن خطاب وسعد بن معاذ۔ ۔۔۔ اگر بالفرض عذاب اترتا تو عمر بن خطاب اور سعد بن معاذ کے علاوہ کوئی نہ بچتا۔

ایسے صائب الرائے اور معتمد وزیر نے کوئی بات عرض کی اور وہ قبول ہوگئی تو اب وزیر پر اعتراض اصل میں سلطان پر اعتراض ہے۔

اس بحث کے بعد اس گفتگو کی بھی حاجت باقی نہ رہی کہ حضور کیا لکھوانا چاہتے تھے۔ اور اگر کسی کو اس کا شوق ہی ہے تو جو روافض کہتے ہیں حضرت علی کے خلیفہ بلا فصل کی سند لکھوانا چاہتے تھے۔ ہم کہیں گے حضرت صدیق اکبر کے لئے یہی سند لکھوانی چاہئے تھی۔ حضرت علی کے سلسلے میں کوئی سراغ نہیں مگر صدیق اکبر کے لئے تو ثبوت ہے۔ کہ ارشاد فرمایا۔

ادعی لی ابا بکر اباک واخاک حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل انا اولی ویابی اللہ والمومنون الا ابا بکر ۔ مسلم ج ۲ ۔۔۔ ابو بکر اپنے والد اور اپنے بھائی کو بلاؤ کہ میں ان کے لئے لکھ دوں مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی آرزو کرنے والا آرزو کرے اور کہے میں سب سے زیادہ مستحق ہوں حالانکہ اللہ اور مومنین سوائے ابو بکر کے کسی پر راضی نہیں۔

یہی مضمون بخاری میں یوں ہے میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ ابو بکر اور ان کے بیٹے کو بلا کر ولی عہد بنا دوں۔ کہ کہیں کہنے والے کہیں نہ اور آرزو کرنے والے آرزو نہ کریں۔ حالانکہ اللہ اور مومنین ابو بکر کے سوا کسی کو ان کے ہوتے ہوئے پسند نہ کریں گے۔ پھر ہو سکتے ہیں بڑی گنجائش ہے ہم کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ حضور یہی لکھوانا چاہتے تھے۔ کہ کتاب اللہ کو کافی کہا۔ اور جب فاروق اعظم نے یہی عرض کر دیا تو ضرورت محسوس نہ فرمائی اسی حدیث کے آخر کتاب الجہاد وغیرہ میں ہے

علہ ایضا بخاری جہاد ، جوائز الوفود ، واخراج الیہود من جزیرۃ العرب ، مغازی ، مرض النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو طریقے سے ، جزیہ ، تو مواضع میں دو طریقے سے ، الاعتصام ، کتاب الاختلاف میں ایک طریقے سے ، مسلم وصایا ۔ نسائی علم وطب ۔

(۸۴) حدیث، رُبَّ کاسیۃ فی الدنیا عاریۃ فی الاخرۃ

عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھَا قَالَتْ اِسْتَیْقَظَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ایک رات نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَۃٍ. فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰہِ مَاذَا اُنْزِلَ اللَّیْلَۃَ مِنَ الْفِتَنِ

بیدار ہوئے تو فرمایا سبحان اللہ اس رات میں کتنے فتنے نازل ہوئے اور

اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب واجیزوا الوفود مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دیا اور وفود کو اسی طرح

صلہ دینا جیسے میں دیتا تھا۔

بمثل ماکنت اجیزھم۔

اور تیسری بات کسی راوی کے ذہن سے نکل گئی

ہوسکتا ہے یہی تینوں باتیں لکھوانی چاہتے تھے جب سامان کتابت نہیں آیا تو زبانی ارشاد فرمایا۔

سلامت روی اسی میں ہے کہ ہو سکتا ہے کہ سہارے بات نہ بڑھائی جائے

اس حدیث سے قطعی طور پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اپنا خلیفہ بلا فصل

بنانے کی وصیت ہوت دور ہے خلیفہ بنانے کی بھی کوئی وصیت نہ لکھی تھی نہ کی تھی۔

رہی حضرت ابن عباس کا یہ کہنا بڑی مصیبت ہے یہ ان کا ذاتی جذباتی تاثر ہے الٹے علم و فہم اور دیانت میں حضرت عمر و حضرت

علی بدرجہا بڑھے ہوئے ہیں۔ ان حضرات کے مقابلے میں ابن عباس کی بات بالاتفاق مرجوح ہے۔

تشریحات (۸۴)

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۱) یہ ازواج مطہرات میں سے ہیں۔ ان کا نام رملہ تھا۔ یہ پہلے ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ یہ دونوں قدیم الاسلام ہیں۔ ابو سلمہ کے ساتھ حبشہ کی دونوں ہجرتیں کیں۔ پھر مدینہ ہجرت کی۔ مدینے میں ان دونوں کی چار اولاد ہوئیں۔ زینب۔ سلمہ، عمر، درہ۔ ابو سلمہ کے وصال کے بعد ان سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شوال ۴ھ میں عقد فرمایا۔ یزید کے قتل تک زندہ رہیں۔ ان کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کربلا کی خاک دی تھی جو حضرت امام حسین کی شہادت کے وقت سرخ ہوگئی اسی سے انھوں نے جانا کہ حضرت امام حسین شہید ہوگئے۔ وصال کے وقت عمر مبارک چوراسی سال کی تھی حضرت ابو ہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ ان سے تین سو اٹھتر حدیثیں مروی ہیں جن میں تیرہ متفق علیہ ہیں۔

وَمَاذَا فُتِحَ مِنَ الْخَزَائِنِ أَيْقِظُوا صَوَاحِبَ الْحُجَرِ، فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْآخِرَةِ

اور کتنے خزانے کھلے حجروں والیوں کو جگا دو گے بہت سی دنیا میں پہننے والی آخرت میں ننگی ہوگی ۔ عہ

(۲) کشمیہنی کی روایت میں انزل کے بجائے انزل اللہ ہے ——— فتنوں سے مراد عذاب ہیں اور خزائن سے ہر قسم خواہ دینی ہو یا دنیوی علمی ہو یا مالی جن میں تمام فتوحات اسلامیہ داخل ہیں جو اسلام کی وسعت قوت ترقی بقا و حفاظت کے سبب ہیں۔ اترنے اور کھولنے سے مراد یہ ہے کہ آئندہ جو ہونے والا تھا اس کی خبر فرشتوں کو دی ۔ اسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں ملاحظہ فرمایا ۔ اسی کے ہم معنی وہ ارشاد ہے کہ میں بارش کی طرح فتنوں کو اترتا دیکھ رہا ہوں ۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل نے غیب کا علم عطا فرمایا ۔

(۳) حجرے والیوں سے مراد ازواج مطہرات ہیں خطاب حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے اس لئے کہ اغلب یہ ہے کہ انھیں کی باری کا دن تھا ۔ ان کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ وہی سامنے تھیں یا ابدأ بنفسک ثم بمن تعول کے طور پر ہے ۔ یعنی کوئی بھی عمل خیر ہو اس پر پہلے خود عمل کرنا چاہئے اور اپنے اہل و عیال سے کرانا چاہئے ۔

اس سے ثابت ہوا کہ رات میں سوتوں کو جگا کر وعظ و نصیحت مستحب ہے خصوصاً جب کوئی پریشان کن یا مسرت آفریں بات ہو ۔ حیرت انگیز بات پر سبحان اللہ یا اللہ اکبر کا کوئی بھی ذکر کرنا مستحب ہے ۔ رات میں آنکھ کھلے تو یاد الٰہی کرنا مستحب ہے ۔ دینی پیشوا کو چاہئے کہ اپنے متعلقین کو ایسے شر سے جس کا خطرہ ہو آگاہ کرے اور بچنے کی تدبیر بتائے ۔

(۴) مراد یہ ہے کہ بہت سی وہ عورتیں جو دنیا میں عیش و عشرت سے رہتی ہیں وہ عموماً اعمال صالحہ سے غافل رہتی ہیں اس لئے بطور عذاب آخرت میں ننگی رہیں گی ۔ یا خاص وہ عورتیں مراد ہیں جو دنیا میں ایسا باریک لباس پہنتی ہیں جس سے جسم کی اور بال کی رنگت جھلکتی ہے انھیں آخرت میں ننگا رکھا جائے گا جیسا کہ آج کل عام طور پر یہی ہو رہا ہے ۔ جب باریک لباس پہننے والیوں کا یہ حکم ہے تو جو عورتیں ننگے سر ننگے گردن ننگی کلائیوں ننگی پنڈلیوں کے ساتھ بازار میں گھومتی پھرتی ہیں ان کا کیا حال ہوگا ۔

اس میں بھی غیب کی خبر ہے ۔

عہ ایضاً بخاری تہجد، تحریض النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی قیام اللیل ۔ لباس ۔ ما کان یتجوز من اللباس ۔ ادب ۔ التکبیر و التسبیح عند التعجب ۔ فتن ۔ لا یاتی زمان الا الذی بعدہ شر منہ ۔ ترمذی فتن ۔ (۳) موطا لبس (۸)

(۸۵) حدیث ۔ فان علی رأس مائۃ سنۃ لایبقی ممن ھو علی ظہر الارض احد

ان عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال صلی لنا النبی صلی اللہ تعالیٰ
عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیات

علیہ وسلم العشاء فی آخر حیاتہ فلما سلم قام فقال ارأیتکم لیلتکم ھذہ
کے آخری دنوں میں [ا] عشاء کی نماز پڑھائی سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا تم نے اپنی اس

فان رأس مائۃ سنۃ منھا لایبقی ممن ھو علی ظہر الارض احد [۲]
رات کا حال دیکھا، جتنے لوگ آج روئے زمین پر ہیں سو سال کے بعد کوئی بھی نہ رہے گا [۲]

(۸۶) حدیث ۔ اکثر ابو ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ان الناس یقولون اکثر ابو ھریرۃ
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ نے بکثرت حدیثیں بیان کیں [ا]

تشریحات (۸۵)

(۱) امام نووی نے فرمایا کہ ابو سعید کی روایت میں ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد فرمایا۔ مسلم میں حضرت جابر کی حدیث میں ہے کہ وصال سے ایک ماہ قبل فرمایا۔

(۲) مراد یہ ہے کہ میری امت کے جتنے لوگ آج زمین پر ہیں۔ اور بظاہر معتاد نظر آتے ہیں خواہ وہ کم سن ہوں خواہ معمر۔ سو سال پر وہ زندہ نہ رہیں گے۔ البتہ وہ لوگ جو اس کے بعد پیدا ہوں گے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت عیسیٰ آسمان پر ہیں اور حضرت خضر اور الیاس نظروں سے غائب ہیں یونہی ابلیس و دیگر اجنہ بھی۔ اس لئے یہ سب اس میں داخل نہیں۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا ہے سب کے آخر صحابی ابو الطفیل عامر بن واثلہ نے سنہ ۱۱۰ھ میں وصال فرمایا۔ یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے تھے۔ نیز اس سے ثابت ہوا کہ عشاء کے بعد باتیں کرنے کی ممانعت خاص ہے غیر دینی باتوں کے ساتھ۔ رہ گئیں دینی باتیں تو وہ جائز ہی نہیں بلکہ موجب ثواب ہیں یونہی احادیث ہے۔ اپنے اہل سے اور مہمان سے بات کرنا بھی مستثنیٰ ہے۔

تشریحات (۸۶)

[ا] ایضا بخاری، مواقیت الصلوٰۃ۔ ذکر العشاء والعتمہ۔ ایضا مسلم فضائل و مسند امام احمد۔

وَلَوْلَا آيَتَانِ فِي كِتَابِ اللّٰهِ مَا حَدَّثْتُ حَدِيْثًا - ثُمَّ يَتْلُوْ إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ

اگر اللہ کی کتاب (قرآن) میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی حدیث نہ بیان کرتا۔ پھر (سورہ بقرہ) کی یہ آیتیں تلاوت

مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى إِلٰى قَوْلِهِ الرَّحِيْمُ إِنَّ إِخْوَانَنَا مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ

کیں ہم نے جو کھلی ہوئی نشانیاں اور ہدایت نازل فرمائی جو لوگ انہیں چھپاتے ہیں۔ اللہ کے ارشاد رحیم تک۔ ہمارے بھائی مہاجرین

كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ وَإِنَّ إِخْوَانَنَا مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ

کو بازاروں میں خرید و فروخت مشغول رکھتی اور ہمارے بھائی انصار کو اپنے مالوں میں کام یعنی کھیتی مشغول رکھتی ہے اور ابوہریرہ

يَشْغَلُهُمُ الْعَمَلُ فِي أَمْوَالِهِمْ وَإِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَلْزَمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

رسول اللہ کی خدمت میں پیٹ بھر کھا کر حاضر رہتا۔ اور ایسے موقعوں

تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِبَعِ بَطْنِهِ وَيَحْضُرُ مَا لَا يَحْضُرُوْنَ وَيَحْفَظُ مَا لَا يَحْفَظُوْنَ

پر موجود رہتا کہ وہ لوگ موجود نہ رہتے اور وہ باتیں (سنتا دیکھتا) یاد کر لیتا جو وہ لوگ یاد نہ کرتے

(١) مکثرین حدیث میں سے حضرت ابوہریرہ اول نمبر پر ہیں ان سے پانچ ہزار تین سو احادیث مروی ہیں ان کی روایت کی کثرت پر لوگوں نے طعن کیا۔ کہ مہاجرین و انصار بھی اتنی حدیثیں نہیں بیان کرتے اس پر ابوہریرہ نے وجہ بیان فرمائی چونکہ قرآن میں یہ ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى	جو لوگ ہماری اتاری ہوئی روشن باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں
مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ أُولٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ	کے بعد ہم نے اسے لوگوں کے لئے کتاب میں واضح فرمایا ان پر لعنت
اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَأَصْلَحُوْا	کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔ مگر جو توبہ کریں اور سنواریں
وَبَيَّنُوْا فَأُولٰئِكَ أَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ	اور بیان کریں ان کی توبہ قبول فرماؤں گا۔ میں ہی بہت توبہ قبول کرنے والا
بقرہ آیت ۱۵۹ تا ۱۶۰	مہربان ہوں۔

اگر یہ دونوں آیتیں نہ ہوتیں تو میں ایک حدیث بھی نہیں بیان کرتا۔ اللہ عزوجل سے ایک دن ملنے کا دھڑکا ہے میری کثرت حدیث کی وجہ یہ ہے کہ اور صحابہ کرام اپنے اپنے کاموں میں رہتے فرصت کے وقت حاضر خدمت ہوتے اس لئے انکو ارشادات کو سننے اور کوائف کے دیکھنے کا کم موقع ملتا اور میں ہر وقت خدمت میں حاضر رہتا نہ اچھا کھاتا نہ اچھا پہنتا جو مل جاتا

عه ایضا بخاری کتاب البیوع باب اول۔ حرث ما جاء فی الغرس۔ الاعتصام۔ الحجۃ علی من قال۔ اور اس کا جز مناقب حضور میں بھی ہے ایضا مسلم فضائل الصحابہ (۱۵۹ و ۱۶۰) نسائی علم۔ ابن ماجہ سنت۔ مسند امام احمد۔

حدیث ۸۷ - اعطاءہ ابا ھریرۃ الحافظۃ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللهِ اِنِّیْ اَسْمَعُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں آپ سے بہت سی حدیثیں

مِنْكَ حَدِیْثًا كَثِیْرًا اَنْسَاهُ قَالَ اُبْسُطْ رِدَائَكَ فَبَسَطْتُهُ قَالَ فَغَرَفَ بِیَدَیْهِ

سنتا ہوں پھر بھول جاتا ہوں فرمایا اپنی چادر پھیلا میں نے پھیلائی تو حضور نے اپنے دونوں ہاتھوں

ثُمَّ قَالَ ضُمَّهُ فَضَمَمْتُهُ فَمَا نَسِیْتُ شَیْئًا بَعْدُ [۱]

کو چلو کیطرح بنا کر اس میں کچھ ڈالا پھر فرمایا سمیٹ کر اپنے سینے سے لگالے میں نے ایسا ہی کیا اسکے بعد کبھی نہیں بھولا

حدیث ۸۸ - حفظت وعائین

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے (علم) کے دو ظرف یاد کئے۔

غالباً ورنہ صبر کرتا۔ اس لئے مجھے حدیثیں یاد کرنے کا سب سے زیادہ موقع ملا۔ علاوہ ازیں حضور نے میرا حافظہ بھی بہت قوی کر دیا تھا۔ کہ جو سنتا یاد رکھتا کبھی نہ بھولتا۔ (۲) حضرت ابوہریرہ کے استدلال نے بتا دیا کہ جیسے قرآن مجید کا چھپانا حرام و گناہ ہے اسی طرح احادیث کا بھی اور جیسے قرآن واجب الاعتقاد والعمل ہے اسی طرح احادیث بھی۔ یہ منکرین حدیث کا رد ہے۔

تشریحات ۸۷

(۱) یہاں صرف ضم ہے مگر کتاب المزارعت میں سینے سے لگانے کی تصریح ہے۔

(۲) اس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ اختیار ہے کہ جسے جو چاہیں عطا فرمائیں یہاں صرف ابوہریرہ کی تخصیص نہیں تھی کتاب البیوع و مزارعت میں صاف ہے لن یبسط احد ردائہ جو بھی چادر پھیلائے۔ یہ دوسری بات ہے کہ چادر صرف ابوہریرہ ہی نے پھیلائی اور انھیں کو یہ نعمت ملی۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ علم دین کا چھپانا ممنوع ہے۔ اور یہ کہ بوقت ضرورت اپنی خوبی بیان کرنا جائز ہے جبکہ اپنا ترفع و تفوق مقصود نہ ہو اور اعجاب نفس بھی نہ ہو۔

تشریحات ۸۸

(۱) وعاء کے معنی برتن ہیں مراد وہ چیز ہے جو برتن میں ہو محل بول کر حال مراد ہے۔ بلعوم کھانا نگلنے کی نالی۔ چونکہ کچھ

---

[۱] بخاری کتاب البیوع باب اول مزارعت ما جاء فی الغرس، و فی فضائل الصحابۃ ج ۱ ص ۵۱۵ ترمذی۔ مناقب

تعالیٰ علیہ وسلم وعائین فاما احدھما فبثثتہ واما الآخر فلو بثثتہ قطع ھذا البلعوم
دو سرے کو پھیلادوں تو یہ نرخرہ کاٹ دیا جائے۔
ایک تو پھیلا دیا۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ بلعوم مطلقاً حلقوم کے معنی میں ہے اس لئے امام بخاری نے اس کی تفسیر کی۔

حضرت ابوہریرہ اس سے یا تو دو قسم کے علوم ہیں یا یہ مطلب ہے کہ اگر یہ علوم لکھے جائیں تو ایک قسم سے ایک برتن اور دوسری قسم سے دوسرا برتن بھر جائے یا واقعۃً انہوں نے ان کو لکھا یا لکھوایا۔ تو دو برتن بھر گئے۔ جیسا کہ حدیث ۱۱۳ میں گذرا کہ انہوں نے بھی حدیث لکھی یا لکھوائی تھیں۔ اس تقدیر پر بھی حاصل وہی ہوا کہ دو قسم کے علوم اخذ کئے پہلی قسم عقائد احکام ہیں جن کو پھیلایا دوسری قسم سے مراد فتن کی احادیث ہیں جن میں ظالم سلاطین کے نام وکلمات مذکور تھے یزید اور عبد الملک کے مظالم سے تو واقف ہے۔ وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ کے اس اندیشے کو خوب سمجھ سکتا ہے۔ تاہم کبھی کبھی تاب ضبط نہ رہتی تو اشارے کنائے میں بیان بھی فرما دیتے جیسے ھلکۃ امتی علی ید اغلمۃ قریش میری امت کی بربادی قریش کے لونڈوں کے ہاتھوں ہے یا جیسے دعا فرمایا انی اعوذ باللہ من راس الستین وامارۃ الصبیان۔ میں ساٹھ کی ابتدا اور لونڈوں کی بادشاہت سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اللہ عزوجل نے ان کی دعا قبول فرمائی ۶۰ھ سے پہلے ہی وصال فرما گئے۔ یہ یزید پلید کی ظالمانہ حکومت کی طرف اشارہ ہے بلکہ ایک بار فرمایا۔ اگر میں چاہوں تو ان کے نام بتا دوں۔ بعض صوفیا نے دوسرے برتن سے علوم باطن اسرار طریقت مراد لیئے لیکن پھر قطع ھذا البلعوم سے مطابقت نہیں رہتی اس لئے کہ اسرار تصوف شریعت کے معارض نہیں کہ جس سے ایذا ہو۔ اولیاء کرام نے ان اسرار کو بیان فرمایا اپنی تصنیفات میں تحریر فرمایا۔ اس سے ان پر کیا وبال آیا۔ ملحدین باطنیہ اس سے اپنے کفریات مراد لیتے ہیں۔ العیاذ باللہ اگر حضرت ابوہریرہ کی مراد وہ ہوتی تو پھر وہ شریعت کے پابند کیوں رہتے۔ نیز جب انہوں نے اس کو ظاہر نہیں فرمایا۔ تو ان کو کیسے معلوم ہو گیا۔ اور یہی ارباب تصوف سے بھی عرض کیا جا سکتا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوہریرہ کو بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علم غیب عطا فرمایا تھا۔ نیز ثابت ہوا ایسے علوم جن کا اعتقاد اور عمل سے تعلق نہ ہو ان کے بیان کرنے میں عزت و آبرو کا خطرہ ہو تو انہیں نہ بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۱؎ اسی کے ہم معنی مسند امام احمد میں ہے۔

(۸۹) حدیث۔ لا ترجعوا بعدی کفارا

عَنْ جَرِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے حجۃ الوداع میں فرمایا

لَهٗ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ۔ اِسْتَنْصِتِ النَّاسَ۔ فَقَالَ لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ كُفَّارًا

لوگوں کو چپ کراؤ (جب لوگ چپ ہوگئے) تو فرمایا کہ میرے بعد پلٹ کر کافر نہ ہو جانا کہ

يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ ع۱

تم میں کا بعض بعض کی گردن مارنے لگے

(۸۹) تشریحات

① یہ حجۃ الوداع کے طویل خطبے کا جز ہے جس کا کچھ حصہ حدیث ۸۴ میں گزر چکا۔ اس حدیث پر کچھ لوگوں نے یہ شبہ وارد کیا ہے کہ اس میں ۔۔ لہ۔ زائد ہے اس لئے کہ علامہ ابن عبد البر نے فرمایا کہ حضرت جریر حجۃ الوداع کے بعد وصال مبارک سے چالیس دن پہلے مسلمان ہوئے۔ یہ حجۃ الوداع میں موجود نہ تھے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حجۃ الوداع سے پہلے اسی سال رمضان میں مسلمان ہو چکے تھے جیسا کہ بغوی اور ابن ماجہ نے کہا ہے اور حجۃ الوداع میں حاضر تھے۔ اسی بخاری حجۃ الوداع میں یہ لفظ ہے قال لجریر۔ یہ اس بات پر نص ہے کہ حضرت جریر حجۃ الوداع میں حاضر تھے جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ حجۃ الوداع سے پہلے شرف باسلام ہو چکے تھے۔

② میرے بعد پلٹ کر کافر نہ ہو جانا۔ کافر نہ ہو جانے سے حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتا ہے۔ کہ اسلام چھوڑ کر کفر اختیار کرنا۔ اسلام پر ثابت رہنا۔ اور مسلمانوں کی جان و مال کو مباح مت جاننا۔ کہ ان سے لڑائی کر کے انہیں قتل کرو اور مال چھینو اور اس کا بھی احتمال ہے کہ مراد یہ ہو کہ کافروں جیسے مت ہو جانا کہ مسلمانوں کو قتل کرو ان کا مال چھینو۔ اسلئے کہ مسلمانوں کے جان و مال کو مباح جاننا مسلمان کا کام نہیں کافروں کا ہے۔

③ اس میں اخبار بالغیب ہے۔ ان عظیم فتنوں کی طرف اشارہ ہے جو افتراق بین المسلمین کی شکل میں نمودار ہوئے۔ خود مسلمانوں نے مسلمانوں کو کافروں کی طرح قتل کیا۔ انکے مال کو مباح جانا۔ بنی امیہ بنی عباس خونریزیوں جنگوں سے لے کر تیمور لنگ نادر شاہ درانی کے حوادث اس کی صداقت کی دلیل ہیں۔

ع۱ ایضاً بخاری، دیات، قول اللہ من احیاھا۔ مغازی حج الوداع۔ مسلم ایمان (۱۱۸) نسائی۔ علم اور محاربہ۔ ابن ماجہ فتن۔ مسند امام احمد

(۹۰) حدیث۔ موسیٰ وخضر علیہما السلام

أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ. إِنَّ نَوْفًا الْبِكَالِيَّ يَزْعُمُ

سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ میں نے ابن عباس سے کہا کہ نوف بکالی یہ گمان کرتا ہے کہ

احکام اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حدیث کی قرأت کے وقت حاضرین پر چپ رہنا واجب ہے نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ علماء
جب کچھ دینی باتیں ارشاد فرمائیں تو حاضرین کو چپ رہنا چاہیے کہ علماء کرام کی توقیر کرنی لازم ہے۔ تلمیذ شیخ کے سامنے باادب
رہے جب وہ کچھ کہے تو باادب خاموشی سے بغور سنے۔ نیز معلوم ہوا اگر کسی حادثے کا اندیشہ ہو تو مسلمانوں کو خبردار کر دینا
چاہیے خصوصاً اسے جس پر اعتماد ہو۔

○ منکرین اجماع نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ اس سے ظاہر کہ پوری امت کا کافر ہونا ممکن اس لئے کہ اگر ممکن
نہ ہوتا تو اس سے تحذیر لغو ہوتی۔ اور کفر سب سے بڑی گمراہی تو ثابت کہ پوری امت کا گمراہی پر اتفاق ممکن۔ جواب یہ ہے
کہ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرما دیا۔

لا تجتمع امتی علی الضلالۃ — میری امت گمراہی پر اتفاق نہیں کر سکتی۔

اس لئے پوری امت کا گمراہ ہونا محال ہوا۔ اور اس حدیث میں تحذیر امت کے بعض افراد کے اعتبار سے ہے کہ
کچھ افراد گمراہ ہوں گے جیسا کہ وقوع پذیر ہوا۔

تشریحات (۹۰)

تکمیل اس کے بعد حضرت خضر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ کشتی میں نے اس لئے توڑی کہ کشتی والے غریب تھے
ان کا ذریعہ معاش یہی کشتی تھی واپسی میں ایک ایسے ظالم بادشاہ پر جس کا نام بخاری کی کتاب التفسیر[۶۸۹] میں ہُدد بن بُدد بتایا
اور ایک قول یہ ہے کہ جلندی تھا۔ ان کا گذر ہوتا جو ہر صحیح وسلامت کشتی کو چھین لیتا تھا۔ اور عیب دار کو چھوڑ دیتا تھا میں
نے عیب دار کر دی کہ یہ کشتی ان غریبوں کے پاس رہے۔ چنانچہ واپسی میں جب یہ کشتی اس ظالم کی حدود میں داخل
ہوئی تو اس نے اگر کشتی دیکھی ٹوٹی دیکھ کر چھوڑ دیا اس کے بعد ان لوگوں نے تختہ فٹ کر لیا۔ یہ ظالم اندلس میں رہتا تھا
مقتول بچے کا معاملہ یہ تھا کہ اس کی سرشت میں کفر تھا۔ اور اس کے ماں باپ مومن تھے اس کا اندیشہ تھا کہ کہیں اس کا
بچے کی محبت میں وہ بھی کافر ہو جائیں میں نے اسے مار ڈالا۔ تاکہ ماں باپ اس کی وجہ سے کافر نہ ہوں۔ قرآن مجید میں ہے کہ
ہم نے یہ چاہا اللہ عزوجل اس کے عوض ان لوگوں کو، کوئی نیک اولاد عطا فرمائے۔ بخاری تفسیر میں ہے کہ ان کے
عوض میں ایک لڑکی عطا ہوئی۔ جمل میں ہے کہ ان کا نکاح ایک نبی سے ہوا جن سے نبی پیدا ہوئے۔ بعض روایتوں سے معلوم

اَنَّ مُوْسیٰ لَیْسَ بِمُوْسیٰ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اِنَّمَا هُوَ

جن موسیٰ نے (خضر سے ملاقات کی تھی) یہ بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں تھے بلکہ کوئی اور

ہوتا ہے کہ شمعون اصفیں کی نسل سے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ بہت انبیاء انکی نسل سے ہوئے۔ حضرت خضر نے اس مقتول کا کلیجہ چیر کر دل نکال کر دکھایا اس پر لکھا تھا کافر ہے کبھی ایمان نہ قبول کرے گا۔ اور دیوار دو یتیم بچوں کی تھی جس کے نیچے خزانہ مدفون تھا۔ اگر دیوار ابھی گر پڑتی تو گاؤں والے سب خزانہ لے جاتے۔ اور یہ بچے محروم رہ جاتے انکی ساتویں پشت میں ان کے دادا کا شیخ نیک صالح شخص تھے ان کی برکت سے اللہ کو یہ منظور ہوا کہ یہ خزانہ انھیں بچوں کو ملے اس وقت میں نے دیوار درست کردی تاکہ یہ بڑے ہو کر اس خزانے کو حاصل کرلیں۔ سورۂ کہف و تفسیرات

ابن عباس حر بن قیس یہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنی فزارہ کے فرد اور عیینہ بن حصن کے بھتیجے تھے۔ ان کے قبیلہ کا وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا اس کے ایک رکن یہ بھی تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمنشینوں میں تھے۔

نوف بکالی بن فضالہ۔ یہ تابعی تھے ان کی کنیت ابو رشید ہے۔ یہ عالم فاضل اہل دمشق کے مقتدا اور قاضی تھے ابن تین نے کہا کہ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربان تھے یہ قاص یعنی واعظ تھے کہا جاتا تھا کہ اسرائیلی روایات بہت بیان کرتے تھے۔ مشہور یہ ہے کہ یہ کعب احبار کی زوجہ کے بیٹے تھے ان کو بکالی اس لئے کہتے ہیں کہ حمیر کی ایک شاخ بنی بکال کے فرد تھے۔

ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور انصاری صحابی ہیں۔ بیعت عقبہ اور بدر میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ اس امت کے سب سے اچھے قاری ہیں ان کا خطاب "اقرأهم لكتاب الله" ہے۔ حضرت عمر ان کو سید المسلمین کہا کرتے تھے۔ ۱۹ھ یا بائیس یا تیس میں مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا۔ ان سے ایک سو چونسٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ تین متفق علیہ چار افراد بخاری سے اور سات افراد مسلم سے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام موسیٰ بن عمران کلیم اللہ علیہ السلام حضرت یعقوب کے صاحبزادے لاوی کی نسل سے ہیں ان کے والد عمران نے ایک سو سینتیس سال کی عمر پائی جب ان کی عمر ستر سال کی ہوئی تو حضرت موسیٰ کی ولادت ہوئی۔ حضرت موسیٰ نے میدان تیہ میں ایک سو ساٹھ سال کی عمر پاکر وصال فرمایا۔ ان کا وصال طوفان نوح کے ایک ہزار چھ سو بیس سال بعد ہوا۔ انھوں نے جس فرعون کو ہلاک فرمایا تھا اس کا نام ولید بن مصعب بن ریان بن اراشہ تھا۔ اسے چار سو سال کی عمر ملی۔ موسیٰ کا اصل تلفظ موشی تھا اس کے معنی قبطی زبان میں پانی اور کچھ درخت کے ہیں۔ یہ نام آسیہ بنت مزاحم

فرعون کی زوجہ نے رکھا تھا اس لئے کہ ان کا تابوت آسیہ کو پانی اور درخت میں ملا تھا۔ یہ قبطی لفظ ہے اسے عربی بنانے [illegible]
کی کوشش میں کوئی فائدہ نہیں۔

بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام اسرائیل ہے۔ ان کے بارہ بیٹے تھے۔ یوسف علیہ السلام
بنیامین۔ دانی۔ نفتالی۔ زابلون۔ جاد۔ یستاخر۔ اشیر۔ روبیل۔ یہوذا۔ شمعون۔ لاوی ان کو اسباط بھی کہتے ہیں
اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک قبیلے کا جد ہے۔ اسباط بہت زیادہ شاخوں والے گھنے درخت کو کہتے ہیں۔ اور ان کی نسل
بنو اسرائیل ہیں۔

یوشع بن نون یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم خاص اور ان کے
صحابی و تلمیذ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے چالیس سال بعد ان کو نبوت عطا ہوئی تھی اور انھوں نے
ہی بیت المقدس فتح فرما کر جبارین کا قلع قمع کیا۔ ان کے لئے ہی سورج واپس ہوا تھا۔ یہ بیت المقدس کے جبارین پر جہاد کر رہے
جہاد فرما رہے تھے جمعہ کا دن تھا۔ ان کے مذہب میں ہفتے کو لڑنا جائز نہ تھا۔ جبارین شکست کھا چکے تھے بنی اسرائیل
ان کا قتل عام کر رہے تھے کچھ رہ گئے تھے۔ کہ سورج ڈوبنے کے قریب ہو گیا۔ انھوں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ
سورج کو واپس کر دے اور سورج سے فرمایا اے سورج تو بھی اللہ کی اطاعت میں ہے میں بھی اللہ کی اطاعت میں ہوں
تو ٹھہر جا۔ اے چاند تو بھی اپنی جگہ رکا رہ تاکہ میں سینچر آنے سے پہلے دشمنان خدا سے انتقام لے لوں۔ سورج پلٹ آیا اور دن بڑا
ہو گیا۔ جب سب ظالمین کا قلع قمع ہو گیا۔ تو ڈوبا۔ ان کو ایک سو سولہ سال کی عمر عطا ہوئی۔ حضرت موسیٰ کے بعد ستائیس
سال بنی اسرائیل کے مقتدا رہے وصال کے بعد جبل ابراہیم میں دفن ہوئے۔

خضر اس میں تین لغت ہے خضر، خِضر، خَضر ان کے لغوی معنی سبز کے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم نے فرمایا ان کا نام خضر اس لئے پڑا کہ یہ ایک خشک سفید زمین پر بیٹھے تو اس پر سبزہ اگ آیا۔ امام مجاہد نے فرمایا
کہ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ جس جگہ نماز پڑھتے ہری ہو جاتی۔ خطابی نے کہا چونکہ بہت حسین تھے چہرہ روشن تھا اس
لئے یہ نام پڑا ان تینوں میں کوئی تنافی نہیں۔ ان کی کنیت ابو العباس ہے نام کے بارے میں اختلاف ہے وہب
بن منبہ نے کہا کہ بَلْیَا ہے۔ کسی نے کہا اَلْیَسَا ہے کسی نے کہا ارمیا ہے کسی نے کہا اَلْیَسَع ہے کسی نے کہا خضرون ہے
علامہ ابن حجر نے فرمایا پہلا قول زیادہ قوی ہے یعنی بَلْیَا۔ ان کا نسب کیا ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم کے

سلہ جلالین صاوی سورۂ مائدہ مسند امام احمد سلہ بخاری ص ۴۸۲

بلا واسطہ صاحبزادے ہیں انھیں کی دعا کی برکت سے طویل عمر پائی۔ حضرت آدم نے اپنے صاحبزادوں کو طوفان نوح کی خبر دی تھی اور یہ دعا کی تھی کہ میرے تابوت کی جو حفاظت کرے گا اسے طویل عمر ملے گی۔ یہ خدمت خضر نے انجام دی انھیں کو عمر جاوداں ملی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ قابیل کے بیٹے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت الیاس کے بھائی ہیں اور شہزادے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت نوح کے صاحبزادے سام کی نسل سے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ عیص بن اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت ہارون کی اولاد ہیں۔ بعض اہل کتاب کا قول ہے کہ ذوالقرنین کی خالہ کے صاحبزادے ہیں۔

ان کا زمانہ کیا ہے یہ بھی مختلف فیہ ہے۔ کہا گیا ہے کہ فریدون کے زمانے میں تھے۔ یہ بھی کہا گیا کہ ذوالقرنین اکبر کے مقدمۃ الجیش تھے جو ابراہیم خلیل اللہ کے زمانے میں تھا۔ نیز یہ بھی کہا گیا کہ یہ ذوالقرنین کے وزیر تھے۔ انھوں نے آب حیات پایا اور پیا زندہ جاوید ہو گئے۔ ذوالقرنین محروم رہا۔ ابن جریر نے کہا صحیح یہ ہے کہ فریدون سے پہلے تھے۔ اس لئے کہ یہ طے ہے کہ انھوں نے حضرت موسیٰ کا زمانہ پایا۔

پھر یہ اختلاف ہے کہ یہ نبی تھے کہ صرف ولی، نبی تھے تو صرف نبی تھے کہ نبی مرسل صحیح یہی ہے کہ نبی تھے اس پر دلیل ان کا یہ ارشاد ہے مَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي۔ اس بچے کا قتل میں نے اپنی طبیعت سے نہیں کیا۔ تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ انھیں اسے مار ڈالنے کا حکم بذریعہ وحی ہوا تھا اسلئے وہ واجب الاتباع تھا اگر ولی ہوتے تو اس قول کی تاویل یہ ہوتی کہ انھیں الہام ہوا تھا۔ اور کسی ولی کو یہ جائز نہیں کہ اسے اگر کسی کے قتل کرنے کا الہام ہو تو اسے مار ڈالے۔ اور وحی ہی برآتی ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پا گئے۔ امام بخاری اور کچھ محدثین کا مذہب یہ ہے کہ وہ وفات پا چکے مگر جمہور اہل اللہ و جمیع اولیا کی تحقیق یہ ہے کہ وہ اب بھی زندہ ہیں اور دجال کے بعد جب ایمان اٹھ جائے گا اس وقت وصال فرمائیں گے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے ان کی ملاقات ثابت ہے اور اولیاء کرام کے یہاں تو متواتر ہے کعب احبار نے کہا چار نبی زندہ ہیں۔ اور زمین والوں کے لئے امان ہے۔ دو زمین میں خضر اور الیاس اور دو آسمان میں ادریس اور عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والتسلیم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس ہر سال حج میں شریک ہوتے ہیں۔ اور احرام سے باہر آنے کے لئے ایک دوسرے کا بال اتارتے ہیں۔۔۔۔ الباب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت خضر جیسے مخفی ہیں ان کے احوال بھی مخفی ہیں الا ما شاء اللہ

مُوسیٰ اٰخَرُ فَقَالَ کَذَبَ عَدُوُّ اللّٰہِ حَدَّثَنَا اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ عَنِ النَّبِیِّ

موسیٰ تھے۔ ابن عباس نے فرمایا اللہ کے دشمن نے جھوٹ کہا ہے ہم سے ابی بن کعب نے حدیث بیان کی کہ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَامَ مُوسَی النَّبِیُّ خَطِیْبًا فِیْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا۔ موسیٰ نبی نے بنی اسرائیل کو خطبہ دیا ہے پوچھا گیا کون سب سے زیادہ علم والا ہے

فَسُئِلَ اَیُّ النَّاسِ اَعْلَمُ فَقَالَ اَنَا اَعْلَمُ فَعَتَبَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَیْہِ اِذْ لَمْ

فرمایا میں ہوں اس کہنے کی وجہ سے اللہ عزوجل نے موسیٰ پر عتاب فرمایا کہ انہوں نے یہ نہیں

تطبیق ① کتاب التفسیر میں ہے سعید بن جبیر اور نوف بکالی میں یہ اختلاف ہوا کہ جن موسیٰ نے خضر سے ملاقات کی تھی یہ موسیٰ کلیم اللہ نہیں بلکہ دوسرے موسیٰ یعنی موسیٰ بن میشا بن یوسف علیہ السلام ہیں جو حضرت موسیٰ کلیم اللہ سے پہلے نبی ہیں اہل کتاب کا یہی خیال ہے۔

اسی کتاب العلم میں پہلے دو جگہ اور آگے بھی مذکور ہے کہ اختلاف حضرت ابن عباس اور حر بن قیس میں ہوا وہ یہ کہ موسیٰ کلیم اللہ جن سے ملاقات کیلئے گئے تھے وہ خضر تھے یا کوئی اور صاحب۔ تطبیق یہ ہے کہ یہ دو واقعے ہیں پہلا اختلاف ابن عباس اور حر بن قیس میں ہوا کہ حضرت موسیٰ جن سے ملنے گئے تھے وہ خضر تھے یا کوئی اور۔ یہ اختلاف دو صحابی کا اتفاق سے حضرت ابی بن کعب کا گذر ہوا ان سے دریافت فرمایا انہوں نے مذکورہ حدیث بیان فرمائی۔ دوسرا اختلاف یہ کہ یہ کون موسیٰ تھے سعید بن جبیر اور نوف بکالی میں ہوا یہ دونوں تابعی تھے سعید بن جبیر کے دریافت کرنے پر حضرت ابن عباس نے حضرت کعب سے سنی ہوئی حدیث بیان فرما دی۔

② نوف بکالی تابعی تھے اور اہل دمشق کے قاضی و امام تھے ان کو اللہ کا دشمن کہنا حقیقی معنی میں نہیں۔ شدت ظلم کرنے کے لئے زجراً حالتِ غضب میں فرما دیا اور کسی غلطیات کو سنکر حق پرست علماء کو جلال آ ہی جاتا ہے۔ لیکن علامہ ابن حجر نے فرمایا ہو سکتا ہے حضرت ابن عباس کو نوف کے مسلمان ہونے میں کچھ شبہ رہا ہو اس پر قرینہ یہ ہے کہ حر بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بھی صحیح نہیں تھا مگر ان کو کچھ نہیں کہا۔

③ جس میں اللہ کی نعمتوں اور بلاؤں کا ذکر اتنے موثر طریقے سے فرمایا کہ حاضرین پر رقت طاری ہو گئی۔ لوگ رو پڑے موسیٰ علیہ السلام نے خطبہ بند کر دیا تو ایک شخص نے پوچھا۔

ملہ عینی کتاب العلم ج ۲

تَرُدَّ الْعِلْمَ اِلَيْهِ فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ اَنَّ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِىْ بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ

فرمایا کہ اللہ ہی جانتا ہے تو اللہ نے ان کی طرف وحی کی میرے بندوں میں سے ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے وہ تم

اَعْلَمُ مِنْكَ قَالَ يَارَبِّ وَكَيْفَ بِهٖ فَقِيْلَ لَهُ احْمِلْ حُوْتًا فِىْ مِكْتَلٍ فَاِذَا فَقَدْتَّهُ

سے زیادہ علم والا ہے موسیٰ نے عرض کیا اے رب! کیسے ان سے ملاقات ہو فرمایا گیا ایک مچھلی توکری میں لے لو۔ جہاں یہ

یہاں اور کتاب التفسیر وغیرہ میں ہے کہ سوال کرنے پر فرمایا کہ میں اعلم ہوں اس پر عتاب ہوا۔ اور مسلم شریف میں ④ ہے کہ حضرت موسیٰ اپنی قوم میں ایام اللہ یعنی اللہ کی نعمتوں اور بلاؤں کو بیان فرما رہے تھے کہ یہ کہہ دیا کہ زمین میں کسی کو اپنے سے زیادہ بہتر اور علم والا نہیں جانتا۔ اس پر اللہ نے وحی بھیجی کہ زمین میں ایک شخص تم سے زیادہ علم والے ہیں اور بخاری کی عام روایتوں میں یہ ہے کہ کسی نے سوال کیا تو فرمایا۔ ان کے بین تطبیق یہ ہے کہ مسلم شریف کی روایت میں اختصار ہے سائل کے سوال اور عتاب کو راوی نے چھوڑ دیا۔

⑤ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت موسیٰ سے یہ پوچھا کہ آپ کسی ایسے کو جانتے ہیں جو آپ سے زیادہ علم والا ہو۔ فرمایا نہیں۔ اور یہاں یوں ہے کہ ان سے پوچھا گیا کون سب سے زیادہ علم والا ہے تو فرمایا میں ہوں۔ دونوں روایتوں کا حاصل ایک ہی ہے حضرت موسیٰ کی مراد یہ تھی کہ جتنے اہل علم کو جانتا ہوں ان سب سے اعلم میں ہوں۔ اس اعتبار سے یہ فرمانا غلط نہ تھا بلکہ عند التحقیق واقعہ کے اعتبار سے بھی صحیح ہو فی الواقع حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر سے اعلم تھے لیکن اس جواب میں خود بینی و خود نمائی کی بو تھی جو ان کے شایان شان نہ تھی انھیں جواب میں یہ فرمانا چاہیے تھا کہ اللہ اعلم یا کم از کم یہ فرماتے انا اعلم واللہ اعلم اس لئے ان پر عتاب ہوا جیسا کہ دوسری روایت میں تصریح ہے
جب موسیٰ نعلمہ تعاتبہ بما لقی الخضر موسیٰ کو اپنے علم پر عجب ہوا اس لئے ان پر عتاب ہوا لاز خضر کے ساتھ واقعہ پیش آیا۔
اور حقیقت میں یہ ان کی امت کی تعلیم کے لئے تھا کہ وہ عجب میں مبتلا نہ ہوں۔

⑥ اس سے معلوم ہوا کہ ادب یہ ہے کہ عالم جو بات بیان کرے اس کے بعد یہ کہے واللہ تعالیٰ اعلم اسی کے مطابق فقہائے کرام اپنے فتووں کے بعد واللہ تعالیٰ اعلم لکھتے ہیں۔

⑦ یہ مجمع البحرین دو سمندروں کا سنگم کون ہے۔ اس میں شراح حدیث و مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ جانب مشرق روم اور فارس کے سمندروں کا سنگم۔ ابی بن کعب سے ثعلبی نے حکایت کی کہ یہ افریقہ میں ہے۔ اور ایک قول یہ ہے۔ طنجہ۔ مراد ہے کچھ لوگوں نے کہا دریائے اردن اور قلزم کا سنگم مراد ہے اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

⑧ یہاں شبہ وارد ہوتا ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت خضر حضرت موسیٰ سے اعلم ہیں۔ حالانکہ یہ محقق ہے

کسی کا اپنے اہل زمانہ سے اعلم ہونا ضروری ہے ۔ اس کا ایک جواب زمخشری نے دیا کہ چونکہ صحیح یہ ہے کہ حضرت خضر نبی ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک نبی دوسرے نبی سے تعلیم حاصل کرے ۔ اس کا مفاد یہ نکلا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ حضرت موسیٰ سے اعلم ہوں اس لئے کہ دونوں نبی ہیں ۔ اس پر علامہ ابن حجر نے یہ اعتراض کیا یہ تو تسلیم کر لینا ہی ہوا حضرت خضر حضرت موسیٰ سے اعلم ہیں ۔ حالانکہ یہی اصل اعتراض ہے پھر خود ہی جواب ارشاد فرمایا ۔ کہ حضرت خضر کی اعلمیت مخصوص چیزوں کے اعتبار سے ہے ۔ پھر بعد میں تحریر فرمایا کہ اگر حضرت خضر کو نبی مرسل مانیں تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اعلم ہوں ۔ لیکن اور اگر ان کو صرف نبی یا ولی مانیں تو وہی مخصوص اعلمیت مراد ہے ۔ علامہ ابن حجر نے ابتداءً اعلم ہونے کو خاص کیا پھر تفصیل کی ۔ اگر حضرت خضر نبی مرسل ہیں تو اعلم یہاں اپنے حقیقی معنی میں ہے اور اگر حضرت خضر کو صرف نبی یا ولی مانیں تو خاص باتوں کے اعتبار سے اعلم ہونا مراد ہے ۔

علامہ عینی نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ وظائف نبوت اور امور شریعت کے اعتبار سے مطلقاً اعلم ہیں اور حضرت خضر دوسری چند مخصوص چیزوں (یعنی امور غیب و حوادث و قدیہ) کے اعتبار سے اعلم ہیں ۔

لیکن ہر ذی علم جانتا ہے کہ جو شخص علوم کثیرہ وہ بھی وظائف نبوت اور احکام شریعت کے اعتبار سے ، اعلم ہو اس کے مقابلے میں ایسے شخص کو جو مخصوص ایسی باتیں جانتا ہو جن پر پہلا شخص مطلع نہیں ، اعلم کہنا درست نہیں ۔ اس لئے خادم کے خیال میں صحیح توجیہ یہ ہے کہ یہ موقع چونکہ عتاب و تنبیہ و تادیب کا ہے اور تنبیہ و تادیب کے موقع پر جو جملے کہے جاتے ہیں ۔ ان سے حقیقی معنی مراد نہیں ہوتا ۔ صرف تنبیہ و تادیب مقصود ہوتی ہے ۔ مثلاً ایک استاذ اپنے کسی زیادہ لائق وفائق تلمیذ کو ناراضگی کی حالت میں تادیباً کہے تم کو کچھ نہیں آتا یا اس سے کم درجے کے تلمیذ کو کہے کہ تم سے زیادہ لائق تو یہ ہے — اسلوب بیان کا ماہر جانتا ہے کہ یہاں مراد حقیقی معنی نہیں ۔ صرف اظہار عتاب ہے اسی طرح یہاں بھی عتاب کے موقع پر اس "اعلم" کے حقیقی معنی مراد نہیں ۔ جیسا کہ بعض حضرات نے "کذب عدو اللہ" کی توجیہ میں فرمایا اس لئے اس سے حضرت خضر کی اعلمیت پر استدلال درست نہیں ۔ اس میں علماء و ارباب کمال کو یہ تلقین کرنا ہے کہ اپنے علم و فضل پر گھمنڈ نہ کریں اترائیں نہیں ۔ تواضع و فروتنی کرتے رہیں ۔

(۹) کتاب التفسیر میں بطریق یعلی ہے ۔ کہ ارشاد ہوا ایک بے جان مچھلی لے جہاں یہ مچھلی زندہ ہو جائے وہیں وہ بندہ بھی خضر ہیں ۔ حضرت موسیٰ نے اپنے خادم حضرت یوشع سے فرمایا تم کو اس لئے ساتھ لے رہا ہوں کہ تم دھیان رکھنا جہاں مچھلی ہمارا ساتھ چھوڑ دے مجھے بتانا انھوں نے فرمایا یہ کوئی بڑی بات نہیں ۔ حضرت موسیٰ نے نمک آلود مچھلی لی بعضوں نے کہا مچھلی کا آدھا دھڑ کھایا تھا ۔ ایک قول یہ ہے کہ بھنی ہوئی مچھلی تھی ۔ ہو سکتا ہے بھنی ہوئی نمک آلود

ترجمہ: فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقَ مَعَهُ بِفَتَاهُ يُوشَعَ بْنِ نُونٍ وَحَمَلَا حُوتًا فِي

غائب ہو جائے وہیں وہ ہوں گے۔ موسیٰ چلے اور ان کے ساتھ ان کے خادم یوشع بن نون بھی چلے۔ دونوں نے

مِكْتَلٍ حَتَّى كَانَا عِنْدَ الصَّخْرَةِ وَضَعَا رُءُوسَهُمَا فَنَامَا فَانْسَلَّ الْحُوتُ

ایک مچھلی ڈلی (ڈلیا) میں رکھ لی۔ جب صخرہ تک پہنچے تو سر رکھا اور سو گئے۔ مچھلی ڈلیا سے نکل گئی

مِنَ الْمِكْتَلِ فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا وَكَانَ لِمُوسَى وَفَتَاهُ عَجَبًا فَانْطَلَقَا

اور دریا میں اپنی راہ لی۔ سرنگ بناتی ہوئی اور موسیٰ اور ان کے خادم کو تعجب ہوا⑪

مچھلی ملا ہو۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بغیر بھنی ہوئی کچی مچھلی کھائی نہیں جاتی۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ چلتے وقت سالم مچھلی لی ہو اس میں سے راستے میں کچھ کھائی ہو۔ اور صخرہ کے پاس جب پہونچے تو اس کا آدھا حصہ رہ گیا تھا۔

⑩ تفسیر میں ہے کہ جب ایک چٹان کے پاس پہونچے جس کے نیچے زمین ترتھی حضرت موسیٰ اس چٹان کے سایہ میں سو گئے اسی میں دوسری روایت ہے کہ اس چٹان کے نیچے آب حیات کا چشمہ تھا اس کا پانی جس مردہ پر پڑتا زندہ ہو جاتا کسی طرح مچھلی پر اس کا پانی پڑ گیا مچھلی زندہ ہو گئی اور تڑپ کر سمندر میں چلی گئی۔ اور سمندر میں جہاں ڈوبی وہاں گول سرنگ جم گئی حضرت یوشع یہ منظر دیکھ رہے تھے مگر حضرت موسیٰ کو جگایا نہیں سوچا جب بیدار ہوں گے تو بتا دوں گا۔ مگر جب حضرت موسیٰ بیدار ہوئے تو انہیں یاد نہ رہا۔ یہاں یہ ہے کہ دونوں سو گئے اور تفسیر کی دو روایتوں میں ہے کہ صرف حضرت موسیٰ سوئے۔ اور حضرت یوشع جاگ رہے تھے۔ اور مچھلی کے زندہ ہو کر دریا میں جانے کو دیکھ رہے تھے۔ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ پہلے حضرت یوشع کچھ دیر سوئے ہوں یہ بیدار ہوئے تو حضرت موسیٰ سوئے یا یہ کہ تغلیباً فرمایا گیا ہے جیسا کہ آیت کریمہ یخرج منہما اللؤلؤ والمرجان حالانکہ موتی اور مرجان صرف کھاری سمندر سے نکلتے ہیں جیسا کہ بعد میں فرمایا گیا کہ دونوں بھول گئے۔ حالانکہ صرف حضرت یوشع بھولے تھے۔ نسیا حوتھما کی ایک تاویل یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ بیداری کے بعد مچھلی کا حال دریافت کرنا بھولے اور حضرت یوشع بتانا۔

⑪ یہ قول اس وقت کا ہے جبکہ حضرت موسیٰ کو حضرت یوشع نے مچھلی کے حال کی خبر دی جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے اور کتاب التفسیر کی ایک روایت میں بھی۔ اور یہی واقعہ بھی بتاتا ہے۔ اس لئے اس وقت تو حضرت موسیٰ کو مچھلی کے واقعہ کا علم ہی نہیں تھا۔ علم ہوا یوشع کے بتانے کے وقت مگر چونکہ یہ تعجب مچھلی کی گم شدگی پر تھا اس لئے اسی کے ساتھ ذکر فرما دیا

⑫ یہاں یہ جملہ۔ ہو فرہے۔ اس میں الٹ پلٹ ہو گیا۔ صحیح یہ ہے کہ بقیہ دن اور رات چلے اس پر قرینہ یہ ہے کہ آگے فرمایا جب صبح ہوئی اور صبح رات کے بعد ہوتی ہے نیز تفسیر کی ایک روایت میں بقیۃ یومہما ولیلتہما آئی ہے۔

بقية ليلتهما ويومهما - فلما اصبح قال موسى لفتاه آتنا غداءنا لقد لقينا

جہاں سے اٹھ کر دونوں بقیہ دن رات چلے۔ جب صبح ہوئی موسی نے اپنے خادم سے فرمایا ہمارے صبح کا کھانا لاؤ

من سفرنا هذا نصبا ولم يجد موسى مسا من النصب حتى جاوز

اس سفر سے ہمیں تکان آگئی ہے اور موسی کو تکان چھوئی بھی نہیں جب تک کہ اس جگہ سے آگے نہ بڑھے

المكان الذي امر به فقال له فتاه ارايت اذ اوينا الى الصخرة فاني

جہاں جانے کا انھیں حکم دیا گیا تھا ان کے خادم نے کہا دیکھئے، جب ہم چٹان کے پاس ٹھہرے تھے

نسيت الحوت قال موسى ذلك ما كنا نبغ فارتدا على آثارهما قصصا

تو میں مچھلی کا واقعہ بیان کرنا بھول گیا۔ موسی نے فرمایا یہی تو ہم چاہتے تھے اس کے بعد دونوں اپنے نشان قدم دیکھ کر

فلما انتهيا الى الصخرة اذا رجل مسجى بثوب او قال تسجى بثوبه

پیچھے لوٹے پھر جب صخرہ تک پہونچے تو دیکھا کہ ایک صاحب سر سے پاؤں تک کپڑا تانے ہوئے ہیں۔

(۱۳) قصص کے معنی دو ہیں، پیچھے چلنا۔ قصہ بیان کیا بات چیت کی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں پہلا معنی ظاہر ہے دوسرا معنی یوں کہ وہ دونوں حضرات آپس میں بات چیت بھی کرتے جاتے تھے۔ اسی سے یہ معلوم ہوا کہ دوران سفر آپس میں بات چیت کرنا سنت ہے اس سے سفر میں کوفت نہیں ہوتی۔

(۱۴) مسلم شریف میں ہے کہ لوٹ کر اس چٹان کے پاس واپس ہوئے حضرت یوشع نے بتایا کہ یہاں مچھلی غائب ہوئی تھی۔ بخاری تفسیر میں ہے کہ دونوں نے مچھلی کے غائب ہونے کی جگہ کو دیکھا کہ طاق کے شکل ہے۔ پھر دیکھا کہ ایک صاحب بیچ سمندر میں پانی کے اوپر ایک سبز فرش پر اس طرح کپڑا اوڑھے ہیں کہ چادر کا ایک کنارہ سر کے نیچے اور دوسرا پاؤں کے تلے۔ مسلم میں ہے کہ چت سوئے تھے ابن حاتم کی ایک روایت میں ہے کہ اون کا جبہ پہنے تھے اون ہی کا کمبل تھا ان کے ساتھ ان کا عصا تھا جس پر ان کا کھانا باندھا ہوا تھا۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ یہ دونوں اس سوراخ میں تشریف لے گئے جو مچھلی نے بنائی گئی تھی۔ پانی جم کر سخت ہو گیا تھا۔ اندر جزیرۃ البحر میں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت خضر سبز فرش پر کھڑے ہو کر بیچ سمندر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

بخاری کی ان روایات اور ابن ابی حاتم کی روایت میں تخالف نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ بخاری کی روایت میں اختصار ہو اور مراد یہی ہو کہ اس سرنگ کے اندر گئے تو حضرت خضر کو دیکھا البتہ اخیر حصے میں ضرور تعارض ہے [illegible] یہاں ترجیح بخاری ہی کی روایت کو ہوگی۔ واللہ تعالی اعلم

فَسَلَّمَ مُوسٰى فَقَالَ الْخَضِرُ وَاَنّٰى بِاَرْضِكَ السَّلَامُ فَقَالَ اَنَا مُوسٰى فَقَالَ

موسیٰ نے سلام کیا تو خضر نے کہا۔ تمھاری (اس) زمین میں سلام کہاں سے؟ جواب دیا میں موسیٰ ہوں پوچھا

مُوسٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ قَالَ نَعَمْ. قَالَ هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰى اَنْ تُعَلِّمَنِيْ مِمَّا عُلِّمْتَ

بنی اسرائیل کے موسیٰ فرمایا۔ ہاں موسیٰ نے ان سے کہا (اجازت ہے) کہ میں آپ کے ساتھ اس شرط پر رہوں کہ

رُشْدًا قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا. يَا مُوسٰى اِنِّيْ عَلٰى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ

آپ مجھے ان نیک باتوں میں سے کچھ سکھا دیں جو آپ کو سکھائی گئی ہیں خضر نے کہا آپ ہرگز میرے ساتھ نہ رہ پائیں گے اے

اللّٰهِ عَلَّمَنِيْهِ لَا تَعْلَمُهُ اَنْتَ وَاَنْتَ عَلٰى عِلْمٍ عَلَّمَكَهُ اللّٰهُ لَا اَعْلَمُهُ فَقَالَ سَتَجِدُنِيْ

مجھے اللہ نے کچھ ایسا علم عطا فرمایا ہے جسے آپ نہیں جانتے اور آپ کو اللہ نے کچھ ایسا علم عطا فرمایا ہے جسے میں نہیں جانتا موسیٰ

(۱۵) اَنّٰی۔ حیث، این، متی، حیث کے معنی میں آتا ہے یہاں کیف اور این کے معنی میں ہے اگر کیف کے معنی میں لیا جائے تو اظہار تعجب کے لئے ہے معنی یہ ہوئے اس زمین میں سلام کیسے؟ یہ اس بنا پر کہ وہ علاقہ کفار کا تھا۔ وہ سلام جانتے ہی نہ تھے۔ یا اس علاقہ میں ملاقات کے وقت لفظ سلام کے علاوہ اور کسی لفظ سے تحیت رائج تھی۔ اور اگر این کے معنی میں لیا جائے تو سوالیہ جملہ ہوگا یعنی تم نے سلام کیسے جانا وہ جگہ ویران تھی کوئی باشندہ نہ ہوگا اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت خضر نے حضرت موسیٰ کو نہیں پہچانا ورنہ یہ تعجب نہ ہوتا اور سوال نہ کرتے اس لئے کہ وہ غائبانہ واقف تھے۔ جیسا کہ آگے کے جملے ظاہر ہے کہ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ نے فرمایا میں موسیٰ ہوں تو انھوں نے پوچھا بنی اسرائیل کے موسیٰ۔ فرمایا۔ ہاں۔

(۱۶) نعم تفسیر میں انداز ادب ہے۔ اس کے بعد حضرت خضر نے پوچھا آپ کا کیا حال ہے کس لئے تشریف لائے ہیں۔ تو حضرت موسیٰ نے فرمایا اس لئے آیا ہوں کہ آپ مجھے ان اچھی باتوں میں سے کچھ کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھائی گئی ہیں۔ اس پر حضرت خضر نے عرض کیا۔ کیا آپ کیلئے یہ کافی نہیں۔ کہ توریت آپ کے پاس ہے۔ آپ کے پاس وحی آتی ہے اے موسیٰ میرے پاس کچھ ایسے علوم ہیں کہ ان سب کا جاننا آپ کے لائق نہیں اور آپ کے پاس کچھ ایسے علوم ہیں جن سب کا جاننا میرے لائق نہیں۔

(۱۷) اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت خضر کو حکم تھا کہ وہ باطنی احوال کے مطابق عمل فرمائیں۔ اور حضرت موسیٰ کو نہ ان تمام جزئی باتوں کا علم تھا نہ وہ باطنی احوال کے مطابق عمل کے مامور تھے۔ حضرت خضر کا منشا یہ تھا کہ میں باطنی احوال کے مطابق عمل کروں گا جنھیں بظاہر آپ خلاف شرع پائیں گے اور چونکہ آپ نبی مرسل ہیں اسلئے مجھے روکیں گے مجھ پر

إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ

نے کہا انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور آپ کے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا۔ اس کے بعد یہ دونوں دریا کے

لَيْسَ لَهُمَا سَفِينَةٌ فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِينَةٌ فَكَلَّمُوهُمْ أَنْ يَحْمِلُوهُمَا فَعُرِفَ الْخَضِرُ

کنارے پیدل چلے۔ ان کے پاس کشتی نہ تھی۔ پھر ایک کشتی ان کے قریب آئی۔ انھوں نے کشتی والوں سے بات کی کہ انھیں

فَحَمَلُوهُمَا بِغَيْرِ نَوْلٍ فَجَاءَ عُصْفُورٌ فَوَقَعَ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ فَنَقَرَ نَقْرَةً

بھی سوار کرلیں خضر کو پہچان لیا گیا کشتی والوں نے انکو بغیر کرایہ کے سوار کرلیا کہ ایک چھوٹی چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے بیٹھی اور

أَوْ نَقْرَتَيْنِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ الْخَضِرُ يَا مُوسَى مَا نَقَصَ عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ

ایک یا دو چونچ سمندر میں مارا۔ اس پر خضر نے کہا میرے اور تمہارے علم کی نسبت علم الٰہی کے ساتھ وہی ہے جو اس چڑیا

اللَّهِ إِلَّا كَنَقْرَةِ هَذَا الْعُصْفُورِ فِي الْبَحْرِ فَعَمَدَ الْخَضِرُ إِلَى لَوْحٍ مِنْ أَلْوَاحِ

کے ایک چونچ کی سمندر سے ہے۔ حضرت خضر نے کشتی کا ایک تختہ نکال لیا۔

اعتراض فرمائیں گے۔ صبر نہ کرنے سے یہی مراد ہے کہ آپ مجھے ضرور ٹوکیں گے۔

(۱۸) چلے فرمایا۔ دونوں یعنی حضرت موسیٰ اور خضر چلے۔ اس سے وہم ہوتا ہے کہ حضرت یوشع ان کے ہمراہ نہ تھے لیکن فکلموهم جمع کا صیغہ ہے۔ اس سے ثابت کہ تین آدمی تھے اور تیسرے سوائے حضرت یوشع کے اور کوئی نہیں۔ اور پہلے تثنیہ کا صیغہ اس لئے استعمال فرمایا کہ حضرت یوشع کی حیثیت خادم و تابع کی تھی۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے دریا میں ایک کشتی جاتی ہوئی نظر آئی تو حضرت خضر نے آواز دی اور فرمایا کہ اور سواروں نے جو کرایہ دیا ہے ہم لوگ اس کا دو دیں گے۔ کشتی کے سواروں نے کشتی کے مالک سے کہا۔ اس خوفناک جگہ یہ لوگ کہیں چور نہ ہوں۔ کشتی کے مالک نے کہا میں ان لوگوں کے چہرے پر نور دیکھ رہا ہوں اور ان کو بغیر کرایہ سوار کرلیا۔

(۱۹) یہاں لفظ نقص وارد ہے جس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا۔ میرے اور تمہارے علم نے باری تعالیٰ کے علم میں اتنی ہی کمی کی جتنی اس چڑیا کے ایک مرتبہ چونچ میں پانی لینے سے کمی ہوگی۔ اس پر شبہ وارد ہوتا ہے کہ چڑیا کے ایک بار چونچ میں پانی لینے سے واقعی سمندر کے پانی میں کمی ہوتی ہے۔ مگر حضرت موسیٰ اور خضر ہی کیا سارے جہان کے لوگوں کے علوم نے باری تعالیٰ کے خزانہ علم میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں کی اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایک چونچ پانی لے لینے سے سمندر کے پانی میں کمی ہوتی ہے مگر عرف میں یہی کہا جاتا ہے کہ کچھ بھی کمی نہیں ہوئی یہاں اس جملے کا یہی عرفی معنی مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جیسے یہاں کوئی کمی نہیں ہوئی اسی طرح مخلوقات کے علوم نے علم باری میں کوئی کمی نہیں کی۔ یا یہ کہ تشابہ سے یہی علوم [illegible]

السَّفِينَةِ فَنَزَعَهُ فَقَالَ مُوسَى قَوْمٌ حَمَلُونَا بِغَيْرِ نَوْلٍ عَمَدْتَ إِلَى سَفِينَتِهِمْ

اس پر موسیٰ نے کہا۔ ان لوگوں نے بغیر کرایہ ہم کو کشتی پر بٹھایا آپ نے کشتی کو پھاڑ ڈالا کہ

فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا. قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا قَالَ لَا

کشتی والے ڈوب جائیں خضر نے کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں رہ پائیں گے موسیٰ نے

تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا قَالَ فَكَانَتِ الْأُولَى

کہا میری بھول پر گرفت نہ کرو اور میرے کام میں دشواری نہ ڈالو۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ پہلی

مِنْ مُوسَى نِسْيَانًا فَانْطَلَقَا فَإِذَا غُلَامٌ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَأَخَذَ الْخَضِرُ

موسیٰ کی بھول تھی اسکے بعد پھر دونوں چلے دیکھا کہ ایک بچہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ خضر نے اس کے سر کو اوپر

بِرَأْسِهِ مِنْ أَعْلَاهُ فَاقْتَلَعَ رَأْسَهُ بِيَدِهِ فَقَالَ مُوسَى أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً

سے پکڑا اور اکھاڑ دیا اب موسیٰ نے کہا آپ نے ایک بےگناہ کو بغیر کسی جان

بِغَيْرِ نَفْسٍ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ

کے بدلے مار ڈالا۔ خضر نے کہا میں نے آپ سے نہیں کہدیا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں رہ پائیں گے ابن عیینہ نے کہا

کو اس ایک چونچ پانی سے سمندر میں کوئی کمی نہیں ہوئی اسی طرح حقیقت میں ہمارے علوم سے علم باری میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ کتاب التفسیر میں یوں ہے کہ ہمارا اور تمہارا علم باری تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں ایسے ہی ہے جیسے اس چڑیا کا ایک چونچ پانی سمندر کے سامنے۔ اس پر بھی شبہ ہوتا ہے کہ سمندر کا پانی کتنا ہی کثیر ہو مگر متناہی ہے۔ اور ایک چونچ پانی کو سمندر سے جو نسبت ہے وہ متناہی کی متناہی سے ہے۔ اور علم باری عز اسمہ غیر متناہی ہے اور جملہ مخلوقات حتیٰ کہ ان دونوں حضرات کے بھی علوم خواہ کتنے ہی کثیر ہوں۔ متناہی ہیں۔ اور متناہی کی غیر متناہی سے کوئی نسبت نہیں۔ اس کا بھی وہی جواب ہے کہ یہ صرف سمجھانے کے لئے ہے مشاہدے کے اعتبار سے اہل عرف یہی جانتے ہیں کہ سمندر کا پانی بے حد و بے حساب ہے جو غیر متناہی کی ایک تعبیر ہے بتانا یہ ہے کہ جیسے ایک قطرہ آب سمندر کے بے حد و بے حساب پانی کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں اسی طرح مخلوقات کے علوم کی باری تعالیٰ کے علوم غیر متناہیہ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔

(۲) کتاب التفسیر وغیرہ میں ہے کہ بسولا یا کلہاڑی سے کاٹ کر تختہ اکھاڑ دیا اور اس میں کیل ٹھوک دی ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس میں کپڑا بھر دیا اور ایک کونے میں تشریف لے گئے اور سوچنے لگے اس شخص کے ساتھ

وَهٰذَا اَوْكَدُ فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا اَتَيَا اَهْلَ قَرْيَةِ اِسْتَطْعَمَا اَهْلَهَا فَاَبَوْا

اس میں زیادہ تاکید ہے ۲۲ اس کے بعد دونوں چلے اور ایک بستی والوں ۲۳ کے پاس آئے ان سے کھانا طلب کیا

اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ قَالَ الْخَضِرُ بِيَدِهٖ

ان بستی والوں نے مہمان بنانے سے انکار کر دیا ان لوگوں نے اس بستی میں ایک دیوار ایسی پائی جو گرا چاہتی تھی خضر نے ہاتھ

رو کے کیا بتاؤں گا۔ بنی اسرائیل میں تھا انھیں صبح و شام اللہ کی کتاب سنانا تھا حکم دیا تھا مان لیتے تھے۔ حضرت خضر نے کہا آپ کے جی میں کیا ہے کہئے تو بتا دوں فرمایا بتا دو حضرت خضر نے سب بتا دیا کشتی کا تختہ اکھاڑنے کے سوائے حضرت موسیٰ کے اور کسی نے نہیں دیکھا ورنہ تختہ اکھاڑنے ہی کب دیتے۔

(۲۱) کشتی سے اتر کر یہ لوگ سمندر کے ساحل پر جا رہے تھے کہ دیکھا دس بچے کھیل رہے ہیں ان میں جو سب سے زیادہ خوبصورت وذہین تھا اسے حضرت خضر نے پکڑا اور مار ڈالا اس کا نام اسی بخاری، تفسیر میں جیسور بتایا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جیسون تھا۔ مار ڈالنے کی کیفیت میں مختلف روایتیں ہیں یہاں ہے کہ اس کے سر کو اکھاڑ لیا۔ دوسری روایت میں ہے۔ ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا جیسے میوے توڑے جاتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ لٹا کر چھری سے ذبح کر ڈالا ایک روایت میں ہے کہ ایک بڑا پتھر لے کر اس کے سر پر دے مارا ایک روایت میں یہ ہے کہ اسکا سر دیوار پر دے مارا ان سب میں تطبیق یہ ہے کہ جب ہوا ہو گا پہلے اس کے سر پر پتھر مارا جس سے وہ گر پڑا پھر چھری سے ذبح کر کے اس کے سر کو تن سے جدا کیا پھر سر دیوار پر دے مارا۔ یہ لڑکا بد سرشت تھا ابھی سے فساد مچائے رہتا ماں باپ کو ستاتا رہتا رات میں چوری کرتا صبح کو جب شکایت آتی ماں باپ جھوٹی قسم کھاتے کہ یہ رات بھر کہیں نہیں گیا ہمارے ساتھ سویا تھا۔ یہ واقعہ بابو ابلہ میں ہوا تھا جو بصرہ اور عیدان کے مابین ہے یا ایلہ میں جو بحر قلزم کے کنارے ہے مصر سے آنے والے حجاج کے راستے میں پڑتا ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ غلام عربی میں نابالغ بچے کو کہتے ہیں۔ یہ دلیل ہے کہ یہ ابھی نابالغ تھا۔ اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔

(۲۲) اس میں تاکید کی زیادتی «لک» کے اضافے سے پیدا ہوئی

(۲۳) یہ بستی انطاکیہ تھی جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے۔ یہاں یہ حضرات سورج ڈوبنے کے بعد پہنچے قریب میں کوئی ایسی بستی نہ تھی۔ اور جاڑے کی رات تھی۔ ان حضرات نے اسی دیوار کے پیچھے جا کر قیام کیا۔ یہ دیوار اتنی جھکی تھی کہ بستی والے اس سے بچ کر چلتے تھے۔ حضرت خضر نے جب دیکھا کہ دیوار خطرناک ہے تو اسے سیدھی کر دیا عام روایتوں میں یہی ہے کہ ہاتھ سے سیدھی کر دی۔ ایک روایت ہے کہ ستون لگا کر سیدھی کر دی۔ حضرت ابن عباس

فَأَقَامَهُ فَقَالَ لَهُ مُوسَىٰ لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا قَالَ هَٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَ

سے درست کر دیا۔ اس پر موسیٰ نے ان سے کہا اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لے لیتے۔ خضر نے کہا۔ یہ میری اور آپ کی

بَيْنِكَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوسَىٰ لَوَدِدْنَا

جدائی ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ موسیٰ پر رحم فرمائے ہماری خواہش ہے کہ اگر وہ صبر

رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اسے ڈھا کر بنانے لگے۔ یہاں "قال بیدہ" ہے۔ یہاں قال معنی میں اشارے کے ہیں۔ دوسری روایت میں "فمسحہ بیدہ" ہے اس پر اپنا ہاتھ پھیرا۔ ہم نے ان دونوں روایتوں کو نظر میں رکھتے ہوئے ترجمہ کیا۔ ہاتھ سے سیدھی کر دی۔

(۲۳) یہ حضرت خضر نے اس لئے کہا کہ اس سے پہلے خود حضرت خضر نے کہہ دیا تھا کہ اگر اب آپ تیسری بار جلدی کریں گے تو وہ جدائی کا وقت ہوگا۔ اس پر خود حضرت موسیٰ فرما چکے تھے کہ اگر کچھ پوچھوں تو اپنے ساتھ نہ رکھئے گا۔ اسی لئے تفسیر میں ہے کہ پہلی بار حضرت موسیٰ کا سوال نسیاناً تھا۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اور دوسری بار بطور شرط تھا۔ اور تیسری بار قصداً تھا۔ ثعلبی نے کہا کہ جب تیسری بار حضرت موسیٰ نے حضرت خضر کو ٹوکا تو حضرت خضر نے عرض کیا۔ آپ مجھے کشتی توڑنے، بچے کے مار ڈالنے اور دیوار سیدھی کرنے پر ملامت کرتے ہیں۔ اور آپ بھول گئے آپ نے اپنے آپ کو پانی میں ڈالا۔ قبطی کو قتل کیا۔ شعیب کی لڑکیوں کی بکریاں بلا معاوضہ چرائیں۔

مسائل مستخرجہ (۱) طلب علم یا کسی بھی نیک مطلب کے لئے سفر جائز ہے بلکہ انبیاء کی سنت ہے اگرچہ یہ سفر دریا کا ہو اسی پر قیاس کر کے ہوائی سفر کا بھی جواز ثابت (۲) سفر کے لئے زادِ راہ رکھنا جائز ہے اور سب سے عمدہ زادِ راہ مچھلی ہے۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ جس سفر میں زادِ راہ مچھلی ہوگی وہ کامیاب ہوگا (۳) اساتذہ و مشائخ کے ساتھ باادب رہنا چاہئے ان پر اعتراض ہرگز ہرگز نہ کرنا چاہئے ان کی جو بات سمجھ میں نہ آئے اس پر اعتراض نہ کرنا چاہئے اس کی اچھی تاویل کرنی چاہئے اور اگر تقاضائے بشری کوئی بات ہو جائے جس سے انہیں اذیت ہو تو ان سے عذر خواہی کرنی چاہئے۔ (۴) انبیائے کرام، اولیائے عظام کے لئے مافوق الفطری قوت ثابت ہے۔ (۵) ضرورت پر کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا سوال جائز ہے (۶) مزدوری پر کام کرنا جائز ہے (۷) حکم ظاہر پر ہوگا جب تک حقیقت حال منکشف نہ ہو جائے (۸) جب دو خرابیاں اکٹھی ہوں تو ان میں اخف ہو انہیں اختیار کرے (۹) شریعت کی ہر بات واجب التسلیم ہے اگرچہ ہماری یا کسی کی بھی سمجھ میں نہ آئے (۱۰) عقل نقل کے تابع ہے نقل عقل کے تابع نہیں (۱۱) غیر نبی کا خواب یا کشف حجت شرعیہ نہیں (۱۲) اکثر مال یا جسم بچانے کے لئے جزء کا برباد کرنا یا کھو

لَوْصَبَرَ حَتّٰى يَقُصَّ عَلَيْنَا مِنْ اَمْرِهِمَا عله

کرتے تو ہمیں ان کے احوال اور سننے کو ملتے

لیا جائے ۔ (۱۳) انسان کتنے ہی بلند منصب پر ہو اپنے کو سب سے بڑا نہ جانے اپنی بڑائی پر گھمنڈ نہ کرے ۔ ہمیشہ تواضع کرے ۔
(۱۴) انبیاء کرام و اولیاء عظام کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا ہے ۔ (۱۵) اللہ عزوجل کا علم اور ہر صفت غیر متناہی ہے انبیاء اولیاء اور تمام مخلوقات کے علوم و صفات مجموعی طور بھی متناہی ہیں ۔ اگرچہ وہ کتنے ہی کثیر ہوں ۔ (۱۶) اشیاء کا حسن و قبح شرعی ہے (۱۷) آزاد انسان سے خدمت لینی جائز ہے خادم کو مخدوم کا تابعدار ہونا چاہئے (۱۸) ساتھی کا عذر قبول کرنا چاہئے ۔
(۱۹) اپنی تکلیف کا اظہار جائز ہے جبکہ بطور جزع فزع نہ ہو (۲۰) اللہ کے لئے جو کام کیا جائے اس میں تعب و مشقت نہیں ہوتی اپنے لئے کرنے سے تقاضائے بشری ہوتی ہے (۲۱) تین بار عذر قبول کر لینا چاہئے اس کے بعد اختیار ہے ۔

گمراہ صوفیہ اور ملحدین متصوفہ نے حضرت موسیٰ اور خضر کے واقعے سے استدلال کیا ہے اہل اللہ شریعت کے محتاج نہیں ان پر بلاواسطہ اللہ عزوجل کی طرف سے علوم و احکام کا القا ہوتا ہے وہ اسی کے پابند ہیں ۔ علامہ قرطبی نے فرمایا یہ کھلی زندقہ ہے ۔ یہ ضروریات دین سے ہے کہ اللہ عزوجل کی سنت یہی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو جملہ احکام بواسطہ انبیاء پہنچاتا ہے بغیر نبی کے واسطے کے اللہ عزوجل کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا ۔ اس پر امت کا اجماع قطعی ہے ۔ اور یہی قرآن و احادیث سے ثابت ہے ۔ شریعت کا مکلف ہر مسلمان عاقل بالغ ہے جو اپنے کو شریعت کے دائرے سے باہر جانے وہ کافر و زندیق ہے کسی کے باطنی علوم اگر شریعت کے مطابق ہیں تو مقبول ورنہ مردود ۔ علاوہ ازیں حضرت خضر نے جو کچھ کیا وہ ظاہر شریعت کے خلاف نہیں ۔ سوائے بچے کے قتل کے یہ بظاہر ہماری شریعت کے خلاف ہے ۔ مگر علماء نے فرمایا ۔ کہ ہو سکتا ہے حضرت خضر کی شریعت میں اس کی اجازت رہی ہو اگر نہ بھی ہو تو بہر حال نبی تھے اور نبی پر من جانب اللہ متعلق احکام ہوتا ہی ہے ۔ ان کا خواب بھی وحی اور الہام بھی وحی ۔ اس لئے اس سے اپنے کفریات پر ان ملاحدہ کا استدلال ، استدلال فاسد ہے ۔

عله ایضاً بخاری ایضاً العلم ۔ ذهاب موسیٰ علیه السلام فی البحر الی الخضر ، والخروج فی طلب العلم ۔ الاجارة ، اذا استاجر اجیراً علی ان یقیم حائطاً ۔ شروط ، الشروط مع الناس بالقول الانبیاء حدیث الخضر مع موسیٰ علیهما السلام میں دو جگہ ۔ ایضاً تفسیر واذ قال موسیٰ لفتٰه وفلما بلغ مجمع البحرین وبینهما وفلما جاوزا قال لفتٰه ۔ ایضاً الایمان والنذور اذا حلف ناسیاً فی الایمان ۔ التوحید ۔ فی المشیئة والارادة ۔ مسلم ۔ احادیث الانبیاء و ترمذی تفسیر ، نسائی تفسیر والعلم ۔ مسند امام احمد بن حنبل ۔

(۹۱) حدیث. من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ. قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. مَا الْقِتَالُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَاِنَّ اَحَدَنَا

اور پوچھا یا رسول اللہ! اللہ کے راستے میں لڑائی کیا ہے؟ اس لئے کہ کوئی غصہ کی وجہ سے لڑتا ہے

یُقَاتِلُ غَضَبًا وَّیُقَاتِلُ حَمِیَّةً فَرَفَعَ اِلَیْهِ رَاْسَهٗ قَالَ وَمَا رَفَعَ اِلَیْهِ رَاْسَهٗ اِلَّا

کوئی حمیت کی وجہ سے حضور نے اپنا سر اٹھایا۔ راوی نے کہا کہ حضور نے سر اسی لئے اٹھایا کہ

تشریحات (۹۱)

(۱) یہاں صرف رجل ہے۔ اور کتاب الجہاد میں اعرابی ہے۔ یہاں صرف غضبا او حمیۃ ہے مگر جہاد میں للمغنم للذکر دیری مکانہ ہے اور کتاب التوحید میں حمیۃ کے ساتھ شجاعۃ اور ریاء ہے اب پورا سوال یہ ہوا کہ کوئی غصے کی وجہ سے کوئی حمیت کی وجہ سے کوئی مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے۔ کوئی اپنی نام آوری کے لئے کوئی اپنی بہادری اور مرتبہ دکھانے کے لئے لڑتا ہے۔ جواب کا افادہ یہ ہوا کہ دین کی سربلندی کی نیت کے سوا کسی بھی غرض فاسد سے لڑنے والا فی سبیل اللہ نہیں جہاد فی سبیل اللہ صرف یہ ہے کہ دین کی سربلندی کے لئے جنگ کرے۔

(۲) غضب کبھی اپنے لئے ہوتا ہے کبھی اللہ کے لئے۔ اللہ کے لئے غصہ اور جنگ تو یہ بھی فی سبیل اللہ ہے۔ اپنے لئے غصہ کبھی برحق ہوتا ہے کبھی ناحق۔ برحق غصے کی وجہ سے جنگ کبھی فی سبیل اللہ ہو جاتی ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے۔

من قتل دون ماله فهو شهيد او من قتل دون دمه — جو اپنا مال بچانے کے لئے مارا گیا وہ شہید ہے جو اپنی جان بچانے کے لئے مارا گیا وہ شہید ہے جو اپنے دین کے لئے مارا گیا وہ شہید

فهو شهيد ومن قتل دون دينه فهو شهيد ی

من قتل دون اهله فهو شهيد (ترمذی ص ۱/۲) — ہے جو اپنے اہل کے لئے مارا گیا وہ شہید ہے۔

اور اسی قسم کی تقسیم حمیت میں بھی ہے۔ حمیت کبھی دینی ہوتی ہے۔ کبھی دنیوی، اور دنیوی میں بھی بعض صورتوں میں دینی پہلو نکل سکتا ہے۔ یہ حدیث جوامع الکلم سے ہے۔ اس کی شرح کے لئے دفتر چاہئے۔

(۳) اس سے یہ فوائد حاصل ہوئے (۱) یہ جائز ہے کہ مفتی بیٹھا ہے اور سائل کھڑا ہے (۲) مفتی اور شیخ کو چاہئے کہ سائل کی طرف متوجہ ہو کر جواب دے۔ (۳) کوئی کتنی ہی بڑی عبادت کیوں نہ ہو نیت فاسد سے فاسد ہو جاتی ہے (۴) مفتی اور شیخ کو چاہئے کہ ایسا جواب دے جو سائل کی سمجھ میں بھی آجائے اور وہ اسے یاد رکھ سکے۔

أَنَّهُ كَانَ قَائِمًا فَقَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

سائل کھڑا تھا (اور حضور بیٹھے تھے) اور فرمایا جو اس لئے لڑے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو تو یہ لڑائی فی سبیل اللہ ہے

حدیث (۹۲) سوال الیہود عن الروح

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَيْنَا أَنَا أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیساتھ مدینے کے کھنڈرات

خَرِبِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى عَسِيبٍ مَعَهُ فَمَرَّ بِنَفَرٍ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ

میں جا رہا تھا اور آنحضور کھجور کی ٹہنی پر ٹیکے جاتے تھے حضور کا گذر یہودیوں کے چند آدمیوں پر ہوا

بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا تَسْأَلُوهُ لَا يَجِيءُ فِيهِ

یہودیوں نے آپس میں کہا ان سے روح کے بارے میں پوچھو ان میں سے کسی نے کہا مت پوچھو جواب میں

بِشَيْءٍ تَكْرَهُونَهُ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَنَسْأَلَنَّهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَالَ

ایسی بات نہ فرمادیں جو تمہیں ناگوار لگے پھر بھی ان کے بعض نے کہا ہم تو ضرور پوچھیں گے چنانچہ ان میں سے ایک کھڑا ہوا

يَا أَبَا الْقَاسِمِ مَا الرُّوحُ فَسَكَتَ فَقُلْتُ إِنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ فَقُمْتُ فَلَمَّا انْجَلَى

اور کہا اے ابو القاسم! روح کیا چیز ہے آنحضور نے سکوت اختیار فرمایا میں نے اپنے جی میں کہا آنحضور پر وحی آرہی ہے جب

تشریحات (۹۲)

(۱) بخاری ہی کی دوسری جگہوں میں اس کے بجائے حرث ہے دونوں میں کوئی تعارض نہیں کھنڈروں کے مابین یا اس پاس کھیت بھی رہا ہو اس نے کبھی کھنڈر کبھی کھیت فرمادیا (۲) اس سے معلوم ہوا کہ عصا رکھنا سنت ہے۔

(۳) روح کا اطلاق کئی معنوں میں ہے۔ جبرئیل امین۔ عیسیٰ علیہ السلام۔ ملائکہ کی ایک مخصوص قسم جو قیامت کے دن ملائکہ کی طرح صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ ایک مخصوص مخلوق۔ قرآن مجید۔ روح حیوانی۔ یہودیوں کا سوال ان میں کس روح کے بارے میں تھا وہ آج تک معلوم نہ ہو سکا۔ خاص روح کے بارے میں سوال سے ان خبثا کا مقصود یہ

علہ ایضا بخاری جہاد من قاتل لتکون کلمۃ اللہ من قاتل للمغنم۔ توحید۔ و قولہ ولقد سبقت کلمتنا مسلم امارت۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ابن ماجہ۔ جہاد ۳۔ ترمذی۔ ابو داؤد۔ نسائی جہاد۔ مسند امام احمد بن حنبل۔

کہ توریت میں نبی آخر الزماں کی علامت یہ تھی کہ ان سے روح کے بارے میں سوال ہوگا تو نہ بتائیں گے۔ چنانچہ مکہ کے مشرکین کو انھیں یہودیوں نے سکھایا تھا کہ تین سوال کرو۔ اصحاب کہف، ذو القرنین کون تھے روح کیا ہے اگر کسی کا جواب نہ دیں تو بھی نبی نہیں اور اگر تینوں کا جواب دیں تو بھی نبی نہیں۔ اصحاب کہف اور ذو القرنین کے بارے میں تو قرآن نازل ہوا۔ اور روح کے بارے میں فرمادیا۔ یہ امر رب سے ہے چنانچہ روح کے بارے میں مذکورہ آیت تلاوت کی۔ یہود نے کہا ہم نے کہا تھا نہ کہ مت پوچھو۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب روح کی حقیقت نہ بتائی تو یہود کو خوش ہونا چاہئے تھا کہ بتا نہ پائے۔ اس کہنے کا کیا تک تھا وہی کہ انھیں معلوم تھا نبی آخر الزماں روح کی حقیقت نہ بیان فرمائیں گے۔ لیکن افسوس ہے کہ آج اس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو روح کا علم نہ تھا۔ غور کیجئے۔ اس ارشاد سے کہ روح امر رب سے ہے کس طرح ثابت ہوتا ہے کہ حضور کو اس حقیقت کا علم نہ تھا۔ علامہ عینی ان لوگوں کا رد فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

جعل منصب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھو حبیب اللہ وسید خلقہ ان یکون غیر عالم بالروح وکیف وقد من اللہ علیہ بقولہ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا وقد قال اکثر العلماء لیس فی الآیۃ دلیل علی ان الروح لا یعلم وان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم یکن یعلمھا۔
عینی ج ۲

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منصب بہت جلیل ہے وہ اللہ کے حبیب اور تمام مخلوق کے سردار ہیں پھر یہ کیسے ممکن کہ وہ روح کو نہ جانتے روح کو کیسے نہیں جانیں گے حالانکہ اللہ عزوجل نے اس ارشاد سے ان پر احسان یاد دلایا ہے کہ آپ جو کچھ نہ جانتے تھے ہم نے وہ سب آپ کو سکھادیا اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔ اکثر علماء نے فرمایا۔ اس آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں کہ روح کو کوئی نہیں جانتا اور نہ اس پر ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روح کو نہیں جانتے تھے۔

علامہ عینی نے ،، عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ،، سے اس پر استدلال کرکے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روح کو جانتے تھے یہ بتادیا کہ اس آیت کریمہ میں لفظ ما اپنے عموم پر ہے۔ ما یحتاج الیہ فی الدین کے ساتھ خاص نہیں ورنہ ان کا استدلال تام نہ ہوگا اس لئے کہ جب ما کو ما یحتاج الیہ فی الدین کے ساتھ خاص کردیا گیا اور ظاہر ہے روح کا جاننا ما یحتاج الیہ فی الدین نہیں تو استدلال ختم۔ اور جب یہ اپنے عموم پر ہے تو اس سے بلا دریغ یہ بھی ثابت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع ما کان وما یکون کا بھی علم عطا ہوا۔ پھر علم مصطفےٰ کے منکرین کے استدلال کا جواب دیا کہ آیت کریمہ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي سے یہ بھی ثابت نہیں کہ روح کا علم کسی کو نہیں دیا گیا اور نہ یہ ثابت کہ

عَنْهُ فَقَالَ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَا اُوْتُوْا

آثار وحی جاتے رہے تو فرمایا۔ تم سے یہ لوگ روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ فرما دو روح میرے رب کے امر

مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا علہ

ہے اور ان کو بہت ہی کم علم دیا گیا۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا نہ ہوا۔ اور اسے اکثر علماء کا قول بتایا۔

(۴) عالم کی بنیادی تقسیم دو ہے۔ عالم امر اور عالم خلق۔ عالم امر۔ بغیر مادے کے۔ کن فرمانے سے کسی شی کی ایجاد کو کہتے ہیں۔ اور عالم خلق۔ مادے سے بتدریج کسی چیز کو پیدا فرمانے کو کہتے ہیں۔ اللفوظ ص ۶۔ شرح فقہ اکبر میں ہے

لِاَنَّ الرُّوْحَ خُلِقَ بِالْاَمْرِ التَّنْجِيْزِيْ كَبَعْضِ الْمَخْلُوْقَاتِ وَاَكْثَرُ الْكَائِنَاتِ خُلِقَتْ بِالْوَضْعِ التَّدْرِيْجِيْ وَلِذَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (ص ۱۳۴)

روح امر تنجیزی سے پیدا ہوئی ہے جیسے اور کچھ مخلوقات اور اکثر کائنات تدریجی سے بنائی گئی۔ اسی لئے فرمایا سن لو اسی کے لئے خلق اور امر ہے

(۵) بخاری اور مسلم کے اکثر نسخوں میں وما اوتوا ہے اور قرآن مجید میں وما اوتیتم ہے۔ قرأت متواترہ یا مشہورہ میں وما اوتوا نہیں۔ نیز بخاری ہی کتاب التفسیر میں بطریق عمر بن حفص اور کتاب التوحید میں بطریق ... وما اوتیتم ہے۔ یہ قرأت شاذہ ہے جیسا کہ حضرت سلیمان اعمش نے بتایا۔ ہماری قرأت وما اوتوا ہے۔ شوافع کے یہاں قرأت شاذہ حجت نہیں۔ مگر احناف کے یہاں ہے۔ کم از کم یہ خبر واحد کے درجے میں ضرور ہے اور خبر واحد کو سب حجت مانتے ہیں۔

(۶) اس سے معلوم ہوا کہ سائل اگر معاند ہے تو اسے ایسا جواب دینا چاہئے جو مسکت ہو۔ محقق جواب اگر نہ دیں تو بھی حرج نہیں۔

علہ ایضا تفسیر بنی اسرائیل۔ یسئلونك عن الروح۔ الاعتصام۔ ما یکرہ من کثرۃ السوال۔ ما یسئل عالم یتنزل علیہ الوحی۔ توحید۔ ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین۔ قول اللہ انما امرنا لشئ۔ مسلم منافقین ۳۷۲۔ ترمذی تفسیر سورۂ بنی اسرائیل ۱۴۰۔ نسائی تفسیر۔ مسند امام

(۹۳) حدیث ۔ ولولا قومک حدیث عھد بکفر

عَنِ الْاَسْوَدِ، قَالَ قَالَ لِیْ اِبْنُ الزُّبَیْرِ کَانَتْ عَائِشَۃُ تُسِرُّ اِلَیْکَ کَثِیْرًا

اسود نے کہا مجھ سے عبد اللہ بن زبیر نے پوچھا کہ حضرت عائشہ تم سے بہت راز کی باتیں کہہ دیتی تھیں

فَمَا حَدَّثَتْکَ فِی الْکَعْبَۃِ قُلْتُ قَالَتْ لِیْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

انہوں نے کعبے کے بارے میں تم سے کیا بیان کیا ہے میں نے کہا انھوں مجھ سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے

یَا عَائِشَۃُ لَوْلَا اَنَّ قَوْمَکِ حَدِیْثٌ عَھْدُھُمْ قَالَ ابْنُ الزُّبَیْرِ بِکُفْرٍ

فرمایا اے عائشہ اگر تمہاری قوم کا زمانہ نیا نہ ہوتا۔ ابن زبیر نے کہا یعنی کفر سے بہت قریب نہ ہوتا۔

تشریحات (۹۳)

(۱) **اسود** ابن یزید بن قیس نخعی رحمہ اللہ تابعین میں ہیں۔ یہ ابراہیم نخعی کے ماموں ہیں۔ زمانہ اقدس پایا مگر زیارت سے محروم رہے۔ اسی حج اور عمرے کیے۔ مگر کبھی دونوں اکٹھے نہیں کیے ۷۴ھ میں کوفے میں وصال فرمایا۔

تکمیل پوری حدیث یوں ہے۔ ام المومنین نے عرض کیا یا رسول اللہ حطیم کعبے میں داخل ہے یا نہیں۔ فرمایا داخل ہے۔ بات یہ ہوئی کہ تمہاری قوم کے پاس اتنا سرمایہ نہ تھا کہ پورا کعبہ بناتے۔ انھوں نے بنائے ابراہیمی سے اتنا نکال دیا۔ پھر میں نے پوچھا کہ انھوں نے دروازہ اونچا کیوں رکھا ہے فرمایا اس لئے کیا کہ جسے چاہیں اندر جانے دیں جسے نہ چاہیں روک دیں۔ ام المومنین نے عرض کیا کہ آپ اسے قواعد ابراہیمی پر کیوں نہیں بنا دیتے۔ تو فرمایا۔ اگر تیری قوم کفر سے قریب تر نہ ہوتی تو ضرور میں ایسا کر دیتا۔ اور انھوں نے جو نکال دیا اسے کعبے میں داخل کر دیتا۔ اور اسی کے دو دروازے زمین کے برابر بنا دیتا ایک پورب ایک پچھم لیکن اندیشہ ہے کہ یہ لوگ ناپسند کریں گے۔ اسی حدیث کی بنا پر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہما نے پرانی عمارت اٹھا کر پھر سے جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی مرضی تھی بنوائی۔ یزید بن رومان راوی حدیث کہتے ہیں۔ کہ جب حضرت عبد اللہ بن زبیر تعمیر کر رہے تھے تو میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد دیکھی ہے۔ جو اونٹ کی کوہان نما پتھروں کی تھی۔ جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ جریر ان کے تلمیذ نے کہا کہ مجھے بتائیے کہاں تک یہ بنیاد ہے۔ یزید بن رومان انھیں حطیم کے اندر لے گئے اور اشارہ کر کے بتایا کہ یہاں تک۔ جریر نے اندازہ کیا تو تقریباً کعبے سے چھ ہاتھ لگ بھگ دور یہ جگہ تھی۔ پھر عبد الملک نے اپنے تغلب کے بعد ضد و عناد میں اس عمارت کو گرا کر عہد جاہلیت کے مطابق بنوایا۔ مسلم شریف میں ہے کہ عبد الملک ایک بار طواف کرتے کرتے یہ کہنے لگا اللہ کے دشمن ابن زبیر نے ام المومنین پر جھوٹ باندھا ہے کہ انھوں نے

لَنَقَضْتُ الْكَعْبَةَ فَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ بَابًا يَدْخُلُ النَّاسُ وَبَابًا يَخْرُجُوْنَ

تو میں کعبہ کی موجودہ عمارت اٹھا دیتا (اور نئی عمارت بناکر) اس کے دو دروازے بنا دیتا ایک سے لوگ

مِنْهُ فَفَعَلَهُ ابْنُ الزُّبَيْرِ علہ

اندر جاتے ایک سے باہر نکلتے۔

یہ حدیث بیان کی ہے۔ حارث بن عبداللہ بن ربیعہ موجود تھے۔ انھوں نے کہا اے امیرالمومنین ایسا مت کہو میں نے خود ام المومنین سے یہ حدیث سنی ہے اس پر اس غاصب نے کہا اگر ڈھانے سے پہلے میں نے سنا ہوتا تو ابن زبیر کی تعمیر باقی رکھتا۔ عباسی بادشاہ ہارون نے جب یہ حدیث سنی تو امام مالک سے اجازت طلب کی کہ اسے ڈھاکر پھر اسی طرح بنوا دوں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرضی تھی۔ امام مالک نے منع فرما دیا اور ارشاد فرمایا میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ کعبہ کو بادشاہوں کا کھلونا نہ بنا جس کا جی چاہے ڈھائے بنائے اس طرح اس کی ہیبت دلوں سے جاتی رہے گی۔

(۱) کعبے کی تعمیر سات مرتبہ ہوئی۔ اول فرشتوں کی۔ پھر حضرت ابراہیم کی پھر عمالقہ کی پھر جرہم پھر قریش کا جس میں خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرکت فرمائی پھر حضرت عبداللہ بن زبیر کی پھر حجاج بن یوسف مشہور ظالم کی عبدالملک بن مروان کے عہد میں اس کے حکم سے یہی عمارت اب تک باقی ہے۔ (۲) حطیم پورا کا پورا کعبہ ہے یا اس کا [illegible] اقوال ہیں۔ بعض نے کہا کہ پورا حطیم کعبے کا جز ہے۔ اور بعض لوگوں نے کہا صرف پانچ یا چھ یا سات ہاتھ۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تصریح فرمادی تھی کہ میں پانچ ہاتھ کعبے میں داخل کرتا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے صرف پانچ ہی ہاتھ حطیم میں سے لیا تھا۔ پانچ چھ سات ہاتھ کا اختلاف اپنے اپنے اندازے یا اپنے اپنے ہاتھ کے اعتبار سے ہے (۳) صرف حطیم کی جانب منہ کر کے نماز جائز نہیں۔ اس لئے کہ اس کا کعبے کا جزء ہونا خبر واحد سے ثابت ہے اور استقبال قبلہ فرض ہے فرض کا اثبات خبر واحد سے نہیں ہو سکتا (۴) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو کام فرض و واجب نہ ہو اور اس کے کرنے سے فتنے کا اندیشہ ہو اس سے بچنا بہتر ہے یوہیں ایسی بات کا اعلان بھی نہ کرے مگر جن پر اعتماد ہو انھیں بتا دے۔ خیر و شر جمع ہوں تو شر سے بچنا ضروری ہے۔ حکام اور علماء کو لازم ہے کہ امور شرعیہ کے علاوہ دیگر معاملات میں اس کا لحاظ رکھیں کہ عوام میں شورش پیدا نہ ہو۔ عوام بھڑک نہ جائے۔

علہ ایضاً باب فضل مکۃ وبنیانہا۔ تمنی۔ ما یجوز من اللو۔ مسلم ج ۱، ۴ تا ۵۔ ۴ نسائی مناسک ۱۲۸ ترمذی ج ۱
ابن ماجہ ج ۔ دارمی مناسک ۴۴ مسند امام احمد۔ لہ مسلم ص ۴۳۰ لہ ایضاً

(۹۴) حدیث حدثوا الناس بما یعرفون

قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لوگوں سے وہی بات بیان کرو جس کو لوگ سمجھ لیں کیا تم پسند کروگے

ان یکذب اللہ ورسولہ

کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔

تشریحات (۹۴)

(۱) حضرت ابوالطفیل بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیت یہ ہے کہ صحابہ کرام میں سب کے بعد ۱۱۰ھ میں وصال ہوا انھوں نے اپنی اخیر عمر میں ایک بار فرمایا کہ آج روئے زمین پر حدیث بیان کرنے والوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جس نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا ہو ۔ یہ غزوہ احد کے سال پیدا ہوئے یہ ان چھ صحابہ میں ہیں جن کی زیارت کا حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرف ہوئے ۔ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص محبین میں سے تھے ۔ ان کے ساتھ تمام جنگوں میں رہے ۔ لیکن حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت کے قائل تھے بہت ذہین فصیح بلیغ ثقہ اور شاعر بھی تھے ۔ پہلے کوفہ رہتے تھے پھر مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں ایک سو سات سال کی عمر میں وفات پائی ۔ ان سے ۹ حدیثیں مروی ہیں۔

(۲) بخاری کی ثلاثیات میں سے ہے جن کے تین راوی صحابی ہیں امام بخاری نے اپنی ہی نہیں عام محدثین کی طرز کے خلاف یہاں پہلے ، حدیث کا متن ذکر کیا پھر سند ۔ یہ اس لئے کہ اس کے ایک راوی المعروف بن خربوذ کو یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے یا بیان جواز کیلئے ہے کہ دونوں جائز ہے ۔ اسی لئے بخاری کے بعض نسخوں میں سند مقدم ہے ۔ علامہ عینی نے فرمایا سب سے قریب تر یہ ہے کہ امام بخاری نے پہلے تعلیقا اسکو لکھ لیا پھر بعد میں سند ملی ۔

(۳) اس کے پہلے والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی ایسے کام کو فی نفسہ اچھا ہو مگر اس سے عوام کے فتنے میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو نہ کرنا چاہئے اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ایسی بات جو مدار کفر و ایمان ہدایت و ضلالت نہ ہو اور وہ عوام کی سمجھ سے باہر ہو عوام کے سامنے نہ بیان کی جائے جیسا کہ وارد ہے کلموا الناس علی قدر عقولھم لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق بات کی جائے اسی لئے فرمایا گیا من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل ۔ جو اپنے زمانے والے کو نہ پہچانے وہ جاہل ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ جب عوام کے سامنے غیر ضروری ایسی بات بیان کی جائیگی

(۹۵) حدیث۔ ما من احد یشہد ان لا الہ الا اللہ

حَدَّثَنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمُعَاذٌ رَدِیْفُہٗ عَلَی الرَّحْلِ قَالَ یَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ قَالَ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَسَعْدَیْکَ قَالَ یَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَسَعْدَیْکَ قَالَ یَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَسَعْدَیْکَ ثَلَاثًا قَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ یَّشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ صِدْقًا مِّنْ قَلْبِہٖ اِلَّا حَرَّمَہُ اللّٰہُ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث بیان کی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے معاذ ایک ہی سواری کجاوے میں تھے حضور نے فرمایا اے معاذ بن جبل انھوں نے عرض کیا لبیک یارسول اللہ اور سعدیک۔ فرمایا اے معاذ عرض کیا لبیک یارسول اللہ اور سعدیک۔ فرمایا اے معاذ عرض کیا لبیک یارسول اللہ اور سعدیک تین مرتبہ بار ایسا ہوا فرمایا جس کسی نے بھی لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی دی اور دل سے تصدیق کی تو اللہ نے اسے جہنم پر حرام فرما دیا ہے۔

جو ان کی سمجھ سے باہر ہو تو اسے غلط مانیں گے اور جب یہ کہا جائے گا اللہ و رسول نے ایسا فرمایا تو اندیشہ ہے کہ اللہ و رسول کی تکذیب کر بیٹھیں۔ اسی بنا پر علماء قرآن مجید کا ترجمہ بلا تفسیر و حدیث کا ترجمہ بلا شرح عوام کے سامنے بیان کرنا ناپسند کرتے ہیں۔

تشریحات (۹۵)

(۱) تین بار پکارنا اس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے تھا۔ نیز اس لئے تھا کہ وہ پورے طور سے متوجہ ہو جائیں اور جو کچھ ارشاد ہو اسکو پوری توجہ سے سنیں۔ (۲) یہاں دو احتمال ہے ایک یہ کہ من قلبہ کا تعلق صدقا سے ہو جس کے مطابق ہم نے ترجمہ کیا دوسرے یہ کہ من قلبہ کا تعلق یشہد سے ہو اب معنی یہ ہوئے کہ دل سے گواہی دے اس حال میں کہ وہ سچا ہو یعنی ایسا نہ ہو کہ دل میں کفر ہے اور زبان پر اقرار شہادت جیسا کہ منافقین گواہی کا اظہار کرتے تھے ایک احتمال یہ ہے کہ کبھی صدق کے معنی ہوتے ہیں قول کے مطابق عمل کرنے کے جیسے دیندار مسلمان کو کہتے ہیں کہ بڑا سچا مسلمان ہے اب معنی یہ ہوئے کہ شہادت کے مقتضی کے مطابق عمل بھی کرتا ہو یعنی تمام فرائض و واجبات پر بھی عمل کرتا ہو اور گناہوں سے بچتا ہو۔ اس تاویل پر یہ اعتراض نہیں پڑے گا کہ جہنم کے حرام ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ سرے سے اس میں جلنے ہی نہیں حالانکہ یہ ثابت ہے کہ کچھ گنہگار مسلمان ابتداءً جہنم میں جائیں گے پھر نکالے جائیں گے اس کے

علی النار قال یا رسول اللہ افلا اخبر بہ الناس فیستبشروا قال اذا

حضرت معاذ نے دریافت کیا یا رسول اللہ اجازت دیں تو لوگوں کو اس سے خبر کردوں کہ لوگ خوش ہو جائیں فرمایا جب

یتکلوا و اخبر بہا معاذ عند موتہ تاثما علوت ⑲ قال مجاہد لا

تو لوگ بھروسہ کریں گے۔ حضرت معاذ نے اپنی وفات کے وقت کتمان علم کے گناہ سے بچنے کیلئے یہ حدیث بیان کردی۔ امام مجاہد

یتعلم العلم مستحی ولا مستکبر عہ

نے فرمایا شرمیلا اور متکبر علم نہیں حاصل کرسکتا۔

توجیہات بھی ہیں کہ مراد خلود فی النار کا حرام ہونا ہے دوسرے یہ کہ مراد وہ شخص ہے جو ایمان قبول کرکے فوراً مر جائے۔

تیسرے یہ کہ مراد یہ ہے کہ ایمان قبول کرکے اس کے موجبات پر عمل کرے ③ یعنی لوگ عمل کرنا چھوڑ بیٹھیں گے

کیونکہ اس کے ظاہر سے یہی متبادر ہے کہ محض ایمان سے جہنم حرام ہو جاتا ہے تو لوگ غلط فہمی میں پڑ جائیں گے کہ پھر عمل کی

مشقت کیوں اٹھائیں ④ یعنی چونکہ کتمان علم پر بہت سخت وعید آئی ہے جیسا کہ حدیث ۔۔۔ میں آیت گذری تو آخر

وقت میں حدیث بیان فرمادی ⑤ اس حدیث سے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بارگاہ اقدس میں تقرب اور

ان کی جلالت ظاہر ہوئی۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تواضع اور صحابہ پر شفقت بھی۔ نیز معلوم ہوا کہ شیخ خاص علوم

جو عام اشاعت کے لائق نہ ہوں اپنے خاص تلامذہ کو بتا سکتا ہے۔ اور اشاعت سے روک سکتا ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ جو

بات عوام کے سمجھ سے بالاتر ہو اور نا سمجھی سے ان کے فتنے میں پڑ جانے کا خطرہ ہو اور اس کا جاننا انھیں ضروری نہ ہو۔

انھیں نہ بتائی جائے۔

تشریحات: ⑲

① امام مجاہد خیرات ائمہ تابعین میں سے ہیں۔ ان کی کنیت ابو حجاج ہے۔ یہ عبداللہ بن سائب مخزومی کے غلام تھے۔

تابعین کے طبقہ ثانیہ میں ہیں۔ اپنے وقت کے تفسیر و قرأت، حدیث و فقہ میں امام تھے مکہ معظمہ کے فقہاء و قراء میں

ان کا شمار ہے سنہ ۔۔ میں واصل بحق ہوئے۔ وصال کے وقت عمر مبارک تراسی سال تھی۔ سجدہ کے حالت میں روح

پرواز ہوئی۔ حضرت ابن عباس ابن عمر جابر ابو ہریرہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے احادیث سنیں تین بار قرآن

عبداللہ ابن عباس کو سنایا۔

عہ مسلم ایمان ۵۳ ۔ ابن ماجہ اقامت ۴۰ عہ ابو نعیم، حلیہ۔

ت ۳۰ قَالَتْ عَائِشَةُ نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْاَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الْحَيَاءُ اَنْ

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا انصار کی عورتیں اچھی عورتیں ہیں۔ جنھیں دینی باتیں

يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّينِ ؏

جاننے میں شرم نہیں روکتی۔

(۹۶) حدیث۔ اذا احتلمت المرأۃ

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ جَاءَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ کہ ام سلیم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ

میں حاضر ہوئیں۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ عزوجل حق بیان کرنے سے حیا نہیں فرماتا

(۱) کتاب الایمان میں حیا کے معنی کی تحقیق گذر چکی۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی سے پڑھنے میں کچھ پوچھنے میں شرم کرے گا وہ علم کیسے حاصل کرے گا۔ یوں ہی جو متکبر ہوگا اور اپنے آپ کو سب سے بڑا جانے گا اور کسی سے سوال کرنے میں کسی کے شاگرد بننے میں جب ذلت محسوس کرے گا تو وہ علم سے محروم ہی رہے گا۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا آپ اتنے زبردست عالم کیسے ہو گئے؟ فرمایا جو مجھے معلوم تھا اس کے بتانے میں کبھی میں نے بخل نہیں کیا۔ اور جو معلوم نہ تھا اس کے حاصل کرنے میں جھجک نہیں کی۔

تشریح۔ ت (۳۰)

مطلب یہ ہے کہ وہ بلا جھجک ہر قسم کی دینی باتیں دریافت کرتی تھیں یہ بہت عمدہ طریقہ ہے۔ شرم بجا کہ جب تک احکام شرع نہ معلوم کیا جائے تو عمل کیسے ہو سکے گا۔

تشریحات (۹۶)

ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۲) یہ مشہور صحابیہ حضرت انس بن مالک کی والدہ ہیں۔ انکا نکاح زمانہ جاہلیت میں مالک بن نضر سے ہوا تھا یہ انصار کرام کے سابقین اولین میں سے ہیں۔ مشرف باسلام ہونے کے بعد اپنے شوہر حضرت انس کے باپ کو بھی مسلمان ہونے کی تلقین کی۔ اس بدنصیب نے انکار کیا اور ان پر خفا ہوا اور خفا ہو کر شام گیا اور وہیں مارا گیا

؏ مسلم حیض ۱۴۶ ابو داؤد طہارت ۳۲ ابن ماجہ طہارت ۴۴ ، ۱۲ مسند امام احمد

هَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ اِذَا احْتَلَمَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

عورت کو جب احتلام ہو تو کیا اس پر غسل ہے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں،

وَسَلَّمَ اِذَا رَاَتِ الْمَاءَ فَغَطَّتْ اُمُّ سَلَمَةَ تَعْنِيْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

جب وہ منی کو دیکھے یہ سن کر حضرت ام سلمہ نے اپنا منہ ڈھانپ لیا اور پوچھا یا رسول اللہ!

اَوَتَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ قَالَ نَعَمْ تَرِبَتْ يَمِيْنُكِ فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا ع۱

کیا عورت کو احتلام ہوتا ہے فرمایا ہاں ہوتا ہے تیرا ہاتھ گرد آلود ہو پھر کیوں بچہ اپنی ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔

ان کی موت کے بعد۔ حضرت ابو طلحہ نے انھیں پیغام دیا اس وقت تک حضرت ابو طلحہ مسلمان نہیں ہوئے تھے حضرت ام سلیم نے یہ شرط رکھی کہ تم اسلام قبول کرلو تو حضرت ابو طلحہ نے اسلام قبول کرلیا۔ اور دونوں کا نکاح ہوگیا ان کی بہت بڑی فضیلت یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لیجایا کرتے وہ طرح طرح خدمت کرتی تھیں اپنے مواقع پر مذکور ہوں گی ان کے نام میں اختلاف ہے۔ کسی نے کہا سہلہ ہے کسی نے رملہ کسی نے رمیثہ کسی نے رمیصاء کسی نے غمیصاء کہا ہے۔ ان سے چودہ حدیثیں مروی ہیں۔ ایک متفق علیہ ہے۔ تین تنہا بخاری نے اور دو صرف مسلم نے لی ہے۔

(٢) بیان حیا سے مراد۔ اس کا لازمی معنی بطور استعارہ تبعیہ تمثیلیہ عدم ذکر مراد ہے یعنی اللہ عزوجل حق بات بیان فرمانے سے ترک نہیں فرماتا ہے۔ بیان فرما دیتا ہے اسی طرح میں بھی ضرور اس مسئلہ کو پوچھوں گی۔ اگرچہ عورتیں اس سے شرم کرتی ہیں۔

(٣) احتلام کا مادہ حُلُم ہے جس کے معنی خواب کے ہیں۔ یہاں احتلم کے معنی مباشرت کا خواب دیکھنا مراد ہے احتلم کے معنی بالغ ہونے کے بھی ہیں۔ حِلم کے معنی تحمل بردباری عقل کے ہیں۔ (٤) اس سے ثابت ہوا کہ عورت کو بھی منی نکلتی ہے احتلام کے بعد اگر عورت اپنے جسم یا کپڑے پر منی پائے تو اس پر بھی غسل فرض ہے جیسے مرد پر فرض ہے۔

(٥) حضرت ام المومنین کو تعجب اس لئے ہوا کہ ازواج مطہرات احتلام سے محفوظ ہیں۔ جبالہ عقد نبوی میں آنے کے بعد بھی اور پہلے بھی۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اس وقت حاضر تھیں۔ اس میں اتنا زائد ہے ام سلیم کے اس سوال پر عورتیں ہنس پڑیں اور حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا: تیرے لئے خرابی ہو کیا عورت بھی ایسا دیکھتی ہے۔

ع۱ ایضاً غسل اذا احتلمت المرأة۔ الانبیاء خلق آدم۔ ادب مالا یستحیی من الحق۔ مسلم حیض ۳۲۔ ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ۔ نسائی طہارت ۱۳۔ وکتاب العلم۔ دارمی وضو ۷۶۔ مسند امام احمد۔

کتاب الوضوء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

(۶) یہ جملہ بد دعا اور زجر کے لئے ہے۔ اس کا اصل مدلول یہ ہے کہ تو محتاج ہو جائے۔ لیکن عام طور پر یہ اور اس قسم کے جملے جیسے لا ام لک۔ قاتلہ اللہ وغیرہ اظہار تعجب اور پیار کے لئے بھی بولا جاتا ہے خصوصاً جب شفقت کیساتھ عتاب مقصود ہو۔

(۷) کتاب الانبیاء باب خلق آدم میں، حضرت انس کی حدیث میں ہے کہ اگر مرد کی منی سبقت کرتی ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کی سبقت کرتی ہے تو عورت کے۔ مسلم شریف باب الحیض میں حضرت انس کی حدیث میں یوں ہے مرد کی منی گاڑھی سفید ہوتی ہے اور عورت کی پتلی پیلی۔ ان دونوں میں سے جو غالب آجائے یا سبقت کر جائے اسی کے مشابہ بچہ ہوتا ہے۔ اور ام المومنین کی حدیث میں یوں ہے کہ جب مرد کی منی غالب ہوتی ہے تو بچہ اپنے چچا کے مشابہ ہوتا ہے اور جب عورت کی غالب آتی ہے تو بچہ ماموں کے مشابہ ہوتا ہے۔ ان سب کا حاصل یہ نکلا کہ مرد و عورت میں جس کی منی غالب ہو یا جس کی منی پہلے رحم میں پہونچے گی بچہ اسی کے مشابہ ہوگا۔ امام نووی نے فرمایا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ سبق سے مراد غلبہ ہو۔ ان سب احادیث کا حاصل ایک ہوا کہ جس کی منی کو غلبہ ہوگا بچہ اسی کے مشابہ ہوگا۔ (۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دینی مسائل معلوم نہ ہوں تو انھیں بلا جھجک دریافت کرنا چاہئے اسی کو بتانے کیلئے امام بخاری نے یہ حدیث کتاب العلم میں ذکر کی ہے۔ عورتیں اپنے مخصوص مسائل براہ راست عالم سے دریافت کر سکتی ہیں جبکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو۔ بہتر یہ ہے کہ اپنے شوہروں کی وساطت سے معلوم کرائیں۔ بعض اطباء نے کہا ہے کہ عورت کو منی نہیں ہوتی ان کا اس حدیث میں رد ہے اور طبی تحقیقات سے بھی ثابت کہ عورت کو بھی منی ہوتی ہے۔ علاوہ ام سُلیم کے یہ سوال مندرجہ ذیل صحابیات نے بھی کیا تھا۔ خولہ بنت حکیم بسرہ اور سہلہ بنت سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

تشریحات

(۱) ایمان کے بعد بندہ جن امور کا مکلف ہے ان کی تین قسمیں ہیں۔ صرف عبادت جیسے نماز روزہ زکوٰۃ حج صرف معاملات جیسے خرید و فروخت وغیرہ۔ من وجہ عبادت من وجہ معاملہ جیسے نکاح ان میں عبادت کی اہمیت ظاہر ہے۔ اس لئے امام بخاری نے ایمان و علم کے بعد عبادات کو ذکر کیا۔ عبادات میں نماز کی حیثیت سے حق تقدم رکھتی ہے۔ نماز تمام عبادتوں سے عام اور موکد ہے۔ اس کے مکلف امیر، غریب، تندرست، بیمار، آزاد، غلام، مقیم، مسافر بھی ہیں۔ اس کی ادائیگی سب سے

زیادہ ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے قرآن واحادیث میں ایمان کے متصلاً اس کا حکم مذکور ہے۔ اس لئے تمام عبادات پر نماز کو مقدم کیا۔ نماز کے کچھ شرائط ہیں۔ شرائط مشروط پر مقدم ہوتے ہیں شرائط میں طہارت کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اس لئے طہارت کو سب سے پہلے ذکر کیا۔ طہارت کے انواع میں وضو بھی ہے۔ امام بخاری نے سب سے پہلے اسی کو ذکر فرمایا۔

(۲) بعض نسخوں میں کتاب الوضو کے بجائے کتاب الطہارات ہے یہی زیادہ مناسب ہے۔ اسلئے امام بخاری نے اسکے تحت طہارت کے جملہ انواع کو ذکر فرمایا۔

(۳) وضو کب شروع ہوا علماء نے اختلاف کیا ہے بعض نے کہا یہ مدینہ طیبہ میں سورہ انعام کی آیت کریمہ اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا کے نزول سے شروع ہوا اور محققین فرماتے ہیں کہ قبل ہجرت ہی شروع تھا بلکہ غار حرا میں پہلی بار نزول وحی کے بعد ہی جبرئیل امین نے وضو کی تعلیم دی۔ جیسا کہ ابن ماجہ اور مسند امام احمد بن حنبل اور معجم اوسط للطبرانی میں حدیث مذکور ہے نیز حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ حدیث موجود ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ روتی ہوئی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ عرض کیا۔ قریش آپ کے مار ڈالنے کا معاہدہ کر رہے ہیں۔ فرمایا وضو کیلئے پانی لاؤ۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ وضو قبل ہجرت شروع تھا۔

(۴) صحیح یہ ہے کہ ابتداءً ہر نماز کے لئے وضو فرض تھا خواہ وہ محدث ہو خواہ نہ ہو۔ بعد میں یہ عموم منسوخ ہوگیا۔ نماز کے لئے صرف محدث پر فرض رہا۔ جیسا کہ امام احمد اور ابو داؤد نے حضرت عبد اللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر نماز کے لئے وضو کا حکم دیا تھا خواہ کوئی محدث ہو خواہ نہ ہو۔ جب یہ لوگوں پر شاق ہوا تو صرف حدث سے وضو کرنا رکھا۔ نیز مسلم شریف میں بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے وضو فرمایا کرتے تھے (بغیر حدث کے بھی جیسا کہ بخاری میں حضرت انس کی حدیث آتی ہے) مگر فتح مکہ کے دن ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں۔ حضرت فاروق اعظم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ حضور نے ایسا کام کیا ہے جو اس کے پہلے نہیں کرتے تھے۔ فرمایا میں نے ایسا قصداً کیا ہے۔ یعنی بیان جواز کیلئے

(۵) صحیح یہ ہے وضو اور طہارت کے وجوب کا سبب صرف حدث اور ناپاکی نہیں بلکہ سبب وجوب وہ ہے۔ نماز کا واجب ہونا یا ایسے کام کا ارادہ کرنا جو بغیر طہارت جائز نہ ہو جیسے قرآن مجید چھونا۔ جیسا کہ اصحاب سنن نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے وضو کا حکم اس وقت دیا گیا ہے جب نماز کے لئے اٹھوں۔

(۹۷) حدیث ۔ لایقبل صلوٰۃ من احدث حتی یتوضا

عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّاَ قَالَ رَجُلٌ مِّنْ حَضْرَمَوْتَ مَا الْحَدَثُ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ فُسَاءٌ اَوْ ضُرَاطٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ جس کو حدث ہو اسکی نماز قبول نہ ہوگی جب تک کہ وضو نہ کرلے ۔ حضرموت کے ایک صاحب نے پوچھا اے ابوہریرہ حدث کیا ہے فرمایا ہوا خارج ہونا خواہ بے آواز کے یا آواز کیساتھ

(۱) مشہور ہے کہ وُضو واو کے ضمے کے ساتھ اس فعل کو کہتے ہیں اور وَضو واو کے فتحے کے ساتھ اس پانی کو جس سے وضو کیا جائے یہی اکثر علماء لغت کا قول ہے ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وَضو واو کے فتحے کے ساتھ دونوں کے معنی میں ہے اور وُضو کوئی لغت نہیں ۔ تیسرا قول یہ ہے کہ وُضو اور وَضو ہر ایک کے دو معنی ہیں ۔ علامہ عینی نے فرمایا یہ قول ضعیف ہے یہی تفصیل طہور میں بھی ہے ۔ ہدایہ کے حاشیہ مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی قدس سرہ کے حوالے سے ہے ۔ کہ الطہارت طاء کے ضمے کے ساتھ اس پانی کو کہتے ہیں جس سے طہارت کی جائے اور طہارت طاء کے کسرہ کے ساتھ وہ آلہ جس سے طہارت حاصل کیجائے ۔ طہارت طاء کے فتحے کے ساتھ پاکی کے معنی میں ہے ۔ شرعاً حدث او خبث سے پاک حاصل کرنے کے ہیں ۔ وضو وضاءت سے بنا ہے وضاءت کے معنی مطلق ستھرے حسین ہونے کے ہیں ۔ کہا جاتا ہے وضؤ الرجل ای صار وضیئا ۔ شریعت میں منھ دونوں ہاتھ اور پاؤں دھونے اور سر کے مسح کو کہتے ہیں ۔

تشریحات (۹۷)

(۱) قبول نہ ہونے سے مراد صحیح نہ ہونا ہے (۲) خواہ پانی سے اور پانی نہ ہونے کی صورت میں پانی کے قائم مقام پاک مٹی سے ۔ نسائی میں حضرت ابوذر کی حدیث میں ہے کہ فرمایا ۔ اَلصَّعِيْدُ الطَّيِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ ۔

(۳) حدث کے شرعی معنی ناقض وضو کے ہیں جو فساء اور ضراط کے علاوہ اور بھی ہیں ۔ مثلاً پیشاب، پاخانہ وغیرہ پھر حضرت ابوہریرہ نے حدث کو فساء اور ضراط کے ساتھ خاص کیوں کیا ۔ اس کا جواب یہ کہ سائل کو دیگر نواقض کا علم تھا

ایضاً ترک الحیل ۔ مسلم طہارت ۔ ۱ ۔ ترمذی طہارت ۱ ۔ داری وضوء ۲۱ ۔ مسند امام احمد

ہوگا اس نے صرف انہیں دونوں کو ذکر کیا جنہیں وہ جانتا نہ تھا۔ یا یہ کہ حضرت ابوہریرہ کا مقصود حصر نہیں تمثیل ہے۔ یا یہ اضعف نواقض کا ذکر صراحۃً کیا اور ان سے قوی کو اقتضاءً کہ جب یہ ناقض وضو ہیں تو مخاطب خود فیصلہ کرے کہ جو ان سے زیادہ قوی ہے مثلاً پیشاب، پائخانہ بدرجہ اولیٰ ناقض ہوں گے۔

صلوٰۃ من احدث سے متبادر ہے کہ سائل نے اس حدث کو پوچھا تھا جو نماز کے اندر ہو اور نماز میں پیشاب پائخانہ کا ہونا نادر اور ریاح کا خارج ہونا اغلب۔ اغلب کا لحاظ کر کے حضرت ابوہریرہ نے جواب دیا۔

حدث کی دو قسمیں ہیں۔ حدث اکبر جن سے غسل بھی واجب ہوتا ہے۔ جیسے جنابت، حیض، نفاس۔ حدث اصغر نواقض وضو جن سے صرف وضو ٹوٹتا ہے۔

(۲) فساء کے معنی پاؤ۔ کے مقام سے بغیر آواز کے ہوا خارج ہونے کے ہیں اور ضراط آواز کے ساتھ ہوا خارج ہونے کے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ بغیر آواز ہوا کا خارج ہونا بھی ناقض وضو ہے۔ خواہ اس میں بدبو ہو خواہ نہ ہو۔

(۳) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وضو ہر نماز کے لئے شرط ہے خواہ فرائض خمس ہوں یا عیدین اور جنازہ ہو یا سجدہ تلاوت امام شعبی اور ابن جریر طبری سے جو منقول ہے کہ نماز جنازہ بغیر وضو کے بھی درست ہے، باطل ہے۔ علامہ کرمانی نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ طواف کو حدیث میں صلوٰۃ کہا گیا اور کوئی نماز بغیر وضو درست نہیں تو طواف بھی بغیر وضو درست نہیں۔ احناف کے نزدیک طواف بغیر وضو ممنوع ہے لیکن اگر کسی نے بغیر وضو طواف کر لیا تو اس معنی کر صحیح ہو گیا کہ برأت ہو گئی احناف کا جواب مشہور ہے کہ یہ خبر واحد ہے خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی البتہ وجوب ثابت ہوتا ہے اور وجوب کے ہم بھی قائل ہیں۔ قرآن مجید میں مطلقاً فرمایا گیا وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ۔ اور کتاب اللہ پر زیادتی خبر واحد سے جائز نہیں۔ احناف اور شوافع کے مابین ایک اہم اختلاف ہے کہ نماز ختم کرنے کے لئے السلام علیکم کہنا فرض ہے یا نہیں۔ شوافع فرض مانتے ہیں۔ اور احناف صرف واجب۔ فرض نہیں مانتے۔ اسی اختلاف کی وجہ سے نماز کے سلسلے میں یہ اختلاف ہے کہ اگر کوئی بغیر السلام علیکم کہے تشہد کے بعد نماز ختم کر دے تو نماز ہوئی یا نہیں۔ شوافع کے یہاں فرض کے ترک کی وجہ سے نہ ہوئی اور ہمارے یہاں اس معنی کر ہو گئی کہ فرض ادا ہو گیا البتہ واجب کے ترک کے واجب الاعادہ ہوئی۔ شوافع کا استدلال اس حدیث سے ہے۔

تحریمها التكبير وتحليلها التسليم — نماز کی تحریم تکبیر ہے اور سلام کے بعد نماز سے فراغت ہے۔

یہ ترکیب مفید حصر ہے تو ثابت کہ تحلیل صلوٰۃ تسلیم کے ساتھ خاص اور جزء اول بالاجماع فرض تھا ایسے ہی جزء ثانی بھی۔ احناف یہ جواب دیتے ہیں کہ تحریمہ کے لئے تکبیر کی فرضیت اس حدیث سے نہیں قرآن مجید سے ثابت ہے۔ ارشاد ہے

(۹۹) حدیث، غر المحجلین

عن نعيم المجمر قال رقيت مع ابي هريرة على ظهر المسجد فتوضأ فقال اني

نعیم مجمر سے کہا میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مسجد کی چھت پر چڑھا انہوں نے وضو کیا اور

وربك فكبر. اپنے رب کی تکبیر کہو۔ اور فرمایا۔ وذكر اسم ربه فصلى۔ اور اپنے رب کا نام لیا پھر نماز پڑھی

اس حدیث کے معارض اعرابی والی مشہور حدیث ہے جس میں صاف صراحۃً ارشاد ہے۔

اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد تمت صلوتك۔ جب تشہد پڑھ چکو یا اتنا کر چکو تو تمہاری نماز پوری ہوگئی اس میں تشہد پڑھنے یا بقدر تشہد بیٹھنے پر نماز کو تام بتایا تو ثابت کہ بغیر سلام نماز تام ہے۔ احناف کے اس مسئلے پر تعریض کرتے ہوئے امام بخاری نے باب ترک الحیل میں بھی اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ اور جواب وہی ہے کہ یہ حیلہ نہیں بلکہ اعرابی والی حدیث مشہور کی بنا پر ہے اور احناف اسے مطلقاً ترک نہیں کرتے سلام کو واجب کہتے ہیں مگر چونکہ ثبوت فرضیت کے لئے نص قطعی ضروری ہے اور یہ خبر واحد ہے جو مفید قطع نہیں اس لئے فرض نہیں کہتے ہیں۔ اسی طرح احناف کہتے ہیں کہ اگر نماز میں وضو ٹوٹ جائے تو پھر وضو کر کے باقی ماندہ سابقہ پر بنا کر کے پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ مفسد نماز کوئی عمل نہ پایا گیا ہو۔ مخالفین اس کو اس حدیث کے خلاف بتاتے ہیں۔ مگر منصف غور کرے۔ احناف نے یہ کب فرمایا کہ نماز میں حدث ہو جائے تو یوں ہی بلا وضو نماز پوری کر لو۔ احناف نے وضو کرنے کا حکم دیا تو بقیہ نماز باوضو ہوئی۔ اور حدیث میں یہی ہے کہ جب تک وضو نہ کرے۔ اور اس نے وضو کر کے نماز پڑھی لہٰذا اس حدیث کے خلاف عمل نہ ہوا۔

تشریحات (۹۹)

(۱) نعیم ابن عبد اللہ مدنی تابعی ہیں۔ یہ اور ان کے والد دونوں مسجد نبوی میں خوشبو سلگاتے تھے اس لئے ان کو اور ان کے والد کو بھی مجمر یا مجمر کہا جاتا ہے۔ یعنی خوشبو سلگانے والے۔ یہ حضرت ابوہریرہ کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے۔ حضرت جابر وغیرہ سے بھی حدیثیں روایت کی ہیں (۲) یہاں مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے اس حدیث پر دو اشکال ہیں ایک یہ کہ مسجد کی چھت پر بلا ضرورت چڑھنا منع ہے اور ضرورت سے مراد شرعی ضرورت ہے مثلاً نیچے جگہ نہ ہو یا مرمت کی ضرورت ہو۔ نیز مسجد کی چھت بھی مسجد کے حکم میں ہے اور مسجد میں اس طرح وضو کرنا کہ پانی مسجد میں گرے جائز نہیں۔ اس لئے کہ متعدد احادیث میں مسجد کو پاک وصاف رکھنے کا حکم ہے۔ پھر حضرت ابوہریرہ مسجد پر کیوں چڑھے اور وہاں وضو کیوں کیا۔ اس کی توجیہ یہ کہ ہو سکتا ہے نیچے بھیڑ کی وجہ سے وضو کی گنجائش نہ رہی ہو۔ یا نیچے وضو کی کوئی جگہ نہ ہو۔ اس لئے چھت پر چڑھے اور وضو

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اُمَّتِيْ يُدْعَوْنَ

فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے۔ میری امت قیامت کے دن بلائی

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ

جائے گی۔ ان کی پیشانیاں اور ہاتھ پاؤں وضو کے اثر سے سفید ہوں گے تم میں سے جو اپنی سفیدی زیادہ

يُطِيْلَ غُرَّتَهٗ فَلْيَفْعَلْ عله

کرنا چاہے کرے

اس طرح کیا کہ پانی مسجد کے باہر گرایا۔ مثلاً دیوار کے کنارے بیٹھ کر وضو کیا اور پانی نیچے گرایا۔ یا کوئی برتن رہا ہو جس میں پانی گرتا ہو۔

(۳) اُمّت کے لغت میں کئی معانی آتے ہیں۔ طریقہ۔ دین۔ زمانہ دراز۔ بادشاہ۔ وہ مرد جو جامع خیر ہو۔ وہ شخص جو سب سے الگ تنہا کوئی دین رکھتا ہو۔ امام۔ شرعی معنی انبیاء کے متبعین کے ہے۔ اُمّت کے شرع میں دو اطلاق ہیں۔ اُمّت دعوت، نبی جن لوگوں کی جانب مبعوث ہو۔ اُمّت اجابت، جو لوگ نبی پر ایمان لائے۔ یہاں امت سے مراد اُمّت اجابت یعنی مسلمان ہیں۔

(۴) غُرًّا۔ اَغَرّ کی جمع ہے اَغَرّ کے اصل معنی سفید پیشانی والے گھوڑے کے ہیں اور عرف میں شریف کے بھی معنی میں آتا ہے۔ مُحَجَّل۔ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کے قدم سفید ہوں۔ یہاں دونوں کے معنی کنایۃً سفید چمکنے والے کے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ میری امت کی پیشانیاں اور ہاتھ پاؤں وضو کی برکت سے سفید و منور ہوں گے وضو اس امت کی خصوصیت نہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے۔ اس لئے کہ خود بخاری میں حضرت سارہ کا اور جریج راہب کے بارے میں مذکور ہے۔ کہ انھوں نے وضو کر کے نماز پڑھی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے تو بروز قیامت کے دن وضو کا یہ مخصوص اثر اس امت کے ساتھ خاص ہے۔ اس برکت سے اگلی امتیں محروم ہوں گی۔

(۵) یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ کے علاوہ مزید دس صحابہ سے مروی ہے سوائے حضرت ابو ہریرہ کے اور کسی کی روایت میں۔ فمن استطاع الی آخرہ تک نہیں۔ خود حضرت ابو ہریرہ سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے مگر سوائے نعیم کے کسی اور روایت میں نہیں۔ یہ دلیل ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ کا اپنا قول ہے اور یہ حصہ مُدرَج ہے۔ لیکن چونکہ اصول حدیث کا

حدیث ⑨⑨ لا ينصرف حتى يسمع صوتا او يجد ريحا

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَعَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهٖ اَنَّهٗ شَكَا اِلٰى رَسُوْلِ

سعید بن مسیب اور عباد بن تمیم اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے رسول اللہ

یہ قاعدہ مسلم ہے کہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہے تو اسے بلا دلیل ادراج ٹھہرانا صحیح نہیں۔ علامہ عینی نے ادراج پر یہ دلیل دی کہ مسند امام احمد میں خود نعیم مجمر کا قول مذکور ہے کہ میں نہیں جانتا کہ من استطاع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول ہے یا حضرت ابوہریرہ کا۔ لیکن یہ محض احتمال ہے اور احتمال مثبت نہیں ہوتا علاوہ ازیں یہ کہ مالا یدرک الا بالسماع کے قبیل سے ہے اور صحابی کا ایسا قول مرفوع کے حکم میں ہے۔ اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ حضرت ابوہریرہ ہی کا قول ہے جب بھی حکم میں مرفوع کے ہوا ⑥ ان یطیل غرتہ سے مراد یہ ہے کہ جہاں تک اعضا کے دھونے کا حکم ہے اس سے زیادہ دھوئے۔ مثلاً کہنیوں تک ہاتھ دھونے کا حکم ہے تو کندھوں تک دھوئے۔ ٹخنوں تک پاؤں دھونے کا حکم ہے تو پنڈلی بھی دھوئے۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ ہر نماز کے لئے وضو کرے جس کے نتیجے میں قیامت کے دن اسکی نورانیت کی شعاعیں دور تک پہنچے۔ ⑦ ابن بطال، امام قاضی عیاض اور ابن تین، اعضاء وضو کی مقررہ حدود سے زیادہ دھونے کو مستحب نہیں جانتے ابن بطال نے اس پر ابو داؤد کی اس حدیث سے استدلال کیا کہ فرمایا۔

من زاد على هذا او نقص فقد اساء وظلم جس نے اس پر زیادہ کیا یا کم کیا اس نے برا کیا اور ظلم کیا

لیکن ابن بطال کا یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس میں هذا کا اشارہ تین کا عدد ہے مراد یہ ہے کہ جس نے تین بار سے کم یا زیادہ دھویا اس نے برا کیا اور ظلم کیا اس نے مقررہ حدود سے زیادہ دھونا سوائے حضرت ابوہریرہ کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابن عمر سے بھی مروی ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا۔ یہ دلیل ہے کہ اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے خاص علوم غیبیہ عطا فرمائے جو سوائے حضور کے کسی نبی کو بھی نہیں عطا فرمائے۔

تشریحات (۹۹)

① سعید بن مسیب مشہور ائمہ تابعین میں سے ہیں۔ حدیث فقہ میں امام وقت، زہد و ورع و عبادت میں یکتا تھے چالیس حج کئے تھے۔ احادیث ابوہریرہ اور قضایا عمر فاروق کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ کثیر صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ان کی کنیت ابو محمد ہے۔ قرشی مخزومی مدنی ہیں۔ خلافت فاروق کے تیسرے سال پیدا ہوئے اور ۹۳ھ میں وصال فرمایا۔

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الرجل الذی یخیل الیہ انہ یجد الشیٔ فی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک پیدا الجھن بیان کی کہ انھیں نماز میں ریح نکلنے کا شبہ ہو جاتا ہے۔

الصلوۃ فقال لا ینفتل او لا ینصرف حتی یسمع صوتا او یجد ریحا عله

فرمایا جب تک آواز نہ سنے یا بو نہ پائے۔ نماز نہ توڑے۔

② عباد بن تمیم کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ تابعی ہیں مگر کثیر محدثین حتی کہ امام ذہبی تک نے صحابہ سے شمار کیا۔ اصابہ میں امام واقدی کے حوالے سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ مجھے غزوۂ خندق اچھی طرح یاد ہے اس وقت میں پانچ سال کا تھا ان کے چچا، عبداللہ بن زید بن عاصم بن کعب انصاری مازنی مراد ہیں۔ مسلم میں اس کی تصریح ہے انکی بھی خصوصیت ہے کہ ان کے والدین بھی صحابی ہیں۔ اور ان کے بھائی حبیب بن زید بھی۔ حبیب بن زید وہ بزرگ ہیں جن کا مسیلمہ کذاب نے عضو عضو کاٹ ڈالا تھا اور حدیث عبداللہ بن زید وہ مجاہد ہیں جنھوں نے وحشی کے ساتھ مسیلمہ کذاب کو قتل کیا تھا۔ یہ ذوالحجہ سنہ ۶۳ کے حرہ کے معرکے میں ستر سال عمر پاکر شہید ہوئے۔ یہ غزوۂ احد کے شرکا میں سے ہیں بعض حضرات نے ان کو بدری بھی کہا ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ مگر مجھے اس میں بھی کلام ہے کہ انھوں نے غزوۂ احد میں مجاہدین کی طرح شرکت کی ہو جبکہ اس وقت انکی عمر دس سال تھی۔ ہو سکتا ہے کہ جیسے حضرت انس بطور خدمتگار [illegible] حاضر تھے۔ یہ بھی حاضر رہے ہوں ان سے اڑتالیس احادیث مروی ہیں آٹھ متفق علیہ ہیں۔

③ امام نووی نے فرمایا۔ باجماع مسلمین اس سے مراد، خروج حدث کا یقین ہے۔ اگرچہ نہ بو کا پتہ چلے نہ آواز نکلے۔ اس کی دلیل ترمذی کی یہ روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

اذا فسا احدکم فلیتوضا (باب الوضوء) اگر تم میں سے کسی کے بلا آواز ریح نکلے تو وضو کرو۔

علاوہ ازیں جب معنی لفظ سے وسیع تر ہوتا ہے تو حکم معنی پر ہوتا ہے۔ اور بعض جاہلان زمانہ کا یہ کہنا ہے کہ اگر ہوا نکلے مگر اس میں آواز نہ ہو اور نہ بدبو ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اصل یہ ہے کہ کسی چیز کی جو حالت ہے اسی پر باقی رہتا ہے جب تک کہ دلیل سے اس کا خلاف ثابت نہ ہو یعنی شک یقین کو زائل نہیں کرتا۔

عله ایضا من لم یر الوضوء الا ـ بیوع ـ من لم یر الوساوس ـ مسلم، حیض ۹۸، ۹۹، ابوداؤد صلوۃ ۱۹۳ طہارت ۶۸ ترمذی، طہارت، ۵۶ نسائی طہارت ۱۱۴ ابن ماجہ طہارت، ۴۰، مسند امام احمد۔

حدیث، فتوضأ وضوء خفیفا (١٠٠)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ لَيْلَةً

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا میں ایک رات اپنی خالہ میمونہ کے یہاں سویا

فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَ فِي بَعْضِ اللَّيْلِ

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات میں اٹھے۔ جب کچھ رات گذری تو اٹھے اور ایک پرانی مشک

قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّأَ مِنْ شَنٍّ مُعَلَّقٍ وُضُوءًا

جو لٹکی ہوئی تھی۔ ہلکا وضو فرمایا۔

تشریحات (١٠٠)

(١) ام المومنین حضرت میمونہ بنت الحارث ہلالیہ عامریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ام الفضل حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ محترمہ کی بہن تھیں۔ جاہلیت میں یہ مسعود بن عمرو ثقفی کی زوجیت میں تھیں۔ اس نے انکو چھوڑ دیا تو ان کا نکاح ابورہم سے ہوا۔ ان کا بھی جب انتقال ہوگیا تو عمرۃ القضاء کے موقع پر ۷ھ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان سے مکہ معظمہ سے دس میل پہلے مقام سرف پر نکاح فرمایا۔ اور یہیں انکا وصال بھی ہوا۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ان کے بعد پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور کوئی نکاح نہیں فرمایا۔ یہ آخری ازواج میں سے ہیں ان کا وصال ۵۱ھ یا ۶۶ھ میں ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نماز جنازہ پڑھائی ان سے ایک جماعت نے روایت کیا انھیں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہیں۔

(٢) علامہ عینی نے فرمایا ابن سکن کی روایت یہ ہے فنام النبی کی جگہ فقام النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اللیل۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا یہی روایت صواب ہے۔ ورنہ کلام میں بے فائدہ تکرار لازم آئے گی اس لئے کہ اس کے بعد ہے۔ فلما کان فی بعض اللیل قام النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غالبا یہی افادہ کرنے کے لئے امام بخاری نے اس سے پہلے یہ ٹکڑا نقل فرمایا۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نام حتی نفخ ثم صلی وربما قال اضطجع حتی نفخ ثم صلی

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سوئے یہاں تک کہ ناک سے آواز آنے لگی پھر نماز پڑھی بعض کبھی کہتے کہ کروٹ کے بل لیٹے یہاں تک کہ خراٹے کی آواز آنے لگی پھر نماز پڑھی۔

نوم عام ہے خواہ چت ہو خواہ کروٹ کے بل۔ اضطجاع کروٹ پر لیٹے کو کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کروٹ کے بل

خفيفا يخففه عمرو ويقلله وقام يصلي فتوضأت نحوا مما توضأ ثم جئت

عمرو بن دینار اس کے ہلکے اور تھوڑے ہونے کو بیان کرتے تھے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے پھر میں نے بھی حضور

فقمت عن يساره وربما قال سفيان عن شماله فحولني فجعلني عن يمينه

کی طرح وضو کیا اور آکر بائیں طرف کھڑا ہو گیا سفیان کبھی لفظ یسار کے بجائے شمال کہتے۔ حضور نے مجھے پھیر کر اپنی

ثم صلى ما شاء الله ثم اضطجع فنام حتى نفخ ثم أتاه المنادي فآذنه

داہنی طرف کھڑا کیا پھر اللہ نے جتنا چاہا حضور نے نفل پڑھی پھر کروٹ کے بل لیٹے اور سو گئے یہاں تک کہ ناک سے آواز

بالصلوة فقام معه الى الصلوة فصلى ولم يتوضأ قلنا لعمرو ان ناسا

نکلنے لگی پھر موذن آیا نماز کی اطلاع دی تو حضور اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا ہم نے عمرو

يقولون ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم تنام عينه ولا ينام قلبه

سے کہا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے

...لیتے ہوں گے اس کو کبھی نام سے بیان کیا کبھی اضطجع سے یہاں فیض الباری میں ہے کہ یہ سونا اور خراٹے لینا نماز نفل کے اندر بھی ہو سکتا ہے مجھے سخت تعجب ہے کہ اس احتمال کی گنجائش کہاں سے نکلی حدیث کا سیاق و سباق اس احتمال کی ذرہ برابر نشاندہی نہیں کرتا۔

③ کتنی گذری تھی عینی میں ہے کہ رات آدھی ہو چکی تھی یا آدھی کے قریب تھی اسی سے انوار الباری کے اس ترجمے کی غلطی ظاہر ہو گئی جو انھوں نے کیا ہے جب تھوڑی رات رہ گئی۔

④ تخفیف سے مراد یہ ہے کہ اعضاء وضو کو خوب مل کر نہیں دھویا معمولی طور پر پانی بہانا اور تقلیل سے مراد یہ ہے کہ اعضاء وضو تین بار نہیں دھوئے اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ صرف فرائض پر اکتفا فرمایا۔

⑤ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس طرح پھیرا۔ اس سلسلے میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔ بعض میں ہے ان کا سر پکڑ کر داہنی طرف کیا۔ بعض میں ہے کہ اپنا داہنا ہاتھ ان کے سر پر رکھ کر داہنا کان پکڑ کر داہنی طرف کیا۔ اور ایک میں ہے کہ سر کا پچھلا حصہ پکڑ کر داہنی طرف لائے۔ یہ اس پر نص ہے کہ نفل کی جماعت جائز ہے۔ جب کہ تداعی نہ ہو اور اگر مقتدی ایک ہو تو امام کے داہنے طرف کھڑا ہو۔

⑥ اسی لئے انبیاء کرام کی نیند ناقض وضو نہیں اور جو بعض روایتوں میں ہے کہ بیدار ہونے کے بعد وضو فرمایا یہ بر سبیل استحباب ہے۔ یا ہو سکتا ہے سونے سے پہلے کوئی ناقض وضو پایا گیا ہو خلافا لما فی فیض الباری کہ کبھی کبھی

قلبه قال عمرو سمعت عبيد بن عمير يقول رؤيا الانبياء وحي ثم قرأ

عمرو بن دینار نے کہا میں نے عبید بن عمیر سے سنا کہتے تھے انبیاء کا خواب وحی ہے پھر انہوں نے تلاوت کی

إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ عه

(حضرت ابراہیم نے کہا اے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں

ت (۶) قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُمَا إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ الْإِنْقَاءُ عنه

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اسباغ وضو یہ ہے کہ اعضاء وضو کو خوب صاف کر لیا جائے

انبیاء کرام کی نیند ناقض وضو ہوتی ہے۔ اور دلیل میں یہی پیش کیا کہ بعض دفعہ بیدار ہونے کے بعد وضو فرمایا۔ ہر
عاقل پر ظاہر کہ سو کر اٹھنے کے بعد وضو کرنا کسی بھی منطق سے اس بات کی دلیل نہیں کہ آنحضور کی نیند ناقض وضو ہے۔
یہ خود حدیث مرفوع سے ثابت ہے اسی پر مدار ہے اس بات کا کہ انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں اسی بنا پر
حضرت عبید بن عمیر نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواب سے استدلال کیا قتل اولاد حرام ہے مگر
خواب دیکھ کر تعمیل حکم فرمانے لگے اگر خواب وحی نہ ہوتا تو ایسا ہرگز نہ کرتے۔

(۷) اس حدیث سے یہ احکام ثابت ہوئے۔ علماء صلحاء کے ساتھ دن کے علاوہ رات میں رہنا کہ ان کے حالات
معلوم کئے جائیں مستحسن ہے۔ سند عالی کی تلاش مستحسن ہے حضرت ابن عباس اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ
سے پوچھ کر حالات معلوم کر سکتے تھے۔ مگر خود وہاں قیام پذیر ہو کر دیکھا تاکہ بیچ کا واسطہ نہ رہے۔ اگر دو آدمی ہوں ایک
امام بن جائے دوسرا مقتدی، جماعت کا ثواب ملے گا۔ ایک ہی وضو سے نفل و فرائض پڑھنا درست ہے نماز میں بات
کرنی نماز کو فاسد کر دیتی ہے خواہ فرض ہو خواہ نفل۔ اگر نفل کلام کرنے سے فاسد نہ ہوتی تو حضور ابن عباس کا کان پکڑ کر
داہنی طرف نہ کرتے زبانی فرما دیتے۔ یہ جائز ہے کہ موذن جماعت کے لئے امام کو جگائے۔ نماز تہجد ابتداءً واجب تھی
اب وجوب منسوخ ہو گیا مسنون ہونا باقی۔ بہت بابرکت نماز ہے۔ تہجد پڑھنے والے کو حج اور عمرے کا ثواب ملتا ہے۔

عه ایضاً العلم والعظة بالليل۔ اذان۔ اذا قام الرجل عن يسار الامام۔ واذا لم ينو الامام۔ وضوء الصبيان و
تفسير نساء۔ ان في خلق السموات والذين يذكرون الله قياما وقعودا۔ ربنا من تدخل النار۔ ربنا اننا سمعنا مناديا
لباس، ذوائب۔ ادب، رفع البصر الى السماء۔ توحيد ما جاء في تخليق السموات والارض۔ م مسافرين ۱۸۱ وغیرہ نسائی امامت
۳۳ تعلیق ۱۶۳ ابن مبارک طہارت ۴۸ عـه امام عبد الرزاق نے موصولاً بسند صحیح ذکر کیا۔

حدیث اسباغ الوضوء (۱۰۱)

عَنْ اُسَامَۃَ بْنِ زَیْدٍ رَّضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اَنَّہٗ سَمِعَہٗ یَقُوْلُ دَفَعَ رَسُوْلُ

ابن عباس کے غلام کریب سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ

تشریح (۲۱)

(۱) اسباغ کے معنی لغت میں اتمام کے ہیں اور اتمام غسل کو انقا یعنی بدن کا اچھی طرح صاف ہو جانا لازم ہے۔ یہ ضرور لازم ہے۔ ابن منذر نے بسند صحیح نقل کیا کہ حضرت ابن عمر اپنے پاؤں کو سات مرتبہ دھوتے تھے۔ اور یہ اسلئے کہ وہ لوگ زیادہ ننگے پاؤں چلا کرتے تھے یا بہت ہوا تو نعل جو چپل کی قسم سے ہوتا پہنتے تھے۔ اس سے پاؤں پر میل کچیل زیادہ جمع ہو جاتا تھا اسے صاف کرنے کے لئے سات بار دھوتے۔

تشریحات (۱۰۱)

(۱) اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور متبنّیٰ حضرت زید کے صاحبزادے ہیں ان کی والدہ حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دایہ اور آزاد کردہ باندی تھی۔ ان کے باپ حضرت زید بھی آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت پیارے تھے اور یہ بھی انکے ایسے ہی محبوب تھے۔ ان کو الحِبّ بن الحِبّ کہا جاتا تھا۔ ان کی انگوٹھی کا نقش یہ تھا حِبُّ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو عامل بنایا جبکہ انکی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ وصال سے کچھ دن پہلے قیصر کے مقابلے کیلئے لشکر ترتیب دیا تھا جن میں تمام عمائد صحابہ کو شرکت کا حکم تھا اس کا امیر انھیں کو بنایا۔ وصال اقدس کے وقت انکی عمر بیس سال تھی اخیر وقت میں وادی القریٰ میں رہنے لگے۔ یہیں پچپن سال کی عمر پاکر ۵۴ھ میں وصال فرمایا۔ ان سے ایک سو اٹھائیس حدیثیں مروی ہیں پندرہ متفق علیہ افراد بخاری سے دو۔ اور افراد مسلم بھی دو ہی ہیں۔

(۲) زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان کی کنیت ابو اسامہ ہے ان کی ماں کا نام سعدیٰ بنت ثعلبہ ہے۔ انھیں لیکر اپنے میکے گئی ہوئی تھیں۔ کچھ لٹیروں نے حملہ کر دیا اور انھیں اٹھا کر لے گئے۔ بازار عکاظ میں بیچنے کیلئے لے گئے حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کے لئے چار درہم میں زید کو خرید لیا۔ جب حضرت خدیجہ حبالہ نکاح میں آئیں تو یہ بھی ساتھ ساتھ آئے کچھ دنوں کے بعد ان کے گھر والوں کو انکی خبر لگی تو ان کے چچا اور والد حارثہ نے

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من عرفۃ حتی اذا کان بالشعب نزل
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرفہ سے چلے جب گھاٹی میں پہنچے تو اترے

لئے سفر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے حضور نے انھیں اختیار دیدیا کہ چاہو تو باپ کے ساتھ چلے جاؤ چاہو تو میرے ساتھ رہو۔ انھوں نے دامن رحمت عالم چھوڑنا ناپسند کیا اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں حرم میں لے جاکر اعلان کر دیا۔ زید میرا بیٹا ہے۔ جس کی بنا پر انھیں لوگ زید بن محمد کہا کرتے۔ جب یہ آیہ کریمہ ادعوھم لآبائھم۔ اولاد کو ان کے باپ کی طرف نسبت کرکے بلاؤ نازل ہوئی تو لوگوں نے زید بن حارثہ کہنا شروع کیا۔ آزاد کردہ غلاموں میں یہی سب سے پہلے ایمان لائے ان کا نکاح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی دایہ حضرت ام ایمن سے کر دیا تھا انھیں سے حضرت اُسامہ پیدا ہوئے بعد میں حضرت زید کا نکاح زینب بنت جحش اپنی پھوپھی کی لڑکی سے کیا مگر نباہ نہ ہو سکا حضرت زید نے طلاق دیدی اسکے بعد حضرت زینب ازواج مطہرات کے زمرے میں داخل ہوئیں۔ حضرت زید سے حضور کو اتنی محبت تھی کہ ایک حضرت زید سفر سے واپس ہوئے۔ اطلاع ملی تو آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف تہبند پہنے پہنے باہر تشریف لائے اور ان سے لپٹ گئے جنگ موتہ کے خونی معرکے میں رومیوں کے ہاتھوں سے جمادی الاولیٰ ۸ھ میں شہید ہوئے۔ شہادت کے وقت ان کی عمر مبارک پچپن سال تھی اس سے ظاہر ہوا کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک ان سے تقریباً پانچ سال زائد تھی۔ قرآن مجید میں صحابہ کرام میں سے صرف ان کا نام مذکور ہے۔ ارشاد ہے فلما قضیٰ زید منھا وطرا ان سے انکے صاحبزادے حضرت اسامہ اور دیگر حضرات نے روایت کی ہے۔

③ عرفہ۔ نویں ذوالحجہ کو بھی کہتے ہیں اور عرفات کو بھی جیسا یہ حدیث اور دوسری احادیث کے ظاہر سے متبادر ہے تصریح ہے عرفہ سے چلے۔ اور اصبہانی نے کہا عرفہ صرف نویں ذوالحجہ کو کہتے ہیں۔ علامہ عینی نے اسی کو صحیح کہا۔ عرفہ ہمیشہ بغیر الف لام اور تنوین کے آتا ہے۔ عرفات اس جگہ کا نام ہے جہاں وقوف عرفہ ہوتا ہے۔ یہ حقیقت میں جمع ہے۔ فراء نے کہا اس کا کوئی واحد نہیں اس کو عرفات اور اس دن کو عرفہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم و حوا کی یہیں نویں ذوالحجہ کو ملاقات ہوئی ایک نے دوسرے کو پہچانا یا اس لئے کہ جبریل امین نے اسی جگہ اسی تاریخ حضرت ابراھیم علیہ السلام کو مناسک حج کی تعلیم دی۔

④ شعب۔ پہاڑوں کے درمیان کے راستے کو کہتے ہیں یہاں مراد وہ راستہ ہے جو حاجیوں کے لئے عرفات سے مزدلفہ جانے کے لئے مقرر ہے۔

قَالَ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَلَمْ يُسْبِغِ الْوُضُوْءَ فَقُلْتُ الصَّلٰوةَ يَا رَسُوْلَ اللهِ، قَالَ الصَّلٰوةُ

اور پیشاب فرمایا پھر وضو فرمایا مگر پورا وضو نہیں فرمایا میں نے عرض کی یا رسول اللہ نماز؟ فرمایا نماز

أَمَامَكَ فَرَكِبَ فَلَمَّا جَاءَ الْمُزْدَلِفَةَ نَزَلَ فَتَوَضَّأَ فَأَسْبَغَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ أُقِيْمَتِ

آگے ہے پھر سوار ہوئے جب مزدلفہ آگیا تو سواری سے اترے وضو فرمایا اور پورا وضو فرمایا اس کے بعد اقامت

(۵) اسباغ کے معنی پورے کرنے کے ہیں یہاں لم یسبغ الوضوء سے مراد یا تو یہ ہے کہ اعضاء وضو کو صرف ایک ایک بار دھویا مراد یہ ہے کہ عادت کریمہ کے مطابق نہیں بلکہ اس سے کم دھویا بعض لوگوں نے اس سے وضو لغوی مراد لیا۔ یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس وضو کے بعد حضرت اسامہ نے عرض کیا کیا نماز پڑھیں گے اس سے معلوم ہوا کہ یہ وضو ایسا تھا کہ اس سے نماز ہو اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ قول ہے کہ اس سے کچھ لوگوں نے استنجا مراد لیا ہے۔ حدیث کا یہ لفظ ولم یسبغ الوضوء اس کے خلاف پر نص ہے۔ استنجا کے ناتمام کرنے کا کوئی معنی یہاں نہیں۔ نیز پھر اس گذارش کا بھی محل نہیں کہ کیا نماز پڑھیں گے علاوہ ازیں باب الطہارات میں تصریح ہے فجعلت اصب علیہ یتوضأ۔ میں پانی ڈالتا رہا اور حضور وضو فرماتے رہے استنجا کے لئے پانی ڈالنے کا کیا مطلب؟ یہ وضو اس لئے فرمایا کہ عادت کریمہ تھی کہ اکثر اوقات باوضو رہتے اور اس موقع پر راستے میں ذکر مسنون ہے اور ذکر کے لئے وضو مستحب ہے۔

(۶) مزدلفہ۔ عرفات اور منیٰ کے مابین ایک میدان کا نام ہے اس کا مصدر ازدلاف ہے جس کا مادہ زلف ہے۔ زلف کے معنی قریب کرنے اور اکٹھا کرنے کے ہیں چونکہ یہاں جمع ہو کر حجاج قرب الٰہی حاصل کرتے ہیں اس لئے اس کا نام مزدلفہ ہوا نیز تمام دنیا کے حجاج یہاں اکٹھا ہوتے ہیں اس لئے اسکو مزدلفہ کہنے لگے اس کا دوسرا نام جمع بھی ہے اس کا سبب ایک تو یہی ہے کہ لوگ اکناف عالم سے آکر یہاں جمع ہوتے ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم و حوا نے یہاں اکٹھے رات گذاری تھی۔

(۷) امام بخاری نے اسباغ الوضو کا باب باندھا تھا وہ حدیث کے اس ٹکڑے کے مطابق ہے فاسبغ الوضوء۔ علامہ ابن حجر نے امام احمد بن حنبل کی زیادات مسند کے حوالے سے بروایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ نقل فرمایا ہے کہ یہ دوسرا وضو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آب زمزم سے کیا تھا۔ آب زمزم سے یہ وضو یا تو اس لئے تھا کہ دوسرا پانی موجود نہ تھا یا بیان جواز کے لئے تھا ورنہ دوسرا پانی ہوتے ہوئے آب زمزم سے وضو نہیں چاہیے بعض حضرات نے کہا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایک وضو سے کوئی نماز نہ پڑھی ہو پھر بھی دوبارہ وضو کر سکتے ہیں مگر یہ استدلال درست نہیں، ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حدث ہو گیا ہو۔ لیکن جب حدث پر کوئی قرینہ نہیں اور اس کے معارض کوئی نص نہیں تو حدث ہو جانے کا قول بلا دلیل ہو گا

الصَّلٰوةُ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ أَنَاخَ كُلُّ إِنْسَانٍ بَعِيْرَهُ فِي مَنْزِلِهِ ثُمَّ أُقِيْمَتِ الْعِشَاءُ

کہی گئی حضور نے مغرب کی نماز پڑھی پھر ہر شخص نے اپنے اونٹ کو اپنے پڑاؤ پر بٹھایا۔ اس کے بعد عشاء کی

فَصَلَّى وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا عله

اقامت ہوئی اور آنحضور نے نماز پڑھی اس مغرب اور عشاء کے مابین کوئی نماز نہیں پڑھی

کی وجہ سے ساقط ہے صحیح یہی ہے صرف مجلس بدل جانے کے بعد وضو ہوتے ہوئے وضو کرنا جائز ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور حدیث ۔ من زاد او نقص فقد تعدی و ظلم ۔ کی تاویل یہ ہے کہ اس سے مراد تین سے کم یا تین سے زیادہ کو سنت اعتقاد کرے اس نے تعدی اور ظلم کیا اور ظاہر ہے کہ تین بار سے کم اعضا دھونا نہ تعدی ہے نہ ظلم۔ تو تین بار سے زیادہ دھونے کو تعدی اور ظلم قرار دینا اس حدیث کی رو سے کسی طرح درست نہیں لامحالہ اعتقادی پر محمول کرنا ہوگا

(۸) حاجی کے لئے عرفات سے سورج ڈوبتے ہی مزدلفہ چل دینا واجب ہے۔ اسے جائز نہیں کہ عرفات میں یا راستے میں نماز مغرب پڑھے۔ اس دن مغرب کا وقت مزدلفہ پہونچنے کے بعد عشاء ہی کا وقت ہے اس پر یہ حدیث نص ہے عشاء کا وقت ہونے کے بعد ایک اذان اور ایک اقامت سے مغرب اور عشاء ساتھ ساتھ پڑھی جائے گی درمیان میں مغرب کی سنتیں بھی پڑھنی جائز نہیں بعد عشاء پڑھیں۔ اس حدیث میں، ثم اقیمت العشاء سے مراد، عشاء پڑھنا ہے اس کی مفصل گفتگو کتاب الحج میں ہوگی۔

(۹) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مفضول اور خادم اپنے سے افضل اور مخدوم کی خدمت میں ضروری بات عرض کر سکتا ہے۔ نیز کتاب الطہارۃ کی روایت بعلت احسب سے معلوم ہوا کہ یہ بھی جائز ہے کہ وضو کے لئے کوئی دوسرا اعضاء پر پانی گرائے۔

عله ایضاً بخاری۔ طہارت۔ الرجل یوضی صاحبہ۔ حج نزول بین عرفۃ وجمع۔ مسلم طہارت ۱۳۷ و ۳۴۲۔ مناسک ۶۳۔ ابو داؤد، حج۔ نسائی امامت ۵۲ مسند امام احمد۔

(۱۰۲) حدیث، المضمضة والاستنشاق من غرفة

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما انه توضأ فغسل وجهه اخذ غرفة من

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے وضو کیا اپنے چہرے کو دھویا ایک چلو پانی لے کر

ماء فمضمض بها واستنشق ثم اخذ غرفة من ماء فجعل بها هكذا

اس سے کلی جو کی اور اسے ناک میں بھی ڈالا پھر دوسرا چلو لیا اور اسے کیا یعنی اس ہاتھ کو

اضافها الى يده الاخرىٰ فغسل بها وجهه ثم اخذ غرفة من ماء فغسل

دوسرے ہاتھ سے ملایا اور اس سے اپنا چہرہ دھویا پھر ایک چلو پانی لیا اس سے اپنا داہنا ہاتھ دھویا

تشریحات (۱۰۲)

[illegible] اسم مصدر اسم مفعول معروف کے معنی میں ہے ہتھیلی بھر جسے چلو کہتے ہیں غرفۃ غین کے فتحے کے ساتھ اگر ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں ایک مرتبہ چلو میں پانی لینا۔

مضمض تمضمض کے معنی منھ میں پانی لے کر پورے منھ میں گھمانے کے ہیں جسے کلی کرنا کہتے ہیں۔ استنشق کے معنی ناک میں پانی ڈال کر چھینکنے کے ہیں۔

تفصیل ابوداؤد میں ابتدائی حصہ یہ ہے۔ حضرت ابن عباس نے حاضرین سے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ تم کو دکھاؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیسے وضو فرماتے تھے پھر پانی کا ایک طشت منگایا۔

(۱) اس سے یہ نہیں مراد کہ پہلے منھ دھویا پھر کلی وغیرہ کی بلکہ منھ اور ناک بھی چہرے ہی کے اجزاء ہیں یہاں کل اجزاء مراد ہیں جس کی تفسیر مضمض واستنشق سے کی۔

(۲) یہ بھی جائز ہے کہ ایک چلو پانی سے کلی بھی کی جائے اور ناک میں بھی ڈالا جائے مگر افضل یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے الگ الگ پانی لیا جائے جیسا کہ ابوداؤد اور طبرانی میں ہے فاخذ لکل واحد ماء جدیدا۔ ہر ایک کے لئے نیا پانی لیا اور سنت یہ ہے کہ دونوں داہنے ہاتھ سے کیا جائے جیسا کہ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت معاویہ کے روبرو داہنے ہاتھ سے ناک میں پانی ڈالا۔ حضرت معاویہ نے کہا تم کو سنت نہیں معلوم فرمایا سنت ہمارے گھر سے نکلی اور ہمیں سنت نہ جانیں؟۔

اما علمت ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال — تمہیں نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا الیمین للوجه والیسار للمقعد۔ داہنا ہاتھ چہرے کے لئے اور بایاں استنجے کے لئے۔

بِهَا يَدَهُ الْيُمْنَى ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُسْرَى ثُمَّ مَسَحَ

پھر ایک چلو پانی لیا اور اس سے بایاں ہاتھ دھویا پھر اپنے سر کا مسح کیا

بِرَأْسِهِ ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَرَشَّ عَلَى رِجْلِهِ الْيُمْنَى حَتَّى غَسَلَهَا ثُمَّ

پھر ایک چلو پانی لیا اور اسے داہنے پاؤں پر چھڑکا یہاں تک کہ اسے دھویا

(۳) اس نسخے میں فغسل بہا ہے بہا کا مرجع غرفہ ہے۔ اصیلی اور کریمہ کی روایت میں فغسل بہما ہے یعنی دونوں ہاتھوں سے منہ دھویا چونکہ ایک ہی چلو پانی سے ایک ہی ہاتھ سے منہ دھونا متعذر تھا اور خلاف سنت بھی اسلئے دونوں ہاتھوں کر چہرہ دھویا۔

(۴) یہاں سر کے مسح کے لئے جدید پانی لینے کا تذکرہ نہیں اس سے ظاہر یہ ہے کہ سر کے مسح کے لئے نیا پانی نہیں لیا مگر اس کی روایت میں اختصار ہے۔ ابوداؤد میں ہے پھر ایک مٹھی پانی لے کر چھڑک دیا اور اس سے اپنے سر اور کانوں کا مسح کیا۔ نسائی میں ہے کہ دونوں کانوں کا ایک بار مسح کیا اندرونی حصے پر کلمے کی انگلی سے اور باہری حصے پر اپنے انگوٹھوں سے ابن خزیمہ کی روایت میں ہے انگلیوں کو کان میں داخل فرمایا۔ اعضاء دھونے کے بعد ہاتھوں میں جو تری رہ جاتی ہے اس سے احناف کے یہاں سر کا مسح جائز ہے اس پر یہ شبہ کہ ہاتھ میں جو تری رہ جاتی ہے وہ ماء مستعمل ہے اور ماء مستعمل سے مسح جائز نہیں غلط ہے۔ اس لئے کہ پانی مستعمل اس وقت ہوتا ہے جب عضو سے جدا ہو جائے جب تک عضو پر ہے مستعمل نہیں۔ پوری تفصیل فتاوی رضویہ جلد اول میں دیکھیں ابوداؤد میں ہے۔

انہ علیہ الصلوۃ والسلام مسح راسہ بغیر اخذ ماء جدید بفضل ما کان فی یدہ — حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے نیا پانی لئے بغیر ہاتھ میں جو تری تھی اس سے مسح فرمایا۔

(۵) رشّ کے معنی دھونے کے بھی ہیں جیسا کہ ترمذی شریف کی حدیث حضرت اسماء میں ہے۔

حتیہ ثم اقرصیہ ثم رشیہ وصلی فیہ۔ — اسے ملو پھر چٹکی سے کھرچو پھر دھوؤ اور اسی میں نماز پڑھو۔

اس کے علاوہ اور احادیث میں بھی وارد جن کا بیان اپنے موقع پر ہوگا۔ اگرچہ یہاں دھونے کے معنی میں متعین نہیں لیکن بظاہر یہی مراد ہے کہ پانی کو پاؤں پر ڈالا اور اسے دھویا جیسا کہ حتی غسلہا سے ظاہر ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں یہاں یہ ہے پانی اپنے داہنے قدم پر چھڑکا اس میں نعل مبارک بھی تھی پھر اسے دونوں ہاتھوں سے مسح کیا ایک ہاتھ سے قدم کے اوپر اور ایک ہاتھ سے نعل کے اندر۔ اور مسح کے معنی ہاتھ پھیرنے کے ہیں تو اس کا مفاد یہ ہوا کہ قدم پر پانی چھڑک کر ہاتھ پھیر دیا اس کا جواب یہ ہے کہ ابوداؤد کی اس روایت میں مسح دھونے کے معنی میں ہے۔ علامہ عینی نے ابن الاعرابی اور ابو زید

أَخَذَ غُرْفَةً أُخْرَى فَغَسَلَ بِهَا يَعْنِي رِجْلَهُ الْيُسْرَى ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ

دوسرا چلو لیا اور اس سے بائیں پاؤں کو دھویا پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ عله

تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے ہی وضو کرتے دیکھا ہے۔

(۱۰۳) حدیث۔ لو ان احدکم اذا اتی اھلہ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے وہ اسے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہونچاتے ہیں

وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ

کہ حضور نے فرمایا تم میں سے کوئی جب اپنے اہل کے پاس آئے تو یہ پڑھے بسم اللہ۔ اے اللہ ہمیں اور جو اولاد ہمیں

بخاری کا یہ قول نقل فرمایا۔

مسح فی کلام العرب یکون غسلا ویکون مسحا — کلام عرب میں مسح کے معنی دھونے کے بھی ہیں اور مسح کے بھی

یعنی مثال الرجل اذا توضا فغسل اعضاءہ — کو جب وضو کرتا اپنے اعضاء کو دھولیتا ہے تو کہا جاتا ہے

قد تمسح — قد تمسح

اور ایک حدیث دوسرے کی تفسیر ہوتی ہے یہاں بخاری میں لفظ غسلہا ہے تو ابوداؤد کی روایت میں مسح بمعنی غسل

ہی ہوگا۔

احکام اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صرف ایک ایک بار اعضاء وضو کے دھو لینے کے بعد فرض ادا ہو جاتا ہے اور اس سے نماز درست

ہے نیز یہ ثابت ہوا کہ وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے صرف مسح کافی نہیں۔

تشریحات (۱۰۳)

لغات جنبنا باب تفعیل سے ہے اس کا مادہ جب ہے۔ تقضی کا مصدر۔ قضاء ہے۔ اس کے متعدد معانی ہیں۔ حکم۔

حاجت پوری کرنی، مار ڈالنا، ذمے جو چیز واجب تھی اسے ادا کیا۔ پہونچانا۔ مقدر کرنا۔ یہاں بھی اخیر مقدر کرنا مراد ہے۔

(۱) اس سے مراد یہ ہے کہ جب ارادہ کرے جیسا کہ بخاری کی دوسری روایتوں میں ہے کشف عورت سے پہلے یہ دعا

عله ایضا ابوداؤد ونسائی۔ طہارت، ابن ماجہ، مسند امام احمد۔

وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا فَقُضِيَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ لَمْ يَضُرَّهُ ؏

عطا فرمائے اسے بھی شیطان سے بچائے رکھ اب اگر کوئی اولاد ہوگی تو شیطان اسے ضرر نہ پہونچا سکے گا۔

۱۰۴ حدیث۔ اذا اراد ان يدخل الخلاء

عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ

عبد العزیز بن صہیب نے کہا میں حضرت انس کو یہ کہتے سنا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

پڑھے اس حدیث سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ جب ایسے وقت میں بھی بسم اللہ پڑھنا سنت ہے تو وضو اور دوسرے امور میں بدرجہ اولیٰ سنت ہوگا ائمہ اربعہ کے نزدیک ابتداء وضو میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے البتہ اسحٰق بن راہویہ اور کچھ زمانہ حال کے غیر مقلدین اسے واجب کہتے ہیں کہ اگر کسی نے بسم اللہ پڑھے بغیر وضو کیا تو وضو ہوگا اس وضو سے نماز بھی نہ ہوگی ان کی دلیل حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث ہے۔ لا وضوء لمن لا یذکر اسم اللہ جس نے بسم اللہ نہ پڑھی اس کا وضو نہیں۔ یہ حدیث اگرچہ متعدد طرق سے مروی ہے ابو داؤد امام احمد نے بھی روایت کیا ہے مگر ہر طریق مجروح ہے امام ترمذی اور بزار نے کہا کہ اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں جس کا اعتراف غیر مقلدین کے مستند امام شوکانی صاحب کو بھی ہے (نیل الاوطار ص ۱۳۹) علاوہ ازیں لا کمال نفی کیلئے مستعمل، اور وضو میں کمال یہ ہے کہ وہ مسنون ہو اور جب بسم اللہ نہیں پڑھی تو ایک سنت ادا نہ ہونے سے کچھ نقص رہا۔

(۲) حق یہ ہے کہ یہ اپنے عموم پر ہے اسے شیطان نہ دنیوی ضرر پہونچا سکے گا نہ دینی نہ جسمانی نہ روحانی لیکن تاثیر پڑھنے والے کے حضور قلب اعتماد علی اللہ اور اسکے احوال کے اعتبار سے کبھی ہوتی ہے اور ان میں کسی بعض یا کل کے نقدان سے تاثیر نہیں ہوتی۔

تشریحات (۱۰۴)

لغات اعوذ اس کا مصدر عوذ ہے اس کے معنی پناہ لینے کے ہیں۔ خبث۔ خطابی نے کہا یہ لفظ خار اور بار کے ضمہ کے ساتھ ہے کچھ لوگوں نے کہا خار کے ضمہ کے ساتھ اور بار کے سکون کے ساتھ ہے یہ غلط ہے۔ مجمع …

؏ ایضا بخاری بدء الخلق، صفۃ ابلیس وجنودہ ص ۴۶۳ نکاح مایقول اذا اتی اہلہ ص ۷۷۶ دعوات مایقول اذا اتی اہلہ ص ۹۴۵ کتاب التوحید اسماء اللہ مائۃ الا واحدۃ ص ۱۱۰۱ مسلم طلاق ابوداؤد نکاح ۵۴ ترمذی نکاح ۶ نسائی عشرۃ النساء وعمل الیوم واللیلۃ۔ ابن ماجہ ۲۷ دارمی نکاح ۲۹ مسند امام احمد۔

...تعالى عليه وسلم اذا دخل الخلاء قال اللهم انى اعوذبك من الخبث والخبائث

جب بیت الخلاء جائے تو یہ پڑھے اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبث اور خبائث سے

...ہے دونوں کے ضمے کے ساتھ مگر علامہ عینی نے تحقیق کی کہ یہ دونوں صحیح ہے علامہ تورپشتی نے فرمایا بہتر یہی ہے کہ ...دونوں کے ضمے کے ساتھ پڑھا جائے تاکہ الخبث مصدر کے ساتھ اشتباہ نہ ہو خبث، خبیث کی اور خبائث ...خبیثۃ کی جمع ہے۔ مراد شیاطین کے نر و مادہ دونوں ہیں۔

...الروایۃ میں ہے کہ الخبث کے معنی کفر اور خبائث کے معنی شیاطین کے ہیں۔ ابن بطال نے کہا الخبث ہر شی کو ...ہم ہے اور خبائث سے شیاطین مراد ہیں۔ خلاء مد کے ساتھ اس کے معنی خالی جگہ ہے۔ اور عرف میں قضاء حاجت ...جگہ کو کہتے ہیں اس لئے کہ وہ اکثر حالات میں خالی رہتا ہے۔

(۱) یہاں مراد یہ ہے کہ جب بیت الخلاء میں جانے کا ارادہ فرماتے جیسا کہ خود امام بخاری نے سعید بن زید کے طریقے سے روایت کی ہے اذا اراد ان يدخل الخلاء حکم یہ ہے کہ اگر بیت الخلاء کی کوئی عمارت ہو تو عمارت میں داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھے اور اگر میدان میں قضاء حاجت کرتا ہے تو ستر کھولنے سے پہلے پڑھے۔ بیت الخلاء میں داخل ہونے کے یا ستر کھولنے کے بعد دعا ہرگز نہ پڑھے۔

(۲) اس دعا پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ خالی جگہیں خصوصاً ناپاک، شیاطین کی رہائش گاہ ہوتی ہیں اور قضاء حاجت کے وقت کوئی دعا پڑھی نہیں جا سکتی اور شیاطین انسان کو نقصان پہونچانے کے لئے ہر وقت در پے ہوتے ہیں تو ...لازم ہوا کہ پہلے ہی دعا پڑھ لے تاکہ وہ کوئی ضرر نہ پہونچا سکیں۔

ایک توجیہ یہاں شارحین نے یہ بحث چھیڑ دی کہ امام بخاری نے وضو کا باب شروع فرمایا تھا ابھی وضو کا مکمل بیان ...ہوا کہ بیت الخلاء کا ذکر چھیڑ دیا پھر وضو کے بقیہ مسائل کا ذکر فرمایا۔ اس کا کچھ لوگوں نے یہ جواب دیا کہ امام بخاری کا مقصود احادیث کا ذکر کرنا ہے ابواب ضمنی طور پر مذکور ہیں ان کے مابین کوئی خاص مناسبت ضروری نہیں۔ علامہ ابن حجر اور علامہ عینی دونوں نے اس کا رد فرمایا اور یہ بات بھی واقعہ کے خلاف، محققین کا کہنا ہے فقہ البخاری فی الابواب اور ...تحقیق سارے ابواب مرصع ہار کی موتیوں کی طرح متناسب ہیں البتہ ان کے تناسب کا جاننا سب کا کام نہیں دو...

...عہ ایضاً بخاری دعوات، الدعا عند الخلاء ص ۹۳۶/۲ مسلم حیض، ۱۲۲، ابوداؤد طہارت ۳ ترمذی طہارت ۴ نسائی طہارت ۱۷، ابن ماجہ طہارت ۹ دارمی، او مسند امام احمد۔

نے ذوق کے مطابق جوابات دیے ہیں۔ میرے ذوق پر بات یہ ہوئی کہ وضو کیلئے تسمیہ کا بیان ضروری تھا مگر امام بخاری کو ان کے شرط پر کوئی حدیث نہیں ملی جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے کہ کوئی صحیح حدیث اس باب میں ہے ہی نہیں تو انھوں نے جماع والی حدیث سے قیاس کر کے وضو میں تسمیہ کے مشروع ہونے پر استدلال فرمایا اور باب میں اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے التسمیۃ علی کل حال کہہ کر اشارہ فرمایا جس طرح بات میں بات نکلتی ہے التسمیۃ علی کل حال سے ذہن اس طرف گیا کہ بیت الخلاء جاتے وقت کی بھی دعا ہے تو اس کا باب باندھا پھر جب بیت الخلاء کا ذکر چھڑ گیا تو اس کے متعلق دوسرے ابواب باندھے اس سے فارغ ہو کر اصل باب یعنی وضو کی تفصیلات بیان فرمائیں۔

(۳) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استعاذہ امت کی تعلیم کے لئے تھا اور اظہار عبودیت کے لئے ورنہ خبیث اور شیاطین واجنہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محفوظ ہیں شیاطین کو حضور پر کوئی بھی قدرت نہیں۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک شیطان کو پکڑ کر مسجد کے ستون میں باندھ دیا تھا۔

مستحب یہ ہے کہ اس دعا کے پہلے بسم اللہ بھی پڑھے جیسا کہ دوسری احادیث میں آیا ہے۔ سعری نے مسلم کی شرط پر حدیث مذکور بطریق عبدالعزیز بن مختار عبدالعزیز بن صہیب سے یوں روایت کی اذا دخلتم الخلاء فقولوا بسم اللہ اعوذ باللہ کتاب ابن عدی میں ہے کہ سعید بن زید نے کہا کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا دخل الکنیف قال بسم اللہ ثم یقول اللّٰھم انی اعوذ بک الخ۔ اس حدیث پر کلام کیا گیا ہے مگر جب یہ مضمون ایک حدیث صحیح سے ثابت ہے تو عمل پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

بیت الخلاء سے باہر آنے کے بعد کی بھی مختلف دعائیں احادیث میں آئی ہیں مگر ان میں کوئی بھی امام بخاری کی شرط پر نہیں۔ اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا۔ ترمذی حاکم ابن حبان ابن خزیمہ ابن ابی الجارود ابو علی طوسی نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے نکلتے تو پڑھتے غفرانک۔ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی حضور جب بیت الخلاء سے باہر آتے تو یہ دعا پڑھتے الحمد للہ الذی اذھب عنی الاذیٰ وعافانی دار قطنی نے حضرت ابن عباس سے یہ دعا مرفوعاً نقل فرمائی الحمد للہ الذی اخرج عنی ما یوذینی وامسک ما ینفعنی۔ نیز دار قطنی ہی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً یہ دعا روایت کی الحمد للہ الذی اذاقنی لذتہ وابقی علی قوتہ واذھب عنی اذاہ۔

بیت الخلاء سے باہر آنے کے بعد طلب مغفرت میں حکمت یہ ہے کہ شرمگاہ پر نظر پڑنے سے وسوسہ آنے کا خطرہ قوی ہوتا ہے عام انسان اس سے مشکل ہی سے بچ پاتے ہیں۔ فارغ ہونے کے بعد استغفار کی تعلیم دی تاکہ وہ دور ہو جائیں۔

(۱۰۵) حدیث ، وضع الماء عند الخلاء

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

دَخَلَ الْخَلَاءَ فَوَضَعْتُ لَهُ وَضُوْءً قَالَ مَنْ وَضَعَ هٰذَا فَأُخْبِرَ فَقَالَ

بیت الخلاء میں تشریف لے گئے میں نے وضو کا پانی رکھا دریافت فرمایا کس نے رکھا ہے حضور کو جب بتایا گیا تو یہ دعا

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ عله

فرمائی اے اللہ اسے دین میں سمجھ عطا فرما

(۱۰۶) حدیث ، اذا اتی احدکم الغائط فلا یستقبل القبلة

عَنْ أَبِي أَيُّوْبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

تشریح (۱۰۵)

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ذہانت و ذکاوت تھی کہ بغیر حکم کے از خود پانی رکھ دیا ۔ اس پر مسرور ہو کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ دعا دی اس کی برکت سے یہ جراءت ہو گئے اس سے معلوم ہوا کہ اکابر کی خدمت بغیر طلب کے بھی کرنی چاہیے اور مخدوم کو چاہیے کہ اس کے عوض خادم کو دعائے خیر دے اکابر کیلئے استنجاء وضو اور دیگر ضروریات کیلئے پانی رکھنا بہتر ہے اور زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ کام چھوٹوں سے لیا جائے ۔

تفہیمات (۱۰۶)

(۱) حضرت ابوایوب ۔ خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہ بن عبد عوف بن غنم الانصاری نجاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ وہ نامور گار صحابی ہیں جنھیں ابتداء ہجرت میں ایک ماہ تک میزبان دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میزبانی کی سعادت حاصل ہوئی ۔ یہ اجلۂ صحابہ میں سے ہیں مدینے کے مشہور معزز قبیلے بنی نجار کے چشم و چراغ ہیں یہ وہی قبیلہ جس میں حضور کے دادا عبدالمطلب کی ننہال تھی حضرت ابوایوب عقبہ ثانیہ اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے آپ کی مرویات

عله ایضا مسلم فضائل ابن عباس ، نسائی مناقب مسند امام احمد ۔

تعالیٰ علیہ وسلم اذا اتی احدکم الغائط فلا یستقبل القبلۃ ولا یولّھا ظھرہ

جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں آئے تو قبلہ کو نہ منھ کرے اور نہ پیٹھ کرے

میں آپ ہمیشہ حضرت علی کے ساتھ رہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے دارالسلطنت قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوگا اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسطنطنیہ پر پہلا لشکر بھیجا تو اس بشارت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے اکابر صحابہ بھی ساتھ ہوئے ان میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے عین معرکہ کے وقت بیمار ہوئے جب امید زیست نہ رہی تو ساتھیوں سے فرمایا دشمن کی زمین میں جتنے قریب ہو سکے مجھے دفن کرنا قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے قبر کھودی گئی رات میں دفن کئے گئے رومیوں نے پوچھا کیا کر رہے ہو۔ اس لشکر میں یزید پلید بھی شریک تھا اس نے جواب دیا ہمارے رسول کے میزبان معزز صحابی کی وفات ہو گئی ہے ان کو دفن کر رہے ہیں اگر انکی قبر شائی گئی تو عرب میں ناقوس نہ بج پائے گا اب تک ان کا مزار پر انوار قسطنطنیہ میں موجود ہے اگر بارش نہیں ہوتی ہے تو ان کے مزار پر حاضر ہو کر دعا کرتے ہیں تو بارش ہوتی ہے (عینی) ان سے ایک سو پچاس احادیث مروی ہیں سات متفق علیہ تنہا بخاری نے صرف ایک روایت کی ہے ۔

تکمیل کتاب الصلوۃ قبلۃ اہل المدینۃ میں اتنا زائد ہے حضرت ابو ایوب نے فرمایا جب ہم شام میں آئے تو دیکھا کہ بیت الخلاؤں کو ہم نے کعبے کے رخ بنا ہوا دیکھا ہم ہٹ جاتے اور اللہ سے مغفرت چاہتے۔ بخاری کے علاوہ یہ اضافہ ترمذی میں بھی ہے نسائی میں کچھ تغیر کے ساتھ یوں ہے کہ ان قدمچوں کو دیکھ کر حضرت ایوب نے فرمایا میں نہیں جان سکا کہ ان کے ساتھ کیا کروں۔

توجیہ فنحرف عنھا میں چار احتمالات ہیں ایک یہ کہ عنھا کی ضمیر کا مرجع قبلہ کو مانا جائے تو دو احتمال ہے ایک یہ کہ ہم قبلہ سے پوری طرح انحراف کرکے بیٹھتے۔ دوسرا یہ کہ جہاں تک انحراف ممکن تھا کرتے یا ضمیر کا مرجع مراحیض کو مانا جائے تو تیسرا احتمال یہ ہوا کہ ہم ان قدمچوں کی پابندی نہ کرتے ترچھے بیٹھتے یا ہم ان پائخانوں کو استعمال نہ کرتے ان سے ہٹ لئے

نستغفر اللہ سے مراد یہ ہے کہ چونکہ یہ پائخانے قبلہ رخ بنے تھے ان کی شناعت پر استغفار کرتے یا چونکہ جانب سمت قبلہ رخ کرنے کی ہے بقدر امکان ترچھے بیٹھنے پر سمت قبلہ رخ ہو ہی جاتا اس لئے استغفار کرتے اور پہلی چوتھی تقدیر پر مراد یہ ہے کہ اپنے لئے نہیں ان پائخانوں کے بنانے والوں کے لئے استغفار کرتے اگرچہ معلوم ہو کہ اس کے بانی مسلمان ہیں ۔

مطابقت امام بخاری نے اس حدیث پر جو باب باندھا ہے یہ ہے پاخانہ اور پیشاب کے وقت قبلہ کو منھ نہ کرے مگر عمارت میں یا دیوار وغیرہ کے قریب ـ اس کے تحت جو حدیث نقل فرمائی ہے اس میں یہ استثنا نہیں وہ عام ہے اسکا جواب اسماعیلی نے یہ دیا کہ غائط کے لغوی معنی کشادہ نیچی زمین کے ہیں اور حدیث میں یہی مراد ہے اسلئے استثناء صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا یہ سب سے قوی جواب ہے اس پر علامہ عینی نے یہ تعقب فرمایا کہ غائط کے عرفی معنی خارج شدہ نجاست کے ہیں عرف میں لغوی معنی مہجور ہو گیا ہے اب یہ اس معنی میں حقیقت عرفیہ ہو گیا اس لئے اس سے عدول جائز نہیں۔ علاوہ ازیں بہت سی حدیثوں میں غائط کے ساتھ بول بھی مروی ہے۔ غائط کا بول کے ساتھ ذکر معنی عرفی کو متعین کر رہا ہے اور نہ یہ ارشاد مہمل ہو جائے گا۔

ابن بطال نے یہ جواب دیا ہے اور ابن منیر نے بھی اس کی متابعت کی ہے کہ یہ استثناء بعد والی ابن عمر کی حدیث سے ماخوذ ہے اور چونکہ تمام احادیث مثل حدیث واحد کے ہیں جیسے قرآن مجید کی تمام آیات مثل ایک آیت کے ہیں اس لئے ایک حدیث سے دوسرے کی تخصیص درست۔ علامہ عینی نے اس پر یہ فرمایا کہ پھر اسی حدیث کے ساتھ باب باندھتے۔ ابن منیر نے ایک جواب یہ دیا کہ استقبال قبلہ میدان ہی میں ہو گا عمارت میں یا دیوار وغیرہ جبکہ حائل ہو تو استقبال نہ ہوا۔ علامہ عینی نے فرمایا یہ درست نہیں۔ آدمی گھر میں قبلہ کو منھ کرے یا میدان میں ہر جگہ قبلہ کو منھ ہو گا اگر بیچ میں دیوار حائل ہے تو میدان میں پہاڑ ٹیلے اور خود زمین حائل ہے۔

آخر میں علامہ عینی نے یہ فرمایا کہ چونکہ امام بخاری کے نزدیک یہ حدیث عام مخصوص منہ البعض ہے اس لئے ان کا یہ استثناء صحیح ہے۔ جس کو یوں کہئے کہ باب باندھ کر امام بخاری نے یہ افادہ کر دیا ہے کہ یہ حدیث عام نہیں مخصوص منہ البعض ہے اس قسم کے افادات امام بخاری کے ابواب میں جگہ جگہ ہیں۔

قبلہ کو منھ یا پیٹھ کر کے قضاء حاجت جائز نہیں اس سلسلے میں سات مذہب ہیں۔

مذہب اول احناف کا مسلک یہ ہے کہ قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی جانب منھ کرنا یا پیٹھ کرنا جائز نہیں۔ خواہ گھر کے اندر ہو یا میدان میں اور یہی مذہب راوی حدیث حضرت ابو ایوب اور امام مجاہد اور امام نخعی و سفیان ثوری اور ابو ثور صاحب شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی ہے احناف کی مستدل یہ حدیث ہے اور اس کے علاوہ دوسری احادیث بھی ہیں۔

(۱) عبد اللہ بن حارث سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا۔

انا اول من سمع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم … سب سے پہلے میں نے سنا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا …

شَرِّقُوا اَوْ غَرِّبُوا

پورب کو منہ کرو یا پچھم کو۔

لا یبولن احدکم مستقبل القبلہ دانا اول من حدث الناس بذلک
کی جانب منہ کرکے پیشاب مت کرو اور میں نے ہی سب سے پہلے لوگوں سے اسے بیان کیا۔

ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۲) ابوداؤد اور ابن ماجہ میں معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان نستقبل القبلتین ببول او غائط۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیشاب یا پاخانے کے وقت دونوں قبلوں کی طرف منہ کرنے سے منع فرمایا۔

دوسرا قبلہ بیت المقدس ہے اور تحقیق یہ ہے اہل مدینہ اور ایسے بلاد کے لئے خاص ہے جو بیت المقدس اور کعبے کے مابین ہیں۔

(۳) مسلم اور چاروں صحاح میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

لقد نھانا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان نستقبل القبلۃ بغائط او بول۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا کہ ہم پیشاب یا پاخانے کے وقت قبلہ کو منہ کریں۔

(۴) مسلم ابوداؤد نسائی ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی

انا منکم بمنزلۃ الوالد اعلمکم اذا اتی احدکم الغائط فلا یستقبل القبلۃ ولا یستدبرھا۔
میں تم پر باپ کی طرح شفیق ہوں تمہیں بتاتا ہوں کہ جب تم پاخانے میں آؤ تو قبلہ کو نہ منہ کرو نہ پیٹھ۔

یہ تمام احادیث عام ہیں نہ ان میں مکان کا استثناء ہے اور نہ میدان کی تخصیص اور مناط حکم بیت اللہ کی تعظیم ہے۔ اس کی جانب منہ کرنے میں مکان و میدان سب برابر ہیں اگر مکان میں دیوار حائل ہے تو میدان میں پہاڑ اور ٹیلے بھی حائل ہیں۔ علاوہ ازیں عادت یہ ہے کہ انسان قضاء حاجت کسی نیچی جگہ کرتا ہے تو اگر مکان میں دیوار حائل ہے تو وہاں بھی حائل موجود ہے پھر جبکہ زمین کروی ہے تو درمیانی بلندی ہر جگہ حائل۔ تو لازم کہ مکان کی طرح میدان میں بھی ممانعت نہ رہے۔ اس عقلی استدلال سے قطع نظر کرتے ہوئے احادیث کے عموم اس کی دلیل ہیں کہ یہ حکم میدان کے ساتھ خاص نہیں۔ نیز منہ اور پیٹھ کرنے میں کوئی تفریق نہیں۔

عہ ایضاً بخاری صلوٰۃ، قبلہ اہل المدینہ ج۱ص۵۸، مسلم طہارت ۵۹، ابوداؤد طہارت ۴، ترمذی طہارت ۶، نسائی طہارت ۱۹، ابن ماجہ طہارت ۱۸

مذہب ثانی مطلقا جائز ہے یہ عروہ بن زبیر اور ربیعہ الرئی اور داود کا مذہب ہے ان کی دلیل حدیث جابر ہے جسے ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ ابن خزیمہ ابن حبان اور حاکم روایت فرماتے ہیں۔

نہانا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان نستقبل القبلۃ او نستدبرہا ببول ثم رأیتہ قبل ان یقبض بعام یستقبلہا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا تھا کہ پیشاب کے وقت قبلہ کو منہ یا پیٹھ کریں پھر وصال سے ایک سال پہلے میں نے دیکھا کہ حضور قبلہ رو پیشاب کر رہے ہیں۔

اس سے ظاہر ہوا کہ ممانعت تھی مگر بعد میں منسوخ ہو گئی اس کا جواب یہ ہے کہ نسخ تعارض کے وقت ہوتا جبکہ تطبیق نہ ہو سکے اور یہاں تعارض ہی نہیں جسکی تفصیل ابھی آتی ہے۔

مذہب ثالث قبلہ کی جانب منہ کرنا کہیں بھی جائز نہیں نہ عمارت میں نہ میدان میں اور پیٹھ کرنا ہر جگہ مباح ہے حضرت امام اعظم سے ایک روایت مرجوحہ یہ بھی ہے۔ اس لئے کہ عام روایات میں صرف استقبال کی ممانعت ہے

مذہب رابع عمارت میں قبلہ کی طرف منہ کرنا اور پیٹھ کرنا دونوں جائز ہے میدان میں دونوں ناجائز۔

مذہب خامس قبلہ کی جانب منہ کرنا مطلقا ممنوع البتہ عمارت میں ہو تو قبلہ کی جانب پیٹھ کرنا ممنوع نہیں صحرا میں منع ہے انکی دلیل بھی وہی حدیث ۱۰۹ ہے وہ اس طرح کہ اس میں عمارت میں قبلہ کی جانب پیٹھ کرنے کی روایت ہے اس سے ثابت کہ قبلہ کی جانب پیٹھ کرنی جائز ہے جبکہ عمارت میں ہو۔ اور منہ کرنا بہر حال حرام رہا۔ اور میدان میں پیٹھ کرنا بھی ممنوع رہا۔ ایک روایت کی بنا پر امام ابو یوسف کا یہی مذہب ہے۔

مذہب سادس کعبے کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا مطلقا تو منع ہے ہی بیت المقدس کی طرف بھی مطلقا منع ہے جیسا کہ معقل بن یسار کی حدیث میں تصریح ہے یہ ابراہیم اور ابن سیرین کا مذہب ہے۔

مذہب سابع یہ عدم جواز اہل مدینہ کے ساتھ خاص ہے دوسری جگہوں کے لئے مطلقا ممانعت نہیں یہ ابو عوانہ کا مذہب ہے انکی دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا پورب کو منہ کرو یا پچھم کو۔ حالانکہ مکہ معظمہ کے پچھم یا پورب کے بلاد میں پورب یا پچھم منہ کرنے میں بیت اللہ کی طرف منہ یا پیٹھ ضرور ہو گی البتہ مدینہ طیبہ میں نہیں ہو گی تو معلوم ہوا کہ یہ حکم صرف اہل مدینہ کے ساتھ ہے

○ بخاری کی اس حدیث میں صرف منہ کرنے کی ممانعت ہے۔ مگر حضرت ابو ہریرہ والی چوتھی حدیث میں تصریح ہے کہ ولا یستدبرہا اور نہ قبلے کو پیٹھ کرے اس لئے جس طرح قبلہ کو منہ کرنا منع ہے اسی طرح پیٹھ کرنا بھی منع ہے۔

استنجا کے اور احکام اگر میدان میں قضاء حاجت کیلئے جائے تو بہت دور نکل جائے یا پردہ کرے۔ جب

۱۰۷ حدیث ۔ ارتقیت علی ظہر بیت لنا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ إِنَّ نَاسًا

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ

يَقُوْلُوْنَ إِذَا قَعَدْتَ عَلٰى حَاجَتِكَ فَلَا تَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا بَيْتَ الْمَقْدِسِ

جب تم قضاء حاجت کے لئے بیٹھو تو قبلہ اور بیت المقدس کی جانب منہ نہ کرو۔

فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لَقَدِ ارْتَقَيْتُ يَوْمًا عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ لَنَا فَرَأَيْتُ رَسُوْلَ

اس پر عبد اللہ بن عمر نے فرمایا میں ایک دن اپنے ایک گھر کی چھت پر چڑھا تو اچانک میری نظر پڑ گئی دیکھا کہ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى لَبِنَتَيْنِ مُسْتَقْبِلًا بَيْتَ الْمَقْدِسِ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قضاء حاجت کیلئے دو کچی اینٹوں پر بیت المقدس کی جانب منہ کئے بیٹھے ہیں

تک زمین کے قریب نہ ہوئے ستر نہ کھولے جیسا کہ حدیث میں ہے سر چھپائے حضرت ابوبکر کی سنت ہے۔ بات نہ کرے یہ حضرت عثمان سے مروی ہے بائیں ہاتھ سے استنجا کرے فراغت کے بعد مٹی سے ہاتھ مل کر دھوئے۔ یہ حدیث میں ہے۔ ڈھیلا استعمال کرے گوبر وغیرہ نجاست اور ہڈی نہ استعمال کرے کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرے چاند یا سورج کی جانب منہ نہ ہو۔ حدیث میں ممانعت ہے جمع شدہ پانی میں راستے پر سایے میں پھلوں کے گرنے کی جگہ ندیوں نالوں تالابوں کے کنارے قضاء حاجت نہ کرے بائیں پاؤں پر زور دے کر بیٹھے عضو تناسل کو تین بار سونت لے۔

تشریحات (۱۰۷)

تکمیل یہاں علی ظہر بیت لنا ہے اور بیوت ازواج النبی ص ۲۳۷ میں فوق بیت حفصۃ ہے حضرت حفصہ ان کی بہن تھیں ان کے گھر کو اپنا گھر کہہ دیا ہو سکتا ہے جس وقت یہ حدیث بیان کی اس وقت بطور وراثت انھیں کی ملک رہا ہو۔ یہاں صرف مستقبلا بیت المقدس ہے اور التبرز فی البیوت ص ۲۷ اور بیوت ازواج ص ۲۳۷ میں ہے مستدبر القبلۃ مستقبل الشام ہے حاصل دونوں کا ایک ہے جب شام یا بیت المقدس کو منہ ہوگا تو قبلہ کو پیٹھ ضرور ہوگی۔

(۱) اس سے یہ بات واضح ہے کہ عہد صحابہ میں یہ بات مشہور تھی کہ قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی جانب منہ یا پیٹھ کرنا منع ہے۔

(۲) یہی حدیث امام مالک اور امام شافعی کی دلیل ہے اس کے جواب میں احناف کہتے ہیں کہ احادیث میں قضاء حاجت کے وقت منہ یا پیٹھ نہ کرنے کا حکم عام ہے اور یہ ایک خاص واقعہ ہے اور خصوص واقعہ کے لئے عموم نہیں ہوتا علاوہ

لِحَاجَتِهٖ وَقَالَ لَعَلَّكَ مِنَ الَّذِيْنَ يُصَلُّوْنَ عَلٰى أَوْرَاكِهِمْ فَقُلْتُ لَا

اور فرمایا شاید تو ان میں سے ہے جو سرین کے بل نماز پڑھتے ہیں ۔ میں نے عرض کیا بخدا میں نہیں

وَاللّٰهِ أَدْرِيْ قَالَ مَالِكٌ يَعْنِيْ الَّذِيْ يُصَلِّيْ وَلَا يَرْتَفِعُ عَنِ الْأَرْضِ

جانتا امام مالک نے فرمایا انکا مطلب یہ تھا جو نماز پڑھے اور زمین سے نہ اٹھے

ازیں وہ قول ہے اور یہ فعل اور فعل رسول میں اس کا بھی احتمال رہتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آنحضور کے ساتھ خاص ہو اس لئے قول کے معارض جب فعل ہو تو ترجیح قول کو ہوگی علاوہ ازیں وہ قول رسول ہے اور یہ حضرت ابن عمر کا اجتہاد اور ظاہر ہے کہ ارشاد رسول کے مقابلے میں صحابی کے اجتہاد کو بھی ترجیح نہ ہوگی ۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عمر کا اجتہاد نہیں صریح فعل رسول ہے بعض اہل زمان نے یہ کہا ہے کہ حضرت ابن عمر کو دیکھنے میں غلطی ہوئی انھوں صرف منھ یا سینہ دیکھا ہو گا چونکہ حالت ایسی نہ تھی کہ اسے بغور دیکھتے اچانک نظر پڑ گئی انھوں نے منہ یا زیادہ سے زیادہ سینہ دیکھا ہو گا کہ بیت المقدس کی طرف ہے حالانکہ استنجاء کے وقت اصل میں منہ یا سینہ قبلہ کی طرف کرنے کی ممانعت نہیں بلکہ اعضاء استنجاء کے لئے ممانعت ہے لیکن حدیث کے الفاظ کو بغور پڑھنے والا بخوبی معلوم کرے گا کہ یہ محض سخن سازی ہے ۔ حضرت ابن عمر کی نظر آنحضور پر اگرچہ اچانک اس حالت میں پڑی تھی مگر جو کچھ انھوں نے دیکھا وہ پوری تفصیل سے دیکھا ۔ غور کیجئے کہتے ہیں میں نے کچی اینٹوں پر بیٹھے دیکھا جب یہاں تک دیکھا کہ اینٹوں پر بیٹھے ہیں وہ بھی پکی نہیں کچی تھی وہ بھی صرف دو پر ۔ تو صرف سینے تک دیکھنے کو محدود کرنا درست نہیں پھر ایسے مشتبہ دیکھنے کو مدار حکم ٹھہرانا حضرت ابن عمر سے بعید ہے ۔ صحیح یہی ہے کہ اگرچہ انکی نظر اچانک ہی پڑی مگر جو بیان کر رہے ہیں وہی دیکھا ۔ اصل توجیہ اس حدیث کی وہ ہے جو مرشدی حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے فرمائی کہ جنکے سامنے کعبہ نہ ہو ان کو سمت کعبہ کی جانب منہ یا پیٹھ کرنا ممنوع ہے اور کعبہ جن کے سامنے ہو انھیں عین کعبہ کی طرف منع ہے ۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش نظر ساری دنیا تھی جیسا کہ خود انھیں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا ۔

ان اللہ قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والی ماھو کائن فیھا الی یوم القیمۃ کانی انظرالی کفی ھذا ۔	اللہ نے دنیا میرے سامنے کر دی ہے میں دنیا کو اور دنیا میں قیامت تک جو کچھ ہوگا سب کو ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو ۔

جب آنحضور کے سامنے پوری دنیا تھی تو حضور کی نگاہ انور کے سامنے کعبہ بھی ہوگا آپ کی پشت مبارک عین کعبہ کی جانب نہ تھی ، صرف سمت کعبہ کی جانب تھی ۔ حضرت ابن عمر نے صرف سمت شام کی جانب منہ اور سمت کعبہ کی جانب پیٹھ کرنے کو

یَسْجُدُ وَهُوَ لَاصِقٌ بِالْأَرْضِ

سجدے کی حالت میں زمین سے چپکا رہے یعنی پیٹ ران سے ران پنڈلی سے ملاکر سجدہ کرے۔

دیکھا۔ اور یہی جواب مذہب ثانی کی موید حدیث جابر کا بھی ہے کہ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش نظر عین کعبہ تھا اس سے بچ کر سمت قبلہ کی جانب پیشاب فرمایا حضرت جابر نے اسی کو دیکھا اور اسی پر جواز کا قول فرمایا۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سمت بیت المقدس اور پشت اقدس بسمت قبلہ میں تھی۔ عین کعبہ کی جانب نہ تھی۔ اس پر دلیل ان تینوں شہروں کا جغرافیائی وقوع ہے اس لئے مکہ معظمہ کا طول البلد ۶۷ درجے ۳۳ دقیقے ہے اور عرض البلد ۲۱ درجے ۴۰ دقیقے پر ہے مدینہ طیبہ ۷۵ درجے ۲۰ دقیقے طول البلد پر ۲۵ درجے عرض البلد پر اور بیت المقدس ۳۶ درجے اور ۲۰ دقیقے طول پر اور ۳۲ درجے ۲ دقیقے عرض پر ہے۔

جب بیت المقدس اور مدینہ طیبہ میں ۳۹ درجے طول کا اور مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں ۷ درجے ۴۷ دقیقے کا تفاوت ہے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ عین بیت المقدس کی جانب جس کا منہ ہو اس کی پیٹھ عین قبلہ کی جانب ہو اگر عین بیت المقدس کی جانب مُنہ ہوگا تو پشت کبھی بھی عین کعبہ کی جانب نہ ہوگی اگر دونوں ایک طول البلد پر ہوتے تو ایسا ممکن تھا تو لامحالہ حضور کی نشست میں منہ سمت بیت المقدس کی جانب اور پیٹھ سمت قبلہ کی جانب تھی یا مُنہ عین بیت المقدس کی جانب تھا تو پیٹھ سمت قبلہ کو تھی عین کعبہ کو ہرگز نہ تھی۔

(۳) یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ ابن ماجہ نے عراک بن مالک سے روایت کی ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے یہ تذکرہ ہوا کہ کچھ لوگ قبلہ کی جانب شرمگاہ کرنے کو برا جانتے ہیں۔ فرمایا۔ میرے پائخانے کی بیٹھک قبلہ رو کر دو۔ اس کا جواب شارحین نے یہ دیا کہ یہ حدیث لائق استناد نہیں علل ترمذی میں ہے محمد نے کہا اس حدیث میں اضطراب ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ام المومنین کا قول ہے۔ ابن حزم نے کہا یہ حدیث ساقط ہے۔ اس لئے کہ اس کے ایک راوی خالد بن ابی الصلت مجہول ہیں۔ امام احمد نے فرمایا کہ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ عراک کا ام المومنین سے سماع ثابت نہیں۔ عینی ج۲ ص۲۸۱ میزان میں امام ذہبی نے فرمایا کہ خالد بن ابی الصلت منکر ہے۔ یہ حدیث حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کی گئی مگر انھوں نے اس پر

ع ایضاً بخاری التبرز فی البیوت ج۱ ص۲۶ المساجد بیوت ازواج النبی ج۱ ص۶۳ مسلم ۱۲۶،۶۲ ابو داؤد ۵، ترمذی ۷، نسائی ۲۱، ابن ماجہ طہارت ۱۸، موطا قبلہ ۸، دارمی وضو ۸، مسند امام احمد۔

۱۰۸ حدیث ۔ ازواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کن یخرجن باللیل

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهَا أَنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج رات میں

كُنَّ يَخْرُجْنَ بِاللَّيْلِ إِذَا تَبَرَّزْنَ إِلَى الْمَنَاصِعِ وَهِيَ صَعِيدٌ أَفْيَحُ وَكَانَ عُمَرُ يَقُولُ

مناصع کی طرف رفع حاجت کے لئے جاتیں۔ اور مناصع لمبا چوڑا میدان ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عمل نہیں فرمایا بیہقی، دارقطنی ۔ ظاہر ہے کہ اس پر عمل ذکرنا اسی بنا پر ہوگا کہ ان کے نزدیک یہ حدیث لائق استناد نہیں۔

(۲) حضرت ابن عمر کی مراد غالبا یہ ہے کہ تو اُجڈ اور جاہل ہے ۔ جسے یہ بھی پتہ نہیں کہ سجدہ کرنا کیسے سنت ہے ۔ اسی وجہ سے یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ ممانعت صرف میدان میں ہے ۔ گھر کے اندر نہیں ۔ واسع بن حبان نے کہا میں نہیں جانتا یعنی یہ نہیں جانتا کہ ان لوگوں میں ہوں یا نہیں ۔ یا یہ کہ میں نہیں جانتا کہ قضاء حاجت کے وقت قبلے کی جانب منہ کرنے میں عمارت اور میدان کا فرق ہے ۔ لیکن یہ توجیہ اس صورت میں درست ہوگی جب کہ ان ناسا یقولون ۔ واسع بن حبان کا مقولہ مانا جائے ۔ مگر واقع میں ایسا نہیں ۔ یہ حضرت ابن عمر کا قول ہے جیسا کہ مسلم شریف میں تصریح ہے ۔ فقال عبد اللہ یقول ناس تو اب واسع کو اُجڈ کہنے کا کوئی محل نہیں صحیح توجیہ یہ ہے ۔ کہ اس میں یہاں اختصار ہے مسلم شریف میں ابتدائی حصہ یوں ہے ۔ واسع نے کہا میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اور عبد اللہ بن عمر بیٹھے تھے نماز سے فارغ ہو کر میں ان کی جانب مڑا تو انھوں نے فرمایا کچھ لوگ ایسا کہتے ہیں الخ ۔ ہو سکتا ہے ۔ واسع بن حبان کے سجدے میں یہ بات دیکھی ہو اور انھیں تنبیہ فرمادی ۔

تشریحات ۱۰۸ (۱۰۹)

ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبد ود ۔ قرشیہ عامریہ ۔ یہ قدیم الاسلام ہیں ۔ ان کا نسب لؤی پر جاکر شجرۂ نبوی سے مل جاتا ہے ۔ ان کا نکاح پہلے ان کے چچا کے لڑکے سکران بن عمرو بن شمس سے ہوا تھا ۔ ان کے یہ شوہر بھی انھیں کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے ان دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی تھی ۔ پھر مکہ واپس آئے ۔ ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا ۔ اس کے بعد سنہ نبوی میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کے بعد حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ عقد سے پہلے ۔ یہی مشہور ہے ۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نکاح کے قبل حضرت سودہ نے یہ خواب دیکھا کہ رسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور ان کی گردن پر اپنا پائے اقدس رکھا ۔ یہ خواب اپنے شوہر سکران سے بیان کیا تو انھوں نے کہا اگر تم سچ کہتی ہو تو میں عنقریب مرجاؤں گا اور تم سے حضور نکاح کریں گے اس کے

لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُحْجُبْ نِسَاءَكَ فَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کرتے تھے کہ اپنی عورتوں کو پردے کا حکم دیجئے

تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ فَخَرَجَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ زَوْجُ النَّبِيِّ

پھر بھی حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسا نہ کرتے سودہ بنت زمعہ زوجہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

بعد پھر دیکھا وہ تکیہ لگائے بیٹھی ہیں اور ایک چاند آسمان سے اتر کر ان کی گود میں آگیا ہے۔ اس خواب کو بھی سکران کو سنایا تو انھوں نے وہی تعبیر بتائی اسی دن سکران بیمار ہو گئے اور چند دن کے بعد فوت ہو گئے۔ پھر آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔ مکہ میں زفاف بھی فرمایا۔ یہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئیں۔ اخیر عمر میں جب کبیر السن ہو گئیں اپنی باری حضرت عائشہ کو دیدی۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا پھر کبھی باہر نہ نکلیں۔ علیٰ اختلاف روایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آخری ایام میں وصال ہوا۔ حضرت عمر نے حکم دیا کہ ان کا جنازہ رات میں اٹھایا جائے یا شوال ۵۴ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں مدینہ میں وصال ہوا۔ یہ بہت قد آور جسیم خاتون تھیں ان سے پانچ حدیثیں مروی ہیں۔ دو بخاری نے تخریج کی ہے باقی سنن اربعہ میں مروی ہے۔

تکمیل یہ دونوں حدیثیں ایک مفصل حدیث کا جزو ہیں جو کتاب التفسیر میں مفصل مذکور ہے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ پردے کی پابندی کے بعد (ام المومنین) سودہ اپنی ضرورت کے لئے نکلیں۔ اور یہ جسیم عورت تھیں انھیں جو پہچانتا تھا اس سے (پردہ کے باوجود) چھپ نہیں سکتی تھیں۔ انھیں عمر بن خطاب نے دیکھا تو کہا۔ اے سودہ سنو! بخدا تم ہم سے چھپ نہیں سکیں دیکھو کیسے نکلتی ہو۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ سودہ لوٹ آئیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے گھر میں رات کا کھانا تناول فرما رہے تھے۔ حضور کے دست مبارک میں گوشت والی ہڈی تھی سودہ اندر آئیں اور کہا! یا رسول اللہ! میں اپنی ضرورت کے لئے نکلی تھی تو عمر نے ایسے ایسے کہا۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ اللہ نے حضور کی طرف وحی کی پھر نزول وحی کی کیفیت فرو ہوئی۔ اور وہ ہڈی حضور کے دست مبارک ہی میں رہی۔ اسے رکھا نہیں اور ارشاد فرمایا۔ تم لوگوں کو اجازت دیدی گئی ہے کہ اپنی ضرورتوں کے لئے باہر جا سکتی ہو۔ کتاب النکاح میں بھی قدرے اختصار کے ساتھ یہ حدیث مذکور ہے۔

لغات اذا تبرزن اس کا مادہ براز ہے جس کے معنی وسیع میدان کے ہیں۔ تبرز کے معنی لغوی وسیع میدان میں جانا۔ عرفی معنی قضاء حاجت کے لئے میدان میں جانا۔ براز بار کے کسرہ کے ساتھ بھی ہے اس کا معنی مقابلہ کے لئے نکلنا ہے۔ مناصع منصع کی جمع ہے اس کا مادہ نصوع ہے جس کے معنی خالص ہونے کے ہیں۔ ناصع ہر چیز کے خالص کو کہتے ہیں۔ ابیض ناصع، اصفر ناصع، اصمعی نے کہا مادہ میل جو خالص ایک رنگ کا ہو مثلاً صرف سفید، صرف زرد، صرف سرخ اس کو بھی ناصع کہتے ہیں۔ عباب میں ہے کہ ناصع کے

صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِنَ اللَّيَالِي عِشَاءً وَكَانَتْ اِمْرَأَةً طَوِيْلَةً

ایک رات عشاء کے وقت قضاء حاجت کے لئے نکلیں وہ لمبے قد کی عورت تھیں۔

معنی مجالس کے ہیں۔ ابو سعید نے کہا۔ مناصع ان جگہوں کو کہتے ہیں جہاں لوگ قضاء حاجت کیا کرتے ہیں۔ ازہری نے کہا کہ مناصع مدینہ سے باہر ایک جگہ کا نام تھا۔ یہی ابن جوزی نے کہا کہ مدینہ سے باہر ایک لمبا چوڑا میدان تھا جہاں قضاء حاجت کے لئے لوگ جاتے تھے اسی کو مناصع کہتے تھے۔ سیاقِ حدیث بھی اسی کا مؤید ہے۔ معنی لغوی کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ وہ عمارتوں سے خالی تھا صعید کے معنی ہیں زمین کی سطح افیح کے معنی لمبے چوڑے وسیع کے ہیں۔

تطبیق حدیث ۱۰۸ اور ۱۰۹ میں بظاہر تعارض ہے سرسری طور پر نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے۔ مگر حدیث ۱۰۸ کا صریح منطوق یہ ہے کہ یہ واقعہ نزول حجاب سے پہلے کا ہے۔ اور حدیث ۱۰۹ میں تصریح ہے کہ یہ واقعہ نزول حجاب کے بعد کا ہے۔ نیز حدیث ۱۰۸ سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ازواج مطہرات کو باہر نکلنے سے روک دیا گیا اور حدیث ۱۰۹ میں تصریح ہے کہ اس کے بعد بھی قضاء حاجت کے لئے باہر جانے کی اجازت باقی رہی۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ ابتداءً میں حضرت عمر کی خواہش یہ تھی کہ ازواج مطہرات رات میں بھی چہرہ چھپا کر نکلیں۔ ان کی یہ خواہش پوری ہوئی۔ مگر پھر بھی ازواج مطہرات کے لئے ان کی غیرت نے یہ بھی نہیں پسند فرمایا کہ وہ پردے کے ساتھ باہر نکلیں۔ تو انھوں نے یہ چاہا کہ اس پر بھی پابندی ہو جائے مگر ضرورت کی بنا پر یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ حدیث ۱۰۸ میں جو وارد ہے کہ احجب نساءک اس سے مراد یہ ہے کہ رات میں منھ چھپائے بغیر نہ نکلیں۔ اور انزل الحجاب سے مراد چہرہ چھپا کر نکلنا ہے۔ اور حدیث ۱۰۹ میں بعد ما ضرب الحجاب سے مراد چہرے کا چھپا کر نکلنا ہے۔ اسی کو فرمایا کہ یہ اظہر الاحتمالین ہے۔ اس خادم کی بھی یہی رائے ہے۔

مگر اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ دو واقعے ہیں۔ اور دونوں حدیثوں میں حجاب کے ایک ہی معنی ہیں۔ جیسا کہ علامہ کرمانی علامہ برماوی علامہ قسطلانی کی رائے ہے۔ اب علامہ ابن حجر کا کتاب التفسیر میں علامہ کرمانی کی اس رائے پر یہ تعقب سمجھ میں نہیں آتا جو فرمایا بل المراد بالحجاب الاول غیر الحجاب الثانی اول حجاب سے ثانی حجاب کا غیر مراد ہے۔ حالانکہ اس کے بعد جو الحاصل سے بیان فرمایا وہ وہی ہے جو ہم ذکر کر آئے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ واقعہ دو ہے۔ اس اضراب کی توجیہ میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حدیث ۱۰۸ میں جو حجاب حضرت عمر کا مقصود تھا وہ حدیث ۱۰۹ میں مذکور حجاب کے علاوہ تھا۔ اس طرح کہ حدیث ۱۰۹ میں حجاب سے چہرے کا چھپا کر نکلنا مراد ہے اور حدیث ۱۰۸ میں حضرت عمر کی خواہش یہ ظاہر ہوتی ہے کہ گھروں سے بالکل نکلنے دیا جائے۔ ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حدیث ۱۰۹ کو پہلے کا واقعہ مانا جائے اور حدیث ۱۰۸ کو بعد کا۔ اور حدیث ۱۰۹ میں ضرب الحجاب سے مراد چہرے کا چھپا کر نکلنا مراد ہے۔ اور حدیث ۱۰۸ میں احجب نساءک سے مراد گھروں سے نہ نکلنا مراد ہو۔

فَنَادَاهَا عُمَرُ أَلَا قَدْ عَرَفْنَاكِ يَا سَوْدَةُ حِرْصًا عَلَى أَنْ يُنْزَلَ الْحِجَابُ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ الْحِجَابَ ؏

تو حضرت عمر نے پکار کران سے کہا سنو! اے سودہ ہم نے تمہیں پہچان لیا ان کی خواہش یہ تھی کہ حجاب نازل ہو تو اللہ نے حجاب اتارا۔

وانزل الحجاب سے آیہ کریمہ - وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ - مراد ہو۔

① یہاں مستملی کے نسخے میں آیۃ الحجاب ہے۔ ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں بطریق زبیدی ابن شہاب سے یوں روایت کی ہے:

فانزل الله الحجاب يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ۔

احزاب، آیت (۵۳)

تو اللہ نے حجاب نازل فرمایا۔ یعنی یہ آیت۔ اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ جاؤ جب تک تم کو اذن نہ ملے۔ مثلاً کھانے کے لئے بلانے جاؤ نہ یوں کہ خود پکنے کی راہ تکو ہاں جب بلائے جاؤ تو جاؤ اور جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ، نہ کہ بیٹھے باتوں میں دل بہلاؤ۔ بے شک اس میں نبی کو ایذا پہنچتی ہے تو وہ تمہارا لحاظ فرماتے ہیں اور اللہ حق فرمانے میں نہیں شرماتا اور جب ازواج مطہرات سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو اس میں تمہارے اور انکے دلوں کی زیادہ پاکیزگی ہے۔

سورۂ احزاب کی تفسیر میں خود امام بخاری نے اس آیت کے شانِ نزول میں جو حدیث ذکر کی ہے اس سے ظاہر کہ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کے وقت ولیمہ کے موقع پر کھانا کھانے کے بعد بھی جو تین شخص بیٹھے باتیں کرتے رہے اس وقت یہ آیت اتری۔ نیز اسی میں اس کا شان نزول یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عمر نے خدمت اقدس میں عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی خدمت میں اچھے برے سبھی حاضر ہوتے ہیں آپ اپنی ازواج کو پردے کا حکم دیں اس پر آیت حجاب نازل ہوئی۔ علاوہ ازیں ابن جریر نے اپنی تفسیر میں بطریق امام مجاہد اس کا شان نزول یہ ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ کے ساتھ بعض اصحاب کھا رہے تھے اور حضرت عائشہ بھی شریک تھیں کہ کسی صحابی کا ہاتھ حضرت عائشہ کے ہاتھ پر پڑ گیا یہ حضور کو ناگوار ہوا اس پر آیت حجاب نازل ہوئی۔ ابن مردویہ نے ابن عباس کی یہ حدیث آیت حجاب کے شانِ نزول میں ذکر کی ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور بہت دیر تک بیٹھا رہا۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین بار اٹھے کہ یہ شخص چلا جائے مگر وہ نہیں گیا اتنے میں حضرت عمر آ گئے اور ناگواری کا اثر چہرۂ اقدس پر دیکھا تو اس شخص سے کہا! شاید تو نے رسول اللہ کو ایذا پہونچائی ہے۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تین بار اٹھا کہ یہ بھی میرے ساتھ اٹھے مگر یہ نہیں اٹھا۔ اس پر حضرت عمر نے کہا کہ آپ پردہ کرا دیں آپ کی ازواج اور عورتوں کی طرح نہیں۔

؏ مسلم استیذان۔

(۱۰۹) حدیث ۔ قد اذن لکن ان تخرجن لحاجتکن

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

ان کے دلوں کے لئے زیادہ پاکیزہ ہوگا اس پر آیت حجاب نازل ہوئی ۔

علامہ ابن حجر نے اس میں یہ تطبیق دی ہے کہ اسباب نزول متعدد ہو سکتے ہیں اخیر سبب حضرت زینب کے ولیمے والا واقعہ ہے اس لئے اس آیت میں خصوصی تنبیہ اس واقعہ پر ہے ۔ بقیہ واقعات چونکہ اس کے قریب ہی قریب پیش آئے اس لئے انھیں بھی شان نزول قرار دیا گیا ۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض میں آیت حجاب سے مراد یہ آیت کریمہ ہو ۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۔ احزاب آیت (۵۹)

اے نبی اپنی ازواج اور صاحبزادیوں اور مومنوں کی عورتوں سے فرما دو کہ اپنے چہروں پر چادروں کا کچھ حصہ ڈالے رہیں قریب تر ہے اس سے کہ پہچان لی جائیں تو ایذاء نہ دی جائیں ۔

ان دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہوا کہ ازواج مطہرات سے متعلق پردے کی تین صورتیں ہوئیں ایک یہ کہ دن میں باہر نہ نکلیں رات کی تاریکی میں نکلیں جیسا کہ حدیث ۱۵۸ میں مذکور ہے کن یخرجن باللیل ۔ رات میں نکلتی تھیں ۔ دوسرے یہ کہ رات میں بھی کھلے منھ نہ نکلیں ، نکلیں تو چہرہ چھپالیں ، جیسا کہ اسی حدیث فانزل الحجاب سے مستفاد ہوتا ہے اور حدیث ۱۸۳ میں صراحت ہے کہ ام المومنین فرماتی ہیں کہ ہم صرف رات میں قضاء حاجت کے لئے جایا کرتی تھیں ۔ اور یہ طے ہے کہ واقعہ افک نزول حجاب کے بعد کا ہے اس لئے کہ حضرت ام المومنین نے اس حدیث میں صاف فرمایا کہ صفوان بن معطل نے حجاب سے پہلے مجھے دیکھا تھا ۔ نیز یہ متفق علیہ ہے کہ حضرت زینب کے ساتھ نکاح پر ولیمے میں جو قصہ ہوا اس موقع پر آیت حجاب نازل ہوئی اور حدیث ۱۸۳ میں تصریح ہے کہ حضرت زینب بنت جحش اس وقت ازواج میں داخل تھیں اور حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے بھی حضرت عائشہ کے بارے میں دریافت فرمایا انھوں نے بھی صفائی دی ۔ علامہ ابن حجر نے کتاب التفسیر میں خود اس کی تصریح کی ہے اور جو کتاب الوضوء میں تحریر فرمادیا تھا کہ واقعہ افک نزول حجاب سے پہلے کا ہے ۔ کتاب التفسیر میں اس پر تنبیہ فرمادی کہ یہ لغزش تھی اس کی تصحیح کر لی جائے تیسری صورت یہ تھی کہ قضاء حاجت کے لئے بھی گھروں سے باہر جانا ممنوع ہو گیا ۔ جیسا کہ حدیث ۱۸۳ کا یہ حصہ دلالت کرتا ہے کہ وذلک قبل ان نتخذ الکنف ۔ میدان میں قضاء حاجت کیلئے اسوقت ہم جایا کرتی تھیں جبکہ ابھی گھروں میں پاخانے نہیں بنے تھے ۔ آیت کریمہ وقرن فی بیوتکن ۔ اور اپنے گھروں ہی میں رہو ۔ اس پر دلالت کرتی ہے ۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ ازواج مطہرات کے پردہ مخصوص تھا وہ یہ کہ انھیں اپنے چہرے اور ہاتھوں کو بہر حال اجنبیوں سے چھپانا فرض ہے ۔ حتی کہ شہادت وغیرہ کے موقع پر

قَالَ قَدْ أُذِنَ لَكُنَّ أَنْ تَخْرُجْنَ فِي حَاجَتِكُنَّ قَالَ هِشَامٌ يَعْنِي الْبَرَازَ ؎

ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تمھیں اس بات کی اجازت دی گئی کہ اپنی ضرورت کے لئے باہر جاؤ۔ ہشام نے کہا یعنی قضاء حاجت کرنے

بھی کھولنا جائز نہیں۔ نیز یہ کہ انھیں اپنی ذات کسی کے سامنے ظاہر ہونے دینا جائز نہیں۔ اگرچہ پردہ کے ساتھ ہوں۔ اس پر مؤطا کی حدیث سے دلیل لائے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عورتوں نے اپنے جھرمٹ میں لے کر اس طرح چھپایا کہ کوئی انھیں نہیں دیکھ سکا۔ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے جنازہ کو چھپانے کے لئے قبہ بنالیا تھا۔ اس پر علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ مؤطا کی اس حدیث سے اس کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی کہ ازواج مطہرات پردے میں ہوتے ہوئے بھی اپنی ذات کو چھپائیں۔ اس لئے کہ وصال اقدس کے بعد ازواج مطہرات حج کرتی تھیں طواف کرتی تھیں لوگ ان سے احادیث سنتے تھے اور صرف ان کے بدن چھپے ہوتے ذات نہیں۔ کتاب الحج میں ہے کہ ابن جریج نے جب حضرت عطا سے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے طواف کا ذکر کیا تو انھوں نے پوچھا کہ آپ نے انھیں حجاب سے پہلے دیکھا تھا کہ حجاب کے بعد۔ تو ابن جریج نے بتایا کہ میں نے ان کی زیارت حجاب کے بعد کی ہے۔ نیز انھیں ابن جریج نے کہا کہ میں اور عبید بن عمر حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ کوہِ ثبیر میں ٹھہری تھیں۔ ایک ترکی قبہ میں رہتی تھیں۔ دلہا غشاء، میرے اور ان کے مابین صرف ایک پردہ تھا۔ میں نے انھیں دیکھا گلابی رنگ کا پیرہن پہنے ہوئے تھیں ؏۔ ظاہر ہے کہ ام المومنین کا یہ حج نفل تھا حج فرض تمام ازواج مطہرات حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کر چکی تھیں اگر ازواج مطہرات پر اپنی ذات کا چھپانا فرض ہوتا تو حج نفل کے لئے نہ جاتیں۔ اور ان کے تلامذہ ان کو نہ دیکھ پاتے۔ محدثین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیت حجاب کس سن میں نازل ہوئی۔ ابو عبید نے کہا کہ تیسرے سال، ابن اسحاق نے کہا کہ حضرت ام سلمہ سے نکاح کے بعد۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضرت ام سلمہ سے نکاح کس سن میں ہوا۔ سن تین میں یا چار میں۔ ابن سعید نے کہا ۴ھ کے ذوقعدہ میں۔ قتادہ نے کہا ۵ھ میں۔ یہ اختلاف اصل میں دوسرے اختلاف کی فرع ہے۔ یہ تو طے ہے کہ آیت حجاب یعنی لا تدخلوا بیوت النبی حضرت زینب بنت جحش کے نکاح کے وقت نازل ہوئی۔ حضرت زینب سے نکاح کس سن میں ہوا اس میں اختلاف ہے۔ الاستیعاب ؏ میں ہے کہ ابو عبید نے کہا کہ یہ ۳ھ میں ہوا۔ اس لئے وہ اس آیت کا نزول ۳ھ مانتے ہیں۔ قتادہ نے کہا کہ یہ نکاح ۵ھ میں ہوا تو وہ اس کے نزول کا وقت ۵ھ مانتے یہی راجح ہے کہ حضرت زینب سے نکاح ۵ھ میں ہوا۔ الاکمال میں اسی پر اختصار کیا۔ اصابہ ؏ میں دونوں قول ذکر کیا۔ مگر اخیر میں وصال کے وقت کی جو عمر بتائی

؎ تفسیر لا تدخلوا بیوت النبی ج۲ ص۷۰۵، نکاح، خروج النساء لحوائجہن ج۲ ص۷۸۸، ؏ بخاری ج۱ ص۲۱۹، ؏ ج۴ ص۳۱۴، ؏ ج۴ ص۳۱۳،

(۱۱۰) حدیث - الاستنجاء بالماء

سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ

عطاء ابن ابی میمونہ نے کہا میں نے انس بن مالک سے یہ فرماتے سنا کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب قضاء حاجت

لِحَاجَتِهِ أَجِيْءُ أَنَا وَغُلَامٌ مَعَنَا إِدَاوَةٌ مِنْ مَاءٍ يَعْنِي يَسْتَنْجِي بِهِ ؂

کے لئے جاتے تو میں اور ایک لڑکا جاتا ہمارے ساتھ پانی کا چمڑے کا برتن ہوتا جس سے حضور استنجاء فرماتے ؂

اور کس سنہ میں وصال فرمایا اس سے سنہ متعین ہو جاتا ہے۔ اصابہ میں ہے کہ نکاح کے وقت حضرت زینب کی عمر ۳۵ سال تھی اور پچاس سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ اور ۲۰ھ سن وصال ہے اس سے ظاہر کہ ہجرت کے وقت تیئس سال کی تھیں۔ اور جب نکاح کے وقت ۳۵ سال کی تھیں تو ظاہر ہو گیا کہ ۵ھ میں نکاح ہوا۔ اور یہی آیت حجاب کے نزول کا سن ہے۔ رہ گیا ابن اسحاق کا یہ کہنا کہ آیت حجاب کا نزول حضرت ام سلمہ کے نکاح کے بعد ہوا غالباً ان کی مراد آیہ کریمہ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ہے۔

مسائل ان دونوں احادیث سے مندرجہ ذیل مسائل مستنبط ہوئے (۱) کسی اچھی بات کے لئے چھوٹا آدمی اپنے بزرگ کی خدمت میں بار بار عرض کر سکتا ہے (۲) اپنی ماں کو بھی نصیحت کی جا سکتی ہے اس لئے کہ حضرت سودہ ام المومنین ہیں (۳) بہ نیت خیر بڑے سے بھی اچھی بات سخت لہجہ میں پیش کی جا سکتی ہے جب کہ اعتراض اور تعنت مقصود نہ ہو (۴) عورتیں بدرجۂ مجبوری اپنی کسی حاجت کے لئے گھر سے نکل سکتی ہیں (۵) اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تین فضیلتیں ثابت ہوئیں۔ ایک تو ان کی غیرت۔ دوسرے موافقت وحی، اس لئے کہ ان کی خواہش کے مطابق آیت حجاب نازل ہوئی۔ تیسرے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خیر خواہی۔

تشریحات (۱۱۰)

لغات غلام۔ وہ بچہ جو بلوغ کے قریب ہو جس کی مسیں بھیگ رہی ہوں۔ دودھ چھڑانے سے سات سال تک کی عمر کا بچہ۔ وہ بچہ جس کی داڑھی نہ نکلی ہو۔ اداوۃ۔ چمڑے کا پانی رکھنے کے لئے چھوٹا برتن۔

(۱) اس کی بعد والی روایت میں منّا زائد ہے یعنی انصار میں سے ایک اور بچہ تھا۔ مسلم کی روایت میں نحوی ہے یعنی میرا ہم عمر تھا۔

(۲) امام بخاری نے پانی سے استنجاء کرنے کا باب اس لئے باندھا کہ کچھ لوگ اسے ناپسند کرتے تھے۔ اور کچھ لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ ثابت نہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی پانی سے استنجاء کیا ہو۔ ابن ابی شیبہ نے صحیح سندوں کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ

ؔ ۱۵۰ ؎۱۴۲ ؂ اسی کے بعد متصل دوار طریقے ہے،

(۱۱۱) حدیث۔ حمل العنزۃ عند الاستنجاء

عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِیْ مَیْمُوْنَۃَ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَقُوْلُ کَانَ

عطاء بن ابو میمونہ سے روایت ہے کہ انھوں نے انس بن مالک کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب میدان

تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے ان سے پوچھا گیا پانی سے استنجا کرنا کیسا ہے؟۔ تو فرمایا پھر تو میرے ہاتھ میں ہمیشہ بدبو رہے گی۔ نافع نے حضرت ابن عمر کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ پانی سے استنجا نہیں کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے فرمایا ہم پانی سے استنجا نہیں کرتے۔ ابن حبیب مالکی سے منقول ہے کہ انھوں نے پانی سے استنجا کرنے کو منع فرمایا کیونکہ یہ مطعوم ہے۔ حضرت امام مالک نے اس سے انکار کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی پانی سے استنجا کیا ہو۔

اور یہاں جو یستنجی بہ ہے اس کے بارے میں مُہلَّب کے بیان کے مطابق اصیلی کا گمان یہ ہے کہ حضرت انس کا قول نہیں۔ یہ راوی حدیث امام بخاری کے شیخ کا قول ہے جو انھوں نے اپنے قیاس سے کہا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ پانی وضو وغیرہ کے لئے لے جاتے ہوں۔ اس لئے کہ یہی حدیث اس کے متصل سلیمان بن حرب نے اسی سند کے ساتھ شعبہ ہی سے روایت کیا ہے اس میں یستنجی بہ نہیں ابو عبد الملک نے کہا یہ حضرت انس کے تلمیذ ابو معاذ کا اضافہ ہے اس لئے کہ یہ بات صحت کو نہیں پہونچتی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانی سے استنجا کیا ہے۔ علامہ ابن حجر و علامہ عینی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پانی سے استنجا کرنا کثیر احادیث سے ثابت ہے۔ مثلاً اسی کے بعد تیسری حدیث ہے اس میں یستنجی بالماء ہے[۱]۔ نیز اسی بخاری میں ہے۔ بطریق روح بن قاسم انھیں عطاء بن میمونہ سے حضرت انس کا قول مذکور ہے۔ اذا تبرز اتیتہ بماء فیغسل بہ جب قضاء حاجت کے لئے جاتے تو میں پانی لے کر حاضر ہوتا جس سے دھوتے۔ مسلم[۲] میں حضرت انس ہی کا قول ہے:۔ فخرج علینا وقد استنجی بالماء، ہم میں تشریف لائے اور پانی سے استنجا فرما چکے تھے۔

ان تمام روایات سے ثابت ہے کہ اس حدیث میں یستنجی بہ حضرت انس ہی کا قول ہے جو انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل کی حکایت کی ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانی سے استنجا فرمایا ہے اور پانی سے استنجا سنت ہے اس میں ادنیٰ کراہت نہیں۔

مسائل علماء، صلحاء و مشائخ کی خدمت کرنی ان کے احوال پر نظر رکھنی جو ضرورت ہو اسے پوری کرنی باعث شرف ہے۔ اپنے تلامذہ جبکہ نابالغ بچوں سے خدمت لینے میں کوئی حرج نہیں۔ افضل یہ ہے کہ پہلے ڈھیلے وغیرہ سے استنجا کرے۔ پھر پانی استعمال کرے صرف ڈھیلے پر یا صرف پانی ہی پر اکتفا بھی جائز ہے۔ البتہ اگر نجاست اپنے مخرج کے علاوہ بقدر درہم پھیل گئی ہو تو پانی سے استنجاء

---

[۱] باب ماجاء فی غسل البول ص۳۵ ج۱۔ [۲] ج۱ ص۱۳۲ باب النہی عن الاستنجاء بالیمین،

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَاَحْمِلُ اَنَا وَغُلَامٌ

بیں فضاء حاجت کے لئے جاتے تو میں اور ہم میں سے ایک اور لڑکا پانی کا برتن اور چھوٹا نیزہ

اِدَاوَۃً مِّنْ مَّاءٍ وَّعَنَزَۃً یَسْتَنْجِیْ بِالْمَاءِ اَلْعَنَزَۃُ عَصًا عَلَیْہِ زُجٌّ۔

لے کر جاتے۔ حضور پانی سے استنجا کرتے۔ عنزہ وہ لاٹھی ہے جس میں پھل لگا ہو۔

(۱۱۳) حدیث۔ النھی عن الاستنجاء بالیمین

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ قَتَادَۃَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

واجب ہے اگر ڈھیلے اور پانی میں سے صرف ایک ہی استعمال کرنا ہو تو پانی افضل ہے۔ روافض کے یہاں ڈھیلے سے استنجا جائز نہیں حالانکہ بکثرت احادیث میں تصریح ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استنجے کے وقت پتھر استعمال فرمایا۔

تشریحات (۱۱۲)

خلاء۔ سے یہاں مراد میدان ہے۔ گھر کا بیت الخلاء مراد نہیں۔ عنزہ۔ اس لاٹھی کو کہتے ہیں جس کے نیچے لوہے کا پھل ہو یعنی چھوٹا نیزہ اسے ساتھ لے جانے کی حکمت۔ یہ تھی کہ بوقت ضرورت دشمنوں اور موذی جانوروں سے بچنے کا اس سے کام لیا جائے۔ زمین کو اگر کھودنے کی حاجت ہو تو اس سے کھود لیں۔ مثلاً ڈھیلا حاصل کرنا ہے یا زمین سخت ہے چھینٹے پڑنے کا اندیشہ ہے۔ کپڑا وغیرہ اس پر ٹانگ سکیں ٹیک۔ لگا لیں۔ نماز پڑھنے میں اس کو سترہ بنائیں۔ یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ الی العنزۃ ج۱ ص۷۱ پر بھی تھوڑے تغیر کے ساتھ مذکور ہے۔ وہاں ہے کہ جب آنحضور اپنی حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو حضور کے پیچھے میں اور ایک اور لڑکا جاتا اور ہمارے ساتھ عکازہ یا عنزہ یا عصا اور پانی کا برتن ہوتا جب حاجت پوری کر لیتے تو ہم حضور سے برتن لے لیتے۔

علامہ ابن حجر نے فرمایا عکازہ یا عنزہ یا عصا کی تردید شک راوی ہے۔ اس لئے کہ اس کے علاوہ ساری روایتیں صرف عنزہ پر متفق ہیں۔ عکازہ اور عنزہ ہم معنی ہیں۔

تشریحات (۱۱۳)

ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سلمی مدنی مشہور صحابی ہیں۔ ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ کسی نے حارث کہا کسی نے نعمان، کسی نے عمرو۔ ان کو فارس رسول اللہ کہا جاتا تھا۔ خود حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا۔ خیر فرساننا الیوم ابو قتادۃ وخیر رجالتنا آج ہمارے سواروں میں سب سے اچھے ابو قتادہ ہیں۔ اور ہمارے سلمۃ بن اکوع (مسلم ج۲ ص۱۱۵) پیادوں میں سب سے اچھے سلمہ بن اکوع۔

وَسَلَّمَ اِذَا شَرِبَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْاِنَاءِ وَاِذَا اَتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَمَسَّ ذَكَرَهٗ

جب تو پانی پیئے تو برتن میں سانس نہ لے۔ اور جب رفع حاجت کے لئے جائے تو اپنا عضو تناسل داہنے ہاتھ

بِيَمِيْنِهٖ وَلَا يَتَمَسَّحْ بِيَمِيْنِهٖ ؏

سے نہ چھوئے اور نہ سیدھے ہاتھ سے پونچھے یعنی استنجا کرے۔

اس میں اختلاف ہے کہ یہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے یا نہیں؟ مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اُحُد، خندق اور اسکے بعد کے تمام مشاہد میں شریک رہے۔ مشاجرات میں یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہے۔ ان کی جانب سے کچھ دن مکہ کے والی بھی رہے۔

علی اختلاف اقوال ۵۴ھ یا ۵۸ھ میں ستر یا بہتر سال کی عمر پاکر مدینہ طیبہ یا کوفہ میں وصال فرمایا۔ ایک قول کے مطابق انکی نماز جنازہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔ ان سے ایک سو ستر حدیثیں مروی ہیں۔ گیارہ متفق علیہ، دو افراد بخاری، اور آٹھ افراد مسلم سے ہے ؏

(۱) یعنی پانی پیتے پیتے اس طرح سانس نہ لے کہ سانس کی ہوا پانی میں جائے۔ اس لئے کہ اندر کی ہوا جسم کے مضر بخارات کو لے کر باہر آتی ہے۔ اس سے پانی کے مضر ہونے کا احتمال ہے۔ اس کا بھی اندیشہ ہے کہ سانس کے ساتھ ناک کی رطوبت پانی میں مل جائے۔ جس سے گھن آنے لگے بلکہ سانس لینا ہو تو برتن سے منھ ہٹاکر سانس لے۔ بلکہ احادیث سے ثابت ہے کہ تین سانس میں پانی پینا سنت ہے۔ اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ پانی پیتے پیتے برتن میں منھ ڈالے۔ باہر سے اندر کو سانس نہ لو اس سے اندیشہ ہے کہ پانی ناک میں چڑھ جائے۔ اور حق یہ ہے کہ ہر طرح سانس لینی منع ہے۔

(۲) پیشاب کرتے وقت یا استنجا کرتے وقت داہنے ہاتھ کو شرمگاہ سے لگانا ممنوع ہے یعنی مکروہ تنزیہی ہے۔ اور یہی ظاہر ہے۔ استنجا کرنے کو یتمسح سے تعبیر کرنے میں عموم کا افادہ ہوا۔ کہ خواہ پانی سے استنجا کرے خواہ ڈھیلوں وغیرہ سے۔ بہر حال داہنے ہاتھ سے نہ کرے۔ بلکہ بائیں ہاتھ سے کرے۔ ممانعت کے باوجود اگر داہنے ہاتھ سے استنجا کرے گا تو طہارت ہو جائیگی۔ امام احمد اور بعض اہل ظاہر کا مذہب یہ ہے کہ اگر داہنے ہاتھ سے استنجا کرے گا تو طہارت ہوگی ہی نہیں۔ یہ اختلاف اس وقت ہے جب کہ پانی یا ڈھیلا استعمال کرے۔ اور اگر صرف ہاتھ سے پونچھے تو بالاتفاق طہارت نہ ہوگی اور نہ یہ جائز ہے خواہ داہنا ہاتھ ہو خواہ بایاں۔ اس لئے کہ ہاتھ سے پونچھنے میں نجاست دور ہی نہ ہوگی۔

؏ ایضاً۔ لایمسک ذکرہ بیمینہ اذا بال ص ۲۷ ج ۱، اشربہ، النہی عن التنفس فی الاناء ص ۸۴۱ ج ۲، مسلم طہارت: ۶۳، ۶۴، ابو داؤد طہارت ص ۳، اشربہ ۲۰۔ ترمذی طہارت ۱۱، اشربہ ۱۰، ۱۶، نسائی طہارت ۴۶، ۴۲، ابن ماجہ طہارت ۱۵، اشربہ ۲۳، ۲۴، دارمی، وضو ۱۳، اشربہ ۲۱، مسند امام احمد۔ ؏ اصابہ، استیعاب، عینی۔

(۱۱۳) حديث۔ الاستنجاء بالاحجار

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اِتَّبَعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے چلا اور حضور رفع حاجت

وَخَرَجَ لِحَاجَتِهٖ وَكَانَ لَا يَلْتَفِتُ فَدَنَوْتُ مِنْهُ فَقَالَ اَبْغِنِیْ اَحْجَارًا اَسْتَنْفِضْ بِهَا

کے لئے نکلے تھے اور حضور ادھر ادھر نہیں دیکھتے تھے۔ میں نزدیک پہنچ گیا۔ فرمایا میرے لئے کچھ پتھر تلاش کرو جس سے استنجا کروں۔

تشریحات (۱۱۳)

استنفض بہا اس کا مادہ نفض ہے۔ جس کے معنی جھاڑنے کے ہیں۔ جھاڑنے سے چیز صاف ہو جاتی ہے۔ اسی طرح استنفض کے معنی ہوئے جس سے میں صفائی حاصل کروں۔ جس کا حاصل استنجا ہوا۔

(۱) پتھر کی تخصیص صرف اس لئے کی کہ وہاں سوائے پتھر کے اور کچھ نہ مل سکتا تھا۔ ورنہ پتھر کی طرح ڈھیلے کنکر وغیرہ سے بھی استنجا بلا کراہت جائز ہے۔ اس پر دو قرینہ ہے۔ ایک پتھر سے جو کام لینا ہے وہ صفائی کا ہے تو جس چیز سے صفائی حاصل ہو جائے۔ اس سے استنجا ہو سکتا ہے۔ دوسرے حضور نے ہی میں تخصیص فرما دی کہ ہڈی اور گوبر مت لانا تو معلوم ہو گیا کہ ہڈی اور گوبر اور اس قسم کی چیزوں کے سوا دوسری چیزوں سے استنجا بلا کراہت جائز ہے۔

بعض ظاہریہ اور بعض حنبلی حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا۔ کہ پتھر کے سوا اور کسی بھی چیز سے استنجا نہیں ہو سکتا ان کا استدلال یہ ہے کہ حضور نے پتھر کی تخصیص کر دی ہے۔ مگر ان کا یہ استدلال درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ تخصیص مقامی مجبوری یا آسانی کی وجہ سے اتفاقی تھی کہ یہاں آسانی سے صرف پتھر ہی مل سکتا تھا۔ یا سوائے پتھر کے ڈھیلا بالکل نہ مل سکتا ہو۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ اتفاقی تخصیص اپنے ماعدا کی نفی نہیں کرتی۔

(۲) ہڈی، گوبر، مینگنی سے استنجا ممنوع ہونے کی احادیث میں یہ علت مذکور ہے۔ کہ یہ جنوں کی خوراک ہے۔ بخاری بعث، صفحہ ۵۴۴ میں ہی حدیث یوں ہے۔ کہ یہ دونوں جنوں کی خوراک ہیں۔ میرے پاس نصیبین کے جنوں کا وفد آیا۔ اور یہ اچھے جن تھے۔ انھوں نے مجھ سے سفر کی خوراک مانگی۔ میں نے ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دی اب یہ کسی بھی ہڈی یا گوبر کے پاس پہونچیں گے تو ان پر کھانا پائیں گے۔

اور ابو داؤد[له] میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ جن کا وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور

له الطهارت۔ ما نهی عنه ان یستنجی به صلا

اَوْ نَحْوَہٗ وَلَا تَاتِینِیْ بِعَظْمٍ وَّلَا رَوْثٍ. فَاَتَیْتُہٗ بِاَحْجَارٍ بِطَرَفِ ثِیَابِیْ
یا اسی قسم کا کوئی اور جملہ فرمایا۔ اور ہڈی یا گوبر مت لانا۔ میں کچھ پتھر اپنے دامن میں لے آیا۔

عرض یا رسول اللہ اپنی امت کو ہڈی اور گوبر اور کوئلے سے استنجا کرنے سے منع فرمادیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں ہماری روزی رکھی ہے۔ تو حضور نے منع فرمادیا۔

مسلم[1] میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جنوں کا داعی آیا۔ میں اس کے ساتھ گیا۔ میں نے ان پر قرآن پڑھا۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور اس کے بعد مجھے اپنے ہمراہ لے گئے مجھے ان کے قدم اور آگ کے نشانات دکھائے۔ انھوں نے آنحضور سے سفر کی خوراک مانگی تو فرمایا۔ ہر وہ ہڈی، جو اللہ کے نام سے ذبح کی گئی ہو۔ جب تمہارے ہاتھ میں آئے گی اس پہلے والا پورا گوشت ہوگا۔ اور ہر مینگنی تمہارے چوپاؤں کا چارہ ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں سے استنجا نہ کرو۔ اس لئے کہ یہ تمہارے بھائی جنوں کی خوراک ہے۔ بطریق محمد بن مثنیٰ یوں ہی ہے۔ مگر بطریق علی بن حجر السعدی اس طرح ہے کہ آثار نیرانھم تک حضرت ابن مسعود کا قول ہے۔ اور اس کے بعد امام شعبی کا ہے۔ علامہ نووی نے دار قطنی وغیرہ کے حوالہ سے کہا کہ وسئلوہ عن الزاد سے اخیر تک شعبی کا قول ہے۔ پھر فرمایا۔ مگر یہ بات بغیر سماع نہیں جان سکتی اور ما لا یدرك الا بالسماع مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے اس لئے یہ بھی حدیث ہی ہے آثار نیرانھم تک ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے بقیہ کسی اور صحابی سے مروی ہے۔ بہر حال یہ بھی حضور ہی کا ارشاد ہے۔ حاکم نے دلائل النبوۃ میں اس کا اخیر حصہ یوں روایت کیا ہے۔

حضور نے فرمایا۔ میں نے انھیں ہڈی اور گوبر دیا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ انھیں کیا کام دے گا۔ فرمایا۔ ہر ہڈی پر یہ لوگ پہلے والا گوشت پائیں گے۔ اور ہر گوبر پر وہ دانہ پائیں گے۔ جو کھانے کے دن تھا۔ اس لئے کوئی ہڈی اور گوبر سے استنجا نہ کرے۔

ان سب روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہڈی اور گوبر سے استنجا کرنے کی ممانعت اسلئے ہے کہ یہ جنوں اور انکے چوپاؤں کی خوراک ہے۔

تطبیق بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں کی درخواست پر، حضور نے دعا فرمائی تو ہڈی وغیرہ ان کی خوراک ہوئی اور مسلم کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نے انھیں یہ چیزیں توشے کے لئے دیں۔ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں۔ مسلم کی روایت

---

[1] الصلوٰۃ الجھر بالقرآن فی الفجر والقراءۃ علی الجن ص۱۸۴

فَوَضَعْتُهَا إِلَى جَنْبِهِ وَأَعْرَضْتُ عَنْهُ فَلَمَّا قَضَى أَتْبَعَهُ بِهِنَّ۔

اور آپ کے پہلو میں رکھ دیا۔ اور وہاں سے ہٹ آیا۔ قضاء حاجت کے بعد ان پتھروں کو استعمال فرمایا۔

میں اختصار ہے۔ حضور نے دعا فرمائی دعا فرمانے کے بعد ان سے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے زاد سفر یہ ہے۔ البتہ ابو داؤد کی روایت صحیحین کی روایت کے معارض ہے۔ کہ اس میں یہ تصریح ہے کہ جنوں نے عرض کیا کہ یہ چیزیں ہمارا رزق ہیں۔ حضور اپنی امت کو ان سے استنجا کرنے سے منع فرمادیں۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ ابتداء میں یہی ہوا کہ جنوں نے زاد راہ کی درخواست کی تو آنحضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور ہڈی وغیرہ انھیں زاد راہ دی۔ جیساکہ صحیحین میں ہے۔ مگر چونکہ یہ واقعہ ابتدائے اسلام کا ہے۔ بعد میں جب اسلام کی اشاعت ہوئی لوگ بکثرت مسلمان ہوئے مگر سب کو یہ بات معلوم نہ تھی۔ لوگ ہڈی سے استنجا کرتے رہتے تھے۔ تو بعد میں جنوں نے آکر شکایت کی۔ کہ یہ ہماری روزی ہے اس سے استنجا کرنے سے آپ منع فرمادیں۔ جیساکہ ابو داؤد میں ہے۔

جنوں کی خوراک ہڈی اور روث دونوں ہیں۔ یا ہڈی جنوں کی خوراک ہے اور روث ان کے چوپاؤں کی۔ مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہڈی جنوں کی خوراک ہے اور گوبر وغیرہ ان کے چوپاؤں کی۔ اور ابو داؤد کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہڈی اور گوبر دونوں جنوں کی خوراک ہے۔ میرا ظن غالب یہ ہے کہ ہڈی تو جنوں کی خوراک ہے۔ اور روث میں تفصیل ہے۔ اگر وہ کسی ایسی چیز کی مینگنی یا گوبر ہے جو انسان کھاتے ہیں تو جنوں کی بھی خوراک ہو سکتی ہے۔ وہ اس پر وہ دانہ پائیں گے جس کے کھانے سے مینگنی بنی ہے۔ اور ان کے چوپاؤں کی مطلقاً غذا ہے کسی بھی چیز کی ہو۔

اب اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ گوبر وغیرہ ناپاک ہیں۔ اور ناپاک چیزوں کا کھانا حرام ہے۔ اور ناپاک چیز کا کھانا انسان کی طرح جنوں کے لئے بھی حرام ہے۔ ورنہ استنجا کرنے سے ممانعت کی کوئی وجہ نہ ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب وہ گوبر ان کے ہاتھ میں جاتا ہے گوبر نہیں رہتا بلکہ بدل کر دانہ ہو جاتا ہے۔ تو اب ناپاک بھی نہ رہا۔ قلب ماہیت کے بعد ناپاک، پاک ہو جاتا ہے۔ جیسے یہی گوبر مٹی میں مل کر جب مٹی ہو جاتا ہے تو پاک ہو جاتا ہے۔ اس سے دیوبندی شیخ الہند صاحب کی یہ توجیہ باطل ہوگئی کہ اس کا امکان ہے کہ اس خصوص میں انسان اور جن میں تفریق ہو جیسے ریشمی لباس میں مرد و عورت کے مابین ہے۔

گوبر سے ممانعت کی دوسری وجہ اس کا ناپاک ہونا ہے جیساکہ خود بخاری کی اس کی بعد والی حدیث میں تصریح ہے۔ کہ یہ نجاست ہے۔ ان سب کا خلاصہ یہ نکلا کہ ایسی چیزوں سے جو خوراک ہو استنجا منع ہے۔ خواہ انسان کی ہو خواہ جن کی خواہ حیوانات کی۔ اسی کے حکم میں ہر وہ چیز ہے جو شرعاً محترم ہو یا اس کی کچھ قیمت ہو۔ جیسے کاغذ۔ یوہیں کسی بھی ناپاک چیز سے استنجا کرنے کی ممانعت ہے۔ مثلاً مینگنی وغیرہ سے۔ یہ ممانعت حد کراہت تک ہے۔ اگر کسی نے ان ممنوع چیزوں سے استنجا کرلیا اور نجاست دور ہوگئی تو طہارت حاصل ہو گئی۔ اگرچہ یہ فعل مکروہ ہے۔ اس لئے کہ مخرج نجاست اصل میں پاک تھا۔ نجاست نکلنے کے بعد نجاست سے

(۱۱۴) حدیث۔ النھی عن الاستنجاء بالروث

اَنَّہٗ سَمِعَ عَبْدَاللّٰہِ یَقُوْلُ، اَتَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْغَائِطَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لئے جنگل تشریف لے گئے

ملوث ہونے کی وجہ سے ناپاک ہوا تھا جب یہ نجاست کسی بھی چیز سے دور ہوگئی تو پاک ہو جانے میں کوئی شبہ نہیں۔

تشریحات (۱۱۴)

رکس، رجس، دونوں بمعنی نجاست ہیں۔ ایک لغت میں جیم کے بجائے کاف بھی ہے اور یہی ظاہر ہے۔ اس لئے کہ ابن ماجہ اور ابن خزیمہ میں رکس کے بجائے رجس ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ رکس کے معنی رد لوٹنے اور لوٹانے کے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے اُرْکِسُوْا فِیْھَا، انھیں اس میں لوٹاؤ۔ چونکہ گوبر اصل میں خوراک ہوتا ہے۔ پھر ناپاک کی طرف لوٹتا ہے۔ اس لئے اسکو رکس کہتے ہیں۔ علامہ ابن حجر نے اس پر یہ فرمایا کہ پھر اسے رکس را کے کسر کے بجائے فتحہ کے ساتھ ہونا چاہئے۔ اس لئے اس معنی میں را کے فتح کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ امام نسائی[1] نے فرمایا کہ رکس کے معنی جنوں کی خوراک کے ہیں، علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ اگر یہ لغت سے ثابت ہو تو پھر کوئی اشکال ہی نہیں۔ قاموس میں ہے کہ رکس کے معنی کسی چیز کو الٹا کرنے کے ہیں۔ اور را کے کسرے کے ساتھ نجس کے معنی میں ہے۔

(۱) اس حدیث کی سند میں امام بخاری نے فرمایا۔ کہ ابو اسحٰق۔ نے کہا یہ حدیث ابو عبیدہ نے مجھ سے نہیں ذکر کیا۔ بلکہ عبدالرحمٰن بن اسود نے کیا ہے یہ اپنے باپ اسود بن یزید نخعی سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا۔ اس تفصیل کی ضرورت یہ پیش آئی کہ ابو عبیدہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے صاحبزادے ہیں۔ اور ان کا اپنے باپ سے سماع ثابت نہیں۔

اس پر شاذ کونی نے یہ اعتراض کیا کہ اس تدلیس ہے اور ایسی تدلیس کہ اس سے خفی تر تدلیس میں نے سنی نہیں۔ اس لئے کہ ابو اسحٰق نے یہ نہیں کہا کہ مجھ سے ذکر کیا بلکہ صرف یہ کہا کہ ذکر کیا۔ اس کے جواب کی طرف امام نے اشارہ کرنے کے لئے اخیر میں یہ تعلیق ذکر کی ہے۔ کہ ابراہیم بن یوسف نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ ان کے باپ ابو اسحٰق سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی۔ اس میں ابو اسحٰق نے یہ بالتصریح کہا کہ مجھ سے عبدالرحمٰن بن اسود نے حدیث بیان کی۔

استنجا میں تین ڈھیلے کا حکم احناف کے نزدیک طہارت کے لئے تین ڈھیلوں کی شرط نہیں۔ اگر ایک ہی سے نجاست دور

---

[1] نسائی ص۱

فَاَمَرَنِیْ اَنْ اٰتِیَہٗ بِثَلٰثَۃِ اَحْجَارٍ فَوَجَدْتُ حَجَرَیْنِ وَالْتَمَسْتُ

تو مجھے حکم دیا کہ میں تین پتھر لاؤں مجھے دو پتھر تو ملا تیسرا تلاش کیا۔

ہو جائے تو کافی ہے۔ البتہ تین کا پورا کر لینا مستحب ہے۔ شوافع کہتے ہیں کہ تین کا عدد پورا کرنا واجب ہے۔ اس سے کم ہو تو طہارت ہی نہ ہوگی۔ ان کی دلیل حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی جانب منھ کرنے، اور داہنے ہاتھ سے استنجا کرنے، اور تین پتھروں سے کم سے استنجا کرنے سے منع فرمایا[1] اس مضمون کی اور بھی احادیث ہیں۔

احناف کہتے ہیں کہ قضاء حاجت سے قبل محل پاک تھا۔ قضاء حاجت کے بعد نجاست لگنے سے ناپاک ہوا۔ یہ نجاست کسی چیز سے دور کر دی جائے تو محل پھر پاک ہو جائے گا۔ خواہ ایک بار استعمال کرنے سے یا چند بار۔ ان کی دلیل یہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ کہ حضور نے دو ہی سے استنجا فرمایا۔ اگر تین ڈھیلوں کا استعمال واجب ہوتا اور اس سے کم سے طہارت نہ ہوتی تو حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیسرا ڈھیلا ضرور منگاتے اور استعمال فرماتے۔ یہ استدلال امام طحاوی کا ہے۔ اس پر علامہ ابن حجر نے یہ تعقب کیا کہ اس حدیث کو امام احمد نے اس اضافے کے ساتھ ذکر کیا کہ آنحضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں تیسرا ڈھیلا لانے کا حکم دیا۔ طحاوی اس روایت سے غافل رہے۔ علامہ ابن حجر نے امام طحاوی پر یہ تنقید کر دی۔ لیکن امام ترمذی کو کیا کہیں گے جو شافعی ہیں مگر وہ بھی امام احمد والی روایت کی اس زیادتی سے غافل رہے۔ انھوں نے اس حدیث پر جو باب باندھا وہ الاستنجاء بالحجرین ہے۔

میری گزارش یہ ہے کہ امام احمد کی روایت اگر در بارۂ احکام قابل احتجاج ہو بھی تو اس سے اگر ثابت ہوتا ہے تو صرف یہ کہ تیسرے پتھر کے لانے کا حکم دیا۔ مگر کسی روایت میں یہ نہیں کہ وہ تیسرا پتھر لائے بھی اور حضور نے اسے استعمال بھی فرمایا۔ اور غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جگہ ایسی تھی جہاں پتھر کے ملنے میں دشواری تھی۔ ورنہ وہ پہلے ہی بار لائے ہوتے۔ گوبر کیوں لائے؟۔ جس سے غالب گمان یہی ہے کہ وہ تیسرا پتھر لائے ہی نہیں۔

پہلی توجیہ احادیث میں تین عدد کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ اغلب یہی ہے کہ تین سے نجاست دور ہو جاتی ہے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام احمد و ابو داؤد[2] و نسائی[3] نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

---

[1] مسلم ج ۱ ص ۱۳۰، [2] ایضاً ج ۱ ص ۶۰، [3] ایضاً ج ۱ ص ۱۸ د

الثَّالِثَ فَلَمْ اَجِدْهُ فَاَخَذْتُ رَوْثَةً فَاَتَيْتُهُ بِهَا

مگر نہ ملا۔ تو میں نے گوبر کا ٹکڑا لے لیا اور حاضر خدمت کر دیا۔

کہ جب تم رفع حاجت کے جاؤ تو اپنے ساتھ تین پتھر لے جاؤ۔ ان سے استنجا کرو یہ تمہارے لئے کافی ہوگا۔ حدیث کا یہ حصہ "فانھا تجزی عنہ" یہ تمہارے لئے کافی ہوگا اس پر دلالت کرتا ہے کہ تین کی قید اس لئے ہے کہ عموماً تین سے طہارت ہو جاتی ہے۔ اس سے کم سے عام طور پر نجاست کا ازالہ نہیں ہوتا۔ اس لئے جن احادیث میں تین ڈھیلوں سے کم پر اکتفا سے ممانعت ہے وہ اکثر احوال کے لحاظ سے ہے۔ اب ان سب احادیث کا حاصل یہ ہوا کہ چونکہ عام طور پر تین ڈھیلوں سے کم میں نجاست دور نہیں ہوتی اور تین سے دور ہو جاتی ہے۔ اس لئے تین ڈھیلوں کے لئے ارشاد فرمایا۔

دوسری توجیہ اس کے علاوہ ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من استجمر فلیوتر من فعل فقد احسن و من لا فلا حرج [1]

استنجا میں جو ڈھیلا استعمال کرے طاق استعمال کرے جس نے ایسا کیا اس نے اچھا کیا جس نے نہیں تو کوئی حرج نہیں۔

وتر ایک کو بھی شامل ہے۔ لیکن ایک یہاں مراد نہیں ہو سکتا اس لئے کہ ایک مراد لینے میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جس نے ایک ڈھیلا استعمال کیا اس نے اچھا کیا۔ جس نے نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں۔ تو لازم آیا کہ اگر ایک ڈھیلا بھی استعمال نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ اور یہ سرے سے استنجا ہی کی نفی ہوئی۔ ایک کے بعد وتر کا پہلا درجہ تین ہے اور فلیوتر اپنے اطلاق سے تین کو بھی شامل تو حاصل یہ ہوا کہ اگر ایک یا دو ڈھیلے سے نجاست دور ہو گئی تو تین کا عدد پورا کر لینا اچھا ہے۔ اور اگر تین عدد نہیں بھی پورا کیا تو کوئی حرج نہیں۔ یہی مستحب ہونے کا مفاد ہے۔ جیسا کہ اگر تین سے نجاست زائل نہ ہوئی تو چوتھا ڈھیلا استعمال کرنا ضروری ہوا۔ چار سے نجاست دور ہو گئی تو پانچویں کا استعمال بہتر ہے۔ اور اگر کوئی پانچواں استعمال نہ کرے تو کوئی حرج نہیں علیٰ ھذا القیاس۔

خلاصہ یہ کہ تین یا پانچ وغیرہ ڈھیلوں سے طہارت نہ حاصل ہونے میں جو تفصیل ہے وہی تین سے کم میں بھی جاری ہوگی۔ تو جس طرح اوپر کے مدارج میں وتر پورا کرنا مستحب ہے اسی طرح تین سے کم میں نجاست دور ہو گئی تو تین کا عدد پورا کر لینا بہتر ہے

ان سب کا ماحصل یہ ہوا کہ استنجا سے مقصود ازالۂ نجاست ہے۔ اکثر احوال میں تین سے ازالۂ نجاست ہو جاتا ہے اس لئے ان روایات میں تین کے عدد کو ذکر فرمایا۔ شارع کو طاق کا عدد بھی محبوب ہے۔ تین سے یہ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ چونکہ تین میں اکثر احوال

[1] ج ۱ ص ۲۹ ،

فَاَخَذَ الْحَجَرَیْنِ وَاَلْقَی الرَّوْثَۃَ وَقَالَ ھٰذَا رِکْسٌ عہ

حضور نے دونوں پتھر لے لئے اور گوبر پھینک دیا اور فرمایا یہ نجس ہے۔

کے لحاظ سے ازالۂ نجاست بھی ہو جاتا ہے اور وتر بھی ہونا پایا جاتا ہے۔ اس لئے اکثر روایات میں تین کو ذکر فرمایا گیا۔ یہ نہیں کہ تین کا عدد واجب ہے اس لئے اس کو ذکر فرمایا۔ بلکہ اس لئے کہ یہ مزیل نجاست بھی ہے اور طاق بھی ہے۔

احادیث کا مطالعہ کرنے والا جانتا ہے کہ صرف یہی ایک موقع نہیں۔ بہت سے دیگر مواقع پر بھی تین کا عدد مذکور ہے۔ مگر جہاں تین بار وہ عمل فرض و واجب نہیں۔ مثلاً حجۃ الوداع کے موقع پر ایک صاحب حاضر ہوئے۔ خلوق (زعفرانی خوشبو) میں لت پت جبہ پہنے ہوئے دریافت کیا کہ میں کیا کروں۔ حضور نے سکوت فرمایا۔ پھر وحی کا نزول ہونے لگا۔ نزول وحی کے بعد فرمایا جہاں جہاں یہ خوشبو تمہارے بدن پر لگی ہوا سے تین بار دھو اور جبہ اتار دو۔ الحدیث

اس کے تحت علامہ نووی نے لکھا:

الامر بالثلث مبالغۃ فی ازالۃ لونہ وریحہ والواجب الازالۃ فان حصلت بمرۃ لم تجب الزیادۃ عہ

تین بار دھونے کا حکم خوشبو کے رنگ اور بو کو بالکلیہ دور کرنے کے لئے ہے۔ اور واجب ازالہ ہے اگر ایک بار میں حاصل ہو جائے تو اس سے زیادہ دھونا واجب نہیں۔

اسی طرح یہاں بھی خوب اچھی طرح طہارت حاصل کرنے کے لئے تین ڈھیلوں کا حکم ارشاد ہوا۔ اگر تین سے کم میں نجاست دور ہو جائے تو اس سے زیادہ کرنا واجب نہیں۔ ہاں مستحب ہے۔

تیسری توجیہ: اور کبھی اس معنی کے لئے ہم آتا ہے کہ عام کوئی امر بھی یعنی بعد ہم یعنی تعالی العمل جیسے غزوۂ سیف البحر میں جب زاد راہ ختم ہو گیا تو قیس بن سعد اونٹ خرید کر تین دن تک تین تین ذبح کرتے اور مجاہدین کو کھلاتے۔ مگر اس سے اندیشہ تھا کہ اونٹ ختم ہو جاتے یکدم ہو جانے جس کے بار برداری میں سخت دقت ہوتی۔ اس لئے سالار فوج سیدنا ابو عبیدہ بن جراح امین امت نے اس سے روک دیا۔ نوبت بایجا رسید کہ صحابہ کرام نے درخت کے پتے کھا کھا کے دن کاٹے۔ پھر اللہ عزوجل نے کرم فرمایا اور سمندر نے ایک بہت بڑی عنبر نامی مچھلی کنارے پھینک دی۔ جسے ان مجاہدین نے پندرہ یا اٹھارہ دن تک کھایا۔ حضرت قیس نے مدینہ طیبہ واپس آکر اپنے والد حضرت سعد بن عبادہ سے بیان کیا کہ لوگ اس لشکر میں بھوکے ہو گئے تو انھوں نے فرمایا۔

عہ ترمذی، طہارت، استنجاء بالحجرین۔ نسائی، طہارت۔ الرخصۃ فی الاستطابۃ بحجرین۔ ابن ماجہ، طہارت، الاستنجاء بالحجارۃ۔ مسند امام احمد

عہ بخاری ص ۲۰۳، مسلم ص ۳۷۲ / ۱۴۰

عہ شرح مسلم ص ۳۷۳

حدیث (۱۵) الوضوء مرۃ مرۃ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ تَوَضَّأَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّۃً مَرَّۃً عہ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ایک بار وضو فرمایا۔

انحر قال نحرت قال ثم جاعوا قال انحر قال نحرت قال ثم جاعوا قال انحر قال نحرت قال ثم جاعوا قال انحر قال نُہِیتُ لہ

تمھیں چاہئے تھا کہ اونٹ ذبح کرتے انھوں نے عرض کیا میں نے ذبح کیا پھر لوگ بھوکے ہوئے تو ان کے والد نے کہا کہ تمھیں اونٹ ذبح کرنا چاہئے تھا۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں نے ذبح کیا پھر لوگ بھوکے ہوئے تو انکے والد نے فرمایا کہ تمھیں اونٹ ذبح کرنا چاہئے تھا۔ عرض کیا میں نے ذبح کیا پھر لوگ بھوکے ہوئے فرمایا تم کو اونٹ ذبح کرنا چاہئے تھا۔ عرض کیا مجھے منع کر دیا گیا۔

ظاہر ہے کہ اُس کا وقت نکل چکا تھا اور "انحر" کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ ذبح کرو۔ بلکہ یہاں متعین ہے کہ معنی وہی ہیں جو ہم نے لکھے۔ یعنی تمھیں چاہئے تھا کہ ذبح کرتے رہتے۔

اسی طرح ایک اور واقعہ حضرت اُسید بن حُضیر کا ہے۔ یہ رات میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کر رہے تھے ان کے صاحبزادے یحیٰ پاس ہی سو رہے تھے۔ وہیں گھوڑا بندھا ہوا تھا فرشتے بادل میں نورانی چراغوں کی شکل میں ان کی تلاوت سننے کے لئے اترے جس سے گھوڑا بھڑکا۔ انھوں نے قرأت بند کر دی تو گھوڑا پُر سکون ہو گیا۔ پھر پڑھنے لگے تو پھر بدکا پھر یہ چپ ہو گئے تو سیدھا ہو گیا پھر پڑھنا شروع کیا تو پھر کودنے لگا۔ انھوں نے تلاوت بند کر کے اپنے بچے کو وہاں سے دور کر دیا۔ اب آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو دیکھا کہ بادل کے ٹکڑے میں چراغ کے مثل روشنیاں ہیں۔ صبح کو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کیا تو فرمایا۔ اقرأ یا ابن حضیر۔ اقرأ یا ابن حضیر۔ لہ اے حضیر کے بیٹے تم کو پڑھتے رہنا چاہئے تھا۔ اے حضیر کے بیٹے تم کو پڑھتے رہنا چاہئے تھا۔

ہر شخص پر روشن ہے کہ یہاں اقرأ کے معنی یہی ہیں کہ تم کو پڑھتے رہنا چاہئے تھا کیونکہ اس کا وقت گزر چکا تھا اس لئے کہ آگے اس کے بعد ہے کہ حضرت اُسید نے عرض کیا۔ میں ڈرا کہ کہیں گھوڑا یحیٰ کو کچل نہ دے۔ اس کی اور بھی بہت سی نظیریں ہیں۔ اسی

عہ یہ حدیث افراد بخاری سے ہے۔ علاوہ ازیں ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے کتاب الطہارت میں ذکر کیا ہے۔

لہ بخاری ص ۶۲۶ ج ۲۔ لہ بخاری ص ۵۱ ج ۲،

(۱۴۱) حدیث ۔ الوضوء مرتین مرتین

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ زَیْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ عہ

عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو دو بار وضو فرمایا ۔

طرح یہاں اس حدیث میں " ائتنی بثالثۃ " کے معنی یہ ہیں کہ تھیں تیسرا لانا چاہئے تھا ۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ وہاں پتھروں کی بہت کمی تھی ۔ حضرت عبداللہ کو تلاش کے باوجود دو ہی پتھر ملے ۔ غالباً دیر ہو جانے کے اندیشے سے یہ دو پتھر اور گوبر کا ٹکڑا لائے گوبر پھینک دیا اور فرمایا ناپاک ہے ۔ اس کے بجائے تیسرا پتھر لانا چاہئے تھا ۔

(۱۱۵) تشریحات

یہ فرض کا درجہ ہے کہ کم از کم اعضاء وضو کو ایک ایک بار دھویا جائے ۔ مگر تین تین بار دھونا سنت ہے ۔ وقت میں گنجائش ہو اور پانی بھی اتنا ہو کہ تین تین بار اعضاء وضو دھو سکتا ہو تو تین بار سے کم دھونا ہرگز نہیں چاہئے ۔ یہ ترک سنت ہے ۔ اور اگر وقت اتنا تنگ ہے کہ اعضاء وضو تین بار دھونے میں وقت ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو فرض ہے کہ صرف ایک ایک بار دھوئے تاکہ نماز قضاء نہ ہو ۔

۱۱۶ تشریحات

ان دونوں حدیثوں میں ایک ایک بار ، دو ، دو بار سے اعضاء وضو کا صرف ایک ایک بار یا دو ، دو بار دھونا مراد ہے اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو حدیث ۱۱۵ میں مذکور ہوئی ۔ اور اس کا وہی فائدہ ہے ۔ نیز یہ رد ہے ان لوگوں کا جو یہ کہتے ہیں کہ وضو میں اعضاء کا تین تین بار دھونا فرض ہے ۔ تین بار سے کم دھونے سے وضو نہ ہوگا ۔ اس بارے میں روائتیں پانچ طرح ہیں ۔ ہر ہر عضو کو ایک ایک بار دھویا ۔ ہر عضو کو دو بار دھویا ۔ ہر عضو کو تین بار دھویا ۔ بعض اعضاء کو ایک بار دھویا اور بعض کو تین تین ، یا بعض اعضاء کو دو دو مرتبہ دھویا اور بعض کو تین تین بار ۔

عہ افراد بخاری سے یہ بھی ہے ۔ صحاح ستہ میں سے کسی نے اسے ذکر نہیں کیا ۔

(۱۱۴) حدیث۔ الوضوء ثلثاً ثلثاً

أَنَّ حُمْرَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ ۱ رَأَى عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ دَعَا بِإِنَاءٍ فَأَفْرَغَ

حضرت عثمان کے آزاد کردہ غلام حمران علیہ نے بیان کیا کہ حضرت عثمان بن عفان کو انھوں نے دیکھا کہ انھوں نے (پانی کا) برتن مانگا۔

تشریحات ۱۱۴

(۱) امیرالمومنین حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ ثالث اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی ام حکیم البیضاء بنت عبد المطلب کی صاحبزادی، اروی کے صاحبزادے ہیں۔ حضرت بیضا کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ حضرت عبداللہ کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئی تھیں [۱]

حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چھ سال چھوٹے ہیں۔ یہ سابقین اولین میں سے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ اسلام قبول کرنے والوں میں ان کا چوتھا یا پانچواں نمبر ہے۔ اسلام لانے کے جرم میں ان کا چچا حکم بن العاص انھیں چٹائی میں لپیٹ کر دھونی دیتا تھا۔ جس سے دم گھٹ گھٹ جاتا۔ مگر ان کی استقامت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کی تھی۔ ان کے فضائل و مناقب مشہور و معروف ہیں۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنے پیارے تھے کہ یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیاں، حضرت رقیہ پھر حضرت ام کلثوم ان کے نکاح میں دیں۔ اس لئے ذوالنورین ان کا خطاب ہے۔ حضرت ام کلثوم کے وصال کے بعد حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اور کوئی بیٹی ہوتی تو اس کو بھی تمہاری زوجیت میں دے دیتا۔ غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت رقیہ کی حالت بہت نازک تھی۔ حضور نے انھیں حضرت رقیہ کی دیکھ بھال کے لئے مدینہ طیبہ ہی میں روک دیا۔ مگر شرکاء بدر میں شمار فرمایا۔ اور مال غنیمت سے بھی حصہ دیا۔ اسی طرح بیعت رضوان میں بھی یہ شریک نہ ہو سکے اس لئے کہ یہ اس وقت مکہ معظمہ قریش سے مصالحت کی گفتگو کے لئے گئے تھے۔ آنے میں تاخیر ہوئی اور یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے۔ اسی پر حضور نے بیعت رضوان لی تھی۔ حضور نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھا اور فرمایا: یہ بیعت عثمان کی ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین کے تین دن بعد ان کی مقرر کردہ شوریٰ کے انتخاب سے حضرت عثمان یکم محرم ۲۴ھ کو مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کے عہد مبارک میں یہ بلاد فتح ہوئے۔

رَیّ ایران کا موجودہ دار السلطنت طہران۔ یہ عہد فاروقی میں فتح ہوا تھا مگر پھر ایرانیوں نے لے لیا تھا۔ سابور، قبرص ذکر سٹا ارجان

---

[۱] تاریخ الخلفاء ص۱۰۳، [۲] ایضاً ص۱۰۴

عَلٰی کَفَّیْہِ ثَلٰثَ مِرَارٍ فَغَسَلَھُمَا ثُمَّ اَدْخَلَ یَمِیْنَہٗ فِی الْاِنَاءِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْھَہٗ ثَلٰثًا

پہلے انھوں نے اپنے دونوں ہاتھوں پر تین بار پانی ڈالا۔ اور انھیں دھویا۔ پھر اپنا داہنا ہاتھ برتن میں ڈالا اور کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔

دوار بجرد۔ افریقہ۔ طرابلس۔ اصطخر۔ نیشاپور۔ طوس۔ سرخس۔ مرو۔ بیہق۔ وغیرہ آپ ہی کے ایام خلافت میں پہلا اسلامی بیڑہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیار کیا۔ اور قبرص پر حملہ آور ہوئے۔ جس کے شرکا کے لئے جنت کی بشارت حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی ہے [۱]

آپ ہی کے عہد میں ایران کا آخر فرماں روا یزدجرد مارا گیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایام خلافت میں اس قدر دولت کی فراوانی تھی۔ کہ ایک لونڈی اپنے ہموزن قیمت پر اور ایک گھوڑا ایک لاکھ درہم میں۔ اور ایک کھجور کا درخت ایک ہزار درہم میں بکتا [۲]

تاریخ الخلفاء میں ہے کہ حضرت عثمان ایک شخص کو ایک لاکھ ایسی تھیلی دیتے تھے جن میں چار چار ہزار اوقیہ ہوتا تھا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ تو ہر تھیلی میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم ہوئے۔

چالیس دن کے سخت محاصرے کے بعد اٹھارہ ذوالحجہ ۳۵ھ جمعہ کے دن عصر کے وقت اپنے دولتکدے میں شہید کئے گئے۔ اور دوسرے دن سنیچر کی رات میں جنت البقیع کے مشرقی کنارے، حش کوکب میں مدفون ہوئے۔ انھیں جس شقی نے شہید کیا تھا اس کا نام اسود تجیبی ہے۔ شہادت کے وقت عمر مبارک بیاسی سال تھی۔ حضرت عثمان سے ایک سو چھیالیس احادیث مروی ہیں جن میں گیارہ امام بخاری نے تخریج کی ہیں۔

(۲) حمران بن ابان بن خالد بن عمرو، رومیوں کے ساتھ شام کے عین التمر کے مشہور معرکے میں حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حمران کو گرفتار کیا۔ یہ اس وقت بچے تھے مگر بہت ذہین تھے۔ حضرت خالد نے حضرت عثمان کے پاس بھیج دیا۔ حضرت عثمان نے حمران کو آزاد کر کے انھیں اپنا میر منشی اور دربان بنا لیا۔ حجاج نے انھیں نیشاپور کا والی بنایا تھا۔ اسی سلسلے میں حجاج نے ان سے ایک لاکھ تاوان وصول کیا۔ پھر عبد الملک کی سفارش پر واپس کر دیا۔ ۷۵ھ میں وصال ہوا۔ امام بخاری نے حمران کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ مگر پھر بھی صحیح بخاری میں ان کی روایت ذکر کی۔ صرف امام بخاری ہی نہیں امام مسلم اور بقیہ اصحاب ستہ نے بھی ان کی روایت لی ہے۔ ابن سعد نے کہا کہ حمران کثیر الروایت ہیں۔ مگر میں نے یہ نہیں دیکھا کہ لوگ ان کی حدیث کو حجت بناتے ہوں۔

(۳) باب المضمضہ میں "بانائہ" کے بجائے "بوضوء" ہے۔ یعنی وضو کا پانی مانگا۔ وَضوء واو کے فتحہ کے ساتھ وضو کے پانی کو

---

[۱] بخاری کتاب الجہاد وغیرہ، [۲] عینی جلد ثالث ص۔ [۳] بدایہ نہایہ ص۱۹ جلد سابع، [۴] عینی جلد ثالث ص، [۵] ایضا۔ اکمال۔

وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلٰثَ مِرَارٍ ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلٰثَ

پھر تین بار منھ دھویا اور کہنیوں تک دونوں ہاتھ تین بار دھوئے پھر سر کا مسح کیا اس کے بعد دونوں پاؤں ٹخنے تک تین

مِرَارٍ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بار دھوئے۔ پھر کہا رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ہے۔ اور وُضو واد کے ضمہ کے ساتھ اس فعل کو کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وضو کا پانی اپنے متعلقین اور خدام سے منگانے میں کوئی حرج نہیں۔

(۴) اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے ہاتھوں کو دھولینا چاہئے اگرچہ سو کر نہ اٹھا ہو۔ دونوں کو ساتھ ساتھ دھوئے یا پہلے داہنے کو پھر بائیں کو۔ فقہاء کے دونوں اقوال ہیں۔ جو لوگ حدیث تیامن پر نظر کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ پہلے داہنے ہاتھ کو دھوئے پھر بائیں کو۔ کچھ حضرات نے فرمایا کہ تیامن وہاں مستحب ہے جہاں جمع ممکن نہ ہو۔ اور جہاں جمع ممکن ہے وہاں مستحب نہیں جیسے سر اور کانوں اور گردن کے مسح میں۔

(۵) اس سے پتہ چلا کہ کلی اور ناک میں پانی داہنے ہی ہاتھ سے ڈالا جائے گا۔ دونوں کے لئے الگ الگ پانی لیا جائیگا یا ایک ہی چلو پانی سے کلی بھی کی جائے اور ناک میں بھی پانی ڈالا جائے۔ ہمارا یہی مذہب ہے کہ کلی کے لئے الگ پانی لیا جائے گا۔ اور ناک میں ڈالنے کے لئے الگ۔ پہلے تین بار کلی کرلیں گے پھر تین بار ناک میں پانی ڈالیں گے۔ جیسا کہ ابوداؤد اور طبرانی نے کعب بن عمرو الیمانی سے روایت کی ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم توضأ فمضمض ثلاثا واستنشق ثلاثا فاخذ لکل واحد ماءً جدیداً۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈالا۔ اور ہر ایک کے لئے نیا پانی لیا۔

؞ ؞ ؞

امام ابوداؤد نے اس حدیث کو ذکر کرکے سکوت فرمایا۔ یہ اس حدیث کی صحت کی دلیل ہے۔ نیز ترمذی میں ابو حیہ سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا۔

رأیت علیا توضأ فغسل کفیہ حتی انقاھما ثم مضمض ثلاثا واستنشق ثلاثا وغسل وجھہ ثلاثا وذراعیہ ثلاثا ومسح برأسہ مرۃ ثم غسل قدمیہ الی الکعبین ثم قام

میں نے حضرت علی کو دیکھا انھوں نے وضو کیا تو پہلے دونوں ہاتھوں کو دھویا یہاں تک کہ ان کو خوب صاف کرلیا۔ پھر تین بار کلی کی۔ اور تین بار ناک میں پانی ڈالا اور اپنے منھ کو تین بار دھویا۔ اور اپنی کلائیوں کو تین بار دھویا اور اپنے سر کا ایک بار مسح کیا۔ پھر دونوں

مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِیْ هٰذَا ثُمَّ صَلّٰی رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ

جو شخص میرے اس وضوء کی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے۔ جن میں اپنے آپ سے

فاخذ فضل طهوره فشربه وهو قائم ثم قال احببت ان اريكم كيف كان طهور رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم [1]

قدم ٹخنوں تک دھویا پھر کھڑے ہوئے اور بچے ہوئے پانی کو کھڑے کھڑے پیا۔ پھر فرمایا میں نے چاہا کہ تم کو دکھا دوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وضوء کیسے ہوتا تھا۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن صحیح کہا۔ اس حدیث کا سیاق اس کی دلیل ہے کہ جیسے منھ دھونے اور ہاتھ دھونے اور سر کے مسح میں ترتیب تھی اسی طرح کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں بھی ترتیب تھی۔ اس لئے ثابت کہ کلی الگ پانی سے کی اور ناک میں دوسرا پانی ڈالا۔ امام شافعی کا مذہب جو بویطی سے مروی ہے۔ یہی ہے۔ کتاب الام میں دوسرا مذہب یہ ہے کہ ایک ہی چلو پانی سے کلی بھی کرے اور اس کے بچے ہوئے کو ناک میں ڈالے۔ اس کی مؤید یہ حدیث ہے کہ جس میں فرمایا۔

فتمضمض واستنشق من كف واحد۔ انھوں نے ایک ہی ہاتھ سے کلی بھی کی اور ناک میں پانی بھی ڈالا۔

علامہ عینی نے فرمایا اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک ہی چلو پانی سے دونوں کام کئے۔ اور یہ بھی معنی ہو سکتا ہے کہ ایک ہی ہاتھ سے کلی بھی کی اور ایک ہی ہاتھ سے ناک میں بھی پانی ڈالا۔ پانی الگ الگ لیا۔ جب اس حدیث میں دونوں احتمال ہیں تو یہ اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ ایک ہی چلو پانی سے کلی بھی کی اور ناک میں بھی ڈالا۔ ہم کہیں گے کہ دوسرا معنی مراد ہے۔ تاکہ دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو جائے۔

بعض حضرات نے یہ تاویل کی مراد یہ ہے کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں دونوں ہاتھ نہیں استعمال فرمایا ایک ہی ہاتھ سے کلی بھی کی اور ایک ہی ہاتھ سے ناک میں بھی پانی ڈالا۔ تیسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جس ہاتھ سے کلی کی اسی ہاتھ سے ناک میں پانی ڈالا یعنی داہنے ہاتھ سے۔ ایسا نہیں کیا کہ کلی داہنے ہاتھ سے کی ہو اور ناک میں پانی بائیں ہاتھ سے ڈالا ہو۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کلی داہنے ہاتھ سے کی جائے اور ناک میں پانی بائیں ہاتھ سے ڈالا جائے۔ علامہ عینی نے یہ سب توجیہات نقل کر کے فرمایا کہ بہتر ہے کہ کہا جائے کہ یہاں بیان جواز کے لئے ہے۔ ناک میں پانی داہنے ہاتھ سے ڈالیں گے مگر ناک صاف بائیں ہاتھ سے کریں۔

(۶) استنثر کا مادہ نثر ہے۔ اس کے معنی ناک کے بھی ہیں اور ناک کے کنارے کے بھی اور خیشوم کے بھی۔ استنثر کا

---

[1] ترمذی جا ص ۸

فِيهِمَا نَفْسَهُ غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ عله

بات نہ کرے تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

معنی ناک صاف کرنے کے ہیں۔ مگر یہاں مراد ناک میں پانی لے کر اسے صاف کرنا ہے جیسا کہ باب المضمضہ والی روایت میں استنشق واستنثر وارد ہے۔ اس روایت میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی تعداد مذکور نہیں مگر یہ بھی تین بار سنت ہے جیسا کہ اوپر کی دونوں اور دوسری بہت سی حدیثوں میں وارد ہے۔ کلی اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہے۔ اگر کوئی کلی نہ کرے تو اعادہ لازم ہے یا نہیں؟ عطاء، زہری، ابن ابی لیلیٰ، حماد اور اسحٰق کا مذہب یہ ہے کہ اعادہ کیا جائے۔ عطاء اور زہری کا دوسرا قول یہ ہے کہ اعادہ لازم نہیں۔ اور یہی قتادہ، ربیعہ، یحیی الانصاری، امام مالک، اوزاعی اور امام شافعی کا مذہب ہے۔ امام احمد نے فرمایا۔ ناک میں پانی ڈالنا بھول گیا تو اعادہ لازم۔ کلی کرنا بھول گیا تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔ احناف کا مذہب یہ ہے کہ وضو میں اعادہ لازم نہیں خواہ کلی کرنا چھوڑے خواہ ناک میں پانی ڈالنا۔ خواہ قصداً خواہ سہواً۔ البتہ غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا فرض ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو چھوڑے گا تو غسل صحیح نہ ہوگا۔ ہمارا کہنا ہے کہ جب یہ دونوں فرض نہیں سنت ہیں۔ تو اعادہ لازم کرنے کی کوئی وجہ نہیں اس معنی کر کہ بغیر ان کے وضو صحیح نہ ہوگا۔ ہاں اکمال کے لئے اور ادائے سنت کے لئے اعادہ کر لینا بھی بہتر ہے۔ سنت یہی ہے کہ کلی پہلے کرے پھر ناک میں پانی ڈالے۔

(۷) سر کے مسح کے بارے میں بھی اس حدیث میں تعداد مذکور نہیں۔ مگر یہ صرف ایک بار ہے۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ابھی گذری۔ جس میں تصریح ہے کہ ایک بار مسح کیا۔ علاوہ ازیں حضرت عثمان کی حدیث میں بھی منھ، ہاتھ، پاؤں کے دھونے میں تین بار کی تصریح ہے۔ مگر سر کے مسح میں کوئی عدد مذکور نہیں۔ اس سے ظاہر کہ سر کا مسح صرف ایک بار تھا۔ ورنہ اس کے ساتھ بھی ثلثا۔ مذکور ہوتا۔

امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ سر کا مسح بھی تین بار ہے۔ اس بارے میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ دو بار مسح کی بھی وارد ہیں۔ ابن ماجہ، میں حضرت ربیع سے ہے:۔

توضأ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ومسح علی راسه مرتین۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور سر پر دو بار مسح فرمایا۔

نسائی میں حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث میں ہے:۔ مسح براسه مرتین۔ ان تمام احادیث میں علامہ عینی نے یہ تطبیق دی۔ کہ جن احادیث میں دو یا تین بار مسح کا ذکر ہے۔ ان سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی پانی سے دو یا تین بار مسح کیا۔ اس کے احناف بھی قائل ہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔

ت ۲۲۰ قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَلٰكِنْ عُرْوَةُ يُحَدِّثُ عَنْ حُمْرَانَ

صالح بن کیسان نے کہا کہ ابن شہاب نے کہا۔ لیکن عروہ نے حمران سے یوں روایت کی

فَلَمَّا تَوَضَّأَ عُثْمَانُ قَالَ لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيثًا لَوْلَا آيَةٌ مَا حَدَّثْتُكُمُوهُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ

حضرت عثمان جب وضو کر چکے تو فرمایا۔ میں تم لوگوں سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں اگر ایک آیت نہ ہوتی تو نہ بیان کرتا۔ میں نے نبی

(۸) لا یحدث باب تفعیل سے ہے۔ جس کی خاصیت کسب ماخذ ہے۔ تو اب اس کا معنی یہ ہوا کہ بالقصد دل میں خیالات نہ لائے بالگراز خود آجائیں تو انھیں دفع کرے۔ ہاں یہ اعلیٰ درجہ ہے کہ کسی قسم کا خیال نہ کرے۔ مگر یہ مرتبہ سب کو کہاں میسر۔ خیالات سے مراد دنیوی خطرات ہیں۔ نہ کہ دینی۔ اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا۔

لاجهزن الجيش وانا فی الصلوٰة ۔ اوکما قال۔ میں نماز میں لشکر کی تیاری کو سوچتا ہوں۔

نیز حاکم، ترمذی نے کتاب الصلوٰۃ تالیفہ میں اور عبداللہ بن مبارک نے کتاب الزہد میں، ابن شیبہ نے اپنے مصنف میں اسی حدیث کی ان الفاظ میں روایت کی ہے۔

لا یحدث فیهما نفسه بشیٔ من الدنیا ثم دعا الیه الا استجیب ۔ ان دونوں رکعتوں میں اپنے آپ سے دنیا کی کوئی بات نہ کرے۔ پھر دعا مانگے تو اس کی دعا قبول کی جائے گی۔

حاصل یہ ہوا کہ حضور قلب اور اخلاص کے ساتھ نماز پڑھے۔ تو اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ یعنی صغائر۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ یہ دو رکعت نماز "تحیۃ الوضوء" ہے۔ لیکن مسلم میں ہے "فیصلی هذه الصلوٰت الخمس" اور دوسرے طریقے میں "فالصلوات الخمس کفارات لما بینهن" تیسرے طریقے میں ہے "ثم مشٰی الی الصلوٰۃ المکتوبة"[1]۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرض مراد ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہاں نماز کو عام رکھا جائے خواہ نفل ہو خواہ فرض۔

کتاب الرقاق میں اتنا زائد ہے کہ حضرت عثمان "مقاعد" میں بیٹھے تھے۔ یہ مدینے میں ایک جگہ کا نام ہے۔ مؤطا امام مالک میں اتنا اور ہے کہ مؤذن نے آکر اطلاع دی کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا ہے۔ تو پانی منگوا کر وضو فرمایا۔ اخیر میں ارشاد فرمایا لاتغتروا فریب میں نہ آنا۔ یعنی یہ سمجھ کر کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت تحیۃ الوضوء پڑھ لی اور تمام گناہ معاف ہو گئے۔ گناہوں کی معافی کا یہ اچھا ذریعہ ہے۔ لہٰذا گناہ کئے جاؤ۔ گناہ سے بچنے کی کوشش نہ کرو۔ ایسا سوچنا بھی مت۔ کسی عمل کا قبول کرنا نہ کرنا اس پر ثواب دینا نہ دینا بہر حال اللہ عزوجل کے فضل پر ہے۔

(۹) امام زہری نے یہ حدیث اپنے دو اساتذہ سے سنی ہے۔ حضرت عطاء بن رباح سے اور حضرت عروہ سے

[1] لہ صلا، جلد اول،

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَتَوَضَّأُ رَجُلٌ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَهُ يُصَلِّي

صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ یہ فرماتے ہیں جو شخص اچھی طرح وضو کر کے نماز پڑھے تو اس

الصَّلٰوةَ اِلَّا غُفِرَلَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الصَّلٰوةِ حَتّٰى يُصَلِّيَهَا قَالَ عُرْوَةُ الْاٰيَةُ

کے اس نماز اور دوسری نماز کے درمیان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ عروہ نے کہا وہ آیت یہ ہے۔ جو لوگ ہماری

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ [1]

اتاری ہوئی ہدایت اور نشانیوں کو چھپاتے ہیں۔ اس کے بعد کہ ہم نے اسے کتاب میں لوگوں کے لئے بیان فرمادی ہے تو ان پر اللہ لعنت فرماتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کہتے ہیں۔

حضرت عروہ کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ وضو سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا۔ میں تم سے ایک حدیث بیان کرنا چاہتا ہوں اگر ایک آیت نہ ہوتی تو بیان نہ کرتا۔ حضرت عثمان کی اس آیت سے کیا مراد تھی۔ حضرت عروہ نے بتایا کہ اس سے سورہ بقرہ کی یہ آیت مراد ہے۔ ان الذین یکتمون ما انزلنا الآیۃ۔ ہم نے جو ہدایت اور نشانیاں اتاری ہیں اس کو جو لوگ چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے انھیں کتاب میں بیان فرما دیا۔ ان پر اللہ لعنت فرماتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔
اب اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ یہ سنکر کے اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت حضور قلب سے نماز پڑھ لینے سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ کوئی اس فریب میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ جب اتنے ہی سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں تو دیگر اعمال کی کیا حاجت۔ اس خطرے کے ہوتے ہوئے بیان کرنا مناسب نہیں۔ مگر اس لئے بیان کرتا ہوں کہ اسے بیان نہ کرنے میں کتمان علم ہے جس پر اس آیت میں وعید ہے۔ میں کتمان علم سے بچنے کے لئے یہ حدیث بیان کر رہا ہوں۔ تم لوگ اس سے فریب نہ کھانا۔ اعمال پر اجر موعود قبولیت پر ہے۔ تمھیں کیا معلوم کہ قبول ہوا یا نہیں۔ نیز تمھیں سوچنا چاہیے کہ جب اتنے معمولی عمل پر اجر ہے تو دوسرے اہم اعمال پر کیسے کیسے اجر کی امید ہے۔ اس کے مطابق تمھیں کوشش کرنی چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ اعمال حسنہ کرو۔
مؤطا امام مالک میں بھی یہ بطریق ہشام بن عروہ عن ابیہ ہے۔ اس میں حضرت عروہ کا یہ قول مذکور نہیں کہ آیت سے حضرت عثمان کی مراد سورہ بقرہ والی مذکور آیت ہے۔ بلکہ حضرت امام مالک نے فرمایا کہ یہاں آیت سے مراد یہ ہے [2]
اقم الصلوۃ طرفی النہار وزلفا من اللیل ان الحسنات یذھبن السیئات۔ دن کے دونوں کناروں اور رات کے کچھ حصے میں نماز ادا کرو بیشک نیکیاں برائیاں مٹادیتی ہیں۔ سورہ ہود (۱۱۴)

---

[1] مؤطا امام مالک ص۱۰، مسلم طہارت ص۱۲۱، اسمٰعیل، صحیح ابو عوانہ۔

ت (۲۳) (۲۴) (۲۵) ذِكْرُ عُثْمَانَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ

ناک میں پانی ڈالنے کو حضرت عثمان اور عبداللہ بن زید اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نبی

عَنْهُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا۔

اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اس حدیث میں معمولی عمل پر اتنا زیادہ ثواب مذکور ہے۔ کوئی جاہل کہہ سکتا ہے کوئی کہہ سکتا تھا کہ حضرت عثمان سے سہو ہوا۔ اس لئے اس کا خطرہ تھا کہ کوئی اس سے انکار کر بیٹھے۔ اس لئے حضرت عثمان نے آیت کا حوالہ دیدیا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا۔ کہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اس حدیث کی تائید قرآن مجید سے بھی ہو رہی ہے۔ قرآن مجید سے تائید کے بعد اب کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہی۔

(١٠) ہم نے عام شراح کے مطابق یہ ترجمہ کیا ہے۔ لیکن علامہ عینی فرماتے ہیں کہ الصلوٰۃ سے دوسری نماز مراد نہیں وہی نماز مراد ہے جو وضو کر کے پڑھی جائے۔ مطلب یہ ہے کہ وضو اور نماز کے مابین جو گناہ سرزد ہوں گے وہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ میرے خیال میں یہی معنی ظاہر ہے۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ مغفرت ذنوب۔ اچھی طرح وضو کرنے اور حضور قلب سے نماز پڑھنے کے مجموعے پر مرتب ہے۔ مگر اسی بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ ہے۔

اذا توضأ العبد المسلم خرجت خطایاہ۔ — جب مسلمان وضو کرتا ہے تو اسکے گناہ نکل جاتے ہیں۔

اس سے ظاہر کہ صرف وضو ہی پر یہ اجر مرتب ہے۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں اختصار ہے مرتب دونوں پر ہے۔ مگر اختصاراً اس حدیث میں صرف وضو کو ذکر کیا گیا۔ مگر مسلم شریف میں حضرت عثمان ہی کی اسی حدیث میں یہ ہے۔

کانت صلوٰتہ ومشیہ الی المسجد نافلۃ۔ — وضو کے بعد اس کی نماز اور مسجد کی طرف جانا۔ زائد ہے۔ یعنی اس کا ثواب مزید ملے گا۔

ان سب میں تطبیق کی سب سے اچھی صورت یہ ہے کہ یہ کہا جائے۔ یہ اشخاص اور اوقات کے اعتبار سے ہے کسی کو یہ اجر صرف وضو سے ملتا ہے کسی کو دونوں کے مجموعے پر۔

تشریحات (۲۳) (۲۴) (۲۵)

پہلے باب میں تقریباً پورے وضو کا تفصیل بیان تھا۔ اب اس کے کچھ اجزاء کو الگ الگ بیان فرماتے ہیں۔ حضرت عثمان کی حدیث گذر چکی۔ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم کی حدیث آگے " مسح الراس کلہ " میں آرہی ہے۔ ابن عباس کی حدیث

(۱۱۸) حدیث ۔ الاستنثار فی الوضوء

اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص وضو کرے

فَلْيَسْتَنْثِرْ[1] وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ[2]

وہ ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف کرے[1] اور جو پتھر سے[2] استنجا کرے وہ طاق بار کرے۔

سے کون سی حدیث مراد ہے۔ اس میں کلام ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد وہ حدیث جو امام احمد، ابوداؤد[1]، ابن ماجہ[2] اور حاکم نے مرفوعاً روایت کیا کہ فرمایا:

استنثروا مرتین بالغتین او ثلاثا۔ دو بار خوب اچھی طرح یا تین بار ناک میں پانی ڈالو۔

اور جو ابوداؤد طیالسی نے روایت کیا ہے کہ ارشاد ہوا:

اذا توضأ احدکم فاستنثر فلیفعل ذلک مرتین جب تم وضو کرو اور ناک میں پانی ڈالو تو دو بار یا تین بار ڈالو۔ او ثلاثا۔

لیکن علامہ عینی نے فرمایا کہ اس سے مراد ابن عباس کی وہ حدیث ہے جو باب غسل الوجہ ص۲۶ میں مذکور ہے۔ اگرچہ اس نسخے میں، استنثار کا ذکر نہیں۔ صرف استنشاق مذکور ہے۔ مگر دوسرے نسخے میں استنشق کے بجائے استنثر ہے۔ اگر کسی نسخے میں استنثر نہ بھی ہوتا صرف استنشق ہوتا تو بھی کوئی حرج نہ تھا اس لئے کہ استنشاق استنثار کے معنی میں اور استنثار استنشاق کے معنی میں مستعمل ہے۔ اگرچہ لغوی اعتبار سے دونوں کے معنی میں فرق ہے۔ استنشق کے معنی ناک میں پانی ڈالا اور استنثر کے معنی ناک صاف کیا۔

یہ تینوں تعلیقات مفصل تین جگہ مذکور ہیں۔ مگر ہم نے صرف یہ بتانے کے لئے کہ تیسری تعلیق سے کون سی حدیث مراد ہے اس کو ذکر کیا ہے۔

تشریح (۱۱۸)

(۱) جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ وضو میں، ناک صاف کرنا واجب ہے۔ ان کی دلیل یہی حدیث ہے۔ اس لئے کہ امر

علہ مسلم۔ ۲۲۔ نسائی ۱۷۔ ابن ماجہ ۴۴۔ مؤطا ۳۔ کلہم فی الطہارۃ۔ مسند امام احمد ع۲ ایضا باب الاستجمار وترا ع۲ مسلم ۲۰۲، ۲۴۲، ابوداؤد ۱۹۔ ترمذی ۱۲۔ نسائی ۳۸۔ ۱۷۔ ابن ماجہ ۲۳۔ کلہم فی الطہارۃ۔ دارمی۔ وضو۔ ۵۔ ۲۳۔ مؤطا طہارت ۴۔ مسند امام احمد

لہ طہارت ۵۶۔ کہ ابن ماجہ۔ طہارت ۴۴۔

حدیث ـ الاستجمار وترا (۱۱۹)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم وضو کرو

قَالَ اِذَا تَوَضَّأَ اَحَدُکُمْ فَلْیَجْعَلْ فِیْ اَنْفِهٖ مَاءً ثُمَّ لِیَسْتَنْثِرْ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْیُوْتِرْ

تو اپنی ناک میں پانی ڈالو۔ پھر اسے صاف کرو اور جو پتھر سے استنجا کرے وہ طاق بار کرے۔

وجوب کے لئے آتا ہے۔ مگر جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ امر استحباب کے لئے ہے۔ جمہور کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعرابی سے فرمایا۔

توضأ کما امرک به۔ جیسے اللہ نے تجھے حکم دیا ہے ویسے ہی وضو کرو۔

قرآن مجید میں صرف سر کا مسح اور تین اعضا کا دھونا مذکور ہے۔ تو معلوم ہوا کہ صرف اتنے ہی سے وضو پورا ہو جاتا ہے۔ بقیہ باتیں سنت ہیں یا مستحب۔ ناک صاف کرنے کا فائدہ یہ بھی ہے کہ جب ناک کی رطوبت اور ریٹھ، کھنکار نکل جائے گا تو قرات میں آسانی اور حسن پیدا ہو جائے گا۔ صفائی الگ حاصل ہوگی۔ بعض اطبا نے بیان کیا کہ اگر کوئی اس کا التزام کرے کہ ناک میں پانی ڈال کر اتنے زور سے اندر کھینچے کہ حلق تک پہنچ جائے تو اسے نزلہ نہیں ہوگا۔

حکمت وضو کی ابتدا میں ہاتھ دھونے، کلی کرنے، ناک میں پانی ڈالنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ پانی میں تین وصف ہیں۔ رنگ، بُو، مزہ، ہاتھ میں پانی لینے سے رنگ معلوم ہوگیا۔ کلی کرنے سے مزہ کا پتہ چل گیا۔ ناک میں ڈالنے سے بُو معلوم ہو جاتی ہے

(۴) استجمار کا مادہ جمار ہے۔ جمار چھوٹے پتھر کو کہتے ہیں۔ اسی سے حج کا جمرہ بھی بنا ہے۔ یہاں مراد ہے پتھر یا ڈھیلے سے پیشاب یا پاخانہ کی جگہ صاف کرنا۔

تشریحات ۱۱۹

(۱) یہ قید احترازی نہیں اتفاقی ہے۔ اس لئے یہ حکم عام ہے خواہ سونے کے بعد وضو کرنا ہو یا بیدار رہنے کے بعد وضو کرنا ہو دونوں صورتوں میں یہ سنت ہے کہ ہاتھ دھو کر برتن میں ڈالیں۔ اس کی ایک علت تو حدیث میں مذکور ہے۔ دوسری علت یہ ہے کہ اگر بے وضو ہاتھ دھوئے بغیر ہاتھ پانی میں ڈال دے گا تو پانی مستعمل ہو جائے گا قابل وضو نہیں رہے گا۔ اس لئے کہ ماء مستعمل کی تعریف عامۂ متون میں یہ کی۔

۱ء نسائی طہارت - ۶۹۔ ۲ء ترمذی باب فی وصف الصلاۃ ص۴۰۔

وَإِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلْيَغْسِلْ يَدَهُ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَهَا فِي وَضُوءِهِ

اور جب تم[1] سوکر اٹھو تو وضوء کے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اسے دھولو۔ کیونکہ تم نہیں جانتے

فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ[1]

کہ رات[2] میں ہاتھ کہاں کہاں گیا۔

ما ازیل بہ حدث او استعمل فی البدن علی وجہ القربۃ۔ وہ پانی جس سے حدث دور کیا گیا ہو یا بہ نیت عبادت بدن پر استعمال کیا گیا۔

چونکہ وضوء کے لئے نیت شرط نہیں تو جب ہاتھ پانی میں گیا تو حدث خود دور ہوگا۔ اور وہ پانی مستعمل ہوگیا۔ بلکہ اگر باوضوء بھی ہو اور وضوء کرنے کی نیت سے پانی میں ہاتھ ڈالے گا تو مستعمل ہو جائے گا۔

اگر پانی کا برتن بہت بڑا ہو کہ یہ اسے جھکا کر پانی نہیں لے سکتا۔ پانی نکالنے کے لئے کوئی چھوٹا برتن نہ ہو۔ تو پہلے بائیں ہاتھ کی صرف انگلیوں سے پانی لے کر داہنے ہاتھ کو دھوئے۔ اس کے بعد داہنے ہاتھ سے بایاں ہاتھ دھوئے۔ یا اگر کپڑا ہو تو اسے پانی میں ڈال کر بھگولے اور اس سے ہاتھ دھوئے۔

(۲) اس قید سے نیز دوسری روایتوں میں جو اللیل وغیرہ مذکور ہے اس سے کچھ لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ حکم صرف رات میں سوکر اٹھنے والے کے لئے ہے۔ مگر حدیث میں ہاتھ دھونے کی جو علت مذکور ہوئی اس سے ظاہر کہ رات میں سونے والے کے ساتھ یہ حکم خاص نہیں۔ اس لئے کہ جس طرح رات میں سونے کی حالت میں ہاتھ کہاں کہاں پڑا معلوم نہیں ہوتا اسی طرح دن میں بھی سونے میں معلوم نہیں ہوتا بلکہ سونے کی بھی قید نہیں۔ جاگنے میں بھی ہاتھ کہاں کہاں جاتا ہے ہمیشہ خیال نہیں رہتا علت مذکورہ دن میں سونے میں بھی اور جاگنے میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس لئے حکم عام ہوگا۔ اس لئے کہ شارع کوئی حکم بیان کرنے کے بعد اسکی کوئی علت بیان کریں تو حکم اسی پر دائر ہوگا[1]۔

مطلب یہ ہوا کہ جب یہ معلوم نہیں کہ ہاتھ کہاں رہا تو ہو سکتا ہے کہ نجاست پر پڑا ہو اور یہی نجس ہاتھ پانی میں پڑا تو پانی ناپاک ہو جائے اس لئے پہلے ہاتھ دھولو۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ تھوڑے پانی میں نجاست پڑ جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ اگرچہ نجاست کا رنگ یا بو یا مزہ پانی میں محسوس نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر پانی کے نجس ہونے کے لئے نجاست کے اثر کا ظہور ضروری ہوتا تو اس احتیاطی حکم کی حاجت نہ تھی۔ بلا خطر ہاتھ ڈالتے اگر نجاست کا کوئی اثر ظاہر ہوتا تو پانی پھینک دیا جاتا نہ ظاہر ہوتا تو وضوء کر لیتے۔

---

[1] فتح الباری ط۲۳، ج اول۔ [2] ایضاً، مسلم طہارت ۱۳۶، ابو داؤد طہارت ۱۴، نسائی طہارت فی الترمۃ ۱۱۵۔

۱۳۰ حدیث۔ ویل للاعقاب من النار

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال تخلف النبی صلی اللہ تعالیٰ

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا۔ ایک سفر میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مقام شک میں احتیاط پر عمل کرنا چاہئے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ صورت مذکورہ میں ہاتھ دھونے کا حکم احتمال نجاست کی بنا پر ہے۔ یا تعبدی ہے۔ اگر یہ حکم تنجیس کی بنا پر ہے تو جسے یقین ہو کہ میرا ہاتھ نجاست سے آلودہ نہیں ہوا ہے پاک ہے وہ ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ڈال سکتا ہے۔ مگر ہمارے یہاں دوسری علت پانی کا مستعمل ہونا بھی ہے تو اس صورت میں پانی تو نجس نہ ہوگا مگر مستعمل ہو جائے گا۔ لہذا بغیر دھوئے ہاتھ برتن میں بالکل نہ ڈالے۔ اور اگر یہ امر تعبدی ہے تو اگرچہ یقین ہو کہ ہاتھ پاک ہے۔ بغیر دھوئے برتن میں نہ ڈالے۔ یہاں دھونے کی تعداد مذکور نہیں مگر مسلم وغیرہ میں تصریح ہے کہ تین بار دھوئے۔ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ ہے کہ دو یا تین بار دھوئے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ تین کی تحدید ضروری نہیں۔ ایک بار بھی دھونا کافی ہوگا۔ تین بار دھونا بہتر ہے۔ تاکہ تثلیت کی سنت پوری ہو جائے۔

بخاری کتاب بدء الخلق باب صفۃ ابلیس وجنودہ میں ہے کہ جب تم سو کر اٹھو اور وضو کرو تو ناک تین بار صاف کر لو اس لئے کہ شیطان تمہارے ناک کے بانسے پر رات کو رہتا ہے۔ مسلم کتاب الطہارت میں بھی ہے مگر اس میں وضو کرنے کا ذکر نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سو کر اٹھنے کے بعد اگر وضو بھی نہ کرنا ہو تو تین بار ناک صاف کرلے۔ لیکن جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اس کا کوئی قائل نہیں۔ اور یہ بھی اس پر محمول ہے کہ اگر وضو کرے تو ناک میں پانی ڈالے۔ لیکن اگر کوئی حدیث کے ظاہر الفاظ پر نظر کرتے ہوئے سو کر اٹھنے کے بعد ناک صاف کر لیا کرے تو کوئی حرج نہیں بلکہ اس حدیث کے مطابق ثواب کا مستحق ہوگا۔

عام کتب میں تسمیہ کا ذکر نہیں۔ البتہ طبرانی کی اوسط میں ہے:۔

ان یسمی قبل ان ید خل۔ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے بسم اللہ پڑھے۔

اس عہد میں عام طور پر لگن کی قسم برتنوں سے وضو کئے جاتے تھے۔ اور اب جب کہ عام طور پر لوٹے سے وضو کیا جاتا ہے تو پانی میں ہاتھ ڈالنے کی حاجت ہی نہیں۔ مگر وضو کرنے سے پہلے تین بار ہاتھ دھونا سنت ہے۔ اگر وضو لوٹے سے کرے تو بائیں طرف رکھے اور اگر لگن وغیرہ سے کرے تو داہنی طرف رکھے۔

تشریحات ۱۳۰

وَسَلَّمَ عَنَّا فِي سَفْرَةٍ فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقَتْنَا الْعَصْرُ فَجَعَلْنَا نَتَوَضَّأُ وَنَمْسَحُ

ہم سے پیچھے رہ گئے۔ حضور ہم سے اس وقت ملے جب عصر کا وقت تنگ ہو گیا تھا۔ ہم نے وضو کرنا

عَلَى أَرْجُلِنَا فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ

شروع کیا اور (عجلت میں) اپنے پاؤں پر پانی چپڑنے لگے تو حضور نے

(۱) مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ واپس ہوتے ہوئے۔ جیسا کہ مسلم میں مفصل ہے کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینے آ رہے تھے۔ جب ہم پانی پر پہونچے تو کچھ لوگوں نے عصر کی نماز کے وقت جلدی کر دی۔ انھوں نے وضو کیا اس حال میں کہ وہ جلدی میں ہوں۔ جب ہم وہاں پہنچے تو یہ دیکھا کہ ان کی ایڑیاں چمک رہی تھیں انھیں پانی نہیں پہونچا تھا تو فرمایا ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔

(۲) اس حدیث میں مسح سے کیا مراد ہے محض گیلا ہاتھ پھیرانا۔ یا بے توجہی اور عجلت کی وجہ سے اچھی طرح نہ دھونا یا اس طرح دھونا کہ کچھ اعضاء دھلے بغیر رہ جائیں۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ امام بخاری نے یہی سمجھا کہ صحابۂ کرام صرف پاؤں کے مسح پر اکتفا کرتے تھے اس لئے انھیں تنبیہ فرمائی۔ اس پر تنبیہ نہیں ہے کہ پاؤں دھویا تھا اور ایڑیاں بغیر دھلی رہ گئی تھیں۔ اگر امام بخاری کا یہ سمجھنا درست ہوتا تو پھر ویل للاعقاب نہ فرمایا جاتا بلکہ ویل للمسح فرمایا جاتا۔ یا ویل للرجل فرمایا جاتا۔ نیز مسلم شریف کی دوسری روایت جو حضرت ابوہریرہ سے آئی ہے اس پر صریح دلالت کرتی ہے کہ صحابہ نے پاؤں دھوئے تھے ایڑیاں دھونے سے رہ گئی تھیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

رأى رجلا لم يغسل عقبه فقال. ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے ایڑی نہیں دھوئی تھی تو فرمایا۔

علامہ عینی نے فرمایا ایک روایت میں یہ آیا ہے:۔

رأى قوما توضؤا وكانهم تركوا من ارجلهم شيئا. کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ وضو کر چکے ہیں اور حالت یہ ہے کہ اپنے پاؤں کا کچھ حصہ بغیر دھلا چھوڑ دیا ہے۔

امام طحاوی کی بھی یہی رائے ہے کہ اس حدیث میں مسح اپنے حقیقی معنی میں ہے۔ اس کے پہلے پاؤں پر مسح کرنے کا حکم تھا۔ اس حدیث سے منسوخ ہو گیا۔ لیکن یہ صحیح نہیں اس لئے کہ پھر ویل للاعقاب فرمانا صحیح نہ ہوتا۔ مشروع پر عمل موجب نار کیسے ہو سکتا ہے۔ نیز مسلم کی حضرت ابوہریرہ والی حدیث اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے۔ اس لئے متعین ہے کہ نمسح یہاں اس پر محمول ہے کہ ہم اچھی طرح نہیں دھو رہے تھے۔ عجلت کی وجہ سے ایڑیاں بے دھلی رہ گئی تھیں۔ اس پر یہ ارشاد فرمایا۔

روافض یہ کہتے ہیں کہ وضو میں پاؤں دھونا فرض نہیں۔ مسح کرنا فرض ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے۔ کہ آیت وضو میں صحیح

وَيۡلٌ لِّلۡاَعۡقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَيۡنِ اَوۡ ثَلٰثًا ؏

بلند آواز سے دو یا تین بار فرمایا۔ ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے

ت (۳۶) وَكَانَ ابۡنُ سِيۡرِيۡنَ يَغۡسِلُ مَوۡضَعَ الۡخَاتَمِ اِذَا تَوَضَّأَ ؏

مشہور تابعی محمد بن سیرین جب وضو کرتے تو انگوٹھی کی جگہ کو دھوتے

قرأت "واس جلکم" لام کے کسرے کے ساتھ ہے یہ "رؤسکم" پر معطوف ہے۔ ایدیکم پر نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کہنا کہ صحیح قرأت لام کے کسرے کے ساتھ غلط ہے۔ دونوں قرأتیں صحیح ہیں۔ لام کے کسرے کے ساتھ بھی اور لام کے فتحے کے ساتھ بھی۔ لام کے فتحے کے ساتھ بھی قرأت متواترہ ہے۔ اس تقدیر پر متعین ہے کہ ارجلکم کا عطف ایدیکم پر ہو۔ اور لام کے کسرہ والی قرأت کی بنا پر لام کو کسرہ جوار کی وجہ سے ہے۔ مجرور ہونے کی وجہ سے نہیں۔ اور اگر اسے رؤسکم پر معطوف مانیں تو ارجلکم کے لام کے فتحے کی کوئی توجیہ نہیں ہو پائے گی۔ علاوہ ازیں احادیث اس بارے میں اتنی کثیر ہیں۔ جو معنا متواتر نہیں تو مشہور ضرور ہیں۔ نیز صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ صرف تین حضرات سے مسح رجل کا قول روایت کیا گیا ہے۔ حضرت علی، ابن عباس، انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ مگر بعد میں ان لوگوں نے بھی اس سے رجوع کر لیا ہے[۵]

(۳) ویل، کے معنی ہیں خرابی، ہلاکت یہ زجر کے موقع پر بولتے ہیں۔ ابن حبان نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ویل، جہنم میں ایک ایسی وادی کا نام ہے جس میں اتنی گرمی ہے کہ اگر اس میں پہاڑ ڈال دیئے جائیں تو پگھل جائیں۔ اس سے جہنم بھی پناہ مانگتا ہے[۶]

ایک قول یہ ہے کہ جہنمیوں کی پیپ کو ویل کہتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ویل ان مصادر میں سے ہے جن کے لئے افعال نہیں یہ ہلاکت اور عذاب کے معنی میں مستعمل ہے۔ یہاں عذاب ہی کے معنی میں ہے۔

تشریحات (۳۶)

ابن سیرین ان کا نام محمد ہے۔ مشہور ابن سیرین کے ساتھ ہیں۔ کنیت ابو بکر ہے۔ ان کے والد سیرین، جنگ عین التمر میں گرفتار ہوئے۔ ان کی قسمت نے یاوری کی۔ ان کو حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غلامی نصیب ہوئی۔ حضرت انس نے بیس ہزار درہم پر مکاتب بنایا۔ یعنی اتنا ادا کر دو تم آزاد ہو۔ انھوں نے یہ رقم ادا کر کے آزادی حاصل کر لی۔ محمد بن سیرین کی والدہ کا نام

؏ ایضا کتاب العلم باب من رفع صوتہ بالعلم صفحہ ۱۴، باب من اعاد الحدیث ثلاثا لیفہم صفحہ ۲، مسلم ۲۵، ۲۸، ۳۰، ابو داؤد ۲ ۴۶۔ ترمذی ۱، ۳۔ نسائی ۸۸۔ ابن ماجہ ۵۵، موطا امام مالک ۵، کلیم فی الطہارت، دارمی وضوء ۳۵، مسند امام احمد ۲، عینی جلد دوم ۳۱، ۲ عینی ج ۳ ۹۔ ۵ بہار شریعت حصہ دوم ۳، ؏ مصنف ابن ابی شیبہ، بخاری فی التاریخ بمعناہ۔

صفیہ ہے۔ یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آزاد کردہ باندی تھیں۔ یہ وہ خوش نصیب خاتون ہیں کہ جب ان کا سیرین سے نکاح ہونے والا ہوا تو تین ازواج مطہرات نے انھیں خوشبو لگائی اور ان کے لئے دعا کی۔ تیرہ اصحاب بدر جن میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں ان کے نکاح میں شریک ہوئے۔ حضرت ابی بن کعب نے دعا کی بقیہ حضرات نے آمین کہا۔ محمد بن سیرین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں ۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۱۰ھ میں حضرت امام حسن بصری کے وصال کے سو دن کے بعد وصال فرمایا۔ یہ ان ائمۂ تابعین میں ہیں جن کی عظمت وجلالت متفق علیہ ہے۔ حدیث وفقہ کے امام ہیں۔ تیس صحابۂ کرام کی زیارت کی۔ اور حضرت ابن عمر، حضرت انس، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے صحابہ اور کثیر تابعین سے روایت کی۔ فن تعبیر کے امام منفرد ہیں۔ زہد وورع، تقویٰ، خشیت خداوندی، علم وفضل سب جمع تھا۔ اشعث نے کہا جب ان سے حلال وحرام کے بارے میں کچھ پوچھا جاتا تو ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا۔ معلوم ہوتا یہ پہلے والے نہیں ہیں۔ مہدی نے کہا کہ ہم ان کی مجلس میں ان سے خوب باتیں کرتے وہ بھی کرتے مگر جب موت کا ذکر آتا تو چہرے کا رنگ اڑ جاتا زرد پڑ جاتا۔ بالکل بدل جاتے۔ خلف بن ہشام نے کہا اللہ عزوجل نے ان کو اچھی عادت اچھا جسم اور خشوع عطا فرمایا تھا لوگ انھیں دیکھتے تو اللہ یاد آجاتا۔[1]

(۱) ابن ماجہ نے حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا توضا حرک خاتمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو اپنی انگوٹھی ہلاتے۔

خود ابن سیرین سے یہ بھی مروی ہے کہ انھوں نے اپنی انگوٹھی انگلی میں گھمائی۔ اور اس تعلیق میں یہ ہے کہ انگوٹھی کی جگہ کو دھوتے تھے۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ جب انگوٹھی تنگ ہوتی اس کے اندر پانی نہیں پہونچتا تو انگوٹھی اتار کر اس کی جگہ دھوتے تھے۔ اور جب ڈھیلی ہوتی اور اس کے اندر پانی پہونچنے کا ظن غالب ہوتا تو صرف گھمانے پر اکتفا کرتے تھے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ انگوٹھی کی جگہ دھونے سے مراد یہ ہے کہ اسے گھما دیتے تاکہ پانی اس کے اندر بھی پہنچ جائے۔ اسی پر عمل بھی ہے کہ اگر انگوٹھی ڈھیلی ہو کہ بغیر ہلائے اس کے اندر پانی پہنچ جائے تو نہ ہلانے کی حاجت نہ گھمانے کی۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ ہلالے۔ اور اگر تنگ ہے کہ بغیر ہلائے اندر پانی نہ پہونچے تو ہلانا فرض۔ اور اگر اتنی تنگ ہے کہ ہلانے گھمانے پر بھی پانی اندر نہ جائے تو اتار کر اسے دھونا فرض ہے۔

اس مضمون کی حدیث اور بھی ہیں۔ بیہقی نے روایت کیا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وضو کرتے اپنی انگوٹھی ہلاتے۔ ابن قتیبہ کی غریب الحدیث میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو وضو کرتے دیکھا تو فرمایا۔ انگوٹھی کی جگہ کا خیال کر۔ حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص سے بھی مروی ہے کہ یہ لوگ جب وضو کرتے تو انگوٹھی ہلا لیتے۔

---

[1] اکمال۔ عینی جلد اول ص۲۰۲۔ باب اتباع الجنائز من الایمان۔

(۱۲۱) حدیث - ایضاً

سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ وَكَانَ يَمُرُّ بِنَا وَالنَّاسُ يَتَوَضَّئُوْنَ

محمد بن زیاد کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے پاس سے گزر رہے تھے اور لوگ ایک برتن سے وضو کر رہے

مِنَ الْمِطْهَرَةِ فَقَالَ اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ فَاِنَّ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تھے میں نے سنا کہ انھوں نے کہا لوگو وضو پوری طرح کرو۔ اس لئے کہ حضرت ابوالقاسم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قَالَ وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ ع

ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔

تشریحات (۱۲۱)

(۱) محمد بن زیاد حضرت عثمان بن مظعون مشہور صحابی کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ قرشی جُمحی ہیں۔ مدنی الاصل ہیں۔ مگر بعد میں بصرہ کی سکونت اختیار کرلی تھی۔ ثقہ تابعی ہیں۔

(۲) مِطْهَرَةٌ۔ اسم آلہ ہے۔ حدیث میں ہے۔ السواك مِطهرة للفم ومرضاة للرب مسواک منھ کی صفائی اور رب تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔ یہاں مراد وہ برتن ہے جس میں وضوء کے لئے پانی رکھا ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد حوض گڑھا وغیرہ ہو۔

(۳) حدیث میں اگرچہ خصوصیت واقعہ کی وجہ سے صرف ایڑیوں کا ذکر ہے۔ نیز عام طور پر بے پرواہ عجلت باز ایڑیوں سے غفلت برتتے ہیں۔ مگر حکم ان تمام اعضاء کو عام ہے جو ایسے ہیں کہ اگر خاص خیال کرکے وہاں پانی نہ پہنچایا جائے تو دھونے سے رہ جائیں گے۔ مثلاً ایڑیاں، ٹخنے، کوچیں، انگلیوں کی گھائیاں، کہنیاں، آنکھ کے کوؤے، انگوٹھی کے اندر، ہر شخص کے لئے ان کا خیال کرنا مستحب ہے۔ اور لاپرواہ لوگوں پر فرض ہے۔ اسی لئے امام بخاری نے حضرت ابن سیرین کا قول نقل فرمایا۔ حاکم نے عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ فرمایا۔ ایڑیوں اور تلوؤں کیلئے آگ کا عذاب ہے۔ مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے وضو کیا اور ناخن کے برابر قدم پر پانی نہیں پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھ لیا۔ فرمایا جا اچھی طرح وضو کر۔ وہ گئے اور پھر آئے اور نماز پڑھی۔

مسائل مستنبطہ (۱) پاؤں کا دھونا فرض ہے (۲) ہر عضو کو پورا دھونا فرض ہے للاکثر حکم الکل یہاں نہیں (۳) علماء پر واجب ہے کہ بے پڑھے لکھے لوگوں کو مسائل بتائیں (۴) ضرورت کے وقت مسئلہ بتاتے وقت آواز بلند بھی کی جاسکتی ہے (۵) عالم طالب کو جھڑک بھی سکتا ہے (۶) عذاب جسم اور روح دونوں پر ہوگا۔ صرف روح پر نہیں (۷) عذاب جہنم اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے معنی مجازی مراد نہیں کہ اپنے گناہوں کو دیکھ کر کڑھنے کا نام ہو۔

﴿۱۳۲﴾ حدیث۔ التوضی فی النعال

عَنْ عُبَیْدِ بْنِ جُرَیْجٍ اَنَّہٗ قَالَ لِعَبْدِ اللہِ بْنِ عُمَرَ یَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ رَاَیْتُکَ

عبید بن جریج نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا۔ اے ابو عبدالرحمن آپ کو چار ایسی باتیں

تَصْنَعُ اَرْبَعًا لَمْ اَرَ اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِکَ یَصْنَعُہَا قَالَ کَمَا ہِیَ یَا ابْنَ جُرَیْجٍ

کرتے دیکھ رہا ہوں جنھیں آپ کے ساتھیوں میں سے کسی کو میں نے نہیں دیکھا کرتے ہوں۔ انھوں نے پوچھا اے ابن جریج

نشریحات ﴿۱۳۲﴾

(۱) یہ تابعی مدنی بنی تیم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ ان میں اور مکہ معظمہ کے مشہور و معروف امام، فقیہ، محدث، عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج میں کوئی رشتہ نہیں۔ بعض لوگوں نے گمان کیا کہ یہ، ابن جریج مکی کے چچا ہیں۔ یہ غلط ہے۔ جُرَیج جرج کی تصغیر ہے۔ اس کے معنی سامان رکھنے کے تھیلے کے ہیں۔ جیسے جرجی کہتے ہیں۔

غایت باب امام بخاری نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے۔ باب غسل الرجلین فی النعلین ولا یمسح علی النعلین چپل میں پاؤں ہوتے ہوئے پاؤں دھونا ہے ان پر مسح نہیں کرنا ہے۔ اس باب کے باندھنے کی وجہ یہ ہے کہ کچھ اصحاب ظواہر اور روافض پاؤں پر بھی مسح کافی سمجھتے ہیں۔ دھونا ضروری نہیں جانتے۔ اور یہ بہت سے صحابہ کرام سے بھی مروی ہے۔ مثلاً حضرت علی وعبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بلکہ اس سلسلے میں ایک حدیث مرفوع بھی ترمذی وابو داؤد میں مذکور ہے۔ لیکن عبدالرحمن بن مہدی وغیرہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو مروی ہے وہ وضو ہوتے ہوئے دوبارہ وضو کرنے کے وقت مروی ہے۔ جیساکہ امام طحاوی نے جو روایت کی اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

رأیت علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلی الظہر ثم قعد للناس فی الرحبۃ ثم اتی بماء فمسح بوجہہ ویدیہ ومسح براسہ ورجلیہ وشرب فضلہ قائما ثم قال ان ناسا یزعمون ان ہذا یکرہ وانی رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصنع مثل ما صنعت وہذا وضوء من لم یحدث۔[1]

نزال بن سبرہ نے بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ظہر پڑھی پھر صحن میں بیٹھے کچھ دیر کے بعد پانی پیش کیا گیا تو اس سے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا اور سر اور پاؤں پر مسح فرمایا۔ اور بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا۔ پھر فرمایا لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے ہی یعنی وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیتے ہوئے دیکھا ہے یہ اس کا وضو ہے جس کا وضو ٹوٹا نہ ہو۔

---

[1] طحاوی جلد اول ص ۳۰۔

قَالَ رَأَيْتُكَ لَا تَمَسُّ مِنَ الْأَرْكَانِ إِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ وَرَأَيْتُكَ

وہ کون کون سی باتیں ہیں ابن جریج نے کہا میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کعبے کے ارکان میں صرف رکن یمانی اور رکن حجر اسود

امام طحاوی نے اس پر فرمایا کہ اگر اس حدیث کو پاؤں پر مسح کی دلیل ٹھہرائی جائے تو اس میں چہرے اور ہاتھوں کے لئے بھی مسح ہی کا لفظ ہے تو لازم کہ چہرے اور ہاتھوں پر بھی مسح کافی ہو۔ لامحالہ، اس حدیث میں مسح کے معنی "غسل خفیف" مراد لینا پڑے گا۔ یعنی حضرت علی کی عام عادت جس طرح وضو کرنے کی تھی اس سے کم دھویا۔ رہ گیا جو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے اور بھی جو اس قسم کی احادیث ہیں ان سب میں مراد یہ ہے کہ وہ لوگ اس وقت موزوں پر جوتے پہنتے تھے۔ چونکہ ان کے جوتے چپل کی طرح ہوتے تھے۔ کہ قدم کے اوپر صرف دو تسمے ہوتے تھے۔ ان لوگوں نے اصل میں موزوں پر مسح کیا اور راوی نے یہ سمجھا کہ یہ چپل پر مسح ہے۔ علامہ عینی وغیرہ نے امام طحاوی سے الگ ایک بہت قوی دلیل نقل کی ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ اگر موزے اتنے پھٹ جائیں جن سے قدم ظاہر ہونے لگے تو ان موزوں پہ مسح جائز نہیں اور چپل میں قدم کی پیٹھ تقریباً کل کھلی رہتی ہے تو اس پر مسح کیسے جائز ہوگا۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا یہ استدلال صحیح ہے۔ مگر اس پر اجماع کے دعویٰ میں نزاع ہے۔ اس لئے کہ صحابہ و تابعین کی ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ پاؤں پر مسح جائز ہے۔ علاوہ ازیں عکرمہ، قتادہ، شعبی بھی اس کے قائل ہیں۔ امام حسن بصری نے فرمایا کہ واجب پاؤں دھونا ہے یا مسح۔ اور بعض اصحاب ظواہر کہتے ہیں کہ غسل اور مسح دونوں کا جمع کرنا واجب ہے۔ علامہ عینی نے اس کا یہ جواب دیا کہ اجماع کے سلسلے میں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اقل کی مخالفت اجماع میں مضر نہیں۔ اور تواتر شرط نہیں۔ اس کے بعد حضرت عطاء کا یہ قول پیش کیا کہ عبدالملک نے کہا، میں نے عطاء سے پوچھا۔ کیا آپ کو کسی صحابی کے بارے میں یہ خبر ملی ہے کہ وہ پاؤں پر مسح کرتے تھے تو فرمایا نہیں۔

اقول اس پر منازع بہت کچھ کہہ سکتا ہے۔ امام طحاوی نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ پاؤں کو دھویا جائے مسح نہ کیا جائے۔ انھوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ موزے اگر اتنے پھٹے ہوں کہ قدم ظاہر ہوں تو مسح درست نہیں۔ علامہ ابن حجر نے اس کے خلاف کوئی دلیل قائم نہیں فرمائی۔ اور اگر امام طحاوی کی مراد یہ ہوتی کہ اس پر اجماع ہے کہ پاؤں کا مسح کافی نہیں تو البتہ ابن حجر کا اعتراض وارد ہوتا۔ اور اگر بالفرض یہی مراد لیا جائے کہ امام طحاوی کی مراد یہی ہے کہ پاؤں پر مسح کافی نہیں اس پر اجماع ہے۔ اگرچہ یہ ان کے ارشاد سے کسی طرح ظاہر نہیں تو اس کی تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ امام طحاوی کی مراد صحابۂ کرام کا اجماع ہے۔ اور یہ مسلم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے جو مروی ہے اس کے بارے میں گزر چکا کہ وہ وضو ہوتے ہوئے وضو تھا۔ یا یہ کہ جوتوں کے ساتھ موزے بھی پہنے تھے۔ مسح اصل میں موزوں پر تھا۔

(۲) قصہ یہ ہے کہ قریش نے کعبہ کی جو تعمیر کی تھی وہ جنوب کی جانب قواعد ابراھیم پر تھی۔ اور جانب شمال جو حطیم کا حصہ ہے وہ چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف جنوبی ارکان۔ یمانی اور حجر اسود کو ہاتھ لگاتے تھے۔ پھر جب

تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ وَرَأَيْتُكَ تَصْبَغُ بِالصُّفْرَةِ وَرَأَيْتُكَ إِذَا كُنْتَ بِمَكَّةَ

کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ اور میں نے آپ کو بال صاف کی ہوئی سبتی چپل پہنے دیکھا اور میں نے آپ کو یہ دیکھا کہ آپ بالوں کو زرد خضاب کے

أَهَلَّ النَّاسُ إِذَا رَأَوُا الْهِلَالَ وَلَمْ تُهِلَّ أَنْتَ حَتَّى كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ۔ قَالَ

رنگتے ہیں۔ اور مکے والے چاند دیکھتے ہی تلبیہ کہنے لگتے ہیں مگر میں نے آپ کو دیکھا کہ یوم ترویہ سے پہلے تلبیہ نہیں پکارتے۔ اس پر

عَبْدُ اللّٰهِ أَمَّا الْأَرْكَانُ فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ نے فرمایا ارکان کا معاملہ یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سوائے یمانیین کے

يَمَسُّ إِلَّا الْيَمَانِيَّيْنِ وَأَمَّا النِّعَالُ السِّبْتِيَّةُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى

اور کسی رکن کو ہاتھ لگاتے نہیں دیکھا۔ اور بغیر بال کی جوتیوں کی بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی تعمیر میں جانب شمال بھی بڑھا کر قواعد ابراہیم پر تعمیر کی۔ اور حطیم اندر آگیا۔ تو صحابۂ کرام چاروں ارکان کو ہاتھ لگانے لگے۔ پھر عبدالملک کے حکم سے حجاج نے اس تعمیر کو ڈھا کر حطیم کو باہر کر دیا۔ اور قریش کی تعمیر کے مطابق بنا دیا۔ تو جو واقف کار تھے وہ رکن عراقی اور شامی کو طواف کے وقت ہاتھ نہیں لگاتے تھے صرف رکن یمانی اور حجر اسود کو ہاتھ لگاتے تھے۔ اور کچھ لوگ چاروں ارکان کو ہاتھ لگاتے رہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی تعمیر کے بعد سے رواج پڑ گیا تھا۔ عبید بن جریج کو یہ راز معلوم نہ تھا اس لئے انھوں نے حضرت ابن عمر سے یہ سوال کیا۔ یہ اختلاف عمل عہد تابعین تک رہا۔ اب اس پر اجماع ہو گیا کہ صرف رکن یمانی اور حجر اسود کو طواف کی حالت میں ہاتھ لگایا جائے۔ فرق یہ ہے کہ رکن یمانی کو صرف ہاتھ لگائیں گے۔ اور حجر اسود پر دونوں ہاتھ رکھ کر منھ سے بوسہ دیں گے۔ اگر اس کا موقع مل جائے تو ورنہ صرف ہاتھ یا لکڑی سے اشارہ کافی ہے۔ تفصیل کتاب الحج میں آئے گی۔ یہی ہمارا بھی مذہب ہے۔

(۳) سبتیہ۔ سبت کی طرف منسوب ہے۔ اس کے معنی میں کئی قول ہیں۔ سلم کے پتوں میں پکائی ہوئی گائے کی کھال۔ یا بر پکائی ہوئی کھال۔ سر مونڈھنا۔ ایک بازار کا نام ہے۔ یہاں مراد وہ کھال ہے جس پر بال نہ ہوں۔ سبت کے معنی سر مونڈھنے کے ہیں چونکہ اس کے بال اڑا دیئے گئے ہیں اس لئے اس کو سبتیہ کہتے ہیں۔ نعل جو اس عہد میں پہنتے تھے وہ چپل کی طرح ہوتا تھا۔ جس کے پشت پر دو تسمے ہوتے تھے۔ جیسا کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعلین مقدس کے بارے احادیث میں وارد ہے۔ سبتی نعل پہننے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ اس عہد میں کم پہنتے تھے۔ اس لئے عبید بن جریج کو پوچھنا پڑا۔

(۴) صرف اتنا ہی حصہ باب کے مطابق ہے یہاں متعین ہے کہ یتوضأ کے معنی دھونے کے ہیں۔ اس لئے کہ توضی دھونے کے معنی میں مستعمل ہے۔ اگر حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف مسح فرمایا ہوتا تو یمسح فرماتے۔ علاوہ ازیں اگر مسح مراد

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِیْ لَیْسَ فِیْہَا شَعْرٌ وَیَتَوَضَّأُ فِیْہَا فَأَنَا اُحِبُّ اَنْ اَلْبَسَہَا

بغیر بال کی چپل پہنتے تھے اور اس میں وضو فرماتے تھے اس لئے میں انھیں پہننا پسند

وَاَمَّا الصُّفْرَۃُ فَاِنِّیْ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصْبُغُ بِہَا فَاَنِّیْ اُحِبُّ

کرتا ہوں۔ رہا زرد رنگ کا خضاب تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بالوں میں زرد رنگ کا خضاب لگاتے دیکھا ہے

اَنْ اَصْبُغَ بِہَا وَاَمَّا الْاِہْلَالُ فَاِنِّیْ لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

اس لئے میں بھی پسند کرتا ہوں کہ یہ خضاب لگاؤں۔ تلبیہ پکارنے کی بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تو فیہا نہ ہوتا علیہا ہوتا۔ فیہا فرماکر تعیین کر دی کہ دھونا ہی مراد ہے۔ یعنی چپل پہنے پہنے پاؤں دھوتے جیساکہ ابوداؤد باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت علی نے فرمایا۔ اے ابن عباس رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیسے وضوء فرماتے تھے تمہیں دکھا دوں انھوں نے عرض کیا ضرور تو انھوں نے وضو شروع فرمایا یہاں تک کہ سر کا مسح فرمایا۔ پھر ایک لپ پانی داہنے پاؤں پر ڈالا۔ حالانکہ چپل پاؤں میں تھی پھر پاؤں کو ادھر ادھر موڑا پھر دوسرے پاؤں کے ساتھ بھی یہی کیا۔[۱]

(۵) اس سے یا تو صرف بالوں پر زرد رنگ کا خضاب کرنا مراد ہے۔ یعنی کسم ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عمر کپڑے عمامہ بھی زرد رنگ کے استعمال کرتے ہوں جیساکہ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ابن عمر اپنی داڑھی زرد رنگ سے اتنا رنگتے کہ کپڑے لت پت ہو جاتے۔ یہ زرد رنگ سے اپنے تمام لباس کو رنگتے یہاں تک کہ عمامے کو بھی۔[۲]

(۶) علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ تلبیہ کس وقت سے پکاری جائے کچھ لوگوں نے کہا جب ذوالحجہ کا چاند دکھا جائے اس وقت سے۔ امام مالک امام شافعی امام احمد نے فرمایا جب سواری چلنے لگے جیساکہ اس حدیث میں حضرت ابن عمر سے مروی ہے۔ ہمارا مسلک یہ ہے کہ احرام کی نماز سے فارغ ہوتے ہی کھڑے ہونے سے پہلے تلبیہ شروع کر دے۔ ہماری دلیل ابوداؤد کی وہ حدیث ہے جو حضرت سعید بن جبیر شہید مظلوم سے مروی ہے۔ ان کا بیان یہ ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس سے عرض کیا مجھے اس پر تعجب ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تلبیہ کہنے کے وقت کے بارے میں صحابہ کرام میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا۔ میں اس معاملے کو سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف ایک ہی حج کیا۔ پھر بھی ساتھیوں میں اختلاف ہوگیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد (ذوالحلیفہ) میں احرام کی دو رکعتیں پڑھیں

[۱] کتاب الطہارت باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ [۲] کتاب اللباس باب فی المصبوغ۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ حَتّٰى تَنْبَعِثَ بِهٖ رَاحِلَتُهٗ ۔

کو دیکھا کہ حضور اس وقت تک تلبیہ نہیں کہتے جب تک آپ کی سواری نہ چل دیتی

(۱۲۳) حدیث ۔ التیامن فی کل شیٔ

عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ام عطیہ ① رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان عورتوں سے

اسی وقت تلبیہ کہا ۔ جو لوگ اس وقت مسجد میں موجود تھے ان لوگوں نے سنا ۔ (باہر والوں نے نہیں سنا) پھر جب مسجد سے باہر تشریف لاکر سواری پر بیٹھے اور سواری لے کر چلی تو تلبیہ کہا ۔ اسے ان لوگوں نے سنا جو وہاں موجود تھے ۔ لوگ جماعت در جماعت آکر شامل ہوتے جاتے تھے ۔ پھر جب شرف البیدا پر چڑھے تو تلبیہ کہا ۔ اسے بہت بڑی جماعت نے سنا ۔ بخدا نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تینوں جگہ تلبیہ کہا جس نے جو سنا اسے بیان کیا ۔ [۱]

اس حدیث سے مختلف روایات میں تطبیق بھی ہوگئی ۔ امام ابو داؤد نے اس حدیث پر سکوت کیا ۔ ان کا سکوت دلیل تصحیح ہے ۔ حاکم نے مستدرک میں اس کے بارے میں کہا ۔ یہ حدیث صحیح ہے مسلم کی شرط پر ہے ۔ نیز امام طحاوی نے بھی اس کی تخریج کی ہے ۔ اس کی بقیہ تفصیل کتاب الحج میں آئے گی ۔

تشریحات (۱۲۳)

① **حضرت ام عطیہ** رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۔ انصاریہ ہیں ۔ ان کا نام نسیبہ بنت کعب ۔ یا الحارث ہے ۔ خواتین بلکہ صحابیات میں یہ اپنی گوناگوں خصوصیات میں منفرد و ممتاز ہیں ۔ یہ بیماروں کی تیمار داری کرتی تھیں ۔ مردہ عورتوں کو غسل دیتی تھیں زخمیوں کی مرہم پٹی اور علاج کی ماہر تھیں ۔ سات غزوات میں حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئیں جن میں خیبر بھی ہے ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے گھر جاکر قیلولہ فرمایا کرتے ۔ ان سے چالیس حدیثیں مروی ہیں ۔ چھ یا سات متفق علیہ ہیں ۔ ایک افراد بخاری سے اور ایک ہی افراد مسلم سے ہے ۔

② **تکمیل** ان سے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا مراد ہیں ۔ جیسا کہ مسلم[۲] کی روایت میں تصریح ہے ۔ پوری حدیث کتاب الجنائز میں یوں ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی کا وصال ہوا ۔ ہم انھیں غسل دے رہی تھیں ۔ کہ

---

[۱] ابو داؤد کتاب المناسک باب وقت الاحرام [۲] ایضاً لباس ۔ باب نعال السبتیہ ج۲ ص۲۵ ۔ مسلم حج الافضل ان یحرم حین تنبعث به راحلته ۔ ابو داؤد ۔ مناسک ۔ باب وقت الاحرام ۔ ترمذی ۔ شمائل ۔ باب ما جاء فی نعال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔ نسائی ۔ طہارت ۔ الوضوء فی النعال ۔ ابن ماجہ ۔ لباس ۔ باب الخضاب بالصفرۃ ۔ [۵] ج۲ ص۳۰۵ ج۱

لَھُنَّ فِی غُسْلِ ابْنَتِہٖ اِبْدَأْنَ بِمَیَامِنِہَا وَ مَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْہَا ع‍ہ

(جو غسل دے رہی تھیں) اپنی صاحبزادی کے غسل کے بارے میں فرمایا۔ داہنی طرف سے اور اعضاء وضوء سے شروع کرنا۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور فرمایا۔ انھیں تین یا پانچ یا اس سے بھی زائد بار جتنی ضرورت ہو خالص پانی یا بیری کے پانی سے نہلانا اخیر میں کافور ملالینا۔ اور جب نہلاکر فارغ ہونا تو مجھے بتانا۔ ام عطیہ کہتی ہیں کہ جب ہم فارغ ہوئیں تو حضور کو بتایا حضور نے اپنا تہبند عطا فرمایا اور یہ فرمایا کہ اسے ان کا ازار بنانا۔ یہ روایت محمد بن سیرین کی ہے۔ ان کی بہن حفصہ نے انھیں ام عطیہ سے جو روایت کی اس میں یہ ہے۔ انھیں طاق بار نہلانا تین یا پانچ یا سات بار۔ غسل کی ابتدا داہنے طرف اور وضو کے اعضاء سے کرنا ام عطیہ نے کہا ہم نے کنگھی کرکے ان کے بالوں کو تین حصے میں کرکے پیچھے کی طرف کردیئے۔

(۳) امام بخاری نے اس پر باب یہ باندھا ہے "باب التیمن فی الوضوء والغسل" غسل اور وضوء میں داہنی طرف سے شروع کرنا۔ اور یہ حدیث میت کے غسل کے بارے میں ہے۔ مگر یہ بہر حال وضوء اور غسل ہی کے بارے میں ہے۔ جس میں حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے داہنی طرف سے شروع کرنے کا حکم دیا۔ تو ثابت کہ تیامن مطلقاً ہر وضوء اور غسل میں پسندیدہ ہے۔

وضوء کے بیان کا سلسلہ چل رہا تھا۔ غسل کا مفصل بیان آگے آرہا ہے۔ یہاں غسل کے ذکر کی ضرورت نہ تھی مگر چونکہ یہ حدیث غسل ہی کے ذکر پر مشتمل ہے۔ وضوء ضمنی طور پر ہے۔ اس لئے امام بخاری نے غسل کا اضافہ فرمایا۔ اس سے جہاں یہ ثابت ہو رہا ہے کہ غسل میں تیامن پسندیدہ ہے وہیں وضوء میں بھی تیامن کا اثبات صراحۃً بغیر کسی تردد کے ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ صریح طور پر فرمایا کہ داہنی طرف اور مواضع وضوء سے شروع کرنا۔ تو تیامن کا حکم وضوء کے لئے بھی ہوا۔

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں جو بعثت سے دس سال پہلے جب کہ عمر مبارک تیس سال تھی پیدا ہوئیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت قاسم ان سے بڑے تھے۔ ان کا عقد ان کے خالہ کے لڑکے۔ حضرت ابوالعاص سے ہوا تھا۔ بعثت کے بعد یہ ایمان سے مشرف ہوئیں مگر ابوالعاص انکے ساتھ ایمان نہ لائے بعد میں مشرف باسلام ہوئے۔ غزوۂ بدر میں یہ مشرکین کیطرف تھے یہ بھی قید ہوئے انکے بھائی عمرو انکو رہا کرانے کیلئے جب مدینہ آئے تو حضرت زینب نے فدیے میں وہ ہار انکو دیا جو حضرت

ام حضرت زینب کو شادی کے موقع پر دیا تھا۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر جب اس ہار پر پڑی تو پہچان لیا۔ حضرت خدیجہ یاد آگئیں۔ رقت طاری ہوگئی۔ حضرت خدیجہ کے لئے کلمات ترحم فرمائے۔ یہ پسند خاطر نہ ہوا کہ بیٹی کو ماں کی نشانی سے محروم کر دیا جائے۔ حضور

ع‍ہ ایضاً جنائز۔ باب یبدأ بمیامن المیت ص۱۶۸ میں تین طریقے سے مسلم جنائز۔ باب البدأ بمیامن المیت و مواضع الوضوء۔ نسائی جنائز۔ باب میامن المیت ومواضع الوضوء منہ۔ ابن ماجہ۔ جنائز۔ غسل المیت۔

۱۲۴ حدیث۔ استحباب التیمن فی کل شئ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُعْجِبُهُ التَّیَمُّنُ

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر کام داہنے سے شروع کرنا پسند تھا۔

اور سے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں سے کہہ سن کے بغیر فدیہ۔ ابو العاص کو آزاد کر دیا۔ البتہ یہ عہد لے لیا کہ مکہ پہنچ کر حضرت زینب کو مدینے بھیج دیں گے۔ انھوں نے وعدہ پورا کیا۔ حضرت زینب جب مدینے کے لئے چلیں تو ہبار بن الاسود اور ایک اور سنگ دل نے ڈھکیل دیا۔ یہ ایک چٹان پر گر پڑیں جس سے سخت چوٹ آئی ایسی کہ زندگی بھر اچھی نہ ہو سکیں۔ اسی میں وصال ہوا۔ سنہ وصال آٹھ ہجری ہے۔ حضرت زینب کے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام علی تھا جو بلوغ کے قریب پہنچ کر وصال فرما گئے۔ اور ایک صاحبزادی حضرت اُمامہ ہوئیں جن کے بارے میں احادیث میں ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کو گود میں لے کر نماز پڑھتے سجدے میں جاتے تو اتار دیتے جب سجدے سے اٹھتے تو پھر گود میں لے لیتے۔ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے بعد حضرت علی نے حضرت امامہ سے نکاح فرمایا[1]

مسائل مستنبطہ میت کو غسل دیتے وقت پہلے اس کو وضو کرایا جائے۔ البتہ نہ کلی کرائی جائے اور نہ ناک میں پانی ڈالا جائے۔ اس لئے کہ منھ اور ناک سے پانی نکالنا بہت دشوار ہوگا۔ یہی احناف کا مذہب ہے جو احناف کی کتابوں میں درج ہے۔ علامہ نودی کو غلط فہمی ہوئی کہ انھوں نے لکھ دیا کہ احناف وضوء سے میت کے غسل کو شروع کرنا مستحب نہیں جانتے میت کے غسل میں بھی ہر عضو میں پہلے داہنے کو دھویا جائے۔ مطلقا ہر طہارت میں تیامن مستحب ہے۔ خواہ غسل ہو خواہ وضوء ہو۔ خواہ زندہ کرے خواہ مردہ کو طہارت کرائی جائے۔ اشارۃً ثابت ہوا کہ داہنا عضو بائیں سے افضل ہے۔ تکمیل کا جو حصہ ہم نے نقل کیا اس سے ثابت ہوا کہ میت کو بیری کے پانی سے غسل دیا جائے اور اخیر میں کافور ملے ہوئے پانی سے طاق بار غسل دیا جائے۔ جو تین سے کم نہ ہو زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ جتنے میں میت خوب صاف ستھری ہو جائے۔ مگر طاق عدد پورا کیا جائے۔ مرد کے استعمالی لباس کو عورت کے کفن میں دیا جا سکتا ہے۔ بزرگان دین کے لباس کو بطور تبرک کفن میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ بزرگوں کی استعمال کردہ چیزوں سے برکت حاصل کرنا عہد رسالت سے معمول ہے۔ عورت کے بالوں کو پیچھے کی طرف کر دیا جائے۔

تشریحات ۱۲۴

تکمیل کتاب الصلوٰۃ وغیرہ میں ما استطاع کا اضافہ ہے۔ مطلب ظاہر ہے کہ جن اعضا میں تیامن ممکن ہے انھیں میں تیامن فرماتے۔

---

[1] استیعاب، اصابہ جلد چہارم ذکر زینب۔

فِی تَنَعُّلِہٖ وَتَرَجُّلِہٖ وَطُھُوْرِہٖ فِی شَانِہٖ کُلِّہٖ عہ

جوتا پہننا، کنگھا کرنا، طہارت کرنا ہو (کچھ بھی ہو)

(۱۲۵) حدیث خروج الماء من بین اصابعہ صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا اور عصر کا

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَحَانَ صَلٰوۃُ الْعَصْرِ فَالْتَمَسَ النَّاسُ الْوَضُوْءَ فَلَمْ یَجِدُوْا فَاُتِیَ الْوَضُوْءِ

وقت ہو چکا تھا۔ لوگوں نے وضو کے لئے پانی تلاش کیا مگر لوگوں نے نہیں پایا۔ رسول اللہ

(۱) اس کے عموم سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ کہ ہر کام میں، بیت الخلاء میں داخل ہونا۔ لباس اتارنا۔ جوتا اتارنا بھی ہے تو کیا ان سب میں بھی تیامن مستحب ہے؟۔ اس کا جواب علامہ عینی و علامہ ابن حجر نے یہ دیا کہ سوائے دھو بکل شئ علیم اور صفات باری میں وارد اس قسم کی آیات کے ہر عام مخصوص منہ البعض ہے۔ یہ عام بھی دوسرے دلائل سے مخصوص منہ البعض ہے جن چیزوں کے بارے میں تصریح ہے کہ بائیں طرف سے شروع کی جائیں۔ وہ مخصوص ہیں۔ یا یہ کہ شان کا معنی وہ فعل ہے جو مقصود ہو۔ جن میں تیاسر (بائیں طرف سے ابتداء) مستحب ہے وہ فعل مقصود نہیں بلکہ اصل میں وہ سب از قسم ترک و متروک ہیں۔ جیسے لباس اتارنا، جوتا اتارنا، مسجد سے باہر آنا۔ بیت الخلاء میں جانا بھی ایک قسم کے ترک ہی کے لئے جاتے ہیں۔ علامہ نووی نے اسکی تفصیل کی۔ کہ جو افعال تشریف و تکریم کے قبیل سے ہیں ان میں تیامن مستحب ہے۔ جیسے لباس وغیرہ پہننا، مسجد میں جانا، مسواک کرنا، سرمہ لگانا، ناخن کتروانا، کنگھا کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اور جن میں تشریف و تکریم نہ ہو ان میں بائیں سے شروع کرنا مستحب ہے۔ جیسے بیت الخلاء میں جانا، مسجد سے باہر ہونا۔ لباس اتارنا وغیرہ وغیرہ۔

وضو میں ہاتھ پاؤں دھونے میں تیامن مستحب ہے۔ اس پر اہلسنت کا اجماع ہے۔ البتہ روافض واجب مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر داہنے اعضا پہلے نہ دھوئے گئے تو وضو ہی نہ ہوگا۔

تشریحات (۱۲۵)

(۱) اس سے یہ ثابت ہوا کہ جب نماز کا وقت آجائے تو پانی کی تلاش واجب ہے۔ جب پانی نہ ملے تو تیمم کی اجازت ہے۔ نماز

عہ ایضاً۔ الصلاۃ۔ التیمن فی دخول المسجد وغیرہ ص ۶۱۔ الطعمہ۔ التیمن فی الاکل وغیرہ ص ۸۱۰۔ لباس۔ الترجل ص ۸۷۷۔ مسلم۔ طہارۃ۔ ۶۶، ۶۷۔ ابو داؤد۔ لباس۔ ۱۰۔ ۴۱۔ ترمذی۔ جمعہ۔ ۷۵۔ نسائی۔ طہارت۔ ۸۹۔ غسل۔ ۱۷۔ زینت۔ ۸۰۔ ۶۲۔ ابن ماجہ۔ طہارۃ۔ ۴۲۔ مسند امام احمد۔

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَضُوْءٍ فَوَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں (تھوڑا سا) وضو کا پانی لایا گیا تو رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذٰلِكَ الْإِنَاءِ يَدَهٗ وَاَمَرَ النَّاسَ اَنْ يَتَوَضَّؤُا مِنْهُ قَالَ فَرَأَيْتُ الْمَاءَ

اس برتن میں اپنا ہاتھ رکھا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس سے وضو کریں (حضرت انس) نے کہا میں

يَنْبُعُ مِنْ تَحْتِ اَصَابِعِهٖ حَتّٰى تَوَضَّؤُا مِنْ عِنْدِ اٰخِرِهِمْ عه

نے دیکھا کہ حضور کی انگلیوں کے نیچے سے پانی ابل رہا ہے یہاں تک کہ ان کے آخری شخص نے بھی وضو کر لیا۔

کا وقت ہونے سے پہلے پانی کی تلاش واجب نہیں۔ ورنہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام پہلے تلاش کرتے۔ نماز کا وقت ہونے کے بعد اگر یہ گمان ہے کہ ایک میل کے اندر پانی ہے تو تلاش کر لینا ضروری ہے۔ تلاش کئے بغیر تیمم جائز نہیں۔ حتی کہ اگر تلاش کئے بغیر تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر پانی ملا تو وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھنی لازم ہے۔ اگر نہ ملا تو نماز ہو گئی۔ اگر گمان غالب ہے کہ ایک میل کے اندر پانی نہیں تو تلاش کرنا ضروری نہیں۔

(۲) یہ پانی کس برتن میں تھا۔ اس بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک میں ہے بقدح رحراح۔ کم گہرائی کا چوڑا پیالہ۔ ایک روایت زجاج شیشے کا پیالہ۔ ایک میں جفنۃ، بڑے پیالے میں۔ ایک میں میضاۃ ہے۔ یعنی وضو کرنے کے برتن میں حضرت عبداللہ بن مبارک کی روایت یوں ہے کہ ایک شخص گیا اور ایک پیالے میں تھوڑا سا پانی لایا۔ اتنا چھوٹا تھا کہ حضور نے پھیلا تو اس میں نہ آسکا۔ تو حضور نے انگلیاں سمیٹ لیں۔ ص۳۲ پر باب الوضوء والغسل من المخضب کے تحت جو روایت ہے وہ اس کے علاوہ دوسرا واقعہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں یہ ہے کہ جن لوگوں کے گھر قریب تھے وہ وضو کرنے کے لئے گھر گئے۔ یہ دلیل ہے کہ یہ واقعہ سفر کا نہیں۔ اور اس حدیث سے ظاہر ہے کہ یہ واقعہ سفر کا ہے۔ ورنہ تلاش کے بعد پانی نہ ملنے کا کیا سوال۔

(۳) کتنے آدمی تھے اس بارے میں بھی روایات مختلف ہیں۔ کسی میں ہے پندرہ سو تھے۔ کسی میں ہے آٹھ سو تھے۔ کسی میں ہے تین سو سے کچھ زائد تھے۔ کسی میں ہے کہ ستر تھے۔ انگشتانِ مبارک سے پانی ابلنے کا یہ واقعہ ایک عظیم مجمع میں ہوا۔ مگر اسکی روایت صرف حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کر رہے ہیں۔ چاہئے تھا کہ اتنے عظیم مجمع میں سے سبھی لوگ اسے روایت کرتے۔ اس قسم کے سوالات بہت سے معجزات اور واقعات کے سلسلے میں ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہمیں ہم اس کی وضاحت کر دیتے ہیں۔ اولاً حضرت

عه ایضاً مناقب۔ علامات النبوۃ ص۵۰۴۔ مسلم فضائل ج۲ ص۵۔ ترمذی۔ مناقب۔ نسائی طہارت۔ دارمی مقدمہ ۵۔ موطا طہارت

۳۲۔ مسند امام احمد۔

ت (۲۷) وَكَانَ عَطَاءٌ لَا يَرَى بِهِ بَأْسًا أَنْ يُتَّخَذَ مِنْهَا الْخُيُوطُ وَالْحِبَالُ عه

عطا اس میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے کہ انسان کے بال سے دھاگے اور رسیاں بنائی جائیں۔

انس نے یہ معجزہ بیان فرمایا مگر کسی صحابی نے انکار نہیں فرمایا۔ ایسے موقع پر سکوت دلیل تصدیق ہوتا ہے۔ اس لئے کہ صحابہ کرام سے یہ بعید ہے کہ وہ جھوٹ اور باطل پر سکوت کریں۔ ثانیاً۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب صحابہ کرام ہیں۔ مگر ان میں سے کتنے سے احادیث کی روایت ہے؟۔ ہو سکتا ہے کہ اس مجمع میں جو حضرات شریک تھے ان میں سے صاحب روایت سوائے حضرت انس کے اور کوئی نہ ہو۔ ثالثاً بہت سے حضرات کو دیگر اہم مصروفیات کی وجہ سے احادیث روایت کرنے کا موقع کم ملا۔ جیسے حضرات خلفائے راشدین حتی کہ عشرۂ مبشرہ۔ رابعاً۔ اصحاب کتب نے جو احادیث اپنی کتابوں میں درج کیں وہ کسی خاص نکتے کو سامنے رکھ کر درج کیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس وجہ سے ایسی روایتیں جو دیگر صحابۂ کرام سے اس قسم کے واقعات میں یا کسی بھی واقعے میں مروی ہوئیں کتابوں میں درج ہونے سے رہ گئیں۔ مثلاً امام بخاری کو لیجئے۔ ان کو چھ لاکھ احادیث یاد تھیں۔ جن میں پانچ لاکھ غیر صحیح اور ایک لاکھ صحیح یاد تھیں۔ مگر ان کی کتابوں میں کل دس ہزار احادیث بمشکل ہوں گی۔ خامساً۔ حضرت انس کو عمر طویل عطا ہوئی۔ اس لئے کہ ان کا وصال سنہ ۹۲ھ میں ہوا۔ اور روایت میں علو سند یعنی رواۃ کی کمی کی بہت اہمیت ہے۔ چونکہ حضرت انس کی مرویات میں علو سند ہے۔ اس لئے ان کو مصنفین نے لیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ دوسرے حضرات کی روایت میں یہ علو سند نہ ہو۔ اس لئے ان کو مصنفین نے نہیں لیا۔

فوائد دنیا و آخرت کے تمام پانیوں سے افضل وہ مقدس پانی ہے۔ جو حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک سے نکلا حتی کہ زمزم اور آب کوثر سے بھی۔ اس پانی سے صحابہ کرام نے وضو فرمایا۔ تو ثابت ہوا کہ آب زمزم شریف سے بھی وضو جائز ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ڈول زمزم منگایا اس میں سے کچھ پیا اور وضو فرمایا۔ قاضی عیاض نے فرمایا۔ اس معجزے کو صحابہ کرام سے کثیر التعداد ثقہ راویوں نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا۔ یہ واقعہ ایک مجمع کثیر میں ہوا تھا۔ کسی سے بھی انکار مروی نہیں۔ یہ دلیل ہے کہ یہ معجزہ بلاشبہ صحیح ہے۔

تشریحات (۲۷)

اس تعلیق سے امام بخاری کا مقصود امام شافعی کا رد ہے۔ وہ انسان کے بال کو جسم سے جدا ہونے کے بعد نجس کہتے ہیں۔ حضرت عطا سے بھی ایک روایت ایسی ہی ہے۔ امام بخاری کا استدلال یہ ہے کہ اگر انسان کا بال ناپاک ہوتا تو اس سے

عه اخبار مکہ لمحمد بن اسحٰق الفاکہی

دھاگے اور رسیاں بنانا کیسے جائز ہوتا۔ اور ان سے نفع حاصل کرنا کیسے درست ہوتا۔

احناف کا مذہب یہ ہے۔ کہ انسان کا بال جسم سے جدا ہونے بلکہ انسان کے مرنے کے بعد بھی پاک رہتا ہے۔ نہ صرف انسان بلکہ ہر جانور کا سوائے خنزیر کے۔ اسی طرح ہر وہ چیز جس میں خون نہیں ہوتا۔ جیسے ہڈی، سینگ پٹھے، دانت کھر، اون، پر، وغیرہ امام مالک اون اور پر اور بال کو پاک کہتے ہیں۔ بقیہ کو ناپاک۔ عمر بن عبد العزیز، حسن بصری، حماد، داؤد، ان چیزوں کے ساتھ ساتھ ہڈی کو بھی پاک مانتے ہیں۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ ان تمام چیزوں میں زندگی ہوتی ہے۔ اس لئے موت بھی ان میں اثر انداز ہوگی۔ اور موت سے جاندار ناپاک ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ چیزیں بھی ناپاک ہوئیں۔ احناف یہ کہتے ہیں کہ نجس کرنے والی چیز بذاتہ موت نہیں۔ بلکہ دم مسفوح کا رک جانا ہے۔ اس لئے کہ دم مسفوح ناپاک ہے۔ اس لئے جسم کے جن جن حصوں میں رک گیا وہ حصے ناپاک ہو گئے۔ اور جن اجزا میں خون تھا ہی نہیں۔ ان میں نہ رکا نہ وہ اجزا ناپاک ہوئے۔

ابراہیم بکری اور ماوردی نے، یہ روایت کی کہ امام مزنی نے کہا کہ امام شافعی نے اس قول سے رجوع کر لیا۔ کہ آدمی کا بال ناپاک ہے۔ اور وہ بھی اس کی طہارت کے قائل ہو گئے۔ ایک قول امام شافعی کا ربیع جیزی سے مروی ہے کہ بال، کھال کے تابع ہے کھال کی نجاست سے ناپاک ہو جاتا ہے۔ اور کھال کی طہارت سے پاک ہو جاتا ہے۔

فضلات مبارکہ طاہر ہیں یہاں بحث عام انسانوں کے بال کی تھی۔ مگر بعض شوافع نے، حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی بحث چھیڑ دی۔ سلسلہ یوں پیدا ہوا کہ شوافع پر یہ معارضہ کیا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ اس کے جواب میں یہ کہا گیا کہ معاذ اللہ اس کا بھی یہی حکم ہے۔ حتیٰ کہ ماوردی نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا موئے مبارک اس لئے تقسیم فرمایا تھا کہ لوگ برکت حاصل کریں۔ لیکن برکت حاصل کرنا پاک ہونے پر موقوف نہیں۔ علامہ عینی نے لکھا کہ اس قسم کی بات بہت سے شافعیوں نے کہی ہے۔ بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ چونکہ موئے مبارک بہت تھوڑے ایک دو لئے گئے تھے اس لئے معاف ہیں۔ علامہ عینی نے اس قسم کی باتوں سے بیزاری ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وحاشا شعر النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام من	نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا موئے مبارک اس سے برتر ہے۔ قائل
ذلک وکیف قال ھذا وقد قیل بطہارۃ فضلاتہ	نے یہ کیسے کہدیا حالانکہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضلات
فضلا عن شعرۃ الکریمۃ۔	مبارکہ کو پاک کہا گیا ہے چہ جائیکہ موئے مبارک۔

اس کے بعد فضلات مبارکہ کی طہارت پر استدلال کرتے ہیں فرمایا۔ اس بارے میں بکثرت احادیث وارد ہیں کہ صحابۂ کرام نے جسم اقدس سے نکلے ہوئے مبارک خون کو پیا۔ مثلاً ابوطیبہ حجام اور قریش کے ایک بچے نے اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے جیسا کہ بزار، طبرانی، حاکم، بیہقی، ابونعیم نے روایت کیا ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی پیا ہے۔ نیز

ت ۲۸ وَقَالَ الزُّهْرِيُّ إِذَا وَلَغَ فِي أَنَاءٍ لَيْسَ لَهُ وَضُوْءٌ غَيْرُهُ يَتَوَضَّأُ بِهِ

زہری نے کہا جب کتا برتن میں منھ ڈال دے اور اس کے سوا وضو کے لئے پانی نہ ہو تو اسی سے وضو کرے

ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے، بول مبارک پیا۔ جیسا کہ حاکم، دار قطنی، طبرانی، ابونعیم نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابورافع کی زوجہ، سلمیٰ نے، غسالہ مبارک پیا۔ تو حضور نے فرمایا اللہ نے تیرے بدن کو آگ پر حرام فرمادیا۔ بحث کے اخیر میں حضرت علامہ عینی کی غیرت ایمانی کو جوش آگیا۔ فرماتے ہیں۔

انا نعتقد انہ لایقاس علیہ غیرہ وان قالوا غیر ذلک فاذنی عنہ صماء۔

ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کسی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا اور اگر کوئی اس کے علاوہ کچھ اور کہے تو اسکے سننے سے میرا کان بہرا ہے۔

فضلات مبارکہ کی طہارت امتی کے اعتبار سے ہے۔ خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں طاہر نہیں۔

اجزاء انسانی سے انتفاع جائز نہیں انسان کے بال وغیرہ کی طہارت کے احناف قائل ہیں۔ مگر انسان کے کسی جزء سے انتفاع کو ناجائز کہتے ہیں۔ مثلاً بال کی رسیاں بٹ کر ان میں جانور باندھا جائے۔ اس میں انسان کی تحقیر ہے۔ فقہاء نے تحریر فرمایا۔ کہ حجامت اور خط بنوانے کے بعد بال ناخن بے حرمتی کی جگہ نہ پھینکے جائیں۔ کہیں دفن کر دیئے جائیں۔

تشریحات ۲۸ ۲۹

سفیان ثوری ابوعبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق۔ ان کو ثوری اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے اجداد میں ایک شخص ثور نام کا گزرا ہے۔ یہ کبار تبع تابعین میں سے ہیں۔ اپنے وقت میں جملہ علوم و فنون خصوصاً حدیث و فقہ کے امام تھے۔ یہ ان چھ اصحاب مذہب ائمہ مجتہدین میں سے ہیں جن کے مذہب کا اتباع کیا گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے مذہب پر تھے[1]۔ بہت عابد، زاہد، مرتاض بزرگ تھے۔ ان کی جلالت قدر، ان کا وفور علم، ان کی دین میں پختگی، ان کا تفقہ، ان کا ثقہ ہونا متفق علیہ ہے۔ ان کے تلمیذ حضرت سفیان بن عیینہ نے بیان کیا۔ کہ ایک بار ہمیں صبح کا کھانا اور عمدہ دودھ پلایا۔ اس کے بعد فرمایا۔ چلو دو رکعت شکرانے میں نماز پڑھیں۔ ابن وکیع بھی تھے انھوں نے کہا اگر ہمیں حلواء بادام کھلاتے تو تراویح پڑھنے کو کہتے[2]۔ سلطان وقت مہدی نے انھیں بھی حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ عہدۂ قضا سپرد کرنے کو بلایا۔ یہ بھاگ گئے۔ مہدی کے کارندے ہمیشہ انھیں تلاش کرتے رہے بالآخر بدقت تلاش کر کے مہدی کے پاس لائے۔ مہدی نے عہدۂ قضا کا پروانہ لکھ کر دیا۔ یہ پروانے کر دربار سے نکلے اور باہر آکر اسے دریائے دجلہ میں پھینک دیا اور غائب ہو گئے ہر چند تلاش کی گئی مگر نہیں ملے[3]۔ اسی حالت غیوبت ۱۶۱ھ میں

---

[1] وفیات الاعیان ص ۳۸۶، جلد دوم [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۳۸۹

ت ۞ وَقَالَ سُفْيَانُ هٰذَا الْفِقْهُ بِعَيْنِهٖ لِقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا

اور سفیان ثوری نے کہا اور یہی قرآن مجید سے سمجھ میں آتا ہے اللہ عزوجل کے اس ارشاد سے کہ فرمایا پھر پانی نہ پاؤ تو تیمم کرو۔

بصرہ میں وفات پائی۔ رات میں عشاء کے وقت دفن ہوئے۔ ان کی پیدائش ۹۵ھ یا ۹۶ھ یا ۹۷ھ میں ہوئی تھی۔ کوفے کے باشندے تھے۔ حضرت امام اعظم کے معاصرین میں سے ہیں۔ ابن عاصم نے کہا کہ یہ امیرالمومنین فی الحدیث ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا میں نے گیارہ سو شائخ سے حدیثیں لکھیں مگر ان میں سفیان سے افضل کوئی نہ تھا۔ یہ حدیث میں تدلیس کرتے تھے۔

توضیح باب یہاں امام بخاری نے باب کے تین اجزاء کئے ہیں۔ ایک جسم سے جدا ہونے کے بعد انسان کے بال کا حکم، دوسرے کتوں کے جھوٹے کا حکم، تیسرے انکے مسجد میں گزرنے کا حکم، اس تیسرے جزء کا حاصل یہ ہوا کہ کتے کا بال جسم سے جدا ہونے کے بعد نیز اس کا جسم پاک ہے یا ناپاک؟۔

مناسبت ان تینوں مسائل کو وضوء سے یہ مناسبت ہے کہ اگر انسان یا کتے کا بال پانی میں گر جائے یا کتا پانی میں منھ ڈال دے تو پانی پاک ہے یا ناپاک اس سے وضو درست ہے یا نہیں۔ اسکے پہلے باب یہ تھا کہ جب نماز کا وقت آجائے اور پانی نہ ہو تو پانی تلاش کیا جائے۔ اگر وضو کرنے کے قابل پانی مل جائے تو وضو کرکے نماز پڑھی جائے۔ اس باب میں کچھ ایسی چیزیں بیان کیں جن کی طہارت اور نجاست کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے اگر یہ چیزیں پانی میں پڑ جائیں تو وہی اختلاف پانی میں بھی ہوگا۔ تلاش کے بعد اگر ایسا پانی ملا جس میں ان تین چیزوں میں کوئی ایک یا دو یا تینوں پڑی ہوں تو کیا حکم ہوگا جو لوگ طہارت کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک اس پانی کے ہوتے ہوئے تیمم درست نہ ہوگا۔ جو نجاست کے قائل ہیں ان کے نزدیک تیمم کرنا ضروری ہوگا۔

غایت باب ظاہر ہے کہ جب ان چیزوں کی طہارت و نجاست میں اختلاف ہے تو اس کا بیان کرنا ضروری تھا۔ تاکہ ناظرین کو امام بخاری کی رائے معلوم ہو جائے۔ اگرچہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہاں امام بخاری کی رائے واضح طور پر ظاہر نہ ہو سکی۔ انسان کے بال کے سلسلے میں تو ظاہر ہو گیا کہ وہ اس کی طہارت کے قائل ہیں۔ مگر کتے اور کتے کے جھوٹے کے بارے میں بات صاف نہیں ہوئی۔ اس باب سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی رائے یہ ہے کہ کتا اور اس کا جھوٹا پاک ہے۔ ورنہ اس باب کے تینوں اجزاء میں مناسبت نہیں رہے گی اس لئے کہ وہ انسان کے بال کو پاک مانتے ہیں۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ وہ کتے کو اور اس کے جھوٹے کو ناپاک مانتے ہیں تو انتہائی بے تکی بات ہوگی۔ نیز حضرت زہری کے قول کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ وہ بالکل بے محل ہوگا اس لئے کہ ان کے قول سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کتے کا جھوٹا پاک مانتے ہیں۔ غرضکہ یہ باب ظاہر کر رہا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک کتا اور اس کا لعاب پاک ہے۔ اور اس کے بعد باب باندھا کہ جب کتا برتن میں منھ ڈال دے۔ اس کے تحت یہ حدیث لائے کہ اس صورت میں برتن کو سات بار دھوئیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ کتے کے لعاب کو ناپاک مانتے ہیں۔ اس لئے کتے کے لعاب کے بارے میں ان کی قطعی رائے کیا ہے وہ مشتبہ رہ گئی۔ ہماری اس تقریر سے صاحب فیض الباری کا یہ ادعا بھی ساقط ہو گیا کہ امام بخاری کتے کے جھوٹے کو ناپاک مانتے ہیں۔ اور مصنف ایضاح البخاری کا

وَھٰذَا مَاءٌ وَفِی النَّفْسِ مِنْهُ شَيْءٌ يَتَوَضَّأُ بِهٖ وَيَتَيَمَّمُ عه

اور یہ پانی ہے۔ اور اس سے دل میں کچھ کھٹک ہے۔ اس پانی سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی کرے۔

(۱۳۶) حدیث۔ التبرك بشعر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عَنِ ابْنِ سِيرِيْنَ قَالَ قُلْتُ لِعَبِيْدَةَ عِنْدَنَا مِنْ شَعْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت محمد بن سیرین نے عبیدہ سے کہا ہمارے پاس نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ موئے مبارک ہیں۔

یہ دعوی بھی باطل ہوگیا کہ امام بخاری کتے کے لعاب کو پاک مانتے۔

ہاں کتے کے بال اور کتے کے جسم کے بارے میں البتہ یہ بات ظاہر ہے کہ امام بخاری کے نزدیک یہ دونوں پاک ہیں جیسا کہ احناف اور جمہور کا مذہب ہے۔ برخلاف امام شافعی کے کہ وہ ہر جانور کا بال جو جسم سے جدا ہو جائے ناپاک مانتے ہیں۔ امام مالک کتے کے جھوٹے کو پاک مانتے ہیں۔

اس تعلیق سے معلوم ہوا کہ حضرت امام زہری کے نزدیک کتے کا جھوٹا پاک ہے۔ اور حضرت سفیان ثوری کے نزدیک مشکوک ہے اگرچہ آیہ کریمہ "فلم تجدوا ماء فتیمموا" سے ان کا استدلال یہ بتا رہا ہے کہ وہ بھی کتے کے جھوٹے کو پاک مانتے ہیں۔ اسلئے کہ اس پر اجماع ہے کہ اس آیت میں ماء سے مراد پاک پانی ہے۔ اسلئے اس آیت سے کتے کے جھوٹے سے وضو درست ہونے پر استدلال اسی وقت درست ہوگا جب کہ وہ اسے پاک مانیں۔ لیکن بعد میں جو یہ تشریح کردی کہ اس پانی کے بارے میں مجھے تردد ہے۔ اس سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی کرے۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ سفیان ثوری اسے مشکوک مانتے ہیں۔

تشریحات (۳۶) (۱۳۷)

عبیدہ بن عمرو، یا قیس بن عمرو سلمانی مُرادی کوفی جلیل القدر تابعی ہیں۔ ان کو زمانۂ جاہلیت بھی ملا۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال سے دو سال پہلے ایمان لائے۔ مگر زیارت نہ کرسکے۔ علم و فضل میں قاضی شریح کے ہم پلہ تھے۔ جب قاضی شریح کو کوئی اشکال پیش آتا توان کو لکھتے۔ ۷۲ھ یا ۷۳ھ میں وصال ہوا۔

ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان کا نام نامی، زید بن سہل بن الاسود نجاری ہے۔ یہ ان منتخب روزگار افراد میں سے ہیں جو بیعت عقبہ سے لے کر تمام مشاہد میں حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ مخصوص و معتمد اصحاب میں سے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے عقد کرلیا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عه مصنف ولید بن مسلم۔

أَصَبْنَاهُ مِنْ قِبَلِ أَنَسٍ أَوْ مِنْ قِبَلِ أَهْلِ أَنَسٍ فَقَالَ لَأَنْ تَكُونَ عِنْدِي شَعَرَةٌ

جسے ہم نے حضرت انس یا حضرت انس کے اہل سے حاصل کیا ہے۔ عبیدہ نے کہا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک

مِنْهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا

بال میرے پاس ہو یہ مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔

کے عہد خلافت میں مدینے ہی میں وصال فرمایا۔ حضرت عثمان نے نماز جنازہ پڑھائی۔ سن وصال ۳۲ھ ہے۔

تکمیل حجۃ الوداع میں حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب، رمی جمرہ اور قربانی سے فارغ ہوئے تو حلاق کو بلایا۔ اور پہلے داہنی طرف منڈوایا۔ اور حضرت ابوطلحہ کو بلاکر عطا فرمایا۔ اور فرمایا اسے لوگوں میں تقسیم کر دو انھوں نے ایک ایک دو دو بال تقسیم کر دیئے پھر بائیں جانب منڈواکر انھیں کو عنایت فرمایا۔ انھوں نے اپنی زوجہ حضرت ام سلیم کو دیا۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انھیں خوشبو میں رکھنا[1]

حلاق کون تھے اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ معمر بن عبد اللہ تھے یہی صحیح ہے جیسا کہ امام بخاری نے خود ذکر فرمایا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ خراش بن امیہ تھے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ انھوں نے حدیبیہ کے موقع پر سر اقدس مونڈا تھا۔

(۱) چونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیر پرورش تھے، حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی والدہ تھیں ان حضرات سے موئے مبارک حضرت انس کو ملا۔ اور ان سے حضرت محمد بن سیرین کو۔ اس تعلق کی بنا پر کہ والد سیرین حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

(۲) حضرت امام بخاری کا مقصود اس حدیث کے لانے سے یہ ہے۔ کہ ان احادیث سے ثابت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک سر اقدس سے جدا ہونے کے بعد بھی پاک ہیں۔ اگر وہ پاک نہ ہوتے تو نہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انھیں حضرت ابوطلحہ کو دیتے اور نہ تقسیم کرنے کو فرماتے۔ اور نہ صحابہ بطور تبرک رکھتے اور نہ عبیدہ یہ تمنا کرتے کہ ایک موئے مبارک میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔ جب حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک پاک تو تمام انسان کے بھی بال پاک ہیں

مسائل (۱) حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک کو بطور تبرک رکھنا ان سے برکت حاصل کرنا درست ہے۔ اس حدیث کے علاوہ دوسری روایتیں اس سلسلے میں بکثرت ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔ کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ موئے مبارک اپنی ٹوپی میں رکھتے تھے۔ اس ٹوپی کو پہن کر لڑائی میں جاتے اور اس سے مدد طلب کرتے۔ جنگ یمامہ میں یہ کلاہ مبارک

[1] مسلم۔ باب السنۃ یوم النحر ان یرمی ثم ینحر ثم یحلق ص ۴۲۱ صحیح ابو عوانہ و مسند امام احمد۔

۱۲۸ حدیث۔ ایضا

عَنِ ابْنِ سِيرِيْنَ، عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا حَلَقَ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب (حجۃ الوداع میں)

رَأْسَهُ كَانَ أَبُوْ طَلْحَةَ أَوَّلَ مَنْ أَخَذَ مِنْ شَعْرِهِ

سر اقدس منڈوایا تو ابوطلحہ ہی پہلے وہ شخص ہیں جنھوں موئے مبارک لیا۔

۱۲۹ حدیث۔ اذا شرب الکلب فی الاناء

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

گرگئی۔ اس پر حضرت خالد نے بہت سخت حملہ کر دیا۔ جس میں کئی صاحب شہید ہو گئے۔ اتنا سخت حملہ ان کے ساتھیوں کو ناپسند ہوا۔ اس پر حضرت سیف اللہ نے فرمایا۔ میں نے اتنا سخت حملہ ٹوپی کی قیمت کی وجہ سے نہیں کیا ہے بلکہ اس میں موئے مبارک تھے مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ کہیں مشرکین کے ہاتھ نہ لگے لہ ۲ موئے مبارک کی طرح جن چیزوں کو حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت ہوان کو بھی بطور تبرک رکھنا ان سے برکت حاصل کرنا درست ہے ۳ علماء اور مشائخ نائبان رسول ہیں۔ اس لئے ان کے بال، لباس وغیرہ متعلق اشیاء سے برکت حاصل کرنا درست ہے ۴ مردوں کو سر کا منڈانا سنت یا کم از کم مستحب ہے ۵ احرام سے باہر آنے کے لئے سر منڈانا بہ نسبت بال کتروانے کے افضل ہے ۶ اپنے دوستوں، خادموں کو عطیات دینا سنت ہے ۷ ایسے عطیات میں برابری ضروری نہیں ۸ جو شخص تقسیم کرے اسے زیادہ دیا جا سکتا ہے ۹ سر منڈانے یا کتروانے میں سنت یہی ہے کہ داہنی طرف سے پہلے صاف کرائے۔ یہی احناف کا مذہب مختار ہے جیسا کہ شامی وغیرہ میں ہے ۲ہ

تشریحات ۱۲۹

تکمیل مسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے دوسرے طرق سے بجائے "شرب" کے "ولغ" ہے۔ اور یہی حضرت ابوہریرہ کے جمہور تلامذہ سے مروی ہے۔ شرب کی روایت پر یہ اعتراض بھی پڑتا ہے۔ کہ شرب فی کے ساتھ متعدی نہیں ہوتا بلاواسطہ حرف جر متعدی ہوتا ہے۔ علامہ عینی نے اس کا یہ جواب دیا کہ چونکہ شرب یہاں ولغ کے معنی کو متضمن ہے۔ اسلئے اس کا فی کے ساتھ تعدیہ درست ہے۔ شرب کے معنی محض پینا ہے۔ اور ولغ کے معنی برتن میں منھ ڈال کر زبان سے پینا ہے۔ یہ کتوں

لہ عینی جلد سوم صٰ۲، ۲ہ جلد دوم ص۲۴۲۔

اور درندوں کے ساتھ خاص ہے۔ مسلم میں پوری حدیث یہ ہے:۔ جب کتا تمہارے برتن سے پی لے تو اس کی پاکی اسے سات بار دھونا ہے اور پہلی بار مٹی سے۔ اور بلی منہ ڈال دے تو صرف ایک بار دھونا ہے۔ علاوہ مسلم کے یہ تفصیل ابو داؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔ امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا اور امام ابو داؤد نے کہا کہ یہاں "بلی" کا ذکر موقوف ہے۔

(۱) یہ حدیث احناف اور جمہور کی مستدل ہے کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے۔ اگر ناپاک نہ ہوتا تو ایسے برتن کو دھونے کا وہ بھی سات بار حکم نہ ہوتا۔ اس کا جواب کچھ لوگوں نے یہ دیا کہ یہ دھونا نظافت کے بطور ہے۔ لیکن جو احادیث کی روح سمجھتے ہیں وہ اپنی حس سلیم سے یقین کریں گے کہ اس برتن کے دھونے کا حکم نظافت کے بطور نہیں۔ ناپاکی دور کرنے کے لئے ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا۔ کہ اس کے علاوہ مسلم شریف کی یہ روایت کہ فرمایا۔

طہور اناء احدکم اذا ولغ الکلب فیہ ان یغسلہ سبع مرات [1] — جب کتا تمہارے برتن میں منہ ڈال دے تو اس کی پاکی سات بار دھونا ہے۔

یہ نص صریح ہے اس پر کہ کتا برتن میں منہ ڈال دے تو برتن ناپاک ہو جاتا ہے۔ اس سے ثابت کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے نیز مسلم میں انھیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت یہ ہے۔ کہ اگر کتا برتن میں منہ ڈال دے تو برتن میں جو کچھ ہو اسے گرادو۔ کتے کے منہ ڈالنے کے بعد بھی اگر وہ پاک ہوتا تو اس کا پھینکنا اضاعت مال ہوتا جو حرام ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ وہ ناپاک ہو گیا۔ اس کا عموم اس کی دلیل ہے کہ ہر کتے کا جھوٹا ناپاک ہے۔ خواہ پالتو ہو، چھٹا ہوا، شکاری ہو یا غیر شکاری۔ شہری ہو یا دیہاتی۔ جنگلی ہو یا اہلی۔ مالکیوں کے اس بارے میں چار مذہب ہیں۔ کتے کا جھوٹا پاک ہے۔ ناپاک ہے۔ مطلقاً۔ بضرورت جو پالا گیا ہو اس کا جھوٹا پاک ہے بقیہ کا ناپاک۔ شہری کا پاک۔ جنگلی دیہاتی کا ناپاک۔

(۲) خطابی نے کہا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کتے کی زبان ناپاک ہے۔ جب زبان ناپاک جو اس کا جزء ہے تو اس کے بدن کے تمام اجزاء زبان کی طرح ناپاک ہیں۔ اس لئے کتے کے بدن کا کوئی جز کسی چیز سے چھو جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گی۔ **اقول**:۔ اس حدیث سے ثابت یہ ہوا کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے۔ اور جوٹھے کی نجاست اس کے لعاب کے ناپاک ہونے کی وجہ سے ہے لعاب زبان ہی کے ذریعہ باہر آتا ہے اس لئے لعاب لگنے کی وجہ سے زبان ناپاک ہوئی۔ زبان بذاتہ ناپاک نہیں۔ جسم کی کسی رطوبت کے ناپاک ہونے سے جسم کے عین کا نجس ہونا لازم نہیں۔ زیادہ سے زیادہ وہ حصہ جہاں نجاست ہے ناپاک ہوگا۔ جیسے پیشاب نجس ہے۔ اس کی نجاست سے مثانہ وقضیب بھی ناپاک ہوتے ہیں۔ تو کیا مثانے اور قضیب کے پیشاب سے نجس ہو جانے کو پورے جسم کی

---

[1] جلد اول ص ۱۳۶

قَالَ اِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي آنَاءِ اَحَدِكُمْ

جب کتا تمھارے برتن میں پی لے تو اسے

نجاست پر دلیل بنایا جاسکتا ہے ۔ اگر نہیں اور ضرور نہیں تو لعاب لگنے سے کتے کی زبان کے نجس ہو جانے پورے جسم کے نجس ہونے کو دلیل بنانا کیسے درست ہے ۔

(۳) کرمانی نے کہا چونکہ کتا نجس العین ہے ۔ اس لئے اس کا بیچنا خریدنا جائز نہیں ۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے :۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن ثمن الکلب ومھر البغی وحلوان الکاھن ۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت اور زنا کے معاوضہ اور کاہن کی اجرت سے منع فرمایا ۔

دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا :۔

ان ثمن الکلب من السحت کتے کی قیمت مال حرام ہے ۔

علامہ عینی نے اس کا جواب یہ دیا ۔ کہ چونکہ کتے سے شرعًا انتفاع جائز ہے ۔ گھر ، مویشی ، کھیت کی حفاظت کا کام اس سے لینا جائز ہے ، شکار کرنا جائز ہے تو اس کی بیع بھی درست ہے ۔ شکار کی اجازت قرآن مجید سے ثابت ہے ۔ ارشاد فرمایا :۔

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ ۔ مائدہ رکوع (۲) اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھالیا اور انھیں شکار پر چھوڑ دیا ۔

حفاظت کے لئے یا شکار کے لئے پالنے کی اجازت متعدد احادیث میں بھی وارد ہے ۔ یہ ارشاد ابتداء کا ہے ۔ جب حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مطلقا کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا تھا ۔ جیسا کہ مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا ۔ یہاں تک کہ اگر کسی عورت کے ساتھ دیہات سے کوئی کتا آتا تو ہم اسے بھی قتل کر دیتے بعد میں گھر ، کھیت ، مویشی کی حفاظت کے لئے کتے پالنے کی اجازت ملی تو ان کا استثناء کر دیا گیا ۔ **اقول** :۔ علامہ کرمانی کے استدلال کی بنیاد اس پر ہے کہ کتا نجس العین ہے ۔ اور ہمیں یہی تسلیم نہیں ۔ اس لئے ان کا استدلال ساقط ۔

(۴) میں نے علماء سے سنا ہے کہ موجودہ دور میں خوردبین سے یہ معلوم ہوا کہ کتے کے لعاب میں مضر جراثیم ہوتے ہیں ۔ جو پانی میں مل کر برتن سے چپک جاتے ہیں ۔ تجربے سے ثابت ہوا کہ بغیر سات بار دھوئے ہوئے دور نہیں ہوتے ۔ چھ بار بھی دھو کر دیکھا تو یہ جراثیم موجود تھے ۔ اسی حدیث کی بنا پر امریکے کا ایک ڈاکٹر مشرف باسلام ہو گیا ۔ کہ تمام دنیا مادی وسائل کے باوجود صدیوں تک جس کا پتہ نہ چلا سکی وہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی غیب بین نظروں سے دیکھا اور دنیا کو اس کے ازالے کی ترکیب بھی بتادی ۔ یہ بات اگر صحیح ہے تو سات بار دھونے کا حکم ان جراثیم سے بچنے کے لئے بطور حفظان صحت طبّا ہے ۔ یہ تشریعی حکم نہیں ۔ حضرات مالکیہ اپنی صفائی میں یہ کہہ سکتے ہیں ۔ مگر ہم مسلم شریف کی روایت سے ثابت کر آئے ہیں کہ کتے کے منہ ڈالنے سے برتن میں جو ہوتا ہے وہ ناپاک

فَلْیَغْسِلْهُ سَبْعًا ؏

سات بار دھوؤ۔

ہو جاتا ہے۔ تو مطلقاً دھونے کے حکم کو طبی نقطۂ نظر سے نہیں کہہ سکتے۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ سات بار عدد کی تعیین طبی نقطۂ نظر سے ہے رہ گیا دھونے کا حکم تو یہ تشریعی ہے۔

تقریباً تمام طرق میں یہی ہے کہ "سات بار" دھونے کا حکم دیا۔ اسی پر شوافع کا عمل ہے۔ احناف طہارت کے لئے تین بار دھونا کافی سمجھتے ہیں البتہ سات بار دھونے کو مستحب۔

احناف کی دلیل اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ ہے۔ جسے دار قطنی نے بروایت حسن روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا۔

اذا ولغ الکلب فی الاناء فاھرقہ ثم اغسلہ ثلث مرات۔ — جب کتا برتن میں منھ ڈال دے تو اسے پھینک دو۔ اور برتن تین بار دھوؤ۔

امام طحاوی نے یہ فتویٰ نقل کرنے کے بعد فرمایا۔ کہ اپنی مروی حدیث کے خلاف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ دینا اس کی دلیل ہے کہ انھیں اس حدیث کے منسوخ ہونے کا علم ہوگیا تھا۔ ورنہ لازم آئے گا کہ وہ حدیث کے خلاف فتویٰ دیکر عادل نہ رہے۔ اس طرح ان کی تمام مرویات ناقابل اعتبار ہو جائیں گی۔ اور یہ احتمال کہ یہ فتویٰ دیتے وقت انھیں حدیث مذکور یاد نہ رہی ہو۔ ملنکہ اس ارشاد سے باطل کہ فرمایا پھر میں کچھ نہیں بھولا۔ علاوہ ازیں ابن عدی نے کامل میں بطریق کرابیسی تین بار دھونے کی روایت مرفوعاً کی ہے۔ جس میں تصریح ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب کتا برتن میں منھ ڈال دے تو اسے گرادو۔ اور برتن تین بار دھوؤ۔ اس سے حضرت ابو ہریرہ کے فتویٰ کی توثیق ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں تین بار اور سات بار دھونے کی روایتوں میں تطبیق کی صرف یہی صورت ہے کہ تین بار دھونے کو واجب قرار دیا جائے اور سات بار کو مبالغہ پر۔ اور اگر سات بار دھونے کو واجب قرار دیں تو تین بار والی حدیث متروک ہو جائے گی۔ کرابیسی پر کچھ جرحیں کی گئی ہیں۔ ان سب کے علامہ عینی نے شافی جوابات دیئے ہیں۔ علاوہ ازیں امام طحاوی نے ایک اور معارضہ پیش فرمایا ہے۔ کہ مسلم شریف وغیرہ صحاح میں عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں یہ ہے ؎

وعفروہ الثامنۃ بالتراب[۱] — آٹھویں بار مٹی سے مانجو۔

جو جواب وہ اس کا دیں گے وہی جواب ہمارا ہوگا۔

؏ مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ نے کتاب الطہارۃ میں موطا

[۱] جلد اول صـ۱۸،

(۱۲۹) حدیث۔ ان رجلا رأی کلبا یاکل الثری

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا۔ ایک شخص نے ایک

رَجُلًا رَأٰی کَلْبًا یَاْکُلُ الثَّرٰی مِنَ الْعَطَشِ فَاَخَذَ الرَّجُلُ خُفَّهٗ فَجَعَلَ یَغْرِفُ لَهٗ

کتے کو دیکھا کہ پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے تو اس شخص نے اپنے موزے کو لیا اسمیں پانی بھر کر) اس کے کے منہ

جناب مولانا انور شاہ کشمیری نے فیض الباری میں فرمایا۔ کہ سات بار دھونے کا حکم ابتداء میں اس وقت تھا جب مطلقاً کتوں کو مار ڈالنے کا حکم تھا پھر جب اس میں تخفیف ہوئی اور شکاری و محافظ کتوں کو پالنے کی اجازت دی گئی تو کتے کے جھوٹے برتن کے دھونے کے حکم میں بھی تخفیف کر کے بجائے سات کے تین بار کر دیا۔

مگر اس توجیہ کو مسلم کی وہ حدیث رد کر رہی ہے۔ جو عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ کہ فرمایا۔

امر رسول الله صلی الله تعالیٰ علیہ بقتل الکلاب ثم رخص فی کلب الصید وکلب الغنم وقال اذا ولغ الکلب فی الاناء فاغسلوہ سبع مرات وعفروہ الثامنة بالتراب[1]

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ پھر شکاری اور مویشی کے کتے کی اجازت دی اور فرمایا جب کتا برتن میں منھ ڈال دے تو اسے سات بار دھوؤ۔ اور آٹھویں بار مٹی سے مانجو

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سات بار دھونے کا حکم اس وقت بھی دیا جب شکاری اور محافظ کتے کی پالنے اجازت دی۔

تشریحات (۱۲۹)

تکمیل بخاری کے دوسرے ابواب میں یہ حدیث یوں ہے۔ ایک شخص کہیں جا رہا تھا۔ اسے سخت پیاس لگی تو یہ ایک کنوئیں میں اترا۔ اور اس کا پانی پیا۔ نکلا تو دیکھا ایک کتا سخت پیاس کی وجہ سے ہانپ رہا ہے اور نم مٹی چاٹ رہا ہے۔ اس شخص نے (اپنے جی میں) کہا۔ جس حال کو میں پہنچ گیا تھا یہ بھی اسی حال کو پہنچ گیا ہے۔ پھر کنوئیں میں اترا۔ اور اپنے موزے کو پانی سے بھر کر منھ میں دبا لیا۔ اور چڑھ کر باہر آیا۔ اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ عزوجل نے اسے قبول فرمایا اسے بخش دیا۔ لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے میں ثواب ہے۔ فرمایا ہر تر جگر (والے) میں اجر ہے۔ کتاب الانبیاء ذکر بنی اسرائیل میں ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی ایک بدکار زناکار عورت کا واقعہ ہے۔

---

[1] جلد اول ص۱۳۷۔ نسائی ص۲۲۔ ابو داؤد مصری ص۱۳۔

بِهٖ حَتّٰى اَرْوَاهُ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهٗ فَاَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ ؏

چلوسے ڈالتا رہا۔ یہاں تک کہ کتے کو سیراب کردیا۔ اللہ عزوجل نے اسے قبول فرمالیا اور اسے جنت میں داخل فرما دیا۔

مطابقت باب اس حدیث کی باب سے مطابقت میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا گیا ہے کہ اس شخص نے موزے سے کتے کو پانی پلایا۔ اس کی ظاہر صورت یہی ہوگی کہ کتے کے سامنے پانی سے بھرا ہوا موزہ رکھا ہوگا کتے نے اس میں منھ ڈال کر پیا ہوگا۔ اگر کتے کا جھوٹا ناپاک مانا جائے تو لازم آئے گا کہ موزے میں بچا ہوا پانی اور موزہ ناپاک ہوگیا۔ یہ تجنیس ظاہر ہے جو عاقل سے مستبعد ہے۔ اس پر علامہ عینی اور علامہ ابن حجر دونوں نے یہ تعقّب کیا۔ یہ ضروری نہیں کہ اس شخص نے اسی طریقے سے پانی پلایا ہو۔ ہوسکتا ہے اس نے کسی چھوٹے گڑھے میں پانی ڈال دیا ہو جس سے کتے نے پی لیا ہو۔ اس کا بھی امکان ہے کہ موزے یا چلو سے اس کے منھ میں ڈالا ہو اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ کتے نے موزے میں منھ ڈال کر پیا تو یہ کہاں تصریح ہے کہ اس شخص نے بچے ہوئے پانی کو خود استعمال کیا یا پھر موزے کو نہیں دھویا۔ ہوسکتا ہے کہ بچے ہوئے پانی کو پھینک دیا ہو۔ موزے کو دھولیا ہو۔

اقول: یہ احتمال دیگر ابواب کی روایت میں نکل سکتا ہے جن میں "فسقی الکلب" ہے۔ مگر یہاں جو لفظ مذکور ہے۔ اس میں یہ احتمال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ یہاں تو صاف لفظ "فجعل یغرف له به" ہے یغرف کے معنی چلو میں پانی لینے کے ہیں۔ تو یہ روایت متعین کررہی ہے کہ اس شخص نے موزے سے چلو میں پانی لے کر کتے کو پلایا۔ باب سے مطابقت کا ایک پہلو جو نکلتا تھا وہ بھی اس روایت میں نہیں۔ اور ایک روایت دوسرے کی تفسیر ہوتی ہے تو جن روایتوں میں فسقی ہے ان میں بھی متعین کہ یہ پانی پلانا، چلو۔ کے ذریعہ تھا۔

مولانا فخر الدین شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند نے ایضاح البخاری میں ثریٰ کا ترجمہ، کنویں کی نم مٹی کیا ہے۔ ثری کو کنویں کی نم مٹی کے ساتھ خاص کرنا غلط ہے۔ علامہ عینی نے لکھا:۔ وھو التراب الندی۔ وقاله الجوھری وصاحب الغریبین وفی المحکم الثری التراب وقیل التراب الذی اذابل یصیر طینا لازبا، وفی مجمع الغرائب، اصل الثری الندی۔ فتح الباری میں بھی قریب یہی ہے۔ عمدۃ القاری میں تیسرا قول غلط چھپ گیا ہے۔ اذابل ولم یصر طینا لازبا ہے۔ انھیں کی جماعت کے ایک فرد نے مصباح اللغات میں "ثریٰ" کا ترجمہ نمناک مٹی کیا ہے۔

مسائل (۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر حیوان کے ساتھ بھلائی موجب اجر ہے۔ بشرطیکہ وہ موذی نہ ہو۔ اس کی تائید اس

؏ ایضا۔ کتاب المساقاۃ فضل سقی الماء ج ۱ ص ۳۱۸، کتاب المظالم، الآبار علی الطرق ج ۱ ص ۳۳۲، کتاب الادب، رحمۃ الناس والبہائم ص ۸۸۹ ج ۲۔ کتاب الانبیاء، ما ذکر عن بنی اسرائیل ج ۱ ص ۴۹۲، مسلم کتاب الحیوان، ص ۲۳۷، ابو داؤد کتاب الجہاد۔

⑬٠ حدیث - کانت الکلاب تقبل وتدبر فی المسجد

حَدَّثَنِیْ حَمْزَۃُ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ کَانَتِ الْکِلَابُ تُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِی الْمَسْجِدِ فِیْ

حضرت عبداللہ بن عمر کے صاحبزادے حمزہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں کتے

زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یَکُوْنُوْا یَرُشُّوْنَ شَیْئًا مِنْ ذٰلِکَ

مسجد میں آتے جاتے تھے۔ مگر لوگ مسجد میں کہیں پانی نہیں چھڑکتے تھے۔

سے بھی ہوتی ہے کہ فرمایا:۔

الراحمون یرحمھم الرحمٰن ارحموا علی من فی الارض یرحمکم من فی السماء لہ
رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے زمین والوں پر رحم کرو آسمان کا مالک تم پر رحم فرمائے گا

② بطور تقابل یہ نکلا کہ بہائم کو ستانا ناجائز و گناہ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت نے بلی پکڑ کر باندھ لیا۔ اسے نہ کھانے کو دیا نہ پینے کو۔ وہ تڑپ تڑپ کر مرگئی اس کی وجہ سے وہ جہنم میں گئی۔

③ پالتو جانوروں کا بھی نفقہ واجب ہے۔

تشریحات ⑬٠

تکمیل ابوداؤد میں پوری حدیث یہ ہے۔ میں نوجوان غیر شادی شدہ تھا مسجد میں سوتا تھا۔ کتے مسجد میں پیشاب کرتے۔ آتے جاتے مگر لوگ مسجد کے کسی حصے پر پانی نہیں چھڑکتے تھے۔

① جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شادی ہوگئی تو پھر وہ گھر سونے لگے۔

② امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ کتے پاک ہیں اور ان کا لعاب بھی پاک ہے۔ اس لئے کہ کتے اگر ناپاک ہوتے تو انھیں مسجد میں کبھی بھی آنے نہیں دیا جاتا۔ نیز کتے جب چلتے ہیں تو زبان منھ سے باہر نکال کر چلتے ہیں۔ اس لئے ان کے منھ سے لعاب کا گرنا اغلب ہے۔ اگر ان کا لعاب ناپاک ہوتا تو انھیں مسجد میں نہیں آنے دیا جاتا۔

اتنی بات تو صحیح ہے کہ کتا نجس العین نہیں۔ مگر یہ کہ اس کا لعاب بھی پاک ہے۔ یہ اس حدیث سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اولاً یہ ضروری نہیں کہ وہ مسجد میں گزرتے وقت لعاب ضرور ہی ٹپکائیں۔ اور مسجد اصل میں پاک تھی محض شبہ سے ناپاک نہ ہوگی۔ ثانیاً جب حدیث ۱۲۵ سے صراحۃً ثابت ہوگیا کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے تو محض ایک احتمال موہوم سے اس کی طہارت ثابت نہ ہوگی۔ ثالثاً ابوداؤد و اسمٰعیل ابونعیم بیہقی کی روایت میں تقبل وتدبر سے پہلے "تبول" بھی ہے۔ کیا کوئی صاحب اس کی ہمت کرسکتے ہیں

لہ ابوداؤد، کتاب الطہارت، طہور الارض اذا یبست۔ ص۶۰ مصری، لہ مشکوٰۃ ص۴۲۳ بحوالہ ابوداؤد و ترمذی۔

(۱۳۱) حدیث ۔ صید الکلب

عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ قَالَ

عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا تو فرمایا جب تم اپنے

اِذَا اَرْسَلْتَ کَلْبَکَ الْمُعَلَّمَ فَقَتَلَ فَکُلْ وَاِذَا اَکَلَ فَلَا تَاْکُلْ فَاِنَّمَا اَمْسَکَ عَلٰی نَفْسِہٖ

سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑو۔ اور اس نے مار ڈالا تو شکار کھاؤ اور جب خود کھالے تو نہ کھاؤ اس لئے کہ اب معلوم ہوگیا کہ اس نے

کہ کبدیں کے کا پیشاب بھی پاک ہے۔

بات اصل یہ ہے کہ زمین پر اگر نجاست گرے اور وہ سوکھ جائے تو پاک ہوجاتی ہے۔ چونکہ مسجد اقدس کی زمین سوکھ کر پاک ہوجاتی تھی۔ اس لئے اس پر پانی نہیں ڈالتے تھے۔ یہی حدیث اس کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ کتے کا پیشاب بالاتفاق ناپاک ہے۔ اور کتے مسجد میں پیشاب کرتے تھے۔ اگر سوکھنے سے یہ حصہ پاک نہ ہوجاتا تو لازم آئے گا کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام مسجد کو ناپاک رہنے دیتے تھے اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ فرمایا۔

زکوۃ الارض یبسہا[1] زمین کی پاکی اس کا سوکھنا ہے

مولانا فخر الدین صاحب نے ایضاح البخاری میں اس مضمون کی ایک حدیث ابو داؤد کے حوالہ سے نقل کی ہے طہارۃ الارض یبسہا مجھے یہ حدیث ابو داؤد میں نہیں ملی اگر کوئی صاحب پتہ بتادیں تو مشکور رہوں گا۔

(۳) یہ واقعہ ابتداء کا ہے جب کہ مسجد میں دروازے نہیں تھے۔ اس پر ابو داؤد وغیرہ کی روایت کا یہ اگلا حصہ دلیل ہے۔ جس میں راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نوجوان غیر شادی شدہ تھا۔ مسجد میں سوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کتوں کے آنے جانے، پیشاب کرنے کی بات انھیں ایام کی کر رہے ہیں۔ اس لئے بلاشبہ یہ ابتداء کا قصہ ہے۔ علامہ عینی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ھذا الذی ذکرہ البخاری معلقا۔ لیکن ہمیں اس کا معلق ہونا کچھ میں نہیں آیا۔ اس لئے کہ خود علامہ عینی نے احمد بن شبیب کو شیخ بخاری تسلیم کیا ہے۔

تشریحات (۱۳۱)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ عرب کے مشہور و معروف سخی حاتم طائی کے صاحبزادے تھے۔ یہ اور ان کا پورا قبیلہ نصرانی تھا۔ سنہ ھ میں ایمان لائے۔ ان کے ایمان لانے کا واقعہ یہ ہے کہ جب ان کے قبیلے پر حملہ ہوا۔ تو یہ بھاگ نکلے۔ اور روم کے کسی

---

[1] ہدایہ۔ مصنف ابن ابی شیبہ و مصنف عبدالرزاق باختلاف اللفظ

قُلْتُ أُرْسِلُ كَلْبِيْ فَأَجِدُ مَعَهُ كَلْبًا آخَرَ قَالَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ

اپنے لئے شکار کیا تھا۔ میں نے عرض کیا۔ میں اپنے کتے کو چھوڑتا ہوں۔ لیکن کبھی شکار کے پاس دوسرا کتا بھی موجود۔

شہر میں چلے گئے۔ ان کی بہن گرفتار ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ وہ اخلاق کریمانہ دیکھ کر ایمان سے مشرف ہوئیں۔ پھر اپنے بھائی عدی کے پاس گئیں۔ اور انھیں لو آئیں اور وہ بھی دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے۔ وصال اقدس کے بعد فتنۂ ردت میں یہ ثابت قدم رہے۔ اور اپنے قبیلے کی زکوٰۃ وصول کر کے حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں لاکر پیش کر دیا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت سرگرم حامی تھے۔ تمام مشاجرات میں ان کے ساتھ رہے۔ جمل صفین سب میں شریک تھے۔ ایک روایت ہے کہ جب حضرت عثمان ذوالنورین شہید ہوئے تو انھوں نے کہا۔ لا ینتطح فیہ عنزان اس بارے میں کوئی معمولی بھی لڑائی نہ ہوگی۔ دو مینڈھے بھی نہیں لڑیں گے۔ جنگ جمل میں یہ حضرت علی کے ساتھ تھے اس میں ایک آنکھ جاتی رہی۔ ایک بار حضرت معاویہ کے یہاں گئے تو حضرت معاویہ نے ان سے کہا ھل نطح عنز کیا مینڈھے نے سینگ مارا۔ تو انھوں نے برجستہ کہا نعم التیس الاکبر۔ ہاں بہت بڑے بوک نے۔ اخیر میں کوفہ جا بسے تھے۔ وہیں یا قرقیا میں مختار بن عبید کذاب کے زمانے میں ایک سو بیس یا ایک سو اسی سال کی عمر پا کر جاں بحق ہوئے۔ ان سے چھیاسٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ تین متفق علیہ ہیں۔ اور دو افراد مسلم۔ ۳۔

تکمیل عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ میں نے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بغیر پر کی تیر کے بارے میں پوچھا تو فرمایا اگر شکار کو اس کی دھار لگے تو کھاؤ اور اگر تیر کا عرض کھوٹ لگے تو نہ کھاؤ اس لئے کہ یہ وقیذ ہے یعنی جسے لاٹھی وغیرہ سے مار ڈالا جائے۔ حضرت عدی کہتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ کتوں سے شکار کرتے ہیں۔ فرمایا جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتوں کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑو تو یہ جو شکار پکڑ کر مار ڈالیں اسے کھاؤ۔ اور اگر شکار میں سے کچھ خود کھالیں تو نہ کھاؤ۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ کتے نے اپنے لئے شکار کیا تھا۔ پھر حضرت عدی نے عرض کیا۔ میں اپنے کتے کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑتا ہوں مگر کبھی شکار کے پاس دوسرا کتا بھی موجود پاتا ہوں یہ نہیں معلوم کہ کس کتے نے شکار کیا ہے۔ فرمایا۔ اب مت کھا۔ تو نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی دوسرے کتے پر نہیں۔

وجہ مطابقت امام بخاری نے اس سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے۔ اگر ناپاک ہوتا تو یہ بھی ضرور حکم دیتے کہ جہاں لعاب لگا ہے اسے پھینک دو یا دھو لو۔ لیکن یہ استدلال یوں تام نہیں کہ عدم ذکر، ذکر عدم نہیں۔ شکار کے زخم پر خون ضرور لگا ہوتا ہے جو دم مسفوح اور ناپاک ہے۔ اس کے بھی دھونے کا حکم نہیں دیا۔ یہاں عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصود صرف کتے کے شکار کی حلت و حرمت ہے۔ سوال کے مطابق جواب ارشاد فرمایا۔ رہ گئی کتے کے جوٹھے کی نجاست خون کی ناپاک کی طرح دوسرے دلائل سے ثابت اور معلوم ہے نہ اس کے بارے میں سوال ہے نہ اس سلسلے میں کچھ ارشاد فرمایا۔

وَلَا تُسَمِّ عَلٰى كَلْبٍ اٰخَرَ ؏

پاتا ہوں۔ فرمایا۔ اب مت کھا۔ تونے بسم اللہ اپنے کتے پر پڑھی ہے نہ کہ دوسرے کتے پر۔

مسائل ① جانوروں کی ذکاۃ۔ یعنی کھانے کے لئے پاکی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک اختیاری جیسے ذبح، دوسرے اضطراری۔ اس کی ایک صورت شکار ہے۔ خواہ انسان کسی دھار دار آلے، نیزے، تیر سے وحشی جانور کو اتنا زخمی کردے کہ وہ مر جائے یا شکاری سدھائے ہوئے جانور اسے زخمی کرکے مار ڈالیں۔ اور ان دونوں صورتوں میں ذبح کا موقع نہ ملے۔ ایسے شکار کھانے حلال ہیں۔ اس کے جواز کی چار شرطیں ہیں۔

اول :۔ شکاری جانور سدھایا ہوا ہو۔ کتے، چیتے، درندوں کے سدھائے جانے کی علامت یہ ہے کہ تین بار شکار کرے اور شکار میں سے کچھ نہ کھائے۔ شکرے، باز، شکاری پرندوں کے سدھائے جانے کی نشانی یہ ہے کہ شکار پر چھوڑنے کے بعد بلانے پر فوراً واپس آجائیں۔

دوم :۔ جانور کو شکار پر چھوڑنے والا مسلمان یا اہل کتاب میں سے ہو۔ مشرک، مجوسی، دھریئے، مرتد نے چھوڑا تو حرام۔ جانور نے خود شکار نہ کیا ہو بلکہ اسے شکار پر چھوڑا گیا ہو۔

سوم :۔ ارسال یعنی چھوڑنے کے وقت بسم اللہ پڑھا ہو۔ اور اگر بھول کر بسم اللہ نہیں پڑھا تو حلال ہے۔ اور یاد ہوتے ہوئے قصداً نہیں پڑھا تو حرام۔

چہارم :۔ شکاری جانور نے شکار پکڑنے کے بعد اس میں سے کچھ کھایا نہ ہو۔ اگر ان چار شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہوگی تو شکار حرام ہو جائے گا۔

② حدیث کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کے کتے کا شکار درست ہے اگرچہ وہ کالا ہو۔

③ عند الضرورت شکار کرنا جائز ہے۔ مثلاً بیچنے کے لئے، خود کھانے کے لئے، لہو و لعب کے لئے ممنوع۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ کل لهو المومن باطل الا ثلث۔

④ شکاری جانور کی بیع و شراء جائز ہے۔

تم الجزء الاول ويليه الجزء الثاني انشاء الله تعالىٰ

؏ ایضاً۔ کتاب البیوع تفسیر الشبہات ج۱ ص۲۷۶، کتاب الصید والذبائح اذا اکل الکلب الصید اذا غاب عنه۔ اذا وجد مع الصید کلباً آخر۔ ما جاء فی التصید ص۸۲۳ ج۲، مسلم، ابو داؤد، باب الصید،

(۲۸) ت

وَقَالَ عَطَاءٌ فِي مَنْ يَّخْرُجُ مِنْ دُبُرِهِ الدُّوْدُ اَوْ مِنْ ذَكَرِهِ

اور عطا نے کہا جس کے پائخانے کے مقام سے کیڑا یا پیشاب کے مقام سے

تشریحات (۲۸)

وضو کے کچھ احکام بیان کرنے کے بعد، کچھ نواقض وضو کا بیان شروع فرمایا؛

ہمارا اور شوافع کا اختلاف اس پر ہمارا اور شوافع وغیرہ کا اتفاق ہے کہ سبیلین (پیشاب پائخانے کے مقام) سے جو چیز نکلے وہ ناقض وضو ہے۔ خواہ وہ معتاد ہو جیسے پیشاب، پائخانہ یا غیر معتاد جیسے کیڑا، خون، پیپ۔ البتہ اگر پیشاب کے مقام سے ہوا یا کیڑا نکلے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ سبیلین کے علاوہ جسم کے کسی اور حصے سے اگر نجاست نکلے مثلاً خون، پیپ، تو وہ ناقض وضو ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ ہمارے یہاں ناقض وضو ہے بشرطیکہ بہہ کر ایسی جگہ پہنچ جائے جس کا وضو یا غسل میں دھونا فرض ہے۔ شوافع کے یہاں ناقض وضو نہیں۔ امام بخاری کا بھی یہی مسلک ہے۔ اسی لئے انھوں نے یہ باب باندھا۔ من لم یر الوضوء الامن المخرجین۔ دلیل میں یہ آیۂ کریمہ نقل فرمائی؛

اَوْجَاءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ۔ (مائدہ ۵۔) یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت سے آیا،

وجہ استدلال امام بخاری کا استدلال یہ ہے کہ وضو یا تیمم کا حکم اس صورت میں دیا گیا ہے کہ کوئی قضاء حاجت سے آئے۔ قضاء حاجت میں سبیلین سے نجاست نکلتی ہے۔ اسی لئے صرف سبیلین سے خارج شدہ نجاست ناقض ہوگی، تو معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ اور کوئی چیز ناقض وضو نہیں۔

ہمارا جواب ہمارا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں کوئی کلمۂ حصر نہیں جس سے یہ مستفاد ہو کہ اس کے علاوہ اور کوئی چیز ناقض وضو نہیں۔ یہ آیت دلیل ہے تو صرف اس بات کی کہ پیشاب پائخانہ ناقض وضو ہیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز ناقض وضو نہیں، اس آیت کی اس پر کوئی دلالت نہیں۔

ثانیاً نیز حصر کا قول خود امام بخاری اور شوافع کے خلاف ہے اس لئے کہ یہ لوگ سبیلین سے غیر معتاد چیز کے نکلنے کو ناقض وضو کہتے ہیں، حالانکہ اس آیت کی غیر معتاد چیزوں پر دلالت نہیں، اس لئے کہ غائط کے عرفی معنی، پائخانے کے ہیں اور ہر پائخانے کے ساتھ پیشاب کا نکلنا لازم ہے تو آیت کی دلالت یہ ہوئی کہ پیشاب اور پائخانہ ناقض وضو ہے۔ اور جب آپ حصر کے قائل ہیں تو مخرجین سے پیشاب پائخانہ کے علاوہ نکلی ہوئی کوئی چیز ناقض وضو نہ ہوئی۔

ثالثاً لازم آئے گا کہ مذی بھی ناقض وضو نہ ہو اس لئے کہ یہ نہ پیشاب ہے نہ پائخانہ۔

نحو القملة يعيد الوضوء

جوئیں کے مثل نکلے وہ وضوء لوٹائے

رابعاً شوافع مس ذکر کو بھی ناقض وضوء مانتے ہیں حالانکہ آیت کے کسی لفظ کی دلالت اس پر نہیں۔ جب آیت میں حصر نہیں تو دوسرے دلائل سے جب غیر سبیلین سے نکلی ہوئی چیزوں کا ناقض وضو ہونا ثابت تو اسے ماننا لازم ہے۔

(۱) ہماری دلیل یہ حدیث ہے جو زیلعی نے کامل ابن عدی کے حوالے سے نقل کی ہے کہ فرمایا:

الوضوء من كل دم سائل

ہر بہنے والے خون سے وضوء ہے۔

(۲) نیز ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی فرمایا:

من اصابه قیئ او رعاف او قلس او مذى فلينصرف وليتوضأ وليبن على صلوته وهو فى ذلك لا يتكلم۔ [۱]

جس کو قے آئے یا نکسیر پھوٹے یا منھ میں کھانا یا پانی آجائے یا مذی نکلے تو وہ نماز چھوڑ کر وضو کرے اور پچھلی نماز پر بنا کرے اگر اس درمیان بات نہیں کی ہے تو۔

بر بنائے تحقیق یہ حدیث مرسل ہے مگر جمہور اور ہمارے یہاں مرسل حجت ہے۔

(۳) علاوہ ازیں بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، سات باتوں سے وضو لازم ہے۔ پیشاب سے، منھ بھر قے سے، کروٹ پر سونے سے، نماز میں قہقہہ لگانے سے، خون بہنے سے۔

پھر آیت مذکورہ پر جب نظر دقیق ڈالی جاتی ہے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ناقض وضو نجاست کا نکلنا ہے۔ وضو توڑنے میں سبیلین کو دخل نہیں، خروج نجاست کو ہے۔ جو نجاست کہیں سے بھی نکلے ناقض ہوگی۔ اور یہی مذہب اکثر صحابہ کرام کا ہے، اکثر فقہا کا ہے کہ سبیلین کے علاوہ بھی اگر کہیں سے خون نکلے تو وہ ناقض وضو ہے۔ اور جب خون ناقض وضو ہے تو جو خون سے بھی زیادہ گندی و نجس ہے وہ بدرجۂ اولیٰ ناقض وضو ہوگی۔ مثلاً پیپ، زرد پانی (پنچھا)

لامستم النساء - امام شافعی اس سے ہاتھ سے چھونا مراد لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک عورت کو ہاتھ سے چھونا ناقض وضوء ہے۔ اس پر قیاس کرکے، یہ بھی فرماتے ہیں کہ عضو تناسل چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ علت یہ بتاتے ہیں کہ عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹنے کا سبب یہ ہے کہ عورت کے چھونے سے اسی طرح عضو تناسل چھونے سے بھی شہوت پیدا ہوتی ہے، اور شہوت مذی نکلنے کا سبب ہے اور کبھی سبب مسبب کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے، جیسے نیند بذات خود ناقض وضو نہیں مگر ریح خارج ہونے کا سبب ہے اس لئے اسے ناقض وضو ٹھہرا دیا گیا، اور یہی وجہ ہے کہ نیند مطلقاً ناقض وضو نہیں صرف وہیں

---

[۱] ابن ماجہ ماجاء فی البناء علی الصلوٰۃ ص۸۷

صورتوں میں ہے جبکہ استرخاء مفاصل ہو۔ اس لئے کہ اس صورت میں ہوا کا نکلنا اغلب ہوتا ہے۔

احناف کا جواب احناف یہ کہتے ہیں کہ "لامستم" میں لمس سے مُراد ہاتھ سے چھونا نہیں بلکہ یہ جماع کے معنی میں ہے حضرت فاروق اعظم، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت ابن عباس، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت عطاء، حضرت طاؤس، حضرت حسن بصری، حضرت شعبہ، حضرت ثوری، حضرت اوزاعی، حضرت شعبی، حضرت عبدۃ السلمانی، حضرت عبیدۃ الیحیٰی رحمہم اللہ کے نزدیک بھی اس آیت میں لامستم سے جماع مراد ہے۔ خود امام بخاری نے کتاب التفسیر میں اسی کو لکھا جس سے معلوم ہوا کہ ان کا بھی یہی مسلک ہے۔

اس تفسیر کی بنا پر لامستم النساء کا تعلق غسل سے ہے اور ظاہر ہے کہ پانی نہ ملنے پر جیسے مُحدِث کے لئے تیمم کافی ہے جنب کے لئے بھی کافی ہے۔

اس تفسیر کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں مذکور ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ازواج مطہرات کو چھوتے مگر بغیر وضو کئے ہوئے نماز ادا فرماتے۔ ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبل امراۃ من نسائہ ثم خرج الی الصلوٰۃ ولم یتوضأ [1]

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواج کا بوسہ لیا پھر نماز کے لئے گئے اور وضو نہیں فرمایا۔

اُم المومنین حضرت صدیقہ ہی سے مروی ہے۔ فرماتی ہیں:

فقدت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیلۃ من الفراش فالتمستہ فوقعت یدی علی باطن قدمہ وھو فی المسجد وھما منصوبتان [2]

ایک رات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بستر سے غائب پایا۔ میں نے تلاش کیا میرا ہاتھ حضور کے قدموں پر پڑا دونوں قدم کھڑے تھے۔ حضور مسجد میں تھے۔

نیز انھیں سے مروی ہے۔ فرماتی ہیں:

ان کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیصلی وانی معترضۃ بین یدیہ اعتراض الجنازۃ حتی اذا اراد ان یوتر مسنی برجلہ۔ [3]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوتے میں اُن کے آگے ایسے لیٹی رہتی جیسے جنازہ رکھا رہتا ہے، جب وتر پڑھنا چاہتے تو مجھے اپنے پاؤں سے چھوتے۔

دوسری روایت میں ہے:

---

[1] ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مسند امام احمد۔
[2] مسلم مایقال فی الرکوع والسجود ۱۵ ص ۱۹۲۔ ابوداؤد صلاۃ۔ نسائی طہارۃ تطبیق مشرۃ النساء۔ ابن ماجہ اقامۃ۔ مسند امام احمد۔
[3] نسائی کتاب الطہارۃ ص ۳۸۔

حتی اذا اراد ان یسجد غمز رجلی فضممتها الی ثم یسجد۔

جب سجدہ کرنا چاہتے تو میرے پاؤں میں ہاتھ لگاتے تو میں سمیٹ لیتی پھر سجدہ کرتے۔

ان احادیث اور قرآن مجید میں دفع تعارض کے لئے ضروری ہوا کہ آیہ کریمہ میں لامستم النساء سے مراد جماع ہی لیا جائے۔ عضو تناسل چھونے سے وضو کے بارے میں احادیث متعارض ہیں۔ ایک حدیث میں یہ ہے:

اذا مس احدکم ذکرہ فلیتوضأ [1]

جب تم اپنے عضو تناسل کو چھوؤ تو وضو کرو۔

اس کے بالمقابل یہ بھی ہے کہ حضرت طلق کہتے ہیں کہ ہم خدمت اقدس میں حاضر تھے ایک دیہاتی آئے اور دریافت کیا۔ وضو کرنے کے بعد اگر کوئی اپنے عضو تناسل کو چھوئے تو کیا فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا:۔

ھل ھو الا بضعۃ منہ [2]

یہ جسم ہی کا ایک جزء ہے۔

ابن ماجہ میں یہ تصریح ہے:۔

لیس فیہ الوضوء انما ھو منک

اس میں وضو نہیں یہ تیرا ایک جزء ہے

جب احادیث متعارض ہیں اور صحابہ کے اقوال بھی متعارض ہیں تو لامحالہ کسی ایک کو قیاس سے ترجیح دیں گے۔ اور قیاس اسی کو چاہتا ہے کہ مس ذکر سے وضو نہ ٹوٹے، جیسا کہ حضرت طلق کی حدیث میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے کہ فرمایا یہ تیرے جسم کا ایک جزء ہے، تو جس طرح دیگر اعضاء کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اسی طرح عضو تناسل کے بھی چھونے سے وضو نہیں ٹوٹیگا

اسکے علاوہ دونوں حدیثوں میں تطبیق کی بھی صورت ہے کہ ذکر مس سے وضو کا حکم ایسی صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ رطوبت نکلنے کا اندیشہ قوی ہو۔ یا یہ حکم عوام کی عادت چھڑانے کیلئے تغلیظاً دیا ہو۔ لیکن دوسری حدیث کا کوئی محمل نہیں نکل سکتا اسلئے راجح یہی ہے کہ مس ذکر سے وضو نہیں ٹوٹیگا۔

رہ گیا باعتبار سند کسی کو ترجیح دیجائے اس پر عرض یہ ہے کہ دونوں احادیث کی سندوں پر کلام ہے جو بہت طویل ہے، اور کوہ کن کاہ بیار کے مصداق ہے۔ حضرت عطا نے جو فرمایا یہی ہمارا مسلک ہے کہ سبیلین سے جو چیز بھی نکلے خواہ معتاد ہو خواہ غیر معتاد وضو ٹوٹ جائے گا جیسے کیڑا پتھری وغیرہ۔

---

[1] ابوداؤد۔

[2] ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔

ت ۲۹

قَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ إِذَا ضَحِكَ فِي الصَّلٰوةِ
حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، جب نماز میں ہنسے

تشریحات ۲۹

یہی ہمارا مذہب ہے کہ محض ضحک سے نماز فاسد ہو جاتی ہے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہنسنے کے مراتب تین ہیں۔ تبسم، مسکرانا کہ آواز نہ نکلے۔ ضحک، اس طرح ہنسنا کہ اس کی آواز خود سنے مگر بغل والا نہ سنے۔ قہقہہ، اس طرح ہنسنا کہ کم از کم بغل والا سن لے۔ تبسم سے نہ نماز فاسد ہوتی ہے نہ وضو ٹوٹتا ہے۔ ضحک سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اس لئے کہ یہ ملحق بالکلام ہے۔ وضو نہیں ٹوٹتا۔ قہقہہ سے نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے اور وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے بشرطیکہ وہ نماز رکوع، سجدے والی ہو۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ابو الملیح اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک نابینا آتے ہوئے ایک گڑھے میں گر گئے، جس پر لوگ ہنس پڑے۔ اس پر حضور نے فرمایا:-

من ضحك فى الصلوة منكم فليعد الوضوء والصلوة — تم میں سے جو نماز میں ہنسا ہو وہ وضو اور نماز کا اعادہ کرے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حدیث میں من ضحك ہے اور احناف ضحک مفسد نماز مانتے ہیں ناقض وضو نہیں مانتے۔

اقول:۔ اولاً ضحک کی تفسیر گزر چکی کہ ہنسنے میں صرف اتنی آواز نکلے کہ خود تو سن لے مگر اغل بغل والے نہ سنیں۔ یہاں صحابہ اتنے زور سے ہنسے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سن لیا تھا، جبکہ حضور امام تھے، تو یہ حقیقت میں قہقہہ تھا۔ قہقہہ پر ضحک کا اطلاق کبھی آتا ہے۔ ثانیاً یہی حدیث مسند امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ان الفاظ کے ساتھ ہے۔

فاستضحك القوم قهقهة فلما انصرف عليه السلام — اس پر لوگ قہقہہ مار کر ہنسے۔ جب حضور نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا

قال من كان منكم قهقه فليعد الوضوء والصلوة — جسنے قہقہہ لگایا ہو وہ وضو اور نماز کا اعادہ کرے۔

جن صحابی سے یہ روایت ہے وہ حضرت معبد خزاعی ہیں، ان کو شرف صحبت حاصل ہے۔ واقعۂ ہجرت میں انھیں کی ماں ام معبد نے میزبانی کی تھی۔ انھیں حضرت معبد سے حضور نے فرمایا تھا کہ اس بکری کو بلاؤ۔

اس باب میں گیارہ حدیثیں ہیں جن کی تفصیل عینی میں ہے۔ حدیث مذکور میں اگرچہ ضعف ہے مگر تعدد طرق سے مرتبۂ حسن پر پہنچ گئی ہے۔ نیز اس کی مؤید دوسری احادیث بھی ہیں جنکی تعداد گیارہ ہے جنکو علامہ عینی نے اپنی شرح میں تفصیل سے بیان فرمایا۔

اَعَادَ الصَّلٰوۃَ وَلَمْ یُعِدِ الْوُضُوْءَ [1]

تو نماز کا اعادہ کرے اور وضو نہ لوٹائے

ت (۳۰)

وَقَالَ الْحَسَنُ اِنْ اَخَذَ مِنْ شَعْرِہٖ اَوْ اَظْفَارِہٖ [2] اَوْ خَلَعَ خُفَّیْہِ فَلَا وُضُوْءَ عَلَیْہِ [3]

اور حضرت حسن بصری نے فرمایا، اگر کوئی اپنا بال یا ناخن کاٹے یا موزہ اتارے تو اس پر وضو نہیں

اس کے برخلاف شوافع قیاس پر عمل کرتے ہوئے قہقہے کو ناقض وضو نہیں مانتے۔ یہی احناف کا طرۂ امتیاز ہے کہ اگر حدیث ضعیف بھی ہوتی ہے تو اس کے مقابلے میں قیاس کو ترک کرتے ہیں۔ شوافع یہ کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام سے یہ بہت مستبعد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور میں وہ بھی نماز کی حالت میں قہقہہ لگاکر ہنسیں۔ علامہ عینی نے جواب میں فرمایا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اعراب اور منافقین بھی نماز پڑھتے تھے، ہوسکتا ہے یہ قہقہہ انھیں لوگوں نے لگایا ہو۔

چونکہ قہقہے سے وضو ٹوٹنا خلاف قیاس ہے اور جو چیز خلاف قیاس ہوتی ہے وہ اپنے مورد کیساتھ خاص ہوتی ہے۔ چونکہ یہ واقعہ رکوع سجدے والی نماز میں پیش آیا تھا اسلئے صرف رکوع سجدے والی نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹے گا، اگر کوئی نماز کے باہر قہقہہ لگائے یا نماز جنازہ یا سجدۂ تلاوت میں لگائے تو وضو نہیں ٹوٹیگا۔ نماز البتہ فاسد ہوجائیگی۔ اسلئے کہ قہقہہ ملحق بالکلام ہے۔

تشریحات (۳۰)

یہ دو تعلیقیں ہیں جن میں دو مسئلے ہیں۔ مسئلہ اولیٰ:۔ بال یا ناخن کاٹنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ البتہ ابوالعالیہ، حکم، حماد اور مجاہد کہتے ہیں کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ابن منذر نے کہا کہ اس پر اجماع ہوگیا کہ یہ ناقض وضو نہیں عطاء، شافعی، نخعی یہ کہتے ہیں کہ پورے وضو کا اعادہ تو نہیں مگر کٹے ہوئے حصے پر پانی بہائے۔

مسئلہ ثانیہ:۔ وضو میں موزوں پر مسح کرنے کے بعد موزے اُتار دئے تو وضو کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ صرف پاؤں دھو لینا کافی ہے۔ مگر مکحول، نخعی، ابن ابی لیلیٰ، زہری، اوزاعی، امام احمد، اسحٰق یہ کہتے ہیں کہ پھر سے وضو کرے۔ امام شافعی کا قول قدیم یہی ہے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ موزہ اُتارتے ہی پاؤں دھولے، اگر دیر کی تو پھر سے وضو کرے۔

---

[1] بیہقی فی المعرفۃ ابن ابی شیبہ مرفوعا۔ عینی سعید بن منصور۔ دار قطنی مرسلاً و مرفوعاً

[2] سعید بن منصور، وابن منذر،

[3] ابن ابی شیبہ،

(۳۱) ت

وَقَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لَا وُضُوْءَ اِلَّا مِنْ حَدَثٍ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ حدث کے علاوہ اور کسی چیز سے وضو نہیں

تشریحات (۳۱)

کرمانی نے کہا کہ حدث سے مراد وہ چیزیں ہیں جو سبیلین سے خارج ہوں۔ علامہ عینی نے فرمایا۔ لفظ حدث معنی کے اعتبار سے عام ہے۔ ہر ناقض وضو کو شامل ہے۔ مثلاً نیند، جنون، اغماء، امام عینی کا مقصد یہ ہے کہ اس میں غیر سبیلین سے نکلی ہوئی نجاست بھی داخل ہے۔

اقول۔ مگر اس پر ایک اشکال یہ ہے کہ متکلم اپنے لفظ کے معنی کو خوب اچھی طرح جانتا ہے اس کی بتائی ہوئی مراد کے خلاف معنی بتانا درست نہیں۔ حدیث گزر چکی جو بخاری کے صـ۲۵ پر ہے کہ حضرت ابوہریرہ سے حضر موت کے ایک شخص نے پوچھا کہ حدث کیا ہے تو فرمایا فساء او ضراط۔ ہوا کا خارج ہونا خواہ بے آواز ہو خواہ آواز کے ساتھ ہو۔

مگر اس اشکال پر ایک کے بجائے دو اشکال ہیں، ایک یہ کہ پھر لازم آئے گا کہ خروج ریح کے علاوہ کوئی چیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ناقض وضو نہ ہو حالانکہ ایسا نہیں۔ دوسرا یہ کہ ابو عبید کی روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

لا وضوء الا من حدث او صوت او ریح — حدث یا آواز یا ہوا کے سوا کسی اور چیز سے وضو نہیں۔

حدث سے ان کی تفسیر کی بنا پر جب ہوا کا خارج ہونا مراد ہے تو او صوت او ریح کہنا بے فائدہ ہوگا، لامحالہ حدث کے دو معنوں میں سے ایک مراد لینا لازم ہوگا، خارج من السبیلین، یا ہر ناقض وضو۔

حدث سے صرف خارج من السبیلین مراد لینے پر لازم آئے گا کہ نیند، بیہوشی ناقض وضو نہ ہو اور یہ صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مستبعد ہے کہ وہ صحیح احادیث کے خلاف فتویٰ دیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ حدث سے ہر ناقض وضو مراد لیا جائے۔

---

[1] اسماعیل قاضی فی الاحکام۔ ابو عبید فی کتاب الطہور۔

ت (٣٢)

وَيُذكَرُ عَن جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيهِ وَسَلَّم

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تشریحات "ت" (٣٢)

تکمیل حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ہم غزوۂ ذات الرقاع میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، ایک مشرک نے قسم کھائی کہ کسی صحابی کا خون بہائے بغیر واپس نہ ہوں گا۔ یہ لشکرِ اسلام کے پیچھے چلا۔ رات میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک گھاٹی میں اترے، فرمایا رات کو کون پہرہ دیگا۔ ایک مہاجر عثمان بن یاسر اور ایک انصاری عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پہرہ دینا اپنے ذمے لے لیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں کو گھاٹی کے دہانے پر مقرر فرمادیا، انھوں نے باری مقرر کرلی، حضرت عثمان بن یاسر سو گئے اور حضرت عبادہ بن صامت نے نماز شروع کردی وہ مشرک گھات میں تھا اس نے حضرت عبادہ کو تیر مارا، وہ تیر اُن کو لگا، انھوں نے اسے نکال دیا، اس مشرک نے مسلسل تین تیر مارے یہ ہر تیر کو نکال نکال کر پھینکتے رہے اور بدستور نماز میں مشغول رہے۔ نماز پوری کرنے کے بعد حضرت عثمان بن یاسر کو جگایا، وہ مشرک بھاگ گیا، حضرت عثمان نے جب حضرت عبادہ کو لہولہان دیکھا تو کہا، جب پہلا تیر لگا تھا تو اسی وقت مجھے کیوں نہیں جگا دیا۔ حضرت عبادہ نے کہا، میں ایک سورہ پڑھ رہا تھا، مجھے یہ بات پسند نہ ہوئی کہ اسے درمیان سے چھوڑ دیتا۔ بیہقی نے تصریح کی ہے کہ وہ سورۂ کہف پڑھ رہے تھے۔

امام شافعی کا مذہب اور اُن کی دلیل امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ سبیلین کے علاوہ اور کہیں سے خون یا نجاست نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ تیروں کے لگنے سے خون بہتا رہا اور حضرت عبادہ نماز پڑھتے رہے اگر سبیلین کے علاوہ کہیں سے خون کا نکلنا ناقض وضو ہوتا تو یہ فوراً نماز توڑ دیتے۔

احناف کا مذہب اور دلیل ہمارا مذہب یہ ہے کہ سبیلین کے علاوہ بھی کہیں سے خون یا کوئی نجاست نکلے تو وہ ناقض وضو ہے۔ ہماری دلیل فاطمہ بنت حبیش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے جسے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کی کہ فاطمہ بنت جیش خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں، عرض کیا یارسول اللہ! مجھے استحاضے کی بیماری ہے کسی وقت خون بند ہی نہیں ہوتا، کیا نماز چھوڑ دوں، فرمایا یہ حیض نہیں رگ کا خون ہے۔ جتنے دنوں حیض کی عادت تھی ان کو چھوڑ کر بقیہ دنوں نماز پڑھو۔ ہر نماز کے وقت خون دھو لو اور تازہ وضو کرو۔[1]

[1] بخاری، ترمذی وغیرہ۔

كَانَ فِي غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ فَرُمِيَ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَنَزَفَهُ الدَّمُ

غزوۂ ذات الرقاع میں تھے کہ ایک شخص کو تیر مارا گیا ان کو خون نکل آیا

فَرَكَعَ وَسَجَدَ وَمَضَى فِي صَلَاتِهِ[1]

اس کے بعد بھی انھوں نے رکوع اور سجدہ کیا اور نماز پڑھتے رہے

استحاضہ بیماری کا خون ہے۔ یہ حیض نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے ناقض وضو فرمایا۔ تو ثابت ہوا کہ جسم کے کسی حصے سے نکلنے والا خون ناقض وضو ہے۔ ہماری مستدل دوسری احادیث ت (۲۸) میں گزر چکیں۔

امام شافعی کے استدلال کا جواب اگر حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عالم استغراق میں بدن سے خون نکلنے کے بعد بھی نماز پڑھتے رہنے کو اس کی دلیل بناتے ہیں کہ سبیلین کے علاوہ اور کہیں سے خون نکلنا ناقض وضو نہیں تو لازم کہ یہ بھی کہتے کہ خون پاک ہے۔ اس لئے کہ جب خون نکلا تو بدن اور کپڑے پر بھی کافی مقدار میں لگا ہوگا اور اسی حالت میں نماز پڑھتے رہے تو لازم کہ خون بھی پاک ہے، حالانکہ امام شافعی اسے ناپاک مانتے ہیں۔

یہ کہنا کہ ہو سکتا ہے کہ خون بدن سے اس طرح ابل کر نکلا ہو کہ بدن اور کپڑے پر نہ لگا ہو. محض سخن سازی ہے اولاً اگر عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ننگے ہوتے تو اس کی گنجائش تھی۔ ثانیاً تیر بدن میں پیوست نہ ہوتا اُچھل کر دور جا پڑتا تو اس کا احتمال تھا۔ ثالثاً ابتدا میں تو خون اُبلتا ہے مگر بعد میں بہہ کر جسم پر پھیلتا ہے۔ مسلسل تین تیر کے بعد بھی خون اتنے زور سے اُبلے کہ بدن اور کپڑے پر نہ پڑے ممکن نہیں۔

ایک اشکال کا جواب اب احناف پر دو اعتراض پڑے ایک یہ کہ خون نکلنے سے وضو بھی ٹوٹ گیا اور کپڑے بھی ناپاک ہو گئے پھر حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے نماز پڑھتے رہے؟ اس کا جواب احناف یہ دیتے ہیں

اولاً حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ استغراق کے عالم میں تھے، نماز میں انھیں جو لذت مل رہی تھی اس نے اس طرف متوجہ نہیں ہونے دیا کہ خون سے کپڑا یا بدن ناپاک ہو گیا اور وضو ٹوٹ گیا۔ استغراق کے عالم میں جو افعال صادر ہوتے ہیں وہ دوسروں کے لئے دلیل نہیں ہوتے۔

ثانیاً اس کا بھی امکان ہے کہ حضرت عبادہ کو اس وقت اس کا علم نہ رہا ہو کہ خون ناپاک اور ناقض وضو ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی یہ بھی مذکور نہیں۔

---

[1] ابن اسحٰق نے مغازی میں، ابن حبان نے صحیح میں، حاکم نے مستدرک میں، ابن خزیمہ نے صحیح میں، امام احمد نے اپنی مسند میں بھی ذکر کیا ہے۔

ت (۳۳)

وَقَالَ الْحَسَنُ مَازَالَ الْمُسْلِمُوْنَ يُصَلُّوْنَ فِيْ جِرَاحَاتِهِمْ

حسن بصری نے کہا کہ مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں میں نماز پڑھتے رہے۔

ت (۳۴)

وَقَالَ طَاؤُسٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ وَعَطَاءٌ وَاَهْلُ الْحِجَازِ

طاؤس، حضرت امام محمد بن علی باقر اور عطاء اور اہل حجاز نے کہا

تشریحات (۳۳)

اولاً اس سے مراد یہ ہے کہ جب زخم سے خون نہ بہتا ہو۔ جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں انھیں امام حسن کا یہ فتوی مذکور ہے کہ وہ خون کو ناقض وضو نہیں جانتے جبتک کہ سائل نہ ہو۔ ثانیاً زخم پر پٹی بندھی ہو تو پھر زخم کی حالت میں نماز پڑھنے میں کیا حرج ہے۔ ثالثاً چلئے مان لیجئے خون بہتا ہی تھا، مگر رکتا نہ تھا جس کی وجہ سے وہ معذور تھے، تو کیا کرتے نماز قضا کر دیتے۔ جیسے مروی ہے کہ حضرت فاروق کو جب زخم لگا تو خون بہہ رہا تھا اسی حالت میں انھوں نے نماز پڑھی، سبب یہی تھا کہ خون رکتا نہ تھا، خون تھمنے کا انتظار کرتے تو نماز قضا ہو جاتی۔

تشریحات (۳۴)

حضرت طاؤس ان کا نام ذکوان ہے۔ باپ کا نام کیسان ہے۔ طاؤس لقب ہے اس لئے کہ یہ قرآن مجید بہت عمدہ پڑھتے تھے۔ اصل خطاب طاؤس القراء ہے۔ ابنائے فارس سے ہیں۔ ائمہ تابعین اور اولیاء کاملین میں سے ہیں۔ حضرت مالک بن دینار نے فرمایا، میں نے طاؤس جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ علم اور عمل دونوں میں اپنے وقت کے سردار تھے، مکے میں وصال فرمایا، سنہ وصال ۱۰۵ھ ہے۔ سات ذوالحجہ کو اس وقت وصال ہوا جبکہ یہ مکہ معظمہ حج کے لئے گئے، جنازے میں اتنی بھیڑ تھی کہ جنازہ اٹھانا مشکل ہوگیا یہاں تک کہ پولیس بلانی پڑی۔ ہشام بن عبد الملک مشہور مروانی شہنشاہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ہشام بن عبد الملک ایک بار حج کے لئے گیا تو لوگوں سے کہا کہ کسی صحابی کو بلاؤ۔ لوگوں نے بتایا کہ اب صحابی کوئی نہیں۔ تو اس نے کہا کہ کسی تابعی کو بلاؤ، لوگ امام طاؤس کو بلا لائے۔ یہ جب ہشام کی مجلس میں پہنچے تو ہشام کے فرش کے کنارے جوتے اتارے اور امیر المومنین کہہ کے سلام نہیں کیا۔ اور نہ اس کی کنیت سے پکارا ہشام کی بغیر اجازت اس کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ ہشام سے مخاطب ہو کے پوچھا اے ہشام تو کیسا ہے؟ اس پر ہشام کو سخت غصہ آیا

۱؎ مصنف ابن ابی شیبہ، ۲؎ فوائد ابی بشر المعروف با بن سمویہ، ۳؎ مصنف عبد الرزاق،

لَيْسَ فِي الدَّمِ وُضُوءٌ

کہ خون میں وضو نہیں

یہاں تک کہ انھیں قتل کرانے کا ارادہ کرلیا۔ اس پر کسی نے کہا اے امیر المومنین! اللہ اور اس کے رسول کے حرم میں یہ ممکن نہیں، اب ہشام نے حضرت طاؤس سے پوچھا۔ آخر تم نے ایسا کیوں کیا۔ امام طاؤس نے پوچھا، میں نے کیا کیا، اس پر اور تلملا گیا، اور بولا تم نے میرے فرش کے حاشیئے پر جوتا اتارا، اور امیر المومنین کہہ کے سلام نہیں کیا اور کنیت کے ساتھ مجھے خطاب نہیں کیا۔ اور میری اجازت حاصل کئے بغیر میرے برابر بیٹھ گیا اور پھر یوں کہا اے ہشام تو کیسا ہے۔ حضرت طاؤس نے جواب دیا۔ جوتے کی بات یہ ہے کہ میں روزانہ پانچ بار رب العزت تبارک وتعالیٰ کے حضور جوتا اتارتا ہوں وہ نہ غضب فرماتا نہ عتاب۔ اور امیر المومنین کے ساتھ سلام اس لئے نہیں کیا کہ ہر مسلمان تجھے امیر المومنین نہیں مانتا، میں جھوٹ بولتا؟ اور کنیت کی بات یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں انبیاء کرام علیہم السلام کا نام لے کر ان کا تذکرہ کیا ہے مگر اپنے دشمن ابولہب کا کنیت کے ساتھ۔ اور برابر بیٹھنے کی بات یہ ہے کہ میں نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث سنی ہے کہ اگر کسی جہنمی کو دیکھنا چاہو تو اسے دیکھو جو بیٹھا ہو اور لوگ اس کے اردگرد کھڑے ہوں۔

یہ جوابات سنکر ہشام نے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے تو حضرت طاؤس نے فرمایا کہ میں نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے سنا ہے کہ جہنم میں مٹکوں کے برابر سانپ اور خچروں کے برابر بچھو ہیں جو ہر اس حاکم کو ڈسیں گے جو رعایا کے ساتھ انصاف نہیں کرتا۔ یہ فرماکر اٹھے اور چلے گئے۔ [1]

حضرت امام محمد بن علی باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عنہما یہ حضرت امام زین العابدین کے صاحبزادے، ان کے علم وفضل کے وارث، اور گروہ تابعین کے سرخیل ہیں۔ ۳ صفر ۵۷ھ کو سہ شنبہ کے دن پیدا ہوئے، واقعہ کربلا کے وقت چار یا پانچ سال کے تھے۔ اکمال میں ان کی پیدائش ۵۶ھ لکھی ہے اور عمر ۶۳ سال، اس حساب سے ان کا سنہ وصال کم از کم ۱۱۹ھ ہوتا ہے۔ وصال کی تاریخ کے بارے میں دو قول ہیں۔ ربیع الاول میں وصال ہوا یا ۲۳ صفر کو۔[2] آپ کا وصال حُمَیمہ میں ہوا وہاں سے جنازہ مبارک مدینہ طیبہ لایا گیا، اور اپنے والد امام زین العابدین کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ جہاں حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار پاک ہے۔ یہیں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مدفون ہیں۔ عثمانی سلاطین نے ان تمام حضرات کے مزارات مبارکہ پر ایک قبہ تعمیر کرادیا تھا جسے نجدی درندوں نے ڈھادیا۔ مزارات کھود ڈالے۔

ان کی کنیت ابو جعفر ہے۔ صاحبزادے حضرت امام جعفر صادق کے نام پر ابو جعفر رہے۔ اور لقب باقر ہے اس لئے کہ ان کا علم

---

[1] وفیات الاعیان جلد دوم صـ۵۱ [2] ایضا جلد چہارم صـ۵۶

بہت وسیع تھا اور تبقر کے معنی توسع کے ہیں۔ عام طور پر اس لقب کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ بقر کے معنی پھاڑنے کے ہیں۔ اور جبتک کسی چیز پر مکمل قابو نہیں حاصل ہوتا اسے کوئی نہیں پھاڑ سکتا۔ چونکہ حضرت امام باقر زبردست عالم بلکہ اپنے وقت کے علماء ظاہر و باطن کے امام تھے، جملہ علوم ان کے قابو میں تھے اس لئے ان کو باقر کہا جاتا ہے۔ دوسری مناسبت یہ ہے کہ پھاڑنیوالا جس چیز کو پھاڑتا ہے ان کے اندر کے حقائق سے بھی واقف ہوتا ہے اور آپ علوم کے اسرار و دقائق کے ماہر تھے اس لئے باقر لقب پڑا۔ اپنے عہد کے باقی ماندہ صحابہ مثلاً حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور اپنے والد ماجد امام زین العابدین وغیرہ سے احادیث سنیں اور ان سے اجلہ ائمہ محدثین نے روایت کی۔ مثلاً ان کے صاحبزادے امام جعفر صادق، امام اعمش، امام اوزاعی امام ابن جریج، امام اعرج، امام عطاء، امام عمرو بن دینار، امام زہری وغیرہم۔[۲]

رافضیوں کے اعتقاد کے مطابق "ائمہ اثنا عشریہ" میں سے یہ پانچویں امام ہیں مگر یہ خود رافضیوں سے بیزار تھے۔ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ حضرات شیخین حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سارے صحابہ سے افضل تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ اہل بیت کا ہر فرد ان بزرگوں سے محبت رکھتا تھا۔[۳]

حضرت عروہ بن عبد اللہ نے ان سے دریافت کیا کہ چاندی سے تلوار کے مزین کرنے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ ارشاد فرمایا، جائز ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی تلوار کو مزین کیا تھا۔ حضرت عروہ نے پوچھا آپ انھیں صدیق کہتے ہیں یہ سنکر اپنی جگہ سے کود ے اور قبلہ کو منھ کیا اور فرمایا، ہاں صدیق ہاں صدیق ہیں۔ جو انھیں صدیق نہ کہے تو اللہ اس کی کوئی بات دنیا اور آخرت میں سچی نہ کرے۔ ایک دفعہ جابر جعفی سے کہا اے جابر! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ عراق میں کچھ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ لوگ ہمارے محب ہیں۔ اور حضرت ابوبکر و عمر کو برا کہتے ہیں۔ یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو اس کا حکم دیا ہے تم انھیں میرا پیغام پہنچا دو۔ میں ان سے بیزار ہوں، قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر مجھکو حکومت ملجائے تو میں انھیں قتل کر کے اللہ عز و جل کی قربت حاصل کروں۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت نہ ملے اگر میں ان دونوں کے لئے دعاء، استغفار و رحمت نہ کرتا ہوں۔ اللہ کے دشمن ان دونوں کے مرتبے اور افضلیت سے غافل ہیں۔ ان سے جا کے کہدو جو ابوبکر و عمر سے بیزار ہے میں اس سے بیزار ہوں۔[۴]

علم تفسیر، حدیث، فقہ سب میں یگانۂ عصر تھے۔ ان علوم میں آپ کے محیر العقول ارشادات بے شمار منقول ہیں اسی طرح حکیمانہ مقولے بھی مثلاً سلاح اللئام قبح الکلام۔ کمینوں کا ہتھیار بد کلامی ہے۔ لکل شیٔ آفۃ وآفۃ العلم النسیان، ہر شے کی کچھ نہ کچھ آفت ہے اور علم کی آفت نسیان ہے۔ ایاک والکسل والضجر فانھما مفتاح کل خبیثۃ انک اذ کسلت لم تود حقا

---

[۱] وفیات الاعیان جلد ۴ [۲] بدایہ ونہایہ جلد نہم ص ۳۰۹ [۳] ایضا [۴] البدایہ والنہایہ جلد نہم ص ۳۱۱۔

ت ۳۵

وعصر ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بثرۃ فخرج منہا الدم ولم یتوضأ[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پھنسی کو دبایا اس میں سے خون نکلا اور وضو نہیں کیا

ت ۳۶

وبزق ابن ابی اوفی دما فمضی فی صلاتہ

حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خون تھوکا اور نماز بدستور پڑھتے رہے

وان ضجرت لم یصبر علی حق۔ سستی اور بے قراری سے بچو۔ یہ دونوں ہر برائی کی کنجی ہیں۔ جب تم سستی کروگے تو کوئی حق ادا نہ کرپاؤگے اور جب بے قرار ہوؤگے تو اپنی حق تلفی پر صبر نہ کرپاؤگے[2]

حضرت امام بخاری کو اس مسئلے میں جب کوئی حدیث نہیں ملی تو اقوال تابعین کو دلیل میں پیش فرمایا، اس سلسلے کی پوری بحث گزرچکی۔ رہ گئے تابعین کے اقوال تو حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تابعی ہیں، انھوں نے فرمایا، تابعین بھی مرد ہیں ہم بھی مرد ہیں۔ وہ ہم سے مزاحمت کرتے ہیں ہم ان سے مزاحمت کرتے ہیں اس لئے اختلاف کے وقت کسی تابعی کا قول احناف کے نزدیک حجت نہیں۔ خصوصاً جبکہ احادیث متعارض ہوں اور اگر کسی صاحب کو ضد ہو کہ تابعین کا قول بھی حجت ہے تو سنئے۔ کثیر صحابۂ کرام اور اجلۂ تابعین کا یہی مذہب ہے کہ دم سائل سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

تشریح ۳۵

تاویل اس کی تاویل ہے۔ کہ یہ خون سائل نہ تھا۔ احناف دم سائل کو ناقض مانتے ہیں۔

تشریح ۳۶

حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ کا نام علقمہ ہے اور والد ماجد کا نام حارث ہے۔ باپ بیٹے دونوں صحابی ہیں انکے مشاہد میں سب سے پہلا بیعت رضوان ہے۔ اس کے بعد تمام مشاہد میں شریک رہے۔ اخیر میں کوفہ آبسے تھے۔ یہی وہ صحابی ہیں جنکا کوفے میں سب سے اخیر میں وصال ہوا۔ یعنی کم از کم ۸۶ھ میں۔ وہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم جن کی زیارت سے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف ہوئے اور ان سے احادیث سنیں ان میں سے یہ بھی ہیں۔ جس کی تفصیلی بحث مقدمہ میں گزرچکی۔

تاویل اگر تھوک میں خون نکلا اور تھوک غالب ہے تو وضو نہیں ٹوٹا۔ اگر خون غالب ہے تو وضو ٹوٹ گیا۔ غلبے کی شناخت یہ ہے کہ اگر تھوک کا رنگ زرد ہے تو تھوک غالب ہے۔ اور اگر سرخ ہے تو خون۔ اس کا احتمال ہے کہ حضرت

[1] ابن ابی شیبہ، [2] البدایہ والنہایہ ص ۳،

(۳۷) ت

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَالْحَسَنُ فِيْمَنْ اِحْتَجَمَ لَيْسَ عَلَيْهِ اِلَّا غَسْلُ مَحَاجِمِهٖ[1]

حضرت ابن عمر اور امام حسن نے فرمایا، جو سینگی لگوائے وہ صرف اتنی جگہ دھوئے جہاں سینگی لگی ہے

حدیث (۱۳۳)

لَایَزَالُ الْعَبْدُ فِی الصَّلٰوةِ مَاکَانَ فِی الْمَسْجِدِ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَایَزَالُ الْعَبْدُ فِیْ صَلٰوةٍ مَّاکَانَ فِی الْمَسْجِدِ یَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ

فرمایا بندہ اس وقت تک نماز ہی میں رہتا ہے جب تک مسجد میں بیٹھا نماز کا انتظار کرتا رہے

مَالَمْ یُحْدِثْ۔ فَقَالَ رَجُلٌ اَعْجَمِیٌّ مَا الْحَدَثُ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ قَالَ الصَّوْتُ

جبتک کہ حدث نہ کرے۔ ایک عجمی نے پوچھا اے ابو ہریرہ حدث کیا ہے فرمایا آواز

یَعْنِی الضَّرْطَةَ

کیساتھ ہوا خارج کرنا

ابن ابی اوفی نے جو خون تھوکا تھا وہ مغلوب رہا ہو۔ اس پر تھوک غالب ہو۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

تشریح (۳۷)

تاویل اس کی بھی تاویل وہی ہے کہ احناف کے یہاں جب خون اتنا نکلے کہ بہکر وہاں پہنچ جائے جس کا وضو یا غسل میں دھونا فرض ہے تو ناقض وضو ہے۔ ان دونوں، حضرات کا فتوی اس صورت میں ہے کہ خون اتنا نہ نکلا ہو جو سائل ہو صرف جہاں پچھنا لگوایا ہے وہیں اچمک کر رہ گیا ہو۔ اس لئے صرف ان جگہوں کے دھونے کا حکم دیا۔

تشریح (۱۳۳)

(۱) حدث عام ہے ہر ناقض وضو کو کہتے ہیں، مگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف ایک حدث کو بیان فرمایا۔ یہ اس وجہ سے کہ مسجد میں جو حدث ہو سکتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے۔

---

[1] ابن ابی شیبہ۔

حدیث حکم المذی (۱۳۴)

عن محمد بن الحنفیۃ قال قال علی کنت رجلا مذاء فاستحییت

حضرت محمد بن حنفیہ نے کہا۔ حضرت علی نے فرمایا مجھے مذی بہت نکلتی تھی اس کے بارے میں

(۲) اس حدیث سے نماز کے انتظار کی فضیلت ثابت ہوئی، نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ عبادت کا انتظار بھی عبادت ہے۔

(۳) حدیث میں لفظ 'مسجد' وارد ہے۔ اس سے اس کے شرعی عرفی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں اور لغوی بھی۔ کوئی کہیں بھی نماز پڑھے اور بیٹھا ہوا دوسری نماز کا انتظار کرے تو امید ہے کہ اسے بھی یہ اجر ملے گا اگرچہ وہ جگہ مسجد نہ ہو۔

تشریحات (۱۳۴)

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ابن عمرو بن ثعلبہ بہرانی، کندی، اپنے نسب کے اعتبار سے بہرانی ہیں مگر کندی سے مشہور ہیں۔ وجہ یہ ہوئی کہ ان سے اپنے قبیلہ بہراء میں ایک قتل ہو گیا تھا۔ یہ بھاگ کر کندہ میں آئے انکے حلیف بن گئے، پھر یہاں بھی ایک قتل کر ڈالا تو بھاگ کر مکہ آئے اور اسود بن عبد یغوث سے عقد محالفت کر لیا۔ ان کو چونکہ اسود نے متبنیٰ بنا لیا تھا یا یہ کہ ان کی ماں نے اسود سے شادی کر لی تھی، ان کو ابن اسود کہا جانے لگا۔ یہ قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ یہ چھٹے مسلمان ہیں۔ تمام مشاہد میں شامل رہے۔ غزوۂ بدر میں یہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالےٰ عنہما صرف دو ہی سوار تھے مدینہ طیبہ سے دس میل کی دوری پر ایک مقام جرف نامی ہے۔ یہیں ۳۳ھ میں وصال فرمایا ان کا جنازہ مبارکہ مدینہ طیبہ لایا گیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ وصال کے وقت ستر سال کی عمر تھی۔ ان سے بیالیس حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں ایک متفق علیہ ہے اور تین افراد مسلم سے ہیں۔

حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ تابعی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ ان کی والدہ محترمہ کا نام "خولہ بنت جعفر" ہے۔ جو مشہور حنفیہ کے ساتھ ہیں۔ یہ یمامہ کے مشہور قبیلہ بنی حنیف کی چشم و چراغ تھیں اس لئے ان کو حنفیہ کہا جاتا ہے۔ جنگ یمامہ کی قیدی مستورات میں سے تھیں۔ جو حضرت علی کے حصہ میں آئیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حنفیہ سندیہ خاتون تھیں جو بنی حنیف کی باندی تھیں۔ ان کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی بشارت بھی دی تھی اور اپنا نام نامی اور کنیت بھی عطا فرمائی تھی۔ جیسا کہ کتاب العلم میں گزر چکا۔

یہ علم و فضل کے ساتھ ساتھ بہت قوی اور طاقتور تھے۔ ایک بار حضرت علی نے ایک زرہ دی کہ یہ اتنی بڑی ہے اس کی کڑیاں نکال کر ٹھیک کر دو۔ انھوں نے ہاتھ سے پکڑ کر اتنا حصہ پھاڑ ڈالا۔ ایک بار قیصر روم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اپنے یہاں کے بہت بڑے پہلوان کو مقابلے کے لئے بھیجا۔ حضرت معاویہ نے حضرت

اَنْ اَسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرْتُ الْمِقْدَادَ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کرنے میں مجھے شرم آئی میں نے مقداد

بْنَ الْاَسْوَدِ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ فِيْهِ الْوُضُوْءُ ؎۱

بن اسود سے کہا انھوں نے پوچھا تو فرمایا اس میں وضو ہے

محمد بن حنفیہ کو مقابلے میں پیش کیا۔ انھوں نے اس رومی سے کہا۔ اگر تم چاہو تو بیٹھو میں تم کو کھڑا کردوں یا تم مجھے بیٹھادو۔ رومی بیٹھ گیا، انھوں نے اسے کھڑا کردیا۔ مگر وہ انھیں بیٹھا نہ سکا۔ پھر حضرت محمد بن حنفیہ بیٹھ گئے اور اسے کھڑا کیا اور فرمایا تو مجھے کھڑا کردے یا میں تجھے بیٹھادوں۔ وہ انھیں کھڑا نہ کرسکا مگر انھوں نے اسے بیٹھا دیا۔ جنگ صفین میں حضرت علی کا جھنڈا انھیں کے ہاتھ میں تھا، اسی معرکے میں مروان اُن کے ہاتھ آگیا تھا۔ اُسے پچھاڑ کر اس کے سینے پر بیٹھے کہ ذبح کردیں مگر ان سے بڑی لجاجت کے ساتھ قسم دی تو چھوڑ دیا۔ کاش کہ اس مکار کے فریب میں نہ آتے تو آج دنیائے اسلام کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت سے انکار کردیا تھا۔ انھیں کی اجازت سے مختار کذاب نے انتقام حسنین کا پروپیگنڈا کرکے جمعیت اکٹھا کی تھی۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں دو سال باقی تھے کہ یہ پیدا ہوئے اور پہلی محرم ۸۱ھ یا ۸۴ھ میں وصال ہوا۔ حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی جو اس وقت مدینہ طیبہ کے والی تھے جنت البقیع میں مدفون ہوئے ؎۲

روافض کا ایک فرقہ کیسانیہ ہے جو انھیں امام برحق مانتا ہے۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ زندہ جبل رَضوی میں اپنے مخلص چالیس اصحاب کے ساتھ چھپے ہوئے ہیں، یہی مہدی منتظر ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ کیسان مختار کذاب کا لقب ہے۔ رَضوی جُہینہ کے پہاڑ کو کہتے ہیں۔

تکمیل یہ حدیث مختلف طریقے سے مختلف الفاظ و معانی کے ساتھ مروی ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ میں نے مقداد کو بھیجا، انھوں نے پوچھا تو حضور نے فرمایا، وضو کرو اور شرمگاہ دھولو۔ نسائی میں ہے کہ میں نے اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک صاحب سے کہا۔ ترمذی میں ہے کہ میں نے خود پوچھا تو فرمایا مذی سے وضو ہے، منی سے غسل ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ مجھے مذی بہت آتی تھی جس سے میں غسل کیا کرتا تھا۔ غسل کرتے کرتے میری پیٹھ ٹوٹ گئی۔ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

؎۱ ایضاً۔ کتاب العلم۔ من استحی فامر غیرہ بالسوال ص۲۴۔ کتاب الغسل۔ غسل المذی والوضوء فیہ ص۴۱۔ مسلم کتاب الحیض ص۱۴۳۔ کتاب الطہارۃ ص۲۸۔ نسائی طہارۃ ص۱۱۱۔ مسند امام احمد۔

؎۲ یہ تفصیلات وفیات الاعیان جلد چہارم ص ۱۶۹ سے لی گئیں ہیں۔

حدیث اذا جامع ولم یمن یتوضا ء (۱۳۵)

اَنَّ زَیْدَ بْنَ خَالِدٍ اَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ سَأَلَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قُلْتُ اَرَأَیْتَ اِذَا جَامَعَ

زید بن خالد سے مروی کہ انھوں نے عثمان بن عفان سے پوچھا آپ جانتے ہیں. جب کوئی جماع کرے اور منی نہ نکلے

ے اس کو ذکر کیا تو فرمایا غسل مت کر، مذی دیکھو تو اپنے عضو تناسل کو دھو لو اور نماز جیسا وضو کرو. جب پانی (منی) نکلے تو غسل کرو. نسائی کی ایک روایت میں یہ زائد ہے کہ مجھے حضور سے سوال کرتے ہوئے شرم آئی کیونکہ حضور کی صاجزادی میری زوجیت میں تھیں. میں نے عمار سے کہا انھوں نے پوچھا. طحاوی میں بھی حضرت عمار ہی کے بارے میں ہے کہ انھیں سے پوچھنے کو کہا تھا.

تمام روایات کے آخر کا مضمون ایک ہے. الفاظ مختلف ہیں. سب کا حاصل یہ ہے کہ مذی ناقض وضو ہے. اور بعض بعض میں یہ تصریح ہے کہ عضو تناسل کو بھی دھویا جائے. جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نجس ہے. البتہ ین تعارض ہیں. ان سب میں تطبیق یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت مقداد کو بھی بھیجا ہو اور حضرت عمار کو بھی. دونوں جب دریافت کرنے حاضر ہوئے تو یہ بھی ساتھ گئے. ان لوگوں نے پوچھنے میں دیر کی تو انھوں نے ان دونوں میں سے کسی سے پھر وہاں بھی کہا، چونکہ سوال ان کی فرمائش پر ہوا تھا تو اس کو بھی اس سے تعبیر فرما دیا کہ میں نے پوچھا یعنی بواسطہ.

مسائل (۱) اس پر اجماع ہے کہ مذی ناقض وضو ہے. اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مذی ناپاک ہے (۲) اس سے ثابت ہوا کہ اپنے خسر سے اپنی زوجہ کے خاص تعلقات سے متعلق باتوں کو نہ کہا جائے. (۳) احناف اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مذی سے مطلقاً وضو ٹوٹ جاتا ہے خواہ وہ اپنی زوجہ سے ملاعبت کیوقت نکلے خواہ بغیر ملاعبت کے کسی وجہ سے یا بلا وجہ نکلے. مگر مالکیہ فرماتے ہیں کہ مذی سے وضو اسی وقت ٹوٹیگا جبکہ اپنی زوجہ سے ملاعبت کیوجہ سے نکلے ورنہ نہیں. امام قاضی عیاض نے اسکی دلیل میں مؤطا کی وہ روایت پیش کی جسمیں یہ ہے کہ حضرت علی نے یہ پوچھنے کیلئے فرمایا تھا کہ مرد جب اہل سے قریب ہو اور مذی نکل آئے تو کیا ہے. اس لئے حکم اسی صورت کیساتھ خاص ہوگا. ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم مان لیتے ہیں کہ حضرت علی نے اس مخصوص صورت کے بارے میں سوال کرنے کا حکم دیا تھا مگر حضرت مقداد کا سوال اس خاص صورت کیساتھ نہیں. انھوں نے مطلقاً مذی کے بارے میں پوچھا. جیسا کہ صحاح کی روایات میں ہے اسلئے جواب بھی مطلق رہیگا. علاوہ ازیں اعتبار خصوص مورد کا نہیں عموم لفظ کا ہوتا ہے اور لفظ عام ہے اسلئے خروج مذی کی ہر صورت کو عام ہوگا.

تشریحات (۱۳۵)

زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ. قبیلہ جہینہ کی طرف منسوب ہیں. ان کی کنیت ابو طلحہ یا ابو عبد الرحمن یا ابو زرعہ ہے یوم فتح میں قبیلہ بنی جہینہ کا جھنڈا انھیں کو عطا ہوا تھا. کوفے میں جا بسے تھے. وہیں ۷۸ھ میں وصال ہوا وہیں مدفون ہیں. بوصال

وَلَمْ يُمْنِ، قَالَ عُثْمَانُ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ وَيَغْسِلُ ذَكَرَهٗ

(تو کیا کرے) عثمان نے فرمایا نماز کے لئے جیسا وضو کرتا ہے ویسا ہی وضو کرے اور عضو تناسل دھولے

قَالَ عُثْمَانُ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عثمان نے کہا میں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے

فَسَئَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ عَلِيًّا وَالزُّبَيْرَ وَطَلْحَةَ وَاُبَيَّ ابْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ

پھر میں نے (زید بن خالد نے) حضرت علی حضرت زبیر حضرت طلحہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ

تَعَالٰى عَنْهُمْ فَاَمَرُوْهُ بِذٰلِكَ ؎

تعالیٰ عنہم سے پوچھا تو سب نے یہی حکم دیا۔

حدیث اذا قحطت فعلیک الوضوء (۱۳۶)

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ

تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْسَلَ اِلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَجَاءَ وَرَأْسُهٗ يَقْطُرُ

وسلم نے ایک انصاری کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا وہ حاضر ہوئے اور انکے سر سے پانی ٹپک رہا تھا

کے وقت عمر مبارک پچاسی سال کی تھی۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ مدینہ طیبہ میں وصال ہوا، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مصر میں۔ ان سے اکاسی حدیثیں مروی ہیں۔ پانچ بخاری نے ذکر کی ہیں۔

مسائل اس حدیث سے ثابت ہوا۔ مذی ناقض وضو ہے اگرچہ مذی کے نکلنے کا صراحۃً ذکر نہیں مگر جو صورت مذکور ہے اسے خروج مذی لازم ہے۔

تشریحات (۱۳۶)

مسائل یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ التقاء ختانین کے بعد بھی غسل واجب نہیں جبتک کہ انزال نہ ہو۔ ابتدائے اسلام میں یہی تھا۔ بعد میں صرف التقائے ختانین سے غسل واجب ہونے کا حکم ہوگیا۔ تفصیل کتاب الغسل میں آئے گی۔

باب سے مطابقت امام بخاری نے باب یہ باندھا تھا کہ جو صرف سبیلین سے نکلی ہوئی چیز سے وضو جاتا ہے اسکے دو جز ہیں۔ سبیلین سے نکلی ہوئی چیزیں ناقض وضو ہیں۔ جو چیز سبیلین سے نکلی ہوئی نہ ہو وہ ناقض وضو نہیں۔ اس کے

؎ ایضا۔ کتاب الغسل۔ غسل ما یصیب من رطوبۃ الفرج جلد ۱ ص ۴۳۔ مسلم کتاب الحیض ص ۱۵۶۔ مسند امام احمد۔

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّنَا اَعْجَلْنَاكَ فَقَالَ نَعَمْ

اس پر نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ ہمنے تم کو جلدی میں ڈال دیا۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُعْجِلْتَ اَوْ قُحِطْتَ

انھوں نے عرض کیا جی حضور! فرمایا جب تم جلدی میں ڈالدے جاؤ یا منی رک جائے

فَعَلَيْكَ الْوُضُوْءُ [1]

تو تم پر وضو ہے

حديث المسح على الخفين (۱۳۷)

عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ یہ رسول اللہ صلے اللہ

بھی دو جزر ہیں۔ ایک یہ کہ سبیلین کے علاوہ کہیں سے نکلی ہوئی کوئی چیز ناقض وضو نہیں، جیسے خون پیپ وغیرہ دوسرے یہ کہ جو بدن کے کسی حصے سے خارج نہ ہو وہ ناقض وضو نہیں، مثلاً نیند، قہقہہ۔

پہلے جزر کے اثبات میں امام بخاری نے چار حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، اتنی مطابقت کافی ہے۔ بقیہ دو جزر پر امام بخاری کو کوئی حدیث اس لائق نہیں ملی جسے یہاں درج فرماتے۔ ان دونوں جزر پر اقوال صحابہ سے استدلال فرمایا۔ بلکہ قول تابعین سے بھی۔ وہ بھی تعلیقات سے۔ یہ تعلیقات بھی از روئے اسناد ان کے معیار سے نیچے درجے کی ہیں، ورنہ ان کو مسند بیان فرماتے۔

وہ لوگ جو احناف پر اس لئے طنز کرتے ہیں کہ ہم اقوال رجال کو دلیل بناتے ہیں وہ امام بخاری سے اس حرکت سبق سیکھیں جہاں ان کو ان کے معیار کے لائق کوئی حدیث نہیں ملی وہاں انھوں نے بھی اقوال رجال ہی کو دلیل بنایا ہے۔

تشریحات (۱۳۷)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ ثقفی بزرگ ہیں، غزوۂ خندق کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ اس کے بعد کے تمام مشاہد میں شریک رہے۔ نہایت زیرک ہوشیار آدمی تھے۔ قبیصہ بن جابر نے کہا اگر کسی شہر کے اسّی دروازے ہوں اور ہر دروازے سے داخلے کے لئے حیلے کی ضرورت ہو تو مغیرہ ہر دروازے سے داخل ہو سکتے ہیں۔ مشہور ہے عرب کے چالاک چار ہیں۔ حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن عاص، حضرت مغیرہ، زیاد بن ابیہ۔

حضرت علی مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ حضرت معاویہ کو معزول کر دیں تو انھوں نے سیدھے

---

[1] مسلم، طہارۃ، ابن ماجہ۔

صَلَّى اللهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ وَأَنَّهُ ذَهَبَ لِحَاجَةٍ لَهُ وَأَنَّ
تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے حضور اپنی ایک حاجت کیلئے گئے

خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حضرت علی کو مشورہ دیا کہ آپ کوفے کا طلحہ بن عبید کو اور بصرے کا زبیر بن عوام کو والی بنا دیجئے اور معاویہ کو شام پر بدستور والی رہنے دیں۔ جب آپ کی خلافت مستقر ہو جائے تو پھر معاویہ کے بارے میں جو چاہیں کریں۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ طلحہ اور زبیر کے بارے میں غور کروں گا لیکن معاویہ کو شام پر نہیں رکھوں گا جبتک وہ اپنے حال پر رہے گا۔

حضرت امام حسن نے بھی حضرت مغیرہ کی اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت علی سے عرض بھی کیا مگر حضرت علی نہیں مانے۔[۱]

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے اس وقت جو صورت حال تھی اس کے پیش نظر یہ مشورہ بہت ہی مفید تھا۔ کاش کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے قبول فرما لیتے تو آج اسلام ہی نہیں دنیا کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ اس مشورہ کے قبول نہ فرمانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ صفین کا وہ خونی معرکہ پیش آیا جس میں پینتالیس ہزار مسلمان مارے گئے جو پوری دنیا فتح کرنے کے لئے کافی تھے۔

ان کی ذہانت کا ایک واقعہ اصابہ میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بحرین کا عامل بنایا تھا مگر وہاں کے باشندوں نے انھیں ناپسند کر دیا اور شکایت کر دی۔ حضرت عمر نے انھیں معزول کر دیا، مگر چونکہ شکایتیں غلط تھیں بحرین والوں کو خطرہ ہوا کہ کہیں حضرت عمر انھیں کو پھر نہ بھیج دیں تو انھوں نے چندہ کر کے ایک لاکھ جمع کیا اور ایک کاشتکار اسے لیکر حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا، خیانت کر کے مغیرہ نے ہمارے پاس اس کو امانت رکھا تھا حضرت عمر نے حضرت مغیرہ کو بلایا۔ ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ عرض کیا، یہ کم لایا ہے، میں نے دو لاکھ جمع کر کے اس کے پاس امانت رکھی تھی۔ یہ سنتے ہی کاشتکار کے ہاتھ سے تھیلی گر پڑی۔ اس سے حضرت عمر سمجھ گئے کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ جب اس کاشتکار سے سختی سے پوچھا قسم دلانے کی بات کی تو اقرار کیا کہ قصہ یہ تھا۔

حضرت مغیرہ ایران اور شام کے معرکوں میں شریک ہوئے، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قادسیہ کے معرکے سے قبل، افواج ایران کے سپہ سالار "رستم" کے پاس جو سفارت بھیجی تھی اس میں ایک یہ بھی تھے — شام کے سب سے بڑے اور فیصلہ کن معرکے "یرموک" میں بھی شریک تھے۔ اسی معرکے میں ایک آنکھ جاتی رہی۔

---

[۱] الاستیعاب ذکر مغیرہ بن شعبہ۔

اَلْمُغِیْرَۃَ جَعَلَ یَصُبُّ الْمَاءَ عَلَیْهِ وَهُوَ یَتَوَضَّأُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ

اور مغیرہ حضور کے اعضاء پر پانی ڈالنے لگے اور حضور وضو فرما رہے تھے حضور نے اپنے چہرے

وَیَدَیْهِ وَمَسَحَ بِرَاْسِهٖ وَمَسَحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ[1]

اور ہاتھوں کو دھویا اور اپنے سر اور موزوں پر مسح فرمایا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو پہلے بصرے کا پھر کوفے کا والی بنایا۔ اسی پر رہے یہاں تک کہ حضرت عثمان نے انھیں معزول فرمایا۔ پھر حضرت معاویہ نے انھیں کوفے پر مقرر فرمایا اور اسی منصب پر رہتے ہوئے اسی کوفے میں وصال فرمایا۔

حضرت علی اور حضرت معاویہ کے جھگڑے میں الگ رہے۔ دونوں طرف کے حکم کے فیصلہ کے وقت دومۃ الجندل بھی گئے، مگر حضرت معاویہ کی بیعت اس وقت کی جب حضرت امام حسن نے انھیں خلافت سپرد فرما دی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابو عیسیٰ رکھی تھی۔ ایک بار حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئے جب اذن طلب کیا تو حضرت عمر نے پوچھا۔ کون؟ عرض کیا، ابو عیسیٰ۔ حضرت عمر نے فرمایا کون ابو عیسیٰ۔ عرض کیا۔ مغیرہ بن شعبہ۔ فرمایا، عیسیٰ کے باپ کہاں تھے؟ فرمایا اب تمہاری کنیت ابو عبد اللہ رہے گی۔ یہی مشہور ہوئی۔ ۵۰ھ میں وصال ہوا۔

تکمیل مسلم میں اس کی تفصیل یہ ہے کہ غزوۂ تبوک میں نماز فجر سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے دریافت فرمایا، تمہارے ساتھ پانی ہے، میں نے عرض کیا ہاں ہے، یہ سنکر حضور سواری سے اُترے، مجھ سے فرمایا، چھاگل لیکر آؤ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رات کی تاریکی میں قضاء حاجت کے لئے اتنی دور گئے کہ چھپ گئے۔ فارغ ہو کر جب واپس آئے تو میں نے پانی ڈالا، حضور نے وضو فرمایا۔ حضور اس وقت تنگ آستین کا شامی جبہ پہنے ہوئے تھے۔ ہاتھ دھونے کے لئے آستین چڑھانا چاہا تو آستین چڑھ نہ سکی اس لئے جبے کی آستین نکالی اور جبے کو کاندھے پر ڈال لیا۔ پھر پیشانی یعنی سر کے اگلے حصے اور عمامے پر مسح فرمایا۔ میں نے چاہا کہ موزوں کو پاؤں سے نکال دوں تو فرمایا رہنے دو میں نے اسے وضو پر پہنا ہے۔ حضور نے موزوں پر مسح فرمایا۔ حضور بھی سوار ہوئے اور میں بھی جب لشکر میں پہنچے تو لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ عبد الرحمن بن عوف کو لوگوں نے امام بنا لیا تھا، میں نے چاہا کہ انھیں پیچھے کر کے صف میں کر دوں مگر حضور نے منع فرما دیا۔ خود عبد الرحمن کو جب

---

[1] ایضاً۔ المسح علی الخفین جلد ۱ ص ۳۳۔ کتاب الصلوٰۃ۔ الصلوٰۃ فی الجبۃ الشامیہ جلد ۱ ص ۵۲۔ الصلوٰۃ فی الخفاف جلد ۱ ص ۵۶ کتاب الجہاد۔ الجبۃ فی السفر والحرب جلد ۲ ص ۴۰۸۔ کتاب المغازی باب ۶۳۴ کتاب اللباس جلد ۱ . لبس جبۃ الصوف فی الغزو جلد ۲ ص ۸۶۳ مسلم طہارۃ جلد ۱ ص ۱۳۳-۱۳۴-۱۳۳۔ الصلوٰۃ ج ۱ ص ۱۸۰۔ ابوداود طہارۃ باب مسح علی الخفین ص ۲۳۔ نسائی باب مسح علی العمامۃ مع الناصیۃ ص ۲۹۔ باب کیف المسح علی العمامۃ ص ۳۰۔ ابن ماجہ۔ باب ماجاء فی المسح علی الخفین ص ۴۲۔

یہ احساس ہوا کہ حضور آگئے تو پیچھے ہو جانا چاہا مگر حضور نے اشارے سے انھیں بھی روک دیا۔ یہ فجر کی نماز تھی ایک رکعت ہو چکی تھی۔ حضور بھی شریک جماعت ہو گئے اور میں بھی۔ جب عبدالرحمن نے سلام پھیرا تو چھوٹی ہوئی رکعت پڑھنے کے لئے حضور کھڑے ہو گئے لوگوں نے جب حضور کو دیکھا تو گھبرائے اور بار بار تسبیح پڑھنے لگے حضور جب نماز پوری کر چکے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم لوگوں نے اچھا کیا کہ وقت پر نماز پڑھ لی۔ [1]

اس پر امام بخاری نے یہ "باب" باندھا ہے ـــ کوئی اپنے ساتھی کو وضو کرائے۔ اس کے ثبوت میں پہلے حضرت اسامہ والی حدیث ۱۰۱ ذکر کی جسمیں یہاں یہ زائد ہے کہ حضرت اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا اور حضور وضو فرماتے رہے۔ اور یہ حدیث مغیرہ بن شعبہ ذکر کی ہے اسمیں بھی وہی ہے کہ حضرت مغیرہ پانی ڈالتے رہے اور حضور وضو فرماتے رہے۔

ثبوت باب وضو میں اعانت کی تین صورتیں ہیں۔ ایک پانی لا کر پیش کرنا، اسمیں ادنی سی کراہت نہیں۔ دوسرے پانی ڈالنا یہ امت کے لئے مکروہ تنزیہی ہے یعنی خلاف اولیٰ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہیں، اس لئے کہ حضور شارع ہیں۔ بہت سے افعال حضور بیان جواز کے لئے کرتے اگرچہ وہ فی نفسہ خلاف اولیٰ ہوں۔ تیسرے یہ کہ کوئی پانی بھی ڈالے اور اعضائے وضو بھی دھوئے یا صرف اعضائے وضو ہی دھوئے، یہ ممنوع ہے۔ اگر وضو کرنے والا معذور نہیں۔ اگر معذور ہے تو کراہت نہیں۔

امام بخاری نے باب میں "یُوَضِّئُ" فرمایا ہے۔ جو تینوں صورتوں کو عام ہے۔ اور باب کے تحت مذکور حدیثوں میں اعانت کی صرف دوسری صورت بیان کی گئی ہے۔ حضرت اسامہ اور حضرت مغیرہ نے صرف پانی ڈالا تھا۔ اعضائے وضو نہیں دھوئے تھے۔ اس سے اعانت کی پہلی صورت کا جواز تو ثابت ہوتا ہے کہ جب پانی ڈالنا جائز تو وضو کے لئے پانی لانا بدرجۂ اولیٰ جائز۔ مگر تیسری صورت کا جواز ثابت نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ پانی ڈالنا بھی اعانت ہے اور اعضاء کا دھونا بھی اعانت۔ جب اعانت ثابت تو اس کے تمام افراد بھی ثابت۔ مگر یہ اس وقت صحیح ہوتا کہ ان حدیثوں میں مطلق اعانت مذکور ہوتی۔ ان حدیثوں میں مخصوص اعانت مذکور ہے اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ حکم تمام افراد کو عام ہو۔

غایت باب وضو بہ نیت قربت عبادت ہے اور عبادت کی ادائیگی میں کسی سے اعانت ممنوع اس لئے ضرورت ہوئی کہ اس کو بیان کیا جائے کہ وضو اس سے من وجہ مستثنیٰ ہے۔

ان دو حدیثوں کے علاوہ اس بارے میں اور بھی احادیث وارد ہیں۔ ابن ماجہ[2] میں رُبَیِّع بنت معوذ رضی اللہ عنہا

---

[1] مسلم طہارت جلد ا ص ۱۳۲ و جلد ا ص ۱۳۴ "صلوۃ" جلد ا ص ۱۸۰۔ [2] باب الرجل يستعين على وضوئه ص ۳۲۔

سے مروی ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے خدمت اقدس میں وضو کا برتن حاضر کیا تو حکم دیا کہ پانی ڈالو۔ تو میں نے ڈالا۔ نیز اسی میں، صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے سفر اور حضر دونوں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو کرتے وقت پانی ڈالا ہے۔ نیز اسی میں یہ بھی ہے کہ حضرت سیدہ رقیہ کی باندی، ام عیاش کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وضو کراتی، میں کھڑی رہتی اور حضور بیٹھے رہتے۔

صحابۂ کرام میں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں نے ایک بار حضرت عمر کے ساتھ حج کیا۔ میں نے چھاگل سے ان پر پانی ڈالا تو انھوں نے وضو فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی مروی ہے کہ جب یہ وضو کرتے تو عبدالرحمٰن بن ابزیٰ اور ضحاک بن مزاحم لوٹے سے پانی ڈالتے۔

چوتھائی سر کا مسح اس حدیث میں مسلم کی روایت یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "ناصیہ" پر بھی مسح فرمایا۔ ناصیہ سر کے اگلے چوتھائی حصے کو کہتے ہیں۔ اور وہاں کے بال کو بھی۔ قرآن مجید میں ہے۔

لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ [1] — ہم ضرور اسکی پیشانی کا بال پکڑ کر گھسیٹیں گے جھوٹی خطا کار پیشانی۔

ناصیہ کو فارسی میں پیشانی بھی کہتے ہیں مگر اردو میں پیشانی چہرے کے اس اوپر والے حصے کو کہتے ہیں جو بال کے نیچے اور بھوؤں کے اوپر ہے۔ اس لئے ناصیہ کا ترجمہ پیشانی سُنکر لوگ گھبرا جاتے ہیں کہ پیشانی پر مسح کے کیا معنی۔ اس سے ثابت ہوا کہ سر کے چوتھائی حصے کا مسح وضو صحیح ہونے کے لئے کافی ہے۔ یہ فرض ہے۔ سنت پورے سر کا مسح ہے۔

بعض طرق میں "وعلی عمامته" بھی ہے کہ حضور نے پیشانی اور عمامے پر مسح فرمایا بعض لوگوں نے اس کی یہ توجیہ کی کہ حضرت مغیرہ کو دیکھنے میں کچھ تسامح ہوا حضور نے سر کے مسح کے لئے عمامے کو سرکایا ہوگا مسح کے بعد عمامے کو درست کرنے میں ہاتھ عمامے پر لگا ہوگا۔ اور اس کو انھوں نے مسح سمجھ لیا۔ یہ توجیہ باطل ہے اس لئے کہ پھر احادیث سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ اس لئے کہ جب یہ ایک جگہ مان لیا کہ صحابہ کما حقہ دیکھے بغیر روایت کردیتے ہیں تو ہر حدیث میں یہ شبہ پیدا ہو جائے گا کہ ہو سکتا ہے صحابی نے اچھی طرح نہ دیکھا ہو جو انکی سمجھ میں آیا روایت کردیا۔ صحیح یہ ہے کہ واقعی حضور نے عمامے ہی پر مسح فرمایا تھا مگر جبکہ چوتھائی سر کا مسح کر لیا تھا۔ تو کوئی حرج نہیں۔

صرف عمامے پر مسح کافی نہیں احناف، شوافع اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ سر پر مسح کئے بغیر عمامے یا ٹوپی پر مسح کافی نہیں۔ اس لئے کہ قرآن کریم میں سر کے مسح کا حکم ہے [2] اور عمامے اور ٹوپی پر مسح سر کا مسح نہیں۔ نیز کسی حدیث

---

[1] ترمذی شریف تفسیر سورۂ تحریم جلد ۲ ص ۱۶۶، [2] اقرأ ۱۵،

ت (۳۸)

عَنْ اِبْرَاهِيْمَ لَا بَأْسَ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْحَمَّامِ

حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا، حمام میں قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ۔

میں یہ وارد نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف عمامے پر مسح فرمایا ہو اور سر پہ نہ کیا ہو۔ البتہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صرف عمامے پر مسح کافی ہے۔

شوافع کا استدلال اور جواب ہمارا اور شوافع کا اس پر اتفاق ہے کہ پورے سر کا مسح فرض نہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ ہمارے یہاں چوتھائی سر کا مسح فرض ہے۔ اس سے کم کافی نہیں۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ سر کے تھوڑے سے بھی حصے کا مسح کافی ہے اگرچہ ایک دو بال ہی کا ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ناصیہ پیشانی سر کا بعض ہے۔ اور بعض جیسے چوتھائی ہے ویسے ہی اس سے کم بھی۔ ہم یہ کہتے ہیں عبادات کی مقادیر غیر قیاسی ہیں۔ شارع علیہ السلام نے جس کی جو مقدار بتائی ہے اس میں کمی سے وہ وظیفہ ادا نہ ہوگا۔ ناصیہ سے کم کی کوئی روایت نہیں اس لئے "ناصیہ" سے کم مسح کرنے سے وضو نہ ہوگا۔

مسائل اس حدیث سے یہ مسائل ثابت ہوئے۔ بزرگوں سے جہاں تک ہو قریب رہنا چاہیے۔ تاکہ اگر انھیں ضرورت ہو تو تم سے مدد لے لیں، خصوصاً سفر میں بزرگوں کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ بزرگ جو بھی حکم دیں اسکی تعمیل سعادت جاننا چاہیئے۔ چھوٹے بزرگوں کے حکم کے بغیر بھی ان کی خدمت میں سبقت کریں۔ چوتھائی سر کا مسح فرض ہے۔ موزوں پر مسح جائز ہے۔ نماز میں امتی نبی کا امام ہو سکتا ہے۔ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت درست ہے۔ جب سب نمازی جمع ہو جائیں اور جماعت کا مقررہ وقت ہو جائے اور امام نہ پہنچے تو قوم کسی کو امام بنا سکتی ہے۔ یہ حکم صرف نماز پنجگانہ کیلئے ہے۔ جمعہ وعیدین کی نماز امام مقرر ہی پڑھائے یا پھر اس کا ماذون۔ جمعہ وعیدین کے اماموں پر لازم ہے کہ وہ جب کہیں جائیں تو کسی کو امام مقرر کر جائیں۔

تشریحات (۳۸)

باب کی توضیح امام بخاری نے باب یہ باندھا ہے۔ قراءۃ القرآن بعد الحدث وغیرہ۔ غیرہ میں دو روایت ہے۔ راء کو ضمہ اور کسرہ۔ راء کا ضمہ اس تقدیر پر ہے کہ اس کا عطف قراءۃ پر ہے۔ اور ہاء کو یا تو ساکن پڑھیں یا ضمہ کے ساتھ۔ اسے مابعد کی جانب مضاف نہ مانیں تو اب باب کا مطلب یہ ہوا۔ حدث کے بعد قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ کا بیان۔ وغیرہ میں قرآن مجید کا چھونا، لکھنا بھی داخل ہے اور

وَيَكْتُبُ الرِّسَالَةَ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ[1]

اور بغیر وضو خط لکھ سکتا ہے

دیگر اذکار تسبیح، تہلیل، درود شریف وغیرہ بھی۔ اصل یہ ہوا کہ حالت حدث میں تمام اذکار حتی کہ قرآن مجید کی تلاوت اس کا چھونا اس کا لکھنا بھی جائز ہے۔

غیرہ کی راء کو کسرہ پڑھنے کی صورت میں باب کو مابعد کی طرف مضاف ماننا پڑیگا۔ اب تین احتمالات ہیں۔ اول یہ کہ غیرہ کا عطف قراءت پر مانیں۔ اس کا حاصل یہی گزشتہ صورت ہے۔ یعنی حدث کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ جائز ہے۔ دوم اسے قرآن پر معطوف مانیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ حدث کیحالت میں قرآن وغیرہ کا پڑھنا۔ مثلاً وہی تسبیح، تہلیل، درود شریف۔ اس صورت میں قرآن مجید کا چھونا، لکھنا داخل نہ ہوگا۔ سوم اسے حدث پر معطوف مانیں۔ اب معنی یہ ہوئے، قرآن مجید کی تلاوت حالت حدث وغیر حدث یعنی طہارت میں کرنا مقصود یہ ہوگا کہ ہر حالت میں قرآن مجید کی تلاوت جائز ہے۔ حالت طہارت میں تو جائز ہی ہے۔ حالت حدث میں بھی جائز ہے۔ عموم حالات کے افادے کے لئے ایسے جملے عرف میں شائع و ذائع ہیں جیسے قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے فرمایا:۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا آل عمران (۴۶) گہوارے اور پکی عمر میں لوگوں سے بات کرے گا۔

پکی عمر میں تو سبھی بات کرتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ گہوارے میں بچے بات نہیں کرتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ مافوق الفطری قوت ہوگی کہ وہ گہوارے میں بھی بات کریں گے۔ اور بڑے ہونے کے بعد ادھیڑ عمر میں بھی۔ یعنی دونوں عمر میں بات کریں گے۔

اس تیسرے احتمال میں پھر دو شقیں ہیں۔ ایک یہ کہ حدث سے مراد، حدث اصغر ہو یعنی بے وضو ہونا۔ اور یہ ظاہر اس لئے کہ حدث جب مطلق بولتے ہیں تو اس سے ناقض وضو ہی مراد ہوتا ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ باوضو، بے وضو ہر حالت میں تلاوت و ذکر جائز ہے، دوسری شق یہ کہ حدث سے مراد، حدث اکبر ہو یعنی جن چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے جیسے جنبی ہونا، حیض و نفاس کی حالت۔ اب مطلب یہ ہوا کہ پاک ہونے کی حالت کی طرح حالت جنابت وغیرہ میں بھی تلاوت و ذکر جائز ہے۔ بہت سے اسلاف کا یہ مذہب ہے۔ ہو سکتا ہے امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہو۔

---

[1] سعید بن منصور۔

(۳۹) ت

وَقَالَ حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اِنْ كَانَ عَلَيْهِمْ اِزَارٌ فَسَلِّمْ وَ اِلَّا

اور امام حماد نے کہا، امام ابراہیم نے فرمایا۔ اگر وہ تہبند باندھے ہوں تو سلام کرنا

فَلَا تُسَلِّمْ ؎۱

ورنہ مت کرنا

احکام ہمارے مذہب میں جنبی اور حیض ونفاس والی عورت کو نہ قرآن مجید کی تلاوت جائز نہ چھونا جائز نہ لکھنا جائز۔ دیگر اذکار کی اجازت ہے۔ اسی طرح انھیں لکھنے کی بھی۔ بے وضو کو قرآن مجید چھونا جائز نہیں، تلاوت جائز ہے۔ دیگر اذکار بھی جائز۔ اور لکھے ہوں تو ان کا چھونا بھی جائز اگرچہ بہتر یہ ہے کہ باوضو تلاوت اور ذکر کرے، قرآن مجید لکھنے کے بارے میں دو قول ہیں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں مکروہ نہیں۔ امام محمد نے فرمایا، مکروہ ہے دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ مکروہ تحریمی اور ناجائز نہیں مگر مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ضرور ہے۔ ؎۲

باب سے مطابقت حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ حمام میں قرآن مجید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ حمام میں محدث اور جنبی دونوں جاتے ہیں تو ثابت کہ حدث اور جنابت کی حالت میں تلاوت جائز۔ اس لئے کہ حضرت ابراہیم نے کوئی تفصیل نہیں کی۔ اگر محدث اور جنبی کو تلاوت ممنوع ہوتی تو انھیں لازم تھا کہ اس کو ظاہر کر دیتے۔

حضرت ابراہیم کا دوسرا قول انھیں منصور بن سعید نے حضرت ابراہیم کا دوسرا قول یہ نقل فرمایا کہ حمام میں تلاوت مکروہ ہے۔ عبد الرزاق کی روایت میں یہ ہے کہ منصور نے اس کے بارے میں ان سے پوچھا تو فرمایا حمام تلاوت کے لئے نہیں بنائے گئے ہیں۔ اور یہی صحیح ہے یہی امام اعظم کا قول ہے ؎۳ رہ گیا بے وضو خط لکھنا تو یہ بالاتفاق جائز ہے، بشرطیکہ خط میں قرآن مجید کی آیت نہ ہو۔ اور اگر آیت ہو بھی تو حضرت ابراہیم نخعی کا مذہب یہی ہے کہ بے وضو قرآن مجید لکھنے میں حرج نہیں۔ اس زمانے میں عام دستور تھا کہ خطوط میں بسم اللہ ضرور لکھتے تھے، اور یہ قرآن مجید کی آیت ہے تو ثابت کہ بے وضو قرآن مجید کی آیت لکھنی جائز۔

اقول: بحث اس صورت میں ہے کہ قرآن مجید بہ نیت دعا وثنا نہ لکھی جائے اور اگر کوئی شخص قرآن مجید بہ نیت دعا یا ثنا پڑھے تلاوت کی نیت نہ ہو تو جنبی وغیرہ کو بھی پڑھنا جائز۔ پھر بے وضو بہ نیت دعا یا ثنا لکھنا کیوں ناجائز ہوگا اور ظاہر ہے کہ خط میں بسم اللہ بہ نیت استفتاح لکھا جاتا ہے اسلئے اس کے جواز سے مطلقا قرآن مجید کے لکھنے کے جواز پر استدلال ساقط۔

؎۱ جامع ثوری، ؎۲ درمختار جلد اول ورد المحتار جلد اول آخر باب الغسل ص ۱۱۷، ۱۱۸، ؎۳ عینی جلد ثالث ص ۶۳ -

حدیث (١٤٩)

قراءة النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم العشر الآیات الخواتم من سورۃ آل عمران بعد النوم

اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَبَّاسٍ اَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ بَاتَ عِنْدَ مَیْمُوْنَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

کریب نے کہا، مجھے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے خبر دی کہ وہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی زوجہ حضرت میمونہ

تشریحات (٣٩)

توجیہ و مطابقت مطلب یہ ہے کہ حمام میں جو لوگ نہارہے ہوں وہ اگر تہبند باندھے نہارہے ہوں تو ان کو سلام کی اجازت ہے۔ اگر ننگے ہوں تو اجازت نہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ حالت گناہ میں ہیں۔ اس تعلیق کو باب سے مناسبت یہ ہے کہ سلام از قبیل اذکار ہے، اور باب کا اخیر حصہ "وغیرہ" میں اذکار بھی شامل۔ اس طرح باب سے مطابق ہو گئی یا یہ کہا جائے کہ پہلی تعلیق میں حمام کا ذکر تھا، اس کی مناسبت سے یہ تعلیق ذکر کی۔

تشریحات (١٣٨)

یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ مگر یہاں جو روایت ہے اس میں دو باتوں کا اضافہ ہے۔ ایک یہ کہ بیدار ہونے کے بعد، خواتیم آل عمران کی تلاوت کی۔ دوسرے، مع وتر، تیرہ رکعت پڑھیں۔ اس لئے ہم نے اسے اپنی طرز کے خلاف مکرر ذکر کیا ہے۔ تفسیر میں جلد ٢ صفحہ ٦٥٧ پر اتنا زائد ہے، کہ تھوڑی دیر اپنی اہلیہ سے بات چیت کی پھر سوئے۔ جب رات کی آخری تہائی ہوئی تو اوٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف دیکھا اور پڑھا اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آخر سورہ تک دس آیتیں۔ نیز یہ بھی مذکور ہے کہ وضو میں مسواک بھی کیا۔ یہاں یہ ہے کہ اچھی طرح وضو کیا۔ اور پہلی والی روایت میں یہ ہے کہ ہلکا وضو فرمایا۔ اس وقت کتنی رکعتیں پڑھیں اس میں بھی روایتیں مختلف ہیں۔ عام روایتوں میں رکعتین رکعتین چھ بار ہے۔ تفسیر کی پہلی روایت میں ہے کہ گیارہ رکعتیں پڑھیں۔ باب یقوم عن یمین الامام بحذائہ جلد اصفحہ ٩٧ کی روایت میں یہ ہے کہ پہلے پانچ رکعتیں پڑھیں پھر وتر پڑھا وتر کے بعد دو رکعت مزید پڑھیں۔

(١) **تطبیق** یہاں مسواک کا ذکر نہیں۔ مگر فاحسن وضوءہ میں مسواک کرنا بھی داخل ہے۔ خفیف وضو کرنے اور اچھی طرح وضو کرنے میں کوئی تعارض نہیں۔ اچھی طرح وضو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مستحبات کی

وہی خالتہ، فاضطجعت فی عرض الوسادۃ واضطجع
اپنی خالہ کے یہاں رات کو رہے (انھوں نے کہا) میں بستر کی چوڑائی میں لیٹا رسول اللہ
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واھلہ فی طولھا
صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی اہلیہ لمبائی میں لیٹے
فنام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حتی اذا انتصف
رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سو گئے۔ جب

بھی رعایت فرمائی۔ اور ہلکا وضو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عام طور پر فراخی کے ساتھ پانی بہا کر جیسے عادت تھی ویسے وضو نہیں فرمایا۔ جیساکہ مسلم کی روایت میں ہے ولم یکثر وقد ابلغ۔ [1]

رہ گیا تعداد رکعت کا اختلاف یا تو تعدد واقعات پر محمول کیا جائے یا پھر یہ کہ بعض راویوں سے سہو ہوا۔

وتر تین رکعت ہے وتر کے بارے میں تعداد مذکور نہیں۔ صرف یہ کہ وتر پڑھا۔ وتر ایک رکعت پر بھی صادق اور تین رکعت پر بھی۔ اس لئے اس کو وتر کی ایک رکعت ہونے پر دلیل لانا صحیح نہیں، بلکہ راجح یہی ہے کہ تین رکعت وتر پڑھی اس لئے کہ بتیراء یعنی صرف ایک رکعت نماز پڑھنے سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود منع فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں یہی حدیث مسلم شریف[2] میں بطریق محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس یوں ہے۔ اوتر بثلث۔ حضور نے تین رکعت وتر پڑھی۔

مناسبت باب یہ ہے۔ حدث اور غیر حدث کی حالت میں قرآن پڑھنا۔ اور حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ حالت حدث میں قرآن مجید پڑھنا جائز ہے۔ رہ گیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نیند سے بیدار ہو کر تلاوت کرنا اس کو باب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے کہ انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں۔ ارشاد ہے: تنام عینی ولا ینام قلبی۔ اس لئے نیند سے یہ استدلال کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حالت حدث میں تلاوت فرمائی تھی درست نہیں۔ علامہ ابن حجر نے مناسبت پیدا کرنے کے لئے یہ نکتہ آفرینی کی۔ انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں لیکن اگر نیند کی حالت میں کوئی حدث مثلاً خروج ریح ہو تو اس کی وجہ سے وضو ٹوٹ جائیگا ہمارے اور انبیائے کرام کے مابین فرق یہ ہے کہ ہمیں وجود حدث کا علم نہیں ہوتا اور انبیاء کرام کو ہو جاتا ہے۔

علامہ عینی نے اس پر یہ تعقب کیا کہ انبیاء کرام کی خصوصیت یہ ہے کہ نیند کی حالت میں انھیں حدث لاحق نہیں

---

[1] جلد اول ص ۲۶۰، [2] جلد اول ص ۲۶۱،

اللَّيْلُ اَوْ قَبْلَهٗ بِقَلِيْلٍ اَوْ بَعْدَهٗ بِقَلِيْلٍ اِسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
آدھی رات ہوئی یا اس سے کچھ پہلے یا اس کے کچھ بعد تو رسول اللہ صلے اللہ
صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهٖ
تعالیٰ علیہ وسلم بیدار ہوئے پھر بیٹھے اور اپنے ہاتھ سے آنکھیں ملنے لگے تاکہ
بِيَدِهٖ ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْاٰيَاتِ الْخَوَاتِمَ مِنْ سُوْرَةِ اٰلِ عِمْرٰنَ
نیند کا اثر دور ہو جائے پھر سورہ آل عمران کی اخیر کی دس آیتیں پڑھیں

ہوتا۔ علامہ عینی کی یہ بات بہت پتے کی ہے۔ صرف نیند عوام کی بھی ناقض وضو نہیں۔ وہی نیند ناقض وضو ہے جسمیں استرخاء مفاصل ہوتا ہو جس سے خروج ریح کا ظن ہو۔ اصل ناقض خروج ریح ہے۔ نیند کی حالت میں اس کا احساس نہیں ہوتا تو استرخاء مفاصل کو خروج ریح کے قائم مقام مان کر ایسی نیند کو ناقض وضو قرار دیا گیا جسمیں استرخاء مفاصل ہوتا ہو۔ اس لئے انبیاء کرام کی نیند ناقض وضو نہیں، اس کا حاصل یہ ہوا کہ نیند کی حالت میں انھیں حدث لاحق نہیں ہوتا۔

علاوہ ازیں علامہ ابن حجر کی یہ بات مان بھی لی جائے تو یہ صرف ایک احتمال ہے اور احتمال مثبت مدعیٰ نہیں ہوتا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیدار ہونے کے بعد وضو فرمایا۔ یہ بھی اس کی دلیل نہیں کہ آپ کو کوئی حدث لاحق ہو گیا ہو، وضو پر وضو نور علی نور ہے۔

باب سے مطابقت کی اصل تقریر یہ ہے کہ، خود امام بخاری نے باب الدعاء اذا انتبہ من اللیل[1] میں اور امام مسلم نے مسلم شریف[2] میں یہ تصریح کی ہے کہ اس کے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٹھے اور قضاء حاجت فرمائی پھر اپنے منھ اور ہاتھوں کو دھویا اس کے بعد سوئے دوبارہ اُٹھے تو مشک سے وضو فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت باوضو نہیں سوئے تھے۔

ایضاح البخاری کا رد :- ایضاح البخاری میں مطابقت کی تقریر اپنے استاد حسین احمد صاحب ٹانڈوی سے یہ نقل کی کہ حضرت ابن عباس کہتے ہیں فصنعت مثل ما صنع جیسے حضور نے کیا تھا ویسے ہی میں نے بھی کیا۔ اور مثل میں ہر اعتبار سے برابری ہوتی ہے۔ اس لئے مطلب یہ ہوا کہ ابن عباس بھی اُٹھے، آنکھیں ملیں، تلاوت کی، وضو کیا اور ابن عباس پہلے سو گئے تھے، جیسا کہ اسی حدیث کی بعض روایتوں میں ونام الغلیم[3] وارد ہے۔ ابن عباس

[1] جلد ۲ ص ۹۳۴ [2] مسلم جلد ۱ ص ۲۶۰ [3] بخاری جلد ۱ ص ۲۲

ثُمَّ قَامَ اِلٰی شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ

پھر ایک لٹکی ہوئی مشک کے پاس گئے، اس سے خوب اچھی طرح وضو کیا پھر

قَامَ یُصَلِّیْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ

کھڑے ہوئے اور نماز پڑھنے لگے۔ ابن عباس نے کہا، پھر میں بھی اٹھا اور جیسے حضور نے کیا تھا

ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ اِلٰی جَنْبِهٖ فَوَضَعَ یَدَهُ الْیُمْنٰی عَلٰی رَاْسِیْ

میں نے بھی کیا پھر گیا اور حضور کے پہلو میں کھڑا ہو گیا حضور نے اپنا داہنا ہاتھ میرے سر پر رکھا

نے حالت حدث میں تلاوت کی، حضور نے انھیں منع نہیں فرمایا حالانکہ بائیں طرف کھڑے ہو گئے تھے تو نماز کی حالت میں انھیں داہنی طرف کر دیا تھا۔ اگر حالت حدث میں تلاوت ممنوع ہوتی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انھیں ضرور تنبیہ فرماتے۔ یہ ضرور ہے کہ ابن عباس نابالغ تھے مگر تعلیم کے لئے انھیں تلقین ضروری تھی جیسے بائیں طرف کھڑے ہونے پر فرمائی۔

اقول:۔ یہ تقریر متعدد وجوہ سے ساقط الاعتبار ہے۔ اولاً حضرت ابن عباس سوئے نہیں تھے جاگ رہے تھے جیسا کہ خود بخاری اذا انتبہ من اللیل اور مسلم کی روایت میں تصریح ہے۔ ابن عباس نے کہا میں اٹھا اور انگڑائی لی تاکہ حضور یہ نہ خیال کریں کہ میں جاگ رہا تھا۔ رہ گیا نام الغلیم اس میں استفہام کا بھی احتمال ہے اور اخبار کا بھی۔ استفہام کی صورت میں ابن عباس کا سو جانا قطعی نہیں۔ اور اخبار کی صورت میں بھی یہ ارشاد ابن عباس کی ظاہری حال کے اعتبار سے ہے۔ اس سے لازم نہیں کہ واقعی سو گئے ہوں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا نام الغلیم اگر اس وقت ابن عباس سو گئے تھے تو یہ سنا کیسے؟ ثانیاً یہ کہنا کہ ہمیشہ مثل میں ہر اعتبار سے برابری ہوتی ہے غلط ہے ورنہ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں کیا فرمائیں گے؟ ثالثاً خود بخاری ہی کی کتاب الوضو والی روایت میں یہ ہے۔ میں نے بھی ایسا ہی وضو کیا جیسا حضور نے کیا تھا۔ اس سے ظاہر کہ مثل ما صنع سے مراد صرف اسی طریقے کا وضو کرنا ہے جیسا کہ حضور نے کیا تھا۔ رابعاً یہ کہنا کہ انھیں رات میں حدث ہوا تھا۔ محض احتمال ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واقعی حدث نہ ہوا ہو اس لئے کہنا ہی پڑے گا کہ اس حدیث کا باب سے کوئی تعلق نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ اس کی ایک رکعت میں قل یایھا الکافرون اور ایک میں سورۂ اخلاص پڑھی۔ اس حدیث میں سنت فجر کے بعد سونے کا ذکر نہیں۔ مگر دوسری حدیثوں میں ہے۔ احناف کے یہاں فجر کی سنت کے

وَاَخَذَ بِاُذُنِي الْيُمْنٰى يَفْتِلُهَا فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ				
اور میرا داہنا کان	پکڑ کر اینٹھنے لگے ۔	حضور نے دو رکعت پڑھی	پھر دو رکعت پڑھی	پھر
رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ اَوْتَرَ ثُمَّ				
دو رکعت پڑھی	پھر دو رکعت پڑھی	پھر دو رکعت پڑھی	پھر دو رکعت پڑھی	پھر وتر پڑھا پھر
اِضْطَجَعَ حَتّٰى اَتَاهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ				
لیٹے	یہاں تک کہ مؤذن حاضر ہوا	تو اٹھے	پھر دو رکعت مختصر پڑھی	پھر

بعد سونا مسنون نہیں، جائز ضرور ہے۔ تاہم اگر کوئی اس نیت سے سوئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت تھی تو اجر کی امید ہے لیکن مسجد میں نہ سوئے۔ یہ ناپسندیدہ بات ہے کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، ذکر میں مصروف ہیں وہیں ٹانگ پھیلا کر سویا جائے۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں نہیں سوتے تھے اپنے حجرہ مبارکہ میں لیٹتے تھے۔

بخاری باب اذا انتبہ من اللیل میں ہے کہ وتر پڑھ کر حضور سو گئے یہاں تک کہ ناک سے آواز آنے لگی اور حضور جب سوتے تو ناک سے آواز آتی۔ جب بلال نے نماز کی خبر دی تو نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔ حضور کی دعا یہ تھی:۔

اللھم اجعل فی قلبی نورا وفی بصری نورا	اے اللہ میرے دل، میری آنکھ، میرے کان میں نور
وفی سمعی نورا وعن یمینی نورا وعن یساری	کردے اور میرے داہنے میرے بائیں اور میرے اوپر
نورا وفوقی نورا وتحتی نورا وامامی نورا وخلفی	میرے نیچے میرے آگے میرے پیچھے نور کردے اور مجھے
نورا وجعل لی نورا ۔	نور رکھ۔

اس میں یہ بھی ہے، میرے پٹھے، میرے گوشت، میرے خون میرے بال میرے بشرے میں نور رکھ اور دو چیزیں اور ہیں۔ سلمہ بن کہیل نے کہا کہ کریب نے بتایا کہ سات تابوت میں ہیں میں نے حضرت ابن عباس کی بعض اولاد سے پوچھا تو انھوں نے عصبی ولحمی ودمی وشعری وبشری کو ذکر کیا۔ اور دو اور ذکر کیں۔ تابوت سے مراد یا تو ان کا دل ہے یا کتابوں کا صندوق۔

مسائل (۱) مسلم شریف کی روایت کے ملانے کے بعد یہ ثابت ہوا کہ تلاوت کے لئے وضو شرط نہیں۔ (۲) چھوٹے بچے کا اپنے محرم رشتہ دار کے یہاں سونا جائز ہے اگرچہ اس کا شوہر موجود ہو (۳) تہجد پڑھنا مستحب ہو (۴) اخیرات

خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ [۱]

باہر تشریف لے گئے اور صبح کی نماز پڑھی

ت (۴۰)

وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ اَلْمَرْأَةُ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ

سعید بن مسیب نے کہا، عورت (مسح کے معاملے میں) بمنزلۂ مرد کے ہے۔

میں تہجد کے بعد وتر پڑھنا بہتر ہے (۵) رات میں جاگنے پر سورۂ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھنا مستحب ہے (۶) چھوٹے بچے کا، کان اینٹھنا جائز ہے ادب دینے کے لئے بھی اور بطور محبت بھی (۷) چھوٹے بچوں کو ابتدا ہی سے سنن و مستحبات تک کی تعلیم دینی چاہئے مکروہات کے ارتکاب پر بھی تنبیہ کرنی چاہئے (۸) یہ بھی مستحب ہے کہ موذن امام کے پاس آکر جماعت کا وقت ہو جانے کی اطلاع دے (۹) فجر کی سنت مستحبات کی رعایت کے ساتھ مختصر سے مختصر پڑھنی چاہئے۔

تشریحات (۴۰)

(۱) سعید بن مسیب قرشی مخزومی مدنی ہیں۔ ابو محمد کنیت ہے۔ ۱۹؁ھ اواخر خلافت فاروقی میں پیدا ہوئے اور ۹۳؁ھ یا ۹۴؁ھ میں پچھتر سال کی عمر پاکر مدینے میں واصل بحق ہوئے۔ یہ اجل تابعین کی صف اول میں ہیں۔ ان کو سید التابعین علی الاطلاق کہا گیا ہے۔ احادیث ابو ہریرہ قضایا عمر کے سبب سے بڑے عالم تھے۔ حضرت عثمان حضرت علی، حضرت ابو سعید، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے احادیث سنیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی سنی۔ ان کے علاوہ کثیر صحابہ اور تابعین سے حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے امام ان سے قضایا عمر دریافت کرتے۔ امام مکحول نے کہا میں نے علم حاصل کرنے کے لئے پوری زمین چھان ماری مگر مجھے سعید بن مسیب سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں ملا۔ امام اوزاعی امام احمد بن حنبل، علی بن مدینی بھی ان کے افضل التابعین اعلم التابعین ہونے کے معترف ہیں۔ فقہ میں اتنے بلند رتبہ ہیں کہ ان کو فقیہ الفقہا کہا جاتا ہے۔

یہ روایت میں ارسال بہت کرتے تھے مگر امام شافعی نے فرمایا ان کا ارسال حسن ہے۔ امام احمد نے فرمایا سب صحاح

---

[۱] ایضاً علم باب السمر بالعلم ج ۱ ص ۲۲ - الوضوء باب التخفیف بالوضوء ج ۱ ص ۲۵ - وتر باب ماجاء فی الوتر ج ۱ ص ۱۳۵ - اذان، باب یقوم عن یمین الامام بحذائہ سواء اذا کان اثنین، اذا قام الرجل عن یسار الامام باب اذا لم ینو الامام ان یوم ج ۱ ص ۹۷ - اذان باب اذا قام الرجل عن یسار الامام ج ۱ ص ۱۰۰ - اذان، میمنۃ المسجد والامام ج ۱ ص ۱۰۱ - تفسیر، باب ان فی خلق السموات والارض اور اس کے بعد والے تین ابواب میں جلد ۲ ص ۶۵۷ - الدعوات باب اذا انتبہ من اللیل جلد ۲ ص ۹۳۴ - مسلم مسافرین باب السواک جلد ۱ ص ۱۲۸ - نسائی قیام اللیل ۹۰ ابن ماجہ، اقامت ۱۸۱ - موطا، صلوٰۃ اللیل ۱۱ - مسند امام احمد بن حنبل۔

تَمسَحُ عَلیٰ رَأسِھَا

وہ بھی اپنے سر پر مسح کرے گی

دنیا تارک الدنیا، زاہد، قناعت پسند تھے۔ دنیاداروں سے دور رہتے۔ شاہان بنی اُمیہ کا وظیفہ کبھی قبول نہیں فرمایا۔ چار سو دینار کل پونجی تھی، اس سے روغن زیتون کی تجارت کر کے بسر کرتے۔

ان کی ایک صاحبزادی تھیں جو حسن و جمال میں یکتا، بڑی سلیقہ شعار عالمہ فاضلہ تھیں۔ عبدالملک بن مروان سفاک نے اپنے بیٹے ولید کے لئے پیغام بھیجا، حضرت سعید نے انکار کر دیا۔ اس پر اس ظالم نے بہانہ بنا کر کوڑے لگوائے۔ ان صاحبزادی کا نکاح ایک تنگ دست شخص کثیر بن وداعہ سے دو درہم مہر پر کر دیا۔ پھر داماد کو پانچ ہزار درہم نقد دیا۔

جب عبدالملک کے مرنے کے بعد ولید کی بیعت کے لئے والی مدینہ ہشام بن اسماعیل نے کہا تو انکار کر دیا اس ظالم نے ان کی پٹائی کی، گلیوں میں گھمایا، پتھر برسائے۔ اسی حالت میں ایک عورت نے کہا! اے سعید آخر یہ رسوائی کیوں مول لے رہے ہو؟ فرمایا دنیا اور آخرت کی رسوائی سے بچنے کے لئے۔

حدیث کے معاملے میں بہت ہی باادب تھے۔ ایک بار بیمار تھے کوئی حدیث سننے کے لئے حاضر ہوا تو باوجود علالت بیٹھ کر حدیث بیان فرمائی، اس نے کہا آخر یہ مشقت کیوں برداشت کی؟ فرمایا، مجھے یہ گوارا نہ ہوا کہ لیٹے لیٹے حدیث بیان کروں۔ ان سب خوبیوں کے باوجود بہت بڑے عابد، شب زندہ دار تھے۔ پچاس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ ان کے غلام برد نے کہا! چالیس سال سے جب میں مسجد میں جاتا ہوں تو سعید کو مسجد میں ہی پاتا ہوں

یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داماد تھے۔[۲]

(۲) مطابقت امام بخاری نے باب یہ باندھا ہے۔ پورے سر کے مسح کا بیان۔ اس تعلیق میں پورے سر کے مسح کا کوئی ذکر نہیں صرف اتنا مذکور ہے کہ مرد کی طرح عورت بھی سر کا مسح کرے نہ پورے کا ذکر ہے نہ چوتھائی کا۔ البتہ امام بخاری نے اس تعلیق سے پہلے آیۂ کریمہ وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ ذکر کی ہے۔ اس سے مالکیہ کا یہ استدلال ہے کہ جس طرح منھ اور ہاتھ اور پاؤں کا پورا دھونا لازم ہے اسی طرح پورے سر کا مسح فرض ہے۔ ہمارا جواب مشہور و معروف ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ابھی جو حدیث گزری ہے وہ مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے:

---

[۱] ابن ابی شیبہ

[۲] یہ سب تفصیلات ہدایہ نہایہ سے لی گئی ہیں، جلد ۹ ص ۹۹، ۱۰۰

مسح علی الخفین ومقدم راسہ وعلی عمامتہ دوسری روایت اس طرح ہے: فمسح بناصیتہ وعلی العمامۃ وعلی خفیہ۔ اور ابوداؤد میں یوں ہے: توضأ ومسح ناصیتہ وذکر فوق العمامۃ۔ نسائی میں ناصیتہ وعمامتہ ہے۔ نیز ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:۔

رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یتوضأ وعلیہ عمامۃ قطریۃ فادخل یدہ من تحت العمامۃ فمسح مقدم راسہ ولم تنقض العمامۃ۔ [1]	میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا حضور قطری عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ اپنا ہاتھ عمامے کے اندر کر کے سر کے اگلے حصے پر مسح فرمایا اور عمامہ نہیں ڈھیرا۔

ان حدیثوں کا حاصل ایک ہے، کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیشانی یعنی سر کے اگلے چوتھائی حصے پر مسح فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ پورے سر کا مسح فرض نہیں کم از کم چوتھائی کا فرض ہے۔ البتہ پورے سر کا مسح سنت ہے۔

اس پر ایک مشہور و معروف اعتراض ہے کہ کتاب اللہ پر خبر واحد سے زیادتی جائز نہیں۔ یہ حدیثیں خبر واحد ہی ہیں۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ کتاب اللہ سے پورے سر کا مسح قطعی طور پر تو کیا ظنی طور پر بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ بار، رؤس محل مسح پر داخل ہے۔ اور بار میں اصل یہ ہے کہ وہ آلے پر داخل ہو جیسے کتبت بالقلم اور کوئی بھی آلہ کل کا کل آلہ نہیں ہوتا بلکہ بعض ہی ہوتا ہے جیسے قلم یہاں کل آلہ نہیں اس کا بعض ہی ہے۔ اس لئے بار کے مدخول سے اس کا بعض ہی مراد ہوتا ہے جیسے مسحت الوجہ بالمندیل میں مندیل کا بعض مراد ہے برخلاف مسحت المندیل بالید میں پورا مندیل اور ہاتھ کا بعض مراد ہے۔ اس لئے بار کا دخول مسح کے لئے بعض راس کو متعین کر رہا ہے۔ آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اپنے بعض سر پر مسح کرو۔ یہ بعض مجمل تھا اس کا بیان ان دونوں حدیثوں سے ہو گیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت مسح راس میں محکم ہے اور مقدار راس میں مجمل۔ یعنی جب یہ حکم ہوا کہ سر کا مسح کرو تو سوال پیدا ہوا، کل سر کا یا بعض کا۔ یہ مبہم رہ گیا اس ابہام کو ان دونوں حدیثوں نے دور فرما دیا کہ یہ مقدار چوتھائی سر ہے۔ اور مجمل کا بیان خبر واحد سے درست۔

پہلی تقریر پر مالکیہ یہ معارضہ پیش کرتے ہیں کہ تیمم میں بھی محل مسح پر "بار" داخل ہے۔ ارشاد ہے:۔

وامسحوا بوجوھکم وایدیکم	اپنے چہرے اور ہاتھوں پر ملو۔

مگر احناف تیمم میں پورے چہرے اور پورے ہاتھوں پر ملنا فرض بتاتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً یہاں آیت تیمم میں

---

[1] ابوداؤد المسح علی العمامۃ جلد ۱ ص ۲۳ - ابن ماجہ باب فی المسح علی الخفین ص ۴۱،

ت (۴۱)

سُئِلَ مَالِكٌ أَيُجْزِئُ أَنْ يَمْسَحَ بَعْضَ رَأْسِهِ
حضرت امام مالک سے پوچھا گیا، کیا بعض سر کا مسح کافی ہے

"با" زائد ہے اس پر قرینہ یہ ہے کہ تیمم وضو کا قائم مقام ہے، اور وضو میں پورے چہرے اور ہاتھوں کا دھونا فرض لہذا اس کے قائم مقام تیمم میں بھی پورے چہرے اور ہاتھوں پر مسح فرض ہوگا۔ ثانیاً اگر حضرت مغیرہ اور انس کی وہ حدیثیں نہ ہوتیں تو ہم وضو میں بھی پورے سر کا مسح فرض کہتے۔ ان حدیثوں کی وجہ سے ہمنے صرف چوتھائی سر کا مسح فرض قرار دیا تیمم میں ایسی کوئی حدیث نہیں جس سے معلوم ہو کہ چہرے یا ہاتھوں کے بعض پر مسح کافی ہے اس لئے ہم نے یہاں پورے چہرے اور پورے ہاتھوں کا مسح فرض قرار دیا

اس تعلیق کا مفاد یہ ہے کہ جس طرح مردوں کو سر پر مسح کرنا فرض ہے اسی طرح عورتوں کو بھی سر پر مسح فرض ہے۔ یہ نہیں کہ صرف اوڑھنی پر انھیں مسح کافی ہو۔ اگر عورتیں صرف اوڑھنی پر مسح کریں گی سر پر نہیں کریں گی تو وضو نہ ہوگا۔

تشریحات ت (۴۱)

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، والد ماجد کا نام انس ہے، نسب نامہ یہ ہے ، مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر اصبحی حمیری مدنی، ۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ میں چوراسی سال کی عمر پاکر مدینہ طیبہ ہی میں ۱۴ ربیع الاول کو چاشت کے وقت واصل بحق ہوئے، جنت البقیع میں سیدنا ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جوار اقدس میں دفن ہوئے۔ اکمال میں سن وصال ۱۹۹ھ کاتب کی غلطی سے چھپ گیا ہے۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ تین سال ماں کے پیٹ میں رہے۔ علم حدیث ہشام بن عروہ، محمد بن منکدر، حضرت نافع مولیٰ ابن عمر اور امام زہری وغیرہ سے حاصل کیا۔ قرأت حضرت نافع سے اخذ کی۔ ان سے وقت کے ائمہ حدیث وفقہ کو شرف تلمذ ہے۔ مثلاً امام شافعی امام اوزاعی، امام عبداللہ بن مبارک، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، ابن مہدی، ابن جریج، لیث بن سعد حتی کہ ان کے بہت سے اساتذہ نے بھی ان سے حدیث سنی۔ مثلاً خود زہری، یحییٰ بن سعید انصاری اور یحییٰ بن سعید قطان وغیرہ۔

ابو عبداللہ کنیت ہے۔ امام دار الہجرت اور ان چار ائمہ مذاہب میں سے ہیں جن کا مذہب آجتک باقی ہے جنکے کروڑوں مقلد ہیں، حدیث، فقہ دونوں میں بحر زخار تھے۔ امام شافعی نے فرمایا، جب حدیث آئے تو مالک ثریا ہیں، جو بھی علم حدیث حاصل کرنا چاہے وہ امام مالک کی عیال ہے۔ ایسے مسلم الثبوت ثقہ کہ امام بخاری نے فرمایا، اصح الاسانید

فَاحتَجَّ بِحَدِیثِ عَبدِاللّٰهِ بنِ زَیدٍ

تو وہ عبداللہ بن زید کی حدیث سے دلیل لائے

مالک عن نافع عن ابن عمر ہے۔ فقہ میں وہ بلند رتبہ حاصل تھا کہ خود فرمایا: میرے اساتذہ میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے آکر مجھ سے فتویٰ نہ پوچھا ہو۔ اسی سے ظاہر ہوگیا کہ حدیث یاد کرلینا اور بات ہے اور اس سے استخراج مسائل کار دیگر ہے۔ مدینہ طیبہ میں اعلان ہوگیا تھا کہ سوائے مالک اور ابن ابی ذیب کے کوئی فتویٰ نہ دے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ایسی رچی بسی تھی اور مدینہ ایسا بھایا تھا کہ پوری زندگی مدینے میں گزار دی، کہیں نہ گئے کہ مدینے میں ہی وفات پاؤں اور یہیں دفن ہوں۔ صرف ایک بار حج فرض کے لئے گئے پھر مدت العمر حج بھی نہیں کیا، کیا پتہ کب وقت موعود آجائے۔

ہارون الرشید بادشاہ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ میرے ساتھ بغداد چلیں۔ میں سب کو آپ کے موطا پر عمل کرنے پر مجبور کردوں۔ فرمایا لوگوں کو بالجبر میرے موطا پر عمل کرانے کا تجھے کوئی حق نہیں۔ اس لئے کہ صحابہ کرام مختلف دیار وامصار میں پھیل گئے۔ سب کے پاس علم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ رہ گیا ساتھ جانے کی بات تو فرمایا میں مدینہ نہیں چھوڑ سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ المدینۃ خیر لھم لوکانوا یعلمون۔ المدینۃ تنفی خبثھا۔ مدینہ لوگوں کے لئے بہتر ہے اگر لوگ جانتے۔ مدینہ اپنا میل باہر پھینک دیتا ہے۔

ریوڑ کی ریوڑ سواریاں موجود ہوتیں مگر کبھی مدینہ طیبہ میں سواری پر نہیں بیٹھے۔ فرمایا مجھے یہ گوارا نہیں کہ جس شہر میں اللہ کے رسول مدفون ہوں میں اسے اپنی سواری سے پامال کروں۔

جب احادیث سنانی ہوتی تو تازہ وضو فرماتے۔ عمدہ سے عمدہ لباس پہنتے، خوشبو لگاتے، داڑھی میں کنگھا کرتے وقار وہیبت کے ساتھ شہ نشیں میں مسند لگا کر بیٹھتے، پوچھنے پر فرماتے، میں چاہتا ہوں کہ احادیث کی عظمت ظاہر کروں۔ ایک دفعہ حدیث بیان فرما رہے تھے کہ بچھو نے ستره ۱۷ مرتبہ ڈنک مارا شدت تکلیف سے چہرہ زرد پڑگیا مگر حدیث بیان کرنا ترک نہیں فرمایا، لوگوں کے چلے جانے کے بعد عبداللہ بن مبارک نے دریافت کیا تو قصہ بیان فرمایا اور فرمایا حدیث کی جلالت شان کی وجہ سے میں نے بند نہیں کیا۔

ایک مرتبہ ہارون الرشید نے عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے یہاں آجائیں تاکہ میرے بچے آپ سے حدیث سنیں۔ حضرت امام مالک نے فرمایا، تم کو اللہ عزت سے رکھے یہ علم تمہارے گھر سے نکلا ہے۔ اگر تم اس کی عزت کروگے

اس کی عزت باقی رہے گی اور اگر تم اسے ذلیل کروگے، ذلیل ہو جائے گا۔ علم کے پاس آیا جاتا ہے۔ علم کسی کے پاس نہیں جاتا۔ ہارون نے کہا آپ نے سچ فرمایا، اپنے بچوں امین و مامون کو حکم دیا کہ مسجد میں جاکر سب کے ساتھ تم لوگ بھی حدیث سنو۔ حضرت امام مالک کا کوئی گھر نہیں تھا، ہارون نے مکان خریدنے کے لئے تین ہزار دینار نذر پیش کی۔

ابتلاء چونکہ محمد بن عبد اللہ بن حسن، نفس زکیہ کی امام مالک نے حمایت کی تھی ابتداء میں جب حضرت نفس زکیہ نے اپنی خلافت کی بیعت لینی چاہی تو اہل مدینہ نے عذر کیا کہ ہماری گردنوں میں ایک بیعت ہے یعنی منصور کی، ہم آپ کی بیعت کیسے کریں۔ اس پر امام مالک نے یہ فتویٰ دیا، تم لوگوں سے جبرًا بیعت لی گئی ہے اسلئے وہ درست نہیں۔ اس فتوی کے بعد لوگوں نے نفس زکیہ کی بیعت کی۔

اس پر منصور امام مالک سے جلا ہوا تھا اس کی ایما پر امام مالک سے استفتا ہوا کہ مکرہ کی طلاق واقع ہے یا نہیں؟ امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ مکرہ کی طلاق واقع نہیں۔ اس کے مطابق انھوں نے فتویٰ دیا، اس فتویٰ کی زد ان ظالموں کی بیعت پر بھی پڑتی تھی اس پر غضبناک ہو کر جعفر نے امام مالک کو بلوایا اور انھیں برہنہ کرکے ستر کوڑے لگوائے اور ہاتھ کھینچ کر مونڈھے اُتار دیئے۔ اور بھی مظالم کئے مگر امام مالک اپنے موقف سے ذرہ برابر نہیں ہٹے۔ اس امتحان کے بعد حضرت امام مالک کی قدر و منزلت اَوجِ ثُریّا پر پہنچ گئی۔

بشارت ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بہت جلد ایسا ہوگا کہ لوگ اونٹوں کے جگر مارتے ہوئے علم حاصل کریں گے، مگر عالِم مدینہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں پائیں گے۔ [1]

سفیان بن عیینہ اور عبد الرزاق نے کہا کہ اس سے مراد حضرت امام مالک ہیں۔ اور ابن عیینہ ہی کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ راشد ہیں۔

ابو عبد اللہ نے کہا میں نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد اقدس میں تشریف فرما ہیں لوگ ارد گرد جمع ہیں اور امام مالک کھڑے ہیں۔ حضور کے سامنے مشک ہے۔ حضور مٹھی میں اٹھا اٹھا کر امام مالک کو دیتے ہیں، اور امام مالک اسے لوگوں میں تقسیم فرماتے ہیں۔ مطرف نے کہا اس کی تعبیر علم اور اتباع سنت ہے۔

حضرت امام مالک کا قول ہے کہ جب انسان میں اپنی ذات کے اندر بھلائی نہ ہو تو اس سے لوگوں کو، کوئی بھلائی نہیں مل سکتی اور فرمایا، کثرت روایت علم نہیں، علم اللہ عزوجل کا نور ہے جسے دل میں رکھتا ہے [2]

صحاح ستہ کی تصنیف سے پہلے امام مالک کی مؤطا، اصح کتب بعد کتاب اللہ مانی جاتی تھی، اب بھی

---

[1] مشکوۃ ص ۲۵ بحوالہ ترمذی۔ [2] اکمال وفیات الاعیان۔ مشکوۃ۔

حدیث (۱۳۹)

صفة وضوء النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم عن عبداللہ بن زید

اَنَّ رَجُلاً قَالَ لِعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ زَیْدٍ وَھُوَ جَدُّ عَمْرِو بْنِ یَحْیٰی اَتَسْتَطِیْعُ

ایک شخص نے یعنی عمرو بن یحیٰی کے دادا نے عبداللہ بن زید سے کہا کیا آپ مجھے یہ دکھا سکتے ہیں

بعض حضرات صحاح ستہ کی بعض کتابوں پر اسے ترجیح دیتے ہیں۔ امام مالک کے تلامذہ کی تعداد کا شمار نہیں اور محرر مذہب حنفی امام محمد اور امام شافعی تک ان کے تلامذہ میں ہیں۔

استدلال امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ پورے سر کا مسح فرض ہے۔ دلیل میں حضرت عبداللہ بن زید کی وہ حدیث پیش کرتے ہیں جو ابھی آرہی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سر کا دونوں ہاتھوں سے اس طرح مسح فرمایا کہ دونوں ہاتھ آگے لائے اور پیچھے لے گئے، سر کے اگلے حصے سے شروع فرمایا یہاں تک کہ ہاتھ گدّی تک لے گئے پھر واپس لائے جہاں سے شروع فرمایا تھا۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ اولاً اگر حضرت مغیرہ اور حضرت انس کی وہ حدیثیں نہ ہوتیں جنمیں یہ مذکور ہے کہ حضور نے پیشانی یا سر کے اگلے حصے پر مسح فرمایا تو ضرور حضرت عبداللہ بن زید کی اس حدیث سے پورے سر کے مسح کی فرضیت ثابت ہوتی اسلئے کہ جب ہم یہ تسلیم کر چکے کہ آیت وضو مقدار مسح میں مجمل ہے اور مجمل کا بیان خبر واحد سے درست تو حضرت عبداللہ بن زید کی یہ حدیث اس کا بیان ہو جاتی لیکن جب ان دونوں حدیثوں نے ثابت کر دیا کہ چوتھائی سر کا مسح بھی کافی ہے اب اگر پورے سر کا مسح فرض قرار دیں تو ان دونوں حدیثوں کا ترک لازم آئے گا۔ دونوں مضمون کی احادیث میں تطبیق کیلئے احناف نے یہ تفصیل رکھی کہ چوتھائی سر کا مسح فرض اور پورے سر کا سنت۔

ثانیاً اگر حضرت عبداللہ بن زید کی اس حدیث سے پورے سر کا مسح فرض مانیں تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جس ہیئت خاصہ کے ساتھ اسمیں مسح مذکور ہے وہ ہیئت بھی فرض ہو مثلاً اگلے حصے سے شروع کرنا پھر گدّی تک لیجانا پھر پیشانی کیطرف واپس لانا حالانکہ مالکیہ بھی اس ہیئت کو فرض نہیں مانتے، اب مالکیہ جو عذر اس ہیئت کے فرض نہ ہونے کا بیان کریں گے وہی عذر ہمارا بھی پورے سر کے مسح کے فرض نہ ہونے کا ہوگا۔

تشریحات (۱۳۹)

(۱) اس سے مراد عمرو بن ابی حسن ہیں۔ یہ عمرو بن یحیٰی کے باپ یعنی یحیٰی کے چچا ہیں اس اعتبار سے یہ عمرو بن یحیٰی کے مجازی دادا ہو گئے۔ عرف میں دادا کے بھائی کو بھی دادا کہتے ہیں۔ اس لئے متعین ہو گیا کہ "وھو جد عمرو بن یحییٰ" میں ھو

اَنْ تُرِيَنِيْ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ							
کہ	رسول اللہ	صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	کیسے	وضو	فرماتے تھے		
فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ، نَعَمْ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَفْرَغَ عَلٰى يَدِهٖ							
عبداللہ بن زید نے کہا	ہاں دکھا سکتا ہوں	انھوں نے پانی منگایا	اسے	اپنے ہاتھ پر	ڈالا		
فَغَسَلَ يَدَهٗ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلٰثًا ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا							
اور اپنا ہاتھ	دو بار دھویا	پھر کلی کی	اور	ناک میں پانی تین بار ڈالا	پھر اپنے چہرے کو	تین بار دھویا	

کی ضمیر رجلاً کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی سائل عمرو بن یحییٰ کے دادا عمرو بن ابی حسن ہیں۔ اس ضمیر کا مرجع، عبداللہ بن زید نہیں ہو سکتے اس لئے کہ یہ عمرو بن یحییٰ کے نہ حقیقی دادا ہیں نہ مجازی۔ صاحب اکمال اور ان کے متبعین نے جو یہ لکھا ہے کہ عمرو بن یحییٰ، عبداللہ بن زید کے نواسے ہیں غلط ہے۔

② ایک اشکال یہ سائل کون تھے۔ اس کے بعد والی روایت میں بخاری ہی میں تصریح ہے کہ یہ عمرو بن ابو الحسن ہیں۔ البتہ موطا کے رواۃ میں سائل کے بارے میں اختلاف ہے۔ اکثر راویوں نے مبہم رکھا ہے۔ لیکن معن بن عیسیٰ کی روایت میں ہے کہ یہ سائل ابوحسن ہیں اور یہ صحابی تھے۔ امام محمد کی روایت میں بھی انھیں ابوحسن کو سائل بتایا۔ امام شافعی نے کتاب الام میں امام مالک سے یہی حدیث نقل کی ہے اس میں سائل یحییٰ کو بتایا۔

جواب قصہ یہ ہے کہ ایک مجلس میں یہ تینوں ابوحسن اور ان کے بیٹے عمرو اور ان کے پوتے یحییٰ جو ابوحسن کے دوسرے صاحبزادے عمارہ کے بیٹے تھے موجود تھے۔ یعنی یحییٰ ان کے چچا عمرو ان کے دادا ابوحسن۔ عمرو بن حسن وضو بہت کثرت سے کرتے تھے انھوں نے حضرت عبداللہ بن زید سے یہ سوال کیا۔ مگر موجود ان کے باپ ابوحسن اور بھتیجے یحییٰ بھی تھے تو بعض روایات میں مجازاً ان کی طرف بھی سوال کی نسبت کر دی گئی ہے۔ یہ ہو سکتا ہے تینوں کے باہمی مشورے کے بعد عمرو بن ابی حسن نے سوال کیا ہو۔ جیسا کہ اسماعیلی کی روایت میں ہے، قلنا ہم سب نے کہا۔ یہ ایسے ہی موقع پر بولتے ہیں جبکہ چند اشخاص باہمی مشورے سے کوئی بات کہیں۔ اگرچہ کہنے والا ایک ہی ہو، ورنہ اصل سائل، عمرو بن ابی حسن ہی ہیں۔ جیسا کہ ابونعیم نے مستخرج میں دراوردی کی حدیث ذکر کیا۔ کہ عمرو بن ابی حسن نے کہا، میں کثیر الوضو تھا اس لئے عبداللہ بن زید سے میں نے کہا۔ خود امام بخاری نے جو اس کے بعد روایت ذکر کی ہے۔ اس میں اور جلد اصفحہ ۳۳ میں جو روایت ہے اس میں تصریح ہے کہ سائل عمرو بن ابی حسن ہی تھے۔

اشکال دوم دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس روایت میں یہ ہے کہ ابتداء میں ہاتھ دو بار دھویا۔ دو بار دھونا تو کوئی قابل

ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ
پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دو دو بار دھویا پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کا مسح کیا
بِيَدَيْهِ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ بَدَاَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ حَتّٰى ذَهَبَ بِهِمَا اِلٰى
ہاتھوں کو آگے لائے اور پیچھے لے گئے اپنے سر کے اگلے حصے سے شروع فرمایا یہاں تک کہ
قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا اِلَى الْمَكَانِ الَّذِىْ بَدَاَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ
ہاتھوں کو گدی تک لے گئے پھر لوٹا کر اسی جگہ تک لائے جہاں سے شروع فرمایا تھا۔ پھر اپنے دونوں پاؤں دھوئے

اعتراض بات نہیں بیان جواز کے لئے بھی ہوسکتا ہے۔ مگر بخاری ہی میں اس کے بعد والی روایت میں نیز صفحہ ۳۳ باب الوضوء من التور میں ہے۔ ابتدا میں ہاتھ تین بار دھویا تھا نیز مسلم وغیرہ میں بھی ثلاثا ہی ہے۔

جواب علامہ ابن حجر نے اس کا یہ جواب دیا۔ مرتین کی روایت صرف امام مالک سے ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے رواۃ نے ثلاثا ہی روایت کیا ہے۔ چند ثقات کی زیادتی ایک ثقہ کے مقابلے میں مقبول ہے، اس لئے صحیح یہ ہے کہ عبداللہ بن زید نے ابتدا میں تین بار ہاتھ دھویا تھا۔ اس کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ مسلم میں بطریق بہز وھیب سے روایت ہے کہ انھوں نے عمرو بن یحییٰ سے دوبار املاءً یہ حدیث سُنی ہے۔ اس لئے اس میں توہم کا شائبہ نہیں۔

(۳) حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ساری روایتیں متفق ہیں کہ ہاتھوں کو کہنیوں تک دو بار دھویا۔ یہ بیان جواز کے لئے ہے۔ گزر چکا کہ فرض اعضاء وضو کا ایک بار دھونا ہے۔ تین بار سنت ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ دو دو بار دھونا جائز ہے۔ نیز یہ افادہ فرمایا کہ یہ ضروری نہیں کہ جتنی بار وضو کے ایک عضو کو دھویا جائے اتنی ہی بار سارے ہی اعضاء کو دھویا جائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ بعض کو ایک بار بعض کو دو بار بعض کو تین بار دھویا جائے۔

(۴) واؤ مطلق جمع کے لئے ہے ترتیب کے لئے نہیں۔ اس لئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ سر کا مسح پیچھے گدی کی طرف سے شروع کیا بلکہ یہی ہوا کہ سر کے اگلے حصے سے شروع فرمایا۔ پہلے ہاتھ آگے سے پیچھے لے گئے پھر پیچھے سے آگے لائے جیسا کہ بعد میں تصریح ہے۔

عنہ ایضاً۔ بعد الحدیث متصلا باب غسل الرجلین الی الکعبین۔ باب من مضمض واستنشق من غرفۃ واحدۃ باب مسح الراس مرۃ جلد ۱ ص ۳۲۔ باب الغسل والوضوء فی المخضب والقدح جلد ۱ ص ۳۲۔ باب الوضوء من التور جلد ۱ ص ۳۳۔ مسلم، طہارت جلد ۱ ص ۱۲۳۔ ابو داؤد باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلد ۱ ص ۱۹۔ ترمذی، باب من توضأ بعض وضوئہ مرتین وبعضہ ثلاثا جلد ۱ ص ۱۰ نسائی باب حد الغسل۔ وباب صفۃ مسح الراس جلد ۱ ص ۲۸۔ ابن ماجہ، باب الوضوء من الصفر ص ۳۷ موطا امام مالک باب ابتداء الوضوء ص ۴۶۔

ت (۴۲)

اَمَرَ جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ اَهْلَهٗ اَنْ يَّتَوَضَّؤُا بِفَضْلِ سِوَاكِهٖ [1]

حضرت جریر بن عبد اللہ نے اپنے اہل کو حکم دیا کہ مسواک کرنے سے جو پانی بچ گیا ہے اس سے وضو کریں۔

تشریحات (۴۲)

امام بخاری نے یہاں باب یہ باندھا ہے۔ لوگوں کے وضو کرنے کے بعد جو پانی بچ جائے اس کے استعمال کا حکم۔ یہاں تین لفظ ہیں۔ استعمال۔ فضل۔ وضو۔ ان تینوں میں کئی کئی پہلو ہیں۔ استعمال سے مراد کھانا، پینا، نجاست حقیقی دور کرنا، نجاست حکمی دور کرنا، یعنی وضو یا غسل کرنا، تبرید یعنی ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے، تبریک یعنی برکت حاصل کرنے کے لئے بدن پر ملنا، سب ہو سکتا ہے۔

فضل کے معنی بچا ہوا پانی۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ وضو یا غسل کے بعد برتن میں جو پانی بچ گیا۔ وضو یا غسل کرتے وقت جو پانی اعضا سے گر کر جمع ہوا۔ وضو، ایک بے وضو کا ہے ایک باوضو کا۔ امام بخاری کی کیا مراد ہے۔ یہ کسی طرح ظاہر نہیں ہو پاتی۔ پھر ان مختلف احتمالات کو اکٹھا کیا جائے تو بہت سی صورتیں ایسی نکلتی ہیں جو متفق علیہ ہیں مثلاً فضل سے مراد وہ پانی لیا جائے جو وضو و غسل کے بعد برتن میں بچ رہے۔ یہ بالاتفاق طاہر بھی ہے اور مطہر بھی۔

جب امام بخاری کی مراد ہی نہیں معلوم تو تعلیق اور احادیث کے باب سے مطابق ہونے کی تقریر ہی نہیں ہو پائیگی اور ہر احتمال کو بیان کر کے سب پر مطابقت و عدم مطابقت کی بحث طول عمل ہونے کے ساتھ ساتھ لاطائل ہے، ائمہ کے مابین مختلف فیہ ماء مستعمل کا مسئلہ ہے۔ ہمارا گمان یہ ہے کہ امام بخاری کی مراد یہی ہوگی۔ یعنی ماء مستعمل کے استعمال کا حکم۔

ماء مستعمل کی تعریف ماء مستعمل کی تعریف میں بھی اختلافات ہیں۔ مگر صحیح و مختار تعریف یہ ہے۔ وہ قلیل پانی جس سے حدث دور کیا گیا ہو یا دور ہوا ہو یا بہ نیت تقرب استعمال کیا گیا ہو۔ اور بدن سے جدا ہو گیا ہو اگرچہ کہیں ٹھہرا نہیں روانی ہی میں ہو، مثلاً جسم سے جدا ہو کر زمین تک نہیں پہنچا۔ درمیان ہی میں ہے۔ ماء مستعمل کی تعریف، حکم اور اس سے متعلق اور ابحاث کے لئے فتاوی رضویہ جلد اول میں رسالہ مبارکہ "الطرس المعدل فی حد الماء المستعمل" از صفحہ ۲۲۳ تا صفحہ ۳۶۰ کا مطالعہ کریں۔

حکم ماء مستعمل کا حکم کیا ہے اس بارے میں ائمہ مذاہب مختلف ہیں۔ امام مالک اسے طاہر مطہر مانتے ہیں اور غالباً

---

[1] ابن ابی شیبہ و دار قطنی۔

امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام شافعی طاہر غیر مطہر مانتے ہیں۔ یعنی خود تو پاک ہے مگر نجاست حکمیہ دور کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ امام زفر و امام محمد کی روایت کے مطابق یہی حضرت امام اعظم کا بھی مذہب ہے۔ احناف کا یہی مختار و مفتی بہ ہے۔ امام اعظم سے دو روایتیں اور بھی آئی ہیں۔ ایک یہ کہ نجس ہے مگر نجاست خفیفہ ہے۔ یہ حضرت امام ابو یوسف کی روایت ہے۔ دوسرے یہ کہ نجاست مغلظہ ہے۔ یہ امام حسن بن زیاد کی روایت ہے یہ مختلف روایتیں اصل میں وضو کرنے والوں کے احوال کے اعتبار سے ہیں۔ احادیث میں وارد ہے کہ وضو کرنے سے متوضی کے گناہ دھل جاتے ہیں۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ عارف باللہ صاحب کشف بزرگ تھے۔ انھوں نے وضو کرنے والوں کے مختلف احوال دیکھے اس کے مطابق حکم بیان فرمایا۔ وضو کے پانی سے جن کے کبائر جھڑتے دیکھا اسے نجاست غلیظ فرمایا۔ جن کے صغائر دھلتے دیکھا اسے نجاست خفیفہ بتایا۔ اور جن کے مکروہات دھلتے دیکھا اسے طاہر غیر مطہر فرمایا۔ میزان الشریعۃ الکبریٰ میں امام عبد الوہاب شعرانی حضرت سیدنا علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل فرماتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا

امام اعظم ابو حنیفہ کے مدارک بہت دقیق ہیں۔ ان پر اکابر اولیاء اہل مشاہدہ ہی مطلع ہو سکتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ وضو سے وضو کرنے والوں کے جو گناہ دھل کر گرتے اسے پہچان لیتے۔ اسی لئے انھوں نے ماء مستعمل کے تین درجے رکھے ہیں۔ ایک بار کوفے کی جامع مسجد میں تشریف لے گئے ایک جوان کو حوض میں وضو کرتے دیکھا۔ دھوون جب گرا تو اس سے کہا: اے بیٹے! ماں باپ کو ایذا دینے سے توبہ کر اس نے فوراً توبہ کی۔ دوسرے کا دھوون دیکھا تو اس سے فرمایا، اے بھائی زنا سے توبہ کر، ایک اور کو دیکھا تو اس سے فرمایا، شراب پینے، مزامیر سے توبہ کر، ان دونوں نے بھی توبہ کی۔ یہ دونوں بزرگ شافعی تھے۔

تعلیق کی توجیہہ

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد میں بھی تین احتمال ہیں۔ وہ پانی جس میں مسواک کرنے سے پہلے مسواک بھگوتے تھے وہ پانی مسواک کرتے وقت جس میں مسواک ڈالتے تھے۔ وہ پانی جسمیں مسواک کرنے کے بعد مسواک رکھتے تھے۔ حضرت جریر کی مراد دوسری صورت ہے جیسا کہ بعض اسی تعلیق کے طرق میں ہے کہ وہ مسواک کرتے جاتے اور پانی میں بھی ڈالتے اور یہ کہتے اس سے وضو کرو۔ اور دار قطنی میں بافادۂ تصحیح یہ روایت ہے کہ وہ اپنے اہل سے فرماتے، اس پانی سے وضو کرو جس میں مسواک ڈالتا ہوں۔ دار قطنی ہی نے حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھی بعینہ یہ ارشاد نقل فرمایا ہے، اگرچہ اس کی سند میں کچھ ضعف ہے۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ امام بخاری کی مراد وہی ہے جو میرا گمان ہے تو اس تعلیق کو باب سے کوئی لگاؤ نہیں۔ اولاً اس لئے کہ خود مسواک محدث نہیں ہوتی۔ منھ میں آنے کے بعد منھ کا لعاب اس میں لگا ضرور مگر اس سے

حدیث (۱۴۰)

فجعل الناس یاخذون من فضل وضوئہ

سَمِعْتُ اَبَا جُحَیْفَةَ یَقُوْلُ خَرَجَ عَلَیْنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

ہم نے کہا۔ میں نے حضرت ابو جحیفہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سخت گرمی میں باہر ہم میں

بِالْهَاجِرَةِ فَاُتِیَ بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّأَ فَجَعَلَ النَّاسُ یَاْخُذُوْنَ مِنْ فَضْلِ وَضُوْئِهٖ

تشریف لائے۔ خدمت اقدس میں وضو کا پانی حاضر کیا گیا حضور نے وضو فرمایا

بھی مسواک میں حدث کا کوئی اثر نہیں پہنچا اس لئے کہ منھ میں حدث کا اثر ہوتا ہی نہیں۔ وضو میں کلی کرنا فرض نہیں سنت ہے۔ ثانیاً اگر یہ کہا جائے کہ امام بخاری کے یہاں کلی کرنا فرض ہے۔ ان کے نزدیک منھ میں بھی حدث کا اثر ہوتا ہے۔ یا یہ تکلف کیا جائے کہ حضرت جریر کا یہ ارشاد حالت جنابت میں مسواک کرنے کی صورت میں تھا تو عرض ہے کہ ماء مطلق غیر مستعمل میں اگر ماء مستعمل مل جائے اور ماء مستعمل بہ نسبت غیر مستعمل کے کم ہو تو کل پانی مستعمل نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ مسواک میں منھ کا لعاب بہ نسبت پانی کے بہت ہی کم ہوگا۔ پھر اس تقدیر پر بھی کل پانی مستعمل ہو جائے یہ سمجھ میں نہیں آتا۔

ہاں اگر امام بخاری کی باب سے مراد یہ لی جائے کہ وہ پانی جو کسی طرح استعمال میں آیا ہو، خواہ وہ فقہ کی اصطلاح میں مستعمل ہو خواہ نہ ہو تو بات بن جائیگی مگر اس میں کوئی خاص افادہ نہ ہوگا۔ اس سے امام بخاری کے مقلدین کی یہ بولی ہوا ہوگئی کہ یہ باب احناف کے رد کے لئے ہے، یہ احناف کے مذہب سے ناواقفی کی بنا پر ہے۔ حضرت جریر کے ارشاد کے مطابق ہمارا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر کسی پانی میں مسواک ڈال ڈال کر کیا جائے تو وہ ماء مستعمل نہیں رہتا۔ طاہر بھی ہے اور مطہر بھی۔ ماء مستعمل وضو یا غسل کے کام کا نہیں، مگر اس سے بدن یا کپڑے پر لگی ہوئی نجاست حقیقی دور کر سکتے ہیں اسے تبرید کے لئے استعمال کر سکتے ہیں مگر اس کا پینا مکروہ ہے۔

تشریحات (۱۴۰)

(۱) تکمیل خود بخاری اور مسلم میں یہ حدیث کچھ زیادتی کے ساتھ مروی ہے۔ ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکے میں تھے تو میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چمڑے کے سرخ رنگ کے گول خیمے میں بطحا میں تشریف فرما تھے۔ عصر سے کچھ پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ بلال وضو کا پانی لائے اور حضور نے وضو فرمایا۔ حاضرین وضو

فَيَتَمَسَّحُوْنَ بِهٖ فَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ

لوگ آپ کے غسالہ کو لے کر ملنے لگے — نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظہر بھی دو رکعت

رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ [۱]

پڑھی اور عصر بھی دو رکعت پڑھی اور حضور کے سامنے چھوٹا نیزہ تھا۔

حدیث (۱۴۱)

فشربت من وضوءه

سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدَ يَقُوْلُ ذَهَبَتْ بِيْ خَالَتِيْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میری خالہ مجھے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے غسالہ کو لینے کے لئے ٹوٹ پڑے، غسالہ مبارکہ لے لے کر لوگ اپنے چہروں پر ملنے لگے، جسے مل جاتا ملتا جاتا، جسے نہیں ملتا وہ پانے والے کے ہاتھ کی تری لے لیتا اور ہاتھ اپنے چہروں پر ملتا۔ حضرت بلال نے اذان کہی۔ جدھر وہ منھ گھماتے میں بھی گھماتا۔ یعنی دائیں بائیں، حی علی الصلوٰۃ وحی علی الفلاح کہتے وقت۔ پھر چھوٹا نیزہ بلال نے گاڑا۔ حضور آگے بڑھے اور دو رکعت ظہر پڑھی اور عصر بھی دو رکعت پڑھی۔ حضور کے آگے چھوٹا نیزہ تھا اس نیزہ کے آگے عورت اور گدھے گزرتے رہتے جب نماز ہو چکی تو لوگ حضور کے دست مبارک کو لے کر اپنے اپنے چہروں پر ملنے لگے میں نے بھی دست اقدس لیا اور اپنے چہرے پر رکھا، دست مبارک برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔

اس حدیث کو بھی باب سے کوئی مناسبت نہیں۔ اس لئے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ طاہر ہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غسالہ مبارکہ کی نجاست کا کوئی سوال ہی نہیں۔ وہ بہر حال پاک ہوگا۔ یہاں بحث انبیاء کرام کے استعمال کردہ پانی کی نہیں، امتیوں کے استعمال کردہ اس پانی کی ہے جو فقہی طور پر مستعمل ہو چکا ہو۔

تشریحات (۱۴۱)

(۱) **سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ** | ان کی کنیت ابو یزید ہے۔ ان کے نسب میں اختلاف ہے۔ کسی نے کندی بتایا کسی نے ازدی کسی نے کنانی کسی نے لیثی کسی نے سلمی ہذلی کہا ہے۔ زیادہ مشہور یہ ہے کہ یہ کندی ہیں، ہجرت کے

[۱] ایضاً، صلاۃ باب الصلوٰۃ الی العنزۃ ج ۱ ص ۷۱، باب السترۃ بمکۃ وغیرہا ج ۱ ص ۷۲، مناقب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱ ص ۵۰۲، مسلم، صلوٰۃ باب السترۃ للمصلی ج ۱ ص ۱۹۵، ۱۹۶۔ نسائی، طہارت الانتفاع بفضل الوضوء ص ۳۳

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ، یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ ابْنَ اُخْتِیْ وَقِعٌ فَمَسَحَ

کی خدمت میں لے گئیں پھر عرض گزار ہوئیں یارسول اللہ یہ بھانجا بیمار ہے اس کے پاؤں میں درد ہے

رَأْسِیْ وَدَعَالِیْ بِالْبَرَکَۃِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوْءِہٖ، ثُمَّ

حضور نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعاء کی۔ پھر حضور نے وضو فرمایا میں نے غسالہ مبارکہ پیا۔

دوسرے سال پیدا ہوئے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے باپ کے ساتھ شریک تھے اس وقت ان کی عمر سات سال تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی ولادت سنہ ۳ھ میں ہوئی۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ واپس ہوئے اور مدینہ طیبہ والوں نے شاندار خیر مقدم کیا تو بچوں کے ساتھ یہ بھی استقبال کرنے والوں میں تھے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اور عبداللہ بن مسعود بن عتبہ اور سلیمان بن ابی خیثمہ کو مدینہ طیبہ کے بازار کا عامل بنایا تھا۔ الاستیعاب میں ان کی عمر چورانوے یا چھیانوے سال لکھی ہے۔ اس حساب سے یہ سنہ ۹۰ھ یا سنہ ۹۲ھ میں واصل بحق ہوئے۔ ویسے ان کا سنہ وصال سن اسی یا اکیانوے لکھا ہے۔ مگر عمر اکانوے یا چورانوے یا چھیانوے سال لکھی ہے جو کسی طرح درست نہیں۔ اصابہ میں یہ بھی ہے کہ مدینہ طیبہ میں وصال فرمانے والے صحابہ میں یہ سب سے آخر ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ اپنے والد حضرت یزید اور حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن السعدی، اپنے ماموں حضرت علاء بن الحضرمی حضرت طلحہ حضرت سعد وغیرہ سے بھی احادیث روایت کی ہیں۔ ان سے امام زہری، یحییٰ بن سعید وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ان سے پانچ احادیث مروی ہیں اور سب بخاری نے ذکر کی ہیں [1]

(۲) **لغات** وَقِعٌ، یہ وَقَعَ بھی مروی ہے ماضی کا صیغہ یعنی بیمار ہے۔ اور وَقِعٌ، اسم فاعل، اس کے پاؤں میں درد ہے۔ کریمہ کی روایت میں وَجِعٌ ہے۔ یہی اکثر روایت، ہے یعنی بیمار ہے الخ، ذھب بہ اور اذھبہ میں فرق یہ بتایا جاتا ہے کہ اذھبہ کے معنی بھی لے جانے کے ہیں مگر یہ مٹانے کے ہم معنی ہے۔ اور ذھب بہ کے معنی ساتھ لیجانے کے ہیں، مگر یہ درست نہیں، قرآن مجید میں ہے ذھب اللہ بنورھم۔ یہاں مٹانے کے معنی میں ہے۔ ذِرٌّ، گھنڈی کو بھی کہتے ہیں اور انڈے کو بھی۔ الحجلۃ، دلہن کے لئے گول خیمے کی طرح خوبصورت عمدہ کپڑوں سے جو مکان بناتے تھے جن میں آرائش کے لئے بڑی بڑی گھنڈیاں لگاتے تھے اسے حجلہ کہتے ہیں اور حجلہ چکور پرندے کو بھی کہتے ہیں۔ ہم نے دونوں کی رعایت کرتے ہوئے دونوں ترجمہ کیا ہے۔ ثانی کو ترجیح ہے اس لئے کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں کبوتر کے انڈے کے مثل وارد ہے، یہاں تمثیل صرف مقدار میں ہے۔

[1] اصابہ الاستیعاب، جلد دوم، عینی جلد ثالث ص ۷۷،

قُمۡتُ خَلۡفَ ظَهۡرِهٖ فَنَظَرۡتُ اِلٰی خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَیۡنَ کَتِفَیۡهِ مِثۡلَ زِرِّ الۡحَجَلَةِ

پھر حضور کے پیچھے کھڑا ہوا میں نے حضور کے دونوں شانوں کے درمیان حجلہ عروسی کی گھنڈی کے مانند یا چکور کے انڈے کے مانند

مہر نبوت کو دیکھا۔

تکمیل باب صفۃ النبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں، محمد بن عبداللہ کا یہ قول نقل کیا ہے

الحجلة من حجل الفرس الذی بین عینیه[2] یہ حار کے ضمے اور جیم کے سکون کے ساتھ ہے۔ یہ حجل الفرس سے لیا گیا ہے یعنی وہ سپیدی جو گھوڑے کے دونوں آنکھوں کے درمیان ہوتی ہے۔

علامہ ابن حجر نے مقدمے میں فرمایا کہ یہ خطا ہے کیونکہ حجل الفرس اس سپیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کے پاؤں میں ہوتی ہے نیز وہیں ابراہیم بن حمزہ سے جو روایت ہے وہ رز الحجلہ ہے پہلے راء مہملہ پھر زاء معجمہ۔ امام بخاری نے فرمایا کہ یہی صحیح ہے۔ زِرّ کے معنی گھنڈی کے ہیں۔ انڈا اس کا لازم معنی ہوگا۔ رِزّ کے معنی انڈے کے ہیں، گھنڈی اس کا لازم معنی ہوگا۔ امام بخاری نے جو یہاں فرمایا کہ رِزّ صحیح ہے۔ غالباً یہ اس بنا پر کہ وہ حجلہ سے پرندہ مراد لیتے ہیں۔

وہیں یہ روایت بھی ہے جعید بن عبدالرحمٰن نے کہا میں نے، سائب بن یزید کو چورانوے سال کی عمر میں دیکھا وہ بہت تندرست میانہ قد تھے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ مجھے یہ کان اور آنکھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ملے ہیں۔ میری خالہ خدمت اقدس میں لے گئیں اور عرض کیا یہ میرا بھانجہ بیمار رہتا ہے، اس کے لئے دعا فرمادیں تو حضور نے میرے لئے دعا فرمائی۔

خاتم نبوت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان، بائیں شانے کی نرم ہڈی کے نیچے مہر نبوت تھی، اس سلسلے میں دس صحابۂ کرام سے احادیث مروی ہیں۔ جو باعتبار معنی مشہور ضرور ہیں، البتہ اس کی تفصیل میں الفاظ مختلف آئے ہیں۔ بخاری میں جو وارد ہے وہ دو معنی کا احتمال رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ حجلۂ عروسی کی گھنڈی کی طرح تھی۔ یا چکور کے انڈے کے مثل۔ مسلم شریف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے۔ کبوتر کے انڈے کے برابر تھی جس کا رنگ جسم اقدس کے جیسا تھا۔ ترمذی میں انھیں کی حدیث میں ہے کہ سرخ رنگ، سخت گوشت کا ایک ابھار کبوتر کے انڈے کے برابر تھا۔ نیز مسلم میں حضرت عبداللہ بن سرخس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بائیں مونڈھے

---

[1] ایضا صفۃ النبی باب وباب خاتم النبوۃ ج ۱ ص ۵۰۱۔ دعوات باب الدعاء للصبیان بالبرکۃ ج ۲ ص ۹۴۰۔ مرضی، باب من ذھب بالصبی المریض لیدعی له ج ۲ ص ۸۴۷۔

مسلم، فضائل، باب اثبات خاتم النبوۃ ج ۲ ص ۲۵۹، ترمذی، فضائل باب فی خاتم النبوۃ ج ۲ ص ۲۰۵۔

[2] بخاری ج ۱ ص ۵۰۱۔

کی نرم پتلی ہڈی کے پاس ایک مٹھی اُبھرے ہوئے تل تھے۔ مسند امام احمد میں حضرت ابو رمثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے۔ سیب کے مثل تھی۔ شمائل ترمذی، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے۔ ابھرا ہوا گوشت تھا۔ حاکم کی حدیث میں ہے، کچھ بال اکٹھے تھے۔ عمرو بن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے۔ مہر کے مثل تھی۔ تاریخ نیشا پور میں ہے۔ گوشت کی "گولی" کے مثل تھی جسمیں گوشت ہی سے لکھا تھا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ ابن عابد کی مولد میں ہے۔ کہ یہ ایک چمکدار نورانی شئی تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی الفاظ آئے ہیں۔ ان سب کا خلاصہ یہ نکلا کہ مہر نبوت کبوتر یا چکور کے انڈے کے برابر تھی، جو جسم اقدس سے اُبھری ہوئی تھی۔ اسمیں سیاہ تلوں کے مثل ابھار سے محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ اس سے نور چمکتا تھا۔ اس کا اصل رنگ وہی تھا جو جسم اقدس کا تھا یعنی سُرخ سفید مگر سیاہ اُبھار سے محمد رسول اللہ بنا ہوا تھا۔ اس پر بال بھی تھے۔

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ وصال کے بعد مہر نبوت اُٹھالی گئی تھی۔ یہ بائیں شانے کے متصل گردن کی جڑ کے قریب تھی۔ یہ مہر نبوت پیدائشی تھی یا بعد میں لگائی گئی، دونوں قول ہیں، تفصیل عینی میں مذکور ہے۔

یہ مہر نبوت، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ان خصوصی نشانیوں میں ہے جو کتب سابقہ میں مرقوم تھیں حضرت سلمان فارسی نے جب دوسرے دن ہدیہ پیش فرمایا حضور نے اسے قبول فرمالیا، تو انھوں نے پشت مبارک میں مہر نبوت دیکھی اور ایمان لائے۔[1]

بحیرا راہب نے کہا:-

انی اعرفه بخاتم النبوة اسفل من غضروف کتفه مثل التفاحة۔[2]	میں انھیں مہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو ان کے شانے کی نرم ہڈی کے نیچے سیب کی طرح ہے۔

مدارج میں ہے کہ دیگر انبیاء کرام کے ہاتھوں میں مہر نبوت ہوتی تھی مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پشت مبارک میں تھی۔ یہ اشارہ ختم نبوت کی طرف تھا۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ جہاں مہر نبوت تھی وہیں سے شیطان کی مداخلت ہوتی ہے۔ مہر نبوت کی وجہ سے شیطان کی مداخلت کی گنجائش نہ رہی۔

مطابقت باب سے مطابقت کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ "من وضوئہ" سے مراد وہ پانی لیا جائے جو وضو کرتے وقت گرتا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عام انسانوں کی صف میں رکھا جائے اور

---

[1] شمائل ترمذی

[2] ترمذی باب فی بدء النبوۃ ج ۲ ص ۲۰۲،

(۴۳) ت

تَوَضَّأَ عُمَرُ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بِالْحَمِیْمِ وَمِنْ بَیْتِ نَصْرَانِیَّۃٍ [۱-۲]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گرم پانی اور نصرانی عورت کے گھر کے پانی سے وضو فرمایا

یہ دونوں باتیں ممنوع ہیں۔ وضو کے معنی میں یہ بھی احتمال ہے کہ مراد وہ پانی ہو جو وضو کے بعد بچ گیا ہو۔ اور ہم بتا آئے کہ جب احناف کے نزدیک فضلات مبارکہ تک طاہر ہیں تو ماء مستعمل بدرجہ اولیٰ طاہر ہوگا۔

علاوہ ازیں احناف ماء مستعمل کو نجس نہیں کہتے۔ طاہر مانتے ہیں۔ اس لئے یہ حدیث کسی طرح احناف کے معارض نہیں۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ احناف ماء مستعمل کا پینا مکروہ بتاتے ہیں اور یہاں حضرت سائب نے یہ ماء متبرک پیا۔ اس کا جواب وہی ہے کہ بحث عام انسانوں کے استعمال کردہ پانی کی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے استعمال فرمودہ پانی کی نہیں۔ وہ بہرحال طاہر مطہر ہے ظاہر کا بھی مطہر ہے اور باطن کا بھی۔

مسائل کسی بھی مرض یا تکلیف کے ازالے کے لئے "دم کرانا" جائز ہے، بشرطیکہ جو پڑھ کر دم کیا جائے اسمیں کوئی کلمہ خلاف شرع نہ ہو، علماء صلحاء کے پاس دم کرانے کے لئے لیجانا جائز ہے۔ برکت کیلئے کسی کے سر پر ہاتھ پھیرنا سنت ہے۔

تشریحات (۴۳)

امام بخاری نے باب یہ باندھا "مرد کا عورت کے ساتھ وضو کرنا اور عورت کے وضو سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا"۔ باب کے بعد تعلیق مذکور ذکر کی۔ اس تعلیق کا باب سے کیا علاقہ ہے وہ خادم کی سمجھ میں نہیں آیا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں پانیوں میں یہ احتمال تھا کہ کسی عورت نے اسے استعمال کیا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دریافت کر لینا چاہئے تھا تاکہ ان کا شبہہ باقی نہ رہ جاتا۔ شبہات سے بچنا محمود ہے، من اتقی الشبہات فقد استبرأ لدینہ ۔ حضرت عمر نے یہ دریافت نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ عورت کے استعمال کردہ پانی سے وضو جائز ہے لیکن یہ طفلانہ بات ہے، کیا نصرانیہ کے پانی میں یہ شبہہ نہیں کہ وہ ناپاک ہو حضرت عمر نے یہ دریافت نہیں فرمایا کہ پانی پاک ہے کہ ناپاک، تو کیا کوئی یہ جرأت کر سکتا ہے کہ کہدے کہ ناپاک پانی سے بھی وضو جائز ہے۔

یہ دونوں دو تعلیق ہیں یا ایک۔ کریمہ کی روایت میں واؤ نہیں۔ اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی تعلیق ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں، دو مستقل تعلیق ہیں جیسا کہ علامہ عینی نے تحقیق فرمائی۔

گرم پانی سے وضو بالاتفاق جائز ہے، صرف امام مجاہد کا اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ پانی آگ پر گرم کیا جاتا ہے اور

۱؎ سعید بن منصور و عبد الرزاق ، ۲؎ امام شافعی عبد الرزاق ،

حدیث (۱۴۲)

کان الرجال والنساء یتوضؤن جمیعا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ کَانَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

آگ جہنم کا جزء ہے، وہیں سے آئی ہے جیساکہ حدیث میں ہے۔

نارکم جزء من سبعین جزء من نار جھنم [1] تمہاری یہ آگ جہنم کی آگ کے ستر جز میں سے ایک جز ہے۔

اس لئے گرم پانی کے استعمال میں ایک گونہ جہنم سے علاقہ ہے۔ عبادات میں یہ علاقہ بھی اچھا نہیں۔ مگر یہ انکا استدلال ظاہر ہے کہ لائق التفات نہیں۔ اگر آگ پر گرم کئے ہوئے پانی کے استعمال میں جہنم سے ایک گونہ علاقہ ہے تو پکے ہوئے کھانے میں بھی یہ علاقہ ہے اس لئے اس سے بھی اجتناب لازم ہے۔ علاقہ جہنم سے مطلقاً اجتناب لازم ہے خواہ عبادات ہوں خواہ معاملات۔ حق یہ ہے کہ آگ اگرچہ جہنم سے آئی ہے مگر یہ بھی نعمت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اَفَرَاَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَھَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ۝ (واقعہ) بتاؤ وہ آگ جسے تم جلاتے ہو کیا تم نے اس کا پیڑ پیدا کیا یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔

اگر آگ نعمت نہ ہوتی تو اس کی عطا پر احسان نہیں جتایا جاتا۔

باب کا فائدہ اس عہد میں عورت کی جو حیثیت تھی اسکے پیش نظر اسے یہ اعزاز دینا کہ وہ مرد کے ساتھ وضو یا غسل کرے بہت مستبعد تھا، نیز اس کے بچے ہوئے پانی کو استعمال کرنا مرد کے لئے بہت مشکل تھا۔ علاوہ ازیں کسی کے وضو یا غسل سے بچے ہوئے پانی سے وضو یا غسل کرنا طبیعت پر گراں بھی ہوتا ہے، اس کے ازالے کیلئے یہ باب باندھا۔

غیر مسلم کے گھر کے پانی کو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں خصوصاً جبکہ دوسرا پانی نہ ہو، اسلئے کہ پانی کی اصل طہارت ہے۔ جب تک دلیل سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ پانی ناپاک ہے اسے پاک ہی مانا جائے گا۔ البتہ دوسرا پانی ہوتے ہوئے کسی کافر کے گھر کا پانی نہ استعمال کیا جائے، یہی بہتر ہے۔

تشریحات (۱۴۲)

مطابقت باب کے پہلے جز پر اس حدیث کی دلالت صریح ہے اور دوسرے جز پر التزامی۔ وہ اس طرح کہ جب عورت نے ایک بار برتن سے پانی لے لیا تو برتن کے باقی ماندہ پانی پر یہ صادق آیا کہ وہ عورت کے

[1] مشکوٰۃ ص ۵۰۲

يَتَوَضَّؤُنَ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيعًا
کے زمانے میں مرد اور عورتیں اکٹھے وضو کرتے تھے

استعمال سے بچا ہوا ہے۔

لیکن امام بخاری نے جتنا حصہ ذکر کیا ہے اسمیں یہ مذکور نہیں کہ مرد اور عورت ایک ہی برتن سے وضو کرتے تھے اسلئے باب کے کسی جز پر حدیث کی دلالت نہ ہوئی۔ علامہ عینی نے اس کا جواب یہ دیا کہ دار قطنی نے بطریق "محمد بن نعمان" جو روایت کی ہے اسمیں "من المیضاۃ" زائد ہے۔ نیز قعنبی اور ابن وہب کی روایت میں "فی الاناء الواحد" وارد ہے۔ نیز ابو داؤد میں بطریق ایوب "من اناء واحد" مروی ہے۔ اب بات صاف ہو گئی کہ مرد اور عورت ایک ہی برتن سے وضو کرتے تھے، اور ایک حدیث دوسرے کی تفسیر ہوتی ہے۔

اقول: ہم اس پر کئی بار عرض کر آئے ہیں کہ امام بخاری نے حدیث کا جتنا حصہ ذکر کیا ہے وہ باب کے مطابق نہیں اور گفتگو یہی ہے کہ امام بخاری نے جو حدیث ذکر کی ہے یہ باب کے مطابق نہیں۔ یہ اپنی جگہ درست رہا دوسری کتابوں میں مذکور احادیث سے باب کی مطابقت ہو بھی گئی تو اس سے امام بخاری کو کیا فائدہ۔ ہاں بخاری میں کہیں یہ اضافہ ہوتا تو دوسری بات تھی۔

باب کا فائدہ بعض احادیث میں وارد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورت کے استعمال سے بچے ہوئے پانی سے وضو یا غسل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت سعید بن مسیب اور امام حسن نے فرمایا کہ عورت کے استعمال سے بچے ہوئے پانی سے وضو اور غسل مطلقاً مکروہ ہے۔ داؤد ظاہری اور امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ اگر تنہا عورت نے کوئی پانی استعمال کیا ہو تو بچا ہوا پانی مرد کو استعمال کرنا جائز نہیں۔

احناف اور امام مالک اور جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ مطلقاً بلا کراہت مرد کو یہ پانی استعمال کرنا جائز ہے خواہ عورت نے تنہا استعمال کیا ہو خواہ مرد کے ساتھ۔ خواہ جنبی اور حائضہ ہو خواہ پاک ہو۔ مرد و عورت ساتھ پانی لیں یا آگے پیچھے۔ خواہ پہلے پانی لینا عورت شروع کرے یا مرد۔

جسطرح عورت کے استعمال سے بچے ہوئے پانی سے مرد کو وضو اور غسل جائز ہے اسی طرح عورت کو بھی مرد کے استعمال سے بچے ہوئے پانی سے وضو اور غسل بلا کراہت درست ہے۔

ایک توضیح حدیث کے ظاہر سے متبادر ہوتا ہے کہ جس طرح زوجین اور محارم اکٹھے ہو کر ایک برتن سے وضو کرتے تھے اسی طرح غیر محارم مرد و عورت بھی اکٹھے ہو کر وضو کرتے تھے۔

حدیث (۱۴۳)

صب علی من وضوئه فعقلت

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُولُ جَاءَ رَسُولُ اللهِ
محمد بن منکدر نے کہا میں نے جابر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں بیمار تھا رسول اللہ

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ، پردے کے حکم سے پہلے کی بات ہے۔ پردے کے حکم کے بعد اجنبی مرد و عورت کا اکٹھے ہو کر وضو کرنا ممنوع ہو گیا اور زوجین اور محارم کا باقی رہا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث تیمم میں قطعی نہیں۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ میاں بیوی اور محارم اکٹھے وضو کرتے تھے۔ اس صورت میں بھی یہ کہنا درست ہے کہ عورتیں اور مرد اکٹھے ہو کر ایک برتن سے وضو کرتے تھے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ "جمیعًا" دو معنی میں آتا ہے۔ ایک کلهم کے دوسرے معًا کے جب لے معًا کے معنی میں لیں گے تو معنی یہ ہوں گے کہ مرد و عورتیں اکٹھے ایک ساتھ وضو کرتی تھیں۔ اور وہ اعتراض وارد ہوگا۔ اور اگر اسے "کلهم" کے معنی میں لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ سب لوگ ایک برتن سے وضو کرتے تھے، اگرچہ باری باری یکے بعد دیگرے۔ اب یہ لازم نہیں آیا کہ مرد اور عورتیں ایک ساتھ وضو کرتی تھیں۔ ہو سکتا ہے مرد پہلے وضو کر لیتے ہوں اور عورتیں بعد میں کرتی ہوں یا اس کے برعکس پہلے عورتیں وضو کر لیتی ہوں اور بعد میں مرد کرتے ہوں۔

تشریحات (۱۴۳)

محمد بن منکدر تیمی، قرشی علم و زہد میں جامع مشہور تابعی ہیں۔ یہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ماموں، منکدر کے صاحبزادے ہیں۔ ایک دفعہ منکدر، ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تنگدستی کی شکایت کی حضرت ام المومنین نے فرمایا پہلی فتوحات جو آئے گی وہ تمھاری ہے۔ اتفاق سے پہلی بار دس ہزار درہم آئے یہ سب منکدر کو دیدیا۔ انھوں نے ایک لونڈی خریدی جس سے محمد پیدا ہوئے۔ ان کا ۱۳۱ھ میں وصال ہوا۔

لغات کلالۃ۔ زمخشری نے کہا، کلالہ کا اطلاق تین معنوں پر ہوتا ہے۔ وہ شخص جس کی نہ اولاد ہو نہ باپ دادا۔ اولاد اور باپ دادا کے علاوہ دوسرے وارثین۔ والدیت اور ولدیت کے علاوہ دوسرے رشتے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ، ایسے شخص کے ترکے کو بھی کہتے ہیں جس کے باپ دادا اور اولاد نہ ہو۔ یہاں مراد دوسرا معنی ہے۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعودنی وانا مریض لا اعقل فتوضأ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے مجھے ہوش نہ تھا حضور نے
وصب علی من وضوئہ، فعقلت، فقلت یارسول اللہ، لمن
وضو فرمایا اور وضو سے بچا ہوا پانی مجھ پر ڈالا جس سے میں ہوش میں آگیا۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ
المیراث[۲] انما یرثنی کلالۃ فنزلت اٰیۃ الفرائض[ع]
میری میراث کس کو ملے گی میرا وارث کلالہ ہے۔ تو آیت فرائض نازل ہوئی۔

جیساکہ فرائض میں ہے کہ حضرت جابر نے عرض کیا، انما لی اخوات، میری صرف بہنیں ہیں۔ فرائض فریضہ کی جمع ہے۔ اس کے معنی مقررشدہ کے ہیں۔ یہاں میراث میں مقررہ حصہ مراد ہے باب عیادۃ المغمٰی علیہ میں ہے کہ حضرت ابوبکر بھی ساتھ تھے۔ دونوں حضرات پیدل آئے تھے۔ جب تشریف لائے تو مجھ پر بیہوشی طاری تھی۔

(۱) یہاں دونوں احتمال ہیں کہ وضو سے جو پانی برتن میں بچ گیا تھا اسے ڈالا۔ یا وضو کرنے میں جو پانی اعضا مبارکہ سے گرا، اسے ڈالا۔ ظاہر دوسرا احتمال ہے اسلئے پہلے پانی میں بھی اگرچہ شفا ہے، مگر جسم اقدس سے مس ہونے کے بعد پانی میں جو بات ہوگی وہ پہلے پانی میں کہاں؟ امام بخاری کا بھی رجحان یہی ظاہر ہورہا ہے اس لئے کہ وہ اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ماء مستعمل پاک ہے، اور مستعمل دوسرا ہی پانی ہے، نہ کہ پہلا ہم بار بار بتا آئے کہ ماء مستعمل کی طہارت کا قول نہ ہمیں مضر اور نہ امام بخاری کا استنباط درست۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عامۂ مومنین کا قیاس، قیاس مع الفارق۔

(۲) یہاں یاء متکلم محذوف ہے جس کے عوض الف لام ہے۔ مراد یہ ہے کہ میری میراث کسے ملے گی جبکہ میرے وارثین میں صرف بہنیں ہیں۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ حضرت جابر کا مقصود یہ رہا ہو کہ کیا میں اپنا مال صدقہ کردوں؟ ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضور نے فرمایا تم اس بیماری میں نہیں مروگے۔[لہ]

مسائل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غسالہ مبارکہ طاہر بھی ہے اور مطہر بھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شافی امراض ہیں۔ علامہ عینی نے اسی حدیث کے تحت لکھا۔

ع ایضا المرضی باب عیادۃ المغمی علیہ جلد ۲ ص ۸۴۴۔ باب وضوء العائد للمریض جلد ۲ ص ۸۴۷ الفرائض میراث الاخوۃ والاخوات جلد ۲ ص ۹۹۸۔ مسلم، فرائض، نسائی، طہارت، تفسیر طب۔

لہ فیوض الباری جلد اول ص ۲۳۲۔

حدیث (۱۴۴)

غسل رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یدیہ ووجہہ فی الماء ومج فیہ

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعَا بِقَدَحٍ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک پیالہ منگایا

فِیْہِ مَاءٌ، فَغَسَلَ یَدَیْہِ وَوَجْہَہٗ فِیْہِ وَمَجَّ فِیْہِ (وزاد قبل صفحۃ

جسمیں پانی تھا، حضور نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو اس میں دھویا اور اس میں کلی کی۔ پھر ان دونوں

تَعْلِیْقًا) ثُمَّ قَالَ لَھُمَا اِشْرَبَا مِنْہُ وَاَفْرِغَا عَلیٰ وُجُوْھِکُمَا وَنُحُوْرِکُمَا [1]

(ابو موسیٰ اور بلال) سے فرمایا اس میں سے کچھ پی لو اور کچھ اپنے چہروں اور سینوں پر ڈال لو۔

ببرکۃ ید رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یزیل کل علۃ۔ [2]

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت ہر بیماری کو دور کردیتی ہے۔

بیماروں کی عیادت سنت ہے۔ بڑوں کو چھوٹوں کی بھی عیادت کرنی چاہیے۔

تشریحات (۱۴۴)

تکمیل پوری حدیث یوں ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جِعِرّانہ میں جو مکے اور مدینے کے درمیان ہے اقامت پذیر تھے۔ میں خدمت اقدس میں حاضر تھا اور بلال بھی ساتھ تھے۔ ایک اعرابی آیا اور عرض کیا، مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کرو۔ حضور نے فرمایا تجھے بشارت ہو۔ اعرابی نے کہا۔ آپ اَبْشِرْ بہت کہہ چکے۔ حضور غضبناک حالت میں ابو موسیٰ اور بلال کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اس نے بشارت رد کردی تم لوگ قبول کرو۔ ان دونوں نے عرض کیا ہم نے قبول کیا۔ اس کے بعد ایک پیالہ منگایا جسمیں پانی تھا۔ اس پیالے میں اپنے ہاتھوں اور چہرے کو دھویا اور اسمیں کلی کی، پھر فرمایا، تم دونوں اسمیں سے کچھ پی لو اور کچھ اپنے چہرے اور سینے پر ڈال لو۔ ان دونوں نے پیالہ لیا اور تعمیل حکم کیا۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ (پردے میں تشریف فرما تھیں)، پردے ہی میں سے فرمایا اپنی ماں کیلئے بھی بچالینا۔ ان لوگوں نے ان کے لئے تھوڑا سا بچالیا۔

تسامح اس حدیث کے ابتدائی حصے میں یہ ہے کہ مکے اور مدینے کے درمیان جعرانہ میں فروکش تھے۔

---

[1] ایضا مغازی: باب غزوۃ طائف جلد ثانی ص ۶۲۰۔ مسلم باب من فضائل ابی موسیٰ وابی عامر جلد ثانی ص ۳۰۳۔

[2] جلد ثالث ص ۸۷۔

حدیث (۱۴۵)

اذا اشتد وجع النبی صلی اللہ تعالے علیہ وسلم

اَخْبَرَنِی عُبَیْدُ اللہِ بْنُ عَبْدِ اللہِ بْنِ عُتْبَۃَ اَنَّ عَائِشَۃَ قَالَتْ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا

حالانکہ جعرانہ مکے اور مدینے کے مابین نہیں مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان ہے۔ [1]

مطابقت یہ حدیث پہلے تعلیقا، باب استعمال فضل وضوالناس میں ذکر فرمائی تھی۔ اس حدیث میں وضو کا ذکر نہیں صرف ہاتھ اور منہ دھونے کا تذکرہ ہے۔ اس لئے بظاہر یہ باب کے مطابق نہ ہوئی، علامہ عینی نے فرمایا جب اس پیالے میں ہاتھ اور منہ دھویا تو پانی مستعمل ہوگیا اور اسے استعمال فرمایا تو ثابت ہوگیا کہ ماء مستعمل کا استعمال درست ہے۔ وضو سے بھی پانی مستعمل ہی ہوتا ہے۔ تو جیسے یہ ماء مستعمل لائق استعمال ہے اسی طرح وضو کرنے سے جو پانی مستعمل ہو وہ بھی لائق استعمال ہے۔ اس پر ہم بار بار عرض کر چکے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استعمال فرمودہ پانی خارج از بحث ہے۔ اس لئے اس سے عام لوگوں کے استعمال کردہ پانی کے لائق استعمال ہونے پر استدلال ساقط۔ پھر اس حدیث کو مسندًا باب الغسل والوضو فی المِخْضَبِ وَالْقَدَحِ میں ذکر فرمایا۔ اس حدیث میں نہ وضو کا ذکر ہے نہ غسل کا۔ اس لئے اس باب سے بھی اس حدیث کو کوئی مطابقت نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برکت کے لئے اس میں ہاتھ اور منہ دھویا پھر کلی کی۔ غسل تو بہت دور ہے وضو بھی مذکور نہیں۔

تشریحات (۱۴۵) تکمیل: باب انما جعل الامام لیوتم بہ میں یوں مذکور ہے کہ عبید اللہ نے کہا میں حضرت ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ کیا آپ ہم سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرض کے حالات نہیں بیان فرمائیں گی؟ ارشاد فرمایا ضرور بیان کروں گی۔ جب نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرض بہت بڑھ گیا۔ دریافت فرمایا لوگوں نے نماز پڑھ لی، ہم نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ، لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ حکم دیا کہ میرے لئے لگن میں پانی رکھو، ہم نے ایسا کیا۔ حضور نے غسل فرمایا۔ چاہا کہ کھڑے ہو جائیں کہ بیہوش ہو گئے۔ جب افاقہ ہوا تو پھر پوچھا۔ لوگ نماز پڑھ چکے ہم نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں، پھر فرمایا، میرے لئے لگن میں پانی رکھو، ہم نے رکھا حضور نے غسل فرمایا، غسل سے فارغ ہو کر چاہا کہ کھڑے ہوں کہ پھر بیہوش ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد ہوش میں آئے تو پھر پوچھا، لوگوں نے نماز پڑھ لی، ہم نے عرض کیا، نہیں یارسول اللہ! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمایا میرے لئے لگن میں پانی رکھو۔ ہم نے رکھا تو اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور غسل فرمایا۔ غسل کے بعد چاہا کہ کھڑے ہوں کہ پھر بیہوش ہو گئے۔ پھر افاقہ ہوا تو دریافت فرمایا، لوگ نماز پڑھ چکے، ہم نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ لوگ مسجد میں عشاء کی

[1] قسطلانی، نولکشور۔ باب غزوۂ طائف جلد سادس ص ۳۳۳۔

لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاشْتَدَّ بِهٖ وَجَعُهٗ اِسْتَاذَنَ اَزْوَاجَهٗ

جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو حضور نے

فِي اَنْ يُّمَرَّضَ فِيْ بَيْتِيْ، فَاَذِنَّ لَهٗ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اپنی ازواج سے اجازت چاہی کہ میرے گھر میں حضور کی تیمارداری کیجائے، سب نے حضور کو اجازت دیدی، اس کے بعد

نماز کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے۔ حضور نے ایک شخص کو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا کہ وہ نماز پڑھادیں۔ فرستادہ (حضرت بلال) ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو فرمان پہنچادیا۔ حضرت ابوبکر رقیق القلب انسان تھے حضرت عمر سے کہا تم نماز پڑھاؤ۔ حضرت عمر نے کہا آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ ان دنوں (تین دن) ابوبکر نے نماز پڑھائی۔ اس کے بعد حضور نے مرض میں کچھ تخفیف محسوس کی تو ظہر کی نماز کے لئے حضرت عباس اور ایک اور شخص کے سہارے مسجد میں تشریف لائے، اور ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ جب ابوبکر نے تشریف آوری کو محسوس کیا تو پیچھے ہٹنے لگے۔ حضور نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ رہو پیچھے نہ ہٹو۔ اور سہارا دینے والوں کو حکم دیا کہ مجھے ابوبکر کے پہلو میں بیٹھادو۔ ان لوگوں نے ان کے پہلو میں حضور کو بائیں طرف بیٹھا دیا۔ ابوبکر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ ابوبکر کی اقتدا میں۔ ایک روایت میں ہے کہ نماز کے بعد حضور نے خطبہ دیا۔ مرض وصال اور حضرت ابوبکر کو امام بنانے کی پوری تفصیل اس کے باب میں آئے گی۔ یہاں صرف حدیث عبید اللہ بن عبد اللہ کی تکمیل مقصود ہے۔ اس حدیث سے متعلق ابحاث بھی وہیں مذکور ہوں گی۔

ایک توجیہ حضرت ام المومنین نے حضرت علی کا نام نہیں لیا۔ اس کی علت عام شراح یہ بتاتے ہیں کہ واقعہ افک میں چونکہ حضرت ام المومنین کی صفائی کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہدیا تھا کہ ان کے علاوہ اور بہت سی عورتیں ہیں۔ اس کی وجہ سے ام المومنین حضرت علی سے کبیدہ خاطر تھیں۔ اسی طرح یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ واقعہ جمل کیوجہ سے آزردہ خاطر تھیں۔ اس پر اس خادم کی عرض یہ ہے کہ حضرت ام المومنین کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کینہ رکھیں۔ اصلی معاملہ یہ ہے کہ اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ کسی میں فضل بن عباس کا نام ہے کسی میں حضرت اسامہ کا، کسی میں بریرہ اور لوبہ کا۔ ہوسکتا ہے حضرت علی اور حضرت اسامہ، حضرت فضل بن عباس نے باری باری سہارا دیا ہو۔ اور حضرت عباس نے شروع سے اخیر تک اس لئے حضرت عباس کا تو نام لیا اور ان تینوں کی تعبیر ورجل اخر سے کردی۔

اس روایت میں تصریح ہے کہ یہ نماز ظہر تھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ نماز فجر تھی۔ اسی طرح کچھ روایتوں میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امام تھے اور حضرت ابوبکر مقتدی اور مبلغ۔ دوسری روایتوں میں کہ امام حضرت ابوبکر ہی تھے حضور مقتدی تھے۔ چنانچہ اسود نے حضرت ام المومنین ہی کی روایت میں ذکر کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی۔ مسروق کی روایت میں انھیں کا یہ قول ہے کہ، مرض وصال میں ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی۔ بیہقی نے اس کا یہ جواب دیا کہ جس نماز میں حضور امام تھے وہ نماز ظہر تھی۔ ہفتہ یا یکشنبہ کے دن، اور جو حضرت ابوبکر کے

بَيْنَ رَجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلَاهُ فِي الْأَرْضِ بَيْنَ عَبَّاسٍ وَرَجُلٍ اٰخَرَ
نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو آدمیوں حضرت عباس اور ایک اور صاحب کے سہارے نکلے

قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ فَاَخْبَرْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ اَتَدْرِيْ
اس طرح کہ حضور کے دونوں پاؤں زمین پر گھسٹتے جاتے تھے، عبید اللہ نے کہا، میں نے حضرت ابن عباس

مَنِ الرَّجُلُ الْاٰخَرُ، قُلْتُ لَا، قَالَ هُوَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَكَانَتْ
کو بتایا تو انھوں نے پوچھا تم جانتے ہو دوسرے صاحب کون تھے، میں نے کہا نہیں، فرمایا وہ علی ابن

عَائِشَةُ تُحَدِّثُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَعْدَ
ابی طالب تھے، حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں میرے گھر آنے کے بعد نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

پیچھے پڑھی وہ یوم وصال کی فجر تھی۔

اس تفصیل کے بعد بہت سے تعارض رفع ہوگئے۔ مثلاً یہاں کی روایت میں ہے کہ نہلانے سے مرض میں تخفیف ہوگئی اور حضور نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ اور باب انما جعل الامام لیوتم بہ میں ہے کہ تین بار نہلانے کے بعد بھی مرض کی شدت میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ اسی طرح سہارا دینے والوں کے نام کے اختلاف میں بھی یہ تطبیق دی جاسکتی ہے۔ ایک بات قابل لحاظ یہ بھی ہے کہ یہاں دو مواقع ہیں ایک تو ام المومنین حضرت میمونہ کے گھر سے حضرت عائشہ کے گھر لانا، اور ایک حجرۂ عائشہ سے نماز کے لئے مسجد میں لانا۔ ان دونوں میں خلط ہو جانے سے بھی اشکال پیدا ہو سکتا ہے۔

یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک نماز میں ایک ہی جماعت کے دو امام نہیں ہو سکتے اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دو امام ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں امام حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی تھے۔ حضرت ابوبکر مقتدی مکبر و مبلغ تھے۔

مرض کی یہ شدت وصال سے تین دن قبل عشاء کے وقت ہوئی۔ حضرت صدیق اکبر نے سترہ وقت کی نمازیں،[1] حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں پڑھائیں ان میں سے دو نمازوں میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شریک ہوئے، ایک میں امام ہوئے ایک میں مقتدی۔ اس حساب سے مرض کی شدت پنجشنبہ کے بعد جمعہ کی رات میں ہوئی۔

ایک روایت میں ہے کہ مرض کی ابتدا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے ہوئی تھی۔ دوسری روایت[2] میں ہے کہ حضرت میمونہ کے گھر سے ابتدا ہوئی۔ ان دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ حقیقت میں مرض کی ابتدا حضرت صدیقہ کے گھر ہوئی۔ مرض میں شدت حضرت میمونہ کے گھر سے ہوئی جس کے بعد اجازت لے کر حضرت صدیقہ کے گھر تشریف لائے۔

مسائل | علامہ عینی نے فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی ازواج مطہرات کے مابین عدل واجب تھا۔

[1] مدارج النبوۃ جلد ثانی مطبوعہ نولکشور تقطیع خورد ص ۵۴۳ ۔ [2] مسلم جلد اول ص ۱۷۸ ۔

مَادَخَلَ بَيْتَهُ وَاشْتَدَّ وَجَعُهُ هَرِيقُوْا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ لَمْ تُحْلَلْ
کا مرض بڑھ گیا تو فرمایا سات ایسی مشکوں سے میرے اوپر پانی بہاؤ جن کے منہ کھولے
اَوْكِيَتُهُنَّ لَعَلِّيْ اَعْهَدُ اِلَى النَّاسِ وَاُجْلِسَ فِيْ مِخْضَبٍ لِحَفْصَةَ
نہ گئے ہوں تاکہ میں لوگوں کو وصیت کر سکوں حضرت حفصہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ
زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ طَفِقْنَا نَصُبُّ عَلَيْهِ تِلْكَ
کی لگن میں حضور کو بٹھایا گیا پھر ہم سب حضور پر پانی ڈالنے لگیں یہاں تک کہ حضور
حَتّٰى طَفِقَ يُشِيْرُ اِلَيْنَا اَنْ قَدْ فَعَلْتُنَّ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى النَّاسِ [1]
اشارہ فرمانے لگے تم اپنا کام کر چکیں اس کے بعد حضور باہر تشریف لے گئے

مگر یہ صحیح نہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

تُرْجِيْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِيْ اِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ۔ ان میں سے جسے چاہو اپنے سے دور رکھو اور جسے چاہو اپنے پاس رکھو۔

احزاب (۵۱)

اس سے ثابت کہ حضور پر ازواج کے مابین برابری واجب نہیں تھی مگر یہ غایت کرم تھا کہ برابری کرتے یہانتک کہ بیماری میں بھی۔ اور جب بہت کمزور ہوئے تو اجازت لے کر حضرت صدیقہ کے گھر قیام فرمایا ورنہ اجازت لینے کی کیا حاجت تھی۔ یہ بھی جائز ہے کہ ایک سوتن اپنی باری دوسرے کو دیدے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ کے ساتھ تمام ازواج سے زیادہ محبت تھی۔ نیز ثابت ہوا کہ اگر امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے اور مقتدی قیام پر قادر ہوں تو مقتدیوں کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنی چاہئے۔ یہی اخیر عمل ہے اس سے وہ حدیث منسوخ ہے جسمیں ہے کہ جب امام بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھکر پڑھو۔ نیز ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر تمام صحابہ سے افضل اور اعلم ہیں اور وہ خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ جیسا کہ خود حضرت علی نے فرمایا۔ جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا ہم نے اسے اپنی دنیا کے لئے بھی پسند کیا۔ حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر کی افضلیت ثابت ہوئی۔ جماعت کے ساتھ نماز کی اہمیت ظاہر ہوئی، کہ اس کے باوجود کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سخت علیل تھے مسجد میں تشریف لے جانے کی قوت نہ تھی مگر تدبیر کر کے دوسروں کے سہارے مسجد میں نماز باجماعت کے لئے تشریف لے گئے۔

امام بخاری نے اگرچہ باب یہ باندھا ہے کہ لگن میں غسل اور وضو، مگر مقصود ان کا وہی ہے کہ ماء مستعمل پاک ہے اور

---

[1] ایضا، صلاۃ باب حد المریض یشھد الجماعۃ جلد اول ص ۹۲-۹۱۔ باب انما جعل الامام لیوتم بہ ص ۹۵۔ ھبۃ باب ھبۃ الرجل لامرأتہ والمرأۃ لزوجھا جلد اول ص ۳۵۲۔ جھاد۔ باب بیوت ازواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلد اول ص ۴۳۷۔ مغازی۔ باب مرض النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ووفاتہ جلد ثانی ص ۶۳۹، الطب، باب، جلد ثانی ص ۸۵۱ مسلم، الصلوٰۃ باب استخلاف الامام جلد اول ص ۱۷۷،۱۷۸، نسائی، الایتمام بالامام یصلی قاعدا ص ۱۳۴۔ دارمی، مقدمہ ۱۴۰، صلوٰۃ ۴۴۔ مسند امام احمد۔

حدیث (۱۴۶)

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ

سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْسِلُ
حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غسل کرتے تھے

اس پر ہماری وہی عرض ہے جو بار بار گزر چکی، امام بخاری نے باب یہ باندھا تھا کہ لکڑی یا پتھر کی لگن اور پیالے میں غسل اور وضو۔ اس میں چار حدیثیں ذکر کیں، ان میں سے دو حدیثیں گزر چکیں ہیں۔ پہلی حدیث انس ہے، اس میں یہ ہے کہ "حضور کی خدمت میں پتھر کی ایک چھوٹی لگن لائی گئی"۔ دوسری حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جس میں ہے کہ "ایک پیالہ پیش کیا گیا جس میں پانی تھا"۔

تیسری حدیث حضرت عبداللہ بن زید کی ہے جسمیں ہے کہ "تانبے کے ایک چھوٹے برتن (طشت) میں پانی پیش کیا گیا"۔

چوتھی حضرت ام المومنین کی ہے جسمیں یہ ہے کہ "ہم نے حضور کو حفصہ کی ایک لگن میں بیٹھایا"۔ پہلی حدیث میں تو بتصریح مذکور ہے کہ پتھر کی ایک لگن پیش کی گئی۔ اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ پتھر کی لگن کا استعمال درست ہے۔ رہ گیا لکڑی کے برتن کا استعمال۔ وہ قدح سے ثابت۔ اس لئے کہ قدح اکثر لکڑی کے بنے ہوئے پیالے کو کہتے ہیں۔ جیساکہ علامہ عینی نے ابن اثیر کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

تشریحات (۱۴۶) صاع اور مُد امام اعظم اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔ ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے اور امام ابو یوسف وائمہ ثلثہ نے فرمایا۔ پانچ رطل اور تہائی رطل کا (۵ ⅓)۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ چار مُد کا ایک صاع البتہ مُد کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام اعظم کے نزدیک ایک مُد دو رطل کا۔ اور امام ابو یوسف وغیرہ کے یہاں ایک رطل اور تہائی رطل کا (۱ ⅓)

ایک رطل بیس استار کا۔ ایک استار ساڑھے چار مثقال اور ایک مثقال ساڑھے چار ماشے[1] انگریزی روپیہ ڈھائی مثقال یعنی سوا گیارہ ماشے۔ اس حساب سے ایک رطل چھتیس روپئے بھر۔ اور ایک مُد بہتر روپے بھر اور صاع انگریزی روپے سے دو سو اٹھاسی روپے بھر ہوا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ایک مُد اڑتالیس روپے بھر اور صاع ایک سو بانوے بھر۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو ایک صاحب نے جن پر مجھے اعتماد تھا ایک صاع نکالا اور بتایا کہ یہ صاع نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے۔ میں نے اسے ۵ ⅓ رطل پایا۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ یہ صاحب امام مالک تھے۔ اسی طرح علی بن مدینی نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاع کو جانچا تو ۵ ⅓ رطل پایا۔

---

[1] شامی جلد دوم ص ۶۷۔

اَوْكَانَ يَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ اِلٰى خَمْسَةِ اَمْدَادٍ وَيَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ ؎

ایک صاع سے لے کر پانچ مُد تک سے . اور ایک مُد سے وضو کرتے

امام اعظم وغیرہ کی دلیل یہ احادیث ہیں، ابن عدی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی وہ کہتے ہیں :

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یتوضاء بالمد رطلین۔ — رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مُد دو رطل سے وضو فرماتے تھے۔

دوسری حدیث دار قطنی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں روایت کی :

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یتوضاء بالمد رطلین ؎ ویغتسل بالصاع ثمانیۃ ارطال — رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مُد دو رطل سے وضو فرماتے اور ایک صاع آٹھ رطل سے غسل فرماتے۔

وضو میں پانی کی مقدار اس بارے میں روایتیں مختلف آئی ہیں۔ حدیث اول۔ یہی زیر بحث حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک صاع سے لے کر پانچ مُد تک سے غسل فرماتے تھے اور ایک مُد سے وضو۔

حدیث دوم صحیح مسلم ؎ مسند امام احمد، جامع ترمذی ؎ شرح معانی الآثار ؎ امام طحاوی میں حضرت سفینہ، اور مسند امام احمد وسنن ابوداؤد ؎ وطحاوی ؎ میں بسند صحیح حضرت جابر بن عبد اللہ نیز انھیں کتابوں میں بطرق کثیرہ ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے کہ :

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مُد سے وضو اور ایک صاع سے غسل فرماتے۔"

اکثر احادیث میں یہی ہے۔ حضرت انس والی حدیث طحاوی میں یوں ہے :

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مُد پانی سے پورا پورا وضو فرمالیتے اور قریب تھا کہ کچھ بچ رہتا۔"

حدیث سوم۔ ابویعلی، طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند ضعیف یہ روایت کیا۔

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آدھے مُد سے وضو فرمایا۔"

حدیث چہارم: سنن ابوداؤد ؎ ونسائی ؎ میں حضرت ام عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے :

"نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمانا چاہا تو ایک برتن حاضر لایا گیا جس میں دو تہائی مُد کی مقدار پانی تھا۔"

حدیث پنجم: ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم کی صحاح میں حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں حدیث آئی ہے۔

؎ مسلم جلد اول۔ حیض باب قدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ ص ۱۴۹۔

؎ طحاوی جلد اول ص ۳۲۳۔ ؎ جلد اول باب قدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ ص ۱۴۹۔

؎ جلد اول باب الوضوء من المد ص ۹۔ ؎ باب وزن الصاع ص ۳۲۳۔ ؎ جلد اول باب ما یجزی من الماء فی الوضوء ص ۱۳۔ ؎ شرح معانی الآثار جلد اول باب وزن الصاع کم ھو ص ۳۲۳۔

؎ جلد اول باب ما یجزی من الماء فی الوضوء ص ۱۳۔

؎ جلد اول باب القدر الذی یکفی من الماء للوضوء ص ۲۴۔

"انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک تہائی مد سے وضو فرمایا۔"

حدیث ششم:۔ مسلم، سنن ابوداؤد، نسائی وطحاوی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں حدیث آئی ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مکوک سے وضو اور پانچ مکوک سے غسل فرماتے۔"

تطبیق: راجح یہ ہے کہ مکوک سے مُراد مُد ہے۔ جیسا کہ امام طحاوی نے تصریح کی ہے۔ اب اس حدیث اور حدیث اول کا حاصل قریب قریب ایک ہی ہوا۔ حدیث اول و دوم میں تطبیق یہ ہے کہ چار مُد ایک صاع غسل کے لئے تھا اور ایک مد غسل کے وضو کے لئے۔ اس طرح غسل میں پانچ مد صرف ہوئے۔ ان سب احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو میں اعضا کبھی ایک بار دھوئے ہیں کبھی دو دو بار اور کبھی تین تین بار۔ یہی عادت کریمہ تھی۔ پانیوں کی مقدار کا اختلاف اسی اعتبار سے ہے۔ جب اعضا ایک بار دھوئے تو تہائی مد پانی صرف ہوا۔ جب دو دو بار دھوئے تو دو تہائی صرف ہوا۔ جب تین تین بار دھوئے تو پورا ایک مُد صرف ہوا۔

غسل میں پانی کی مقدار غسل میں کم سے کم پانی کی مقدار وہ ہے جسے امام مسلم نے ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی فرماتی ہیں:

"میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ایسے برتن سے جو تین مد پانی کی گنجائش رکھتا نہا لیتے۔"

توجیہ اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات اسی تین مد پانی سے ساتھ ساتھ نہا لیتے، یہ بعید از قیاس ہے کہ ڈیڑھ مد پانی سے غسل ہو سکے اس لئے علما نے اس کی مختلف توجیہیں کی ہیں، صحیح توجیہ وہ ہے جو امام قاضی عیاض نے فرمائی کہ یہ ہر ایک کے جدا جدا غسل کا بیان ہے۔ مراد یہ ہے کہ اسی برتن سے حضور بھی غسل فرما لیتے اور میں بھی۔ ایک ساتھ مراد نہیں۔ اور وہ جو دوسری روایتوں میں آیا ہے کہ فرماتی ہیں کہ:

"میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرتے۔ ہم دونوں کے ہاتھ باری باری اسمیں پڑتے۔ کبھی حضور مجھ سے سبقت کرکے پانی لے لیتے تو میں کہتی میرے لئے بھی رہنے دیں، کبھی میں لے لیتی تو حضور فرماتے میرے لئے بھی رہنے دو۔"[۵]

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیشہ ایک ہی برتن سے غسل نہیں فرماتے تھے۔ چھوٹے بڑے ہر قسم کے برتن تھے۔ پہلی والی حدیث میں جو برتن مذکور ہے وہ چھوٹا تھا اور یہاں برتن بڑا رہا ہوگا جیسا کہ ابھی آرہا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کم از کم تین مُد پانی سے غسل فرمایا۔ زیادہ سے زیادہ کی مقدار وہ ہے جو صحیح مسلم، موطا امام مالک و سنن ابوداؤد میں بھی

[۱] جلد اول باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة ص ۱۴۹ ،[۲] جلد اول باب ما یجزی من الماء فی الوضوء ص ۱۳

[۳] جلد اول باب القدر الذی یکفی به الرجل من الماء للوضوء ص ۲۳ - [۴] جلد اول باب قدر الصاع ص ۳۲۳ [۵] ایضا ص ۳۲۳

[۶] جلد اول باب القدر المستحب من الماء فی الجنابة ص ۱۴۸ [۷] بخاری ومسلم بنقص وزیادة۔

[۸] مسلم جلد اول قدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة ص ۱۴۸ ،

[۹] جلد اول باب فی مقدار الماء الذی یجزی فی الغسل ص ۳۷ ،

ام المومنین حضرت صدیقہ سے مروی ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک "فرق" سے غسل فرماتے"

فرق کی تحقیق اکثر حضرات کہتے ہیں کہ "فرق" تین صاع کا ہوتا ہے۔ کچھ حضرات کہتے ہیں دو صاع کا۔ جیسا کہ مسلم کی حدیث[1] میں سفیان بن عیینہ کا قول ہے۔ اور امام طحاوی نے اس کی تصریح کی، امام نووی نے فرمایا، یہی جمہور کا قول ہے۔ یہی علامہ عینی نے بھی فرمایا۔ امام نجم الدین نسفی نے طلبۃ الطلبہ میں فرمایا، یہ سولہ رطل کا ہوتا ہے، یہی نہایہ ابن اثیر اور جوہری کی صحاح میں ہے اور یہی قتبی سے بھی منقول ہے۔ امام ابوداؤد نے کہا میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا کہ انھوں نے فرمایا فرق سولہ رطل کا ہے۔ علامہ ابن حجر نے اس پر اتفاق کا دعویٰ کیا نیز اس پر بھی کہ یہ تین صاع کا ہوتا ہے۔ شرح غریبین سے منقول ہے کہ فرق بارہ مُد کا ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے یہ تطبیق فرمائی کہ سولہ رطل کا، دو صاع عراقی ہوتا ہے اور تین صاع حجازی۔ تو جنھوں نے تین صاع کہا ان کی مراد حجازی صاع ہے اور جنھوں نے دو صاع کہا ان کی مراد عراقی صاع ہے۔

اس حدیث پر امام نووی نے فرمایا اس سے تنہا حضور کا غسل فرمانا مراد نہیں، بلکہ ام المومنین کے ساتھ ساتھ۔ اس لئے کہ یہی حدیث بخاری[2] میں یوں ہے:

"میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک برتن سے نہاتے وہ قدح تھا جسے فرق کہتے ہیں" مگر یہ بخاری کی بھی حدیث اجماع پر نص نہیں۔ اس لئے ظاہر یہی کہ حدیث مسلم سے مراد یہ ہے کہ تنہا رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک فرق یعنی تین صاع سولہ رطل سے غسل فرماتے اس کے باوجود اس میں شک نہیں کہ یہ حدیث اس پر نص نہیں کہ ایک فرق سے تنہا غسل فرماتے اس کا بھی احتمال باقی ہے کہ مراد یہ ہو کہ ام المومنین کے ساتھ ایک فرق پانی سے غسل فرماتے۔ اس باب میں جو نص صریح ہے وہ وہی حضرت انس والی حدیث زیر بحث ہے کہ ایک صاع سے پانچ مُد تک پانی سے غسل فرماتے۔ تو غیر مشکوک طریقے سے یہ ثابت ہوا کہ غسل میں پانی کی زیادہ سے زیادہ مقدار پانچ مُد ہوتی۔ ایک فرق کا بھی احتمال ہے مگر قطعی نہیں، اور اکثر و اشہر یہ ہے کہ وضو ایک مُد سے اور غسل چار مُد سے۔

اب یہاں تنقیح طلب یہ دو باتیں ہیں

اول:- یہاں صاع اور مد باعتبار وزن مراد ہے یا باعتبار کیل و پیمانہ۔ یعنی غور طلب یہ بات ہے کہ جتنے وزن کا صاع اور مُد ہوتا ہے اتنے وزن پانی سے وضو یا غسل فرماتے مثلاً صاع بر بنائے قول امام اعظم دو سو اٹھاسی روپے بھر ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ دو سو اٹھاسی روپے بھر پانی سے غسل فرماتے، یا صاع جو پیمانہ ہے اس میں جتنا پانی سمائے وہ پانی مراد ہے۔

اس تنقیح کی ضرورت یہ ہے کہ پانی اناج سے بھاری ہوتا ہے۔ جس پیمانے میں گیہوں سیر بھر آئے گا اسی برتن میں پانی سیر بھر سے زائد آئے گا۔ شارحین بخاری علامہ عینی، علامہ عسقلانی، علامہ قسطلانی کا اس پر اتفاق ہے کہ مراد مُد اور صاع بھر پانی ہے۔ البتہ ملا علی قاری نے مرقاۃ میں وزن مراد لیا مگر صحیح شراح بخاری کا قول ہے۔ علامہ عینی نے بحوالہ طحاوی امام مجاہد کا یہ قول نقل فرمایا:

---

[1] باب القدر المستحب من الماء فی الجنابة ص ۱۴۸

[2] باب غسل الرجل مع امرأته ص ۳۹ - [3] جلد ثالث باب الغسل بالصاع ص ۷ - ۱۹۶

"ہم ام المومنین حضرت صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم میں سے بعض نے پانی مانگا تو ام المومنین نے ایک بڑا برتن نکالا اور فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی برتن بھر پانی سے غسل فرماتے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا تو وہ برتن آٹھ یا نو یا دس رطل تھا۔"

نسائی میں یہ بغیر شک ہے کہ آٹھ رطل تھا۔

دوم:۔ یہ پیمانے مُد اور صاع کس اناج کے تھے۔ ظاہر ہے اناج ہلکے، وزنی سبھی قسم کے ہوتے ہیں۔ جس پیمانے میں جو سیر بھر آئیں گے، اسی میں گیہوں سیر بھر سے زائد اور ماش اس سے بھی زائد۔ اس تنقیح کا حاصل یہ ہے کہ کس اناج کو تول کر صاع بنایا جائیگا، اگر دو سو اٹھاسی ۲۸۸ بھر ماش تو لکر صاع بنائیں تو گیہو دو سو اٹھاسی روپے بھر نہیں سمائے گا، کم سمائیگا اور جو اور بھی کم، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ماش سے تول کر جب صاع بنائیں اور اس صاع سے جو ناپ کر ایک صاع صدقہ فطر ادا کریں تو یہ دو سو اٹھاسی روپے سے کم ہوگا۔

علماء کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ امام ابو شجاع ثلجی نے فرمایا۔ صدقۂ فطر کے لئے جو صاع بنائیں وہ ماش یا مسور تول کر بنائیں۔ اس لئے کہ ان دونوں کے دانے قریب قریب یکساں ہوتے ہیں اس لئے ان کے ناپ و تول میں فرق نہیں پڑے گا اگر پڑے گا بھی تو برائے نام بخلاف جو اور گیہوں کے کہ ان میں بہت فرق پڑ جائے گا۔

امام صدر الشریعہ نے شرح وقایہ میں فرمایا، احوط یہ ہے کہ عمدہ کھرے گیہوں تول کر صاع بنایا جائے۔ علامہ علاء الدین حصکفی نے در مختار میں اسی کو اختیار فرمایا۔ علامہ شامی نے جو تول کر صاع بنانے کو احوط بتایا۔ سید محمد امین میر غنی کے حاشیہ زیلعی سے نقل فرمایا،

ان الذی علیہ مشائخنا بالحرم الشریف المکی ومن قبلہم من المشائخ وبہ کانوا یفتون تقدیرہ بثمانیۃ ارطال من الشعیر۔ ولعل ذلک لیحتاطوا فی الخروج عن الواجب بیقین لما فی مبسوط السرخسی من ان الاحتیاط فی باب العبادات واجب [۱]	حرم مکہ میں ہمارے مشائخ اور ان سے پہلے ان کے مشائخ اس پر ہیں کہ آٹھ رطل جو تول کر صاع بنایا جائے۔ یہ اکابر اسی پر فتوی دیتے تھے۔ یہ اسلئے ہے کہ یقینی طور پر واجب کی ادائگی سے بری الذمہ ہونے میں احتیاط کی جائے اس لئے کہ مبسوط امام سرخسی میں ہے کہ عبادات میں احتیاط واجب ہے۔

اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس کی تائید میں فرمایا۔

"ظاہر کہ صاع اس اناج کا تھا جو اس زماں برکت نشاں میں عام تھا، اور معلوم ہے کہ اس عہد میں جو عام طور پر کھایا جاتا تھا دوسرے غلوں کا کوئی ذکر نہیں ملتا، گیہوں تھا مگر بہت کم۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں،

کان طعامنا الشعیر [۲]	ہمارا طعام جو تھا۔

یہی وجہ ہے کہ اس عہد مبارک میں صدقہ فطر صرف چھوہارا، منقی، اور جو تھا۔ صحیح ابن خزیمہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

---

[۱] جلد دوم ص ۱۷۶، [۲] بخاری جلد اول صدقۃ الفطر باب الصدقۃ قبل الفطر ص ۲۰۴

لم تکن الصدقۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الا التمر والزبیب والشعیر ولم یکن الحنطۃ۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں صدقہ فطر صرف چھوہارا، منقی اور جو تھا، گیہوں نہ تھا۔

گیہوں کی کثرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ہوئی۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

لما کثر الطعام فی زمن معاویۃ جعلوہ مدین من حنطۃ۔ [1]

جب معاویہ کے زمانے میں گیہوں کی کثرت ہوئی تو لوگوں نے صدقہ فطر دو مد گیہوں کر دیا۔

اس پر اتفاق ہے کہ یہاں طعام سے مراد گیہوں ہی ہے جبکہ اس عہد مبارک میں عام طور پر جو ہی پایا جاتا تھا، تو ظاہر ہے کہ صاع بھی جو کو تول کر بنایا جاتا ہوگا، اس لئے اسی میں سب سے زیادہ احتیاط ہے۔ علاوہ ازیں جو تول کر بنائے ہوئے نصف صاع میں گیہوں ضرور بالضرور نصف صاع سما جائے گا۔ اور اگر گیہوں تول کر صاع بنائیں تو اس میں ایک صاع جو نہیں آئے گا۔ اس بنا پر بہر حال احوط یہی ہے کہ اعتبار صاع شعیری کا کیا جائے۔

اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ میں نصف صاع ایک سو چوالیس روپے بھر جو تول کر ایک تانبے کے پیالے میں بھرا یہ اس پیالے میں پورا پورا آگیا، نہ کم رہا نہ زیادہ۔ پھر اس پیالے میں عمدہ سے عمدہ گیہوں بھر کر تولا تو اس گیہوں کا وزن ایک سو چھتر روپے اٹھنی بھر ہوا، اہلسنت کا اسی پر عمل ہے۔ یہ وزن موجودہ رائج اعشاریہ کے وزن سے دو کیلو پینتالیس گرام ہوتا ہے۔

ان ساری ابحاث میں ایک یہ نکتہ سب سے زیادہ قابل لحاظ ہے کہ صدقہ فطر کی اصل ادائیگی صاع سے ناپ کر ہے تول کر نہیں، مثلاً کسی نے تول کر غلہ نکالا، مگر وہ ناپنے پر کم ہوا، تو صدقہ فطر کی پوری ادائیگی نہ ہوئی۔

صاع کی جو مقدار دو سو اٹھاسی روپے لکھی ہے۔ وہ صاع بنانے کے لئے ہے۔ یعنی یہ کہ اتنے وزن کوئی چیز تول کر برتن بنایا جائے اور اسی برتن سے ناپ کر صدقہ فطر ادا کیا جائے اور ہم ثابت کر آئے کہ اعتبار صاع شعیری کا ہے یعنی دو سو اٹھاسی روپے بھر جو تول کر کوئی برتن بنایا جائے اور اس برتن سے صدقہ فطر ادا کیا جائے، اور یہ ظاہر ہے کہ دو سو اٹھاسی روپے بھر جو تول کر جو پیمانہ بنائیں گے اس میں اگر گیہوں بھریں گے تو وہ دو سو اٹھاسی روپے سے زائد ہوگا۔ جس کا جی چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے۔ اللہ عزوجل اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کو اسلام و مسلمین کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ انھوں نے ناپ تول کے سارے مراحل طے کر کے ہمیں بتایا اور آئینے کی طرح صاف فرما دیا۔ [2] فالحمد للہ

وضو اور غسل میں پانی کی کوئی مقدار مقرر نہیں۔ جتنے سے وضو اور غسل مکمل طور پر ہو جائے اتنا کافی ہے، انسان سب ایک قسم کے نہیں، کوئی لمبا، کوئی موٹا، کوئی دبلا، کسی کے سر اور ڈاڑھی کے بال گھنے، کسی کے چھدرے۔ کوئی احتیاط سے پانی بہاتا ہے کوئی لاپرواہی سے۔ اس لئے پانی کی ایک مقدار مقرر نہیں کی جا سکتی ہے چونکہ صحابہ کرام کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے

---

[1] طحاوی جلد اول مقدار صدقۃ الفطر ص ۳۱۹، [2] یہ ساری تفصیلات فتاوی رضویہ جلد اول ص ۱۳۹ لغایت ۱۴۵ سے لی گئی ہیں قدرے اختصار اور تغیر کے ساتھ۔

حدیث (۱۴۷) المسح علی الخفین

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ سَعْدِ بْنِ وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ
حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں

ایسی والہانہ محبت تھی کہ حضور کی ہر ہر ادا اور ہر ادا کے ہر ہر پہلو کی تلاش و جستجو اور اس کی نشر و اشاعت میں انھیں روحانی لذت ملتی تھی۔ اس لئے وضو اور غسل کے پانی کی مقدار کو بھی بیان فرمایا، رضی اللہ عنہم۔

تشریحات ۱۴۷
یہ تعلیق ہے یا مسند

علامہ کرمانی نے فرمایا، چونکہ ابو سلمہ اس وقت موجود نہ تھے جب حضرت ابن عمر نے حضرت عمر سے یہ دریافت کیا تھا اس لئے یہ تعلیق ہے۔ مگر علامہ عینی نے فرمایا اس حدیث میں وان عبد اللہ بن عمر سند میں مذکور عن عبد اللہ بن عمر پر معطوف ہے۔ اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ بھی، راوی حدیث، ابو سلمہ بن عبد الرحمن کا قول ہوا جو انھوں نے حضرت ابن عمر سے سُنا ہے۔ اس تقدیر پر حدیث کا یہ جز بھی مسند ہوا۔

اس پر اہلسنت کا اتفاق ہے کہ موزوں پر مسح جائز ہے۔ صرف روافض اور خوارج اس کے منکر ہیں۔ بدائع میں ہے کہ امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں نے ستر اصحاب بدر سے ملاقات کی یہ سب کے سب موزوں پر مسح جانتے تھے اسی وجہ سے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ موزوں پر مسح اہلسنت کی علامت جانتے تھے۔ کسی نے دریافت کیا اہلسنت کی علامت کیا ہے؟ فرمایا

تفضیل الشیخین وحب الختنین والمسح علی الخفین۔ شیخین یعنی حضرت ابو بکر و عمر کو سارے صحابہ سے افضل جاننا اور دونوں داماد حضرت عثمان و حضرت علی سے محبت کرنا اور موزوں پر مسح کرنا۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ میں نے موزوں پر مسح کا قول اس وقت تک نہیں کیا جب تک کہ دن کی روشنی کی طرح یقین نہیں ہوگیا۔ مسح علی الخفین کا انکار کبار صحابہ کا رد اور انھیں خطا کار ٹھہرانا ہے۔ اس لئے موزوں پر مسح کا انکار بدعت ہے۔ امام کرخی نے فرمایا جو موزوں پر مسح جائز نہ مانے اس پر میں کفر کا اندیشہ کرتا ہوں۔ امت میں کسی فرد کا اس میں اختلاف نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح فرمایا۔

علامہ ابو عمر بن عبد اللہ نے کہا کہ تمام اہل بدر و حدیبیہ اور جملہ مہاجرین اور انصار اور کل صحابہ اور تابعین و فقہاء مسلمین نے موزوں پر مسح فرمایا۔ اس لئے موزوں پر مسح کی حدیث باعتبار معنی متواتر ورنہ کم از کم مشہور ضرور ہے۔ اس سے کتاب اللہ پر زیادتی بالاتفاق درست ہے۔

ابن المنذر نے، حضرت عبد اللہ بن مبارک سے نقل کیا۔ مسح علی الخفین کے سلسلے میں صحابہ کے مابین کوئی اختلاف نہیں۔ جن بعض حضرات سے انکار مروی ہے تو ان سے اثبات بھی مروی ہے۔ علامہ ابن حجر اور ابو القاسم بن مندہ نے کہا کہ اسی صحابہ سے مسح علی الخفین مروی ہے جنہیں عشرہ مبشرہ بھی ہیں۔ امام احمد نے فرمایا کہ مسح علی الخفین کے اثبات میں چالیس حدیثیں مروی ہیں۔ صرف حضرت ابو ہریرہ حضرت ابن عباس، حضرت علی، حضرت صدیقہ سے انکار کی روایت آئی ہے مگر یہ ناقابل اعتبار ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ	وَ اَنَّ
نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں روایت کیا کہ حضور نے موزوں پر مسح فرمایا	انھوں نے
عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ سَأَلَ عُمَرَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ نَعَمْ اِذَا حَدَّثَكَ	
عبد اللہ بن عمر نے اپنے والد حضرت عمر سے اس کے بارے میں پوچھا تو حضرت عمر نے اس کی تصدیق کی	

علامہ ابن عبد البر نے فرمایا، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایت نقل کی جاتی ہے وہ ثابت نہیں۔ امام احمد نے فرمایا وہ صحیح نہیں باطل ہے، بلکہ ان سے ابن ماجہ[1] میں یہ حدیث مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ موزوں کی طہارت کیا ہے فرمایا مسافر کے لئے تین دن اور تین راتیں اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات۔

دارقطنی نے ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ وہ مسح علی الخفین کو جائز جانتی تھیں۔ ابن ابی شیبہ نے جو حضرت علی سے نقل کیا کہ انھوں نے فرمایا کہ مسح علی الخفین سورہ مائدہ کے پہلے تھا۔ یہ روایت منقطع ہے۔ مسلم[2] اور نسائی[3] میں حضرت ام المومنین و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول یہ مذکور ہے:

"شریح بن ھانی نے ام المومنین حضرت صدیقہ سے، مسح علی الخفین کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا علی بن ابی طالب کے پاس جاؤ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔ شریح نے کہا، ہم نے حضرت علی سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا، رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے تین دن اور تین رات اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات، مدت مسح مقرر فرمائی"۔

اس حدیث سے ثابت کہ حضرت ام المومنین اور حضرت علی بھی مسح علی الخفین کو جائز جانتے تھے، اور یہ واقعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کا ہے، اور صریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کی مسافر اور مقیم کیلئے یہ مدت مقرر فرمائی اس لئے اس سے رجوع کا کوئی احتمال نہیں۔

اس سلسلے میں حضرت ام المومنین اور حضرت علی کی طرف بہت سے من گھڑت قصے منسوب کئے گئے ہیں وہ سب جعلی ہیں۔ مثلاً ام المومنین کی طرف یہ منسوب ہے کہ انھوں نے فرمایا، میرا پاؤں کاٹ ڈالا جائے یہ مجھے پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ موزوں پر مسح کروں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلے میں ایک طول طویل قصہ مشہور ہے کہ ان میں اور حضرت عمر میں بہت لمبی چوڑی گفتگو ہوئی جس میں حضرت علی نے بائیس صحابہ سے شہادت دلائی کہ موزوں پر مسح، سورۂ مائدہ کے نزول سے پہلے تھا۔ یہ قصہ حدیث کی کتابوں میں کہیں نہیں۔ اس کے جھوٹ پر دو قرینہ ہے۔ ایک تو مسلم اور نسائی کی حدیث مذکور، دوسرے یہ کہ اس پر اتفاق ہے کہ سورۂ مائدہ غزوہ مریسع کے موقع پر نازل ہوئی تھی جو ۵ھ یا ۶ھ میں ہوا ہے۔ اس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر اور غزوہ تبوک میں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے موزوں پر مسح ثابت ہے۔ بلکہ حضرت جریر کی حدیث سے ثابت کہ جس سن میں

---

[1] ماجاء فی المسح علی الخفین ص ۴۱ [2] جلد اول ص ۱۳۵ [3] جلد اول ص ۳۲ [4] قسطلانی ج ۲ ص ۲۷۳، ایضاً جلد سابع ص ۵۱

شَيْئًا سَعْدٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تَسْأَلْ عَنْهُ غَيْرَهُ

اور فرمایا جب سعد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ روایت کریں تو پھر کسی سے مت پوچھو

وصال ہوا ہے اس سال بھی مسح فرمایا۔ اس لئے کوئی صحابی یہ گواہی کیسے دے سکتا ہے کہ موزوں پر مسح سورہ مائدہ کے نزول سے پہلے تھا پھر منسوخ ہوگیا۔

حضرت ابن عباس کا بھی یہی حال ہے کہ ابتدا میں جبتک اس کا انھیں ثبوت نہ ملا کہ سورہ مائدہ کے نزول کے بعد بھی نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح فرمایا، انکار کرتے رہے، مگر جب اس کا ثبوت انھیں مل گیا تو انھوں نے بھی موزوں پر مسح کے جواز کا قول کیا۔ ان کے تلمیذ جلیل امام عطا نے فرمایا۔ عکرمہ نے جھوٹ کہا۔ ابن عباس اس سلسلے میں لوگوں کی مخالفت کرتے رہے مگر اخیر عمر میں سب کے ساتھ اتفاق کرلیا [1]۔

ائمہ مجتہدین میں سے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ موزوں پر مسح کے قائل نہ تھے۔ ایسی روایتیں ان سے آئی ہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ انھوں نے اخیر عمر میں یہی فرمایا کہ جو مسح علی الخفین کو جائز نہ جانے وہ گمراہ ہے۔ البتہ جو جائز جانے اور مسح نہ کرے عزیمت پر عمل کرے وہ ماجور ہے [2]۔

اب حضرات مالکیہ کے دو گروہ ہیں۔ ایک وہ جو مطلقاً موزوں پر مسح کو جائز کہتے ہیں۔ مقیم اور مسافر دونوں کے لئے۔ دوسرے وہ جو صرف مسافر کو جائز کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کو یہ شبہہ ہے کہ موزوں کا مسح آیت وضو سے منسوخ ہے مگر یہ شبہہ ساقط ہے۔ اس لئے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث غزوۂ تبوک سے متعلق ہے۔ اور غزوۂ تبوک سب سے اخیر غزوہ ہے جو سورہ مائدہ کے نزول کے بہت بعد ہوا ہے۔ اس لئے کہ سورہ مائدہ غزوۂ مریسیع میں نازل ہوئی ہے جو ۵ھ یا ۶ھ میں ہوا تھا۔ اسی طرح حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ موزوں پر مسح منسوخ نہیں۔ اس لئے کہ یہ وصال مبارک سے چند ماہ پہلے ایمان لائے، ان کی حدیث یہ ہے:۔

"حضرت جریر نے پیشاب کرکے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔ ان سے کہا گیا آپ ایسا کرتے ہیں، فرمایا، ہاں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ پیشاب فرمایا پھر وضو کیا اور موزوں پر مسح فرمایا۔ حضرت جریر سے پوچھا گیا کہ آپ نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے، سورہ مائدہ کے نزول سے پہلے دیکھا کہ بعد میں، تو فرمایا کہ میں مائدہ کے نزول کے بعد ایمان لایا ہوں [3]۔"

موزوں پر مسح افضل ہے یا پاؤں دھونا

صحیح یہ ہے کہ پاؤں دھونا، موزوں پر مسح کرنے سے افضل ہے۔ اس لئے کہ یہ عزیمت ہے اور مسح رخصت مگر جبکہ موزوں پر مسح نہ کرنے سے بدگمانی کا اندیشہ ہو لوگ یہ شبہہ کرنے لگیں کہ روافض اور خوارج کا اتباع کر رہا ہے [4]۔

---

[1] نسائی جلد اول، باب المسح علی الخفین ص ۳۱ [2] عینی جلد ثالث ص ۹۷ [3] ایضاً [4] قسطلانی جلد سادس ص ۳۷۳

[3] مسلم جلد اول باب المسح علی الخفین ص ۱۳۲-۱۳۳، ابوداؤد جلد اول باب المسح علی الخفین ص ۲۱۔ ترمذی جلد اول باب المسح علی الخفین ص ۱۴۔

[4] درمختار رد المحتار، فتاوی رضویہ جلد اول ص ۳۳۰

حدیث ۱۴۸، ایضاً عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ اُمَیَّةَ الضَّمْرِیِّ اَنَّ اَبَاہُ

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے

اَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ رَاٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْسَحُ عَلَی الْخُفَّیْنِ[1]

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے

حدیث ۱۴۹، ایضاً عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ اُمَیَّةَ الضَّمْرِیِّ عَنْ اَبِیْہِ

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نے

قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْسَحُ عَلٰی عِمَامَتِہٖ وَخُفَّیْہِ[2]

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عمامے اور موزوں پر مسح کرتے دیکھا۔

مسائل اس حدیث سے موزوں پر مسح کے جواز کے علاوہ، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت ظاہر ہوئی یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی کبھی بہت مشہور و معروف بات قدیم الاسلام اجلہ صحابہ سے بھی مخفی رہتی تھی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالت شان سب پر واضح ہے مگر یہ مسئلہ ان پر پوشیدہ رہا۔

ایک شبہہ کا جواب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موزوں پر مسح کی عام روایتیں حالت سفر ہی کی ہیں، اور دوسری حدیثوں میں نہ سفر کا ذکر ہے نہ حضر کا، اس لئے بعض حضرات مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ مقیم کو موزوں پر مسح جائز نہیں، صرف مسافر کو جائز ہے۔ اس کا جواب مسلم اور نسائی کی حدیثوں میں مذکور ہے، جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ صریح ارشاد مذکور ہے کہ مقیم کے لئے موزوں پر مسح کی مدت ایک دن اور ایک رات ہے۔ اس کے علاوہ اس مضمون کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں بلکہ نسائی میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت ہے کہ حضور مدینہ طیبہ میں ایک بار موضع اسواف میں قضاء حاجت کے لئے گئے اور فراغت کے بعد وضو فرمایا اور موزوں پر مسح فرمایا[3]۔ یہ اسواف مدینہ طیبہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ اس سے ثابت کہ حضور نے حالت اقامت میں بھی موزوں پر مسح فرمایا۔

تشریحات ۱۴۸، ۱۴۹

(۱) حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ غزوۂ بدر اور اُحد میں مشرکین کے ساتھ تھے مگر غزوۂ احد کے اختتام پر جب مشرکین واپس ہو رہے تھے۔ ان کے دل میں نور اسلام چمکا اور یہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ عرب کے مشہور بہادروں میں تھے۔ یہ پہلے جس معرکے میں شریک ہوئے وہ سریہ بیر معونہ تھا۔ انھیں دشمنوں نے گرفتار کر لیا تھا۔ عامر بن طفیل نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں کے ذمے ایک غلام آزاد کرنا تھا، جا میری ماں کی طرف سے تو آزاد ہے۔ اس ظالم نے ان کی پیشانی کے بال مونڈ ڈالے ۶ھ میں۔ نجاشی شاہ حبشہ کے نام یہی دعوت اسلام لے کر گئے تھے، پھر بعد میں حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں حبشہ بھیجا کہ ام المومنین حضرت اُم حبیبہ بنت ابی سفیان

---

[1] نسائی طہارت، باب المسح علی الخفین ص ۳۱، [2] ابن ماجہ، باب المسح علی العمامۃ ص ۴۲

[3] جلد اول باب المسح علی الخفین ص ۳۱

حدیث (۱۵۰) عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيْرَةِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا میں

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَاَهْوَيْتُ لِاَنْزِعَ خُفَّيْهِ فَقَالَ

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا میں نے چاہا کہ حضور کے موزے نکالوں تو فرمایا

دَعْهُمَا فَاِنِّيْ اَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا ع ۵

رہنے دو میں نے انھیں اس حالت میں پہنا ہے کہ پاؤں طاہر تھے پھر حضور نے موزوں پر مسح فرمایا۔

ت (۴۳) وَاَكَلَ اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ وَعُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ لَحْمًا فَلَمْ

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے گوشت کھایا اور

يَتَوَضَّئُوْا ع ۵

وضو نہیں کیا۔

سے حضور کا نکاح کریں، اور انھیں اور حبشہ میں جو مسلمان ہیں ان سب کو مدینہ لائیں۔ ایک بار انھیں کے ہاتھ ابوسفیان کے پاس کچھ تحفے بھیجے تھے [۱]

حضرت معاویہ کے عہد حکومت میں سنہ ۶۰ھ میں وصال فرمایا۔ ان سے بیس احادیث مروی ہیں جنہیں دو بخاری نے ذکر کی ہیں۔

(۲) عمامے پر مسح کی بحث حدیث ۱۴۰ میں گزر چکی۔

تشریحات (۱۵۰) یہ حدیث گزر چکی ہے مگر چند باتیں رہ گئی تھیں اسلئے اس کو دوبارہ ذکر کیا۔ یہ سفر کون تھا۔ یہ گزر چکا کہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے۔ اور یہ واقعہ نماز صبح کے وقت ہوا تھا۔ اس حدیث میں ہے کہ میں نے انہیں اس حالت میں پہنا ہے کہ پاؤں طاہر تھے یعنی ان پر حدث نہیں تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ موزوں پر مسح صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ دونوں موزے ایسی حالت میں پہنے جائیں کہ پاؤں پر حدث نہ ہو۔ اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ پورا وضو کر کے پہنا ہو۔ دوسرے یہ کہ صرف پاؤں دھو کے پہنا ہو مگر حدث ہونے سے پہلے وضو مکمل کر لیا ہو۔ اس دوسری صورت میں بھی یہ صادق آئے گا کہ موزے ایسی حالت میں پہنے ہیں کہ پاؤں پر حدث نہیں تھا۔

تشریحات (۴۳) باب کا فائدہ چونکہ بعض احادیث میں یہ آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن چیزوں کو آگ نے بدل دیا ہو اس کے کھانے کے بعد وضو کرو۔ اور بعض صحابہ اور تابعین کا یہی مذہب تھا۔ بلکہ بعض حضرات اس پر بہت شدت برتتے تھے۔ امام زہری کا یہی مذہب تھا۔ سلیمان بن ہشام اس سے پریشان تھا۔ اس نے قتادہ سے شکایت کی کہ ہم جب بھی کچھ کھاتے ہیں تو زہری ہمیں وضو کرائے بغیر نہیں چھوڑتے، میں نے اسے بتایا کہ سعید بن مسیب اس کے

ع ۵ اس کی تخریج حدیث ۱۳۷ میں گزر چکی۔ ع ۵ طبرانی مسند الشامیین، ابن ابی شیبہ۔ طحاوی، باب اکل ماغیرت النار ھل یوجب الوضوء، ام لا ص ۴۱ [۱] الاستیعاب جلد ثانی ص ۴۹۷-۸۔ اصابہ جلد ثانی ص ۵۲۳۔

حدیث (۱۵۱) اکل کتف شاۃ ثم صلی ولم یتوضأ

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ

بارے میں فرمایا ہے، غذا جب کھاؤ تو پاک صاف ہے اس میں وضو نہیں۔ البتہ جب غذا نکلتی ہے تو گندگی ہے اس پر وضو ہے۔ سلیمان نے کہا، تم دونوں نے اختلاف کر لیا۔ کیا شہر میں کوئی اور ہے۔ قتادہ نے کہا ہاں "عطاء" ہیں۔ سلیمان نے حضرت عطاء کو بلوایا اور ان سے پوچھا تو حضرت عطاء نے یہ حدیث بیان کی:۔

"مجھ سے جابر بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی کہ ہم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ گوشت روٹی کھایا اور بغیر وضوء کے نماز پڑھی ۱"

یہ حکم یا تو لوگوں کو نظافت اور صفائی کی عادت ڈالنے کے لئے ابتدا میں تھا، بعد میں منسوخ ہو گیا جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ ان دونوں میں اخیر یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آگ پر پکی ہوئی چیز کھائی اور وضو نہیں فرمایا۔ ۲ یا یہ کہ ان احادیث میں وضو سے ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مراد ہے جیسا کہ ابن ماجہ میں خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بکری کا شانہ تناول فرمایا تو کلی کی اور ہاتھ کو دھویا اور نماز پڑھی ۳

الوضوء صرف ہاتھ دھونے اور کلی کرنے کے معنی میں خود حدیث میں ہے۔ فرمایا، برکۃ الطعام الوضوء قبلہ والوضوء بعدہ ۴ یہاں بالاتفاق صرف ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مراد ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ توضؤا مما مست النار میں امر استحباب کے لئے لیا جائے۔ چونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا، اس لئے امام بخاری نے یہ باب باندھا۔ جو بکری کے گوشت اور ستو کھانے کے بعد وضو نہ کرے۔ امام بخاری نے جتنی تعلیق ذکر کی ہے اس سے باب ثابت نہیں ہوتا۔ یہ کب کوئی کہتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے فوراً بعد وضو فرض ہے۔ وضو نماز پڑھنے کے لئے فرض ہے۔ اس میں کہاں ہے کہ گوشت کھا کر ان حضرات نے وضو کئے بغیر نماز بھی پڑھی مگر اصل تعلیق میں یہ ہے جیسا ابھی حضرت جابر کی حدیث گزری اور یہی بقیہ حضرات سے بھی مروی ہے کہ گوشت کھا کر وضو کئے بغیر نماز پڑھی امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ ان حضرات نے گوشت کھا کر وضو کئے بغیر نماز پڑھی اور صحابہ میں کسی نے ٹوکا نہیں تو یہ اس پر اجماع سکوتی ہو گیا کہ اس میں وضو نہیں۔ مگر حقیقت میں اجماع نہیں۔ کثیر صحابہ مثلاً حضرت زید بن ثابت حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس اور حضرت ابو ایوب انصاری وازواج مطہرات میں حضرت صدیقہ، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مذہب ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو واجب ہے، علاوہ ازیں امام حسن بصری، امام زہری، ابو قلابہ، ابو مجلز، عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے۔ اب ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اس میں وضو نہیں البتہ امام احمد یہ فرماتے ہیں کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو واجب ہو جاتا ہے۔

---

۱ طحاوی جلد اول ص ۴۰۔ ۲ ایضاً ص ۴۰۔ ابو داود جلد اول باب ترک الوضوء مما مست النار ص ۲۵، نسائی جلد اول باب ترک الوضوء مما غیرت النار ص ۳۰

۳ طہارت، باب الرخصۃ فی ذلک ص ۳۸، طحاوی، باب اکل ما غیرت النار ص ۴۰ ۴ ابو داود جلد ثانی باب غسل الیدین عند الطعام ص ۱۴۳

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکَلَ کَتِفَ شَاۃٍ ثُمَّ صَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ ء

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بکری کا شانہ کھایا اس کے بعد نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا

حدیث (۱۵۲) ایضا اَخْبَرَنِیْ جَعْفَرُ بْنُ عَمْرِو بْنِ اُمَیَّۃَ اَنَّ اَبَاہُ اَخْبَرَہٗ

حضرت عمرو بن امیہ نے خبر دی کہ انھوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو

اَنَّہٗ رَأَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَحْتَزُّ مِنْ کَتِفِ شَاۃٍ

دیکھا کہ بکری کا شانہ کاٹ کر کھا رہے تھے اور

فَدُعِیَ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاَلْقَی السِّکِّیْنَ فَصَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ عہ

نماز کے لئے بلائے گئے۔ حضور نے چھری رکھدی اور نماز پڑھی وضو نہیں فرمایا۔

تشریحات (۱۵۱-۱۵۲) تکمیل

کتاب الاطعمہ میں بطریق محمد بن سیرین یہ ہے، تَعَرَّقَ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کَتِفاً تعرق کے معنی ہیں، ہڈی کے اوپر کا گوشت کھایا۔ اس کا مادہ عَرْقٌ ہے۔ اس کے معنی اس ہڈی کے ہیں جس پر گوشت ہو۔ وہیں بطریق عکرمہ یہ ہے۔ انتشل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرقا من قدر فاکل۔ انتشل کے معنی ہیں ہاتھ سے بغیر چمچے کے ہانڈی سے گوشت نکالنا۔ مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھ سے ہانڈی میں سے گوشت نکالا اور تناول فرمایا۔ ابوداؤد میں بطریق یحییٰ بن یعمر یہ ہے۔ انتھس من کتف شانے کا گوشت سامنے کے دانتوں سے تناول فرمایا۔ نھس، سین مہملہ سے ہو تو اس کے معنی سامنے کے دانتوں سے نوچنا ہے اور شین معجمہ کے ساتھ ہو تو اس کے معنی ڈاڑھوں سے یا کل دانتوں سے کھانا ہے۔ ابوداؤد میں اتنا زائد ہے کہ کھانے کے بعد، اس ٹاٹ سے، جس پر حضور بیٹھے تھے ہاتھ پونچھا۔ یہ واقعہ حضور کے چچا حارث بن عبد المطلب کی صاحبزادی حضرت ضباعہ کے گھر ہوا تھا۔

ایک سند کی توضیح

کتاب الاطعمہ میں امام بخاری نے یہ حدیث دو طریقوں سے ذکر کی۔ ایک بطریق محمد بن سیرین۔ دوسرے بطریق عکرمہ۔ بطریق عکرمہ کی سند، وعن ایوب وعاصم سے ذکر کی۔ اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ تعلیق ہے۔ اسے تعلیق کہنا غلط ہے۔ بلکہ یہ متابعت ہے۔ یہ حدیث حماد بن زید امام بخاری کے شیخ الشیخ کے پاس بروایت ایوب دو سندوں اور دو لفظوں کے ساتھ تھی۔ ایک بواسطہ محمد بن سیرین، لفظ اول کے ساتھ۔ دوسرے بواسطہ عکرمہ بلفظ ثانی۔ ان دونوں سندوں کے ساتھ امام بخاری کو بواسطہ، عبد اللہ بن عبد الوہاب ملی ہے۔

عہ ایضاً جلد ثانی، باب النھش وانتشال اللحم ص ۸۱۳۔ مسلم جلد اول، طہارت، الوضوء مما مست النار ص ۱۵۷ ابوداؤد جلد اول، ترک الوضوء مما مست النار ص ۲۵۔ عہ ایضاً جلد اول، الصلوۃ اذا دعی الامام الی الصلوۃ وھو یاکل ص ۹۳۔ جلد ثانی، الاطعمہ باب قطع اللحم من السکین ص ۸۱۴، وباب شاۃ مسمومۃ والکتف والجنب ص ۸۱۵ باب اذا حضر العشاء فلا یعجل عن عشائہ ص ۸۲۱۔ مسلم جلد اول، طہارت، باب الوضوء مما مست النار ص ۱۲۵۔ ترمذی، اطعمہ، باب الرخصۃ فی قطع اللحم بالسکین ص ۲۸۸۔

حدیث (۱۵۳) اکل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم السویق ولم یتوضأ

اَنَّ سُوَیْدَ بْنَ النُّعْمَانِ اَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ

سوید بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اس متابعت کا فائدہ یہ ہے کہ یحییٰ بن معین نے کہا کہ ابن سیرین نے حضرت ابن عباس سے حدیث نہیں سنی ہے ابن عباس سے بواسطہ عکرمہ روایت کرتے ہیں۔ اس سے لازم آیا کہ اس سند میں انقطاع ہے۔ امام بخاری نے اس کی متابع ایک اور حدیث ذکر کردی۔ جسمیں انقطاع کا وہم نہیں۔

مطابقت امام بخاری نے، باب میں، ستو کا بھی اضافہ فرمایا ہے۔ اس باب میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں، کسی میں ستو کا ذکر نہیں بات یہ ہے کہ یہاں جزئیات کی بحث نہیں۔ ایک قاعدہ کلیہ پر بحث ہو رہی ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں گوشت آگ پر پکا ہوا تھا جسے حضور نے تناول فرمایا اور بغیر اعادۂ وضو کے نماز پڑھی تو ثابت کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانا، ناقض وضو نہیں۔ اسی کا ایک فرد ستو بھی ہے تو ثابت کہ اس کے کھانے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔ اسی کو دوسرے طریقے سے یوں کہدیا جائے کہ گوشت میں چکنائی ہوتی ہے جو دیر میں جاتی ہے جب چکناہٹ کے باوجود گوشت کھانے سے وضو واجب نہیں تو ستو سے بدرجۂ اولیٰ واجب نہ ہوگا۔

اس حدیث میں ہے کہ جب نماز کے لئے بلائے گئے تو گوشت اور اس چھری کو رکھدیا جس سے گوشت کاٹ کر تناول فرماتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کھانے میں چھری کا استعمال جائز ہے۔ حالانکہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا:

لاتقطعوا اللحم بالسکین فانہ من صنیع الاعاجم وانھسوہ فانہ اھنأ وامرء [1]

گوشت چھری سے کاٹ کر مت کھاؤ اس لئے کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے دانت سے کھاؤ یہ زود ہضم اور زیادہ لذیذ ہے۔

اس کے جواب میں کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ابوداؤد نے کہا، یہ حدیث قوی نہیں، اس کا ایک راوی ابو معشر نجیح المسندی الہاشمی صاحب مغازی ہے۔ امام بخاری وغیرہ نے کہا کہ یہ منکر الحدیث ہے۔ اور اس کی منکر احادیث میں سے یہ حدیث ہے۔ اسلئے اسے حرمت کی دلیل نہیں بنا سکتے مگر علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ اسکے لئے شاہد ہے کہ جس سے قوت پاکر یہ قوی ہوگئی جیساکہ خود ابوداؤد میں اس حدیث کے بعد حضرت صفوان بن امیہ سے اسی مضمون کی حدیث موجود ہے۔ بنظر دقیق دونوں میں تعارض ہی نہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ضرورۃً چھری کا استعمال فرمائی ہو اس بنا پر کہ یہ گوشت سخت رہا ہو، دانت سے چھڑایا نہ جا سکتا ہو، اور ممانعت اعاجم کے فعل سے ہے کہ وہ عادۃً شوقیہ چھری استعمال کرتے ہیں ہاتھ سے کھانے کو معیوب جانتے ہیں جیساکہ اہل یورپ کا حال معلوم ہے **مسائل:** جماعت تیار ہوجائے تو مؤذن کو چاہیے کہ امام کو اطلاع کردے یہاں نماز کے لئے بلانے والے حضرت بلال تھے۔ نفی اگر محصور ہو تو نفی پر شہادت قبول کی جاسکتی ہے۔

تشریحات (۱۵۳) سوید بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ انصاری اوسی مدنی صحابی ہیں۔ ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جنھوں نے بیعت

[1] ابوداؤد جلد ثانی اطعمہ باب اکل اللحم ص ۱۷۴۔

وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ حَتّٰى إِذَا كَانُوْا بِالصَّهْبَاءِ وَهِيَ أَدْنٰى خَيْبَرَ فَصَلَّى الْعَصْرَ

کے ساتھ خیبر والے سال جہاد کے لئے نکلے جب سب لوگ صہبا پہنچے جو خیبر کا مدینہ طیبہ سے قریبی علاقہ ہے تو

ثُمَّ دَعَا بِالْأَزْوَادِ فَلَمْ يُؤْتَ إِلَّا بِالسَّوِيْقِ فَأَمَرَ بِهٖ فَثُرِّيَ فَأَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضور نے نماز عصر پڑھی۔ پھر توشہ منگوایا۔ حضور کی خدمت میں صرف ستو پیش کیا گیا۔ حضور نے حکم دیا تو اسے بھگویا گیا

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَكَلْنَا ثُمَّ قَامَ إِلَى مَغْرِبٍ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا

حضور نے بھی تناول فرمایا اور ہم لوگوں نے بھی کھایا۔ اس کے بعد حضور مغرب کیلئے اٹھے، حضور نے کلی کی اور ہم لوگوں نے

رضوان کی ہے۔ کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ غزوۂ احد میں بھی شریک ہوئے، ان سے کل سات حدیثیں مروی ہیں جن میں سے صرف یہ ایک حدیث امام بخاری نے ذکر کی ہے

خیبر مدینہ طیبہ سے چار منزل اُتر جانب یہودیوں کی ایک بستی تھی۔ عمالقہ میں سے خیبر نامی ایک شخص یہاں آکر اترا، اُسی کے نام پر اس کا خیبر نام پڑ گیا۔ ۷ھ میں یہ فتح ہوا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے ترقی دے کر شہر بنا دیا۔ یہ علمیت اور عجمہ ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

صہباء اصہب کا مؤنث ہے جس کے معنی، سفیدی سرخی مائل۔ ٹھنڈا دن۔ شیر کے ہیں، یہ خیبر کے ملحقات میں سے خیبر سے ایک دو پہر کی مسافت پر ایک گاؤں تھا جو مدینہ طیبہ کی جانب یعنی خیبر سے دکھن طرف تھا، یہی وہ مشہور و معروف جگہ ہے جہاں سورج لوٹانے کا عظیم معجزہ ظاہر ہوا تھا[۱]

سورج لوٹانے کی حدیث کو ابن جوزی نے موضوع کہا مگر یہ ابن جوزی کا جزاف وتھور ہے، حقیقت میں یہ حدیث حسن ہے امام طحاوی اور امام قاضی عیاض نے اس کو صحیح کہا، علامہ شامی فرماتے ہیں:

والحدیث صححه الطحاوی وعیاض واخرجه جماعة منهم الطبرانی بسند حسن واخطأ من جعله موضوعا کابن الجوزی[۲]

اس حدیث کو طحاوی اور عیاض نے صحیح کہا اسے محدثین کی ایک جماعت نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا جنھیں طبرانی بھی ہیں اور جس نے اسے موضوع کہا اس نے غلطی کی جیسے ابن جوزی۔

حضرت ملا علی قاری شرح شفا میں فرماتے ہیں:

فهو فی الجملة ثابت اصله وقد یتقوی بتعاضد الاسانید الی ان یصل الی مرتبة حسنة فیصح الاحتجاج به[۳]

فی الجملہ اس حدیث کی اصل ثابت ہے۔ متعدد سندوں کی وجہ سے قوت پاکر مرتبہ حسن تک پہنچ گئی، اس لئے اس سے دلیل لانا صحیح ہے۔

---

[۱] مشکل الآثار للطحاوی جلد رابع اخیر باب ص ۳۸۸۔ شفا وشرحہ للملا علی القاری جلد اول باب فی انشقاق القمر والشمس ص ۵۸۹

[۲] شامی جلد اول کتاب الصلوٰۃ ص ۲۴۱۔ [۳] شرح شفا جلد اول ص ۵۸۹۔

ثُمَّ صَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ ع۵

بھی کی　پھر نماز پڑھی　حضور نے　وضو نہیں فرمایا

پہلے امام بخاری نے یہ باب باندھا تھا کہ گوشت یا ستو کھانے سے وضو نہیں۔ اب یہ باب باندھا ہے کہ ستو کھانے کے بعد کلی کرنی ہے۔ اس سے دو افادہ مقصود ہے۔ ایک یہ کہ جیسے ستو کھانے کے بعد کلی کرنی ہے اسی طرح گوشت وغیرہ کھانے کے بعد بھی کلی کرنی ہے۔ اس لئے کہ ستو میں چکنائی نہیں ہوتی۔ جب اس کے کھانے کے بعد کلی ہے تو جن چیزوں میں چکنائی ہو ان کے کھانے کے بعد بدرجۂ اولیٰ کلی کرنی چاہیئے۔

دوسرا یہ کہ جن احادیث میں آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے پر وضو کا حکم ہے۔ ان میں وضو سے۔ لغوی وضو مراد ہے شرعی نہیں تاکہ احادیث کا تعارض اٹھ جائے۔ شوکانی صاحب نے نیل الاوطار میں لکھا کہ توضئوا مما مست النار میں وضو سے لغوی معنی مراد لینا درست نہیں۔ اس لئے کہ حقائق شرعیہ، غیر پر مقدم ہوتے ہیں۔ اس پر عرض ہے کہ نصوص میں تعارض دفع کرنے کے لئے بعض نصوص میں لغوی معنی مراد لینا ضرورت شرعیہ ہے۔ ضرورت شرعیہ کی بنا پر معانی شرعیہ سے عدول میں کوئی حرج نہیں۔

نیز انھوں نے نسخ کے قول پر یہ ایراد کی ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں کوئی حکم دیں تو فعل رسول اس قول رسول کا ناسخ نہیں ہوسکتا، یہ بھی فریب ہے۔ اولاً یہ اسوقت ہے جبکہ وہ عمل خصائص میں سے ہو، جیسے نیند کا ناقض نہ ہونا۔ اور خصائص میں سے ہونے کے لئے دلیل لازم۔ یہاں کوئی دلیل نہیں اس لئے دعویٰ تخصیص ساقط۔ اور جب تخصیص ثابت نہیں تو یہ کہنا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عمل ناسخ نہیں ہوسکتا، بے دلیل ہوا۔

ثانیاً اس حدیث میں تصریح ہے، ہم لوگوں نے بھی ستو کھایا اور صرف کلی کرکے نماز پڑھی۔ اگر آگ پر پکی ہوئی چیز کا ناقض وضو ہونا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ضرور وضو کا حکم دیتے۔ اسی سے ان کا یہ اجتہاد بھی باطل ہوگیا۔ آگ پر پکی ہوئی چیزوں میں سے صرف بکری کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا بقیہ تمام چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اس حدیث سے ثابت کہ ستو کھانا ناقض وضو نہیں، نیز مسلم شریف میں روٹی کا بھی ذکر ہے اسلئے بکری کے گوشت کا حصر باطل

مسائل کسی بھی چیز کے کھانے کے بعد کلی کرلینی مستحب ہے۔ ایک وضو سے متعدد نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ سفر میں تمام رفقاء اپنے کھانے ایک جگہ جمع کرکے کھائیں۔ اس لئے کہ جماعت میں برکت ہے حاکم اسلام کو اس کی اجازت ہے کہ عند الضرورت، غلے کی ذخیرہ اندوزی کرنے والے کا بجبر غلہ نکلوا کر فروخت کروائے۔ سالار فوج لشکر کی خبر گیری کرتا رہے۔ اگر ضرورت ہو تو سب کی خوراک اکٹھی کردے تاکہ جن کے پاس خوراک نہ ہو انھیں بھی غذا مل جائے۔

ع۵ ایضاً جلد اول، طہارت باب الوضوء من غیر حدث ص ۳۴۔ جہاد، حمل الزاد فی الغزو ص ۴۱۸، جلد ثانی مغازی، باب غزوۂ خیبر ص ۶۰۳، ایضاً باب غزوۃ الحدیبیہ ص ۶۰۰، اطعمہ باب السویق ص ۸۱۲ و باب المضمضۃ بعد الطعام ص ۸۲۰، نسائی جلد اول، طہارت باب ترک الوضوء مما غیرت النار ص ۴۰، ابن ماجۃ، طہارت باب الرخصۃ فی ذلک ص ۳۸۔ مؤطا، امام مالک طہارت ترک الوضوء مما مست النار ص ۱۰، مسند امام احمد۔ طحاوی، جلد اول طہارت باب اکل ما غیرت النار ص ۴۰،

ع۵ جلد اول، طہارت باب الوضوء مما مست النار ص ۱۵۷،

حدیث (۱۵۴) اکل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کتفا ثم صلی ولم یتوضأ

عَنْ مَیْمُوْنَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

اَکَلَ عِنْدَہَا کَتِفًا ثُمَّ صَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ ع۱
ان کے پاس (بکری) کا شانہ کھایا پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

حدیث (۱۵۵) المضمضۃ من اللبن

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی
حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَمَضْمَضَ وَقَالَ اِنَّ لَہٗ دَسَمًا ع۲
دودھ پیا اس کے بعد کلی کی اور فرمایا اس میں چکناہٹ ہے

تشریحات (۱۵۴) مطابقت امام بخاری نے "باب باندھا تھا" جس نے ستو سے، صرف کلی کی اور وضو نہیں کیا۔ اس حدیث میں نہ ستو کا ذکر ہے نہ کلی کا۔ علامہ کرمانی نے اس کا یہ جواب دیا کہ بخاری کے جس نسخہ پر "فربری" کے دستخط ہیں۔ یہ حدیث اس کے پہلے والے باب میں ہے۔

اس باب میں صرف پہلی والی، سوید بن نعمان والی حدیث ہے۔ ناقلین کی غلطی سے یہ حدیث اس باب میں لکھ گئی۔ باب سے مطابقت تو نہیں لیکن اس سے ایک افادہ کی جانب اشارہ ہو سکتا ہے کہ کسی بھی چیز کے کھانے کے بعد نماز پڑھنے کے لئے کلی کرنی فرض، واجب نہیں، مستحب ہے۔ کر لیا گیا تو بہتر ہے نہ کیا تو بھی کوئی حرج نہیں۔

تشریحات (۱۵۵) مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ بعض صحابہ کرام دودھ پینے کے بعد وضو لازم جانتے تھے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ دودھ کے بارے میں فرمایا۔

نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِہٖ مِنْ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ۔ (نحل ۶۶)
ان جانوروں کے پیٹوں میں جو گوبر اور خون ہے اس سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کیلئے خوشگوار ہے۔

چونکہ دودھ۔ لید اور خون کے مابین رہتا ہے اس لئے اس کے پینے کے بعد وضو ضروری ہے۔ لیکن اگر یہ استدلال صحیح مان لیا جائے

ع۱ مسلم جلد اول، طہارت، باب الوضوء مما مست النار ص ۱۵۷۔
ع۲ مسلم جلد اول، طہارت، باب الوضوء مما مست النار ص ۱۵۷، ابوداود جلد اول، طہارت باب الوضوء من اللبن ص ۲۶، ترمذی جلد اول، طہارت، المضمضۃ من اللبن ص ۱۲، نسائی جلد اول، طہارت باب المضمضۃ من اللبن ص ۳۰، ابن ماجہ طہارت، المضمضۃ من شرب اللبن ص ۳۸۔

حدیث (۱۵۶) اذا نعس احدکم وھو یصلی فلیرقد

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

قَالَ اِذَا نَعَسَ اَحَدُکُمْ وَھُوَ یُصَلِّیْ فَلْیَرْقُدْ حَتّٰی یَذْھَبَ عَنْهُ النَّوْمُ

فرمایا جب نماز کی حالت میں کوئی اونگھے تو اسے لازم ہے کہ سو رہے یہاں تک کہ نیند کا اثر ختم ہو جائے

تو کلام اس کی حلت، حرمت یا کم از کم کراہت میں کرنا پڑیگا، دودھ خون اور لید کے مابین رہتے ہوئے ان دونوں سے بالکل الگ تھلگ صاف ستھرا رہتا ہے۔ گوبر اور خون کا کوئی اثر اس میں نہیں آپاتا اس لئے اس کا پینا بلا کسی ادنیٰ کراہت کے جائز اور پینے کے بعد کلی کی وجہ یہ نہیں کہ وہ لید اور خون کے درمیان رہتا ہے بلکہ اس کی چکناہٹ ہے، جیسا کہ اس حدیث میں تصریح ہے۔

حدیث میں "ان لہ دسما" فرما کر کلی کرنے کی علت پر تنصیص فرما دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کلی کرنے میں آگ پر پکے ہونے کو یا لید اور خون کے درمیان ہونے کو کوئی دخل نہیں۔ اسی سے مستفاد ہوا کہ گوشت کھانے کے بعد کلی کا حکم اس کی چکناہٹ کی بنا پر ہے، آگ پر پکے ہونے کیوجہ سے نہیں۔ اسی سے یہ ثابت ہو گیا کہ دودھ پینے کے بعد بہرحال کلی کرنا مستحب ہے اگرچہ کچا ہو، پکا ہوا ہو اس لئے دودھ اور ستو کھانے کے بعد کلی کرنے سے بطور دلالۃ النص یہ معلوم ہوا کہ کچھ بھی کھایا جائے اور فوراً نماز پڑھنی ہو تو کلی کر لینی مستحب ہے۔ اس لئے کہ ستو اور دودھ میں علت مشترکہ اس کا منہ میں اثر باقی رہنا ہے، اور تجربہ شاہد ہے کہ کچھ بھی کھائے تو اس کا اثر منہ میں رہتا ہے۔

ستو کھانے دودھ پینے کے بعد کلی کا حکم استحبابی ہے اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دودھ پیا اس کے بعد نہ کلی کی اور نہ وضو فرمایا اور نماز پڑھی۔"[1]

تشریحات (۱۵۶) (۱۵۷)

(۱) مطابقت

امام بخاری نے ان احادیث پر جو باب باندھا ہے۔ اس کا دو جزء ہے۔ ایک یہ کہ، نیند سے وضو ہے۔ دوسرے یہ کہ جس نے ایک دو بار اونگھنے اور ایک جھونکے سے وضو واجب نہیں جانا۔ پہلے جزء کے مطابق امام بخاری کوئی حدیث نہیں لائے۔ غالباً ان کے نزدیک نیند کا ناقض وضو ہونا ایسا مسلم الثبوت ہے کہ اس پر دلیل لانے کی حاجت نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی شرط پر کوئی حدیث انھیں نہ ملی ہو۔ ورنہ بہت سی متفق علیہ باتوں کا باب باندھا ہے اور اس کے مطابق حدیث لائے۔ جبکہ یہاں نیند کا مطلقاً ناقض وضو ہونا متفق علیہ نہیں۔ ایک دو بار اونگھ نیند کے ایک جھونکے سے وضو کا ٹوٹنا مختلف فیہ ہے اس لئے اس کے متعلق حدیث ذکر فرمائی۔ مگر یہ وجہ خفی ہے کہ ان دونوں حدیثوں سے کیسے ثابت ہوتا ہے کہ ایک دو بار اونگھ یا ایک جھونکے سے وضو نہیں ٹوٹتا یا ٹوٹتا ہے؟ اس کی توضیح یہ ہے کہ جب کسی حکم کے پائے جانے کی دو یا دو سے زائد علتیں بن سکتی ہوں تو اصولی طور پر ان میں جو علت

[1] ابوداؤد جلد اول، طہارت، باب الرخصۃ فی ذلک ص ۲۶۔

فَاِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا صَلّٰی وَھُوَ نَاعِسٌ لَا یَدْرِیْ لَعَلَّهٗ یَسْتَغْفِرُ فَیَسُبُّ نَفْسَهٗ[ع]

اس لئے کہ نیند کی حالت میں نماز پڑھتے ہوئے اسے کیا خبر ہو سکتا ہے کہ استغفار کرنا چاہا ہو اور اپنے اوپر بد دعا کرے۔

حدیث (۱۵۷) حدیث ایضا عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا نَعَسَ فِی الصَّلٰوةِ فَلْیَنَمْ حَتّٰی یَعْلَمَ مَا یَقْرَأُ[ع]

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی نماز میں اونگھے تو اسے لازم ہے کہ سو جائے، یہانتک کہ جو پڑھے اسے سمجھنے لگے

قریبہ ہو اس کی طرف حکم کی نسبت کی جاتی ہے۔ یہاں نماز ترک کرنے کی دو چیز علت بن سکتی ہے۔ ایک اونگھ سے وضو کا ٹوٹنا، دوسرے اس حالت میں نماز کا مفید ہونے کے بجائے مضر ہونے کا اندیشہ۔ وضو ٹوٹنا ترک نماز کی علت قریبہ ہے۔ اور مضر ہونے کا اندیشہ علت بعیدہ۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز چھوڑ کر سو جانے کی علت وضو ٹوٹنے کو نہیں قرار دیا۔ بلکہ اندیشہ مضرت کو۔ تو معلوم ہوا کہ اس اونگھ سے وضو ٹوٹا ہی نہیں۔ ورنہ ارشاد یہ ہوتا کہ جب تم میں سے کوئی نماز میں اونگھے تو اس کا وضو ٹوٹ گیا۔ اب نماز میں مشغول رہنے سے کیا فائدہ۔ اس سے ثابت کہ نماز میں اونگھنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ رہ گئی ایک یا دو بار اونگھ کی تخصیص تو غالباً امام بخاری نے اس کو اس طرح اخذ کیا ہے کہ نماز میں اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ مگر یہ بہت ہی سطحی بات ہے، حقیقت یہ ہے کہ نماز میں انسان پوری نیند سو سکتا ہے۔ اور بنظر دقیق یہی زبردستی ہے کہ امام بخاری ایک یا دو اونگھ یا ایک جھونکے کو ناقض وضو نہیں مانتے۔ انھوں نے باب اس طرح باندھا ہے جس سے یہ متعین نہیں ہوتا کہ ان کا مسلک کیا ہے۔

نماز میں سونا ناقض وضو نہیں تحقیق یہ ہے کہ نماز میں سونا مطلقاً ناقض وضو نہیں، خواہ نماز کی کسی بھی حالت میں سوئے جیسا کہ احناف کا مسلک ہے۔ اس لئے کہ نیند بذاتہ ناقض وضو نہیں بلکہ خروج ریح کے مظنہ ہونے کی بنا پر ہے۔ اس وجہ سے جن صورتوں میں خروج ریح کا مظنہ ہے ان صورتوں میں سونا ناقض وضو ہے۔ اور جن حالتوں میں یہ مظنہ نہیں ان صورتوں میں نیند ناقض وضو نہیں۔ اس کی بنیاد استرخاء مفاصل ہے۔ جیساکہ حدیث میں وارد ہے، فرمایا:-

ان الوضوء لا یجب الا علی من نام مضطجعا — وضو صرف اسی پر واجب ہے جو کروٹ کے بل سوئے

فانه اذا نام مضطجعا استرخت مفاصله[ل] — اسلئے کہ جب کروٹ کے بل سوئیگا تو اسکے جوڑ ڈھیلے پڑ جائیں گے

اس حدیث کے ایک راوی، ابو خالد یزید دالانی پر کلام کیا گیا ہے۔ مگر بہت سے محدثین نے ان کی توثیق بھی کی ہے ــــ امام احمد اور نسائی نے کہا کہ "لاباس به" ابو حاتم نے ان کو ثقہ کہا۔ امام ذہبی نے مغنی میں کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث کے شواہد بھی ہیں جن سے قوت پاکر درجۂ حسن تک پہنچ گئی اس لئے لائق استدلال ہے۔

ع مسلم جلد اول، صلوٰۃ باب من نعس فی صلوته ان یرقد ص ۲۶۷ - ابوداود جلد اول باب النعاس فی الصلوٰۃ ص ۱۸۶ - نسائی طہارت باب النعاس ص ۳۷ - ل ترمذی، جلد اول، طہارت باب الوضوء من النوم ص ۱۳

ابوداود جلد اول، طہارت باب فی الوضوء من النوم ص ۲۶ -

اس حدیث میں کروٹ پر سونے کو ناقض وضو، اس لئے فرمایا کہ کروٹ پر سونے سے مفاصل ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ ناقض وضو ہونے کی علت ایسی نیند کو ٹھہرایا گیا جس سے استرخار مفاصل ہو۔ اس لئے نقض وضو کا حکم نوم مع استرخار مفاصل کے ساتھ دائر ہوگا۔ کروٹ کے بل سونے کے علاوہ جن جن صورتوں میں استرخار مفاصل ہوگا، ان تمام صورتوں میں سونے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور جن صورتوں میں نہ ہوگا ان صورتوں میں سونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا، اور یہ ظاہر ہے کہ نماز کی جتنی ہیئت ہے کسی میں استرخار مفاصل نہیں۔ اس لئے بطریق مسنون نماز پڑھنے کی حالت میں سونا ناقض نہیں۔ البتہ عورتوں کا سجدہ اس سے مستثنیٰ ہے ان کے سجدے کی ہیئت ایسی ہے جس میں استرخار مفاصل ہوتا ہے۔ اگر کوئی مرد، عورتوں کی طرح سجدہ کرے اور سو جائے تو مرد کا بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

نماز کی نیند ناقض وضو نہیں، اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے۔ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، کہ جب وہ اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سوئے تھے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے، اونگھ جاتے، فرماتے ہیں:

فجعلت اذا اغفیت یاخذ بشحمة اذنی۔ لہ — جب میں اونگھتا تو حضور میرے کان کی لو پکڑتے۔

ان کے علاوہ مزید مندرجہ ذیل احادیث بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کھڑے، بیٹھے، سجدے کی حالت میں سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ بیہقی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:۔

لیس علی المحتبی النائم ولا علی القائم النائم وضوء حتی یضطجع فاذا اضطجع توضأ۔ — جو شخص دونوں پاؤں کھڑا کر کے سرین زمین پر ٹیک کر بیٹھا بیٹھا سو جائے یا کھڑے کھڑے سو جائے اس پر وضو نہیں جبتک کہ کروٹ کے بل سوئے نہیں، جب کروٹ کے بل سو جائے تو وضو کرے۔

نیز دار قطنی میں ہے:۔

لا وضوء علی من نام قائما۔ — کھڑے کھڑے سونے والے پر وضو نہیں۔

پھر بیہقی میں ہے:۔

لا یجب الوضوء علی من نام جالسا او قائما او ساجدا حتی یضع جنبه۔ — جو بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر یا سجدے کی حالت میں سو جائے اس پر وضو نہیں جب تک اپنا پہلو نہ رکھے۔

ان سب کا قدر مشترک وہی نکلا جو حدیث اول میں مذکور ہے کہ اگر ایسی حالت میں سویا جس سے استرخار مفاصل ہو جائے تو وضو ٹوٹا ورنہ نہیں۔

مختلف احادیث کا محمل اس بارے میں وارد مختلف احادیث کا محمل یہی ہے کہ ۔۔۔ جن احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نیند ناقض وضو ہے ان سے مراد وہ نیند ہے جس سے استرخار مفاصل ہو اور جن سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نیند ناقض وضو نہیں

لہ مسلم جلد اول، مسافرین باب صلوٰۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ودعائہ باللیل ص ۲۶۱،

حدیث (۱۵۸) الوضوء عند کل صلوٰۃ

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ۔ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔ ہر نماز

ان سے مراد وہ نیند ہے جس سے استرخاء مفاصل نہ ہو۔

ایضاح البخاری میں اپنے شیخ الہند کی باب سے مطابقت کی یہ تقریر نقل کی ۔۔۔ کہ ابطال عمل ممنوع ہے اسلئے مراد یہ ہے کہ جو نماز پڑھ رہا تھا اسے جلدی جلدی پوری کر کے سو رہے۔ اونگھنے کے باوجود نماز پوری کرنے کی ہدایت سے معلوم ہوا کہ اونگھنا ناقض وضو نہیں۔ جو بھی ادنیٰ سمجھ رکھتا ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ تقریر حدیث کے سیاق کے منافی ہے۔ جب اونگھنے کی وجہ سے اس کا خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں دعا کے بجائے بد دعا کرنے لگے۔ تو یہ خطرہ نماز پوری کرنے میں بہر حال ہے۔ پھر نماز پوری کرنے کی اجازت کا کوئی محل نہیں۔ رہ گیا ابطال عمل کی بات ۔۔۔ تو گزارش ہے کہ ابطال عمل اس وقت منع ہے جب کوئی عذر شرعی یا داعیہ شرعی نہ ہو۔ جب کوئی داعیہ شرعی پایا جائے تو ابطال عمل ممنوع نہیں، مثلاً نماز کی حالت میں سانپ آگیا، آگ لگ گئی، قضاء حاجت کی ضرورت شدید ہو گئی تو کیا ارشاد ہے۔ پھر جہاں شارع کی طرف سے اجازت ہو وہاں ممنوع ہونے کا کیا سوال؟ ۔۔۔ علامہ عینی نے اس حدیث سے مستنبط مسائل کے تحت لکھا۔ اس حدیث میں یہ حکم ہے کہ غلبۂ نوم کے وقت نماز توڑ دے۔

ایسی حالت میں نماز سے ممانعت اس لئے ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ وقت اجابت ہو اور یہ بد دعا کر دے جو قبول ہو جائے اس سے ثابت ہوا کہ نماز میں حضور قلب اور باخشوع وخضوع رہنا چاہئے۔ احتیاط پر عمل بہتر ہے۔ ایسی نیند جس میں استرخاء مفاصل ہوتا ہے فقہاء نے جنون، بیہوشی نشہ کو بھی قیاس کر کے ناقض وضو بتایا ہے۔

تشریحات (۱۵۸) وضوء علی الوضوء کے بارے میں مذاہب

(۱) بعض ظاہریہ اور شیعہ اس کے قائل ہیں کہ مقیم پر ہر نماز کے لئے وضو واجب ہے البتہ مسافروں کو ایک وضو سے متعدد نمازیں پڑھنے کی اجازت ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ جو سلیمان بن بریدہ عن ابیہ سے مروی ہے۔

"نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن ایک ہی وضو سے پانچ نمازیں پڑھیں اور موزوں پر مسح فرمایا۔ حضرت عمر نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ نے آج ایسا کیا ہے کہ اس سے پہلے ایسا نہیں کرتے تھے۔ حضور نے فرمایا۔ اے عمر! یہ میں نے قصداً کیا ہے۔" [1]

(۲) بہت سے صحابۂ کرام مثلاً حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابوموسی اشعری، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بہت سے تابعی مثلاً حضرت سعید بن مسیب، حضرت حسن بصری وغیرہ اسکے قائل ہیں۔ مقیم ہو یا مسافر سب پر ہر نماز کے لئے وضو واجب ہے خواہ حدث ہو خواہ نہ ہو، ان کی دلیل آیۂ کریمہ کا ظاہری مفاد ہے کہ فرمایا:۔

[1] مسلم جلد اول، طہارت، باب جواز الصلوات کلہا بوضوء واحد ص ۱۳۵۔ ابوداؤد، جلد اول، طہارت باب الرجل یصلی الصلوات کلہا بوضوء واحد ص ۲۳۔ طحاوی جلد اول طہارت، باب الوضوء ھل یجب لکل صلوٰۃ ام لا۔ ص ۲۵

يَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ قُلْتُ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ قَالَ يُجْزِيْ
کے وقت وضو فرماتے میں نے پوچھا آپ لوگ کیا کرتے تھے حضرت انس نے کہا

اَحَدَنَا الْوُضُوْءُ مَا لَمْ يُحْدِثْ ع‍ه
جبتک حدث نہ ہوتا ہمیں ایک ہی وضو کافی ہوتا۔

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ (الاٰیۃ) جب نماز کیلئے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو دھوؤ۔
اس میں یہ قید نہیں کہ جب تم محدث ہو۔

(۳) حضرت ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ ان کا مذہب یہ تھا کہ ــــ ایک وضو سے زیادہ سے زیادہ پانچ نمازیں پڑھ سکتے ہیں اس سے زائد نہیں۔

(۴) ائمہ اربعہ وغیرہ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے۔ وضو صرف حدث سے واجب ہے، اور ایک وضو سے جتنی نمازیں چاہیں پڑھیں۔ ان کی دلیل حدیث زیر بحث ہے، اس لئے کہ اگر ہر نماز کے لئے وضو فرض ہوتا تو حضرت انس اور صحابۂ کرام بھی ہر نماز کے لئے ضرور وضو کرتے۔ اسی طرح مقیم اور مسافر کی تفریق ہوتی تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو ضرور بیان کرتے ــــ علاوہ ازیں اس کی تائید میں بہت سی احادیث ہیں، مثلاً حضرت جابر کی یہ حدیث، وہ فرماتے ہیں کہ:۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ ایک انصاری بیوی کے گھر تشریف لیگئے حضور کے سامنے بھنی ہوئی بکری پیش کی گئی حضور نے اور ہم نے کھایا اتنے میں ظہر کا وقت ہوگیا حضور نے وضو فرمایا اور نماز پڑھی پھر کھانے پر آئے اور جب عصر کا وقت ہوگیا تو نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا ع‍ه

کیا حضور پر ہر نماز کیلئے وضو فرض تھا رہ گیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر نماز کے لئے وضو کرنا۔ اسکی توجیہ امام طحاوی نے دو کی ہے۔ ایک یہ کہ ابتدا میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر فرض تھا بعد میں منسوخ ہوگیا۔ اس پر وہ اس حدیث سے دلیل لائے۔

"عبد اللہ بن حنظلہ بن ابو عامر نے حدیث بیان کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے وضو کے مامور تھے مگر جب یہ شاق ہوا تو وضو کے بجائے ہر نماز کے وقت "مسواک" کا حکم دیا گیا ع‍ه

دوسری توجیہ یہ کہ بہر حال افضل یہی ہے کہ ہر نماز کے لئے وضو کیا جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افضل پر عمل فرماتے تھے، اس کی دلیل یہ حدیث ہے: کہ ابو الفضل ھُذلی کہتے ہیں ــــ کہ میں نے ابن عمر کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ اپنے گھر آئے۔ جب عصر کی اذان ہوئی تو پھر وضو فرمایا۔ میں نے ان سے پوچھا اے ابو عبد الرحمن کیا بات ہے کیا ہر نماز کیلئے وضو ضروری ہے؟ فرمایا تم نے ٹھیک سمجھا۔ یہ سنت واجبہ نہیں۔ صبح کی نماز کا وضو تمام نمازوں کیلئے کافی ہے، جبتک حدث نہ ہو۔ ع‍ه

ع‍ه ترمذی جلد اول طہارت باب الوضوء لکل صلوٰۃ ص ۹۔ نسائی جلد اول طہارت باب الوضوء لکل صلوٰۃ ص ۳۲ ابن ماجہ۔ طہارت باب الوضوء لکل صلوٰۃ ص ۳۹۔ ابو داود جلد اول طہارت باب الرجل یصلی الصلوات بوضوء واحد ص ۲۳۔ طحاوی جلد اول باب الوضوء ھل یجب لکل صلوٰۃ ص ۲۵۔ ع‍ه طحاوی جلد اول باب الوضوء ھل یجب لکل صلوٰۃ ص ۲۶ ع‍ه طحاوی ص ۲۶

حدیث (١٥٩) دعا بجریدۃ فکسرھا کسرتین

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھُمَا قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینے

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِحَائِطٍ مِّنْ حِیْطَانِ الْمَدِیْنَۃِ اَوْمَکَّۃَ فَسَمِعَ صَوْتَ

یا مکے کے باغوں میں سے کسی باغ پر گزرے کہ دو انسانوں کی آواز سُنی

بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ، فرمایا۔ جو وضو پر وضو کریگا اس کے لئے دس نیکیاں ہوں گی۔ اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے میں نے ایسا کیا ہے [١]

باب کا فائدہ فائدہ اولیٰ:۔ چونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا اس لئے تنقیح کے لئے امام بخاری نے یہ باندھا اور یہ افادہ فرمایا کہ بے وضو ہوتے ہوئے نماز کے لئے وضو فرض نہیں۔ ورنہ حضرت انس اور صحابہ کرام ضرور ہر نماز کے لئے وضو کرتے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے وضو کرتے تھے۔ اس سے ثابت کہ یہ مستحب ہے۔ یہ شبہہ ہو سکتا تھا کہ ہر نماز کیلئے وضو کا فرض ہونا حضور کے خصائص سے ہو، اسے سوید بن نعمان والی حدیث ذکر کر کے دور فرمایا، کہ منزل صہبار پر حضور نے عصر کے وضو سے نماز مغرب ادا فرمائی۔

فائدہ ثانیہ وضو مقصود بالذات عبادت نہیں۔ مفتاح صلوٰۃ ہونے کی وجہ سے عبادت ہے جب وضو ہے تو پھر وضو کرنا بظاہر لغو اور اسراف معلوم ہوتا ہے۔ اس کا ازالہ فرمایا۔ وضو پر وضو کرنا مستحب ہے اور باعث اجر اور فعل رسول ہے۔

تشریحات (١٥٩) تکمیل یہ واقعہ مدینے میں ہوا یا مکے میں، یہ اس حدیث کے ایک راوی جریر کا شک ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ جیسا کہ کتاب الادب میں بغیر تردید کے "من حیطان المدینۃ" مذکور ہے [٢] ۔ یہ باغ ام بشر انصاریہ کا تھا۔ اور یہ دونوں قبریں مسلمانوں کی تھیں اسلئے کہ ابن ماجہ میں ہے بقبرین جدیدین [٣] ۔ اور مسند امام احمد میں حضرت ابو امامہ کی حدیث میں ہے کہ حضور جنت البقیع کے قریب سے گزرے تو حضور نے پوچھا، تم نے آج یہاں کس کو دفن کیا ہے۔ جنت البقیع میں ایسی نئی قبر سوائے مسلمانوں کے اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ نیز حدیث کا سیاق بھی یہی بتا رہا ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں ہی کی تھیں اسلئے کہ عذاب کا سبب، پیشاب سے احتیاط نہ کرنا اور چغل خوری کو بتایا۔ اگر یہ کافر ہوتے تو عذاب کا سبب ان کے کافر ہونے کو بیان فرماتے۔

اس روایت میں ہے کہ "رکھا" اور اس کے بعد والی روایت میں ہے کہ "غرز" گاڑا۔ مسند عبد بن حمید، میں ہے کہ ان کے سروں کے پاس رکھا۔ علامہ ابن حجر نے، نسائی کے حوالے سے لکھا کہ۔ لانے والے حضرت بلال تھے۔

مسلم جلد دوم [٤] کے اخیر میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو حدیث طویل مذکور ہے اس سے کچھ لوگوں کو شبہہ ہوا کہ کھجور کی شاخ لانے والے حضرت جابر تھے مگر یہ صحیح نہیں۔ وہ دوسرا واقعہ ہے۔ دونوں میں بہت تفاوت ہے۔ یہ واقعہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ وہ سفر کا۔

---

[١] ایضا ص ٢٥، [٢] دار قطنی فی حدیث جابر، [٣] طہارت۔ تشدید فی البول ص ٢٩، [٤] ص ٤١٥،

إِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِي قُبُورِهِمَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
جنہیں اپنی اپنی قبروں میں عذاب ہو رہا تھا اس پر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا
يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ ثُمَّ قَالَ بَلَىٰ كَانَ أَحَدُهُمَا لَا يَسْتَتِرُ
ان پر عذاب ہو رہا ہے حالانکہ کسی بڑے گناہ پر عذاب نہیں ہو رہا ہے اسکے بعد فرمایا، ہاں بڑے گناہ پر

یہاں صحابہ کرام کا مجمع تھا۔ وہاں ساتھ میں صرف حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ یہاں یہ مذکور نہیں کہ یہ شاخ کس درخت سے منگائی تھی۔ وہاں تصریح ہے کہ خاص ان دو درختوں کی شاخیں منگوائی تھیں جنھیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بطریق اعجاز، قضاء حاجت کے لئے اکٹھا کیا تھا۔ یہاں یہ ہے کہ شاخ ایک ہی تھی اس کے دو ٹکڑے کرکے ایک ایک قبر پر رکھا وہاں یہ ہے کہ دونوں درختوں سے ایک ایک شاخ منگوائی۔ یہاں یہ ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رکھا۔ وہاں یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رکھوایا۔ یہاں عذاب کے سبب کی تصریح ہے کہ وہ پیشاب سے بے احتیاطی اور نمیمہ ہے۔ وہاں کوئی سبب مذکور نہیں۔ یہاں لعلّ کے ساتھ تخفیف عذاب کا ذکر ہے۔ وہاں لعل نہیں۔

گزشتہ سے مناسبت نواقض وضو کا بیان ہو رہا تھا۔ اس میں یہ بتایا گیا کہ پیشاب، ناقض وضو ہے، ہر ناقض وضو کے لئے ناپاک ہونا لازم۔ فقہ کا مشہور و معلوم قاعدہ ہے۔ ہر حدث نجس ہے اور ہر نجس کا خروج ناقض وضو۔ جب پیشاب نجس ہے تو اس سے بدن اور کپڑے کا بچانا فرض۔ یہ بتانے کے لئے باب باندھا "من الکبائر ان لایستتر من البول"، پیشاب سے نہ بچنا گناہ کبیرہ میں سے ہے، اور ہر گناہ کبیرہ سے اجتناب فرض۔ تو ثابت کہ پیشاب سے بچنا فرض۔ پھر اسکے بعد مسلسل کئی باب اس کے متعلق باندھا جن میں پیشاب سے طہارت کا طریقہ مذکور ہے اور انسان کے علاوہ دوسرے جانوروں کے پیشاب کا ذکر ہے۔

(۲) یہاں روایتیں مختلف ہیں۔ نسائی کتاب الطہارت میں "لایستنزہ" ہے اور کتاب الجنائز میں لایستبرئ ہے۔ ابونعیم نے مستخرج میں "لایتوقی" روایت کیا ہے۔ لایستتر کے معنی ہیں، پردہ نہیں کرتا تھا۔ اور لایستنزہ، لا یستبرئ، لایتوقی کے معنی ہیں بچتا نہیں تھا۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا۔ لایستتر کے معنی یہاں یہ ہیں کہ اپنے اور پیشاب کے مابین سترہ یعنی روک نہیں کرتا تھا۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ پیشاب کے چھینٹے اس پر پڑتے تھے۔ اب سب روایتوں کا حاصل ایک ہوا کہ پیشاب سے بچتا نہیں تھا۔

یہاں استتار کے حقیقی معنی یعنی پردہ کرنا مراد نہیں۔ اس لئے کہ اگر عذاب قبر کا سبب، کشف عورت ہوتا، تو من البول کا ذکر بے فائدہ تھا۔ اتنا فرمانا کافی تھا کہ بے پردگی کرتا تھا۔ من البول کے اضافے سے معلوم ہوا کہ پیشاب کو عذاب قبر میں دخل ہے۔ یہ اسی وقت بنے گا جب کہ استتار کے وہ معنی لئے جائیں جو ہم نے ذکر کئے۔ پیشاب کو عذاب قبر میں خاص دخل ہے۔ اس کی تائید ابن ماجہ[1]، طبرانی کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں تصریح ہے کہ فرمایا ان میں سے ایک کو پیشاب کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا۔

---

[1] باب التشدید فی البول ص ۱۲۔

مِنْ بَوْلِهٖ وَكَانَ الْاٰخَرُ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ ثُمَّ دَعَا بِجَرِيْدَةٍ فَكَسَرَهَا
ان میں سے ایک پیشاب کرکے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کھاتا تھا اس کے بعد حضور نے کھجور کی ایک شاخ
كِسْرَتَيْنِ فَوَضَعَ عَلٰى كُلِّ قَبْرٍ مِّنْهُمَا كِسْرَةً فَقِيْلَ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
منگائی اور اسے دو ٹکڑے کیا ہر ایک کی قبر پر ایک ٹکڑا رکھا دریافت کیا گیا یا رسول اللہ

نیز ابن ماجہ اور ابن خزیمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا، فرمایا، اکثر عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہے۔ علاوہ ازیں حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ واللفظ للاول

عامة عذاب القبر فى البول فاستنزهوا من البول۔ [۲] — عام عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہے اس لئے پیشاب سے بچو۔

نیز حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتقوا البول فانه اول ما يحاسب به العبد فى القبر۔ [۳] — پیشاب سے بچو اس لئے کہ قبر میں پہلے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔

اس کا بھی احتمال ہے کہ، یہاں لایستتر، پردہ نہ کرنے کے معنی میں ہو۔ یعنی پیشاب کرنے کی حالت میں پردہ نہیں کرتا تھا، اور من البول۔ بیان واقعہ کیلئے ہو تو بھی معنی بن سکتے ہیں۔

(۳) صوت انسانین، میں، واحد کی اضافت تثنیہ کی طرف ہے۔ اس کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر مضاف، مضاف الیہ کا جز رہو تو واحد کی اضافت تثنیہ کی طرف درست ہے۔ جیسے اکلت راس شاتین۔ مگر جمع لانا بہتر ہے جیسے قرآن مجید میں ہے: فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا۔ اور اگر مضاف، مضاف الیہ کا جز نہ ہو تو اکثر یہی ہے۔ تثنیہ لایا جاتا ہے۔ اور اگر التباس کا اندیشہ نہ ہو تو جمع بھی لانا درست ہے جیسے اسی حدیث میں ہے۔ فی قبورھما۔

(۴) وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ میں "فی" تعلیل کے لئے ہے۔ جیسے قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:-

لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (انفال ۶۸) — جو فدیہ تم نے لیا اسکی وجہ سے تمہیں بھاری عذاب پہنچتا۔

اور جیسے حدیث میں ہے:-

عذبت امراة فى هرة — ایک بلی کی وجہ سے ایک عورت کو عذاب دیا گیا۔

تعارض اور تطبیق یہاں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا:- کسی بڑے جرم کی وجہ سے انھیں عذاب نہیں ہو رہا ہے۔ پھر فرمایا۔ ہاں بڑے جرم کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ نسائی کی روایت میں۔ بلی کے بعد۔ فی کبیر۔ مذکور ہے نہ بھی مذکور ہوتا تو بھی معنی یہی تھے۔ اس لئے کہ بلی ایجاب نفی ماتقدم کے لئے آتا ہے۔

---

[۱] ایضاً [۲] الترغیب والترہیب جلد اول ص ۶-۱۱۵ [۳] ایضاً ص ۱۱۸،

لِمَ فعلتَ هٰذا قال لعلّهُ اَن يُّخفَّفَ عنهُما مالَم تَيبَسا عه
آپ نے یہ کیوں کیا فرمایا جب تک یہ سوکھیں گی نہیں انکے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

جیسے ارشاد ہے:

الستُ بربکم قالوا بلیٰ۔ اللہ عز وجل نے پوچھا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں، سب نے عرض کیا ہاں ہے۔

اس کی شراح نے بہت سی تاویلیں کی ہیں۔ سب سے اظہر یہ ہے کہ یہ دونوں گناہ ان کے خیال میں بڑے نہیں تھے۔ حالانکہ حقیقت میں بڑے ہیں۔ یا مراد یہ ہے کہ بظاہر لوگوں کی نظر میں بڑے نہیں مگر شرعاً عند اللہ بڑے ہیں۔ جیسے واقعہ افک کے بارے میں فرمایا:

وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ۔ (نور ۱۵) تم اس کو معمولی سمجھتے ہو حالانکہ یہ اللہ کے نزدیک بھاری جرم ہے۔

یا یہ کہ بڑے نہیں، سے مراد یہ ہے کہ ان سے بچنا کوئی بڑی بات یعنی دشوار نہیں۔ اور عند الشرع بڑے گناہ ہیں۔

یہ دونوں مسلمان تھے کہ کافر اس قسم کے واقعات احادیث میں متعدد ہیں۔ ایک تو وہ ہے جو مسلم شریف کی اخیر حدیث طویل میں مذکور ہے دوسرے جو ابو موسیٰ مدینی نے الترغیب والترہیب میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ

"حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، بنی النجار کے ایسے لوگوں کی قبروں سے گزرے جو جاہلیت میں فوت ہو چکے تھے"

تیسرے وہ واقعہ ہے جو طبرانی نے اوسط میں ذکر کیا، جس میں یہ ہے:۔

"بنی النجار کی ایسی عورتوں کی قبر سے گزرے جو جاہلیت میں مری تھیں"

اس لئے ان سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ حدیث زیر بحث میں جن کا تذکرہ ہے وہ مسلمان نہیں کافر تھے۔ حدیث زیر بحث میں جن کے احوال مذکور ہیں وہ بلاشبہہ مومن تھے۔ اس پر مندرجہ ذیل دلیلیں قائم ہیں۔

(۱) اگر یہ کافر ہوتے تو عذاب کا سبب پیشاب سے نہ بچنا اور چغلی کھانا ذکر نہ فرماتے بلکہ ان کے کفر کو بیان فرماتے یا ان کے ساتھ کفر کو بھی ضرور ذکر فرماتے۔

(۲) اسی حدیث کے بعض طرق میں یہ زیادتی ہے:

"انصار کی دو جدید قبروں سے گزرے"

انصار خاص اسلامی نام ہے۔ یہ دلیل ہے کہ یہ لوگ مسلمان تھے۔

(۳) امام احمد کی روایت میں یہ ہے کہ حضور جنت البقیع سے گزرے تو دریافت فرمایا "آج یہاں تم نے کس کو دفن کیا ہے"

خطاب صحابہ سے ہے اور صحابہ مسلمان ہی کو دفن کریں گے۔ نیز بقیع مسلمانوں ہی کا قبرستان ہے۔

گناہ کبیرہ کی تعریف

(۵) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نجاست سے آلودہ رہنا اور نمیمہ دونوں گناہ کبیرہ ہیں۔

گناہ کبیرہ کی جامع مانع تعریف کیا ہے، یہ علماء میں مختلف فیہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ہر وہ گناہ جس کی جزا میں

عه ایضاً اس کے ایک باب بعد ص ۳۵۔ جنائز۔ الجرید علی القبر ص ۱۸۱۔ باب عذاب القبر من الغیبة والبول ص ۱۸۴ جلد ثانی ادب۔ باب الغیبة۔ باب النمیمة من الکبائر ص ۸۹۴۔ مسلم جلد اول باب الدلیل علی نجاسة البول ابو داود جلد اول طہارت۔ باب الاستبراء من البول ص ۴۔ ترمذی جلد اول طہارت۔ باب التشدید فی البول والتستر ص ۱۴۱ نسائی جلد اول طہارت۔ باب التنزہ من البول ص ۱۲۔ جنائز باب وضع الجرید علی القبر ص ۲۹۱۔ ابن ماجہ باب التشدید فی البول ص ۲۹۔ مسند امام احمد۔ ص ۱۱۔

عذاب یا لعنت یا غضب مذکور ہو کبیرہ ہے۔ سفیان ثوری نے فرمایا حقوق العباد گناہ کبیرہ ہیں اور حقوق اللہ صغیرہ ۔ مالک بن مغول نے کہا۔ بدمذہبوں کے گناہ کبیرہ ہیں اور اہلسنت کے گناہ صغیرہ۔ بعض نے کہا بالقصد جو گناہ کیا جائے کبیرہ ہے اور بھول چوک سے جو گناہ ہو وہ صغیرہ ۔ سدی نے کہا، مقصود بالذات جو گناہ ہو وہ کبیرہ ہے اور مقدمات و مبادی صغیرہ ۔ مثلاً زنا کبیرہ ہے اور دیکھنا، چھونا، بوس و کنار صغیرہ ۔ ایک قول یہ ہے کہ جو گناہ موجب حد ہو وہ کبیرہ ہے ورنہ صغیرہ ۔ راجح پہلی تعریف ہے۔ اس کی تعداد میں مختلف روایتیں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ ستر یا سات سو کے قریب ہیں۔ اور فرمایا۔ کوئی گناہ استغفار کے بعد کبیرہ نہیں اور اصرار کے بعد کوئی گناہ صغیرہ نہیں ۔ نیز فرمایا، اللہ عزوجل کی ہر نافرمانی کبیرہ ہے [۱]

تعداد گناہ کبیرہ کی تعداد میں مختلف اقوال ہیں کسی نے سات کہا، کسی نے نو کسی نے ستر، کسی نے قریب قریب سات سو کسی حدیث میں تمام کبائر کا ذکر نہیں۔ جن لوگوں نے سات کہا ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ فرمایا:

سات برباد کرنے والی چیزوں سے بچو۔ اللہ کے ساتھ شرک، جادو، قتل ناحق، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، لڑائی سے بھاگنا، پاکدامن عورت کو زنا کی تہمت لگانا۔ [۲]

جن لوگوں نے نو کہا انھوں نے ان سات پر دو کا اور اضافہ کیا۔ جھوٹی قسم، اور بیت اللہ کی بے حرمتی [۳]
لیکن احادیث کا مطالعہ کرنے کے بعد مزید ان گناہوں کا بھی کبیرہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ تنگی رزق کی وجہ سے چھوٹے بچوں کا قتل، زنا خصوصاً پڑوسی کی عورت سے، یہ قرآن مجید میں بھی مذکور ہے [۴]۔ ماں باپ کی نافرمانی و ایذا رسانی جھوٹی گواہی، کسی کے ماں باپ کو گالی دینی، پیشاب سے ملوث رہنا، چغلی، وغیرہ وغیرہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا گیا کہ کیا کبائر سات ہیں فرمایا، یہ قریب قریب ستر ہیں بلکہ قریب قریب سات سو کے بھی مروی ہے۔

اور حق یہ ہے کہ ان کی تعداد معین نہیں۔ کچھ گناہوں کے بارے میں تصریح ہے کہ یہ کبیرہ ہیں۔ جن گناہوں کے بارے میں کبیرہ کی تصریح نہیں۔ ان کے بارے میں امام ابو محمد بن عبد السلام نے یہ ضابطہ ارشاد فرمایا کہ:

ایسے گناہوں کا سب سے ہلکے گناہ کبیرہ سے تقابل کرو، اگر اس کا فساد اس کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تو کبیرہ اور اگر کم ہے تو صغیرہ۔ مثلاً کسی پاکدامن عورت پر کسی بدکار کو قابو دینا کہ وہ اس کے ساتھ زنا کرے کسی مسلمان کو پکڑ لینا کہ اسے کوئی قتل کر دے بلاشبہہ بہت بڑا گناہ کبیرہ ہے۔ حالانکہ کہیں ان کے گناہ کبیرہ ہونے کی تصریح نہیں اس لئے کہ ان کی قباحت، ان کا فساد، مال یتیم کھانے سے بہت زیادہ ہے [۵]۔ علیٰ ہذا القیاس۔

پیشاب سے نہ بچنا کبیرہ ہے چغلخوری تو بلاشبہہ کبیرہ ہے مگر پیشاب سے نہ بچنا یعنی بدن یا کپڑے کا ناپاک رہنا کبیرہ ہے یا نہیں یہ بحث طلب ہے۔ لیکن کبیرہ کی جو تعریف ہم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی اس کی بنا پر یہ ضرور کبیرہ ہے اس لئے

---

[۱] خازن۔ سورہ نساء تفسیر آیۃ وان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ۔ [۲] مسلم جلد اول باب اکبر الکبائر ص ۶۵
[۳] عینی جلد ثالث ص ۱۱۴ [۴] سورۂ فرقان (۶۸) [۵] ماخوذ از نووی شرح مسلم جلد اول ص ۶۴

کہ اس پر عذاب کی وعید وارد ہے، بلکہ عذاب کا مشاہدہ ہے۔ البتہ پیشاب سے ملوث ہونا بذاتہ کبیرہ نہیں چونکہ ناپاک بدن اور ناپاک کپڑے کے ساتھ نماز صحیح نہیں ہوتی۔ ایسا شخص حقیقت میں تارک صلوۃ ہے۔ اس طرح نماز پڑھنے کی عادت بلاشبہہ گناہ کبیرہ ہے۔ بلکہ بالقصد ایک بار بھی ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ چونکہ فساد نماز کی یہاں علت پیشاب سے ملوث رہنا ہے یہی نماز کے فاسد ہونے کا ذریعہ بنا اس لئے اُسے کبیرہ فرمایا۔ اور اگر لا یستتر کو ظاہر معنی پر لیں۔ یعنی پیشاب کرنے کی حالت میں پردہ نہیں کرتا تھا تو بھی ظاہر ہے کہ بے ستری کی عادت ضرور کبیرہ ہے۔ ہر صغیرہ اصرار کے بعد کبیرہ ہو جاتی ہے۔

کیا یہ وعید صرف انسان کے پیشاب کیساتھ خاص ہے

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ وعید صرف انسان کے پیشاب کے ساتھ خاص ہے یا ہر جانور کے پیشاب کو عام ہے۔ بخاری کی اس روایت میں "من بولہ" ہے۔ جو بظاہر پہلے کی موید ہے۔ اور دوسری روایت جو چند سطر بعد بے عنوان باب کے تحت مذکور ہے۔ اس میں "من البول" ہے، یہ عموم پر دلالت کرتی ہے اور یہی صحیح ہے۔ اس کی موئدہ احادیث بھی ہیں جو پہلے مذکور ہوئیں۔ اس لئے کہ ان سب میں مطلقاً "بول" مذکور ہے جو اپنے مدلول کے لحاظ سے ہر بول کو شامل ہے۔

حیوانات کے پیشاب پاک ہیں یا ناپاک

اسی سے ایک دوسری بحث اٹھ کھڑی ہوئی کہ انسان کے پیشاب کی طرح دوسرے حیوانات کے پیشاب پاک ہیں یا ناپاک۔ ہمارا مذہب یہی ہے کہ ناپاک ہیں خواہ وہ حیوانات حلال ہوں یا حرام تفصیلی بحث حدیث عرینیین میں آرہی ہے۔

یہ وعید صرف پیشاب کو خاص ہے یا ہر نجاست کو عام

بظاہر یہ وعید پیشاب کے ساتھ خاص معلوم ہوتی ہے مگر بنظر دقیق ہر نجاست کو عام ہے۔ اس لئے کہ پیشاب کا اثر اس کے نجس ہونے کی وجہ سے ہے نجس ہونے میں ہر نجاست مساوی تو جو اس کا حکم ہے وہی اور نجاستوں کا ہونا ضروری ہے۔

غیبت اور نمیمہ کا فرق

بخاری کی روایتوں میں "بالنمیمۃ" ہے۔ یہاں تک کہ امام بخاری نے کتاب الجنائز میں یہ باب باندھا ہے ــ عذاب القبر من الغیبۃ والبول ــ اس کے تحت بھی جو روایت لائے اس میں بھی یہ ہے اما احدھما فکان یسعی بالنمیمۃ۔ غیبت کا لفظ اس میں بھی نہیں ــ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیبت اور نمیمہ امام بخاری کے یہاں ایک ہی ہیں۔ ورنہ باب کے ساتھ مطابقت نہ ہوگی۔ علاوہ ازیں مسند امام احمد میں بجائے نمیمہ کے غیبت ہے۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

علامہ عینی نے امام نووی سے نقل فرمایا کہ کسی کی بات ضرر پہنچانے کے ارادے سے دوسروں کو پہنچانا نمیمہ ہے انھوں نے غیبت کی کوئی تعریف نہیں کی۔

علامہ ابن حجر نے کتاب الادب میں فرمایا کہ ان دونوں میں فرق ہے۔ اس لئے کہ بہ نیت ضرر کسی کا حال دوسرے تک بغیر اس کی مرضی کے پہنچانے کو نمیمہ کہتے ہیں، خواہ اس کی موجودگی میں خواہ غیبوبت میں۔ غیبت میں ضرر کی نیت شرط نہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ کسی کی عدم موجودگی میں اس کا حال دوسرے تک پہنچایا جائے ــ البتہ ان دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ جو بات نقل کی گئی اس کا نقل کرنا اسے ناپسند ہو۔ یہ بات قول ہو، فعل ہو عیب ہو یا نہ ہو۔ ہر ایسی چیز جس کا افشاء کسی کو

ناپسند ہو اس کا افشا رنیمہ ہے۔ مثلاً کسی نے کہیں مال دفن کیا۔ اس کا افشا بھی نمیمہ۔

تخفیف عذاب کی علت

ان کھجوروں کی شاخ رکھنے سے عذاب میں تخفیف کی علت کیا ہے۔ اس سلسلے میں امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:۔

علماء نے فرمایا، یہ اس پر محمول ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی شفاعت فرمائی۔ حضور کی یہ شفاعت شاخوں کے سوکھنے تک قبول ہوئی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ احتمال بھی ہے کہ حضور اس وقت تک ان کے لئے دعا کرتے رہے ہوں۔ ایک قول یہ ہے۔ تخفیف عذاب اس وجہ سے ہوئی کہ یہ شاخیں جبتک گیلی رہیں گی تسبیح کرتی رہیں گی، سوکھی تسبیح نہیں کریں۔ آیۂ کریمہ

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ

ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے۔

میں اکثر مفسرین کا مذہب یہ ہے کہ اس میں شئ سے زندہ مراد ہے۔ ان لوگوں نے فرمایا کہ ہر چیز کی حیات اس کے اعتبار سے ہے۔ لکڑی کی زندگی سوکھنے تک اور پتھر کی اس وقت تک جبتک اپنے معدن سے جدا نہ کیا جائے۔ مگر محققین کا مذہب یہ ہے کہ۔ یہ آیت اپنے عموم پر ہے یعنی زندہ مردہ ہر چیز تسبیح کرتی ہے۔ اس کے بعد اس میں اختلاف ہے کہ ہر چیز واقعی تسبیح کرتی ہے یا اس سے مراد تسبیح قہری ہے کہ ہر چیز کا وجود، اس کی ہیئت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا صانع ہر عیب سے منزہ ہے۔ محققین نے فرمایا۔ کہ ہر چیز حقیقت میں تسبیح کرتی ہے[1]

ان میں سے امام نووی کے نزدیک کیا حق ہے۔ انھوں نے بظاہر کوئی فیصلہ نہیں فرمایا لیکن ان اقوال کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

استحب العلماء قراءة القران عند القبر لهذا الحديث لانه اذا كان يرجى التخفيف بتسبيح الجريد فبتلاوة القران اولى — وقد ذكر البخاری فی صحيحه ان بريدة بن الحصيب الاسلمی الصحابی اوصی ان يجعل فی قبره جريدتان ففيه انه رضی الله تعالیٰ عنه تبرك بفعل النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم۔[2]

اس حدیث کی بناء پر علماء نے قبر پر قرآن مجید پڑھنے کو مستحب جانا۔ اس لئے کہ جب کھجور کی شاخ کی تسبیح سے تخفیف عذاب کی امید ہے تو قرآن مجید کی تلاوت سے بدرجۂ اولیٰ امید ہے۔ بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا کہ بریدہ بن حصیب اسلمی صحابی نے وصیت کی کہ ان کی قبر پر دو کھجور کی شاخیں رکھی جائیں۔ حضرت بریدہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل سے برکت حاصل کی۔

یہ ارشاد اس کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک یہی راجح ہے کہ تخفیف عذاب ان شاخوں کی تسبیح کی وجہ سے ہے۔ یہاں ایک شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ جب عند التحقیق سوکھی لکڑی بھی تسبیح کرتی ہے تو تخفیف عذاب کو تر کے ساتھ خاص کیوں کیا۔ اس کا جواب علامہ شامی نے یہ دیا کہ ہری شاخ کی تسبیح بہ نسبت سوکھی کے زیادہ اکمل ہے اس لئے ہری کی تسبیح تخفیف عذاب میں مؤثر ہے۔ جیسے حضرات انبیاء کرام، اولیاء عظام کی تسبیح، ذکر، دعا، کا جو اثر و فائدہ ہے وہ ہم جیسے عوام کی تسبیح اور ذکر و دعا کا اثر و فائدہ نہیں۔ تر نباتات کی تسبیح بہ نسبت سوکھے کے زیادہ قوی ہے۔ یہ خود مخالفین کے شاہ صاحب کو تسلیم ہے جیسا کہ انوار الباری میں ہے۔

اسکے بعد علامہ نووی نے لکھا کہ خطابی نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ جو لوگ اس حدیث کی بناء پر قبروں پر شاخ وغیرہ رکھتے ہیں اسکی کوئی اصل نہیں۔

---

[1] شرح مسلم جلد اول باب الدلیل علی نجاسۃ البول والاستبراء عنہ ص ۱۴۱۔ [2] ایضاً

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری خطابی کے اس انکار کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں خطابی نے جو کچھ کہا اس میں واضح بحث ہے۔ اس لئے کہ یہ حدیث قبروں پر ہری شاخ وغیرہ رکھنے کی اصل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا خطابی کا یہ کہنا کہ اس کی کوئی اصل نہیں یہ ممنوع ہے یہ حدیث اس کی اصل اصیل ہے اسی وجہ سے ہمارے بعض ائمہ متاخرین نے یہ فتویٰ دیا۔ کہ قبروں پر پھول اور شاخیں رکھنے کی جو عادت ہے وہ اس حدیث کی روشنی میں سنت ہے [۱]

حضرت ملا علی قاری کے اس ارشاد سے ظاہر ہوگیا کہ ان کے نزدیک نیز حضرت علامہ ابن حجر کے نزدیک تخفیف عذاب کی علت ان شاخوں کی تسبیح ہے اور یہی علامہ عینی کا بھی رجحان ہے۔

اس لئے اس حدیث سے قبروں پر پھول وغیرہ رکھنے کا جواز ہی نہیں استحسان ثابت ہوتا ہے۔

لطیفہ یہاں ایک بات میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ خطابی کی طرف منسوب تو یہ ہے کہ، وہ تخفیف عذاب کی علت ان شاخوں کی تسبیح کو نہیں مانتے اور ساتھ ہی ساتھ علامہ عینی نے ان کا اس حدیث سے استنباط یہ نقل کیا کہ خطابی نے کہا، یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ قبروں پر قرآن مجید کی تلاوت مستحب ہے اس لئے کہ جب درخت کی تسبیح سے تخفیف عذاب کی امید ہے تو قرآن مجید برکت میں کہیں اس سے زیادہ ہے [۲]

یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ بھی اس کے قائل ہیں کہ اصل علت ان شاخوں کی تسبیح ہے۔ خطابی کی اصل کتاب میرے پاس ہے نہیں کہ اصل حال کی تحقیق ہو سکے۔ علامہ ابن حجر نے طرطوشی کا یہ قول نقل کیا۔ تخفیف عذاب کی علت حضور کے دست مبارک کی برکت تھی ۔ غیر مقلدین اور دیوبندی اس کو علت قرار دینے پر بہت زور دیتے ہیں۔ لیکن پھر یہ برکت اتنی محدود کیوں رہی کہ جب تک شاخیں ہری رہیں تخفیف عذاب رہا، اس کو کوئی صاحب بتائیں ؟

یہاں قابل غور یہ بات ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت اور دعا کی تاثیر اپنی جگہ پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست مبارک تو دست مبارک ہے اگر نعلین پاک کسی کی قبر پر رکھدیں تو ہمیشہ کیلئے عذاب قبر کیا عذاب جہنم ٹل جائے۔ اور دعا کے اثر کا حال اس سے بھی بڑھ کر پھر حضور نے تخفیف عذاب کی دعا کیوں نہیں کی۔ صرف دست مبارک یا قدم پاک یا نعل مقدس کیوں نہیں رکھا۔ اگر حضور ان کے عذاب میں تخفیف عذاب کیلئے دست مبارک رکھدیتے یا دعا فرمادیتے تو کھجور کی شاخ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مگر حضور نے نہ دعا فرمائی نہ دست مبارک یا قدم پاک یا نعل مقدس رکھا کھجور کی شاخ رکھی ۔ یہ دلیل ہے کہ اس خاص واقعہ میں تخفیف عذاب کی علت نہ دعا رہے نہ دست مبارک کا رکھنا بلکہ صرف اس شاخ کی تری ہے ۔ جس پر حدیث کا یہ ارشاد ۔ مالم تیبسا۔ نص ہے ۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ اگر حضور دعا فرماکر یا دست مبارک رکھکر تخفیف عذاب کردیتے، تو وصال اقدس کے بعد آنیوالے ہزاروں لاکھوں امت کے افراد کو تخفیف عذاب کا یہ نسخہ معلوم ہوتا۔ حضور نے کھجور کی شاخ رکھکر اپنی قیامت تک کی امت کو تخفیف عذاب کا یہ نسخہ عطا فرمادیا۔ دعا سے یا دست پاک کی برکت سے وہی مستفیض ہو سکتے تھے جو حیات ظاہری میں موجود تھے۔ مگر اس عطیہ سرکاری سے قیامت

[۱] مرقات جلد اول باب آداب الخلاء فصل اول ص ۲۸۶ ،

[۲] عینی جلد سوم کتاب الوضوء باب من الکبائر ان لا یستتر من البول ص ۱۱۶

تک کی امت بہرہ مند ہوتی رہے گی۔

فقہا نے لکھا کہ قبرستان کی تر گھاس کا کاٹنا مکروہ ہے اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ جبتک وہ ہری رہتی ہے تسبیح کرتی رہتی ہے جس سے میت کو انسیت حاصل ہوتی ہے اور رحمت نازل ہوتی رہتی ہے۔ اس پر علامہ محمد بن عابدین شامی رد المحتار میں لکھتے ہیں:۔

دليله ماورد في الحديث من وضعه عليه الصلوة والسلام الجريدة الخضراء بعد شقها نصفين على القبرين الذين يعذبان وتعليله بالتخفيف مالم ييبسا اى تخفف عنهما ببركة تسبيحهما اذ هو اكمل من تسبيح اليابس لما في الاخضر من نوع حياة وعليه فكراهة قطع ذلك وان نبت بنفسه ولم يملك لان فيه تفويت الحق الميت ويوخذ من ذلك ومن الحديث ندب وضع ذلك للاتباع ويقاس عليه ما اعتيد في زماننا من وضع اغصان الآس ونحوه ؂۱

اس کی دلیل وہ ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ہری کھجور کی شاخ کو دو ٹکڑے کرکے ان قبروں پر رکھا جن میں عذاب ہو رہا تھا۔ اور حضور کا تخفیف عذاب کی یہ علت بتانا ہے کہ جبتک سوکھیں گی نہیں ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی یعنی ان کی تسبیح کی برکت سے اسلئے کہ تر کی تسبیح سوکھی سے زیادہ کامل ہے کیونکہ تر میں ایک قسم کی حیات ہوتی ہے اس بنا پر قبرستان سے ہری گھاس کاٹنے کی کراہت اسلئے ہے کہ اسمیں میت کی حق تلفی ہے اس مسئلے سے اور حدیث سے یہ حکم ماخوذ ہے کہ کھجور کی ہری شاخ رکھنا مستحب ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی میں اس پر قیاس کیا گیا وہ جو ہمارے زمانے میں عادت ہے کہ آس وغیرہ کی شاخیں رکھتے ہیں۔

علامہ شامی کی فقہاء احناف میں جو حیثیت ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ ان کی کتاب رد المحتار، فقہ حنفی کی بہت مشہور اور مستند ہے۔ کوئی حنفی عالم اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا انھوں نے بہت واضح غیر مبہم طور پر بتا دیا کہ ان لوگوں پر تخفیف عذاب کی علت خود حضور نے یہ بتائی کہ جبتک یہ تر رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ اس لئے کہ تر شاخ کی تسبیح سوکھی کے بہ نسبت زیادہ کامل ہے۔ اس لئے کہ تر شاخ میں یک گونہ حیات ہے۔ تصریح فرما دی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع میں کھجور کی تر شاخ رکھنا مستحب ہے۔ اور اس پر قیاس کرکے آس وغیرہ دوسرے تر نباتات رکھنا بھی۔

اس کے بعد ہمیں اس بحث کو زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں، مگر دیوبندی وغیر مقلد شارحین نے یہاں عوام کو بہت مغالطے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے اس لئے بحث کو مکمل کرنے کے لئے چند امور کا اضافہ ضروری ہے۔

اس حدیث میں تخفیف عذاب کی علت ان شاخوں کی تری اور تسبیح ہی ہے۔ یہی صحابہ کرام نے بھی سمجھا۔ چنانچہ سیدنا بریدہ بن الحصیب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری قبر پر دو کھجور کی شاخیں رکھی جائیں ؂۲

اس قسم کی وصیت حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کی تھی۔ شرح الصدور میں ہے کہ:۔

"قتادہ نے کہا کہ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث (زیر بحث) بیان کی اور یہ وصیت کیا کرتے تھے کہ میری قبر میں

؂۱ جلد اول ص ۶۰۶ – ۷ ؂۲ بخاری جلد اول، جنائز باب الجرید علی القبر ص ۱۸۱،

کھجور کی دو شاخیں رکھدینا ۔ ان کا وصال کرمان اور قوس کے درمیان ایک میدان میں ہوا ۔ وہاں کھجور کی شاخ نہ مل سکی لوگ یہ باتیں کررہے تھے کہ ان کی وصیت قبر میں شاخیں رکھنے کی تھی اور یہاں ہے نہیں کیا کریں ۔ اتنے میں سجستان کی طرف سے کچھ سوار آئے جن کے پاس کھجور کی شاخیں تھیں ہم نے ان سے شاخیں لے کر ان کی قبر میں رکھدیں ۔ [1]

اس پر علامہ ابن حجر لکھتے ہیں :۔

قد تاسی بریدۃ بن حصیب الصحابی بذلک فاوصی ان یوضع علی قبرہ جریدتان واولی ان یتبع من غیرہ

اسکی پیروی بریدہ بن حصیب صحابی نے کی اور یہ وصیت کی کہ ان کی قبر پر کھجور کی دو شاخیں رکھی جائیں ان صحابی کی بہ نسبت دوسروں کے اتباع کرنا زیادہ بہتر ہے ۔

ظاہر ہے کہ حدیث کو صحابۂ کرام سے زیادہ، خطابی، طرطوشی نہیں سمجھ سکتے ۔ صحابی نے اس کا مطلب یہی سمجھا کہ تخفیف عذاب کا سبب ان شاخوں کی تری ہے ۔ اور ان کی تری کو تخفیف عذاب میں دخل ہے اس لئے اس کی وصیت کی ۔ انھوں نے اس کو ان دونوں کے ساتھ خاص نہیں سمجھا، اس لئے ان صحابہ کرام کی اتباع ہم کو بھی کرنی چاہئے ۔ ان کے عمل کے مطابق عمل کرنا چاہئے اور جو انھوں نے سمجھا اس کو حق ماننا چاہئے ۔

اس پر صاحب انوار الباری کا یہ کہنا کہ :۔

" ایک دو صحابی کے سوا دوسرے ہزارہا صحابۂ کرام نے جو بات سمجھی وہ لوگ اور بھی لائق اتباع ہیں ۔ جو شائبہ بدعت سے کوسوں دور ہے ۔ چنانچہ ایک دو صحابی کے سوا کسی سے بھی یہ منقول نہیں ہوا کہ اس نے قبروں پر ٹہنیاں یا پھول وغیرہ رکھانے کو سنت یا مستحب سمجھا ہو " [2]

آپ کی اس تحقیق کا حاصل یہ ہوا کہ جبتک کوئی عمل تمام صحابہ سے مروی نہ ہو وہ قابل قبول نہیں ۔ اگر یہ ثابت ہو کہ دو یا چار صحابہ نے یہ کام کیا مگر بقیہ صحابہ سے یہ منقول نہ ہو کہ انھوں نے بھی کیا تو وہ لائق اعتبار نہیں ۔ آپ کی یہ تحقیق ماننے کے بعد دین کا کیا حال ہوگا ۔ وہ اہل علم پر مخفی نہیں ۔ اس تحقیق کو صحیح مان لینے کے بعد تمام شرائع ختم ہو جائیں گے اور تو اور نماز پڑھنی مشکل ہو جائیگی ۔ بلکہ محال ۔ آپ بتائیں کہ تکبیر تحریمہ میں کانوں تک ہاتھ لیجانا، ثنا پڑھنا، ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا، آمین بالسر کہنا، رکوع، سجدے کی تسبیحات، تشہد وغیرہ کتنے صحابہ سے مروی ہے ؟ ۔ کیا ان سب کے دو کے لئے آپ کی یہ منطق کافی نہ ہوگی ؟ ۔ اہل علم جانتے ہیں کہ کسی ایک صحابی سے کسی فعل کا منقول ہونا کافی ہے ۔ بشرطیکہ اس کے خلاف کسی صحابی کا قول نہ ہو ۔ اور یہاں تو دو صحابی کی وصیت اور تابعین کی جماعت کا عمل ثابت ہے، جس پر کسی صحابی، کسی تابعی نے کوئی انکار نہیں فرمایا ۔ حدیث شریف میں ہے ۔

اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھدیتم ۔

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں جسکی بھی اقتدا کروگے ہدایت پاجاؤگے ۔

آپ نے عدم ذکر کو ذکر عدم بنالیا ۔ یہی آپ کی غلطی ہے ۔ پھر ایسا بھی نہیں کہ صرف صحابی کا فعل ہی ہے اس کی مؤید حدیث بھی ہے اس کے باوجود آپ نے اس کے بدعت ہونے کا حکم لگادیا ۔ جب فعل رسول، فعل صحابہ، فعل تابعین بھی بدعت ہو جائے تو سمجھ

---

[2] جلد ششم ص ۵۱ ،

یہ نہیں آتا کہ آپ لوگوں کے نزدیک سنت کس چیز کا نام ہوگا۔

دوسرا اعتراض آپ کا یہ ہے کہ:

"اور ظاہر ہے کہ یہ امر مغیبات میں سے ہے اس لئے جب دوسروں کو اس کا علم ہی نہیں ہوسکتا تو ان کو اس فعل کا اتباع بھی درست نہ ہوگا"۔ ؎۱

اب یہ دوسری تحقیق بھی اگر حق ہے تو کسی مسلمان کے لئے دعا مغفرت اس وقت تک فضول ہے جبتک یہ ثابت نہ ہو کہ یہ گنہگار ہے اس لئے کہ گنہگار ہونا نہ ہونا مغیبات سے ہے جب ہمیں معلوم ہی نہیں کہ یہ گنہگار ہے یا نہیں تو دعا مغفرت بیکار۔ ہم ثابت کرآئے کہ تخفیف عذاب کی علت ان کی تسبیح ہے اگر یہ بندہ صالح عذاب قبر سے محفوظ ہے تو اس سے اسے انس حاصل ہوگا، نزول رحمت ہوگی۔ یہ فائدہ کیا کم ہے۔

تیسرا اعتراض آپ کا یہ ہے:

"پھر اس طریقہ کی غلطی پر یہی دلیل کافی ہے کہ بجائے فساق وفجار کی قبور کے جن کے لئے تخفیف عذاب کے اسباب کی ضرورت ہے صلحاء ومقربین بارگاہ خداوندی کے مزارات پر یہ چیزیں چڑھاتے ہیں"۔ ؎۲

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ لوگوں کا بھی عمل ایسا ہی الٹا ہے۔ عوام غربار فساق وفجار کے جنازے میں جانے کی آپ حضرات تو زحمت نہیں اٹھاتے مگر شیخ الحدیث حضرت جی، مہتمم صاحب وغیرہ قسم کے اپنے صلحا ومشائخ کے جنازے میں دھکے کھانے کے باوجود شریک ہوتے ہیں حالانکہ فساق وفجار کو نماز جنازہ ودعاء مغفرت کی آپ کے عقیدے کے مطابق آپ کے شیخ الحدیث وحضرت جی کی بہ نسبت زیادہ ضرورت ہے۔ آپ بخاری کی شرح لکھ رہے ہیں اس کا پاس ضروری تھا۔

کشمیری صاحب کا ارشاد فرمایا بکثرت علماء سلف وخلف نے قبروں پر ٹہنیاں لگانے وغیرہ کو بدعت وخلاف شریعت کہا ہے۔ ؎۳

ذرا مہربانی کر کے دس بیس کے نام تو گنادیجئے جس نے اسے بدعت کہا ہو۔ ادعاء بے دلیل علماء کے سر بہتان۔ یہ آپ کے بزرگوں کی پرانی عادت ہے۔ خطابی یا علامہ ابن عبدالبر نے جو کہا صرف یہ کہ اس حدیث سے اس کا استدلال درست نہیں۔ ان میں سے کسی نے بدعت نہیں کہا۔ یہ صرف بانیانِ وہابیت کا اختراع ہے۔

آگے شاہ صاحب نے فرمایا:

"اسی طرح متاخرین حنفیہ میں سے جس کسی نے اس کو جائز کہا، غلطی کی ہے۔ مثلاً شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور علامہ شامی میں سمجھتا ہوں ان حضرات کو مسئلہ بدعت صحیح طور سے منقح نہ ہوسکا تھا"۔ ؎۴

ذرا آپ نے اپنی تنقیح پیش کی ہوتی تو دنیا دیکھ لیتی کہ یہ تنقیح آپ کو بھی لے ڈوبی۔ یقیناً ان حضرات کے نزدیک بدعت کی ایسی کوئی تعریف نہیں جس کی رو سے فعل رسول، فعل صحابہ، فعل تابعین بھی بدعت ہوجائے۔ بدعت کی ایسی تعریف دیوبند میں ڈھلی اور وہیں بند ہے۔ اہل علم انصاف کریں۔ ان بزرگوں کے نزدیک جب فعل رسول، فعل صحابہ، فعل

؎۱ انوار الباری جلد ششم ص ۵۰ ؎۲ ایضاً ص ۵۱ ؎۳ ایضاً ص ۵۱

تابعین بھی بدعت ہے تو پھر اس کا کیا علاج۔

لعل تحقیق کے لئے ہے حدیث میں "لعل" وارد ہے جو ترجی امید کرنے کے معنی میں آتا ہے اور ترجی میں شک ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ انسان جو امید کرے وہ ضرور پوری ہو۔ مگر اللہ عز وجل اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کی ترجی بھی تحقیق کے لئے ہے۔ جیسا کہ علامہ عبد الباقی زرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا:۔

الرجاء من الله ونبيه للتحقيق اللہ اور رسول کے کلام میں لفظ ترجی تحقیق کے لئے ہے۔

مسائل مستخرجہ اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل نکلتے ہیں:۔

(۱) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں، کہ یہ بھی جان لیا کہ ان پر عذاب ہو رہا ہے اور یہ بھی جان لیا کہ کس بنا پر ہو رہا ہے نیز یہ جان لیا کہ ان شاخوں کے رکھنے سے عذاب میں تخفیف ہوگی، اور یہ بھی جان لیا کہ کب تک ہوگی۔ اس حدیث میں اکٹھے چار علم غیب کی خبر ہے۔

(۲) نمیمہ گناہ کبیرہ ہے (۳) عذاب قبر حق ہے (۴) بدن یا کپڑے کے نجس ہوتے ہوئے نماز پڑھنی گناہ کبیرہ ہے (۵) گنہگار مومن پر بھی عذاب قبر ہوگا (۶) قبر کے پاس اللہ عز وجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر، تلاوت، کوئی بھی عمل خیر مستحب ہے (۷) انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوقات کی بھی تسبیح و تقدیس مؤثر ہے (۸) قبر پر ہری شاخ، پھول وغیرہ رکھنا مستحب ہے (۹) ایک انسان کا عمل دوسرے کے لئے نفع بخش ہے (۱۰) پیشاب مطلقاً ناپاک ہے (۱۱) نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی بدن اور کپڑے کا پاک رکھنا ضروری ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے یہ باب باندھا۔ پیشاب دھونے کے بیان میں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس قبر والے سے فرمایا۔ جو پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ اور حضور نے انسانوں کے علاوہ اور کسی کے پیشاب کو نہیں ذکر کیا۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حدیث سابق کے بعض طرق میں جو "من بوله" کے بجائے "من البول" آیا ہے اس میں بھی بول سے اسی شخص کا پیشاب مراد ہے۔ گویا اس میں الف لام استغراق کا نہیں عہد خارجی کا ہے۔ اور چونکہ ایسے احکام میں کسی شخص کی خصوصیت نہیں ہوتی اس لئے یہ حکم پوری نوع کو عام ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ انسان غیر ماکول اللحم ہے اس لئے یہ حکم تمام غیر ماکول اللحم حیوانات کے پیشاب میں عام کیا جا سکتا ہے۔ ان مقدمات کے بعد امام بخاری کا مقصد یہ ظاہر ہوا کہ وہ صرف غیر ماکول اللحم حیوانات کے پیشاب کو ناپاک مانتے ہیں اور ماکول اللحم کے پیشاب کو پاک۔ اگر امام بخاری کا یہی مقصد ہے تو اس پر دو گذارش ہے:

اول یہ کہ ہم نے جو احادیث پہلے ذکر کیں ان میں مطلق "بول" ہے۔ اور اس کے الف لام کو عہد خارجی پر محمول نہیں کر سکتے وہ بلاشبہ استغراق کے لئے ہے جس میں تمام پیشاب داخل ہیں خواہ وہ ماکول اللحم کے ہوں خواہ غیر ماکول اللحم کے۔

دوم یہ کہ آپ نے انسان کے غیر ماکول اللحم ہونے کو علت قرار دے کر قیاس کیا۔ ماکول اور غیر ماکول کو طہارت و نجاست میں دخل نہیں۔ بہت سی اشیاء غیر ماکول ہیں مگر طاہر ہیں، جیسے خود انسان کا گوشت، طاہر ہے مگر ماکول نہیں۔ اس لئے اسکو حکم کا مدار ٹھہرانا درست نہیں۔ بلکہ بنظر دقیق پیشاب کی نجاست میں گوشت کو کوئی دخل ہی نہیں۔ پیشاب کی نجاست کی بنیاد

اس کا بدبو و گندگی کی جانب استحالہ یعنی بدلنا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے؛

کہ اگر کوئی چیز اپنی اصل کے اعتبار سے طیب و طاہر ہو پھر وہ استحالہ کے بعد یعنی بدل کر گندی و بدبودار ہو جائے تو ناپاک ہے۔ اور اگر کوئی ناپاک چیز ہو اور بدل کر عمدہ، خوش ذائقہ ہو جائے تو پاک و طیب ہے۔ مثال کے طور پر ہماری غذا کو لیجئے۔ ہم پاک و صاف، طیب و طاہر، لذیذ و خوش ذائقہ غذا کھاتے ہیں۔ مگر معدے میں جاکر جب وہ بدل کر بدبودار ہو جاتی ہے تو ناپاک ہو جاتی ہے۔ براز غذا ہی کا بدلا ہوا حصہ ہے جو اپنی گندگی اور بدبو کی وجہ سے ناپاک ہے۔ دوسری طرف لیجئے شراب نجس اور حرام ہے مگر جب بدل کر سرکہ ہو جائے تو حلال و طاہر۔

یہ سب کو معلوم ہے کہ انسانوں کی طرح حیوانات کے پیشاب بھی ان کی غذا کی بدلی ہوئی حالت ہے جسمیں گندگی اور بدبو ہوتی ہے اس لئے وہ ناپاک ہے۔ اور پیشاب کے استحالہ الی الفساد والنتن میں سب حیوانات برابر ہیں خواہ وہ ماکول اللحم ہوں خواہ غیر ماکول اللحم، اس لئے سب کے پیشاب ناپاک۔

ہمارے اس استدلال کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو عارف باللہ ملا احمد جیون قدس سرہ نے نور الانوار میں ذکر کی؛

ایک مرد صالح کا وصال ہوا۔ دفن کے بعد وہ عذاب قبر میں گرفتار ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے گھر جاکر ان کی بیوی سے سبب پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ یہ بکریاں چراتا تھا ان کے پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا۔ اس پر ارشاد فرمایا؛

استنزھوا من البول فان عامة عذاب القبر منه ۔ [1]

پیشاب سے بچو اس لئے کہ عام عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے۔

یہاں خاص بکریاں مذکور ہیں جو ماکول اللحم ہیں۔ اس لئے بول کے نجس ہونے میں غیر ماکول اللحم کی تخصیص ساقط۔ امام بخاری کا مقصد اگر یہ ہے تو یہ افادہ ظاہر ہے کہ اس میں ــــ من البول، عام نہیں، خاص ہے، مگر اسکے لئے لفظ "باب" کے اضافے کی کیا حاجت تھی۔

صاحب انوار الباری نے، اپنے حضرت گنگوہی کی یہ توجیہ ذکر کی، کہ امام بخاری کا مقصد یہ باب الگ لانے سے عموم بول کی نجاست بتانا ہے، کہ یہ بھی حدیث سے ثابت ہے۔

گنگوہی صاحب کا رد

مگر اس توجیہ پر کہیں کوئی خفی سے خفی تر قرینہ کا دور، دور تک پتہ نہیں۔ پھر یہ کہنا کہ امام بخاری کا مقصد یہ ہے، کسی طرح درست نہیں۔

علاوہ ازیں یہ مقصد اس وقت درست ہو سکتا تھا جب متعین طور پر یہ معلوم ہوتا کہ امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ مطلقاً ہر پیشاب ناپاک ہے۔ ایسا نہیں، بلکہ باب بول الصبیان اور باب ابوال الابل والدواب سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ جو لڑکے غذا نہ کھاتے ہوں۔ اور ماکول اللحم حیوانات کے پیشاب پاک ہیں۔ یا کم از کم یہ کہ وہ اس سلسلے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پائے ہیں۔ پھر بلا عنوان باب لکھنے سے کیسے یہ مقصد ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مطلقاً تمام پیشاب ناپاک ہیں۔

---

[1] نور الانوار۔ بحث عام ص ۶۸

حدیث (۱۶۰) ترک النبی صلی اللہ علیہ وسلم الاعرابی حتی فرغ من بولہ

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ

علامہ عینی نے یہ توجیہ کی کہ اس کا مقصد دونوں سندوں کی تصحیح ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ اس حدیث کی پہلی سند میں مجاہد کی بلاواسطہ طاؤس، حضرت ابن عباس سے روایت ہے اور اس بلاترجمہ والی سند میں مجاہد کی، حضرت ابن عباس سے بواسطۂ طاؤس روایت ہے۔ امام بخاری یہ افادہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ دونوں سندیں متصل وصحیح ہیں۔ مجاہد، طاؤس کے واسطے سے بھی، ابن عباس سے روایت کرتے ہیں اور طاؤس کے بلاواسطہ بھی۔

ابن حبان نے دونوں سندوں کو صحیح کہا۔ امام ترمذی نے، بواسطہ طاؤس والی روایت کو اصح کہا۔ اس سے ثابت بلاواسطہ طاؤس والی بھی صحیح ہے۔

بلاواسطہ طاؤس والی سند پر امام دارقطنی نے جرح کی تو اس کا جواب تمام شارحین نے یہی دیا کہ یہ بھی صحیح ہے۔ اس خطرے کو امام بخاری نے محسوس کرلیا تھا۔ اس پر تنبیہ کرنے کے لئے بلاعنوان باب کے تحت اس بواسطہ طاؤس والی سند کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی۔

علامہ عینی پر میری گذارش یہ ہے کہ باب من الکبائران لایستتر من البول کے تحت جب یہ حدیث بلاواسطہ طاؤس، مذکور ہے تو وہیں اسے ذکر کردینے سے یہ افادہ ہوگیا کہ یہ سند بھی صحیح ہے۔ اس لئے کہ جو بھی اعتراض ہوسکتا تھا اور ہوا وہ اسی سند پر ہوا۔ اس سند کی تصحیح کا افادہ کرنے کے لئے الگ بلاعنوان باب قائم کرنے کو کیا دخل؟

یہاں سیدھی سادی بات یہ ہے کہ بہت سی جگہ امام بخاری نے بلاترجمہ باب لکھا ہے۔ ہم مقدمہ میں بتا آئے کہ اصل میں یہاں بیاض تھا مگر ناقلین نے ملاکر لکھدیا۔ اس جگہ امام بخاری کو باب کا کوئی عنوان لکھنا چاہئے تھا مگر کسی وجہ سے نہیں لکھ سکے اسی طرح اس حدیث کے مناسب کوئی باب لکھنا چاہتے ہونگے مگر کسی وجہ سے نہیں لکھ سکے اور ناقلین کے دونوں کو ملاکر بیاض چھوڑے بغیر لکھنے کی وجہ سے یہ دشواری پیدا ہوگئی۔ اور یہ صرف یہیں نہیں اور بھی جگہوں پر ہے۔

ان سب کے بعد اختتام کلام پر گذارش ہے کہ ان سب بحاث کے باوجود حدیث لایستتر من البول میں اظہر یہی ہے کہ اس سے مبتلا کا پیشاب مراد ہے اسلئے ہم بار بار ذکر کر آئے کہ حدیث کے مختلف طرق ایک دوسرے کی تفسیر ہوتے ہیں۔ جب کچھ طرق میں من بولہ مذکور ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ مراد مردے کا پیشاب ہے۔ یعنی وہ اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا ــــ اسکی متابعت میں امام بخاری نے فرمایا قال ابن المثنی وحدثنا وکیع قال حدثنا الاعمش قال سمعت مجاھدا مثلہ۔ اسکی ضرورت یہ پیش آئی کہ اس حدیث میں محمد بن مثنی کے دو شیخ ہیں ایک محمد بن حازم انکی روایت میں حدثنا الاعمش عن مجاھد ہے دوسرے شیخ وکیع ہیں انکی روایت میں حدثنا الاعمش قال سمعت مجاھدا ہے اعمش تدلیس میں مشہور ہیں پہلی سند میں عن مجاھد تھا اسمیں تدلیس کی گنجائش ہے دوسری سند میں اعمش نے سمعت مجاہدا کہا ہے اب تدلیس کا شبہہ جاتا رہا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے حدیث کو قوت مل گئی۔

نشریحات (۱۶۰، ۱۶۱) **تکمیل:-** ایک اعرابی مسجد میں آئے اور دو رکعت نماز پڑھی اور یہ دعا مانگی اے اللہ مجھ پر اور محمد پر رحم کر اور ہمارے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى اَعْرَابِيًّا يَبُولُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ دَعُوهُ حَتّٰى إِذَا فَرَغَ

علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو دیکھا کہ وہ مسجد میں پیشاب کر رہے ہیں تو فرمایا اسے چھوڑ دو جب وہ

دَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّهُ عَلَيْهِ عه

پیشاب سے فارغ ہو گئے تو پانی منگا کر اس پر بہایا

حدیث (۱۶۱) اَيْضًا اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ، قَامَ اَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ایک اعرابی نے مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شروع

فَتَنَاوَلَهُ النَّاسُ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کردیا تو لوگوں نے اسے پکڑنا چاہا اس پر نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

ساتھ کسی پر مت رحم فرما۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے ایک وسیع معاملے کو تنگ کر دیا، تھوڑی دیر کے بعد وہ اُٹھے اور مسجد کے ایک طرف جا کر پیشاب کرنے لگے، لوگ چیخ پڑے مَہ مَہ ہاں ہاں اور انکی طرف بڑھے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اسے چھوڑ دو، اس کا پیشاب مت کاٹو اور صحابہ کرام سے فرمایا تم لوگ آسانی کرنے کے لئے (دنیا میں) بھیجے گئے ہو سختی کے لئے نہیں اور جب وہ اعرابی پیشاب سے فارغ ہو گئے تو ان کو بلایا اور فرمایا مسجد میں پیشاب نہیں کرنا چاہیئے، یہ اللہ کے ذکر اور نماز اور قرآن مجید کی تلاوت کے لئے ہے اور ایک صاحب سے فرمایا اس پر ایک ڈول پانی بہا دو۔ ابو داؤد کی ایک روایت میں یہ ہے کہ فرمایا۔ جہاں پیشاب کیا ہے وہاں کی مٹی پھینک دو اور وہاں ایک ڈول پانی بہا دو۔

یہ اعرابی کون تھے ایک قول یہ ہے کہ یہ اقرع بن حابس تھے جیسا کہ ابو بکر تاریخی نے روایت کیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ذوالخویصرہ یمانی تھے جیسا کہ ابو موسیٰ مدینی نے الصحابہ میں، روایت کیا۔ نیز حضرت ملا علی قاری نے شرح شفا[2] میں اسی کو بیان فرمایا ہے البتہ مرقاۃ[3] میں لکھا ہے کہ یہ ذوالخویصرہ تمیمی تھا جو حقیقت میں منافق تھا بعد میں خوارج کا سردار بنا اور نہروان میں قتل ہوا۔ ذوالخویصرہ تمیمی ہی وہ گستاخ ہے جس نے غزوۂ حنین کے غنائم کی تقسیم کے وقت کہا تھا اعدل یا محمد اس پر حضرت فاروق نے عرض کی، اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ مسلم میں ہے ــ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ غزوہ حنین سے واپسی پر حضور اقدس مقام جعرانہ میں تشریف فرما تھے۔ بلال کے کپڑے میں چاندی تھی حضور مٹھی میں لے لے کر لوگوں کو دے رہے تھے، اتنے میں ایک شخص آیا اور کہا، اے محمد انصاف کرو! حضور نے فرمایا اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو کون کریگا۔ تو خائب و خاسر ہوا اگر میں نے انصاف نہیں کیا۔ اس پر عمر بن خطاب نے

عه ایضا ایک حدیث کے بعد ص ۳۵ جلد ثانی ادب باب الرفق فی الامر کلہ ص ۸۹۰ ـ مسلم جلد اول۔ طہارت، باب وجوب غسل البول والنجاسات اذا حصلت فی المسجد ص ۱۳۸ ۔ نسائی جلد اول طہارت، باب ترک التوقیت فی الماء ص ۲۰ ۔ ایضا میاہ باب التوقیت فی ذلک ۔ ۱ـه مسلم ابو داود ۲ـه جلد اول ص ۲۱۵ ۳ـه جلد اول ص ۳۵۰

دَعُوْهُ وَهَرِيْقُوْا عَلٰى بَوْلِهٖ سَجْلًا مِّنْ مَّاءٍ اَوْ ذَنُوْبًا مِّنْ مَّاءٍ
اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہا دو تم لوگ
فَاِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ عه
دنیا میں آسانی کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو نہ کہ سختی کرنے کے لئے

عرض کیا مجھے اجازت دیں اس منافق کی گردن اڑا دوں سے۳

علاوہ ازیں حضرت ملا علی قاری نے مرقاۃ جلد خامس میں فرمایا:۔

ونزل فیہ قولہ تعالیٰ ومنھم من یلمزک فی الصدقات فھو من المنافقین سےہ

ذوالخویصرہ ہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے منافقین میں وہ ہے جو صدقات کی تقسیم کے سلسلے میں تم پر نکتہ چینی کرتا ہے اسلئے ذوالخویصرہ منافقین میں سے ہے

اس سے ظاہر ہو گیا کہ ذوالخویصرہ تمیمی کو خود ملا علی قاری منافق مانتے ہیں اور کتاب الطہارت میں غالباً ناسخین کی غلطی سے بجائے یمانی کے تمیمی ہو گیا ہے اس لئے کہ ذوالخویصرہ تمیمی کے بارے میں کوئی ایسی روایت نہیں کہ اس نے مسجد میں پیشاب کیا ہو۔

تناسب ابواب پہلے ابواب میں پیشاب کی نجاست کا بیان تھا اسی بیان کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ اگر زمین پر پیشاب یا کوئی نجس چیز پڑ جائے تو اسے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ زمین کے پاک کرنے کا ایک طریقہ یہاں مذکور ہے کہ اس پر پانی ڈال کر نجاست اس طرح بہا دو کہ اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ دوسرا طریقہ یہ بھی ہے کہ زمین سوکھ جائے تو پاک ہو جائیگی تیسرا یہ بھی ہے کہ ناپاک مٹی کھود کر پھینک دو۔

مسائل (۱) اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ انسان کا پیشاب ناپاک ہے (۲) مسجد کو پاک و صاف رکھنا ضروری ہے ورنہ صحابہ اس اعرابی کو نہ روکنے کی کوشش کرتے اور نہ بعد میں اس پر پانی ڈالا جاتا (۳) جو لوگ جاہل گنوار ہوں اور کوئی نامناسب بلکہ ناجائز کام کر بیٹھیں تو ان کے ساتھ بیجا سختی نہ کیجائے البتہ نرمی سے سمجھایا جائے حکم شرعی کی تلقین کی جائے (۴) مسجد کی حرمت کا تقاضا یہ تھا کہ ان اعرابی کو فوراً روک دیا جاتا مگر اس میں کچھ خطرات تھے ہو سکتا ہے کہ ڈر کیوجہ سے وہ اعرابی پیشاب کرتے ہوئے بھاگتے تو مسجد کے اور حصے اور ان کے کپڑے ناپاک ہوتے، یا خوف کیوجہ سے پیشاب بند ہو جاتا تو اس میں تکلیف یا سخت مرض کا اندیشہ تھا ایسی صورت میں ان دو متضاد باتوں میں جو آسان تھی اسے اختیار فرمایا۔ اسے مسجد میں پیشاب کرنے دیا گیا پھر مسجد کو پاک کرا لیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ناپاک ہونے کے بعد مسجد کی طہارت نسبۃً آسان ہے۔ یوں ہی مسجد کی ایک جگہ پاک کرنا بہ نسبت متعدد جگہوں کے زیادہ آسان ہے۔ اسی کو فرمایا گیا۔ اذا ابتلیتم ببلیتین فلیختر واھونھما۔ جب دو بلاؤں میں مبتلا ہو تو جو آسان ہو اسے اختیار کرے۔

سے جلد اول کتاب الزکوۃ باب اعطاء المولفۃ ص ۳۴۰۔

سےہ باب المعجزات فصل اول ص ۴۵۶۔

حدیث (۱۶۲) بال صبی علی ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُومِنِيْنَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَبِیٍّ فَبَالَ عَلٰی ثَوْبِهٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَاَتْبَعَهٗ اِيَّاهُ ؏

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بچہ لایا گیا اس نے حضور کے کپڑے پر پیشاب کر دیا، حضور نے پانی منگایا اور جہاں جہاں پیشاب پڑا تھا وہاں وہاں پانی ڈالا۔

حدیث ایضاً (۱۶۳)

عَنْ اُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ اَنَّهَا

حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے

تشریحات ۱۶۲، ۱۶۳

(۱) ام قیس یہ حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن ہیں۔ قدیم الاسلام ہیں مکہ معظمہ میں ایمان لائیں۔ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کی اور مدینہ طیبہ ہجرت کی ان سے چوبیس احادیث روی ہیں۔ صحیحین میں دو حدیثیں ہیں۔ علامہ ابن عبد البر نے ان کا نام جذامہ بتایا اور سہیل نے آمنہ ؎

(۲) ان دو احادیث سے یہ بات واضح ہے کہ ایسے بچوں کا پیشاب جو ابھی غذا نہ کھاتے ہوں ناپاک ہے اگر ناپاک نہ ہوتا تو اس پر پانی ڈالنے کی کیا ضرورت تھی۔

البتہ اس کے پاک کرنے کے طریقے میں تھوڑی سی تفریق ہے کہ بچی کے پیشاب کو خوب اچھی طرح دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب میں اتنے مبالغہ کی ضرورت نہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بچوں کے مزاج میں حرارت ہوتی ہے جس کی وجہ سے انکا پیشاب رقیق ہوتا ہے جو معمولی دھونے سے دور ہو جائے گا برخلاف بچیوں کے کہ ان کے مزاج میں برودت غالب ہوتی ہے اسکی وجہ سے اس میں غلظت کثافت لزوجت زیادہ ہوتی ہے وہ بغیر اچھی طرح دھوئے پاک نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں بچے کا پیشاب پتلی دھار کے ساتھ نکلتا ہے وہ زیادہ جگہ پھیلتا نہیں اور بچیوں کا پیشاب چوڑی دھار کے ساتھ پھیل کر نکلتا ہے وہ بدن اور کپڑے پر زیادہ پھیل کر لگتا ہے۔ بچوں کے پیشاب کے بارے میں الفاظ مختلف آئے ہیں یہاں بخاری میں فاتبعہ ایاہ وارد ہے یعنی جہاں جہاں پیشاب تھا وہاں وہاں پانی ڈالا۔

بعض روایتوں میں صَبَّ یا یَصُبُّ آیا ہے اسکے معنی پانی ڈالنے کے ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے لم یغسلہ غسلا۔ اس کو مبالغے کے ساتھ نہیں دھویا۔ بعض میں رَشَّ وارد ہے جس کے معنی چھڑکنے کے ہیں بعض میں نضح وارد ہے جس کے معنی بھی چھڑکنے کے ہیں۔ ان میں تین الفاظ فاتبعہ ایاہ ۔ صب ۔ لم یغسلہ غسلا۔ کا صریح منطوق یہ ہے کہ شیر خوار بچے کے بھی پیشاب کو دھویا۔ اگرچہ اتنا زیادہ نہیں دھویا جتنا بچی کا دھویا۔ صرف دو لفظ اپنے ظاہر کے اعتبار سے یہ بتا رہے ہیں کہ دھویا نہیں صرف پانی چھڑک کر چھوڑ دیا۔ لیکن یہ وہی کہے گا جس کے ذہن میں نضح اور رش کے دوسرے

؏ مسلم جلد اول طہارت باب حکم بول الطفل الرضیع ص ۱۳۹۔ نسائی جلد اول طہارت باب بول الصبی الذی لم یاکل الطعام ص ۵۶، ابن ماجہ باب ماجاء فی بول الصبی الذی لم یطعم ص ۴۰ ؎ عینی جلد سوم ص ۱۳۲ –

اَتَت بِابنٍ لَّھَا صَغِیرٍ لَّم یَأکُلِ الطَّعَامَ اِلٰی رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی	کہ وہ اپنے ایک ایسے بچے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں جو ابھی غذا نہیں
عَلَیہِ وَسَلَّمَ فَاَجلَسَہٗ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَسَلَّمَ فِی حِجرِہٖ	لیتا تھا، بچے کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گود میں بٹھایا بچے نے آپ
فَبَالَ عَلٰی ثَوبِہٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَہٗ وَلَم یَغسِلہُ عہ	کے کپڑے پر پیشاب کر دیا حضور نے پانی منگایا اور اس پر ڈالا اور اُسے دھویا نہیں

مواقع استعمال منحصر نہیں۔ خود احادیث میں "نضح" اور "رش" دھونے کے معنی میں وارد ہیں۔

بخاری[1] اور مسلم[2] دونوں میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں خون حیض کے بارے میں وارد ہے واللفظ للبخاری

فلتقرصہ ثم لتنضحہ بماء ثم لتصل فیہ — اسے چٹکی سے کھرچ دے پھر پانی سے دھوئے پھر اس کپڑے میں نماز پڑھے۔

علامہ نووی نے شافعی ہوتے ہوئے شرح مسلم میں فرمایا:

ومعنی تنضحہ تغسلہ کذا قالہ الجوھری وغیرہ وفی ھذا الحدیث وجوب غسل النجاسۃ بالماء[3] — تنضحہ کے معنی یہ ہیں کہ اسے دھوئے جیسا کہ جوہری وغیرہ نے کہا ہے یہ حدیث دلیل اس بات کی ہے کہ نجاست کا پانی سے دھونا واجب ہے۔

ابوداود[4] میں مذی کے بارے میں ہے:

فلینضح فرجہ ولیتوضا — اپنی شرمگاہ کو دھوئے پھر وضو کرے۔

حالانکہ اس کے پہلی والی حدیث میں اسی واقعہ میں یہ الفاظ ہیں۔

فاغسل ذکرک وتوضا — اپنے عضو تناسل کو دھو پھر وضو کر۔

ایک حدیث[5] میں فرمایا۔

انی لاعرف مدینۃ ینضح بجانبیھا بحر — میں اس شہر کو پہچانتا ہوں جس کے کنارے سمندر سر پٹکتا ہے۔

اسی طرح رش بھی احادیث میں دھونے کے معنی میں مستعمل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو کی تفصیل ان الفاظ میں بیان فرمائی۔

عہ مسلم جلد اول طہارت باب حکم بول الطفل الرضیع ص ۱۳۹، جلد ثانی الطب باب لکل داء دواء ص ۲۲۷ ابوداود جلد اول باب بول الصبی یصیب الثوب ص ۵۳-۵۴، ترمذی جلد اول طہارت باب ماجاء فی نضح بول الغلام قبل ان یطعم ص ۱۱، ابن ماجہ باب ماجاء فی بول الصبی الذی لم یطعم ص ۴۰۔ [1] کتاب الحیض باب غسل دم الحیض ص ۴۵ [2] طہارت باب نجاسۃ الدم ص ۱۴۰ [3] جلد اول ص ۱۴۰، [4] جلد اول باب المذی ص ۲۷، [5] امام احمد ابو نعیم۔ مسند ابو یعلی۔

حدیث (۱۶۴) البول قائما

عَنْ حُذَیْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالی

اَتَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ

علیہ وسلم ایک قوم کے گھورے پر تشریف لے گئے اور کھڑے کھڑے پیشاب فرمایا پھر پانی

فَجِئْتُهٗ بِمَاءٍ فَتَوَضَّاَ عہ

طلب فرمایا میں پانی لیکر حاضر ہوا حضور نے وضو فرمایا

اخذ غرفة من ماء فرش علی رجله الیمنی حتی غسلها۔[ل] ایک چلو پانی لے کر اپنے داہنے پاؤں پر ڈالا یہاں تک کہ اسے دھویا۔

ترمذی میں حضرت اسماء والی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:[۲]

حتیه ثم اقرصیه ثم رشیه وصلی فیه اسے کھرچ پھر چٹکی سے دور کر پھر دھو پھر اسمیں نماز پڑھ

جب نضح اور رش کے معنی بھی دھونے کے ہیں تو تمام احادیث میں تطابق کے لئے ضروری ہوا کہ شیر خوار بچے کے پیشاب کے بارے میں جہاں جہاں نضح اور رش آیا ہے ہر جگہ ان کو غسل کے معنی میں لیا جائے۔

اس مسئلے کو لے کر بعض لوگوں نے احناف پر طعن کیا ہے کہ یہ لوگ حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرتے ہیں۔ ہماری سابق تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ ان کا یہ طعن بے بنیاد ہے اس مسئلہ کو دوسری عبارت میں یوں ادا کیا جا سکتا ہے۔ انسان کا پیشاب ناپاک ہے اس میں شیر خوار بچے کا بھی پیشاب داخل ہے۔ جس پر قریب قریب اجماع ہے جو کثیر احادیث سے ثابت ہے۔ اور جب شیر خوار بچے کا پیشاب ناپاک تو اس کی طہارت بھی اسی طرح سے ہوگی جو تمام پیشاب کے لئے شریعت نے مقرر فرمایا ہے۔ شیر خوار بچے کے پیشاب کے لئے کوئی اور طریقہ اسی وقت قابل قبول ہوگا جبکہ نص سے ثابت ہو اس کے ثبوت میں وہ احادیث پیش کی جا سکتی ہیں۔ جن میں "نضح" "و رش" کے الفاظ وارد ہیں مگر چونکہ ان کے معنی خود احادیث میں دھونے کے آتے ہیں اس لئے ان سے استدلال ساقط اور اصل حکم باقی۔

تشریحات (۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶)

(۱) کھڑے ہو کر پیشاب کرنا منع ہے احناف اور جمہور علماء کے نزدیک کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ممنوع ہے یہ بکثرت احادیث سے ثابت ہے۔

(۱) ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ فرمایا:-

---

عہ ایضا اس کے بعد دو باب میں، مظالم الوقوف والبول عند سباطة قوم جلد اول ص ۳۳۵ - مسلم جلد اول طہارت باب المسح علی الخفین ص ۱۳۳ - ابو داود جلد اول باب البول قائما ص ۴ - ترمذی جلد اول طہارت باب ما جاء فی الرخصة فی ذلک ص ۳ - نسائی جلد اول طہارت باب الرخصة فی ذلک ص ۹ - ابن ماجہ طہارت باب ما جاء فی البول قائما ص ۲۶ - دارمی وضو (۹) مسند امام احمد

لہ بخاری جلد اول وضوء - باب غسل الوجه بالیدین من غرفة واحدة ص ۲۶

۲ہ جلد اول طہارت باب ما جاء فی غسل دم الحیض ص ۲۰ -

حدیث ایضاً (۱۶۵) عَنْ حُذَیْفَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ رَأَیْتُنِیْ اَنَا وَالنَّبِیُّ

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں اور نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں جن صاحبزادے کا ذکر ہے وہ کون بزرگ تھے اس میں شراح کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ان تینوں بزرگوں کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گود میں بیٹھنا اور بیٹھکر پیشاب کرنا بھی ثابت ہے لیکن حضرت ام المومنین جن کا ذکر فرما رہی ہیں یہ کون صاحب تھے علی التعیین ثابت نہیں۔

ایضاح البخاری کی غلطی

ایضاح البخاری صفحہ ۸۲ پر ہے

ابوداود میں لم یغتسل غسلا آیا ہے

اس خادم کو ابوداود میں یہ لفظ نہیں ملا۔ البتہ مسلم شریف میں ہے

من حدثکم ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یبول قائما فلا تصدقوہ ما کان یبول الا قاعدا[1]

اگر تم سے کوئی کہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے، اس کی بات مت ماننا، حضور بیٹھ ہی کر پیشاب کرتے تھے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا:

حدیث عائشة احسن شیء فی ھذا الباب واصح۔

اس مسئلے میں جتنی حدیثیں آئی ہیں ان سب سے زیادہ حسن اور صحیح یہ حدیث ہے

صحیح ابوعوانہ اور حاکم کی مستدرک میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے۔

مابال قائما منذ انزل علیه القرآن

جس دن سے قرآن اترنا شروع ہوا کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں فرمایا

(۲) بخاری کے دونوں شارح علامہ عسقلانی وعلامہ عینی نے، حضرت ام المومنین کی حدیث کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ گھروں میں بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے۔ اس لئے وہ اپنے علم کی بنا پر فرما رہی ہیں، وہ گھر کے اندر کے حالات جان سکتی ہیں۔ اس پر اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے یہ تعقب فرمایا کہ صحیح ابوعوانہ اور مستدرک کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ گھر میں کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا نہ باہر۔ اس لئے اس حدیث کو گھروں کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں اس لئے حضرت ام المومنین ابتداء نزول قرآن کے پانچ سال پر پیدا ہوئیں تو وہ اپنے مشاہدے کی بنیاد پر یہ کیسے فرما سکتی ہے۔ جب سے نزول قرآن ہوا کھڑے ہو کر پیشاب نہیں فرمایا۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ جو کچھ فرمایا تحقیق حال کے بعد فرمایا۔ صرف مشاہدے پر نہیں فرمایا، اس لئے یہ ارشاد گھر اور باہر سب کے لئے عام ہے۔ اصل عادت کریمہ یہی تھی۔ اور حضرت حذیفہ کی حدیث میں جو مذکور ہے وہ عذر کی بنا پر ہے۔

علاوہ ازیں بالکل واضح بات ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضور گھر کی تنہائی میں بیٹھکر پیشاب کرتے تھے تو بطریق دلالۃ النص یہ بھی ثابت کہ باہر بدرجۂ اولیٰ بیٹھکر پیشاب کرتے تھے، اس لئے کہ میدان میں، پردہ کرنے کی ضرورت بہ نسبت گھر کے زیادہ تھی ظاہر ہے کہ بیٹھنے میں بہ نسبت

[1] مسند امام احمد۔ ترمذی جلد اول طہارت باب النھی عن البول قائما ص ۳ نسائی جلد اول طہارت باب البول فی البیت جالسا ص ۱۱ ابن ماجہ طہارت باب ماجاء فی البول قاعدا ص ۲۶

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَتَمَاشٰى فَاَتٰى سُبَاطَةَ قَوْمٍ خَلْفَ حَائِطٍ
ساتھ ساتھ چل رہے تھے کہ حضور ایک قوم کے گھورے کے پاس ایک دیوار کے پیچھے تشریف لے گئے

فَقَامَ كَمَا يَقُوْمُ اَحَدُكُمْ فَبَالَ فَانْتَبَذْتُ مِنْهُ فَاَشَارَ اِلَيَّ فَجِئْتُهٗ فَقُمْتُ
اور ایسے کھڑے ہو گئے جیسے تم لوگ کھڑے ہوتے ہو اور پیشاب فرمایا میں حضور سے دور ہٹ آیا تو اشارے

عِنْدَ عَقِبِهٖ حَتّٰى فَرَغَ
سے قریب بلایا میں آیا اور حضور کی ایڑی کے پاس کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ حضور فارغ ہو گئے۔

حدیث ایضا (۱۶۶) عَنْ اَبِىْ وَائِلٍ قَالَ كَانَ اَبُوْ مُوْسَى الْاَشْعَرِىُّ
ابو وائل نے کہا ابو موسیٰ اشعری پیشاب کے معاملے میں

کھڑے ہونے کے زیادہ پردہ ہے [۱]

(۲) بزار نے اپنی مسند میں بسند صحیح حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثلاث من الجفاء ان یبول الرجل قائما اویمسح جبهته قبل ان یفرغ من صلوته اوینفخ فی سجوده۔

تین باتیں گنوار پنے کی ہے، کھڑے کھڑے پیشاب کرنا اور نماز سے فارغ ہونے سے پہلے اپنی پیشانی پونچھنا اور سجدے میں پھونک مارنا۔

(۳) ترمذی [۲]، ابن ماجہ [۳] اور بیہقی نے حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی انھوں نے فرمایا

رأنی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وانا ابول قائما فقال یا عمر لاتبل قائما فما بلت قائما بعد۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے مجھے دیکھا تو فرمایا کھڑے کھڑے پیشاب مت کر اس کے بعد میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔

(۴) امام بیہقی نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

نهی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ان یبول الرجل قائما۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔

(۳) **حدیث حذیفہ کے جوابات** اول یہ کہ حدیث حذیفہ حضرت ام المومنین کی حدیث سے منسوخ ہے اسے ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں اور ابن شاہین نے کتاب السنہ میں اختیار کیا اس پر علامہ عینی و علامہ عسقلانی نے تعاقب کیا ہے۔ مگر اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ دعوی نسخ پر کوئی قباحت نہیں۔

اس لئے کہ حضرت حذیفہ نے جو بیان کیا یہ ان کے آخر عمر کا مشاہدہ نہیں اور ام المومنین نے یوم وصال تک کی بات بتائی اور حضور

[۱] فتاوی رضویہ جلد دوم ص ۱۷۲ [۲] جلد اول طہارت ص ۴ [۳] طہارت باب ماجاء فی البول قاعدا ص ۲۶

يُشَدِّدُ فِي الْبَوْلِ	وَيَقُولُ	إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ	كَانَ إِذَا أَصَابَ ثَوْبَ أَحَدِهِمْ	
پیشاب کے معاملے میں سختی کرتے تھے	اور کہتے تھے کہ	بنی اسرائیل میں	جب کسی کے کپڑے پر پیشاب لگ جاتی	
قَرَضَهُ	فَقَالَ حُذَيْفَةُ	لَيْتَهُ أَمْسَكَ	أَتَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ	
تو اسے کتر نا پڑتا	اس پر حضرت حذیفہ نے کہا	کاش کہ وہ ایسا نہ کرتے	نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	
وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ	فَبَالَ قَائِمًا			
ایک قوم کے گھورے کے پاس آئے	اور	کھڑے کھڑے پیشاب فرمایا۔		

اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افعال میں الآخر فالآخر لیا جاتا ہے۔ چشم دید واقعہ بیان کرنے والوں کے بیان میں تضاد ہو تو یہ نسخ کے منافی نہیں اگر بعض مشاہدہ کرنے والے بعد کا مشاہدہ بیان کرتے ہوں۔ نیز نسخ کی تائید اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ فرمایا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا گنوارپن ہے۔ حضور ایسے افعال سے پوری احتیاط فرمایا کرتے تھے۔

دوم وہ جگہ بیٹھنے کے قابل نہ تھی اس وجہ سے کہ آگے ڈھال تھا۔

سوم اس وقت زانوئے مبارک میں زخم تھا جس کے سبب اکڑو بیٹھ نہیں سکتے تھے یہ توجیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ حاکم، دار قطنی اور بیہقی نے ان سے روایت کی۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بال قائما من جرح کان بمابضه — اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کی صلاحیت رکھتی ہے کہ کسی فعل منقول کی حکمت ظاہر کر سکے۔

چہارم منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد ہمیشہ بیٹھے بیٹھے پیشاب فرمایا سوائے اس واقعہ کے کبھی مروی نہیں کہ کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا ہو۔ یہ صرف بیان جواز کے لئے ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ احناف اور جمہور فقہاء کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو مکروہ تنزیہی کہتے ہیں۔ مکروہ تنزیہی کا ارتکاب حرام اور گناہ نہیں ہوتا۔ خلاف اولی ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ محدثین سے اور بھی توجیہات مروی ہیں مگر وہ سب متکلم فیہ ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ حضرت حذیفہ والی حدیث احادیث ممانعت کے معارض ہے، اور رفع تعارض کی بالفرض کوئی وجہ نہ بھی مل سکے تو بھی ترجیح ممانعت کی احادیث کو ہوگی۔ اولاً کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ایک بار کا واقعہ حال ہے جس میں دسیوں احتمالات ہیں۔ ثانیاً قول و فعل میں جب تعارض ہو تو ترجیح قول کو ہوتی ہے۔ ثالثاً جب مبیح و حاظر متعارض ہوں تو حاظر مقدم ہے۔

اس لئے از روئے قواعد شریعت ترجیح ممانعت ہی کو ہوگی۔

یہ حدیث کھڑے ہو کر پیشاب کرنے والوں کو مفید نہیں

انگریز چلا گیا اور ہمارے معاشرے میں ہزاروں خرابیاں پیدا کر گیا، انھیں میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بھی ہے۔ ان انگریزوں کے ذہنی غلاموں کو حضرت حذیفہ والی حدیث مطلقاً مفید نہیں۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف ایک بار کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا وہ بھی عذر کی وجہ سے وہ بھی اونچی جگہ کھڑے ہو کر جس کے سامنے ڈھال اور زمین گھورے کی وجہ سے نرم کہ کسی طرح چھینٹ آنے کا احتمال نہ تھا

سامنے دیوار تھی، گھوڑا ندا دار میں تھا نہ کہ گزرگاہ پر، پیچھے حضرت حذیفہ کو کھڑا کر لیا تھا جس سے ادھر بھی پردہ ہوگیا تھا۔ ان احتیاطوں کے ساتھ عمر میں ایک بار کا واقعہ منقول ہے اور انگریزوں کے ذہنی غلاموں کا عالم یہ ہے کہ جہاں جی چاہا اب کھڑے کھڑے دھار مارنے لگتے ہیں نہ پردے کا خیال نہ اس سے احتیاط کہ چھینٹ بدن یا کپڑے پر نہ آوے نہ کوئی عذر، ایک فیشن بنا لیا ہے۔

اس طرح پیشاب کرنا نصاریٰ، مشرکین و فساق کا شعار ہے اس لئے جائز نہیں۔ حدیث میں ہے:

من تشبه بقوم فهو منهم — جو کسی قوم کا شعار اختیار کرے وہ انھیں میں سے ہے

اور فرمایا۔ ایاکم وزی الاعاجم — عجمیوں کے فیشن سے دور رہو۔

اہل عرب کی عام عادت یہی تھی کہ وہ کھڑے کھڑے پیشاب کیا کرتے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں اصلاح فرمائی اور اس بدتمیزی کو ختم فرمایا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لوگوں نے بیٹھ کر پیشاب کرتے دیکھا تو یہ طنز کیا:

یبول کما تبول المرأة [1] — یہ عورتوں کی طرح پیشاب کرتے ہیں۔

یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ ترجیح اس کو ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ممنوع ہے۔

(۳) اسرائیل، حضرت یعقوب علیہ السلام کا اسم مبارک ہے، "اِسر" سریانی زبان میں بندے کے معنی میں ہے اور "اِیل" اللہ کے معنی میں ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ۱۲ بیٹے تھے انھیں کی نسل بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔

(۴) بنی اسرائیل کے جسم یا کپڑے پر نجاست لگ جاتی تو اسے کاٹ کر پھینک دیتے، مسلم [3] اور ابوداؤد کی ایک روایت میں "جلد احدهم" ہے اور ابوداؤد کی دوسری روایت میں جسد احدهم ہے۔

مگر اس پر یہ استعجاب ہے کہ یہ بہت سخت حکم تھا۔ نجاست لگنے کے بعد بدن کی کھال کاٹ کر پھینک دیجائے، اس کو سنکر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چند بار کھال کاٹنے کے بعد آدمی زندہ کیسے رہے گا زندہ رہے گا بھی تو مردہ سے بدتر۔ اس لئے شارحین نے اس کی تاویل کی ہے۔

علامہ قرطبی نے فرمایا کہ وہ لوگ چمڑے کا لباس پہنتے تھے۔ جلد احدهم سے یہی مراد ہے مگر جسد احدہم کی کیا توجیہ ہوگی؟ یہ سوال اپنی جگہ رہ جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ روایت بالمعنی کی وجہ سے تبدیلی ہوئی اصل میں لفظ ثوب تھا چونکہ وہ چمڑے کا لباس پہنتے تھے تو کسی راوی نے اسے جلد سے بدن کی کھال سمجھی اور اسے جسد سے بدل دیا لیکن اس قسم کے احتمالات لائق التفات ہوں تو امان اٹھ جائے۔ اس خادم کی ناقص رائے یہ ہے کہ، غالباً یہ مراد یہ ہے کہ پیشاب لگنے کے بعد جسم پاک نہ کرنے پر قبر میں اس کی سزا یہ تھی کہ وہ حصہ کاٹا جاتا۔ ان اصبت فمن اللہ وان اخطئت فمنی ومن الشیطان۔

(۵) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیشاب کے معاملے میں اتنی احتیاط کرتے تھے کہ شیشی میں پیشاب کرتے تھے اس پر حضرت حذیفہ نے یہ فرمایا کہ اتنی شدت کی ضرورت نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بار کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا حالانکہ کھڑے کھڑے پیشاب کرنے میں چھینٹ پڑنے کا زیادہ احتمال ہے۔ حضور نے کبھی یہ تکلف نہیں فرمایا کہ شیشی میں پیشاب فرماتے۔

---

[1] ابن ماجہ طہارت باب ماجاء فی البول قاعدا ص ۲۷ [2] جلد اول ص ۱۳۳ [3] جلد اول ص ۴ [4] مسلم جلد اول ص ۱۳۳۔

(۶) اسی سے ہمارے علماء نے یہ استنباط فرمایا کہ پیشاب کی بہت باریک سوئی کے نوک کے برابر چھینٹ معاف ہے۔

ایک حدیث کا حل اس سلسلے میں ابوداؤد[1] میں یہ حدیث ہے۔

عبدالرحمن بن حسنہ کہتے ہیں کہ میں اور عمرو بن عاص خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، حضور باہر تشریف لائے، حضور کے ساتھ ڈھال تھی حضور نے اس کی آڑ میں پیشاب فرمایا۔ ہم نے کہا حضور کو دیکھو! عورتوں کی طرح پیشاب کرتے ہیں۔ حضور نے اسے سُن لیا۔ اور فرمایا تمھیں معلوم نہیں، صاحب بنی اسرائیل کو کیا ملا۔ بنی اسرائیل کو جب کہیں پیشاب لگتی تو اسے کاٹ دیتے اس نے منع کیا تو اسے قبر میں عذاب دیا گیا۔

اس حدیث میں تین اشکال ہیں حضرت عبدالرحمن بن حسنہ وغیرہ نے حضور پر طنز کیا۔ صاحب بنی اسرائیل سے کون مراد ہے۔ بنی اسرائیل کو طہارت حاصل کرنے سے کیوں منع کیا۔ پہلے اشکال کا جواب یہ ہے کہ عبدالرحمن بن حسنہ وغیرہ نے طنزاً یا بہ نیت اعتراض یہ نہیں کہا تھا بلکہ چونکہ اہل عرب کے مردوں کی عام عادت تھی کہ کھڑے کھڑے جہاں ہوتا پیشاب کر لیتے تھے۔ البتہ عورتیں بیٹھ کر پردے کے ساتھ پیشاب کرتی تھیں۔ اس پر تعجب کرتے ہوئے انھوں نے یہ کہا تھا۔ اسی لئے سننے کے بعد بھی حضور خفا نہ ہوئے ان کی تسلی فرمادی۔

علامہ عینی نے فرمایا کہ صاحب بنی اسرائیل سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں ـــــ اور فنھاھم سے مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے انھیں پیشاب کے ساتھ ملوث ہونے سے منع فرمایا مگر وہ نہ مانے اس لئے نہ ماننے والوں کو قبر میں عذاب ہوا فنھاھم کا متعلق محذوف ہے عن اصابۃ البول" اور یہ عبارت محذوف ہے فلم ینتھوا فعذب کی فاء سببیہ ہے۔

صاحب تحفہ کی حدیث دانی حضرت بریدہ والی حدیث بزار نے روایت کی امام ترمذی نے یہ تنقید کی کہ یہ غیر محفوظ ہے۔ اس پر علامہ عینی نے یہ لکھا کہ اسے بزار نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا۔

اس پر صاحب تحفۃ الاحوذی، نے یہ گرفت کی ـــــ سند صحیح کے ساتھ روایت اس کے غیر محفوظ ہونے کے منافی نہیں ـــــ پھر اس تنقید سے کیا فائدہ۔

غالباً مبارکپوری صاحب کے ذہن میں "غیر محفوظ" کے معنی محفوظ نہ رہے ورنہ ایسی بات ہرگز نہ لکھتے۔ حدیث غیر محفوظ اصطلاح محدثین میں اس حدیث کو کہتے ہیں جسے کوئی ثقہ، دوسرے ثقات کے خلاف روایت کرے[2]۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی حدیث کے غیر محفوظ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے مقابل بھی کوئی روایت ہو اور اگر روایت صرف ایک ہی ہو تو اسے غیر محفوظ نہیں کہہ سکتے۔ یہاں علامہ عینی نے تصریح کردی کہ "بزار نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو بریدہ سے سوائے سعید کے کسی اور نے روایت نہیں کی ہے ـــــ جب اس کے خلاف کوئی روایت ہی نہیں تو اسے غیر محفوظ کہنا درست نہیں۔

صاحب تحفہ کے ہاتھ کی صفائی یہاں مبارکپوری صاحب نے ایک غیر مقلدانہ داؤ بھی چلادیا ہے۔ علامہ عینی کی پوری عبارت نقل نہیں کی جس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ علامہ عینی امام ترمذی کے مقابلے میں ہیں۔ جس سے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ امام ترمذی کے مقابلے میں علامہ عینی کی کیا حیثیت ہے۔

---

[1] جلد اول ص ۴ [2] مقدمہ لمعات

حدیث (۱۶۷) غسل الدم ۔ عَنْ اَسْمَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ جَاءَتْ

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ایک عورت رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اِمْرَأَةٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اَرَأَيْتَ اِحْدَانَا

کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا، بتایئے ہم میں سے

تَحِيْضُ فِي الثَّوْبِ، كَيْفَ تَصْنَعُ، قَالَ تَحُتُّهٗ ثُمَّ تَقْرُصُهٗ بِالْمَاءِ وَتَنْضَحُهٗ

کسی کو کپڑے میں حیض آجائے (کپڑے کو لگ جائے) تو کیا کرے۔ فرمایا، اسے کھرچے پھر پانی ڈال کر

بِالْمَاءِ وَتُصَلِّيْ فِيْهِ عہ

چٹکی سے ملے اور پانی سے دھوئے اور اس میں نماز پڑھے۔

حدیث (۱۶۸) حکم الاستحاضۃ ۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اصل مقابلہ امام بزار اور امام ترمذی کا ہے۔ علامہ عینی ایک حکم کی طرح فیصلہ دینے والے ہیں علاوہ ازیں غیر مقلدیت کے دعوی کے بعد یہ شخصیت پرستی زیب نہیں دیتی۔ اگر حضرت فاروق اعظم اور تمام صحابہ کے اجماعی فیصلے کے خلاف ہر مقلد اپنی رائے کو حق کہہ سکتا ہے تو پھر از روئے قواعد غیر مقلدیت، علامہ عینی جیسے حدیث وفقہ کے جامع کامل کو یہ حق کیسے نہیں مل سکتا کہ وہ امام ترمذی کی رائے پر کچھ لب کشائی کرسکیں۔

تشریحات ۱۶۷، ۱۶۸ (۱) خون مطلقاً ناپاک ہے خواہ حیض کا خون ہو یا کوئی اور اس پر اجماع ہے البتہ غیر مقلدین حیض کے علاوہ بقیہ تمام خون پاک مانتے ہیں ان کے امام نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے فتح المغیث اور طریقہ محمدیہ میں یہ لکھا ہے علاوہ ازیں ان کے شیخ الرئیس قاضی شوکانی نے بھی الدرالبہیہ میں لکھا ہے کہ حیض کے خون اور انسان کے بول وبراز کے علاوہ ہر چیز پاک ہے نیز یہ بھی لکھدیا کہ سور کی چربی حرام نہیں۔

فاطمہ بنت ابی حبیش والی حدیث اس پر نص ہے کہ خون استحاضہ بھی ناپاک ہے اور یہ خون حیض کے علاوہ اور خون ہے علاوہ ازیں دم مسفوح کی نجاست قرآن مجید سے ثابت ہے۔ ارشاد ہے،

اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ (انعام ۱۴۵) یا بہتا خون یا سور کا گوشت کہ یہ سب ناپاک ہے۔

ہر نجاست بقدر درہم معاف ہے اس اتفاق کے بعد کہ خون ناپاک ہے علماء میں دو اختلاف عظیم ہے ایک یہ کہ نجاست قلیل ہو یا کثیر سب کا دھونا فرض ہے یا کچھ معاف بھی ہے۔ شوافع کا مسلک یہ ہے کہ نجاست تھوڑی ہو یا زیادہ اس کا دھونا فرض ہے

عہ ایضا حیض، باب غسل الدم ص ۴۵ مسلم جلد اول طہارت، باب نجاسۃ الدم ص ۱۴۰ ابوداود جلد اول طہارت باب المرأۃ تغسل ثوبھا الذی تلبسہ فی حیضھا ص ۵۲ ترمذی جلد اول طہارت، ماجاء فی غسل دم الحیض من الثوب ص ۲۰ نسائی جلد اول طہارت باب دم الحیض یصیب الثوب ص ۵۶ موطا، طہارت جامع الحیضۃ ص ۲۲ دارمی وضو ۱۰۵ مسند امام احمد

قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ اَبِیْ حُبَیْشٍ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَیْهِ
نے فرمایا کہ فاطمہ بنت ابی جبیش نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں

وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اِمْرَاَةٌ اُسْتَحَاضُ فَلَا اَطْهُرُ اَفَاَدَعُ
اور عرض کیا یارسول اللہ میں ایسی عورت ہوں کہ مجھے استحاضہ کا عارضہ ہے پاک نہیں رہتی کیا

الصَّلٰوةَ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، لَا اِنَّمَا ذٰلِكِ
نماز چھوڑ دوں؟ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہیں (نماز مت چھوڑ) یہ

ہمارے یہاں تھوڑی نجاست معاف۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے، حضرت ام المومنین فرماتی ہیں:

ہمارے پاس صرف ایک ہی کپڑا ہوتا تھا اسی میں حیض بھی آتا تھا، اگر کپڑے کو خون لگ جاتا تو ہم تھوک لگا کر ناخن سے خرچ دیتے[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دو قطرے خون سے نماز میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔

کس حد تک معاف ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے ائمہ نے درہم کی مقدار رکھی ہے اور یہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ناخن کی مقدار کو معاف بتایا۔ محیط میں ہے کہ انکا ناخن قریب قریب ہماری ہتھیلی کے تھا[2] ویسے ہمارے یہاں بھی مستحب یہی ہے کہ تھوڑی سی بھی نجاست کہیں لگ جائے تو اسے دھو لیا جائے۔

پانی کے علاوہ دوسری چیزوں سے بھی نجاست دور ہو سکتی ہے

شوافع یہ کہتے ہیں کہ نجاست کہیں لگ جائے تو صرف پانی ہی سے پاک ہو گی پانی کے علاوہ اور کسی چیز سے اگر دور کریں گے وہ چیز پاک نہ ہو گی۔ ہمارے یہاں پانی کی طرح ہر ایسی بہنے والی چیز سے نجاست دور ہو سکتی ہے جو ایسی رقیق اور سیال ہو کہ نجاست کو دور کر دے۔

شوافع کہتے ہیں کہ حدیث میں صرف پانی ہی سے نجاست دور کرنے کا حکم ہے کسی اور مائع، بہنے والی رقیق چیز سے نہیں۔ اس لئے صرف پانی ہی سے نجاست دور ہو گی دوسری چیزوں سے نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں پانی کا ذکر اس بنا پر ہے کہ پانی ہی آسانی سے دستیاب ہوتا ہے اور عموماً اسی سے نجاست دور کیجاتی ہے۔ پانی کا ذکر بطور شرط نہیں بلکہ غالب اور اکثر کے اعتبار سے ہے۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا:

وَرَبَآئِبُكُمُ اللّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ اللّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ۔ تمھاری گود میں پلنے والی وہ لڑکیاں جو تمھاری ان بیویوں کی ہیں جن سے تم ہمبستری کر چکے ہو۔ (نساء ۲۳)

علاوہ ازیں ایسے مواقع پر تخصیص دوسرے سے نفی کی دلیل نہیں ہوتی نیز یہ کہ مفہوم لقب ہمارے یہاں حجت نہیں۔

سیدھی سادی بات یہ ہے کہ کپڑا مثلاً نجاست لگنے سے پہلے پاک تھا، نجاست لگنے سے ناپاک ہوا جب نجاست کسی چیز سے دور کر دی گئی تو اپنے اصل کی طرف لوٹ آیا۔

---

[1] بخاری، حیض باب هل تصلی المرأة فی ثوب حاضت فیه ص ۴۵، ابوداؤد جلد اول باب المرأة تغتسل ثوبها الذی تلبسه فی حیضها ص ۵۲۔ [2] عینی جلد سوم ص ۱۴۱۔

عِرْقٌ وَلَيْسَ بِحَيْضٍ فَاِذَا اَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ فَدَعِي الصَّلٰوةَ وَاِذَا
رگ کا خون ہے حیض نہیں۔ جب تیرا حیض شروع ہو تو نماز چھوڑ دے اور جب
اَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّي قَالَ، وَقَالَ اَبِي، ثُمَّ تَوَضَّئِي
حیض کے دن پورے ہو جائیں تو خون دھو کر نماز پڑھا کر ہشام نے کہا میرے والد (عروہ) نے
لِكُلِّ صَلٰوةٍ حَتّٰى يَجِيئَ ذٰلِكَ الْوَقْتُ ؏
یہ بھی کہا تھا حضور نے یہ بھی فرمایا تھا۔ ہر نماز کے لئے وضو کر یہاں تک کہ وہ وقت یعنی حیض پھر آجائے۔

حیض کی شناخت

حدیث ۱۲۸ میں فرمایا اذا اقبلت حیضتك اس سے امام شافعی یہ اخذ کرتے ہیں، مراد یہ ہے کہ جب حیض کا خون آئے۔ حیض کا خون بالکل سرخ یا کالا ہوتا ہے۔ امام شافعی کی توجیہ پر مطلب یہ ہوا کہ جب سرخ یا کالا خون آئے تو حیض شروع ہو گیا اور جب یہ رنگ ختم ہو کر دوسرے رنگ کا آئے تو استحاضہ ہے۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر اسے پہلے حیض آچکا ہے، تو جن دنوں حیض آنے کی عادت تھی وہ دن جب آجائیں تو یہ حائضہ ہو گئی اور ان دنوں کے ختم ہونے پر مستحاضہ۔ مثلاً کسی عورت کو ہر ماہ پندرہ تاریخ سے بیس تک حیض آتا تھا اب اسے استحاضہ آنا شروع ہو گیا جو بند ہی نہیں ہوتا تو ایسی عورت کو لازم ہے کہ ہر مہینے کی پندرہ لغایت بیس حیض جانے بقیہ ایام استحاضہ۔ اور اگر کسی عورت کو خون آنا شروع ہوا اور پھر بند ہی نہ ہوا جس سے پہلے کی عادت کا علم ہو تو یہ جس تاریخ سے خون آنا شروع ہوا ہے اس تاریخ سے دس دن تک حیض شمار کرے اور بقیہ بیس دن استحاضہ لے

ہماری دلیل اسی حدیث کے دوسرے الفاظ ہیں جو مختلف روایتوں میں آئے ہیں۔ بخاری باب اذا حاضت فی شھر ثلاث حیض میں ہے۔

ولکن دعی الصلوٰۃ قدر الایام اللتی کنت تحیضین فیھا۔ اتنے دنوں نماز چھوڑ دے جتنے دنوں تجھے حیض آتا تھا۔

اسی حدیث کے ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

ان تقعد الایام التی کانت تقعد ثم تغتسل ان دنوں میں بیٹھے جن دنوں میں بیٹھتی تھی پھر غسل کرے۔

اسی میں حضرت ام المومنین کی ایک حدیث کے یہ الفاظ کریہ ہیں۔

فلتنظر قدر ما کانت تحیض فی کل شھر وحیضھا مستقیم فلتعد بقدر ذلك من الایام ثم لتدع جب اس کا حیض درست تھا اس وقت سے ہر مہینے جتنے دن اسے حیض آتا تھا اتنے دن انتظار کرے اتنے دن شمار کر لے اور نماز

؏ ایضاً حیض، باب غسل الدم ص ۳۵ مسلم جلد اول طہارت، باب نجاسۃ الدم ص ۱۳۰، ابوداؤد جلد اول طہارت باب المرأۃ تغتسل ثوبہا الذی تلبسہ فی حیضہا ص ۵۲ ترمذی جلد اول طہارت باب ما جاء فی غسل دم الحیض من الثوب ص ۲۰ نسائی جلد اول طہارت، باب دم الحیض یصیب الثوب ص ۵۶ موطا طہارت جامع الحیضۃ ص ۲۲ دارمی وضوء ۵، مسند امام احمد لے ہدایہ وغیرہ عامہ کتب۔

الصلوٰۃ فیھن او بقدر ھن — دنوں میں نماز نہ پڑھے۔

اسی میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے۔

فقال لتنظر عدۃ اللیالی والایام اللتی کانت تحیض من الشھر قبل ان یصیبھا الذی اصابھا

اس عارضہ سے پہلے جتنے رات دن ہر مہینے اسے حیض آتا تھا اتنے دنوں انتظار کرے۔

ایک حدیث میں قدر ذٰلک ہے، ایک میں قدر ما کانت تحبسک حیضتک ہے۔ کسی میں ایام اقرائہا ہے کسی میں مضت ایامھا ہے۔

حدیث کی ایک روایت دوسرے کی اور ایک حدیث دوسرے کی تفسیر ہوتی ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا۔ اقبلت حیضتک سے مراد عادت کے ایام ہیں۔

شوافع اپنی تائید میں ایک حدیث لاتے ہیں کہ ارشاد فرمایا۔

اذا کان دم الحیض فانہ دم اسود یعرف فامسکی عن الصلوٰۃ واذا کان الاخر فتوضی

جب حیض کا خون ہو اور یہ کالا ہوتا ہے جو پہچانا جاتا ہے تو نماز چھوڑ دے اور جب دوسرے رنگ کا خون آئے تو وضو کرے۔

اس پر امام نسائی نے یہ نقد فرمایا

قد روی ھذا الحدیث غیر واحد ولم یذکر احد منھم ما ذکر ابن عدی [1]

اس حدیث کو بہت سے لوگوں نے روایت کیا مگر کسی نے بھی وہ نہیں ذکر کیا جو ابن عدی نے ذکر کیا۔

امام نسائی کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی تحقیق کے بموجب یہ حدیث شاذ ہے۔ علاوہ ازیں علل ابن ابی حاتم میں اس کو منکر کہا۔

امام طحاوی نے مشکل الآثار میں امام احمد کا قول نقل فرمایا کہ یہ مدرج ہے بر تقدیر صحت حدیث، یہ باعتبار اغلب واکثر کے ہے۔ یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے لیکن یہ مدار حکم نہیں۔ علاوہ ازیں اگر اس کو مدار حکم قرار دیں گے تو خرابی یہ لازم آئے گی کہ کبھی کبھی خالص سرخ رنگ کا خون مہینوں آتا ہے تو کیا یہ سب ایام حیض ہی کے شمار ہوں گے۔

خارج من غیر سبیلین بھی ناقض وضو ہے

فاطمہ بنت ابی جیش والی حدیث اس کی دلیل ہے کہ سبیلین کے علاوہ اگر کہیں سے نجاست خارج ہو تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا اس لئے کہ اس حدیث میں استحاضے کے خون کے بارے میں نص صریح ہے کہ یہ رگ کا خون ہے۔

سبیلین سے غیر معتاد چیز کا بھی خروج ناقض وضو ہے

دم استحاضہ پیشاب کے مقام سے نکلتا ہے اور یہ غیر معتاد ہے اور ناقض وضو ہے تو ثابت کہ سبیلین سے غیر معتاد چیز کا خروج بھی ناقض وضو ہے۔ اب یہ حدیث دو مسئلوں کی دلیل بن گئی، ایک اس کی کہ سبیلین کے علاوہ کہیں سے بھی خون یا اور کوئی نجس چیز نکلے تو وہ ناقض وضو ہے۔ دوسرے

---

[1] جلد اول الفرق بین دم الحیض والاستحاضہ

یہ کہ سبیلین سے غیر معتاد چیز بھی نکلے تو ناقض وضو ہے۔

معذور کا حکم | اسی حدیث سے فقہاء نے یہ استنباط فرمایا کہ مستحاضہ اور جو اس کے حکم میں ہے مثلاً کسی کو سلسل البول ہے یا انفلات ریح کا عارضہ ہے وہ بھی اتنی شدت کا کہ وضو کر کے فرض پڑھنے کا بھی موقع نہ ملے تو وہ معذور ہے۔ اس کے لئے یہ علت ناقض وضو نہیں خروج وقت ناقض وضو ہے۔ نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد وضو کرے اور اس وضو سے وقت کے اندر جتنی چاہے نمازیں پڑھے خواہ فرض خواہ نفل خواہ وقتیہ خواہ قضاء۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہر فرض کے لئے وضو کرے اس وضو سے اس فرض کے علاوہ اس کے توابع بھی پڑھ سکتا ہے البتہ ایک وضو سے دو فرض نہیں پڑھ سکتا مثلاً ظہر کے لئے وضو کیا تو اس وضو سے ظہر کا فرض اور سنت و نوافل پڑھ سکتا ہے لیکن اگر دوسرے فرض کی قضا پڑھنی چاہے تو نہیں پڑھ سکتا ہے۔ امام شافعی کی دلیل اس حدیث کی تمام روایات کا ظاہر لفظ ہے کہ فرمایا۔ توضی لکل صلوۃ۔ ہر نماز کے لئے وضو کر۔ نیز اس عارضہ کے ہوتے ہوئے وضو کے باقی رہنے کا حکم اسی ضرورت سے ہے کہ فرائض قضا نہ ہوں اور ایک فرض کی ادا کے بعد یہ ضرورت باقی نہ رہی۔

ہماری دلیل اسی حدیث کی وہ روایت ہے جو بطریق سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے جس کا لفظ یہ ہے:

توضی لوقت کل صلوۃ

ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کر۔

اسے امام محمد نے "اصل" میں روایت کیا اور ابن قدامہ نے مغنی میں بھی ذکر کیا ہے۔ اس روایت کے مطابق لکل صلوۃ لوقت کل صلوۃ پر محمول ہے۔ اس لئے کہ لوقت کل صلوۃ محکم ہے۔ علاوہ ازیں شرع اور عرف دونوں میں کسی اور معنی کا احتمال نہیں رکھتا بخلاف لکل صلوۃ سے نفس صلوۃ مراد ہے یا وقت صلوۃ۔ اس لئے کہ صلوۃ بولکر نماز کا وقت مراد لینا شرع اور عرف دونوں میں شائع ہے۔ حدیث میں ہے: ان للصلوۃ اولا واخرًا اور فرمایا ایما رجل ادرکتہ الصلوۃ فلیصل۔ عام محاورے میں بولتے ہیں اتیك لصلوۃ الظھر۔ اس لئے ضروری ہوا کہ لکل صلوۃ کو لوقت کل صلوۃ پر محمول کر کے یہ کہا جائے کہ اس میں لکل صلوۃ سے لوقت کل صلوۃ مراد ہے۔ اس کی گنجائش یوں بھی بہت زائد ہے کہ لکل صلوۃ سے بالاجماع اس کا ظاہر معنی مراد نہیں اس لئے کہ لکل صلوۃ سے بظاہر یہ متبادر ہوتا ہے کہ ہر ہر نماز کے لئے الگ الگ وضو کرے، تو سنت کے لئے الگ وضو فرض ہوا اور فرض کے لئے الگ نفل کے لئے الگ۔ مگر امام شافعی بھی فرماتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں بلکہ ایک وضو سے ایک فرض اور اس کے تابع سنن و نوافل معذور پڑھ سکتا ہے یہ ظاہر سے پھیرنا قیاسًا ہے جب قیاس سے بالاتفاق یہ حدیث ظاہر معنی سے مصروف ہے تو بنص حدیث بدرجۂ اولیٰ ہوگی جبکہ اس سے دونوں کا تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ رہ گیا حضرت امام اعظم پر ناخدا ترسوں کی بے بنیاد جرح اور آجکل کے بدزبان غیر مقلدین کی دشنام طرازیاں، ان کے جوابات مقدمہ میں دئے جا چکے ہیں اعادہ کی حاجت نہیں۔

عن سلیمان بن یسار قال سألت	(۱۶۹) حدیث حکم المنی

سلیمان بن یسار نے کہا میں نے حضرت

عائشۃ عن المنی یصیب الثوب، فقالت کنت اغسل من ثوب

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا اس منی کے بارے میں جو کپڑے کو لگ جائے تو انھوں نے

تشریحات (۱۶۹)

باب سے مطابقت

اس حدیث پر امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے۔ منی کا دھونا اور اس کا ملنا، اور عورت کی جو رطوبت لگ جائے اس کا دھونا اس کے تحت جو حدیث لائے ہیں اس میں صرف منی کے دھونے کا ذکر ہے باب کے تین اجزاء تھے ان میں سے صرف ایک کے مطابق حدیث لا سکے۔ اقول تیسرے جزء کے بھی مطابق اس حدیث کو کیا جا سکتا ہے وہ اس طرح کہ پہلی روایت میں الجنابۃ اور دوسری میں صرف منی کا لفظ ہے، جنابت سے مراد منی ہی ہے، سبب بولکر مسبب مراد ہے یا یہ کہ جیسا کہ قاموس میں ہے جنابت کے معنی "منی" کے بھی آتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ میں منی دھوتی تھی، یہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی منی کو دھوتی تھی، یہ اپنے اطلاق سے حضرت ام المومنین کی منی کو بھی شامل۔ اور جماع سے عورت کی منی کا مرد کے کپڑے پر لگ جانا اغلب واکثر۔ اس لئے اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دھوتی تھی خواہ وہ حضور کی منی ہو یا میری خواہ دونوں کی مخلوط۔ البتہ فرک، کا اثبات کسی طریقے سے نہیں ہو سکتا اس کے لئے لوگوں نے جو سعی کی، لاحاصل ہے۔

منی ناپاک ہے امام شافعی اور امام احمد بروایتے منی کو پاک کہتے ہیں ان لوگوں کی دلیلیں یہ ہیں (۱) اصل اشیاء میں طہارت ہے جبتک دلیل شرعی سے کسی چیز کا ناپاک ہونا ثابت نہ ہو وہ چیز پاک ہی رہے گی۔ اور منی کی ناپاکی پر کوئی دلیل نہیں اس لئے وہ پاک ہے۔ رہ گیا احادیث میں دھونے کا تذکرہ یہ نجاست کو مستلزم نہیں گھناؤنی ہونے کی وجہ سے بھی دھویا جا سکتا ہے جیسے رینٹھ دیوار قبلہ پر تھی تو حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے خود دور فرمایا۔

(۲) متعدد احادیث میں وارد ہے کہ ام المومنین حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے میں منی کو کھرچ دیتی اور پھر حضور اقدس اس میں نماز پڑھتے [۱] ظاہر ہے کہ کوئی نجاست اگر کہیں لگ جائے تو وہ محض کھرچ دینے سے پاک نہو گی

(۳) ارشاد ہے:

ھو الذی خلق من الماء بشرا (فرقان ۵۴) وہی ہے جس نے پانی سے انسان پیدا کیا۔

ظاہر ہے کہ منی پانی نہیں۔ اب پانی کہنے کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ پانی کی طرح پاک ہے۔

(۴) انبیاء کرام منی سے پیدا ہوئے ہیں کیا ان کا تخم ناپاک ہو سکتا ہے۔

احناف کے استدلال (۱) احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے میں جب بھی منی لگی اگر وہ تر تھی تو دھوئی گئی اور اگر سوکھ گئی تھی تو کھرچ کر دور کی گئی اسی پر مواظبت رہی کبھی ایک بار بھی ثابت نہیں کہ دھویا

---

[۱] مسلم طہارت ص ۱۴۰۔

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیَخْرُجُ اِلَی الصَّلٰوۃِ
فرمایا میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی دھو دیتی حضور نماز کے لئے نکلتے
وَاَثَرُ الْغَسْلِ فِیْ ثَوْبِہٖ بُقَعُ الْمَاءِ ؎ع
اور دھونے کا نشان پانی کے دھبوں کی شکل میں کپڑے پر ہوتا۔

کھرچ کر چھڑائے بغیر حضور نے نماز پڑھی ہو اور کسی فعل پر ایسی مواظبت ہمیشگی پابندی کہ کبھی اس کے خلاف نہ ہو دلیل وجوب ہے تو ثابت کہ کپڑے میں منی لگ جائے تو اسے دور کرنا واجب یہ دلیل ہے کہ منی ناپاک ہے ورنہ اس کا دور کرنا واجب نہ ہوتا۔ اس لئے یہ کہنا ساقط کہ منی کی نجاست پر کوئی دلیل نہیں۔

منی کے دھونے کو رینٹھ پر قیاس کرنا درست نہیں۔ رینٹھ کے بارے میں ثابت ہے کہ اسے نماز کی حالت میں رومال میں لینے کا حکم دیا ہے جو اس کے طہارت کی دلیل ہے مگر منی کے بارے میں ایسی کوئی روایت نہیں۔ علاوہ ازیں رینٹھ سے وضو تک نہیں ٹوٹتا اور منی نکلنے سے وضو تو وضو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

(۲) سوکھی منی کے رگڑنے سے کپڑے کی طہارت چونکہ حدیث سے ثابت ہے جو اگرچہ خلاف قیاس ہے مگر حدیث سے ثابت ہونے کی وجہ سے واجب التسلیم ہے۔ مسلم میں ہے کہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں

وانی لاحکہ من ثوب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یابسا بظفری ؎۲

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے میں منی اگر سوکھی ہوتی تو میں اپنے ناخن سے کھرچ دیتی۔

بزار اور ابوعوانہ میں انھیں سے ہے کہ فرمایا۔

کنت افرک المنی من ثوب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اذا کان یابسا واغسلہ اذا کان رطبا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچ دیتی اگر سوکھی ہوتی اور اگر گیلی ہوتی تو دھو دیتی۔

طہارت صرف پانی سے دھونے میں منحصر نہیں کبھی طہارت رگڑنے سے بھی ہو جاتی ہے جیسے جوتے اور موزوں میں لگی ہوئی نجاست ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

اذا وطی الاذی بخفیہ فطھورھما التراب ؎۳

جب موزوں کے تلے ناپاکی آجائے تو اسکو پاک کرنے والی دھول ہے۔

؎ع چار طریقے سے اکٹھے یہیں مذکور ہے۔ مسلم جلد اول طہارت باب حکم المنی ص ۱۴۰، ابوداؤد جلد اول طہارت باب المنی یصیب الثوب ص ۵۳، ترمذی جلد اول طہارت باب فی المنی یصیب الثوب ص ۱۷، نسائی جلد اول طہارت باب غسل المنی ص ۵۶، ابن ماجہ طہارت باب المنی یصیب الثوب ص ۴۱، مسند امام احمد،

؎۱ بخاری جلد اول صلوۃ باب اذا بدرہ البزاق ص ۵۹ ؎۲ مسلم طہارت باب حکم المنی ص ۱۴۰؛

؎۳ جلد اول باب الاذی یصیب النعل۔

اس کے علاوہ بھی طہارت کے مختلف اور طریقے ہیں مثلاً پونچھنا جیسے شیشے، لوہے کی چیزوں میں نجاست لگ جائے تو صرف پونچھنے سے پاک ہو جائے گی۔ جلانا یا جل جانا جیسے جانور کی سری پر خون لگا ہے اسے آگ پر بھونا گیا کہ خون جل گیا سری پاک ہو گئی۔ سوکھ جانا جیسے زمین یا زمین سے متصل درخت گھاس پر نجاست پڑی اور سوکھ گئی، پاک ہو گئی، تہ نشین ہو جانا، کنواں یا تالاب ناپاک تھا کسی وجہ سے پانی تہ نشین ہو گیا کنواں اور تالاب پاک۔ دُھنکنے سے جیسے ناپاک روئی کو دھن دیا جائے پاک۔ بنیادی غلطی یہی ہے کہ ہمارے بھائی شوافع یہی سمجھتے ہیں کہ دھونے کے علاوہ ناپاک چیز کے پاک کرنے کا اور کوئی طریقہ نہیں۔ منی کو ملنا اگر ازالۂ نجاست کے لئے نہیں تو کس مقصد کے لئے ہے، یہ ملنا لغو اور بیکار ہو جائے گا۔

(۳) جہاں یہ ارشاد ہے وھوالذی خلق من الماء بشرًا وہیں یہ بھی فرمایا۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ (نور ۴۵) اور اللہ نے ہر چوپائے کو پانی سے پیدا فرمایا۔

اور چوپایوں کی منی خصوصاً حرام جانوروں کی بالاتفاق ناپاک ہے۔

(۴) انبیاء کرام کا تذکرہ اس موقع پر مناسب نہیں۔ جس پر بحث گذر چکی۔ جب بر بنائے تحقیق انبیاء کرام کے فضلات مبارکہ عام انسانوں کی طرح ناپاک نہیں بلکہ طیب و طاہر ہیں تو جن مبارک نطفوں سے ان کی تخلیق ہوئی ہے وہ بھی عام انسانوں کے نطفوں کی طرح ناپاک نہیں، طیب و طاہر ہیں۔

ویسے بطور الزام دیوبندی شراح نے یہ جواب دیا ہے کہ آپ انبیاء کرام کے اجسام کی اصل ہونے کی وجہ سے منی کو پاک مانتے ہو تو خون کو کیوں ناپاک مانتے ہو جس سے منی بنتی ہے۔ پھر خون حیض کو کیوں ناپاک کہتے ہو جو ماں کے پیٹ میں جنین کی غذا ہے۔

یہاں ایک خاص نکتہ ہے جو ان دیوبندیوں سے اوجھل رہ گیا اور شوافع کی رو میں بہ گئے، کسی بھی چیز کے ناپاک ہونے کا حکم اس وقت ہے جب وہ جسم سے باہر نکل آئے اپنے معدن و مستقر میں کوئی چیز نجس نہیں۔ ورنہ لازم کہ انسان کبھی بھی پاک نہ ہو، ہمارے جسم میں خون، پیشاب، پاخانہ کتنا بھرا ہے۔

وہ خون جس سے منی بنی یا وہ خون حیض جو جنین کی غذا بنی اپنے معدن و مستقر میں رہنے کی وجہ سے پاک تھے، یہاں بحث اس منی میں نہیں جو ہمارے جسم کے اندر ہے بلکہ اس میں ہے جو باہر نکل چکی ہے۔ اسلئے اسلم طریقہ وہی ہے جو ہم نے اختیار کیا ہے کہ جن نطفوں سے انبیاء کرام کے اجساد مبارکہ کی تخلیق ہوئی وہ پاک ہیں۔

ایک جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ منی اگرچہ ناپاک ہے مگر کئی مرحلے میں تغیر و تبدل اختیار کرتی ہے پھر وہ انسانی وجود اختیار کرتی ہے۔ نطفے کے بعد علقہ، علقہ کے بعد مضغہ غیر مخلقہ پھر مضغہ مخلقہ بنتا ہے، پھر نفخ روح ہوتی ہے اور تبدیل ماہیت کے بعد ہر ناپاک چیز پاک ہو جاتی ہے جیسے شراب جب سرکہ ہو جائے۔ لیکن انبیاء کرام کی عظمت شان اسی کی متقضی ہے کہ وہی قول کیا جائے کہ جن تخموں سے ان کی تخلیق ہوئی وہ پاک و طاہر ہیں۔

مولوی محمود الحسن صاحب پر تعقب

ایضاح البخاری میں ہے کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ شوافع نے منی کی طہارت کہاں سے سمجھی ہے؟ کیوں کہ شوافع کے پاس دلیل طہارت میں بس ایک فرک ہے[1]

[1] حصہ دوم ص ۵۰۶

گزر چکا کہ شوافع کی بنیادی دلیل یہ ہے کہ اصل اشیا میں طہارت ہے منی کی نجاست پر کوئی دلیل نہیں اس لئے وہ پاک ہے صرف فرک ہی دلیل نہیں۔ اپنے مقابل کی پوری بات ذہن میں رکھکر گفتگو کرنی چاہئے۔

منی کی طہارت پر سب سے قوی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت ام المومنین سے روایت ہے۔

انہا تحت المنی من ثوب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھو یصلی [۱] — وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچتیں اور حضور نماز پڑھ رہے ہوتے۔

اگر منی ناپاک ہوتی تو اس سے آلودہ کپڑے کے ساتھ نماز کی ابتدا ہی درست نہ ہوتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ منی پاک ہے۔ لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب منی سے آلودہ کپڑے کیساتھ نماز درست تھی تو حضرت ام المومنین نے اثناء نماز میں اسے کھرچا کیوں۔ اثناء نماز میں کھرچنے سے نماز میں خلل پڑنے کا اندیشہ یقیناً ہے بلکہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ نمازی نماز توڑ بیٹھے اگرچہ حضور کے لئے یہ احتمال نہیں مگر خشوع وخضوع میں کماحقہ تو ضرور خطرہ ہے بلاکسی فائدے کے حضرت ام المومنین نے یہ لغو کام کیوں کیا؟

اس سے ظاہر ہوگیا کہ اس حدیث کے وہ معنی نہیں جو ظاہر لفظ سے متبادر ہے اور جو شوافع نے لیا ہے بلکہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ ام المومنین حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچ دیتی تھیں اور اس کے بعد حضور اسی کپڑے میں نماز پڑھتے جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے۔ فیصلی فیہ اور ابن خزیمہ کی ایک روایت میں ثم یصلی فیہ وارد ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ اگر منی پاک ہوتی تو کم از کم بیان جواز کے لئے ایک بار ہی ایسا ضرور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا ہوتا کہ منی لگنے کے بعد کپڑے کو بغیر دھوئے یا منی کو بغیر کھرچے نماز پڑھتے مگر کہیں کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی یہ نہیں آیا۔ کہ کپڑے میں منی لگی ہو اور حضور نے نماز پڑھی ہو۔ اس سے ثابت کہ منی ضرور ناپاک ہے البتہ اگر سوکھ گئی ہے تو اس کے پاک کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اُسے کھرچ دیا جائے۔

علامہ نووی کی لغزش علامہ نووی نے یہ تحریر فرمایا کہ حضرت علی حضرت ام المومنین عائشہ حضرت سعد بن وقاص حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی منی کی طہارت کے قائل ہیں [۲] لیکن احادیث کے ذخائر میں کہیں ان حضرات کا یہ قول نہیں ملا کہ یہ لوگ منی کو پاک مانتے ہوں بلکہ سوائے علامہ نووی کے اور کسی بزرگ نے ان حضرات کی طرف اس کی نسبت نہیں کی ہے یقیناً یہ علامہ نووی کی لغزش ہے۔ ان میں حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایات سے واضح ہے کہ وہ منی کو ناپاک جانتی تھیں۔

اسی حدیث کی دوسری روایات پر جو تھوڑے سے تغیر کے ساتھ ہے امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے۔

اذا غسل الجنابۃ او غیرھا ولم یذھب اثرہ — جب منی یا کچھ اور دھوئے اور اس کا اثر نہ جائے۔

اس کے تحت جو حدیث لائے ہیں وہ صرف منی دھونے کے بارے میں ہے منی کے علاوہ کسی اور چیز کے بارے میں کوئی حدیث نہیں لائے۔

---

[۱] بیہقی و دار قطنی [۲] شرح مسلم جلد اول ص ۱۴۰

ت (۴۴) وَصَلّٰی اَبُوْمُوْسٰی فِیْ دَارِ الْبَرِیْدِ وَالسِّرْقِیْنِ وَالْبَرِّیَّةِ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دار البرید میں نماز پڑھی جہاں گوبر تھا

اس پر علامہ عینی نے یہ فرمایا ترجمہ بلاحدیث غیر مفید ہے اور یہ بالکل صحیح ہے۔ اس کی توجیہ میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری کا یہ طریقہ بھی ہے کہ اگر کسی حدیث سے کوئی خاص جزئی بات ثابت ہوتی ہو مگر ان کے نزدیک وہ حکم صرف اس جزئی کے لئے خاص نہ ہو، عام ہو تو ایسی جگہ وغیرہ یا وغیرھا کا اضافہ کردیتے ہیں تاکہ تعمیم کا افادہ ہوجائے پھر اس باب میں وہ حدیث لاتے ہیں جس سے خاص وہ جزئی حکم ثابت ہوتا ہے جیسے کتاب العلم ص۱۸ پر یہ باب باندھا ہے۔

باب الفتیا وھو واقف علی ظھر الدابة او غیرھا

عالم سے ایسی حالت میں سوال کرنا کہ وہ چوپائے وغیرہ پر ہو

یہاں تو یہ بھی ہے کہ جو حدیث لائے اس میں چوپائے کا ذکر نہیں مگر اسی حدیث کے دوسرے طرق میں اونٹ مذکور ہے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ امام چوپائے پر سوار ہو یا اور کسی چیز پر اس سے سوال کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح یہاں حدیث سے جو حکم ثابت ہوتا ہے وہ منی کے لئے ہے مگر یہ منی کے ساتھ خاص نہیں ہر نجاست کو عام ہے اس کی طرف اشارہ کے لئے امام بخاری نے وغیرہا کا اضافہ کیا۔

اس باب کے لفظ ولم یذھب اثرہ پر شراح میں بحث چھڑ گئی کہ اثرہ کی ضمیر کا مرجع غسل ہے یا جنابت اگر جنابت کو مرجع مانا جائے جیسا کہ علامہ کرمانی و علامہ عسقلانی نے مراد لیا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نجاست دھونے کے بعد اگر نجاست کا جرم دور ہوجائے اور کچھ اس کا اثر مثلاً رنگ باقی رہ جائے جس کا دور ہونا دشوار ہو تو کوئی حرج نہیں۔ مگر اس کا اثبات حدیث کے کسی لفظ سے نہیں ہوتا اور اگر اس کا مرجع غُسلٌ کو ٹھہرایا جائے جس پر غَسَلَ دلالت کرتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ نجاست دھونے کے بعد دھونے کا نشان باقی رہے، اس پر حدیث کا یہ لفظ دو اثر الغسل فیه بقع الماء مال یہ ہوتا کہ کپڑے میں دھونے کے نشانات پانی کے دھبے ہوتے، اور یہی دوسرے طریقے میں مروی — ثم اراہ فیه بقعة او بقعا، سے بھی مستفاد ہے فرماتی ہیں میں پانی کا دھبہ یا چند دھبے دیکھتی۔ یہاں منی کے دھبے کے کوئی معنی نہیں۔ منی کا رنگ ایسا نہیں کہ دھونے کے بعد باقی رہے

تشریحات ۴۴ دار البرید کوفہ میں ایک کنارے ایک جگہ کا نام تھا جہاں پیام رساں قاصد ٹھہرا کرتے امام بخاری نے یہاں یہ باب باندھا ہے۔

باب ابوال الابل والدواب والغنم و مرابضھا

اونٹوں اور چوپایوں اور بکریوں کے پیشاب اور انکے رہنے کی جگہوں کا بیان

یہ تو امام بخاری نے تصریح نہیں کی کہ وہ چوپایوں کے پیشاب و پاخانے کو پاک مانتے ہیں کہ ناپاک لیکن جو حدیثیں باب کے ثبوت میں لائے ہیں ان سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ وہ پاک مانتے ہیں اور یہی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر سے بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں لیکن حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر سے اس کا اثبات مشکل ہے۔ دار البرید میں

إِلَىٰ جَنْبِهِ فَقَالَ هٰهُنَا وَثَمَّ سَوَاءٌ عـه

اور میدان ان کے پہلو میں تھا اور کہا یہاں وہاں یکساں ہے

(۱۷۰) حَدِيثِ عُكْلٍ وَعُرَيْنَه - عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

قَالَ قَدِمَ أُنَاسٌ مِّنْ عُكْلٍ أَوْ عُرَيْنَةَ فَاجْتَوَوُا الْمَدِينَةَ

کہ عکل یا عرینہ کے کچھ لوگ مدینے میں آئے انھیں مدینہ ناموافق آیا تو

نماز پڑھنے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ انھوں نے خاص ایسی جگہ نماز پڑھی جہاں گوبر تھا۔ ہوسکتا ہے کہ ایسی جگہ نماز پڑھی ہو جہاں گوبر نہ رہا ہو قریب میں رہا ہو اس کا بھی امکان ہے کہ چٹائی یا کپڑا بچھا کر نماز پڑھی ہو یہ نظافت کے بھی خلاف ہے کہ ایسی جگہ بغیر کچھ بچھائے نماز پڑھی جائے۔

حضرت ابوموسیٰ، حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد خلافت میں کوفے کے گورنر تھے اسی وقت کا یہ قصہ ہے۔

تشریحات (۱۷۰) عکل عین کو ضمہ کاف ساکن، یہ پانچ قبائل کا نام ہے۔ ان سب کا مورث اعلیٰ عوف بن وائل تھا اس کے پانچ بیٹے تھے۔ حارث، جشم، سعد، عل، قیس۔ جب ان کی ماں، بنت ذی اللحیہ مرگئی تو ان کی پرورش عکل نام کی ایک حبشی لونڈی نے کی تھی اسی کے نام پر ان کے قبیلے کا نام عکل پڑگیا۔

عُرینہ تصغیر کے صیغے پر، بنی طے کی ایک شاخ تھی جو عرینہ بن نذیر یا عرینہ بن عزیز بن نذیر کی اولاد ہیں۔

ان کی تعداد یہ کل آٹھ تھے۔ جیساکہ الجہاد اور دیات کی روایت ہے۔ یہاں شک کیساتھ روایت ہے مگر یہ شک کسی راوی سے ہے۔ صحیح یہ ہے کہ عکل اور عرینہ دونوں قبیلوں کے آدمی تھے۔ جیساکہ مغازی میں حرف تردید کے بغیر دونوں کا نام ہے۔ رہ گئے وہ طرق جن میں صرف عکل یا صرف عرینہ کا نام ہے۔ یہ راوی کا اختصار ہے، ابوعوانہ اور طبرانی کی روایت میں یہ ہے کہ سات تھے چار عرینہ کے اور تین عکل کے۔ یہ بخاری کی روایت کے معارض ہے۔ علامہ عینی نے یہ تطبیق دی کہ ہوسکتا ہے کہ ایک اور کسی قبیلے کا رہا ہو جوان کا تابع تھا۔

تکمیل یہ حدیث بخاری میں بارہ جگہ مختلف الفاظ اور کمی زیادتی کے ساتھ مذکور ہے اس کے علاوہ حدیث کی کثیر کتابوں میں مذکور ہے۔ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ان لوگوں نے اسلام قبول کیا کچھ دن مدینہ منورہ میں رہے مگر بدطینتوں کو مدینہ طیبہ کی ہوا راس نہ آئی، ان کو استسقار کی بیماری ہوئی پھر ان کی درخواست پر یا از خود حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو مدینے کے باہر وہاں بھیجدیا جہاں سرکاری اور زکوٰۃ کے اونٹ رہتے تھے۔ حضور نے ان سے فرمایا کہ اونٹنیوں کے دودھ اور پیشاب پیو کچھ دن میں یہ صحت مند ہوگئے تو انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چرواہے حضرت یسار کو انتہائی درندگی کیساتھ شہید

عـه ابونعیم استاذ بخاری کتاب الصلاۃ مصنف ابن ابی خیبہ۔

فَاَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلِقَاحٍ وَّاَنْ يَّشْرَبُوْا مِنْ

نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں دودھ والی اونٹنیوں میں جانے کا حکم دیا اور یہ کہ انکے دودھ اور

اَبْوَالِهَا وَاَلْبَانِهَا فَانْطَلَقُوْا فَلَمَّا صَحُّوْا قَتَلُوْا رَاعِيَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

پیشاب کو پئیں یہ لوگ وہاں گئے اور جب تندرست ہوگئے تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتَاقُوا النَّعَمَ فَجَاءَ الْخَبَرُ فِيْ اَوَّلِ النَّهَارِ

چرواہے کو قتل کردیا اور اونٹ ہانک لے گئے اس کی اطلاع دن کے ابتدائی حصے میں آئی

کردیا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے زبان میں کانٹے چبھوئے، ترمذی میں ہے، آنکھیں پھوڑدی تھیں، اور ایک اونٹ ذبح کرلیا بقیہ اونٹ پرڈاکہ ڈال کر ہانک لے گئے، اس رات حسب عادت خدمت اقدس میں دودھ نہیں پہنچا تو حضور نے بد دعا کی:

اللھم عطش من عطش آل محمد اللیلة [1] اے اللہ سے پیاسا رکھ جس نے آل محمد کو پیاسا رکھا

دوسرے چرواہے نے آکر واقعہ بتایا تو حضور نے، حضرت کرز بن جابر فہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں بیس سواروں کا دستہ جن میں اکثر انصار کرام تھے ان ڈاکوؤں کی گرفتاری کے لئے بھیجا، ساتھ میں ایک قیافہ شناس لے لئے جو قدموں کے نشانات دیکھکر بتاتا کہ یہ ظالم کدھر بھاگے ہیں۔

یہ سب اپنی منزل پر پہنچ چکے تھے کہ پکڑ لئے گئے اور مدینہ لائے گئے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا انکے بھی ہاتھ پاؤں کاٹے گئے آنکھوں میں سلائی پھیردی گئی۔ مدینے کے باہر حرہ میں دھوپ سے جھلستی پتھریلی زمین پر ڈال دیے گئے تڑپ تڑپ کر جہنم میں گئے، پانی مانگتے تھے مگر ان کو کسی نے پانی نہیں دیا، شدت تکلیف وپیاس سے زمین دانتوں سے کاٹتے پھر جاتے، بخاری کتاب المغازی صـ۶۰۲ میں ہے کہ اسلام چھوڑ کر مرتد ہوگئے تھے۔ ترمذی میں ہے کہ چرواہے کی آنکھوں میں سلائی پھیردی تھی، بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ہی نہیں کئی چرواہوں کو شہید کیا تھا، یہ واقعہ سنہ ۶ھ میں ہوا۔

استنباط مسائل

(۱) امام مالک کے یہاں حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے، اور امام محمد نے فرمایا کہ بطور علاج حلال جانوروں کا پیشاب پینا جائز ہے مگر احناف اور جمہور علمار کا مسلک یہ ہے کہ حرام جانوروں کی طرح حلال جانوروں کا بھی پیشاب ناپاک ہے اور بطور دوا بھی اس کا استعمال جائز نہیں۔ رہ گیا ان خبثار کو اونٹ کے پیشاب پینے کی اجازت اسوجہ سے تھی کہ حضور دانائے غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہوچکا تھا کہ یہ حقیقت میں مومن نہیں اور ان خبثار کا علاج یہی ہے کہ ان کو اونٹ کے دودھ اور پیشاب پلائے جائیں۔ آج بھی اگر کسی کو وہی یقین جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل تھا کسی حرام چیز کے بارے میں حاصل ہوجائے کہ اس سے فلاں بیماری سے شفا حاصل ہوگی تو اسے اجازت ہے جیسے مخمصہ کی حالت میں شراب اور مردار کی حرمت باقی نہیں رہتی لیکن ایسا یقین حاصل کرنے کا ذریعہ اب کہاں رہا؟

[1] عینی بحوالہ نسائی ج ۳ ص ۱۵۶ - نسائی جلد ثانی - المحاربة باب - تاویل قول اللہ عزوجل: انما جزاء الذین یحاربون اللہ - الآیة ص ۱۶۷ ،

فبعث فی آثارھم فلما ارتفع النھار جیٔ بھم فامر فقطع ایدیھم

حضور نے ان کے تعاقب میں بھیجا جب دن چڑھ گیا تو انھیں لایا گیا حضور نے ان کے بارے میں

وارجلھم وسمرت اعینھم والقوا فی الحرۃ یستسقون فلا

حکم دیا تو ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالے گئے، اور آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی، اور دھوپ میں چھوڑ دیے گئے

یسقون قال ابو قلابۃ فھؤلاء سرقوا وقتلوا وکفروا بعد ایمانھم

پانی مانگتے تھے مگر ان کو پانی دیا نہیں گیا، ابو قلابہ نے کہا انھوں نے چوری کی اور قتل کیا اور مومن ہونے کے بعد کفر کیا

جمہور اور احناف کا استدلال گزر چکا کہ فرمایا استنزھوا من البول فان عامۃ عذاب القبر منہ پیشاب سے بچو کہ عام عذاب قبر پیشاب سے ہوتا ہے۔ استنزھوا صیغہ امر ہے جس میں اصل وجوب ہے جب دوسرے قرائن سے خالی ہو تو وجوب ہی کے لئے ہوتا ہے۔ یہاں کسی دوسرے معنی کا کوئی قرینہ نہیں بلکہ (عامۃ عذاب القبر منہ) وجوب کے لئے قرینہ ہے۔ پیشاب سے بچنا واجب اسی لئے ہے کہ پیشاب ناپاک ہے۔

دواءً بھی پیشاب کا استعمال جائز نہیں

پیشاب یا کوئی نجس یا حرام چیز بطور دوا بھی استعمال کرنا جائز نہیں اس لئے کہ حرمت یقینی اور شفا ظنی۔ کسی بھی دوا سے شفا یقینی نہیں صرف یہ ظن حاصل ہوتا ہے کہ اس سے شفا حاصل ہوگی۔ بلکہ حدیث میں فرمایا:-

ان اللہ لم یجعل شفاء کم فی حرام (ابن حبان) اللہ نے حرام چیزوں میں تمھاری شفا نہیں رکھی۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک صاحب نے عرض کیا کہ شراب دوا ہے۔ تو فرمایا:-

لا ولکنھا داءٌ [1] شراب دوا نہیں بلکہ یہ بیماری ہے

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:-

ان اللہ لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم [2] حرام چیزوں میں اللہ نے تمھاری شفا نہیں رکھی۔

اور فرمایا۔ لا تتداووا بالحرام [3] حرام سے علاج نہ کرو۔

اور وارد ہے۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن الدواء الخبیث۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گندی دوا سے منع فرمایا

ایک شبہے کا ازالہ

یہ جو فرمایا کہ حرام میں شفا نہیں اس پر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ بار بار کا تجربہ ہے کہ بہت سی چیزیں حرام ہیں مگر ان سے بہت سے امراض میں شفا حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بعض حرام اشیاء سے بعض بیماریوں میں شفا حاصل ہوتی ہے۔ مگر یہ یاد رکھئے کہ شریعت نے جن جن چیزوں کو حرام فرمایا ہے ان میں کوئی نہ کوئی شدید ضرر ہے جو لا علاج ہے۔ اب اگر کسی حرام چیز سے ایک بیماری سے شفا حاصل ہوئی تو دوسری اس سے سنگین بیماری کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ یہ بظاہر تو شفا ہے مگر حقیقت میں شفا نہیں ضرر ہے۔ جیسا کہ شراب کو لے لو۔ اس سے فی الجملہ بعض بیماریوں سے شفا حاصل

[1] ابو داؤد جلد دوم ص ۱۸۵ [2] بخاری جلد دوم ص ۸۴۰ [3] ابو داؤد جلد دوم ص ۱۸۵

وحاربوا اللہ ورسولہ، عہ

اور اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کی

ہوتی ہے مگر یہ خود کتنی ضرر رساں ہے اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ آدمی کو بے عقل بنا دیتی ہے، جو چیز انسان سے عقل کو سلب کرلے اگرچہ تھوڑی ہی دیر کے لئے بھی اس سے زیادہ مضر اور کیا چیز ہو سکتی ہے اسی طرح حرام چیز کے اندر اگر تھوڑا سا نفع ہے تو ضرر اس سے کہیں بڑھ کر ہے ـــ اس لئے حدیث کا یہ ارشاد کہ حرام میں تمھاری شفا نہیں ـــ اپنی جگہ درست ہے۔

(۲) نیز اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آدمی کو اگر کہیں کی آب و ہوا ناموافق ہو تو وہ جگہ بدل سکتا ہے (۳) زکوٰۃ کے اونٹوں سے مسافروں کو انتفاع جائز ہے (۴) اس حدیث سے مثلہ کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے مگر یہ حکم منسوخ ہے کسی کا بھی مثلہ کرنا صورت بگاڑنا جائز نہیں۔ بخاری ہی میں ہے:

نھی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن النھبی والمثلۃ[لہ] نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوٹ کھسوٹ اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے

(۵) نیز یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ اگر کوئی کافر کسی مسلمان کو جلادے تو قصاص میں اس مشرک کو جلانا جائز ہے اس لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان ظالموں کی آنکھوں میں گرم کرکے سلائیاں پھروائیں اگرچہ ان درندوں نے سرکاری چرواہے کی آنکھ میں گرم سلائی نہیں پھیری تھی، کانٹوں سے آنکھ ضائع کی تھی تو جبکہ ان ظالموں نے آگ کا عذاب نہیں دیا تھا پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں آگ کا عذاب دیا تو جب کوئی ظالم کسی مسلمان کو آگ سے جلائے تو بدرجہ اولیٰ اسے آگ میں جلایا جا سکتا ہے۔ لیکن بعد میں یہ بھی منسوخ ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

ان النار لا یعذب بھا الا اللہ[ـــہ] آگ کا عذاب صرف اللہ ہی دے گا

دوسری روایت میں ہے:

لا یعذب بالنار الا رب النار[ـــہ] آگ کا عذاب آگ کا رب ہی دے گا

(۶) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مرتد کی سزا قتل ہے (۷) اس سے ثابت ہوا کہ ڈاکوؤں نے اگر مال بھی لیا ہو اور قتل بھی کیا ہو تو ان کا ہاتھ اور پاؤں کاٹا جائے گا اور قتل بھی کیا جائیگا۔ تفصیل کتاب الحدود میں آئے گی۔

عہ ایضا زکوۃ باب استعمال ابل الصدقۃ والبانھا لابناء السبیل ص ۲۰۳۔ جھاد، باب اذا حرق المشرک المسلم ھل یحرق ص ۴۲۳ جلد ثانی کتاب المغازی باب قصۃ عکل وعرینۃ ص ۶۰۲ تفسیر باب انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ص ۶۶۳ طب باب الدواء بالبان الابل وباب الدواء بابوال الابل ص ۸۴۸ باب من خرج من ارض لا تلائمہ ص ۸۵۲ کتاب المحاربین باب لم یسق المرتدون والمحاربون حتی ماتوا ص ۱۰۰۵۔ دیات باب القسامۃ ص ۱۰۱۹ مسلم جلد ثانی، قسامۃ باب حکم المحاربین والمرتدین ص ۵۷۔ ابوداؤد جلد ثانی الحدود باب ماجاء فی المحاربۃ ص ۲۴۴۔ ترمذی جلد اول طھارت باب ماجاء فی بول ما یؤکل لحمہ ص ۱۱۔ نسائی جلد اول طھارت بول ما یؤکل لحمہ ص ۵۷۔ ایضا جلد ثانی المحاربۃ باب تاویل قول اللہ عزوجل انما جزاء الذین یحاربون الآیۃ ص ۱۶۵۔ ابن ماجہ حدود باب من شھر السلاح ص ۱۸۸ مسند امام احمد لہ جلد اول ص ۳۳۶

[illegible]

حدیث (۱۷۱) الصلوۃ فی مرابض الغنم عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد بنانے سے پہلے

قال ابوقلابۃ فھؤلاء میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ راوی حدیث "ایوب" کا مقولہ ہو تو یہ بھی اسناد کے تحت ہے۔ یعنی ابوقلابہ سے امام بخاری تک سند متصل ہے۔ اور اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ امام بخاری کا مقولہ ہو تو یہ تعلیق ہو جائیگی بہر تقدیر یہ "حضرت ابوقلابہ کا قول ہے۔ ان ظالموں کو اتنی سخت سزا کیوں دی گئی۔ اسی کی علت بیان فرمایا کہ ان کا جرم بہت سنگین تھا، یہ اکٹھے چار چار جرم کے مرتکب تھے۔ ڈاکہ ایک قتل دو، ارتداد تین، اللہ اور رسول سے لڑائی چار، ان چاروں میں ہر ایک نہایت سنگین جرم ہے اور ان میں سے ہر ایک کی سزا قتل۔ اور جبکہ انھوں نے چار چار ایسے سنگین جرم کا ارتکاب کیا تو جرم کے اعتبار سے ان کی یہ سزا کم ہی ہے۔

ایضاح البخاری میں یہ لکھا ہے کہ — یہ بالکل صبح سویرے کا واقعہ تھا جب وقت پر سرکار کے گھر دودھ نہیں پہنچا تو آپنے بددعا دی ص۵۱۳ جلد عاشر۔

ان خبثاء نے ڈاکہ صبح کے وقت نہیں رات میں ڈالا تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ دودھ جب وقت پر رات میں نہیں پہنچا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بددعا کی:

اللھم عطش من عطش آل محمد اللیلۃ [1] اے اللہ جس نے آج رات آل محمد کو پیاسا رکھا اسے پیاسا رکھ

نیز ایضاح البخاری میں بڑے ادب سے ان خبثاء کو حضرات لکھا ہے ایک بار نہیں پانچ بار۔ یہ دیوبندی مذہب کی روح ہے، اللہ اور اس کے رسول کے محارب ڈاکو مرتدین ان کے مذہب میں اتنے قابل احترام ہیں کہ انھیں حضرات سے تعبیر کرتے ہیں۔

تشریحات (۱۷۱) اس حدیث کے بھی لانے سے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقصود یہی ہے کہ چوپایوں کا پیشاب اور پاخانہ پاک ہے ورنہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنا کیسے صحیح ہوتا — ہمارا جواب ظاہر ہے کہ نماز پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ چٹائی وغیرہ بچھائے بغیر براہ راست زمین پر پڑھی ہو۔ یہ لازم نہیں کہ جہاں نماز پڑھی ہو وہ جگہ ناپاک ہی ہو۔ وہاں بکری کا پیشاب یا مینگنی پڑی ہو یا پڑی تھی مگر سوکھ کر زمین پاک نہیں ہو گئی تھی اس لئے محض نماز پڑھنے سے زمین کی طہارت پر استدلال درست نہیں۔

اگر نماز پڑھنے سے زمین کی طہارت پر استدلال درست مان لیا جائے تو مواطن ابل، اونٹوں کے رہنے کی جگہ نماز سے ممانعت ہے، اس سے اونٹ کے پیشاب و مینگنی کے ناپاک ہونے پر کوئی استدلال کرے تو کیا کہیں گے؟

امام بخاری کا مسلک | امام بخاری کا مسلک کیا ہے وہ اچھی طرح واضح نہیں جیسا کہ ہم پہلے بتا آئے۔ دونوں حدیثوں اور

[1] عینی جلد ثالث ص۱۵۶

قبل ان يبنى المسجد في مرابض الغنم ع۵

بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھتے تھے

اثر ابو موسیٰ اشعری کے ذکر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اونٹ اور بکری اور دوسرے چوپایوں کا پیشاب اور پاخانہ پاک ہے۔ اب پھر ابہام یہ پیدا ہوتا ہے کہ دواب کا اطلاق عرف میں ہر چوپائے پر ہوتا ہے خواہ وہ ماکول اللحم ہو یا نہ ہو اثر حضرت ابو موسیٰ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس زمانے میں سواری میں گھوڑوں کے ساتھ گدھے بھی استعمال ہوتے تھے بلکہ ان ممالک میں اب بھی گدھے کو سواری کے کام میں لاتے ہیں اس لئے دار البرید میں گدھے بھی ضرور رہتے ہوں گے ان کی لید بھی ضرور پڑتی رہی ہوگی ان کا پیشاب بھی ضرور تہاڑ رہا ہوگا پھر بھی حضرت ابو موسیٰ اشعری نے نماز پڑھی جس سے امام بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ گدھے کا پیشاب اور اس کی لید پاک ہے تو جس طرح اونٹ اور بکری پر قیاس کر کے تمام ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب و پاخانے کو پاک کہہ سکتے ہیں اسی طرح گدھے پر قیاس کر کے غیر ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب و پاخانے کو پاک کہہ سکتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کانت الکلاب تقبل وتدبر، کے ذکر کا بھی یہی مقصد معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کتے کے پیشاب اور پاخانے کو پاک مانتے ہیں۔ لیکن امام بخاری کا مذہب کیا ہے وہ قطعی طور پر واضح نہیں ہوسکا۔ ان کے ان ابواب کو دیکھنے کے بعد دو باتوں میں سے ایک بات کو ماننا ہی پڑیگا۔ یا تو امام بخاری حرام حلال تمام جانوروں کے پیشاب و پاخانے کو پاک مانتے ہیں یا کم از کم ان کی نجاست کے بارے میں متردد ضرور ہیں۔

احناف کا مسلک اور دلائل احناف اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ تمام چوپایوں کے پیشاب اور پاخانے ناپاک ہیں پیشاب کے دلائل گذر چکے۔ پاخانے کے ناپاک ہونے کے دلائل یہ ہیں۔

(۱) ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن اكل الجلالة والبانها ۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جلالہ کے کھانے سے اور اس کے دودھ سے منع فرمایا ہے۔ ؎۱

مجمع البحار میں ہے کہ "جلة" کے معنی مینگنی کے ہیں۔ اس لئے جلالہ کے اصل معنی ہوئے مینگنی کھانے والے کے۔ اس سے ظاہر کہ مینگنی ناپاک ہے۔

ع۵ ایضا صلوۃ باب هل ينبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد او باب الصلوۃ فی مرابض الغنم ص ۶۱ بنیان الکعبۃ مقدم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ ص ۵۶۰، مسلم جلد اول کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ ص ۲۰۰، ابو داؤد جلد اول صلوۃ باب بناء المساجد ص ۶۵، ترمذی جلد اول صلوۃ باب ماجاء فی الصلوۃ فی مرابض الغنم ص ۴۶، نسائی جلد اول، مساجد، باب نبش القبور واتخاذ ارضها مسجدا ص ۱۱۳، مسند امام احمد

؎۱ جلد ثانی کتاب الاطعمہ ص ۴،

(۲) ابوداؤد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا
اذا جاء احدکم المسجد فلینظر فان رأی فی نعلیہ قذرا او اذی فلیمسحہ [1]
جب مسجد میں آؤ تو اپنی چپلوں کو دیکھ لو اگر ان میں گندگی یا ناپاکی لگی ہو تو اسے دور کر لو۔

جوتے اور چپل میں انسان کے پیشاب اور پاخانے کا لگنا بہت مستبعد ہے۔ راستوں میں چوپایوں کے گوبر عام طور سے ہوتے ہیں انھیں سے جوتے اور چپل آلودہ ہوتے ہیں۔ اس لئے چوپایوں کے گوبر ناپاک ہیں۔

(۳) باب لا یستنجی بروث کے تحت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث گذری کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گوبر کے بارے میں فرمایا "ھذا رکس" یہ نجاست ہے۔

ہمارے ائمہ نے اس اتفاق کے بعد کہ چوپایوں کے پیشاب و پاخانے ناپاک ہیں۔ اس میں اختلاف کیا کہ انکی نجاست غلیظہ ہے یا خفیفہ۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حرام چوپایوں کے پیشاب اور پاخانے دونوں اور گھوڑے کی لید اسی طرح حلال جانوروں کے پاخانے نجاست غلیظہ ہیں۔

گھوڑے اور حلال جانوروں کے پیشاب نجاست خفیفہ ہیں۔

حضرت امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ حلال جانوروں کے پاخانے کو بھی نجاست خفیفہ مانتے ہیں۔

دلائل امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ چوپایوں کے پاخانے کی نجاست نص یعنی حدیث سے ثابت ہے اور اسکے معارض کوئی نص نہیں اس لئے یہ نجاست غلیظہ ہوئی۔ بخلاف پیشاب کے کہ استنزھوا من البول کے معارض عرنیین کی حدیث ہے۔ اس لئے ان کے پیشاب نجاست خفیفہ ہوئے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ چونکہ حلال جانوروں کے پاخانے کی طہارت و نجاست میں مجتہدین کا اختلاف ہے اس لئے اسمیں تخفیف ہے۔ علاوہ ازیں اس میں حرام جانوروں کے بہ نسبت ابتلاء عام ہے اس لئے اس میں تخفیف ہونی لازم ہے۔

مرابض غنم اور معاطن ابل کے احکام کے مختلف ہونیکی وجہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بھی بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھتے تھے اور صحابہ کو بھی اجازت دی ہے مگر اونٹوں کے تھانوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اسکا سبب یہ نہیں کہ بکری کا پیشاب اور اس کی مینگنی پاک ہے اور اونٹ کا پیشاب اور اس کی مینگنی ناپاک بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ بکری سیدھی سادی بے ضرر ہے اور اونٹ کبھی درندوں کی طرح خطرناک ہو جاتا ہے، کسی نے نماز شروع کی اور اونٹ کو مستی سوجھی تو بھاگنا مشکل ہو جائیگا۔ علامہ عینی نے بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے اور معاطن ابل میں نہ پڑھنے کے سلسلے میں چند احادیث ذکر کی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

الغنم من دواب الجنۃ فامسحوا رغامھا وصلوا فی مرابضھا
بکری جنت کے چوپایوں میں سے ہے اس کی رینٹ صاف کرو اور ان کے باڑوں میں نماز پڑھو۔

(۲) احسنوا الیھا وامیطوا عنھا الاذی
بکریوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور انکے آس پاس سے گندگی دور کرو

[1] جلد اول باب الصلوۃ فی النعال ص ۹۹

ت (۴۵) قَالَ الزُّهْرِیُّ لَا بَأْسَ بِالْمَاءِ مَالَمْ یُغَیِّرْهُ

امام زہری نے فرمایا پانی کے استعمال میں کوئی حرج نہیں اگر

(۳) صلوا فی مرابض الغنم فلا تصلوا فی اعطان الابل فانها خلقت من الشیاطین

بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھو اور اونٹ کے تھان میں نہ پڑھو کہ اونٹ شیطان سے پیدا کیے گئے ہیں۔

(۴) اذا ادرکتکم الصلوٰۃ وانتم فی مراح الغنم فصلوا فیها فانها سکینة وبرکة واذا ادرکتکم الصلوٰۃ وانتم فی اعطان الابل فاخرجوا منها فانها جن خلقت من الجن الاتری اذا نفرت کیف تشمخ بانفها۔

جب نماز کا وقت آجائے اور تم بکریوں کے باڑے میں ہو تو وہیں نماز پڑھ لو اس لئے کہ بکری میں سکینت اور برکت ہے اور جب نماز کا وقت ایسے موقع پر آئے کہ تم اونٹ کے تھان میں ہو تو باہر نکل جاؤ اس لئے کہ یہ جن ہیں اور جن سے پیدا کیے گئے ہیں۔ کیا نہیں دیکھتے کہ جب بگڑتے ہیں تو کیسے ناک چڑھاتے ہیں۔

موطا امام محمد میں ایک اور حدیث ہے اسے بھی ملاحظہ کرتے چلیں — فرمایا

احسن الی غنمك واطب مراحها وصل فی ناحیتها فانها من دواب الجنة [1]

بکریوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، انکے رہنے کی جگہ عمدہ اور صاف رکھو اور اسکے گوشے میں نماز پڑھو اس لئے کہ وہ جنتی چوپایوں میں سے ہیں

اس حدیث نے پوری بحث صاف کر دی کہ مرابض غنم میں نماز پڑھنے کا مطلب یہ نہیں کہ جہاں بکریوں کی مینگنیاں اور پیشاب ہوں وہاں پڑھو، بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کے کسی گوشے میں جو صاف و پاک ہو پڑھو۔

تشریحات (۴۵) امام زہری کا مطلب یہ ہے کہ پانی میں اگر نجاست گر جائے تو پانی اس وقت تک ناپاک ہوگا جبتک کہ پانی میں نجاست کا رنگ یا بو یا مزہ نہ آجائے خواہ پانی تھوڑا ہو خواہ زیادہ۔ مثلاً ایک چلو ہو یا پورا تالاب راکد ہو یا جاری۔

امام بخاری کا مسلک اور دیگر ائمہ کے مذاہب

اس سلسلے میں ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری کا بھی یہی مسلک ہے اور یہی امام مالک کا بھی ہے۔ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ بہت تھوڑا پانی ناپاک ہو جائے گا اگرچہ اس میں نجاست کا کوئی اثر ظاہر ہو لیکن اگر دو قلے یعنی دو مشکے ہے تو جب تک نجاست کا اثر پانی میں ظاہر نہ ہو پاک ہے۔

ہمارا مسلک یہ ہے۔ اگر پانی قلیل ہے تو بہر حال ناپاک ہو جائے گا اگرچہ نجاست کا اس میں کوئی اثر ظاہر نہ ہو اور اگر کثیر ہو تو ناپاک نہ ہوگا۔ جبتک نجاست کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو — یہ حکم ماء راکد کا ہے، ماء جاری قلیل ہو یا کثیر جبتک اس میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو پاک ہی رہے گا۔ ہاں اگر نجاست کا اثر ظاہر ہو تو ماء جاری بھی ناپاک، اصحاب ظواہر کو چھوڑ کر پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ پانی قلیل ہو یا کثیر جاری ہو یا راکد، جب اس میں نجاست پڑے اور نجاست کا کوئی اثر پانی میں ظاہر ہو جائے تو وہ بہر حال ناپاک ہے۔

[1] (ص ۱۴۴)

طَعْمُہٗ اَوْ رِیْحُہٗ اَوْ لَوْنُہٗ ع۵

نجاست اس کا رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے

اصحاب ظواہر قریب قریب اس کے قائل ہیں کہ پانی کسی حال میں بھی ناپاک نہیں قلیل ہو یا کثیر اس میں نجاست کا اثر ظاہر ہو یا نہ ہو۔ اصحاب ظواہر کا مذہب اتنا کمزور ہے کہ اب کوئی بھی اس کا قائل نہ رہا حتی کہ غیر مقلدین بھی اس بارے میں ظواہر کے ہمنوا نہیں۔ جو اس زمانے میں ظواہر کی گڑی ہڈیاں اکھاڑ اکھاڑ کر دنیا میں پھیلا رہے ہیں رہ گئے قابل اعتبار تو یہ تین مذہب ہیں۔

مولانا عبدالحی لکھنوی نے التعلیق الممجد میں باب الوضوء مما تشرب منہ السباع وتلسغ کے تحت لکھا ہے کہ سب سے راجح مالکیہ کا مذہب ہے۔ مولانا صاحب کی یہ عادت ہے کہ ایک دو جگہ نہیں کتنی جگہ مخالفین کے پروپیگنڈے سے مرعوب ہو کر ہتھیار ڈال دیا ہے بلکہ کہیں کہیں غیر مقلدیت کی بولی بولنے لگتے ہیں، یہی یہاں بھی کیا، آپ نے لکھا تو یہ ہے کہ سب مذاہب کے دریاؤں میں گھسا اور سب مذاہب کی کتابیں دیکھیں تو یہ سمجھا ہے۔ آئیے ہم ناظرین کو عینی شرح بخاری کا اس جگہ کا اقتباس دکھائیں تو معلوم ہوگا کہ ہو سکتا ہے کہ مولانا صاحب لکھنوی نے دیگر مذاہب کے دریاؤں میں غوطہ زنی کی ہو مگر مذہب حنفی کے دریا کے ساحل تک بھی اس مسئلہ میں نہیں پہنچے فتح الباری میں ہے:

چونکہ امام مالک نے اپنے مذہب میں قلیل وکثیر کی کوئی تفریق نہیں کی اس لئے اس پر ابو عبید نے کتاب الطہارۃ میں یہ اعتراض کیا کہ اس پر لازم آتا ہے کہ اگر پانی کے لوٹے میں کوئی پیشاب کر دے اور پانی کا وصف نہ بدلے تو اس پانی سے وضو وغیرہ (مثلاً پینا) سب جائز ہو حالانکہ یہ بات کتنی شنیع وقبیح ہے۔

اس لئے حدیث قلتین کی روشنی میں ما قلیل وکثیر کی حد قائم کر دی جائے۔ رہ گئی یہ بات کہ امام بخاری نے "حدیث قلتین" اپنی کتاب میں ذکر نہیں کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اسناد میں اختلاف ہے مگر اس کے راوی ثقہ ہیں اور ائمہ کی ایک جماعت نے اسے صحیح کہا ہے۔ البتہ قلتین کی مقدار پر اتفاق نہیں۔ امام شافعی نے احتیاطاً پانچ قرب حجازی مقرر فرمایا ہے، اسی سے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث "الماء لا ینجسہ شئی" کی تخصیص فرمائی۔

علامہ عینی کا تعقب

اس پر علامہ عینی لکھتے ہیں قلتین کی حدیث سے کوئی مدد کیسے لی جا سکتی ہے جبکہ ابن العربی نے کہا یا تو اس کا مدار علت پر ہے یا اس کی روایت میں اضطراب ہے یا وہ موقوف ہے۔ یہی کیا کم ہے کہ امام شافعی نے اس کی روایت ولید بن کثیر سے کی ہے یہ اباضی ہے اور اس کی روایت میں اختلافات ہیں قلتین بھی ہے قلتین او ثلاثا بھی ہے۔ اربعون قلۃ بھی ہے اور اربعون فرقا بھی ہے۔ یہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر پر موقوف ہے۔

ع۵ مسند عبداللہ بن وہب۔ ج۱ ص ۶۷

یعنی نے کہا۔ ابن مندہ نے باعتبار رواۃ اسے علی شرط مسلم صحیح کہا۔ مگر باعتبار روایت اس سے اعراض کیا اس لئے کہ اس میں کثیر اختلاف اور اضطراب ہے۔ امام مسلم نے غالباً اسی وجہ سے اسے ترک کردیا۔

میں کہتا ہوں کہ اسی اختلاف اسناد کی وجہ سے امام بخاری نے بھی اس کی تخریج نہیں کی۔ ابوعمر نے تمہید میں کہا حدیث قلتین کی وجہ سے امام شافعی نے جو مسلک اختیار کیا ہے وہ باعتبار نظر ضعیف ہے و باعتبار اثر غیر ثابت ہے۔ اس لئے کہ اس حدیث میں علماء کے ایک گروہ نے نقل سے کلام کیا ہے۔ دبوسی نے کتاب الاسرار میں کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور بہت سے لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا اس لئے کہ صحابہ اور تابعین نے اس پر عمل نہیں کیا۔

کیا لکھنوی صاحب نے علامہ عینی کی یہ تحقیق نہیں ملاحظہ کی تھی۔ تطویل کا خوف نہ ہوتا تو اور جو کچھ علماء احناف نے اس حدیث پر کلام کیا ہے وہ سب لکھتا۔

امام مالک کے مذہب پر کلام حضرت امام مالک کے مذہب کی تائید میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے جو حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان الماء لا ینجسہ شی الا ما غلب علی ریحہ وطعمہ ولونہ [1]

پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی جبتک کہ وہ پانی کی بُو اور اس کے مزہ اور اس کے رنگ پر غالب نہ آجائے۔

مگر یہ حدیث بھی لائق استناد نہیں۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بیہقی نے کہا یہ حدیث قوی نہیں۔

علاوہ ازیں اسی ابن ماجہ میں اس کے پہلے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے جسمیں تفصیل ہے۔

"ہم ایک تالاب پر پہنچے جسمیں ایک گدھا مرا پڑا تھا ہم نے یہ پانی استعمال نہیں کیا مگر جب اس تالاب پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہنچے تو فرمایا ان الماء لا ینجسہ شی [2] اس پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کرے گی۔"

اس کا امکان ہے کہ یہ ارشاد بھی اسی تالاب کے بارے میں ہو یا اسی قسم کے کسی اور تالاب یا گڈھے کے بارے میں ہو جیسا کہ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں اسی مضمون کی یہ حدیث ہے۔

ان الماء طہور لا ینجسہ شئ

یہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرسکتی

یہ بیر بضاعہ کے بارے میں ہے جس کا پانی جاری تھا۔ اس تفصیل سے قطع نظر صرف لفظ دیکھئے تو دھوکا ہوتا ہے کہ مطلق پانی کے بارے میں ہے۔

علاوہ ازیں اگر اس حدیث کو اپنے عموم پر رکھیں گے تو بہت سی احادیث سے تعارض لازم آئے گا جیسے لا یبولن احدکم فی الماء وغیرہ۔

مذہب امام شافعی پر کلام اولاً یہ حدیث قلتین لائق استناد نہیں۔ جیسا کہ گذر گیا۔

ثانیاً جب کسی روایت میں قلتین ہے کسی میں ثلاث قلال کسی میں اربعین قلۃ ہے کسی میں اربعین غربا ہے۔ تو عمل کس پر ہوگا۔

ثالثاً یہ مشکے کتنے بڑے ہوں گے۔ کہاں کے بنے ہوئے معتبر ہوں گے۔ رابعاً پھر قلہ لفظ مشترک ہے اس کے یہ معنی ہیں مٹکا، مشک

---

[1] ابن ماجہ طہارت باب الحیاض ص۴۱ [2] طہارت باب الحیاض ص۴۰

(۴۶) ت:- قَالَ حَمَّادٌ لَا بَأْسَ بِرِيشِ الْمَيْتَةِ عہ

حضرت حماد نے کہا کہ مُردار کا پَر پانی میں پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں

ت (۴۷) قَالَ الزُّهْرِيُّ فِي عِظَامِ الْمَوْتَى نَحْوَ الْفِيلِ وَغَيْرِهِ

امام زہری نے کہا مُردوں مثلاً ہاتھی کی ہڈیوں کے بارے میں

پہاڑ کی چوٹی، انسان کا قد، اونٹ، کسی ایک معنی کی تعیین کیسے ہوگی اور اگر آپ ہجر کے مٹکے کی تعیین بھی کریں تو وہ بھی چھوٹے بڑے ہر قسم کے ہوتے ہیں، کس مقدار کے آپ مراد لیں گے۔ خامسًا دوسری احادیث سے تعارض کا کیا جواب ہوگا

مذہب احناف کے دلائل اس کے بعد والے باب کی حدیث میں مفصل آتے ہیں۔

تشریحات (۴۶) مطلب یہ ہے کہ مردہ پرندے کا پر پاک ہے اگر پانی یا کسی اور چیز میں گر جائے تو پانی وغیرہ ناپاک نہ ہوں گے۔ یہی احناف کا بھی مسلک ہے۔ یہ حضرت حماد، حضرت امام کے استاذ فقیہ عراق ہیں ان کو بھی امام بخاری نے اپنی عنایتوں کا نشانہ بنایا ہے ان کو بھی مرجی لکھدیا۔ رحمہ اللہ واعف عنہ۔

تشریحات (۴۷) یعنی مردوں کی ہڈی پاک ہے حتی کہ ہاتھی کی بھی یہی احناف کا بھی مسلک ہے اس کی علت یہ ہے کہ مردار اس لئے ناپاک ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد دم مسفوح جو جانوروں کے جسم کے اندر دوڑتا رہتا ہے محبوس ہو جاتا ہے۔ دم مسفوح ناپاک ہے، اس لئے جہاں جہاں یہ جسم میں رکا وہ سب جگہ ناپاک ہوگئی، چونکہ ہڈی اور پر وغیرہ میں دم مسفوح جاتا ہی نہیں اس لئے موت سے ان کے ناپاک ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

امام زہری تابعی ہیں اس لئے سلف سے مراد ان کے پہلے کے علماء ہیں جو صحابہ اور صف اول کے تابعین ہیں۔ کفیٰ بنا قدوۃ۔

ہاتھی کے ذکر کی خصوصیت یہ ہے کہ امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یہ نجس العین ہے اس لئے ان کے نزدیک اس کی ہڈی ناپاک اور نجس ہوگی۔ مگر شیخین یعنی امام اعظم اور امام ابو یوسف کا مذہب یہی ہے کہ ہاتھی نجس العین نہیں اس لئے دیگر مردار کی طرح اس کی ہڈی بھی پاک ہے۔

مولوی انور شاہ کشمیری نے فیض الباری میں امام ابو یوسف کا مذہب یہ بتایا ہو کہ وہ ہاتھی کو نجس العین کہتے ہیں سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ۔

امام شافعی کے یہاں ہاتھی وغیرہ درندوں کی ہڈی ناپاک ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر ہاتھی کو بطریق شرعی ذبح کر دیا جائے تو اس کی ہڈی پاک ورنہ ناپاک۔

احناف کی دلیل حضرت ابن عباس کی یہ حدیث ہے کہ فرمایا۔

انما حرم من المیتۃ مایوکل منہا وھو اللحم مردار کا وہی جز حرام ہے جو کھایا جاتا ہے یعنی گوشت۔

عہ مصنف عبد الرزاق۔ لہ جلد اول ص ۳۳۲

أَدْرَكْتُ نَاسًا مِّنْ سَلَفِ الْعُلَمَاءِ يَمْتَشِطُوْنَ بِهَا وَيَدَّهِنُوْنَ

میں نے اپنے پہلے کے علماء کو اس پر پایا کہ ان ہڈیوں کا کنگھا استعمال کرتے تھے اور اسمیں

فِيْهَا لَا يَرَوْنَ بِهٖ بَاسًا

تیل استعمال کرتے تھے اور اسمیں کوئی حرج نہیں جانتے تھے

ت (۴۸) قَالَ اِبْرَاهِيْمُ وَابْنُ سِيْرِيْنَ لَا بَاسَ بِتِجَارَةِ

حضرت ابراہیم (نخعی) اور ابن سیرین نے فرمایا ہاتھی کے

الْعَاجِ عه

دانت کی تجارت میں کوئی حرج نہیں

نیز حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کہ فرمایا۔

لاباس بمسك الميتة اذا دبغ ولا بشعرها اذا غسل۔

مردار کے چمڑے سے نفع حاصل کرنے میں حرج نہیں جب اس کی دباغت کرلیجائے اور یونہی بال سے جب دھولیا جائے۔

تشریح (۴۸) یہ حضرت ابراہیم نخعی بھی حضرت امام اعظم کے اساتذہ میں سے ہیں اور حضرت امام بخاری کے معتوب امام بخاری نے انھیں بھی مرجی کہا ہے مگر فرخدلی یہ کہ ان کے قول کو حجت مانتے ہیں اور بطور سند پیش کرتے ہیں۔

اس سے امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان دو بزرگوں کے نزدیک بھی ہاتھی کا دانت پاک ہے اگر ناپاک ہوتا تو تجارت کی اجازت نہ ہوتی۔ جیسے مردار کے چمڑے کی تجارت اس لئے جائز نہیں کہ وہ ناپاک ہے۔

باب سے مطابقت باب یہ تھا کہ گھی اور پانی میں جو نجاستیں گرجاتی ہیں اس کا بیان۔ اس کے تحت یہ ذکر فرمایا کہ ہاتھی کے دانت کا کنگھا استعمال کرنا اور اس کی ڈبیہ میں تیل رکھکر اس تیل کو استعمال کرنے کو اسلاف جائز سمجھتے تھے۔ امام زہری کی تعلیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تیل میں ہاتھی کا دانت پڑجائے تو تیل پاک ہے۔

اب ایک عجیب الجھن ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ امام بخاری ہاتھی کے دانت اور مردار کی ہڈی کو پاک مانتے ہیں تو اس تعلیق کو باب سے کوئی مناسبت نہیں رہتی۔ لامحالہ کہنا پڑے گا کہ امام بخاری ہاتھی کے دانت اور مردار کی ہڈی کو ناپاک مانتے ہیں مگران کے تیل میں پڑنے سے انکا کوئی اثر تیل میں ظاہر نہیں ہوتا لہٰذا وہ تیل پاک ہے اور ان کا مسلک یہ ہے کہ ناپاک چیز کی تجارت جائز ہے۔ اب اس تعلیق کا پہلی والی تعلیق سے ربط بھی ہوجاتا ہے اور یہی تقریر اسمیں بھی جاری ہوگی۔ والعلم عنداللہ تعالیٰ۔

عه مصنف عبدالرزاق۔

(۱۷۲) حدیث الفارة اذا سقطت فی السمن

عَنْ مَیْمُوْنَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ فَارَۃٍ سَقَطَتْ فِیْ سَمْنٍ فَقَالَ اَلْقُوْھَا

سے یہ سوال ہوا کہ چوہا گھی میں گر جائے تو کیا کیا جائے تو فرمایا کہ چوہے کو اور

تشریحات (۱۷۲) تکمیل

بخاری کتاب الذبائح میں یہ زائد ہے، فماتت۔ نسائی میں بطریق عبد الرحمٰن بن مہدی یہ ہے۔ فی سمن جامد، اب اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اگر چوہا جمے ہوئے گھی میں گر جائے اور مر جائے تو چوہے کو اور چوہے کے ارد گرد جو گھی ہے اس کو پھینک دیا جائے اور بقیہ گھی کھایا جائے ابو داؤد اور نسائی میں ہے۔

وان کان مائعا فلا تقربوھا اور اگر پگھلا ہوا پتلا ہو تو اس گھی کے قریب نہ جانا

اس تکمیل سے بہت سے شبہات دور ہو گئے کہ یہاں بخاری میں جو حکم مذکور ہے وہ جمے ہوئے گھی کا ہے۔ اور پگھلے ہوئے پتلے گھی میں چوہا گر جائے تو کل گھی ناپاک ہے۔ اگرچہ گھی میں چوہے کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ تھوڑی چیز میں اگر کوئی نجاست گر جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گی خواہ نجاست کا کوئی اثر اس چیز میں ظاہر ہو خواہ نہ ہو۔ خواہ وہ چیز منجمد ہو خواہ رقیق۔ اس لئے کہ اگر منجمد گھی ناپاک نہ ہوتا تو چوہے کے ارد گرد کے گھی کے پھینکنے کا حکم نہ ہوتا۔ فرق یہ ہے کہ منجمد چیز صرف نجاست کے ارد گرد کی ناپاک ہو گی اور رقیق پوری۔

ایک تسامح

امام بخاری نے جلد دوم کتاب الذبائح میں اس حدیث پر جو باب باندھا ہے اس میں یہ اضافہ کر دیا فی السمن الجامد او الذائب مگر یہ غور نہیں فرمایا کہ اگر اس حدیث میں سمن سے ذائب پگھلا ہوا مراد لیں گے تو القوھا وما حولھا پر عمل کیسے ہو سکے گا جب گھی پگھلا ہوا ہو گا تو چوہے کا کوئی ماحول نہ ہو گا جب گھی پتلا ہے اور چوہا اس میں گرا تو مرتے مرتے تڑپ تڑپ کر کہاں کہاں گیا، کیا معلوم اب تو سب کا سب چوہے کا ماحول ہو گیا القوھا وما حولھا کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ حکم صرف جامد کے ساتھ خاص ہے۔

جس تیل یا گھی میں نجاست گر جائے تو اسے جلانا یا بیچنا جائز ہے یا نہیں۔ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے، احناف کے یہاں جائز ہے۔

ہماری دلیل اسی حدیث کی دوسری روایت ہے، جس میں یہ ہے

وان کان مائعا فاستصبحوا بہ وانتفعوا [1] اگر وہ گھی پتلا ہے تو اسے جلاؤ اور اس سے نفع حاصل کرو۔

---

[1] عینی جلد ثالث ص ۱۶۲-۳

وَمَا حَوْلَهَا وَكُلُوا سَمْنَكُمْ عه

چوہے کے اردگرد کے گھی کو پھینک دو اور اپنا گھی کھاؤ

بیہقی میں ہے:

ان کان السمن مائعا انتفعوا بہ ولا تاکلوا [ل] اگر گھی پتلا ہے تو اس سے نفع حاصل کرو اسے کھاؤ مت اسے بیچکر اس کی قیمت اپنے صرف میں لانا بھی ایک قسم کا نفع حاصل کرنا ہے۔ عبد الرزاق کی ایک روایت میں جو یہ آیا ہے کہ اس کے قریب مت جانا اس سے مراد یہی کھانا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے فلا تقربا ھذہ الشجرۃ میں مراد نہ کھانا ہے۔

برہانے تحقیق گھی کے حکم میں تمام تیل، شہد، داب (گڑ) وغیرہ ہیں کہ ان میں کوئی سوکھی نجاست گر جائے اور یہ جمے ہوں تو اس نجس چیز کے ساتھ اس کے اردگرد کو پھینک دیا جائے اور اگر رقیق پگھلا ہو تو سب ناپاک ہے۔

اس حدیث کی اسناد میں شدید اختلاف ہے جیسے دار قطنی نے بیان کیا ہے، اوزاعی کی زہری سے اور امام شافعی اور شعبی کی امام مالک سے جو روایت ہے اس میں حضرت میمونہ نہیں۔ ابن عباس براہ راست حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

ابن وہب کی روایت میں ابن عباس ساقط ہیں اور یحییٰ بن بکیر اور ابو مصعب کی روایت میں نہ ابن عباس ہیں نہ حضرت میمونہ — عبد الملک بن ماجشون نے یہ سند بیان کی۔ عن مالک عن الزھری عن عبد اللہ عن ابن مسعود اور عبد الجبار نے کہا عن الزھری عن سالم عن ابیہ۔ مگر عبد الملک سے وہم ہو گیا ہے۔

ابوداؤد میں بطریق عبد الرزاق یوں ہے عن الزھری عن سعید بن المسیب عن ابی ھریرۃ سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن الفارۃ تقع فی السمن قال اذا کان جامدا فالقوھا وان کان مائعا فلا تقربوہ۔ ابو عمر نے کہا، امام مالک سے اس حدیث کی سند میں سخت اضطراب ہے۔ اسمٰعیلی نے کہا یہ حدیث معلول ہے اس وجہ سے امام بخاری نے یہ ضروری جانا کہ اسے صاف کر دیں اس لئے فرمایا۔

معن نے کہا کہ مالک نے ان گنت بار مجھ سے حدیث بیان فرمائی جسمیں انھوں نے یہ کہا عن ابن عباس عن میمونۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس سے یہ افادہ فرمایا۔ صحیح یہی ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس سے بواسطہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مروی ہے۔

عه ایضا دو طریقے سے، جلد ثانی الصید والذبائح باب اذا وقعت الفارۃ فی السمن ص ۸۳۱ - ابوداؤد جلد ثانی اطعمہ باب الفارۃ تقع فی السمن ص ۱۸۱ - ترمذی جلد ثانی اطعمہ باب ما جاء فی الفارۃ تموت فی السمن ص ۲ - نسائی جلد ثانی فرع والعتیرۃ - باب الفارۃ تقع فی السمن - دارمی وضوء ۱۶۰ طعمہ ۴۱ - موطا امام مالک استیذان ۲۰ مسند امام احمد بن حنبل -

ل فتح الباری کتاب الاطعمہ

(۱۷۳) حدیث دم الشہید؛ عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کُلُّ کَلْمٍ یُکْلَمُہُ الْمُسْلِمُ

کہ راہ خدا میں مسلمان کو جو بھی زخم لگے گا قیامت کے دن

تشریحات (۱۷۳)

باب سے مناسبت اس حدیث کو باب سے بظاہر کوئی مناسبت نہیں۔ علامہ عینی نے لکھا۔ یہ حدیث شہید کے فضائل کی ہے اسے امام بخاری طہارت میں کیوں لائے؟ پھر شہید کی جو فضیلت بیان ہوئی ہے اس کا تعلق عالم آخرت سے ہے اور پانی کی طہارت ونجاست کا تعلق احکام دنیا سے ہے۔ ایسے موقع پر معمولی درجے کی بھی کوئی معقول مناسبت نکل آئے تو کافی ہے۔ علامہ عینی نے یہ وجہ مناسبت بیان فرمائی ہے۔

پانی اصل میں پاک ہے۔ مگر نجاست سے متاثر ہونے کے بعد جب اس صفت پر نہیں رہتا جس پر اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تھا تو ناپاک ہو جاتا ہے۔۔ اس سے معلوم ہوا کہ تغیر وصف تغیر حکم کا سبب ہے۔ اس کی ایک نظیر ذکر کر دی۔ جیسے شہید کا خون کہ اصل میں ناپاک تھا مگر شہادت کی وجہ سے وہ پاک ہو گیا، اس کی بو بدل گئی تو اب پاک ہو گیا۔ اسی وجہ سے شہید کو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ اس کا خون دھویا جائے گا۔ قیامت کے دن اس کا مرتبہ سب پر ظاہر ہو جائے۔

علامہ عینی کا مقصد یہ ہے کہ باب اور اس حدیث میں قدر مشترک یہ ہے کہ تغیر وصف مدار احکام ہے۔ اتنی مناسبت کافی ہے۔ بخاری کے اس قسم کے ابواب میں شراح نے کہیں کہیں ضرورت سے زیادہ اپنی ذہانت اور زور طبع دکھایا ہے۔ یہاں بھی کافی مشق ہوئی ہے تفصیل کے لئے فتح الباری اور عینی کا مطالعہ کریں۔ اردو شارحین نے بھی زور آزمائی کی ہے۔ مگر علامہ عینی سے زیادہ لگتی ہوئی بات کوئی کہہ نہ سکا اور بعض تو محض بہکی ہیں۔

مسائل اس حدیث سے شہید کی عظیم فضیلت ثابت ہوئی کہ مدتہائے دراز بلکہ دو دو عالم کے تغیر کے بعد تیسرے عالم قیامت میں بھی شہید کا زخم ہرا بھرا رہے گا جس سے خون نکلتا ہوگا۔ تاکہ شہید کو جو اللہ اور رسول کیسا جنون خیز عشق تھا اس کا نظارہ پوری دنیا کرلے اور اس کی جاں نثاری وجاں سپاری چشم سر سے دیکھ لے۔

ع خوشا رسمے بنا کردند بخاک وخون غلطیدن

اور ان کی مظلومیت سب پر آشکارا ہو جائے۔ پھر الطاف خداوندی کی شہیدوں پر جو بارش ہوا سے بھی محسوس کریں کہ اتنی مدت کے بعد زخم کا کیا حال ہونا چاہئے مگر حال یہ ہے کہ اس سے مشک کی خوشبو اٹھ رہی ہے۔

شہید کا خون پاک ہے اس لئے یہ جائز نہیں کہ شہید کو غسل دیا جائے، ان کا خون دھویا جائے یا خون آلود کپڑے ان کے جسم سے اتارے جائیں۔ خون میں لت پت دفن کریں گے۔ تاکہ روز محشر شہید کہہ سکیں۔

ع تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشا ئیست

فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ يَكُوْنُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَهَيْئَتِهَا اِذْ طُعِنَتْ تَفَجَّرُ وَمَا اللَّوْنُ

ویسا ہی ہوگا جیسا گئے کے وقت تھا جس سے خون بہے گا رنگ تو

لَوْنُ الدَّمِ وَالْعَرْفُ عَرْفُ الْمِسْكِ [۵]

خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی

حدیث (۱۷۴) لا یبولن احد کم فی الماء الدائم

اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو

تشریحات (۱۷۴)

باب سے مطابقت امام بخاری نے باب باندھا ہے البول فی الماء الدائم حدیث کا پہلا جز ہے۔ نحن الآخرون السابقون، اس کا باب سے کوئی تعلق نہیں اور تعلق پیدا کرنے کی کوشش بے سود ہے۔ اسے ذکر کرنے کی حکمت میں جو بات سب سے زیادہ چسپاں ہوتی ہے وہ یہ ہے۔ عبد الرحمن بن ہرمز اعرج کے پاس احادیث کا صحیفہ تھا اسی طرح ہمام بن منبہ کے پاس بھی تھا۔ دونوں کی ابتداء میں یہ حدیث نحن السابقون الاولون روایت ہے امام بخاری کی عادت ہے کہ جب ان دونوں صحائف میں سے کسی صحیفے کی کوئی حدیث ذکر کرتے ہیں تو بطور علامت اتنا حصہ بھی ذکر کر دیتے ہیں جیسے امام مسلم کی عادت ہے کہ ایسے موقع پر فذکر الاحادیث، ومنها هذا الحديث کا ذکر کرتے ہیں۔

اس باب کے علاوہ مندرجہ ذیل ابواب میں امام بخاری نے ایسا ہی کیا ہے۔

کتاب الجہاد۔ باب یقاتل من وراء الامام ویتقی بہ ص ۴۱۵ بطریق اعرج

کتاب الدیات۔ باب القصاص بین الرجال والنساء ص ۱۰۱۷ " "

کتاب التوحید۔ باب قول اللہ یریدون ان یبدلوا کلام اللہ ص ۱۱۱۶ " "

کتاب الایمان والنذور۔ باب اول ص ۹۸۰ " ہمام

کتاب التعبیر۔ باب النفخ فی النوم ص ۱۰۴۲ " "

---

[۵] ایضا جہاد باب من یخرج فی سبیل اللہ ص ۳۹۳۔ ایضا جلد ثانی ذبائح، باب المسک ص ۸۳۰۔ مسلم جلد ثانی۔ امارۃ۔ باب فضل الجہاد ص ۱۳۳۔ ترمذی جلد اول فضائل جہاد باب ما جاء فی فضل من یکلم فی سبیل اللہ ص ۱۹۹۔ نسائی جلد ثانی جہاد باب من کلم فی سبیل اللہ ص ۵۹۔ نسائی جلد اول جنائز باب مواراۃ الشہید فی دمہ ص ۲۸۲۔ موطا امام مالک جہاد ص ۲۹۔ مسند امام احمد۔

صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ
یہ فرماتے ہوئے سنا — ہم سب سے پچھلے — سب سے سبقت لے جانے والے ہیں
وَبِاِسْنَادِہٖ قَالَ لَا یَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِیْ
اور اسی سند سے یہ فرمایا — تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں — جو بہتا نہ ہو

لیکن اس پر پوری پابندی نہیں۔ ص۱۱۱ پر بطریق زناد عن الاعرج یہی روایات ذکر کی ہیں مگر کسی میں یہ حصہ نہیں البتہ بطریق ہمام دو جگہ ہے دونوں جگہ نحن الاخرون السابقون بھی ہے۔

یہ ایک طویل حدیث کا جز ہے

یہ ایک حدیث کا جز ہے جو کتاب الجمعہ کی پہلی حدیث ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ظہور میں سب سے آخر ہیں مگر بقیہ تمام باتوں میں سب امتوں سے آگے ہیں ہمارا فضل و شرف زائد تھوڑے اعمال پر ثواب سب سے زائد۔ قیامت کے دن سب سے پہلے ہمارا معاملہ فیصل ہوگا اور سب سے پہلے جنت میں جائیں گے۔

ماء قلیل کا حکم

تھوڑے پانی میں نجاست پڑنے سے ناپاک ہوگا یا نہیں، یا ناپاک ہوگا تو کب ہوگا۔ یہ مسئلہ فقہ کے اہم ترین مسائل میں سے ہے۔ ہمیشہ معرکۃ الآراء رہا ہے اور اب غیر مقلدین کی وجہ سے یہ لڑائی جھگڑے کا سبب بن گیا ہے۔ غیر مقلدین کا مذہب یہ ہے کہ تھوڑے پانی میں اگر کوئی نجاست گر جائے اور نجاست کا کوئی اثر پانی میں ظاہر نہ ہو تو وہ پانی پاک ہے۔ مثلاً ایک لوٹے پانی میں ماشہ دو ماشہ پیشاب پڑ جائے تو وہ پاک ہے۔ اسے پیو اس سے کھانا پکاؤ، کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ ان کے نواب شوہر ریاست بھوپال نے طریقۂ محمدیہ[1] ص۶۶ پر لکھا ہے ان کے اشرار کا یہ حال ہے، جہاں ان کا بس چلتا ہے وہاں کنووں میں گوبر لاکر ڈال دیتے ہیں تاکہ احناف پریشان ہوں، یا تو یہی ناپاک پانی پئیں یا پھر اسے پاک کرنے کی دقت میں پڑیں یا کہیں اور سے پانی لائیں۔

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ پانی کی تین قسمیں ہیں۔ اول، ماء جاری بہنے والا پانی جیسے دریا یا نہر کا پانی، یہ قلیل ہو یا کثیر اس میں نجاست اگر پڑے گی تو صرف اتنا ہی حصہ ناپاک ہوگا جتنے میں نجاست کا اثر ظاہر ہو۔ وہ بھی اس وقت تک جب تک وہ اثر باقی رہے پھر سب پاک، یہی حکم سمندر کا بھی ہے۔

دوم کنوئیں کا پانی۔ اس میں پانی جمع رہتا ہے جوں جوں خرچ ہوتا رہتا ہے نیچے سوتے سے آتا رہتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ نجاست گرنے سے کنوئیں کا کل پانی ناپاک ہو جائے گا مگر کنوئیں میں موجود پانی نکال دینے سے کنواں پاک ہو جائے گا اسلئے کہ ناپاک پانی کی جگہ پاک پانی آگیا۔

سوم۔ تالاب حوض وغیرہ کا پانی۔ جو اپنی حد میں محدود رہتا ہے، اس میں سے نکلنے کے بعد اس کی جگہ دوسرا نہیں آتا۔ یہی دونوں قسم متنازع فیہ ہے۔ غیر مقلدین کے یہاں کنوئیں چھوٹے گڑھے بلکہ گھڑے لوٹے بلکہ گلاس بلکہ چلو میں کتنی ہی نجاست پڑ جائے

[1] اس کتاب پر غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین دہلوی نے بھی مہر کی اور لکھا اس پر موحدین (غیر مقلدین) بے دھڑک عمل کریں۔

لَا یَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِیْ لَا یَجْرِی ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیْهِ ع۵

ہرگز پیشاب نہ کرے پھر اس میں غسل کرے

وہ پاک ہی ہے جب تک کہ نجاست کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر پانی دو قلے یعنی پانچ مشک سے کم ہو تو ناپاک ہو جائے گا اگرچہ نجاست کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو، دو قلے یا اس سے زائد ہو تو ناپاک نہ ہوگا جب تک کہ اس میں نجاست کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو۔

ہمارا مسلک یہ ہے کہ اگر یہ پانی قلیل ہے تو نجاست گرتے ہی سب کا سب ناپاک۔ اس لئے کہ اس میں نجاست پڑتے ہی پھیل کر سب پانی میں مل جائے گی۔ اس لئے کہ پانی کی یہ خاصیت ہے کہ اس میں کچھ ڈالو تو وہ چیز بہت تیزی سے پانی میں تحلیل ہو کر پھیلنے لگتی ہے۔ اور اگر کثیر ہے تو جب تک نجاست کا کوئی اثر اس میں ظاہر نہ ہو وہ پانی پاک ہے۔ جتنی دور تک یا جتنی دیر نجاست کا اثر پانی میں ظاہر ہوگا پانی ناپاک رہے گا، قلیل و کثیر میں حد فاصل یہ ہے کہ پانی اگر کسی ایسے تالاب یا حوض میں ہو کہ اگر اس کے ایک طرف ہلایا جائے تو دوسرا کنارہ نہ ہلے تو کثیر ہے ورنہ قلیل۔ عوام کی آسانی کیلئے علما نے اس کی مقدار دہ در دہ رکھی ہے۔

قلیل و کثیر میں تفریق خود احادیث سے ثابت ہے۔ اس کے قبل والے نمبر میں حدیث گذری کہ ایسے تالاب کے بارے میں جس میں گدھا مرا پڑا تھا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کے پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کر سکتی اسکے بالمقابل یہ حدیث باب ہے کہ فرمایا۔۔۔ رُکے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب مت کرو پھر اس میں نہاؤ۔ ترمذی اور نسائی میں ہے، پھر وضو کرو۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے پھر پیو۔

حدیث کا سیاق صاف صاف بتا رہا ہے۔ پیشاب کرنے سے ممانعت صرف اس وجہ سے ہے کہ پیشاب پڑنے سے وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے اور قابل غسل نہ رہے گا۔

اس پر امام غیر مقلدین ابن تیمیہ نے یہ کہا۔ یہ ممانعت اس لئے نہیں کہ پانی ناپاک ہو جائیگا بلکہ اس بنا پر ہے اگر بار بار لوگ پیشاب کرتے رہیں گے تو پھر اس میں پیشاب کا اثر ظاہر ہو جائے گا اور وہ پانی ناپاک ہو جائے گا۔

یہ ابن تیمیہ ہے جس کی تعریف سے غیر مقلدین تو غیر مقلدین دیوبندی بھی نہیں تھکتے۔ یہ حدیث کی حجامت بنانی ہے۔ خود راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حدیث کا مطلب سمجھا ہے وہ ابن تیمیہ کا رد ہے۔

طحاوی میں ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی کسی تالاب پر گذرے تو کیا اس میں پیشاب کر سکتا ہے، فرمایا: نہیں، ہو سکتا ہے اس کے بعد کوئی اُس سے غسل کرے اور پیئے۔

ع۵ مسلم جلد اول طہارت باب النہی عن البول فی الماء الراکد صـ۱۳۸، ابو داؤد جلد اول طہارت باب البول فی الماء الراکد صـ۱۰، نسائی جلد اول طہارت باب الماء الدائم صـ۱۲، ابن ماجہ طہارت، باب النہی عن البول فی الماء الراکد صـ۲، دارمی، وضوء ۵۴ مسند امام احمد،

دوسری حدیث یہ ہے جو گذر چکی۔

اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیرقہ ویغسلہ سبع مرار۔

جب کتا تمھارے برتن میں منہ ڈالدے تو برتن میں جو کچھ ہو پھینک دو اور برتن کو سات بار دھولو۔

یہ حکم مطلق ہے کتے کے لعاب ظاہر ہونے یا نہ ہونے کی کوئی تخصیص نہیں اس لئے ثابت ہوگیا کہ کتے کے منہ ڈالتے ہی برتن اور برتن میں جو کچھ ہے سب ناپاک۔

تیسری حدیث وہی ہے جو اس سے پہلے والے نمبر میں گذری کہ بطریق عبدالرزاق یہ زائد ہے

وان کان مائعا فلا تقربوہ

اگر گھی پتلا ہو اور اس میں چوہا مر جائے تو اس کے قریب مت جانا

چوتھی حدیث یہ ہے جسے حضرت ابوہریرہ نے روایت کیا کہ فرمایا۔

لایغتسل احدکم فی الماء الدائم وھو جنب فقال کیف یعمل یااباھریرۃ قال یتناولہ تناولا[1]

رُکے ہوئے پانی میں کوئی اس حال میں غسل نہ کرے جب کہ وہ جنبی ہو سُننے والے نے پوچھا اے ابوہریرہ پھر وہ کیا کرے؟ فرمایا پانی لے کر باہر نہائے۔

جنابت کی حالت میں نہانے سے ممانعت اسی وجہ سے ہے کہ جنابت میں عموماً کپڑے اور جسم پر منی لگی رہتی ہے۔ جب رکے ہوئے پانی میں نہائے گا تو سب پانی ناپاک ہو جائے گا۔

پانچویں حدیث انھیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ یہ جلد اول میں گزر چکی ہے کہ۔

اذا استیقظ احدکم من نومہ فلیغسل یدہ قبل ان یدخلھا فی وضوئہ فان احدکم لا یدری این باتت یدہ

جب سو کر اٹھو تو وضو کے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھوں کو دھولو۔ تم نہیں جانتے، رات ہاتھ کہاں رہا۔

یہ تمام احادیث بصراحت اس پر دلالت کرتی ہیں کہ پانی میں اگر ناپاک چیز پڑجائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اس میں نجاست کے اثر ظاہر ہونے نہ ہونے کی کوئی تخصیص نہیں۔ اب یہ احادیث پہلی حدیث کے معارض ہوئیں، ان میں تطبیق یہی ہے کہ پہلی قسم کی تمام احادیث ماء کثیر کے بارے میں ہے اور قسم ثانی کی احادیث ماء قلیل کے بارے میں۔

آجکل غیر مقلدین اپنے مدعا پر بیر بضاعہ والی حدیث پیش کرتے ہیں جو ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا ہم بیر بضاعہ سے وضو کر سکتے ہیں، یہ ایسا کنواں تھا جس میں حیض کے گندے کپڑے، مردار کتے اور گندگیاں پھینکی جاتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرے گی۔

پھر امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ بیر بضاعہ پر چادر پھینک کر ناپا تو اس کی چوڑائی چھ ہاتھ کی، اور میں نے محافظ سے پوچھا کہ اسکی عمارت

[1] مسلم جلد اول ص ۱۳۱۔

ت (۴۹) وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا رَاَى فِي ثَوْبِهٖ دَمًا وَهُوَ يُصَلِّي وَضَعَهٗ

حضرت ابن عمرؓ اگر نماز کی حالت میں کپڑے پر خون دیکھ لیتے تو کپڑا رکھ دیتے

ہیں کچھ ردوبدل ہوا ہے؟ تو اس نے بتایا کہ نہیں۔ ان سب تفصیل سے ظاہر ہے کہ بیر بضاعہ صرف چھ ہاتھ چوڑا الخ تو اسکا پانی مارکثیر نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواب امام طحاوی نے پورے شرح وبسط کے ساتھ دیا ہے۔ پہلا جواب یہ دیا۔

کانت طریقا للماء الی البساتین فکان الماء لایستقر فیھا۔ قد حکی ھذا عن الواقدی

بیر بضاعہ باغوں میں پانی لیجانے کی نہر تھی اس میں پانی ٹھہرتا نہیں تھا۔ یہ امام واقدی سے مروی ہے

یہاں قابل غور بات یہ ہے چھ ہاتھ چوڑے کنوئیں میں وہ سب گندگیاں جو مذکور ہوئیں تو بہت ہیں اگر صرف مردار کتا ایک عدد پھینک دیا جائے تو کیا اس مردار کی بدبو پانی میں نہیں آئے گی؟ پھر بھی احادیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیر بضاعہ کا پانی پیا اس سے وضو فرمایا اور صحابہ کو وضو کرنے کی اجازت دی۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ بیر بضاعہ کی حیثیت وہی تھی جو اب مدینہ طیبہ کی نہر زرقا اور مکہ معظمہ کی نہر زبیدہ کی ہے کہ اندر اندر لمبی نہر ہے اور پانی لینے کے لئے جگہ جگہ کنوئیں بنا دیئے گئے ہیں ورنہ ان سب غلاظتوں کے ڈالے جانے کے بعد کنوئیں کے پاس کھڑا رہنا مشکل ہوتا۔ بات وہی تھی کہ چونکہ بیر بضاعہ زیر زمین ایک نہر تھی جس پر کنواں بنا دیا گیا تھا اس میں کچھ بھی ڈالا جاتا بہ جاتا۔ اس لئے اس کا پانی پاک تھا۔

امام واقدی پر جو جرحیں حضرات شوافع یا دوسرے اصحاب نے کی ہیں وہ ثابت نہیں۔ احناف کے نزدیک امام واقدی ثقہ ہیں۔ امام ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

قال فی الامام جمع شیخنا ابو الفتح الحافظ فی اول کتابہ المغازی والسیر من ضعفہ و من وثقہ ورجح توثیقہ وذکر الاجوبۃ عما قیل فیہ [1]

ہمارے شیخ ابو الفتح حافظ نے اپنی کتاب "المغازی والسیر" کے شروع میں سب کو جمع کر دیا ہے جنھوں نے انھیں ضعیف کہا اور جنھوں نے انکو ثقہ کہا ثقہ ہونے کو راجح بتایا اور امام واقدی کے بارے میں جو کچھ کہا گیا سب کے جوابات دیئے۔

تشریحات (۴۹-۵۰)

باب سے مطابقت

امام بخاری نے ان تعلیقوں پر یہ باب باندھا ہے۔

اذا القی علی ظھر المصلی قذرا وجیفۃ لم تفسد علیہ صلوتہ۔ نمازی کی پیٹھ پر گندگی یا مردار ڈالا جائے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ ابواب طہارت میں سلسلہ وضو کا چل رہا تھا یہ بیچ میں کتاب الصلوۃ کا مسئلہ کیوں ذکر کر دیا۔ اس باب کا ابواب وضو سے کوئی تعلق نہیں۔ مناسبت پیدا کرنے کی لوگوں نے بہت کوشش کی ہے مگر سب بے سود۔

بات اصل یہ ہے کہ امام بخاری ترتیب کے ساتھ مسائل بیان کرنے کے بہت زیادہ پابند نہیں جو ان کی اس کتاب میں نظر کریگا اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی۔ کتاب الوضو کے ابواب پر نظر ڈالئے کتنے ابواب وضو کے علاوہ دوسروں کے آگئے ہیں

[1] فصل آثار۔ نول کشور ص ۴۵

وَمَضٰى فِي صَلٰوتِهٖ

اور نماز پوری کرلیتے

ت (٥٠) وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ وَالشَّعْبِيُّ اِذَا صَلّٰى وَفِيْ ثَوْبِهٖ دَمٌ

ابن مسیب اور شعبی نے کہا جب نماز پڑھ لی اور اس کے کپڑے پر

اَوْجَنَابَةٌ اَوْلِغَيْرِ الْقِبْلَةِ اَوْتَيَمَّمَ فَصَلّٰى ثُمَّ اَدْرَكَ الْمَاءَ فِيْ وَقْتِهٖ

خون یا منی لگی تھی یا غیر قبلہ کو منہ تھا یا تیمم کرکے نماز پڑھی اور وقت کے اندر اندر پانی مل گیا

لَا يُعِيْدُ

تو نماز لوٹائے نہیں

شلاً استنجا وغیرہ کے مسائل اسی طرح یہ بھی ایک باب ہے۔

ذکر یہ چل رہا تھا کہ پانی میں نجاست پڑنے سے کبھی پانی پر ناپاک ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے کبھی نہیں۔ یہ باب بھی کچھ اسی قسم کا ہے کہ بدن اور کپڑے پر نجاست لگی مگر بدن اور کپڑے کو ناپاک ہونے کا حکم نہیں دیا گیا۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز شروع کرتے وقت اگر کپڑے یا بدن پر نجاست لگی ہو اور اس کا علم ہو تو نماز صحیح نہ ہوگی لیکن اگر درمیان نماز نجاست لگی یا مصلی کے علم میں آئی تو پھر دو صورت ہے، اگر نجاست اثنا نماز میں لگی تو نجاست لگنے سے پہلے جو پڑھی وہ ہوگئی۔ جب نجاست لگی فوراً فرض ہے کہ مصلی اسے دور کرے اور سابقہ نماز پر بنا کرے اگر مانع بنا کا ارتکاب نہ ہوا ہو تو۔ اور اگر نماز شروع کرنے سے پہلے نجاست لگی ہے اور اثنا نماز میں معلوم ہوا کہ کپڑے میں نجاست لگی ہے تو فرض ہے نماز کو نئے سرے سے پڑھے۔ اور اثر ابن عمر اسی پر محمول ہے کہ وہ نجاست اثنا نماز میں لگی تھی، اس لئے کہ ایسے جلیل القدر صحابی سے مستبعد ہے کہ اتنے بے پرواہ ہوں کہ کپڑے میں نجاست لگ جائے اور انھیں خبر نہ ہو، حتی کہ نماز شروع کردیں۔

باب کی غایت اس باب سے امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر اثنا نماز میں نمازی کے بدن پر یا کپڑے پر نجاست پڑ جائے تو نماز نہ توڑے بدستور پڑھتا رہے نماز صحیح ہوگی۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اس پر امام بخاری نے پہلی دلیل اثر ابن عمر پیش کی ہے۔ کہ وہ نماز کی حالت میں کپڑے پر نجاست دیکھتے تو اسے اتار کر رکھ دیتے اور نماز پوری کرلیتے۔

اس اثر سے باب ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ امام بخاری نجاست سے آلودہ ہونے کے باوجود نماز جاری رکھنے کو کہتے ہیں، اور حضرت ابن عمر کا یہ عمل تھا کہ وہ نجاست لگتے ہی کپڑے کو اتار دیتے یا فوراً دھو کر نماز پڑھتے۔ جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں مفصل ہے۔

انہ کان اذا کان فی الصلوۃ فرای فی ثوبہ دما حضرت ابن عمر اگر نماز کی حالت میں کپڑے پر خون دیکھتے اور

(۱۷۵) حدیث طرح الاشقیاء الجیفة علی ظہر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

اِنَّ عَبْدَ اللّٰہِ حَدَّثَہٗ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فاستطاع ان یضعہ وضعہ وان لم یستطیع خرج فغسلہ ثم جاء یبنی علی ماکان صلی ؎ — اسے اتار سکتے تو فوراً اتار دیتے اور اگر اسے اتارنے پر قادر نہ ہوتے تو دھوتے پھر آکر پہلے پڑھی ہوئی نماز پر بنا کرتے۔

باب کا مقصد تو یہ تھا کہ جیسے ابتدار نماز میں کپڑے اور بدن کا نجاست سے پاک رہنا ضروری ہے اسی طرح اثنار نماز میں ضروری نہیں۔ اثنار نماز میں اگر نمازی کے بدن یا کپڑے کو نجاست لگ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ بدن اور کپڑے کو ابھی پاک کرنے کی ضرورت نہیں۔

اور اثر ابن عمر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر اثنار نماز میں کپڑے کو نجاست لگ جائے تو فوراً پاک کرے یا کپڑا اتار دے ناپاک کپڑے کے ساتھ نماز نہ پڑھے۔ امام بخاری نے باب پر دوسری دلیل حضرت سعید بن مسیب اور حضرت شعبی کا یہ فتویٰ نقل فرمایا:۔

جب کوئی ایسی حالت میں نماز پڑھے کہ اس کے کپڑے پر خون یا منی ہو یا اس کا رُخ قبلے کے علاوہ اور کسی طرف ہو یا تیمم سے نماز پڑھی پھر وقت کے اندر اندر پانی مل گیا تو نماز نہ لوٹائے۔

امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ابتدار نماز میں اگر کوئی نجاست لگی یا غیر قبلہ کی طرف منہ ہو تو نماز نہیں ہوگی۔ اگر مصلی کے علم میں یہ بات ہے جب اس پر اتفاق ہے۔ اس لئے ان دونوں حضرات کے فرمانے کا مطلب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ابتداہی میں یہ صورت تھی اور مصلی جانتا تھا، لامحالہ ان حضرات کے فتوی کا مطلب یہی ہوگا کہ اثنار نماز میں کوئی نجاست لگی اور نمازی کے علم میں آئی یا ابتدار میں لگی تھی نمازی اس پر مطلع نہ تھا، اثنار نماز میں مطلع ہوا۔ تو نماز ہوگئی۔ لیکن یہاں دو معروضے ہیں، ایک یہ کہ ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ خون اور منی کو پاک مانتے ہوں دوسرا یہ کہ ہوسکتا ہے خون اور منی قدر درہم۔ سے کم اتنی ہو جو معاف ہے۔ تو ابتدار ہی سے اگر کپڑے میں خون اور منی لگی ہو تو کیا حرج ہے۔ رہ گیا غیر قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز کا مسئلہ تو اس سے کسے انکار ہے۔ تحری کے بعد جس رُخ نماز پڑھے گا ہو جائے گی، اگرچہ وہ واقع میں جہت قبلہ نہ ہوا سلئے کہ تحری کے بعد جہت تحری ہی جہت قبلہ ہے۔ اس مسئلے کا باب سے کیا علاقہ، اسی طرح تیمم کرکے نماز پڑھ لی پھر پانی ملا تو نماز کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ اسے بھی باب سے کوئی تعلق نہیں مگر چونکہ یہ سب ایک ارشاد تھے اسلئے ان سب کو ذکر فرمادیا۔

تشریحات (۱۷۵)
حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ چہیتی اور پیاری صاحبزادی ہیں۔ جنھیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بضعۃ منی فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا:

فاطمۃ سیدۃ نساء اہل الجنۃ ؎۲ — فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

ؔ ؎ عینی جلد ثالث ص ۱۷۰، ؎۲ بخاری جلد اول المناقب باب ذکر فاطمۃ ص ۵۳۱ مسند امام احمد

كَانَ يُصَلِّي عِنْدَ الْبَيْتِ وَأَبُو جَهْلٍ وَّأَصْحَابٌ لَهُ جُلُوسٌ إِذْ قَالَ

بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے ابوجہل اور اس کے کچھ ساتھی بھی بیٹھے

بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ أَيُّكُمْ يَجِيْءُ بِسَلَا جَزُوْرِ بَنِيْ فُلَانٍ فَيَضَعُهُ

ہوئے تھے کہ انھوں نے آپس میں یہ کہا کہ تم میں کون ہے کہ جو فلاں قبیلے میں اونٹنی ذبح ہوئی ہے

علمائے اہلسنت میں ایک گروہ اس کا قائل ہے کہ یہ مطلقاً دنیا کی تمام عورتوں سے افضل ہیں، انکی دلیل یہی حدیث ہے۔ اس پر بقدر ضرورت پہلے حصے میں بحث گذر چکی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں یہ سب سے چھوٹی تھیں۔ بعثت کے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ ایک قول یہ ہے کہ سن بعثت میں بعثت کے بعد پیدا ہوئیں مگر یہ صحیح نہیں۔ صحیح وہی قول اول ہے۔

سنہ۲ھ میں غزوہ بدر کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکا عقد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کیا۔ ماہ رمضان میں عقد ہوا اور ماہ ذوالحجہ میں رخصتی ہوئی چار سو مثقال چاندی مہر مقرر ہوا[1]۔ ان ایام کی عادت کے مطابق مہر معجل یعنی پیشگی مہر کی ادائیگی میں حضرت علی نے وہ زرہ پیش کی جو غزوہ بدر میں ان کو ملی تھی[2] چار سو مثقال چاندی انگریزوں کے زمانے میں جو چاندی کا روپیہ چلتا تھا اس سے ایک سو ساٹھ روپے[3] بھر ہوتی ہے۔

حضرت سیدہ کے بطن سے تین صاحبزادے امام حسن، امام حسین، محسن ہوئے۔ محسن صغر سن میں وصال کر گئے تھے۔ صاحبزادیاں حضرت زینب، ام کلثوم، رقیہ ہیں[4]۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد ۳ رمضان شریف سہ شنبہ کی رات میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں رات ہی میں حسب وصیت دفن ہوئیں۔ حضرت علی ہی نے غسل بھی دیا اور نماز جنازہ بھی پڑھائی۔ صحیح یہی ہے[5] کہ مزار پاک قبہ عباس میں ہے جہاں دیگر اہل بیت کرام کے مزارات ہیں۔

ان سے اٹھارہ حدیثیں مروی ہیں، صحیحین میں ایک ہے۔ ان سے ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی ایک حدیث روایت کی ہے[6] وصال کے وقت عمر مبارک کیا تھی اس میں مختلف اقوال ہیں۔ صاحب اکمال نے اٹھائیس لکھا ہے، علامہ عینی نے لکھا ہے کہ واقعہ احد کے بعد شادی ہوئی اور شادی کے وقت عمر مبارک پندرہ سال پانچ ماہ کی تھی۔ غزوہ احد سنہ۳ھ کے شوال میں ہوا، اس حساب سے وصال کے وقت عمر مبارک زیادہ سے زیادہ تیئس سال کی تھی۔

ولادت مبارکہ کے سلسلے میں سب سے مشہور روایت وہ ہے جو ابن جوزی نے لکھا ہے یعنی بعثت سے پانچ سال پہلے، اسطرح نکاح کے وقت عمر مبارک اٹھارہ سال تھی۔ یہی اصابہ وغیرہ میں ہے۔ اس تقدیر پر اکمال کی یہ بات درست ہے کہ وصال کے وقت عمر مبارک اٹھائیس سال تھی۔

---

[1] فتاوی رضویہ جلد پنجم ص ۸ - ۳۱۳ [2] مدارج النبوۃ نولکشور جلد دوم ص ۱۰۵ [3] فتاوی رضویہ ص ۸ - ۳۱۳ [4] اکمال [5] مدارج جلد دوم ص ۵۹۱ - [6] عینی جلد ثالث ص ۱۷۴

عَلٰی ظَهْرِ مُحَمَّدٍ إِذَا سَجَدَ، فَانْبَعَثَ أَشْقَى الْقَوْمِ فَجَاءَ بِهِ فَنَظَرَ حَتّٰى إِذَا سَجَدَ
اس کی بچہ دانی اٹھالائے اور محمد جب سجدہ کریں تو ان کی پیٹھ پر رکھدے۔ یہ سنکر ان میں جو سب سے زیادہ بدبخت
النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَهُ عَلٰى ظَهْرِهِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ وَأَنَا
تھا اٹھا اور اسے لایا۔ لاکر انتظار کرتا رہا جب حضور نے سجدہ کیا تو اسے حضور کی پیٹھ پر دونوں شانوں کے

تکمیل کتاب الجہاد میں یہ زائد ہے کہ حضور کعبے کے سائے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ صلوٰۃ میں یہ زائد ہے کہ ان میں سے جس نے یہ گندگی لانے کی بات کہی تھی اس نے یہ کہا تھا کہ "اس ریاکار کو دیکھو" مسلم میں ہے کہ یہ کہنے والا ابوجہل ہے۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ کل فلاں قبیلے میں اونٹ ذبح ہوا ہے۔ صلوٰۃ میں ہے کوئی جائے اور اس کی لید اور خون اور بچہ دانی لائے۔

اشقی قوم سے مراد عقبہ بن ابی معیط ہے۔ یہاں یحیل بعضھم علی بعض ہے جس کا لفظی ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ ایک دوسرے پر حوالہ کرنے لگے۔ مگر یہ معنی غیر مناسب ہے۔ موزوں معنی یہ ہے کہ اس بدتمیزی سے ہنس رہے تھے، کہ ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ جیساکہ کتاب الصلوٰۃ میں ہے حتی مال بعضھم علی بعض۔ اسی میں ہے کہ کسی نے جاکر حضرت سیدہ کو خبر دی یہ بہت چھوٹی بچی تھیں دوڑتی ہوئی آئیں۔ اور ان اشرار کو گالی دینے لگیں، عام روایتوں میں ہے اللھم علیك بابی جھل یا بابی جھل بن ھشام مگر صلوٰۃ میں اس کے نام کے ساتھ عمرو بن ہشام ہے خادم کے نزدیک یہی روایت راجح ہے اس لئے کہ اس وقت ابوجہل کے نام کی شہرت اتنی نہ تھی بلکہ ہوسکتا ہے کہ اس وقت تک اس کی یہ کنیت نہ رکھی گئی ہو۔

یہ ساتواں جس کا نام راوی یاد نہ رکھ سکے عمارہ بن ولید بن مغیرہ ہے۔ یہ بدر میں نہیں مارا گیا بلکہ یہ حبشہ گیا وہاں ایک عورت سے چھیڑ خانی کی اس کی سزا میں نجاشی نے ایک ساحر کو حکم دیا کہ اس کے احلیل میں منتر پھونکدے۔ اس نے ایسا ہی کیا جس کے اثر سے وحشی ہوگیا اور چوپایوں کے ساتھ رہنے لگا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں مرا۔ اسی طرح عقبہ بن ابی معیط بھی میدان جنگ میں نہیں مارا گیا اور نہ قلیب بدر میں ڈالا گیا۔ یہ بدر میں گرفتار ہوا اور مدینہ طیبہ واپس ہوتے ہوئے روحا کے قریب خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس دنیا کے سب سے بڑے بدبخت انسان کا قتل کیا۔ عرق الظبیہ میں قتل کیا گیا مدینہ طیبہ سے تین میل پہلے بقیہ پانچ میدان بدر میں مارے گئے ان میں سے چار کی لاشیں قلیب بدر میں ڈالی گئیں۔ امیہ بن خلف مارا تو یہیں گیا مگر جب اسکو گھسیٹ کر قلیب بدر میں ڈالنا چاہا تو اس کے اعضا جوڑ سے اکھڑ گئے اس لئے اس کو وہیں مٹی میں دبادیا گیا۔ حضرت ابن مسعود کا ارشاد میں نے ان کو بدر کے کنوئیں میں پڑا ہوا پایا باعتبار اغلب واکثر کے ہے۔

فلم یحفظہ کے قائل ابواسحٰق ہیں جیساکہ بخاری کتاب الجہاد میں اور مسلم میں بطریق سفیان ثوری تصریح ہے۔

باب سے مطابقت امام بخاری کا استدلال یہ ہے۔ نماز کی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر نجاست ڈالی گئی اس سے جسم نہیں تو کپڑے ضرور آلودہ ہوئے ہوں گے یا نہیں تو کم از کم جسم پر نماز کی حالت میں نجاست رکھی رہی مگر حضور نماز پڑھتے رہے۔ نماز کی حالت میں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ پیٹھ پر کیا رکھا ہے مگر فراغت کے بعد تو معلوم ہوا پھر اعادہ

اُنْظُرُ لَا اُغْنِیْ شَیْئًا لَّوْ کَانَتْ لِیْ مَنَعَۃٌ قَالَ فَجَعَلُوْا یَضْحَکُوْنَ وَیُحِیْلُ

درمیان رکھ دیا عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں میں دیکھ رہا تھا مگر کچھ کر نہیں سکتا تھا کاش کہ مجھے قوت ہوتی

بَعْضُھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اس پر وہ خبیث ہنسنے لگے اس طرح کہ ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے اور رسول اللہ

کیوں نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کی حالت میں اگر بدن یا کپڑے پر نجاست لگ جائے تو نماز میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔

احناف وشوافع کی طرف سے اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں جن میں سے لائق ذکر تین ہیں۔

(۱) علامہ ابن حجر نے فتح الباری تفسیر سورہ مدثر میں ابن المنذر سے نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ آیت کریمہ وثیابک فطھر اور اپنے کپڑے کو پاک کرو کے نزول سے پہلے کا ہے۔ اس واقعہ کے وقت نماز کے لئے کپڑوں کو پاک رکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اب امام بخاری کے استدلال کی ساری عمارت ڈھہ گئی۔ اس کے بعد کسی جواب کی حاجت نہیں مگر ہم ناظرین کی دلچسپی کے لئے دو مزید نقل کئے دیتے ہیں۔

(۲) ہو سکتا ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز کا اعادہ فرمایا ہو اگرچہ فوراً نہیں فرمایا، عدم نقل، نقل عدم نہیں۔ اس لئے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور نے اعادہ نہ فرمایا ہو۔

(۳) ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ اس وقت تک مشرکین کے ذبیحے کے احکام نہیں نازل ہوئے تھے اس لئے اس سلا (بچہ دانی) پر نجاست کا حکم درست نہیں مگر اس جواب میں یہ سقم ہے کہ ابھی گذرا کہ کتاب الصلوۃ کی روایت میں یہ ہے۔

فلیعمد الی فرثھا ودمھا وسلاھا اس کی لید اور اس کے خون اور اس کی بچہ دانی اٹھا لائے۔

خون اور لید تو بہر حال ناپاک ہیں اس لئے یہ جواب لائق توجہ نہیں۔

سلا کا ترجمہ کچھ لوگوں نے اوجھڑی کیا ہے، یہ غلط ہے، علامہ عینی نے لکھا ہے کہ سلا اس کھال یا جھلی کو کہتے ہیں جس میں بچہ رہتا ہے اصمعی نے کہا یہ جانوروں کی بچہ دانی کے ساتھ خاص ہے۔ ہاں ہو سکتا ہے کتاب الصلوۃ والی روایت کی بنا پر کسی نے لازم معنی کا لحاظ کر کے اوجھڑی کر دیا ہو جیسیں لید اور بچہ دانی بھی ہوتی ہے۔

الیضاح البخاری[بین] میں — علی ظھرہ کا ترجمہ ان کی کمر کیا ہے یہ غلط ہے، ظھر کے معنی پیٹھ کے ہیں۔ ان بزرگ کو آگے کتفیہ بھی نظر نہ آیا، کیا دونوں شانوں کے بیچ میں کمر ہوتی ہے؟

مسائل (۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکہ معظمہ کی عظمت مشرکین کے دلوں میں بھی اتنی تھی کہ ان کا اعتقاد تھا کہ یہاں دعا ضرور قبول ہوتی ہے (۲) تین بار دعا کی تکرار دعا کے مقبول ہونے میں موثر ہے اور یہ مستحب بھی ہے (۳) ظالم کے لئے بد دعا کرنا جائز ہے بعض علما نے لکھا کہ اگر مسلمان ہے تو اس کی ہدایت و توفیق توبہ کی دعا کرنی چاہئے اور اس کے لئے استغفار کرنا چاہئے (۴) کسی برائی

[1] جلد ثامن ص ۳۸۰

سَاجِدٌ لَّا یَرْفَعُ رَاسَهٗ حَتّٰی جَاءَتْهُ فَاطِمَةُ فَطَرَحَتْ عَنْ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدے ہی کی حالت میں رہے اپنا سر نہیں اٹھایا یہاں تک کہ حضرت سیدہ فاطمہ آئیں

ظَهْرِهٖ فَرَفَعَ رَاسَهٗ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ ثَلَاثَ

اور اس گندگی کو حضور کی پشت مبارک سے ہٹایا تو حضور نے اپنا سر اٹھایا پھر بد دعا کی۔ اے اللہ قریش کو اپنی گرفت

مَرَّاتٍ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ اِذْ دَعَا عَلَيْهِمْ قَالَ وَكَانُوْا يَرَوْنَ

میں لے۔ تین بار۔ جب حضور نے ان پر بد دعا کی تو یہ ان پر شاق ہوا، ان کا اعتقاد یہ تھا کہ اس شہر میں دعا ضرور

اِنَّ الدَّعْوَةَ فِیْ ذٰلِكَ الْبَلَدِ مُسْتَجَابَةٌ ثُمَّ سَمّٰی اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِاَبِیْ

قبول ہوتی ہے۔ پھر نام لے لے کر ہلاکت کی دعا فرمائی اے اللہ ابو جہل کو اور عتبہ بن

جَهْلٍ وَعَلَيْكَ بِعُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَالْوَلِيْدِ بْنِ

ربیعہ کو اور شیبہ بن ربیعہ کو اور ولید بن

عُتْبَةَ وَاُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ وَعُقْبَةَ بْنِ اَبِیْ مُعَيْطٍ وَعَدَّ السَّابِعَ فَلَمْ

عتبہ کو اور امیہ بن خلف کو اور عقبہ بن ابی معیط کو ہلاک کر۔ اور ساتویں کو بھی گنا مگر

کا ارتکاب کرنے والا برائی کی ترغیب دینے والے سے زیادہ بدتر ہے، ان سب میں کفر، سرکشی اور تمرد میں ابو جہل سب سے زیادہ بڑھا ہوا تھا اور اسی نے اس پر اکسایا تھا مگر پھر بھی اشقی عقبہ بن ابی معیط کو کہا گیا۔ (۵) اس حدیث میں ہے ورسول اللہ ساجد لا یرفع راسہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدے میں رہے سر اقدس نہیں اٹھایا اس پر عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ بوجھ اتنا زیادہ تھا کہ حضور سر اقدس اٹھا نہیں سکتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ واقعہ یہی ہو مگر میرا ذوق یہ کہتا ہے کہ یہ بوجھ جب اتنا تھا کہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صغیر السن بچی ہوتے ہوئے اسے گرا دیا جبکہ حضرت سیدہ کی عمر مبارک اس وقت مشکل سے آٹھ سال رہی ہوگی، تو یہ بوجھ اتنا نہ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر سر اٹھانا چاہتے تو اٹھا سکتے تھے۔ سر اقدس سجدے سے نہ اٹھانا اس لئے نہ تھا کہ بوجھ زیادہ تھا بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ چاہا کہ اسی خاص حالت عبودیت میں جو ظلم ہوا ہے اسے دیر تک اس بے نیاز کے حضور پیش کئے رہوں تاکہ اسکی رحمت کی توجہ بیش از بیش ہو۔ جیسا کہ سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعش مبارک کے بارے میں فرمایا۔ صفیہ کے دکھ کا خیال نہ ہوتا تو حمزہ کی لاش بغیر دفن چھوڑ دیتا کہ درندے کھاتے اور قیامت کے دن ان کا حشر درندوں کے پیٹوں سے ہوتا، یا جیسا کہ بیر معونہ کے واقعے میں حرام بن ملحان بہتے ہوئے خون کو اپنے چہرے پر ملتے جاتے اور کہتے جاتے فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ کامیاب ہو گیا رب کعبہ کی قسم۔ بات وہی ہے ع

"تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست"

يَحْفَظُهُ قَالَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ رَأَيْتُ الَّذِينَ عَدَّ رَسُولُ اللهِ

مجھے یاد نہ رہا — عبداللہ بن مسعود نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے

صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَرْعَى فِي الْقَلِيبِ قَلِيبِ بَدْرٍ عه

جنھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گنا تھا — سب کو بدر کے کنوئیں میں پڑا ہوا — پایا

(۵۱) ت - كَرِهَهُ الْحَسَنُ وَ اَبُو الْعَالِيَةِ للعه

نبیذ سے وضو کرنے کو حضرت حسن بصری اور ابو العالیہ نے مکروہ جانا

حدیث میں فرمایا گیا — بندہ سب سے زیادہ اپنے رب کے قریب اسوقت ہوتا ہے جب وہ سجدے میں ہوتا ہے گویا کہ زبان حال سے سراسر عاکر رہے ہیں۔ حضور قدس میں قرب خاص کے وقت دشمنوں کی یہ حرکت صرف میری ہی نہیں تیری بارگاہ قدس کی بھی اہانت ہے، اضہار تجھے ہے۔ اپنے بارگاہ قدس کی تحقیر کرنے والوں کو ڈھیل دے یا سزا دے۔ کیا اس جبار و قہار غیور کے جلال کو جوش میں لانے کا اس سے بھی عمدہ کوئی طریقہ ہو سکتا ہے۔

تشریحات (۵۱) امام حسن بصری — تابعین کرام کے صف اول میں سے ہیں۔ نام گرامی حسن ہے اور کنیت ابو سعید، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخیر دور خلافت میں پیدا ہوئے جبکہ دو سال رہ گئے تھے۔ پیدائش کے بعد انھیں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں لایا گیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکی تحنیک کی یعنی کھجور چبا کر اپنا تبرک ان کے تالو میں لگایا۔ ان کے لئے دعا بھی کی اللھم فقھہ فی الدین ووجھہ فی الناس (اے اللہ انھیں فقیہ بنا اور لوگوں میں انھیں وجاہت عطا فرما۔) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ اور بھی صحابہ کرام کی خدمت میں ان کی والدہ لے جاتیں اور سب دعا سے نوازتے۔ انھوں نے ایک سو تیس صحابہ کی زیارت کی۔ خود فرماتے ہیں، میں نے خراسان کا جہاد کیا تو ہمارے ساتھ ایکسو تیس صحابہ کرام تھے۔

ان کے والد کا نام یسار اور کنیت ابو الحسن تھی یہ حضرت زید بن ثابت کے غلام تھے۔ حضرت حسن کی والدہ ماجدہ حضرت ام سلمہ کی باندی تھیں۔ ان کی والدہ انھیں چھوڑ کر کہیں کسی کام کے لئے چلی جاتیں اور یہ رونے لگتے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی چھاتی ان کے منہ میں دیدیتیں۔ حضرت ام المومنین کی کرامت کہ دودھ اتر آتا اور یہ خوب پیتے۔ ان کو جو علوم

عہ ایضا جلد اول الصلوٰۃ۔ باب المرأۃ تطرح عن المصلی شیئا من الاذی ص ۷۴ ایضا جلد اول جہاد باب طرح جیف المشرکین فی البیر ص ۴۵۲، ایضا جلد اول جہاد باب الدعاء علی المشرکین بالھزیمۃ والزلزلۃ ص ۴۱۱ ایضا جلد اول مناقب باب ذکر مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من المشرکین ص ۵۴۳ ایضا جلد ثانی مغازی باب دعاء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی کفار قریش ص ۵۶۴۔ مسلم جلد ثانی جہاد ما لقی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اذی المشرکین ص ۱۰۸ نسائی جلد اول۔ طہارت باب فرث ما یوکل لحمہ یصیب الثوب ص ۵۸ مسند امام احمد۔

عہ مصنف عبدالرزاق، وابو عبید، للعہ دارقطنی، ابن ابی شیبہ و ابو عبید

اور معارف ملے یہ سب اسی متبرک دودھ کا اثر ہے۔

حضرت حسن کی جلالت شان کا عالم یہ ہے۔ ایک بار کسی نے حضرت انس سے کچھ پوچھا تو فرمایا مولانا حسن سے پوچھو انھوں نے بھی سنا اور ہم نے بھی سنا۔ انھوں نے یاد رکھا ہم بھول گئے، ایک بار فرمایا، مجھے بصرے والوں میں ان دو شخصوں پر رشک آتا ہے، حسن اور ابن سیرین پر، قتادہ نے کہا، میں جس فقیہ سے ملا حسن اس سے افضل ہے۔

باہیبت، خوبصورت، وجیہ بزرگ تھے، علم و عمل کے جامع، زبردست عابد و زاہد، مقبول خاص و عام، سلاسل اولیاء کرام کے امام، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد بصرہ جاکر آباد ہوگئے، مدۃ العمر وہیں رہے۔ وہیں واصل بحق ہوئے۔ مدینہ طیبہ کے ایام قیام میں صحابہ کرام خصوصاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے علوم ظاہری و باطنی حاصل فرمائے۔ مدینہ سے جانے کے بعد پھر حضرت علی کی زیارت نہ کرسکے۔ بماہ رجب ۱۱۰ھ میں وصال فرمایا۔[۱]

ابو العالیہ ربیع بن مہران ریاحی، اجلہ تابعین میں سے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی زیارت کی ہے۔ تین بار قرآن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنایا تھا، جاہلیت کا بھی کچھ زمانہ پایا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے دو سال بعد ایمان سے مشرف ہوئے ۹۰ھ میں وصال ہوا۔

امام بخاری نے یہاں باب یہ باندھا ہے۔

لایجوز الوضوء بالنبیذ وبالمسکر نبیذ اور مسکر (نشہ آور) چیز سے وضو جائز نہیں۔

عرب کا پانی عموماً شور ہوتا تھا، اس کی شوریت ختم کرنے کے لئے پانی میں چھوہارے ڈال دیتے تھے کہ پانی میں کچھ مٹھاس آجائے۔ کبھی کبھی چھوہارے کئی دن رہ جاتے تو پانی میں جوش پیدا ہوجاتا نشہ آجاتا۔ کبھی چھوہارے زیادہ ڈال دیتے تو پانی گاڑھا بھی ہوجاتا۔ مختلف فیہ نبیذ کی پہلی قسم ہے، چھوہاروں کی وجہ سے جس کا نہ پتلاپن ختم ہو نہ اس میں جوش آئے نہ نشہ پیدا ہو۔ رہ گئی نشہ آور چیز خواہ وہ نبیذ ہو خواہ کچھ اور، اس سے وضو دیگر علماء کی طرح ہمارے یہاں بھی درست نہیں۔ امام بخاری کا غالباً مسلک یہ ہے کہ اس نبیذ سے بھی وضو جائز نہیں جسکی نہ رقت گئی ہو نہ نشہ آیا ہو۔ امام بخاری نے اپنے مدعا پر پہلے حضرت امام حسن بصری اور ابو العالیہ کا یہ فتویٰ پیش کیا کہ ان دونوں بزرگوں نے نبیذ سے وضو کو مکروہ جانا۔ اس پر تین معروضے ہیں:

(۱) اس کراہت سے کراہت تحریم مراد ہے یا کراہیت تنزیہہ۔ اگر تنزیہہ ہے تو یہ جواز کے معارض نہیں۔ اسے لایجوز کی دلیل بنانا درست نہیں، اور اگر کراہت تحریم مراد ہے تو یہ حضرت امام حسن بصری کے اس ارشاد سے باطل ہے جو ابو عبید نے نقل کیا ہے کہ حضرت حسن بصری نے فرمایا۔ نبیذ سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

رہ گئے حضرت ابو العالیہ تو ان سے وضو کے بارے میں کوئی روایت ہمیں نہیں ملی۔ ان سے جو روایت ہے وہ غسل کے بارے میں ہے۔ جیسا کہ دار قطنی اور ابن ابی شیبہ نے ان سے نقل کیا ہے۔ ایسی نبیذ سے غسل جائز ہے کہ نہیں، یہ خود احناف کے یہاں مختلف فیہ ہے۔ راجح یہی ہے کہ غسل درست نہیں اس لئے کہ وضو کا جواز خلاف قیاس حدیث کی وجہ سے ہے، جب یہ

---

[۱] یہ ساری تفصیلات اکمال اور بدایہ نہایہ جلد [illegible] سے لی گئی ہیں۔

ت (۵۲) قَالَ عَطَاءُ التَّيَمُّمُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنَ الْوُضُوْءِ بِالنَّبِيْذِ وَاللَّبَنِ

حضرت عطار نے کہا کہ نبیذ اور دودھ سے وضو کرنے کے بہ نسبت تیمم مجھے زیادہ پسند ہے۔

وضو کے بارے میں نہیں، تو اسے وضو کے عدم جواز کی دلیل میں پیش کرنا لاحاصل۔

(۲) اور پھر یہاں بھی یہ احتمال باقی کہ کراہت سے مراد کراہت تنزیہہ ہو۔

(۳) حدیث کے مقابلے میں تابعی کا قول لائق ترجیح نہیں۔ امام بخاری خود احادیث کے خلاف اقوال رجال پر فتویٰ دیتے ہیں اور ان کے مقلدین یہ الزام ہم کو دیتے ہیں۔ تابعین کے بارے میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد مشہور ہے اور مقدمہ میں گذر چکا۔ ھم رجال ونحن رجال۔

تشریحات (۵۲) **عطار بن ابی رباح** کبار تابعین میں سے ایک ہیں، ان کی جلالت شان مسلم عند الکل ہے، دو سو صحابہ کا زمانہ پایا، اتنے جلیل القدر امام کہ سیدنا امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اب مسائل حج کا جاننے والا ان سے زیادہ کوئی نہ رہا۔ نیز فرمایا، ان سے زیادہ فقیہہ کوئی نہیں، ایام حج میں اموی شہنشاہوں کی طرف سے یہ اعلان عام ہو جاتا کہ سوائے عطار کے کوئی مسائل حج نہ بتائے، ان سب کے علاوہ اتنے بڑے عابد تھے کہ بیس سال تک مسجد میں معتکف رہے۔ ستر حج اور ستو عمرے کئے۔ جلالت شان یہ اور خدا کی شان بے نیازی کہ چونکہ حبشی النسل تھے اس لئے رنگ سیاہ اور بال الجھے ہوئے تھے، ناک چپٹی تھی، ایک آنکھ کی بینائی نہیں تھی، اخیر عمر میں دوسری آنکھ کی بھی بینائی جاتی رہی، ہاتھ شل تھا لنگڑے بھی تھے، مگر علم وفضل کا عالم یہ تھا کہ بڑے بڑے ائمہ زانوے ادب تہ کرنا باعث فخر جانتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جہاں مسجد حرام میں درس دیتے تھے، ان کے بعد ان کی جگہ یہ بیٹھے۔

مطابقت احب الی۔ زیادہ پسند ہے۔ کا لفظ بتا رہا ہے۔ حضرت عطار نبیذ اور دودھ سے وضو کرنے کو پسند کرتے ہیں مگر کم۔ اور ابوداؤد میں ہے کہ امام عطار نے فرمایا میں نبیذ اور دودھ سے وضو ناپسند کرتا ہوں اس سے زیادہ مجھے تیمم پسند ہے۔ دونوں کا مفاد یہ نکلا کہ حضرت عطار نبیذ اور دودھ سے وضو کو جائز جانتے ہیں۔ البتہ کم پسند ہے یا زیادہ سے زیادہ ناپسند کرتے تھے۔ امام بخاری نے یہاں باب کا جو عنوان رکھا ہے وہ یہ ہے:

لایجوز الوضوء بالنبیذ ولا بالمسکر نبیذ اور نشہ آور چیز سے وضو جائز نہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ تعلیق امام بخاری کے اس باب کا رد ہے۔

اس سلسلے میں احناف کا مسلک یہ ہے۔ دودھ سے وضو قطعاً جائز نہیں، اس پر اجماع ہے۔ احناف ہی نہیں پوری امت کا یہی مسلک ہے۔ رہ گئی نبیذ تو احناف کے یہاں تفصیل ہے۔

عرب کا پانی عموماً کھاری ہوتا ہے پانی میں چند کھجوریں ڈال دیتے کہ پانی میں کچھ مٹھاس آجائے، یہی نبیذ ہے ——

نبیذ جب تک میٹھی اور اتنی پتلی ہو کہ اعضاء پر پانی کی طرح بہے تو اس سے وضو جائز ہے۔ اور اگر گاڑھی ہو گئی یا جوش آگیا یا اس میں نشہ آگیا تو ایسی نبیذ سے ہرگز ہرگز وضو جائز نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پانی نہ ہو تو ایسی نبیذ کے ہوتے ہوئے تیمم جائز نہیں۔ ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہے انھوں نے فرمایا:-

قال له النبی صلی الله تعالی علیه وسلم لیلة الجن ما فی اداوتك قال نبیذ قال تمرة طیبة وماء طهور[1] قال فتوضأ منه۔

ان سے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لیلۃ الجن میں فرمایا۔ تیرے برتن میں کیا ہے، انھوں نے عرض کیا نبیذ ہے۔ فرمایا کھجور بھی پاک ہے اور پانی بھی پاک ہے، ابن مسعود نے کہا کہ پھر حضور نے اس سے وضو فرمایا:۔

ترمذی میں فتوضأ منه اور مصنف ابن ابی شیبہ میں واقام الصلوٰۃ زائد ہے۔[2]

اس حدیث کی ایک طرف سے احناف کے مہربانوں نے تضعیف کی۔ اس کے بالمقابل علماء احناف نے اس حدیث کی تصحیح کو دلائل سے ثابت کر دیا ہے۔ تفصیل کے لئے عینی کا یہ مقام اور طحاوی کی شرح معانی الآثار کا مطالعہ کریں۔ مثلاً امام ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کا ایک راوی ابوزید ہے جو مجہول ہے۔ سوائے اس حدیث کے اسکی کوئی روایت نہیں۔

علامہ عینی نے اس کا جواب دیا، ابن العربی نے شرح ترمذی میں کہا کہ ابوزید مولی عمرو بن حریث سے راشد بن کیسان اور ابوروق نے روایت کیا ہے۔ اتنے ہی سے اس کا مجہول ہونا ختم ہو جاتا ہے۔ ہاں اس کا نام نہیں معلوم ممکن ہے امام ترمذی کی مجہول کہنے سے یہی مراد ہو اور یہ مضر نہیں۔ علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کو ابوزید کے مثل چودہ حضرات نے روایت کی ہے۔ اس حدیث پر ایک اعتراض یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود، لیلۃ الجن میں حضور کے ساتھ نہیں تھے۔ ان سے کسی نے پوچھا۔ تو فرمایا ما شهدها منا احد۔[3] ہم میں سے کوئی لیلۃ الجن میں حاضر نہ تھا۔

اس کے دو جواب علامہ عینی نے دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ اس قول سے ان کی مراد یہ ہے کہ پوری رات حضور کے ساتھ نہیں رہا۔ ساتھ میں گیا پھر جدا ہو گیا، پھر صبح کو ساتھ ہو گیا۔ ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب حضور جنوں کو تلقین فرما رہے تھے خاص اس وقت حضور کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ اور غالباً علامہ عینی کی بھی یہی مراد ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ لیلۃ الجن دو ہیں ایک بار نینوی کے جنوں نے ملاقات کی تھی ایک بار نصیبین کے جنوں نے۔ نخلہ میں نینوی کے جن تھے اور مکہ میں نصیبین کے جن۔ نخلہ والے واقعے میں حضور کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ اور مکہ والے واقعے میں حضرت ابن مسعود ساتھ تھے۔

---

[1] ابوداؤد جلد اول طہارت باب الوضو بالنبیذ ص ۱۲، ترمذی جلد اول طہارت باب الوضوء بالنبیذ ص ۱۳، ابن ماجہ طہارت باب الوضوء بالنبیذ [2] فتح القدیر جلد اول ص ۲۰ نولکشور [3] ایضاً

علامہ ابن حجر عسقلانی نے بعض لوگوں سے یہ نقل فرمایا کہ ابتدا میں نبیذ سے وضو کی اجازت تھی۔ پھر آیت کریمہ فلم تجد واماء سے منسوخ ہوگئی۔ اس لئے کہ لیلۃ الجن مکے کا واقعہ ہے اور یہ آیت مدنی ہے۔

علامہ عینی نے اس کا جواب یہ دیا کہ (نزول اقراء کے بعد غار حرا سے اتر کر) حضرت جبریل نے اپنی ایڑی زمین پر ماری جس سے پانی کا چشمہ اُبل پڑا۔ اس سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وضو کرنے کی تعلیم دی۔ مطلب یہ ہے کہ ابتداء بعثت ہی سے پانی سے وضو کرنے کا حکم تھا۔ اس کے باوجود حضور نے لیلۃ الجن میں نبیذ سے وضو فرمایا۔ یہ دلیل ہے کہ پانی سے وضو کے حکم اور نبیذ سے وضو کرنے میں کوئی تنافی نہیں۔

لیکن اس خادم کی اس پر یہ گذارش ہے کہ نبیذ ماء مطلق ہے یا نہیں۔ اگر ماء مطلق ہے تو علامہ عینی کا جواب درست اور علامہ ابن حجر کا اعتراض سرے سے ساقط۔ اس خصوص میں بہت زیادہ لمبی چوڑی بحث کی ضرورت نہیں ــــ خود اسے حدیث میں ماء فرمایا، ارشاد ہوا تمرۃ طیبۃ وماء طھور۔ پھر اس کے ماء مطلق ہونے میں کلام کی کیا گنجائش ــــ اور اگر یہ ماء مطلق نہیں اور آیت کریمہ فلم تجد واماءً میں ماء سے مراد ماء مطلق ہے۔ تو نبیذ کے ہوتے ہوئے یہ صادق ہے کہ پانی نہیں ملا۔ اب علامہ ابن حجر کا اعتراض اپنی جگہ باقی رہ جائے گا۔ اسی پر ہماری گذارش ہے کہ اس کے دفع کی طرف صاحب ہدایہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ یہ حدیث مشہور ہے اور حدیث مشہور سے کتاب اللہ کی تخصیص جائز درست۔ رہ گئی یہ بات کہ یہ حدیث مشہور ہے وہ گذر چکا کہ علامہ عینی نے تحقیق فرمائی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابو زید کے علاوہ چودہ حضرات نے روایت کیا ہے۔ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پندرہ حضرات نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح لیلۃ الجن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نہ ہونے کی جو توجیہات ہمارے علما نے کی ہیں۔ ترمذی کی اس حدیث میں جاری نہیں ہو سکتیں ص۱۵۸ پر ہے۔

> علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن مسعود سے پوچھا لیلۃ الجن میں نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ آپ لوگوں میں سے کوئی تھا یا نہیں۔ فرمایا ہم میں سے کوئی حضور کے ساتھ نہیں تھا۔ ہوا یہ کہ قیام مکہ کے ایام میں ایک رات حضور غائب ہوگئے، ہم نے کہا کہ حضور کو اچک لیا گیا، ہم نے انتہائی اذیت میں یہ رات گذاری، جب صبح ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ حضور حراء کی طرف سے آرہے ہیں۔ لوگوں نے اپنا حال بیان کیا، اس پر حضور نے پورا واقعہ سنایا اس میں یہ بھی تصریح ہے کہ یہ جزیرے نصیبین کے جن تھے۔

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

لیکن حیرت اس پر ہے کہ خود ترمذی میں دو جگہ اس کی تصریح کی ہے کہ حضرت ابن مسعود لیلۃ الجن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ایک ــــ باب کراھۃ مایستنجی بہ میں حضرت ابن مسعود کا یہ قول مذکور ہے:

> کہ وہ لیلۃ الجن میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

دوسرے "ابواب" الامثال میں انھیں سے یوں روایت ہے کہ۔

> ایک رات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عشاء سے فارغ ہوئے تو تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑا اور

بطحا رمکہ میں لے گئے اور بٹھا دیا۔ پھر میرے ارد گرد خط کھینچ دیا اور فرمایا اس کے باہر نہ نکلنا، کچھ لوگ تمہارے قریب آئیں گے۔ ان سے بات مت کرنا۔ وہ بھی تم سے نہیں بولیں گے۔ پھر حضور کو جہاں جانا تھا چلے گئے۔ میں حط کے اندر بیٹھا تھا کہ میرے قریب کچھ کالے کالے سوڈانی قسم کے لوگ آئے جن کے بال اور جسم سوڈانیوں جیسے تھے۔ انکے جسم پر لباس نہیں تھا مگر پھر بھی ان کے چھپانے کی جگہیں نظر نہیں آتی تھیں۔ میری طرف آتے مگر خط کو پار نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف چلے جاتے۔ اخیر رات میں حضور تشریف لائے اور خط کے اندر داخل ہوئے فرمایا، آج رات سو نہیں سکا۔ پھر میری ران پر سر رکھکر سو گئے۔ الحدیث بطولہ [۱]

امام ترمذی نے ان دونوں حدیثوں کی تصحیح کی ہے ــــ ان کے علاوہ کفایہ میں ہے امام بخاری نے بارہ طریقوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود، لیلۃ الجن میں حضور کے ساتھ تھے۔ تین طریقے سے تاریخ صغیر میں مذکور ہے۔ بقیہ نو طریقے کسی اور کتاب میں مذکور ہوں گے،

جب بوجوہ متعددہ صحیحہ یہ ثابت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود لیلۃ الجن میں حضور کے ساتھ تھے تو لامحالہ وہ روایت جس میں یہ ہے کہ لیلۃ الجن میں حضور کے ساتھ کوئی نہیں تھا، مرجوح ہوگی۔

اس نبیذ کی حقیقت جس نبیذ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تھا اس کی حقیقت صرف یہ تھی کہ پانی میں چند کھجوریں ڈال لی تھیں تاکہ پانی کا کھارا پن دور ہو جائے۔ پانی اپنی طبعی رقت اور سیلان پر باقی تھا نہ گاڑھا ہوا تھا نہ جوش کھایا تھا۔ نشہ آنا تو دور کی بات ہے۔ بدائع ص۱۷ پر ہے کہ خود حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس نبیذ کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو فرمایا، چند کھجوریں پانی میں ڈال لی جاتی تھیں بس نبیذ ہو گئی۔

ایسی ہی نبیذ سے وضو کو حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جائز بتایا ہے، رہ گئی وہ نبیذ جس میں جوش پیدا ہو جائے یا نشہ آ جائے تو اس سے بالاتفاق وضو جائز نہیں۔ ہدایہ میں ہے۔

والنبیذ المختلف فیہ ان یکون حلوا رقیقا یسیل علی الاعضاء کالماء وما اشتد منھا صار حراما لا یجوز التوضی بہ۔ [۲]

جس نبیذ سے وضو کے بارے میں اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ میٹھی پتلی ہو جو اعضاء پر پانی کی طرح بہے اور اگر جوش کھا گئی حرام ہو گئی تو اس سے وضو جائز نہیں۔

لوگوں کو استعجاب و حیرت اس لئے ہو رہی ہے کہ لوگ اپنے زمانے کی نبیذ پر قیاس کرنے لگے۔ حالانکہ اس نبیذ سے وضو کے جواز کا کسی نے قول نہیں کیا ہے۔

ایک خاص نکتہ حضرت امام کا یہ بنیادی اصول تھا کہ جب تک حدیث صحیح نہ ہوتی اس کے مطابق فتویٰ نہ دیتے اذا صح الحدیث فھو مذھبی مشہور ارشاد ہے اور حضرت امام کا ثقہ متدین ہونا بلکہ امام ہونا متفق علیہ ہے۔ تو جب "امام کسی حدیث سے استدلال فرمائیں تو یہ اس حدیث کے صحت کی دلیل ہے۔ اگرچہ محدثین اسے اپنی سندوں کے لحاظ سے ضعیف کہیں اسکی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ انصاف پسند اصحاب کو اس پر غور کرنا لازم ہے۔ اسی ایک نکتے سے احناف کے مخالفین خصوصاً غیر مقلد

---

[۱] جلد ثانی ص ۱۰۹۔ [۲] ہدایہ اولین ص ۳۲۔

(١٧٦) حدیث کل شراب اسکر فھو حرام

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

معاندین کے سارے ہذیانات کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ جو احناف کے خلاف کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً اسی حدیث میں دیکھ لیجئے کہ امام ترمذی نے اپنی سند کے لحاظ سے ابوزید پر کلام فرمایا۔ یہ کیا ضروری ہے کہ حضرت امام کو یہ حدیث ابوزید ہی کے واسطے سے ملی ہو۔ ہو سکتا ہے کسی دوسری سند کے ساتھ پہنچی ہو جس میں امام ترمذی والی جرح کی بھی گنجائش نہ ہو۔ ابوزید کے علاوہ چودہ اور حضرات سے یہ حدیث مروی ہے۔ اس کا بھی امکان ہے کہ ان چودہ طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے حضرت امام تک پہنچی ہو۔ اس لئے ہمارے سامنے جو سند ہے اس کو سامنے رکھکر کسی حدیث کو مطلقاً ضعیف کہنا دیانت و انصاف کے خلاف ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی حدیث سے استدلال کی بالکل وہی حیثیت ہے جو امام بخاری اور امام مسلم کے کسی حدیث کو صحیح کہنے کی ہے۔ حضرت امام کا استدلال حقیقت میں یہ اعلان ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

تائید صحابہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے علاوہ حضرت علی، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس بھی نبیذ تمر سے وضو کو جائز جانتے تھے۔ اس طرح اس حدیث کو اور احناف کے مذہب کو عمل صحابہ سے بھی قوت مل گئی۔

تائید ائمہ علاوہ صحابہ کرام کے حضرت حسن بصری، حضرت عکرمہ، حضرت ابو العالیہ، امام اوزاعی، سفیان ثوری اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔ لیکن ہمارے خاص کرم فرما صاحب تحفۃ الاحوذی اور مرعاۃ اپنے غیظ و غضب کا نشانہ صرف ہم احناف کو بناتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ ایسی نبیذ تمر جو اپنی رقت و سیلان پر باقی ہو جس میں نہ جوش پیدا ہوا ہو اور نہ وہ گاڑھی ہوئی ہو اور نہ اسمیں نشہ آیا ہو اس سے وضو جائز ہے۔ اس معنی کر کہ اس کے ہوتے ہوئے تیمم جائز نہیں۔ یہ حضرت امام اعظم کا مذہب ہے اور یہ حدیث صحیح بلکہ حدیث مشہور سے ثابت ہے۔ مخالفین نے اس حدیث پر جتنی جرحیں کی ہیں علمائے احناف نے سب کے گن گن کر تفصیلی جوابات دیئے ہیں خصوصیت سے امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں وغیرہ وغیرہ۔

تشریحات (١٧٦)

باب سے مطابقت اس حدیث کو باب کے دوسرے جز سے مطابقت ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ ہر مسکر ناپاک ہے اور ناپاک سے وضو جائز نہیں۔ یا یہ کہ کوئی مسکر پانی نہیں اور پانی کے علاوہ کسی اور چیز سے وضو جائز نہیں۔ اس لئے مسکر سے وضو جائز نہیں۔

ہر مسکر ناپاک ہے رہ گئی یہ بات کہ مطابقت کی وجہ اول کا صغریٰ درست بھی ہے یا نہیں۔ یہ محل نظر ہے۔ حضرت امام

كُلُّ شَرَابٍ اَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ ؏

پینے کی ہر وہ چیز جو نشہ لائے حرام ہے

ت (۵۳) وَقَالَ اَبُو الْعَالِيَةِ اِمْسَحُوْا عَلٰى رِجْلِيْ فَاِنَّهَا مَرِيْضَةٌ ؏

اور ابو العالیہ نے کہا۔ میرے پاؤں پر مسح کر دو۔ اس لئے کہ وہ بیمار ہے

حدیث (۱۷۷) بای شئ دوی جرح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اعظم اور حضرت امام یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک خمر کے علاوہ بقیہ نشہ آور چیزوں کا بقدر نشہ پینا کھانا حرام ہے مگر وہ ناپاک نہیں خمر کیا ہے انگور کے کچے پانی کو جب وہ خوب جوش کھانے لگے اور اس میں جھاگ پیدا ہو جائے خمر کہتے ہیں۔ اس سے کشید کیا ہوا عرق بھی خمر ہے۔ خمر کی بوند بوند حرام و نجس ہے وہ بھی نجاست غلیظہ۔ اس کے علاوہ بقیہ چیزوں سے بنائی ہوئی شرابیں، خمر نہیں اور نہ شیخین کے نزدیک ان کا وہ حکم ہے۔

البتہ امام محمد فرماتے ہیں کہ خمر کی طرح ہر نشہ آور رقیق کی بوند بوند حرام و ناپاک ہے۔ احناف کے یہاں یہی مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ مگر قول اول بھی ساقط و باطل نہیں۔ بہت قوی ہے۔ یہی جمہور صحابہ کرام حتی کہ حضرات اصحاب بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔ یہی قول امام اعظم کا ہے، یہی اصل مذہب ہے۔ عامہ متون مذہب جیسے مختصر قدوری، ہدایہ، وقایہ، نقایہ، کنز، غرر اصلاح وغیرھا میں اسی پر جزم و اقتصار کیا۔ اکابر ائمہ ترجیح و تصحیح جیسے امام ابو جعفر طحاوی، امام ابو الحسن کرخی، امام ابو بکر خواہر زادہ امام قاضی خاں امام صاحب ہدایہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی کو راجح و مختار رکھا بلکہ خود امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتاب الآثار میں اسی پر فتویٰ دیا۔ اسی کو ماخذ فرمایا۔ علماء مذہب نے بہت سی کتب معتمدہ میں اسی کی تصحیح فرمائی ہے۔ یہانتک کہ آکد الفاظ ترجیح علیہ الفتویٰ بھی فرمایا۔ اس تقدیر پر نبیذ کی نجاست کا سوال ہی نہیں اسلئے اس سے نجس ہونے کی بنا پر وضو کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دینا ساقط۔ رہ گئی یہ وجہ کہ یہ ماء مطلق نہیں اس پر علامہ عینی نے یہ تعقب فرمایا کہ احناف جس نبیذ سے وضو کو جائز کہتے ہیں یعنی پانی میں چند کھجوریں اسلئے ڈال دی جاتی ہیں تاکہ اسکی مٹھاس پانی میں آجائے اور بس نہ اسمیں جوش آئے اور نہ نشہ نہ وہ گاڑھی ہوئی ہو اس پر بھی پانی کا اطلاق درست نہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ خود حدیث میں اسے پانی کہا گیا۔ ارشاد ہے تمرة طيبة وماء طهور۔ اس لئے اس حدیث کو مطلقاً ہر نبیذ سے وضو کے عدم جواز کی دلیل بنانا درست نہیں۔ رہ گئی یہ بات کہ خمر کے علاوہ دوسری نشہ آور رقیق چیزیں حضرات شیخین کے یہاں کیوں ناپاک نہیں اور قدر اسکار سے کم انکا پینا کیوں حرام نہیں، اسپر مفصل بحث انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کتاب الاشربہ میں آئے گی۔ اور اگر کسی صاحب کو عجلت ہو تو فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم کا رسالہ مبارکہ الفقہ التسجیلی فی عجین النار جیلی کا مطالعہ کریں۔

؏ ایضا جلد ثانی اشربہ باب الخمر من العسل وهو البتع ص ۸۳۷ ایضا جلد ثانی اشربہ باب الباذق و من نھی عن کل مسکر ص ۸۳۸ مسلم جلد ثانی اشربہ باب بیان کل مسکر شراب و کل خمر حرام ص ۱۶۷ ابوداؤد جلد ثانی اشربہ باب ما جاء فی السکر ص ۱۶۳ ترمذی جلد ثانی اشربہ باب ما جاء کل مسکر حرام ص ۸ ابن ماجہ اشربہ باب کل مسکر حرام ص ۲۵۱ موطا امام مالک اشربہ ۹ دارمی اشربہ ۸ مسند امام اسمد ؏ مصنف عبد الرزاق و مصنف ابن ابی شیبہ۔

عَنْ اَبِیْ حَازِمٍ سَمِعَ سَھْلَ بْنَ سَعْدِ نِ السَّاعِدِیْ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی

ابو حازم نے کہا کہ انھوں نے حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا۔ اس طرح کہ میرے

عَنْہُ وَسَأَلَہُ النَّاسُ وَمَا بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ اَحَدٌ بِاَیِّ شَیْئٍ دُوِیَ جُرْحُ

اور ان کے درمیان کوئی نہیں تھا۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ

النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا بَقِیَ اَحَدٌ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ

علیہ وسلم کے زخم کا علاج کس چیز سے کیا گیا تھا تو انھوں نے کہا اس کا

کَانَ عَلِیٌّ یَجِیْئُ بِتُرْسِہٖ فِیْہِ مَاءٌ وَفَاطِمَۃُ تَغْسِلُ عَنْ وَجْھِہٖ

مجھ سے زیادہ جاننے والا اب کوئی بھی نہیں رہا۔ علی ڈھال میں پانی لاتے تھے اور فاطمہ حضور کے چہرے سے خون

تشریحات (۵۳) (۱۷۷)

حضرت سہل بن سعد ساعدی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مدینہ طیبہ میں وصال فرمانے والے صحابۂ کرام میں سب سے آخر یہ ہیں۔[۱] ان کی کنیت ابو العباس ہے۔ ان کا نام حَزْن تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدل کر سہل رکھا۔ حَزْن کے معنی سخت زمین کے ہیں اور سَھْل کے معنی نرم زمین کے ہیں۔ سو سال کی عمر پا کر ۹۱ھ میں وصال فرمایا، اس حساب سے ہجرت کے وقت نو سال کے تھے۔ یہ بھی ان صحابہ کرام میں ہیں جن کی زیارت سے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف ہوئے۔

یہ تعلیق پوری یوں ہے۔ عاصم بن علجان نے کہا کہ ہم ابو العالیہ کے پاس گئے وہ بیمار تھے۔ لوگوں نے ان کو وضو کرایا جب ایک پاؤں رہ گیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس پر مسح کر دو، اس میں تکلیف ہے۔

باب سے مناسبت

یہاں امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے۔ عسل المرأۃ اباھا الدم عن وجھہ — بیٹی کا باپ کے چہرے سے خون دھونا۔ حدیث تو باب کے بالکل مطابق ہے مگر تعلیق کا باب سے کیا تعلق ہے، یہ ابتک لاینحل ہے۔ کتاب الوضوء میں اس باب کا مقصد کیا ہے۔ یہ بھی پردۂ خفا میں ہے۔ تعلیق کو تو وضوء سے تعلق ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی عضو پر پانی بہانا مضر ہو تو وہاں مسح کافی ہے۔ مگر حدیث کا وضو سے کیا تعلق ہے، وہ سمجھ سے بالاتر ہے۔ کیونکہ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باوضو ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ زخم کی بھی حالت میں اگر پانی مضر نہ ہو تو دھونا ہی فرض ہے مسح کافی نہیں۔

رہ گیا بعض لوگوں کا اس سے یہ سمجھنا کہ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ "عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا" بہت ہی بے تکی بات ہے۔

یہ حادثہ کب کا ہے

یہ غزوۂ احد کا واقعہ ہے۔ ابن قمیہ کی تلوار سے خود سر اقدس میں چبھ گیا تھا۔ اس سے سر اقدس لہولہان ہو گیا تھا۔ خون رکتا ہی نہ تھا۔[۲] حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ڈھال میں پانی بھر بھر کر لاتے تھے اور حضرت سیدہ اسے

---

۱ بخاری کتاب النکاح ص ۷۸۹۔ ۲ بخاری، طب ص ۸۵۲۔

الدَّمُ فَاُخِذَ حَصِيرٌ فَاُحْرِقَ فَحُشِيَ بِهٖ جُرْحُهٗ ع۵

دھوتی تھیں۔ چٹائی جلاکر زخم میں بھری گئی۔

(۱۷۸)
حدیث، اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوجدتہ یستن

عَنْ اَبِیْ بُرْدَۃَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوموسیٰ اشعری نے بیان کیا کہ میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور

فَوَجَدْتُهٗ یَسْتَنُّ بِالسِّوَاکِ بِیَدِهٖ یَقُوْلُ اُعْ اُعْ وَالسِّوَاکُ فِیْ

کو اپنے ہاتھ سے مسواک کرتے پایا۔ اع اع کی آواز نکال رہے تھے اور مسواک

دھوتی تھیں۔ مگر جب اس سے بھی خون نہ تھما تو حضرت سیدہ نے چٹائی جلاکر اس کی راکھ زخم میں بھردی جس سے خون بند ہوگیا۔

مسائل

اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل اخذ ہوئے (۱) عورت اپنے محارم مردوں کی تیمارداری کرسکتی ہے اور تیمارداری میں انھیں ہاتھ بھی لگاسکتی ہے (۲) علاج مسنون ہے۔ یہ توکل کے منافی نہیں (۳) انبیاء کرام پر ہر قسم کی ابتلاء، آزمائش، دکھ، درد، بیماری آسکتی ہے تاکہ ان کی شان عبودیت وبشریت ظاہر ہو اور کوئی ان کے معجزات کو دیکھ کر فتنے میں نہ پڑجائے کہ معاذاللہ یہ خدا تو نہیں۔ اور اُمت پر جب کوئی افتاد پڑے تو اسے صبروسکون ملے کہ یہ انبیاء کرام کی سنت ہے (۴) جو بات معلوم نہ ہو وہ جاننے والوں سے پوچھنی چاہیے (۵) بوقت ضرورت عالم یہ کہہ سکتا ہے کہ اس معاملہ کو میں سب سے زیادہ جانتا ہوں۔

تشریحات (۱۷۸، ۱۷۹)
حضرت حذیفہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے والد کا اصل نام حِسل یا حُسَیل تھا مگر یمان کے ساتھ مشہور ہیں۔ جنگ احد میں جب لڑائی کا رخ مسلمانوں کے خلاف ہوگیا اور اگلی صفیں پچھلی سے بھڑگئیں اس افراتفری میں حضرت یمان خود مسلمانوں کی تلواروں سے شہید ہوگئے۔ حضرت حذیفہ لاکھ چلاتے رہے مسلمانوں کیا کررہے ہو؟ مگر کسی نے کچھ سنا نہیں۔ حضرت حذیفہ کا یہ ایثار ہے کہ انھوں نے اپنے باپ کے خون کو معاف کردیا۔ حضرت حذیفہ کا لقب صاحب السر تھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاص رازدار تھے۔ منافقین کے سارے بھید جانتے تھے اور سب سے واقف تھے۔ یہ بات اتنی مشہور تھی کہ جب کوئی مرتا اور اس کی نماز جنازہ حضرت حذیفہ پڑھتے تو حضرت فاروق اعظم بھی پڑھتے اور اگر وہ نہیں پڑھتے تو یہ بھی نہیں پڑھتے۔

ع۵ ایضاً۔ جلد اول۔ جہاد۔ باب دواء الجرح باحراق الحصیر ص ۴۲۶۔ ایضاً۔ جلد ثانی۔ نکاح۔ باب ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن ص ۷۸۹۔ ایضاً۔ جلد ثانی۔ طب۔ باب حرق الحصیر لیسد بہ الدم ص ۸۵۲۔ مسلم۔ جلد ثانی۔ جہاد۔ باب غزوۂ احد۔ ص ۱۰۷، ترمذی۔ جلد ثانی۔ طب۔ باب التداوی بالرماد ص ۳۰۔ مسند امام احمد۔

فِيهِ كَأَنَّهُ يَتَهَوَّعُ عہ

حضور کے منہ میں بھی ایسا لگتا ہے گویا قے کر رہے ہیں۔

(۱۷۹) حدیث یشوص فاہ بالسواک

عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ - قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب

تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ عہ

رات میں اٹھتے تو اپنا منھ مسواک سے صاف کرتے

ایک بار پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ میرے عمال میں کوئی منافق ہے۔ حضرت حذیفہ نے کہا۔ ہاں ایک ہے، فرمایا نام بتاؤ بہت پوچھا مگر حضرت حذیفہ نے نام نہیں بتایا۔

یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عموماً فتنوں کو پوچھا کرتے تاکہ اس سے بچے رہیں۔ ان کے فضائل بہت ہیں جنگ خندق میں ایک رات سخت سردی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا، کوئی ہے، جو دشمن کے کیمپ میں جاکر ان کا حال معلوم کرکے آئے۔ موسم اتنا سخت تھا کہ کوئی نہ بولا۔ حضور نے ان کا نام لے کر پکارا، یہ حاضر ہوئے۔ حکم ہوا کہ دشمن کے کیمپ میں جاکر ان کا حال معلوم کرکے آؤ، مگر ان کو بھڑکانا مت۔ یہ گئے فرماتے ہیں معلوم ہوتا تھا کہ گرم حمام میں ہوں۔ ابو سفیان کو دیکھا، آگ تاپ رہے ہیں تیر کمان میں رکھی چاہا کہ چلاؤں مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم یاد آگیا تیر ترکش میں کرلی۔ وہاں حال یہ تھا کہ سخت آندھی کی وجہ سے خیموں کی میخیں اکھڑ گئی تھیں، چولھے سے دیگیں الٹ گئی تھیں۔ گھوڑے میدان میں آوارہ دوڑ رہے تھے۔ ابو سفیان نے اعلان کردیا۔ قریظہ اور غطفان نے ساتھ چھوڑ دیا موسم کا یہ حال ہے۔ رسد ختم ہے۔ اب واپس چلنا ہے۔ حضرت حذیفہ نے آکر خوشخبری سنائی۔ سرکار نے انھیں ایک عبا اڑھا کر سلا دیا صبح تک مزے سے سوتے رہے۔ ہمدان، رے، دینور کو انھوں نے فتح کیا۔ حضرت فاروق اعظم نے کچھ دن ان کو مدائن کا حاکم بھی بنایا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بیس دن بعد مدائن ہی میں وصال ہوا ۳۶ھ سنہ وصال ہے۔

عہ مسلم جلد اول طہارت باب السواک ص ۱۲۸، ابو داود جلد اول طہارت باب کیف یستاک ص ۷ نسائی جلد اول طہارت باب کیف یستاک ص ۵،

عہ ایضا جلد اول جمعہ باب السواک یوم الجمعۃ ص ۱۲۲، ایضا جلد اول تہجد باب طول الصلوٰۃ فی قیام اللیل ص ۱۵۳، مسلم جلد اول طہارت باب السواک ص ۱۲۸، ابو داؤد جلد اول طہارت باب السواک لمن قام باللیل ص۸، نسائی جلد اول طہارت باب السواک اذا قام من اللیل ص ۵، نسائی جلد اول قیام اللیل باب ما یفعل اذا قام من اللیل من السواک ص ۲۳۱ ابن ماجہ طہارت باب السواک ص ۲۵، دارمی وضو ۲۰، مسند امام احمد۔

ت (۵۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ
حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرَانِیْ اَتَسَوَّکُ بِسِوَاکٍ فَجَاءَنِیْ رَجُلَانِ
فرمایا میں نے (خواب) دیکھا کہ مسواک کررہا ہوں کہ میرے پاس دو شخص آئے

شیخ قطب الدین کی تصریح کے مطابق ان سے سینتیس حدیثیں مروی ہیں۔ بارہ متفق علیہ ہیں، آٹھ افراد بخاری سے اور سترہ افراد مسلم سے ہیں۔

مسواک کا حکم ہر وضو میں مسواک سنت ہے وضو کے علاوہ ان اوقات میں مستحب ہے۔ (۱) ہر نماز کے وقت، (۲) تلاوت قرآن مجید کے لئے (۳) سوکر اٹھنے کے بعد (۴) منہ میں جب بھی کسی وجہ سے بدبو پیدا ہو جائے اس وقت (۵) جمعہ کے دن (۶) سونے سے پہلے (۷) کھانے کے بعد (۸) سحر کے وقت۔ [۱]

مسواک کا طریقہ مسواک زیادہ سے زیادہ ایک بالشت لمبی اور چھوٹی انگلی کے برابر موٹی ہو ایک بالشت سے زائد لمبی مسواک ہرگز ہرگز نہ رکھیں حدیث میں ہے کہ اس پر شیطان بیٹھتا ہے۔ پیلو، زیتون وغیرہ کی ہو کسی خوشبودار یا پھلدار درخت کی نہ ہو استعمال سے پہلے مسواک دھولے۔ داہنے ہاتھ میں ایسے اس طرح کہ چھوٹی انگلی مسواک کے نیچے ہو اور بیچ کی تین انگلیاں مسواک کے اوپر اور انگوٹھا مسواک کے سرے پر رکھے دانتوں کی چوڑائی میں مسواک کرے لمبائی میں نہ کرے، پہلے داہنے طرف کے اوپر کے دانتوں میں کرے پھر بائیں طرف کے اوپر کے دانتوں میں پھر داہنے طرف کے نیچے کے دانتوں میں پھر بائیں طرف کے نیچے کے دانتوں میں۔ فارغ ہونے کے بعد بھی دھولے اور کسی محفوظ جگہ کھڑی کر کے رکھے، ریشہ اوپر کی جانب ہو۔ [۲]

تشریحات (۵۴) یہ واقعہ خواب کا بھی ہے اور بیداری کا بھی جیسا کہ بیہقی اور مسند امام احمد میں ہے، علامہ نووی نے یہ تطبیق دی کہ جب بیداری کا واقعہ پیش آیا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے خواب کا واقعہ بھی بیان فرمایا۔ یہ افادہ فرمانے کے لئے کہ میں نے جو کیا ہے وہ اس لئے کہ خواب میں مجھے اس کا حکم ہو چکا ہے۔ میرا خواب بھی وحی ہے راویوں میں جس کو جتنا یاد رہا اس نے اتنا بیان کیا۔ اس کی تائید ابوداؤد کی اس روایت سے ہوتی ہے جو ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسواک کررہے تھے۔ خدمت اقدس میں دو شخص حاضر تھے ایک بڑا دوسرا چھوٹا حضور کی طرف وحی ہوئی کہ مسواک بڑے کو دیں۔ [۳]

مسائل (۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ عمر میں بڑے ہوں ان کا لحاظ اور پاس رکھنا تعظیم و توقیر کرنی لازم ہے۔ خصوصاً بوڑھوں کی۔ حدیث میں ہے۔

---

[۱] عینی [۲] بہار شریعت حصہ دوم [۳] ابوداؤد جلد اول طہارت باب فی الرجل یستاک بسواک غیرہ ص ۷

اَحَدُهُمَا اَكْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ فَنَاوَلْتُ السِّوَاكَ الْاَصْغَرَ مِنْهُمَا		
ایک دوسرے سے بڑا تھا۔	میں نے چھوٹے کو مسواک دی	تو مجھ سے کہا گیا
فَقِيْلَ لِيْ كَبِّرْ فَدَفَعْتُهُ اِلَى الْاَكْبَرِ مِنْهُمَا۔ ع		
کہ بڑے کو دے	پھر	میں نے بڑے کو دی

من اجلال اللہ اکرام ذی الشیبۃ المسلم[لہ] اللہ کے اجلال میں بوڑھے مسلمان کی تعظیم ہے۔

(۲) جو ٹھی مسواک دوسروں کو دینی اور دوسرے کو استعمال کرنی جائز ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ دوسرا اسے دھولے (۳) بڑے کو حق تقدیم اس وقت ہے کہ بیٹھے نہ ہوں اور اگر لوگ بیٹھے ہوں تو حق تقدیم داہنے والوں کو ہے۔

قال ابو عبد اللہ اختصرہ نعیم

ابو عبد اللہ سے امام بخاری مراد ہیں نعیم وہی مشہور جعل ساز ہے۔ جس نے ذاتی عداوت کی بنا پر حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب جھوٹی حکایات گڑھ گڑھ کر پھیلائی ہیں جس کا ذکر مقدمہ میں ہو چکا ہے۔ میزان میں ہے۔ ان نعیما ھذا کان یزور حکایات فی ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی۔ یہ نعیم وہی ہے جو حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جھوٹی حکایات گڑھتا تھا۔

اس کا سبب یہ ہوا کہ یہ قاضی ابو مطیع بلخی تلمیذ حضرت امام کا میر منشی تھا کسی جرم میں اسے قید کر دیا۔ اس رنجش کی وجہ سے وہ حضرت امام کے پیچھے پڑ گیا۔ اس قسم کے لوگوں کی یہی عادت ہوتی ہے کہ دوسروں کو اذیت دینے میں زیادہ لذت پاتے ہیں پھر سوچتے ہیں ان سے انتقام لیا تو گیا بے گان کے بڑے کی خبر لو۔ یہ کذاب حضرت امام کو جہمی کہتا تھا۔ حالانکہ مسایرہ میں ہے کہ حضرت امام نے "جہم" سے مناظرہ کیا اور اخیر میں یہ کہکر دھتکار دیا "اے کافر میرے یہاں سے نکل جا" اسی سے سن سن کر امام بخاری نے بھی ایسی ہی باتیں کی ہیں تعجب ہے کہ حضرت امام بخاری جیسے ناقد متیقظ ثقہ محتاط کیسے اس کی روایت اپنی اس کتاب میں لائے۔ یہ بھی تاویل نہیں کر سکتے کہ نعیم کی روایت صرف استشہاد میں لائے اس لئے کہ اصول میں بھی اس سے روایت موجود ہے۔ دیکھو فصل استقبال القبلۃ ص ۵۲ کلل جواد کبوۃ "حق ہے۔"

قال عفان۔ اسے تعلیقات میں شمار کیا گیا ہے حالانکہ عفان امام بخاری کے شیخ ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث امام بخاری نے عفان سے مناولۃً سنی ہو مذاکرۃً نہ سنی ہو۔ شیخ جب تحدیث کے لئے بیٹھا ہو اور سلسلہ کلام میں کوئی حدیث بیان کرے تو مناولت ہے اور جب حدیث بیان کرنے کے لئے بیٹھے اور حدیث بیان کرے وہ مذاکرہ کہلاتا ہے۔ اس تقدیر پر یہ حدیث متصل ہوگی، اسکا بھی امکان ہے کہ امام بخاری نے اسے کسی اور واسطے سے سنا ہو اور کسی وجہ سے امام بخاری اس کا ذکر پسند نہ کرتے ہوں اس لئے عفان کہدیا۔ اس تقدیر پر یہ تعلیق ہوگی۔

ع مسلم جلد اول زہد باب النہی عن المدح اذا کان فیہ افراط ص ۴۱۴

لہ ابو داؤد جلد ثانی ادب، باب فی تنزیل الناس منازلھم ص ۳۰۹

(۱۸۰) حدیث فضل من نام علی الوضوء

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، قَالَ، قَالَ النَّبِیُّ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَیْتَ مَضْجَعَکَ فَتَوَضَّأْ

وسلم نے فرمایا جب تم اپنے بستر پر آنا چاہو تو پہلے نماز جیسا وضو کرلو پھر

وُضُوْءَکَ لِلصَّلٰوۃِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰی شِقِّکَ الْاَیْمَنِ۔ ثُمَّ قُلْ

داہنی کروٹ پر لیٹ جاؤ اور یہ پڑھو اے اللہ

اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ وَجْھِیْ اِلَیْکَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْکَ وَالْجَاْتُ

میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کیا اور اپنا معاملہ تجھے سونپ دیا تجھی کو

تشریحات ۱۸۰

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوسی انصاری صحابی ہیں، غزوۂ احد میں شریک ہونا چاہا، عمر کم ہونے کی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ واپس کردئے گئے سب سے پہلے غزوۂ خندق میں شریک ہوئے پھر اس کے بعد تمام مشاہد میں ہمرکاب اقدس رہے۔ انھوں نے ۲۴ھ میں رے فتح کیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تستر کے جہاد میں شریک ہوئے۔ حضرت علی کے حامیوں میں تھے۔ تمام معرکے میں ان کے ساتھ رہے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایام خلافت میں وصال فرمایا کوفے میں ان کے والد ماجد حضرت براء بھی صحابی ہیں ان سے پانچ سو پانچ حدیثیں مروی ہیں ان میں سے بائیس متفق علیہ ہیں اور پندرہ صرف امام بخاری نے چھ تنہا امام مسلم نے روایت کی ہے۔

تکمیل شیخین نے یہ حدیث مختلف طرق سے روایت کی ہے مگر وضو کا ذکر سوائے اس روایت کے اور کسی میں نہیں کتاب الدعوات باب مایقول اذا نام میں ہے۔ ایک شخص کو وصیت فرمائی جب تو اپنے بچھونے کا ارادہ کرے۔ وہاں اذا اردت مضجعک ہے۔

اور باب النوم علی الشق الایمن میں ہے کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر جاتے تو داہنی کروٹ پر سوتے۔

وجہ کے معنی ذات کے بھی ہیں۔ اس لئے میں نے اسلمت وجھی کے معنی یہ کئے۔

میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کیا ایسے وجہ کے معنی چہرے کے بھی ہوں گے۔ اب معنی یہ ہوں گے، میں نے اپنا چہرہ تیری طرف جھکا دیا۔ مقصود وہی ہے۔

اَنْزَلْتَ، قُلْتُ وَرَسُوْلِكَ قَالَ لَا وَبِنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ ؏

ورسولک توحضور نے فرمایا نہیں وبنبیک الذی ارسلت۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الغسل

(۱۸۱) حدیث الوضوء قبل الغسل

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اَنَّ النَّبِيَّ

ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ

کی فلاح ہے۔ احادیث میں وارد ہے کہ بعض دفعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چت لیٹا کرتے تھے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ دونوں جمع کرے پہلے تھوڑی دیر چت لیٹ لے پھر داہنی کروٹ پر لیٹے۔

براعۃ اختتام امام بخاری ہر کتاب کے اختتام پر ایسی حدیث لاتے ہیں جس سے آخر حیات کی طرف اشارہ ہوتا ہے یہاں حدیث مذکور میں ہے۔ فان مت مت علی الفطرت

اللھم ارزقنا حسنہ

اس حدیث پر کتاب الوضوء ختم ہوئی اور پہلا پارہ بھی پورا ہوا۔

تشریحات (۱۸۱) پہلے سے مناسبت طہارت بمنزلہ جنس کے ہے۔ اس کی دو نوعیں ہیں۔ طہارت حقیقیہ، طہارت حکمیہ پھر طہارت حکمیہ کی دو قسمیں ہیں طہارت صغریٰ، طہارت کبریٰ۔ وضو طہارت صغریٰ ہے اس کے بیان سے فارغ ہوئے اب طہارت کبریٰ یعنی غسل کو بیان فرما رہے ہیں۔

مسائل (۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ غسل سے پہلے دونوں ہاتھوں کو دھونا سنت ہے۔ (۲) وضو کرنا مستحب ہے (۳) غسل کی حقیقت یہ ہے کہ پورے جسم پر پانی بہا دیا جائے ۔ حتیٰ کہ بالوں کی جڑوں میں بھی بلکہ بال کی جڑوں کا خصوصیت سے خیال رکھنا لازم ہے۔ اس حدیث میں یہ ہے۔

پھر پورے جسم پر پانی بہاتے

اس سے معلوم ہوا کہ غسل صحیح ہونے کے لئے پورے جسم پر پانی کا بہہ جانا کافی ہے۔ بدن کا ملنا فرض نہیں جیسا کہ مالکیہ فرماتے ہیں

؏ بخاری جلد ثانی دعوات باب اذابات طاھرا ص ۹۳۳ ایضا جلد ثانی دعوات باب مایقول اذا نام ص ۹۳۴ ایضا جلد ثانی دعوات باب النوم علی الشق الایمن ص ۹۳۴ مسلم جلد ثانی ذکر باب الدعا عند النوم ص ۳۴۸، ابو داؤد جلد ثانی الادب۔ باب مایقوم عند النوم ص ۳۳۲ ترمذی جلد ثانی الدعوات باب فی الدعا اذا اوی الی فراشہ ص ۱۷۵،

؎ بخاری

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ فَغَسَلَ

علیہ وسلم جب جنابت سے غسل فرماتے تو سب سے پہلے اپنے ہاتھوں کو دھوتے

يَدَيْهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يُدْخِلُ أَصَابِعَهُ فِي الْمَاءِ فَيُخَلِّلُ

پھر نماز جیسا وضو کرتے پھر اپنی انگلیاں پانی میں ڈالتے اور ان کے ذریعہ بالوں کی جڑوں

بِهَا أُصُولَ الشَّعْرِ، ثُمَّ يَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهِ ثَلٰثَ غُرَفٍ بِيَدِهِ ثُمَّ

میں پانی پہنچاتے۔ پھر تین چلو پانی اپنے سر پر بہاتے پھر

يُفِيضُ الْمَاءَ عَلٰى جِلْدِهِ كُلِّهِ ۔ع٥

پورے جسم پر پانی بہاتے

(۱۸۲) حدیث۔ کیفیۃ غسل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من الجنابۃ

عَنْ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ تَوَضَّأَ

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُضُوءَهُ لِلصَّلٰوةِ غَيْرَ

نماز جیسا وضو کیا سوائے اس کے

کہ

تشریحات (۱۸۲) تکمیل

یہ حدیث مختلف طرق سے مروی ہے ان سب کو اکٹھا کرنے کے بعد پوری حدیث یہ ہوتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے حضرت میمونہ نے پانی رکھا اور پردہ کر کے کھڑی ہوگئیں۔ سب سے پہلے حضور نے دونوں ہاتھ دھوئے پھر اپنا عضو تناسل اور جہاں نجاست لگی تھی دھویا پھر ہاتھ کو دیوار پر ملا اور دھویا پھر وضو فرمایا مگر پاؤں نہیں دھویا پھر چلو بھر کر تین چلو سر پر پانی ڈال کر پورے جسم پر پانی بہایا پھر وہاں سے ہٹ کر پاؤں دھوئے، میں نے رومال پیش کیا تو نہیں لیا ہاتھ جھٹکنے لگے۔

اگر غسل ایسی جگہ کر رہا ہو جہاں پانی جمع رہتا ہے تو ابتداء میں جب وضو کرے تو پاؤں نہ دھوئے غسل سے فارغ ہونے

ع٥ ایضا باب ھل یدخل الجنب یدہ فی الاناء الخ ص ۴۰۔ باب تخلیل الشعر حتی ظن انہ قد اروی بشرتہ افاض علیہ ص ۴۱۔ مسلم جلد اول طہارت باب صفۃ الغسل من الجنابۃ ص ۱۴۷۔ ابوداؤد جلد اول طہارت باب الغسل من الجنابۃ ص ۳۲۔ نسائی جلد اول طہارت باب ذکر وضوء الجنب قبل الغسل ص ۴۹۔ ترمذی جلد اول طہارت باب ماجاء فی الغسل من الجنابۃ ص ۱۵۔ ابن ماجہ جلد اول طہارت باب ماجاء فی غسل الجنابۃ ص ۴۳۔

رِجْلَيْهِ وَغَسَلَ فَرْجَهُ وَمَا اَصَابَهُ مِنَ الْاَذٰی ثُمَّ اَفَاضَ

پاؤں نہیں دھویا۔ اور اپنی شرمگاہ اور جہاں نجاست لگی تھی دھوئی۔ پھر پورے

عَلَيْهِ الْمَاءَ ثُمَّ نَحّٰی رِجْلَيْهِ فَغَسَلَهُمَا هٰذَا غُسْلُهُ مِنَ

بدن پر پانی بہایا اس کے بعد دونوں پاؤں کو ہٹایا اور دونوں کو دھویا۔ یہ

الْجَنَابَةِ ۶

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جنابت سے غسل ہے

(۱۸۳) حدیث الغسل من فرق

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا

ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں اور

کے بعد دھوئے اور اگر وہاں پانی جمع نہ رہتا ہو تو وضو ہی کے ساتھ پاؤں بھی دھوئے پہلی صورت میں پاؤں اسلئے نہیں دھوئے جائیں گے کہ وضو بیکار رہیگا جب پانی جمع ہے تو پھر پاؤں آلودہ ہوجائے گا۔

مسائل اس حدیث سے یہ مسائل ثابت ہوئے (۱) غسل کرنے میں سب سے پہلے دونوں ہاتھ دھوئے (۲) شرمگاہ اور جہاں جہاں نجاست لگی ہو دھوئے (۳) ہاتھ میں جب بھی نجاست لگے تو اسے مٹی سے ملکر دھوئے۔ یہاں تین روایات میں ایک یہ کہ دیوار پر ہاتھ مارا ایک یہ کہ زمین پر ہاتھ مارا ایک یہ کہ مٹی سے ملا۔ سب کا حاصل ایک ہے (۴) غسل میں وضو سنت ہے پردے کے اندر ننگے نہانے میں کوئی حرج نہیں (۵) حضور نے رومال قبول نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ نہانے کے بعد رومال یا تولیہ سے بدن پوچھنا ممنوع ہے مگر حقیقت میں ممانعت نہیں۔ کبھی گرمی کی وجہ سے جی یہ چاہتا ہے کہ سر بھیگا رہے اور پانی بدن ہی میں جذب ہوجائے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رومال نہ لینا اسی خیال سے ہے۔ اسلئے کہ ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ ام المومنین حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے ایک کپڑے کا ٹکڑا تھا جس سے بدن پوچھا کرتے تھے (۶) سر اور داڑھی کے بالوں کا خلال کرنا جیسا کہ تصریح ہے کان یخلل اصول شعرہ۔ (۷) پورے جسم پر تین بار پانی بہانا۔

تشریحات (۱۸۳،۱۸۴،۱۸۵)

حضرت امام زین العابدین

رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکابر سادات اہلبیت اور اجلہ تابعین میں ہیں امام زہری نے فرمایا کہ کسی قرشی کو ان سے افضل نہیں دیکھا۔ حضرت علی

ع بخاری جلد اول غسل باب الغسل مرۃ واحدۃ ص ۳۹ ایضا جلد اول غسل باب المضمضۃ والاستنشاق فی الجنابۃ ص ۴۰ ایضا جلد اول غسل باب مسح الید بالتراب لیکون انقی ص ۴۰ ایضا جلد اول غسل باب من افرغ بیمینہ علی شمالہ ص ۴۰ ایضا تفریق الغسل والوضوء ص ۴۰ ایضا من توضا فی الجنابۃ ثم غسل سائر جسدہ ص ۴۱ ایضا نفض الیدین من غسل الجنابۃ ص ۴۱ ایضا من اغتسل عریانا وحدہ فی الخلوۃ ص ۴۲ مسلم جلد اول غسل باب صفۃ الغسل ص ۱۴۷ ابوداؤد جلد اول غسل باب غسل الجنابۃ ص ۳۳ نسائی جلد اول طہارت باب غسل الرجلین فی غیر مکان الذی یغتسل فیہ ص ۴۹ ترمذی جلد اول طہارت باب ماجاء فی غسل الجنابۃ ص ۱۵ ابن ماجہ جلد اول طہارت باب ماجاء فی غسل الجنابۃ ص ۴۳

وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنْ قَدَحٍ

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک برتن سے جس کو فرق

يُقَالُ لَهُ الْفَرَقُ ع۵

کہتے ہیں نہایا کرتے تھے۔

(۱۸۴) حديث الغسل من صاع

سَمِعْتُ اَبَا سَلَمَةَ يَقُوْلُ دَخَلْتُ اَنَا وَاَخُوْ عَائِشَةَ عَلٰى عَائِشَةَ

ابو سلمہ کہتے ہیں کہ میں اور حضرت ام المومنین کے ایک (رضاعی) بھائی ان کی خدمت میں

فَسَأَلَهَا اَخُوْهَا عَنْ غُسْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

حاضر ہوئے۔ اس نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غسل کیسے

وَسَلَّمَ فَدَعَتْ بِاِنَاءٍ نَحْوٍ مِّنْ صَاعٍ فَاغْتَسَلَتْ وَاَفَاضَتْ

فرماتے تھے۔ توام المومنین نے ایک صاع کے قریب ایک برتن منگایا اور غسل فرمایا

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایام خلافت ۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۴ھ میں ۵۸ سال کی عمر پاکر مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ جنت البقیع میں اپنے عم مکرم حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں مدفون ہیں۔ سلاطین عثمانیہ نے اہل بیت کے تمام مزارات پر ایک عالیشان قبہ بنوادیا تھا جو قبہ عباس کے نام سے مشہور تھا، ابن سعود نجدی نے اپنے تغلب کے بعد قبے کو ڈھادیا اور تمام مزارات کو توڑ کر کھنڈر کر دیا۔

واقعہ کربلا کے وقت تقریباً چوبیس سال کے تھے بیماری کیوجہ سے بچ گئے۔ بعض ظالموں نے شہید کرنا چاہا تو ابن سعد نے سختی سے روکدیا۔ ان کے بڑے بھائی حضرت علی اکبر شہید وہیں شہید ہوئے۔ ۱؎

مشہور یہ ہے کہ ایران کے آخر تاجدار یزدجرد کی بیٹی شہربانو کے بطن سے ہیں۔ بعض مورخین نے اس کا سختی سے انکار کیا ہے والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

حدیث ۱۸۵ میں سائل حضرت محمد بن حنفیہ کے صاحبزادے حضرت حسن ہیں جیساکہ بخاری میں اس کے بعد والی روایت میں تصریح ہے۔ حضرت جابر نے امامت اس لئے کی کہ یہی ان سب میں زیادہ علم والے اور سب سے

ع۵ مسلم جلد اول حیض باب قدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ ص ۱۴۸ ابو داؤد جلد اول طہارت باب مقدار الماء الذی یجزی بہ الغسل ص ۳۱ نسائی جلد اول غسل، باب ذکر القدر الذی یکتفی بہ الرجل من الماء للغسل ص ۴۶ دارمی وضوء ۶۸ موطا امام مالک طہارت ۶۸ مسند امام احمد ۱؎ البدایہ والنہایہ والکمال۔

عَلٰى رَاسِهَا وَبَيْنَنَا وَبَيْنَهَا حِجَابٌ قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ قَالَ يَزِيْدُ بْنُ

اور اپنے سر پر پانی بہایا ہمارے اور ان کے درمیان پردہ تھا۔ امام بخاری نے کہا کہ یزید بن

هَارُوْنَ وَبَهْزٌ وَالْجُدِّيُّ عَنْ شُعْبَةَ قَدْرَ صَاعٍ ؏

ہارون اور بہز اور جُدّی نے شعبہ سے نحو من صاع کے بجائے قدر صاع روایت کیا۔

(۱۸۵) حديث ايضًا۔ حَدَّثَنَا اَبُوْجَعْفَرٍ اَنَّهٗ كَانَ عِنْدَ جَابِرِ

ہم سے ابو جعفر حضرت امام باقر نے حدیث بیان کی یہ اور ان کے والد

بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ هُوَ وَاَبُوْهُ وَعِنْدَهٗ قَوْمٌ فَسَاَلُوْهُ عَنِ الْغُسْلِ

(امام زین العابدین) حضرت جابر کے گھر تھے اور وہاں اور لوگ بھی تھے لوگوں نے

فَقَالَ يَكْفِيْكَ صَاعٌ فَقَالَ رَجُلٌ مَا يَكْفِيْنِيْ، فَقَالَ جَابِرٌ كَانَ

ان سے غسل کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا غسل کیلئے ایک صاع پانی کافی ہے اس پر کسی نے کہا مجھے کافی نہ

يَكْفِيْ مَنْ هُوَ اَوْفٰى مِنْكَ شَعْرًا وَخَيْرٌ مِنْكَ ثُمَّ اَمَّنَا فِيْ ثَوْبٍ ؏

ہوگا تو حضرت جابر نے فرمایا اتنا پانی اس ذات کیلئے کافی ہوتا تھا جنکے بال تم سے زیادہ تھے اور جو تم سے بہتر تھے اور حضرت جابر نے صرف ایک کپڑا پہنے پہنے ہماری امامت کی۔

افضل بھی تھے کہ یہ صحابی تھے۔ یا اس بنا پر کہ یہ ان کا گھر تھا۔ ایک کپڑے میں نماز پڑھا کر یہ بتایا کہ نماز کے لئے دو یا اس سے زائد کپڑوں کی شرط نہیں، صرف بدن کے ان حصوں کا چھپانا ضروری ہے جنھیں نماز میں چھپانے کا حکم ہے۔

صاع اور فرق کی پوری تحقیق و تفصیل حدیث ۱۴۶ میں گذر چکی۔ وہیں یہ بھی بیان کیا گیا کہ حدیث ۱۸۳ میں حضرت ام المومنین کی مراد یہ ہے کہ باری باری یکے بعد دیگرے میں بھی اسی برتن سے نہالیتی اور حضور بھی۔ اس حدیث میں اخوھا سے مراد رضاعی بھائی ہیں جیسا کہ مسلم شریف اور نسائی شریف کی حدیث میں تصریح ہے انکا نام غالباً عبداللہ بن یزید ہے [لہ]

حضرت ام المومنین، ابو سلمہ کی رضاعی خالہ تھیں۔ ابو سلمہ نے ام المومنین کی بہن، ام کلثوم بنت ابی بکر الصدیق کا دودھ پیا تھا۔ یہ دونوں محرم تھے اس لئے حضرت ام المومنین اتنا پردہ کر کے کہ صرف سر نظر آرہا تھا۔ بقیہ جسم پردے میں تھا، غسل کر کے بتایا۔ عملی تعلیم بہ نسبت قول کے زیادہ دلنشین ہوتی ہے، صحابہ کرام کا اکثر یہ دستور تھا کہ جب کوئی پوچھتا تو عمل کر کے بتادیتے۔

[؏] مسلم جلد اول حیض۔ باب قدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ ص ۱۴۸ نسائی جلد اول غسل، باب ذکر القدر الذی یکتفی بہ الرجل من الماء للغسل ص ۴۶۔ مسند امام احمد۔

[؏] بخاری جلد اول غسل ۱۱ اسی باب میں دو اور طریقے سے۔ نسائی جلد اول غسل، باب ذکر القدر الذی یکتفی بہ الرجل من الماء للغسل ص ۴۶

[لہ] تیسیر القاری الجزء الثانی ص ۱۰۶،

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَّا اَنَا فَاُفِیْضُ عَلٰی رَاْسِیْ ثَلٰثًا وَاَشَارَ بِیَدَیْہِ
فرمایا میں اپنے سر پر تین مرتبہ پانی بہاتا ہوں اور اپنے
کِلْتَیْہِمَا ع ۵
دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا

تعالیٰ عنہ کے حکم سے کوفہ بسایا جانے لگا تو پہلے پہل جو لوگ کوفے میں جاکر آباد ہوئے ان میں یہ بھی تھے۔ بنی خزاعہ کے محلے میں گھر بنایا۔ اپنی قوم میں بہت ہر دلعزیز اور مقبول تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص محبین میں تھے صفین کے خونی معرکے میں یہ حضرت علی کے ساتھ تھے۔ جوشن کو انھوں نے مارا تھا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھکر کوفہ بلانے والوں میں یہ بھی تھے، مگر عین موقع پر گھر بیٹھے رہے۔ شہادت کے بعد احساس ہوا اب پچھتائے مگر اب کیا ہوتا ہے، پھر یہ اور مسیب بن نجیبہ نے انتقام حسین کی تحریک چلائی اور اپنا نام توابین رکھا اور حضرت سلیمان بن صرد کو امیر بنا کر چار ہزار لشکر اکٹھا کر کے ابن زیاد کے مقابلے کیلئے نکلے۔ یہ قصہ پہلی ربیع الآخر ۶۵ھ کا ہے۔ ادھر سے ابن زیاد نے اپنا لشکر بھیجا مقام عین التمر پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ سلیمان بن صرد اور مسیب دونوں مارے گئے۔ ان کے سر مروان کے پاس بھیجے گئے۔ شہادت کے وقت انکی عمر ترانوے سال تھی۔ انھیں یزید بن حصین بن نمیر نے تیر سے شہید کیا تھا۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنی نوفل کے چشم و چراغ تھے ان کی کنیت ابو محمد ہے۔ ان کے والد مطعم بن عدی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بہت مہربان تھے، حضرت جبیر بن مطعم صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے مابین ایمان لائے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بدر کے بعد قیدیوں کی رہائی کے سلسلے میں آئے تھے۔ نماز مغرب یا عشا میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دہان اقدس سے سورہ طور سنی تو دل لرز اٹھا اور ایمان کی پہلی کرن پھوٹی۔ قیدیوں کی شفارش پر فرمایا۔ اگر تمھارے باپ زندہ ہوتے اور ان کے بارے میں سفارش کرتے تو ضرور انکو چھوڑ دیتا۔

قریش کے بہت ماہر انساب تھے، زمانہ معاویہ میں مدینہ طیبہ ہی میں وصال ہوا ۹۷ھ تا ۹۹ھ سن وصال ہے۔

تکمیل مسلم اور نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور غسل کے بارے میں کچھ لوگ لڑ پڑے یہ کہنے لگے میں تو اپنے سر کے ساتھ ایسا ایسا کرتا ہوں اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔

ع ۵ مسلم جلد اول طہارت، باب استحباب افاضۃ الماء علی الراس ثلثا ص ۱۴۹ - ابوداؤد جلد اول طہارت باب فی الغسل من الجنابۃ ص ۳۲ - نسائی جلد اول غسل باب ذکر ما یکفی الجنب من افاضۃ الماء علی راسہ ص ۴۹ ابن ماجہ طہارت باب فی الغسل من الجنابۃ ص ۴۴

(۱۸۸) حدیث۔ افاضۃ الماء علی سائر الجسد ثلثا

حَدَّثَنِیْ اَبُوْجَعْفَرٍ قَالَ لِیْ جَابِرٌ اَتَانِیْ اِبْنُ عَمِّكَ یُعَرِّضُ بِالْحَسَنِ
حضرت ابوجعفر یعنی امام باقر نے فرمایا کہ مجھ سے جابر نے بیان کیا کہ میرے پاس آپکے چچا کے لڑکے آئے

بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِیَّةِ قَالَ كَیْفَ الْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ فَقُلْتُ كَانَ
ان کی مراد حسن بن محمد بن حنفیہ سے تھی۔ اور پوچھا جنابت سے غسل کیسے کیا جائے؟ تو میں نے کہا کہ

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَاْخُذُ ثَلٰثَ اَكُفٍّ فَیُفِیْضُهَا
نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین چلو پانی لیتے اور اسے اپنے سر پر ڈالتے

عَلٰی رَاْسِهٖ ثُمَّ یُفِیْضُ عَلٰی سَائِرِ جَسَدِهٖ فَقَالَ لِیَ الْحَسَنُ اِنِّیْ رَجُلٌ
پھر اپنے پورے جسم پر اس پر حسن نے مجھ سے کہا میں بہت زیادہ

كَثِیْرُ الشَّعْرِ فَقُلْتُ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَكْثَرُ مِنْكَ شَعْرًا
بال والا انسان ہوں۔ میں نے کہا کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم سے زیادہ بال والے تھے

(۱۸۹) حدیث افاضۃ الماء علی الراس

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ

مسائل

اس حدیث سے یہ مسائل اخذ کیے گئے: غسل میں تین بار پورے جسم پر پانی بہانا سنت ہے حدیث میں اگرچہ صرف سر پر تین بار پانی بہانے کا ذکر ہے۔ مگر اسی پر قیاس کر کے پورے جسم پر تین بار پانی بہانے کو مسنون کہا گیا ہے۔

تشریح (۱۸۸)

یہ حدیث ۱۸۵ ہی ہے تھوڑے تغیر اور الفاظ کے اختلاف کیساتھ یہ حدیث احناف کے مسلک پر نص ہے کہ سر کی طرح پورے جسم پر تین بار پانی بہانا مسنون ہے۔

تشریحات (۱۸۹)

حلاب اس برتن کو کہتے ہیں جسمیں اونٹنی کا ایک وقت کا دودھ آجائے اور مطلقا ہر دودھ کے برتن کو بھی کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ برتن ایک بالشت کچھ کم لمبا چوڑا ہوتا ہے۔ امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے من بدء بالحلاب او الطیب عند الغسل۔ جس نے حلاب یا خوشبو سے غسل شروع کیا۔ طیب کا استعمال باب میں ذکر کی ہوئی کسی حدیث سے نہیں ثابت ہوتا۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ دَعَا بِشَيْءٍ نَحْوِ الْحِلَابِ فَأَخَذَ

علیہ وسلم جب جنابت سے غسل کرتے تو حلاب کے مثل کوئی برتن منگاتے پھر اُسے اپنے

بِكَفِّهِ فَبَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ الْأَيْسَرِ فَقَالَ بِهِمَا عَلَى وَسْطِ رَأْسِهِ

ہاتھ میں لیتے اور سر کی داہنی جانب سے شروع فرماتے پھر بائیں جانب ڈالتے پھر دونوں ہاتھ سے بیچ سر کو ملتے ۔ع

اس پر شراح نے موافقت و مخالفت میں بہت نکتہ آفرینیاں کی ہیں جو اس کی سیر کرنا چاہے وہ بخاری کی شرحیں مطالعہ کرے۔

لیکن شارحین کی ان سب ابحاث کی بنیاد اس پر ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "حلاب" منگاتے اور اسی سے نہاتے ــ اس وقت درست ہوتا جب حدیث میں ــ دعا بالحلاب ــ ہوتا ــ مگر جبکہ حدیث میں یہ ہے ــ دعا بشیٔ نحو الحلاب ــ یعنی حلاب جیسا کوئی برتن منگاتے تو اب ان ابحاث کی گنجائش نہ رہی ــ اس لئے کہ نکتہ آفرینی کی بنیاد اس پر قائم تھی کہ " حلاب " دودھ کے برتن میں بو ہوتی ہے ، اور جب اس میں پانی رکھا جائے گا تو بو پانی میں آجائے گی ۔ مگر مگر جب حدیث میں یہ ہے ــ کہ حلاب جیسا برتن منگاتے تو اس کی گنجائش نہ رہی ــ اب دو مطلب ظاہر ہے ــ ایک یہ کہ ــ اخذ کا مفعول محذوف شی ــ کو مانا جائے تو معنی یہ ہوں گے ــ کہ اس چیز کو اپنے ہاتھ میں لیتے اور مشک وغیرہ یا کسی اور بڑے برتن میں سے اس چیز سے پانی لیتے ــ جیسے آجکل بالٹی میں پانی بھر لیا جاتا ہے ــ اور مگھ وغیرہ سے نکال نکال کر نہایا جاتا ہے ــ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ اخذ کا مفعول "ماء" کو محذوف مانا جائے جس پر قرینہ حالیہ دلالت کرتا ہے ــ تو معنی یہ ہوں گے کہ اپنے ہاتھ سے پانی اس چیز میں سے لے کر نہاتے ــ پہلا احتمال ظاہر ہے ــ بعض شارحین نے یہ لکھا ہے کہ " حلاب " گلاب کا معرب جُلاب تھا اور بدل کر " حلاب " ہوگیا ــ یہ احتمال اس قابل بھی نہیں کہ اس کو لکھا جاتا مگر ناظرین کی معلومات کے لئے ہم نے لکھدیا ۔

قال کے معنی یہاں ملنے کے ہیں ۔ قال تقریبًا افعال عامہ سے ہے ۔ اپنے مفعول کے اعتبار سے اس کے معانی بدلتے رہتے ہیں ۔ مثلاً قال بیدہ ــ ہاتھ سے پکڑا ــ قال برجلہ ــ پیدل چلا ــ وغیرہ وغیرہ ۔

ع مسلم جلد اول ـ حیض ـ باب صفۃ غسل الجنابۃ ص ۱۴۷

ابوداؤد ـ طہارت باب فی الغسل من الجنابۃ ص ۳۲

ت (۵۵) وَاَدْخَلَ ابْنُ عُمَرَ وَبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ يَدَهٗ فِي الطَّهُوْرِ

حضرت ابن عمر اور براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بغیر دھلا ہاتھ پانی میں ڈالا پھر

وَلَمْ يَغْسِلْهَا ثُمَّ تَوَضَّاءَ عہ

اس سے وضو کیا

ت (۵۶) وَلَمْ يَرَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ بَاسًا بِمَا يَنْتَضِحُ مِنْ

حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم، جنابت کی حالت میں نہانے سے جو چھینٹیں پڑتیں

غُسْلِ الْجَنَابَةِ عہ

اس سے کچھ حرج نہیں جانتے

تشریحات (۵۵) (۵۶) یہاں امام بخاری یدہ میں واحد کی ضمیر لائے ہیں اور بعد میں "توضأ" واحد کا صیغہ لائے ہیں۔ حالانکہ مراد ان کی یہ ہے کہ حضرت ابن عمر اور براء بن عازب دونوں اپنا اپنا ہاتھ بغیر دھوئے پانی میں ڈالتے اور دونوں وضو کرتے۔ امام بخاری کو یدھما تثنیہ کی ضمیر لانی ضرور تھی۔ اور توضأ، تثنیہ کا صیغہ لانا لازم تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بتاویل کل واحد، واحد کی ضمیر اور واحد کا صیغہ لائے ہیں۔

باب کا فائدہ امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ محدث یا جنبی اگر دھوئے بغیر برتن میں ہاتھ ڈالدے تو پانی طاہر بھی رہتا ہے اور مطہر بھی۔ یہ احناف کے مسلک کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ احناف کا مسلک مفتی بہ یہ ہے کہ محدث یا جنبی اگر بغیر دھوئے ہاتھ پانی میں ڈالدے گا تو پانی مستعمل ہو جائے گا، جو طاہر ہے مگر مطہر نہیں۔ احناف کا جواب یہ ہے کہ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول۔ ابن ابی شیبہ میں یہ ہے کہ اگر کوئی جنابت کی حالت میں چلو سے پانی لے گا تو پانی نجس ہو جائیگا۔[۱]

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول و فعل کو تعارض سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ "بخاری" کے اس اثر میں حالت جنابت مستثنیٰ ہو۔ رہ گیا حدث کی حالت میں ہاتھ ڈالنے کا معاملہ تو اس اثر میں اس پر کوئی دلیل نہیں کہ حالت حدث میں ایسا کرتے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ ایسی حالت کا ہو جب یہ حضرات وضو پر وضو کرتے ہوں۔ اس کا بھی امکان ہے کہ یہ ایسے وقت کا قصہ ہو جب پانی بڑے برتن میں ہو جسے اونڈھا کرنا ممکن نہ ہو اور کوئی چھوٹا برتن نہ رہا ہو جس سے پانی لیتے۔ ایسی صورت میں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ پہلے بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے پانی لے کر داہنے ہاتھ کو دھوئے، پھر داہنے ہاتھ سے پانی لے کر بائیں ہاتھ کو دھوئے۔ اس اثر میں "یدہ" واحد کا صیغہ اسی کی طرف مشعر ہے۔ پھر یہ صحابی کا فعل ہے اور حدیث ۱۱۹ میں ہے کہ فرمایا

عہ عبد الرزاق بمعناہ عہ ابن ابی شیبہ بمعناہ منقطعًا [۱] شرح شیخ الاسلام الجزء الثانی ص ۲۹۰

حدیث (۱۹۰) اغتسل انا والنبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم من اناء واحد

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا میں اور نبی صلی اللہ تعالی

تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ تَخْتَلِفُ اَیْدِیْنَا فِیْهِ عہ

علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرتے، ہم اپنے ہاتھ یکے بعد دیگرے اس برتن میں ڈالتے

حدیث (۱۹۱) غسل الیدین فی الغسل

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا

قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جب جنابت سے

الْجَنَابَةِ غَسَلَ یَدَهٗ عہ

غسل فرمانا چاہتے تو اپنے ہاتھ کو دھولیتے

"جب تم سو کر اٹھو تو برتن میں ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھ کو دھولو"

فلیغسل یدہ میں امر ہے اور امر میں اصل وجوب ہے۔ وجوب اس کی دلیل ہے کہ سو کر اٹھنے کے بعد برتن میں ہاتھ ڈالنا ممنوع ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ممانعت اس وجہ سے نہیں کہ اس وقت برتن میں ہاتھ ڈالنا گناہ ہے لامحالہ اس کا محمل یہی ہے کہ لائق وضوو غسل نہیں۔ نجس کہہ نہیں سکتے اسلئے کہ پانی پاک تھا اور ہاتھ کا نجس ہونا یقینی نہیں۔ شک سے نجاست ثابت نہیں ہوگی تو لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ پانی تو پاک ہے مگر وضوو غسل کے لائق نہیں یہی معنی ہیں "طاہر غیر مطہر" کے۔ حدیث صحیح کے معارض اصحابی کا عمل نہیں ہو سکتا اس لئے اس اثر کو مذکورہ دونوں محملوں میں سے ایک پر محمل کرنا لازم ہوگا۔ رہ گئی دوسری تعلیق یہ ہمارے مذہب کے قطعاً معارض نہیں۔ غسل جنابت کے وقت جو چھینٹیں اڑتی ہیں وہ زیادہ سے زیادہ ماء مستعمل ہوں گی اور ہم ماء مستعمل کو پاک مانتے ہیں ناپاک نہیں مانتے کہ اگر وہ پانی میں پڑ جائے تو پانی ناپاک ہو جائے۔

تشریحات (۱۹۰)	بخاری، باب تخلیل الشعر حتی اذا ظن انه قد اروی بشرته افاض علیه میں ط۴۱ پر بھی یہ حدیث تھوڑے سے تغیر اور کچھ زیادتی کے ساتھ مذکور ہے، اس کے علاوہ ابوداؤد میں بھی

عہ مسلم جلد اول، حیض، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة ص ۱۴۸، ابوداؤد جلد اول، طہارت باب الوضوء بفضل المرأة ص ۱۱، ابن ماجہ ۔ طہارت، باب الرجل والمرأة یغتسلان من اناء واحد ص ۳۱ مسند امام احمد۔ عہ ایضاً غسل، باب تخلیل الشعر حتی اذا ظن انه قد اروی بشرته افاض علیه ص ۴۱، ایضاً غسل الوضوء قبل الغسل ص ۳۹، ابوداؤد جلد اول طہارت، باب الغسل من الجنابة ص ۳۲۔

حدیث (١٩٢) اغتسال المرأة مع زوجها

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے

عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فرمایا میں اور نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے

مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ مِّنْ جَنَابَةٍ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ
غسل جنابت کرتے تھے۔

اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ مِثْلَهُ

حدیث (١٩٣) ایضًا

سَمِعْتُ اَنَسَ ابْنَ مَالِكٍ رَّضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ
حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ

يَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمَرْاَةُ مِنْ
نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی عورتوں میں

کچھ تغیر کے ساتھ ہے۔ بخاری میں دونوں جگہ یہ ہے کہ، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غسل جنابت فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے۔ یہاں پر تصریح نہیں کہ غسل کی ابتدا میں کہ وسط میں کہ انتہا میں، مگر ابوداؤد میں صاف صاف تصریح ہے کہ غسل کی ابتدا ہاتھ دھونے سے فرماتے بلکہ خود بخاری باب الوضوء قبل الغسل میں ص٢٧ پر تصریح ہے کہ غسل سے پہلے دونوں ہاتھ دھوتے پھر وضو فرماتے۔

تشریحات (١٩١، ١٩٢، ١٩٣) باب کی توضیح

امام بخاری نے ان احادیث پر یہ باب باندھا ہے "جنبی کے ہاتھ پر اگر کوئی نجاست، جنابت کے علاوہ نہ ہو تو کیا وہ دھوئے بغیر برتن میں اپنا ہاتھ ڈال سکتا ہے؟"

باب تو امام بخاری نے سوال کے انداز میں قائم کیا ہے۔ مگر جو آثار و احادیث لائے ہیں، ان سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ جنبی بغیر دھوئے برتن میں ہاتھ ڈال دے، اس سے نہ پانی ناپاک ہوگا نہ ایسی کوئی ایسا فساد پیدا ہوگا کہ اس سے وضو یا غسل نہ ہو سکے۔ اس لئے کہ جنابت نجاست حسی اور حقیقی نہیں بلکہ معنوی اور حکمی ہے۔ ابھی گزرا کہ یہ احناف کے مذہب کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ اگر محدث یا جنبی دھوئے بغیر اپنا ہاتھ پانی میں ڈالے گا تو "پانی" مستعمل ہو جائیگا جو طاہر تو ہے مگر مطہر نہیں۔

یہاں بھی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان احادیث سے "امام بخاری کا مقصد" ثابت نہیں ہوتا۔

نِسَائِهٖ يَغْتَسِلَانِ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ زَادَ مُسْلِمٌ وَوَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ
سے ایک عورت ایک ہی برتن سے غسل کرتیں مسلم اور وہب ابن جریر نے بروایت
عَنْ شُعْبَةَ مِنَ الْجَنَابَةِ "
شعبہ یہ زیادہ کیا کہ جنابت سے۔

باب کے ثبوت کی صورت صرف یہ ہے کہ چونکہ ام المومنین فرماتی ہیں کہ ہمارے ہاتھ برتن میں یکے بعد دیگرے پڑتے، اور چونکہ غسل جبتک پورا نہ ہو جنابت دور نہ ہوگی تو معلوم ہوا کہ حالت جنابت میں، پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ہماری عرض یہ ہے کہ اگر یہ ثابت نہ ہوتا کہ نہانے سے پہلے ہاتھ دھو لیتے تھے تو ضرور باب ثابت ہوجاتا مگر ابھی حدیث ۱۹۰ میں گذرا۔

اذا اغتسل من الجنابة غسل يده۔ جب غسل جنابت کرنا چاہتے تو اپنا ہاتھ دھو لیتے۔

اس مختصر حدیث کی جو تفصیل خود بخاری اور ابوداؤد کے حوالے سے ہم نے لکھی اس میں تصریح ہے کہ ابتداءً ہاتھ دھوتے جب یہ ثابت ہے کہ غسل کرنے سے پہلے ہاتھ دھو لیتے تو ہاتھ پر جو جنابت ہوتی وہ دور ہو جاتی۔ اس کے بعد برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پانی پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

اس پر صاحب ایضاح البخاری کا یہ کہنا کہ غسل کے پہلے ہاتھ دھونے سے بھی ہاتھ کی جنابت نہیں دور ہوتی اسلئے کہ نجاست غیر متجزی ہے۔ طفل تسلی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جنابت میں تجزی نہیں، اس معنی کر کہ جب طاری ہوگی تو پورے جسم پر طاری ہوگی، ایسا نہیں کہ بعض اجزاء پر طاری ہو بعض پر نہ طاری ہو لیکن ازالے میں ضرور متجزی ہے۔ جنابت کے بعد جن جن اعضاء پر پانی بہہ جائے گا ان سب کی جنابت دور ہوتی جائے گی۔ اگر اس کو تسلیم نہ کریں تو لازم کہ جنابت دور ہونے کی سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ جنبی پانی میں غوطہ لگائے۔ اس لئے کہ غوطہ لگانا ہی ایک ایسی صورت ہے کہ جس سے پورے جسم پر بیک وقت پانی پہنچے، اور کسی برتن میں رکھے ہوئے پانی سے جب غسل کریں گے تو پھر کوئی صورت نہیں کہ بیک وقت پورے جسم پر پانی پہنچ سکے۔ یقیناً بعض اعضاء پر پہلے اور بعض پر بعد میں پانی پہنچے گا۔ مثلاً آپ نے سر پر پانی ڈالا۔ آپ کتنا ہی پانی ڈالیں کسی طرح پورے جسم پر بیک وقت نہیں پہنچے گا۔ تو اگر یہ قول کیا جائے کہ ازالے کے اعتبار سے بھی جنابت میں تجزی نہیں تو اس صورت میں غسل ہی نہ ہوگا۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ دور ہونے کے اعتبار سے جنابت میں تجزی ہے۔ یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ اعضاء کی جنابت پہلے دور ہو اور کچھ کی بعد میں۔ بناءً علیہ جب ہاتھ دھو لیا تو ہاتھ کی جنابت دور ہو گئی، اب اسے برتن میں ڈالنے سے پانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حدیث (۱۹۲) کی متابعت میں امام بخاری نے فرمایا:۔ وعن عبد الرحمن بن القاسم عن ابيه عن عائشة مثله۔ یہ حدیث مذکور کی سند "عن ابی بکر بن حفص عن عروة" پر معطوف ہے۔ مراد یہ ہے کہ شعبہ نے اس حدیث کو حضرت ام المومنین سے دو سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ایک عن ابی بکر بن حفص عن عروة " اور

(۵۷)	وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُمَا، أَنَّهُ غَسَلَ	
ت	حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ عمل مذکور ہے کہ انھوں نے دوسرے اعضاء وضو	
	قَدَمَيْهِ بَعْدَ مَا جَفَّ وَضُوْءُهُ	
	کے سوکھ جانے کے بعد پاؤں دھویا۔	

دوسری عن عبد الرحمٰن بن القاسم عن ابیہ کے ساتھ۔

حدیث (۱۹۳) کے بعد ہے زاد مسلم ووھب عن شعبۃ من الجنابۃ۔ یہ مسلم بن ابراہیم الازدی ہیں، امام مسلم صحیح مسلم کے مصنف نہیں۔ اور یہ وہب وہب بن جریر ہیں۔ وہب بن منبہ نہیں مطلب یہ ہے کہ شعبہ سے جو روایت بطریق ابو الولید ہے اس میں من الجنابۃ نہیں۔ مگر شعبہ ہی سے یہی حدیث بطریق مسلم اور وہب مروی ہے، اس میں "من الجنابۃ" مذکور ہے۔

پہلی حدیث میں صرف غسل کا ذکر ہے، یہ مذکور نہیں کہ یہ غسل جنابت تھا۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ غسل تبرید یا تنظیف کے لئے رہا ہو۔ اس لئے اس سے باب کا ثبوت نہیں ہوتا۔ تو امام بخاری نے تیسری حدیث ذکر کی جس میں "من الجنابۃ" کی تصریح ہے جس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا غسل جنابت بھی ایک ہی برتن سے فرماتے،

تشریح (۵۷) علامہ عینی نے یہاں فرمایا کہ اس تعلیق کو صیغۂ تمریض یعنی مجہول کے ساتھ ذکر کیا جو ضعف کی جانب مشعر ہے۔ حالانکہ یہ تعلیق بسند متصل وصحیح بیہقی نے ذکر کی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اکثر جگہ صیغۂ تمریض سے ضعف کی طرف اشارہ ہے مگر اس پر کلیۃً التزام نہیں کہیں کہیں صحیح و متصل احادیث کو "تعلیقاً" صیغۂ مجہول سے ذکر فرمایا۔ جس کی تفصیل مقدمہ میں گزر چکی۔ علاوہ ازیں امام بیہقی نے سند متصل کے ساتھ جو ذکر کیا ہے اس میں پاؤں دھونے کا ذکر نہیں بلکہ موزوں پر مسح کا ذکر ہے۔

اس تعلیق کے ذکر سے امام بخاری قدس سرہ کا مقصود یہ ہے کہ وضو میں اور اسی کے مثل غسل میں موالاۃ فرض نہیں کہ یکے بعد دیگر بلا تاخیر اور بلا فصل اعضاء کو دھویا جائے۔ اعضاء کے دھونے میں اگر تاخیر ہو جائے تو خواہ کتنی ہی تاخیر ہو جائے وضو اور غسل میں کوئی خلل نہیں پڑے گا، البتہ امام مالک موالاۃ فرض مانتے ہیں۔

بیہقی نے معرفت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ عمل نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عمر نے بازار میں وضو کیا اپنے ہاتھوں اور چہرے کو دھویا اور اپنے سر پر مسح کیا اس کے بعد نماز جنازہ کے لئے بلائے گئے تو مسجد میں گئے اس وقت اپنے موزوں پر مسح کیا اس کے بعد نماز پڑھی [۱]

مگر اصل مقصد پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ امام بخاری نے یہاں باب یہ باندھا ہے:

[۱] عینی جلد ثالث ص ۲۱۱

(۱۹۴) حدیث عَنْ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ
محمد بن منتشر سے روایت ہے، انھوں نے کہا میں نے یہ بات

ذَکَرْتُهُ لِعَائِشَةَ فَقَالَتْ یَرْحَمُ اللّٰهُ اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، کُنْتُ
حضرت عائشہ سے کہی تو انھوں نے فرمایا اللہ ابو عبد الرحمن پر رحم فرمائے

"تفریق الوضوء والغسل:- وضو اور غسل کرنے میں اعضاء دھونے میں فصل کرنا"
یعنی یہ ضروری نہیں کہ وضو کرنے میں یا غسل کرنے میں اعضاء کو یکے بعد دیگرے بلا تاخیر دھویا جائے۔ اگر کچھ دیر کے بعد دھویا جائے تو بھی حرج نہیں، یہ تاخیر کتنی ہی زیادہ ہو بشرطیکہ حدث نہ ہو۔ یہ اب بھی ثابت اسلئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بازار میں منہ ہاتھ دھوئے اور سر کا مسح کیا اور موزوں پر مسح مسجد میں آکر کیا تو وضو میں فصل ثابت ہوگیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ یہ اثر وہ نہ رہا جو امام بخاری نے ذکر فرمایا۔ اس لئے کہ امام بخاری نے تصریح کی ہے کہ انھوں نے بقیہ اعضاءِ وضو کے سوکھنے کے بعد پاؤں دھویا۔ اور بیہقی کی روایت میں پاؤں دھونے کا ذکر نہیں موزوں پر مسح کا ہے۔

اس باب کی تائید میں امام بخاری نے وہی حضرت میمونہ والی حدیث ۱۸۲ ذکر فرمائی جس میں یہ ہے
ثم تنحی من مقامه فغسل قدمیه:- پھر اس جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ پاؤں دھویا۔
حضور نے وضو، "شروع غسل" میں کیا تھا مگر پاؤں نہیں دھویا تھا۔ غسل مکمل کرنے کے بعد پاؤں دھویا۔ وضو کی تکمیل میں اتنا فصل ہوگیا۔

یہی ہمارا بھی مسلک ہے کہ وضو میں موالاۃ فرض نہیں۔ اس حدیث میں ایک لفظ، مذاکیرہ آیا ہے، یہ "ذکر" کی خلاف قیاس جمع ہے۔ ذکر کے دو معنی ہیں۔ نر اور عضو تناسل۔ بمعنی اول کی جمع، ذکور، ہے اور بمعنی ثانی کی جمع، مذاکیر۔ جمع لانا تعمیم کے لئے ہے تاکہ انثیین کو بھی شامل ہو جائے۔

تشریحات (۱۹۴) سند میں یہ ہے کہ ابراہیم بن محمد بن منتشر سے روایت ہے۔ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، اس کا نہایت واضح مطلب یہ ہے کہ ابراہیم اپنے باپ محمد بن منتشر سے روایت کرتے ہیں لیکن تعجب ہے کہ ایضاح البخاری میں یہ ترجمہ کیا۔ محمد بن منتشر اپنے باپ، منتشر سے روایت کرتے ہیں۔

ایضاح البخاری کی تغلیط

تکمیل پوری حدیث اسی بخاری میں ایک باب کے بعد یوں ہے۔
میں نے حضرت عائشہ سے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول ذکر کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میں احرام کی حالت میں رہوں اور میرے جسم یا کپڑے سے خوشبو اٹھتی ہو۔ اس پر ام المومنین نے یہ فرمایا۔ مسلم میں یہ ہے کہ انھوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ احرام کی حالت میں میرے جسم پر قطران پوتا ہوا ہو یہ مجھے پسند ہے بہ نسبت

أُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَطُوْفُ عَلٰى
میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خوشبو لگاتی اس کے بعد حضور اپنی ازواج کے پاس
نِسَائِهٖ ثُمَّ يُصْبِحُ مُحْرِمًا يَنْضَخُ طِيْبًا ع۵
تشریف لے جاتے اور صبح کو احرام باندھتے حضور کے جسم سے خوشبو اٹھتی رہتی۔

اس کے کہ میرے جسم سے خوشبو اٹھ رہی ہو۔

اختلاف روایت یہاں ینضخ، خا معجمہ کے ساتھ بھی روایت ہے اور ینضح حا حطی کے ساتھ بھی۔ دونوں معنی کے اعتبار سے متقارب ہیں۔ مشہور روایت۔ ینضخ، خا معجمہ ہی کے ساتھ ہے۔ اسی سے قرآن مجید میں ہے:۔

فیهما عینان نضاختان۔ ان دونوں میں دو ابلتے ہوئے چشمے ہیں۔

یہ کیا خوشبو تھی بخاری کتاب الحج میں ہے کہ یہ خوشبو "ذریرہ" تھی لہ اس زمانے میں ہندوستان سے ایک گرہ دار خوشبودار لکڑی جاتی تھی۔ اسے بہت باریک پیس چھان کر ایک خوشبو تیار کرتے تھے اسے ذریرہ کہتے ہیں۔ یہ "ذرّ" سے بنا ہے جس کے معنی چھوٹی چیونٹی کے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس میں مشک بھی ملاتے ہوں اس لئے کہ نسائی کی حدیث میں یہ ہے۔ ام المومنین فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو احرام سے پہلے اور یوم نحر طواف سے پہلے ایسی خوشبو لگاتی جس میں مشک ہوتا ۲ہ

یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقع پر پیش آیا۔ چونکہ احرام کی حالت میں عورتوں سے قربت جائز نہیں، اس لئے احرام سے قبل حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب ازواج پر کرم فرمایا۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تمام ازواج کے مابین عدل واجب تھا یا نہیں۔ صحیح یہی ہے کہ واجب نہ تھا۔ مگر یہ کرم تھا کہ پھر بھی عدل فرماتے تھے۔ اب یہاں ایک سوال یہ ہے کہ پھر ایک ہی وقت میں تمام ازواج کے پاس کب تشریف لے جاتے تھے؟ بعض لوگوں نے کہا کہ "یہ موقع عمر میں صرف ایک بار حجۃ الوداع کے موقع پر پیش آیا۔ مگر حدیث کے یہ دو جملے۔ کان یدور اور من اللیل والنہار۔ اس حصر کو باطل کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ ــ کان یدور ــ استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ اور من اللیل والنہار ــ یہ بتا رہا ہے کہ دن میں بھی ایسا ہوتا تھا اور رات میں بھی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اگر دن میں یہ واقعہ پیش آیا تو رات میں کب پیش آیا۔ اور اگر رات میں پیش آیا تو دن میں کب پیش آیا۔

ع۵ ایضاً جلد اول۔ باب الغسل۔ وباب من تطیب وبقی اثر الطیب ص ۴۱، مسلم جلد اول۔ حج باب استحباب الطیب قبیل الاحرام ص ۳۷۸، نسائی۔ جلد اول۔ غسل، باب اذا تطیب واغتسل وبقی اثر الطیب ص ۷۱، لہ بخاری جلد ثانی کتاب اللباس، باب الذریرہ ص ۸۷۸،

۲ہ نسائی جلد ثانی۔ حج۔ باب اباحۃ الطیب ص ۹۔

حدیث (۱۹۵) کان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یدور علی نسائہ فی الساعۃ الواحدۃ

حدثنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ قال کان النبی صلی
حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا نبی صلے اللہ

اللہ تعالی علیہ وسلم یدور علی نسائہ فی الساعۃ الواحدۃ
تعالی علیہ وسلم ایک ہی وقت تمام ازواج کے پاس تشریف لے جاتے

ومن اللیل والنہار وھن احدی عشرۃ، قال قلت لانس
خواہ رات کا وقت ہو خواہ دن کا یہ گیارہ تھیں قتادہ نے کہا میں نے حضرت انس

اوکان یطیقہ قال کنا نتحدث انہ اعطی قوۃ ثلثین وقال
سے پوچھا کیا حضور اس کی طاقت رکھتے تھے تو حضرت انس نے بتایا ہم یہ بات کیا کرتے تھے کہ حضور کو تیس

علامہ عینی نے یہ توجیہ کی۔ کہ سفر سے واپسی پر ایسا موقع ملتا تھا۔ اسلئے کہ سفر سے قبل سفر کی باری ختم ہو جاتی اور حضور کی مرضی تھی۔ جس سے چاہتے باری شروع فرماتے۔ نئی باری شروع فرمانے سے پہلے یہ موقع ملتا۔ دوسری توجیہ یہ کہ جس کی باری ہوتی اس کی اجازت سے ایسا کرتے۔ تیسری توجیہ، ابن مہلب کی نقل کی۔ کہ دو باریوں کے بیچ میں اس کا موقعہ تھا چوتھی توجیہ ابن عربی کی یہ بیان کی کہ اللہ عز وجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو ایک ایسا وقت عطا فرمایا تھا کہ اس وقت کسی زوجہ کا حق نہیں تھا۔ اسی وقت تمام ازواج کے پاس تشریف لے جاتے۔ کتاب مسلم میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ یہ وقت عصر و مغرب کے مابین تھا۔

مسائل (۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ احرام باندھتے وقت خوشبو لگانا سنت ہے (۲) ایک جماع کے بعد غسل کئے بغیر دوبارہ جماع کرنا جائز ہے اگرچہ دوسری عورت سے کرے (۳) ثابت ہوا کہ غسل کا سبب صرف جنابت نہیں جنابت کے ساتھ ارادۂ صلوٰۃ، دونوں ملکر سبب ہیں (۴) ثابت ہوا کہ غسل جنابت میں بدن ملنا ضروری نہیں صرف پانی بہانا کافی ہے۔ اس لئے کہ اگر ملنا ضروری ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ضرور ملتے پھر خوشبو کا اثر باقی نہ رہتا۔

تشریحات (۱۹۵) امام بخاری نے یہاں باب یہ باندھا۔ جماع کے بعد جماع کرے اور جو تمام عورتوں کے پاس ایک ہی غسل میں گیا۔ **باب سے مطابقت** باب سے مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ "فی الساعۃ الواحدۃ" ایک ہی وقت میں۔ ظاہر ہے کہ نو۹ بیویوں کے پاس ایک ہی وقت میں جانا اور پھر جماع کے بعد غسل کرنا بہت دشوار ہے تو ثابت ہوا کہ ایک بیوی سے فارغ ہو کر دوسری کے پاس غسل کئے بغیر تشریف لے جاتے۔ پہلی حدیث میں اگرچہ "فی الساعۃ الواحدۃ" کا لفظ

سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ إِنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ تِسْعَ نِسْوَةٍ ع۵

مردوں کی قوت دی گئی ہے۔ سعید نے بروایت قتادہ کہا کہ حضرت انس نے یہ بیان کیا تھا کہ " نو ازواج تھیں "

نہیں مگر وہاں بھی یہی مراد ہے۔

شبہہ اور ازالہ معاذ بن ھشام کی روایت میں ہے کہ گیارہ عورتیں تھیں۔ اس پر یہ شبہہ ہے کہ ایک وقت میں نو ازواج سے زیادہ کبھی اکٹھی نہ ہوئیں۔ اگرچہ کل تعداد گیارہ ہے۔ ان میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حیات مبارکہ ہی میں انتقال ہو چکا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ ازواج بیک وقت صرف نو تھیں مگر دو باندیاں بھی تھیں، ایک ماریہ قبطیہ، دوسری ریحانہ، اس طرح گیارہ ہو گئیں۔ اور سعید کی روایت میں نو کی تعداد صرف ازواج کی ہے۔ اس حدیث میں یہ ہے کہ تیس مردوں کی قوت دی گئی تھی اور حلیۃ الاولیا میں ہے کہ چالیس جنتی مردوں کی قوت دی گئی تھی اور ترمذی میں ہے کہ جنت کے ایک مرد کو دنیا کے سو مردوں کے برابر قوت ہوگی لہ اس حساب سے حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا کے چار ہزار مردوں کے برابر قوت دی گئی۔ اس قوت سے مراد قوت جماع ہے اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابتدا میں صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر اکتفا فرمایا، ان کے وصال کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ اور ہجرت کے دوسرے سال تک صرف یہی کاشانۂ اقدس میں رہیں۔ ۲ھ میں حضرت عائشہ رخصت ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں پھر ہجرت کے تیسرے یا چوتھے سال حضرت ام سلمہ، حضرت حفصہ، حضرت زینب بنت خزیمہ خدمت مبارکہ میں آئیں۔ پھر پانچویں سال حضرت زینب بنت جحش، چھٹے سال حضرت جویریہ ساتویں سال حضرت صفیہ و حضرت میمونہ اور حضرت ام حبیبہ سے عقد فرمایا۔ ساتویں سال نو ازواج اکٹھی ہوئیں۔ اس عظیم قوت کے باوجود زیادہ سے زیادہ نو عورتوں پر اکتفا فرمانا اعجاز سے کم نہیں۔

مسائل (۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جسے قوت ہو وہ جماع کی کثرت کر سکتا ہے۔ (۲) جسے قوت ہو اور یہ اعتماد ہو کہ وہ عورتوں کے ساتھ عدل کر سکے گا تو وہ ایک سے زیادہ چار تک شادیاں کر سکتا ہے (۳) کثرت جماع عیب نہیں بشرط قوت فضل و کمال ہے۔ (۴) عورتوں کی طرف میلان اگر دینی اور دنیوی فرائض کی انجام دہی میں حارج نہ ہو تو سنت ہے۔

ع۵ ایضا۔ جلد اول، غسل۔ باب الجنب یخرج ویمشی فی الاسواق وغیرہ ص ۴۲
〃 جلد ثانی نکاح باب کثرۃ النساء ص ۷۵۸
〃 〃 باب من طاف علی نسائہ فی غسل واحد ص ۷۸۵
ترمذی 〃 طہارت باب ماجاء فی الرجل یطوف علی نسائہ بغسل واحد ص ۲۰
مسلم جلد اول حیض باب جواز النوم ص ۱۴۴
نسائی اول نکاح باب اول ص ۶۷
ابن ماجہ طہارت باب فی من یغتسل من جمیع نسائہ غسلا واحدا ص ۴۴
لہ جلد ثانی۔ صفۃ الجنۃ۔ باب ماجاء فی صفۃ جماع اہل الجنۃ ص ۷۶

حدیث (۱۹۶) بقاء اثر الطیب بعد الاحرام

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا، قَالَتْ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی وَبِیْصِ الطِّیْبِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ گویا میں خوشبو کی چمک نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فِیْ مَفْرِقِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ مُحْرِمٌ ع۵

کی مانگ میں دیکھ رہی ہوں۔ حالانکہ حضور احرام باندھے ہوئے ہیں

حدیث (۱۹۷) اذا ذکر فی المسجد انہ جنب فلیخرج

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، قَالَ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ وَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نماز کے لئے اقامت کہی جا چکی اور لوگ کھڑے

تشریحات (۱۹۶) یہاں امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے۔ جس نے خوشبو لگا کر غسل کیا اور خوشبو کا اثر باقی رہا

باب سے مطابقت اس کے پہلے حدیث ۱۹۴ ذکر کی، جس میں یہ ہے کہ ام المؤمنین فرماتی ہیں؛ کہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خوشبو لگاتی اور حضور تمام ازواج کے پاس تشریف لے جاتے۔ پھر صبح کو احرام باندھتے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خوشبو ازواج مطہرات کے پاس جانے سے پہلے لگائی جاتی تھی۔ ازواج مطہرات سے فارغ ہونے کے بعد غسل فرماتے پھر احرام باندھتے احرام کے بعد بھی خوشبو کا اثر باقی رہتا تو ثابت ہو گیا کہ غسل سے پہلے جو خوشبو لگائی گئی تو اس کا اثر غسل کے بعد باقی رہے تو بھی غسل ہو گیا اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ احرام سے پہلے جو خوشبو لگائی گئی اگر اس کا اثر احرام کے بعد باقی رہے تو کوئی حرج نہیں بشرطیکہ یہ اثر رنگ نہ ہو۔

تشریحات (۱۹۷) بخاری کتاب الصلوٰۃ میں یہ تشریح ہے کہ تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے ہی حضور کو یہ یاد آیا اور غسل کرنے تشریف

تکمیل لے گئے۔ مگر ابن ماجہ میں یہ ہے:۔

وہ کہ حضور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے تھے اور تکبیر (تحریمہ) بھی کہہ چکے تھے، اس کے بعد یہ اشارہ فرمایا (کہ تم لوگ اپنی جگہ رہو) لوگ ٹھہرے رہے پھر تشریف لے گئے، اور غسل فرمایا الخ۔"

اور ابوداؤد میں مرسلاً یہ ہے:۔

پھر تکبیر پڑھی اور قوم کو اشارہ فرمایا کہ تم لوگ بیٹھو۔

ع۵ بخاری، جلد اول، مناسک، باب الطیب عند الاحرام ص ۲۰۸

مسلم، جلد اول، حج، باب استحباب الطیب قبیل الاحرام ص ۳۷۸

نسائی، جلد ثانی، مناسک، باب اباحۃ الطیب عند الاحرام ص ۱۰

مسند امام احمد بن حنبل۔

عُدِّلَتِ الصُّفُوفُ قِيَامًا فَخَرَجَ اِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

ہو چکے تھے صفیں سیدھی کی جا چکی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہماری طرف

وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ ذَكَرَ اَنَّهُ جُنُبٌ، فَقَالَ لَنَا مَكَانَكُمْ، ثُمَّ

تشریف لائے۔ جب اپنے مصلے پر کھڑے ہو گئے تو یاد فرمایا کہ انہیں غسل کی ضرورت ہے۔ تو ہم سے فرمایا، تم لوگ اپنی

رَجَعَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ خَرَجَ اِلَيْنَا وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ فَكَبَّرَ فَصَلَّيْنَا مَعَهُ۔ ع۵

جگہ رہو پھر تشریف لے گئے اور غسل فرمایا پھر ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ حضور کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا اسکے بعد ہمیں نماز پڑھائی۔

اشکال یہاں دو اشکال ہیں۔ ایک یہ کہ بخاری کی روایت میں یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے یاد آیا اور غسل کے لئے تشریف لے گئے۔ ابن ماجہ اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد یاد آیا۔ دوسرا یہ کہ بخاری میں ہے کہ قال النبی زبان سے فرمایا۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں یہ ہے کہ اشارہ فرمایا۔

پہلے اشکال کا جواب علامہ عینی نے دیا۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت میں "کبر" معنی میں ارادہ تکبیر کے ہے اور دوسرے کا جواب یہ دیا کہ دونوں کو جمع فرمایا یعنی زبان سے فرمایا بھی اور اشارہ بھی فرمایا۔ علامہ قرطبی نے فرمایا کہ یہ دونوں دو واقعے ہیں۔

توجیہہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مسجد میں تشریف لا کر کھڑے ہو جانے کے بعد حجرہ مبارکہ میں غسل کے لئے جانے سے صحابہ کرام نے قیاس فرمایا کہ حضور پر غسل تھا۔ علاوہ ازیں ابن ماجہ کی حدیث میں یہ ہے کہ "نماز سے فارغ ہو کر خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حالت جنابت میں آگیا تھا مجھے بھلا دیا گیا۔

مسائل اس حدیث سے یہ مسائل مستنبط ہوئے۔ انبیاء کرام پر نسیان طاری ہونا جائز ہے۔ اگر جنبی بھول کر مسجد میں آجائے تو فوراً واپس ہو جائے، ایک سکنڈ بھی مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں۔ کوئی مسجد میں سو رہا تھا اور اسے غسل کی ضرورت پیش آگئی تو اٹھتے ہی تیمم کرے اور فوراً مسجد سے نکل جائے۔ ہمارے ائمہ نے تیمم کا حکم اس لئے دیا کہ جنبی کو مسجد میں گزرنا جائز نہیں۔ اور اس وقت مسجد میں وہ غسل کرنے پر قادر نہیں۔ اور ہر جنبی جو غسل پر قادر نہ ہو اس پر بجائے غسل کے تیمم ہے۔ اس وقت یہ تیمم بمنزلہ غسل کے ہو گیا۔ اب وہ مسجد سے گزرے گا تو یہ گزرنا حالت جنابت میں نہ ہوا۔ مسجد سے باہر ہوتے ہی وہ غسل پر قادر ہو گیا اس لئے وہ تیمم ختم ہو گیا۔

ع۵ ایضاً۔ جلد اول، صلوۃ، باب ھل یخرج من المسجد لعلۃ ص ۸۹

" " ، باب اذا قال الامام مکانکم ص ۸۹

مسلم " " ، باب متی یقوم الناس للصلوۃ ص ۲۲۰

ابوداؤد " طہارت، باب فی الجنب یدخل المسجد ص ۳۱

نسائی " صلوۃ، باب الامام تعرض لہ الحاجۃ بعد الاقامۃ ص ۱۲۸

حدیث (۱۹۸) اذا اصاب احدانا جنابة اخذت بيديها ثلثا

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، قَالَتْ كُنَّا اِذَا اَصَابَ اِحْدَانَا

حضرت عائشہ نے فرمایا ہم عورتوں میں سے کسی کو جنابت لاحق ہوتی تو وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے

جَنَابَةٌ اَخَذَتْ بِيَدَيْهَا ثَلٰثًا فَوْقَ رَاْسِهَا ثُمَّ تَاْخُذُ بِيَدِهَا عَلٰى

اپنے سر پر تین بار پانی ڈالتی اس کے بعد ایک ہاتھ سے داہنی طرف

شِقِّهَا الْاَيْمَنِ وَبِيَدِهَا الْاُخْرٰى عَلٰى شِقِّهَا الْاَيْسَرِ

اور ایک ہاتھ سے بائیں طرف

ت (۵۸) قَالَ بَهْزٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

بھز نے اپنے باپ حکیم سے انھوں نے بھز کے دادا معاویہ بن حیدہ سے

تشریحات (۱۹۸) حلاب والی حدیث ۱۸۹ میں گزرا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غسل میں پہلے سر کی

اشکال داہنی طرف پانی ڈالتے۔ اور اس حدیث میں یہ ہے کہ ازواج مطہرات سب سے پہلے اپنے سر پر پانی ڈالتیں۔ اس کے بعد داہنی طرف۔ اس سے ثابت کہ ازواج مطہرات غسل کی ابتدا، سر پر پانی ڈالنے سے کرتیں۔

جواب کسی انسان کے داہنے حصے میں، سر کا بھی داہنا داخل ہے۔ اس لئے داہنی طرف سے مراد سر کا بھی داہنا حصہ ہے۔ تو اب مطلب یہ ہوا کہ پہلے سر پر پانی اس لیے ڈالتیں کہ بال کی جڑوں میں اچھی طرح پانی پہنچ جائے۔ یہ بطور تمہید غسل کے ہوتا اصل غسل اس کے بعد شروع ہوتا جسمیں پہلے داہنی طرف پانی ڈالتیں۔ اسی کی طرف اشارہ کرنے کیلئے امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے، جو سر کی داہنی طرف سے غسل کرے۔

تشریحات ت (۵۸) یہ تعلیق ایک حدیث کا جزو ہے۔ پوری حدیث یہ ہے۔ معاویہ بن حیدہ رضی اللہ تعالیٰ

تکمیل عنہ نے بیان کیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا، یارسول اللہ! ہم اپنی عورات یعنی جسم کے چھپانے والے اعضاء میں سے کس کس کو چھپائیں اور کس کس کو کھولیں۔ ارشاد فرمایا۔ اپنی بیوی اور باندی کے سوا سب سے سب کو چھپاؤ۔ میں نے عرض کیا۔ اگر آپس میں ہوں تو؟ فرمایا۔ اس کی کوشش کرو کہ تمھاری عورت کوئی نہ دیکھے۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! اگر ہم تنہا ہوں تو؟ فرمایا لوگوں کی بہ نسبت اللہ عزوجل سے زیادہ حیا کرنا لائق ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تنہائی میں اگرچہ کوئی نہیں جس سے شرم کرو مگر اللہ عزوجل تو دیکھ رہا ہے۔ آدمیوں کی بہ نسبت اس سے زیادہ شرم کرنی لازم ہے۔ حدیث میں اصل لفظ عورات یا عورت ہے۔ عورت کے معنی، جسم کا ہر وہ عضو جس کے کھلنے پر شرم آئے۔ ناف کے نیچے سے لیکر گھٹنوں تک مرد کا، اور چہرے اور ہتھیلیوں اور پاؤں کو چھوڑکر

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّسْتَحْيٰى مِنْهُ مِنَ النَّاسِ ع ه

انھوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی کہ فرمایا لوگوں کی بہ نسبت اللہ عزوجل زیادہ لائق ہے کہ اس سے حیا کیجائے

پورا جسم، عورت کا عورت ہے تنہائی میں بھی ان کا کھولنا جائز نہیں۔ البتہ اگر عورتیں گھر کے اندر اپنے محارم میں ہوں تو کچھ اعضاء کا استثناء ہے۔ مثلاً کان، گردن، شانہ، چہرہ وغیرہ۔ بعض علماء نے فرمایا کہ عورت کا پورا ہاتھ ہتھیلی اور اوپر کے حصے کے ساتھ عورت نہیں۔

علامہ عینی نے فرمایا کہ اس حدیث کو سنن اربعہ، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے ذکر کیا ہے۔ مگر بخاری نے اصل میں اسے نہیں لیا۔ تعلیقاً ذکر کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہز اگرچہ ثقہ ہیں مگر ان کی جو روایت عن ابیہ عن جدہ ہو وہ شاذ ہے اور اس کے لئے کوئی متابع نہیں۔ خطیب نے کہا کہ بہز سے زہری اور محمد بن عبداللہ انصاری نے روایت کی حالانکہ ان کی وفات کے مابین اکانوے سال کی مدت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب النکاح میں اس سند کے ساتھ جو تعلیق ذکر کی اس میں "یذکر" فرمایا جو ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ مگر یہاں قال کہا جس کی دلالت ضعف پر نہیں اسکی توجیہ یہ ہے کہ بہز تک سند متصل اور قوی ہے۔ جو ضعف ہے وہ اس کے بعد ہے۔ اس سند کے شذوذ کا علامہ ابن حجر نے اصابہ میں یہ جواب دیا کہ، معاویہ بن حیدہ سے صرف ان کے بیٹے حکیم ہی نے نہیں روایت کی ہے بلکہ ان سے میں نے عروہ بن رویم لخمی کی روایت پائی ہے۔ اور مزی نے کہا کہ حمید مزنی نے بھی معاویہ سے روایت کی ہے۔ یہاں امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے۔

جو تنہائی میں برہنہ نہائے اور جو پردہ کرکے نہائے اور پردے کے ساتھ نہانا افضل ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جہاں کوئی نہ ہو جیسے میدان۔ وہاں برہنہ نہانا جائز ہے یا نہیں؟ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ جمہور فقہاء فرماتے ہیں۔ جائز تو ہے مگر پردے [illegible] افضل ہے [illegible]۔ ان کی دلیل یہ حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو میدان میں (کھلے) نہاتے دیکھا تو منبر پر تشریف لائے اور خطبہ دیا۔ پہلے اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا۔ اللہ عزوجل حیا فرمانے والا ہے حیا، اور پردے کو پسند فرماتا ہے۔ جب کوئی غسل کرے تو پردہ کرلے لہ

مراسیل ابوداؤد میں ہے۔ کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔

جو رات کو میدان میں نہائے تو اپنی شرمگاہ کو بچائے۔ اور جس نے ایسا نہیں کیا اور اسے کوئی تکلیف پہنچی تو اپنے علاوہ

عه ابوداؤد، جلد ثانی، حمام، باب فی التعری ص ۲۰۱

ترمذی، " استیذان باب فی حفظ العورة ص ۱۰۱

ابن ماجه نکاح باب التستر عند الجماع ص ۱۳۹

له ابوداؤد جلد ثانی حمام باب النهی عن التعری ص ۲۰۱

نسائی جلد اول غسل باب الاستتار عند الغسل ص ۷۰

کسی کو ملامت نہ کرے۔

اسی طرح دریا، تالاب وغیرہ میں بغیر تہبند ننگے نہانے میں بھی تفصیل ہے۔ اگر ایسی جگہ ہو جہاں کوئی نہ ہو تو کپڑے باہر اتار کر بغیر تہبند کے نہا سکتا ہے۔ مگر افضل یہی ہے کہ تہبند کے ساتھ نہائے۔ اور اگر وہاں اور لوگ بھی ہوں یا جگہ ایسی ہے جہاں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں تو جائز نہیں۔ اس لئے کہ آخر پانی میں ننگے جائے گا اور ننگے نکلے گا

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ فرمایا

پانی میں تہبند کے بغیر مت جاؤ اس لئے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا مسکن پانی ہے۔

یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر احتیاطاً اس پر عمل افضل ہے پھر اس کی تائید صحابۂ کرام کے فعل سے بھی موجود ہے۔ حضرت ابن عباس دریاؤں میں بھی بغیر تہبند نہیں نہاتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا تو فرمایا کہ اس میں بھی کچھ بسنے والے ہیں۔ حضرت حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما چادر باندھ کر پانی میں گئے، پوچھا گیا تو فرمایا۔ پانی میں بھی کچھ بسنے والے ہیں۔ اگرچہ ظاہر ہے کہ ان دونوں حضرات کا یہ واقعہ ایسی جگہ پیش آیا ہے جہاں اور لوگ بھی تھے۔ مگر وجہ جو بتائی ہے اس سے تنہائی میں بھی برہنہ نہانے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

مگر امام بخاری نے اس تعلیق کے بعد حضرت موسیٰ و حضرت ایوب علیہما الصلوٰۃ والسلام کے جو واقعے تحریر کئے ہیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تنہائی میں جہاں کوئی نہ ہو برہنہ پانی میں بھی نہانا جائز ہے۔ اس لئے کہ اصول فقہ کا یہ قاعدہ مشہور ہے

شرائع من قبلنا شرائع لنا اذا قص اللہ ورسولہ من غیر انکار — پہلی شریعت ہماری بھی شریعت ہے جب اللہ اور رسول اسے بیان فرمائیں اور اس پر انکار نہ فرمائیں۔

یہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں حضرات کے واقعے کو بیان فرمایا۔ اور اس پر کچھ نہیں فرمایا۔ تو ثابت کہ یہ ہماری شریعت میں بھی جائز ہے۔ اب تمام احادیث میں تطبیق کی یہی صورت ہے کہ یہ کہا جائے۔ تنہائی میں برہنہ نہانا جائز ہے مگر افضل یہی ہے کہ برہنہ نہ نہائے۔

تہبند باندھ کر نہانے میں خصوصیت سے دو باتوں کا خیال رکھے۔ اول جو تہبند باندھ کر نہائے وہ پاک ہو یا اس میں نجاست نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ران وغیرہ جسم کے کسی حصے پر نجاست لگی ہو تو اسے پہلے دھو لے ورنہ جنابت تو دور ہو جائے گی مگر بدن یا تہبند کی نجاست کیا دور ہوگی، پھیل کر دوسری جگہوں پر بھی لگ جائے گی اس سے عوام تو عوام، خواص تک غافل ہیں۔

خلوت میں برہنہ نہانے کی مذکورہ بالا بحث میدان یا وسیع کشادہ جگہ کے بارے میں ہے لیکن اگر کوئی مکان کے اندر یا غسل خانے میں نہا رہا ہے تو برہنہ نہانے میں کوئی حرج نہیں۔

معاویہ بن حیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات نہ مل سکے۔ صرف یہ ملا کہ بصرے میں سکونت اختیار کر لی تھی اور خراسان جہاد کرنے گئے، وہیں واصل بحق ہوئے۔

حدیث (۱۹۹) فرار الحجر بثوب موسیٰ علیہ السلام

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ

وَسَلَّمَ قَالَ، کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ یَغْتَسِلُوْنَ عُرَاةً یَنْظُرُ بَعْضُهُمْ

بنی اسرائیل ننگے نہاتے، ایک دوسرے کو دیکھتے

اِلٰی بَعْضٍ وَکَانَ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ یَغْتَسِلُ وَحْدَهٗ، فَقَالُوْا وَاللّٰهِ

اور موسیٰ علیہ السلام تنہا غسل فرماتے، اس پر بنی اسرائیل نے کہا

مَا یَمْنَعُ مُوْسٰی اَنْ یَّغْتَسِلَ مَعَنَا اِلَّا اَنَّهٗ اٰدَرُ فَذَهَبَ مَرَّةً

بخدا موسیٰ کو ہمارے ساتھ نہانے سے صرف یہ بات روکتی ہے کہ انکے خصیے بڑے ہیں۔ حضرت موسیٰ ایک مرتبہ

تشریحات (۱۹۹) آدر۔ ادرۃ سے صفت مشبہ ہے۔ اس کے معنی بڑے خصیے کے ہیں یا آنت

لغات اُترنے کے۔ آدر کے معنی ہوئے، بڑے خصیے والا یا جس کی آنت اُترتی ہو۔ جمح تیزی سے دوڑا، ندب، مار کا وہ نشان جو گال پر باقی رہے، سانٹھ۔ ثوبی یا حجر میں ثوبی فعل محذوف، اعطنی کا مفعول بہ ہے۔

تکمیل کتاب الانبیاء میں پوری حدیث یوں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حیا فرمانے والے تھے۔ اپنے جسم کو چھپائے رکھتے۔ جس جگہ کے کھلنے سے شرم آئے اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس پر بنی اسرائیل کے موذیوں نے انہیں ایذا دی اور یہ کہا، اتنا پردہ اس لئے کرتے ہیں کہ ان میں کوئی عیب ہے۔ یا تو برص ہے یا خصیے بڑے ہیں یا اور کوئی بیماری ہے۔ اللہ عزوجل نے چاہا کہ ان کی براءت ظاہر فرمادے تو یہ ہوا۔ ایک بار تنہائی میں اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھا پھر غسل فرمایا جب فارغ ہوکر کپڑے کی طرف چلے کہ اسے لے کر پہنیں تو پتھر کپڑا لے کر تیزی سے بھاگا۔ حضرت موسیٰ اپنا عصا لے کر پتھر کے پیچھے اسے پکڑنے کے لئے یہ کہتے ہوئے چلے میرا کپڑا اے پتھر! میرا کپڑا اے پتھر! یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے ایک اجتماع تک پہونچ گئے۔ اب انھوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ کو اللہ عزوجل نے اعلیٰ درجے کا حسن عطا فرمایا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لگائے ہوئے عیب سے ان کی براءت ظاہر فرمادی۔ اب پتھر ٹھہر گیا حضرت موسیٰ نے اپنے کپڑے لے کر پہن لئے اور پتھر کو اپنے عصا سے مارنے لگے ان کی ضرب سے اس پتھر پر تین یا چار یا پانچ نشانات ہیں۔ یہی واقعہ ہے جس کی طرف اللہ عزوجل نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَکَانَ عِنْدَ اللّٰهِ

اے ایمان والو! ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنھوں نے حضرت موسیٰ کو ستایا تو اللہ نے انھیں اس سے بری فرمادیا جو

يَغْتَسِلُ فَوَضَعَ ثَوْبَهُ عَلَى حَجَرٍ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهِ فَجَمَحَ مُوسَى
غسل کرنے گئے تو اپنا کپڑا ایک پتھر پر رکھ دیا بھر ان کا کپڑا لے کر بھاگا حضرت موسیٰ پتھر
فِي أَثَرِهِ يَقُولُ ثَوْبِي يَا حَجَرُ ثَوْبِي يَا حَجَرُ حَتَّى نَظَرَتْ بَنُو
کے پیچھے تیزی سے یہ کہتے ہوئے دوڑے اے پتھر میرا کپڑا دے! اے پتھر میرا کپڑا دے!
إِسْرَائِيلَ إِلَى مُوسَى وَقَالُوا وَاللهِ مَا بِمُوسَى مِنْ بَأْسٍ وَأَخَذَ
یہاں تک کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اور کہا بخدا موسیٰ کو کوئی عارضہ نہیں حضرت

وَجِيهًا۔ (سورہ احزاب آیت ۶۹) انھوں نے کبھی بھی اور موسیٰ اللہ کے ہاں عزت والے ہیں۔

مسلم شریف میں یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حیا فرمانے والے تھے۔ کسی نے ان کو ننگا نہیں دیکھا تھا، اس پر بنی اسرائیل نے وہ کہا۔ ایک بار تھوڑے سے پانی میں غسل فرمانے لگے کہ وہ پتھر کپڑا لے کر تیزی سے بھاگنے لگا۔ حضرت موسیٰ اپنا عصا لے کر اس کے پیچھے دوڑے کہ اسے ماریں۔ اخیر قصہ تک۔

امام نووی نے فرمایا کہ ہمارے بلاد کے تمام نسخوں میں مُوَيْهٌ ہے جو ماء کی تصغیر ہے۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا۔ دوسری جگہ کے اکثر نسخوں میں مَشْرُبَة ہے۔ یہ اس گڑھے کو کہتے ہیں جو کھجور کی جڑ میں ہوتا ہے تاکہ اس سے باغ کو سینچا جائے مُوَيْه غلط ہے۔

توجیہات بنی اسرائیل کی شریعت میں نہانے کے وقت ستر عورت فرض نہ تھا۔ ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام انھیں ضرور منع فرماتے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام خود اپنی فطری حیا کی وجہ سے، مجمع عام میں اس طرح غسل نہ فرماتے چونکہ ان بے وقوفوں نے اللہ عزوجل کے ایک اولوالعزم نبی کے ساتھ بدگمانی کی بنا پر عیب لگایا تھا جو ان کے ایمان کے برباد ہونے کا سبب بن سکتا تھا۔ اللہ عزوجل نے ان پر کرم فرماتے ہوئے اس معجزے کو ظاہر فرما کر ان کی بدگمانی دور کردی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کے اجتماع تک جانا اضطراری تھا۔ جب پتھر کپڑے لے کر بھاگا تو خیال فرمایا کہ میں غسل سے فارغ ہو کر کیا پہنوں گا اس لئے پتھر سے کپڑے چھیننے کے لئے بے اختیار اس کے پیچھے دوڑے۔ ایسے عالم میں انسان کو کچھ یاد نہیں رہتا یہی حال حضرت موسیٰ کا بھی ہوا۔ پتھر سے کپڑا چھیننے کی دھن میں خیال نہ رہا کہ میں کس حال میں ہوں کہاں ہوں۔ اس لئے ان پر یہ الزام نہیں کہ وہ برہنہ اسرائیلی اجتماع میں کیسے گئے۔

مسائل اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرات انبیاء کرام ہر قسم کے عیوب سے پاک ہوتے ہیں خواہ وہ خُلُقی ہوں خواہ خِلقی۔ نیز ایسی بیماریوں اور عوارض سے بھی منزہ ہوتے ہیں جو تنفر کا سبب بن سکیں۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تین معجزے ظاہر ہوئے۔ ایک پتھر کا کپڑے کو لے کر بھاگنا، دوسرے بنی اسرائیل کے اجتماع میں جا کر پتھر کا رک جانا۔ تیسرے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ضرب کے نشانات قبول کرنا۔ اس پتھر سے یہ تین معجزے ظاہر ہوئے

ثوبه وطفق بالحجر ضربا قال ابو هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ

موسیٰ نے اپنا کپڑا لے لیا اور پتھر کو مارنے لگے۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا

واللہ انہ لندب بالحجر ستۃ او سبعۃ ضربا بالحجر ع٥

بخدا اس پتھر پر چھ یا سات مار کے نشانات ہیں۔

حدیث (۲۰۰) حدیث ایوب علیہ السلام ونزول الجراد من الذهب

وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی

توحضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اپنے ساتھ رکھ لیا۔ میدان تیہ میں جب پانی کی ضرورت ہوئی تو اسی پتھر پر عصا مبارک مارتے جس سے بارہ چشمے جاری ہو جاتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عند الضرورت شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے۔

تشریحات (۲۰۰)
یہ تعلیق نہیں مسند ہے

علامہ کرمانی نے کہا کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعلیق ہے وہ بھی صیغۂ تمریض کیساتھ مگر صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مسند ہے، یہ پہلے والی حدیث موسیٰ کی اسناد پر معطوف ہے یعنی اسی ایک سند سے یہ دونوں حدیثیں مروی ہیں۔

بخاری کتاب الانبیاء اور کتاب التوحید میں رِجْلُ جَرَادٍ ہے۔ رجل ایسا جمع ہے جس کا واحد نہیں۔ معنی میں جماعت اور دَل کے ہے۔ اب ترجمہ یہ ہوگا کہ

"ان پر ٹڈیوں کا دل گرا"

علامہ کرمانی نے لکھا ہے کہ یہ سات سونڈیاں تھیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں پانچویں یا چھٹی پیڑھی میں تھے، ان کی ماں حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں اپنے زمانے میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھے، ترانوے ۹۳ سال کی عمر پائی۔ یہ جہاں قیام پذیر تھے وہ جگہ اب دیر ایوب کے نام سے مشہور ہے وہیں مزار پاک بھی ہے۔ یہاں ایک پتھر ہے جس پر قدم کا نشان ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ یہ حضرت ایوب ہی کے قدم پاک کا نشان ہے۔ وہاں ایک چشمہ ہے جس کا پانی متبرک سمجھا جاتا ہے۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ "ایوب" عجمی لفظ ہے۔ چونکہ یہ حضرت اسحٰق کی اولاد سے ہیں

ع٥ ایضاً، جلد اول، انبیاء، باب (بلا عنوان) ص ۴۸۳
مسلم، " اول، حیض، " جواز الغسل عریانا وحدہ ص ۱۵۴
" " ثانی، انبیاء، " فضائل موسیٰ علیہ السلام ص ۲۶۶
ترمذی " " تفسیر، سورۂ احزاب ص ۱۵۴۔ مسند امام احمد بن حنبل۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا أَيُّوْبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا فَخَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِّنْ ذَهَبٍ

کہ ایوب علیہ السلام برہنہ نہارہے تھے کہ ان پر سونے کی ٹڈیاں گریں ایوب انھیں دونوں

فَجَعَلَ أَيُّوْبُ يَحْتَثِيْ فِيْ ثَوْبِهٖ فَنَادَاهُ رَبُّهٗ يَا أَيُّوْبُ أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيْتُكَ

ہاتھوں سے اٹھا اٹھا کر اپنے کپڑے میں جمع کرنے لگے اس پرانکے پروردگار نے انھیں پکارا اے ایوب

عَمَّا تَرٰى، قَالَ بَلٰى وَعِزَّتِكَ وَلٰكِنْ لَا غِنٰى بِيْ عَنْ بَرَكَتِكَ ع٥

کیا میں نے تمکو جو دیکھ رہے ہو اس سے بے نیاز نہیں کر دیا، ایوب نے عرض کیا ضرور تو نے بے نیاز کر دیا تیری عزت کی قسم لیکن مجھے تیری برکت سے بے نیازی نہیں۔

حدیث (۲۰۱) صلوٰۃ الضحیٰ	إِنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلٰى أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِيْ طَالِبٍ
	حضرت ام ہانی کے غلام ابو مرہ نے خبر دیا کہ انھوں نے ام ہانی سے

اور ان کا قیام بھی شام میں تھا۔ اس سے یہی ظاہر ہے کہ یہ عجمی لفظ ہے۔ اس تقدیر پر یہ غیر منصرف ہوگا۔ قرآن مجید میں غیر منصرف ہی استعمال ہوا ہے۔

مسائل اس حدیث سے یہ مسائل مستخرج ہوئے (۱) تنہائی میں برہنہ غسل کرنا جائز ہے اس لئے کہ اللہ عز و جل نے سونے کی ٹڈیاں جمع کرنے پر باز پرس کی مگر برہنہ نہانے پر نہیں کی (۲) اللہ عز و جل کی صفات کی قسم کھانا جائز ہے (۳) مال حلال کی حرص محمود ہے۔ مالداری محمود ہے اس کو حضرت ایوب علیہ السلام نے برکت کہا ہے۔

تشریحات (۲۰۱) حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ مشہور یہ ہے کہ ان کا نام "فاختہ" تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ فاطمہ تھا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ھند تھا۔ یہ حضرت علی کی حقیقی بہن تھیں۔ قبل اسلام حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کا پیغام "ابو طالب" کو دیا اور دوسری طرف سے ھبیرہ بن عمرو بن عائذ مخزومی نے بھی پیغام بھیجا۔ ابو طالب نے ھبیرہ سے ان کی شادی کردی اس پر حضور نے ناگواری کا اظہار فرمایا۔ تو ابو طالب نے یہ معذرت کی۔ ہم نے ان سے یہ رشتہ کرلیا ہے۔ شریف انسان، شریف انسان سے اچھا سلوک کرتا ہے یوم فتح یہ ایمان لائیں۔ ھبیرہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ نجران بھاگ گیا وہیں کفر پر مرا۔ جس کی وجہ سے دونوں میں تفریق کردی گئی اسکے بعد حضور نے ام ھانی کو پھر نکاح کا پیغام دیا تو انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں مصیبت زدہ ہوں آپ سے جاہلیت اور اسلام دونوں میں محبت کرتی رہی ہوں۔ آپ مجھے میری آنکھ اور کان سے زیادہ محبوب ہیں۔ مگر دیکھ لیجئے یہ ایک بچہ ابھی کتنا چھوٹا ہے اور یہ ایک دودھ پیتا ہے۔ اس کا اندیشہ ہے کہ میں حق زوجیت ادا نہ کرپاؤں۔

ع٥ ایضاً، جلد اول، انبیاء، باب قول اللہ عز و جل وایوب اذ نادٰی ربہ ص ۴۸۰

" " ثانی، توحید، باب قول اللہ یریدون ان یبدلوا کلام اللہ۔ ص ۱۱۱۶

نسائی۔ اول غسل، باب الاستتار عند الغسل ص ۷۰

مسند امام احمد بن حنبل۔

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ سَمِعَ اُمَّ ھَانِیٍٔ بِنْتَ اَبِیْ طَالِبٍ تَقُوْلُ
سُنا کہ رہی تھیں کہ میں فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت
ذَھَبْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ
میں حاضر ہوئی میں نے حضور کو اس حال میں پایا کہ غسل فرما رہے تھے
فَوَجَدْتُّہٗ یَغْتَسِلُ وَفَاطِمَۃُ اِبْنَتُہٗ تَسْتُرُہٗ فَسَلَّمْتُ عَلَیْہِ فَقَالَ
اور انکی صاحبزادی حضرت فاطمہ پردہ کئے ہوئے تھیں میں نے حضور کو سلام کیا تو پوچھا

جب ان کے دونوں بچے بڑے ہوگئے تو خود ام ہانی نے اپنے آپ کو پیش کیا تو حضور نے فرمایا، اب نہیں، اس لئے کہ اللہ عزوجل نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی ہے:-

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْ اٰتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ وَمَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ مِمَّا اَفَاءَ اللّٰہُ عَلَیْکَ وَبَنٰتِ عَمِّکَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِکَ وَبَنٰتِ خَالِکَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِکَ الّٰتِیْ ھَاجَرْنَ مَعَکَ (احزاب — ۵۰)

اے نبی ہم نے تمھارے لئے حلال فرمائیں۔ تمھاری وہ بیبیاں جنکو تم مہر دے چکے ہو اور تمھاری کنیزیں جنھیں اللہ نے غنیمت میں تم کو دیں، اور تمھارے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور ماموں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں جنھوں نے تمھارے ساتھ ہجرت کی۔

چونکہ ام ہانی نے ہجرت نہیں کی تھی اس لئے وہ ان میں داخل نہ ہوسکیں۔ اکمال میں ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد بھی زندہ رہیں۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں فوت ہوئیں۔

تکمیل ہم نے یہاں کتاب الغسل والی روایت کے بجائے کتاب الجہاد کی روایت لی۔ اس لئے کہ وہ زیادہ مفصل ہے۔ بخاری میں ہر جگہ یہ ہے کہ ام ہانی نے یہی عرض کیا کہ میں نے فلاں بن ھبیرہ کو پناہ دی مگر ترمذی میں ہے کہ انھوں نے یہ کہا کہ میں نے اپنے دیوروں کو پناہ دی [۱] تمہید اور طبرانی معجم کبیر میں بھی یہی ہے، اسکی توجیہ یہ ہے کہ راوی نے اختصار کیا، اصل میں انھوں نے دو شخصوں کو پناہ دی تھی۔ قصہ یہ ہوا کہ اس کے باوجود کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلان عام فرما دیا تھا کہ جو اپنا دروازہ بند کرلے اسے امان۔ جو ہتھیار ڈال دے اسے امان۔ پھر بھی کچھ لوگوں نے نہ دروازہ بند کیا اور نہ ہتھیار ڈالا۔ بلکہ حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑے۔ ان میں یہ دونوں بھی تھے۔ جب مکہ پر مکمل قبضہ ہوگیا تو یہ دونوں بھاگ کر ام ہانی کے گھر آئے۔ حضرت علی ام ہانی کے گھر گئے اور فرمایا کہ میں ان دونوں کو قتل کردوں گا۔ ام ہانی نے ان کو گھر کے اندر بند کردیا اور خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔

یہ دونوں کون تھے علامہ ابن حجر کا رجحان یہ ہے کہ ان دونوں میں ایک تو حارث بن ہشام تھے اور دوسرے یا تو عبداللہ بن ربیعہ تھے یا زہیر بن امیہ۔ بخاری میں اصل میں، ابن، کے بجائے "عم" یا قریب تھا جو ابن سے بدل گیا۔

---

[۱] سیر ص ۱۹۱

مَنْ هٰذِهِ فَقُلْتُ اَنَا اُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ اَبِیْ طَالِبٍ فَقَالَ مَرْحَبًا بِاُمِّ هَانِئٍ

کون ہے یہ۔ میں نے عرض کیا میں ابو طالب کی بیٹی ام ہانی ہوں۔ یہ سنکر حضور نے فرمایا ام ہانی کو مرحبا ہو

فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهٖ قَامَ فَصَلّٰی ثَمَانَ رَکَعَاتٍ مُلْتَحِفًا فِیْ ثَوْبٍ

جب غسل سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہوئے اور ایک ہی کپڑے میں لپٹ کر آٹھ رکعت نماز پڑھی (جب نماز

وَاحِدٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ زَعَمَ ابْنُ اُمِّیْ عَلِیٌّ اَنَّهٗ قَاتِلٌ رَجُلًا قَدْ

پڑھ چکے) تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے حقیقی بھائی علی نے کہا ہے کہ وہ اسے قتل کریں گے جسے میں نے

اَجَرْتُهٗ فُلَانَ بْنَ هُبَیْرَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ

پناہ دی ہے۔ یعنی فلاں بن ھبیرہ کو یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

علامہ عینی کی تحقیق یہ ہے کہ ان میں ایک "ھبیرہ" کا بیٹا تھا خواہ وہ ام ہانی کے بطن سے ہو خواہ دوسرے کے بطن سے، اس پر بخاری کی روایت، فلاں بن ھبیرہ، نص ہے اور تبدیل کا قول بلا ضرورت ہے۔ رہ گئے دوسرے اور کون تھے اس کو انھوں نے بیان نہیں فرمایا۔

اقول:۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ دو واقعے ہیں۔ ایک تو یہ جو بخاری میں مذکور ہے۔ جسمیں یہ تشریح ہے کہ ام ہانی نے یہ عرض کیا کہ میں نے فلاں بن ھبیرہ کو پناہ دی۔ اور دوبارہ حارث بن ہشام اور عبداللہ بن ربیعہ کے لئے حاضر ہوئی ہوں گی۔ اس طرح فلاں بن ھبیرہ کی روایت بھی درست ہو جاتی ہے اور حموی یار جلین من احمائی کی بھی روایت درست ہو جاتی ہے۔ یہ واقعہ مکرر ہوا۔ اس کی علامہ عبد الباقی زرقانی نے نشاندہی کی ہے، لکھتے ہیں:۔

وجمع بان ذلک مما تکرر منہ بدلیل ان فی روایۃ ابن خزیمۃ عنہا ان اباذر سترہ لما اغتسل [1]

دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ یہ مکرر ہوا۔ دلیل یہ ہے کہ ابن خزیمہ کی روایت ام ہانی ہی سے یہ ہے کہ جب حضور نے غسل فرمایا تو ابوذر نے پردہ کیا تھا۔

یوم فتح مکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قیام، خیف بنی کنانہ یعنی وادی المحصب میں تھا۔ یہاں بھیڑ بھاڑ زیادہ تھی اس لئے غسل فرمانے، ام ہانی کے گھر تشریف لے گئے جو مکہ معظمہ کے اس محلے میں تھا جو "اعلیٰ مکہ" کہلاتا ہے۔

صحیح یہی ہے کہ یہ نماز، نماز چاشت تھی۔ جیسا کہ مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ فرمایا:۔

ثم صلی ثمانی رکعات سبحۃ الضحیٰ

اس کے بعد حضور نے آٹھ رکعت نماز چاشت پڑھی

بعض علماء نے فرمایا کہ یہ شکرانۂ فتح تھا، اسی لئے فاتحین کا یہ طریقہ ہے کہ وہ کسی بھی جگہ کے فتح کے بعد نماز شکر پڑھتے ہیں۔

---

[1] زرقانی علی المواہب، جلد ثانی، باب غزوۃ الفتح الاعظم ص ۳۲۶

وَسَلَّمَ قَدْ اَجَرْنَا مَنْ اَجَرْتِ یَا اُمَّ هَانِئٍ قَالَتْ اُمُّ هَانِئٍ وَذٰلِكَ ضُحًى ع٥

وسلم نے فرمایا۔ اے ام ہانی جسے تم نے پناہ دی، اسے میں نے بھی پناہ دی، ام ہانی فرماتی ہیں کہ واقعہ چاشت کے وقت ہوا تھا۔

کتاب التہجد وغیرہ کی روایت میں ہے کہ حضور نے یہ نماز بہت مختصر پڑھی تھی۔ البتہ رکوع اور سجدہ پورا پورا ادا فرمایا تھا۔

مسائل اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ (۱) نماز چاشت سنت ہے۔ (۲) جہاں لوگ ہوں وہاں پردہ کرکے برہنہ نہانے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی پر قیاس کرکے یہ کہا گیا کہ غسل خانے میں برہنہ نہانے میں کوئی حرج نہیں۔ (۳) عورت کی امان جائز ہے یا نہیں، یہ مختلف فیہ ہے۔ اس حدیث کی بنا پر حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آزاد عورت کی امان درست ہے۔ (۴) اگر کوئی گھر کے اندر ہو تو اسے سلام کرنا جائز ہے (۵) زائر جب آئے تو اسے مرحبا خوش آمدید کہنا سنت ہے۔

ع٥ ایضاً، جلد اول، جہاد، باب امان النساء وجوارهن ص ۴۴۹
" " الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ فی الثوب الواحد ملتحفا به ص ۵۲
" " غسل، باب التستر فی الغسل عند الناس ص ۴۲
" " صلوٰۃ التہجد، باب صلوٰۃ الضحیٰ فی السفر ص ۱۵۷
" ثانی، مغازی، باب منزل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الفتح ص ۶۱۴
" " ادب، باب ماجاء فی زعموا ص ۹۰۹
مسلم اول، حیض، باب تستر المغتسل بثوب ونحوه ص ۱۵۳
" " مسافرین، باب استحباب صلوٰۃ الضحیٰ ص ۲۴۹
ترمذی " سیر، باب ماجاء فی امان المراۃ والعبد ص ۱۹۱
" ثانی، استیذان، باب ماجاء فی مرحبا ص ۹۸
نسائی اول، طہارت، باب ذکر الاستتار عند الاغتسال ص ۴۶
ابن ماجہ، " باب ماجاء فی الاستتار عند الغسل ص ۴۵
موطا امام مالک، سفر، باب صلوٰۃ الضحیٰ ص ۵۱
دارمی صلوٰۃ ۱۵۱

(۵۹) ت

وَقَالَ عَطَاءٌ يَحْتَجِمُ الْجُنُبُ وَيُقَلِّمُ أَظْفَارَهُ وَيَحْلِقُ رَأْسَهُ
اور امام عطاء نے کہا جنبی نے اگر وضو نہیں بھی کیا ہے جب بھی سینگی لگوا سکتا ہے

وَإِنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ عَه
ناخن ترشوا سکتا ہے سر منڈوا سکتا ہے

حدیث (۲۰۲) ان المومن لا ینجس

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا

قَالَ لَقِيَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا جُنُبٌ
رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے ملے اور میں جنبی تھا

فَأَخَذَ بِيَدِي فَمَشَيْتُ مَعَهُ حَتَّى قَعَدَ فَانْسَلَلْتُ فَأَتَيْتُ الرَّحْلَ
حضور نے میرا ہاتھ پکڑ لیا میں حضور کے ساتھ چلا یہاں تک کہ حضور بیٹھ گئے میں چپکے سے سرک آیا

تشریحات (۵۹) (۲۰۲) تکمیل

اس کے پہلے باب عرق الجنب میں ہے کہ یہ ملاقات مدینہ طیبہ میں سر راہ ہوئی تھی اس میں فانسللت کے بجائے فانخنست منه فذهبت ہے۔ اسکے معنی یہ ہیں۔ میں نے اپنے آپ کو نجس جانا اس لئے میں وہاں سے چلا گیا۔ یہ خرجت کے معنی کو متضمن ہے۔

سبحان فعل محذوف سبحت کا مفعول مطلق ہے۔

لفظ سبحان کے بارے میں علماء لغت کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ ثلاثی مجرد کا مصدر ہے۔ دوسرے یہ کہ تسبیح کے معنی میں اسم مصدر ہے۔ تیسرا یہ کہ علم مصدر ہے۔ تفصیل استاذ الاساتذہ علامہ فضل حق خیر آبادی مجاہد اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حاشیہ "قاضی مبارک" میں مذکور ہے۔

مسائل (۱) یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ مومن اگرچہ محدث ہو، اگرچہ جنبی ہو نجس نہیں۔ اسی طرح اس کا پسینہ اس کا لعاب اس کا آنسو سب پاک ہے۔ خواہ زندہ ہو خواہ مردہ۔

امام بخاری نے تعلیقاً حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ذکر فرمایا ہے:

المسلم لا ینجس حیا ولا میتا۔ مسلمان زندہ ہو یا مردہ ناپاک نہیں ہوتا ہے۔

اسے امام حاکم نے مستدرک میں سند متصل کیساتھ مرفوعاً حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ذکر فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عه مصنف عبد الرزاق له جلد اول جنائز باب غسل الميت والوضوء ص ۱۹۷

فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَهُوَ قَاعِدٌ، فَقَالَ اَيْنَ كُنْتَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ

اور اپنے ٹھکانے آیا اور غسل کیا پھر حاضر ہوا اور حضور ابھی بیٹھے ہی تھے مجھسے پوچھا اے ابو ہریرہ

فَقُلْتُ لَهُ فَقَالَ سُبْحَانَ اللهِ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ ع٥

کہاں تھے میں نے حضور کو بتادیا فرمایا سبحان اللہ۔ مومن ناپاک نہیں ہوتا۔

حدیث (۲۰۳) نوم الجنب قبل الغسل

عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَكَانَ

ابو سلمہ نے کہا میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا

لاتنا جسوا موتاکم فان المسلم لم ینجس حیا ولا میتا — اپنے مردوں کو نجس نہ جانو مسلمان زندہ ہو یا مردہ نجس نہیں ہوتا۔

علامہ عینی نے تحریر فرمایا حتی کہ وہ نومولود بچہ جو ابھی پیدا ہوا جس کے جسم پر ابھی اندرونی رطوبت ہو۔ یہ حکم صرف مسلمان ہی کے ساتھ خاص نہیں کافر کا بھی یہی حکم ہے۔ اور آیہ کریمہ انما المشرکون نجس، مشرکین نجس ہیں۔ اس سے مراد اعتقاد اور عمل کی نجاست ہے جو باطنی ہے اس لئے کہ کتابیہ سے نکاح جائز ہے۔ اگر وہ ناپاک ہوتی تو اس سے اختلاط کا مطلب ہوتا نجاست سے اختلاط۔ اور نجاست سے اختلاط کی شریعت کبھی اجازت نہیں دیتی۔ یہ ساری بحث نجاست حقیقی میں ہے، رہ گیا غسل اور وضو کا واجب ہونا یہ بربنائے نجاست حکمیہ ہے۔ (۲) اس سے ثابت ہوا کہ جبوقت غسل واجب ہوا اسی وقت فوراً بلا تاخیر غسل کرنا واجب نہیں البتہ اتنی تاخیر حرام ہے کہ نماز کا وقت نکل جائے۔ (۳) جنبی ضروریات کیلئے باہر جا سکتا ہے (۴) اگر استاد یا پیر کو یہ اندازہ ہو کہ کوئی کسی غلط بات کا معتقد ہے تو اس سے پوچھکر اسکو صحیح بتادے (۵) مومنین کی تالیف قلوب انفرادکیساتھ عنایت و مہربانی اسنت ہے۔

تشریحات (۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵)

حدیث (۲۰۳، ۲۰۴) ایک ہی ہے دوسری میں وغسل فرجہ زائد ہے اس لئے اس کو بھی لکھدیا۔

جنبی ہونے کے بعد اگر سونا چاہے تو مستحب ہے کہ وضو کرے، فوراً غسل کرنا واجب نہیں البتہ اتنی تاخیر نہ کرے کہ نماز کا وقت

ع٥ ایضا جلد اول غسل۔ باب عرق الجنب ص ۴۲
مسلم〃 حیض۔ باب الدلیل علی ان المسلم لا ینجس ص ۱۶۲
ابوداود〃 طہارت۔ باب فی الجنب یصافح ص ۳۰
ترمذی〃〃 باب ماجاء فی مصافحۃ الجنب ص ۱۴
نسائی〃〃 باب مماسۃ الجنب ومجالسته ص ۵۲
ابن ماجه〃〃 باب مصافحۃ الجنب ص ۴۰

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْقُدُ وَهُوَ جُنُبٌ قَالَتْ نَعَمْ وَيَتَوَضَّأُ

کیا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں سوتے تھے انھوں نے بتایا ہاں اور وضو فرما لیتے تھے

ایضًا (۲۰۴) حدیث

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ غَسَلَ

جب جنبی ہوتے اور سونا چاہتے تو

فَرْجَهُ وَتَوَضَّأَ لِلصَّلٰوةِ

اپنی شرمگاہ دھوتے اور نماز کے لیے جیسا وضو ہے ویسا وضو فرماتے۔

ایضًا (۲۰۵) حدیث

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّهُ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے

قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بیان کیا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا

أَنَّهُ تُصِيْبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

رات میں کبھی جنابت ہو جاتی ہے (تو کیا کیا جائے) رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ

نکل جائے۔ یہی اس حدیث کا محمل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابوداؤد نسائی وغیرہ میں مروی ترکہ فرمایا:۔
لاتدخل الملئکة بیتا فیه صورة ولاکلب ولاجنب[۵] اس گھر میں فرشتے نہیں جاتے جہاں تصویر یا کتا یا جنبی ہو۔
اس حدیث سے مراد یہی ہے کہ اتنی دیر تک غسل نہ کرے کہ نماز کا وقت نکل جائے اور وہ جنبی رہنے کا عادی ہو اور یہی
مطلب بزرگوں کے اس ارشاد کا ہے کہ حالت جنابت میں کھانے پینے سے رزق میں تنگی ہوتی ہے۔

ع مسلم	جلد اول	حیض	باب جواز النوم واستحباب الوضوء	ص ۱۴۴
ابوداود	〃	طھارت	باب الجنب یاکل	ص ۲۹
ترمذی	〃	〃	باب ماجاء فی الجنب ینام قبل ان یغتسل	ص ۱۷
نسائی	〃	〃	باب وضوء الجنب اذا اراد ان ینام	ص ۵۰
ابن ماجه		〃	باب من قال لاینام الجنب حتی یتوضأ وضوءه للصلوٰة	ص ۴۳

[۵] ابوداؤد جلد اول باب الجنب یؤخر الغسل ص ۳۰

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَکَرَکَ ثُمَّ نَمْ ع٥		
علیہ وسلم نے فرمایا	وضو کرلے اور اپنا عضو تناسل دھولے	پھر سوئے۔

حدیث (۲۰۶) اذا جلس بین شعبھا الاربع الخ

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی		
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	نے	نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے

تشریحات (۲۰۶) (۲۰۷)

اذا جلس بین شعبھا الاربع الخ مرد عورت کے چاروں اعضاء کے درمیان بیٹھ گیا میں چاروں اعضاء سے یا تو عورت کے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں مراد ہیں یا دونوں پنڈلیاں اور دونوں رانیں مراد ہیں۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ اس سے عورت کی شرمگاہ کے دونوں بالائی اور دونوں زیریں لب مراد ہیں۔ کچھ حضرات نے اول کو اور کچھ حضرات نے اخیر کو ترجیح دی ہے۔

خادم کے نزدیک اغلب احوال کے لحاظ سے ثانی کو اور عموم کے لحاظ سے ثالث کو ترجیح ہے۔

جَھَدَ ھَا سے مراد یہ ہے کہ بقدر التقاء ختانین دخول ہوگیا ہو۔ اگرچہ انزال نہ ہوا ہو۔ اس پر دلیل ابو داؤد کی یہ روایت ہے جسمیں جھدھا کے بجائے

والزق الختان الختان فقد وجب الغسل — جب ختنہ سے ختنہ مل گیا تو غسل واجب ہوگیا۔

اور ابن ماجہ میں بطریق ابو موسیٰ اشعری یہ ہے۔

اذا مس الختان الختان — جب ختنہ ختنہ سے مل جائے

اور ترمذی میں اذا جاوز الختان الختان۔ اور مسلم میں وان لم ینزل، اگرچہ انزال نہ ہو۔

ہمارے دیار میں عورتوں کا ختنہ نہیں ہوتا اس لئے فقہا نے اس کی مقدار یہ رکھی ہے کہ حشفہ غائب ہوجائے۔

عہد صحابہ میں یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا، صحابہ کرام میں سے حضرت عثمان حضرت علی حضرات زبیر بن عوام حضرت طلحہ بن عبید اللہ حضرت سعد بن وقاص حضرت ابن مسعود حضرت رافع بن خدیج حضرت ابو سعید خدری حضرت ابی بن کعب حضرت ابن عباس حضرت ابو ایوب انصاری حضرت نعمان بن بشیر حضرت زید بن ثابت حضرت جمہرہ

ع٥ اس کے پہلے دو طریقوں سے

مسلم	جلد اول	حیض	باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء	ص ۱۴۴
ابو داؤد	"	طہارت	باب فی الجنب ینام	ص ۲۹
ترمذی	"	"	باب فی الوضوء للجنب اذا اراد ان ینام	ص ۱۷
نسائی	"	"	باب وضوء الجنب وغسل ذکرہ اذا اراد ان ینام	ص ۵۰
ابن ماجہ	"		باب من قال لاینام الجنب حتی یتوضأ وضوءہ للصلوۃ	ص ۴۴

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ

علیہ وسلم سے روایت کیا کہ فرمایا جب مرد عورت کے چاروں اعضا کے درمیان بیٹھ گیا اور کوشش

وَجَبَ الْغُسْلُ ع۵

کرلی تو ضرور غسل واجب ہوگیا۔

حدیث (۲۰۷) اذا جامع الرجل ولم ینزل الخ

أَخْبَرَنِي أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ

إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ فَلَمْ يُنْزِلْ قَالَ يَغْسِلُ مَا مَسَّ الْمَرْأَةَ

جب مرد عورت سے جماع کرے اور انزال نہ ہو (تو کیا کرے) فرمایا اس مقام کو دھولے جس سے عورت کو

انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اور حضرت عطا ابو سلمہ ہشام بن عروہ امام اعمش کا مذہب یہ تھا کہ جبتک انزال نہ ہو جائے غسل واجب نہیں اگرچہ پورا دخول ہوچکا ہو اگرچہ بار بار ہوا ہو۔

ان حضرات کی دلیل یہاں مذکور بعد والی حدیث نمبر ۲۰۷ اور گذشتہ حدیث نمبر ۱۳۶ ہے اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں اور اکثر حضرات کا یہی مذہب تھا کہ صرف التقاء ختانین یا غیبوبت حشفہ سے غسل واجب ہوجاتا ہے اگرچہ انزال نہ ہوا ہو۔ ان کی دلیل یہاں مذکور حدیث نمبر ۲۰۶ ہے۔

یہ صدر اول کا حال تھا اب اس پر اتفاق ہے کہ صرف غیبوبت حشفہ سے غسل واجب ہے اگرچہ انزال نہ ہوا ہو۔

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں جب اس مسئلے پر اختلاف شدید ہوگیا تو انھوں نے تمام صحابہ کرام کو جمع فرمایا اور ان سے ارشاد فرمایا تم لوگ اصحاب بدر ہو اور اختلاف کر رہے ہو تو تمہارے بعد والے اور زیادہ اختلاف کریں گے۔ اسپر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اس چیز کو ازواج مطہرات سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں، ان سے پوچھ لیجئے جب ازواج مطہرات سے دریافت کیا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا جب ختنہ ختنہ سے آگے بڑھ جائے تو غسل واجب ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت عمر نے فرمایا جو اس کے بعد اس سے اختلاف کریگا اسے سزا دونگا۔ دونوں قسم کی احادیث میں تعارض کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔ ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انھوں نے فرمایا

ع۵ مسلم جلد اول حیض باب ان الجماع کان فی اول الاسلام لا یوجب الغسل الخ ص ۱۵۶

ابوداؤد 〃 طہارت باب فی الاکسال ص ۲۸

نسائی 〃 〃 باب وجوب الغسل اذا التقی الختان الختان ص ۴۱

ابن ماجہ 〃 باب ماجاء فی وجوب الغسل اذا التقی الختان الختان ص ۴۵

مِنْهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّي قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ. اَلْغُسْلُ أَحْوَطُ وَذٰلِكَ الْآخِرُ

مس کیا ہے پھر وضو کرے۔ اور نماز پڑھے۔ ابو عبد اللہ (امام بخاری) نے کہا زیادہ احتیاط اسمیں ہے کہ غسل

إِنَّمَا بَيَّنَّاهُ لِاخْتِلَافِهِمْ وَالْمَاءُ أَنْقَى۔

کرے۔ اخیر حدیث اسلئے ذکر کی کہ اسمیں انکا اختلاف ہے۔ اور پانی صاف ستھرا کرنے والا ہے۔

پہلا حکم احتلام کے ساتھ خاص ہے۔ مگر احادیث میں جو تفصیل مذکور ہے وہ احتلام پر چسپاں نہیں ہوتی۔ دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ وجوب غسل کے لئے انزال کی شرط ابتدا اسلام میں تھی بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا جیساکہ ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ الماء من الماء کا حکم ابتدا اسلام میں بطور رخصت تھا بعد میں ہمیں (بغیر انزال) کے بھی غسل کا حکم دیا گیا۔

اخیر میں امام بخاری نے فرمایا کہ چونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس لئے ہم نے دوسری حضرت عثمان والی حدیث بھی ذکر کردی مگر احوط غسل ہے۔ یہ جملہ دو مضمون کا احتمال رکھتا ہے ایک تو یہ کہ انکا مذہب یہی ہے کہ انزال کے بغیر غسل واجب نہیں مگر غسل کرنے میں زیادہ احتیاط ہے۔ اور اس کا بھی احتمال ہے کہ انکا مذہب یہ ہو کہ برنائے احتیاط غسل واجب ہونے کا حکم ہے والعلم عند ربی وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مناسبت غسل کے اسباب تین ہیں۔ جنابت۔ انقطاع حیض، انقطاع نفاس، پہلا سبب۔ اس میں مرد اور عورت دونوں شریک ہیں۔ حیض و نفاس عورتوں کے ساتھ خاص ہے۔ سبب عام بیان کرنے کے بعد سبب خاص بیان فرمانا شروع کیا۔

حیض چونکہ بہ نسبت نفاس کے عام ہے اس لئے حیض کا بیان مقدم رکھا۔ عورت کے جسم میں قدرت نے فطری طور پر یہ قوت رکھی ہے کہ اس کے خون کا کچھ حصہ اس کے رحم میں جائے یہی زائد خون ایام حمل میں جنین کی غذا ہوتا ہے۔ اور ایام رضاعت میں دودھ بنتا ہے مگر جب عورت حمل و رضاعت کی حالت میں نہ ہو تو یہ خون ہر ماہ مقررہ تاریخوں میں اندام نہانی سے خارج ہوتا ہے۔ یہی حیض ہے۔

بچے کی پیدائش کے بعد رحم میں۔ جمع شدہ خون جو زائد آتا ہے یہ نفاس ہے بیماری سے جو خون یا رطوبت نکلتی ہے وہ استحاضہ ہے ـــــ حیض و نفاس کی حالت میں عورت نہ نماز پڑھ سکتی ہے، نہ روزہ رکھ سکتی ہے، نہ قرآن مجید چھو سکتی ہے نہ پڑھ سکتی ہے، نہ مسجد میں جا سکتی ہے۔ نمازیں معاف ہیں البتہ روزوں کی قضا رہے۔

استحاضے کی حالت میں یہ باتیں بھی ممنوع نہیں۔

حیض کے لغوی معنی سیلان کے ہیں۔ عرب والے بولتے ہیں۔ "حاضت السمرۃ" ببول کے درخت سے سرخ رنگ کا پانی نکلا۔ عرف عام میں اندام نہانی سے نکلنے والے خون کو کہتے ہیں۔ عرب والے بولتے ہیں "حاضت الارنب" خرگوش کی اندام نہانی سے خون نکلا، شریعت میں اس خون کو کہتے ہیں جو بالغہ عورت کے آگے کے مقام سے عادۃً نکلے اور وہ بیماری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الحیض

(۶۰) ت قال بعضهم كان اول ما ارسل الحيض على بني اسرائيل

بعض حضرات نے فرمایا سب سے پہلے بنی اسرائیل پر حیض بھیجا گیا

حدیث ۳۰۸ ان هذا امر كتبه الله على بنات آدم

سمعت القاسم يقول سمعت عائشة رضي الله تعالى عنها تقول

قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنا وہ فرما رہی تھیں

یا بچہ پیدا ہونے کیوجہ سے نہ ہو۔

تشریح (۶۰) یہ ام المومنین حضرت صدیقہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ہے اسے عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں ذکر کیا ہے کہ ان دونوں نے فرمایا۔ بنی اسرائیل کے مرد و عورت اکٹھے نماز پڑھتے تھے۔ عورتیں مردوں کو جھانکتی تھیں تو اللہ عزوجل نے انھیں حیض میں مبتلا کر دیا اور مسجدوں میں جانے سے روک دیا۔

تشریحات (۳۰۸) قاسم بن محمد یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے صاحبزادے ہیں۔ اجلۂ تابعین کی صف اول کے بھی سرخیل ہیں۔ یحییٰ بن سعید نے کہا اس عہد میں مدینہ میں ان سے افضل کسی کو نہیں پایا۔ مدینے کے فقہائے سبعہ میں ہیں سنہ ۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۰۱ھ میں وصال فرمایا۔

سرف مکہ معظمہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے اس میں اور مکہ کے مابین اچھے سلے کے کروس میل کا فاصلہ ہے۔ علمیت اور تانیث معنوی کیوجہ سے غیر منصرف ہے۔

أنفست امام نووی نے فرمایا کہ نون کے فتحے اور ضمے کے ساتھ دونوں کے معنی حیض کے بھی ہیں اور نفاس کے بھی مگر اکثر یہ ہے کہ ضمے کے ساتھ ولادت کے معنی میں ہے۔ اور فتح کے ساتھ حیض کے معنی میں۔ اسی سے نفساء، حائضہ کے معنی میں آتا ہے۔ نفساء کی جمع نفاس ہے۔ نفاس مصدر بھی ہے، جس کے معنی خون کے ہیں۔ مُغرب میں ہے نفاس نفست المرأة کا مصدر ہے اس کے معنی ہیں بچہ جننا قضا کے معنی ادا کرنے کے بھی آتے ہیں ارشاد ہے فاذا قضیت الصلوٰۃ۔

تکمیل سنہ ۱۰ھ میں جب پورا عرب اسلام قبول کر چکا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی تمام ازواج مطہرات کے ساتھ حج کے لئے نکلے، مدینہ طیبہ سے نکلتے وقت سب کا مقصود بالذات حج ہی تھا مگر میقات پر پہنچکر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا، جس کا جی چاہے حج کا احرام باندھے اور جس کا جی چاہے عمرہ کا حضرت

خَرَجْنَا لَانُرٰی اِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا کُنَّا بِسَرِفَ حِضْتُ فَدَخَلَ
ہم صرف حج کے ارادے سے نکلے جب "سرف" میں پہنچے تو مجھے حیض آگیا اسوقت
عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْکِیْ فَقَالَ
رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس آئے اور میں رو رہی تھی

ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عمرے کا احرام باندھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنیچر کے دن بعد نماز ظہر ۲۶ ذوالقعدہ کو مدینے سے نکلے مدینہ طیبہ سے چھ میل دور ذوالحلیفہ ہے جو مدینے کی میقات ہے۔ یہاں رات بھر قیام فرمایا صبح کو احرام باندھا۔ آٹھویں دن سنیچر کو سرف آپہنچے یہاں رات بسر فرمائی۔ صبح ۴ ذوالحجہ کو نویں دن مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔

سرف پہنچکر ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حیض آگیا ان کو خیال ہوا کہ جسطرح حیض کی حالت میں نہ نماز کی اجازت ہے نہ روزے کی، شاید حج کی بھی نہ ہو، اور میں حج سے محروم رہ جاؤں، اس بنار پر رونے لگیں۔ حضور نے انھیں تسلی دی، نہیں تم حج کے تمام ارکان ادا کر سکتی ہو۔ صرف طواف نہیں کر سکتی ہو۔ اس لئے کہ طواف مسجد حرام میں ہوتا ہے اور حائضہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی

تطبیق حضرت ام المومنین اور حضرت ابن مسعود کا جو قول تعلیقا مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیض بطور دنیوی سزا پہلے پہل بنی اسرائیل کی عورتوں کو آیا۔ اور اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حیض بنات آدم کے لئے مقرر ہے۔ بنات آدم اپنے عموم کے لحاظ سے بنی اسرائیل سے پہلے کی عورتوں پر بھی صادق ہے۔ اس سے ثابت کہ روز اول ہی سے تمام عورتوں کو حیض آتا تھا۔

علاوہ ازیں قرآن مجید میں حضرت سارہ کے بارے میں ہے

وَامْرَأَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ (ھود آیت ۷۱) ان کی بیوی کھڑی تھی ہنسنے لگی۔

طبری وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ سے فضحکت کی تفسیر حاضت کیساتھ نقل کی ہے یعنی انھیں حیض آگیا۔[1]

نیز حاکم اور ابن منذر نے سند صحیح کیساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت حوا جب جنت سے اتریں تو انھیں حیض آنے لگا۔[2]

اس پر امام بخاری نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد اکثر ہے یعنی باعتبار روایت اسلئے اسے ترجیح حاصل ہے۔ ایک نسخے میں بجائے اکثر کے اکبر ہے۔ یعنی بنسبت صحابی کے قول کے حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد بڑا یعنی اجل واکبر ہے اس لئے اسے ترجیح ہے۔

علامہ عینی نے یہ تطبیق کی صورت نکالی کہ بنی اسرائیل پر ان کی سرکشی کیوجہ سے یہ عذاب آیا کہ ان کی عورتوں کا حیض بند کر دیا گیا یہ عذاب اس طرح ہے کہ توالد و تناسل کے اسباب عادیہ میں حیض بھی ہے۔ جس عورت کو حیض نہیں آتا وہ لاولد رہتی ہے

[1] فتح الباری جلد اول ص ۳۴۱
[2] ایضا

مَالَكِ اَنُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اِنَّ هٰذَا اَمْرٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ

حضور نے مجھ سے پوچھا کیا بات ہے کیا تجھے حیض آگیا ہے میں نے عرض کیا جی ہاں، حضور نے فرمایا

اٰدَمَ فَاقْضِي مَا يَقْضِي الْحَاجُّ غَيْرَ اَنْ لَا تَطُوْفِي بِالْبَيْتِ قَالَتْ

یہ ایسی چیز ہے جو آدم کی بیٹیوں کے لئے خدا نے مقرر فرمادی ہے جو کچھ حج کرنیوالا کرے تم بھی کرو، البتہ بیت اللہ کا

ایک مدت تک یہی رہا پھر اللہ عزوجل نے جاری کر دیا۔

مگر تعلیق کا یہ لفظ اول ما ارسل اللہ الحیض اس توجیہ کے مطابق نہیں اس لئے راستہ یہی رہ گیا کہ امام بخاری نے جو فرمایا ہے اسی کو اختیار کیا جائے۔

ایک اشکال

بقر بغیر تار کے جنس ہے جو واحد اور کثیر سب پر بولا جاتا ہے۔ البتہ بقرۃ تار مدورہ کیساتھ واحد ہے اس کے معنی ایک گائے کے ہیں جیسے تمر اور تمرۃ کلم اور کلمۃ وغیرہ۔ اب اشکال یہ ہے کہ حجۃ الوداع میں تمام ازواج مطہرات تھیں اور ان کی تعداد اس وقت نو تھی اس پر اجماع ہے کہ ایک گائے میں صرف سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں پھر نو ازواج مطہرات کی طرف سے ایک ہی گائے کی قربانی کیسے درست ہوئی۔

اگر تمام روایات میں بالبقر یا بقر بغیر تار کے ہوتا تو تاویل ممکن تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کی طرف سے ایک سے زائد قربانی کی تھی۔ مگر بعض روایات میں بالبقرۃ تار کیساتھ ہے یہ تار تانیث نہیں اسلئے کہ حیوانات کیلئے تار تانیث نہیں آتی اور اگر آتی بھی ہو تو ابوداؤد[1] اور ابن ماجہ کی حدیث میں بقرۃ واحدۃ آیا ہے جو وحدت پر نص ہے۔

جواب

اولاً ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ حیوانات میں تار تانیث نہیں آتی۔

امام لغت ابن السکیت نے اس کی تصریح کی ہے کہ حیوانات کے اسمار پر بھی تار تانیث آتی ہے۔ اس لغت پر بالبقرۃ اور بالبقر کا مفاد ایک ہو رہ گیا وہ روایت جس میں بالبقرۃ الواحدۃ وارد ہے۔ وہ غالباً راوی کی اپنی زیادتی ہے۔ کسی راوی نے بالبقرۃ کی تار کو تار وحدت سمجھ لیا اور اپنی سمجھ کے مطابق الواحدۃ بڑھا دیا۔

اس جواب کی تائید مسلم شریف کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں۔

ذبح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن عائشۃ بقرۃ یوم النحر[2]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کیطرف سے یوم النحر میں ایک گائے کی قربانی کی۔

مگر اس پر یہ شبہ رہ جاتا ہے کہ حضرت صدیقہ کی طرف سے ایک گائے ہوئی تو پھر بھی بقیہ آٹھ ازواج کیطرف سے ایک ہی گائے کی قربانی ہوئی۔

---

[1] ابوداود جلد اول | مناسک | باب فی ھدی البقر ص ۲۴۴

ابن ماجہ | اضاحی | باب کم تجزی البدنۃ والبقر ۲۳۳

[2] مسلم جلد اول | حج | باب جواز الاشتراک فی الھدی ص ۴۲۴

وَضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ نِسَائِہٖ بِالْبَقَرِ ؏

طواف مت کرنا — حضور نے — اپنی عورتوں کی طرف سے — گائے قربان کی

صحیح جواب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ قربانی صرف انھیں ازواج کی طرف سے کی تھی جنھوں نے میقات سے صرف عمرے کا احرام باندھا تھا، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا:

ذبح عمن اعتمر من نسائہ بقرۃ بینھن[ل] — حضور نے ان عورتوں کی طرف سے مشترکہ طور پر ایک گائے کی قربانی کی جنھوں نے عمرہ کیا۔

ہوسکتا ہے کچھ ازواج مطہرات نے عمرے کا احرام نہ باندھا ہو صرف حج کا احرام باندھا ہو۔

ایضاح البخاری ایضاح البخاری میں بالبقرۃ الواحدۃ کی روایت نسائی کی طرف منسوب ہے حالانکہ یہ مجھے نسائی میں نہیں ملی البتہ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے، حیوانات کے اسماء پر تاء تانیث داخل ہوتی ہے اس پر استدلال کرتے ہوئے انھوں نے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے۔

مشہور محدث حضرت قتادہ جب کوفہ پہونچے تو ان کے گرد بھیڑ لگ گئی تشنگان علم ٹوٹ پڑے، یہ زمانہ حضرت امام کی نوعمری کا تھا حضرت قتادہ کی شہرت سن کر حاضر ہوئے اور یہ سوال کیا: جس چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر کو دیکھ کر یہ کہا تھا: اے چیونٹیو اپنے گھروں میں چلی جاؤ کہیں بے خبری میں سلیمان اور ان کے لشکری تمھیں کچل نہ ڈالیں، یہ نر تھی کہ مادہ؟ حضرت قتادہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ تو حضرت امام نے فرمایا کہ یہ چیونٹی مادہ تھی، اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے قَالَتْ نَمْلَةٌ۔

اس سے صاحب ایضاح البخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت امام کا بھی مذہب یہی تھا کہ تاء تانیث، حیوانات کے اسماء پر داخل ہوتی ہے اسلئے کہ حضرت امام نے "نملۃ" کی تاء سے اس کے مادہ ہونے پر استدلال فرمایا

اقول: یہ زبردستی حضرت امام کے سر تھوپنا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت امام کا استدلال بجائے تاء کے قالت صیغہ تانیث اور من توھا، کی ضمیر مونث سے ہو۔

---

۵ بخاری جلد ثانی	الاضاحی	باب الاضحیۃ للمسافر والنساء	ص	۸۳۲
مسلم ، اول	حج	باب بیان وجوہ الاحرام الخ	ص	۳۸۸
نسائی ، ،	طہارت	باب بدء الحیض	ص	۶۲
ابن ماجہ	حج	باب الحائض تقضی المناسک الا الطواف	ص	۲۱۹
ل ابوداؤد اول		مناسک باب فی ھدی البقر	ص	۳۴۴
ابن ماجہ		اضاحی باب کم تجزی البدنۃ والبقرۃ	ص	۲۳۳

حدیث ۲۰۹	ترجیل الحائض راس زوجها

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اُرَجِّلُ رَاسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا حَائِضٌ ع۵
کے سر میں کنگھی کرتی اس حالت میں کہ میں حائضہ ہوتی۔

حدیث ایضا ۲۱۰	اَخْبَرَنِیْ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ اَنَّهُ سُئِلَ ہشام بن عروہ نے خبر دی کہ حضرت عروہ سے پوچھا گیا

تشریحات (۲۰۹) (۲۱۰)
ہشام

ہشام بن عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ مدینہ طیبہ کے مشہور تابعین میں ہیں۔ ان سے بکثرت احادیث مروی ہیں اکابر اجلہ تابعین میں ہیں۔ اہل مدینہ کے طبقہ رابعہ سے ہیں۔ انھوں نے حدیث اپنے چچا حضرت عبداللہ بن زبیر اور ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہم سے سنی ہے ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کی زیارت کی مگر ان سے حدیث نہیں سنی، حضرت جابر بن عبداللہ حضرت انس بن مالک اور حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالی عنہم کی زیارت سے مشرف ہیں شہنشاہ منصور کے عہد میں کوفے تشریف لائے تو ان سے اہل کوفہ نے احادیث سنیں۔

یہ اور خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز، امام زہری، قتادہ اور اعمش عاشورہ ۶۱ھ کو ٹھیک اس دن پیدا ہوئے جس دن سید الشہداء حضرت امام حسین کربلا میں شہید ہوئے۔ اخیر عمر مبارک میں بغداد منصور کے پاس آگئے تھے وہیں ۱۴۵ھ یا ۱۴۶ھ یا ۱۴۷ھ میں وصال ہوا منصور نے انکی نماز جنازہ پڑھائی، مقبرہ خیزران کے جانب غربی بازار سے باہر خندق کے پیچھے باب قطربل کی جانب، باب حرب کے مقابر میں مزار ہے، مزار پر تختی لگی ہوئی ہے جس پر کندہ ہے "ہذا قبر ہشام بن عروۃ"۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ خیزران کے جانب شرقی میں دفن ہیں اور جانب غربی جو مزار ہے وہ ہشام بن عروہ مروزی کا ہے جو حضرت عبداللہ بن مبارک کے اصحاب میں سے ہیں۔

ابوعبداللہ عروہ بن زبیر بن عوام حواری رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے مشہور فقہاء سبعہ میں ہیں بہت زبردست عابد زاہد شب زندہ دار بزرگ تھے روزانہ بلاناغہ چوتھائی قرآن مصحف شریف دیکھکر تلاوت فرماتے، چوتھائی قرآن شریف رات کو تہجد میں پڑھتے۔

ع۵ ایضا جلد اول	اعتکاف	باب المعتکف یدخل راسه البیت للغسل	ص ۲۷۴
ایضا 〃 ثانی	لباس	باب ترجیل الحائض زوجها	ص ۸۷۹
ترمذی شمائل		باب ترجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	ص ۴
نسائی جلد اول	طہارت	باب غسل الحائض راس زوجها	ص ۴۸

أَتَخْدِمُنِي الْحَائِضُ أَوْ تَدْنُو مِنِّي الْمَرْأَةُ وَهِيَ جُنُبٌ - فَقَالَ عُرْوَةُ كُلُّ
کیا حائضہ میری خدمت کر سکتی ہے، جنبی عورت میرے قریب آ سکتی ہے اس پر عروہ نے
ذَالِكَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَكُلُّ ذَالِكَ يَخْدِمُنِي وَلَيْسَ عَلَى أَحَدٍ فِي ذَالِكَ بَأْسٌ
فرمایا یہ سب مجھ پر آسان ہے اور یہ سب میری خدمت کرتی ہیں اسمیں کسی پر کوئی حرج نہیں

امام زہری نے ان کے بارے میں فرمایا یہ وہ دریا ہیں جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔

یہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے حقیقی بھائی تھے دونوں حضرات اسماء بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بطن سے ہیں سنہ ۲۲ یا سنہ ۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۹۳ یا ۹۴ سنۃ الفقہاء میں وصال فرمایا مدینہ طیبہ سے چار رات کے فاصلہ پر رَبَذَہ کے نواحی میں ایک بہت سرسبز و شاداب مقام فُرع ہے یہیں جائے وفات ہے یہیں دفن بھی ہوئے۔

ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایام حکومت میں عبدالملک بن مروان اور یہ اور ان کے دونوں بھائی حضرت عبداللہ اور مصعب مسجد حرام میں اکٹھا ہوئے تو ان لوگوں نے آپس میں کہا آؤ ہم لوگ اپنی اپنی تمنا ظاہر کریں ۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے کہا میری تمنا یہ ہے کہ حرمین طیبین کا مالک بنوں اور خلافت پاؤں ۔ مصعب نے کہا میری تمنا یہ ہے کہ میں عراقین یعنی کوفہ اور بصرہ کا حاکم بنوں اور قریش کی دو عاقل ترین خواتین کو اپنے نکاح میں جمع کروں، سکینہ بنت حسین اور عائشہ بنت طلحہ کو۔ عبدالملک نے کہا میری آرزو یہ ہے کہ میں پوری زمین کا مالک بنوں اور معاویہ کا جانشین ۔ عروہ نے کہا میری آرزو تم لوگوں جیسی نہیں میری تمنا یہ ہے کہ دنیا سے الگ رہوں آخرت میں جنت پاؤں اور مجھ سے یہ علم (حدیث) روایت کیا جائے، خدا کی شان کہ ہر ایک کی تمنا پوری ہوئی اسی بنا پر ولید بن عبدالملک کہا کرتا تھا جسے یہ پسند ہو کہ کسی جنتی کو دیکھے وہ عروہ کو دیکھے۔

بہت ہی متحمل بردبار صابر و شاکر تھے ایک دفعہ ولید کے یہاں گئے تو پاؤں میں آکلہ ہو گیا ولید نے کہا پاؤں کٹوا لو پہلے انکار کیا مگر جب اس کا اثر پنڈلی تک پہونچ گیا تو لیدنے کہا اگر کٹوا ئیں گے نہیں تو یہ پورے جسم میں سرایت کر جائیگا ۔ پاؤں کاٹنے والا آیا اس نے عرض کی شراب پی لیں تاکہ احساس نہ ہو، فرمایا میں اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کے ذریعہ عافیت نہیں چاہتا، اس نے عرض کیا کوئی خواب آور دوا دیدوں تو فرمایا میں نہیں چاہتا کہ میرا کوئی عضو کاٹا جائے اور مجھے اس کی تکلیف کا احساس نہ ہو اور اس کے ثواب سے محروم رہوں پھر کچھ لوگ آئے کہ پکڑے رہیں فرمایا کوئی ضرورت نہیں ۔

بالآخر پاؤں کا گوشت پہلے چھری سے پھر ہڈی آری سے کاٹی گئی اور آہ تک نہیں کی تکبیر و تہلیل میں مصروف رہے یہاں تک کہ جب روغن زیتون لوہے کے چمچوں میں کھولا کر داغا گیا تو بیہوش ہو گئے، افاقے کے بعد چہرے سے پسینہ پونچھنے لگے، کٹا ہوا پاؤں ہاتھ میں لے کر الٹنے پلٹنے لگے اور فرمایا اس ذات کی قسم جس نے مجھے تجھ پر سوار فرمایا۔ تیرے ذریعہ سے کسی گناہ کی طرف نہیں گیا ہوں یہ سب اسطرح ہوا کہ وہیں ولید باتیں کرتا رہا اسے خبر بھی نہیں ہوئی جب داغنے کی بو پھیلی تو معلوم ہوا۔

اسی سفر میں ان کے صاحبزادے محمد، ولید کے اصطبل میں گئے تو کسی چوپائے نے انھیں مار دیا اور وہ شہید ہو گئے۔ جب مدینہ طیبہ

أَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ أَنَّهَا كَانَتْ تُرَجِّلُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مجھے حضرت عائشہ نے خبر دی کہ وہ حالت حیض میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کنگھا کرتی تھیں۔

وَهِيَ حَائِضٌ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَئِذٍ مُجَاوِرٌ فِي الْمَسْجِدِ

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں (حالت اعتکاف) میں ہوتے ان کی طرف اپنا سر بڑھا

يُدْنِي لَهَا رَأْسَهُ وَهِيَ فِي حُجْرَتِهَا فَتُرَجِّلُهُ وَهِيَ حَائِضٌ ؏

دیتے وہ اپنے حجرے میں ہوتیں وہ حضور کے سر میں کنگھا کرتیں حالانکہ وہ حائضہ ہوتیں

آئے تو یہ آیت کریمہ تلاوت فرمایا۔

لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا (کہف ۶۲) اپنے اس سفر سے ہم کو بہت تکلیف پہونچی۔

اتنے سخی اور جواد تھے کہ باغ میں جب پھل تیار ہوجاتے تو احاطے کی دیوار میں سوراخ کردیتے لوگ باغ میں آکر کھاتے بھی اور باندھ کرلے بھی جاتے، جب باغ میں جاتے تو یہ آیت کریمہ تلاوت فرمانے لگے۔

وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ - (کہف ۳۸) اور جب تو اپنے باغ میں گیا تو ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کیوں نہیں کہا؟

انھوں نے اپنے والدین اور اپنی خالہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ اور کبار صحابہ سے احادیث روایت کی ہیں۔

باب کا فائدہ یہاں امام بخاری نے باب کا عنوان یہ قائم فرمایا ہے غسل الحائض راس زوجها و ترجيله حائضہ کا اپنے شوہر کے سر کو دھونا اور اسمیں کنگھا کرنا۔

چونکہ قرآن کریم میں ہے۔ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ (بقرہ) حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو۔ اس سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حائضہ عورت سے کوئی خدمت نہیں لی جاسکتی۔ یہ باب باندھ کر امام بخاری نے اس شبہے کا ازالہ فرمادیا کہ اس آیت میں اعتزال سے مراد جماع نہ کرنا ہے مطلقاً علحدہ رہنا اس طرح کی شوہر کو ہاتھ بھی نہ لگا سکے مراد نہیں البتہ ایک خدشہ رہ جاتا ہے کہ اس باب کے ضمن میں جو حدیث لائے اس سے کنگھا کرنا تو ثابت ہوگیا مگر سر دھونا ثابت نہیں ہوا۔

؏ ایضاً جلد اول	اعتکاف	باب الحائض ترجل المعتکف	ص ۲۷۱
مسلم "	حیض	باب جواز غسل الحائض راس زوجها و ترجيله	ص ۴۲
ابوداؤد "	صیام	باب المعتكف يدخل البيت لحاجته	ص ۳۳۴
نسائی "	طہارت	باب ترجيل الحائض راس زوجها و هو معتكف	ص ۴۸
ابن ماجہ	"	باب الحائض تتناول الشئ من المسجد	ص ۴۶
"	اعتکاف	باب فى المعتكف يغسل راسه و ترجيله	ص ۱۲۸

دارمی وضوء ۱۰۸، موطاء امام مالک طہارت ۱۰۳) مسند امام احمد

(۶۱) ت وَكَانَ اَبُو وَائِلٍ يُرْسِلُ خَادِمَهٗ وَهِيَ حَائِضٌ اِلٰى اَبِي رَزِيْنٍ

ابو وائل اپنی خادمہ کو ابو رزین کے پاس بھیجتے

اقول بحث کنگھا کرنے اور دھونے کی نہیں بلکہ شوہر کو ہاتھ لگانے اور نہ لگانے کی ہے، حدیث سے جب ثابت کہ حائضہ شوہر کو کنگھا کر سکتی ہے جسمیں ہاتھ لگنا لازم ہے تو اسی پر قیاس کر کے سر دھونا بھی ثابت اس لئے کہ اسمیں بھی ہاتھ لگانے سے زائد اور کوئی بات نہیں۔

ہماری اس تقریر سے صاحب ایضاح البخاری کی کم فہمی ظاہر ہوئی انھوں نے لکھا ہے کہ باب کا پہلا جز حدیث سے ثابت نہیں ہم مقدمہ میں بتا آئے کہ باب کے ثبوت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ حدیث کی باب پر دلالت التزامی ہو جو یہاں موجود ہے ان بزرگ نے حضرت عروہ کے استدلال کو بھی نہیں دیکھا کہ وہ ترجیل سے مطلقاً خدمت کے جواز پر دلیل لائے۔ حضرت عروہ سے دو سوال ہوا تھا ایک یہ کہ حائضہ مرد کی خدمت کر سکتی ہے کہ نہیں اور دوسرے یہ کہ جنبی عورت خدمت کر سکتی ہے کہ نہیں۔ حضرت عروہ نے فرمایا دونوں خدمت کر سکتی ہیں نیز یہ بھی کہا کسی کے نزدیک اسمیں کوئی حرج نہیں عروہ نے دلیل میں یہ حدیث پیش کی جس سے یہ ثابت ہوا کہ حائضہ اپنے شوہر کی خدمت کر سکتی ہے حدیث میں جنبی کا ذکر نہیں۔

مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ حائضہ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس حالت میں اس کی نجاست جاری رہتی ہے پھر بھی اپنے شوہر کی خدمت کر سکتی ہے اور جنبی عورت جسکی یہ حالت نہیں۔ اس کے جسم سے جو نجاست نکلنی تھی نکل چکی اب کوئی نجاست نہیں نکلتی تو یہ بدرجۂ اولی شوہر کی خدمت کر سکتی ہے لم یہ ہے کہ حیض کی حالت میں گھن آنا زائد ہے برخلاف جنابت کے کہ اسمیں کوئی گھن نہیں اہل انصاف و دیانت غور کریں یہاں امام بخاری نے قیاس فرمایا حضرت عروہ نے قیاس فرمایا مگر یہ قیاس نہیں۔ اہل حدیث ہیں اور احناف قیاس کریں تو وہ غیر مقلدین کی بارگاہ سے "قیاسی" کا خطاب پائیں۔

مسائل (۱) معتکف اگر اپنا سر یا کوئی عضو مسجد سے باہر نکالدے تو اعتکاف باطل نہ ہوگا (۲) کسی نے قسم کھائی کہ فلاں گھر میں نہ جائیگا اگر سر یا ہاتھ گھر میں داخل کر دیا تو حانث نہ ہوگا (۳) بیوی کی رضامندی سے شوہر خدمت لے سکتا ہے مگر جبر نہیں کر سکتا (۴) حائضہ اور جنبی کا ظاہر جسم پاک ہے (۵) فاعتزلوا النساء فی المحیض اور ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المسجد سے مراد جماع ہے اور آیت ثانیہ سے مراد جماع کے ساتھ دواعی بوس و کنار بھی ہے۔ مطلقاً چھونے ہاتھ لگانے کی ممانعت مراد نہیں (۶) حائضہ کو مسجد میں جانا جائز نہیں (۷) مرد اپنے بالوں کو کنگھا کر سکتا ہے اسی طرح زینت کر سکتا ہے

تشریحات (۶۱) (۲۱۱) رزین کا نام مسعود بن مالک اسدی ہے۔ یہ ابو وائل کے غلام تھے۔ تابعی ہیں یہاں باب یہ ہے۔ مرد کا حائضہ کی گود میں سر رکھے قرآن پڑھنا۔ تعلیق کا باب سے کوئی علاقہ نہیں البتہ حدیث سے ہے اور یہی ہمارا بھی مذہب ہے۔

فَتَاتِيهِ بِالْمُصْحَفِ فَتُمْسِكُهُ بِعِلَاقَتِهِ عـ

وہ مصحف لاتی اور غلاف کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لئے رہتی حالانکہ وہ حائضہ ہوتی۔

حدیث (۲۱۱) قراءۃ القرآن متکئاً فی حجر الحائضۃ

عَنْ مَنْصُوْرِ بْنِ صَفِيَّةَ اَنَّ اُمَّهُ حَدَّثَتْهُ اَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهَا اَنَّ النَّبِيَّ

منصور بن صفیہ سے روایت ہے کہ ان کی ماں نے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت عائشہ نے ان سے یہ حدیث

صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَّكِئُ فِيْ حِجْرِيْ وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ عـه

بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں ٹیک لگائے ہوئے قرآن پڑھتے حالانکہ میں حیض کی حالت میں رہتی۔

حدیث (۲۱۲) مضاجعۃ الزوج مع الحائض فی لحاف واحد

عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ اَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ اُمِّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ رضی اللہ تعالی عنہا

ابو سلمہ نے روایت کی کہ زینب بنت ام سلمہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا

تشریحات (۲۱۲)

بظاہر ایسا شبہ ہوتا ہے کہ ابو سلمہ اور ام سلمہ میں جو اضافت ہے وہ ایک ہی شخص کی طرف ہے مگر حقیقت میں ایسا نہیں۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی کنیت ام سلمہ ان کے صاحبزادے کیطرف نسبت کر کے ہے جو ان کے پہلے شوہر حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد رضی اللہ تعالی عنہ سے تھے۔ اور اس حدیث کے راوی ابو سلمہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔

حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا حضرت ابو سلمہ سے تھیں پہلے ان کا نام برہ تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے بدل کر زینب رکھا۔ قبل ہجرت حبشہ یا مکہ معظمہ میں پیدا ہوئی تھیں ان کا نکاح عبد اللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تھا یہ اپنے زمانے میں صف اول کی عابدہ فقیہہ تھیں ان سے ایک مخلوق نے حدیث روایت کی واقعہ حرہ کے بعد انتقال فرمایا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حائضہ کیساتھ ایک چادر میں سونا ناجائز نہیں بلکہ اس میں کوئی کراہت بھی نہیں البتہ ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں تک اتنا موٹا کپڑا حائل ہو کہ حائضہ کے بدن کی گرمی شوہر محسوس نہ کرے۔

عـه ابن ابی شیبہ

عـه ایضا جلد ثانی	توحید	باب الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة	ص ۱۱۲۶
مسلم ۔ اول	حیض	باب جواز غسل الحائض راس زوجها	ص ۱۴۳
ابو داود ۔ ۔	طہارت	باب مواكلة الحائض ومجامعتها	ص ۳۴
نسائی ۔ ۔	۔	باب الرجل يقرأ القرآن وراسه فی حجر امرأته وهی حائض	ص ۴۷
ابن ماجہ		باب الحائض تتناول الشئ من المسجد	ص ۴۶

حَدَّثَتْهَا قَالَتْ بَيْنَ اَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُضْطَجِعَةً

کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک چادر میں سوئی تھی کہ مجھے حیض آگیا

فِي خَمِيْصَةٍ اِذْ حِضْتُ فَانْسَلَلْتُ فَاَخَذْتُ ثِيَابَ حَيْضَتِي قَالَ اَنَفِسْتِ

تو میں چپکے سے کھسک گئی اور میں نے حیض کے کپڑے لئے حضور نے

قُلْتُ نَعَمْ فَدَعَانِي فَاضْطَجَعْتُ مَعَهٗ فِي الْخَمِيْلَةِ ع۵

فرمایا کیا تجھے حیض آگیا، میں نے عرض کی، جی، پھر بھی حضور نے مجھے بلایا اور میں حضور کیساتھ اسی چادر میں لیٹ گئی۔

حدیث (۲۱۳) عن عائشة قالت يباشرني وانا حائض

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میں اور نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ہی

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ وَكِلَانَا جُنُبٌ وَكَانَ يَاْمُرُنِي فَاَتَّزِرُ فَيُبَاشِرُنِي وَاَنَا

برتن سے غسل کرتے حالانکہ ہم دونوں جنبی ہوتے۔ جب مجھے حیض آتا تو مجھے حکم دیتے میں تہبند باندھ لیتی

حَائِضٌ وَكَانَ يُخْرِجُ اِلَيَّ رَاْسَهٗ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَاَغْسِلُهٗ وَاَنَا حَائِضٌ ع۶

اسکے بعد مجھے مباشرت فرماتے اور اعتکاف کی حالت میں اپنے سر اقدس کو میری طرف مسجد سے باہر کر دیتے میں اسے دھو دیتی حالانکہ میں حائضہ ہوتی

تشریحات (۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵)

باب کا مقصد

ان احادیث پر باب کا عنوان یہ ہے "مباشرة الحائض" حائضہ کے ساتھ مباشرۃ کا بیان۔ مباشرت کے معنی ہیں ظاہر جسم کو دوسرے کے ظاہر جسم سے ملانا۔

ع۵ ایضاً جلد اول الصیام باب القبلة للصائم ص ۲۵۸

مسلم	حیض	باب الاضطجاع مع الحائض في لحاف واحد	ص ۱۴۲
نسائی	طہارت	باب مضاجعة الحائض	ص ۵۴
دارمی	وضو		۱۰۷
ع۶ مسلم	حیض	باب مباشرة الحائض فوق الازار	ص ۱۴۱
ابوداؤد	طہارت	باب في الرجل يصيب من المراة مادون الجماع	ص ۳۶
ترمذی	"	باب ماجاء في مباشرة الحائض	ص ۱۹
نسائی	"	باب مباشرة الحائض	ص ۵۴
ابن ماجه		باب ماللرجل من امراته اذا كانت حائضا	ص ۴۶

(۲۱۴) حدیث ایضا

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ كَانَتْ اِحْدَانَا

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ ہم میں سے جب کوئی حائضہ

اِذَا كَانَتْ حَائِضًا فَاَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ہوتی اور رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے مباشرت کرنے کا ارادہ فرماتے تو حیض کے

اَنْ يُّبَاشِرَهَا اَمَرَهَا اَنْ تَتَّزِرَ فِیْ فَوْرِ حَيْضَتِهَا ثُمَّ يُبَاشِرُهَا قَالَتْ

جوش کی حالت میں اسے حکم دیتے کہ تہبند باندھ لے پھر اس سے مباشرت فرماتے

چونکہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے، فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِی الْمَحِیْضِ، حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو۔ اس کا ظاہر مفہوم یہ ہوتا ہے کہ نہ تم ان کو ہاتھ لگاؤ نہ وہ تم کو ہاتھ لگائیں جسم کو جسم سے ملانا تو دور ہے۔ امام بخاری اس باب سے یہ افادہ فرمانا چاہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں "اعتزال" الگ رہنے سے مراد یہ ہے کہ جماع نہ کرو اس پر کثیر احادیث کی نص صریح شاہد ہے جو معناً مشہور ہیں۔

مسائل ان احادیث سے ثابت ہو گیا کہ جماع چھوڑ کر حیض کی حالت میں بھی عورت سے دوسرے قسم کے انتفاع جائز ہیں چنانچہ اس پر اتفاق ہے کہ ناف کے نیچے سے گھٹنے تک کو چھوڑ کر پورے جسم سے انتفاع جائز ہے اگرچہ عبیدہ اسلمانی وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ اس حالت میں عورت سے مطلقاً استمتاع جائز نہیں مگر وہ لوگ لایعباٴ بہ کے درجے میں اقل قلیل ہیں۔

البتہ ناف کے نیچے سے لیکر گھٹنے کے اوپر تک سے استمتاع میں اختلاف ہے امام اعظم امام شافعی امام ابو یوسف امام مالک اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ مطلقاً حرام ہے البتہ امام محمد اور امام احمد یہ فرماتے ہیں کہ سبیلین کے علاوہ اور جگہوں سے استمتاع جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے صحابہ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، یہودی جب ان کی عورتوں کو حیض آتا ہے تو نہ ان کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں نہ ان کے ساتھ گھر میں رہتے ہیں یہ کیسا ہے تو آیت کریمہ نازل ہوئی۔ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِی الْمَحِیْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی يَطْهُرْنَ۔ "حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو ان کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ پاک ہو جائیں" اور فرمایا:۔

اِصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا النِّكَاحَ [1]

ہمبستری کے علاوہ سب کچھ کرو۔

احناف اور جمہور کی دلیل یہ ہے جسے علامہ عینی نے ابو داؤد کے حوالے سے لکھی ہے کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا مایحل للرجل من امراته وهی حائض۔ جب عورت حائضہ ہو تو مرد کو کہاں تک حلال ہے فرمایا مافوق الازار (وفی حدیث معاذ) والتعفف عن ذالك اجمل۔ ازار کے اوپر تک اور اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔

---

[1] مسلم جلد اول حیض باب مباشرة الحائض فوق الازار ص ۱۴۳

ابو داود ؍ طهارت باب مواكلة الحائض ومجامعتها ص ۳۴

ایضا ایضا نکاح باب اتيان الحائض ومباشرتها ص ۲۹۴

وَ اَيُّكُمْ يَمْلِكُ اِرْبَهٗ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْلِكُ اِرْبَهٗ عه

حضرت عائشہ نے فرمایا جتنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حاجت پر قابو رکھتے تھے تم میں کون قابو رکھتا ہے۔

(۲۱۵) حدیث ایضا

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ مَيْمُوْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ

عبداللہ بن شداد نے کہا میں نے ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنا

تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ

انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اپنی ازواج میں سے کسی سے مباشرت کرنا چاہتے اور

اَنْ يُّبَاشِرَ اِمْرَاَةً مِّنْ نِّسَائِهٖ اَمَرَهَا فَاتَّزَرَتْ وَهِيَ حَائِضٌ عه

وہ حیض کی حالت میں ہوتیں تو انھیں حکم دیتے وہ تہبند باندھ لیتیں۔

نیز ابو یعلی موصلی کی روایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ ہے فرمایا۔

لہ ما فوق الازار ولیس ما تحتہ۔ ازار کے اوپر تک جائز ہے نیچے نہیں۔

مسلم میں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے۔

یباشرھن فوق الازار وھن حیض۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عورتوں سے ازار کے اوپر اوپر تک مباشرت فرماتے جب وہ حائضہ ہوتیں۔

مگر اس پر یہ ایراد ہے کہ ابوداؤد میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ ہے

اذا کان علیھا ازار الی انصاف الفخذین او الرکبتین جب ان پر آدھی رانوں یا آدھی پنڈلیوں تک ازار ہوتا۔

نیز علامہ عینی نے بحوالہ ابوداؤد و ابن ماجہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ حدیث ذکر کی ہے وہ فرماتی ہیں

کانت احدانا فی فورھا اول ما تحیض تشد علیھا ازارا الی انصاف الفخذین ثم تضطجع معہ علیہ السلام۔ حیض کے شروع میں جب تیزی ہوتی ہم آدھی آدھی رانوں تک تہبند باندھ لیتیں اور حضور کے ساتھ سوتیں۔

عه مسلم جلد اول حیض باب مباشرۃ الحائض فوق الازار ص ۱۴۱

ابوداؤد ، طہارت باب فی الرجل یصیب المراۃ ما دون الجماع ص ۳۵

ترمذی ، ، باب مباشرۃ الحائض ص ۵۳

نسائی ، باب مباشرۃ الحائض ص ۵۴

ابن ماجہ ، باب ما للرجل من امراتہ اذا کان حائضا ص ۴۶

عه مسلم ، حیض باب مباشرۃ الحائض فوق الازار ص ۱۴۱

ابوداؤد نکاح باب فی اتیان الحائض ومباشرتہا ص ۲۹۴

ابوداؤد کی پہلی روایت میں تردید تھی مگر ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں صرف انصاف الفخذین ہے تو جب ازواج مطہرات نے خود اس ازار کی تحدید فرمادی کہ وہ آدھی رانوں تک ہوتا تھا تو محض احتمال سے مدعیٰ ثابت نہیں ہوگا نیز فرمایا اجتنب شعار الدم ۔ خون کی جگہ سے پرہیز کر۔ نیز ابوداؤد میں عکرمہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:۔

کان اذا اراد من الحائض شیئا القی علی فرجھا شیئا لہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حائضہ کیساتھ کچھ کرنا چاہتے تو اسکی شرمگاہ کپڑا ڈال لیتے

ان سب سے یہ ثابت ہوا کہ شرمگاہ کے علاوہ بقیہ پورے جسم سے انتفاع جائز ہے اس کے عموم میں مادون السرۃ الی الرکبۃ بھی داخل ہے اسی بناپر امام ابوجعفر طحاوی اور علامہ عینی نے حضرت امام محمد کے مذہب کو ترجیح دی۔

ان سب مباحث کے باوجود ایک خاص بات یہ ہے مادون السرۃ الی الرکبۃ سے استمتاع میں احادیث سے دونوں باتیں ثابت ہوئی ہیں۔ حرمت اور حلت۔ ایسے موقع پر ترجیح حرمت کو ہی ہوتی ہے۔ اس لئے فقہاء کے اصول کے مطابق ترجیح قول امام ہی کو ہے ان مباحث سے ہٹ کر جب ہم ارشاد ربانی میں غور کرتے ہیں تو بھی قول امام ہی کی ترجیح ثابت ہوتی ہے۔ وہ اس طرح اعتزال اور عدم قربت کا حکم اپنے اطلاق کے اعتبار سے یہ چاہتا ہے کہ حائضہ سے بالکل اجتناب کیا جائے مگر فوق السرۃ وتحت الرکبۃ سے انتفاع ایسی احادیث سے ثابت جنکا کوئی معارض نہیں، اسلئے ان کی تخصیص ہوگی رہ گیا مادون السرۃ الی الرکبۃ سے انتفاع اس بارے میں احادیث متعارض ہیں اس لئے ان سے انتفاع کی حرمت اصل حکم قرآنی کے مطابق باقی رہی مگر پھر بات لوٹ کر وہیں جاتی ہے کہ فوق الازار سے کیا مراد ہے ناف کے نیچے سے گھٹنے تک یا صرف شعار دم یا زیادہ سے زیادہ انصاف الفخذین تک یہ محل نظر ہے۔ مگر یہ بحث صرف بحث کی حد تک ہے مفتی بہ قول امام اعظم وجمہور ہے اور بنا روہی ہے کہ معاملہ حلت وحرمت میں دائر ہے تو ترجیح حرمت کو ہوگی۔

(۲) حالت حیض میں جماع کرنے پر احادیث میں تصدق کا حکم آیا ہے۔ کسی حدیث میں ایک دینار ہے، کسی میں نصف دینار کسی میں دینار کا دو خمس —— مگر اس حدیث پر کئی طرح سے کلام کیا گیا ہے اس لئے اس سے وجوب ثابت نہیں ہوسکتا، فیصلہ یہ ہے کہ یہ مستحب ہے اگر ابتداء حیض میں جماع کرے تو پورا دینار اور ختم کے قریب کے ایام میں کرے تو آدھا دینار صدقہ کرے۔ ایک دینار ساڑھے چار ماشہ سونا ہوتا ہے۔

(۳) حائضہ کو چاہیے کہ ایام حیض کے لئے علٰحدہ لباس رکھے۔

(۴) عورت کے قریب سونے پر جسے اندیشہ ہو کہ اپنے اوپر قابو نہیں رکھ پائے گا وہ عورت سے دور رہے۔

(۵) حدیث (۲۱۴) عن فور حیضتھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ما فوق الازار مباشرت بہر حال جائز ہے ابتداء حیض ہو کہ انتہاء حیض۔ مگر اس کے بالمقابل ابن ماجہ میں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کان یتقی سورۃ الدم ثلاثا ثم یباشرھا بعد ذالک، تین دن خون کی تیزی کے وقت بچتے تھے اس کے بعد مباشرت فرماتے تھے۔

اس حدیث میمونہ کا محمل حکم عام ہے اور ام المومنین حضرت صدیقہ کی حدیث کا محل یہ ہے کہ وہ حضور کے ساتھ خاص ہے۔

لہ فتح الباری جلد اول ص ۳۴۳

حدیث ۲۱۶ خروج رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم فی اضحی اوفطر فمر علے النساء

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیْ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الاضحیٰ

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَضْحٰی اَوْفِطْرٍ اِلَی الْمُصَلّٰی فَمَرَّ عَلَی النِّسَاءِ فَقَالَ

یا عید الفطر میں عیدگاہ تشریف لے گئے (نماز سے فارغ ہوکر) آپ کا عورتوں پر گذر ہوا تو فرمایا

اخیر کا یہ جملہ "تم میں کون اپنی حالت پر اتنا قابو رکھتا ہے جتنا حضور رکھتے تھے اس کی طرف مشیر ہے اس حدیث میں، ارب، کا لفظ ہے یہ ہمزہ کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی "عضو تناسل" بھی ہے اور حاجت بھی۔ یہاں دونوں بن سکتے ہیں۔

حدیث ۲۱۳ میں تصریح ہے کہ ام المومنین حضرت صدیقہ فرماتی ہیں۔ حضور اپنا سر میری جانب بڑھادیتے اور میں اسے دھوتی تعجب انگیز بات یہ ہے کہ اس کے پہلے حدیث ۲۱۰ پر امام بخاری نے جو باب قائم کیا تھا وہ یہ تھا "غسل الحائض راس زوجہا" زیادہ مناسب یہ تھا کہ یہ حدیث اسی باب میں ذکر فرماتے مگر وہاں صرف ترجیل والی حدیث ذکر فرمائی جس سے یہ بحث اٹھ کھڑی ہوئی کہ یہ حدیث باب کے مطابق ہے یا نہیں۔ غالباً امام بخاری کا مقصود اس فقہی نکتہ کی طرف اشارہ کرنا تھا۔ جو ہم نے حدیث ترجیل ہیں ذکر کیا ہے۔

تشریحات ۲۱۶ باب کا فائدہ

اس حدیث پر باب کا عنوان یہ ہے ترک الحائض الصوم۔ حائضہ کا روزہ چھوڑنا۔ حالانکہ حدیث میں نماز چھوڑنے کا بھی ذکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روزے کے لئے طہارت شرط نہیں اگر کوئی مرد یا عورت جنابت کی حالت میں روزہ رکھے بلکہ دن بھر جنبی رہے جب بھی روزہ ہو جائیگا اگرچہ وقت پر غسل نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا پھر بھی حائضہ کو روزہ رکھنے کی اجازت نہیں۔ تو نماز پڑھنے کی بدرجۂ اولیٰ اجازت نہ ہوگی اس لئے کہ نماز کے لئے طہارت شرط ہے۔ جس کو یوں کہیے کہ اگر حالت حیض میں نماز چھوڑنے کا کوئی خصوصی حکم نہ ہوتا تو بھی حائضہ کے لئے نماز کی اجازت نہ ہوتی۔ اس لئے کہ نماز کی ایک شرط یعنی طہارت مفقود تھی، لیکن روزے کیلئے اگر کوئی خصوصی حکم نہ ہوتا تو اس کی ممانعت معلوم ہوتی اس لئے امام بخاری نے ضروری جانا کہ اس کے لئے ایک مستقل باب قائم کرکے بتادیں کہ حائضہ روزے بھی نہ رکھے گی اس کی لِم یہ ہے کہ روزہ رکھنے سے جسم میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے خشکی کی وجہ سے کماحقہ خون حیض خارج نہ ہوگا جو مضر ہے۔ اسی لئے ان ایام میں عورتوں کو ایسی چیزیں استعمال کرائی جاتی ہیں جن سے اچھی طرح اِدْرار ہو جائے، روزہ اس میں حارج ہوگا لہٰذا روزہ رکھنا منع کر دیا گیا اس مانع خفی سے قطع نظر روزے کی صحت کے دوسرے شرائط موجود تھے اس لئے اس پر روزے کی قضا ہے مگر نماز کی نہیں کیونکہ نماز کی اہم شرط طہارت ان دنوں معدوم تھی اس کو یوں کہیے کہ نماز کی اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے نماز کا خطاب ان دنوں عورتوں سے نہ ہوا اس لئے نمازوں کی قضا واجب نہ ہوئی اور روزے کی اہلیت کی وجہ سے ان دنوں بھی روزے کا خطاب ان سے رہا اس لئے ان دنوں کا روزہ ان کے ذمہ واجب ہوا مگر اندیشہ ضرر کی وجہ سے ادائیگی موخر کرنے کی اجازت دیدی گئی۔

يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنِّي أُرِيتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَ

اے عورتو! صدقہ کرو اسلئے کہ میں نے تم میں سے اکثر کو جہنمی دیکھا ہے۔ اس پر عورتوں نے

يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ

کہا ایسا کیوں ہے یا رسول اللہ فرمایا تم بہت لعن طعن کرتی ہو اور شوہر کی نافرمانی کرتی ہو عقل

عَقْلٍ وَدِينٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ قُلْنَ

اور دین میں ناقص ہوتے ہوئے ہوش مند مرد کی عقل کو لیجانے والا تم سے زیادہ کسی کو میں نے نہیں

وَمَا نُقْصَانُ دِينِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ

دیکھا عورتوں نے عرض کیا ہمارے دین اور ہماری عقل کی کمی کیا ہے یا رسول اللہ فرمایا کیا ایک عورت

لغات اضحیٰ کے معنی آفتاب کے بلند ہونے کے ہیں چونکہ قربانی کا وقت اسی سے شروع ہوتا ہے اس ادنیٰ مناسبت سے قربانی کو "اضحیٰ" کہتے ہیں اضحیہ اس بکری کو کہتے ہیں جس کی قربانی کی جائے "معشر" اس جماعت کو کہتے ہیں جو کسی ایک بات پر متفق ہو خواہ وہ سب مرد ہوں خواہ عورت یا مخلوط۔ "لعن" کے معنی ہیں دھتکارنا، دور کرنا یہاں یہ معنی ہیں لعنت کرتی ہیں۔ کفر کے معنی چھپانے کے ہیں۔ یہاں ناشکری مراد ہے۔ اس لئے کہ یہ احسان کے چھپانے کو مستلزم ہے۔ عقل اس جوہر لطیف کو کہتے ہیں جسے اللہ عزوجل نے دماغ میں پیدا فرمایا۔ جس سے بذریعہ اسباب غائب چیزوں کا اور بذریعہ حس محسوسات کو جانا جاتا ہے۔ وَبِمَ میں واؤ عاطفہ ہے یہاں معطوف مقدر ہے تقدیر عبارت یہ ہے وما ذنبنا و بم بار حرف جر ہے یہ بھی محذوف کے متعلق ہے یعنی اِسْتَحْقَقْنَا الذَّمَّ ما استفہامیہ ہے جب ما استفہامیہ پر حرف جر داخل ہو تو اسکے الف کا حذف واجب ہے جیسے اَلامَ، عَلامَ، فِيمَ وغیرہ۔

نقصان دین یہاں دین کے نقصان سے فی نفسہ دین کا نقصان مراد نہیں بلکہ اضافی مراد ہے یعنی بنسبت مردوں کے کم ہے جیسے ہر کامل میں بہ نسبت اکمل کے کچھ کمی رہتی ہے۔

مسائل (۱) عیدین کی نماز عیدگاہ میں جاکر پڑھنا مستحب ہے (۲) صدقہ ہمیشہ محمود ہے اگرچہ نافلہ ہو خصوصاً عیدین کو جبکہ مجمع عام میں یتیم، نادار مالداروں کے عمدہ عمدہ لباس اور تنعم کو دیکھکر حسرت زدہ ہوں صدقہ دینے سے ان کا احساس کم ہوگا۔ (۳) اس عہد میں عورتوں کو عیدین کے لئے نکلنا جائز تھا اب فتنہ و فساد کے اندیشہ سے منع ہے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہانے فرمایا

لو ادرك رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد

اگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ لیتے جو عورتوں نے نکال لیا تو انھیں مسجدوں میں جانے سے منع فرما دیتے۔ جیسے بنی اسرائیل

مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلٰی۔ قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ

کی گواہی مرد کی نصف گواہی کے برابر نہیں؟ عورتوں نے عرض کیا، ہاں ہے۔ فرمایا یہ عورت کے عقل کی کمی ہے

عَقْلِهَا أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰی قَالَ

کیا جب اسے حیض آتا ہے تو نہ نماز پڑھ سکتی ہے نہ روزہ رکھ سکتی ہے انھوں نے عرض کیا

فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا ؏

ہاں ایسا ہے فرمایا یہ عورت کے دین کی کمی ہے۔

کما منعت نساء بنی اسرائیل ؎ کی عورتوں کو منع کر دیا گیا۔

یہ عہد رسالت کے بالکل قریب کی بات ہے اور آج کیا حال ہے کسے معلوم نہیں۔ اس لئے عورتوں کو عیدگاہ تو بہت دور ہے محلے کی مسجدوں میں جانے کی اجازت نہیں (۴) وعظ میں اتنی سختی ہونی چاہئے کہ اصلاح ہو جائے (۵) بہتر یہ ہے کہ وعظ میں کسی شخص معین سے خطاب نہ کیا جائے خطاب عام ہو (۶) گالی گلوج لعن طعن حرام ہے (۷) کسی دینی ضرورت یا کسی محتاج فقیر کے لئے سوال کرنا بلا کراہت درست ہے (۸) ایسے گناہوں پر جو کفر نہیں کفر کا تغلیظاً اطلاق درست ہے (۹) اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو سامع اور متعلم واعظ اور استاذ سے پوچھ سکتا ہے۔ (۱۰) حیض کی حالت میں نہ نماز درست ہے نہ روزہ۔

فائدہ جو عورتیں نماز اور روزے کی پابند ہیں اللہ عزوجل کے فضل سے یہی امید ہے کہ ایام حیض میں چھوٹی ہوئی نماز وں اور روزے کے ثواب سے انھیں محروم نہیں فرمائے گا۔

؏ بخاری جلد اول الحیض باب لاتقضی الحائض الصلوٰۃ قطعۃ منہ ص ۴۶

" " زکوٰۃ باب الزکوٰۃ علی الاقارب ص ۱۹۷

" " صوم باب الحائض تترك الصوم والصلوٰۃ ص ۳۶۱

مسلم " ایمان باب بیان نقصان الایمان بنقص الطاعات ص ۶۱

ابن ماجہ

؎ بخاری جلد اول اذان باب خروج النساء الی المسجد باللیل والغلس ص ۳۰

مسلم " صلوٰۃ باب خروج النساء الی المساجد اذا العریترتب علیہ فتنۃ ص ۱۸۳

ترمذی " عیدین باب خروج النساء فی العیدین ص ۷۱

موطا امام مالک قبلہ باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد ص ۷۵

٦٢، ٦٣، ٦٤ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لَا بَأْسَ اَنْ تَقْرَءَ الْاٰيَةَ ؏

ت حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ حائضہ ایک آیت پڑھے۔

وَلَمْ يَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِالْقِرَاءَةِ لِلْجُنُبِ بَاسًا ؏

اور حضرت ابن عباس جنبی کے قرآن مجید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔

وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهِ ؎

نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ عز وجل کا ذکر فرماتے تھے۔

تشریحات ٦٢، ٦٣، ٦٤

باب سے مناسبت

یہاں باب کا عنوان ہے
تقضی الحائض المناسك كلها الا الطواف
حائضہ طواف کے سواحج کے تمام مناسک ادا کرے گی۔

اس کے تحت چھ تعلیقات ذکر کی ہیں۔ ان میں سے صرف ایک تعلیق باب کے مطابق ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ کو حیض آگیا پھر بھی انھوں نے طواف بیت اللہ کے علاوہ تمام مناسک ادا کئے البتہ نماز نہیں پڑھتی تھیں۔ بقیہ تعلیقات کی باب سے جو مناسبت ہوسکتی ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتی ہے کہ حیض اور جنابت کی حالت میں ذکر تسبیح حتی کہ ایک آیت تک کی تلاوت کی اجازت ان تعلیقات سے نکلتی ہے تو مناسک حج بھی درست اس لئے کہ ان میں بھی یہی ذکر تسبیح و تہلیل اور دعا ہوتی ہے اس لئے مناسک حج کی بھی ادائیگی جائز۔ البتہ طواف نہیں کرسکتی اسلئے کہ طواف مسجد حرام میں ہوتا ہے اور مسجد حرام بلکہ کسی بھی مسجد میں حائضہ کو جانا جائز نہیں۔ مگر اس قیاس میں یہ خلل ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے جن اذکار یا ایک آیت تک کی تلاوت کا ذکر ان تعلیقات میں ہے وہ سب نوافل ہیں اور حج فرض ہے اسلئے اسے نوافل پر قیاس کرنا درست نہیں۔ مگر امام بخاری جو افادہ فرمانا چاہتے ہیں اس کے لئے یہی مناسبت کافی ہے ——— ہمارا گمان تو یہ ہے کہ امام بخاری کا مقصود ان آثار کے ذکر سے یہ ہے کہ حائضہ اور جنبی کو قرآن مجید کی تلاوت کرنی جائز ہے۔

تلاوت قرآن کا مسئلہ

اس سلسلے میں مذاہب تین ہیں ایک یہ کہ حائضہ اور جنبی کو قرآن مجید کی تلاوت مطلقاً جائز ہے یہ امام بخاری اور ایک قول کی بنا پر حضرت امام مالک کا مذہب ہے امام مالک کا دوسرا قول یہ ہے کہ حائضہ کو قرآن مجید کے تلاوت کی اجازت ہے، جنبی کو نہیں۔ امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے مگر احناف اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ نہ حائضہ کو قرآن مجید کے تلاوت کی اجازت ہے نہ جنبی کو۔ شوافع کا مختار یہی قول ہے۔

امام بخاری کو چونکہ اس سلسلے میں کوئی حدیث اپنے معیار کے مطابق نہیں ملی۔ اس لئے انھوں نے جواز کا قول کیا۔ مگر اس سلسلے میں ایک نہیں متعدد احادیث وارد ہیں جن میں ہر ایک کی سند پر کچھ نہ کچھ کلام کیا گیا ہے۔ مگر وہ ایک دوسرے سے قوت پاکر درجۂ

؏ دارمی ؏ ابن منذر ابن ابی شیبہ

؎ مسلم جلد اول طہارت باب ذکر اللہ تعالیٰ فی حال الجنابۃ وغیرہا ص ١٦٢

حسن تک پہونچ چکی ہیں اور حدیث حسن احکام میں بھی بالاتفاق حجت ہے۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار بیت الخلاء سے باہر آئے اور وضو کئے بغیر تلاوت کرنے لگے یہ لوگوں کو ناگوار ہوا کہ بلا وضو قرآن مجید پڑھ رہے ہیں اس پر حضرت علی نے فرمایا۔

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یجیئ من الخلاء فیقرء بنا القران ویاکل معنا اللحم ولا یحجزہ عن القران شیئ لیس الجنابۃ [1]

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے اور ہمارے ساتھ قرآن پڑھتے۔ گوشت کھاتے۔ جنابت کے سوا حضور کو قرآن پڑھنے سے کوئی چیز نہیں روکتی تھی۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا۔ ابن حبان نے اس کی تصحیح کی۔ اس کے ایک راوی عبداللہ بن سلمہ پر کلام کیا گیا ہے مگر اس کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ امام حاکم نے کہا یہ غیر مطعون ہے۔ عجلی نے کہا تابعی ثقہ ہے۔ ابن عدی نے کہا میں امید کرتا ہوں کہ لاباس بہ ہے۔

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا یقرء الحائض ولا الجنب شیئا من القران [2]

جنب اور حائضہ کچھ قرآن نہ پڑھے۔

اس کے ایک راوی اسمٰعیل بن عیاش ضعیف ہیں

(۳) اس حدیث کے ہم معنی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی دارقطنی نے اور ابن عدی نے کامل میں روایت کی ہے اسکے بھی ایک راوی محمد بن فضل ضعیف ہیں مگر دو طریقوں سے مروی ہے اس لئے حسن ہو گئی۔ مجوزین کا اصل تمسک اباحت اصلیہ ہے ویسے کچھ حضرات نے تعلیق (۶۵) سے استدلال کیا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے تھے اور ہر حالت کا عموم حالت جنابت کو بھی شامل ہے۔ اور قرآن مجید کی تلاوت بلاشبہہ ذکر ہے۔ قرآن مجید میں ہے نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ حدیث میں ہے ھو الذکر الحکیم وھو الصراط المستقیم بلکہ ایک جگہ فرمایا خیر الاذکار القران۔ تو ثابت حالت جنابت میں تلاوت بھی کرتے ہوں گے۔

یہ استدلال جیسا ہے ظاہر ہے۔ ظاہر ہے علی کل احیانہ اپنے عموم کلی پر نہیں۔ کھانے، پینے، سونے، حوائج ضروریہ اس سے مستثنیٰ ہیں

[1] ابوداود جلد اول طہارت — باب ما فی الجنب یقرء القرآن — ص ۳۰
نسائی " " — باب حجب الجنب من قراۃ القران — ص ۵۲
ابن ماجہ " — باب ماجاء فی قراۃ القران علی غیر طہارۃ — ص ۴۴
طحاوی " — باب ذکر الجنب والحائض والذی لیس علی وضوء وقراتھم القران — ص ۴۴
مسند امام احمد

[2] ترمذی جلد اول طہارت — باب ماجاء ان الجنب والحائض لا یقران القرآن — ص ۱۹
ابن ماجہ — باب ماجاء فی قراۃ القران علی غیر طہارۃ — ص ۴۴

اور جب یہ عموم کلی پر نہیں۔ تو اس میں حالت جنابت کا شمول یقینی نہیں۔ اسی طرح ذکر کا جب حصر تلاوت ہی میں نہیں تو اس کا ثبوت محتمل اور جب دوسرے احتمالات موجود تو استدلال فاسد۔ خصوصاً جبکہ اس کے بالمقابل احادیث حسنہ موجود ہیں جن سے حالت جنابت اور حیض میں تلاوت کی تخصیص کی گئی ہے۔

اس حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر حالت میں اس حالت کے مناسب ذکر فرماتے رہتے تھے مثلاً کھانے سے پہلے اس کے مناسب، سونے سے پہلے اس کے مناسب، کپڑا پہننے سے پہلے اس کے مناسب، سفر میں جاتے وقت اس کے مناسب، سفر سے واپسی کے وقت اس کے مناسب، سواری پر بیٹھنے کے وقت اس کے مناسب، وغیرہ وغیرہ۔

ہو سکتا ہے ان اذکار میں کہیں کہیں قرآن مجید کی کوئی آیت یا آیت کا جز آ جاتا رہا ہو تو اس سے ہمیں بھی انکار نہیں کہ کسی آیت کا جز یا پوری آیت بہ نیت دعا حائضہ اور جنبی بھی پڑھ سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی سے پانچ قول منقول ہیں۔ اول چار شخص قرآن نہ پڑھیں، جنب، حائض، بیت الخلاء اور حمام میں۔ دوسرا قول ان کا یہ ہے کہ آیت کا ابتدائی حصہ پڑھ سکتے ہیں۔ پوری آیت نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ جنب کو قرآن پڑھنا مکروہ ہے چوتھا قول یہ ہے کہ ایک سے کم پڑھ سکتے ہیں پوری آیت نہیں۔ پانچواں قول یہ ہے کہ جنب قرآن نہ پڑھے حائضہ پڑھ سکتی ہے۔

ت (۶۲) حضرت ابن عباس سے دو طرح مروی ہے ابن منذر کے الفاظ یہ ہیں

ان ابن عباس یقرء وردہ وھو جنب — ابن عباس اپنا وظیفہ حالت جنابت میں بھی پڑھتے تھے۔

ابن ابی شیبہ نے ان الفاظ میں روایت کیا

عن ابن عباس انہ کان لایری باساان یقرء الجنب آیۃ اوایتین۔ — ابن عباس اس میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے کہ جنب ایک یا دو آیتیں پڑھے۔

ابن منذر کے الفاظ سے ثبوت مدعا یوں ہوگا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سید المفسرین ہیں تو ان کے وظیفے میں تلاوت ضرور شامل رہی ہوگی۔ اور جب جنابت کی حالت میں "وظیفہ" پڑھتے تھے۔ تو ثابت کہ قرآن مجید بھی ضرور پڑھتے ہونگے۔

لیکن اس پر عرض یہ ہے کہ عرف میں ورد کا اطلاق تلاوت ہی نہیں ہوتا ورد سے تلاوت کے علاوہ دوسرے اذکار و ادعیہ مراد ہوتے ہیں اور اس قسم کے کلام میں معنی عرفی ہی مراد لینا ضروری ہے رہ گیا ابن ابی شیبہ والا اثر، تو ٹھیک ہے اس سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہی تھا کہ ایک دو آیت کی تلاوت جائز ہے مگر اس کا بھی امکان ہے کہ مراد یہ ہو کہ بطور دعا ایک یا دو آیت پڑھنے میں حرج نہ ہو اس میں ہمارے مذہب سے کوئی تخالف نہیں۔

اور اگر کسی کو ضد ہو کہ مطلقاً جواز ثابت ہوتا ہے تو پھر یہ گزارش کرونگا کہ ایک صحابی کے فعل کے مقابلے میں احادیث حسنہ بہر حال ہر طرح لائق ترجیح ہیں

اس کے بعد امام بخاری نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث سے استدلال فرمایا، وہ فرماتی ہیں۔

ہم حیض والیوں کو بھی حکم ہوتا کہ عیدگاہ میں چلیں، مسلمانوں کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہیں اور دعا مانگیں۔ [1]

---

[1] بخاری جلد اول صلوٰۃ العیدین باب فضل العمل فی ایام التشریق ص ۱۳۲

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے تو صرف یہ کہ حائضہ تکبیر پڑھ سکتی ہے، دعا مانگ سکتی ہے، اگرچہ وہ دعا کلمات قرآن سے ہو مثلاً ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ الآیت وغیرہ

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز عید کے بعد بھی دعا مسنون ہے جس کی پوری بحث "کتاب العیدین" میں آرہی ہے اس سے ثابت ہوا کہ عید گاہ میں حائضہ جاسکتی ہے۔ اور جو بعض روایتوں میں یعتزلن المصلی آیا ہے اس سے مراد خاص وہ جگہ ہے جہاں نماز ہوتی ہے یعنی نمازیوں کے قریب نہ رہیں۔

پھر امام بخاری نے حدیث ہرقل کو پیش کیا۔ اگر جنبی اور محدث کو قرآن مجید چھونا اور پڑھنا جائز نہ ہوتا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ۔۔ ہرقل کو جو والا نامہ بھیجا تھا اس میں آیت کریمہ یا اھل الکتاب تعالوا تحریر نہ فرماتے اس لئے کہ والانامہ اسی لئے بھیجا تھا کہ ہرقل اسے ہاتھ میں لے اور پڑھے ظاہر ہے کہ ہرقل کافر تھا، نہ وضو جانتا تھا نہ غسل۔ اس کا جواب یہ ہے۔ اولاً۔ ہرقل اہل کتاب میں سے تھا دعوت اسلام پہنچنے سے پہلے اسے کافر کہنا درست نہیں۔ اور اہل کتاب اپنے مذہب کے مطابق وضو اور غسل بھی کرتے تھے۔ وہی ان کے حدث اور جنابت دور ہونے کے لئے کافی تھا۔

ثانیاً جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے والا نامے میں وہ دو آیتیں اپنے مضمون کے درمیان لکھیں تو وہ سب خط کا مضمون ہو گئیں۔ انھیں پڑھنا خط پڑھنا ہے قرآن مجید کی تلاوت کرنا نہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے قرآنی دعاؤں کو بہ نیت دعا پڑھنا تلاوت نہیں۔ جنبی کو بھی پڑھنا پڑھانا جائز ویسے ہی یہاں بھی ہے، پھر حضرت عطا کا یہ قول پیش فرمایا کہ ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عمرے کے احرام میں حیض آگیا تو انھوں نے طواف کے علاوہ تمام مناسک حج ادا فرمایا۔ دعائیں بھی پڑھیں اس استدلال پر کلام گذر چکا۔

سب سے اخیر میں امام بخاری نے حضرت حکم کا یہ قول نقل فرمایا۔

ت (۶۵) انی لاذبح وانا جنب وقال اللہ عزوجل — میں حالت جنابت میں ذبح کرتا ہوں اللہ عزوجل نے فرمایا

ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ عہ — جس پر اللہ کا نام نہ ذکر کیا جائے مت کھاؤ۔

مقصد یہ ہے کہ جب یہ ارشاد خداوندی ہے تو میں اللہ کے نام سے ذبح کرتا ہوں یعنی بسم اللہ اللہ اکبر پڑھتا ہوں اور یہ دونوں قرآن مجید کے اجزاء ہیں۔

لیکن بتایا جاچکا ہے کہ قرآن مجید بہ نیت دعا پڑھنا جائز اور ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر بہ نیت دعا ہی پڑھا جاتا ہے۔ ثانیاً یہاں بحث اس میں ہے کہ قرآن کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ یہ بحث نہیں کہ قرآن مجید میں جتنے الفاظ آئے ہیں انھیں کوئی ادا ہی نہیں کرسکتا۔ مثلاً قال، جاء، ذھب وغیرہ اور ظاہر ہے کہ جیسے صرف قال، جاء، ذھب کو ہم اپنے روزمرہ کے کلام میں بولیں تو یہ قرآن نہیں۔ اسیطرح اگر کوئی صرف اللہ اکبر، بسم اللہ، عادت کے مطابق یا دعا کی نیت سے پڑھے تو اسے تلاوت قرآن نہیں کہتے۔ ویسے ہی ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنا بھی ہے۔

عہ بغوی فی الھدیات۔

(۲۱۷) غسل الدم
حدیث

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا قَالَتْ كَانَتْ إِحْدَانَا

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہم میں سے

تَحِيضُ ثُمَّ تَقْتَرِصُ الدَّمَ مِنْ ثَوْبِهَا عِنْدَ طُهْرِهَا فَتَغْسِلُهُ وَتَنْضَحُ

کسی کو جب حیض آتا تو پاکی کے وقت خون کو چٹکیوں سے کھرچ ڈالتی اس کے بعد اسے دھوتی

عَلٰی سَائِرِهٖ ثُمَّ تُصَلِّیْ فِیْهِ عہ

اور اس کے پورے پر پانی بہاتی اس کے بعد اس کپڑے میں نماز پڑھتی ۔

(۲۱۸) المستحاضۃ تعتکف
حدیث

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اَنَّ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ

النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِعْتَكَفَ مَعَهٗ بَعْضُ نِسَاءِهٖ وَهِیَ مُسْتَحَاضَةٌ

نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی بعض عورتوں نے اعتکاف کیا اس حالت میں کہ اسے استحاضہ

تَرَی الدَّمَ فَرُبَّمَا وَضَعَتِ الطَّسْتَ تَحْتَهَا مِنَ الدَّمِ وَزَعَمَ

تھا۔ خون دیکھتی تھی۔ کبھی خون کی وجہ سے اپنے نیچے طشت رکھتی تھی۔ اور اس (عکرمہ)

تشریحات (۲۱۷) مراد یہ ہے کہ کپڑے پر جہاں خون لگا ہوتا اس جگہ کو چٹکی سے کھرچ کر خون دور کرتیں پھر اتنی جگہ خوب اچھی طرح دھوتیں اور بقیہ کپڑے کو بھی دھوتیں مگر اس مبالغے کے ساتھ نہیں جس مبالغے سے خون آلود جگہ کو دھوتیں۔ نضح غسل کے معنی میں آتا ہے وہ گزر چکا۔

تشریحات (۲۱۸) اس حدیث کے بعد ہی ہے کہ یہ خون اور زرد رنگ کا پانی دیکھتیں نماز پڑھتیں تو طشت ان کے نیچے رکھا رہتا۔

تکمیل عصفر، کسم کے پھول کو کہتے ہیں جو پیلے رنگ کا ہوتا ہے۔ یہ کون صاحبہ تھیں اس میں تین قول ہیں۔ حضرت سودہ حضرت ام حبیبہ حضرت زینب بنت جحش۔ صحیح یہ ہے کہ ان تینوں میں کوئی نہیں تھیں۔ بلکہ حضرت ام سلمہ تھیں، جیسا کہ علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ عکرمہ ہی سے مروی ہے کہ ام سلمہ اعتکاف میں تھیں اور انھیں استحاضہ تھا۔ کبھی اپنے نیچے طشت رکھ لیتی تھیں۔

وزعم کی ضمیر فاعل مستتر ھو، کا مرجع عکرمہ ہیں اور اس کا عطف معنی عنعنہ پر ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ حدثنی عکرمہ بکذا وزعم۔ اب یہ سند متصل ہو گئی۔ مراد یہ ہے کہ ام المومنین نے اس پانی کو دیکھا جس میں کسم کا پھول بھگویا ہوا تھا تو یہ فرمایا۔ کہ مراد یہ ہے کہ انھیں پیلے رنگ کی رطوبت آتی تھی جیسا کہ دوسرے طرق میں تصریح ہے۔

عہ ابن ماجہ طہارت باب ما جاء فی دم الحیض یصیب الثوب ص ۴۶

اَنَّ عَائِشَةَ رَاَتْ مَاءَ الْعُصْفُرِ فَقَالَتْ كَاَنَّ هٰذَا شَيْءٌ كَانَتْ فُلَانَةُ تَجِدُهُ

نے گمان کیا کہ حضرت عائشہ نے کُسُم کے پھول کا پانی دیکھا تو کہا یہ ایسا ہے جیسا فلاں پاتی تھی۔

حدیث (۲۱۹) ازالة الدم من الريق

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ

مجاہد نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے

تَعَالٰى عَنْهَا مَا كَانَ لِاِحْدَانَا اِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ تَحِيْضُ فِيْهِ فَاِذَا اَصَابَهُ شَيْءٌ

فرمایا ہم ازواج مطہرات میں سے کسی کے پاس ایک کپڑے سے زائد نہیں تھا جب کپڑے کو

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مستحاضہ مسجد میں بھی جاسکتی ہے اور اعتکاف بھی کرسکتی ہے اور نماز بھی پڑھے گی اگرچہ خون اتنا زیادہ آتا ہو کہ رکتا نہ ہو جس کی تفصیل گزر چکی۔

تشریحات (۲۱۹)

امام مجاہد

امام مجاہد بن جبر۔ عبداللہ بن سائب مخزومی کے غلام تھے۔ مکہ معظمہ کے مشہور و معروف ائمہ تابعین واجلہ فقہاء و قراء میں سے ہیں انکی کنیت ابو حجاج ہے۔ یہ اس پائے کے بزرگ تھے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان کی رکاب پکڑ کر یہ فرمایا، کاش کہ میرا بیٹا سالم اور میرا غلام نافع تمہاری طرح یاد رکھتے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اخص تلامذہ میں سے ہیں۔ تیس مرتبہ ان کو قرآن مجید سنایا اور دو بار ہر ہر آیت کو سبقاً سبقاً مع تفسیر پڑھا ہے۔ اسی سال کی عمر میں اس حالت میں واصل بحق ہوئے کہ اکا سر سجدے میں تھا۔ [۵]

باب کا فائدہ

اس باب سے امام بخاری یہ افادہ کرنا چاہتے ہیں کہ حائضہ کا پسینہ پاک ہے۔ حیض سے ظاہر جسم ناپاک نہیں ہوتا۔ یہ نجاست حکمی ہے۔ نیز یہ کہ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا اور اب بھی ہے کہ عورتیں ایام حیض میں جو کپڑا پہنے ہوتی ہیں پاک ہونے کے بعد اسے اتار دیتی ہیں۔ دھوئے بغیر نہیں پہنتیں۔ اسے دوبارہ پہننا بہت معیوب سمجھتی ہیں۔

تطبیق

ابھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث گذری۔ انھوں نے فرمایا کہ جب مجھے حیض آیا تو میں نے حیض کے کپڑے لئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض ازواج مطہرات کے پاس ایک سے زائد کپڑے تھے۔ عام دنوں میں پہننے کے لئے الگ اور ایام حیض کے لئے الگ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ام المومنین جو فرمارہی ہیں یہ ابتدا کی بات ہے اور حضرت ام سلمہ جو فرمارہی ہیں وہ بعد کی بات ہے۔

---

۵ بخاری	جلد اول	حیض	باب اعتکاف المستحاضة	ص ۴۵
"	"	صوم	باب اعتکاف المستحاضة	ص ۲۷۳
ابوداؤد	"	"	باب المستحاضة تعتكف	ص ۳۳۵
ابن ماجه	"	صیام	"	ص ۱۲۸

۵ بدایۃ نہایۃ جلد ۹ ص ۲۲۴

مِنْ دَمٍ قَالَتْ بِرِيقِهَا فَمَصَعَتْهُ بِظُفْرِهَا عه

کچھ خون لگ جاتا تو اس کو اپنے تھوک سے تر کر دیتی اس کے بعد ناخن سے کھرچ دیتی۔

حدیث (۲۲۰) استعمال الطیب للحائضۃ اذا اغتسلت

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهَا قَالَتْ كُنَّا نُنْهٰى أَنْ نُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ

حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا — کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے ہمیں منع

جب فتوحات ہوئیں اور وسعت ہوئی اس وقت کا قصہ ہے۔ نیز ان کے الفاظ میں اخذت ثیاب حیضتی ہے اسمیں یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد لباس نہو۔ وہ مخصوص کپڑا جو ایام حیض میں خاص کر عورتیں استعمال کرتی ہیں، مثلاً کرسف وغیرہ۔

مسائل اس حدیث کے اس طریقے میں خون کی مقدار نہیں مگر ابوداؤد میں بطریق عطار جو روایت ہے اسمیں تصریح ہے خون کا ایک قطرہ دیکھتیں تو ایسا کرتیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں ثم ترى فيه قطرة من دم اور اگر بالفرض یہ روایت نہ بھی ہوتی تو بھی ظاہر ہے کہ مراد یہی ہے کہ۔ اگر تھوڑا خون ہوتا تو ایسا کرتی تھیں اس لئے کہ اوپر گذر چکا کہ اگر کپڑے میں حیض کا خون لگا ہو تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا۔ اسے کسی چیز سے رگڑ کر دور کرو پھر پانی ڈالکر چٹکی سے سے ملو پھر پانی سے دھوؤ۔ ظاہر ہے کہ اس حکم کے بعد صرف تھوک سے بھگو نا ناخن سے کھرچنا کافی نہ ہوگا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اسے "دم قلیل" پر محمول کریں۔ اب اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ قلیل نجاست معاف ہے۔ اور اگر کسی صاحب کو یہ اصرار ہو کہ نہیں یہ خون قلیل نہیں ہوتا تھا یا قلیل معاف نہیں۔ تو پھر انھیں ماننا ہوگا کہ تھوک مزیل نجاست ہے اس تقدیر پر یہ ثابت ہو جائیگا کہ پانی کے علاوہ ہر بہنے والی رقیق چیز سے نجاست دور کی جا سکتی ہے۔ نجاست حقیقیہ کا ازالہ پانی کے ساتھ خاص نہیں۔ یہ باعتبار ظاہر کے کلام تھا۔

بنظر دقیق یہ نجاست قلیل تھی جو معاف ہے مگر تھوڑی نجاست کا بھی ازالہ مستحب ہے اس لئے حضرات امہات المومنین اسے دور کرتی تھیں۔ قلیل ہونے کی وجہ سے تھوک سے بھی بالکلیہ ازالہ ہو جاتا تھا اور یہ اپنی جگہ محقق ہے کہ ہر رقیق سائل سے نجاست حقیقیہ کا ازالہ صحیح ہے۔ مختصر ہونے کی وجہ سے اس خون کا تھوک ہی سے ازالہ ہو جاتا تھا اسی لئے اس پر اکتفا کرتی تھیں۔

تشریحات (۲۲۰) ثوب عصب۔ عَصْب۔ یمنی دھاری دار چادروں کی ایک مخصوص قسم ہے جس کے سوت کو پہلے رنگتے ہیں۔ پھر بنتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ سوت کو جگہ جگہ باندھ کر رنگتے تھے پھر بنتے تھے اس چادر میں کہیں کہیں رنگین چتیاں پڑ جاتی تھیں۔ بعض نے کہا کہ ہلکے کالے رنگ کی یمنی چادر ہوتی تھی۔ یہاں یہی تیسرا معنی مناسب ہے۔ اسلئے کہ دھاری دار یمنی چادریں اعلی لباس میں شمار ہوتی تھیں اسے رؤسا اور سلاطین استعمال کرتے تھے له

کست اظفار۔ کتاب الطلاق میں کست ظفار ہے مسلم اور ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں قسط واظفار ہے۔ کست کو بجائے قاف کے ساتھ قسط بھی کہتے ہیں۔ امام بخاری نے کتاب الطلاق میں لکھا۔ یقال الکست والقسط والکافور والقافور۔

عه ابوداؤد جلد اول طہارت باب المرأة تغسل ثوبها الذی تلبسه فی حیضها ص ۵۲ ۔ له عینی

فَوْقَ ثَلٰثٍ اِلَّا عَلٰی زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا وَّلَا نَكْتَحِلُ وَلَا نَتَطَيَّبُ وَلَا

کیا جاتا تھا۔ البتہ شوہر پر چار مہینے دس دن سوگ کی اجازت تھی۔ اور ہم نہ سرمہ لگا سکتی تھیں اور نہ

نَلْبَسُ ثَوْبًا مَّصْبُوْغًا اِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَّقَدْ رُخِّصَ لَنَا عِنْدَ الطُّهْرِ اِذَا

کوئی خوشبو اور نہ عصب کے علاوہ کوئی رنگین کپڑا پہن سکتی تھیں اور حیض سے پاکی کے بعد غسل کے وقت

اغْتَسَلَتْ اِحْدَانَا مِنْ مَّحِيْضِهَا فِیْ نُبْذَةٍ مِّنْ كُسْتِ اَظْفَارٍ وَّكُنَّا

ہمیں کست اظفار کے استعمال کی اجازت تھی

نُنْهٰی عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ ۔ رَوَاهُ هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ عَنْ حَفْصَةَ عَنْ

اور ہمیں (عورتوں کو) جنازے سے روکا جاتا تھا۔ اس حدیث کو ہشام بن حسان نے حفصہ سے

کست یا قسط کو ہندی میں کُٹ کہتے ہیں۔ غالبًا یہ کٹ ہی کا معرب ہے۔

یہاں اظفار ہے۔ کتاب الطلاق میں ظفار ہے۔ ابن تین نے کہا یہی صحیح ہے۔ ظفار یمن کا ایک ساحلی شہر ہے جہاں ہندستان سے قسط جاتی تھی اور وہیں سے حجاز وغیرہ میں سپلائی ہوتی تھی ظفار قطام کی طرح مبنی علی الکسر ہے۔ مسلم وغیرہ میں قسط الظفار واو کے ساتھ ہے یہ روایت احسن ہے اسلئے کہ قسط ایک الگ چیز ہے اور اظفار ایک الگ چیز۔ اظفار ایک خوشبودار لکڑی ہے جو غلاف دار اور ناخن کے مشابہ ہوتی ہے جس کی دھونی سے کپڑے بساتے تھے اس کو اظفار الطیب بھی کہتے ہیں۔

احسن ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قسط میں کوئی خوشبو نہیں ہوتی۔ اور امام بخاری نے یہاں باب یہ باندھا ہے۔ حیض سے غسل کے وقت عورت کا خوشبو استعمال کرنا۔

حدیث کی باب سے مطابقت اسی وقت ہوگی جبکہ وہ اظفار کو خوشبو مانیں۔

مسائل (۱) اس سے ثابت ہوا کہ عورت پر شوہر کا سوگ واجب ہے خواہ وہ مدخولہ ہو خواہ نہ ہو خواہ چھوٹی ہو خواہ بڑی، آزاد ہو یا باندی۔ البتہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک چھوٹی بچی پر سوگ نہیں۔ پوری تفصیل کتاب الطلاق میں آئے گی (۲) زیب وزینت کی ہر چیز سے سوگوار عورت بچے (۳) حیض سے پاکی کے بعد مستحب ہے کہ عورتیں اندام نہانی میں کوئی مناسب خوشبو استعمال کرلیں حتی کہ سوگوار عورت کو بھی اجازت ہے (۴) عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانا منع ہے۔

اخیر میں امام بخاری نے فرمایا۔ ورواہ ہشام بن حسان۔ اس کے دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ اس دوسری سند سے جو روایت ہے اس میں عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح ہے۔ اب اس کا مرفوع ہونا قطعی ہوگیا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ بعض نسخوں میں پہلی سند میں تشکیک ہے۔ یعنی عن ایوب عن حفصۃ وقال ابو عبداللہ او ہشام بن حسان عن حفصۃ یہاں بلا تشکیک کے ہشام بن حسان عن حفصۃ ہے۔ اور یہی صحیح ہے بقیہ تمام محدثین نے بغیر تشکیک کے روایت کی ہے بلکہ خود امام بخاری نے کتاب الطلاق میں سند ثانی کو بلا تشکیک ذکر کی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اتنا ٹکڑا تعلیق ہے۔ حماد کا قول نہیں۔

اُمِّ عطیۃ عن النبیّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ع ہ

وہ ام عطیہ سے انھوں نے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا۔

حدیث (۲۲۱) استعمال المسلک للحائض اذا اغتسلت

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان امراۃ سالت النبیّ صلی اللہ تعالیٰ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک عورت نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم

علیہ وسلم عن غسلہا من المحیض فامرہا کیف تغتسل قال خذی

سے حیض سے غسل کے بارے میں پوچھا حضور نے اسے بتایا کہ کیسے غسل کرے۔ فرمایا

تشریحات (۲۲۱) تکمیل

ایک انصاری خاتون جنکا نام "اسماء" بنت شکل تھا۔ خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور یہ سوال کیا کہ حیض سے غسل کا کیا طریقہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پانی اور بیری کی پتی لے کر خوب اچھی طرح پاکی حاصل کرو پھر اپنے سر پر ڈالو اور سر خوب اچھی طرح ملو تاکہ پانی سر کے جڑ میں پہنچ جائے۔ پھر سر پر پانی ڈالو۔ اس کے بعد مشک آلود پھایا لے کر اس سے پاکی حاصل کرو۔ اسماء نے کہا کیسے پاکی حاصل کروں۔ تین بار یہی تکرار ہوئی تیسری بار فرمایا سبحان اللہ پاکی حاصل کر۔ حضور نے منہ پھیر لیا اور چھپالیا۔ سفیان بن عیینہ نے ہاتھ سے اشارہ کرکے بتایا اس طرح۔ حضرت ام المومنین فرماتی ہیں میں حضور کے مقصد کو سمجھ گئی میں نے اسے اپنی طرف کھینچ کے اسے بتایا اس کے بعد بخاری میں جو روایت ہے اسمیں یہ ہے توضی بہا یہاں توضا لغوی معنی میں ہے یعنی اسے پھاہے سے دھو۔ مسلم میں ان بیوی کا نام "اسماء بنت شکل" آیا ہے۔ مگر خطیب نے اسماء بنت یزید بن السکن روایت کیا ہے یہ وہی بیوی ہیں جو خطیبۃ النساء کے ساتھ مشہور ہیں۔ بعض متاخرین نے اسی کو صحیح کہا۔ اس لئے کہ شکل نام کے کوئی انصاری صحابی نہیں مگر زیادہ مستند روایات یہی آئی ہیں کہ یہ اسماء بنت شکل ہیں۔

باب سے مطابقت

یہاں باب یہ ہے۔ دلک المراۃ نفسہا اذا تطہرت من المحیض عورت کا اپنے جسم کو ملنا جب وہ حیض سے پاکی حاصل کرے۔ امام بخاری نے حدیث کا جو ٹکڑا نقل فرمایا ہے اس سے باب کی مطابقت نہیں ہوتی۔ یہ بالکل ظاہر ہے۔ ہاں مسلم کی روایت سے ثابت ہوتی ہے۔ جس پر ہم بار بار کلام کر آئے ہیں۔

ع ہ بخاری	جلد ثانی	طلاق	باب القسط للحادۃ۔ باب تلبس الحادۃ ثیاب العصب	ص ۸۰۴
مسلم	اول	"	باب وجوب الاحداد فی عدۃ الوفاۃ	ص ۴۸۸
ابوداؤد	"	"	باب فیما تجتنب المعتدۃ فی عدتہا	ص ۳۱۵
نسائی	ثانی	"	باب ما تجتنب الحادۃ من الثیاب المصبغۃ	ص ۱۱۷
ابن ماجہ		"	باب ہل تحد المراۃ علی غیر زوجہا	ص ۱۵۲

فِرْصَةً مِّنْ مِسْكٍ فَتَطَهَّرِيْ بِهَا۔ قَالَتْ كَيْفَ أَتَطَهَّرُ بِهَا قَالَ تَطَهَّرِيْ

مشک لگے ہوئے پھائے کو لے اور اس سے پاکی حاصل کر۔ اسنے عرض کیا اس سے کیسے پاکی حاصل کروں فرمایا

بِهَا قَالَتْ كَيْفَ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ تَطَهَّرِيْ۔ فَاجْتَذَبْتُهَا إِلَيَّ فَقُلْتُ

اس سے پاکی حاصل کر۔ اسنے عرض کی کیسے فرمایا سبحان اللہ پاکی حاصل کر۔ اس پر میں نے اس کو اپنی طرف کھینچا اور

تَتَبَّعِيْ بِهَا أَثَرَ الدَّمِ ع

بتایا اسے خون کی جگہ لگادے۔

صحیح یہ ہے کہ مشک یا کوئی بھی خوشبو استعمال کرنے کی حکمت خون کیوجہ سے جو بدبو اور گھناونا پن پیدا ہوگیا تھا اس کا ازالہ مقصود ہے خون کے آنے سے جلد میں سکڑن پیدا ہوجاتی ہے۔ مشک یا اس قسم کی چیزوں سے استعمال سے یہ سکڑن ختم ہوجاتی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا مشک یا کسی بھی خوشبو کا استعمال غسل سے پہلے کرے گی۔ مگر یہ حدیث کے سیاق کے خلاف ہے۔ مسلم میں "ثم" موجود ہے جو تعقیب بلکہ تراخی پر دلالت کرتا ہے، بعض شارحین نے مشک کے استعمال کی حکمت یہ لکھی کہ یہ استقرار نطفہ میں معین ہوتا ہے مگر ان کے ذہن میں یہ بات نہیں رہی کہ مشک کا استعمال ہر عورت کو مستحب ہے خواہ وہ شوہر والی ہو خواہ نہو۔

بعد والی روایت میں ہے۔ توضی ثلاثا۔ او قال توضی بھا اس کی توضیح میں شراح نے مختلف قول کئے ہیں۔ اس سلسلے کی روایات کو ذہن میں رکھنے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ ثلاثا کا مطلب یہ ہے کہ حضور نے تین بار فرمایا۔ شک راوی اسمیں ہے کہ بھا بھی فرمایا تھا یا نہیں۔

اثر الدم سے عام علماء نے شرمگاہ مراد لی ہے۔ البتہ محاملی نے ہر وہ جگہ مراد لی ہے جہاں خون لگا ہو۔ سوائے محاملی کے کسی اور نے یہ قول نہیں کیا ہے مگر اسمٰعیلی کی روایت اس کی مؤید ہے جسمیں مواضع الدم آیا ہے۔

مسائل (۱) تعجب کے وقت سبحان اللہ پڑھنا سنت ہے (۲) پوشیدہ عوارض کو کنایہ سے ادا کیا جائے (۳) یہ بھی

ع اس کے بعد متصلا — باب غسل المحیض ص ۴۵

ایضا	جلد ثانی	اعتصام	باب الاحکام اللتی تعرف بالدلائل	ص ۱۰۹۳
مسلم	اول	طہارت	باب استحباب المغتسلۃ من الحیض فرصۃ من مسک موضع الدم	۱۵۰
ابوداؤد	"	"	باب الاغتسال من الحیض	ص ۴۴
نسائی	"	"	باب ذکر العمل فی الغسل من الحیض	ص ۴۹
"	"	غسل	باب العمل فی الغسل من الحیض	ص ۷۲
ابن ماجہ		طہارت	باب فی الحائض کیف تغتسل	ص ۴۷
دارمی		وضوء		
			مسند امام احمد	۸۴

حدیث (۲۲۲) ان عائشہ رضی اللہ عنہا اھلت بعمرۃ فی حجۃ الوداع

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ خَرَجْنَا مُوَافِیْنَ لِھِلَالِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ہم ذی الحجہ کے چاند ہونے کے قریب (مدینے سے حج کیلئے)

ذِی الْحِجَّةِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ

نکلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو صرف

درست ہے کہ عالم کے کلام کی تشریح اس کی موجودگی میں کوئی اور کردے اور عالم سنے (۴) عالم کے کلام کی تفسیر جب اسکے سامنے دوسرے نے کی اور عالم نے سن لی تو یہ عالم ہی کی تفسیر ہوگئی (۵) ثابت ہوگیا کہ شیخ کو تلمیذ پڑھ کر سنا سکتا ہے۔

تشریحات ۲۲۲

مطابقت باب

یہاں امام بخاری نے اس حدیث پر دو عنوان قائم کیا ہے۔

امتشاط المرأۃ عند غسلھا من المحیض حیض سے غسل کے وقت عورت کا کنگھا کرنا۔

نقض المرأۃ شعر راسھا عند المحیض حیض سے غسل کیوقت عورت کا اپنے سر کے بال کھولنا

حدیث میں کہیں غسل کا ذکر نہیں۔ یہ امام بخاری کی اسی عادت مستمرہ کے مطابق ہے اگرچہ ان کی ذکر کردہ روایت میں غسل کا لفظ نہیں مگر ابوداؤد اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا۔ فاغتسلی۔ پھر غسل کر۔ موافین کا مادہ وفاء آتا ہے جس کے معنی "پورا" کرنا۔ اس کے باب افعال کا صلہ جب علی آتا ہے تو اس کے معنی "اشرف" کے ہیں بولتے ہیں۔ اوفا علی کذا ای اشرف یعنی جھانکا، یہاں مراد یہ ہے کہ ہم ذی الحجہ کے ہلال کو جھانک رہے تھے۔ یعنی اس کی رویت قریب تھی۔

ہم پہلے بتا آئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۲۶ ذوالقعدہ سنیچر کے دن بعد نماز ظہر مدینہ طیبہ سے نکلے تھے اور رات ذوالحلیفہ میں گزاری ۲۷ ذوالقعدہ اتوار کو وہاں سے چلے تھے اور چار ذوالحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچ گئے تھے۔ مسلم شریف میں مدینہ طیبہ سے نکلنے کی تاریخ لخمس بقین من ذی القعدۃ[1] ہے اور مکہ مکرمہ پہنچنے کی تاریخ تردید کے ساتھ لاربع خلون من ذی الحجۃ او خمس[2] ہے اسی اختلاف کیوجہ سے یہ بھی اختلاف پیدا ہوگیا کہ راستے میں کتنے دن صرف ہوئے۔ ۹ دن یا۔ دس دن۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ معظمہ یکشنبہ کو پہنچے تھے، بخاری کتاب التمنی میں لاربع خلون من ذی الحجۃ بلا تردید ہے[3]۔ لیلۃ الحصبہ سے مراد تیرہ ذوالحجہ کے بعد آنے والی چودہویں رات۔ یہ منی اور مکہ کے مابین ایک میدان ہے جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "حجۃ الوداع" کے موقع پر قیام فرمایا تھا۔ حج کے واپسی کے بعد رات کو پھر یہیں قیام فرمایا۔ مدینہ طیبہ والے حجاج جبتک اونٹوں کا سفر تھا یہیں اکٹھے ہوکر واپس ہوتے تھے۔ اس کو وادی محصب اور خیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں۔

---

[1] جلد اول حج باب وجوہ الاحرام ص ۳۹۰

[2] ایضا

[3] جلد ثانی تمنی باب قول النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم لو استقبلت من امری ما استدبرت ص ۱۰۷۳

يُهِلَّ بِعُمْرَةٍ فَلْيُهِلَّ فَإِنِّي لَوْلَا أَنِّي أَهْدَيْتُ لَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ فَأَهَلَّ

عمرے کا احرام باندھنا چاہے وہ صرف عمرے کا باندھے۔ اگر میں اپنے ساتھ ہدی نہ لاتا تو عمرے ہی کا احرام باندھتا

بَعْضُهُمْ بِعُمْرَةٍ وَأَهَلَّ بَعْضُهُمْ بِحَجٍّ وَكُنْتُ أَنَا مِمَّنْ أَهَلَّ

اس پر بعضوں نے عمرے کا احرام باندھا اور بعضوں نے حج کا۔ اور میں نے عمرے کا احرام

بِعُمْرَةٍ فَأَدْرَكَنِي يَوْمُ عَرَفَةَ وَأَنَا حَائِضٌ فَشَكَوْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه

باندھا تھا جب عرفہ کا دن آیا تو میں حائضہ تھی میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

حضرت عائشہ کے حج کی تفصیل

اس حدیث کی ابحاث سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ناظرین حج کے اقسام ذہن نشین کرلیں۔ حج تین قسم کا ہوتا ہے۔ افراد یعنی میقات سے صرف حج کا احرام باندھیں۔ تمتع یعنی میقات سے صرف عمرے کا احرام باندھیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو اپنے ساتھ "ھدی" یعنی قربانی کا جانور نہ لے جائے۔ ایسے لوگ عمرہ کرکے احرام سے باہر ہو جائیں گے۔ دوسرے وہ جو اپنے ساتھ "ہدی" لے جائیں۔ یہ لوگ مکہ پہونچ کر عمرہ کر لے کے بعد بھی احرام سے باہر نہ ہوں گے جبتک قربانی کرلیں۔ متمتع آٹھ ذوالحجہ کو حرم سے حج کا احرام باندھ کر حج کریگا۔ قران یعنی میقات سے حج اور عمرے دونوں کا احرام باندھیں۔

ہمارے اور شوافع کے درمیان یہاں ایک اختلاف ہے۔ ہمارے یہاں قارن پر دو طواف دو سعی واجب ہے ایک طواف اور سعی عمرے کی۔ اور ایک حج کی۔ امام شافعی کے یہاں قارن کے لئے صرف ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے۔

اس حدیث میں صرف یہ ہے کہ لیلۃ الحصبہ چودھویں ذوالحجہ کی رات میں ام المومنین حضرت عبد الرحمن کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے گئیں۔ اور ظاہر ہے کہ عمرہ طواف اور سعی کا نام ہے تو حضرت ام المومنین نے طواف بھی کیا اور سعی بھی۔ اس طرح اس حدیث سے صرف ایک طواف اور ایک سعی کا ثبوت ہوتا ہے۔ اب اگر یہ مان لیا جائے کہ ام المومنین قارنہ تھیں اور انھوں نے صرف ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی کی۔ تو شوافع کا مسلک ثابت کہ قارن کے لئے صرف ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی کافی ہے۔ اس پر ہماری گزارش یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ عام طرق میں لیلۃ الحصبہ کے پہلے کسی طواف کا ذکر نہیں۔ مگر مسلم میں بطریق محمد بن عبد اللہ بن نمیر حضرت قاسم سے جو روایت ہے اسمیں یہ تصریح ہے حتی نزلنا منی فتطهرت ثم طفنا بالبيت۔ جب ہم منیٰ میں اترے تو میں پاک ہو گئی پھر ہم نے بیت اللہ کا طواف کیا اس کے بعد محصّب سے عمرہ کرنے کا ذکر ہے۔ اس کے پہلے والی روایت میں ہے کہ فرماتی ہیں۔ میں یوم نحر کو پاک ہو گئی تھی تو ثابت ہو گیا کہ لیلۃ الحصبہ سے پہلے ہی ام المومنین نے طواف زیارت کر لیا تھا۔ اگر بالفرض یہ روایت نہ بھی ہوتی تو بھی واقعات کی روشنی میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ ام المومنین نے طواف زیارت اپنے وقت پر یا کم از کم لیلۃ الحصبہ سے پہلے کر لیا تھا۔ لیلۃ الحصبہ میں ام المومنین نے یہ عرض کیا تھا یرجع الناس بحجة وعمرة وارجع بحجة۔ لوگ حج اور عمرہ دونوں کے ساتھ لوٹ رہے ہیں اور میں صرف حج کے ساتھ لوٹ رہی ہوں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت ام المومنین نے حج کے لئے طواف اور سعی اس وقت تک نہیں کی تھی۔

تعالیٰ علیہ وسلم فقال دعی عمرتک وانقضی راسک وامتشطی		
اپنا حال بیان کیا	تو فرمایا عمرہ چھوڑ دے، اور اپنے سر کو کھول ڈال	کنگھی کر
واھلی بحج ففعلت حتی اذا کان لیلۃ الحصبۃ ارسل معی اخی		
اور حج کا احرام باندھ	میں نے یہی کیا جب لیلۃ الحصبۃ آئی	تو مجھے میرے
عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنھما فخرجت الی التنعیم		
بھائی عبد الرحمن بن ابی بکر	رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہمراہ	تنعیم بھیجا

تو ان کا حج ہوا کہاں ۔ کہ وہ فرما رہی ہے میں صرف حج کے ساتھ واپس ہو رہی ہوں۔ ام المؤمنین کی یہ عرض اس بات کی دلیل ہے کہ اس وقت تک انھوں نے طواف زیارت بھی کر لیا تھا۔ اور حج کے لئے سعی بھی کر چکی تھیں، اس طرح ان کا حج مکمل ہو چکا تیرہ ذوالحجہ تک ایام حج ہیں ان ایام میں عمرہ ہو نہیں سکتا، اس لئے عمرہ نہیں کر سکی تھیں اب واپسی کا وقت آیا تو مذکورہ بالا عرضداشت پیش کی جس پر انھیں عمرہ کرنے کے لئے تنعیم بھجوا دیا گیا۔ اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ انھوں نے حج کا طواف اور اسکی سعی نہیں کی تھی تو ضروری تھا کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انھیں حج کے طواف اور سعی کا حکم فرماتے ۔ علاوہ ازیں حج کے طواف کا وقت بارہ ذوالحجہ تک ہے۔ یوم نحر یعنی دس ذوالحجہ کو وہ پاک ہو گئی تھیں۔ کس کے قیاس میں یہ بات آ سکتی ہے؟ کہ بلا وجہ شرعی ان کے طواف کو قضا کرایا ہو۔ اور واپسی ہونے لگی پھر بھی طواف کے لئے نہیں فرمایا۔ بلکہ جب عمرے کی خواہش ظاہر کی تو عمرے کے بہانے طواف کے لئے بھیجا۔ اس لئے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ حقائق کی روشنی میں یہ مان لیا جائے کہ حضرت ام المؤمنین لیلۃ الحصبہ سے پہلے حج کا طواف اور اس کی سعی کر چکی تھیں۔ لیلۃ الحصبہ صرف عمرہ کرنے گئی تھیں۔

اس تقریر کے بعد اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ام المؤمنین نے قران کیا تھا تو بھی یہ حدیث شوافع کے لئے مفید نہیں۔ ہمارے ہی مسلک کی مؤید ہے۔

حضرت ام المؤمنین نے تمتع کیا تھا

اور ایسے اس حدیث کے تمام طرق پر جب نظر دقیق ڈالی جاتی ہے تو ثابت یہی ہوتا ہے کہ حضرت ام المؤمنین نے قران نہیں کیا تھا بلکہ تمتع کیا تھا، اس کے مندرجہ ذیل وجوہ ہیں۔

(۱) ان کو حکم ہوا۔ اپنے سر کو کھول ڈالو کنگھا کرو۔ حج کا احرام باندھو۔ اگر انھوں نے قران کیا ہوتا تو میقات ہی پر حج کا بھی احرام باندھ لیا ہوتا۔ اب اس وقت یوم عرفہ احرام باندھنے کا کیا مطلب۔ پھر حالت احرام میں کنگھا کرنا منع ہے کنگھا کرنے میں ضرور بال ٹوٹتے ہیں (۲) اور فرمایا دعی عمرتک، کسی میں ہے وارفضی عمرتک اور کسی میں واترکی عمرتک ہے۔ اپنا عمرہ چھوڑ دے۔ یہ دلیل ہے کہ میقات سے جس عمرے کا احرام باندھا تھا۔ اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے۔ اسے چھوڑ دے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ حضرت ام المؤمنین کو حکم دیا جا رہا ہے کہ عمرے کا جو احرام باندھا تھا اسے ختم کرو اور اب حج کا احرام باندھکر حج کرو۔ (۳) حضرت ام المؤمنین اس وقت حالت حیض میں تھیں۔ اس حالت میں غسل کا حکم طہارت حاصل کرنے کیلئے تو ہو نہیں سکتا۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ احرام کے لئے غسل کا حکم تھا۔ (۴) صاف صاف حکم ہے واھلی بحج حج کے لئے تلبیہ کہو یعنی حج کا احرام

فَاَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ مَكَانَ عُمْرَتِي قَالَ هِشَامٌ وَلَمْ يَكُنْ فِي شَيْءٍ

پس میں نے وہاں عمرے کا احرام باندھا ہشام نے کہا کہ اس میں

باندھو۔ اگر حج کا احرام پہلے باندھ چکی تھیں تو اب حج کا احرام باندھنے کا حکم دینے کا کیا مطلب۔ خصوصاً مسلم اور ابوداؤد میں حضرت جابر کی حدیث کے یہ الفاظ فاغتسلی ثم اهلی بالحج غسل کرلو پھر حج کا احرام باندھو (۵) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد هذه مکان عمرتك وغیرہ کا سوائے اس کے اور کیا مطلب ہے کہ جو عمرہ احرام باندھنے کے بعد نہ کرسکی تھیں اور توڑنا پڑا تھا اس کی قضا میں یہ عمرہ کرلو۔ (۶) بخاری میں حدیث مذکور کے پہلے والی حدیث میں صاف تصریح ہے فکنت ممن تمتع میں تمتع کرنے والوں میں تھی۔ اور لیل عرفہ میں عرض کیا انما کنت تمتعت بعمرة میں نے عمرہ کا احرام باندھ کر تمتع کیا تھا۔

منشأ اختلاف اختلاف کی بنیاد اس پر قائم ہے کہ زمانہ جاہلیت میں حج کے مہینوں یعنی شوال ذوالقعدہ اور ذوالحجہ میں عمرے کو برا جانتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینے سے نکلے تو لوگوں کا خیال یہی تھا کہ صرف حج کرنے جا رہے ہیں مگر ذوالحلیفہ پہنچکر حضور نے اعلان فرمادیا۔ جس کا جی چاہے صرف عمرے کا احرام باندھے جس کا جی چاہے صرف حج کا، یا دونوں کا۔ میں ھدی لے کر چل رہا ہوں اگر میں ھدی لے کر نہیں چلتا تو عمرے کا احرام باندھتا اس پر لوگوں نے اپنی اپنی صواب دید اور توفیق کے مطابق احرام باندھا۔ کسی نے صرف عمرے کا، کسی نے صرف حج کا، کسی نے دونوں کا۔ حضرت ام المومنین نے فرمایا کہ میں نے عمرے کا احرام باندھا۔ چنانچہ عام طرق میں بالفاظ مختلفہ یہی ہے مگر بعض رواۃ نے اس اعتبار سے کہ ابتدا میں صرف حج کا ارادہ تھا۔ یہ الفاظ فرمادیئے کہ ام المومنین حج کے لئے نکلیں، حج کا احرام باندھا وغیرہ وغیرہ۔

یا یہ کہ حج فرض ہونے کی وجہ سے معظم مقصود ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے ایسا کہہ دیا۔ جیسے ہمارے دیار کے حجاج تقریباً کل کے کل تمتع کرتے ہیں یعنی میقات سے صرف عمرے کا احرام باندھتے ہیں۔ اور مکہ معظمہ حاضر ہو کر عمرے سے فراغت کے بعد احرام کھول دیتے ہیں مگر کہا یہی جاتا ہے کہ حج کرنے جا رہے ہیں، کوئی نہیں کہتا کہ عمرہ کرنے جا رہے ہیں۔ اسی عرف کے مطابق اس روایت کے بعض طرق میں یہ مذکور ہو گیا کہ ام المومنین نے حج کا احرام باندھا حج کے لئے نکلیں وغیرہ وغیرہ۔

قارن پر ایک طواف اور سعی ہے یا دو اس کی پوری بحث کتاب الحج میں آئے گی۔

غایت باب غسل کرتے وقت عورتوں کی چوٹی اگر گندھی ہوئی ہو تو بالوں کو کھول کر ان کے درمیان بھی پانی کا پہنچانا ضروری ہے یا صرف بال کی جڑوں میں پانی بہہ جانا کافی ہے؟ ہمارا مذہب یہی اخیر ہے، عورت خواہ حیض و نفاس سے فراغت کے بعد غسل کرے خواہ جنابت کی حالت میں یہی حکم ہے۔ جیسا کہ مسلم شریف[1] میں ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ

---

[1] جلد اول طہارت ص ۱۵۰

مِنْ ذَالِكَ هَدْیٌ وَّلَا صَوْمٌ وَ لَا صَدَقَةٌ ؏

نہ قربانی کرنی پڑی — نہ روزہ رکھنا پڑا — نہ صدقہ دینا پڑا

انا نقضه للحيضة و الجنابة فقال لا — کیا میں حیض اور جنابت کے غسل کیلئے چوٹی کھول دوں؟ فرمایا نہیں۔

ان دونوں بابوں سے شبہہ ہوتا ہے کہ شاید امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ حائضہ پر ضروری ہے کہ وہ بال کھولکر ان کے درمیانی حصے میں بھی پانی پہنچائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب مطلقاً یہ تھا کہ ہر غسل فرض میں عورت جوڑا کھولکر بالوں میں پانی پہنچائے ام المومنین حضرت عائشہ کو جب یہ خبر پہونچی تو فرمایا۔

تعجب ہے ابن عمر عورتوں کو غسل کے وقت سروں کو کھولنے کا حکم دیتے ہیں وہ یہ حکم کیوں نہیں دیتے کہ عورتیں اپنے سر مونڈوا ڈالیں رہ گیا اس حدیث میں بالوں کے کھولنے کا جو امر ہے وہ یا تو استحباب کے لئے ہے۔ یا اس بنا پر ہے کہ حضرت ام المومنین کے بال اتنے گھنے رہے ہوں یا چوٹی اتنی سخت گندھی رہی ہو یا سر پر کوئی لیپ لگا لیا تھا جس کی وجہ سے پانی بالوں کی جڑوں میں نہیں پہنچ سکتا تھا، اس لئے کھولنے اور کنگھا کرنے کا حکم دیا۔

قال هشام حضرت ہشام کا یہ کہنا کہ حضرت ام المومنین کے اس فعل پر نہ دم دینا پڑا نہ روزہ رکھنا پڑا اور نہ صدقہ دینا پڑا اپنے علم و دانست کے اعتبار سے ہے ورنہ حضرت ام المومنین پر بہر صورت دم واجب تھا۔ خواہ انھوں نے تمتع کیا ہو خواہ قران۔ اسلئے کہ ان دونوں صورتوں میں ان پر واجب تھا کہ وقوف عرفہ سے پہلے عمرہ کر لیتیں یا کم از کم عمرے کا چار پھیرے طواف کر لیتیں مگر عذر لاحق ہو جانیکی وجہ سے عمرہ نہ کر سکیں حتی کہ شب عرفہ میں احرام کھولنا پڑا تو دم جنایت لازم ہو گیا۔ ص ۲۱۱ میں حضرت جابر کی حدیث گذری۔ کہ حضرت عائشہ کی طرف سے حضور نے یوم نحر ایک گائے قربانی کی تھی۔ اس کا امکان قوی ہے کہ یہی دم جنایت رہا ہو۔

حضرت ہشام کو اسکی خبر نہ ہوئی اسلئے انھوں نے یہ کہدیا، کہ اسمیں ھدی وغیرہ کچھ واجب نہ ہوا۔

؏ ایضا جلد اول حیض باب امتشاط المرأة عند غسلها من المحيض ص ۴۵
ایضا 〃 〃 باب كيف تهل الحائض بالحج والعمرة ص ۴۶
ایضا 〃 مناسک باب كيف تهل الحائض والنفساء ص ۲۱۱
ایضا 〃 عمرہ باب العمرة ليلة الحصبة وغيرها ص ۲۳۹
ایضا 〃 ثانی مغازی باب حجة الوداع ص ۶۳۱
مسلم 〃 اول حج باب وجوه الاحرام وانه يجوز افراد الحج والتمتع والقران ص ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸ و ۳۸۹
ابوداؤد 〃 مناسک باب في افراد الحج ص ۲۴۷
نسائی 〃 طہارت باب ذكر الامر بذالك للحائض عند الاغتسال للاحرام ص ۴۸
ایضا 〃 مناسک باب في المهلة بالعمرة تحيض وتخاف فوت الحج ص ۱۹
ابن ماجه مناسک باب العمرة من التنعيم ص ۲۲۱
موطا امام مالک حج باب دخول الحائض مكة ص ۱۶۸
مسند امام احمد

له مسلم جلد اول طہارت ص ۱۵۰

حدیث (۲۲۳) ان اللہ وکل بالرحم ملکا

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ تعالیٰ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَكَّلَ بِالرَّحِمِ مَلَكًا

علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے

يَقُوْلُ يَارَبِّ نُطْفَةٌ يَارَبِّ عَلَقَةٌ يَارَبِّ مُضْغَةٌ فَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ

جو کہتا ہے اے پروردگار رحم میں نطفہ آگیا اے پروردگار یہ منجمد خون ہوگیا اے پروردگار گوشت کا لوتھڑا بن گیا جب

تشریحات (۲۲۳)

اس حدیث پر مکمل کلام کتاب الانبیاء میں آئیگا۔ یہاں صرف یہ دیکھنا ہے کہ اس حدیث کا حیض سے کیا تعلق۔ جس کا باب چل رہا ہے اس سے اس حدیث کا دو تعلق ہے (۱) ایک یہ کہ خون حیض ہی ایام حمل میں جنین کی غذا بنتا ہے جیساکہ احادیث سے بھی ثابت ہے اور اطباء کا بھی قول ہے۔ اس باب سے مقصود یہ ہے کہ حیض کے احوال میں ایک حالت یہ بھی ہے (۲) جمہور اور احناف کا مسلک یہ ہے کہ ایام حمل میں جو خون آئے وہ حیض نہیں استحاضہ ہے۔ امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے البتہ قول جدید یہ ہے کہ وہ حیض ہے۔ امام مالک کا اصل مذہب وہی ہے جو جمہور کا ہے البتہ ان کا ایک قول یہ ہے کہ ابتداء حمل میں جو خون دکھائی دے وہ حیض ہے اور اخیر ایام میں جو دکھائی دے وہ استحاضہ ہے امام بخاری یہ باب قول اللہ عزوجل مخلقۃ وغیر مخلقۃ باندھکر اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ انکا مذہب بھی یہی ہے کہ ایام حمل میں جو خون عورت کو دکھائی دے وہ حیض نہیں۔ وہ جنین کی غذا کے کام آتا ہے باہر نہیں آتا یہ مذہب بکثرت احادیث سے ثابت ہے۔

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی زوجہ کو حیض کی حالت میں طلاق دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا، ابن عمر سے کہو رجعت کرے اسے اپنے نکاح میں رکھے یہانتک کہ پاک ہو جائے، پھر حیض آئے۔ اس حیض سے پاک ہونے کے بعد اسے اختیار ہے چاہے رکھے چاہے تو اسے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدے [۱]

(۲) اوطاس کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا۔ کسی حاملہ سے اسوقت تک وطی نہ کیجائے جبتک کہ وضع حمل نہو جائے اور نہ کسی غیر حاملہ سے وطی کیجائے جبتک کہ ایک حیض آکر یہ نہ ظاہر ہو جائے کہ اس کا رحم خالی ہے [۲]

(۳) حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ کسی کو یہ جائز نہیں کہ اپنے پانی سے دوسرے کی کھیتی سینچے یا کسی باندی سے وطی کرے جبتک کہ اسے حیض نہ آجائے یا اس کا حمل نہ ظاہر ہو جائے [۳]

---

[۱] بخاری جلد اول طلاق ص ۷۹۰ مسلم جلد اول طلاق باب تحریم الطلاق الحائض ص ۴۷۶

[۲] ابو داؤد جلد اول نکاح ص ۲۹۳

[۳] مسند امام احمد۔ ابو داؤد جلد اول نکاح باب وطی السبایا ص ۲۹۳

أَنْ يَّقْضِيَ خَلْقَهُ قَالَ أَذَكَرٌ أَمْ أُنْثَى، شَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٌ فَمَا الرِّزْقُ

اللہ عزوجل یہ ارادہ فرمالیتا ہے کہ اس کی تخلیق مکمل فرمادے تو وہ فرشتہ عرض کرتا ہے مرد کہ عورت، بدبخت

وَمَا الْأَجَلُ قَالَ فَيُكْتَبُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ عه

کہ نیک بخت، کتنی روزی ہو، کتنی عمر ہو، فرمایا سب کچھ اس کی ماں کے پیٹ میں لکھ دیا جاتا ہے۔

ان احادیث میں، حیض کو اس کی علامت بتایا گیا ہے کہ حمل نہیں۔ اگر حمل کے ساتھ حیض بھی آنا ممکن ہوتا تو حیض اسکی علامت نہیں ہو سکتا تھا تو ثابت کہ ایام حمل میں حیض نہیں آسکتا۔ اس بارے میں آثار بھی بکثرت وارد ہیں (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ عزوجل نے حاملہ سے حیض اٹھالیا۔ اس خون کو بچے کی غذا کردیا، جو رحم پھینک دیتا تھا[۱]۔ (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔ اللہ عزوجل نے حاملہ سے حیض اٹھالیا اور اس کو بچے کا رزق بنادیا[۲]

(۳) ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس حاملہ کے بارے میں فرمایا جو خون دیکھے۔ حاملہ کو حیض نہیں آتا۔ یہ غسل کرے اور نماز پڑھے[۳] یہ غسل کا حکم بطور استحباب ہے۔

مخلقہ غیر مخلقہ کی تفسیر یہ ہے کہ استقرار کے بعد چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے پھر منجمد خون بن جاتا ہے پھر چالیس دن کے بعد وہ گوشت بنتا ہے جسمیں ابتداءً اعضاء نہیں ہوتے پھر اعضاء کی کلیاں پھوٹتی ہیں پھر اعضاء بنتے۔ پھر چالیس دن یعنی استقرار کے ایکسو بیس دن کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

ہر نطفہ بچہ نہیں ہوتا، کچھ ساقط بھی ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب نطفہ رحم میں مستقر ہو جاتا ہے تو اللہ عزوجل ایک فرشتہ اس پر مقرر فرمادیتا ہے۔ یہ فرشتہ پوچھتا ہے۔ اے پروردگار یہ مخلقہ ہے یا غیر مخلقہ۔ اب اگر ارشاد یہ ہوتا ہے کہ غیر مخلقہ تو رحم اس کو باہر پھینک دیتا ہے اور اگر جواب یہ ملتا ہے کہ مخلقہ ہے، تو یہ فرشتہ پھر عرض کرتا ہے یہ مرد ہے یا عورت۔

دوسری حدیث میں انھیں سے یہ ہے کہ نطفہ جب رحم میں مستقر ہو جاتا ہے تو فرشتہ اسے ہتھیلی میں لے کر عرض کرتا ہے یہ مرد ہے کہ عورت اس کا معاملہ کیا ہے کہاں مرے گا تو حکم ہوتا ہے۔ ام الکتاب یعنی لوح محفوظ میں دیکھ لو اس کا قصہ تم کو اس میں ملیگا۔ فرشتہ لوح محفوظ میں جاکر دیکھ لیتا ہے[۴] (اسی کے مطابق اس کی تخلیق کرتا ہے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مخلقہ کا مطلب یہ ہوا کہ یہ نطفہ پیکر انسانی قبول کریگا اور غیر مخلقہ کا مطلب یہ ہوا کہ یہ پیکر انسانی میں تبدیل نہ ہوگا، ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نطفے کے رحم میں جو مختلف احوال ہیں ان کو بیان فرمایا ہے۔ کہ نطفہ علقہ ہوا پھر مضغہ ہوا — ابتداءً اس کے اعضاء نہیں تھے تو غیر مخلقہ رہا یعنی جس کے نقشے نہیں بنے۔ جب اعضاء بن گئے تو مخلقہ ہو گیا یعنی تمام الخلقت ہو گیا۔ قرآن کریم کے سیاق سے اسی دوسری تفسیر

عه ایضا جلد اول انبیاء باب خلق آدم وذریتہ ص ۶۴۹

ایضا جلد ثانی ایمان بالقدر دوسری حدیث ص ۹۷۶

مسلم ، قدر باب کیفیۃ خلق الآدمی فی بطن امہ ص ۳۳

[۱] عینی جلد ثالث ص ۲۹۲ بحوالہ ابوحفص بن شاھین [۲] ایضا [۳] عینی جلد ثالث ص ۲۹۲ بحوالہ اثرم و دار قطنی

حدیث (۲۲۴) حدیث عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا فی حجۃ الوداع

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا۔ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ساتھ ہم

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ اَہَلَّ بِعُمْرَۃٍ وَّمِنَّا مَنْ

حجۃ الوداع میں نکلے ہم میں سے کچھ لوگوں نے عمرے کا احرام باندھا تھا اور

اَہَلَّ بِحَجٍّ فَقَدِمْنَا مَکَّۃَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ

کچھ لوگوں نے حج کا ہم مکہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ مَنْ اَحْرَمَ بِعُمْرَۃٍ وَّلَمْ یُہْدِ فَلْیَحْلِلْ، وَمَنْ اَحْرَمَ بِعُمْرَۃٍ

جس نے عمرے کا احرام باندھا ہو اور ھدی نہ لایا ہو وہ احرام کھول دے اور جس نے عمرے کا احرام باندھا

وَاَہْدٰی فَلَا یَحِلُّ حَتّٰی یَحِلَّ بِنَحْرِ ہَدْیِہٖ۔ وَمَنْ اَہَلَّ بِحَجٍّ فَلْیُتِمَّ حَجَّہٗ

ہو اور ھدی لایا ہو وہ احرام نہ کھولے جبتک اپنی ھدی کی قربانی نہ کرلے۔ اور جس نے حج کا احرام باندھا ہو وہ اپنا حج

قَالَتْ فَحِضْتُ فَلَمْ اَزَلْ حَائِضًا حَتّٰی کَانَ یَوْمُ عَرَفَۃَ وَلَمْ اُہْلِلْ اِلَّا

پورا کرے۔ حضرت عائشہ نے کہا مجھے حیض آگیا۔ اور میں حائضہ ہی رہی یہاں تک کہ عرفہ کا دن آگیا اور میں نے عمرے

بِعُمْرَۃٍ فَاَمَرَنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ اَنْقُضَ رَاْسِیْ

کا احرام باندھا تھا۔ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں اپنا سر کھول ڈالوں

کی تائید ہوتی ہے فرمایا:۔

فانا خلقناکم من تراب ثم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم من مضغۃ مخلقۃ وغیر مخلقۃ۔ (حج-۸)

ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر پانی کی بوند سے، پھر منجمد خون سے پھر ایک بوٹی گوشت سے جسمیں نقشہ بنا ہوا ہے یا نہیں بنا ہوا ہے۔

تشریحات ۲۲۴
توضیح باب

یہاں باب کا عنوان یہ ہے۔ کیف تھل الحائض بالحج والعمرۃ حائضہ حج اور عمرے کا احرام کیسے باندھے گی۔

علامہ ابن حجر علامہ عینی وغیرہ نے باب کی توضیح یہ کی کہ حائضہ کو حج اور عمرے کا احرام باندھنا درست ہے۔ خواہ پہلے احرام باندھے ہو پھر حیض آیا خواہ حالت حیض میں احرام باندھے۔ یعنی حیض نہ انعقاد احرام کے منافی ہے نہ بقائے احرام کے۔ مگر کیف یہ بتارہا ہے کہ مقصود یہ ہے کہ احرام کیسے باندھے۔ مثلاً غسل کرے گی کہ نہیں اس لئے کہ حائضہ حالت حیض میں غسل کرنے سے پاک تو ہوگی نہیں۔ حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ غسل کرے گی۔ ان انقض راسی وامتشط

وَاَمْتَشِطْ وَاُهِلَّ بِالْحَجِّ وَاَتْرُكَ الْعُمْرَةَ فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ حَتّٰى قَضَيْتُ

اور کنگھا کروں اور حج کا احرام باندھوں اور عمرہ چھوڑ دوں میں نے یہی کیا یہانتک کہ میں نے

حَجَّتِىْ فَبَعَثَ مَعِىْ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِىْ بَكْرٍ فَاَمَرَنِىْ اَنْ اَعْتَمِرَ

حج پورا کرلیا اس کے بعد عبد الرحمن بن ابی بکر کو میرے ساتھ کر دیا اور مجھے حکم دیا کہ

مَكَانَ عُمْرَتِىْ مِنَ التَّنْعِيْمِ

اپنے عمرے کی جگہ تنعیم سے عمرہ کروں

(٦٦) وَكُنَّ نِسَاءٌ يَبْعَثْنَ اِلٰى عَائِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا

ت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں عورتیں

غسل سے کنایہ ہے بلکہ بعض طرق میں فاغتسلی کا لفظ صراحۃً مذکور ہے۔ احرام کے وقت جو غسل سنت ہے وہ ادا ہو جائیگا اس وقت غسل کرنا لغو نہ ہوگا۔ اسی روایت میں حتی قضیت حجتی کا جملہ اس کی دلیل ہے کہ لیلۃ الحصبہ سے پہلے پہلے حضرت ام المومنین نے حج پورا ادا کرلیا تھا۔ جس کا لازم نتیجہ یہ ہے کہ انھوں نے حج کا طواف بھی کرلیا تھا اس لئے ثابت کہ انھوں نے دو طواف کئے ایک حج کا دوسرا عمرے کا۔ یہ حدیث اس پر نص ہے کہ حضرت ام المومنین نے میقات پر صرف عمرے کا احرام باندھا تھا جیسا کہ وہ فرماتی ہیں ولم اهلل الا بعمرة۔ میں نے عمرے ہی کا احرام باندھا تھا اور آگے ہے کہ مجھے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ واترك العمرة۔ میں عمرہ چھوڑ دوں۔

تشریحات ٦٦، ٦٧
لغات

بالدرجة۔ درجة۔ دال کے کسرے اور را کے فتحہ کے ساتھ۔ اور دُرْجہ۔ دال کے ضمے اور را کے سکون کے ساتھ۔ اس کپڑے کو بھی کہتے ہیں جس میں دوا لت کرکے بیماری میں عورتیں کی شرمگاہ میں رکھتے ہیں۔ اور چھوٹی ٹوکری کو بھی کہتے ہیں جسمیں عورتیں خوشبو وغیرہ رکھتی ہیں۔ یعنی ڈبیا، اگرچہ وہ دھات وغیرہ کی نہ ہو۔ کُرْسُفْ کے اصل معنی روئی کے ہیں۔ یہاں خاص وہ روئی ہے جو ایام حیض میں عورتیں خاص طریقے سے استعمال کرتی ہیں۔ القصہ۔ کے معنی چونے کے بھی ہیں اور روئی کے بھی۔ پہلی تقدیر پر معنی وہ ہوئے جو ہم نے لکھے ہیں یعنی چونے کے مثل سپیدی دیکھے، دوسری تقدیر پر معنی یہ ہوئے کہ روئی کو سفید دیکھے۔ اس کا دو مطلب ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ روئی پر کوئی رنگ نہ دیکھے، دوسرے یہ کہ روئی سوکھی پائے۔ اس لئے کہ سفید رطوبت سے بھی بھیگنے کے بعد روئی پر دھبے پڑ جاتے ہیں۔ یہ حدیث احناف کی مستدل ہے۔ کہ ایام حیض میں جس رنگ کا بھی خون آئے وہ حیض ہے۔ سرخ، کالا، زرد، مٹیلا گدلا سبز۔ کسی بھی رنگ کا خون دس دن کے اندر اندر آئے تو حیض ہے۔ دس دن کے بعد بھی اگر رطوبت کا سیلان باقی ہے تو جو عادت کے دن ہیں حیض ہے۔ اس کے بعد والے استحاضہ۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ ارشاد حکماً مرفوع ہے اس لئے کہ یہ معاملہ ایسا ہے کہ عقل سے نہیں معلوم کیا جا سکتا، صحابہ کرام کے ایسے سارے ارشادات مرفوع کے حکم میں ہیں، اس کے برخلاف حضرات شوافع کہتے ہیں کہ حیض کا خون صرف کالا ہے، ان کے علاوہ دوسرے رنگ کی

بِالدُّرْجَةِ فِيهَا الْكُرْسُفُ فِيهِ الصُّفْرَةُ - فَتَقُولُ لَا تَعْجَلْنَ حَتَّى تَرَيْنَ

ڈبیہ میں کرسف رکھ کر بھیجتیں جسمیں زردی ہوتی۔ اس پر ام المومنین فرماتیں جلدی نہ کرو

الْقَصَّةَ الْبَيْضَاءَ تُرِيدُ بِذَالِكَ الطُّهْرَ مِنَ الْحَيْضَةِ عہ

جھنگ چونے کی طرح سفیدی نہ دیکھ لو۔ اس سے ان کی مراد حیض سے پاکی ہے۔

٦٧ ت

وَبَلَغَ بِنْتَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا اَنَّ نِسَاءً

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی کو یہ خبر ملی کہ عورتیں

يَدْعُونَ بِالْمَصَابِيحِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ يَنْظُرْنَ اِلَى الطُّهْرِ فَقَالَتْ

رات میں چراغ منگا کر پاکی کو دیکھتی ہیں اس پر انھوں نے فرمایا

مَا كَانَ النِّسَاءُ يَصْنَعْنَ هٰذَا وَعَابَتْ عَلَيْهِنَّ عہ

عورتیں ایسا نہیں کرتی تھیں۔ اس کو انھوں نے معیوب جانا۔

رطوبت حیض نہیں ان کی دلیل ابوداؤد کی یہ حدیث ہے۔ [لہ]

فانه دم اسود یعرف۔ حیض کا خون کالا ہے جو پہچانا جاتا ہے۔ حیض کا خون ہر عورت کا ہمیشہ کالا ہی ہو یہ واقعہ کے مطابق نہیں۔ جو عورت تندرست، معتدل مزاج کی ہو اور معتدل غذا استعمال کرے اس کے حیض کا خون سرخ ہوگا، جس کے مزاج میں حدت ہوگی گرم غذائیں کھائے گی یا موسم یا جگہ گرم ہوگی تو کالا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح غذا، عوارض، موسم کے لحاظ سے اور رنگ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ارشاد خاص حضرت فاطمہ بنت جیش کے لئے تھا، یا زیادہ سے زیادہ وہاں کی عورتوں کے بارے میں، ورنہ اس کے معارض حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ہم طہر کے بعد گدلی اور پیلی رطوبت کو کچھ نہیں جانتی تھیں [لہ] اس سے ظاہر کہ طہر کے قبل یعنی عادت کے دنوں میں اسے وہ حیض جانتی تھیں۔

بنت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ان کی کونسی صاحبزادی مراد ہیں اس میں شراح کا اختلاف ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے آٹھ صاحبزادیاں تھیں۔ ام اسحٰق، ام کلثوم، ام حسن، ام محمد، ام سعد حسنہ، قریبہ، عمرہ۔ صاحب توضیح نے کہا قرین قیاس یہ ہے کہ یہ ام سعد ہیں۔ اسی طرح بعض شارحین کا یہ گمان ہے کہ یہ ام سعد ہی ہیں انھیں کو علامہ ابن عبد البر نے صحابیات میں شمار کیا ہے۔ بعض دوسرے شارحین نے کہا یہ ام کلثوم ہیں۔ اس لئے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادیوں میں ام کلثوم کے علاوہ کسی اور کی روایت ثابت نہیں۔ علامہ عینی کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں

عہ موطا امام مالک۔ باب طہر الحائض ص ۲۲۔ عہ ایضا

لہ جلد اول طہارت باب من قال توضأ لکل صلوٰۃ ص ۴۳

لہ ابوداؤد جلد اول طہارت باب فی المراۃ تری الکدرۃ والصفرۃ بعد الطہر ص ۴۳

۶۸ وَقَالَ جَابِرٌ وَّاَبُوْ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ تَدَعُ الصَّلٰوةَ۔

ت حضرت جابر اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ حضور نے فرمایا حائضہ نماز چھوڑ دے گی۔

بلے برابر ہیں۔ ام کلثوم کی روایت ثابت ہے اگرچہ اس مخصوص روایت کا ان سے ثبوت نہیں۔ مگر جب یہ صحابیہ ہیں تو اس کا امکان ہے کہ یہ انھیں کا واقعہ ہو۔ اسی طرح ام سعد جب صحابیہ ہیں تو اس کا امکان ہے کہ انھیں کا قصہ ہو۔

رات میں اٹھکر روشنی میں کرسف دیکھنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر حیض بند ہو گیا ہے تو غسل کرکے عشار پڑھ لیں۔ اور یہ ایک مستحسن اقدام تھا۔ پھر ان کے اس فعل کو معیوب جاننے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ بات یہ ہے کہ دین میں تعمق پسندیدہ نہیں۔ جیسا کہ گزر چکا۔ لن يشاد الدين احد الا غلبه۔ عورتیں اس کی مکلف ہیں کہ صبح کو اٹھنے کے بعد اگر یہ دیکھیں کہ حیض بند ہو گیا ہے تو عشار کی قضا پڑھ لیں ان پر کوئی گناہ نہیں۔ رات کو سوتے سے اٹھا اٹھا کر چراغ منگا کر دیکھنے میں حرج ہے اس لئے اس کو انھوں نے معیوب جانا۔ علاوہ اس کے ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ چراغ کی روشنی میں دیکھکر یہ فیصلہ کرنا کہ کرسف پر خالص سپیدی ہے یا کچھ گدلا پن ہے دشوار ہے۔ اس کا خطرہ تھا کہ کہیں وہ سمجھ لیں کہ ہم پاک ہو گئیں اور نماز پڑھ لیں۔ اور حقیقت میں پاک نہ ہوئی ہوں تو یہ نماز حیض کی حالت میں ہوگی جو یقیناً قابل اعتراض بات ہے۔

باب سے مطابقت اس طرح ہے کہ یہ عورتیں یہی نہ دیکھتیں تھیں کہ اگر کرسف بالکل سپید ہے تو حیض ختم اور اگر اسمیں کچھ گدلا پن ہے تو حیض باقی تو معلوم ہوا کہ عہد صحابہ میں یہ بات عام عورتوں کو معلوم تھی کہ نکلنے والی رطوبت جبتک خالص سفید نہ ہو حیض ختم نہ ہوا۔

تشریحات ۶۸ بلفظہ اس اثر کی کوئی سند نہیں ملی۔ مگر اس کا امکان ہے کہ امام بخاری کے علم میں کوئی سند رہی ہو۔ عدم وجدان۔ وجدان عدم نہیں البتہ معنًا یہ دونوں اثر و حدیث مسند کے حصے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے خود امام بخاری نے "کتاب التمنی" میں حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجۃ الوداع کا واقعہ ذکر فرمایا۔ اسمیں یہ ہے کہ جب انھیں حیض آگیا تو حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان سے فرمایا۔ غیر انھا لا تطوف ولا تصلی[1] حج کے تمام مناسک ادا کرے البتہ نہ طواف کرے نہ نماز پڑھے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر اسی بخاری باب ترک الحائض الصوم میں ان الفاظ کے ساتھ گزر چکا کہ فرمایا۔ الیس اذا حاضت لم تصل ولم تصم[2] کہ جب اسے حیض آتا ہے تو نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے۔

---

[1] بخاری جلد ثانی تمنی باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو استقبلت من امری ما استدبرت ص ۱۰۷۳

[2] ایضا ،، اول باب ترک الحائض الصوم ص ۴۴

حدیث ۲۲۵

كُنَّا نَحِيضُ فَلَا يَأْمُرُنَا بِالْقَضَاءِ الصَّلٰوةِ حَدَّثَتْنِي مُعَاذَةُ أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا أَتَجْزِي

حضرت معاذہ نے حدیث بیان کی کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ سے پوچھا کیا ہم

باب سے مطابقت

اس جگہ باب یہ ہے۔ لاتقضی الحائض الصلوٰۃ۔ حائضہ نماز کی قضا نہیں کریگی۔ ان دونوں اثر سے یہ تو ثابت ہوا کہ اس حالت میں نماز پڑھے گی نہیں۔ مگر قضا بھی نہیں کرے گی۔ یہ ثابت نہیں ہو رہا ہے اس لئے کہ ان دونوں اثر کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ نماز نہ پڑھے، نماز نہیں پڑھتی۔ نماز نہ پڑھے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بعد میں قضا بھی نہ کرے۔ اور اگر کسی طرح لازم بھی آتا ہے تو حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ روزہ نہیں رکھتی تو لازم آئیگا کہ روزہ کی بھی قضا نہیں۔ اب اس سے نفی کی دو صورت ہے ایک یہ کہ حائضہ نماز قضا نہیں پڑھیگی۔ کا دو جز ہے۔ ایک یہ کہ اس حالت میں نماز نہ پڑھے دوسرا یہ کہ بعد میں اس کی قضا بھی نہیں۔ ان دونوں اثر سے صرف پہلا جزء ثابت ہوا، دوسرا جزء اس باب میں مذکور حدیث سے ثابت ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ شارحین کا قیاس ہے کہ امام بخاری کے ان دونوں اثر سے مراد مذکورہ بالا احادیث ہیں۔ ورنہ امام بخاری نے جو یہاں لفظ ذکر فرمائے ہیں وہ یہ ہے۔ تدع الصلوٰۃ۔ حائضہ نماز چھوڑ دے گی۔ چھوڑنا اسی صورت میں صادق آئے گا کہ نہ اس وقت پڑھیگی نہ بعد میں قضا پڑھے گی۔

تشریحات (۲۲۵)

معاذہ بنت عبداللہ عدویہ بڑی عابدہ زاہدہ شب زندہ دار، عالمہ، فاضلہ، حجت ثقہ تابعیہ خاتون تھیں۔ حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتی ہیں ان سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے ۸۳ھ میں وصال ہوا۔

حروریہ

حروراء کوفہ کے قریب ایک بستی تھی۔ خوارج کا پہلا اجتماع یہیں ہوا تھا۔ اس لئے اس بستی کیطرف نسبت کرکے خارجیوں کو حروری کہا جاتا ہے۔ خوارج یہ ایک باطل فرقہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں پیدا ہوا ان کے حدوث کا سبب یہ ہوا کہ جب واقعہ صفین کے موقع پر حضرت علی نے اپنی مرضی کے خلاف اپنے ہی شیعوں کے دباؤ سے خلافت کے معاملے میں حکم بنانا قبول فرمالیا۔ تو یہ کہکر حضرت علی سے باغی ہوگئے کہ قرآن مجید میں ہے إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ اور تم نے غیر اللہ کو حکم مان لیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفین سے کوفہ واپس ہوئے تو بارہ ہزار خوارج ان سے الگ ہوکر حروراء میں جمع ہوئے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی افہام تفہیم کے لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھیجا انھوں نے ان کے شبہات کے تسلی بخش جوابات دئے جس پر بروایتے دو ہزار بروایتے چار ہزار کے سمجھ میں بات آگئی اور وہ حضرت علی کی اطاعت میں آگئے دومۃ الجندل کے واقعے کے بعد یہ بدبخت نہروان میں اکٹھے ہوئے، اور طرح طرح کے مظالم کرنے لگے۔ حتی کہ حضرت عبداللہ بن خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی اہلیہ کو انتہائی بے دردی کے ساتھ ذبح کر ڈالا

اِحْدَانَا صَلَاتَهَا اِذَا طَهُرَتْ۔ فَقَالَتْ اَحَرُوْرِيَّةٌ اَنْتِ قَدْ كُنَّا	
جب حیض سے پاک ہوں تو نماز کی قضا کریں۔ فرمایا کیا تو حروریہ ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	
نَحِيْضُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَاْمُرُنَا بِهٖ اَوْقَالَتْ	
کے زمانے میں ہمیں حیض آتا تو حضور ہمیں اس (قضا پڑھنے) کا حکم نہیں دیتے یا یہ فرمایا	

انکی اہلیہ حاملہ تھیں مگر اُن پر بھی ان ستمگروں کو ترس نہیں آیا، انھیں ذبح کرنے کے بعد ان کے شکم کو چاک کر دیا۔ تو حضرت علی ان سے فیصلہ کن جنگ کرنے کے لئے نہروان تشریف لے گئے، پہلے افہام و تفہیم کی کوشش فرمائی۔ اجلہ صحابہ کرام مثلاً قیس بن سعد بن عبادہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہما نے اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں پوری طرح سمجھانے کی کوشش کی انکی غلط فہمیاں دور کیں جس پر سب تقریباً بارہ ہزار راہ راست پر آگئے، تھوڑے سے اپنی ضد پر اڑے رہے۔ ان سے قتال فرمایا سب تک کر سب مارے گئے۔ قتال سے فارغ ہوکر فرمایا ذوالثدیہ کو تلاش کرو، اگر وہ مل گیا تو تم نے بدترین خلق کو قتل کیا ہے۔ لوگوں نے بہت تلاش کیا مگر وہ نہیں ملا تو خود چند اصحاب کو لے کر تلاش میں نکلے تو ملا۔ اس کا ایک ہاتھ عورت کے پستان کے مثل تھا۔ اسے دیکھتے ہی حضرت علی نے فرمایا صدق اللہ و بلّغ رسول اللہ اور بہت دیر تک سجدہ شکر ادا کرتے رہے اسی موقع پر حرقوص بن زہیر تمیمی جو ذوالخویصرہ کے ساتھ مشہور تھا مارا گیا تھا۔ جس نے مقام جعرانہ میں تقسیم غنائم کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کی تھی اور بہت بے باکی کے ساتھ کہا تھا۔ اعدل یا محمد اے محمد انصاف کر۔

مگر بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج علماء دیوبند اس ذوالخویصرہ کو صحابی کہتے ہیں۔

خوارج حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر تبرا کرتے ہیں۔ دین کے معاملہ میں بہت متشدد تھے۔ حتیٰ کہ یہ کہتے تھے کہ حالت حیض میں جو نمازیں چھوٹ گئی ہیں عورتوں پر اس کی قضا واجب ہے [1]

حروراء کی نسبت میں قاعدے کے اعتبار سے حروراوی ہونا چاہئے لیکن زوائد کو حذف کرکے حروری مستعمل ہے۔

سائلہ کون تھیں بخاری کی اس روایت میں سائلہ کا نام نہیں، مگر حقیقت میں سوال کرنے والی "معاذہ" ہی تھیں جیسا کہ مسلم میں دوسرے طرق کی روایات میں اس کی تصریح ہے۔ مسلم ہی میں یہ بھی ہے کہ جواب میں معاذہ نے عرض کیا میں حروریہ نہیں ہوں لیکن میں پوچھتی ہوں۔

شک راوی فلا یامرنا بہ اوقالت فلا نفعلہ۔ کرمانی نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ شک معاذہ کی طرف سے ہے علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ فلا یامرنا بہ، اس بات میں قطعی نہیں کہ ان نمازوں کی قضا نہیں اس لئے کہ یہاں یہ بھی احتمال ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قضا کا حکم نہیں دیتے تھے۔ اس بنا پر کہ چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا پڑھنے کا حکم عام ہے۔ جو ان نمازوں کو بھی شامل ہے۔ اسی پر اکتفا کرتے ہوئے حکم نہیں فرماتے تھے۔ اقول یہ احتمال سیاق کے منافی ہونے کی وجہ سے ساقط ہے۔ اس لئے دونوں جملوں سے یکساں طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حالت حیض میں چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا نہیں

---

[1] عینی جلد ثالث ص ۳۰۱

فلا نفعلہ عہ

ہم یلقضا نہیں کرتی تھیں۔

حدیث (۲۲۶) حضت وانا مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الخمیلۃ

عَنْ زَیْنَبَ بِنْتِ اَبِیْ سَلَمَۃَ حَدَّثَتْہُ اَنَّ اُمَّ سَلَمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا

قَالَتْ حِضْتُ وَاَنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْخَمِیْلَۃِ

مجھے حیض آگیا اور میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چادر میں (سوئی ہوئی تھی)

فَانْسَلَلْتُ فَخَرَجْتُ مِنْھَا فَاَخَذْتُ ثِیَابَ حَیْضَتِیْ فَلَبِسْتُھَا فَقَالَ

میں چپکے سے سرکی اور چادر سے نکلی اور میں نے حیض کا کپڑا لے کر پہن لیا تو رسول اللہ صلی اللہ

غالباً علامہ نے بھی "اوضح" سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا۔

مسائل (۱) کسی فرقے کو اس جگہ کی طرف منسوب کرنا درست ہے جہاں سے وہ پیدا ہوا ہو (۲) اس پر امت کا اجماع ہے کہ حائضہ پر حیض کے ایام کی نمازوں کی قضا نہیں۔ سوائے خوارج کے اس کا کسی نے خلاف نہیں کیا ہے۔ البتہ ان ایام کے روزوں کی قضا ہے۔ اصل دلیل احادیث ہیں مگر اس میں لم یہ ہے کہ نماز روزانہ پانچ وقت کی فرض ہے۔ ان ایام کی نمازوں کی قضا کے حکم میں عورت پر حرج عظیم ہے، بخلاف روزے کے کہ وہ سال میں ایک مہینے کا فرض ہے پورے سال میں زیادہ سے زیادہ دس روزے رکھنے پڑیں گے اس میں کوئی دقت نہیں (۳) التزاماً ثابت ہوا کہ گمراہ فرقوں کا اختلاف اجماع میں حارج نہیں (۴) حائضہ کے لئے مستحب ہے کہ ہر نماز کے وقت وضو کر کے اتنی دیر جتنی دیر وہ نماز پڑھتی تھی مصلے پر بیٹھ کر تسبیح وتہلیل کر لیا کرے تاکہ عادت نہ چھوٹے[۵] امید ہے کہ اسے سب سے اچھی نماز کا ثواب ملے گا[۲]

تشریح (۲۲۶) یہ ایک حدیث تین باتوں پر مشتمل ہے پہلے اور تیسرے حصہ پر کلام ہو چکا ہے صرف بیچ کے حصہ پر کلام باقی ہے وہ کتاب الصوم میں مفصل آئیگا۔

عہ مسلم جلد اول	حیض	باب وجوب قضاء الصوم علی الحائض دون الصلوٰۃ	ص ۱۵۳
ابوداؤد	" طہارت	باب فی الحائض لا تقضی الصلوٰۃ	ص ۳۵
ترمذی	"	باب ماجاء فی الحائض انہا لا تقضی الصلوٰۃ	ص ۱۹
نسائی	" حیض	باب سقوط الصلوٰۃ عن الحائض	ص ۶۸
ابن ماجہ	طہارت	باب الحائض لا تقضی الصلوٰۃ	ص ۴۶

۵ عینی جلد ثالث ص ۳۰۱ بحوالہ منیۃ المفتی ۲ ایضاً بحوالہ درایہ

لی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انفست قلت نعم

علیہ وسلم نے فرمایا کیا تجھے حیض آگیا ہے میں نے عرض کیا جی ہاں

فدعانی وادخلنی معہ فی الخمیلۃ قالت وحدثتنی ان النبی

پھر مجھے بلایا اور اپنے ساتھ چادر میں کرلیا۔ زینب نے کہا اور انھوں (ام سلمہ) نے یہ

صلی اللہ علیہ وسلم کان یقبلھا وھو صائم وکنت اغتسل

حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزے سے ہوتے اور ان کا بوسہ لیتے اور میں اور

انا والنبی صلی اللہ علیہ وسلم من اناء واحد من الجنابۃ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل جنابت کرتے۔

حدیث (۲۲۷) ولیشھدن الخیر ودعوۃ المسلمین

عن حفصۃ قالت کنا نمنع عواتقنا ان یخرجن فی العیدین

حفصہ (بنت سیرین) نے کہا ہم نوجوان غیر شادی شدہ عورتوں کو عیدگاہ جانے سے منع کرتی تھیں

فقدمت امراۃ۔ فنزلت قصر بنی خلف فحدثت عن اختھا

اتفاقاً ایک عورت آئی اور قصر بنی خلف میں اتری اس نے اپنی بہن سے روایت کرتے ہوئے

وکان زوج اختھا غزا مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثنتی

یہ حدیث بیان کی کہ میرے بہنوئی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ

عشرۃ غزوۃ وکانت اختی معہ فی ست، قالت فکنا نداوی

غزوہ کئے اور میری بہن ان کے ساتھ چھ میں شریک رہی میری بہن نے کہا ہم زخمیوں کا علاج

الکلمی ونقوم علی المرضی، فسألت اختی النبی صلی اللہ تعالیٰ

کرتی تھیں اور بیماروں کی تیمارداری کرتی تھیں میری بہن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا

تشریحات (۲۲۷)

لغات

عواتق، عاتق کی جمع ہے۔ عاتق اس نوعمر لڑکی کو کہتے ہیں جو بالغ ہو چکی ہو مگر ابھی اس کی شادی نہ ہوئی ہو۔ کلمی، یہ کلیم کی جمع ہے جیسے مریض کی مرضی، زخمی کے معنی میں ہے۔ جلباب وہ چادر جو کپڑوں کے اوپر سے عورتیں اوڑھتی ہیں جس سے سر اور سینہ ڈھکا رہے۔ نقاب، کرتا، یہاں پہلا معنی مراد ہے۔ الخدور، یہ خدر کی جمع ہے، خدر اس پردے کو کہتے ہیں جو گھر اور خیمے میں ایک کنارے تان دیا جاتا تھا تاکہ کنواری لڑکیاں اسمیں رہیں۔ یہاں مراد کنواری پردہ نشین عورتیں ہیں۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعَلَى إِحْدَانَا بَأْسٌ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ أَنْ لَا تَخْرُجَ قَالَ

ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو (اور عیدین) میں نہ نکلے تو کوئی حرج ہے فرمایا

لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا وَلْتَشْهَدِ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِينَ، فَلَمَّا

اس کی ساتھی اپنی چادر میں سے اسے اڑھادے۔ اور خیر اور مومنوں کی دعا میں حاضر ہوں۔ جب

قَدِمَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ سَأَلْتُهَا أَسَمِعْتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ

ام عطیہ آئیں تو میں نے ان سے پوچھا کیا آپ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے انھوں نے

بِأَبِي نَعَمْ وَكَانَتْ لَا تَذْكُرُهُ إِلَّا قَالَتْ بِأَبِي سَمِعْتُهُ يَقُولُ تَخْرُجُ الْعَوَاتِقُ

فرمایا انپر میرے ماں باپ قربان ہاں! یہ جب بھی حضور کا ذکر کرتیں تو کہتیں انپر میرے ماں باپ قربان میں نے سنا ہے وہ

وَذَوَاتُ الْخُدُورِ وَالْحُيَّضُ وَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِينَ وَتَعْتَزِلُ

فرماتے تھے نوجوان غیر شادی شدہ اور پردہ نشین اور حیض والی بھی نکلیں۔ خیر اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں ——

یہ حفصہ، حضرت ابن سیرین کی بہن ہیں، ان کی کنیت ام الھذیل ہے۔ قصر بنی خلف۔ یہ بصرہ میں ہے جو طلحۃ الطلحات طلحہ بن عبد اللہ بن خلف خزاعی کے دادا، خلف کی طرف منسوب ہے یہ بیوی جنھوں نے قصر بنی خلف میں اپنی بہن کی روایت سے یہ حدیث بیان کی حضرت ام عطیہ کی بہن تھیں۔

مسائل اس حدیث سے یہ مسائل مستخرج ہوئے (۱) حائضہ، نفساء اور انھیں کی طرح جنب ذکر و اذکار اور اوراد وظائف نہیں چھوڑے گا (۲) عیدین کی نماز کے بعد پنجگانہ نمازوں کی طرح دعا مانگنا مسنون ہے۔ فرمایا ولیشھدن الخیر ودعوۃ المسلمین۔ خیر اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں۔ عطف میں اصل تغایر ہے۔ خیر سے یہاں مراد نماز عیدین ہے، اور دعوۃ المسلمین سے دعا، اب اگر یہ مان لیا جائے کہ عیدین میں دعا نہیں تھی تو دعوۃ المسلمین کا کیا مفاد ہوگا۔ علامہ عینی لکھتے ہیں:

ولیکن ممن یدعوا و یومن رجاء برکۃ المشھد الکریم ۱؎ یہ عورتیں بھی دعا کریں یا دعا پر آمین کہیں۔ اس مبارک مجمع کی برکت کے حصول کی امید پر۔

(۳) عورتیں مردوں کا علاج کر سکتی ہیں اگرچہ وہ غیر محرم ہوں گرچہ انھیں ہاتھ لگانا پڑے حتی کہ مرہم پٹی بھی کر سکتی ہیں۔ مگر یہ شرط ضرور ہے کہ کوئی مرد یا محرم عورت معالج نہ مل سکے تو (۴) حائضہ وغیرہ کسی مسجد میں نہیں جا سکتیں (۵) انھیں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں (۶) منی، عرفات، مزدلفہ جا سکتی ہیں۔

۱؎ عینی جلد ثالث ص ۳۰۵

الحُيَّضُ المُصَلّٰی، قَالَتْ حَفْصَةُ فَقُلْتُ الْحُيَّضُ فَقَالَتْ اَلَيْسَتْ تَشْهَدُ

حیض والیاں مصلے سے الگ رہیں، حفصہ نے کہا، اس پر میں نے کہا کیا حیض والیاں بھی۔ فرمایا

عَرَفَةَ وَكَذَا وَكَذَا ☆

کیا وہ عرفہ اور فلاں فلاں جگہ نہیں حاضر ہوتیں۔

ت (٦٩) (٧٠) (٧١) (٧٢) (٧٣)

وَيُذْكَرُ عَنْ عَلِيٍّ وَّشُرَيْحٍ، اِنْ جَاءَتْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ بِطَانَةِ اَهْلِهَا مِمَّنْ

حضرت علی اور قاضی شریح سے منقول ہے کہ اگر عورت اپنے گھر کے مخصوص افراد میں سے کسی کو گواہ لائے

يُرْضٰى دِيْنُهُ اَنَّهَا حَاضَتْ ثَلٰثًا فِيْ شَهْرٍ صُدِّقَتْ ؎ وَقَالَ عَطَاءٌ اَقْرَاءُهَا

جس کے دین کو پسند کیا جاتا ہو (یعنی دیندار) کہ اسے ایک مہینے میں تین حیض آگیا تو اسکی بات مان لیجائیگی اور ایام

مَاكَانَتْ ؎ وَبِهِ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ ؎ وَقَالَ عَطَاءٌ، اَلْحَيْضُ يَوْمٌ اِلٰى خَمْسَةَ

عطا نے کہا (عدت کے ایام ہیں) اسکے حیض کے وہی دن ہیں جو (عدت) سے پہلے تھے۔ یہی ابراہیم نے بھی کہا۔

تشریحات (٦٩) (٧٠) (٧١) (٧٢) (٧٣)

قاضی شریح یمن ہیں جو فارسی النسل آباد ہو گئے تھے انھیں کی نسل سے تھے عہد نبوت انکو ملا مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شرف ملاقات حاصل نہیں، ایمان کب لائے معلوم نہیں۔ ائمہ تابعین کے صف اول میں ہیں۔

☆ بخاری جلد اول عیدین باب خروج النساء والحیض المصلی ص ۱۳۳
ایضا ایضا ایضا باب اذا لم یکن لها جلباب فی العید ص ۱۳۴
ایضا ۔ باب اعتزال الحیض المصلی ص ۱۳۴
" ۔ المناسک باب تقضی الحائض المناسک کلها الا الطواف ص ۲۲۴
مسلم ۔ عیدین فصل فی اخراج العواتق وذوات الخدور والحیض المصلی ص ۲۹۰-۱
ابوداؤد ۔ صلوٰۃ باب خروج النساء فی العید ص ۱۶۱
ترمذی ۔ عیدین باب فی خروج النساء فی العیدین ص ۷۰
نسائی ۔ " باب خروج العواتق وذوات الخدور فی العیدین ص ۲۳۱
" ۔ " باب اعتزال الحیض مصلی الناس ص ۲۳۲
ابن ماجہ عیدین باب ماجاء فی خروج النساء فی العیدین ص ۹۳

؎ دارمی ابن حزم ؎ عبدالرزاق ؎ عبدالرزاق

عَشَرَ ؏ وَقَالَ مُعْتَمِرُ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ سِيْرِيْنَ عَنِ الْمَرْأَةِ

اور عطاء نے کہا حیض ایکدن سے پندرہ دن تک ہے۔ معتمر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انکے باپ نے ابن سیرین سے اس عورت کے بارے میں

تَرَى الدَّمَ بَعْدَ قُرْءِهَا بِخَمْسَةِ اَيَّامٍ قَالَ النِّسَاءُ اَعْلَمُ بِذَالِكَ ؏

پوچھا جو حیض آنے کے پانچدن بعد پھر خون دیکھے تو انھوں نے فرمایا عورتیں اسے اچھی طرح جانتی ہیں۔

عابد، زاہد، عالم، فاضل، شاعر سبھی خوبیاں ان میں جمع تھیں۔ عرب ہی نہیں دنیا کے عظیم قاضیوں میں سے ہیں۔
حضرت فاروق اعظم نے انھیں کوفے کا قاضی بنایا تھا۔ اس زمانے سے لے کر حجاج کے عہد تک مسلسل کوفے کے قاضی رہے درمیان میں صرف تین سال حضرت عبداللہ بن زبیر کے عہد خلافت میں اس عہدے سے الگ رہے۔
بدایہ نہایہ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں معزول کر دیا تھا پھر حضرت معاویہ نے انھیں اپنے عہد حکومت میں کوفے ہی کا قاضی بنایا۔ حجاج کے زمانے میں استعفا دے کر علیحدہ ہو گئے درمیانی تین سال چھوڑ کر پچہتر سال اس عہدے پر رہے ۹۰ھ میں یا اس سے کچھ پہلے ایک سو بیس سال کی عمر پاکر وصال فرمایا۔ ان کا وصال کب ہوا اس میں کثیر اختلاف ہے علامہ عینی نے وہی لکھا ہے جو ابھی ہم نے ذکر کیا۔
تفویض قضا کا قصہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے ایک شخص سے ایک گھوڑا خریدا اس سے پوچھکر اس کو جانچنے کے لئے اس پر سوار ہوئے۔ کچھ دور جاکر گھوڑا مر گیا، حضرت فاروق اعظم نے گھوڑے کے مالک سے کہا اپنا گھوڑا لے اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا، چلو ہم دونوں کسی کو حکم مان لیں۔ اس نے انھیں قاضی شریح کا نام لیا حضرت فاروق اعظم نے تسلیم کر لیا۔ قاضی شریح نے طرفین کا بیان سُنکر حضرت فاروق اعظم سے فرمایا، امیرالمومنین یا تو جیسا اس کا گھوڑا تھا یعنی زندہ ویسے ہی واپس کیجئے یا پھر اس کی قیمت دیجئے۔ فاروق اعظم نے یہ فیصلہ سُنکر فرمایا۔ فیصلہ یہ ہے کوفے جاؤ میں نے تم کو وہاں کا قاضی بنایا۔ قدرت نے ایسا ملکہ دیا تھا کہ چہرہ دیکھکر پہچان لیتے کہ حق کس کے ساتھ ہے۔
ایک بار ایک عورت روتی ہوئی آئی، اس حال میں اپنا دعویٰ پیش کیا کہ آنسوؤں کے تار بندھے ہوئے تھے۔ دیکھنے والے نے کہا یہ مظلوم معلوم ہوتی ہے۔ قاضی صاحب نے فرمایا یہ ضروری نہیں۔ حضرت یوسف کے بھائیوں کے بارے میں قرآن مجید میں ہے وَجَاءُوْا اَبَاهُمْ عِشَاءً يَّبْكُوْنَ اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت روتے ہوئے آئے۔ آخر کار فیصلہ اس عورت کے خلاف ہوا۔
بہت دلچسپ باتیں کرتے تھے۔ زیاد بن ابیہ نے حضرت معاویہ کو لکھا کہ میں نے آپ کے لئے عراق بائیں ہاتھ سے قابو میں کر لیا ہے۔ داہنا ہاتھ آپ کی اطاعت کے لئے خالی ہے۔ مجھے حجاز کا بھی والی بنا دیں۔ یہ خبر جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ملی، یہ اس وقت مکہ میں تھے، تو یہ دعا کی اے اللہ زیاد کے داہنے ہاتھ کو ہم سے دور رکھ۔ یہ دعا تیر قضا بن گئی۔ زیاد کے داہنے ہاتھ میں طاعون کی گلٹی نکل آئی معالجین نے کہا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ زیاد نے قاضی شریح سے مشورہ کیا فرمایا

؏ دارمی۔ دار قطنی ؏ دارمی

رزق مقسوم ہے موت کا وقت مقرر ہے۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ تم دنیا میں رہو اور تمھارا ہاتھ کٹا ہوا ہو۔ یا اللہ عزوجل کی بارگاہ میں جاؤ اور پوچھے کہ یہ ہاتھ کیوں کٹوایا تو تم یہ کہو تیری ملاقات سے بچنے کے لئے۔ زیاد نے ان کا مشورہ قبول کرلیا اسی دن مرگیا عوام کو زیاد سے جو عداوت تھی وہ یہی چاہتے تھے کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ لوگوں نے قاضی صاحب کو ملامت کی تو فرمایا۔ زیاد نے مجھسے مشورہ کیا تھا، اور جس سے مشورہ کیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے ورنہ میں بھی یہی پسند کرتا تھا کہ وہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں۔

اس عہد کے آپسی جھگڑوں میں ہمیشہ الگ تھلگ رہے حتی کہ روائی جھگڑے کے واقعات بھی نہیں سنتے تھے۔ کسی سے پوچھتے تھے اس پر ایک صاحب نے کہا اگر میں نہ پوچھوں تو مر جاؤں لے

اثر اول:۔ پورا یہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک عورت اور مرد آئے۔ مرد نے اس عورت کو طلاق دیدی تھی۔ عورت کا یہ کہنا تھا کہ میری عدت ختم ہوگئی، حالانکہ ابھی طلاق دئے ایک ہی مہینے ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاضی شریح سے کہا تم فیصلہ کردو، انھوں نے عرض کیا حضور موجود ہیں اور میں فیصلہ کروں۔ فرمایا فیصلہ کرو۔ قاضی شریح نے یہ فیصلہ کیا۔ اگر اپنے گھر کی عادل دیندار عورتوں میں سے کسی کو لائے جو یہ گواہی دے کہ اس مدت میں اسے تین حیض آچکے ہیں ہر حیض پر پاک ہو کر اس نے نماز پڑھی ہے تو عدت پوری ہوگئی ورنہ نہیں، حضرت علی نے فرمایا۔ قالون یعنی تم نے اچھا فیصلہ کیا یہ رومی لفظ ہے۔ دوسرا اور تیسرا اثر یعنی حضرت عطار اور حضرت ابراہیم نخعی کا قول بھی عدت ہی کے بارے میں ہے ـــ مراد یہی ہے کہ عدت کے پہلے اس کی جتنے دنوں حیض آنے کی عادت تھی عدت میں بھی اسی کا اعتبار ہوگا۔

حضرت عطار کے دوسرے قول یعنی چوتھے اثر کا مفاد یہ ہے کہ حیض کی مدت کم از کم ایک دن اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہے۔

پانچویں اثر یعنی حضرت ابن سیرین کے قول کا مطلب یہی ہے کہ عورت کو جیسی عادت ہو اس کے مطابق اس کے حیض کے ایام ہوں گے۔

باب کی توضیح

یہاں امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے۔

اذا حاضت فی شھر ثلث حیض — جب عورت کو ایک مہینے میں تین حیض آئے۔ حیض وحمل کے

وما یصدق النساء فی الحیض والحمل فیما یمکن — معاملے میں عورتوں کی بات مانی جائیگی اگر وہ جو کہیں ممکن ہو تو۔

باب کا دوسرا حصہ اجماعی ہے۔ البتہ پہلا حصہ اختلافی ہے۔ امام بخاری نے باب کی تائید میں جو آیت ذکر کی ہے۔ اس سے صرف دوسرا حصہ ثابت ہوتا ہے۔ پہلا حصہ یعنی یہ کہ ایک مہینے میں تین آسکتے ہیں ثابت نہیں ہوتا۔ لامحالہ امام بخاری کو اقوال رجال کا سہارا لینا پڑا اور افسوس یہ ہے کہ احادیث مرفوعہ کے مقابلے میں ـــ وہ بھی بعض ایسے اقوال رجال سے جو امام بخاری کے طریقے پر ضعیف ہیں۔ مثلاً حضرت علی اور قاضی شریح کے اثر کے راوی شعبی ہیں، شعبی کا حضرت علی سے سماع ثابت نہیں اگرچہ زمانہ ملا ہے۔

حیض و طہر کی اقل مدت

اس کی تفصیل یہ ہے ـــ حیض وطہر کی اقل مدت اور اکثر مدت کے سلسلے میں چاروں ائمہ کے چار مذہب ہیں ـــ حضرت امام مالک کا مذہب یہ ہے ـــ عدت کے معاملے میں حیض کی اقل مدت

لے عینی ہدایہ نہایہ ـــ ابن خلکان

تین دن ہے اور نماز روزے اور وطی کے معاملے میں ایک قطرہ تک ہے۔ یعنی ایک قطرہ خون آکر رک جائے تو حیض ختم۔ اقل طہر کی کوئی مدت نہیں۔ حنبلی حضرات کا مذہب مختار یہ ہے کہ اقل حیض کی کوئی مدت نہیں۔ البتہ اقل طہر کی مدت تیرہ دن ہے۔ امام شافعی کے یہاں اقل حیض کی مدت ایک دن اور اقل طہر کی مدت پندرہ دن۔ ہمارے یہاں اقل مدت حیض تین دن اور تین راتیں ہیں اور اقل مدت طہر پندرہ روز ہے۔ قاضی شریح کا فیصلہ امام مالک اور امام احمد کے مذہب کے مطابق ہو سکتا ہے۔ امام مالک کے مذہب پر بالکل ظاہر ہے۔ جب ان کے یہاں عدت کے معاملے میں اقل حیض کی مدت تین دن ہے۔ اور اقل طہر کی کوئی مدت نہیں۔ تو نو دن چند ساعت میں عدت پوری ہو سکتی ہے۔ اسی طرح امام احمد کے یہاں جب اقل حیض کی کوئی مدت نہیں۔ اور اقل طہر کی تیرہ دن ہے۔ تو ۲۶ دن اور چند ساعت میں عدت پوری ہو سکتی ہے۔ مثلاً شوہر نے طلاق دیا۔ فوراً خون کا ایک قطرہ آیا پھر تیرہ دن بند رہا۔ پھر ایک قطرہ آیا۔ پھر تیرہ دن بند رہا پھر ایک قطرہ آیا۔ اور بند ہو گیا۔ عدت پوری ہو گئی۔

البتہ ہمارے اور شوافع کے یہاں ایک مہینے میں عدت پوری نہیں ہو سکتی۔ امام شافعی کے یہاں تو اس لئے کہ ان کے یہاں عدت تین طہر ہے اور جس طہر میں طلاق دیا وہ بھی عدت میں شمار ہوگا۔ فرض کیجئے کسی نے طہر میں طلاق دی۔ طلاق دینے کے بعد فوراً حیض جاری ہو گیا۔ اب اس کے بعد ایک دن حیض کا پندرہ دن طہر کا پھر ایک دن حیض پندرہ دن طہر کے، اب تین طہر ہو گئے۔ یہ کل بتیس ۳۲ دن ہو گئے، اس سے کم میں امام شافعی کے مذہب کی رو سے عدت پوری ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ اس سے ظاہر کہ ان کے مذہب میں بتیس دن سے کم میں عدت پوری نہیں ہو سکتی۔ ہمارے یہاں عدت کے لئے کم از کم انتالیس دن ضروری ہیں۔ تین حیض کے لئے نو دن دو طہر کے لئے تیس دن۔

اب لامحالہ احناف اور شوافع کو، قاضی شریح کے اس فیصلے کی تاویل کرنی پڑے گی۔ مگر میرے خیال میں تاویل کی ضرورت نہیں۔ اولاً اس کے الفاظ میں خود اضطراب ہے جو روایت دارمی میں، یعلی بن عبید کے طریقے سے ہے۔ اس میں "حاضت فی شہر" ہے اور ابن حزم نے جو بطریق ھشیم روایت کی ہے۔ اس میں "فی شہر او خمس وثلثین لیلۃ" ہے۔

ثانیاً جب احادیث مرفوعہ سے ثابت کہ اقل مدت حیض تین دن اور اکثر مدۃ حیض دس دن ہے۔ اور اقل طہر کی مدت پندرہ دن تو بہر حال احادیث مرفوعہ کو، قاضی شریح کے فیصلے کے مقابلے میں ترجیح ہو گی۔ ان احادیث پر اگرچہ باعتبار سند کلام کیا گیا ہے مگر تعدد طرق سے قوت پا کر درجہ حسن تک پہنچ چکی ہیں۔ جیسا کہ علامہ عینی نے شرح ہدایہ اور شرح بخاری میں ثابت فرمایا ہے۔ حدیث حسن احکام میں بھی حجت ہیں۔

رہ گئے بقیہ آثار، ان سب کے جواب میں یہی گذارش ہے کہ ارشادات رسول کے مقابلے میں کسی کو ترجیح نہیں نیز ان کے بالمقابل انھیں حضرات کے درجے کے دوسرے حضرات کے اقوال ہمارے موافق ہیں، جن کی فہرست عینی شرح ہدایہ میں موجود ہے علاوہ ازیں استحاضے کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں اور خود امام بخاری نے یہاں جو حدیث ذکر فرمائی ہے اس میں "قدر الایام اللتی" ہے۔ حضرت امام رازی اگرچہ شافعی ہیں۔ مگر انھوں نے اس سے استدلال فرمایا کہ اقل حیض کی مدت تین ہی دن ہو گی اس سے کم نہیں اور اکثر مدت دس دن اس سے زیادہ نہیں۔ وہ اس طرح کہ "ایام" جمع ہے۔ اقل جمع تین ہے۔ اور اعداد کی تمیز میں عشرۃ (دس) تک جمع لاتے ہیں۔ بولتے ہیں تسعۃ ایام عشرۃ ایام۔ اسکے بعد

واحد لاتے ہیں کہتے ہیں۔ احد عشر یوما۔ لفظ ایام سے جہانتک اقل مدت پر استدلال ہے وہ سو فیصدی صحیح ہے۔ البتہ اکثر مدت پر استدلال میں خلجان ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید میں ہے:

کلوا واشربوا هنيا بما اسلفتم في الايام الخاليه (الحاقہ ۲۴) گذشتہ دنوں جو کچھ آگے بھیج چکے ہو اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ پیو

اس آیت میں ایام سے تقریبًا پوری زندگی مراد ہے۔ ایضاح البخاری کے حاشیے میں خود مصنف کی جو تاویل نقل کی ہے کہ اس سے مراد وہ ایام ہیں جو آیہ کریمہ إِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ میں مذکور ہے۔ یعنی ہمارے دنوں سے ایک ہزار دن کا ایک دن ــــ اس کی تشریح مرتب صاحب نے یہ کی ہے کہ حضرت آدم سے اب تک تقریبًا آٹھ ہزار سال گذر چکے ہیں۔ اگر ایام خالیہ سے دس دن مراد لئے جائیں تو وہ الف سنة کے حساب سے دس ہزار سال ہوتے ہیں اسطرح دنیا کی زندگی تین ہزار سال اور ہوسکتی ہے اور معلوم ہے کہ دنیا اب قیامت کے دہانے پر ہے۔ ج ۲ ۱، ص ۱۴۵

یہ تاویل بچند وجوہ باطل محض ہے۔ بلکہ قرآن کی تحریف معنوی ہے۔ اولاً یہاں جمع کا مقابلہ جمع سے ہے اسلئے آحاد کی آحاد پر تقسیم ہوگی مطلب یہ ہوا کہ یہ ہر جنتی سے کہا جائیگا۔ تو کیا ہر جنتی دس ہزار سال تو بڑی بات ہے ایک ہزار سال بھی دنیا میں رہا ہے؟ ثانیًا آپنے کیسے جان لیا کہ دنیا قیامت کے دہانے پر آگئی ہے کہ تین ہزار سال کے بعد قیامت آجائے گی جبکہ آپ لوگوں کے عقیدے کی رو سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قیامت کا علم نہ تھا۔ ثالثًا آٹھ میں تین ملانے سے گیارہ ہوتے ہیں، دس نہیں ہوتے رابعًا گیارہ ہوگئے تو امام رازی کا استدلال رخصت۔ خامسًا آیت کا صریح منطوق یہ ہے کہ اس آیت میں "ایام خالیہ" سے مراد اس دنیا کے ایام ہیں۔ عند ربک والے ایام نہیں۔ سادسًا فرمایا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ (بقرہ)

اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا جیسا کہ تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم اللہ سے ڈرو گنتی کے چند دن

اسمیں کیا کہینگے۔ سابعًا آپ مستدل ہیں اور مستدل کیلئے احتمال کافی نہیں۔ مجھے کہنے دیجئے کوئی عجوبہ روزگار بات کہکر طلبہ سے داد وتحسین حاصل کرلینا اور بات ہے، اس کا فی الواقع صحیح ہونا اور بات ہے۔

بات اصل یہ ہے کہ عدد کیساتھ جب تمیز آتی ہے تو دس کے بعد واحد اور اس سے پہلے جمع آتی ہے۔ اور جب عدد کیساتھ نہو تو جمع بولکر ہزار ہا ہزار مراد ہوسکتے ہیں۔ حضرت ابن سیرین کے ارشاد میں آیا ہے۔ بعد قرئها۔ علامہ کرمانی نے فرمایا کہ اس میں قرء سے مراد طہر ہے اسلئے کہ پہلے تری الدم اسی پر قرینہ ہے۔ خون کے بعد خون دیکھنے کا کیا معنی۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ نہیں "قرء" سے مراد حیض ہی ہے۔ یہاں سوال کا مقصد یہ ہے کہ عورت کو مخصوص دن خون آنے کی عادت تھی۔ اتنے دن خون آچکا پھر پانچ دن مزید آیا تو یہ پانچ دن حیض ہی میں شمار ہونگے یا نہیں۔ ابن سیرین نے جواب دیا، عورتیں اسے جانتی ہیں کہ عادت کے دنوں میں حیض ہے اور اس کے بعد استحاضہ۔ صاحب توضیح نے بھی یہی فرمایا کہ "قرء" سے مراد حیض ہے۔ خود ابن سیرین قرء سے مراد حیض لیتے تھے۔ اور ہر متکلم کے کلام کے وہی معنی متعین ہیں جو خود اس کا محاورہ ہو۔

حدیث کنا لانعد الکدرۃ والصفرۃ شیأ (۲۲۸)

عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهَا، قَالَتْ، كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ شَيْئًا

حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ہم لوگ گدلی اور زرد رطوبت کو کچھ نہیں شمار کرتے تھے

حدیث المستحاضة تغتسل لکل صلوٰۃ (۲۲۹)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقہ حیات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت

وَسَلَّمَ اَنَّ اُمَّ حَبِيْبَةَ اُسْتُحِيْضَتْ سَبْعَ سِنِيْنَ فَسَاَلَتْ رَسُوْلَ اللهِ

ام حبیبہ کو سات سال استحاضہ رہا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ

صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَالِكَ فَاَمَرَهَا اَنْ تَغْتَسِلَ فَقَالَ

تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا۔ تو حضور نے انھیں غسل کا حکم دیا اور فرمایا

تشریحات (۲۲۸)

حیض کتنے رنگوں کا ہوتا ہے گذر چکا اور اس پر بقدر ضرورت کلام بھی ہو چکا۔ یہاں حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مراد یہ ہے کہ ایام حیض کے بعد ہم گدلے اور پیلے رنگ کی رطوبت کو حیض نہیں جانتے تھے ــ جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں اس کی تصریح ہے اسی وجہ سے امام بخاری نے باب میں یہ قید لگائی ہے ــ فی غیر ایام المحیض ایام حیض میں اگر ان دونوں رنگ کی رطوبت دکھائی دے تو وہ حیض ہی ہے۔

تشریحات (۲۲۹)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ام المومنین نہیں بلکہ جحش بن مطلب کی صاحبزادی اور ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کی بہن تھیں ــ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ ہیں ــ مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام زینب تھا۔ عینی میں ہے کہ ام المومنین حضرت زینب کا نام پہلے برّہ تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر ،،زینب،، رکھا۔ اس لئے کہ ان کی بہن اپنی کنیت ام حبیبہ کے ساتھ مشہور ہوگئی تھیں۔

مستحاضہ کا حکم یہ ہے کہ اس عارضہ سے پہلے جتنے دن حیض آتا تھا اتنے دن حیض شمار کرے۔ نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے جب یہ دن پورے ہو جائیں تو غسل کرکے نماز پڑھے۔ ہر نماز کے لئے غسل واجب نہیں۔ البتہ ہر نماز کے لئے وقت نکلنے کے بعد وضو

ے ابوداؤد جلد اول، طہارت، باب فی المراۃ تری الکدرۃ والصفرۃ بعد الطہر، ص۴۳۔ نسائی جلد اول حیض باب الصفرۃ والکدرۃ ص۴۰۔ ابن ماجہ طہارت باب ماجاء فی الحائض تری بعد الطہر الصفرۃ والکدرۃ ص۴۷۔

هٰذَا عِرْقٌ فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ عه

یہ رگ ہے۔ اس کے بعد وہ ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھیں۔

حدیث ان صفیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قد حاضت (۲۳۰)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اہلیہ مبارکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے

أَنَّهَا قَالَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ صَفِيَّةَ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ صفیہ

واجب ہے۔

تکمیل بخاری میں صرف یہ ہے۔ فامرھا تغتسل۔ مگر مسلم وغیرہ میں لکل صلوۃ زائد ہے۔ یعنی حیض کے معتاد دن گذار کر ہر نماز کے لئے غسل کرے۔ یہ حکم استحبابی ہے۔ یعنی ہر نماز کے لئے غسل کرنا اسے مستحب ہے۔ استحاضے کا خون۔ جوف رحم سے نہیں آتا۔ بلکہ رحم کے منہ کے قریب ایک رگ ہے۔ جس کا نام "عاذل" ہے اس سے آتا ہے۔ لہ

تشریحات (۲۳۰)

ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ مدینے کے باشندے یہودیوں کے مشہور قبیلہ بنی نضیر کے سردار حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ جب ۴ھ میں باوجود باہمی معاہدے کے انھوں نے بدعہدی کی حتی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شہید کرنے کی سازش کی۔ تو انھیں جلا وطن کردیا گیا۔ یہ جاکر خیبر میں آباد ہوگئے۔

یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں۔ انکا باپ بنو قریظہ کے ساتھ قتل ہوا۔ انکا نکاح پہلے سلام بن مشکم سے ہوا تھا۔ پھر کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا۔ کنانہ خیبر میں جب مارڈالا گیا اور یہ قید ہوگئیں تو کرم فرماتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے حرم میں داخل فرمالیا اور صہبا پر زفاف فرمایا۔ کھجور اور ستو سے دعوت ولیمہ فرمائی۔ اس سے پہلے یہ خواب دیکھا تھا کہ ایک چاند ان کی گود میں آگیا ہے۔ اس خواب کا تذکرہ اپنی ماں سے کیا۔ اس خبیثہ نے انھیں اس زور سے تھپڑ مارا کہ اس کا نشان رہ گیا۔ اور کہا تو اپنی گردن اٹھاتی ہے کہ شہنشاہ عرب کی ملکہ ہو۔ خدمت اقدس میں حاضری کے وقت اس کا نشان باقی تھا انھوں نے حضور کو دکھایا بھی۔ یہ حسن وجمال میں یکتا علم وفضل میں یگانہ، تحمل وبردباری میں بے مثل تھیں۔ یہ جب مدینہ طیبہ آئیں تو انکا شہرہ سن کر عورتیں زیارت کے لئے گئیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ بھی گئیں۔ حضور نے انھیں دیکھ لیا۔ جب واپس آئیں

عه بخاری جلد اول حیض باب عرق الاستحاضۃ ص۴۶۔ مسلم جلد اول حیض باب المستحاضۃ وغسلھا وصلوتھا ص۱۵۱۔ ابو داؤد جلد اول طہارت باب ماروی ان المستحاضۃ تغتسل لکل صلوۃ ص۴۱۔ ترمذی جلد اول طہارت باب ماجاء فی المستحاضۃ انھا تغتسل عند کل صلوۃ ص۱۹۔ نسائی جلد اول حیض باب ذکر الاستحاضۃ واقبال الدم وادبارہ ص۶۵ مزید بعد کے دو باب میں۔ ابن ماجہ طہارت باب ماجاء فی المستحاضۃ اذا اختلط علیھا الدم فلم تقف علی ایام حیضھا ص۴۶۔

لہ نووی شرح مسلم جلد اول کتاب الحیض باب المستحاضۃ ص۱۵۱

بِنْتَ حُيَيٍّ قَدْ حَاضَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّهَا

بنت حیی کو	حیض آگیا۔	رسول اللہ	صلی اللہ	تعالیٰ علیہ وسلم	نے فرمایا۔	شاید وہ ہمیں

تو پوچھا کیسی ہے۔ انھوں نے کہا یہودیہ ہے۔ فرمایا۔ یہودیہ مت کہو۔ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ کہا کرتی تھیں کہ ہم دونوں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں زیادہ معزز ہیں۔ ہم ان کی بیبیاں ہیں اور ان کے چچا کی بیٹیاں ہیں۔ اس کی خبران کو ملی تو رونے لگیں اسی حال میں حضور تشریف لائے۔ دریافت فرمایا۔ کیا بات ہے انھوں نے حضور سے شکایت کی۔ حضور نے فرمایا۔ تم نے ان دونوں سے یہ کیوں نہ کہہ دیا۔ تم دونوں مجھ سے بہتر کیسے ہو سکتی ہو حالانکہ میرے شوہر محمد ہیں اور میرے باپ ہارون اور میرے چچا موسیٰ علیہم السلام۔ مرض وصال میں تمام ازواج حاضر تھیں۔ حضور کا حال دیکھ کر حضرت صفیہ نے کہا۔ یا نبی اللہ کاش حضور کی بیماری مجھے ہوتی۔ اس پر تمام ازواج نے آنکھ مارا۔ حضور نے فرمایا۔ تم سب کلی کرو۔ ازواج نے عرض کیا کاہے سے۔ فرمایا۔ صفیہ کو آنکھ مارنے سے۔ بخدا وہ سچی ہے۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوائیوں نے محاصرہ کرلیا تو یہ اپنے غلام کنانہ کے ساتھ خچر پر سوار ہو کر چلیں کہ بلوائیوں کو واپس کریں۔ اُشتر نے ان کے خچر کے منھ پر مارا تو لوٹ پڑیں۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ کھانا پانی بھیجتی رہیں ۵۰ھ کے رمضان المبارک میں وصال ہوا جنت البقیع میں آسودہ ہیں ان سے دس حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ایک بخاری نے لی ہے۔

لغات یہاں لعل، ترجی کے لئے نہیں۔ استفہام کے لئے ہے۔ مقصد یہ ہوا کیا وہ ہمیں روک دے گی ؟ اس حدیث کی بعض روایتوں میں، عقری، حلقی، آیا ہے۔ عقری کا مادہ عقر ہے۔ اس کے معنی ہیں زخمی کرنا ذبح کرنا۔ کونچیں کاٹنا۔ بانجھ ہونا۔ ہلاک کرنا۔ عقری کے معنی یہ ہیں۔ اللہ اسے زخمی کرے مار ڈالے۔ بانجھ کردے۔ یا اپنی قوم کو ہلاک کردے۔ حلقی۔ کا مادہ حلق ہے اس کے معنی، سر مونڈنا۔ حلق میں بیماری ہونا ہے۔ حلقی کے معنی ہوئے اس کا سر مونڈ دیا جائے۔ اس کی حلق میں بیماری ہو۔ اس کی قوم مونڈی جائے یعنی برباد ہو۔ علامہ قرطبی نے نقل کیا کہ عورتوں کو جب حیض آتا تو یہود ان کو عقری حلقی، کہا کرتے تھے۔ یہ تو ان دونوں الفاظ کی اصل ہوئی۔ عرف میں اس کے حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے۔ یہ بھی اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔ جیسے قاتلہ اللہ تربت یمینك وغیرہ استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی، زجر و خفگی کے اظہار کے لئے بولتے ہیں۔ کبھی کبھی پیار کے لئے بھی۔ ترجمہ یہ ہوگا۔ کہ اللہ اسے مار ڈالے۔ بانجھ بنادے، اس کا سر مونڈ دے۔

---

[۱] عینی، اصابہ، استیعاب الاکمال بدایہ نہایہ جلد ثامن۔ [۲] بخاری جلد اول حیض باب المراۃ تحیض بعد الافاضۃ ص۴۷۔ بخاری جلد اول مناسک باب اذا حاضت بعد الافاضۃ ص۲۳۶۔ بخاری جلد اول مناسک باب الادلاج من المحصب دو طریقے سے ص۲۳۹۔ بخاری جلد ثانی طلاق باب قول اللہ لا یحل لھن ان یکتمن ما خلق اللہ فی ارحامھن ص۸۰۲۔ بخاری جلد ثانی مغازی باب حجۃ الوداع ص۶۳۳ مسلم جلد اول حج باب وجوب طواف الوداع ص۴۲۶۔ ابو داؤد جلد اول مناسک باب الحائض بعد الافاضۃ ص۲۸۳۔ نسائی جلد اول حیض باب المراۃ تحیض بعد الافاضۃ ص۴۸ ترمذی جلد اول حج باب المراۃ۔ تحیض بعد الافاضۃ ص۱۱۰۔ ابن ماجہ مناسک باب الحائض تنفر قبل ان تنفر ص۲۲۷ دارمی مناسک ۷۲۔ موطا حج باب افاضۃ الحائض ص۱۲۹۔ مسند امام احمد۔

تحبسنا۔ الم تکن طافت معکن فقالوا بلی قال فاخرجی

روک دے۔ کیا تم لوگوں کے ساتھ اس نے طواف نہیں کیا تھا۔ تو لوگوں نے کہا۔ ہاں کرلیا تھا۔ فرمایا تو چلو۔

حدیث رخص للحائض ان تنفر اذا حاضت (۲۳۱)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ رُخِّصَ لِلْحَائِضِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حائضہ کو اجازت ہے کہ (طواف وداع) کے بغیر

اَنْ تَنْفِرَ اِذَا حَاضَتْ وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ یَقُوْلُ فِیْ اَوَّلِ اَمْرِہٖ اَنَّھَا لَا تَنْفِرُ

کے سے واپس ہوسکتی ہے (اور ابن عمر پہلے یہ کہتے تھے کہ (طواف وداع کے بغیر) واپس نہ ہو

مسائل ① طواف افاضہ جسے طواف زیارت بھی کہتے ہیں۔ فرض ہے۔ اس کا وقت دس ذوالحجہ کی صبح صادق سے لیکر مدت العمر ہے۔ اس کے بغیر کوئی احرام سے پورے طور پر باہر نہیں ہوتا۔ دسویں کو قربانی کرکے سر مونڈانے کے بعد عورت سے قربت کے علاوہ تمام ممنوعات احرام کی اجازت ہوجاتی ہے مگر جب تک طواف زیارت نہ کریں۔ قربت جائز نہیں۔ اگر بالفرض کوئی مرد و عورت طواف زیارت کے بغیر گھر واپس آجائے تو بھی قربت جائز نہ ہوگی جبتک کہ طواف زیارت نہ کرے۔ ② حائضہ کو حیض کی حالت میں طواف کی اجازت نہیں۔ حیض کی حالت میں طواف صدر یا طواف وداع کرے گی تو ایک بکری کی قربانی واجب ہے اور اگر طواف زیارت کرے گی تو ایک اونٹ کی۔ ③ آج کل واپسی کے ٹکٹ کیوجہ سے بعض عورتوں کو یہ دشواری ہوتی ہے کہ وہ اپنے اس عارضہ کیوجہ سے ایام نحر میں بھی طواف زیارت نہیں کر پاتیں اور کبھی بعد میں بھی موقع نہیں ملتا۔ ایسی صورت میں درخواست دیکر اگر واپسی کی تاریخ بدلی جاسکے تو بدلوالینا ضروری اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس کا حیلہ یہ ہے۔ کہ کوئی شخص عورت کے سامنے یہ مسئلہ بیان کردے کہ جو عورت حیض کی حالت میں طواف زیارت کرے گی وہ گنہگار ہوگی۔ اس پر ایک اونٹ کی قربانی واجب ہے۔ [1] ⑤ حائضہ ونفساء سے طواف وداع ساقط ہے۔

تشریحات (۲۳۱)

وکان ابن عمر الخ۔ یہ امام طاؤس کا کلام ہے۔ عینی میں ہے ھو کلام طاؤس قولہ ثم سمعتہ ای قال طاؤس سمعت ابن عمر الخ۔ مگر ایضاح البخاری میں اسے ابن عباس کا قول بتایا ہے۔ ترجمے میں ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ پھر میں نے انھیں فرماتے سنا۔ اللہ عزوجل اس قوم کو ہدایت دے۔ یہ بھی توفیق نہیں ہوتی کہ تصنیف کے وقت شروح دیکھ لیں۔ اپنے جی سے جو آتا ہے۔ ہانک دیتے ہیں۔ ابتداءً اس مسئلہ میں اختلاف تھا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پہلے

عہ بخاری جلد اول حیض باب المرأۃ تحیض بعد الافاضۃ ص۴۷ [1] رد المحتار جلد ثانی ص۲۰۳

ثُمَّ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ تَنْفِرُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لَهُنَّ

مگر بعد میں میں نے خود سنا کہ وہ فرماتے تھے جا سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں اس کی اجازت دی ہے

حدیث الحائض تغتسل وتصلی ولو ساعۃ من نہار (۲۳۲)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّيْ وَلَوْ سَاعَةً

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔ مستحاضہ غسل کرے اور نماز پڑھے اگرچہ تھوڑی دیر

اپنے اجتہاد سے یہ فتویٰ دیتے تھے کہ فرائض حج سے فراغت کے بعد اگر کسی عورت کو حیض آجائے تو وہ پاک ہونے تک مکہ معظمہ ٹھہری رہے پاکی کے بعد طواف وداع کرکے اپنے گھر جائے۔ مگر جب انھیں حدیث مل گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حائضہ کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ طواف وداع کئے بغیر واپس ہو سکتی ہے تو وہ بھی اس کے مطابق فتویٰ دینے لگے۔

تشریحات (۲۳۲)

یہاں باب یہ ہے۔ اذا رأت المستحاضۃ الطھر۔ جب مستحاضہ طہر دیکھے۔ اس کا دو مطلب ہے ایک یہ کہ واقعی حیض بند ہوجائے دوسرے یہ کہ حکماً طہر دیکھے مثلاً اس کی عادت کے دن پورے ہوگئے یا یہ کہ خالص سفید رطوبت آنے لگی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اقل طہر کی کوئی مدت نہیں۔ ایک ساعت بھی ہوسکتی ہے۔ یہ جمہور کے مسلک کے خلاف ہے۔ جمہور اور ہمارا اور شوافع کا مسلک یہ ہے کہ اقل طہر کی مدت پندرہ دن ہے۔

مستحاضہ سے وطی جائز ہے یا نہیں اس سلسلے میں خود صحابہ کرام میں اختلاف تھا۔ ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مسلک یہ تھا کہ جائز نہیں۔ اور یہی زہری ابراہیم نخعی ابن سیرین اور حکم کا قول ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں ایسی ہی احادیث ملی ہیں جن میں صرف نماز کی اجازت ہے۔ ہمبستری کے بارے میں کوئی اجازت وارد نہیں۔

جمہور فرماتے ہیں جماع سے ممانعت صرف حیض کی حالت میں تھی اس لئے کہ وہ اذی ہے۔ جب حیض ختم، تو اباحت لوٹ آتی ہے۔ علاوہ ازیں۔ ابوداؤد[1] میں ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے استحاضے کی حالت میں ان کے شوہر ہمبستری کرتے تھے۔ نیز دار قطنی اور ابوداؤد[2] میں ہے۔ کہ حمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر بھی اس حالت میں ان سے ہمبستری کرتے تھے۔ الصلوٰۃ اعظم کے بارے میں علامہ عینی نے فرمایا ظاہر یہ ہے کہ یہ امام بخاری کا قول ہے۔ یہ ان کا استخراج ہے یعنی حضرت ابن عباس کا قول نہیں۔

اس باب پر امام بخاری نے۔ حضرت فاطمہ بنت حُبیش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے استدلال فرمایا۔ جسمیں یہ ہے کہ حضور

---

[1] ابوداؤد جلد اول طہارت باب المستحاضۃ یغشاہا زوجہا ص۴۳ [2] ایضاً [3] بخاری جلد اول حیض باب المرأۃ تحیض بعد الافاضۃ ص۴۷

مِنْ نَهَارٍ، فَوَيَأْتِيهَا زَوْجُهَا إِذَا صَلَّتْ. اَلصَّلٰوةُ أَعْظَمُ

کے لئے طہر دیکھے۔ اگر یہ نماز پڑھ لے تو اس کے پاس اس کا شوہر آسکتا ہے۔ نماز بہت عظمت والی ہے۔

حدیث إِنَّ امرأة ماتت في بطن فصلى عليها النبي صلى الله عليه وسلم (۲۳۳)

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ امْرَأَةً مَاتَتْ فِي

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت پیٹ کی

نے یہ فرمایا۔ جب حیض آنے لگے تو نماز چھوڑ دے جب ختم ہو جائے تو خون دھو کر نماز پڑھ۔ مراد یہ ہے کہ غسل بھی کرے۔ اس کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ یہ سب کو معلوم تھا کہ انقطاع حیض کے بعد غسل فرض ہے۔

تشریحات (۲۳۳)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بنی فزارہ کے چشم و چراغ تھے۔ یہ ابھی بچے ہی تھے کہ ان کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ انھیں لیکر ان کی والدہ مدینہ آئیں۔ بہت خوبصورت خاتون تھیں۔ بہت سے لوگوں نے پیغام دیا۔ ان کی ماں نے یہ شرط کی کہ میں اسی سے شادی کروں گی جو اس بچے کی بھی پرورش کا وعدہ کرے ایک انصاری نے اسے قبول کیا ان کے ساتھ انکا عقد ہو گیا۔ یہ اپنی ماں کے ساتھ انصار میں رہنے لگے۔ انصار کرام کی عادت تھی کہ ہر سال اپنے بچوں کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتے۔ جو جہاد کے لائق ہوتا اسے قبول فرما لیتے۔ ایک بار ایک صاحبزادے کو حضور نے لشکر میں شامل ہونے کی اجازت دیدی۔ اس کے بعد حضرت سمرہ پیش ہوئے تو انھیں مسترد فرما دیا انھوں نے کہا یا رسول اللہ حضور نے اسے اجازت دیدی اور مجھے واپس فرما دیا۔ اگر ہم دونوں کشتی لڑیں تو اسے میں پچھاڑ دونگا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پھر لڑ کے دکھاؤ۔ دونوں میں کشتی ہوئی حضرت سمرہ نے انھیں پچھاڑ دیا۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں بھی لشکر میں شامل ہونے کی اجازت دیدی۔

زیاد بن ابیہ انھیں چھ مہینہ بصرہ کا والی بناتا اور چھ مہینے کوفے کا۔ جب زیاد مرا تو بصرہ کے والی تھے۔ حضرت معاویہ نے انھیں سال بھر اس عہدے پر باقی رکھا پھر معزول کر دیا۔ یہ خوارج کے معاملے میں بہت سخت تھے اسی لئے خوارج ان کو برا کہتے تھے ایک مرتبہ یہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک صاحب اور موجود تھے۔ حضور نے ان تینوں سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ تم تینوں میں جو سب کے بعد مریگا وہ آگ میں مریگا۔ اسی کے مطابق ہوا۔ انھیں بہت سخت کزاز (پیچش) ہو گئی اس کے لئے وہ بھپارا لیتے ایک بار بھپارا لیتے ہوئے کھولتے ہوئے پانی میں گر پڑے اور یہی پیام اجل ثابت ہوا۔ بصرہ ہی میں وصال ہوا ۵۹ھ سنہ وصال ہے۔ ان سے ایک سو تیئس احادیث مروی ہیں۔ جن میں سے چار بخاری نے روایت کی ہے۔ ایک حدیث انھیں سے

ع۔ بخاری جلد اول حیض اذا رأت المستحاضۃ الطہر ص ۴۷ ابن ابی شیبہ

بطن فصلی علیھا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقام وسطھا ء

کی تکلیف کیوجہ سے (زچگی کے دنوں میں) فوت ہوگئیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکی نماز جنازہ پڑھی نماز کیلئے انکے بیچ کھڑے ہوئے

یہ مروی ہے۔ حضرت امام حسن بصری نے فرمایا۔ کہ حضرت سمرہ اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما علمی مذاکرہ کر رہے تھے۔ حضرت سمرہ نے کہا میں نے نماز میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دوبار "سکتہ یعنی" وقفہ "یاد رکھا ہے۔ ایک سکتہ، تکبیر تحریمہ کے بعد دوسرا وَلَا الضَّالِّيْنَ "کے بعد۔ حضرت عمران نے اسے نہیں مانا۔ لوگوں نے مدینہ طیبہ، حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا۔ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جواب دیا۔ سمرہ نے سچ کہا اور یاد رکھا۔ لہ ان بیوی کا نام ام کعب تھا۔ یہ انصاری خاتون تھیں۔ فی بطن میں۔ فی تعلیلیہ ہے۔ جیسے اس حدیث میں ہے۔ دخلت امرأة فی ھرة جست اور جیسا کہ آیت کریمہ۔ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ میں ہے۔ فی بطن سے مراد بچے کی پیدائش کیوجہ سے موت واقع ہوئی جیسا خود بخاری کتاب الجنائز اور دوسری کتابوں میں ماتت فی نفاسھا۔ ہے۔ وسط۔ میں دو روایت ہے۔ سین کو فتح اور سین کو سکون۔ جو سین کو فتحہ پڑھتے ہیں وہ اس کو اسم مانتے ہیں اور جو سکون پڑھتے ہیں وہ ظرف۔ منتشر اجزاء کے لیئے، سین کے سکون کے ساتھ ہے جیسے ناس ددواب وغیرہ اور مجمع الاجزاء کے لیے۔ سین کے فتحے کے ساتھ جیسے گھر وغیرہ۔ مگر یہ قاعدہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ ارشاد ہے۔ وَجَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ اور ظاہر ہے کہ امت متفرق الاجزاء ہے۔

مسائل اس حدیث سے یہ مسائل مستنبط ہوئے ① جو جنابت یا حیض یا نفاس کی حالت میں مرجائے تو اس کی بھی نماز جنازہ جائز ہے ② اس حدیث سے امام شافعی نے یہ استدلال کیا کہ میت اگر عورت ہے تو امام اس کی کمر کے پاس کھڑا ہوگا مگر ہمارا مذہب مختار و مفتی بہ یہ ہے کہ میت مرد ہو یا عورت سینے کے برابر کھڑا ہوگا۔ ہمارا یہ کہنا ہے کہ حدیث میں یہ نہیں ہے کہ کمر کے پاس کھڑے ہوئے۔ بلکہ۔ "وسطھا۔" ہے اسے اگر "وَسَطَ" سین کے فتحے کیساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی بیچ کے ہوں گے۔ اب اگر ہاتھ پاؤں کو الگ مان کر دیکھیں تو بیچ سینہ ہی ہوگا اور اگر ہاتھ پاؤں کو ملا کر دیکھیں تو سینے سے اوپر دو عضو سر اور ہاتھ ہیں۔ اور سینے سے نیچے دو عضو یعنی پیٹ اور پاؤں ہیں بیچ کا عضو سینہ ہوگا۔ اور اگر وَسْطَ۔ سین کے سکون کے ساتھ پڑھیں تو اس کے معنی ہوئے درمیان کے۔ اور ظاہر ہے کہ درمیان سینے کو بھی شامل جسم کے درمیانی اعضاء میں یہ بھی ہے۔ وسط کی دلالت کمر پر قطعی نہیں۔ اس مسئلہ پر بقیہ گفتگو کتاب الجنائز میں ہوگی۔

ع بخاری جلد اول حیض باب الصلوۃ علی النفساء وسنتھا ص۴۸ بخاری جلد اول جنائز باب الصلوۃ علی النفساء ماتت فی نفاسھا ص۱۷۷ بخاری جلد اول جنائز باب این یقوم من المرأۃ والرجل ص۱۷۷ مسلم جلد اول جنائز باب فی القیام وسط المرأۃ للصلوۃ علیھا ص۳۱۱ ابو داؤد جلد ثانی جنائز باب این یقوم الامام من المیت اذا صلی علیہ ص۴۵۶ ترمذی جلد اول جنائز باب ما جاء این یقوم الامام من الرجل والمرأۃ ص۱۲۳ نسائی جلد اول جنائز باب اجتماع جنائز الرجال والنساء ص۲۸۰ ابن ماجہ جنائز باب ما جاء این یقوم الامام اذا صلی علی جنازۃ ص۱۰۸ الاستیعاب اصابہ مشکوٰۃ مسلم

حدیث اصابة ثوب المصلی علی الحائض (۲۲۴)

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ خَالَتِي مَيْمُوْنَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى

حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نے اپنی خالہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت میمونہ رضی اللہ

عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا كَانَتْ تَكُوْنُ حَائِضًا

تعالیٰ عنہا سے سنا کہ وہ حالت حیض میں ہوتیں۔ نماز نہیں پڑھتیں اور رسول اللہ صلی اللہ

لَا تُصَلِّي وَهِيَ مُفْتَرِشَةٌ بِحِذَاءِ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى

تعالیٰ علیہ وسلم اپنی چھوٹی چٹائی پر نماز پڑھتے رہتے۔

تشریحات (۲۲۴)

عبداللہ بن شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ عہد رسالت میں پیدا ہوئے ان کی والدہ سلمیٰ بنت عمیس تھیں۔ جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس کی حقیقی بہن تھیں اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اخیافی بہن۔ ان دونوں کی ماں کا نام ہند بنت عوف ہے۔ ام المومنین حضرت میمونہ حارث کی صاحبزادی ہیں اور سلمیٰ، عمیس بن معد کی۔ اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن شداد نے حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی خالہ کہا۔ مسجد۔ سے مراد نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ خود بخاری کتاب الصلوۃ میں بجائے مسجد کے یہ ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی وانا حذاءہ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوتے اور میں حضور کے برابر ہوتی۔ مگر تعجب، صاحب ایضاح البخاری پر کہ اتنے بڑے شیخ الحدیث ہوتے ہوئے۔ یہاں۔ مسجد۔ کا ترجمہ سجدہ گاہ کر دیا ہے۔ کانت تکون۔ میں تین وجہ ہو سکتی ہے ایک تو یہ کہ دونوں میں سے ایک کو زائد مانیں۔ جیسے کسی نے کہا ہے۔ وجیران لنا کانوا کرام۔ میں کانوا۔ زائد ہے۔ کہ ام جیران کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ دوسرے یہ کہ " کانت " میں ضمیر قصہ اس کا اسم ہے اور۔ تکون حائضاً۔ اس کی خبر ہے۔ تیسرے یہ کہ " تکون " تصیر۔ کے معنی میں ہیں اور یہ کانت کی خبر ہو جائے اور۔ کانت۔ کی ضمیر مستتر اس کا اسم۔ یہاں امام بخاری نے باب کا کوئی عنوان نہیں قائم کیا ہے۔ اس کی توجیہات مقدمہ میں گذر گئی۔ یہاں ایضاح البخاری میں ایک لایعنی تقریر ہے جس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ طلبہ پر دھونس جمائیں۔ ان کو یہ نہیں سمجھ میں آیا کہ نفسا یا حائضہ کو جب موت کے بعد غسل دیدیا گیا۔ تو جس طرح ان کی نجاست حقیقی دور ہو گئی۔ اسی طرح حکمی بھی دور ہو گئی۔ اب اس سوال کی گنجائش ہی نہیں کہ ان کی وفات پاکی میں ہوئی یا ناپاکی میں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ موت سے ایک اور نجاست طاری ہو گئی۔ تو وارد نجاستیں ہو گیا۔ مگر کیا آپ کو معلوم نہیں کہ دو نہیں اگر دس نجاستوں کا توارد ہو تو بھی ایک ہی غسل کافی ہے ایک عورت حیض

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ عَلَىٰ خُمْرَتِهِ إِذَا سَجَدَ أَصَابَنِيْ بَعْضُ ثَوْبِهِ۔ ع

میں اس کے برابر لیٹی رہتی جب سجدہ کرتے تو حضور کے کپڑے کا کچھ حصہ مجھ سے چھو جاتا۔

سے باہر ہوئی ابھی غسل نہیں کیا تھا کہ جنبی بھی ہوگئی۔ اسے ایک ہی غسل کافی نہیں۔ ۶۔ ابوذر اور اصیلی وغیرہ کی روایت میں "باب" نہیں۔ اس سے پہلی والی اور اس حدیث میں مناسبت کے لئے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ نفاس سے ظاہر بدن ناپاک نہیں ہوتا اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حیض سے بھی ظاہر بدن ناپاک نہیں ہوتا۔ اس خصوص میں حیض و نفاس ایک حکم میں ہیں۔

مسائل ① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حیض سے عورت کا ظاہری جسم ناپاک نہیں ہوتا۔ یہ باطنی حکمی نجاست ہے۔ ② نمازی کے برابر سونے میں کوئی حرج نہیں جبکہ نمازی ایسا ہو کہ اس کے دل بٹنے کا اندیشہ نہ ہو۔ ورنہ سونے والے کے نزدیک نماز پڑھنا منع ہے۔ ③ کھجور وغیرہ کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی پر نماز پڑھنا جائز ہے افضل یہ ہے کہ زمین پر پڑھے اسلئے کہ اس میں تذلل زیادہ ہے۔ چٹائی ہی کے حکم میں کپڑے وغیرہ کے مصلے بھی ہیں البتہ ایسی ریشمی جانماز پر نماز مکروہ تحریمی ہے جو خالص ریشم کی ہو یا جس کا بانا ریشم کا ہو اگرچہ تانا کسی اور چیز کا ہو۔

عہ بخاری جلد اول حیض باب ص۴۷۔ بخاری جلد اول صلوٰۃ باب اذا اصاب ثوب المصلی امرأته اذا سجد ص۵۵۔ بخاری جلد اول صلوٰۃ باب الصلوٰۃ علی الخمرۃ ص۵۵۔ مسلم جلد اول مساجد باب جواز الجماعۃ فی النافلۃ والصلوٰۃ علی الحصیر والخمرۃ ص۲۳۴۔ ابوداؤد جلد اول صلوٰۃ باب الصلوٰۃ علی الخمرۃ۔ نسائی اول مساجد باب الصلوٰۃ علی الخمرۃ ص۔ ابن ماجہ اقامۃ الصلوٰۃ باب من صلی وبینہ وبین القبلۃ شیٔ ص۶۹۔ دارمی صلوٰۃ۔ مسند امام احمد۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کِتَابُ التَّیَمُّمِ

حدیث انقطع عقد لی (۲۳۵)

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ

نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی رفیقہ حیات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ

کتاب التیمم

مناسبت اس کے پہلے وضو اور غسل کا بیان تھا جو پانی سے حدث اصغر اور اکبر کے دور کرنے کا نام ہے۔ اب تیمم کا بیان شروع فرمایا۔ جو بحالت مجبوری وضو اور غسل کا بدل ہے۔ جو مٹی وغیرہ سے دونوں حدثوں کے دور کرنے کا نام ہے۔ ازالہ حدث کے طریقوں میں ایک طریقہ یہ بھی ہے۔ چونکہ وضو اور غسل اصل ہیں اور یہ بدل۔ اس لئے پہلے ان کو بیان کیا پھر تیمم کا بیان شروع فرمایا۔

یہاں کتاب کو رفع بھی پڑھنا جائز ہے اس تقدیر پر کہ مبتدا ے محذوف ھذا کی خبر ہے۔ اور نصب بھی درست ہے اس طرح کہ اسے خُذْ یا اس کے ہم معنی کسی لفظ کا مفعول بہ بنائیں۔ تیمم کے لغوی معنی قصد و ارادے کے ہیں۔ اس کا مادہ اَمٌّ ہے جس کے معنی قصد کے ہیں۔ شرع میں تیمم کے معنی یہ ہیں زمین یا زمین کی جنس کو چہرے اور ہاتھوں پر ملنا حقیقۃً یا حکماً۔ پاکی حاصل کرنے، نماز مباح ہونے کی نیت سے۔ اور زمین یا زمین کی جنس کا پاک کرنے والا ہونا شرط ہے۔[1]

تیمم اس امت کی خصوصیات سے ہے۔ جعلت لی الارض مسجداً و طھوراً۔ میرے لئے پوری زمین کو نماز کی جگہ اور پاک کرنے والی کر دی گئی۔

تشریحات (۲۳۵)

بیداء۔ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے راستے میں، مزدلفہ کے قریب ایک بستی کا نام ہے۔ ذات الجیش مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے مابین مدینہ طیبہ سے نصف منزل دوری پر وادی عقیق سے سات میل کے فاصلے پر ایک بستی ہے۔ یطعننی۔ یہ جب نصر ینصر سے آتا ہے تو اس کے معنی کونچا دینے کے آتے ہیں یعنی محسوس طعن۔ اور جب فتح یفتح سے آتا ہے تو اس کے معنی معنوی طعن یا ملامت کرنے کے آتے ہیں۔

---

[1] البحر الرائق جلد اول باب التیمم و رد المحتار جلد اول باب التیمم۔

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ حَتّٰى اِذَا كُنَّا
تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں نکلے جب ہم بیداء یا ذات الجیش میں پہونچے

بِالْبَيْدَاءِ اَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ اِنْقَطَعَ عِقْدٌ لِّيْ فَاَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
تو میرا ایک ہار ٹوٹ کر دور پڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے

تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْتِمَاسِهٖ وَاَقَامَ النَّاسُ مَعَهٗ. وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ
تلاش کرنے کے لیے ٹھہر گئے اور لوگ بھی رک گئے۔ نہ تو لوگ پانی پر تھے

آیت تیمم کس سفر میں نازل ہوئی

علامہ ابن عبد البر نے تمہید میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بنی مصطلق میں پیش آیا تھا جس کا دوسرا نام غزوہ مریسیع بھی ہے۔ یہ غزوہ ۵ھ یا ۶ھ میں ہوا تھا اسی میں واقعہ افک بھی پیش آیا تھا۔ ان کی دلیل حدیث افک کا یہ حصہ ہے۔ فانقطع عقد لها من جزع ظفار فحبس الناس ابتغاءه۔ ظفار کے مہروں کا ان کا ہار ٹوٹ کر گر پڑا اس کی تلاش کے لئے لوگ رک گئے۔

علامہ ابن جوزی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ غزوہ ذات الرقاع کا ہے جو ۴ھ میں ہوا ہے۔

علامہ عینی نے فرمایا۔ ان دونوں کے معارض طبرانی کی یہ روایت ہے۔ کہ ام المومنین فرماتی ہیں۔

لما كان من امر عقدي ما كان وقال اهل الافك ما قالوا خرجت مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في غزوة اخرى فسقط ايضا عقدي حتى حبس الناس على التماسه وطلع الفجر فلقيت من ابي بكر ما شاء الله وقال يا بنية في كل سفر تكونين عناءً وبلاءً ليس مع الناس ماء فانزل الله الرخصة في التيمم فقال ابو بكر انك ما علمت لمباركة۔

جب میرے ہار کا جو قصہ ہونا تھا وہ ہو چکا اور اہل افک کو جو کہنا تھا کہہ چکے تو اس کے بعد میں ایک دوسرے غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نکلی تو پھر میرا ہار گر گیا اور لوگوں کو اس کے تلاش کے لئے رکنا پڑا اور فجر طلوع کر آئی۔ تو اللہ نے جو چاہا مجھے ابو بکر سے تکلیف پہنچی اور انھوں نے یہ بھی کہا اے بیٹی تم ہر سفر میں مصیبت اور بلا ہو جاتی ہو۔ لوگوں کے ساتھ پانی نہیں۔ اب اللہ عزوجل نے تیمم کی اجازت نازل فرمائی تو ابو بکر نے کہا تم نے جو کچھ کیا تم برکت والی ہو۔

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ "واقعہ افک" اس قصے سے پہلے کا ہے اور دونوں میں ہار ٹوٹ کر گرا تھا۔

اس خادم کی بھی یہی رائے ہے کہ جس سفر میں تیمم کی آیت نازل ہوئی یہ واقعہ افک کے علاوہ دوسرا واقعہ ہے۔ اس لئے کہ واقعہ افک میں یہ ہے کہ ہار اس وقت گرا تھا جب حضرت ام المومنین قضاء حاجت کے لئے گئی تھیں۔ واپس آکر سینہ پر ہاتھ گیا تو ہار نہیں تھا۔ تو اسے تلاش کرنے کے لئے جہاں قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئی تھیں پھر گئیں۔ اتنے میں لشکر

(وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ) فَأَتَى النَّاسُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ فَقَالُوا أَلَا تَرَى

اور نہ لوگوں کے ساتھ پانی تھا۔ لوگ ابو بکر صدیق کے پاس آئے اور یہ شکایت کی کہ آپ دیکھتے نہیں

مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ، أَقَامَتْ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسِ

عائشہ نے کیا، کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو روک لیا اور لوگوں کو بھی۔

وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ۔ فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ

حالت یہ ہے کہ نہ تو لوگ پانی پر ہیں اور نہ لوگوں کیساتھ پانی ہے۔ یہ سنکر ابو بکر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ

روانہ ہوگیا۔ یہ اکیلی رہ گئیں اور ہار مل گیا۔ نہ تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہار کے گم ہونے کی اطلاع دی گئی اور نہ ہار کی تلاش کے لئے لشکر رکا اور نہ ہار تلاش کرنے کے لئے کسی کو مقرر کیا گیا تھا۔ مگر آیت تیمم کے شان نزول کے واقعے میں۔ یہ تفصیلات مذکور ہیں کہ ہار کے گم ہونے کی اطلاع حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دی گئی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہار تلاش کرنے کے لئے خود بھی قیام فرمایا اور پورا لشکر رکا۔ حتی کہ نماز فجر کے وقت تک رکا رہا۔ آیت تیمم نازل ہوئی۔ سب نے تیمم کر کے نماز پڑھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کو تلاش کرنے کے لئے مقرر فرمایا۔ مگر جب حضرت ام المومنین کا اونٹ اٹھایا گیا تو اونٹ کے نیچے ہار ملا۔ حضرت ام المومنین اکیلی نہیں قافلے کے ساتھ ساتھ رہیں۔ قافلہ رات کے پچھلے پہر نہیں، نماز فجر کے بعد چلا۔ اس لئے اتنا تو طے ہے کہ واقعہ افک جس سفر میں پیش آیا تھا اس میں آیت تیمم نہیں نازل ہوئی تھی بلکہ کسی اور سفر میں نازل ہوئی تھی۔

اب بحث طلب بات یہ رہ جاتی ہے۔ کہ یہ غزوہ ذات الرقاع کا واقعہ ہے یا کسی اور غزوے کا۔ علامہ ابن جوزی کی رائے ہے کہ یہ غزوہ ذات الرقاع کا واقعہ ہے جو سنہ ۴ھ میں ہوا۔ اور طبرانی کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ واقعہ افک کے بعد کا قصہ ہے۔ واقعہ افک کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ابن سعد نے کہا کہ ۲ شعبان سنہ ۵ھ دوشنبہ کو حضور غزوہ مریسیع کے لئے نکلے تھے۔ امام بخاری نے ابن اسحاق سے نقل کیا یہ غزوہ سنہ ۶ھ میں ہوا اور موسیٰ بن عقبہ نے کہا سنہ ۴ھ میں۔ اگر غزوہ مریسیع اور ذات الرقاع دونوں کو سنہ ۴ھ میں مان لیا جائے جب تو معاملہ آسان ہے۔ لیکن اگر غزوہ ذات الرقاع کو سنہ ۶ھ میں اور غزوہ بنی المصطلق کو سنہ ۵ھ یا سنہ ۴ھ میں مانیں تو معاملہ پھر مشکل ہوجاتا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ غزوہ بنی المصطلق سنہ ۵ھ میں ہوا ہے۔ علامہ عسقلانی نے تحریر فرمایا کہ شاید یہ سبقت قلم ہے۔ اس لئے کہ مغازی ابن عقبہ میں متعدد طریقوں سے یہی ہے کہ یہ غزوہ سنہ ۵ھ میں ہوا۔ علامہ سیوطی نے توشیح میں بھی یہی فرمایا کہ یہاں امام بخاری سے سبقت قلم ہوگیا ہے۔ ابن عقبہ کا قول ابن اسحٰق سے زیادہ صحیح ہے۔ یہ غزوہ سنہ ۶ھ میں نہیں ہوا۔ علامہ ابن حجر نے اس پر یہ دلیل قائم فرمائی۔ کہ واقعہ افک کے وقت حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیات تھے۔ اہل افک کے معاملے میں انھوں نے یہی عرض کیا تھا۔ حضور فرمائیں اگر وہ ہمارے قبیلے اوس کا ہے تو ہم اس کی

---

۱ بخاری جلد ثانی مغازی باب غزوہ بنی المصطلق ص ۵۹۵

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعٌ رَأْسَهُ عَلَى فَخِذِي قَدْ نَامَ فَقَالَ حَبَسْتِ رَسُولَ

تعالیٰ علیہ وسلم اپنا سر میری ران پر رکھے ہوئے سو رہے تھے۔ ابوبکر نے کہا رسول اللہ صلی اللہ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسَ وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ

علیہ وسلم اور لوگوں کو تو نے روک لیا؟ اور حال یہ ہے لوگ پانی پر نہیں اور نہ ان کے ساتھ پانی ہے

فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَعَاتَبَنِي أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ مَاشَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَقُولَ وَجَعَلَ يَطْعَنُنِي

عائشہ نے بتایا۔ اس پر ابوبکر مجھے سرزنش کرنے لگے اللہ نے جو چاہا کہا۔ اور میری کوکھ میں اپنے ہاتھ

گردن اڑا دیں۔ اور اگر ہمارے بھائی خزرج کا ہے تو حکم دیں ہم تعمیل کریں۔ ان کی شہادت غزوہ خندق میں تیر لگنے سے بنی قریظہ کے معاملے میں فیصلہ کے بعد ہوئی تھی۔ اور یہ طے ہے کہ غزوہ خندق شوال ۵ھ میں ہوا ہے۔ غزوہ بنی مصطلق کے لئے طے ہے کہ یہ شعبان میں ہوا تو لازم کہ زیادہ سے زیادہ ۵ھ میں ہوا غزوہ مریسیع کے ۶ھ میں ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ اتنا تو یقینی ہے کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ خندق کے بعد ہوا ہے اس لئے کہ خندق کے موقع پر تین نمازیں قضا ہو گئیں۔ صلوٰۃ خوف نہیں پڑھی گئی تو معلوم ہوا کہ خندق کے وقت تک صلوٰۃ خوف مشروع نہیں تھی۔ اور یہ بھی طے ہے کہ غزوہ ذات الرقاع میں صلوٰۃ خوف پڑھی گئی۔ نیز حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے غزوہ نجد میں (یہ ذات الرقاع کا دوسرا نام ہے) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ صلوٰۃ خوف پڑھی اور حضرت ابن عمر جس پہلے غزوہ میں شریک ہوئے تھے وہ خندق ہے۔ اور آگے بڑھیے۔ مسند امام احمد اور ابوداؤد و نسائی میں ہے۔ کہ حدیبیہ کے موقع پر "عسفان" میں عصر و ظہر کے درمیان صلوٰۃ خوف نازل ہوئی تھی۔ پہلی صلوٰۃ خوف عسفان میں پڑھی گئی۔ تو معلوم ہوا کہ غزوہ ذات الرقاع حدیبیہ کے بعد ہوا۔ کتنے دن بعد ہوا۔ اس کا سراغ یہاں تک لگتا ہے کہ غزوہ خیبر کے بعد ہوا۔ اس لئے کہ اس میں حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ جب آیت تیمم نازل ہوئی تو مجھے یہ نہیں سمجھ میں آیا کہ تیمم کیسے کروں۔ اور یہ لوگ خیبر کے فتح کے بعد خدمت اقدس میں خیبر ہی میں حاضر ہوئے نیز بخاری مغازی میں ہے۔ کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے غزوہ سابعہ کہا ہے اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ سن سات کا غزوہ۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ ۷ھ میں ہوا۔ اس کا بھی لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یہ خیبر کے بعد ہوا۔ اس لئے کہ خیبر ۷ھ کے اوائل میں اور ۶ھ کے اخیر میں ہوا تھا۔

دوسرا اشکال اور حل اس حدیث میں۔ آیت تیمم۔ سے مراد کیا ہے۔ اس لئے کہ تیمم کا حکم دو آیتوں میں ہے ایک سورہ

بخاری جلد اول صلوٰۃ الخوف ص۱۳۰ ایضاً جلد ثانی مغازی کی غزوہ ذات الرقاع ص۵۹۲ نسائی جلد اول صلوٰۃ الخوف ص۲۲۹ ابوداؤد جلد اول صلوٰۃ باب صلوٰۃ الخوف ص۱۷۰ نسائی جلد اول صلوٰۃ الخوف ص۲۳۰ ایضاً ص۲۳۰ بخاری جلد ثانی مغازی غزوہ ذات الرقاع ص۵۹۲ بخاری جلد ثانی مغازی ذات الرقاع ص۵۹۰ ابوداؤد صلوٰۃ الخوف ص۱۷۰ ایضاً ص۱۷۰ نسائی جلد اول صلوٰۃ الخوف ص۲۲۹۔

بِيَدِهٖ فِيْ خَاصِرَتِيْ فَلَا يَمْنَعُنِيْ مِنَ التَّحَرُّكِ اِلَّا مَكَانُ رَسُوْلِ
سے کوچنے مارنے لگے۔ مجھے ہلنے سے صرف یہ چیز مانع تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى فَخِذِيْ۔ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
کا سر اقدس میرے زانو پر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صبح کو

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اَصْبَحَ عَلٰى غَيْرِ مَاءٍ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ
اٹھے تو پانی نہیں تھا۔ اس پر اللہ عزوجل نے تیمم کی آیت

نسار میں ہے۔ دوسری سورہ مائدہ میں ہے۔ دونوں آیتوں کے الفاظ ایک ہی ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ سورہ مائدہ کی آیت میں۔ وَاَيْدِيْكُمْ۔ کے بعد مِنْهُ بھی ہے۔ سورہ نسار کی آیت یہ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ﴿۴۳﴾

اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ جب تک جو کہو اسے سمجھنے نہ لگو اور نہ ناپاکی کی حالت میں جب تک غسل نہ کرلو۔ مگر یہ کہ راستہ چل رہے ہو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا قضاء حاجت کرکے آئے ہو یا عورتوں سے ہمبستری کی ہو اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو اور اپنے چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کرلو۔

سورہ مائدہ کی آیت کا ابتدائی حصہ یہ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا۔ ﴿۶﴾

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونا چاہو تو اپنے اپنے منہ اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھوؤ اور اپنے اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے اپنے پاؤں ٹخنے تک دھوؤ اور اگر جنبی ہو تو خوب اچھی طرح پاک ہو لو۔

اس کے بعد بعینہ وہی الفاظ کریمہ ہیں جو سورہ نسار کے ہیں صرف بعد میں منہ کا اضافہ ہے۔ امام بخاری نے سورہ نسار کی آیت کے ضمن میں بھی بالاختصار یہی حدیث ذکر کی ہے اور سورہ مائدہ والی آیت کی بھی تفسیر میں یہی حدیث ذکر کی ہے۔ جس سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید امام بخاری اس کے قائل ہیں کہ ان دونوں آیتوں کا شان نزول ایک ہی واقعہ ہے۔ مگر ہر ذی علم پر واضح ہے کہ دونوں آیتوں کا شان نزول ایک ماننا بہت سطحی بات ہے۔ اگر دونوں جگہ کی روایتوں پر نظر دقیق ڈالیں گے تو واضح ہو جائے گا کہ امام بخاری نے قریب قریب یہ تصریح فرما دی ہے کہ اس موقع پر سورہ مائدہ کی آیت نازل ہوئی ہے۔ اس لئے کہ

عَزَّوَجَلَّ اٰيَةَ التَّيَمُّمِ۔ فَتَيَمَّمُوْا فَقَالَ اُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ،

اتاری۔ اس کے بعد لوگوں نے تیمم کیا۔ اسید بن حضیر نے کہا اے آل

سورہ نساء میں صرف یہ ہے فانزل اللہ التیمم۔ اور سورہ مائدہ میں ـــ فنزلت ـــ یا ایھا الذین اٰمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا۔ الآیۃ۔ یہ اس پر نص ہے کہ اس موقع پر سورہ مائدہ کی آیت نازل ہوئی۔

اس روایت کے مطابق خود حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ ارشاد ہوا کہ اس واقعہ میں سورہ مائدہ کی آیت نازل ہوئی۔ نیز مسند حمیدی میں بھی یہ تصریح ہے۔ اس لئے راجح یہی ہے کہ اس حدیث میں آیت تیمم سے مراد سورہ مائدہ کی آیت ہے۔

علاوہ ازیں یہاں باب میں امام بخاری نے جو آیت نقل فرمائی ہے اس میں۔ منہ۔ ہے۔ اس سے بھی یہ اشارہ ملتا ہے کہ امام بخاری اس کے قائل ہیں کہ احادیث میں ـــ آیت تیمم سے مراد، سورہ مائدہ کی آیت ہے۔

تیسرا اشکال اور حل ابن عربی نے کہا کہ اس وقت کون سی آیت نازل ہوئی یہ ایسا اشکال ہے جس کا کوئی حل نہیں۔ اللہ عزوجل نے ان اساطین ملت کو اسلام اور مسلمین کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ انکا کفش بردار عرض کرتا ہے۔ ہم بتا آئے کہ اس موقع پر سورہ مائدہ والی آیت نازل ہوئی اس سے ظاہر ہوگیا کہ صحیح یہ ہے کہ سورہ نساء والی آیت بعد میں نازل ہوئی۔ اس لئے کہ سورہ نساء کی آیت اگر پہلے نازل ہو چکی ہوتی تو اس وقت لوگوں کے پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ تیمم کرکے نماز پڑھ لیتے پریشان کیوں ہوتے؟ رہ گیا یہ شبہ کہ پھر سورہ نساء میں تیمم کے دوبارہ ذکر کی ضرورت کیا تھی؟۔ یہ شبہ اس وقت لائق لحاظ ہوتا جبکہ قرآن مجید میں کچھ احکام مکرر مذکور نہ ہوتے۔ کتنے احکام مکرر مذکور ہیں۔ اسی طرح تیمم بھی دوبارہ مذکور ہوا تو کیا اعتراض۔ اس سے قطع نظر کرتے ہوئے یہاں ایک خاص فائدہ بھی موجود ہے۔ سورہ نساء کی آیت پر ایک بار پھر نظر غور ڈالیں ارشاد ہے۔

اے ایمان والو نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک جو کہو اسے سمجھنے نہ لگو اور نہ ناپاکی کی حالت میں جب تک غسل نہ کرلو مگر یہ کہ راستہ طے کر رہے ہو۔ اگر آیت یہیں تک ہوتی اور اس کے بعد تیمم کا ذکر نہ ہوتا تو دو شبہ ہو سکتا تھا۔ ایک یہ کہ شاید اس نے آیت تیمم منسوخ کر دیا۔ دوسرا یہ کہ مسافر پر غسل جنابت نہیں۔ ان دونوں شبہوں کے دفعیہ کے لئے پھر تیمم کا ذکر فرمایا کہ یہ افادہ ہو جائے کہ تیمم کا حکم اب بھی ان لوگوں کے لئے باقی ہے جو پانی پر قدرت نہ رکھتے ہوں۔ خواہ انھیں غسل کی حاجت ہو خواہ وضو کی۔ خواہ مسافر ہوں خواہ مقیم۔

ایضاح البخاری کی لایعنی تقریر یہاں پھر وہی کہنا پڑتا ہے کہ صاحب ایضاح البخاری نے اپنے ہی حضور کہنے والے طلبہ کو دھونس دینے کے لئے اس شق پر بھی نکتہ آفرینی کی ہے۔ کہ اگر یہ مان لیا جائے۔ سورہ نساء کی آیت پہلے نازل ہوئی۔ اور سورہ مائدہ کی بعد میں تو حضرات صحابہ کی پریشانی کا باعث یہ بات ہو سکتی ہے۔

کہ سورہ نساء کی آیت میں جنابت کا مسئلہ صراحت کے ساتھ نہیں ہے۔ اس آیت کریمہ میں یہ تصریح نہیں۔ کہ جنابت کی صورت میں بھی تیمم کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ ایک درجہ میں وہم ہی پیدا ہوتا ہے کہ جنبی کو بہر صورت غسل ہی کی ضرورت ہے ولا

مَا هِيَ بِاَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا اٰلَ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَتْ فَبَعَثْنَا الْبَعِيْرَ الَّذِيْ كُنْتُ

ابو بکر یہ تمہاری پہلی برکت نہیں۔ عائشہ نے بتایا جب ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر

جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ مسافر کے علاوہ جنابت کی صورت میں غسل کے بغیر نماز کے قریب جانے کی اجازت نہیں۔ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا سے معلوم ہوتا ہے کہ اغتسال ضروری ہے صرف مسافر مستثنیٰ ہے۔ جلد ۱۲ صـ۱۶۳۔ اس پر گذارش یہ ہے کہ جس طرح وَاِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰى۔ سے پہلے سورہ نساء میں وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ہے۔ جس سے بقول آپ کے یہ توہم ہوتا ہے کہ مسافر کے علاوہ کسی جنبی کو غسل کے بغیر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح سورہ مائدہ میں۔ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا۔ ہے۔ اس سے آپ کی منطق سے یہ شبہ ہی نہیں یقین حاصل ہوتا ہے کہ کسی بھی جنبی کو غسل کئے بغیر نماز کی اجازت نہیں حتی کہ مسافر ہو جب بھی۔ پھر کوئی مجھے بتائے کہ سورہ مائدہ کی آیت کے نزول سے کیا فائدہ؟ بلکہ الٹے نقصان اس لئے کہ بقول آپ کے "سورہ نساء کی آیت میں مسافر مستثنیٰ تھا۔ اور سورہ مائدہ نے اسے بھی صاف کر دیا۔ یہ ذہن میں رہے کہ سورہ نساء میں حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا اور سورہ مائدہ میں فَاطَّهَّرُوْا کے بعد دونوں جگہ الفاظ ایک ہیں۔ ثانیاً۔ جب آپ کو یہ تسلیم ہے کہ سورہ نساء کی آیت سے وضو کے عوض تیمم اور مسافر کے لئے غسل کے عوض تیمم ثابت ہے۔ تو صحابہ کرام کی پریشانی کا باعث کیا تھا۔ وہ سب حضرات سفر ہی میں تھے۔ اگر بالفرض کسی پر غسل واجب تھا تو وہ بھی تیمم کر لیتا۔ ثالثاً۔ آپ کو آپ کے اساتذہ نے بتایا ہی نہیں کہ۔ وَاِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰى سے لیکر وَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً تک جو کچھ مذکور ہے اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ وضو کے عوض بھی تیمم کافی اور غسل کے عوض بھی۔ مسافر کے لئے بھی اور مقیم کے لئے بھی۔ یہ تو گستاخی ہوگی اگر میں یہ کہہ دوں کہ آپ کے اساتذہ یہ جانتے نہ تھے مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ اگر وہ جانتے تھے اور نہیں بتایا تو آپ کے ساتھ بخل سے کام لیا۔ اب آپ ہم سے سنئے۔ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ میں ملامسۃ سے مراد جماع ہے جس کی مفصل تقریر گذر چکی اور مخاطب مسافر نہیں مقیم بھی ہے علاوہ ازیں مَرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ۔ جنبی اور محدث دونوں کو عام ہے خواہ وہ مسافر ہوں یا مقیم۔ اس لئے اس افادے میں دونوں آیتیں مشترک ہیں۔ کہ محدث کی طرح جنبی کو بھی پانی پر قدرت نہ ہونے کے وقت تیمم کافی ہے مسافر ہو یا مقیم۔ مگر شیخ الحدیثی کا بھرم قائم رکھنے کے لئے بلاضرورت شق نکال کر لایعنی تقریر سے دھونس جمانا ضروری ہے؟

چوتھا اشکال اور اس کا حل علم غیب کے منکرین اس واقعے سے یہ دلیل لاتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا۔ اگر علم غیب ہوتا۔ تو ہار کے تلاش کے لئے ایسی جگہ قیام کر کے خود بھی پریشان نہ ہوتے اور صحابہ کرام کو بھی پریشان نہ کرتے۔

جواب یہ ہے۔ کہ ہم حدیث جبریل میں بتا آئے ہیں کہ نزول قرآن کی تکمیل سے پہلے پہلے، جمیع ما کان و ما یکون کا علم نہیں تھا۔ جمیع ما کان و ما یکون کا علم نزول قرآن کی تکمیل کے ساتھ حاصل ہوا ہے۔ نزول قرآن کی تکمیل سے پہلے "قدر معتد بہ" علم غیب تھا۔ دو چار باتوں کا نہ جاننا قدر معتد بہ جاننے کے منافی نہیں۔ جیسے ائمہ مجتہدین نے

عَلَيْهِ فَاَصَبْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهُ ؏ه

پس بھی	تو ہار	اس کے	نیچے ملا

بعض مسائل کے بارے میں فرمایا کہ ہم نہیں جانتے۔ ان چند مسائل کا نہ جاننا ان کے امام بلکہ امام الائمہ ہونے کے منافی نہیں۔ اسی طرح اگر بفرض غلط یہ مان لیا جائے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ پتہ نہیں تھا کہ ہار کہاں ہے۔ تو یہ اس کے منافی نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، علم غیب جانتے تھے۔ ویسے یہ کہنا ہی غلط ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم نہیں تھا کہ ہار کہاں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ ہار کہاں ہے، مگر بتایا کیوں نہیں وہاں قیام کیوں فرمایا۔ اس لئے کہ حضور کو یہ معلوم تھا کہ تیمم کا حکم یہیں نازل ہوگا۔ جس میں میری امت کے لئے آسانی ہے۔

ناظرین غور کریں ۔ یہ ہار حضرت ام المومنین کا اپنا نہیں تھا ان کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا ان سے مانگ کر لائی تھیں۔ جیسا کہ اسی بخاری ہی میں ایک حدیث کے بعد ہے۔ انها استعارت من اسماء قلادة حضرت ام المومنین نے حضرت اسماء سے ہار منگنی لیا تھا۔ عرب کے ریگستانی علاقے میں یہ ہار ٹوٹ کر گر پڑا ہے وہ بھی رات کے وقت وہ بھی ایک لشکر کے ہمراہ گرنے کے بعد اس پر اونٹوں کے پاؤں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ جس سے زمین میں دھنس کر غائب ہو سکتا ہے۔ اپنی چیز کے گم ہونے کا اتنا غم نہیں ہوتا۔ جتنا منگنی کی چیز کے غائب ہونے کا ہوتا ہے جس کی چیز ہے وہ کچھ بھی سوچ سکتا ہے۔ ان سب کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر خاص اثر ہونا ضروری تھا۔ مگر روایت کے الفاظ دیکھئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اطمینان سے میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر حضرت ام المومنین کو کیا کیا کہتے ہیں مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیند میں کوئی خلل نہیں ہوتا۔ یہ دلیل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہار کی طرف سے مطمئن تھے۔ معلوم تھا کہ ہار خود حضرت عائشہ کے اونٹ کے نیچے بحفاظت تمام رکھا ہوا ہے۔ کہیں غائب نہیں ہے۔ اس لئے پورے سکون کے ساتھ گہری نیند سوتے رہے۔ اور چونکہ یہ معلوم تھا کہ "آیت تیمم یہیں نازل ہوگی اس لئے قیام فرمایا۔ غور کریں اس واقعے سے علم غیب کا ثبوت ہوتا ہے مگر کیا کیجئے گا ع ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیب

مسائل استنباط: ① شادی شدہ لڑکی کی شکایت اس کے باپ سے کرنی جائز ہے اگرچہ وہ اپنے شوہر کے گھر رہتی ہو ② ایسی لڑکی کو بھی باپ تنبیہ و تادیب کر سکتا ہے۔ اسی طرح بیٹے کو بھی ③ لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ جس گھر میں ہو۔ باپ اس میں جا سکتا ہے بشرطیکہ میاں بیوی دونوں راضی ہوں ④ مذہب صحیح یہ ہے کہ تہجد کی نماز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر فرض تھی۔ یہی جمہور کا بھی مذہب ہے۔ ان کی دلیل یہ ارشاد ربانی ہے۔

؏ه بخاری جلد اول تیمم۔ اول حدیث ص۴۸ ایضاً مناقب باب فضل ابی بکر ص۵۱۸ ایضاً جلد ثانی تفسیر سورہ مائدہ باب قولہ فلم تجدوا ماءً فتیمموا۔ دو طریقے ص۶۶۴ ایضاً جلد ثانی نکاح میں باب من ادب اهله او غيره دون السلطان ص۷۸۶ مسلم جلد اول طہارت باب التیمم ص۱۶۰ نسائی جلد اول طہارت باب بدء التیمم ص۵۹ موطا طہارت باب التیمم ص۲۱

حدیث اعطیت خمسا (۲۳۶)

اَخْبَرَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ
حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ہمیں خبر دی۔ کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

وَمِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ ۔ رات میں، سونے کے بعد اٹھ کر نماز پڑھو خاص تمہارے لئے زیادہ ہے۔

بنی اسرائیل ۷۹

تَھَجَّدْ۔ امر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لئے ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حالت سفر میں حضور پر تہجد فرض نہ تھا۔

۵ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کتنا احترام تھا، کتنی محبت تھی۔ کہ کونچے کھانے کے بعد بھی ذرا سی حرکت نہ کی مبادا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیند میں خلل پڑے۔ ۶ بارگاہ الوہیت میں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجاہت معلوم ہوئی کہ اللہ عزوجل نے اتنی بڑی نعمت ان کے ذریعہ سے عطا فرمائی۔ اور بقول حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ایسی برکتیں ان سے بار بار ظاہر ہوئیں۔ ۷ اس ہار کی قیمت بارہ درہم تھی۔ مگر اس کی تلاش کے لئے پورا لشکر رکا گیا تو معلوم ہوا۔ معمولی قیمت کی بھی کوئی چیز ضائع نہیں ہونے دینی چاہیئے ۸ سفر میں اگر ساتھیوں کا کوئی سامان غائب ہو جائے تو اس کی تلاش دوسرے رفقاء کو بھی کرنی چاہیئے کوئی تکلیف پہنچے تو اسے دور کرنے کے لئے جد وجہد کرنی چاہیئے اگرچہ اس کے لئے رکنا پڑے۔ ۹ عورتوں کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے اگر امن وامان ہو اور اطمینان ہو ۱۰ عورتوں کو زیب وزینت کے لئے زیور پہننا جائز ہے ۱۱ عورت منگنی کا زیور پہن سکتی ہے اور مالک کی اجازت کے بعد سفر بھی کر سکتی ہے۔

تشریحات (۲۳۶)

تعداد خصائص یہاں پانچ کا عدد مذکور ہے۔ مسلم میں چھ کا اور تفصیل میں "اعطیت الشفاعۃ" نہیں ہے۔ دو مزید یہ ہیں۔ اعطیت بجوامع الکلم۔ وختم بی النبیون۔ مسلم ہی میں حضرت حذیفہ کی حدیث میں یہ ہے۔ فضلنا علی الناس بثلث۔ جعلت صفوفنا کصفوف الملائکۃ۔ وجعلت لنا الارض الی آخرہ نسائی میں یہ زائد ہے۔ واوتیت ھؤلاء الآیات الاخر سورۃ البقرہ من کنز تحت العرش اور ابوداؤد میں ہے واوتیت الکوثر۔ بخاری، مسلم، نسائی میں ہے۔ واوتیت بمفاتیح خزائن الارض اور مسند امام احمد میں یہ اضافہ ہے واعطیت بمفاتیح الارض وسمیت احمد وجعل لی التراب طھورا وجعلت امتی خیر الامم۔ یہ بارہ خصائص ہوئے۔ مگر ان میں بھی حصر نہیں۔ ابوسعید نیشاپوری نے اپنی کتاب۔ شرف المصطفیٰ۔ میں ساٹھ شمار کرائے۔ مگر ساٹھ میں بھی انحصار نہیں۔ جو اس کی قدرے تفصیل دیکھنا

تعالیٰ علیہ وسلم قال۔ اُعطیتُ خمسًا لم یُعطھن احدٌ قبلی، نُصرتُ

نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ ایک مہینے کی مسافت تک میرے مخالفوں

بالرُّعب مسیرۃَ شھرٍ وجُعلت لی الارضُ مسجدًا وّطھورًا فاَیُّما

کے دل میں میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی میرے لئے پوری زمین نماز کی جگہ اور پاک کرنے والی بنائی گئی۔

چاہیے وہ خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ کی کتاب۔ خصائص کبریٰ۔ کا مطالعہ کرے۔ مذہب صحیح و محقق یہ ہے کہ مفہوم عدد حجت نہیں۔ اس لئے تین یا پانچ یا چھ کے عدد کے مذکور ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے زائد نہیں۔ بلکہ موقع و محل کے اعتبار سے جتنے کی ضرورت سمجھی ان کو بیان فرمایا۔ مسند امام احمد میں، عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی حدیث میں ہے کہ حضور نے غزوہ تبوک کے سال یہ فرمایا تھا۔

لم یعطھن احد داؤدی اور بعض دوسرے لوگوں نے اس کا مطلب یہ بتایا کہ مراد یہ ہے کہ یہ پانچوں مجموعی طور پر کسی کو نہیں ملیں۔ ان میں سے بعض، بعض انبیاء کو عطا کی گئیں مثلاً نوح علیہ السلام تمام اہل ارض کے لیئے رسول تھے۔ قبل طوفان بھی بعد طوفان بھی۔ قبل طوفان اس طرح کہ طوفان پوری دنیا کے کافروں پر آیا حالانکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

مَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ ہم کسی پر عذاب نہیں کرتے جب تک رسول نہ بھیج

بنی اسرائیل ۱۵

لیں۔

اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں کہیں اور کسی نبی کی بعثت نہیں ہوئی۔ تو ثابت ہے کہ پوری زمین کے انسانوں کی طرف مبعوث تھے۔ بعد طوفان تو سارے کافر ہلاک ہو گئے صرف اسّی افراد جو مومن تھے بچے جو سب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے تھے۔ اس کے علاوہ حدیث شفاعت میں ہے۔ کہ اہل محشر حضرت نوح علیہ السلام سے عرض کریں گے۔ اَنْتَ اَوَّلُ رَسُوْلٍ اِلٰی اَھْلِ الْاَرْضِ۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ وہ سیاحت فرماتے رہتے۔ جہاں نماز کا وقت ہو جاتا نماز پڑھ لیتے۔

مگر صحیح یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک فضیلت کسی کو نہیں عطا ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت کے بارے میں قرآن کی نص ہے کہ فرمایا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ۔ ھود ۲۵ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔

رہ گیا پوری دنیا پر عذاب آنا ہو سکتا ہے یہ اس وجہ سے ہو کہ دوسری قوموں کی طرف دوسرے انبیاء بھیجے گئے ہوں اور ان قوموں نے انبیاء کو جھٹلایا ہو۔ عدم علم، علم عدم نہیں۔ اور اہل محشر کی عرض کا حاصل یہ ہے کہ آپ پہلے وہ رسول ہیں جو زمین والوں کی جانب بھیجے گئے ہیں یہ نہیں کہ تمام اہل زمین کی طرف بھیجے گئے ان کی قوم بھی تو اہل ارض

رَجُلٍ مِنْ اُمَّتِیْ اَدْرَکَتْہُ الصَّلٰوۃُ فَلْیُصَلِّ وَاُحِلَّتْ لِیَ الْمَغَانِمُ

میری امت کے جس شخص پر جہاں نماز کا وقت آجائے وہیں نماز پڑھ لے میرے لئے

وَلَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِیْ وَاُعْطِیْتُ الشَّفَاعَۃَ۔ وَکَانَ النَّبِیُّ یُبْعَثُ اِلٰی

اموال غنیمت حلال کردئے گئے مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے۔ اور مجھے شفاعت کبریٰ عطا کی گئی۔ اور پہلے نبی کو خاص انکی

ہی ہے۔ رہ گیا بعد طوفان کا معاملہ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اصل بعثت توان کی قوم ہی کی طرف تھی۔ یہ اتفاق ہے کہ طوفان میں بقیہ قومیں ہلاک ہوگئیں اور صرف ان کی قوم کے اسّی افراد بچے۔

ایک جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں صرف انھیں کی قوم موجود رہی ہو دوسری قومیں نہ رہی ہوں تو اصل بعثت ان کی قوم کی طرف ہوئی۔ یہ اتفاق ہے کہ انسان انکی قوم ہی میں منحصر تھے۔ رہ گئی یہ بات کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اجازت تھی کہ وہ جہاں چاہیں نماز پڑھ لیں۔ یہ بھی معارض نہیں۔ اس لئے کہ اس سلسلے میں خصوصیت دو چیزوں کا مجموعہ ہے ایک پوری زمین کا مسجد ہونا دوسرے زمین کا پاک کرنے والا ہونا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے لئے زمین کے ہر حصے میں نماز پڑھنے کی اجازت تھی۔ مگر ان کے لئے زمین، طاہر کرنے والی نہیں بنائی گئی تھی۔

نصرت بالرعب سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث میں یہ تفصیل ہے۔ نصرت بالرعب شہرًا اما می و شہرا خلفی۔ ایک مہینہ کی مسافت پر میرے آگے اور ایک ماہ کی مسافت پر میرے پیچھے۔ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے۔

یقذف فی قلوب اعدائی۔ یہ رعب میرے دشمنوں کے دلوں میں ڈالا جاتا ہے شارحین نے فرمایا۔ کہ ایک مہینے کی تخصیص اس بنا پر ہے کہ مدینہ طیبہ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس زمانے کے دشمنوں میں سے کوئی ایک مہینے کی دوری پر نہیں تھا۔ اس کا مفاد یہ ہوا کہ شہرًا کی قید احترازی نہیں واقعی ہے۔ اس لئے ایک مہینے کی دوری کی تخصیص نہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ میرا رعب میرے ہر دشمن کے دل میں ہے خواہ وہ کتنی ہی دوری پر کیوں نہ ہو۔

احلت لی الغنائم غنائم غنیمت کی جمع ہے۔ کشمیہنی کی روایت میں مغانم ہے۔ یہ مغنم کی جمع ہے۔ دونوں کے معنی ایک ہیں۔ یعنی کوئی چیز مفت حاصل کرنا۔ شریعت میں غنیمت اس مال کو کہتے ہیں۔ جو لڑائی میں کافروں سے بطور قہر و غلبہ لیا جائے۔ گذشتہ انبیاء کرام میں کچھ وہ تھے جنھیں لڑائی کی اجازت نہ تھی۔ کچھ وہ تھے جنھیں لڑائی کی اجازت تھی مگر ان کے لئے مال غنیمت حلال نہ تھا۔ آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا دیتی۔

اعطیت الشفاعۃ شفاعت کے لغوی معنی دعا کے ہیں۔ اور عرف میں کسی غیر سے کسی غیر کی حاجت کا

قَومِهٖ خَاصَّةً وَّبُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ عَامَّةً۔ع

قوم کی جانب بھیجا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

سوال کرنا۔ الشفاعۃ پر الف لام عہد کا ہے۔ اس سے مراد۔ شفاعتِ عظمٰی ہے۔ مراد یہ ہے کہ میدان محشر میں جب کوئی کسی کا نہ ہوگا اور نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ اس دن کی سختی سے ہر شخص جان سے عاجز ہوگا اس وقت سختیوں میں کمی کرانا اور حساب و کتاب شروع کرانا مراد ہے۔ یہ وہ شفاعت ہے جو ہر شخص کے لئے ہوگی خواہ وہ مومن ہو یا کافر نبی ہو یا ولی۔ اس شفاعت کبریٰ کے علاوہ اور بھی مخصوص شفاعت کی قسمیں ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں۔ جو جلد اول میں مذکور ہو چکی ہیں۔ قیامت کے دن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کی خصوصیت یہ ہے کہ جس کے بارے میں بھی شفاعت فرمائیں گے وہ ضرور قبول ہوگی۔ جیسا کہ حدیث شفاعت میں ہے کہ اللہ عزوجل فرمائے گا۔ قل تسمع سل تعطہ اشفع تشفع۔ کہو تمہاری بات سنی جائے گی۔ سوال کرو دیا جائے گا شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کیجائے گی۔

بعثت الی الناس عامۃ بعثت عامۃ کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اگلے انبیاء کرام کی طرح قوم بستی، ملک یا زمانے کیساتھ خاص نہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت سارے جہان کے لئے ہے جو حیات ظاہری کے وقت دنیا میں موجود تھے۔ ان کے لئے بھی اور پہلے والوں کے لئے بھی اور قیامت تک جتنے پیدا ہوں گے سب کے لئے۔ خواہ وہ انسان ہوں خواہ جن، خواہ نبی و رسول ہوں خواہ ملائکہ۔ بلکہ اللہ عزوجل کے ماسوا تمام موجودات کے لئے ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ ①

برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے (محبوب) بندے پر فرقان اتارا تاکہ وہ سارے جہان کو ڈرائیں۔

فایما رجل ادرکتہ الصلوۃ جس کو جہاں نماز کا وقت ملے پڑھ لے۔ اس سے ثابت ہوا کہ زمین اور زمین کی جنس سے جو چیز ہو اس سے تیمم جائز ہے۔ اس لئے کہ حدیث کا یہ جز۔ سابق پر تفریع ہے۔ یعنی جب پوری زمین نماز کی جگہ بنادی گئی۔ اور پوری زمین پاک کرنے والی کردی گئی۔ تو تم جہاں ہو وہیں نماز پڑھو پانی نہ ملے تو زمین تو ہے تیمم کرکے نماز پڑھو۔ زمین کا بہت سا حصہ ایسا ہے جہاں مٹی نہیں صرف پتھر ہے اگر تیمم کو مٹی کے ساتھ خاص کردیں گے۔ تو یہ تفریع درست نہ ہوگی۔ اس کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ یہ مانیں کہ اگر تم کسی ایسی جگہ ہو جہاں مٹی نہ ہو پتھری پتھر ہو تو پتھری سے تیمم کرلو۔ اس لئے کہ یہ بھی زمین ہی کی جنس سے ہے۔ جب پتھر پر تیمم اس لئے جائز کہ زمین کی جنس سے

ع بخاری جلد اول۔ تیمم ص۴۸، بخاری جلد اول صلوٰۃ باب جعلت لی الارض مسجد او طھورا ص۶۲۔ مسلم جلد اول مساجد باب اول بعض نیادۃ نقصان ص۱۹۹۔ ترمذی جلد اول سیر باب ماجاء فی الغنیمۃ ص۱۸۰۔ نسائی جلد اول غسل باب التیمم بالصعید ص۴۷۔

حدیث۔ انها استعارت من اسماء قلادة فهلكت (۲۳۷)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّهَا اسْتَعَارَتْ مِنْ اَسْمَاءَ قِلَادَةً

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنی بہن حضرت اسماء سے ایک ہار مانگ لیا تھا

فَهَلَكَتْ فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَوَجَدَهَا

وہ غائب ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو تلاش کرنے کے لئے بھیجا ہار تو انھیں

ہے تو ان تمام چیزوں سے جائز جو زمین کی جنس سے ہوں۔ ہر وہ چیز جو آگ سے جل کر نہ راکھ ہوتی ہو، نہ اس کے اثر سے پگھلتی ہو نہ نرم ہوتی ہو وہ جنس ارض ہے جیسے ریت، چونا، سرمہ، ہڑتال، مردار سنگ، گیرو ہر قسم کے پتھر جیسے زبرجد، فیروزہ، عقیق، زمرد وغیرہ۔

تشریحات (۲۳۷)

اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اوس کی مشہور شاخ بنی عبدالاشہل کے چشم وچراغ تھے۔ خاندانی رئیس تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے کچھ دن پہلے، انصار کے دونوں قبیلے، اوس، خزرج میں ایک اخیر بہت خطرناک لڑائی ہوئی تھی جو، بُعاث کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں ان کے والد، حضیر فارس اوس اور اس کے رئیس تھے۔ عقبہ اولیٰ کے بعد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ تبلیغ اسلام کیلئے جب تشریف لائے تو ان کے ہاتھ پر مشرف با سلام ہوئے۔ انھیں کے ساتھ عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن بارہ نقباء کو منتخب فرمایا تھا ان میں ایک یہ بھی تھے۔ یہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ یہ بہت عاقل وفہیم صائب الرای بزرگ تھے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے جاں نثار انک کے سانحے پر جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ام المومنین کی پاکدامنی بیان کرنے کے بعد یہ فرمایا۔ اس سلسلے میں میری کون مدد کرتا ہے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ میں حضور کی مدد کروں گا۔ یہ مفتری اگر میرے قبیلے اوس کا ہے تو اس کی گردن میں اڑا دونگا اور اگر ہمارے بھائی خزرج کا ہے تو آپ حکم دیں تعمیل ارشاد کروں گا۔ اس پر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہہ دیا۔ اے اللہ کے دشمن تم نے جھوٹ کہا نہ تم اسے قتل کرو گے اور نہ قتل کر سکتے ہو۔ یہ سن کر حضرت اسید بن حضیر کو یارائے ضبط نہ رہا انھوں نے کہا۔ تم نے جھوٹ کہا خدا کی قسم ہم اسے ضرور قتل کریں گے تم منافق ہو اور منافقین کی حمایت میں لڑتے ہو۔ بدر میں شریک رہے یا نہیں۔ اس میں اختلاف ہے مگر اس کے بعد سارے "مشاہد" میں شریک رہے۔ غزوہ احد کی اس قیامت خیز گھڑی میں جبکہ انتشار عام کیوجہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چودہ جاں نثار

فَاَدْرَكَتْهُمُ الصَّلٰوةُ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَصَلَّوْا فَشَكَوْا ذٰلِكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ

مل گیا، مگر اسی اثناء میں نماز کا وقت آگیا، لوگوں کے ساتھ پانی نہیں تھا بغیر وضو کے نماز پڑھ لی لوگوں نے رسول اللہ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ اٰيَةَ التَّيَمُّمِ فَقَالَ اُسَيْدُ بْنُ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی اس کے بعد آیت تیمم نازل ہوئی اس پر اسید بن حضیر نے

رہ گئے تھے۔ یہ بھی موجود تھے۔ اس غزوے میں انھیں سات زخم لگے تھے۔ انھیں خوبیوں کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسید اچھا آدمی ہے۔ ام المومنین حضرت صدیقہ نے فرمایا۔ انصار میں تین ایسے بزرگ ہیں جن کے فضل و کمال تک کوئی انصاری نہیں پہنچا۔ اور یہ تینوں بنی عبد الاشہل کے فرد ہیں۔ سعد بن معاذ، اسید بن حضیر اور عباد بن بشیر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انکا کافی لحاظ رکھتے تھے۔ اور یہی حال حضرت فاروق اعظم کا بھی تھا۔ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح بیت المقدس کے لئے گئے تو انھیں بھی ساتھ لیا تھا۔

سنہ ۲۰ھ کے شعبان میں وصال ہوا۔ حضرت فاروق اعظم نے جنازے کو کاندھا دیا۔ ان پر چار ہزار دینار قرض تھا جس کی ادائیگی کے لئے حضرت فاروق اعظم کو وصیت کر گئے تھے۔ حضرت فاروق اعظم نے ان کے باغ کے پھلوں کو بیچ بیچ کر چار سال میں سب قرض ادا کر دیا۔ یہ ابھی مفصل گذری ہوئی حدیث (۲۳۵) کی تلخیص ہے مگر اس میں دو باتیں زائد ہیں ایک یہ کہ جو ہار غائب ہوا تھا وہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا۔ دوسرے یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہار تلاش کرنے کے لئے کچھ لوگوں کو مقرر فرمایا تھا۔ اس لئے ہم نے اس کو علحدہ ذکر کیا۔

باب کی توضیح اس حدیث پر امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے۔ جب کوئی پانی اور مٹی نہ پائے۔ ایسے شخص کو فاقد الطہورین کہتے ہیں۔ یہ شخص کیا کرے۔ وضو اور تیمم کے بغیر نماز پڑھے یا نہ پڑھے۔ امام بخاری نے اپنا کوئی فیصلہ نہیں تحریر کیا ہے جیسا کہ عام طور پر ان کی عادت ہے۔ اس سلسلے میں علماء کے مذاہب معتبرہ چار ہیں اول یہ کہ نہ اس حالت میں نماز پڑھے اور نہ اس نماز کی اس پر قضا ہے۔ یہ امام مالک کا مذہب ہے۔ دوم یہ کہ اس حالت میں بھی اس پر نماز پڑھنی واجب ہے۔ نماز پڑھے اور بعد قدرت اعادہ کرے۔ یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔ سوم یہ شخص بغیر تیمم اور وضو نماز پڑھے اس کی نماز صحیح ہو گئی۔ چہارم یہ کہ اس وقت بلا نیت نماز کے ارکان ادا کرے اور جب پانی یا مٹی ملے تو وضو یا تیمم کر کے نماز کی قضا پڑھے۔[1] یہ احناف کا مذہب ہے۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ فرمایا۔ لاصلوٰۃ الا بطھور۔[2] پاکی کے بغیر نماز ہی نہیں۔ اس لئے فاقد الطہورین کا نماز پڑھنا اور نہ پڑھنا یکساں ہے۔ رہ گئی بلا نیت ارکان نماز کی ادائیگی یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے رمضان میں مسافر، دن میں گھر آیا یا نابالغ، بالغ ہوا یا کافر مسلمان ہوا یا مجنوں کو افاقہ ہوا یا حائضہ پاک ہوئی تو رمضان

---

[1] تنویر الابصار و درمختار۔ [2] رد المحتار جلد اول طہارت باب التیمم صہ ۱۴۸۔

حُضَيْرٍ لِعَائِشَةَ جَزَاكِ اللّٰهُ خَيْرًا فَوَاللّٰهِ مَا نَزَلَ بِكِ أَمْرٌ تَكْرَهِينَهُ

حضرت عائشہ سے کہا۔ آپ کو اللہ عزوجل بہترین جزا دے۔ خدا کی قسم جب بھی آپ کے ساتھ کوئی ناخوشگوار حادثہ

إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكِ لَكِ وَلِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ خَيْرًا ؏

پیش آتا ہے تو اللہ عزوجل اس میں آپ کے لئے اور مسلمانوں کے لئے بھلائی کر دیتا ہے

کے احترام میں بقیہ دن روزہ دار کی طرح رہیں گے: کچھ کھائیں گے اور نہ کچھ پئیں گے۔ یا جیسے حج کسی وجہ سے فاسد ہو گیا تو بھی تمام ارکان حاجیوں کی طرح ادا کرنا واجب ہے۔ اگرچہ اس کو دوبارہ حج کرنا فرض ہے۔ ان نظائر سے معلوم ہوا کہ جہاں مامور بہ پر حقیقۃً عمل ناممکن ہو وہاں ایسی صورت بنانا شرعاً مطلوب ہے گویا مامور بہ ادا کر رہا ہے۔

باب سے مطابقت باب یہ تھا۔ کہ پانی اور مٹی نہ پائے اور حدیث میں ہے کہ وہاں پانی نہیں تھا مٹی موجود تھی۔ اس لئے شبہ ہو سکتا ہے کہ حدیث باب کے مطابق نہیں۔ مگر نظر دقیق سے مطابقت یوں ہے۔ کہ جب تیمم کا حکم نازل ہی نہیں ہوا تھا تو مٹی کا وجود کالعدم تھا۔ بظاہر مٹی تو تھی مگر حقیقت میں یوں کہئے کہ نہیں تھی۔ جب اس وقت اس سے طہارت کا حکم ہی نہیں تھا تو ہونا بیکار تھا۔ اس کو دوسری عبارت میں یوں کہہ لیجئے کہ باب کا مقصود یہ ہے کہ جب کوئی مُطَہِّر نہ ہو تو کیا کرے اور حدیث میں ہے کہ مُطَہِّر نہیں تھا تو لوگوں نے بلا وضو نماز پڑھی۔ یہ حدیث ہمارے معارض نہیں۔ اس لئے کہ صحابہ کرام نے بغیر حضور کے حکم کے یہ نماز پڑھی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو آرام فرما رہے تھے۔ اس لئے صریح ارشاد "لا صلوۃ الا بطہور" کے خلاف صحابہ کا یہ فعل جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اذن سے نہیں تھا، معارض نہیں ہو سکتا۔

تطبیق حدیث (۴۳۵) میں یہ ہے کہ ـــــ میں جس اونٹ پر تھی اس کو اٹھایا گیا تو اس کے نیچے ہار ہم نے پایا ـــــ اور اس حدیث میں ہے کہ ایک صاحب کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تلاش کے لئے بھیجا تھا انھوں نے پایا۔ بخاری فضل عائشہ اور مسلم میں ہے ـــــ صحابہ میں سے کچھ لوگوں کو اسے تلاش کرنے کیلئے بھیجا ـــــ ان سب میں تطبیق یہ ہے واقعہ یہی ہے ـــــ کہ ہار تلاش کرنے کیلئے چند حضرات کو حضرت اسید بن حضیر کے ساتھ بھیجا تھا۔ جیسا کہ ابو داؤد میں ہے۔ ان سب کے سردار یہی تھے اس لئے اس روایت میں صرف رَجُلًا مذکور ہے ـــــ جیسے کہا جاتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر نے حضرت خالد بن ولید کو شام جہاد کیلئے بھیجا۔ حضرت خالد بن ولید نے شام فتح کیا۔ اور اس حدیث میں ـــــ جمع متکلم ہے۔ ہم نے پایا۔ اس میں حضرت اسید بن حضیر بھی داخل ہیں۔ ان لوگوں کو ہار کہاں ملا یہ اس حدیث میں مذکور نہیں یہ حدیث (۴۳۵) میں ہے کہ اونٹ کے نیچے ملا۔

ع بخاری جلد اول تیمم باب اذا لم یجد ماء ولا ترابا ص۴۸۔ ایضاً جلد ثانی تفسیر باب قولہ وان کنتم مرضیٰ او علیٰ سفر ص۶۶۰۔ ایضاً لباس باب استعارۃ القلائد ص۔ ایضاً نکاح باب استعارۃ الثیاب للعروس وغیرہا ص۔ ایضاً جلد اول فضائل اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باب فضل عائشہ ص۵۳۲۔ مسلم جلد اول حیض باب التیمم ص۱۶۰۔ ابو داؤد جلد اول تیمم باب التیمم ص۴۵۔ نسائی جلد اول طہارت باب فیمن لم یجد الماء ولا الصعید ص۶۰۔ ابن ماجہ طہارت باب ما جاء فی التیمم ص۴۲۔ دارمی وضوء مسند امام احمد

ت (۷۴) بَابُ التَّیَمُّمِ فِی الْحَضَرِ إِذَا لَمْ یَجِدِ الْمَاءَ وَخَافَ فَوْتَ الْوَقْتِ

جب کوئی آبادی میں پانی نہ پائے اور نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کے تیمم کا بیان ۔ اور

وَبِہٖ قَالَ عَطَاءٌ

یہی عطا نے کہا ۔

ت (۷۵) قَالَ الْحَسَنُ فِی الْمَرِیْضِ عِنْدَہُ الْمَاءُ وَلَا یَجِدُ مَنْ یُّنَاوِلُہٗ یَتَیَمَّمُ

امام حسن بصری نے اس مریض کے بارے میں فرمایا جس کے قریب پانی ہو اور کوئی ایسا نہ ہو جو مریض کو دے سکے تو تیمم کرے

ت (۷۶) وَاَقْبَلَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مِنْ اَرْضِہٖ بِالْجُرُفِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی زمین سے واپس ہو رہے تھے جو جرف میں تھی کہ

تشریحات ت (۷۴) (۷۵)

مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ الفاظ ہیں۔

اذا کنت فی الحضر وحضرت الصلوۃ ولیس عندک ماء فانتظر الماء۔ فان خشیت فوت الصلوۃ فتیمم وصل۔

جب تم آبادی میں ہو اور نماز کا وقت آجائے اور تمہارے پاس پانی نہ ہو تو پانی کا انتظار کرو جب نماز فوت ہونیکا اندیشہ ہو تو تیمم کرکے نماز پڑھ لو۔

دوسری تعلیق کے الفاظ اسی مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ ہیں۔

ولا یتیمم ما رجی ان یقدر علی الماء فی الوقت نماز کے وقت میں پانی ملنے کی جب تک امید ہو تیمم نہ کرے۔

یہی احناف کا بھی مسلک ہے کہ جس کے پاس پانی نہ ہو یا اسے پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو وہ تیمم کرکے نماز پڑھ لے اگرچہ وہ مسافر نہ ہو مقیم ہو اگرچہ وہ آبادی میں ہو۔

تشریحات ت (۷۶)

یہ اثر موطا امام مالک میں یوں ہے۔

عن نافع انہ اقبل ہو وعبد اللہ بن عُمَرَ مِنَ الْجُرُفِ حَتّٰی اِذَا کَانَا بِالْمِرْبَدِ نَزَلَ

نافع نے کہا کہ یہ اور ابن عمر، جُرف سے چلے جب مربد پہنچے تو وہ اترے اور پاک زمین سے تیمم کیا اور اپنے چہرے اور کہنیوں

عہ مصنف ابن ابی شیبہ، موطا امام مالک۔ طہارت باب العمل فی التیمم صہ۲۱

فَحَضَرَتِ الْعَصْرُ بِمِرْبَدِ النَّعَمِ فَصَلّٰی ثُمَّ دَخَلَ الْمَدِیْنَۃَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَۃٌ فَلَمْ یُعِدْ

مربد النعم میں عصر کا وقت آگیا انھوں نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی اس کے بعد مدینہ گئے اور ایسے وقت مدینہ پہنچ گئے تھے کہ آفتاب بلند تھا پھر بھی نماز دہرائی نہیں

حدیث فمسح بوجهه ویدیه ثم رد السلام (۲۳۸)

قَالَ سَمِعْتُ عُمَیْرًا مَوْلٰی ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا، قَالَ اَقْبَلْتُ

عبد الرحمٰن اعرج نے کہا میں نے حضرت ابن عباس کے غلام عمیر سے سنا۔ انھوں نے کہا۔ میں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ

اَنَا وَعَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یَسَارٍ مَوْلٰی مَیْمُوْنَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام عبد اللہ بن یسار ابو جہیم بن حارث بن صمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْھِکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ ثُمَّ صَلّٰی سمیت ہاتھوں کو ملا۔ پھر نماز پڑھی۔

جرف۔ مدینہ سے تین میل کی دوری پر شام کی طرف ایک گاؤں ہے۔ یہیں جہاد کے لئے جاتے وقت لشکر یہیں جمع ہوتا تھا۔ یہیں حضرت عمر اور دوسرے لوگوں کی آراضی تھی اس کا نام بیر جشم اور بیر جمل بھی ہے۔ مربد النعم کا فاصلہ مدینے سے ایک میل کا ہے [1]

یہی ہمارا مذہب ہے کہ اگر اس میں اور پانی میں ایک میل کا فاصلہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور اگر وقت میں پانی مل جائے تو اعادہ کی حاجت نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اعادہ واجب ہے۔

غایت باب تیمم کی آیت حالت سفر میں نازل ہوئی تھی اور سفر میں ایسے مواقع اکثر پیش آتے رہتے ہیں کہ پانی نہ ملے۔ آبادی میں شاید باید ایسا حادثہ پیش آتا ہے۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اس کو واضح کر دیا جائے۔ اس باب سے امام بخاری نے یہ افادہ فرمایا کہ فلم تجدوا ماءً عام ہے خواہ کوئی سفر میں ہو یا حضر میں یا میدان اور جنگل میں جہاں بھی پانی نہ ملے تیمم کر سکتا ہے۔ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے۔ خصوص مورد کا نہیں۔

تشریحات (۲۳۸)

ابو جہیم بن حارث بن صمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قبیلہ خزرج کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد، حارث بن صمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابی ہیں اور کبار صحابہ میں سے ہیں۔ انصار کرام میں سابقین اولین میں سے ہیں۔ ان میں اور حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مواخات کا رشتہ قائم فرمایا تھا۔

---

[1] فتح الباری جلد اول ص ۳۶۴

حَتّٰی دَخَلْنَا عَلٰی اَبِیْ جُھَیْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّۃِ الْاَنْصَارِیِّ فَقَالَ

کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ابو جہیم نے بتایا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیر جمل کی طرف سے آرہے تھے۔ کہ ایک

اَبُوْ جُھَیْمٍ اَقْبَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ نَّحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ

شخص حضور سے ملے اور حضور کو سلام کیا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔

فَلَقِیَہٗ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَیْہِ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

یہاں تک کہ دیوار کے پاس تشریف لے گئے اور اپنے چہرے اور

غزوہ بدر میں شرکت کیلئے جارہے تھے مگر روحا پہنچ کر بیمار ہو گئے اس لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں واپس کر دیا۔ مگر مال غنیمت سے حصہ دیا۔ غزوہ احد میں شریک ہوئے۔ عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ کو انھوں نے ہی قتل کیا تھا احد میں ان چودہ جاں نثاروں میں سے ہیں جو اس قیامت خیز گھڑی میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گرد حصار بنے رہے جب اور لوگ بدحواسی میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے۔ بیر معونہ میں شہید ہوئے۔ صحابہ میں ابو جہیم ایک اور بزرگ ہیں۔ انبجانیہ والے۔ یہ قریشی ہیں انکا نام عامر یا عبید اللہ ہے اور باپ کا حذیفہ۔ ان انصاری کا نام عبداللہ ہے اور باپ کا نام حارث۔ بعض محدثین کو دونوں میں اشتباہ ہو گیا۔ حتی کہ امام مسلم کو بھی۔ اسی لئے اس حدیث کی سند میں انھوں نے ابی جہیم کے بجائے ابی جھیم ذکر کر دیا ہے۔

بیر جمل۔ گزر چکا کہ جرف کا دوسرا نام بیر جمل بھی ہے۔ راستے میں جو صاحب ملے تھے اور سلام کیا تھا۔ یہ خود راوی حدیث ابو جہیم ہی تھے۔ جیسا کہ امام شافعی نے جو تخریج کی ہے اس میں تصریح ہے۔ مروت علی النبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مسائل اس حدیث سے یہ مسائل مستنبط ہوئے ① آبادی میں تیمم جائز ہے ② اذکار مستحبہ کیلئے پانی پر قدرت ہوتے ہوئے بھی تیمم کر لینا بہتر ہے ③ دوسرے کی دیوار پر تیمم جائز ہے جبکہ اس کی اجازت ہو یا معلوم ہو کہ اسے ناگوار نہ ہوگا۔ ④ پتھر پر تیمم جائز ہے۔ اس لئے کہ مدینہ طیبہ کے مکانات کالے پتھر کے تھے۔ ⑤ نماز جنازہ و نماز عیدین کیلئے تیمم جائز ہے اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیمم کرکے جواب اس لئے دیا کہ اگر پانی کا انتظار کرتے یا کسی سے منگاتے اور وضو کرتے تو سلام کا جواب رہ جاتا جس کا کوئی بدل نہیں تھا۔ اس لئے کہ ابو جہیم سلام کرکے آگے بڑھ گئے تھے۔ جب گلی کے موڑ پر پہنچے اور یہ اندیشہ ہوا کہ وہ چلے جائیں گے اور سلام کا جواب رہ جائے گا۔ تو تیمم کرکے جواب دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر وضو میں مشغولیت کی وجہ سے ایسے فرض اور واجب چھوٹنے کا اندیشہ ہو جس کا کوئی خلف نہ ہو تو تیمم کی اجازت ہے نماز جنازہ اور عیدین کا کوئی بدل نہیں اس لئے اگر وضو میں مشغولیت کیوجہ سے ان کے فوت ہونیکا اندیشہ ہو تو تیمم کی اجازت

حتی اَقْبَلَ عَلَی الْجِدَارِ فَمَسَحَ بِوَجْهِهٖ وَيَدَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ

ہاتھوں پر مسح فرمایا (تیمم کیا) پھر سلام کا جواب دیا۔

حدیث، عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتمعکت (۲۳۹)

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى عَنْ اَبِيْهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ

حضرت عبد الرحمن بن ابزی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ ایک شخص، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ثابت ـــ یہ استدلال اس وقت تام ہوگا جبکہ یہ واضح ہو کہ سلام کا جواب یا کوئی بھی ذکر بلا وضو جائز نہ ہو مگر واقع میں ایسا نہیں۔ بعض محققین کی یہ رائے ہے کہ شروع میں یہ حکم تھا مگر آیت وضو سے منسوخ ہوگیا۔ یا ام المومنین کی اس حدیث سے کہ فرماتی ہیں۔ كان يذكر الله على كل احيانه ـــ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ کا ذکر فرماتے تھے۔ یا حضرت ابن عباس کی اس حدیث سے جیسے یہ فرمایا کہ میں اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سویا تھا اور حضور وضو کرنے سے پہلے سورہ آل عمران کی دس آیتیں اور دعائیں پڑھیں۔ اس خادم کی بھی رائے یہی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر حالت حدث میں سلام کا جواب دینا ممنوع نہ ہوتا تو تاخیر نہ فرماتے۔ اس وقت یہی حکم تھا اب منسوخ ہے۔ مگر افضلیت اب بھی باقی ہے۔ ہماری اس تقریر سے باب اور حدیث میں مطابقت بھی ظاہر ہوگئی۔ کہ آبادی اور حضر میں بھی اگر پانی نہ ملے حقیقۃً یا حکماً کی صورت یہ ہے کہ پانی موجود ہے مگر وضو کرنے میں وظیفۃ الیدِ فوت ہو جائے گا تو تیمم کرلے جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب سلام فوت ہو جانے کے اندیشے سے تیمم کرکے جواب دیا۔ واضح ہو کہ سلام کرنا سنت ہے مگر جواب دینا واجب ہے۔

تشریحات (۲۳۹)

حضرت عبد الرحمن بن ابزی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنی خزاعہ کے حلیف اور ان کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہے اور نماز کی اقتداء کا بھی۔ ان کو ان کے آقا نافع بن حارث نے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں، مکہ معظمہ پر والی بنا دیا تھا۔ اسے جب حضرت عمر نے سنا تو غضبناک ہو کر کھڑے ہوگئے۔ اور فرمایا۔ تونے اللہ کی آل پر عبد الرحمن بن ابزی کو حاکم بنا دیا۔ نافع نے عرض کیا۔ یہ ان سب میں کتابوں کے سب سے زیادہ عالم اور فقیہ ہیں۔ تو حضرت عمر کا جلال ختم ہوگیا۔ اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے ـــ کہ اللہ عزوجل اس قرآن کی بدولت ایک قوم کو بلند رتبہ فرمائے گا اور دوسری قوم کو پست ـــ ایک روایت کی بنا پر

عہ بخاری جلد اول تیمم باب التیمم فی الحضر اذا لم یجد ماءً وخاف فوت الوقت ص۴۸۔ مسلم جلد اول طہارت۔ باب التیمم ص۱۶۱ نسائی جلد اول طہارت باب التیمم فی الحضر ص۴۹۔ نسائی جلد اول طہارت باب فی من لم یجد الماء والصعید ص۴۶۔

اِلٰی عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَقَالَ اِنِّی اَجْنَبْتُ فَلَمْ اُصِبِ

کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا۔ میں جنبی ہوگیا اور مجھے پانی نہیں ملا۔ اس پر حضرت عمار بن یاسر

الْمَاءَ، فَقَالَ عَمَّارُ بْنُ یَاسِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب سے کہا۔ کیا آپ کو یاد نہیں۔

بیعت رضوان میں بھی شریک ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں کوفے کا گورنر بنایا تھا۔ اخیر عمر میں کوفے آبسے تھے اور یہیں وصال ہوا[1]۔ ان کے والد ماجد حضرت ابزی بھی صحابی ہیں۔ امام بخاری نے انھیں کتاب الوحدان میں ذکر فرمایا[2]

فتمعکت۔ اس کا مصدر، تمعُّک، ہے تقبُّل کے وزن پر اور مادہ معک ہے اس کے معنی ذلیل کرنا اور بیوقوف بنانا ہے باب تفعل میں جانے کے بعد اس کے معنی آتے ہیں، زمین پر لوٹنے کے اور باب تفعیل میں لٹانے، کے دوسری روایت میں ہے فتمرغت فی الصعید کما تمرغ الدابۃ، میں زمین پر ایسے لوٹا جیسے چوپایہ لوٹتا ہے۔ تمرغ کا مادہ روغ ہے۔ اس کے صلہ اور متعلق کے اعتبار سے مختلف معانی آتے ہیں۔ راغ الصید شکار کا ادھر ادھر کترانا۔ الیہ کسی طرف کترا کر نکل جانا۔ عن الطریق کسی کو دھوکہ دینے کیلئے کترا کر چلنا۔ باب تفعل میں جانے کے بعد اس کا معنی لوٹنے کے ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ فَرَاغَ اِلٰٓی اٰلِھَتِھِمْ۔ نظر بچا کر ان کے معبودوں کے پاس گیا۔ فَرَاغَ عَلَیْھِمْ ضَرْبًا بِالْیَمِیْنِ۔ لوگوں کی نظر بچا کر اپنے ہاتھ سے مارنے لگا۔

تکمیل

بخاری میں یہ حدیث مختصر ہے بقیہ صحاح میں مفصل یوں ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن ابزی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا۔ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک شخص آیا اور کہا ہم کبھی ایسی جگہ مہینے دو مہینے رہتے ہیں جہاں پانی (نہانے کیلئے) نہیں ملتا۔ تو حضرت عمر نے فرمایا میں (اگر ایسی جگہ جنبی ہو جاؤں)، تو جب تک پانی نہیں ملے گا نماز نہیں پڑھونگا اس پر حضرت عمار نے کہا اے امیر المومنین کیا آپ کو یاد نہیں۔ ہم اور آپ اونٹوں میں تھے اور ہم دونوں کو جنابت لاحق ہوگئی۔ میں زمین پر لوٹا (اور نماز پڑھ لی) پھر ہم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے یہ واقعہ ذکر کیا۔ تو فرمایا۔ تمہیں یہی کافی تھا کہ اس طرح کر لیتے اور حضور نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارا پھر ان دونوں کو پھونکا پھر ان دونوں کو اپنے چہرے اور آدھی کلائی تک ہاتھوں پر ملا۔ یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا۔ اے عمار اللہ سے ڈر۔ اس پر حضرت عمار نے کہا۔ اے امیر المومنین اگر آپ کی منشا ہو تو بخدا میں کبھی اس کو ذکر نہ کروں۔ حضرت عمر نے فرمایا ہرگز نہیں۔ تم جس حال پر ہو تم کو اس پر ہم چھوڑتے ہیں۔

---

[1] الاستیعاب مع الاصابہ، اسد الغابہ۔ [2] اصابہ۔

تَعَالٰی عَنْهُ اَمَا تَذْكُرُ اِنَّا كُنَّا فِيْ سَفَرٍ اَنَا وَاَنْتَ فَاَجْنَبْنَا، فَاَمَّا اَنْتَ فَلَمْ
میں اور آپ ایک سفر میں تھے اور ہم دونوں جنبی ہوگئے آپ نے تو نماز نہیں پڑھی لیکن میں

تُصَلِّ وَاَمَّا اَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ
مٹی میں لوٹا اور اس کے بعد نماز پڑھی پھر ہم نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کو ذکر کیا۔

اختلاف علماء

تیمم کے سلسلے میں تین اہم اختلافات ہیں۔ جنبی کو تیمم جائز ہے یا نہیں۔ تیمم کیلئے ایک ہی بار مٹی پر ہاتھ مارنا کافی ہے یا دو بار یا تین بار یا چار بار۔ ہاتھ پر مسح کہاں تک کیا جائے گا۔ پہلے مسئلہ پر آئندہ گفتگو ہوگی۔ بقیہ دو مسائل کے متعلق یہ گذارش ہے۔ پہلا مسئلہ ہمارا مسلک یہ ہے کہ تیمم کیلئے مٹی پر دو بار ہاتھ مارنا ضروری ہے۔ اگر ایک بار ہاتھ مار کر چہرے پر مل لیا تو اس سے ہاتھوں پر مسح درست نہیں۔ اس بارے میں حضرت عمار کی حدیث میں کافی اضطراب ہے۔ کسی میں ایک بار مذکور ہے کسی میں دو بار۔ اس لئے ہمارے ائمہ نے فرمایا کہ ہم کو قرآن حکیم میں نظر دقیق ڈالنی چاہیئے۔ اور دیکھنا چاہیئے کہ اس سے کیا مستفاد ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل نے پہلے وضو کا ذکر فرمایا۔ پھر فرمایا اگر پانی نہ ملے تو پاک مٹی پر تیمم کرو اور چہروں اور ہاتھوں پر ملو۔ جیسے وضو میں چہرہ دھونے کیلئے الگ اور ہاتھ دھونے کیلئے دوسرا پانی لینا ضروری ہے اسی طرح تیمم میں بھی۔ چہرے کیلئے الگ ہاتھ مارا جائے گا اور ہاتھوں کیلئے الگ۔ علاوہ ازیں اس بارے میں دوسری احادیث مروی ہیں جنہیں دو مرتبہ ہاتھ مارنے کا ذکر صراحتاً ہے۔

① حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت اسلع بن شریک تمیمی سے فرمایا۔

قم فتيمم صعيدا طيبا ضربتين ضربة لوجهك وضربة لذراعيك۔[1]
اٹھو پاک مٹی سے تیمم کرو دو مرتبہ مار کر ایک مرتبہ اپنے چہرے کے لئے اور ایک مرتبہ اپنی کلائی کے لیے۔

② حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين
تیمم دو مرتبہ مٹی پر ہاتھ مارنا ہے ایک بار چہرے کیلئے ایک بار ہاتھوں کیلئے
دار قطنی نے کہا۔ علی بن ظبیان نے اسے مرفوعاً روایت کیا۔ یحییٰ قطان اور ہشیم وغیرہ نے موقوفاً اور یہی صحیح ہے امام طحاوی نے اسے موقوفاً ہی روایت کیا ہے۔[2]

③ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ فرمایا۔

---

[1] شرح معانی الآثار جلد اول باب التیمم ص ۵۵ طبرانی، دارقطنی، بیہقی۔ [2] طحاوی جلد اول باب التیمم ص ۵۵

وَسَلَّمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هٰكَذَا
تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے یہ کافی تھا۔ یہ فرما کر

التیمم ضربة للوجه، ضربة للذراعین الی المرفقین [1] — تیمم یہ ہے کہ (مٹی پر) ایک بار ہاتھ چہرے کیلئے اور ایک بار کہنیوں تک کلائیوں کے لئے مارنا ہے۔

امام حاکم اور امام ذہبی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ امام طحاوی اور ابن ابی شیبہ نے اسے موقوفا روایت کیا ہے اور حسب اصول حدیث یہ موقوف بھی مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔

دوسرا مسئلہ ہاتھ پر مسح کہاں تک کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں بھی احادیث مختلف آئی ہیں اور حدیث عمار میں اضطراب ہے بہت سی احادیث میں مونڈھوں اور بغل تک مسح کا ذکر ہے۔ اس لئے احناف نے تیمم کی اصل وضو پر قیاس کرکے کہنیوں تک مسح کا حکم دیا۔ امام طحاوی نے فرمایا۔ کہ تیمم سے پہلے اللہ عزوجل نے وضو ذکر فرمایا۔ جس میں تین اعضاء کے دھونے اور سر کے مسح کا حکم دیا۔ تیمم میں جن اعضاء کو ساقط کرنا تھا ساقط فرما دیا۔ اگر کہنیوں تک مسح مطلوب نہ ہوتا تو اسے بھی ساقط فرما دیتا۔ اسے ساقط نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے اصل پر باقی ہے۔ اسی سے ان احادیث کو بھی ترجیح حاصل ہو گئی جن میں کہنیوں تک مسح کرنے کا صراحۃً ذکر ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ اگر مٹی پر ہاتھ مارنے کے بعد ہاتھوں پر گرد ہو تو اسے جھاڑ لینا چاہیئے۔ تاکہ چہرے پر گرد نہ لگے۔ اس لئے کہ یہ صورت بگاڑنے کے مرادف ہوگا جو منع ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تیمم صحیح ہونے میں غبار کو دخل نہیں۔ کیونکہ اگر غبار کو دخل ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پھونک کر غبار کو اڑاتے نہیں۔ اس لئے ایسے پتھر پر بھی تیمم جائز ہے جس پر غبار نہ ہو۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ جب کسی حادثے میں قرآن وحدیث کا حکم معلوم نہ ہو تو اجتہاد کی اجازت ہے اور اس پر عمل بھی درست ہے حضرت عمر نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور حضرت عمار نے اپنے اجتہاد پر۔

تیمم میں کہنیوں تک مسح ہے۔ یہی مسلک احناف کا بھی ہے اور امام مالک کا بھی۔ امام شافعی کا قول مشہور بھی یہی ہے۔ اصحاب ظواہر اور امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ کہنیوں تک مسح کی حاجت نہیں صرف ہتھیلیوں کا مسح کافی ہے۔ امام بخاری کا بھی بظاہر یہی مسلک معلوم ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی مستدل یہی حضرت عمار والی حدیث ہے۔ مگر اس میں اضطراب شدید ہے۔ اسی لئے امام بخاری نے یہ ثابت کرنے کیلئے کہ۔ مسح بهما وجهه وكفيه۔ زیادہ قوی ہے۔ یہ عنوان قائم کرکے۔ باب التیمم للوجه والكفين اس حدیث کی مزید چھ طریقوں سے تخریج کی۔

مگر ماہرین پر ظاہر ہے کہ اس سے اضطراب تو دور ہوا نہیں۔ اس لئے کہ اس کے برخلاف جو لوگ روایت کرتے ہیں

---

[1] بیہقی حاکم فی المستدرک۔

فَضَرَبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِکَفَّیْہِ الْاَرْضَ وَنَفَخَ فِیْھِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِھِمَا وَجْھَہٗ وَکَفَّیْہِ

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی دونوں ہتھیلیاں زمین پر ماریں اور ان پر پھونکا اس کے بعد اپنے چہرے اور ہاتھوں پر ملا۔

ت (۷۷) وَقَالَ الْحَسَنُ یُجْزِیْہِ التَّیَمُّمُ مَالَمْ یُحْدِثْ۔ عہ

وہ بھی ثقہ ہیں۔ جب اضطراب باقی رہا۔ تو لامحالہ ترجیح کیلئے قرآن مجید کی طرف اور دوسری احادیث کی طرف رجوع لازم ہوا۔ اور ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ اس لحاظ سے ترجیح احناف ہی کے مسلک کو حاصل ہے۔ ان روایات میں کچھ کچھ زیادتی ہے۔ بطریق حجاج میں یہ بھی زائد ہے۔ "ثم ادناھما من فیہ" پھر دونوں ہاتھوں کو اپنے منہ سے قریب کیا۔ بطریق سلیمان بن حرب یہ زائد ہے۔ کنا فی سریۃ۔ ہم ایک چھوٹے لشکر میں تھے۔ اور بجائے "نفخ" کے "تفل فیھما" ہے۔ ان دونوں میں تھوکا۔ یہاں حقیقۃً تھوکنا مراد نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اتنے زور سے پھونکا کہ کچھ لعاب مبارک نکل پڑا محمد بن کثیر کے طریقہ میں بجائے کفیہ کے والکفین ہے بروایت ابوذر۔ اور کریمہ کی ہے اصیلی کی روایت میں۔ یکفیك الوجہ والکفان ہے۔ جو بالکل ظاہر ہے۔ اس لئے کہ یہ فاعل پر معطوف ہے۔ رہ گئی والکفین۔ کی روایت، نصب کے ساتھ۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ واؤ مع کے معنی میں ہے اور۔ والکفین۔ مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

تشریح (۷۷) ہمارا اور امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد کا تیمم کے سلسلے میں یہ اختلاف ہے کہ ایک تیمم سے ایک سے زائد فرض پڑھنا صحیح ہے یا نہیں اور وقت سے پہلے تیمم کر لیا تو نماز کا وقت ہونے کے بعد اس تیمم سے کوئی بھی نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں۔ ہمارے یہاں درست ہے اور امام شافعی وغیرہ کے یہاں درست نہیں۔ یہ اختلاف اس پر مبنی ہے۔ کہ تیمم وضو کا خلف مطلق ہے یا خلف ضروری۔ امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں۔ کہ خلف ضروری ہے۔ اسلئے نماز کے وقت سے پہلے جو تیمم کیا اس سے وقت ہونے کے بعد کوئی بھی نماز پڑھنی صحیح نہیں اور جس فرض کے لئے تیمم کیا ہے اس کے علاوہ دوسرا فرض پڑھنا درست نہیں۔ اور ہمارے یہاں۔ تیمم، وضو کا خلف مطلق ہے۔ اس لئے جیسے وقت سے پہلے کئے ہوئے وضو سے وقت ہونے کے بعد وقتیہ فرض اور دیگر فرائض بلکہ ہر نماز پڑھنی صحیح ہے اور ایک وضو سے متعدد فرائض پڑھنا صحیح ہے۔ اسی طرح وقت کے پہلے کئے ہوئے تیمم سے بھی وقت آنے کے بعد وقتیہ اور دیگر متعدد فرائض پڑھنا درست ہے نیز ایک تیمم سے چند فرائض بھی درست ہیں۔ یہاں امام بخاری نے جو باب باندھا ہے۔ وہ یہ ہے۔ باب الصعید الطیب وضوء المسلم یکفیہ من الماء۔ پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے۔ پانی کے بجائے اسے کافی ہے۔

عہ بخاری جلد اول طہارت باب التیمم ھل ینفخ فیھما ص۴۸۔ ایضا طہارت باب التیمم للوجہ والکفین ص۴۹،۵۰۔ مسلم جلد اول طہارت باب التیمم ص۱۶۱۔ ابوداؤد جلد اول طہارت باب التیمم ص۴۸۔ ترمذی جلد اول طہارت باب ماجاء فی التیمم ص۲۱۔ نسائی جلد اول طہارت باب التیمم فی الحضر ص۵۹۔ ایضا جلد اول طہارت باب نوع آخر من التیمم والنفخ فیہ ص۶۰۔ ابن ماجہ طہارت باب ماجاء فی التیمم ضربۃ واحدۃ ص۴۲۔ عہ مصنف ابن ابی شیبہ وعبد الرزاق وابو منصور باختلاف الالفاظ۔

ت ۰۸ وَ اَمَّ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّهُوَ مُتَيَمِّمٌ ؎

ابن عباس نے تیمم کی حالت میں امامت کی

ت ۷۹ وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ لَا بَأْسَ بِالصَّلٰوةِ عَلَى السَّبْخَةِ وَالتَّيَمُّمِ بِهَا

اور یحییٰ بن سعید نے کہا، زمین شور (کھاری زمین) پر نماز پڑھنے اور اس سے تیمم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اس سے یہ افادہ فرمایا کہ اس خصوص میں وہ بھی احناف کے مسلک پر ہیں اور اسی کی تائید میں حضرت حسن بصری کا یہ ارشاد ذکر فرمایا۔ اور یہی ابراہیم، عطاء، ابن مسیب، زہری، لیث، حسن بن حی اور داؤد بن علی کا مذہب ہے۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی منقول ہے۔ اس کی پوری بحث اصول فقہ اور ہدایہ کی شروح میں مذکور ہے۔

تشریح ۷۸ اس اثر سے امام بخاری اس کی تائید فرمانا چاہتے ہیں کہ تیمم وضو کا خلف مطلق ہے اس لئے کہ اگر خلف مطلق نہ ہوتا۔ خلف ضروری ہوتا۔ تو ضعیف ہوتا۔ پھر ابن عباس وضو کرنے والوں کی امامت نہ فرماتے۔ اس لئے کہ اگر امام مقتدیوں سے ضعیف حالت میں ہو تو امامت درست نہیں۔ جیسے نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والوں کی امامت نہیں کر سکتا۔ تو معلوم ہوا کہ تیمم کرنے والے کی امامت متوضی کے مثل ہے۔ اب ثابت کہ تیمم وضو کا خلف مطلق ہے۔ حضرت ابن عباس نے یہ تیمم جنابت کی وجہ سے کیا تھا اور مقتدیوں میں حضرت عمار بن یاسر بھی تھے۔ اسی طرح حضرت عمرو بن عاص نے بھی جنابت سے تیمم کرکے امامت کی تھی جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسے بیان کیا تو حضور مسکرائے۔ یہی ہمارا اور امام شافعی امام احمد کا بھی مسلک ہے۔ کہ متیمم متوضی کی امامت کر سکتا ہے۔

تشریح ۷۹ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ تیمم صرف ایسی مٹی سے درست ہے جو مُنبت ہو یعنی اس میں سبزہ اگانے کی قوت ہو۔ شور زمین میں یہ قوت نہیں اس لئے اس سے ان کے نزدیک تیمم درست نہیں ہمارے یہاں اس سے بھی درست ہے۔ ہمارا استدلال یہ ہے کہ قرآن مجید میں صعید طیب سے تیمم کا حکم ہوا۔ صعید کے معنی ″ روئے زمین ″ کے ہیں اور کھاری زمین بھی اس میں داخل ہے۔ امام شافعی کا استدلال یہ ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ اطیب الصعید الحرث ″ سب سے عمدہ صعید کھیت ہے۔ مگر علامہ نووی نے فرمایا کہ تیمم کیلئے ارض مُنبت شرط نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس ارشاد سے امام شافعی کا مسلک نہیں ثابت ہوتا کہ کھاری مٹی سے تیمم درست نہیں اسلئے کہ ″ اطیب الصعید الحرث ″ کہنا خود بتا رہا ہے کہ ″ کھیت کے علاوہ بقیہ زمین بھی صعید ہے البتہ کھیت سب سے عمدہ ہے۔ نیز اگر بفرض غلط اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ کھیت کے علاوہ بقیہ زمین صعید نہیں تو لازم آئے گا کہ کھیت کے علاوہ اور کہیں تیمم جائز نہ ہو۔

امام بخاری اس مسئلے میں بھی احناف کے ساتھ ہیں اس لئے یحییٰ بن سعید انصاری کا یہ ارشاد اپنی تائید میں نقل فرمایا۔ کہ کھاری زمین پر تیمم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

؎ ابن ابی شیبہ و بیہقی۔

حدیث: اشتکی الناس الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من العطش (۲۴۰)

عَنْ عِمْرَانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، قَالَ کُنَّا فِی سَفَرٍ مَّعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ ہم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر (تبوک) میں تھے۔ اور

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاِنَّا اَسْرَیْنَا، حَتّٰی کُنَّا فِیْ اٰخِرِ اللَّیْلِ وَقَعْنَا وَقْعَۃً وَّلَا وَقْعَۃَ

ہم لوگ رات بھر چلے یہاں تک کہ رات کا آخر ہو گیا تو ہم نے قیام کیا ہم پر ایسی نیند طاری ہوئی کہ اس سے زیادہ میٹھی

اَحْلٰی عِنْدَ الْمُسَافِرِ مِنْہَا فَمَا اَیْقَظَنَا اِلَّا حَرُّ الشَّمْسِ فَکَانَ اَوَّلُ مَنِ اسْتَیْقَظَ

مسافر کے نزدیک کوئی اور نیند نہیں ہوتی (ہم سوتے رہے) ہمیں سورج کی گرمی ہی نے جگایا

تشریحات (۲۴۰)

عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنی خزاعہ کے فرد ہیں۔ فقہاء صحابہ میں سے ہیں۔ خیبر کے سال ایمان لائے۔ اور متعدد غزوات میں شریک ہوئے۔ فتح مکہ کے دن بنی خزاعہ کا علم انہیں کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بصرہ اس مقصد سے بھیجا تھا کہ وہاں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں۔ یہ وہاں کے قاضی بھی تھے مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ ملئکہ حفظہ کی زیارت کرتے تھے۔ فرشتے انہیں سلام کرتے تھے ۵۲ھ میں وصال ہوا۔ بصرہ جائے وصال ہے ان سے ایک سو اسی احادیث مروی ہیں۔ بخاری نے بارہ احادیث لی ہیں۔[1]

لغات اسرینا۔ بعض روایتوں میں سرینا ہے اس کا مادہ سریٰ ہے۔ جس کے معنی رات میں چلنے کے ہیں۔ جلیداً۔ کرم یکرم سے ہے اس کا مصدر جلد اجلادۃ اور جلودۃ آتا ہے۔ اس کے معنی قوی ہونا ہے۔ مسلم میں اجوف جلیداً ہے۔ اجوف کے معنی ہیں جو پیٹ سے آواز نکالے۔ مراد یہ ہیکہ قوی اور بلند آواز تھے۔ مزادتین او سطیحتین مزادۃ۔ اس بڑے مشکیزے کو کہتے ہیں جو دو کھالوں کو سی کر بنایا گیا ہو جسے پکھال کہتے ہیں اور یہی معنی سطیحۃ، کے بھی ہیں۔ مشک صرف ایک کھال کی ہوتی ہے جس میں گردن کی طرف جوں کا توں رکھتے ہیں۔ اور دوسری طرف سی دیتے ہیں۔ مشک چھوٹی ہوتی ہے اور پکھال بڑی اس کیلئے عربی میں دوسرا لفظ راویہ بھی ہے۔ مزادتین اور سطیحتین شک راوی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ شیخ نے، مزادتین کہا تھا یا سطیحتین۔ کیا لفظ تھا اس میں راوی کو شک تھا معنی ایک ہی ہیں میں نے

---

[1] عینی جلد رابع پنجم۔ اصابہ ج ۳۔

فُلَانٌ ثُمَّ فُلَانٌ ثُمَّ فُلَانٌ يُسَمِّيهِمْ أَبُوْ رَجَاءٍ فَنَسِيَ عَوْفٌ ثُمَّ عُمَرُ بْنُ

سب سے پہلے فلاں جاگا پھر فلاں پھر فلاں ابو رجاء انکا نام لیتے تھے، عوف بھول گئے۔ اس کے بعد چوتھے عمر بن

الْخَطَّابِ الرَّابِعُ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَامَ لَمْ

خطاب تھے۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب آرام فرما ہوتے تو ہم بیدار نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضور خود ہی

نُوقِظْهُ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ يَسْتَيْقِظُ. لِأَنَّا لَا نَدْرِيْ مَا يَحْدُثُ لَهٗ فِيْ نَوْمِهٖ

بیدار ہوتے۔ اس لئے کہ ہم نہیں جانتے تھے کہ سونے کی حالت میں حضور پر کیا حالت درپیش ہے۔

فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ عُمَرُ وَرَأٰى مَا أَصَابَ النَّاسَ وَكَانَ رَجُلًا جَلِيْدًا فَكَبَّرَ

جب عمر جاگے اور لوگوں پر جو حالت طاری تھی دیکھا اور بے نڈر اور جری انسان تھے تو انھوں نے

وَرَفَعَ صَوْتَهٗ بِالتَّكْبِيْرِ فَمَا زَالَ يُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهٗ بِالتَّكْبِيْرِ حَتّٰى

تکبیر کہی شروع کی اور تکبیر کے ساتھ اپنی آواز بلند کرنے لگے وہ مسلسل تکبیر کہنے لگے اور تکبیر کے ساتھ آواز بلند

صرف تفنن کیلئے مترادفین کا ترجمہ لکھا ہیں اور سطحیتیں کا بڑے مشکیزے، کیا ہے۔ أَمْسِ۔ کل گذشتہ۔ یہ حجازیوں کے یہاں مبنی علی الکسر ہے اور تمیمیوں کے نزدیک معرب غیر منصرف ہے۔ عدل اور علمیت کیوجہ سے۔ نفر۔ تین سے لیکر دس سے کم مردوں کی جماعت پر بولا جاتا ہے۔ خُلوف۔ خالف بمعنی مسافر کی جمع ہے جیسے شاہد کی جمع شہود۔ أوکا۔ بندھن سے مضبوط باندھا۔ عزالی۔ عزلاء کی جمع ہے۔ پکھال اور مشک میں دو منھ ہوتے ہیں ایک اوپر بڑا جس سے پانی بھرتے ہیں ایک نیچے چھوٹا جس سے ضرورت کے مطابق پانی لیتے ہیں۔ عزلاء اسی نیچے والے منہ کو کہتے ہیں۔ وایم اللہ یہ اصل میں اَیْمُنُ اللّٰہ تھا۔ یہ ان الفاظ میں سے ہے جو قسم کیلئے وضع کئے گئے ہیں۔ کبھی نون حذف کر کے ایم اللہ کہتے ہیں، شروع کا ہمزہ ہمزۂ وصل ہے۔ ایک یہی ہمزہ وصل ایسا ہے جو مفتوح آتا ہے۔ ایمُ اللہ، مبتدا۔ اس کی خبر قسمی محذوف ہے۔ اور ہمیشہ محذوف رہتی ہے جیسے لعمرک میں۔ عَجْوَةٌ۔ کھجور کی ایک قسم کا نام ہے جو مدینہ طیبہ کی کھجوروں میں سب سے عمدہ ہوتی ہے۔ اس کا دوسرا نام لینۃ بھی ہے۔ اس کے، احادیث میں فضائل بھی آئے ہیں۔ مازرئنا۔ سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے ہم نے کم نہیں کیا۔ بعض روایتوں میں "را" کو فتحہ بھی آیا ہے۔ العجب فعل محذوف، عَجِبْتُ کا فاعل ہے۔ الصِرْمُ۔ وہ چند گھر جو عام آبادی سے الگ اکٹھے بنے ہوں۔

اِسْتَیْقَظَ بِصَوْتِہٖ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَیْقَظَ شَکَوْا

کرتے رہے یہاں تک کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدار ہو گئے حضور جب بیدار ہو گئے تو لوگوں نے

اِلَیْہِ الَّذِیْ اَصَابَھُمْ، فَقَالَ لَاضَیْرَ اَوْ لَا یَضِیْرُ اِرْتَحِلُوْا فَارْتَحَلَ فَسَارَ

حضور سے جو افتاد پڑی تھی اس کی شکایت کی۔ اس پر فرمایا۔ کوئی نقصان نہیں یا فرمایا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ یہاں

غَیْرَ بَعِیْدٍ، ثُمَّ نَزَلَ فَدَعَا بِالْوَضُوْءِ فَتَوَضَّأَ وَنُوْدِیَ بِالصَّلٰوۃِ فَصَلّٰی بِالنَّاسِ،

سے چلو۔ وہاں سے چلے تھوڑی دور چل کر اترے اور وضو کا پانی طلب فرمایا۔ پھر نماز کے لئے اذان دی گئی۔ حضور نے

فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلٰوتِہٖ اِذَا ھُوَ بِرَجُلٍ مُّعْتَزِلٍ لَّمْ یُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ

لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے (تو دیکھا) ایک شخص الگ ہے سب کے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ اس سے فرمایا

مَامَنَعَکَ یَا فُلَانُ اَنْ تُصَلِّیَ مَعَ الْقَوْمِ، قَالَ اَصَابَتْنِیْ جَنَابَۃٌ وَّلَا مَاءَ،

اے فلاں سب کے ساتھ نماز پڑھنے سے تجھے کس بات نے روک دیا انھوں نے عرض کیا مجھے جنابت لاحق

قَالَ عَلَیْکَ بِالصَّعِیْدِ فَاِنَّہٗ یَکْفِیْکَ، ثُمَّ سَارَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ

ہو گئی ہے۔ اور غسل کے لئے پانی نہیں۔ فرمایا مٹی سے تیمم کر یہ تمہارے لئے کافی ہے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھوڑی

فی سفر یہ واقعہ کس سفر میں پیش آیا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ خیبر سے واپسی میں بعض حضرات نے کہا حدیبیہ سے واپسی میں۔ بعض ارباب تحقیق نے فرمایا کہ تبوک کے راستے میں یہ واقعہ پیش آیا۔ جیسا کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے جسے امام عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ذکر کیا ہے۔ اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ اس واقعے میں تیمم کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور ہم پہلے حدیث (۲۳۵) میں تحقیق کر آئے کہ آیت تیمم غزوہ ذات الرقاع سے واپسی میں نازل ہوئی۔ جو خیبر کے بعد ہوا تھا۔ صحیح اور محقق یہ ہے کہ سفر میں نماز فجر قضا ہونے کا واقعہ متعدد بار ہوا ہے۔ ایک دفعہ خیبر سے واپسی میں جس میں یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاگتے رہنے کا ذمہ لیا تھا مگر وہ بھی سو گئے۔ اور سب سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدار ہوئے مسلم اور ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے[1]

[1] مسلم جلد اول مساجد باب قضاء الصلوۃ الفائتۃ ص۲۳۸۔ ابو داؤد جلد اول صلوۃ۔ باب فی من نام عن صلوۃ او نسیھا ص۶۳۔

وَسَلَّمَ، فَاشْتَکٰی اِلَیْهِ النَّاسُ مِنَ الْعَطَشِ فَنَزَلَ فَدَعَا فُلَانًا کَانَ یُسَمِّیْهِ

دور چلے۔ تو لوگوں نے حضور سے پیاس کی شکایت کی۔ اس پر اتر پڑے اور فلاں کو بلایا۔ ابو رجاء اس کا نام

اَبُوْرَجَاءٍ، نَسِیَهٗ عَوْفٌ وَّدَعَا عَلِیًّا، فَقَالَ اِذْهَبَا فَابْتَغِیَا الْمَاءَ فَانْطَلَقَا

لیتے تھے۔ عوف بھول گئے اور علی کو بلایا اور فرمایا تم دونوں جاؤ اور پانی تلاش کرو۔ یہ دونوں چلے تو

فَتَلَقَّیَا امْرَأَةً بَیْنَ مَزَادَتَیْنِ اَوْسَطِیْحَتَیْنِ مِنْ مَّاءٍ عَلٰی بَعِیْرٍ لَّهَا فَقَالَا لَهَا

انھیں ایک عورت ملی جو پانی سے بھری ہوئی۔ دو پکھالوں یا دو بڑے مشکیزوں کے درمیان اپنے اونٹ پر بیٹھی تھی۔ ان

اَیْنَ الْمَاءُ قَالَتْ عَهْدِیْ بِالْمَاءِ اَمْسِ هٰذِهِ السَّاعَةَ وَنَفَرُنَا خُلُوْفًا

حضرات نے اس عورت سے پوچھا پانی کہاں ہے؟ اس نے بتایا کہ میں پانی کے پاس کل اسی وقت تھی اور ہمارے مرد پیچھے رہ گئے

قَالَا لَهَا انْطَلِقِیْ اِذًا قَالَتْ اِلٰی اَیْنَ قَالَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی

ان دونوں نے اس سے کہا ایسا ہے تو چل۔ اس نے پوچھا کہاں دونوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ اَلَّذِیْ یُقَالُ لَهُ الصَّابِئُ قَالَا هُوَالَّذِیْ تَعْنِیْنَ فَانْطَلِقِیْ

کی خدمت میں۔ اس نے کہا وہی جنھیں صابی کہا جاتا ہے ان دونوں نے کہا ہاں وہی جنھیں تو سمجھتی ہے

دوسرا حدیبیہ سے واپسی میں اس میں بھی حضرت بلال ہی نے سب کے جگانے کا ذمہ لیا تھا اور خود بھی سو گئے۔ اور فلاں فلاں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاگے اسے ابو داؤد نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے[۷] تیسری بار کسی اور سفر میں جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راستے سے ہٹ کر سوئے تھے۔ یہ مسلم اور ابو داؤد[۸] میں حضرت ابو قتادہ سے مروی ہے۔

کان اول من استیقظ

بخاری علامات نبوت اور مسلم باب قضاء الصلوۃ الفائتہ "میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر اٹھے۔ دوسرا اور تیسرا کون تھا۔ ان کا نام یقینی طور پر معلوم نہ ہو سکا۔ علامہ ابن حجر کا قیاس یہ ہے کہ دوسرے راوی حدیث عمران بن حصین تھے۔ اس لئے کہ وہ حدیث جس طرح بیان کر رہے ہیں وہ بتا رہا ہے کہ انھوں نے سب کچھ دیکھکر

۷ ابوداؤد ص۶۳ ۸ ایضا مسلم ص۲۳۹ ابوداؤد ص۶۳۔

فَجَاءَ اَبِهَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَحَدَّثَاہُ الْحَدِیْثَ۔ قَالَ

وہیں چل یہ دونوں حضرات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اسے لائے اور واقعہ بیان کیا۔ راوی نے

فَاسْتَنْزَلُوْهَا عَنْ بَعِیْرِهَا وَدَعَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاِنَاءٍ فَفَرَّغَ

کہا۔ اور اسے اس کے اونٹ سے آتارا اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برتن منگایا اور اس میں دونوں

فِیْهِ مِنْ اَفْوَاهِ الْمَزَادَتَیْنِ اَوِ السَّطِیْحَتَیْنِ وَاَوْکَاَ اَفْوَاهَهُمَا وَاَطْلَقَ

پکھالوں یا مشکیزوں کے منھوں سے کچھ پانی ونڈیلا اور ان کے منہ باندھ دیئے۔ اور اس کے نیچے کا

الْعَزَالِیَ وَنُوْدِیَ فِی النَّاسِ، اَسْقُوْا وَاسْتَقُوْا، فَسَقٰی مَنْ سَقٰی وَاسْتَقٰی مَنْ

تنگ منہ کھول دیا اور لوگوں میں اعلان کر دیا گیا۔ کہ پانی خود بھی پیو اور جانوروں کو بھی پلاؤ جس کو پینا تھا پیا اور جس نے

شَاءَ وَکَانَ اٰخِرُ ذٰلِكَ اَنْ اَعْطَی الَّذِیْ اَصَابَتْهُ الْجَنَابَةُ اِنَاءً مِّنْ مَّاءٍ

چاہا جانوروں کو پلایا۔ اور سب کے آخر میں ایک برتن پانی اسے دیا جسے جنابت لاحق ہو گئی تھی اور فرمایا جاؤ اسے اپنے

قَالَ اذْهَبْ فَاَفْرِغْهُ عَلَیْكَ۔ وَهِیَ قَائِمَةٌ تَنْظُرُ اِلٰی مَا یُفْعَلُ بِمَائِهَا

اوپر ڈال لو (نہالو)۔ اور وہ عورت کھڑی وہ سب دیکھتی رہی جو اس کے پانی کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔

بیان کیا ہے۔ اور تیسرے صاحب ذو مخبر ہیں جو اس سفر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کر رہے تھے۔
علامہ عینی نے اس پر یہ تعقب فرمایا کہ قیاس و اجتہاد سے حدیث میں تصرف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تطبیق یہاں یہ ہے کہ حضرت عمر نے اٹھکر تکبیر کہنی شروع کی اور علامات نبوت میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر اٹھے اور تکبیر کہنے لگے۔ مگر دونوں میں منافات نہیں۔ واقعہ یہی ہے کہ صدیق اکبر نے بھی تکبیر کہی مگر ان کی آواز بلند نہیں تھی اس سے حضور بیدار نہ ہوئے اور حضرت فاروق اعظم کی آواز بہت بلند تھی۔ اس سے بیدار ہوئے۔ اس کو لحاظ کرکے یہاں اختصار کر دیا۔ اور علامات نبوت میں پوری بات ذکر کر دی۔

وَکَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا نَامَ لَمْ نُوْقِظْهُ اس پر ایک شدید اشکال یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔
اِنَّ عَیْنِیْ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے۔
پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع کیوں نہ ہوئی کہ نماز فجر کا وقت ہو گیا۔ سورج نکلنے والا ہے۔

لہ عینی جلد رابع ص۳۵

وَايْمُ اللهِ لَقَدْ اُقْلِعَ عَنْهَا وَاِنَّهُ لَيُخَيَّلُ اِلَيْنَا اَنَّهَا اَشَدُّ مِلْئَةً مِّنْهَا حِيْنَ

اور خدا کی قسم جب ان مشکیزوں سے پانی لینا بند کیا گیا تو ہمیں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت زیادہ بھرے

اُبْتُدِئَ فِيْهَا۔ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْمَعُوْا لَهَا، فَجَمَعُوْا

ہیں بہ نسبت اُس وقت کے جب ان سے پانی لینا شروع کیا گیا تھا۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

لَهَا مِنْ بَيْنِ عَجْوَةٍ وَّدَقِيْقَةٍ وَّسَوِيْقَةٍ حَتّٰى جَمَعُوْا لَهَا طَعَامًا فَجَعَلُوْهُ فِيْ

اس عورت کے لئے کچھ جمع کرو تو لوگوں نے اس کے لئے عجوہ آٹا ستو کھانے کے سامان اکٹھا کر دیا اور ایک کپڑے

ثَوْبٍ وَّحَمَلُوْهَا عَلٰى بَعِيْرِهَا وَوَضَعُوا الثَّوْبَ بَيْنَ يَدَيْهَا فَقَالَ لَهَا

میں باندھ دیا اور اس عورت کو اس کے اونٹ پر سوار کرا دیا اور کھانے کا کپڑا اس کے آگے رکھ دیا اب حضور نے اس سے فرمایا

اس کا سب سے عمدہ اور نفیس جواب وہ ہے جو استاذی جلالۃ العلم حافظ ملت، حضرت علامہ حافظ ابو الفیض عبد العزیز صاحب قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور نے دیا۔ ارشاد فرمایا۔ اگرچہ قلب محسوسات اور معقولات دونوں کا ادراک کرتا ہے۔ مگر محسوسات کے ادراک کے لئے حواس کا واسطہ ضروری ہے طلوع فجر محسوس مبصر ہے اس کے جاننے کیلئے آنکھ کا واسطہ ضروری ہے۔ چونکہ چشمان مبارک سو رہی تھیں۔ اس لئے قلب مبارک طلوع فجر کا ادراک نہ کر سکا۔ اس کی حکمت یہ تھی کہ جیسے حالت بیداری میں کبھی کبھار سہو ہو گیا ہے اس مصلحت سے تاکہ سہو کی تلافی اور قضا کے احکام کا بیان اور اس کی تشریع فعل رسول سے ہو جائے۔ اسی طرح سونے کی وجہ سے نماز کی قضا بھی اسی حکمت کی بنا پر ہے کہ احکام قضا کا بیان اور اس کی تشریع حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے ہو جائے۔

فارتحلوا وہاں سے کوچ کرنے کی وجہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ۔

هٰذا منزل حضرفيه الشيطان — اس جگہ شیطان آگیا۔

فدعا فلان یہ خود راوی حدیث حضرت عمران تھے۔ جیسا کہ ابن زریر کی روایت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے جو چند سوار تھے ان کے ساتھ مجھے پانی تلاش کرنے کے لئے بعجلت تمام بھیجا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صرف حضرت عمران اور حضرت علی ہی نہیں گئے تھے بلکہ ایک جماعت گئی تھی۔ جن کے امیر

نہ مسلم ص۲۴۰ ؎ عینی جلد رابع ص۲۹

تعلمين ما رزئنا من مائك شيئا و لكن الله هو الذي اسقانا - فاتت اهلها

ہم نے تیرے پانی سے کچھ کم نہیں کیا ہاں اللہ ہی وہ ہے جس نے ہمیں پانی پلا دیا۔ اس کے بعد عورت اپنے گھر

وقد احتبست عنهم - قالوا ما حبسك يا فلانة - قالت العجب لقيني

والوں کے پاس گئی چونکہ اس کے پہنچنے میں تاخیر ہو گئی تھی۔ تو گھر والوں نے پوچھا اے فلا: تجھے کس چیز نے روکا۔ اس نے کہا

رجلان فذهبا بي الى هذا الرجل الذي يقال له الصابي ففعل بي

تعجب انگیز بات ہے مجھے دو شخص ملے اور مجھے ان کی خدمت میں لے گئے جنہیں صابی کہا جاتا ہے۔ تو انھوں نے ایسا

كذ و كذا فو الله انه لاسحر الناس من بين هذه وهذه و قالت

ایسا کیا خدا کی قسم وہ شخص اس کے اور اس کے درمیان سب سے بڑا جادوگر ہے اور اس نے

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ رہے ہوں گے اور ممتاز افراد میں حضرت عمران۔ اس لئے بخاری کی اس روایت میں خصوصیت سے ان دونوں کا تذکرہ ہے۔

فوائد مسلم میں ہے۔ فنج فی العزلاوین العلیاوین۔ بیہقی اور طبرانی میں ہے فمضمض فی الماء واعادہ فی افواہ المزادتین۔ پانی میں کلی کر کے مشکیزوں کے منہ میں ڈال دیا۔ اس کی برکت سے پانی سب نے پیا۔ جانوروں کو پلایا مگر کم نہ ہوا۔

مسائل اس حدیث سے یہ مسائل اخذ ہوئے ① بزرگوں کا ادب بہر حال لازم ہے۔ وہ سو رہے ہوں تو ان کو مخاطب کر کے پکارنا بھی نہیں چاہئے ② کسی طاعت کے فوت پر افسوس محمود ہے ③ اپنی تقصیر کے بغیر نماز قضا ہو جائے تو کوئی گناہ نہیں ④ سفر میں ساتھیوں کا خیال رکھنا لازم ہے ⑤ پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں جنبی کو بھی تیمم کافی ہے ⑥ پوری جماعت کی نماز قضا ہو جائے تو اذان بھی سنت ہے اور جماعت بھی ⑦ شدید پیاس دفع کرنے کیلئے دوسرے کا پانی بالجبر عوض سے لینا جائز ہے۔ ⑧ وضو اور غسل پر پیاس مقدم ہے ⑨ ہبہ وغیرہ اور اس کا عوض زبان سے کہے بغیر لینا دینا جائز ہے ⑩ کفار کے برتن اور پانی اور کھانے کا استعمال جائز ہے جب تک نجاست اور حرمت کا یقین نہ ہو ⑪ فوت شدہ نماز کی ادائیگی میں بقدر ضرورت تاخیر درست ہے ⑫ حضرت فاروق اعظم دینی معاملے میں سب سے زیادہ قوی اور سخت تھے ⑬ استیلاء تام سے حربیوں کا مال مسلمانوں کیلئے حلال ہے۔ استیلاء تام سے مراد یہ کہ وہ مال پورے طور سے قبضے میں آجائے۔ لشکر اسلام یا دار الاسلام میں پہنچ جائے۔

بِاِصْبَعَيْهَا الْوُسْطٰى وَالسَّبَّابَةِ فَرَفَعَتْهُمَا اِلَى السَّمَاءِ تَعْنِى السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ

اپنی بیچ اور کلمے کی انگلیوں سے اشارہ کیا ان دونوں کو آسمان کی طرف اٹھایا اس کی مراد زمین اور آسمان تھی۔

اَوْ اِنَّهٗ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ حَقًّا فَكَانَ الْمُسْلِمُوْنَ بَعْدُ يُغِيْرُوْنَ عَلٰى مَنْ حَوْلَهَا

یا وہ یقیناً اللہ کے برحق رسول ہیں۔ اس کے بعد مسلمان اس عورت کے ارد گرد کے مشرکین پر چھاپے مارتے رہے

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَلَا يُصِيْبُوْنَ الصِّرْمَ الَّذِىْ هِىَ مِنْهُ۔ فَقَالَتْ يَوْمًا

اور یہ عورت جس محلے میں تھی اسے چھوڑ دیتے۔ اس پر اس عورت نے ایک دن اپنی قوم سے کہا

لِقَوْمِهَا مَا اَرٰى اَنَّ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ قَدْ يَدَعُوْنَكُمْ عَمْدًا فَهَلْ لَكُمْ

میں سمجھتی ہوں کہ یہ لوگ تم کو بالقصد چھوڑ دیتے ہیں تو کیا اب تمہیں اسلام قبول کرنے کی رغبت ہے

فِى الْاِسْلَامِ فَاَطَاعُوْهَا فَدَخَلُوْا فِى الْاِسْلَامِ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ،

قوم نے اس کی بات مان لی اور سب اسلام میں داخل ہو گئے۔ ابو عبد اللہ نے کہا

قال ابو عبد اللہ صابی کا لفظ دو مادوں سے بنا ہے ایک "صَبَا يَصْبُوْا" سے ناقص واوی ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں۔ مائل ہوا۔ قلبی رجحان ہوا۔ اور ایک صَبَأَ يَصْبَأُ مہموز اللام ہے اس کے معنی لغت میں ہے۔ ایک دین سے نکل دوسرے دین میں داخل ہوا۔

اس حدیث میں صابی کا لفظ آیا ہے۔ اس کے بارے میں امام بخاری بتا رہے ہیں کہ اس کے معنی۔ ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہونے والے کے ہیں۔ عرب کے جاہل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "صابی" اسی بنا پر کہتے تھے۔ کہ حضور نے قریش کے مذہب کے بجائے دین ابراہیمی اختیار فرمایا تھا۔ قرآن مجید میں "صائبین" کا لفظ آیا ہے۔ لفظی مناسبت سے امام بخاری، ابو العالیہ کا قول نقل کرکے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے جو زبور پڑھتا تھا۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ "صائبین" اہل کتاب میں سے ہیں۔ اس کی پوری تحقیق اپنے موقع پر آئے گی۔

بخاری جلد اول تیمم باب الصعید الطیب وضوء المسلم ص۴۹۔ بخاری جلد اول تیمم ص۵۰۔ بخاری جلد اول مناقب باب علامات النبوۃ۔ مسلم جلد اول مساجد باب قضاء الصلوۃ الفائتۃ ص۲۳۹۔ نسائی جلد اول طہارت باب التیمم بالصعید۔ دارمی وضوء ص۷۵۔ مسند امام

صَبَا خَرَجَ مِنْ دِيْنٍ إِلَى غَيْرِهِ وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ الصَّابِئِيْنَ فِرْقَةٌ

امام بخاری نے کہا۔ صَبَا۔ کے معنی ہیں ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہوا اور ابو العالیہ نے کہا

مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ يَقْرَءُوْنَ الزَّبُوْرَ۔ أَصْبُ أَمِلْ۔

صابئین اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے جو زبور پڑھتے ہیں۔ اَصْبُ کے معنی ہیں میں مائل ہوں۔

ت (۸۰) وَيُذْكَرُ أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ، أَجْنَبَ فِيْ لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ

اور ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرو بن عاص کو ایک سرد رات میں جنابت لاحق ہوگئی

سورہ یوسف میں۔ اَصْبُ۔ کا لفظ آیا ہے۔ جو ناقص واوی ہے۔ اس کے معنی اَمِلُ کے ہیں یعنی میں مائل ہو جاؤنگا۔ علامہ عینی کی تحقیق یہ ہے کہ اس حدیث میں صابی کا جو لفظ ہے۔ یہ ناقص واوی ہے۔ اس لئے کہ اہل عرب جو شخص مسلمان ہو جاتا۔ اسے مصبُوٌّ۔ اور عام مسلمان کو صُبَاةٌ کہتے تھے۔ جو صابی ناقص کی جمع ہے۔ جیسے غازی کی غزاۃ قاضی کی قضاۃ اگر یہ مہموز لام ہوتا تو اس کا اسم مفعول مصبوء ہمزے کیساتھ آتا جیسے مقرو ءٌ اور جمع صُبَاءٌ آتی جیسے قاری کی جمع قراء۔ حدیث میں صابی کی روایت دونوں طرح ہے ہمزے کیساتھ بھی اور بغیر ہمزے کے بھی۔

اس حدیث میں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ ان صحابیہ بی بی نے حالت کفر میں بھی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کوئی گستاخی نہیں کی۔ بلکہ ادب کا لحاظ رکھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا تو یہ کہا۔ وہ جنھیں صابی کہا جاتا ہے۔ خود انھوں نے صابی نہیں کہا۔ اس کا فائدہ ان کو یہ ملا کہ ایمان نصیب ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافر بھی اگر محبوبان بارگاہ کا ادب کرتا ہے تو اسے فائدہ پہنچتا ہے۔

تشریحات (۸۰)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مشہور صحابہ کرام میں سے ہیں۔ سیاست، حکمرانی، شجاعت، جنگی مہارت اور مشکل سے مشکل معاملے کے حل میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ مشہور ہے۔ دُہاۃ عرب چار ہیں۔ معاویہ، مغیرہ، عمرو بن عاص زیاد بن ابیہ۔ ان کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ مشکل اور لاینحل معاملات کو چٹکی بجاتے حل کر دیتے تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سات سال پہلے پیدا ہوئے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد بیس سال باحیات رہے نوے سال کی عمر پائی۔ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان ۸ھ میں صفر کو سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حاضر خدمت

فَتَيَمَّمَ وَتَلَا وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا فَذَكَرَ ذٰلِكَ

تو انھوں نے تیمم کیا اور یہ آیت تلاوت کی اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو بلاشبہ اللہ عزوجل تم پر مہربان ہے

ہو کر ایمان سے مشرف ہوئے ان کے ساتھ عثمان بن طلحہ بھی تھے۔ یہ لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہاری طرف پھینک دیے ہیں۔ انکا بیان ہے کہ میرے دل میں اسلام اسی وقت گھر کر گیا تھا جب میں نجاشی کے یہاں مسلمانوں کو واپس لانے گیا تھا۔ اسلام لانے کے بعد بارگاہ اقدس کے مقربان خاص میں داخل ہو گئے۔ ان کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتنا احترام اور اجلال تھا کہ کبھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے۔ بارگاہ میں ہمیشہ نگاہ نیچی رکھتے تھے۔ ان کی سرکردگی میں ؁۸ھ میں ذات السلاسل کی مہم گئی جسمیں حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے ماتحت تھے۔ اسی غزوے میں وہ واقعہ رونما ہوا جو اس "تعلیق" میں مذکور ہے۔ اخیر عمر مبارک میں انھیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمان کا والی بنا دیا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک اس عہدے پر باقی رہے۔ جب شام کی مہم شروع ہوئی، تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں فلسطین کی مہم پر مقرر فرمایا۔ پھر فلسطین کی فتح کے بعد، ان کو اردن اور فلسطین کا والی بنا دیا اس کے بعد مصر کی فتح پر مامور فرمایا انھوں نے جب مصر فتح کر لیا تو وہاں کا والی بنایا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی عہدے پر باقی رکھا۔ پھر چار سال کے بعد معزول کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات تک یہ فلسطین رہے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد یہ حضرت معاویہ کے پاس آگئے اور ان کے مشیر خاص اور قوت بازو رہے۔ یہاں تک کہ واقعہ صفین کے بعد جب تحکیم پر اتفاق ہوا تو حضرت معاویہ نے ان کو اپنی طرف سے حکم بنایا۔ دومۃ الجندل کے افسوسناک واقعے کے بعد حضرت معاویہ نے مصر پر ان کو والی بنا دیا۔ اسی حالت میں خاص عید الفطر کے دن ؁۴۳ھ کو مصر ہی میں وصال فرمایا۔ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر نماز عید پڑھائی۔ فضع کے علاقہ مقطم میں دفن کیے گئے۔ یہ وصیت فرما گئے تھے کہ جب مجھے دفن کر چکو تو میری قبر پر اتنی دیر بیٹھے رہنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ مجھے انسیت حاصل ہو۔ ان سے سینتیس احادیث مروی ہیں جن میں سے تین بخاری میں ہیں۔[1]

سریہ ذات السلاسل

یہ واقعہ سریہ ذات السلاسل میں پیش آیا تھا۔ یہ سریہ جمادی الاولیٰ ؁۸ھ میں ہوا تھا۔ اس کا نام ذات السلاسل اس لئے پڑا کہ یہ قبیلہ جذام کی سرزمین میں ہوا تھا جس کا نام

---

[1] عینی جلد رابع باب التیمم ص۳۴ الاستیعاب، اصابہ۔

لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فَلَمۡ یُعَنِّفۡ۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسے ذکر کیا گیا تو حضور نے انکی سرزنش نہیں کی۔

حدیث۔ مناظرۃ ابن مسعود و ابی موسیٰ الاشعری فی تیمم الجنب (۲۴۱)

عَنۡ شَقِیۡقٍ قَالَ کُنۡتُ جَالِسًا مَّعَ عَبۡدِ اللّٰہِ وَاَبِیۡ مُوۡسَی الۡاَشۡعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ

شقیق بن سلمہ نے کہا میں، حضرت عبد اللہ (بن مسعود) اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیساتھ

سلسل ہے یہ مدینہ طیبہ سے دس دن کی دوری پر وادی القری کے آگے ہے۔

تکمیل پوری تفصیل یہ ہے جو خود حضرت عمرو بن عاص نے بیان کیا، کہ مجھے سریہ ذات السلاسل میں جنابت لاحق ہو گئی۔ سردی کی رات تھی۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر نہاؤں تو کہیں مر نہ جاؤں تو تیمم کر کے میں نے صبح کی نماز پڑھائی واپسی پر لوگوں نے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا۔ میں نے وجہ عرض کر دی اور یہ آیت تلاوت کی۔

وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمۡ رَحِیۡمًا (نساء) ۲۹ اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو بلاشبہ اللہ تم پر مہربان ہے۔

یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کچھ نہیں کہا۔[1]

اس حدیث سے یہ مسائل اخذ ہوتے ① محدث ہو یا جنب اگر اسے یہ ظن غالب ہو کہ پانی کے استعمال سے جان چلی جائیگی یا مرض بڑھ جائے گا یا دیر میں اچھا ہوگا تو وہ تیمم کر لے ② جنبی بوجہ عذر شرعی اگر تیمم کر کے نماز پڑھے تو اس کا اعادہ نہیں جیسا کہ امام بخاری کے ذکر کردہ لفظ، الم یعنفہ اور ابو داؤد کے۔ ولم یقل شیئا۔ سے ظاہر ہے ③ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اجتہاد کی اجازت تھی۔

تشریحات (۲۴۱)

تکمیل۔ اس روایت میں قلب ہے۔ یعنی مکالمے کے نقل میں تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے۔ صحیح صورت یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا۔ اے ابو عبدالرحمن بتایئے اگر کوئی جنبی ہو جائے اور پانی نہ پائے تو کیا کرے یعنی تیمم کر کے نماز پڑھے۔ یا بلا تیمم کے یا نماز ہی نہ پڑھے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ یہ

---

[1] ابو داؤد جلد اول طہارت باب اذا خاف الجنب البرد تیمم ص۴۸

تَعَالٰی عَنْهُمَا فَقَالَ لَهٗ اَبُوْمُوْسٰی لَوْاَنَّ رَجُلًا اَجْنَبَ فَلَمْ یَجِدِ الْمَاءَ شَهْرًا

یہ تھا کہ ابوموسیٰ نے عبداللہ سے کہا اگر کوئی جنبی ہو جائے اور ایک مہینے تک پانی نہ پائے تو کیا وہ تیمم

اَمَا کَانَ یَتَیَمَّمُ وَیُصَلِّیْ، قَالَ. فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ لَایَتَیَمَّمُ وَاِنْ کَانَ لَمْ یَجِدْ

کرے اور نماز پڑھے۔ راوی نے کہا۔ اس پر عبداللہ نے کہا تیمم نہ کرے اگرچہ ایک ماہ تک پانی نہ پائے۔

شَهْرًا فَقَالَ لَهٗ اَبُوْمُوْسٰی فَکَیْفَ تَصْنَعُوْنَ بِهٰذِهِ الْآیَةِ فِیْ سُوْرَةِ الْمَائِدَةِ

ابوموسیٰ نے کہا۔ سورہ مائدہ کی اس آیت کو کیا کرو گے (کہ فرمایا) اگر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے

نماز نہ پڑھے۔ تو حضرت ابوموسیٰ نے کہا۔ عمار کی اس روایت کو کیا کرو گے جو وہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمار سے فرمایا۔ تمہیں یہ کافی ہے۔ (تیمم کی طرف اشارہ فرمایا)۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا کیا آپ کو نہیں معلوم کہ حضرت عمر نے عمار کے قول پر اطمینان نہیں فرمایا۔ اب حضرت ابوموسیٰ نے کہا۔ چلو ہم عمار کے قول کو چھوڑتے ہیں اس آیت کو کیا کرو گے۔ اس کا جواب حضرت عبداللہ نہ دے پائے۔ اور یہ کہا۔ اگر ہم جنبی کو تیمم کی اجازت دیدیں تو جب کسی کو پانی ٹھنڈا لگے گا تو غسل نہ کریگا تیمم کرنے لگے گا۔ اعمش نے کہا میں نے شقیق سے کہا۔ حضرت عبداللہ نے اس وجہ سے اسے ناپسند کیا تو شقیق نے کہا۔ ہاں۔ اس میں تھوڑا اختصار بھی ہے پوری تفصیل وہ ہے جو حدیث (۳۳۹) میں گذر چکی ہے کہ حضرت عمار نے حضرت عمر سے یہ کہا مجھے اور آپ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک سریہ میں یا اونٹوں کی دیکھ بھال کیلئے بھیجا تھا۔ اور مجھے بھی جنابت لاحق ہو گئی اور آپ کو بھی۔ میں نے تو چوپائے کی طرح زمین پر لوٹ کر نماز پڑھ لی۔ آپ نے نہیں پڑھی۔ جب واپس آکر خدمتِ اقدس میں واقعہ عرض کیا تو فرمایا تمہیں یہ کافی ہے۔

توضیح باب

اس حدیث پر امام بخاری نے۔ دو باب قائم فرمایا ہے۔ پہلا یہ ہے۔

اذا خاف الجنب علی نفسه المرض او الموت او خاف العطش تیمم۔

غسل کرنے سے اگر جنبی کو مریض ہو جانے یا موت کا یا پیاس کا اندیشہ ہو تو تیمم کرے۔ اس کی تائید میں امام بخاری نے "پہلے عمرو بن عاص کا "اثر" ذکر فرمایا۔ جس میں یہ ہے کہ "حضرت عمرو بن عاص نے اپنے اجتہاد سے ضرر کے اندیشے سے بجائے غسل کے تیمم کر کے نماز پڑھی۔ پھر خدمتِ اقدس میں عرض کیا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر سکوت فرمایا۔ نہ تو انہیں ملامت کی نہ اس پر انکار فرمایا یہ ان کے فعل کی تائید ہے۔ جسے اصطلاح میں تقریر کہتے ہیں۔ اس طرح اس خصوص میں حضور کی بھی اجازت ثابت ہے۔ اس سے معلوم ہوا جب جنبی غسل پر قادر نہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھے۔ یہی جمہور صحابہ اور امام اعظم امام

فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ لَوْ رُخِّصَ

تیمم کرو۔ اس پر عبداللہ نے کہا اگر اس صورت میں تیمم کی اجازت

فِيْ هٰذَا لَهُمْ لَاَوْشَكُوْا اِذَا بَرَدَ عَلَيْهِمُ الْمَاءُ اَنْ يَّتَيَمَّمُوا الصَّعِيْدَ

دیدی جائے تو لوگوں کو جب بھی پانی ٹھنڈا لگے گا مٹی سے تیمم کرنے لگیں گے

مالک اور شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مسلک ہے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ قرآن کریم میں ہے۔ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا۔ اور تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔ پانی نہ پانے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک حقیقی کہ واقعی حقیقت میں وہاں پانی نہ ہو۔ دوسرے حکمی کہ پانی ہے مگر پانی کے استعمال پر قدرت نہیں۔ مثلاً دشمن یا درندے کا خوف ہے یا پانی کنوئیں میں ہے اس کے پاس ڈول یا رسی یا کوئی ایسی چیز نہیں جس سے پانی کھینچ سکے۔ یا پانی تھوڑا ہے اگر اسے غسل میں صرف کر دیگا تو اس کی یا ساتھیوں یا جانوروں کی پیاس کا اندیشہ ہے۔ یا پانی کے استعمال پر بظاہر قدرت ہے مگر چونکہ پانی کے استعمال کرنے سے جان جانے کا اندیشہ ہے یا بیمار پڑ جانے کا یا بیماری بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو یہ حقیقت میں پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہوئی۔ ان صورتوں میں پانی موجود تو ہے مگر اس کا وجود و عدم برابر ہے اس لئے حکماً گویا پانی موجود نہیں۔ اس لئے ان تمام صورتوں میں تیمم کی اجازت ہے۔ ان تمام صورتوں میں جنب کی تخصیص نہیں۔ بلکہ محدث کا بھی یہی حکم ہے۔

اس باب کی تائید میں امام بخاری نے دوسری دلیل، حضرت عمار کی وہ حدیث پیش کی جو زیر بحث ہے اس حدیث میں جو استدلال ہے وہ اصل میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ انھوں نے اس پر دو دلیلیں قائم کیں۔ ایک حضرت عمار کی حدیث میں یہ ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس صورت میں حضرت عمار کو تیمم کی اجازت دی۔ دوسری دلیل سورہ مائدہ کی آیت تیمم ہے۔ آیت سے استدلال کا حضرت عبداللہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ حضرت عمار کی حدیث پر یہ فرمایا۔ کہ حضرت عمار کے قول پر حضرت عمر کو اطمینان نہ ہوا۔ حضرت عمر کے اطمینان نہ ہونے کا سبب یہ نہیں کہ وہ حضرت عمار کو جھوٹا سمجھتے تھے۔ بلکہ چونکہ حضرت عمار نے یہ بیان کیا تھا کہ آپ بھی ساتھ تھے۔ کیا آپ کو یاد نہیں۔ اس سے حضرت عمار، حضرت فاروق اعظم کی تائید حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مگر چونکہ حضرت فاروق اعظم کو یاد نہ تھا اس لئے فرمایا۔ اے عمار اللہ سے ڈرو۔ حضرت عمر عمار کو جھوٹا نہیں جانتے تھے۔ اس پر قرینہ یہ ہے جب حضرت عمار نے کہا کہ اگر آپ کہیں تو میں آئندہ اسے نہ بیان کروں تو فاروق اعظم نے فرمایا میرا مقصد یہ ہرگز نہیں تمھیں یاد ہے تو تم بیان کرو۔ اگر انھیں جھوٹا جانتے تو ضرور انھیں یہ حدیث بیان کرنے سے روک دیتے۔

قُلْتُ وَاِنَّمَا كَرِهْتُمْ هٰذَا لِذَا قَالَ نَعَمْ فَقَالَ اَبُوْ مُوْسٰى اَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ

میں نے کہا تم نے اس وجہ سے ناپسند کیا ہے انھوں نے کہا ہاں۔ اس پر ابو موسیٰ نے کہا کیا تم نے وہ نہیں سنا

عَمَّارٍ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ

جو عمار نے عمر بن خطاب سے کہا تھا۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک کام کیلئے بھیجا

حضرت عمار نے ایکبار اس حدیث کو بیان فرمادیا۔ اس سے فرض تبلیغ ادا ہوگیا تھا۔ اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انھوں نے کتمان علم کی اجازت مانگی تھی۔

حضرت عمر کس بنا پر جنبی کیلئے غسل کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ یہ کہیں منقول نہیں۔ مگر غور کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غالباً اس آیت میں۔ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ۔ سے مراد لمس بالید، صرف ہاتھ سے چھونا مراد لیتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر وہ ملامست سے جماع مراد لیتے تو نص قرآنی کے خلاف کبھی فتویٰ نہ دیتے۔ اب حضرت عمر کا استدلال یہ ہوسکتا ہے۔ کہ فرمایا گیا۔ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا۔ اگر تم جنبی ہو تو خوب پاک ہو لو۔ فَاطَّهَّرُوْا۔ سے بالاجماع غسل مراد ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔ اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا عورتوں کو چھوؤ اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی پر تیمم کرو۔

تو سیاق سے ظاہر ہوگیا کہ تیمم صرف محدث کیلئے ہے۔ اور جنب کیلئے صرف غسل ہے۔

رہ گئے حضرت ابن مسعود تو انھوں نے اپنے فتویٰ کی وجہ خود ہی ظاہر کردی۔ کہ۔ اگر جنبی کو۔ بجائے غسل کے تیمم کی اجازت دیدی جائے۔ تو جسے بھی پانی ٹھنڈا لگے گا وہ تیمم کرنے لگے گا۔

یعنی یہ اندیشہ ہے کہ اگر جنبی کو پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی اجازت دیدی گئی تو لوگ ذراسی باتوں کی وجہ سے بجائے غسل کے تیمم کرنے لگیں گے۔ اور ایسی باتوں کا سد باب ضروری ہے۔ اس لئے جنب کو تیمم کی اجازت نہ ملنی چاہیے۔[1] اس حدیث سے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام میں حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما جنب کو غسل کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ مگر امام نووی[1] نے ایک قول نقل فرمایا ہے کہ حضرت عمر نے اس فتوے سے رجوع فرمالیا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام نبیرہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہما نے اپنی شرح[2] میں فرمایا۔ کہ ابن ابی شیبہ میں بسند منقطع یہ مذکور ہے کہ حضرت ابن مسعود نے بھی اپنے فتویٰ سے رجوع فرمالیا تھا۔ اس طرح اب اس پر اجماع ہوگیا کہ جنب کو اگر پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمم کرکے نماز پڑھے۔

---

[1] نووی شرح مسلم جلد اول باب تیمم ص۱۶۰ [2] جلد ثانی باب التیمم ص۳۵۳۔

حَاجَةٍ فَاَجْنَبْتُ فَلَمْ اَجِدِ الْمَاءَ فَتَمَرَّغْتُ فِي الصَّعِيْدِ كَمَا تَمَرَّغُ الدَّابَّةُ
تھا تو میں جنبی ہوگیا اور پانی نہ پاسکا تو مٹی میں اس طرح لوٹا تھا جیسے چوپایا لوٹتا ہے۔ میں نے
فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا۔ تمہیں صرف یہ کافی تھا کہ ایسے کرلیتے
اَنْ تَصْنَعَ هٰكَذَا وَضَرَبَ بِكَفِّهِ ضَرْبَةً عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ نَفَضَهَا ثُمَّ مَسَحَ
اور حضور نے اپنی ہتھیلی ایک بار زمین پر ماری پھر اسے جھاڑا پھر اس مٹی کو

اس حدیث پر امام بخاری نے دوسرا باب یہ قائم فرمایا ہے۔ التیمم ضربۃ۔ تیمم صرف ایکبار ہاتھ مارنا ہے اس پر پوری بحث گذر چکی۔ اس باب کی تائید حدیث کے اس جملے سے ہوتی ہے۔ کہ حضرت عمار نے فرمایا۔ ضرب بکفہ ضربۃ علے الارض۔ حضور نے اپنی ہتھیلی ایکبار زمین پر ماری۔ لیکن اسلوب کلام سمجھنے کی جو لوگ مہارت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیمم کا طریقہ نہیں بتا رہے تھے۔ بلکہ مقصود یہ تھا۔ کہ اے عمار جنابت کے لئے تیمم میں پورے جسم پر مٹی ملنا ضروری نہیں۔ کہ تم لوٹے۔ بلکہ صرف معہود تیمم کرلینا کافی تھا۔ اس کی طرف اشارہ فرمادیا کہ مٹی پر ہاتھ مار کر یوں کرلیتے یعنی جیسے تیمم کیا جاتا ہے ویسے کرلیتے۔ ورنہ اس میں یہ ہے پہلے ہاتھوں کی پشت کو ملا پھر چہرے کو ملا۔ یہ کسی کے یہاں نہیں کہ پہلے ہاتھ پر مٹی ملے پھر اس کے بعد چہرے پر ملے۔ جو جواب اور لوگ اس کا دیں گے وہی جواب ہم، ضربۃ کا دیں گے۔

مسائل اس حدیث سے یہ مسائل مستنبط ہوئے ① محدث کی طرح جنب بھی اگر پانی پر قادر نہ ہو تو تیمم کرکے نماز پڑھے ② حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتاب اللہ کے مقابلے میں حضرت عمار کی حدیث جو خبر واحد تھی، قبول نہیں فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کے مقابلے میں خبر واحد مرجوح ہے۔ خطابی نے کہا۔ کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت کریمہ میں، ملامست، سے جماع مراد لیتے تھے۔ اور اگر وہ ملامست سے مس بالید، مراد لیتے۔ تو انہیں بہت آسان تھا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے جواب میں کہہ دیتے۔ کہ اس آیت سے استدلال درست نہیں۔ یہ جنب کے بارے میں وارد ہی نہیں۔ یہ صرف محدث کیلئے ہے۔ لیکن علامہ عینی نے اسے یہ فرما کر مسترد کردیا۔ کہ اگر حضرت ابن مسعود۔ ملامست۔ سے جماع مراد لیتے۔ تو لازم آئے گا کہ وہ نص قرآنی کے خلاف فتویٰ دیتے تھے۔ یہ ان سے مستبعد ہے۔ ہوسکتا ہے وہ۔ ملامست۔ سے مس بالید ہی مراد لیتے ہوں۔ مگر بحث کو طول دینا نہیں چاہتے۔ یا وہ مجمع اس لائق نہ تھا۔ اس لئے وہ جواب نہ دیا۔ دوسرا

بِبَاطِنِ كَفِّهِ بِشِمَالِهِ أَوْ ظَهْرِ شِمَالِهِ بِكَفِّهِ ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ، فَقَالَ

بائیں ہتھیلی سے داہنے ہاتھ کی پشت پر ملا یا بائیں ہاتھ کی پشت کو اپنی داہنی ہتھیلی سے ملا پھر دونوں کو

عَبْدُ اللهِ أَفَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِقَوْلِ عَمَّارٍ۔

اپنے چہرے پر ملا۔ یہ سن کر عبداللہ نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ عمر کو عمار کے قول پر اطمینان نہیں ہوا۔

سبب بیان کر دیا۔ (۴) دوران مناظرہ ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف منتقل ہونا جائز ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ دوسری دلیل۔ بہ نسبت پہلے کے مقابل کو جلد ساکت کرنے والی ہو۔ جیسے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمرود کے مقابلے میں کیا تھا۔ پہلے فرمایا۔ میرا خدا وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ اس پر اس نے جب دو قیدیوں کو بلا کر ایک کو قتل کر دیا اور ایک کو چھوڑ دیا اور کہا کہ میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ تو حضرت خلیل اللہ نے بحث کو طول نہیں دیا۔ دوسری دلیل ایسی مسکت پیش فرمائی۔ کہ وہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ فرمایا اللہ وہ ہے جو سورج کو پورب سے نکالتا ہے تو اگر خدا ہے تو پچھم سے نکال دے۔

عہ بخاری جلد اول تیمم باب التیمم ضربۃ۔ صہ بخاری جلد اول تیمم باب اذا خاف الجنب علی نفسہ المرض او الموت او خاف العطش تیمم۔ صہ مسلم جلد اول طہارت باب التیمم ص۱۶۱۔ ابوداؤد جلد اول طہارت باب التیمم ص۳۹۔ نسائی جلد اول طہارت باب تیمم الجنب ص۶۱۔